

سورج لاهیج

دوستدار خاندان

مجله



PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081



غالب اور شکستے

علم نجوم کی روشنی میں —
غالب کے فن اور شخصیت کو بھلاؤں
بھی پرکھا گیا ہوگا۔

نوادرات غالب

کا پیش برہا خزانہ
ہر خاص و عام کی دسترس میں

نایاب تحریریں
نادر تصویریں

جاگیر غالبؔ

کا اصل نسخہ منظرِ عاآپ
تین سو سے زائد صفاتِ شریل یہ انمول کتاب بالکل مفت

آنجمہانی
پر تھوڑی چند
کی مایہ ناز
کاوشیں

غالب اور کاروں

اشعارِ غالب کے کاروں کا موضوع بنایا گیا،
فکرِ غالب کے کیا کیا انداز
— سامنے آئے — آپ مکرائے
بغیر نہیں رہ سکتے۔

1997ء

شاعر بے مثال مرزا اسد اللہ خان غالب

کا

دو صد سالہ جشن ولادت

شوہ

کے غالب نمبر کی جلد دوم
تمام تر معنوی و صوری خوبیوں کے ساتھ

عنقریب منظر عام پر

اُردو ادب کا معیار

سُورج

لاہور

غالب کا دو صد سالہ جشن ولادت

خصوصی اشاعت

تحقیق و تدوین

سلیم احمد تصور

16۔ عُمَر رُودِ اسلام پُور

لاہور : فون : 7226970

سُورج پبلشنگ ہیور

اپریل مئی 1996ء

جلد 25 شماره : 5,4

قیمت خصوصی اشاعت : 600 روپے

تفسیر کار :

القرآن پرائز غزنی سٹریٹ
اُردو بازار : لاہور
فون : 7237500

کتابیں

پہلی کرن

5

مدیر کے قلم سے

حیات غالب

حیات غالب نہیں کے آئینے میں

گوہر نوشای

9

مرزا اسد اللہ غالب کی خود نوشتہ سوانح کا ایک نادر ورق — بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی

پیشکش

11

غالب اور ستارے

(علم نجوم کی روشنی میں غالب کے فن اور شخصیت کو بھلا یوں بھی پکھا گیا ہو گا — مضامین کا ایک ریچسپ سلسلہ)

غالب کا زائچہ (تاریخ پیدائش)

مسلم ضیائی

13

غالب کی صحیح تاریخ پیدائش

سید محمد حسین رضوی

17

میرزا غالب کا زائچہ

امتیاز علی مرثی

43

اوج قبول (غالب کا نمونہ کلام)

سید محمد حسین رضوی

48

غالب، محمد غالب

محمد غالب میں لال قلعے کی معاشرتی زندگی

سید ضمیر حسین دہلوی

81

دلگاہ رنگ بزم آرائیاں

ڈاکٹر ظلیق اٹم

90

غالب اور ان کی ہم عصر صحافت

ڈاکٹر عبد السلام خورشید

101

محمد غالب میں دینی فکر اور سماجی مسائل

پروفیسر افتخار حسین

119

ڈاکٹر غالب — 1862ء کے اودھ اخبار میں

محمد حقیق صدیقی

126

غالب کا نکلنے

پروفیسر احمد خاں

136

غالب کے محمد میں ڈاک کا نظام

ڈاکٹر حنیف نقوی

144

غالب تحقیق کے آئینے میں

162	ڈاکٹر فرمان فقیر دی	غالب کے اولین تقاریر نگار
180	ضیاء الدین ڈیپائی	غالب و فقر کے منہم کتبے
188	ڈاکٹر قمر نکمہ	مرزا غالب کی بازیافت ان کے آبائی وطن میں
196	مسلم ضیائی عہد	غالب کے سفارش نامے
207	ڈاکٹر مولوی عبدالحق	رونگہ او مقدمہ مرزا غالب
227	ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی	غالب، مرآت الاشیاء اور حکیم احسن اللہ
240	ڈاکٹر فرمان فقیر دی	غالب اور غالب تحفے کے اردو شعراء
261	محمد مشتاق بخاروی	آغا مرزا۔ غالب کا ایک شناسا خطاط
267	مولانا نظام رسول مر	ظانک نہیں۔ "قاطع برہان" کے سلسلے کی ایک کتاب
281	ڈاکٹر سید حامد حسین	غالب کے دو قلمی دواغ ان اور میر علی بخش رنجور
291	جلیل قدوائی	غالب کا الحاقی کلام۔ ایک داستان
296	کالید اس گپتارضا	مرزا عباس بیگ مرحوم (خواہر زادہ غالب)
310	حمیدہ سلطان احمد	جان غالب
312	مولوی احتشام الدین حق دیلوی	غالب کے بعض غیر مطبوعہ شعر اور لطیفے
316	کالید اس گپتارضا	عارف اور فرزند ی غالب
326	ڈاکٹر آصف زمانی	غالب اور گھسٹو
344	مالک رام	میرزا غالب

غالب اور لکیریں

ملک کے ممتاز کارٹونسٹ حمید (میر صاحب) نے غالب کے اشعار کو اپنے کارٹونوں کا موضوع بنایا اور یہ ستار ان غالب کے چہروں پر مسکرائیں۔

غالب ڈرامے

393	سید امتیاز علی تبج	غالب اور ان کی تنظیم (دراں غالب میں ایک شعری نمونہ)
399	ڈاکٹر محمد حسن	مرزا غالب

428	شان الحق حق	مرزا غالب لندن میں (ریڈیائی ٹیلیگراف)
438	ڈاکٹر انجاز حسین	مرزا غالب
485	غلام الفطین نقوی	نقد کے بعد

نقد غالب

491	میر محمد حسین حنا بلوچ	غالب کے سیاسی افکار
496	پروفیسر گوپی چند نارنگ	غالب کا جذبہ حب الوطنی اور سہ ستاروں
511	ڈاکٹر ظ۔ انصاری	غالب اور وفا کا تصور
522	ڈاکٹر انعام الحق کوثر	گوئیے اور غالب
528	ڈاکٹر وحید قریشی	خوف زدہ غالب اور عصری صورت حال
532	ڈاکٹر آفتاب احمد	غالب کے زمانہ اسیری کی ایک یادگار نظم
552	پروفیسر ندیم احمد	دعوت اور دساتیر
569	ڈاکٹر سلیم اختر	غالب کی شاعری اور جنس
583	احمد ہمدانی	عندلیب گلشن نا آفریدہ
588	مولانا غلام رسول مر	غالب کا تصور جنت و دوزخ
594	ڈاکٹر سہیل بخاری	مرزا غالب کی ایک ابھرنی
602	مالک رام	غالب کے ادبی معرکے

کلام غالب کے تراجم

625	پروفیسر آل احمد سرور	غالب کی اردو شاعری کے انگریزی تراجم
640	پروفیسر کلیم سہراوی	کلام غالب کے بلجی تراجم
649	محمد عارف یٹک	کلام غالب کے کشمیری تراجم
655	منیر احمد شیخ	کلام غالب کے پنجابی تراجم (پاکستان میں)

نوادر اات غالب

غالب تحریریں 'نوادر قصور' میں جنہیں تلاشِ بہار کے بعد کچا کیا گیا یوں کہ ہر صفحہ چابکدہات غالب میں شمار ہونے لگا۔

پر وہ اختتام ہے

آنجنابی پر قوی چندی مایہ ناز کاوش "جاگیر غالب" جو غالب کے مقدمہ پیش سے حلقہ طور
و مستویات پر مشتمل ہے اس بنیاد کتاب کا اصل نسخہ پہلی بار منظر عام پر — پاکستان میں یہ
اعزاز اور اورد سورج کو حاصل ہوا۔

691

انتھاریہ

1009	انجم عرفانی	غالب یونور شی میڈ
1016	نظر نسوی	غالب بنام فکر
1017	اختر نسوی	مرزا غالب — ایک فلسفی انٹرویو
1025	ڈاکٹر وحید قریشی	غالب اور اس کا ماحول
1042	سمیاء لال کپور	غالب کے اڑیں کے پر زبانی
1064	ارشاد میر	غالب کا میٹر (انشائیہ)
1053	اعظم حسن صدیقی	غالب اور انجم فکر
1057	بلوچ بیجا پوری	غالب کے حلقہ چند غیر معتبر روایات
1070	ڈاکٹر انور سعید	محمد غالب کے چند مسائل
1077	ڈاکٹر ثناء احمد فاروقی	نور اور غالب
1091	ڈاکٹر حسین فراتی	مثنوی چراغ و دم — ایک جائزہ
1108		ماہر غالبیات پروفیسر لطیف الزمان خان کا ایک اہم خط





میں نے اپنے بار بگ سے پوچھا۔۔۔۔۔

”غالب کو جانتے ہو؟“

”ہاں جی اوہ غالب‘ لوتی۔۔۔۔۔ بھلا غالب کو کون نہیں جانتا‘ ایسی اشاعر کیا تھا‘ شاہزادہ تھا‘

شاہزادہ اور نصیر الدین شاہ ہے نا وہ تو قسم میں ایسا غالب بتا ہے کہ کمال کر دیا ہے۔“

ممتاز دانشور علامہ فاضل امین فاضل نے فرمایا۔۔۔۔۔

”غالب کل بھی بڑا تھا‘ آج بھی بڑا شاعر ہے اور آنے والے کل میں بھی غالب شعرو غن کی

بلند چوں کو چھو رہا ہو گا۔“

غالب۔۔۔۔۔ ایک نام‘ ہر خاص و عام میں یکساں مقبول ہے۔ ملک غن کے اسی تاجدار کا دو

صد سالہ جشن ولادت 13 فروری 1997ء کو منایا جا رہا ہے۔ 1997ء غالب کا سال قرار پایا ہے۔

میں نے سوچا۔

اس تاریخی موقع پر ”سورج“ کی ایک خصوصی اشاعت غالب کی نذر کی جائے جو سب سے الگ

ہو۔ سب میں نمایاں ہو۔

بس صاحب ایسی سوچ قیامت ہو گئی۔ مطوم ہوا کہ یہ کام کچھ اتنا آسان بھی نہ تھا۔

خیال تھا کہ یہ بڑے بڑے ماہر ناہیات ہیں۔ جو اس راہ و شمار سے مجھے بڑی مہارت سے گزار

لے جائیں گے۔ محققین و دانشور مجھ سے جا مل مطلق کی بہت بڑھائیں گے۔ اور میرے لیے علم و دانش

کے خزانوں کا منہ کھول دیں گے۔

مگر مطوم ہوا کہ بس نام ہی نام تھا۔ کام کچھ نہ تھا اور اگر کسی کے پاس کچھ تھا تو وہ اسے سات

تالوں میں بند کیے بیٹھا تھا۔ اور پھر بھی چپکے چپکے ڈار تا تھا کہ کہیں کوئی تال کھولنے کا اسم اعظم ہی نہ جانتا

ہو؟ یہ کیسے عالم تھے جو ظم کی دولت پر سانپ بنے بیٹھے تھے۔ میں نے تو سنا تھا کہ ظم ایسی دولت ہے جو تقسیم

کرنے سے بڑھتی ہے۔

ایسی صورت ہو تو بات کیے کر رہنے؟

کچھ نہیں۔ بس یہ کہ تلاش جاری رکھی جائے۔

قریب قریب ’گاڈن گاڈن‘ شمر ضرور۔

پاکستان اور پھر پاکستان سے باہر مہارت‘ بگھ ویش‘ برطانیہ۔۔۔۔۔ کہیں خود پہنچا‘ کہیں غلا لکھے‘

نہیں احباب کو رحمت دی۔

ایک ہی درخواست ایک ہی سوال۔

شاعر بے مثال غالب کے بارے میں کوئی ایسی تصویر، کوئی ایسی تحریر، جس کا 'سورج' کے غالب نمبر میں شامل ہونا ضروری ہو، بے حد ضروری۔

اور پھر ہوا۔۔۔۔۔ میرے خدا نے مجھ سے کم مایہ پر نظر کرم کر دی۔ غالب نمبر شمل پذیر ہوئے گا۔

انچ کچھ جمع ہوا اور وہ کچھ مل گیا کہ غالب نمبر کم از کم دو جلدوں میں شائع کرنا ضروری ہو گیا۔۔۔۔۔ جلد اول نذر کار نہیں ہے۔

آج جب کہ غالب نمبر تھیل پا چکا ہے اور میں جلد اول کی پہلی کرن کے لیے یہ سطور قلم بند کر رہا ہوں تو اپنے ان احباب اور کرم فرماؤں کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔ جن کا پیار بھرا ساتھ اپنے اپنے رنگ میں میرا درد گار رہا۔

خیام اکرام۔۔۔۔۔ ایک خوبصورت شاعر، بلند پایہ نثر نگار اور میرے بڑے ہی پیارے دوست۔ میں نے انھیں کراچی، ایک ممتاز محقق و دانشور کے پاس سمجھا۔ جو اپنے قیام لاہور کے دوران چند اہم تحریریں میا کرنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ مگر خیام صاحب ان کے پاس پہنچے تو موصوف نے نہایت درشت رویہ اختیار کرتے ہوئے نئے سے انکار کر دیا۔ اور جب میں نے خیام اکرام سے معذرت چاہی تو وہ کمال اطمینان سے بولے۔

نہیں یار ایسی کوئی بات نہیں۔ البتہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ واقعی کچھ مل سکتا ہے۔ تو میں دوبارہ چلا جاتا ہوں۔

خیام اکرام کی یہ مشتاقانہ محبت غالب نمبر کی ترتیب و تدوین کے دوران ہمیشہ میرے ساتھ رہی۔ معروف صحافی و شاعر بیدار سردی سے میری برسوں کی دوستی ہے۔ کبھی ٹرکپو ڈنگ سفر چلا رہے ہیں۔

غالب نمبر کی کپو ڈنگ انھیں کے ادارے سے ہوئی ہے۔ اور یہ کام جس محبت اور لگن کے ساتھ کیا گیا۔ اس کے بعد بجا طور پر بیدار سردی کو غالب دوستوں کی صف اول میں جگہ دی جاسکتی ہے۔

اردو کی جانی پہچانی افسانہ نگار فرحندہ لودھی جو گورنمنٹ کالج لاہور کی چیف لائبریریئن ہیں۔ نے ایک اعتراف کے دوران کہا کہ پاکستان میں لائبریریوں قبرستان اور لائبریریئن مجاور ہیں۔ مجھے غالب نمبر کو مرتب کرتے ہوئے بار بار اس مکالمے کی صداقت کا تجربہ ہوا۔ جب کہ دیال سنگھ فرسٹ لائبریری کے اچارج نصرت اشعر سے ملاقات ایک خوشگوار حیرت میں تبدیل ہو گئی۔

نصرت اشعر کتاب دوست بھی ہیں اور کتاب شناس بھی، ملی ادبی کاموں سے ولی نگاہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے نہ صرف اپنی لائبریری کے دروازے میرے لیے کھول دیے۔ بلکہ دیگر بہت سی لائبریریوں سے استفادہ کرنے میں بھی میری مدد کی۔

ہو آئی رہتا ہے۔

یہ سلسلہ چل رہا تھا کہ اہل قلم کانفرنس مشفقہ اسلام آباد میں میرا جانا ہوا۔ وہاں پروفیسر لطیف الزمان خان سے بھی ملاقات ہوئی۔ پروفیسر صاحب ہوں اور ذکر غالب نہ ہو یہ بھلا کیسے ممکن ہے اور جب ذکر غالب چھڑا تو بات چینی جاگیر غالب تک۔

پروفیسر صاحب بولے "میاں! ابھی یہ اندھیر بھی دیکھا تھا۔ کسی کی کتاب کسی کے نام سے چھاپ لی جائے اور اسے غالیات میں ایک گرفتار اضافہ قرار دیا جائے۔

ڈاکٹر سید صہبن الرحمن کے ایک دوست جو قریب ہی تھے۔ بولے خان صاحب! جاگیر غالب کا اصل نسخہ سامنے آئے تو بات آگے بڑھے۔

اور پھر یوں ہوا کہ -----

پروفیسر لطیف الزمان خان نے چند روز بعد جاگیر غالب کا اصل نسخہ ایک تفصیلی خط مجھے ارسال کر دیا۔ یہ عمل نسخہ اور خط جس میں پروفیسر صاحب نے اپنی بات تفصیل کے ساتھ کی ہے۔ شامل اشاعت کر دیا گیا ہے۔

البتہ ڈاکٹر سید صہبن الرحمن "اس بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہوں۔ قرآن کے لیے جلد دوم کے صفحات حاضر ہیں۔ ان کا موقف بھی قارئین کے سامنے پیش کرنا ہمارے لیے باعث سعادت ہو گا۔

اب ذکر پروفیسر لطیف الزمان کے ایک اور خط کا۔ -----

غالب نمبر کی چند کاپیاں پر میں نہیں مکتی تھیں کہ ڈاکٹر سید صہبن الرحمن نے شعبہ اردو گورنمنٹ کالج لاہور جس کے وہ سربراہ ہیں۔ کے جریڈے میں ڈاکٹر وحید قریشی کا ایک مقالہ شائع کیا۔ مقالے میں جاگیر غالب کی حقیقت پر سید صاحب کو قرائح حسین ادا کیا گیا تھا۔ دوسری طرف پروفیسر لطیف الزمان کا ایک اور خط موصول ہوا۔ جو مذکورہ مقالے کے جواب میں تھا۔ آخری صفحات میں یہ خط بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ کہ پروفیسر صاحب کا موقف بالوضاحت قارئین کے سامنے آ سکے۔

میں بحیثیت مدیر "صحافت کے مسئلہ اصولوں کے مطابق اپنی اس پیش کش کا افسار دوبارہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ ہر دو قائل احرام غشیات ڈاکٹر سید صہبن الرحمن اور ڈاکٹر وحید قریشی کے لیے غالب نمبر کی جلد دوم کے صفحات حاضر ہیں۔

قارئین کرام ----- مجھے اب اجازت دیں۔ کہ آئندہ صفحات پر اک گلستان نظم و نثر آپ کو خوش چینی کی دعوت دے رہا ہے۔

شیراز گل



عالم دوستوں کی ایک قریب ملاقات میں جناب عبدالغنی مسعود
جناب فیض انعام جناب ابو سعید حسن اصلائی اور میر سونہ سلیم ابو نعیم



مستاد ماہر تعلیمات پروفیسر لطیف الزماں اور میر سونہ سلیم ابو نعیم



شہداء آفاق مسعود الشیخ اہم علماء بیسویں سے زیر نظر شمارے کا
فوری صورت سودیق یاد کیا

حیات غالب سنن کے آئینے میں

گوہر نوشای

۱۸۲۵ء - فارسی زبان میں پہلی نثری تصنیف۔ رسالہ قلم نیر
یع ایک تصنیف ہوئی۔

۱۸۲۶ء - پٹنن کی حصول کے لئے نکلنے کا سفر۔ مرزا اعلیٰ خلی
معروف خضر غالب کی دعا سے۔

۱۸۲۶ء - دہلی سے نکلنے کی طرف روانگی۔ انتخاب دوا
اور۔

۱۸۲۷ء - گھنٹو کا سفر۔ گھنٹو سے کانپور اور پھر لاہور۔

۱۸۲۸ء - دہلی و نکلنے۔ معرکہ ماہیان قتل۔ دیوار انگریز کی کا
اعزاز۔

۱۸۲۹ء - دہلی میں مراعت ۱۸۲۸ء - ۱۸۲۹ء انتخاب کام
فارسی دارو موسوم بہ "مکمل و صحیحی تدوین" انگریز کی کا
مراجہ الدین احمد۔

۱۸۳۱ء - جشن کا دعویٰ ولیم ہنٹنگ نے خارج کیا۔

۱۸۳۲ء - انتخاب کام اور۔ دوا ن صراحت۔

۱۸۳۵ء - قریب کا قتل۔ نواب خرم الدین خاں کو مزائے
موت۔ کلیات فارسی "مکتبہ آردو" کے نام سے مرتب کیا۔

۱۸۳۷ء - کلیات غالب فارسی کی تدوین۔

۱۸۳۹ء - دوا ن غالب کے پہلے ایڈیشن کی حاضرت معلوم ہے
الطالع 'دہلی'۔ قادیان کے انعام میں پہلی بار ہر۔

۱۸۴۲ء - دہلی کالج میں پروفیسری کی پیش کش اور غالب کا
انکار۔

۱۸۴۵ء - دوا ن فارسی "مکتبہ آردو" کا پہلا ایڈیشن "مطبع
دارالسلام دہلی" سے شائع ہوا۔

۱۸۴۷ء - دوا ن غالب کے دوسرے ایڈیشن کی حاضرت 'مطبع
دارالسلام' دہلی۔ قادیان کے انعام میں کو قتل شریفین

۱۸۴۷ء - پیدا نکل۔ ۷۴ سیر مطابق ۸ ربیع ۱۲۶۳ھ اور
اخ خاں عرف میرزا قزوین ولد عہدائے یک بن میرزا قزوین
یک خاں بہرام احمد۔

۱۸۴۷ء - ولایت عہدائے یک خاں 'غالب' اپنے چا خضرائے یک
کی سرپرستی میں آئے۔

۱۸۴۳ء - لاہور ایک نے دہلی کو رخ کیا۔

۱۸۴۹ء - غالب کے چچا مرزا خضرائے یک خاں کی وفات۔ حضوں
نے غالب کو اپنا بیٹا بنا رکھا تھا 'غالب' اپنے چچا خضرائے یک
حضین کیلئے رہن آگرہ کی سرپرستی میں آئے۔

۱۸۵۶ء - شاہ عالم کی وفات اور انگریزوں کی تخت نشینی۔
۱۸۵۷ء - ایک روایت کے مطابق غالب نے شعر گوئی کا آغاز
کیا۔

۱۸۵۷ء - دوسری روایت کے مطابق اس سال سے شعر گوئی کا
آغاز کیا اور رنگ بیدل کو اپنا چچا ۱۸۵۲ء تک قائم رہا۔

۱۸۵۷ء - نواب اعلیٰ خلی خاں معروف کی بیٹی اور نواب احمد
خلی خاں دانی فیروز چچا دھرمک دیا گیارہ وار نواب کی بھیجی امراء
دیگم سے شادی ہوئی۔

۱۸۵۷ء - نواب حسام الدین خاں حیدر نے نواب کا کام میر تقی میر
کے سامنے پیش کیا۔

۱۸۵۷ء - عید الہدیٰ کی شاکر دی۔

۱۸۵۳ء - آگرے سے دہلی میں آمد اور قیام۔

۱۸۶۱ء - اور کام کی تدوین۔ ترتیب دینے کی دوا ن غالب
نیر بھوپال کی نامزد شہیت ہے۔

۱۸۶۲ء - فارسی شاعری کا آغاز۔ ۱۸۶۲ء تا ۱۸۷۷ء فارسی نظم و
نثر۔

الحسن کے ہاتھوں گرفتار ہو کر تین ماہ تک قید میں رہے۔

۱۸۵۵ء - بہادر شاہ سے غم ابدیہ "دیوانک کلام جنگ کا

خطاب نور پور پچاس روپے بامداد گزرا۔ تاریخ نوکیلا پر مقرر۔

دلی عہد شیراز وچ انک کی استوری۔ رنک کوئی کا دور ٹائی۔

۱۸۵۵ء - مرزا جواں بہت کی شادی اور غالب دہلی کی کشیدی۔

۱۸۵۲ء - میرنور کھسی۔ وفات زین العابدین عارف

اور غالب کا مشہور لوح۔ لازم تھا کہ دیکھو مرا دست کوئی دن

اور۔

۱۸۵۲ء - استاد مقرر ہوئے۔ چار سو روپے سالانہ گزرا

مقرر ہوئی۔

۱۸۵۵ء - میرنور کا پہلا حصہ شائع ہوا۔

۱۸۵۷ء - دین ان اردو ترتیب دیا اور اس کا ایک نسخہ رام پور

بجھا۔ دربار رام پور سے تصدیق۔ وفات مرزا یوسف۔

۱۸۵۸ء - حنیو کا پہلا ایڈیشن۔ "مطبع مفید الملاحق" امر۔

۱۸۵۹ء - نواب رام پور نے سو روپے بامداد گزرا مقرر کی جو

وفات تک لٹی رہی۔ سطر میرٹھ۔

۱۸۶۰ء - نواب کی دعوت پر رام پور گئے۔ ترتیب کلام غالب

دست باختر حسین مرزا۔ "طبع مفید بہان کھسی۔

۱۸۶۱ء - دین ان اردو کا تیسرا ایڈیشن "مطبع امر" دلی۔ مرزا

صاحب اردو قریب میں متلا ہوئے۔ ترتیب کلیات فارسی۔

۱۸۶۳ء - دین ان اردو کا چوتھا ایڈیشن "مطبع کھسی" کان پور۔

۱۸۶۳ء - حکومت انگلند سے خلعت کا اعزاز

۱۔ "انگارستان حق" مرزا ظہیر دہلی میں انتخاب کلام غالب

کی طاعت اس مجموعے میں مذکور "موسم اور غالب کے کام

کا انتخاب تھا اور یہ "مطبع مفید الملاحق" کان پور میں باہتمام طبعی

شیراز میں چھاپا۔ کلیات فارسی کا دوسرا ایڈیشن طبعی نوکلند

نے شائع کیا۔

۱۸۶۳ء - حنیو اور گہوار انکس المطابع دلی سے شائع ہوئی۔

۱۸۶۵ء - نواب یوسف علی خاں کے انتقال پر نواب کلب علی

خان جانشین ہوئے تو صحت کے لئے رام پور کا سفر کیا۔ "طبع

برہان نظر ٹائی اور اضافوں کے بعد دو فٹ کا دلی کے نام سے

شائع ہوئی۔ لٹاک لکھیں اور سوالات عہد انکس شائع

ہو گئے۔

۱۸۶۶ء - آخری انتخاب کلام "بہر افغان غلہ آشتیاں نواب کلب

علی خان دلیء رام پور۔ خواص بانگلی کا اقرار نامہ تمام نواب

رام پور۔

۱۸۶۷ء - مولوی امین الدین پر ازالہ حشیت عینی کا مقدمہ۔

"سہد بھن" کے نام سے فارسی کلام "مطبع امر" دلی سے

شائع ہوا۔ "چچ مرزا شائع ہوئی۔ وفات و وفات غالب شائع

ہوئی۔ حسین علی خان صہبی کی حشکی نواب امر بخش خان کے

حشکی بھائی کی پتی سے۔ "چچ مرزا اور سہد بھن شائع ہوئی۔

۱۸۶۸ء - عہد بھٹی کا پہلا ایڈیشن۔ "مطبع مجتبیٰ" میرٹھ۔

کلیات شیرازی "چچ آجک" "حنیو" میرنور "طبعی نوکلند

نے پہلی مرتبہ مرزا غالب کی اجازت سے شائع کی۔ اوائے

قرض کے لئے اجازت کی درخواست دلیء رام پور سے۔

۱۸۶۹ء - وفات غالب کا فروری مطابق ۱۲۱۲ھ ۱۸۵۷ء

کے دن "عمر کے وقت۔ نظام الدین لولیاہ کے مزار کے قریب

دفن ہوئے۔



مرزا غالب

(خود نوشتہ سوانح عمری کا ایک ورق)

جب بھوپال کے سرکاری کتب خانے میں مرزا غالب کے قدیم کلام کا نسخہ ملا تو انھیں ترقی اردو کی جانب سے اس کی تحریب و فیض کا کام ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس کے لئے بہت سی ٹی ٹی چیزیں منج کی گئی تھیں۔ من جملہ ان کے ایک عجیب چیز خود مرزا صاحب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اپنے حالات تھے جو انہوں نے کسی تذکرہ نویس کی قربانی پر لکھے تھے۔ یہ ورق کہیں سے سید افتخار عالم مرحوم کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اور انہوں نے اپنی محنت سے مرحوم بجنوری کو بھیج دیا تھا۔ اگرچہ یہ حالات انہوں نے اس طرح لکھے ہیں جیسے کوئی غیر شخص لکھتا ہے لیکن عبارت کا رنگ صاف بتا رہا ہے کہ اس پر دے میں خود مرزا نوشہ ہاتھ کر رہے ہیں، دوسرے ایک دو باتیں جو وہ لکھ گئے ہیں۔ وہ مرزا کے دل کی ہیں اور دوسرا شخص لکھ سکتا تھا تیسرے خط ان کا ہے، میرے پاس ان کے قلمی خط ہیں۔ ملا کر جو دیکھا تو بین میں وہی شبن پائی۔

ان حالات کے پڑھنے سے کم سے کم ایک بات تو یقینی ہو جاتی ہے اگرچہ ان کے کلام اور رفاقت میں بھی جاہل اس کا ذکر آپکا ہے اور ایک صاحب نے جو مرزا صاحب کی حب وطن اور حب قوم کی نسبت (ہدیہ خیالات کے رد سے) جو حسن ظن قائم کیا تھا اس کی تردید خود مرزا صاحب کے الفاظ سے ہو جاتی ہے۔

سید افتخار عالم مرحوم نے ان حالات کے ساتھ "تیز" راہِ امتحان جلد ۲ نمبر ۱۱ کا بھی ایک مطلوبہ ورق بھیجا تھا جس میں "تذکرہ منظر انجمن" کا اشتہار شائع ہوا تھا، اغلب ہے کہ یہ حالات مرزا صاحب نے اسی تذکرے کے لئے تحریر کئے ہوں۔ ہم یہاں وہ اشتہار بھی نقل کئے دیتے ہیں یہ بھی ایک دلچسپ چیز ہے اس تذکرے کے مولف مولوی محمد انوار الحق صاحب مرحوم، مولوی احتشام الدین صاحب ایم اے دہلوی کے والد ہیں۔ معلوم نہیں اس تذکرے کا کیا مشر ہوا؟

(عبدالحق)

خوش مزاج، مہذب، علم و فن پر واضح دلالت ہو کہ عرصہ چند سال سے ایک تذکرہ الشعراء قاری و محلی میں تالیف ہو رہا ہے۔ آج تک ایسا تذکرہ فراہم نہیں ہوا ہے۔ مصنف اس کتاب کے جس کو ایک دفتر کتب چاہتے علی مرتضیٰ صاحب سندھ، مفتاحین طراز الدین، فاضل جلیل، عالم نیل، شاعر کامل، علی میاں واکل برگزیدہ، امیر مطلق مولوی منظر حق صاحب خلف الرشید، فرزند سید پچانہ، مرزا، فرزانہ، دودا، مسکن قاسم، کشور شیدا، بیانی، ذمہ کن نام انوری و خانقاہی، گزیدہ، عدو، انجم، ذیاب، فی، قبول، بارگاہ، لم، ری، مولانا مولوی غفور علی صاحب مدظل، العالی، المتخلص بہ غفور ہیں۔ اگرچہ یہ تاریخ سنہ ۱۳۸۵ھ میں ختم ہو چکی تھی اور تصدیق و ترمیم جو ختم

الدولہ ہمدرد و مولوی لکھائی و حضرت علوہ و غیرہم نے حمایت کیں۔ ان سے بھی ۱۲۸۸ھ معلوم ہوتے ہیں، مگر اب یہ تذکرہ دوبارہ قریب دو ہزار شاعروں کے قریب سے مزین ہوا اور اشعار کی تو کچھ حد نہیں، حالات جو اس میں لکھے ہیں بڑی تلاش اور تجسس سے بہت ہی صحیح ایک سوجلد کتب قاریخ سے جمع کئے جن کی فہرست اکثر اخباروں میں چھپ چکی اور جناب مسٹر سنگھ صاحب ہمدرد بیچ سابقہ دہلی کے اول اس کے بانی ہوتے تھے اور چھ سو شاعروں کا قریب بہ دہائی انگریزی انیسویں نے قریباً اور قریب ہے کہ ولایت میں چھپا۔ سوائے انہیں جناب صاحب کاشغر ہمدرد و حلی اور نواب محمد نضیاء الدین خان ہمدرد و کچھ لوہار و نواب امیر اللہ خان ہمدرد و دیگر رؤساء نے حمایت قریباً کر اپنے کتب خانوں سے بڑی مدد دی اور نیز فضائل و کمالات درگاہ، مگر ہر درج شرافت، اکثر بیچ نہایت، مولانا نے مولوی محمد انوار الحق صاحب میر تقی میر کی مادیات پر چار سو سے زیادہ شعرا کا حال اضافہ کیا۔ اور جناب فاضل درگا پر شاہ صاحب مدرس اول ریاضی تعلیم المصلحین دہلی نے بھی ہر ایک طرح کی مدد دی۔ لیکن ہاں یہ جیسا کہ چاہئے شعرائے بہمنی و نکلتہ و ممالک وسط ہند کے کلام فارسی اور حالات سے کچھ آگہی نہ ہوئی۔

لہذا یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ بیچ شعرائے فارسی اپنا حال مفصل مع تقریظ و قاریخ و اشعار خدمت میں جناب مولف صاحب کی بھیج دیں اور جن صاحبوں کو قریب ادبی مکتور ہو تو درخواست اپنی تعدادی تین روپیہ علاوہ محصول ذاک خدمت میں جناب ممدوح کے و حلی محلہ بصرام خان میں پڑیہ پڑا ارسال کریں اور اہل مصلح میں اشتہار کو اپنے اپنے اخبار میں درج فرمادیں۔



غالب کا زانچہ

(تاریخ پیدائش)

غالب کا یہ زانچہ کلیات نظم فارسی تو کثرت لکھنؤ مطبوعہ ۱۸۷۲ء میں ص ۹۸ کے محاذی شائع ہوا تھا۔ ۱۸۵۵ء کے مطبوعہ نسخہ میں موجود نہیں اور ۱۸۷۸ء کا نسخہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ ہر حال اس میں حسب ذیل تحریر لائق توجہ ہے۔

”زانچہ طالع ولادت سعادت مطالع جناب غالب مدخلہ العالی کہ“

”موقت شب چار گزری پیش از طلوع صبح روز یکشنبہ“

”اھتم رجب ۱۲۳۷ھ مطابق آغاز ۱۸۷۸ء روئے دارو حسب استنباط چتر ہندی نیز طالع قوس است مگر ششمیں درجہ و آفتاب و زنب در طالع واقع“

غالب پر لکھنے والوں نے عام طور سے سن پیدائش ۱۲۳۳ھ ہی لکھا ہے اور غالب کی دوسری تحریروں مثلاً ”صاحب عالم مارہروی کی تاریخ پیدائش“ ”تاریخ“ کے مقابلہ میں ”تاریخیں“ اور حسب ذیل قطعہ سے بھی یہی سن لکھا ہے۔

غالب چودھما سالہی فرجام نصیب ہم ہم حد دارم دہم قدری صیب

تاریخ ولادت من از عالم قدس ہم ”شورش شوق“ آمد ہم لفظ غریب

اس لئے ۱۲۳۳ھ کے قلم چھپ جانے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں پیدائش کے دن کے بارے میں عموماً ”خاصی اعتبار“ کی جاتی ہے۔ جنہوں نے رجب ۱۲۳۷ھ کو تقویمی اعتبار سے یکشنبہ نہیں چار شنبہ تھا (۲۷ دسمبر ۱۸۷۸ء) جو اس زانچہ کے لحاظ سے لفظ قرار پاتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر ۱۲۳۳ھ مانا جائے تو آٹھویں رجب کو یکشنبہ کا دن لکھا ہے (۲۷ دسمبر ۱۸۷۸ء) جو اس زانچہ میں درج ہے۔۔۔۔۔ چونکہ لوگ تاریخ تو بھول جاتے ہیں لیکن دن میں بھولنے اس لئے یہ ”غلطی“ واقعی عجب خیر ہے۔ ممکن ہے ماہرین نجوم اس پر روشنی ڈال سکیں۔

غالب کے زمانہ میں اہل ثروت اور اہل علم اشخاص کو نجوم سے بھی بڑی دلچسپی تھی اور نو سولہوں کے لئے زانچہ یا جنم چڑھا دیا جاتی تھیں چنانچہ غالب کا یہ زانچہ بھی ان کی پیدائش پر تیار کیا تھا۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ غالب کو بھی مومن کے مانند اپنی ”ستارہ شامی“ کا اروما تھا جس کا اعداد انہوں نے اپنے بعض اشعار میں بھی کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں۔

ہم چو من شاعر و صوفی و نجوی و حکیم

نیست دود بر قلم مدی و کتہ کو است

تجیم باکر و صنم خدائی مستولے
 نقا کارش اسرار شکل زانچہ را
 گوی زانچہ کایں نسو ایست از انعام
 خود اصل طالع من جزوی از کائناتے
 غرام زہوہ بطالع اگرچہ دادہ نکاش
 ولی از آنکہ غریب است زہوہ اندر قوس
 تو گوی از اثر انعام بادت است
 بہ صغر ہدی زاب را اشارہ باشد
 چہ دام روح دودان را گزارش بہ وہل
 دمر و بیکر تیرا نکاد گشتہ بچہ
 بخت درشد ہم مشتری و ہم مرغ
 کی بیات ہے کہ چاکر از غوغا
 کی بہ صورت ترکی کہ از پہ یثا
 قر بہ نور کہ شاد چشم باشد
 سیاہ گشتہ و بیکر علی کیوان
 ہری دہ خس گر تپہ اہل مستحق
 بچار میں کہہ ہرلم ہمیں پایہ
 کندچہ رک خلک چہ سستی استیوال
 دعوت ہیبت طوفان لوح ہند کشا
 مزاج سایہ سیاست روز و شب تاریک
 کند پوشم و قرطاس یران سازم
 غس بہ لرد زہوہ صیب نکشتہ
 تو اے ستارہ خدائی کہ رحیم از آواز
 قرانیت ہرچہ کرائی کہ
 من و بلای تو طبع انیم و تاب سخیل
 لغان و حوصلہ دل شراۃ و غارا
 من دستم دل رنجور و افق طیب

سکس دشمن و تیلان میدہ خداد
 کند ندد دل دود مند اخذ عداد
 گوی زانچہ کایں جامعیت از انعام
 کز دست ملک غم را ہزار گونہ کشاد
 ہم از لطافت طبع و ہم از صفائے نادر
 نشست بدرخ نقد قبول گردد کسل
 کہ موطالع من چرخ زہوہ راہا داد
 پاک و علقہ دام و نکس کہ سیاد
 چہ صغر رنج و الم را فزائش اعداد
 فردغ انگر رشخہ و گنہ زرد
 کی کلیل صلیح و کی دیکل فساد
 بہ کج صومعہ دانند باشند از اعداد
 تنیز جوئے درآید لہانہ زہوہ
 چہ نور خویش کند شکار قسم زیاد
 چنانکہ از اثر خاک حیرہ گردید
 کشیدہ اندر ترشح خویش درادنا
 بہ ہمتیں زہوہ کیوان ہمتیں بنیاد
 کشد بہ بندہ ریختن بدن استیوال
 عیان ز صورت جو زانصیب سرصرنا
 مزاج شرط معاش است دہ دول فساد
 کے بہ نام دانش کے بہ حسرت داد
 نکاد خیرہ ز ہنگامہ الہ آباد
 داسے پیر نہ سخی کہ رسم از عباد
 مراد ہیبت بہ نیوای تیشہ فراد
 من و بجائے تو شاکر و علی استیوال
 فہار و نامہ بخت ہرور و فواد
 من و خلک رگ بخون و کشر فساد

.....
 ستاره راهبره رفتا راز اقتصادی قناست
 چنانکه جهنم نرداز امانل نراند

 شک کجای و طالع چه و ستاره کدام
 سنگم شکایت دشمن قدوست شرم باد
 غزل سرایم و ود سر مهم از اندوه
 ترانه نیم و بر نیم از سرفیاد

بیایک شوق عیان خنم بگرداند
 بیایک نیست و دای بدی عیاض و سواد



غالب کی صحیح تاریخ پیدائش

عام طور پر یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کی تاریخ پیدائش ۸ ربیع ۱۲۳۲ ہجری مطابق ۷ دسمبر ۱۸۱۷ء عیسوی بود چار شبہ ہے۔ یہاں تک کہ مولانا غلام رسول مرنے بھی اپنی کتاب ”غالب“ میں یہی تاریخ پیدائش لکھی ہے اور جناب بانگ رام صاحب نے بھی ”ذکر غالب“ میں اسی تاریخ پیدائش کو صحیح بتایا ہے۔ لیکن یہ معلوم کر کے اصل علم و ادب حضرات کو حیرت ہوگی کہ غالب کی صحیح تاریخ پیدائش ۱۰ فیبروری ۱۸۱۷ء عیسوی ہجری ۸ ربیع ۱۲۳۲ ہجری مطابق ۸ جنوری ۱۸۱۷ء عیسوی بود یکشنبہ ہے۔ غالب یک ضمیمہ کے دن اکبر آباد یعنی آگرہ کے مقام پر ملے الصباح طلوع آفتاب سے چار گھنٹی قبل یعنی انجمن اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق صبح پانچ بج کر ۳۱ منٹ پر پیدا ہوئے تھے۔

اگرچہ اصل اسلام ’ اہل یونان اور اہل مغرب کے اصول کے مطابق غالب کی پیدائش اتوار کے دن ہی ہوتی تھی ’ کیونکہ اصل اسلام کا دن ایک غروب آفتاب سے دوسرے غروب آفتاب تک کہا جاتا ہے ’ اور اہل یونان و اہل مغرب کا دن ایک نصف شب سے دوسری نصف شب تک بتا جاتا ہے۔ لیکن حدودوں کی تقویم کے مطابق غالب کی پیدائش سنجر کے دن کی گجھی جانے گی کیونکہ حدودِ ستار کے تمام جہِ قریبی عام طور پر دن کا شمار ایک طلوع آفتاب سے دوسرے طلوع آفتاب تک کرتے ہیں۔ چونکہ غالب اتوار کا سورج نکلنے سے چار گھنٹی پہلے پیدا ہوئے تھے اس لئے ان کی پیدائش اتوار کے دن میں شمار ضمیمہ کی جانے گی بلکہ اس سے پچھلے دن یعنی سنجر کے دن میں شمار ہوگی۔ حدود جہِ شب کے مطابق سنے دن کی ابتداء طلوع آفتاب سے ہوتی ہے۔ ان دنِ رات کی مدت کو ساتھ برابر کے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ہر حصے کو ایک گھنٹی کہتے ہیں۔ ہر گھنٹی کے بھی ساتھ حصے لگے جاتے ہیں اور ہر حصے کو ایک پل کہتے ہیں۔ طلوع آفتاب سے پیدائش کے وقت تک جتنی گھنٹی پل میں گزر جاتی ہے اسے ”شبتِ کال“ کہتے ہیں۔ لہذا ابتدا جہِ قریبی کے مطابق غالب کی پیدائش سنجر کے دن ’ ۱۰ گھنٹی صفر پل اشد کال پر ہوئی تھی ’ اور پیدائش کے وقت سمیت صبح ۱۲ گھنٹی تھا۔ شام ۱۲ گھنٹی تھا ’ اس کا صید تھا ’ شادی پاکہ تھا ’ وطنی تھی ’ تھی ’ بھرتی نکستہ تھا ’ سادہ ہوگ تھا ’ تھیں کن تھا ’ اور دمن داس کی تھیں تھی۔

مندرجہ بالا تمام تفصیلات میں نے غالب کے اس واسطے کی مدد سے حساب لگا کر حاصل کی ہیں جو غالب کے ” کلیات فارسی “ کے نو مکتوبی ایڈیشن میں شائع ہوا تھا اور جس کا تفسیر اس مضمون کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس واسطے کے ساتھ ہی غالب کا وہ عظیم الشان قصیدہ بھی ہے جو انہوں نے سید اشفاق حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں کہا ہے۔ اس قصیدے کا ایک ایک لفظ پڑھتے ’ گھٹنے اور غور کرنے کے قابل ہے۔ اس قصیدے کی تحسیب

میں خلاب نے اپنے اسی واسطے پر سیر حاصل تبصرہ اپنے خاص انداز میں کیا ہے اور بڑے عالمانہ و شاعرانہ چرائے میں واسطے کے مختلف سیاروں کے مسد و عکس اثرات کا ذکر کیا ہے جس سے بلا شک و شبہ یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ خلاب علم نجوم پر کامل عبور رکھتے تھے۔ اس واسطے کی تفصیل اور مطلقہ قصیدے کی تفسیر پر تبصرہ کرنے سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ عام پڑھنے والوں کی سہولت اور دلچسپی کے لئے علم نجوم کی وہ چند ابتدائی باتیں اور اصطلاحات نہایت اختصار کے ساتھ آسان الفاظ میں بیان کر دی جائیں جن کو کبھی بغیر واسطے کی تفصیل اور قصیدے کی تفسیر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

ممکن ہے کہ آسمان پر اس فرضی دائرے کو جس پر آفتاب اور دیگر سیارے حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں بارہ برابر کے حصوں میں تقسیم کر لیا ہے اور ہر حصے کو برج کہتے ہیں۔ ان برج کے مسد و عکس اثرات وغیرہ بھی مقرر کر لئے گئے ہیں جو کسی بھی نجوم کی کتاب کو پڑھ کر معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ اس مقام پر میں صرف وہی باتیں بتاؤں گا جن کا تعلق فلسفہ معنوں سے ہے۔ چونکہ پورے دائرے میں ۳۶۰ درجے ہوتے ہیں اس لئے ہر برج میں ۳۰ درجے شمار کئے جاتے ہیں اور ہر درجے کے ساتھ ہی حصے کو وقت کہتے ہیں۔ ان بارہ برج کے عربی نام بالترتیب یہ ہیں۔

(۱)۔ حمل (۲)۔ ثور (۳)۔ جوزا (۴)۔ سرطان (۵)۔ اسد (۶)۔ سنبل (۷)۔ میزان (۸)۔ عقرب (۹)۔ قوس (۱۰)۔ جدی (۱۱)۔ دلو (۱۲)۔ حوت (۱۳)۔ برج حوت کے فوراً بعد پھر برج حمل شروع ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح ایک دائرے کے اندر چلتا رہتا ہے۔ ہندوؤں کی پتہ کے مطابق برج کو راس کہتے ہیں اور ان بارہ راسوں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ (۱)۔ مکر (۲)۔ برکو (۳)۔ مہمن (۴)۔ کرک (۵)۔ شکر (۶)۔ کٹیا (۷)۔ بقا (۸)۔ برشنگ (۹)۔ دمن (۱۰)۔ مکر (۱۱)۔ کھ (۱۲)۔ مین۔ ان برج کے نام ان فرضی ٹھکانوں کے مطابق رکھے گئے ہیں جو مختلف مجمع النجوم کی وجہ سے آسمان پر نظر آتی ہیں اور مشاہدہ ٹھک کی ذرا سی مشق کے بعد آسانی سے پہچانی جاسکتی ہیں۔ لہذا حمل کی شکل ایک میٹھے کے کی طرح ہے جس کا مزاج خاکی ہے اور خاصیت ثابت ہے۔ جوزا کی شکل دو انسان کی جسوں کی طرح ہے جس کا مزاج ہادی ہے اور خاصیت لوجسڈین ہے۔ سرطان کی شکل ایک ٹیکڑے کی طرح ہے جس کا مزاج آبی ہے اور خاصیت منقلب ہے۔ اسد کی شکل ایک شیر کی طرح ہے جس کا مزاج آتش ہے اور خاصیت ثابت ہے۔ سنبل کی شکل ایک لڑکی کی طرح ہے جس کا مزاج خاکی ہے اور خاصیت لوجسڈین ہے۔ میزان کی شکل ایک ترازو کی طرح ہے جس کا مزاج ہادی ہے اور خاصیت منقلب ہے۔ عقرب کی شکل ایک بھجور کی طرح ہے جس کا مزاج آبی ہے اور خاصیت ثابت ہے۔ قوس کی شکل ایک کمان کی طرح ہے جو ایک عجیب و غریب قوت کے ہاتھ میں ہے جس کا مزاج آتش ہے اور خاصیت لوجسڈین ہے۔ جدی کی شکل ایک عجیب القوت جانور کی طرح ہے جو دنیا کی بھی ہے۔ مہمن کی بھی ہے اور پھپھ کر حمل کرتا ہے جس کا مزاج خاکی ہے اور خاصیت منقلب ہے۔ دلو کی شکل ایک گڑے کی طرح ہے جو ایک مرد کے ہاتھ میں ہے جس کا مزاج ہادی ہے اور خاصیت ثابت ہے۔ حوت کی شکل دو مچھلیوں کی طرح ہے جن کی دھن بڑی ہوتی ہیں۔ اس برج کا مزاج آبی ہے اور خاصیت لوجسڈین ہے۔

برج حمل کی ابتداء کی شہادت کے لئے آسمان پر ایک چھوٹا سا ستارہ مقرر کر لیا گیا ہے جسے اصطلاح نجوم میں

نقطہ اول حل کئے ہیں۔ اہل مغرب اس ستارے کو زنا کہہ کئے ہیں۔ قدیم زمانے میں یمنی وہ نقطہ تھا جہاں پر جب طقس پہنچتا تھا تو تمام دنیا میں دن اور رات برابر ہو جاتے تھے اور موسم اعتدال پر آ جاتا تھا۔ اسی لئے اسے نقطہ اعتدال بھی کہتے تھے اور چونکہ اس وقت فصل رائج کا زمانہ ہوتا تھا اس لئے اسے نقطہ اعتدال راجی کہتے تھے۔ لیکن سینکڑوں سال بعد معلوم ہوا کہ نقطہ اعتدال راجی دراصل ثنیت آہستہ آہستہ نقطہ اول حمل سے پیچھے کی طرف منت ہا ہے۔ یعنی طقس نقطہ اول حمل پر پہنچنے سے پہلے ہی نقطہ اعتدال راجی پر پہنچ جاتا ہے اور اس طرح طقس کے برج حمل میں داخل ہونے سے پہلے ہی دن رات برابر ہو جاتے ہیں اور موسم اعتدال پر آ جاتا ہے۔ یہ فرق معلوم ہونے کے بعد اصل یونان نے نقطہ اعتدال راجی ہی کو نقطہ اول حمل بھی مان لیا اور بعد قدیم میں مقرر شدہ چھوٹے سے شناختی ستارے کو نظر انداز کر دیا اور بارہ برج کی ابتداء نقطہ اعتدال راجی ہی سے شمار کرنی شروع کر دی۔ لیکن اصل بند نے پیچھے نہ بنے ہوئے نقطہ راجی کو قابل اعتناء نہیں سمجھا اور بارہ برج کی ابتداء اسی چھوٹے سے ستارے سے کرتے رہنے کا فیصلہ کیا جو بعد قدیم میں نقطہ اول حمل کی شناخت کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اسی وقت سے اصل یونان اور اصل بند کی تقویم میں فرق پڑ گیا۔ اس طرح اصل یونان کے برج دراصل آسمانی مجمع النجوم کی شکل کے پابند نہیں رہے بلکہ محض فرضی و عارضی ہو کر رہ گئے۔ جو حوازی پیچھے کی طرف سرکتے جا رہے ہیں۔ لیکن اصل بند کے برج بعد قدیم کی طرح اب بھی مجمع النجوم کی شکل کے پابند ہیں اور حقیقی و مستقل ہیں جو کبھی آگے یا پیچھے نہیں سرکتے۔ ہر حال یہ فرض نقطہ اول حمل آہستہ آہستہ حقیقی نقطہ اول حمل سے پیچھے سرکتا جا رہا ہے اور ایک سال میں تقریباً ایک دفعہ سے باہر کم پیچھے سرک جاتا ہے۔ ان دونوں شکلوں کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے اسے اصل بند اپناٹل کہتے ہیں۔ یعنی اگر استخراج تقویم ہندی کے مطابق معلوم کئے ہوئے سیاروں کے مقادیر میں اپناٹل کو جمع کر دیا جائے تو تقویم یونانی حاصل ہو جائے گی اور اس کے برعکس اگر استخراج تقویم یونانی میں سے اپناٹل کو تفریق کر دیا جائے تو تقویم ہندی حاصل ہو جائے گی۔ اپناٹل کی مقدار میں بھی کئی کئی ہزار اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف چند درجنوں یا چند دقیقوں سے زیادہ نہیں ہے۔ غالب کی پوائنٹل کے وقت اپناٹل تقریباً ۲۱ درجے تھا اور ان کا زائچہ موافق استخراج تقویم یونانی ملتا تھا۔

مندرجہ بالا بارہ برج کی شکل کے تمام ستارے اپنی جگہ ہمیشہ قائم اور ثابت رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان برج کی شکلیں بھی ہمیشہ یکساں رہتی ہیں۔ ان ثابت کے درمیان چند سیارے بھی نظر آتے رہتے ہیں جو اپنی جگہ قائم نہیں رہتے بلکہ ہمیشہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ یہ سیارے کبھی مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور کبھی مغرب سے مشرق کی طرف سرکتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ جب یہ سیارے مغرب سے مشرق کی طرف چلتے ہیں تو ان کی رفتار کو سیدھی چال یا استقامت کہتے ہیں اور جب یہ مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں تو ان کی رفتار کو الٹی چال یا رجعت کہتے ہیں۔ ان سیاروں کی رفتار ہمیشہ یکساں نہیں رہتی بلکہ کبھی تیز ہو جاتی ہے اور کبھی دھیمی پڑ جاتی ہے۔ ان سیاروں میں خمس اور قمر سے زیادہ روشن ہیں۔ ان دونوں کو نیوین کہتے ہیں اور یہ ہمیشہ استقامت میں رہتے ہیں۔ نیوین کے علاوہ پانچ سیارے مریخ، عطارد،

مشتری 'زہرہ اور زحل بھی ہیں جو کبھی استقامت میں ہوتے ہیں کبھی رہمت میں ' اسی لئے ان پانچوں کو طہاء معظمہ کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو فرضی نقطے بھی ہیں جو دراصل مدار مشتری اور مدار قمری کے نقاط تقاطع ہیں۔ ایک نقطے کو رجب اور دوسرے نقطے کو راس کہتے ہیں۔ طہاء نجوم میں ان دونوں کو بھی کسی حد تک دو خاص سیاروں کی سی حیثیت دیدی گئی ہے۔ یہ دونوں بیش رہمت میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے بیش چھ ہرج کے واسطے پر رہتے ہیں۔ یعنی بیش ایک دوسرے کے مقابل اور رو بہ رو رہتے ہیں اس لئے اگر ایک کا مقام معلوم ہو جائے تو دوسرے کا مقام خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ مشنوں کی پتہ کے مطابق ان نو سیاروں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ (۱)۔ سورہ (۲)۔ چندر (۳)۔ منگل (۴)۔ سہرہ (۵)۔ برہمنی (۶)۔ شکر (۷)۔ شنی (۸)۔ رامو (۹)۔ کیٹو۔ یہی نو عدد سیارے زیادہ مشہور ہیں اور ان سیاروں کے مختلف سعد و خس اثرات مفصل طور پر مقرر کر لئے گئے ہیں جو طہاء نجوم کی مختلف کتابوں میں درج ہیں۔ ان کی حرکتوں کا صحیح حساب بھی معلوم کر لیا گیا ہے جو طہاء جہنت کی مختلف کتابوں میں درج ہے۔ پڑھنے والوں کی واقفیت کے لئے صرف چند ضروری باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

طہاء : طہاء طہاء سیارہ سمجھا جاتا ہے اور فلک چارم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج آتش ہے اور شمشاد فلک کہلاتا ہے۔ قمر 'مربع اور مشتری اس کے دوست ہیں۔ زہرہ اور زحل اس کے دشمن ہیں۔ عطارد اس سے بے تعلق ہے۔ یہ مربع اسد کا مالک ہے اور مربع دلو میں اس پر دھال آتا ہے۔ حمل میں شرف اور میزان میں صوبہ ہوتا ہے۔ ہذا میں اور قوس میں خفیض واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً ایک دن میں ' ایک مربع کو تقریباً ایک مہینے میں ' اور پورے دائرہ 'مربع کو تقریباً ایک سال میں طے کر لیتا ہے۔ یہ بیش استقامت میں رہتا ہے۔

قمر : قمر سیارہ سمجھا جاتا ہے اور فلک اول سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج آبی ہے اور دھرم فلک کہلاتا ہے۔ طہاء اور عطارد اس کے دوست ہیں۔ کوئی اس کا دشمن نہیں ہے۔ مربع 'مشتری 'زہرہ اور زحل اس سے بے تعلق ہیں۔ یہ مربع سرطان کا مالک ہے 'مربع ہدی میں اس پر دھال آتا ہے۔ قمر میں شرف اور عقرب میں صوبہ ہوتا ہے۔ اس کے اورج و خفیض نیز رفتار سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور حساب لگا کر معلوم کرنے پڑتے ہیں۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً پانچ دن کھینچے میں ' ایک مربع کو تقریباً سوا دو دن میں ' اور پورے دائرہ 'مربع کو تقریباً ایک مہینے میں طے کر لیتا ہے۔ یہ بھی طہاء کی طرح بیش استقامت میں رہتا ہے۔

مربع : مربع طہاء میں اس کے دوست ہیں۔ عطارد اس کا دشمن ہے۔ زہرہ اور زحل اس سے بے تعلق ہیں۔ یہ حمل و عقرب کا مالک ہے اور قمر و میزان میں اس پر دھال آتا ہے۔ ہدی میں شرف اور سرطان میں صوبہ ہوتا ہے۔ اسد میں اورج اور دلو میں خفیض واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً دو دن میں ' ایک مربع کو تقریباً دو مہینے میں ' اور پورے دائرہ 'مربع کو تقریباً دو سال میں طے کر لیتا ہے۔ یہ ایک سال میں تقریباً دس مہینے تک استقامت میں رہتا ہے اور تقریباً دو مہینے تک رہمت میں رہتا ہے۔

غالب کا زائچہ بحساب یونانی

بارھواں خانہ - برج عقرب	طالع یعنی پہلا خانہ	دوسرا خانہ - برج جدی - شمس
گیارہواں خانہ	برج قوس	عطارد - ثوب
برج میزان	زہرہ	تیسرا خانہ
دسواں خانہ	ساتواں خانہ	برج دلو
برج سنبلہ	برج خوت	چوتھا خانہ
سہم اسعدت	مریخ - مشتری	پانچواں خانہ
نواں خانہ	برج جوزا	برج حمل
برج اسد	زحل	چھٹا خانہ
آٹھواں خانہ	برج ثور - قمر	برج سرطان - راس

غالب کا زائچہ بحساب ہندی

بارھواں گھر - برہشپک راس	لگن یعنی پہلا گھر	دوسرا گھر - مکر راس
گیارہواں گھر	دھنی راس	پہلا گھر
ستاراں راس	سورج - کیٹو	تیسرا گھر
دسواں گھر	مین راس	چوتھا گھر
کنیا راس	منگل	پانچواں گھر
نواں گھر	مشین راس	میکہ راس
آٹھواں گھر - کرک راس	شنی - زہرہ	چھٹا گھر - برہما راس - ہیند

عطارد : عطارد جیسے سیاروں کے ساتھ ہوتا ہے ویسا ہی سعد و خس شروع ہوتا ہے اور فلک دوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج بادی ہے اور دھڑلک کھاتا ہے۔ خس اور زحوا اس کے دوست ہیں۔ قمر اس کا دشمن ہے۔ مریخ مشتری اور زحل اس سے بے تعلق ہیں۔ یہ جوزا و سنبلہ کا مالک ہے اور قوس و حوت میں اس پر وہاں آتا ہے۔ سنبلہ میں شرف اور حوت میں جہود ہوتا ہے۔ میزان میں اونچ اور حمل میں خفیض واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً چھ گھنٹے میں ایک برج کو تقریباً ساڑھے سات دن میں اور پورے دائرہ بدیع کو تقریباً تین مہینے میں طے کر سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ ہمیشہ خس کے آس پاس ہی رہتا ہے اور بھی سیدھی کبھی اتنی چال چلتا ہے اس لئے یہ بھی تمام آسمان کا چکر کم و بیش اسی عرصے میں لگاتا ہے جس عرصے میں خس لگاتا ہے۔ یہ چار مہینے میں تقریباً انیسویں دن استقامت میں رہتا ہے اور تقریباً پانچ دن راحت میں رہتا ہے۔ یعنی یہ ایک سال میں تین دفعہ واقع ہوتا ہے۔ مشتری : مشتری سعد اکبر ہے اور فلک ششم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج بادی ہے اور خاصی ٹھک کھاتا ہے۔ خس قمر اور مریخ اس کے دوست ہیں۔ عطارد اور زحوا اس کے دشمن ہیں زحل اس سے بے تعلق ہے۔ یہ قوس و حوت کا مالک ہے اور جوزا و سنبلہ میں اس پر وہاں آتا ہے۔ سرطان میں شرف اور جدی میں جہود ہوتا ہے۔ سنبلہ میں اونچ اور حوت میں خفیض واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً بارہ دن میں ایک برج کو تقریباً ایک سال میں اور پورے دائرہ بدیع کو تقریباً بارہ سال میں طے کر لیتا ہے۔ یہ ایک سال میں تقریباً آٹھ مہینے تک استقامت میں رہتا ہے اور تقریباً چار مہینے تک راحت میں رہتا ہے۔

زحوا : زحوا سعد اصغر ہے اور فلک سوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج بادی ہے اور رقاہہ فلک کھاتا ہے۔ عطارد اور زحل اس کے دوست ہیں۔ خس اور قمر اس کے دشمن ہیں۔ مریخ اور مشتری اس سے بے تعلق ہیں۔ یہ ثور و میزان کا مالک ہے اور حمل و عقرب میں اس پر وہاں آتا ہے۔ حوت میں شرف اور سنبلہ میں جہود ہوتا ہے۔ جوزا میں اونچ اور قوس میں خفیض واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً سولہ گھنٹے میں ایک برج کو تقریباً تین دن میں اور تمام دائرہ بدیع کو تقریباً آٹھ مہینے میں طے کر سکتا ہے لیکن چونکہ عطارد کی طرح یہ بھی ہمیشہ خس کے آس پاس ہی رہتا ہے اس لئے یہ بھی تمام آسمان کا چکر کم و بیش اسی عرصے میں لگاتا ہے چھ مہینے میں خس لگاتا ہے۔ یہ ایک سال میں تقریباً گیارہ مہینے تک استقامت میں رہتا ہے اور تقریباً ایک مہینے تک راحت میں رہتا ہے۔

زحل : زحل خس اکبر ہے اور فلک ہفتم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مزاج ٹھکی ہے اور دھقان ٹھک کھاتا ہے۔ عطارد اور زحوا اس کے دوست ہیں۔ خس قمر اور مریخ اس کے دشمن ہیں۔ مشتری اس سے بے تعلق ہے۔ یہ جدی و دلو کا مالک ہے اور سرطان و اسد میں اس پر وہاں آتا ہے۔ میزان میں شرف اور حمل میں جہود ہوتا ہے۔ قوس میں اونچ اور جوزا میں خفیض واقع ہے۔ یہ اپنی اوسط رفتار سے ایک درجے کو تقریباً ایک مہینے میں ایک برج کو تقریباً اسی سال میں اور تمام دائرہ بدیع کو تقریباً تیس سال میں طے کر لیتا ہے۔ یہ ایک سال میں تقریباً ساڑھے سات مہینے تک استقامت میں رہتا ہے اور تقریباً ساڑھے چار مہینے تک راحت میں رہتا ہے۔

راہ اور ذنب: راہ اور ذنب کو اصل حد پانچویں راہ اور کیتو کہتے ہیں۔ یہ دونوں خمس کہے جاتے ہیں اور ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل اور دوسری یعنی چھ ہمدی کے فاصلے پر رہتے ہیں۔ ان دونوں کو ایک اثود سے تشبیہ دی جاتی ہے جس کے سر کو راہ اور دم کو ذنب کہتے ہیں۔ اصل حد راہ کو زیادہ احمیت دیتے ہیں لیکن اصل پیمانہ ذنب کو زیادہ احمیت دیتے ہیں۔ ان دونوں کی رفتار ہمیشہ یکساں رہتی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کو تقریباً انیس دن میں ایک ہمدی کو تقریباً انیس مہینے میں اور تمام دائرہ ہمدی کو تقریباً انیس سال میں طے کر لیتے ہیں۔ یہ دونوں ہمیشہ راحت میں رہتے ہیں۔

اس مختصر سے تعارف کے بعد چاہئے والوں کے ذہن میں ہمدی و سیارگان کا ایک وحدہ لا سائیکہ ہو گیا ہو گا۔ جس کی مدد سے غالب کے ذراپے کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔ یہ بھی غلط رہے کہ جب کوئی سیارہ گردش کرتا ہو اس ہمدی میں پہنچتا ہے جو اس کا بیت یا گھر ہوتا ہے یعنی جس کا وہ مالک ہوتا ہے تو وہ سیارہ صاحب استطاعت سمجھا جاتا ہے جب وہ اپنے ہمدی دہل میں پہنچتا ہے تو بے بضاعت سمجھا جاتا ہے جب وہ اپنے ہمدی شرف میں پہنچتا ہے تو صاحب عزت سمجھا جاتا ہے جب وہ اپنے ہمدی حیوط میں پہنچتا ہے تو بے عزت سمجھا جاتا ہے جب وہ اپنے ہمدی لوج میں پہنچتا ہے تو بلند سمت سمجھا جاتا ہے جب وہ اپنے ہمدی خضیض میں پہنچتا ہے تو پست سمت سمجھا جاتا ہے جب وہ اپنے دست کے ہمدی میں پہنچتا ہے تو بٹاش طبع سمجھا جاتا ہے جب وہ اپنے سے بے تعلق کے ہمدی میں پہنچتا ہے تو انہی سمجھا جاتا ہے۔ جب وہ استطاعت میں ہوتا ہے تو تندرست سمجھا جاتا ہے اور جب وہ راحت میں ہوتا ہے تو بیمار سمجھا جاتا ہے۔ فرض یہ کہ ہر سیارہ اپنی اصلیت، اپنی خاصیت، اپنی حیثیت اور اپنی حالت وغیرہ کے مطابق مختلف زائچوں میں مختلف شہادت ہے۔ لیکن نے مختلف ہمدی سیارگان کے انفرادی اور انجمی اثرات بیان کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ تھا ہے کہ ہمدی اور سیاروں کو مختلف صورتوں، طبیعتوں اور کرداروں کے افراد فرض کر لیا ہے اور ذراپے میں بھی ان کی حالت ہوتی ہے ویسی ہی تاثیر اور ویسے ہی ثمرات ان سے اخذ کر لئے جاتے ہیں۔ اس فن کو علم نجوم کی اصطلاح میں ”نوزج سیارگان“ کہتے ہیں اور مرزا غالب اس فن کے میدان میں سب سے کوئے بہت لے گئے ہیں۔ نوزج سیارگان کی افادیت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کا مفصل بیان کفایتہ التعليم فی مناقبہ الشیخ محمد بن کیا گیا ہے۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نوزج سیارگان کی چند مثالیں دے کر اس فن کی کچھ وضاحت کر دی جائے تاکہ غالب کے قصیدے کی تفسیر کا مضمون اچھی طرح سمجھ میں آ سکے۔ مثلاً ذراپے میں زحل اگر اچھی حالت میں ہو تو اسے دھن یا کشادہ و دنیو سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن اگر وہ بری حالت میں ہو تو اسے کافریا دزد وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مریخ اگر اچھی حالت میں ہو تو اسے سپاہی یا سپہ سالار وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن اگر وہ بری حالت میں ہو تو اسے قاتل یا قصاب وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ زہرہ اگر اچھی حالت میں ہو تو اسے راقصہ یا مطربہ وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ لیکن اگر وہ بری حالت میں ہو تو اسے لاش یا قہر وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اسی طرح دیگر سیاروں کے لئے بھی سمجھ لینا چاہئے۔ ان سیاروں کے باہمی تعلقات کے لئے فن کی ”تھکوں“ کو سمجھ لینا بھی

ضروری ہے، یعنی اگر دو سیاروں کے درمیان چھ ہمدج کا فاصلہ ہو تو کہا جاتا ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے کو نظر تصنیف سے دیکھ رہے ہیں۔ اگر چار ہمدج کا فاصلہ ہو تو اسے نظر ثلیث کہتے ہیں۔ اگر تین ہمدج کا فاصلہ ہو تو اسے نظر ترجیح کہتے ہیں۔ اور اگر دو ہمدج کا فاصلہ ہو تو اسے نظر قدس کہتے ہیں۔ تصنیف کو مکمل دھن کی نظر، ثلیث کو مکمل دھن کی نظر، قدس کو نصف دھن کی نظر، اور قدس کو نصف دھن کی نظر سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی زائچے میں مریخ اور زحل جن میں ایک دوسرے کو نظر ترجیح سے دیکھ رہے ہوں تو یہ سمجھا جائے گا کہ دونوں سیاروں پر ایک دوسرے کی نصف دھن کا برا اثر پڑ رہا ہے۔ یعنی اس زائچے کے مولود کو مریخ ایک کبیہہ خاطر متحمل انسان کی طرح متا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی زحل بھی اس مولود کو خشم بھوکا فری طرح بہاد کر رہا ہے۔ یا مثلاً اگر کسی زائچے میں عطارد زحل اور زحل ایک ہی برج میں موجود ہوں اور اچھی حالت میں ہوں تو یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک شہنشاہ کے ساتھ ایک دشمن بیٹھا ہوا ہے اور ایک طریقہ ان دونوں کے سامنے کاربی ہے۔ اسی قسم کی بہت سی اور بھی تشبیہات کو اصطلاحاً ترجیح سیاروں کہتے ہیں۔

ترجیح سیاروں کے بعد سام کے حلقے بھی کچھ واقفیت لگیم چھاپا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ مختلف سام کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کا مفصل بیان کتاب الفہم لادائل منافع النجوم میں موجود ہے۔ انہیں نے طالع کے لحاظ سے مختلف سیاروں کی ایک دوسرے سے دوری کی بنیاد پر مختلف سام مقرر کئے ہیں جن کے استخراج کا طریقہ دن کے وقت کچھ اور ہوتا ہے اور رات کے وقت کچھ اور ہوتا ہے۔ چونکہ غالب کی پیدائش رات کے وقت ہوئی تھی اس لئے میں صرف رات کے وقت کا طریقہ بیان کروں گا اور صرف انہی چار سام کا ذکر کروں گا جن کے نام غالب کے زائچے میں درج ہیں۔ سم السطوت حاصل کرنے کے لئے خمس کے مقام میں سے قر کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل کرنے کے لئے خمس کے مقام میں سے قر کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل تفریق میں طالع کو جمع کرتے ہیں۔ سم الملبیہ معلوم کرنے کے لئے قر کے مقام میں سے خمس کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل تفریق میں طالع کو جمع کرتے ہیں۔ سم الولد معلوم کرنے کے لئے مشتری کے مقام میں سے زحل کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل تفریق میں طالع کو جمع کرتے ہیں۔ سم امراض معلوم کرنے کے لئے زحل کے مقام میں سے مریخ کے مقام کو تفریق کرتے ہیں اور حاصل تفریق میں طالع کو جمع کرتے ہیں۔ ان سام کے بھی مختلف نیک و بد ثمرات مقرر کئے گئے ہیں لیکن ان کے حلقے یہاں کچھ بیان کیا جائے گا۔

اب زائچے کی شکل کے حلقے بھی چند ابتدائی باتیں درج کی جاتی ہیں تاکہ غالب کے زائچہ کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ کسی خاص شخص کی پیدائش کے وقت اس کا زائچہ بنانے کے لئے بارہ خانوں والا ایک نقشہ دائرہ لکھ دیا جاتا ہے۔ یہ نقشہ لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر پیدائش کی ساعت اور مقام پیدائش کے مطابق حساب لگا کر معلوم کیا جاتا ہے کہ اس وقت افق مشرق میں کون سا برج طلوع ہو رہا ہے۔ جو برج طلوع ہو رہا ہوتا ہے اسے اس نقشے کے پہلے خانے میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس برج کے طلوع شدہ درجے اور دقیقے بھی اس کے ساتھ ہی لکھ دیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اس سے اگلے برج کو اس نقصے کے دوسرے خانے میں لکھ دیا جاتا ہے اور پھر اس نقشے کے باقی خانوں میں بھی

پائی ہونے پر ترتیب لکھ دیے جاتے ہیں۔ اس طرح ہر برج اس وقت اقل مغرب میں غروب ہو رہا ہوتا ہے وہ طور بخور اس نقشے کے ساتویں خانے میں پڑ جاتا ہے۔ ہر برج سر کے اوپر خط نصف النہار پر ہوتا ہے وہ دوسری خانے میں پڑ جاتا ہے۔ اور ہر برج زمین کی دوسری سمت میں ہمارے قدموں کے نیچے (یعنی امریکہ کے نصف النہار پر) ہوتا ہے وہ چوتھے خانے میں پڑ جاتا ہے۔ ان چاروں خانوں کو سمت ہی اہم سمجھا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو وقت اور چاروں کو لوگاہ کہتے ہیں۔ خصوصاً پہلے خانے کو یا اس کے برج کو طالع اور ساتویں خانے کو یا اس کے برج کو غارب کہتے ہیں۔ اصل حد طالع کو لگن کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ حساب لگایا جاتا ہے کہ اس دن اور تاریخ کو سیاروں کے مقامات کیا تھے۔ ہر ہر سیارہ جس برج میں ہوتا ہے اسے اسی برج کے خانے میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کے طے شدہ درجے اور دقیقے بھی اس کے ساتھ لکھ دیے جاتے ہیں۔ اس طرح زائچہ مکمل ہو جاتا ہے۔ بعض مہینے سم السطوت، سم الغیب، سم اللہو، سم امراض وغیرہ کو بھی زائچے میں مناسب مقامات پر لکھ دیتے ہیں۔ مختلف خانوں میں مختلف ہونے کے درجے اور دقیقے معلوم کرنے کا بھی ایک جداگانہ طریقہ ہے جو یہاں بیان نہیں کیا گیا کیونکہ ذکرِ تحریر مضمون سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ زائچے کے بارہ خانوں کی سعادت و نحوست بھی ان ہونے اور ان سیاروں کا ہر خانہ بھی ایک خاص شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً مولود کے زائچے کا پہلا خانہ جسم اور دل سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا خانہ دولت اور خاندان سے، تیسرا خانہ بھائی اور خواتین سے، چوتھا خانہ ماں اور سکون سے، پانچواں خانہ بیٹے اور علم سے، چھٹا خانہ دشمن اور بیماری سے، ساتواں خانہ بیوی اور بیٹھ سے، آٹھواں خانہ موت اور عمر سے، نواں خانہ قسمت اور ایمان سے، دسواں خانہ نحوست اور کاروبار سے، گیارہواں خانہ آہنی اور فائدے سے، اور بارہواں خانہ فرج اور نقصان سے تعلق رکھتا ہے۔

غالب کے نڈنے میں زائچے کے اندر حد سے لکھنے کے درجہ میں تھا بلکہ ابجد، حوز کے قاعدے کے مطابق عددوں کے بجائے حروف لکھ دیے جاتے تھے۔ یعنی حا کا صغر، الف کا ایک، پ کے ۲، ج کے ۳، د کے ۴، ۵ کے ۶، ۶ کے ۷، ۷ کے ۸، ۸ کے ۹، ۹ کے ۱۰، ک کے ۱۱، ل کے ۱۲، م کے ۱۳، ن کے ۱۴، ۱۵ کے ۱۶، س کے ۱۷، ۱۸ کے ۱۹، ۱۹ کے ۲۰، ۲۰ کے ۲۱، ۲۱ کے ۲۲، ۲۲ کے ۲۳، ۲۳ کے ۲۴، ۲۴ کے ۲۵، ۲۵ کے ۲۶، ۲۶ کے ۲۷، ۲۷ کے ۲۸، ۲۸ کے ۲۹، ۲۹ کے ۳۰، ۳۰ کے ۳۱، ۳۱ کے ۳۲، ۳۲ کے ۳۳، ۳۳ کے ۳۴، ۳۴ کے ۳۵، ۳۵ کے ۳۶، ۳۶ کے ۳۷، ۳۷ کے ۳۸، ۳۸ کے ۳۹، ۳۹ کے ۴۰، ۴۰ کے ۴۱، ۴۱ کے ۴۲، ۴۲ کے ۴۳، ۴۳ کے ۴۴، ۴۴ کے ۴۵، ۴۵ کے ۴۶، ۴۶ کے ۴۷، ۴۷ کے ۴۸، ۴۸ کے ۴۹، ۴۹ کے ۵۰، ۵۰ کے ۵۱، ۵۱ کے ۵۲، ۵۲ کے ۵۳، ۵۳ کے ۵۴، ۵۴ کے ۵۵، ۵۵ کے ۵۶، ۵۶ کے ۵۷، ۵۷ کے ۵۸، ۵۸ کے ۵۹، ۵۹ کے ۶۰، ۶۰ کے ۶۱، ۶۱ کے ۶۲، ۶۲ کے ۶۳، ۶۳ کے ۶۴، ۶۴ کے ۶۵، ۶۵ کے ۶۶، ۶۶ کے ۶۷، ۶۷ کے ۶۸، ۶۸ کے ۶۹، ۶۹ کے ۷۰، ۷۰ کے ۷۱، ۷۱ کے ۷۲، ۷۲ کے ۷۳، ۷۳ کے ۷۴، ۷۴ کے ۷۵، ۷۵ کے ۷۶، ۷۶ کے ۷۷، ۷۷ کے ۷۸، ۷۸ کے ۷۹، ۷۹ کے ۸۰، ۸۰ کے ۸۱، ۸۱ کے ۸۲، ۸۲ کے ۸۳، ۸۳ کے ۸۴، ۸۴ کے ۸۵، ۸۵ کے ۸۶، ۸۶ کے ۸۷، ۸۷ کے ۸۸، ۸۸ کے ۸۹، ۸۹ کے ۹۰، ۹۰ کے ۹۱، ۹۱ کے ۹۲، ۹۲ کے ۹۳، ۹۳ کے ۹۴، ۹۴ کے ۹۵، ۹۵ کے ۹۶، ۹۶ کے ۹۷، ۹۷ کے ۹۸، ۹۸ کے ۹۹، ۹۹ کے ۱۰۰، ۱۰۰ کے ۱۰۱، ۱۰۱ کے ۱۰۲، ۱۰۲ کے ۱۰۳، ۱۰۳ کے ۱۰۴، ۱۰۴ کے ۱۰۵، ۱۰۵ کے ۱۰۶، ۱۰۶ کے ۱۰۷، ۱۰۷ کے ۱۰۸، ۱۰۸ کے ۱۰۹، ۱۰۹ کے ۱۱۰، ۱۱۰ کے ۱۱۱، ۱۱۱ کے ۱۱۲، ۱۱۲ کے ۱۱۳، ۱۱۳ کے ۱۱۴، ۱۱۴ کے ۱۱۵، ۱۱۵ کے ۱۱۶، ۱۱۶ کے ۱۱۷، ۱۱۷ کے ۱۱۸، ۱۱۸ کے ۱۱۹، ۱۱۹ کے ۱۲۰، ۱۲۰ کے ۱۲۱، ۱۲۱ کے ۱۲۲، ۱۲۲ کے ۱۲۳، ۱۲۳ کے ۱۲۴، ۱۲۴ کے ۱۲۵، ۱۲۵ کے ۱۲۶، ۱۲۶ کے ۱۲۷، ۱۲۷ کے ۱۲۸، ۱۲۸ کے ۱۲۹، ۱۲۹ کے ۱۳۰، ۱۳۰ کے ۱۳۱، ۱۳۱ کے ۱۳۲، ۱۳۲ کے ۱۳۳، ۱۳۳ کے ۱۳۴، ۱۳۴ کے ۱۳۵، ۱۳۵ کے ۱۳۶، ۱۳۶ کے ۱۳۷، ۱۳۷ کے ۱۳۸، ۱۳۸ کے ۱۳۹، ۱۳۹ کے ۱۴۰، ۱۴۰ کے ۱۴۱، ۱۴۱ کے ۱۴۲، ۱۴۲ کے ۱۴۳، ۱۴۳ کے ۱۴۴، ۱۴۴ کے ۱۴۵، ۱۴۵ کے ۱۴۶، ۱۴۶ کے ۱۴۷، ۱۴۷ کے ۱۴۸، ۱۴۸ کے ۱۴۹، ۱۴۹ کے ۱۵۰، ۱۵۰ کے ۱۵۱، ۱۵۱ کے ۱۵۲، ۱۵۲ کے ۱۵۳، ۱۵۳ کے ۱۵۴، ۱۵۴ کے ۱۵۵، ۱۵۵ کے ۱۵۶، ۱۵۶ کے ۱۵۷، ۱۵۷ کے ۱۵۸، ۱۵۸ کے ۱۵۹، ۱۵۹ کے ۱۶۰، ۱۶۰ کے ۱۶۱، ۱۶۱ کے ۱۶۲، ۱۶۲ کے ۱۶۳، ۱۶۳ کے ۱۶۴، ۱۶۴ کے ۱۶۵، ۱۶۵ کے ۱۶۶، ۱۶۶ کے ۱۶۷، ۱۶۷ کے ۱۶۸، ۱۶۸ کے ۱۶۹، ۱۶۹ کے ۱۷۰، ۱۷۰ کے ۱۷۱، ۱۷۱ کے ۱۷۲، ۱۷۲ کے ۱۷۳، ۱۷۳ کے ۱۷۴، ۱۷۴ کے ۱۷۵، ۱۷۵ کے ۱۷۶، ۱۷۶ کے ۱۷۷، ۱۷۷ کے ۱۷۸، ۱۷۸ کے ۱۷۹، ۱۷۹ کے ۱۸۰، ۱۸۰ کے ۱۸۱، ۱۸۱ کے ۱۸۲، ۱۸۲ کے ۱۸۳، ۱۸۳ کے ۱۸۴، ۱۸۴ کے ۱۸۵، ۱۸۵ کے ۱۸۶، ۱۸۶ کے ۱۸۷، ۱۸۷ کے ۱۸۸، ۱۸۸ کے ۱۸۹، ۱۸۹ کے ۱۹۰، ۱۹۰ کے ۱۹۱، ۱۹۱ کے ۱۹۲، ۱۹۲ کے ۱۹۳، ۱۹۳ کے ۱۹۴، ۱۹۴ کے ۱۹۵، ۱۹۵ کے ۱۹۶، ۱۹۶ کے ۱۹۷، ۱۹۷ کے ۱۹۸، ۱۹۸ کے ۱۹۹، ۱۹۹ کے ۲۰۰، ۲۰۰ کے ۲۰۱، ۲۰۱ کے ۲۰۲، ۲۰۲ کے ۲۰۳، ۲۰۳ کے ۲۰۴، ۲۰۴ کے ۲۰۵، ۲۰۵ کے ۲۰۶، ۲۰۶ کے ۲۰۷، ۲۰۷ کے ۲۰۸، ۲۰۸ کے ۲۰۹، ۲۰۹ کے ۲۱۰، ۲۱۰ کے ۲۱۱، ۲۱۱ کے ۲۱۲، ۲۱۲ کے ۲۱۳، ۲۱۳ کے ۲۱۴، ۲۱۴ کے ۲۱۵، ۲۱۵ کے ۲۱۶، ۲۱۶ کے ۲۱۷، ۲۱۷ کے ۲۱۸، ۲۱۸ کے ۲۱۹، ۲۱۹ کے ۲۲۰، ۲۲۰ کے ۲۲۱، ۲۲۱ کے ۲۲۲، ۲۲۲ کے ۲۲۳، ۲۲۳ کے ۲۲۴، ۲۲۴ کے ۲۲۵، ۲۲۵ کے ۲۲۶، ۲۲۶ کے ۲۲۷، ۲۲۷ کے ۲۲۸، ۲۲۸ کے ۲۲۹، ۲۲۹ کے ۲۳۰، ۲۳۰ کے ۲۳۱، ۲۳۱ کے ۲۳۲، ۲۳۲ کے ۲۳۳، ۲۳۳ کے ۲۳۴، ۲۳۴ کے ۲۳۵، ۲۳۵ کے ۲۳۶، ۲۳۶ کے ۲۳۷، ۲۳۷ کے ۲۳۸، ۲۳۸ کے ۲۳۹، ۲۳۹ کے ۲۴۰، ۲۴۰ کے ۲۴۱، ۲۴۱ کے ۲۴۲، ۲۴۲ کے ۲۴۳، ۲۴۳ کے ۲۴۴، ۲۴۴ کے ۲۴۵، ۲۴۵ کے ۲۴۶، ۲۴۶ کے ۲۴۷، ۲۴۷ کے ۲۴۸، ۲۴۸ کے ۲۴۹، ۲۴۹ کے ۲۵۰، ۲۵۰ کے ۲۵۱، ۲۵۱ کے ۲۵۲، ۲۵۲ کے ۲۵۳، ۲۵۳ کے ۲۵۴، ۲۵۴ کے ۲۵۵، ۲۵۵ کے ۲۵۶، ۲۵۶ کے ۲۵۷، ۲۵۷ کے ۲۵۸، ۲۵۸ کے ۲۵۹، ۲۵۹ کے ۲۶۰، ۲۶۰ کے ۲۶۱، ۲۶۱ کے ۲۶۲، ۲۶۲ کے ۲۶۳، ۲۶۳ کے ۲۶۴، ۲۶۴ کے ۲۶۵، ۲۶۵ کے ۲۶۶، ۲۶۶ کے ۲۶۷، ۲۶۷ کے ۲۶۸، ۲۶۸ کے ۲۶۹، ۲۶۹ کے ۲۷۰، ۲۷۰ کے ۲۷۱، ۲۷۱ کے ۲۷۲، ۲۷۲ کے ۲۷۳، ۲۷۳ کے ۲۷۴، ۲۷۴ کے ۲۷۵، ۲۷۵ کے ۲۷۶، ۲۷۶ کے ۲۷۷، ۲۷۷ کے ۲۷۸، ۲۷۸ کے ۲۷۹، ۲۷۹ کے ۲۸۰، ۲۸۰ کے ۲۸۱، ۲۸۱ کے ۲۸۲، ۲۸۲ کے ۲۸۳، ۲۸۳ کے ۲۸۴، ۲۸۴ کے ۲۸۵، ۲۸۵ کے ۲۸۶، ۲۸۶ کے ۲۸۷، ۲۸۷ کے ۲۸۸، ۲۸۸ کے ۲۸۹، ۲۸۹ کے ۲۹۰، ۲۹۰ کے ۲۹۱، ۲۹۱ کے ۲۹۲، ۲۹۲ کے ۲۹۳، ۲۹۳ کے ۲۹۴، ۲۹۴ کے ۲۹۵، ۲۹۵ کے ۲۹۶، ۲۹۶ کے ۲۹۷، ۲۹۷ کے ۲۹۸، ۲۹۸ کے ۲۹۹، ۲۹۹ کے ۳۰۰، ۳۰۰ کے ۳۰۱، ۳۰۱ کے ۳۰۲، ۳۰۲ کے ۳۰۳، ۳۰۳ کے ۳۰۴، ۳۰۴ کے ۳۰۵، ۳۰۵ کے ۳۰۶، ۳۰۶ کے ۳۰۷، ۳۰۷ کے ۳۰۸، ۳۰۸ کے ۳۰۹، ۳۰۹ کے ۳۱۰، ۳۱۰ کے ۳۱۱، ۳۱۱ کے ۳۱۲، ۳۱۲ کے ۳۱۳، ۳۱۳ کے ۳۱۴، ۳۱۴ کے ۳۱۵، ۳۱۵ کے ۳۱۶، ۳۱۶ کے ۳۱۷، ۳۱۷ کے ۳۱۸، ۳۱۸ کے ۳۱۹، ۳۱۹ کے ۳۲۰، ۳۲۰ کے ۳۲۱، ۳۲۱ کے ۳۲۲، ۳۲۲ کے ۳۲۳، ۳۲۳ کے ۳۲۴، ۳۲۴ کے ۳۲۵، ۳۲۵ کے ۳۲۶، ۳۲۶ کے ۳۲۷، ۳۲۷ کے ۳۲۸، ۳۲۸ کے ۳۲۹، ۳۲۹ کے ۳۳۰، ۳۳۰ کے ۳۳۱، ۳۳۱ کے ۳۳۲، ۳۳۲ کے ۳۳۳، ۳۳۳ کے ۳۳۴، ۳۳۴ کے ۳۳۵، ۳۳۵ کے ۳۳۶، ۳۳۶ کے ۳۳۷، ۳۳۷ کے ۳۳۸، ۳۳۸ کے ۳۳۹، ۳۳۹ کے ۳۴۰، ۳۴۰ کے ۳۴۱، ۳۴۱ کے ۳۴۲، ۳۴۲ کے ۳۴۳، ۳۴۳ کے ۳۴۴، ۳۴۴ کے ۳۴۵، ۳۴۵ کے ۳۴۶، ۳۴۶ کے ۳۴۷، ۳۴۷ کے ۳۴۸، ۳۴۸ کے ۳۴۹، ۳۴۹ کے ۳۵۰، ۳۵۰ کے ۳۵۱، ۳۵۱ کے ۳۵۲، ۳۵۲ کے ۳۵۳، ۳۵۳ کے ۳۵۴، ۳۵۴ کے ۳۵۵، ۳۵۵ کے ۳۵۶، ۳۵۶ کے ۳۵۷، ۳۵۷ کے ۳۵۸، ۳۵۸ کے ۳۵۹، ۳۵۹ کے ۳۶۰، ۳۶۰ کے ۳۶۱، ۳۶۱ کے ۳۶۲، ۳۶۲ کے ۳۶۳، ۳۶۳ کے ۳۶۴، ۳۶۴ کے ۳۶۵، ۳۶۵ کے ۳۶۶، ۳۶۶ کے ۳۶۷، ۳۶۷ کے ۳۶۸، ۳۶۸ کے ۳۶۹، ۳۶۹ کے ۳۷۰، ۳۷۰ کے ۳۷۱، ۳۷۱ کے ۳۷۲، ۳۷۲ کے ۳۷۳، ۳۷۳ کے ۳۷۴، ۳۷۴ کے ۳۷۵، ۳۷۵ کے ۳۷۶، ۳۷۶ کے ۳۷۷، ۳۷۷ کے ۳۷۸، ۳۷۸ کے ۳۷۹، ۳۷۹ کے ۳۸۰، ۳۸۰ کے ۳۸۱، ۳۸۱ کے ۳۸۲، ۳۸۲ کے ۳۸۳، ۳۸۳ کے ۳۸۴، ۳۸۴ کے ۳۸۵، ۳۸۵ کے ۳۸۶، ۳۸۶ کے ۳۸۷، ۳۸۷ کے ۳۸۸، ۳۸۸ کے ۳۸۹، ۳۸۹ کے ۳۹۰، ۳۹۰ کے ۳۹۱، ۳۹۱ کے ۳۹۲، ۳۹۲ کے ۳۹۳، ۳۹۳ کے ۳۹۴، ۳۹۴ کے ۳۹۵، ۳۹۵ کے ۳۹۶، ۳۹۶ کے ۳۹۷، ۳۹۷ کے ۳۹۸، ۳۹۸ کے ۳۹۹، ۳۹۹ کے ۴۰۰، ۴۰۰ کے ۴۰۱، ۴۰۱ کے ۴۰۲، ۴۰۲ کے ۴۰۳، ۴۰۳ کے ۴۰۴، ۴۰۴ کے ۴۰۵، ۴۰۵ کے ۴۰۶، ۴۰۶ کے ۴۰۷، ۴۰۷ کے ۴۰۸، ۴۰۸ کے ۴۰۹، ۴۰۹ کے ۴۱۰، ۴۱۰ کے ۴۱۱، ۴۱۱ کے ۴۱۲، ۴۱۲ کے ۴۱۳، ۴۱۳ کے ۴۱۴، ۴۱۴ کے ۴۱۵، ۴۱۵ کے ۴۱۶، ۴۱۶ کے ۴۱۷، ۴۱۷ کے ۴۱۸، ۴۱۸ کے ۴۱۹، ۴۱۹ کے ۴۲۰، ۴۲۰ کے ۴۲۱، ۴۲۱ کے ۴۲۲، ۴۲۲ کے ۴۲۳، ۴۲۳ کے ۴۲۴، ۴۲۴ کے ۴۲۵، ۴۲۵ کے ۴۲۶، ۴۲۶ کے ۴۲۷، ۴۲۷ کے ۴۲۸، ۴۲۸ کے ۴۲۹، ۴۲۹ کے ۴۳۰، ۴۳۰ کے ۴۳۱، ۴۳۱ کے ۴۳۲، ۴۳۲ کے ۴۳۳، ۴۳۳ کے ۴۳۴، ۴۳۴ کے ۴۳۵، ۴۳۵ کے ۴۳۶، ۴۳۶ کے ۴۳۷، ۴۳۷ کے ۴۳۸، ۴۳۸ کے ۴۳۹، ۴۳۹ کے ۴۴۰، ۴۴۰ کے ۴۴۱، ۴۴۱ کے ۴۴۲، ۴۴۲ کے ۴۴۳، ۴۴۳ کے ۴۴۴، ۴۴۴ کے ۴۴۵، ۴۴۵ کے ۴۴۶، ۴۴۶ کے ۴۴۷، ۴۴۷ کے ۴۴۸، ۴۴۸ کے ۴۴۹، ۴۴۹ کے ۴۵۰، ۴۵۰ کے ۴۵۱، ۴۵۱ کے ۴۵۲، ۴۵۲ کے ۴۵۳، ۴۵۳ کے ۴۵۴، ۴۵۴ کے ۴۵۵، ۴۵۵ کے ۴۵۶، ۴۵۶ کے ۴۵۷، ۴۵۷ کے ۴۵۸، ۴۵۸ کے ۴۵۹، ۴۵۹ کے ۴۶۰، ۴۶۰ کے ۴۶۱، ۴۶۱ کے ۴۶۲، ۴۶۲ کے ۴۶۳، ۴۶۳ کے ۴۶۴، ۴۶۴ کے ۴۶۵، ۴۶۵ کے ۴۶۶، ۴۶۶ کے ۴۶۷، ۴۶۷ کے ۴۶۸، ۴۶۸ کے ۴۶۹، ۴۶۹ کے ۴۷۰، ۴۷۰ کے ۴۷۱، ۴۷۱ کے ۴۷۲، ۴۷۲ کے ۴۷۳، ۴۷۳ کے ۴۷۴، ۴۷۴ کے ۴۷۵، ۴۷۵ کے ۴۷۶، ۴۷۶ کے ۴۷۷، ۴۷۷ کے ۴۷۸، ۴۷۸ کے ۴۷۹، ۴۷۹ کے ۴۸۰، ۴۸۰ کے ۴۸۱، ۴۸۱ کے ۴۸۲، ۴۸۲ کے ۴۸۳، ۴۸۳ کے ۴۸۴، ۴۸۴ کے ۴۸۵، ۴۸۵ کے ۴۸۶، ۴۸۶ کے ۴۸۷، ۴۸۷ کے ۴۸۸، ۴۸۸ کے ۴۸۹، ۴۸۹ کے ۴۹۰، ۴۹۰ کے ۴۹۱، ۴۹۱ کے ۴۹۲، ۴۹۲ کے ۴۹۳، ۴۹۳ کے ۴۹۴، ۴۹۴ کے ۴۹۵، ۴۹۵ کے ۴۹۶، ۴۹۶ کے ۴۹۷، ۴۹۷ کے ۴۹۸، ۴۹۸ کے ۴۹۹، ۴۹۹ کے ۵۰۰، ۵۰۰ کے ۵۰۱، ۵۰۱ کے ۵۰۲، ۵۰۲ کے ۵۰۳، ۵۰۳ کے ۵۰۴، ۵۰۴ کے ۵۰۵، ۵۰۵ کے ۵۰۶، ۵۰۶ کے ۵۰۷، ۵۰۷ کے ۵۰۸، ۵۰۸ کے ۵۰۹، ۵۰۹ کے ۵۱۰، ۵۱۰ کے ۵۱۱، ۵۱۱ کے ۵۱۲، ۵۱۲ کے ۵۱۳، ۵۱۳ کے ۵۱۴، ۵۱۴ کے ۵۱۵، ۵۱۵ کے ۵۱۶، ۵۱۶ کے ۵۱۷، ۵۱۷ کے ۵۱۸، ۵۱۸ کے ۵۱۹، ۵۱۹ کے ۵۲۰، ۵۲۰ کے ۵۲۱، ۵۲۱ کے ۵۲۲، ۵۲۲ کے ۵۲۳، ۵۲۳ کے ۵۲۴، ۵۲۴ کے ۵۲۵، ۵۲۵ کے ۵۲۶، ۵۲۶ کے ۵۲۷، ۵۲۷ کے ۵۲۸، ۵۲۸ کے ۵۲۹، ۵۲۹ کے ۵۳۰، ۵۳۰ کے ۵۳۱، ۵۳۱ کے ۵۳۲، ۵۳۲ کے ۵۳۳، ۵۳۳ کے ۵۳۴، ۵۳۴ کے ۵۳۵، ۵۳۵ کے ۵۳۶، ۵۳۶ کے ۵۳۷، ۵۳۷ کے ۵۳۸، ۵۳۸ کے ۵۳۹، ۵۳۹ کے ۵۴۰، ۵۴۰ کے ۵۴۱، ۵۴۱ کے ۵۴۲، ۵۴۲ کے ۵۴۳، ۵۴۳ کے ۵۴۴، ۵۴۴ کے ۵۴۵، ۵۴۵ کے ۵۴۶، ۵۴۶ کے ۵۴۷، ۵۴۷ کے ۵۴۸، ۵۴۸ کے ۵۴۹، ۵۴۹ کے ۵۵۰، ۵۵۰ کے ۵۵۱، ۵۵۱ کے ۵۵۲، ۵۵۲ کے ۵۵۳، ۵۵۳ کے ۵۵۴، ۵۵۴ کے ۵۵۵، ۵۵۵ کے ۵۵۶، ۵۵۶ کے ۵۵۷، ۵۵۷ کے ۵۵۸، ۵۵۸ کے ۵۵۹، ۵۵۹ کے ۵۶۰، ۵۶۰ کے ۵۶۱، ۵۶۱ کے ۵۶۲، ۵۶۲ کے ۵۶۳، ۵۶۳ کے ۵۶۴، ۵۶۴ کے ۵۶۵، ۵۶۵ کے ۵۶۶، ۵۶۶ کے ۵۶۷، ۵۶۷ کے ۵۶۸، ۵۶۸ کے ۵۶۹، ۵۶۹ کے ۵۷۰، ۵۷۰ کے ۵۷۱، ۵۷۱ کے ۵۷۲، ۵۷۲ کے ۵۷۳، ۵۷۳ کے ۵۷۴، ۵۷۴ کے ۵۷۵، ۵۷۵ کے ۵۷۶، ۵۷۶ کے ۵۷۷، ۵۷۷ کے ۵۷۸، ۵۷۸ کے ۵۷۹، ۵۷۹ کے ۵۸۰، ۵۸۰ کے ۵۸۱، ۵۸۱ کے ۵۸۲، ۵۸۲ کے ۵۸۳، ۵۸۳ کے ۵۸۴، ۵۸۴ کے ۵۸۵، ۵۸۵ کے ۵۸۶، ۵۸۶ کے ۵۸۷، ۵۸۷ کے ۵۸۸، ۵۸۸ کے ۵۸۹، ۵۸۹ کے ۵۹۰، ۵۹۰ کے ۵۹۱، ۵۹۱ کے ۵۹۲، ۵۹۲ کے ۵۹۳، ۵۹۳ کے ۵۹۴، ۵۹۴ کے ۵۹۵، ۵۹۵ کے ۵۹۶، ۵۹۶ کے ۵۹۷، ۵۹۷ کے ۵۹۸، ۵۹۸ کے ۵۹۹، ۵۹۹ کے ۶۰۰، ۶۰۰ کے ۶۰۱، ۶۰۱ کے ۶۰۲، ۶۰۲ کے ۶۰۳، ۶۰۳ کے ۶۰۴، ۶۰۴ کے ۶۰۵، ۶۰۵ کے ۶۰۶، ۶۰۶ کے ۶۰۷، ۶۰۷ کے ۶۰۸، ۶۰۸ کے ۶۰۹، ۶۰۹ کے ۶۱۰، ۶۱۰ کے ۶۱۱، ۶۱۱ کے ۶۱۲، ۶۱۲ کے ۶۱۳، ۶۱۳ کے ۶۱۴، ۶۱۴ کے ۶۱۵، ۶۱۵ کے ۶۱۶، ۶۱۶ کے ۶۱۷، ۶۱۷ کے ۶۱۸، ۶۱۸ کے ۶۱۹، ۶۱۹ کے ۶۲۰، ۶۲۰ کے ۶۲۱، ۶۲۱ کے ۶۲۲، ۶۲۲ کے ۶۲۳، ۶۲۳ کے ۶۲۴، ۶۲۴ کے ۶۲۵، ۶۲۵ کے ۶۲۶، ۶۲۶ کے ۶۲۷، ۶۲۷ کے ۶۲۸، ۶۲۸ کے ۶۲۹، ۶۲۹ کے ۶۳۰، ۶۳۰ کے ۶۳۱، ۶۳۱ کے ۶۳۲، ۶۳۲ کے ۶۳۳، ۶۳۳ کے ۶۳۴، ۶۳۴ کے ۶۳۵، ۶۳۵ کے ۶۳۶، ۶۳۶ کے ۶۳۷، ۶۳۷ کے ۶۳۸، ۶۳۸ کے ۶۳۹، ۶۳۹ کے ۶۴۰، ۶۴۰ کے ۶۴۱، ۶۴۱ کے ۶۴۲، ۶۴۲ کے ۶۴۳، ۶۴۳ کے ۶۴۴، ۶۴۴ کے ۶۴۵، ۶۴۵ کے ۶۴۶، ۶۴۶ کے ۶۴۷، ۶۴۷ کے ۶۴۸، ۶۴۸ کے ۶۴۹، ۶۴۹ کے ۶۵۰، ۶۵۰ کے ۶۵۱، ۶۵۱ کے ۶۵۲، ۶۵۲ کے ۶۵۳، ۶۵۳ کے ۶۵۴، ۶۵۴ کے ۶۵۵، ۶۵۵ کے ۶۵۶، ۶۵۶ کے ۶۵۷، ۶۵۷ کے ۶۵۸، ۶۵۸ کے ۶۵۹، ۶۵۹ کے ۶۶۰، ۶۶۰ کے ۶۶۱، ۶۶۱ کے ۶۶۲، ۶۶۲ کے ۶۶۳، ۶۶۳ کے ۶۶۴، ۶۶۴ کے ۶۶۵، ۶۶۵ کے ۶۶۶، ۶۶۶ کے ۶۶۷، ۶۶۷ کے ۶۶۸، ۶۶۸ کے ۶۶۹، ۶۶۹ کے ۶۷۰، ۶۷۰ کے ۶۷۱، ۶۷۱ کے ۶۷۲، ۶۷۲ کے ۶۷۳، ۶۷۳ کے ۶۷۴، ۶۷۴ کے ۶۷۵، ۶۷۵ کے ۶۷۶، ۶۷۶ کے ۶۷۷، ۶۷۷ کے ۶۷۸، ۶۷۸ کے ۶۷۹، ۶۷۹ کے ۶۸۰، ۶۸۰ کے ۶۸۱، ۶۸۱ کے ۶۸۲، ۶۸۲ کے ۶۸۳، ۶۸۳ کے ۶۸۴، ۶۸۴ کے ۶۸۵، ۶۸۵ کے ۶۸۶، ۶۸۶ کے ۶۸۷، ۶۸۷ کے ۶۸۸، ۶۸۸ کے ۶۸۹، ۶۸۹ کے ۶۹۰، ۶۹۰ کے ۶۹۱، ۶۹۱ کے ۶۹۲، ۶۹۲ کے ۶۹۳، ۶۹۳ کے ۶۹۴، ۶۹۴ کے ۶۹۵، ۶۹۵ کے ۶۹۶، ۶۹۶ کے ۶۹۷، ۶۹۷ کے ۶۹۸، ۶۹۸ کے ۶۹۹، ۶۹۹ کے ۷۰۰، ۷۰۰ کے ۷۰۱، ۷۰۱ کے ۷۰۲، ۷۰۲ کے ۷۰۳، ۷۰۳ کے ۷۰۴، ۷۰۴ کے ۷۰۵، ۷۰۵ کے ۷۰۶، ۷۰۶ کے ۷۰۷، ۷۰۷ کے ۷۰۸، ۷۰۸ کے ۷۰۹، ۷۰۹ کے ۷۱۰، ۷۱۰ کے ۷۱۱، ۷۱۱ کے ۷۱۲، ۷۱۲ کے ۷۱۳، ۷۱۳ کے ۷۱۴، ۷۱۴ کے ۷۱۵، ۷۱۵ کے ۷۱۶، ۷۱۶ کے ۷۱۷، ۷۱۷ کے ۷۱۸، ۷۱۸ کے ۷۱۹، ۷۱۹ کے ۷۲۰، ۷۲۰ کے ۷۲۱، ۷۲۱ کے ۷۲۲، ۷۲۲ کے ۷۲۳، ۷۲۳ کے ۷۲۴، ۷۲۴ کے ۷۲۵، ۷۲۵ کے ۷۲۶، ۷۲۶ کے ۷۲۷، ۷۲۷ کے ۷۲۸، ۷۲۸ کے ۷۲۹، ۷۲۹ کے ۷۳۰، ۷۳۰ کے ۷۳۱، ۷۳۱ کے ۷۳۲، ۷۳۲ کے ۷۳۳، ۷۳۳ کے ۷۳۴، ۷۳۴ کے ۷۳۵، ۷۳۵ کے ۷۳۶، ۷۳۶ کے ۷۳۷، ۷۳۷ کے ۷۳۸، ۷۳۸ کے ۷۳۹، ۷۳۹ کے ۷۴۰، ۷۴۰ کے ۷۴۱، ۷۴۱ کے ۷۴۲، ۷۴۲ کے ۷۴۳، ۷۴۳ کے ۷۴۴، ۷۴۴ کے ۷۴۵، ۷۴۵ کے ۷۴۶، ۷۴۶ کے ۷۴۷، ۷۴۷ کے ۷۴۸، ۷۴۸ کے ۷۴۹، ۷۴۹ کے ۷۵۰، ۷۵۰ کے ۷۵۱، ۷۵۱ کے ۷۵۲، ۷۵۲ کے ۷۵۳، ۷۵۳

ہے جو ان کے کلیات فارسی کے نو لکھنوی ایڈیشن مطبوعہ ۱۲۷۹ ہجری (۱۸۶۳ عیسوی) میں شائع ہوا تھا اور جس کی اشاعت کے چھ سال بعد تک غالب زندہ رہے تھے۔ یہ زانچہ صلی ۱۸۸۸ اور صلی ۱۸۹۹ کے دو میان موبدو ہے۔ غالب کا یہی زانچہ کلیات فارسی مطبوعہ ۱۳۶۳ ہجری (۱۸۴۸ عیسوی) میں بھی موبدو ہے۔ اور اس میں بھی اسی قسم کی تفصیلات درج ہیں لیکن راکم ہیں۔ اس کی شکل و صورت میں بھی ذرا سا فرق ہے اور اس میں سنہ عیسوی کا ذکر بھی نہیں ہے۔ یہ طوطا رہے کہ غالب کی پیدائش اکبر آباد یعنی آگرے کے مقام پر ہوئی تھی جس کا عرض البلد تقریباً ۲۷ درجے شمال ہے اور طول البلد تقریباً ۷۸ درجے شرقی ہے۔ اس شائع شدہ زانچے کے طالع یعنی پہلے خانے کے سوا باقی خانوں کے درجوں اور دقیقوں پر کوئی تبصرہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ ہمارے مقصد کے لئے غیر ضروری ہے۔ طالع کے درجے اور دقیقے معلوم ہو جانے کے بعد اسی کی مدد سے باقی خانوں کے درجے اور دقیقے خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔ زانچے کا ٹکس صلی ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیے۔

اس زانچے سے ہمیں مندرجہ ذیل خاص خاص باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ جو کہ غالب کے شائع شدہ زانچے کے مطابق تقویم سیارگان۔

- ۱۔ استخراج تقویم بر ہائی بروز مکتوبہ ۸ ربیع ثانی چار گزی پیش از طلوع آفتاب بمقام اکبر آباد (شائع شدہ سنہ ۱۳۳۳ ہجری ۱۹۱۵ عیسوی) ہے لیکن دونوں مطبوع ہیں جیسا کہ بعد میں بتایا جائے گا۔
- ۲۔ طالع یعنی پہلا خانہ 'برج قوس' کے ۲۷ درجے ۳۹ دقیقے پر تھا۔
- ۳۔ خمس دوسرے خانے میں 'برج جدی' کے ۱۸ درجے ۲۰ دقیقے پر تھا۔
- ۴۔ قرینے خانے میں 'برج ثور' کے ۸ درجے ۲۱ دقیقے پر تھا۔
- ۵۔ راس انحروری خانے میں 'برج سرطان' کے منفرد درجے ۱۵ دقیقے پر تھا۔
- ۶۔ زنب دوسرے خانے میں 'برج جدی' کے منفرد درجے ۱۵ دقیقے پر تھا۔
- ۷۔ مریخ چوتھے خانے میں 'برج حوت' کے ۲۳ درجے ۲۹ دقیقے پر تھا۔
- ۸۔ عطارد دوسرے خانے میں 'برج جدی' کے ۳۶ درجے ۸ دقیقے پر تھا۔
- ۹۔ مشتری چوتھے خانے میں 'برج حوت' کے ۱۵ درجے ۳۷ دقیقے پر تھا۔
- ۱۰۔ زہرا پہلے خانے میں 'برج قوس' کے ۱۳ درجے ۲۳ دقیقے پر تھا۔
- ۱۱۔ زحل ساتویں خانے میں 'برج جوزا' کے ۲۲ درجے ۲۸ دقیقے پر تھا۔
- ۱۲۔ سم السموات دسویں خانے میں 'برج سنبلہ' کے ۷ درجے ۳۸ دقیقے پر تھا۔
- (سم الغیب 'سم اولاد اور سم امراض' کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔)

نوٹ: مندرجہ کی پتہ کے استنباط کے مطابق بھی طالع برج قوس ہی میں تھا لیکن اس برج کے چھ درجے پر تھا۔ اس کے علاوہ خمس بھی برج قوس کے ستائیس درجے پر تھا۔ زنب بھی برج قوس کے گیارہ درجے پر تھا۔ معلوم نہیں غالب کا یہ زانچہ کس درجہ کی غلطی پر بنایا گیا تھا کیونکہ اس زمانے میں بہت سی عجیب و غریب باتیں اور

حرزِ ذبح کے حساب میں دو سری ذبوں کے حساب سے چند درہوں یا چند دقیقوں کا فرق ضرور پڑ جاتا ہے۔ ہر حال اگر ہم اس معمولی سی اختلافی حقیقت کو سامنے رکھیں اور چند درہوں یا دقیقوں کے فرق کو نظر انداز کرنے کے بعد کسی بھی ذبح کی مد سے یہ معلوم کرنا چاہیں کہ سیاروں کے مندرجہ بالا اجتماع کب واقع ہوتے تھے تو ہم کو غالب کی صحیح تاریخِ پیدائش کا علم ہو جائے گا کیونکہ ذرا پہلے میں سیاروں کے مجموعی مقامات صرف ایک خاص دن اور خاص ساعت ہی میں حاصل ہوتے ہیں اور پھر ہزاروں سال میں بھی اس قسم کا زائچہ نہیں بن سکتا۔ اس لئے اگر غالب کے شائع شدہ ذرا پہلے کی سرٹی میں ان کی پیدائش کا وقت 'دن' تاریخ اور سن نہ بھی لکھے ہوتے تو بھی صرف ذرا پہلے کے سیاروں کے مقامات ہی سے حساب لگا کر سب کچھ معلوم کیا جاسکتا تھا۔ اس قسم کی ایک مثال اس مضمون کے آخر میں درج کر دی گئی ہے۔

میں نے جنی کلہوں اور ذبوں سے مد لے کر مندرجہ ذیل حسابات لگائے ہیں ان کا ذکر اس مضمون کے خاتمے پر کر دیا گیا ہے۔ یہ انہیں مختلف صدیوں میں لکھی گئی ہیں اور ان میں مختلف احرمین 'جو لین ڈے اور تقویم سیاروں وغیرہ معلوم کرنے کے طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ احرمین دراصل دان کی اس تعداد کو کہتے ہیں جو ایک خاص تاریخ سے دو سری خاص تاریخ تک گزر جاتے ہیں۔ لہذا میرے حساب کے مطابق غالب کا یہ زائچہ صرف اور صرف ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی مطابق ۸ رجب ۱۲۱۱ ہجری بمقام اکبر آباد طوعِ آلاب سے چار گزنی گلی یعنی انڈین اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق ۱۷ صبح ۵ بج کر ۳۶ منٹ کے لئے ہی ہو سکتا ہے 'کسی اور وقت 'دن' تاریخ یا سن کے لئے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر صرف قمر کے مقام ہی کو لیتے۔ اگر تاریخِ پیدائش میں ایک دن کا بھی فرق ہو جائے تو قمر کے مقام میں تقریباً چھوڑے کا فرق ہو جائے گا۔ یعنی اگر غالب کی پیدائش تاریخ ۷ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی بمقام شنبہ قمرض کریں تو قمر یا چھری خانے میں برجِ حمل کے تقریباً ۲۵ درجے پر آتا ہے 'حالانکہ غالب کے ذرا پہلے کے مطابق قمر پھٹے خانے میں برجِ ثور کے تقریباً ۸ درجے پر ہے۔ یہ بات بھی بالکل قطعی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ یہ زائچہ غالب کی پیدائش کے وقت ہی ان کے والد نے کسی قاتلِ غم سے ہوا یا تھا کیونکہ اگر یہ زائچہ بعد میں بنایا گیا ہو، تو اس میں اتنی صحیح تفصیلات درج نہ ہوتیں۔ خصوصاً بعد میں کی چتر کے استنباط کے مطابق ذب کو برجِ قوس کے کنارہ درجے پر بتایا گیا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ کمرہ سے بنی ہوئی اس سال کی چتر کو بنوڑ دیکھ کر حساب لگایا گیا ہو۔ ورنہ اگر یہ زائچہ کوئی غم بعد میں بنا تو ذب کی یوٹائی تقویم (یعنی برجِ جدی کے صفرو درجہ ۱۵ دقیقے) میں سے پیدائش کے ۲۱ درجے تقریباً کر کے حندی تقویم (یعنی برجِ قوس کے ۹ درجے ۱۵ دقیقے) حاصل کر لیتا اور نتیجتاً کنارہ درجے کے بجائے ۹ درجے لکھ دیتا۔ میرے حساب کے مطابق ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی کو صبح ۵ بج کر ۳۶ منٹ پر ذرا پہلے کے لئے مندرجہ ذیل تقویم سیاروں حاصل ہوتی ہے۔ عام پڑھنے والوں کی سمجھ میں اگر بعض علمی اصطلاحات نہ آئیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ ان کو سب سے بغیر بھی نفسِ مضمون کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ میں نے طالع کے استخراج کے لئے این سی لائبریری کی بدولوں سے کام لیا ہے۔ شمس کی تقویم کے لئے یو کسپ کی ذبح کے مطابق حساب لگایا ہے۔ قمر راس اور ذب کی تقویم کے لئے ائی ڈی ایچ برائون کی ذبح کا سارا لیا ہے۔ باقی سیاروں کے لئے

و عیسوی کی اصل حقیقت کے بارے میں کچھ تنازعہ پایا جاتا ہے۔ یہ تقویم دراصل عیس و قمری صرف اوسط راتوں کی بنیاد پر بنائی گئی ہے۔ اور اس میں عام طور پر سلسلہ وار ایک قمری مہینہ ۳۰ دن کا اور دو سراسر قمری مہینہ ۲۹ دن کا سمجھا جاتا ہے۔ سال کبھی میں ذی الحجہ کے مہینے کو بھی ۲۹ کے بجائے ۳۰ دن کا سمجھ لیا جاتا ہے۔ لیکن جیسا کہ ذی الحجہ ایک میں ثابت کیا گیا ہے، حقیقی رویت حلال کے مطابق کبھی دو، کبھی تین، قمری مہینے یکے بعد دیگرے متواتر انیس دن کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ ایڈورڈ ماہلو کی تقویم ہجری و عیسوی کے مطابق معلوم کی ہوئی اوسط ہجری تاریخ اور رویت حلال کے مطابق معلوم کی ہوئی حقیقی ہجری تاریخ کے درمیان کبھی ایک دن اور کبھی دو دن کا فرق پڑ سکتا ہے۔ بلکہ اگر مطلع صاف نہ ہو تو تین دن کا فرق بھی پڑ سکتا ہے۔ اس لئے جو حضرات کسی حقیقی کام کے لئے ایڈورڈ ماہلو کی تقویم ہجری و عیسوی کو حرف آخر سمجھ لیتے ہیں، وہ بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ میں نے اکثر ایسے مواقع لوگوں کی تحریریں پڑھی ہیں جنہوں نے محض ایڈورڈ ماہلو کی تقویم کی بنا پر بڑے بڑے تاریخی واقعات کو بھٹانے کی کوشش کی ہے۔

دراصل علم ہیت کی مختلف کتابوں میں حقیقی رویت حلال معلوم کرنے کے لئے معیاری قاعدے درج ہیں۔ اس لئے حقیقی کام کرنے والوں کو لازم ہے کہ وہ ان معیاری قاعدوں سے صحیح ہجری تاریخ کا تعین کریں۔ اگرچہ وہ سمجھتے ہی دشوار کیوں نہ ہوں۔ علم ہیت کے ان معیاری قاعدوں کو استعمال کرنے کے باوجود بعض اوقات ہجری تاریخ میں ایک دن کا فرق پڑ سکتا ہے۔ جس کا سبب یہ ہے کہ کبھی کبھی شام کے وقت ہجری مہینے کی ۲۹ تاریخ کو آسمان اس قدر گرد و غبار و ابر آلود ہوتا ہے کہ لوگوں کو چاند نظر نہیں آتا، حالانکہ چاند نظر آنے کے قابل ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں شرعی طور پر رویت حلال نہیں ملتی جاتی بلکہ اس ہجری مہینے کے ۳۰ دن پورے کرنے کے بعد اگلا ہجری مہینہ شروع کیا جاتا ہے۔ یعنی جس دن حقیقی طور پر آگے مہینے کی یکم تاریخ ہونی چاہئے تھی، اس دن کو شرعی طور پر پچھلے مہینے کی ۳۰ تاریخ سمجھ لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں دن کے نام کو بنیاد بنا کر حسابات لگانے چاہئیں، کیونکہ دن کے نام میں کسی حالت میں بھی کوئی اختلاف یا شک و شبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی قسم کا اتفاق غالب کی پیدائش کے وقت بھی ہوا تھا، جس کی تفصیل اس جگہ بیان کرنا ضروری ہے۔ میں نے علم ہیت کے معیاری قاعدوں سے حساب لگا کر معلوم کیا ہے کہ یکم دسمبر ۱۷۹۹ عیسوی کو آگرے میں بروز پنجشنبہ جمادی الاخر ۱۲۱۹ ہجری کا چاند نظر آیا تھا، اس لئے ۳۰ دسمبر ۱۷۹۹ عیسوی کو بروز جمعہ جمادی الاخر ۱۲۱۹ ہجری کی ۲۹ تاریخ تھی۔ ان دن آگرے کے مقام پر غروب آفتاب کے وقت تقویم بونانی کے مطابق عیس و برج ہدی کے ۹ دسمبر ۱۷۹۹ واقعے پر تھا، قمری برج ہدی کے ۲۳ دسمبر ۱۷۹۹ واقعے پر تھا اور اس برج سرطان کے ۸ دسمبر ۱۷۹۹ واقعے پر تھا۔ ان مواضع کی بنیاد پر علم ہیت کے معیاری قاعدوں کے مطابق حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ اس شام کو رویت حلال کا قوی امکان تھا کیونکہ حلال نظر آنے کے قابل ہو چکا تھا۔ لیکن قرائین سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت افق مغرب اس قدر کدو تھا کہ لوگوں کو رجب کا چاند نظر نہ آ سکا۔ اس لئے انہوں نے شرعی طور پر بروز شنبہ ۳۱ دسمبر ۱۷۹۹ عیسوی کو ۳۰ جمادی الاخر ۱۲۱۹ ہجری مانا۔ اور بروز یکشنبہ یکم جنوری ۱۷۹۹ عیسوی کو یکم رجب ۱۲۱۹ ہجری مانا۔ یہی وجہ ہے کہ غالب کے واسطے کی سرٹی میں بروز

ہجری ۸ جنوری ۱۷۹۷ء بمطابق ۸ رجب ۱۲۱۶ ہجری مانا گیا ہے۔ اس زمانے میں غزو اشاعت کے ذرائع اسے سرور نہیں تھے کہ اگر کسی دور دراز کے علاقے میں چاند نظر آجائے تو اس کی اطلاع فوراً ملک کے عرصے میں پہنچ جائے۔ اس لئے اگرے والوں نے صرف اپنے ہی افق کے مطابق ہجری تاریخ کا تعین کیا تھا حالانکہ ملک کے بعض دوسرے حصوں میں ۳۰ دسمبر ۱۷۹۶ء بمطابق چاند ضرور نظر آیا ہو گا۔ یہ اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ غالب کا زائچہ ان کی پیدائش کے وقت ہی بنایا گیا تھا۔ اگر بعد میں بنایا جاتا تو زائچہ بنانے والا غلط ۸ جنوری ۱۷۹۷ء بمطابق کو لازمی طور پر ۹ رجب ۱۲۱۶ ہجری مانا کیونکہ اسے اسے عرصے بعد اس حقیقت کا علم کس طرح ہو سکتا تھا کہ ۳۰ دسمبر ۱۷۹۶ء بمطابق کو اگرے میں رجب کا چاند نظر نہیں آتا تھا جبکہ ایڈورڈ مائلز کی تقویم کے مطابق غزو الزکات کے اوسط طریقے کے مطابق اور علم ہند کے معیاری کالندوں کے مطابق بھی ۳۰ دسمبر ۱۷۹۶ء بمطابق کو ضرور چاند نظر آتا چاہئے تھا۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جب غالب کی صحیح تاریخ پیدائش ۸ رجب ۱۲۱۶ ہجری مطابق ۸ جنوری ۱۷۹۷ء بمطابق ۱۲۱۶ ہجری کے طور پر غالب نے اسے ۸ رجب ۱۲۱۶ ہجری کیوں سمجھا ہے اور مقام پر اپنی پیدائش کا سن ۱۲۱۶ ہجری کیوں بتایا ہے؟ جیسا کہ ان کے خود لکھے ہوئے مادہ حائے تاریخ یعنی شورش شوق غریب اور تاریخ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ نیز ان کے شارح شدہ زائچے میں سن ۱۲۱۶ ہجری اور سن ۱۷۹۸ء بمطابق ۱۲۱۶ ہجری اور سن ۱۷۹۸ء بمطابق ۱۲۱۶ ہجری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ غالب کے زائچے کے اصل مخطوطے کی سرفی میں "موت چار گزنی پیش از طلوع صبح روز ہجری ۱۲۱۶ ہجری مطابق آغاز ۱۷۹۸ء بمطابق ۱۲۱۶ ہجری" لکھا ہوا ہو گا۔ اس زمانے میں بمطابق تاریخ کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں تھی، اس لئے ۸ جنوری ۱۷۹۷ء بمطابق کے بجائے صرف آغاز ۱۷۹۸ء بمطابق لکھا ہی کافی سمجھا گیا ہو گا یا ممکن ہے اصل مخطوطے میں سن ۱۷۹۸ء بمطابق کا ذکر ہی نہ ہو اور بعد میں اسے شامل کیا گیا ہو۔ برحال جب غالب نے ایک عرصے تک تہی اور مصیبت کی زندگی گزارنے کے بعد ہوش سنبھالا ہو گا اور پانے کا قہر اس میں اپنے بوسیدہ زائچے کو بھی دیکھا ہو گا تو ممکن ہے اس وقت اس کی سرفی کے بعض حروف صاف صاف نہ پڑے ہائے ہوں اور بالخصوص سن ۱۲۱۶ ہجری اور سن ۱۷۹۸ء بمطابق کے بارے میں کوئی لفظ قلمی پیدا ہو گئی ہو جس کی بنا پر ۱۲۱۶ ہجری کو ۱۲۱۶ ہجری اور ۱۷۹۸ء بمطابق کو ۱۷۹۸ء بمطابق فرض کر لیا گیا ہو۔ حالانکہ اگر ۱۲۱۶ ہجری کو ۱۲۱۶ ہجری فرض کر لیا گیا تھا تو آغاز ۱۷۹۸ء بمطابق کو ۱۷۹۸ء بمطابق فرض کرنا چاہئے تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید غالب کو بھی اس امر کی حقیقت کا موقع نہیں مل سکا ہو گا اور انہوں نے ۱۲۱۶ ہجری ہی کو صحیح ماننے میں کوئی مسکت کھی ہو گی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر غالب کے زائچے کا اصل مخطوطہ دیکھا جائے، یا کلیات قاری کا وہ مخطوطہ دیکھا جائے جس کی بنیاد پر فولکنسوری اپنی پیش شارح ہوا تھا تو زائچے کی سرفی میں سن ۱۲۱۶ ہجری اور سن ۱۷۹۸ء بمطابق کے آخری حروف یعنی با ترتیب "۲" اور "۸" ضرور منکوک و مشتبہ نظر آئیں گے جن کو اگر فور سے دیکھا جائے تو با ترتیب "۶" اور "۷" بھی پڑھا جا سکتا ہو گا۔ اور شاید اس منکوکیت می کی وجہ سے فولکنسور پریس والوں نے مخطوطے کے سن ۱۲۱۶ ہجری کو نہ ۱۲۱۶ پڑھا بلکہ ۱۲۱۶ پڑھ لیا اور اسی طرح شارح کر دیا۔ برحال اب یہ دوسرے اصل علم حضرات

کا کام ہے کہ وہ اس ملکوکیت کی اصل حقیقت معلوم کریں میں تو صرف اتنا بتاتا ہوں کہ غالب کی صحیح تاریخ پیدائش اردوئے رانچہ ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی بروز یکشنبہ مطابق ۸ رجب ۱۲۱۴ ہجری ہے۔

غالب نے اپنی تقریروں میں بار بار یکشنبہ کو اپنا یوم پیدائش اور ۸ رجب کو اپنی تاریخ پیدائش بتایا ہے۔ جیسا کہ نواب علانی کے نام ایک خط میں مورخہ جن ۱۸۶۷ عیسوی سے اور تذکرہ مطہر المعجبہ کے لئے بھیجی ہوئی ان کی ایک تقریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان حقائق سے اس بات کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ ان کا سن پیدائش ۱۲۱۴ ہجری نہیں ہے بلکہ ۱۲۱۵ ہجری ہے کیونکہ ۸ رجب ۱۲۱۴ ہجری کو یکشنبہ نہیں تھا بلکہ چار شنبہ تھا اور جیسا کہ بعد میں بتایا جائے گا۔ سیاروں کے مواضع بھی غالب کے زائچے سے بالکل مختلف تھے۔ ۸ رجب ۱۲۱۴ ہجری کو ضویر یکشنبہ تھا لیکن اس دن بھی سیاروں کے مواضع غالب کے زائچے سے بالکل مختلف تھے۔ ۸ رجب ۱۲۱۴ ہجری کو بھی یکشنبہ نہیں تھا بلکہ جمعہ تھا اور سیاروں کے مواضع بھی غالب کے زائچے سے بالکل مختلف تھے۔

غالب کے زائچے میں سیاروں کے ہر مواضع درج کئے گئے ہیں اور جن کی بنیاد پر میں نے غالب کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم کی ہے ان کی تصدیق غالب کے اس لاہواب قاری قصیدے کے تشبیب کے اشعار سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں کہا تھا۔ یہ قصیدہ انہوں نے اپنی کتب مشقی کے زمانے میں یعنی تقریباً چالیس سال کی عمر میں کہا تھا۔ اس کا ایک ایک محارف و معانی کا دریا ہے۔ اس قصیدے کے کل ایک سو بارہ اشعار میں سے صرف وہ اشعار جن کا قص منضوم سے تعلق ہے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ ان اشعار میں غالب نے اپنے زائچے کے سیاروں کی معالوت و خواست پر اپنے مخصوص علمائے و شاعرانہ انداز میں خود ہی تبصرہ فرمایا ہے۔ اگر اس ذمہ مطالعہ منضوم کی تمیید کو ابھی طبع سمجھ کر چھ لیا جائے تو ان اشعار کو سمجھنے میں درسی بھی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

مگر مرا دل کافر بود شب میلاد

کہ طلعتش رعد از گور اصل عصیان یاد

خود اصل طالع من جنوںے از کمانے

کنوست تلک فم را هزار گوند کشاد

خرام زحمہ بطلع اگرچہ وارہ نکلیں

ہم از لطافت طبع و ہم از صفائے فدا

وے ازاں کہ غریب است زحمہ اندر قوس

نشت بر سبغ نقد قبول گرد کسل

تو کوئی از اثر القام حادث است

کہ سر بطلع من چشم زحمہ را چادو

- ملر ہدی زنب را اشارۂ باشد
 خاک و حلقہ دام و کھیں کہ میاد
 - دام؟ روح رواں را گزادش پ دہاں
 - صفر؟ رنج و الم را فراخش اعدا
 - دسر و یکہ تیر افکار شد بھری
 فروغ افکار رخشہ و بھجے زہد
 - موت در شدہ ہم شتری و ہم مرغ
 کجے کفیل صلاح و کجے دلیل فساد
 - کجے بہشت جڑے کہ تاک از لونا
 بکنج صومد و لمانہ باشد از اوراد
 - کجے بصورت ترکے کہ از پے یغرا
 شیزو جوئے در آید بخاندہ زحار
 - قرہ پ نور کہ آشاد شغم باشد
 چو نور خویش کہہ دہکام محرم زیاد
 - سیاہ مکتوبہ در یکہ زلیلہ کیوں
 چنانکہ از اثر خاک تیرہ کردہ باد
 - ہری در غم عمر تاپہ شکل مستقبل
 کشیدہ اند ز ترجع خویش در اوانک
 - چارہاں کردہ ہرام پنجس پایہ
 - ہلتمس زندہ کیوں ہلتمس بنیاد
 - کند چو ترک سگر چہ کھتن استحال
 کند چو حندہ دھوزا چہ بدان استہدا
 - ز حوت ہیت طوفان لوح پردہ کشا

عیاں و صورت ہر ذرا نصیب مصرع حد

تو و خدا کہ دریں نگاہش کہ من ہاشم

بچوہ چوں وکراں دستن توں ہمداد

ابن اشعار تا آورد ترجمہ اور علمی اصطلاحات کی وضاحت نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں درج ہے۔

شعر ۱۔ (ترجمہ) میرے لئے میرا دل کافر ایسی شبِ دلاوت ہے جس کی تیگی کے آگے چلے سے چلے جنگار کی قبر کی تاریکی بھیج ہے۔ (وضاحت) اس شعر میں غالب نے کتاب آ یہ بنا دیا ہے کہ ان کی پیدائش رات کے وقت ہوئی تھی۔

شعر ۲۔ (ترجمہ) دراصل میرا طالع دلاوت کائن (یعنی برج قوس) کا ایک حصہ ہے جس کے ذریعے ناکہ نم کو ہزار مہی سولت حاصل ہو گئی ہے۔ (وضاحت) کسی واسطے میں برج قوس اگر طالع ہو جائے تو مولود کو بڑی دکھ بھری زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ اسی بات کو غالب نے نہایت ہی لطیف اور شاعرانہ ہجائے میں بیان کیا ہے۔

شعر ۳۔ (ترجمہ) اگرچہ میرے طالع میں زہرہ کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ مولود لطافت طبع اور مقالے نعل میں یکماتے روزگار ہو گا لیکن چونکہ برج قوس میں ہونے کی وجہ سے زہرہ کی حیثیت ایک غریب کی سی ہے اس لئے میرے نقد قبول کے چہرے پر کسلا ہزاری کی گرد پڑی ہوئی ہے۔ (وضاحت) برج قوس کا ناکہ مشتری ہے جو زہرہ سے بے تعلق ہے مگر زہرہ ایک ایسے گھر میں پڑا ہوا ہے جہاں اس کی حیثیت ایک اجنبی مسافر کی سی ہے اور اسی وجہ سے وہ سعد امنر ہوتے ہوئے بھی اپنا پورا اثر دکھانے سے معذور ہے۔ یعنی اس نے اتنا نیک اثر دکھایا کہ غالب کو لطیف طبع اور نیک نسل بنا دیا لیکن اس وجہ نیک اثر نہیں دکھاسکا کہ غالب کی محتاج خن کے شہدادوں کی ریل بیل ہوئی۔

شعر ۴۔ (ترجمہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چرخ نے (مجھ پر مہربان ہو کر نہیں بلکہ) حادثات سے انتقام لینے کی غرض سے (اس کی محبوب یعنی) زہرہ کو میرے طالع میں جگہ دی ہے (ناکہ حادثات چاہ باطل کے عذاب کے ساتھ ساتھ آفاق رقابت میں بھی جلا رہے اور مجھے بھی بدناما دتا رہے)۔ (وضاحت) اس شعر میں غالب نے حادثات و حادثات کی مشہور نتیجے سے کام لیا ہے جو دو فرشتے تھے اور ہاتھ تھیب زہرہ و مشتری پر عاشق تھے اور اپنی بدکرداری کی پاداش میں چاہ باطل میں ابھی تک اگلے تھے ہوئے ہیں۔ تنزیح سیارگان اور تحلیل شاعرانہ کا کجائی تاثر اس سے بہتر کوئی قش نہیں کر سکا۔

شعر ۵۔ (ترجمہ) برج جدی کے صفروں سے پر زنب کی موجودگی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ میری قسمت میں خاک، مطلق دامن اور کہیں گا، میاد کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ (وضاحت) برج جدی کا مزاج خاکی ہے جس سے خاک کی طرف اشارہ ملتا ہے، زنب کی ہل اٹھنے کی حلقہ نمود کی سی ہے جس سے مطلق دامن کی طرف اشارہ ملتا ہے، اور جدی کی ہل چھپ کر حملہ کرنے والے جانور کی سی ہے جس سے کہیں گا، میاد کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اس شعر میں بھی غالب نے تنزیح سیارگان کا بڑا اچھوتا تصور پیش کیا ہے۔

شعر ۷۔ (ترجمہ) یہ دامن کیا ہے؟ یہ میری مدح دہاں کے پوہاں کو جلا دینے کی طرف اشارہ ہے۔ اور صغریٰ کیا ہے؟ یہ میرے رنج و الم کے لئے افزائش امداد کی طرف اشارہ ہے۔ (وضاحت) صغریٰ یہ خصوصیت ہے کہ جس حد کے آگے لگا دیا جاتا ہے اس کی قیمت دس گنی ہو جاتی ہے۔ صغریٰ اسی خصوصیت کا سارا لے کر غالب نے رنج کے صغریٰ ہی پر ہونے سے رنج و الم کے لئے افزائش امداد کا ضاعت لطیف نکتہ پیدا کیا ہے۔

شعر ۸۔ (ترجمہ) برج جدی میں شمس بھی ہے اور عطارد بھی ہے۔ جس سے یہ آشکار ہوتا ہے کہ میری قسمت میں آتش عشق اور اس کے بعد بعل ہوئی راکھ نکسی ہوئی ہے۔ (وضاحت) شمس کا مزاج آتشی ہے اور وہ آگ کے ایک گوشے کی طرح ہے جو متحرک بھی ہے۔ اس لئے غالب نے شمس کی برج جدی میں موجودگی کو اختر دھند سے نسبت دی ہے 'جو ہمازا' آتش عشق کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ شمس یعنی عطارد کا مزاج بادی ہے جو آگ کو بجڑانے میں مدد دیتا ہے اور جدی کا مزاج خاک کی ہے جو بھل کر راکھ کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کف کے سنی سوختہ چھلک کے بھی ہیں۔ اس شعر میں غالب نے تعویذ سیارگان کی ایک جواب مثال قائم کی ہے۔

شعر ۹۔ (ترجمہ) برج حوت میں مشتری بھی موجود ہے اور مریخ بھی موجود ہے۔ ان دونوں میں سے ایک (یعنی مشتری) نکسل صراط ہے 'اور ایک (یعنی مریخ) کی دلیل قنار ہے۔ (وضاحت) مشتری سعد اکبر ہے اور اس کی شکل ایک مسرخص کی سی ہے جو ٹیک مشورہ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مریخ شمس اصغر ہے اور اس کی شکل ایک ایسے جگمگوں کی سی ہے جو قتل و غارت کے لئے ہمارے دعوٰیٰ پھرتا ہے۔

شعر ۱۰۔ (ترجمہ) ایک (یعنی مشتری) ایسی حالت میں ہے جیسے کوئی بوڑھا کوئی ناگملی شور و غل سے گھبرا کر اپنی خانقاہ کے گوشے میں وحید اور درد بھی پھوڑ بیٹھا ہے۔ (وضاحت) برج حوت کا مالک مشتری ہے اور وہ اپنے ہی گھر میں بیٹھا ہے۔ ایسی حالت میں مشتری سے ٹیک ثمود نے کی قریح تھی کیونکہ یہ سعد اکبر ہے 'لیکن چونکہ مریخ بھی ساتھ ہی موجود ہے اور قنہ و قنار اور شور و غل میں مغلوط ہے 'اس لئے ایسی پریشان کن حالت پیدا ہو گئی ہے کہ مشتری بھی ٹیک ثمود دینے سے قاصر ہو گیا ہے۔ اس شعر میں غالب نے مشتری کی تعویذی حیثیت کا جو عمل نقشہ کھینچا ہے وہ اپنا جواب آپ ہے۔

شعر ۱۱۔ (ترجمہ) ایک (یعنی مریخ) ایسی صورت میں ہے جیسے کوئی خوفناک و ظالم ترک ٹوٹ مار کرنے کے ارادے سے زاہدوں کے گھر میں گھس آیا ہو۔ (وضاحت) مریخ برج حوت میں داخل ہو گیا ہے جو مشتری کا گھر ہے اور مشتری بھی اسی گھر میں بیٹھا ہے۔ گویا کہ مشتری تعویذی حیثیت سے ایک زاہد کی مانند ہے۔ قنار برج حوت خانہ زادوں کی مانند ہوا۔ اس تعویذ میں غالب نے ایک نسبت ہی لطیف نکتہ بیان کیا ہے۔ یعنی اگر کوئی ڈاکو کسی غریب زاہد کے گھر میں ڈاکو ڈالنے آجائے اور اسے وہاں ذرا سا بھی مال ہاتھ نہ آئے تو پھر انوار لگائیے کہ مسلسل حشاش مال 'نا امیدی اور شبہ کی حالت میں اس ڈاکو کی گھست خوردہ لہجہ اور اس کے علم و حکم کا کیا حال ہو گا۔ اپنے واسطے میں مریخ کی نوست انگریزی کا اس قدر جامع اور موثر نقشہ پیش کرنا غالب ہی کا صہ ہے۔

شعر ۱۲۔ (ترجمہ) قمر برج ثور میں ہے اور برج ثور واسطے کے پھلے خانے میں پڑا ہے 'اس لئے قمر اپنے نور کی

طرح صحبہ دشمن کی دھنگہ کو بھی بڑھا رہا ہے، (وضاحت) برج ثور میں قمر کو شرف حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کا ٹیک ثنوبست زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ لیکن غالب کے واسطے میں قمر برج ثور میں ہوتے ہوئے بھی واسطے کے پھلے خانے میں جا پڑا ہے۔ چونکہ پھل خانہ دشمن سے قفل رکھتا ہے اس لئے قمر کا سارا ٹیک ثنوبست پھلے خانے کے حق میں ہونے کے ان کے دشمن کے حق میں ہو گیا ہے۔ قمر کا یہ ٹیک ثنوبست غالب کے حق میں اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ قمر برج ثور میں ہوتے ہوئے واسطے کے پھلے خانے میں بھی ہوتا، جس کا قفل مولود کے جسم اور دل سے ہے۔ غالب نے اس تعویج میں بھی ایک باریک نکو بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ قمری مینے کی آٹھ تاریخ کا زائچہ ہے اس لئے قمر کا اور روز بروز بڑھتا جا رہا ہے، جس کے نتیجے میں ثور قمر کی زیادتی کے حسب سے دشمن کی دھنگہ بھی زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔

شعر ۳۵ (ترجمہ) زحل کے طوائف سے جزا کا چوہا یاد نہ کیا ہے جس طرح کہ اندھی کے وقت خاک کے اثر سے ہوا تاریک ہو جاتی ہے۔ (وضاحت) برج جزا کو وہ چکر اور زحل کو کیوں بھی کہتے ہیں۔ برج جزا قدرے ٹیک ثنوبست والا ہے لیکن چونکہ اس میں زحل بھی موجود ہے جو نفس اکبر ہے اس لئے برج جزا کا ثنوبست ٹیک اثر بھی زائل ہو گیا ہے۔ چونکہ جزا کا مزاج بادی ہے اور زحل کا مزاج خاکی ہے اس لئے غالب نے مٹی کے اثر سے ہوا کے تاریک ہو جانے کی نصیبتہ استعمل کی ہے جو نہایت با معنی اور حسب حال ہے۔

شعر ۳۶ (ترجمہ) ان دونوں نفس سیاروں (یعنی منہ و زحل) کی حالتوں پر غور کرو کہ کہیں میں فکر ترجیح بھی رکھتے ہیں اور اوتار میں بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس طرح ان دونوں نے مل کر میرے مستقبل کی کہی (صیغہ) تصور کھینچ رکھی ہے یعنی ملک باہم سے قفل رکھتے والا منہ واسطے کے چوتھے خانے میں ہے اور ملک باہم سے قفل رکھتے والا واسطے کے ساتویں خانے میں ہے۔ (وضاحت) منہ کو ہیرام بھی کہتے ہیں۔ جب وہ سیاروں کے درمیان تین بعد از کافرن ہوتا ہے تو وہ ایک دوسرے کو فکر ترجیح سے دیکھتے ہیں۔ یہ نصف دشمنی کی فکر بھی ہوتی ہے۔ غالب کے واسطے میں منہ برج حوت میں ہے اور زحل برج جزا میں ہے اس لئے ان دونوں کے درمیان فکر ترجیح ہے جس کی وجہ سے ان دونوں کی خواست میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ مزید برآں دونوں سیارے اوتار میں یعنی چوتھے اور ساتویں خانوں میں بھی بیٹھے ہوئے ہیں جس سے ان کی خواست اور بھی مستقل اور دیرپا ہو گئی ہے۔

شعر ۳۷ (ترجمہ) اول الذکر (یعنی منہ) ظالم ترک کی طرح مجھے ہلاک کرنے میں جھڑی دکھا رہا ہے اور موخر الذکر (یعنی زحل) حدود ملک کی طرح مجھے لوٹے کھسٹوٹے میں لڑتیں بچھا رہا ہے۔ (وضاحت) منہ اور زحل دونوں کے فطری خواص اور واسطے میں ان کی مخصوص حالتوں کے مطابق غالب نے جو تنبیہیں ان دونوں سیاروں کے لئے پیش کی ہیں وہ نہایت ہی فلیح اور مکمل ہیں۔ غالب کے سوا کوئی دوسرا شاعر اسی صحیح عکاسی نہیں کر سکتا۔

شعر ۳۸ (ترجمہ) برج حوت (اور کس میں بیٹھے ہوئے منہ) پر غور ڈالو سے طوفان نوح کی ہیبت سامنے آ جاتی ہے۔ اسی طرح برج جزا (اور اس میں بیٹھے ہوئے زحل) کی شکل کو دیکھنے سے مرمی عباد کی ہی دھشت ظاری ہو جاتی ہے۔ (وضاحت) حوت کا مزاج آبی ہے اور اس میں منہ موجود ہے جو نفس اصغر ہے اس لئے اس کے نفس

اثرات کو طوقان نوح کی مرقعوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی طرح ہوا کا مروج ہادی ہے اور زحل اس میں موجود ہے جو شمس اکبر ہے۔ اس لئے اس کے نفس اثرات کو اس اندھنی کی چٹا کاریوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو قوم عاد کے لئے بھیجی گئی تھی۔ یہ تعویذ بھی غالب نے بڑے شاعرانہ انداز میں بیان کی ہے اور وہ مشہور جملیات کا ذکر کر کے حسن بیان کو اور بھی دو بارہ کر دیا ہے۔

شعر ۱۸۔ (ترجمہ) خدا کے لئے مجھے یہ تو تیار دو کہ (اپنے زائے کے سیاروں کے نفس اثرات کی) اس تکلف میں پڑ کر میں کیوں کر دوسرے لوگوں کی طرح ہمارا زندگی گزار سکتا ہوں۔ (وضاحت) غالب نے اپنے زائے میں سارے سیاروں کے مجموعی اثرات کو اپنے لئے بتا دیا جس کو بتایا ہے۔ علم نجوم کی رو سے غالب کا ایک ایک لفظ صحیح ہے۔ انہوں نے اس اور سم السعوت و فیو کا ذکر کرتے اپنے قصیدے میں ضروری نہیں سمجھا کیونکہ ان کے اثرات کو نظر انداز کر دینے کے باوجود زائے کے مجموعی اثر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

غالب کے قصیدے کے ان اشعار سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ غالب کا شائع شدہ زائچہ بالکل صحیح ہے اور اس صحیح زائے کی بنیاد پر غالب کی صحیح تاریخ پیدائش ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی مطابق ۸ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ ہجری بروز یکشنبہ ہے۔ اس شائع شدہ زائے میں سم الغیب، سم اولاد اور سم امراض کے متعلق لفظ درج ہو گئے ہیں۔ جو محض کتب کی غلطی پر محمول کئے جاسکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اصل زائے کے محطوطے میں ان تینوں سام کا ذکر نہ ہو بلکہ بعد میں کسی نے ان تینوں کو زائے کے خانوں میں قلم طور پر درج کر دیا ہو۔ کیونکہ یہ تینوں سام زیادہ اہم نہیں سمجھے جاتے اور عام طور پر صرف سم السعوت ہی کو زائے میں لکھا کٹاں سمجھا جاتا ہے۔ اگر صحیح حساب لگایا جائے تو غالب کے زائے میں سم الغیب پانچویں خانے میں برج حمل کے عا درجے ۳۰ دقیقے پر ہونا چاہئے، سم اولاد دسویں خانے میں برج سنبلہ کے عا درجے ۳۸ دقیقے پر ہونا چاہئے، اور سم امراض چوتھے خانے میں برج حوت کے ۲۶ درجے ۳۸ دقیقے پر ہونا چاہئے۔ الغلب یہی ہے کہ ان تینوں مسہم کو شائع شدہ زائے میں کسی نے بعد میں قلم طور پر درج کر دیا ہو گا۔ ورنہ زائے کا اصل محطوطے میں ان تینوں مسہم کا اندراج نہیں ہو گا۔ بہر حال ان تینوں مسہم کے قلم موضع سے زائے کی اصل حقیقت پر ذرا بھر بھی اثر نہیں پڑتا کیوں کہ یہ مسہم کوئی ملاعدہ حیثیت نہیں رکھتے بلکہ طالع اور دیگر سیاروں کے مقامات کی مدد سے اخذ کر لئے جاتے ہیں۔ لہذا اگر سم السعوت کا مقام بھی قلم درج ہوتا تو بھی زائے کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑتا۔ عام پڑھنے والوں کی سہولت کے لئے صلوٰۃ ۳۸ و ۳۹ پر غالب کے دو مختلف زائے مقرر اور آسمان کر کے درج کئے جا رہے ہیں، ایک زائچہ بحساب یونانی اور ایک زائچہ بحساب ہندی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اگر ہم یونانی حساب میں سے ہر جگہ ایٹالنش یعنی ۲۱ درجے کم کرتے چلے جائیں تو ہندی حساب حاصل ہو جاتا ہے۔ اصل ہندی کی قدیم کتب میں سام کا ذکر نہیں ہے، اس لئے حساب ہندی کے مطابق سام کا استخراج نہیں کیا جاتا اور حساب یونانی میں بھی صرف سم السعوت ہی کو زیادہ قابل اہتمام سمجھا جاتا ہے۔

ان زائچوں کو دیکھنے سے ہمارا اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے، پھر بھی میں نے پڑھنے والوں کی مزید دلچسپی کے لئے

ذیل میں ۸ رب ۴۴ ہجری ۸ رب ۴۴ ہجری اور ۸ رب ۴۴ ہجری کے مطابق تین واسطے بحساب یونانی بنائے ہیں اور ان کے سیاروں کے مخالفت کا حساب درج کیا ہے۔ غالب کے شائع شدہ واسطے کے سیاروں کے مخالفت میں اور ان تینوں واسطوں کے سیاروں کے مخالفت میں جو نمایاں فرق ۱۲ ہے وہ بھی ساتھ ہی لکھ دیا ہے جس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی کہ غالب کی صحیح تاریخ پیدائش صرف ۸ رب ۴۴ ہجری ہی ہو سکتی ہے جیسا کہ پہلے بھی ثابت کیا جا چکا ہے۔

”۸ رب ۴۴ ہجری کا زائچہ“

۱۔ استخراج تقویم یونانی تاریخ ۸ رب ۴۴ ہجری مطابق ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ عیسوی بروز چار شنبہ بمقام اکبر آباد بوقت چار گھنٹی پیش از طلوع آفتاب۔ اذین اسٹیزڈ قائم کے مطابق طے الصبح ۵ بج کر ۳۳ منٹ پر۔ اپنا نلش تقریباً ۲۱ درجے۔ مساوات وقت تقریباً ۷ منٹ مثبت۔ غزوة الزیجات امرکن ۷۹۰ ۳۰۳۔ گرہ لاکھ پکر ۲۵۰ امرکن ۳۳۶۔ جولین ڈے ۱۷۹۷ ۷۳۔

- ۲۔ طالع یعنی پہلا خانہ۔ برج قوس کے ۷۷ درجے ۵۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۹ درجے ۳۹ دقیقے مثلی)
- ۳۔ شمس ۲ دوسرے خانے میں۔ برج جدی کے ۵ درجے ۵۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۳۹ درجے ۲۱ دقیقے مثلی)
- ۴۔ قمر یا چاند خانی میں۔ برج جوزا کے ۲۴ درجے ۵۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲۱۹ درجے ۵۰ دقیقے مثلی)
- ۵۔ راس ۱ ساتویں خانے میں۔ برج جوزا کے ۱۸ درجے ۵۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۸ درجے ۵۳ دقیقے مثلی)
- ۶۔ زہب ۱ پہلے خانے میں۔ برج قوس کے ۱۸ درجے ۵۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۸ درجے ۵۳ دقیقے مثلی)
- ۷۔ مریخ ۱ بارہویں خانے میں۔ برج عقرب کے ۳۴ درجے ۵۹ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۷ درجے ۲۱ درجے ۳۰ دقیقے مثبت)۔

- ۸۔ عطارد ۲ دوسرے خانے میں۔ برج جدی کے ۲۰ درجے ۵۵ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۵ درجے ۳۴ دقیقے مثلی)
 - ۹۔ مشتری ۱ پانچویں خانے میں۔ برج حمل کے ۲۸ درجے ۲۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۸ درجے ۵۰ دقیقے مثبت)
 - ۱۰۔ زہرہ ۱ تیسرے خانے میں۔ برج دلو کے ۲۴ درجے ۵۳ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲ برج ۷ درجے ۵۰ دقیقے مثبت)
 - ۱۱۔ زحل ۱ آٹھویں خانے میں۔ برج سرطان کے ۱۸ درجے ۵۳ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۹ درجے ۵۰ دقیقے مثبت)
 - ۱۲۔ سم السموات ۱ دسویں خانے میں۔ برج سنبلہ کے ۱۸ درجے ۳۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲ درجے ۲۴ دقیقے مثبت)
- نوٹ: بھوہوں کی جڑ کے استنباط کے مطابق طالع برج عقرب کے ۲۱ درجے پر تھا ۲ شمس برج قوس کے ۳ درجے پر تھا اور زہب برج عقرب کے ۲۳ درجے پر تھا۔

”۸ رب ۴۴ ہجری کا زائچہ“

۱۔ استخراج تقویم یونانی تاریخ ۸ رب ۴۴ ہجری مطابق ۲۱ دسمبر ۱۷۹۸ عیسوی بروز یکشنبہ بمقام اکبر آباد بوقت چار گھنٹی پیش از طلوع آفتاب۔ اذین اسٹیزڈ قائم کے مطابق طے الصبح ۵ بج کر ۲۸ منٹ پر۔ اپنا نلش تقریباً ۲۱ درجے۔ مساوات وقت تقریباً ۳ منٹ مثلی۔ غزوة الزیجات امرکن ۳۳۴ ۳۰۳۔ گرہ لاکھ پکر ۲۵۰ امرکن ۳۰۰۔ جولین

۲۳۷۸۶-۲۳

- ۲۔ طالع یعنی پہلا خانہ۔ سورج قوس کے ۱۷ درجے ۲۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲۰ درجے ۱۹ دقیقے مثلی)
 - ۳۔ شمس پہلے خانے میں۔ سورج قوس کے ۲۲ درجے ۲۳ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲۳ درجے ۵۷ دقیقے مثلی)
 - ۴۔ قمر پانچویں خانے میں۔ سورج حمل کے ۲ درجے ۳۲ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۵ درجے ۳۹ دقیقے مثلی)
 - ۵۔ راس پہلے خانے میں۔ سورج ثور کے ۲۳ درجے ۳۴ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۷ درجے ۳۷ دقیقے مثلی)
 - ۷۔ مریخ پانچویں خانے میں۔ سورج حمل کے ۳ درجے ۴۷ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۲ درجے ۱۸ دقیقے ثبت)
 - ۸۔ عطارد دوسرے خانے میں۔ سورج جدی کے ۴ درجے ۳۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۳ درجے ۳۰ درجے ۳۰ دقیقے مثلی)
 - ۹۔ مشتری پچھلے خانے میں۔ سورج ثور کے ۱۸ درجے ۵ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۲ درجے ۷ درجے ۲۸ دقیقے ثبت)
 - ۱۰۔ زہرہ پہلے خانے میں۔ سورج قوس کے ۲۱ درجے ۱۱ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۶ درجے ۵۳ دقیقے ثبت)
 - ۱۱۔ زحل انیسویں خانے میں۔ سورج سرطان کے ۲۸ درجے ۶ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۵ درجے ۲۸ دقیقے ثبت)
 - ۱۲۔ سم السموات نویں خانے میں۔ سورج اسد کے ۲۹ درجے ۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۸ درجے ۴۷ دقیقے مثلی)
- نوٹ : ہندوؤں کی پتہ کے استنباط کے مطابق طالع سورج عقرب کے ۱۱ درجے پر تھا شمس سورج قوس کے ۲۳ درجے پر تھا اور زہرہ سورج عقرب کے ۴ درجے پر تھا۔

”۸ رجب ۲۳ ہجری کا تاریخ“

- ۱۔ استخراج تقویم پر مبنی تاریخ ۸ رجب ۲۳ ہجری مطابق ۶ دسمبر ۱۷۹۹ عیسوی بروز جمعہ بمقام اکبر آباد بوقت چار گھنٹی عمل از طلوع آفتاب۔ انجمن اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق طے الصباح ۵ بج کر ۲۱ منٹ پر۔ اینٹل تقریباً ۲۱ درجے۔ مسادات وقت تقریباً ۹ منٹ مثلی۔ فرق الزیجات امرکن ۳۳۳۳۔ گرہ لاکھ پندرہ ۲۵ امرکن ۱۷۵۵۔ ج لیکن
- ۲۳۷۸۶-۲۳

- ۲۔ طالع یعنی پہلا خانہ۔ سورج عقرب کے ۲۱ درجے ۵۵ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۴۴ دقیقے مثلی)
 - ۳۔ شمس دوسرے خانے میں۔ سورج قوس کے ۱۳ درجے ۵۷ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۱۳ دقیقے مثلی)
 - ۴۔ قمر پچھلے خانے میں۔ سورج حمل کے ۴ درجے ۴۸ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۳۳ دقیقے مثلی)
 - ۵۔ راس ساتویں خانے میں۔ سورج ثور کے ۴ درجے ۲۱ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۲۵ درجے ۲۵ دقیقے مثلی)
 - ۶۔ زہرہ پہلے خانے میں۔ سورج عقرب کے ۴ درجے ۲۱ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۲۵ درجے ۲۵ دقیقے مثلی)
 - ۷۔ مریخ پہلے خانے میں۔ سورج عقرب کے ۵ درجے ۳ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۷ درجے ۲۱ درجے ۴۵ دقیقے ثبت)
 - ۸۔ عطارد تیسرے خانے میں۔ سورج جدی کے ۳ درجے ۳۹ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۲ درجے ۱۸ دقیقے مثلی)
 - ۱۰۔ زہرہ پہلے خانے میں۔ سورج عقرب کے ۴ درجے ۵۴ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۹ درجے ۳۱ دقیقے مثلی)
 - ۱۱۔ زحل دسویں خانے میں۔ سورج اسد کے ۲۵ درجے ۳۰ دقیقے پر تھا۔ (فرق ۱۱ درجے ۲۳ درجے ۲۳ دقیقے مثلی)
- نوٹ : ہندوؤں کی پتہ کے استنباط کے مطابق طالع سورج عقرب کے ۵ درجے پر تھا شمس سورج عقرب کے ۲۳

دوست پر تھا اور ذہب برج میزان کے تھا دوست پر تھا۔

مصدر: بالا تینوں ڈانچوں کا مقابلہ غالب کے شائع شدہ ڈانچے سے کرنے کے بعد یہ امر یقینی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ غالب کی صحیح تاریخ پیدائش ۸ جنوری ۱۷۹۷ عیسوی بروز یکشنبہ ہے، جبکہ جو لیکن ڈے ۱۷۹۷ء ۲۳ تھا۔ ان کی وفات ۱۵ فروری ۱۸۶۸ عیسوی کو بروز دو شنبہ ہوئی تھی جبکہ جو لیکن ڈے ۱۸۶۸ء ۲۴ تھا۔ اس طرح غالب نے اس دار فانی میں کل ۲۳۳۵ دن قیام کیا تھا۔

اس مقام پر ہمارا مقصد پورا ہو جاتا ہے، لیکن ضمنی طور پر غالب کے اس قصیدے کا بھی ذکر کر دینا دلچسپی سے غائی نہ ہو گا جو انہوں نے ابو ظفر بہادر شاہ کی شان میں کہا تھا، کیونکہ اس سے ہمارے شمس مضمون کو مکمل تعریف پہنچے گی۔ اس قصیدے کی تشبیہ میں بھی غالب نے سیاروں کے ان مقامات کا ذکر کیا ہے جو اس مخصوص ساعت میں واقع ہوئے تھے، جبکہ غالب نے بہادر شاہ ظفر کے سامنے یہ قصیدہ پہ شمس نہیں پڑھا تھا۔ وہ دس اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

بو ظفر قبلہ کائنات کہ در مسک شوق
ہر کہ رو سونے تو وارو پہ جہاں قبلہ ناست
ہجرو من شام و صوفی و نجومی و نجیم
نیت در دھر قلم ہدی و نکتہ کو است
ذوق صبح تو برآں داشتہ باشد کاموز
رگ اندیشہ ندم گرچہ قر در جواز است
ایکے خور در حل و صہ پہ دو بیکر باشد
صفت تدبیر حایوں نظر مر فزاست
بادہ با نیر اعظم زندہ کیاں پہ حل
ہم نشینی پہ شیشہ نہ کشیدہ خطاست
دھو دھم پہ حل تن ندم از شبت زحل
بہر ش صلیہ آوردہ نہ دھقان خطاست
قاضی چرخ کہ در خوش بود واہوں پہنے
حیر کہ چرا ارج و وہاں یکجاست
چوں فرد آمدہ مرغ پہ خرنگہ ماہ
کلبہ یک طرف نگہ صہیب نہ رواست

تا چہ اقلہ کہ در خانہ قاضیت اور
پر شش واقعہ صحت اگر پر سی راست
گشتہ در دلو و اسد روئے بد چاہہ نور
ذنب و راس کہ از طالع و غارب پیدا است

مضمون کے مختصر کرنے کی فرض سے ان اشعار کے ترجمے کو اور اصطلاحات کی تشریح کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر اس مضمون کی تصدیق کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے تو ان اشعار کی تنجیس اہمیت کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہو سکتی۔ ان اشعار میں بھی غالب نے تنزیج سیارگان کی بڑی اہلی و ارفع مثالیں قائم کی ہیں اور کائنات اپنے حریفوں پر، خصوصاً استاد شاہ یعنی شیخ ابراہیم ذوق پر بڑی چومش کی ہیں۔ یہ غلط رہے کہ ان اشعار میں غالب نے شاعرانہ طور پر کائنات ہمارے شاہ ظفر کو خس سے تصبیہ دی ہے، اپنے آپ کو قمر سے تشبیہ دی ہے جس نے شاید اس محفل میں ذوق کا قصیدہ نظم کے ساتھ پڑھ کر یا گا کر سنایا ہو گا۔ اسی طرح باقی سیاروں کو بھی حسب مقامیت اپنے دوسرے حریفوں سے تصبیہ دی ہے۔ یہ بھی غلط رہے کہ تنزیلی اعتبار سے غالب نے خس کو شمشاد، قمر کو بیک طرب، مریخ کو سہیل، عطارد کو دیر، مشتری کو قاضی، زہرہ کو مطرب، زحل کو کشلورڈ و دھطان، اور ذنب و زئیس کو روئے بد چاہہ اور نور بتایا ہے۔ اس طرح تنزیج سیارگان کی لذت میں شاعرانہ شونی کی چاشنی بھی شامل ہو گئی ہے۔

ان اشعار سے جن باتوں کا علم ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔ اس وقت طالع برج دلو میں تھا اور اس میں ذنب بھی موجود تھا۔ غارب برج اسد میں تھا اور اس میں راس بھی موجود تھا۔ جس برج حمل میں تھا اور اس کے ساتھ زحل و زہرہ بھی تھے۔ قمر برج جوزا میں تھا اور اس پر خس کی فکر تھیں بھی پڑ رہی تھی جو مہارک سمجھی جاتی ہے۔ مشتری رابع ہو کر برج سنبلہ میں پڑا تھا۔ جہاں اس کا اورج بھی ہے اور وہاں بھی ہے۔ قمر کے گھر یعنی برج سرطان میں مریخ تھا۔ اور مشتری کے گھر یعنی برج حوت میں عطارد تھا۔ سیاروں کے ان مواضع پر غور کر کے حساب لگائے سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے یہ قصیدہ جشن نوروز کے موقع پر کہا تھا اور جس تقویم سیارگان کا اس قصیدے میں ذکر ہے وہ دراصل زائچہ نوروز کی تقویم تھی، جیسا کہ غالب نے فقرہ "سوز" استعمال کر کے ظاہر کیا ہے۔ میں نے اس تقویم سیارگان کو بھی اسی طرح معلوم کر لیا ہے جس طرح کہ غالب کے زائچے کے لئے حسابات لگائے تھے لیکن اس تقویم کی تفصیلات کو اس جگہ بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ اس وقت طالع برج دلو کے ۲۲ درجے پر تھا، خس برج حمل کے ۲۲ درجے پر تھا، قمر برج جوزا کے ۲۷ درجے پر تھا، راس برج اسد کے ۲۲ درجے پر تھا، ذنب برج دلو کے ۲۲ درجے پر تھا، مریخ برج سرطان کے ۲ درجے پر تھا، عطارد برج حوت کے ۱۸ درجے پر تھا، مشتری برج سنبلہ کے ۳۰ درجے پر تھا، زہرہ برج حمل کے ۵ درجے پر تھا، اور زحل برج حمل کے ۸ درجے پر تھا۔ یہ یاد رہے کہ جب خس برج حمل میں داخل ہوتا ہے تو اس واسطے کو غم نجوم کی اصطلاح میں "تحويل خس در برج حمل" کہتے ہیں اور اس ساعت کی تقویم سیارگان کو زائچہ نوروز کہتے ہیں۔ یہ ساعت نہایت مہارک سمجھی جاتی ہے اور اصل زمانہ ویران کے مطابق اس وقت سے نئے نئے سال کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی لئے اس موقع پر نہایت شاندار جشن نوروز منایا جاتا

ہے اور تہنیتی قصیدے پڑے جاتے ہیں۔ غالب نے بھی شاہجہان آباد (پٹنہ دہلی) میں ایک ایسے ہی جشن نوروز کے موقع پر بہادر شاہ ظفر کی شان میں یہ تہنیتی قصیدہ پڑھا تھا۔ قذا جس سماعت میں غالب نے یہ قصیدہ پڑھا تھا وہ سماعت تاریخ ۲۱ مارچ ۱۸۵۰ عیسوی بمطابق ۷ جمادی الاول ۱۲۶۶ ہجری 'نئے الصباح' ۳ بج کر ۱۷ منٹ (اوپرین اسٹیشنرز ٹائم) سے شروع ہوئی تھی جبکہ تحریل خمس در برج حمل واقع ہوئی تھی اور تقریباً ۳۵ منٹ کے بعد ۵ بج کر ۲ منٹ پر فتح ہو گئی تھی جب کہ طالع برج دلو سے برج حوت میں تبدیل ہوا تھا۔

کتبیات:

۱۔ غزوة الزبكات : یہ ابو رحمان محمد الیہودی کی دو لایو اب ڈیج ہے جو اس نے گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں لکھی تھی۔ اس کا واحد مخطوط احمد آباد شہر میں درگاہ پیر محمد شاہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ دراصل یہ سنسکرت کی کتاب کرن سنگ کا مہلی ترجمہ ہے جو بیرونی نے اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے۔ اصل سنسکرت کتاب کا مصنف وجے بنوی تھا جو کاشی کا رہنے والا تھا لیکن وہ سنسکرت کتاب لب بنیاد ہو چکی ہے۔ میں نے غزوة الزبكات کو اس کے انگریزی ترجمے 'تشریح اور تصحیح کے ساتھ مکمل کر لیا ہے' اور اب اس کتاب کو میں حیدر آباد (دکن) کے انگریزی سر ہائی رسالے "اسٹاک انچر" میں بلا قسط شائع کر رہا ہوں۔ اس وقت تک اپریل ۱۹۶۳ء بمطابق ۱۹۶۳ء اکتوبر ۱۹۶۳ء جنوری ۱۹۶۳ء بمطابق ۱۹۶۳ء جنوری ۱۹۶۵ء اور اپریل ۱۹۶۵ء کے شماروں میں سات قطعیں شائع ہو چکی ہیں۔

۲۔ کتب التفہیم لادائل منافع التہجیم : یہ علم نجوم کی معرکہ آرا کتاب ہے اور اسے ابو رحمان محمد الیہودی نے گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں لکھا تھا۔ بیرونی نے اس کتاب کو خود ہی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھا تھا۔ اس کا ایک مخطوط فارسی نسخہ لیاقت میموریل بیٹلش لائبریری کراچی (پاکستان) میں محفوظ ہے' یہ ایران میں شائع ہوا تھا۔

۳۔ کتبہ التعلیم فی منافع التہجیم : یہ بھی علم نجوم کی بڑی مستند کتاب ہے اور بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں لکھی گئی تھی۔ اس کا ایک فارسی مخطوط میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے جو سو سال پرانا ہے اور بہت اعلیٰ معیار کا ہے۔

۴۔ ذیج الف یک : یہ ذیج پندرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوؤں کی شکل میں لکھی گئی تھی اور اس کے حلیات سرقد کی رصدگاہ کی مدد سے مقرر کئے گئے تھے۔ اس کا ایک فارسی مخطوط کتب کل اسلامیہ کالج پشاور (پاکستان) کی لائبریری میں محفوظ ہے یہ بڑی قابل اہتمام ذیج سمجھی جاتی ہے۔

۵۔ نمرد سارانی : یہ ذیج پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں لکھی گئی تھی اور آج تک متحدہ ہندوستانوں میں مقبول عام ہے۔ اس کے حلیات ہندوؤں کی شکل میں سورج مدحانہ کے مطابق ہیں لیکن بعض مقالات پر بیچ سنگار

یعنی ترتیبات سے بھی کام لیتا چڑا ہے۔ یہ کتاب عظمت میں کہیں مکی ہے اور اس کے ملبومہ نئے بھارت کے بازادوں میں عام ملتے ہیں۔

۶۔ گر لاکھو: یہ زیچ سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں کہیں مکی تھی اور اس کے مصنف گنیش دیو گپ نے ذاتی طہر پر مشاہدات نگاہ کرنے کے بعد اس کے حسابات مقرر کئے تھے۔ حسابات کی صحت کے لحاظ سے یہ زیچ بہت مشہور ہے اور بعد جیو تھی اسے مکند سارنی سے زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ یہ کتاب بھی عظمت میں کہیں مکی ہے اور اس کے ملبومہ بھی میں بھارت کے بازادوں میں عام ملتے ہیں۔

۷۔ ای ڈیپلو براؤن اور ٹو کومپ کی نہیں: یہ دونوں نہیں دور عارض کے ہیئت دانوں نے مغربی ممالک کی رصد گاہوں کے مشاہدات کے مطابق کہیں ہیں اور جدولوں کی شکل میں ہیں۔ ان ڈیکوں کا جزوی اور مختصر ہندی ترجمہ الہ آباد میں نور مٹی کے شعبہ ریاضی کے ریڈر ڈاکٹر گو رکھ پر شلوئے کیا تھا جسے کاشی ناگری پر چارنی سمانے "پندر سارنی" اور "سور یہ سارنی" کے ناموں سے با ترتیب ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۸ء میں شائع کیا تھا (ان ڈیکوں کے حسابات موجود سائنسی تحقیقات کی غیاب پر مقرر کئے گئے ہیں۔

۸۔ این سی لاہری کی جدولیں: یہ جدولیں خط استوا سے ۶۰ درجہ عرض البلد تک کے لئے علاحدہ علاحدہ بنائی گئی ہیں اور انگریزی رسم الخط میں کہیں مکی ہیں۔ ان جدولوں کی مدد سے ہر مقام کا اور ہر ساعت کا طالع معلوم کیا جاسکتا ہے۔ ان جدولوں کو این سی لاہری نے مرتب کیا ہے اور ایٹمیو ریسرچ یورو ٹکنک نے شائع کیا ہے۔ یہ جدولیں اپنے صحیح حسابات کے لحاظ سے بڑی اہم سمجھی جاتی ہے اور کج کل کے منجمن میں مقبول ہیں۔ ان کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۷ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا تھا۔



میرزا غالب کا زانچہ

افتیاز علی عرشی

میرزا غالب نے ایک فارسی قصیدے میں اپنا زانچہ (ختم چن) بیان کیا ہے۔ یہ قصیدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت میں ہے اور کلیات فارسی کی نوٹنگسوری نسخہ مطبوعہ سن ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۳ء) کے صفحہ ۸۷ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۰۳ پر ختم ہوتا ہے۔ مطلع یہ ہے:

مگر مرا دل کافر بود شب میاں کہ ظلمتیں دہداز گور اہل عصیان یاد
اس قصیدے کی تاریخ نظم کیا ہے اس کا قرار واقعی علم ابھی تک نہ ہو سکا۔ لیکن کلیات نظم فارسی کے اس محفوظے میں یہ قصیدہ موجود ہے، یہ خانے کے مطابق ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں مرتب ہوا تھا اور اب پختہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے لہذا یہ اس سال سے پہلے ہی کا منظور ہو سکتا ہے۔

اس قصیدے کا یہ شعر تاریخ نظم پر مزید روشنی ڈالتا ہے:

حسن بلبل زار "سبب نکلتے" نگار خیزد "ہنگامہ الہ آباد"

اس شعر میں "سبب نکلتے" اور ہنگامہ الہ آباد سے کیا مراد ہے اسے سمجھنے کے لئے مولانا مری کی کتاب "غالب" کے حسب ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیے: "و ان کی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے صفحات ۱۲۳ تا ۱۲۸ سے ماخوذ ہیں:

"آخر کار (گورنر جنرل کے یہاں سے) غالب کے خلاف فیصلہ صادر ہوا۔ غالب اس کے بعد اس درجہ واپس ہوئے تھے کہ گورنر جنرل دہلی آئے تو ان سے ملنے بھی نہ سکے۔

اس دوران میں ولیم فوجہ کے قتل کا واقعہ پیش آیا، جس میں غلام الدین احمد خاں ماخوذ ہوئے۔ اس زمانے میں دہلی کا حاکم آگرہ والا آباد کی لفٹیننٹ گورنری سے حلقہ تھا۔ غالب نے بھی ۳۰ جون ۱۸۳۵ء (۳ رجب الاول ۱۲۵۳ھ) کو اپنے پرانے مطالبات کے حلقہ ایک مفصل درخواست مرتب کر کے لفٹیننٹ گورنر آگرہ والا آباد کے پاس بھیج دی۔ اس درخواست کے جواب میں لفٹیننٹ گورنر نے حکم دیا کہ ریڈیفائنٹ دہلی اس کے حلقہ رہا رہت پیش کریں۔

دعویٰ کے جواب میں لفٹیننٹ گورنر کا حکم کیا کہ مقدمہ سپریم کورٹ میں پیش ہو چکا ہے، اس لئے لفٹیننٹ گورنر اس کے حلقہ کوئی کارروائی نہیں کر سکتا۔ سارے کاغذات گورنر جنرل کے پاس بھیجے جائیں۔ ۲۳ مارچ ۱۸۳۶ء (۵ ذی الحجہ ۱۲۵۳ھ) کو غالب نے لاڈل آفیسر کے پاس دو درخواستیں بھیجیں۔ ان میں اپنے مقدمے کی روک ٹوک قرعہ کر دی۔ نیز لکھا کہ سیکرٹری اور ریڈیفائنٹ نے میرا مقدمہ غراب کر دیا ہے۔ آپ خود انگریزی انصاف کے اصول پر اس مقدمے کا فیصلہ کریں۔"

پوری داستان میں "سبب نکلتے" اور "ہنگامہ الہ آباد" سے انہیں حکام اور فیصلوں اور اس درمیان موت کی تکفیر امید ہم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لہذا قصیدے کو ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) کے قریب و جوار کا ہونا چاہئے۔

بہر حال اس قصیدے میں اپنے زانچے کا بیان حسب ذیل اشارہ میں کیا ہے:

بھانے لہدم لہدم گدلم چلے دھو
خودش مرگ کہ طولان نا امید ہماست
گموتے زانچہ کایں نگر ایست او اہم
خود اصل طالع من ہوسے او کالستے
خوام زہرا (۲) بطالع اگرچہ دلوہ نکلی
دلے اڑاں کہ طرب است زہرا اندر قوس
تو گمئی از اثر انعام ہارست است
بہ سفر ہدی (۳) زہب (۴) را اشارہ باشد
چہ دام' مدح و دواں راگداوش پرداں
دولہ (۵) د بکر جملہ (۶) آشکار گشتہ بھری
بکوت (۷) در شفا ہم مشغول (۸) دام مرغ (۹)
کے بہت چرے کہ ہمارے از فونا
کے بصورت ترکے کہ از پے بٹرا
قلم (۱۰) بہ قور (۱۱) کہ کاشانہ عظم باشد
سوا گشتہ د بکر (۱۲) دلی کیوں (۱۳)
ہم دد غس مگر کچھ کل سسکل
بہ ہار میں کہہ ہرام (۱۴) ہجس پایہ
کہ پر رک شکر بہ کلشن استہل
دست' بیت طوفان فوج پردہ کشا
تو دندا کہ دریں کلشن کہ من ہاشم

کہ رفتہ بود ہار دانہ ارم شداد
فرخ یاس کہ مرگے ہو مہارک باد
گموتے زانچہ کایں جامعیت ازاہدوا
گدستہ بھوک فم راہزار گوند کشا
ہم او لطافت طبع دہم از صفائے فدا
نشت ہمدغ نقد لعل گرد کشا
کہ سرطالع من چرخ زہرا داما دوا
ہناک و حلقہ دام و کسین مگر ہوا
چہ صغر' سنج دالم را فواقل اعدوا
فردا اشکر رخشہ و کھے در ہوا
کے کلشن طالع' دیکے دلی فدا
ہکچ صومہ و لایہ ہاشراں او دوا
شینو ہور در آید بخاند زہرا
چہ نور فوٹل کہہ دشاہ عظم زیاد
چنانچہ از اثر خاک تہو گردو باد
کشیہ اندر قریح فوٹل در اوآو
بہ ہلشن دہ کیوں ہلشن ہوا
کہ چہرہ و رہزن ہیزان استہوا
ہماں زصورت ہاراز لیب صرصر ہوا
چکوت چوں دگرہں لہسن زان ہوا

ان احکام کے بیان کے ساتھ کلیات کے ساتھ بھی شامل ہے۔ لیکن یہ سہ سہ کے مرتبہ کلیات میں بھی موجود ہے یا نہیں' میں سواست اس کے جاننے سے قاصر ہوں۔ البتہ کلیات کے لئے مرتبہ ۱۳۳۵ھ (۱۹۳۸ء) میں یہ خود پایا جاتا ہے۔ میری داہست میں یہ زانچہ خود غالب کے قلم کا ہے۔ لیکن اس میں شک کرنے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں کہ خود غالب نے اس زانچہ کے لئے تاریخی معلومات بھی پہنچائی تھیں' اور یہ غالب کی فکر سے ایک سے زائد بار گزرا ہے۔ اس لئے اس کے مصدقات کسی دوسرے کے رہیں منت نہیں ہو سکتے۔

د زانچہ حسب ذیل ہے:

جیسا کہ اگلے زائچے سے معلوم ہوتا ہے یہ زانچہ
برہانی تقسیم کے مطابق طالع ہوا ہے' اس لئے غالب نے

اپنے ذکر کردہ یاد اشعار میں ہر انعام بیان کئے ہیں، انہیں اس تقویم کے قواعد و ضوابط کے تحت دیکھا اور پکنا چاہئے۔ میں یہاں میر تقی میر کی دو کتابوں "تیر اعظم" اور "تکلیف النجوم" کی مدد سے ہندی تقویم کے مطابق بھی ہر خانے کے انعام بیان کئے دیتا ہوں۔

خانہ اول میں "ہر سال کا خانہ طالع بھی ہے" (زہرا سکن) برائمان ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا چاہئے کہ صاحب طالع شعر گو اور معذور ہو۔ نیز اور قسم کے کلمات بھی دیکھ سکتے ہیں مگر زہرا اس خانے میں اپنی جگہ پر ہے، اس لئے صاحب طالع کی خاطر خواہ قدرت ہو۔

خانہ دوم میں شمس (سورج) برائمان ہے ہر تلاش مال و دولت اور اس کے ساتھ ہی نقصان پایہ کا پتا دیتا ہے عطاوار (بدھ) کے اس خانے میں ہونے سے تلاش دولت میں اور مدد ملتی ہے، نیز یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب طالع خریدنے ہو گا۔ پھر آکتاب کے ساتھ عطاوار کی تکہائی بتاتی ہے کہ صاحب طالع قوی، خوش حال اور شیریں گفتار ہو گا اور چونکہ "نہایت" بھی اس خانے میں موجود ہے، لہذا صاحب طالع کو مکان سوداگی سے محروم ہونا چاہئے، مال کے نقصان کا رنج بھی اٹھانا چاہئے اور اسے سزا بھی کما چکی۔

زائچہ طالع و دولت و شمس و صاحب طالع

۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱
۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷	۶	۵	۴	۳	۲	۱

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

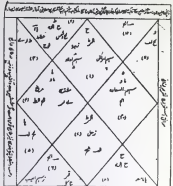
خانہ چہارم میں مشتری (برہسپتہ) کا برائمان ہونا اس کی دلیل ہے کہ صاحب طالع کے والدین خوشحال اور صاحب ہاں و عزت ہوں، اور وہ خود صنعت دوست ہو، اور خورد سالی ہی سے لوگ اس سے محبت کریں، اور وہ صاحب لپ و ساری ہو۔ مگر مشتری کے ساتھ مربع (منگل) کا ہونا اس پر دال ہے کہ صاحب طالع کے اہل خانہ کم ہوں اور وہ قریب کے زیادہ دور پہ رہے۔ لیکن وہ اپنے کنبے کی پرورش کرے گا، اور سب پر یکساں نظر رکھے گا۔

خانہ ہفتم میں قمر (چاند) کا برائمان ہونا اس کا پتا دیتا ہے کہ صاحب طالع بے مقصد ہو، اور لطف و نثار میں جکا رہے۔ خانہ ہفتم میں زحل (سیس) کی موجودگی اس کی دلیل ہے کہ صاحب طالع ہر شخص سے اچھا برتاؤ کرے گا۔ دس سال کے بعد ۱۷۷۵ (۱۲۰۲) میں غالب نے کلیات نظم قدسی کا تیسرا ایڈیشن مرتب کیا، تو اس میں قصیدہ در بحث کے ساتھ حسب ذیل داچچہ شامل کیا۔

یہ دانچہ خطوط مذکورہ کے صفحہ ۳۰ کے بعد چپکا گیا ہے اور اس کے آخر میں سرخ روشنی سے کسی نے لکھا ہے "توشہ حضرت خیر و نشان مرحوم" بظاہر اس نوٹ کے کاتب غیر کے بیٹے سعید الدین احمد خاں غالب ہیں کیونکہ یہ لکھو انکی لکیت میں تھا اور ۱۹۰۶ء میں انہوں نے سر امیر الدین احمد خاں غالب والی لہارو کو تحفے میں دے دیا تھا۔

اس دانچہ میں میرزا غالب کا سال ولادت ۱۲۱۳ھ ہی لکھا ہوا ہے۔ لیکن پہلا ۲ کا ہندسہ کسی قدر مشتبہ ملاحظہ فرما کر آتا ہے اس لئے غلطی نوٹ کنندہ نے ۱۲۱۳ھ (۱۸۷۳ء) میں اس لئے سے مطبع کے لئے کاپی کھینچی تو ان کے کاپی نویس نے اسے اس جگہ پر ۳ پڑھ لیا کہ وہ غالب کی واقعی تاریخ پیدائش سے آگاہ نہ تھا۔ درجہ سے ۲ اور ۳ میں دھوا کا بھی نہ ہو گا۔

اس سے دانچہ میں جو مزید نجومی معلومات مستخرج ہیں انہیں میں اہل تطبیح کے لئے چھوڑ کر ایک اور مسئلے کی طرف متوجہ ہوا ہوں اور وہ ہے میرزا غالب کی تاریخ و نجوم و سال ولادت کا مطالعہ۔



دیر نظر دونوں دانچوں میں انکی تاریخ پیدائش "صبح روز یکشنبہ ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۸۷۳ء" ہے۔ دوسرے دانچہ میں اس کے ساتھ "مطابق آگاز ۱۲۱۳ھ" بھی لکھ دیا گیا ہے۔

جہاں تک ۱۲۱۳ھ کا تعلق ہے میرزا صاحب نے "شورش شوق" اور "مغرب" کو ماہہ تاریخ لکھا ہے جن سے بھی اندازہ لگتے ہیں۔ نیز انہوں نے ازراہ قریش طبعی مولانا صاحب عالم مارہروی کے ماہہ تاریخ ولادت "تاریخ" پر الف بیضا کر اپنا ماہہ "گرجا" قرار دیا تھا جس سے وہی اندازہ مستخرج ہوتے ہیں۔

ماہ ماہ پیدائش اور تاریخ تو خود غالب ہی نے ان دونوں کا ذکر نوٹ عالمی کے نام کے ایک خط مورخہ جون ۱۸۷۸ء میں کیا ہے۔ علامہ بریلوی تذکرہ مقرر المعجب کے لئے انہوں نے ۱۸۷۳ء میں اپنا حال لکھا تھا اس میں اپنے قلم سے ۸ رجب کو تاریخ ولادت لکھا ہے۔ اس نوٹ کا ٹکس "احوال غالب" میں صفحہ ۳۳ کے مقابل چپا ہوا ہے۔

یوم پیدائش کا ذکر ان کی صرف ایک اور تحریر میں ہے جو تذکرہ مقرر المعجب کے لئے لکھی تھی اور وہ وہی "یکشنبہ" ہے جس کا ذکر دانچہ میں ہوا ہے چونکہ اردوئے قدیم اس تاریخ کو چھوٹا ہفتہ ہوتا چاہئے۔ اس لئے سب سے پہلے مولانا مر

نے "غالب" میں اس غلطی کی تلافی کی وہ فرماتے ہیں:

"غالب نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ان کی ولادت بوقت شب چار گھنٹی قبل از طلوع آفتاب صبح روز یکشنبہ ہشتم رجب

۳۳ مطابقت آغاز ۱۷۹۸ء ہوئی۔ لیکن تقویم کی رو سے ۸ ربیع ۱۲۳۳ھ کی صوبی ۷ دسمبر ۱۷۹۸ء نکلتی ہے۔ نیز اس دو دانہ مکعبہ یعنی اقدار کا قیاس چار شہر تھا۔ (غالب ص ۱۸ ج ۱)

اس سلسلے میں جناب مالک رام صاحب ذکر غالب میں زیادہ وضاحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

”میرزا کے کلیات نظم قاری (طبع دوم) میں ان کا داغچہ بھی شامل ہے۔ اس کے متون میں نواب نیر درغیاں نے ولادت سے حلقہ کھا ہے روز مکعبہ ہشتم ربیع ۳۳۳ مطابقت آغاز ۱۷۹۸ء موداد۔ اس فقرے میں کئی غلطیاں ہیں۔ بھری تاریخ اور مسند نمیک ہے۔ ایسے سال میں کاتب کی مرہی سے ۳۳۳ کی جگہ ۳۳۴ لکھا گیا ہے۔ یہ بھری تاریخ ہو چھٹا میرزا نے انہیں بتائی ہو گی درست ہے اور اس کی تائید اور کئی جگہ سے بھی ہوتی ہے۔ باقی سب باتیں خود نیر درغیاں نے اضافہ کیں اور بد قسمتی سے سب غلط ہیں۔ دن مکعبہ نہیں بلکہ چارم شہر تھا۔ صوبی سال ۱۷۹۸ء چاہتے تھا اور وہ بھی لکھا آخر۔ غالب نے اپنے ہر حالات کو ذکر طغر العجائب کے لئے لکھے تھے (احوال غالب مالک محولہ فوق) وہاں نیر درغیاں ہی کا قبیض کرتے ہوئے انہوں نے بھی یوم ولادت مکعبہ لکھ دیا ہے۔ اس سلسلے میں بغویٰ جزی ۸ ربیع ۳۳۳ کی تاریخ ہے۔“

(ذکر غالب ص ۲۵ ج ۳)

ان دونوں محققوں کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ واسطے کے متون میں بھری تاریخ اور مسند صحیح ہیں۔ دن اور صوبی سن غلط ہیں۔ لیکن مالک رام صاحب کا یہ قول بھی مزید تحقیق چاہتا ہے کہ مکعبہ اور آغاز ۱۷۹۸ء نواب نیر درغیاں کا اضافہ ہے۔

اس طرح یہ امر بھی قبول نہیں معلوم ہوتا کہ طغر العجائب والے نوٹ میں مکعبہ کا اضافہ غالب کے ذاتی علم کی بنا پر نہیں ہے بلکہ وہ نیر درغیاں کے نتیجے میں لیا گیا ہے۔

میری دانست میں نیر درغیاں صرف باقی ہیں مکعبہ خود غالب کا لکھا اور بتایا ہوا لفظ ہے۔ چنانچہ یہ کلیات کے ۳۳۳ والے نسخے میں بھی موجود ہے اور جیسا کہ مجھے فوراً کھ گیا ہوں ممکن قوی خود غالب کے قلم کا نوشتہ ہے۔ ہر صورت جو لفظ ۱۷۹۸ء میں بھی غالب نے لکھا یا لکھوایا تھا اس کا ۱۷۹۳ء میں ۰ جو طغر العجائب والے نوٹ کا سال تحریر ہے) اضافہ دوسرے کا نتیجہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ اس بارے میں ازبغے نجوم معلوم کرنا چاہئے کہ داغچہ کس دن کے لحاظ سے بنایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ غالب نے اپنی ہی مائی سے تاریخ اور دن جو غلط بنا ہو اور پھر اس کے مطابق داغچہ بھی تیار کیا گیا ہو۔

وہ کیا سنہ صوبی تو ہی نہیں کہ اس کا اضافہ اس ہندی نجومی کے قول پر کیا گیا ہو جس نے ازبغے صاحب ہندی اس واسطے کی توثیق و تائید کی تھی کہ اہل ہند کے بقول آکتاب برج بدی (اکبر) میں داخلہ آغاز سال یعنی جنوری کی کسی تاریخ کو ہوا کرتا ہے۔

خدا کرے غیب سے کوئی سوا کر پڑا ہو اور وہ میرزا غالب کے دونوں زانیوں کی جانچ کر کے اس صحفی کو سلجھا دے۔



سید محمد حسین رضوی

اوج قبول

(غالب کا ستھانہ کلام)

اس موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے میں ایک عام غلط فہمی کا ازالہ کر دینا چاہتا ہوں۔ آجکل کے پیشہ ور نجومیوں کی حالت زار اور کم علمی کو دیکھ کر اکثر لوگوں کے دلوں میں علم نجوم کی طرف سے بڑی بدگمانیاں پیدا ہو گئی ہیں اور وہ لوگ علم نجوم کو ضلالت و حیرانہ سلی چیز سمجھنے لگے ہیں۔ علم نجوم کا نام سننے ہی ان کے تصور میں شرکی سواکوں کے کناروں پر پھٹے ہوئے کم علم اور جاہل نجومیوں اور دست شناسوں کی فطریں بھرنے لگتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم نجوم بھی علم حیات اور علم طب کی طرح ایک مستقل اور وسیع علم ہے اور قدیم زمانے میں اس علم کو حاصل کرنا بھی ہارٹ افکار سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ اس علم کو کماحقہ سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، اسی لئے اس علم کو جاننے والے دنیا میں محدودے چند ہی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی محدودے چند لوگوں میں مرزا اسد اللہ خاں غالب کو بھی شمار کرنا چاہئے۔

غالب کے کلام میں ہر ہر مقام پر علم حیات و نجوم کے اتنے جواہر پارے نکھرے پڑے ہیں کہ ان کو سمیٹنا آسان نہیں ہے۔ خصوصاً ان کا قادی کلام تو ان ستاروں سے اس قدر جتنکا رہا ہے کہ جس طرف نظر پڑتی ہے اسی جگہ جم کر رہ جاتی ہے۔ غالب کے کلام کو خود سے دیکھنے پر یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ وہ علم حیات و نجوم میں حتیٰ تھی۔ خصوصاً علم نجوم میں تو وہ اس قدر گہری نظر رکھتے تھے کہ ان کے بیان کردہ احکام نجوم تمام اظہار پائے کے تخمینے کے لئے ہمیشہ متعلق راہ بنے رہیں گے۔ انہوں نے جتنی پیش گوئیاں کی ہیں وہ بعد میں حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ مثلاً انہوں نے اپنی غزل کے ایک شعر میں اپنے زائچے کے سیاروں کے مخالفت کی مد سے اپنے متعلق یہ پیش گوئی کی تھی کہ:

کو کہم را در عدم اوج قبولے بود است

شررت شعرم بہ گیتی بعد من طواحد شدن

یعنی چونکہ میرے زائچے میں میرا سیارہ چوتھے خانے میں ہے جو خلاء عدم کہلاتا ہے اور اس خانے میں اس سیارے کو اوج قبول بھی حاصل ہوا ہے، اس لئے دنیا میں میری شاعری کی شہرت تو ضلالت ہو گی لیکن میرے مرنے کے بعد ہو گی۔ ان کی یہ پیش گوئی کس قدر صحیح ثابت ہوئی ہے، یہ انظر من العین ہے۔ آج سو سال بعد ان کی صد سالہ جیسی دنیا کے ہر حصے میں منائی جا رہی ہے حالانکہ ان کی زندگی میں ان کی شاعری کی خاطر خواہ قدر و منزلت نہ ہو سکی۔

اس پیش گوئی کی منجانب وضاحت اور غالب کے مزید منجانب کلام کی تشریح اس مضمون میں مناسب مقام پر کی

جائے گی جس سے پڑھنے والوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ غالب نے کس قدر استوائی انداز میں انعام نجوم کا استنباط کیا ہے۔ غالب کو اپنی ”نجوم دہلی“ پر خود بھی مکمل اعتبار تھا جس کا اعتبار انہوں نے جگہ جگہ کیا ہے۔ انہوں نے ایک شعر میں صاف طور پر اس کا دعویٰ اس طرح کیا ہے۔

ہم جو من شاعر و صوفی و نبوی و حکیم
پست در دہر ہم مدنی و نکو گواست

یعنی میرا قلم اس بات کا دعویٰ کرتا ہے اور اس دعوے کی دلیل میں اعلیٰ اعلیٰ کلمے بھی بیان کرتا ہے کہ دنیا میں مجھ جیسا شاعر، صوفی، نبوی اور حکیم کوئی دوسرا نہیں ہے۔ غالب کا یہ دعویٰ محض شاعرانہ صلی نہیں بلکہ حقیقت کا اعتبار ہے۔ غالب نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ ”آرائش مضامین شعر کے واسطے کچھ تصوف، کچھ نجوم لگا رکھا ہے ورنہ سوائے موزونی طبع کے اور یہاں کیا رکھا ہے۔“ یہ محض ان کی کسر نفسی تھی کہ علم نجوم میں اتنی وسیع دھوس ہوتے ہوئے بھی اپنے علم کو معمول سمجھتے تھے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے سمجھنے کا کام کا ایک ایک شعر علم نجوم کے اسرار کا ایک ایک دفتر ہے۔ اگر کوئی بدوقت شخص غالب کے اس قسم کے عاجزانہ انداز فکر کو حقیقت پر مبنی سمجھ کر یہ فیصلہ کر لے کہ ”غالب کو علم نجوم سے بہت معمولی واقفیت تھی“ تو یہ سراسر ظلم ہو گا۔

غالب کے سمجھنے کا کام کو اس کی نوعیت کے اعتبار سے متعدد ذیلی پانچ قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مکمل تقویم سیارگان برائے انعام و نفع: اس قسم کے کام میں غالب نے خاص خاص سماعت کے لئے تمام سیاروں کے صحیح مقامات معلوم کر کے مکمل طور پر حقیقی ذائقہ بنائے ہیں اور ان سیاروں کے اچھے یا برے اثرات کا ذکر خلعت عالمانہ اور شاعرانہ انداز میں کیا ہے۔

۲۔ مکمل تقویم سیارگان برائے انعام و نفع فرضی: اس قسم کے کام میں غالب نے اپنے صمدیہ کے لئے ایک مثالی اور فرضی ذائقہ خود ایجاد کیا ہے اور اس ذائقہ کی فرضی سماعت کے لئے سیاروں کی مکمل تقویم بیان کر کے اس کے طالع کی سماعت کا ذکر کیا ہے۔

۳۔ جزوی تقویم سیارگان برائے تعین سماعت و ثمرات: اس قسم کے کام میں غالب نے مختلف سماعتوں کے تعین کے لئے صرف ایک یا دو سیاروں کے مقامات کا حساب لگا کر ان کا ذکر ضمنی طور پر کیا ہے اور باقی سیاروں کے ذکر کو چھوڑ دیا ہے۔ بعض جگہ اس قسم کی جزوی تقویم سیارگان کے یکک و بد اثرات کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کی بنیاد پر آنکھ کے لئے پیش گوئیاں بھی کی ہیں۔

۴۔ تذکرات ثوابت و سیار برائے ترتیب و تخیل و تعویج: اس قسم کے کام میں غالب نے سیاروں اور سیاروں کا ذکر ان کی طبیعت و ترتیب کے لحاظ سے جوئے مؤثر اور اعلیٰ انداز میں کیا ہے۔ بعض جگہ ان ثوابت و سیار کو شاعرانہ تخیل و ترتیب ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ تعویج سیارگان کا بھی طویل رکھا گیا ہے یعنی مختلف سیاروں کے مجموعی اثرات کو مثالی دہے کر سمجھایا گیا ہے۔

۵۔ اصطلاحات طبیعت و نجوم برائے تعلیمات و تشبیہات و استعارات: اس قسم کے کام میں غالب نے سیاروں

اور ستاروں کے مجملہ خواص کا سارا لے کر بڑی اچھی اچھی سمیٹات وضع کی ہیں اور ان کی مدد سے بڑی تار و تشبیہات اور اچھوتے استعارات پیدا کئے ہیں۔

اس سے پہلے کہ غالب کے مجملہ کلام پر کوئی تبصہ کیا جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم کی چند ابتدائی باتوں کو نہایت آسانی اور مختصر الفاظ میں جان کر دیا جائے تاکہ غالب کے کلام کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اگر ہم آسمان پر نظر ڈالیں تو ہم کو دو قسم کے ستارے چلتے نظر آئیں گے۔ جو ستارے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ سیارے کہلاتے ہیں اور جو ایک ہی جگہ قائم رہتے ہیں وہ ثابت کہلاتے ہیں۔ سیاروں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ ۱۔ 'مُخ' ۲۔ 'قمر' ۳۔ 'مرئ' ۴۔ 'عطارد' ۵۔ 'مشتری' ۶۔ 'زہرہ' ۷۔ 'زحل' ہر سیارے کا ایک فلک ہے جس پر وہ گردش کرتا ہے لہذا سیارے بھی سات ہیں اور ان کے اٹھاک بھی سات ہیں۔ ان اٹھاک سے اوپر آٹھواں فلک ہے جس پر ثابت قائم ہیں۔ اس سے بھی اوپر نواں فلک ہے جسے فلک الافلاک کہتے ہیں جو تمام اٹھاک کو اپنے اندر لے کر گردش کرتا ہے۔ ان سات سیاروں میں سے 'مُخ' اور 'قمر' عیشہ سیدھی رفتار سے چلتے رہتے ہیں اور ان دونوں کو بغیر کسی سیارے بھی سیدھی رفتار سے چلتے ہیں اور کبھی الٹی رفتار سے چلتے ہیں 'اس لئے ان کو طرہ متعوضہ کہتے ہیں۔ ان سات سیاروں کے علاوہ آسمان پر دو فرض نقطے بھی ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل رہتے ہیں اور ہمیشہ الٹی رفتار سے چلتے رہتے ہیں۔ ان دونوں کو بھی سیاروں کی مانند سمجھ لیا گیا ہے اور ان کا نام داس اور ذب رکھ لیا گیا ہے۔ داس کو ایک اڑدے کا سر اور ذب کو اس کی دم فرض کر لیا گیا ہے۔ اصل پران داس کو سعد کہتے ہیں لیکن اگر داس کسی شخص سیارے کے ساتھ ہوتا ہے تو 'مُخ' اثر دکھاتا ہے۔ عطارد بھی سعد ہے لیکن اگر 'مُخ' سیارے کے ساتھ ہوتا ہے تو 'مُخ' اثر دکھاتا ہے۔ عطارد بھی سعد ہے لیکن اگر 'مُخ' سیارے کے ساتھ ہوتا ہے تو 'مُخ' اثر دکھاتا ہے۔ 'مُخ' کو 'مُخ' سمجھا جاتا ہے۔ 'مُخ' اور 'زحل' بھی 'مُخ' ہیں۔ 'قمر' زہرہ اور 'مشتری' سعد ہیں۔ اصل حد داس کو دعو اور ذب کو کیتو کہتے ہیں اور دونوں کو 'مُخ' سمجھتے ہیں۔ غالب نے اصل پران کا تہج کیا ہے 'اصل حد کا تہج 'مُخ' کیا ہے۔

ثابت کے درمیان 'مُخ' قمر اور دیگر سیارے جس آٹھنی دائرے پر چلتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں 'اس دائرے کو دایرہ 'مُخ' کہتے ہیں جو ۳۶۰ درجوں کے برابر ہوتا ہے۔ اس دایرہ 'مُخ' کو برابر کے بارہ حصوں میں تقسیم کر لیا گیا ہے اور ہر حصے کو برج کہتے ہیں جو ۳۰ درجوں کے برابر ہوتا ہے۔ ان بارہ برج کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ ۱۔ 'حمل' ۲۔ 'ثور' ۳۔ 'جوزا' ۴۔ 'سرطان' ۵۔ 'اسد' ۶۔ 'سنبلہ' ۷۔ 'میزان' ۸۔ 'عقرب' ۹۔ 'قوس' ۱۰۔ 'جدی' ۱۱۔ 'دلو' ۱۲۔ 'حوت' جب بارہواں برج ختم ہو جاتا ہے تو اس سے اگلا برج یعنی برج حمل شروع ہو جاتا ہے۔ ان برجوں میں 'مُخ' کے قیام کی جو تاریخیں مختلف نقشے میں دی گئی ہیں ان میں ایک کتبہ دن کا فرق چا سکتا ہے۔ داس 'مُخ' کے آخر میں نقشہ خواص برج لحاظ رکھتے ہیں ان برج کے نام اور خواص ان شکلوں کے مطابق مقرر کئے گئے ہیں جو ان کے ثابت کی مجموعی حیثیت کے مطابق نظر آتی ہیں۔ اگر کوئی سیارہ کسی برج میں ہو تو وہ اس برج سے قریبے برج کو نظر تدبیر سے دیکھتا ہے 'جوئے برج کو نظر تدبیر سے دیکھتا ہے' پانچویں برج کو نظر تثلیث سے دیکھتا ہے 'اور ساتویں برج کو نظر تحریف یعنی نظر

مقابلہ سے دیکھتا ہے۔ ان نظروں کے نیک وہ اثرات حلقہ نقشے میں دکھائے گئے ہیں۔ بارہ ہرج اور سات سیاروں کے خواص ظاہر کرنے کے لئے بھی علاحدہ علاحدہ نقشے دیئے گئے ہیں۔ (اس مضمون کے آخر میں ان نقشوں کو ملاحظہ فرمائیے)

ہر سیارہ ایک یا دو ہرج کا مالک ہوتا ہے اور وہ ہرج اس سیارے کا بیت کہلاتا ہے، جہاں پہنچ کر وہ سیارہ طاقت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح جب وہ سیارہ اپنے ہرج شرف میں پہنچتا ہے تو نہایت سعد ہو جاتا ہے اور جب ہرج اوج میں پہنچتا ہے تو بدلتا ہمت ہو جاتا ہے۔ وہاں 'صوبہ اور حوضی میں پہنچ کر سیارہ باہر تہیب کزور' شخص اور کم ہمت ہو جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ سیارے کو سب سے زیادہ نیک اثر ہرج شرف میں حاصل ہوتا ہے اور سب سے زیادہ بد اثر ہرج صوبہ میں حاصل ہوتا ہے۔ قرہ کا اوج و حوضی بہت جلد جلد تبدیل ہوتا ہے، اس لئے کسی خاص ساعت کے لئے حساب لگا کر معلوم کرنا پڑتا ہے۔ باقی سیاروں کے اوج و حوضی بہت ہی آہستہ آہستہ تبدیل ہوتے ہیں۔ تمام سیاروں کے بیت و وہاں و شرف و صوبہ کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ اوج و حوضی کو بھی صدیوں اور قرون تک ایک ہی ہرج میں قائم مانا جا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا ہرج و سیاروں کے علاوہ بعض دیگر ثابت بھی اپنے معجزانہ خواص میں بہت مشہور ہیں۔ مثلاً ایک ستارہ سیل ہے جو کہ معظمہ سے جنوب کی طرف یعنی یمن کی طرف طلوع ہوتا ہے، اس لئے اسے ستارہ بھائی بھی کہتے ہیں۔ جب یہ ستارہ طلوع ہوتا ہے تو برسات کا موسم ختم ہو جاتا ہے اور بارشیں بالکل بند ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے وہاں کے حشرات الارض، جنہیں دلدلوا بھی کہتے ہیں، طوفان خود فنا ہو جاتے ہیں۔ اسی سیل کی روشنی میں چہرے کو پھیلا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خوشبودار پھولا طبع آدم یا صرف آدم کہلانے لگتا ہے۔

طعم نجوم میں طالع کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اس لئے اس اصطلاح کو بھی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ جب کوئی ہرج کسی خاص ساعت میں کسی مخصوص مقام پر افق مشرق میں طلوع ہوتا ہے تو اس ہرج کو طالع کہتے ہیں۔ جب کوئی چھ پیدا ہوتا ہے تو کسی مستحق جزوی یا رجب سے طالع کا حساب لگایا جا سکتا ہے، اور طالع معلوم ہو جانے کے بعد اس کی بنیاد پر اس ساعت کا زائچہ بنایا جا سکتا ہے۔ زائچہ بنانے کے لئے مندرجہ ذیل بارہ خانوں کا ایک نقشہ بناتے ہیں اور اس نقشے کے پہلے خانے میں طالع کو درج کرتے ہیں۔ پھر اگلے خانہ میں یعنی نقشے کے دوسرے خانے میں طالع سے اگلے ہرج لکھتے ہیں اور اسی طرح باہر تہیب تمام خانوں میں بارہ ہرج کے نام لکھ دیتے ہیں۔ اس کے بعد حساب لگا کر معلوم کیا جاتا ہے کہ اس وقت کون سا سیارہ کس ہرج میں تھا۔ ہر سیارہ جس ہرج میں ہوتا ہے، اسے اسی ہرج کے خانے میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اس طرح زائچہ مکمل ہو جاتا ہے۔ زائچہ کا خاندہ اول طالع کہلاتا ہے، خاندہ دوم شہود کہلاتا ہے، خاندہ ہفتم غارب کہلاتا ہے اور خاندہ چہارم دم کہلاتا ہے۔ یہ چاروں خانے بڑے اہم سمجھے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو وقت کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے 'پانچویں'، 'آٹھویں' اور 'گیارہویں' خانے کو ماٹل کہتے ہیں۔ تیسرے، 'پچھنے'، 'نویں' اور 'بارہویں' خانے کو زائل کہتے ہیں۔ جس خانے کی نظر طالع پر (اندیس) 'ترجیع'، 'ثبیت' یا

زائچہ کی شکل اور تفصیل

بارہواں خانہ - زائعل ساقط	دوسرا خانہ - مائل ساقط
تیرا ہواں خانہ - غریب - نقصان	پہلا خانہ - دولت - خاندان - تیسرا خانہ
مائل ناظر	طالع - ونداقول
زائعل - فلانی	(جسم - دل)
دسواں خانہ	چوتھا خانہ - (بھائی - طاقت)
شہود - وندوہم	عدم - وندچہارم
نواں خانہ - رگھو - کاروبار	(رمان - سکون)
زائعل ناظر	ساتواں خانہ
(عقبت - ایمان)	غارب - وندہفتم
آٹھواں خانہ	(بیوی - عیش)
مائل ساقط - (موت - عمر)	پچھٹا خانہ - (اولاد - علم)
	زائعل ساقط - (دشمن - بیماری)

زائچہ طالع غالب (حقیقی)

بارہواں خانہ - غریب	دوسرا خانہ - جدی
تیرا ہواں خانہ	طالع یعنی پہلا خانہ - شمس - عطارد
میزان	توس
شہود یعنی دسواں خانہ	زہرہ
سنبہ	عدم یعنی چوتھا خانہ
نواں خانہ	مشری - مرج
اسد	غارب یعنی ساتواں خانہ - حوت
آٹھواں خانہ	پانچواں خانہ - حمل
سرطان - راس	چھٹا خانہ - ثور - قمر
	زحل

زائچہ طالع نوروز (حقیقی)

خانہ دوم - خوت	خانہ دوازدہم - جدی
عطارد - خانہ سوم حل - یخس زحل	خانہ اول دلو - زنب طالع
خانہ چہارم ثور	خانہ دہم عقرب
خانہ پنجم جوزا قمر	خانہ ہفتم اسد - راس غارب
خانہ ششم سرطان - مریخ	خانہ ہشتم سنبلہ - مشتری
خانہ نهم میزان	خانہ یازدہم قوس

زائچہ طالع ممدوح (فرضی)

خانہ دوم - ساقط مائل - حمل	خانہ دوازدہم - زائل ساقط - دلو
شمس - عطارد - خانہ سوم زائل ناظر - ثور	مریخ - زحل خانہ اول طالع - وند اول خوت
قمر - ثور راس	خانہ دہم - وند دہم
خانہ چہارم - وند چہارم	قوس
جوزا	خانہ ہفتم - وند ہفتم
خانہ پنجم مائل ناظر	سنبلہ
سرطان	خانہ ہشتم مائل ساقط - میزان
خانہ ششم	زائل ساقط - اسد
خانہ نهم	زائل ناظر - عقرب
مشتري	زنب

نقشہ خواص برج

رتبہ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
برج	میں	ثور	جوزا	سرطان	اسد	سنبلہ	میزان	عقرب	قوس	جدی	دلو	حوت
شکل	بیتھا	سانڈ	جھوٹا	ایککڑا شیر	لڑکی	ترازو	بچھو	کان	گرہ	اکڑا	پھیل	
غایت	منقلب	ثابت	زوجہ	منقلب	ثابت	زوجہ	منقلب	ثابت	زوجہ	منقلب	ثابت	زوجہ
عنصر	آتش	خاک	بادی	آبی	آتش	خاک	بادی	آبی	آتش	خاک	بادی	آبی
اثرات	خس	سعد	خس	سعد	خس	سعد	خس	سعد	خس	سعد	خس	سعد
مالک	مریخ	زہرہ	عطارد	قمر	خمس	عطارد	زہرہ	مریخ	مشری	زحل	زحل	مشری
خمس	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱
کا	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱
قیام	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱
فارسی	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱	۱۱

نقشہ انظار سیارگان

نام نظر	تدیس	تربیع	تثلیث	تصفیہ
تمام نظر	تیسرے برج پر	چوتھے برج پر	پانچویں برج پر	ساتویں برج پر
انجام نظر	نصف دوسری	نصف دوسری	کمل دوسری	کمل دوسری
انجام نظر	سعد	خمس	بہت زیادہ سعد	بہت زیادہ خمس

نقشه خواص ستارگان

رتیب	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
نام	شمس	قمر	مریخ	عطارد	مشتری	زهره	زحل
دیگر نام	آفتاب	ماهتاب	بهرام	تیر	برجیس	ناہید	کیوان
اثرات	عکس	سعد	عکس اصغر	سعد	سعد اکبر	سعد اصغر	عکس اکبر
بیت	اسد	سرطان	حمل و عقرب	جوزا و سنبل	قوس و حوت	ثور و میزان	جدی و دلو
وبال	دلو	جدی	میزان و ثور	قوس و حوت	جوزا و سنبل	عقرب و حمل	سرطان و اسد
شرف	حمل	ثور	جدی	سنبل	سرطان	حوت	میزان
ہبوط	میزان	عقرب	سرطان	حوت	جدی	سنبل	حمل
اوج	جوزا	-	اسد	میزان	سنبل	جوزا	قوس
حظیض	قوس	-	دلو	حمل	حوت	قوس	جوزا
جنس	مذکر	مؤنث	مذکر	مذکر	مذکر	مؤنث	مذکر
عنصر	آتش	آبی	آتش	خاک و بادی	بادی	بادی و آبی	خاک
فلک	چہارم	اول	پنجم	دوم	ششم	سوم	ہفتم
ایام ہفت	یکشنبہ	دوشنبہ	سشنبہ	چہارشنبہ	پنجشنبہ	جمد	شنبہ
عمر	میانہ	طفلی	جوانی	کودکی	کہولت	برائی	پیری
حیثیت	بادشاہ	وزیر	سہ سالہ	مشیر	قاضی	مقاصد	دربان
خطاب	خسرو انجم	یکسیر	جلاؤ فلک	بریر فلک	زاد فلک	مشتو فلک	مقان فلک
متعلقات	نخت و تلخ	خلعت فائزہ	نیرنگاں	کمر و لکڑی	ایلسان	سار و شہوار	گرز
خصوصیت	عکرائی	خوشحالی	خونریزی	سودوستی	ہمداری	شوخی	ہلندی

تحصیل) ہوتی ہے وہ خانہ باغ رکھتا ہے اور جس خانے کی کوئی نظر خالع پر نہیں ہوتی وہ ساقد کلانا ہے۔ وہ میں سیارے کو چوری طاقت حاصل ہوتی ہے، مائل میں طاقت کم ہو جاتی ہے اور زائچے میں سیارہ ہست ی کزور ہو جاتا ہے۔ زائچہ کا مرکز خانہ زندگی کے کسی نہ کسی شعبے سے تعلق رکھتا ہے۔ (زائچہ کی شکل اور تکمیل اس مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیے)

کسی مولود کے زائچہ کے جس خانے میں سعد سیارہ ہوتا ہے یا جس خانے پر سعد سیارہ کی سعد نظر ہوتی ہے اس خانے سے تعلق رکھنے والے شعبہء زندگی پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ جس سیارہ اس کے برعکس اثر ڈالتا ہے۔ ہر مخصوص سمت کے لئے زائچہ کی مجموعی حالت جداگانہ ہوتی ہے اور جس قسم کا زائچہ ایک سمت پر بن جاتا ہے بالکل دوسرا ہی زائچہ صدیوں میں بھی دوبارہ نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مولود کا زائچہ معلوم ہو جائے تو اس کے سیاروں کے مقامات کی مدد سے یہ حساب لگایا جاسکتا ہے کہ زائچہ کس سمت کا ہے۔ غالب کے زمانے میں سارے زائچہ بمطابق اصل یونان بنائے جاتے تھے جو اصل ہندو کے زائچوں سے مختلف ہوتے تھے۔ غالب نے بھی اصل یونان ہی کا نتیجہ کیا ہے۔ مذہبوری کی تاریخ اور مذہبوری کی تاریخ میں مطابقت معلوم کرنے کے لئے یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ انجمن ترقی اردو کی طرف سے جو تقویم مہجوری و مہجوری شائع ہوئی ہے وہ محض اوسط حساب سے مرتب کی گئی ہے اور اس میں ملائیں مہینوں کو ۳۰ دن کا مانا گیا ہے اور ہفتہ مہینوں کو ۲۹ دن کا مانا گیا ہے، لیکن سال کبیہہ میں ذی الحجہ بھی ۳۰ دن کا مانا جاتا ہے۔ اگر حقیقی رویت حلال کے مطابق تاریخ مہجوری اور تاریخ مہجوری میں مطابقت معلوم کرنی ہو تو اس کے لئے علم ہفتہ کے پیچیدہ حسابات سے مدد لینی چاہئے۔ ذریعہ الخ ایک میں صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ پانچ مہینے متواتر یکے بعد دیگرے ہمیں دن کے ہو سکتے ہیں اور زیادہ زیادہ تین مہینے متواتر یکے بعد دیگرے اتنی ہی اتنی دن کے ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے اوسط مہجوری تاریخ اور حقیقی رویت حلال کے مطابق مہجوری تاریخ کے درمیان زیادہ سے زیادہ ۱۱ دن کا فرق پڑ سکتا ہے اور اگر مطلع ایر اکو ہو تو زیادہ سے زیادہ ۱۲ دن کا فرق بھی پڑ سکتا ہے۔ ایسی حالت میں ایام ہفتہ کو سمجھ جان کر اس کے مطابق مہجوری تاریخ سے مطابقت کرنی چاہئے۔ اس تہید کے بعد اب ہم جس مضمون کی طرف آتے ہیں۔ اس مضمون میں غالب کے مسجلہ کلام کا صرف تھوڑا سا حصہ محض نمونے کے طور پر دیا جائے گا۔

۱۔ عمل تقویم سیارگان برائے انکام زائچہ حقیقی :

غالب کے کلیات قاری میں دو حقیقی زائچوں کی عمل تقویم اور ان کے مختصر انکام کا بیان ملتا ہے۔ پہلا زائچہ تو خود غالب ہی کا ہے جو ان کی پیدائش کے وقت کسی ماسٹر نے بنایا تھا اور دوسرا زائچہ تحویل آفتاب ورمین محل کی سمت کا ہے جو ۱۸۵۸ء میں جشن نو روز کے موقع پر خود غالب نے بنایا تھا۔ غالب نے اپنے زائچہ کا ذکر قصیدہ خیم کی تنقید میں بڑے اچھوتے انداز میں کیا ہے۔ یہ قصیدہ غالب نے سید الشہداء جناب امام حسین علیہ السلام کی شان میں کہا ہے اور اس کی تنقید میں اپنے زائچہ کے سیاروں کے جس اثرات کا ذکر کر کے پھر گرج کا پلہ اس طرح پڑھا کیا ہے کہ آسمان سے غلاب ہو کر کہا ہے کہ "اے لکھ! تجری کیا صفت ہے" میرے طالع کی کیا حقیقت ہے اور

سیاروں کے اثرات کی کیا اہمیت ہے۔ مجھے تو خود میرے مولا حسن نے جس حال میں رکنا مناسب سمجھا ہے اسی حال میں رکھا ہے۔ اب میں اپنے دوست یعنی امام حسین سے تو اپنی اس نامرادی کا شکوہ کر نہیں سکتا اس لئے بالواسطہ طور پر حمزہ اور میرے ستاروں کی غوست کی شکایت کر رہا ہوں۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ حمزہ والی ہوئی بلائیں میرے لئے تپ سہل کی مانند منفی طاقت ہوئی ہیں جن کے اثر سے معمولی سی کمال بھی شایع خوشبودار پھولے کی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس قصیدے کی تھپیٹ اور گریز کے ضروری اشعار ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔ جن میں غالب نے تعویج سیارگان کا حق ادا کر دیا ہے:

مگر مرا دل کافر بود شب میلا
کہ ظلمتیں دھند از کور اعلیٰ عسلی یاد
قضا بکارش اسرار شکل زانچہ را
کند ز دور دل درومند اخذ عدا
گوی زانچہ کایں نقطہ اہمیت از اسقام
گوی زانچہ کایں جامعیت از اشدا
خود اصل طالع من جزوے از کائناتے
گزشت خاک نم را ہزار گونہ کشاد
غرام زحمہ بطلع اگرچہ دائرہ نکاش
ہم از لطافت طبع دم از صفائے نادر
دلے ازاں کہ غریب است زحمہ اندر قوی
نفسہ بر سر نقد قبول گرو کسل
تو گوی از اثر انتقام جاروت است
کہ سب طالع من چرخ زحمہ را جا دلو
ہے صفر ہدی زہب را اشارۃ باشد
خفاک و عقد دام و کبکں مگہ سیاد
چہ دام بدع دواں را گدازش پ دواں
چہ صفر رنج و الم را فوائنش اعدا
ز سر و بکے حیرت افکار مکتہ بچہ

فردا اگر درخشید و کئے ز باد
 موت درخشید ممشق و دم مرغ
 کے کفیل صلاح و کے دلیل خدا
 کے بیست چہرے کہ ہمارے از فرخا
 بکج صومرہ و المائدہ باشد از اوراد
 کے بصورت ترکے کہ از ہے بیضا
 شیراز جوئے در آید بظانہ زحوا
 قرپ نور کہ کاشانہ ششم باشد
 چہ نور طویش کند دہنگاہ عصم زیاد
 سیاہ گشتہ در چکر ز سلی کیوں
 چنانکہ از از خاک جیو گردد باد
 ہری در غصہ عمر تاجہ کل مستقبل
 کشیدہ اند ز تراج طویش در اوتاد
 چارہی کہ بہرام ہفتیم پانچ
 چہ ہفتیم زہ کیوں ہفتیم زیاد
 کہ چہ ترک شکر چہ کشتن استخوان
 کہ چہ حندہ رحمان بیوان استبداد
 زحمت صیت طوفان لوح پردہ کشا
 میاں ز صورت جزا نصیب صرصر عا
 تو و خدا کہ دریں لکھن کہ من ہاشم
 چگونہ چوں و گراں دستن لڑاں ہراو
 تو اے ستارہ نیرانی کہ رنج از آزار
 تو اے پہرہ سخی کہ ترسم از بیداد
 من و بلائے تو نفع ایم و تب سہلی

من و بنائے تو شاکر و سخی احاد
سجاد راحہ رفتار و اتھائے قضا
چنانکہ جنش نود از اہل نوا
فلک کھائی و طالع چہ و سجاد کدہ
کنم فلک و دشمن و دوست شرم
بیا کہ دادہ نوید کھائی فرہام
حسین ابن علی آمدے دانش و داد

ان اشعار کی رو سے غالب کا طالع برج قوس تھا جس میں زہرہ موجود تھا۔ زہرہ کے طالع میں ہونے کی وجہ سے غالب کو لطافت طبع اور صفائے فہم تو حاصل ہو گئی لیکن چونکہ برج قوس میں زہرہ کی حیثیت ایک اجنبی مسافر کی سی ہے۔ (کیونکہ برج قوس سے زہرہ کا کوئی بھی سعد تعلق نہیں ہے نہ یہ بیت ہے نہ شرف ہے نہ لالچ ہے) اس لئے غالب کی زندگی میں ان کے عقد قبول پر پیشہ گرد کساد پڑی دی گویا چرخ شکر نے ایک ٹیک سیارے کو یعنی زہرہ کو غالب کے طالع میں جگہ دی بھی تو محض اتمام حادوت کے اثر سے دی (جو زہرہ پر حائق تھا اور اب اپنے رقیب ماریت کے ساتھ چاہ باطل میں اٹاٹکا ہوا ہے)۔ برج جدی کے مفرد درجہ پر زہرہ کی موجودگی بھی غالب کے لئے گوناگوں پریشانیوں کا باعث بنی رہی۔ برج جدی میں شمس اور عطارد کی موجودگی سے بھی غالب کو خانہ بربادی میں نصیب ہوئی۔ خانہ چارم میں برج حوت کے اندر مریخ اور مشتری کی موجودگی نے بھی غالب کو قصاصوں ہی پہنچایا کیونکہ مریخ کی موجودگی نے مشتری کے ایک اثر کو بھی داخل کر دیا۔ خانہ ششم میں یعنی دشمن کے گھر میں برج ثور کے اندر قمر کی موجودگی سے بھی غالب کے دشمنوں ہی کو تقویت حاصل ہوئی۔ خانہ ہفتم میں برج جوزا کے اندر زحل کی شمس ہے اور یہ دونوں شمس سیارے و قندل میں بھی موجود ہیں جس کی وجہ سے ان کو اور بھی زیادہ قوت حاصل ہو گئی ہے۔ لہذا یہ دونوں سیارے مل کر غالب پر جو حکم بھی قائم ہو سکتے ہیں وہ قوت دے رہے ہیں۔ اس اشعار کے مطابق مسدود درجہ ذیل رائج حقیقی بنتا ہے۔ اگر مسدود زنجیروں کی مدد سے سہولت لگائے جائیں تو معلوم ہو گا کہ یہ رائج بمقام آئمہ (۱) بمذہب ۱۰ مکتبہ بوقت چار گھنٹی پیش از طلوع آفتاب تاریخ ۸ رجب ۱۳۵۷ مطابق ۸ جنوری ۱۹۳۷ء سے الصبح ۵ بج کر ۳۶ منٹ (۱۲:۳۶) اسپینڈ رو (آئمہ) کے لئے بنایا گیا تھا۔ لہذا غالب کی صحیح تاریخ پیدائش یہی ہے۔ عام طور پر جو غالب کی تاریخ پیدائش مشہور ہو گئی ہے وہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۷ء مطابق ۸ رجب ۱۳۱۷ بمذہب چار شعبہ ہے لیکن یہ تاریخ پیدائش غلط ہے اور اسے بھول جانا چاہئے۔ صحیح تاریخ پیدائش ۸ جنوری ۱۸۹۷ء ہے۔ (غالب کا رائج طالع اس مضمون کے آخر میں دیکھئے)۔

ایک اور رائج حقیقی کا ذکر غالب نے کلیات فارسی کے نوذر میں قصیدے میں کیا ہے جو ابو خضر مملوک شاہ کی

شان میں جشن تو روز کے موقع پر بمقام دہلی کا کیا ہے قہیدے کے ضروری اشعار ذیل میں دیئے جاتے ہیں :

میر میں شاعر و مثنوی و نثری و حکیم

نیت و در دہر نظم و نثر و نکتہ گوشت

ذوق و صبح تو ہرماں داشتہ باشد کامروز

رنگ اندیشہ دوم گرچہ قر و در ہر دوست

ایکے خود در حل و حل و نہ پ و نہ یکے باشد

صفت تدبیر و حمایتوں نظر مر خواست

ہاں ہائیرہ اعظم وہ کیوں ہے حل

محشینی ہے شہنشاہ کشاورز خطرات

دھرم و دھرم ہے حل تو دوم از طہ ذل

ہر شہر طریق آوردہ نہ دھقان تجارت

چاشنی چرخ کہ در خوش بود واژوں پوسے

حقیر کہ چرا اوج و دیاش کیکاست

چوں فرد کہو صبح ہے خورگہ ماہ

کلبہ یک طریق گاہ سپید نہ دوست

تاچہ اللہ کہ دور خانہ کافیت دہر

پیش واقفہ صفت اگر پری راست

مکتہ در دلو و اسد روئے ہر چوہ نمود

دب و راس کہ از طالع و غارب پیدااست

ان اشعار میں غالب نے بیوزج سیارگان کو نہایت اعلیٰ بنانے پر بیان کیا ہے اور کہتا ہے اپنے حریفوں پر اور خصوصاً استاد ذوق پر بڑی چھٹک دینی کی ہے۔ اس مقام پر غالب نے ہمارے شاعرانہ فکر کو شمس "خود کو قر و نور ذوق کو ذل" فرض کر لیا ہے۔ ہائی سیاروں کو بھی حسب مناسبت اپنے باقی حریفوں سے تشبیہ دی ہے۔ غالب کے بیان کے مطابق اس وقت طالع برج دلو میں تھا جس میں دب بھی موجود تھا غارب برج اسد تھا جس میں راس بھی موجود تھا۔ جوڑا میں قر تھا، حل میں شمس "ذیل اور دھرم" سنبلہ میں مشتری تھا جو رابع تھا، سرطان میں صبح تھا اور صحت میں عطارد تھا۔ شمس کی ٹھکانہ تدبیر قر پر تھی جو نیک سمجھی جاتی ہے۔ شمس اپنے برج شرف میں تھا، مشتری ایسے برج میں تھا

جہاں اس کا لوج بھی ہے اور وہاں بھی ہے "سورج قمر کے بیت میں تھا" اور عطارد مشتری کے بیت میں تھا۔ اس اشعار کے مطابق ۱۰ نومبر کا راتچہ حقیقی بنتا ہے وہ مقام دھلی تاریخ ۲۱ مارچ ۱۸۵۵ء مطابق ۷ جمادی الاول ۱۲۷۶ھ بروز پنجشنبہ عل الصبح ۳ بج کر ۱۷ منٹ سے ۵ بج کر ۲ منٹ تک (ایڑین اسٹینڈرڈ ٹائم) کے لئے بنایا گیا تھا۔ (وہ راتچہ نو روز مضمون کے آخر میں دیا جا رہا ہے)۔

۲۔ مکمل تقویم سیارگان برائے احکام فرضی :

غالب کے کلیان فارسی کے قلعہ ۳۳ میں ایک واسطے کی مکمل تقویم کا ذکر ہے۔ یہ راتچہ غالب نے اپنے ممدوح یعنی جان جا کوپ ہلور کے لئے محض فرضی طور پر بنایا تھا اور اس واسطے میں یہ طویل رکھی تھی کہ طالع پر کسی شخص سیارے کی نظر نہیں تھی۔ یعنی یہ فرضی طالع تمام برے اثرات سے پاک تھا اور تمام اچھے اثرات سے مملو تھا۔ اس واسطے کو دیکھ کر غالب کی سنجیدگی سواہد کی سیما شدہ دادرئی جاتی ہے کہ فرضی راتچہ بھی بنایا تو بالکل حقیقی واسطے کی مانند بنایا جس میں کسی قسم کا عیب نہیں ڈھونڈا جاسکتا۔ غالب نے دعا کے طور پر اپنے ممدوح کے لئے یہ فرضی راتچہ پیش کر کے کہا ہے کہ "خدا کرے میرے ممدوح کا طالع اس طرح کا ہو جیسا کہ اس فرضی راتچہ میں دکھایا گیا ہے۔" قلعہ یہ ہے :

جان جا کوپ ہلور کے زیرِ دواں داد

خوبی خوبی و فروزنگی جو عمر رائے

طالعہ صحت بود تا نظر گاہ کمال

مشتری سوئے سعادت بودش راہ نوائے

بھل مر درخشان و عطارد ہاوی

چراں دورے کہ بود پیش شہنشاہ پچائے

۳۔ سوم خانہ کہ ثوراست مر و زہر و اس

آں یکے در شرف خوبی و دگر خانہ خداے

۴۔ نجم خانہ ذنب عقدہ طراز و برہمن

۵۔ قوی ہنجگی از کار ذنب عقدہ کشائے

۶۔ دلوں داکل ساقط بود از دوسے حساب

۷۔ کہ سورج و دھل مر و درواں زادے ہائے

۸۔ مر در ساقط داکل شدہ قشطل طراز

۹۔ در داکل ناظر شدہ تبتیدہ نوائے

ہر دو نمبر و شرف یافتہ اقبل قبل
 ہر دو کو کب و خوش آمد آمد دہائے
 دھوا و لا بہم فرخ و فرخ تر ازیں
 کہ شود راس بدی فرخی اندازہ فرمائے
 لا و بعد بتدیس بطالع مگر
 نہ برہیں بہ تثلیث دم ہر گراے
 نظر کلفت نعنن و طالع ساتھ
 چشم بد دور ازیں طالع عالم آراے
 آل کہ ایں اختر مسودہ کار و غالب
 ہر قریہ دلو نمود از علل حائے

اس قطعے میں غالب نے اپنے صمدی کے لئے دعا کی ہے کہ "خدا کہے میرے صمدی کا طالع حوت ہو" تاکہ اس برج کا مالک یعنی مشتری سود اکبر ہونے کی وجہ سے میرے صمدی کو سعادت مندی کی طرف دھنسلے کرے۔ شمس برج حمل میں یعنی اپنے برج شرف میں ہو اور عطارد بھی اس کی مدد کے لئے بطور پیشکار کے کھڑا ہوا ہو۔ برج ثور میں قمر ہو جو کہ اس کا برج شرف ہے، اسی برج ثور میں دھوا بھی ہو جو کہ ثور کا مالک ہے، اور راس بھی ساتھ ہو تا کہ ان نیک اجتماعات کی سعادت میں کچھ زیادتی ہو جائے کیونکہ راس جب نیک سیاروں کے ساتھ موجود ہوتا ہے تو ان کے نیک اثر کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔ نویں خانے میں ذنب اپنی نخوست دکھانا چاہتا ہو لیکن اسی کے پاس مشتری بھی ہو جو سود اکبر ہونے کی وجہ سے ذنب کی نخوست کو زائل کر سکے۔ مریخ اور زحل برج دلو میں ہوں جو کہ پڑھویں خانے میں ہونے کی وجہ سے زائل ساتھ ہو جائے تاکہ ان دونوں کی غصہ نظریں طالع پر نہ پڑ سکیں۔ شمس اور قمر دونوں اپنے اپنے برج شرف میں ہونے کی وجہ سے "اقبل قبل" کو ظاہر کریں جو صاحب طالع کے لئے نجات ہی سود سمجھا جاتا ہے۔ قمر اور دھوا دونوں کی نظریں بتدیس کی حیثیت سے طالع پر ہوں تاکہ طالع کی سعادت اور بھی زیادہ بڑھ جائے اور مشتری کی بھی نظر تثلیث طالع پر ہو جو نجات ہی نیک لگتی جاتی ہے۔ ایسا طالع ایسے نیک اثرات کا حامل ہو گا کہ اگر کوئی اس کی معادلوں کی تفصیل لکھے بیٹھے گا تو اسے حما کے سائے سے مددگار حاصل کرنی پڑے گی۔ اس جگہ غالب نے غل حما کا ذکر کر کے اشارہ یہ بھی کر دیا ہے کہ جس طرح غل حما کا حاصل ہونا محض فرضی ہے اسی طرح یہ دانچہ بھی محض فرضی ہے اور یہ کسی حقیقی صحت کے لئے نہیں بتایا گیا ہے۔ ان اشعار کے مطابق دانچے کے حلیات لگانے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس قسم کا دانچہ پندرہویں صدی عیسوی سے لے کر بیسویں صدی عیسوی تک کی مدت میں نہیں بن سکتا۔ پندرہویں صدی عیسوی سے بھی پہلے کا حساب میں نے غیر ضروری سمجھ کر نہیں لگایا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ دانچہ غالب نے محض اپنی دماغی کاوش سے ایجاد کیا ہے

اور بہت خوب ایجاد کیا ہے۔ "چشم بد دور" کا لغو استعمال کر کے غالب نے اشارۃً یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس ڈاسٹے میں خاص طور پر یہ کوشش کی گئی ہے کہ محض سیاروں کی نظر مدح کے طالع پر نہ پڑے پاسے۔ (یہ فرض زانیچہ مضمون کے آخر میں دیا جا رہا ہے)۔

۳۔ جہوی تقویم سیارگان برائے قعین سماعت و شرات

غالب کے کلام میں جا بجا مختلف سماعتوں کے لئے مختلف سیاروں کے مخالفت کا ذکر پراستادہ طور پر ملتا ہے جس سے ان سماعتوں کے قعین میں اور بھی زیادہ پختگی ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اثر انگیزی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض جگہ اس قسم کی سماعتوں کے نیک و بد شرات بھی ساتھ ہی ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں جس سے کلام کی افادیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً اسوں نے اپنے ڈاسٹے کے صرف ایک اجزاء کی بنیاد پر مدوحہ اول پیش گوئی کی تھی:

کو کبیم را در عدم اوج قولے بود است

شرت شعرم بہ گیتی بود من خواہد شدن

یعنی "چونکہ میرے ڈاسٹے میں میرے سیارے کو یعنی خداوند طالع کو خاندہ عدم میں یعنی خاندہ چہارم میں اوج قبول حاصل ہوا ہے" اس لئے میری شہسری کی شہرت میری زندگی میں نہیں ہوگی بلکہ میرے مرنے کے بعد ہوگی اور اتنی ہوگی کہ تمام دوسے زمین پر پھیل جائے گی۔" غالب کی یہ منجملہ پیش گوئی بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ اس پیش گوئی کو سمجھنے کے لئے چند اصطلاحات کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ غالب کے ڈاسٹے میں (جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے) خاندہ اول یعنی طالع میں برج قوس ہے جس میں سیارہ دھرو موجود ہے۔ قوس کا نامک مشتری ہے جو چوتھے خانے میں موجود ہے۔ مشتری چونکہ خداوند طالع ہے اس لئے یہی غالب کا سیارہ ہے۔ یہ سیارہ خاندہ عدم میں ہے جہاں صبح صحت واقع ہے جو اس کا بیت ہے اور دھرو کا برج شرف ہے۔ دھرو سفل ہے اور مشتری علوی ہے۔ دھرو سعد اصغر ہے اور مشتری سعد اکبر ہے۔ مشتری ہ دھرو کی نظر تلیج بھی ہے۔ اس قسم کے اجزاء کو طم نجوم میں "اربع قبول" کہتے ہیں "اور اس اجزاء کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ مولود عالمی شہرت کا نامک ہو جاتا ہے۔ اس اربع قبول کو ظاہر کرنے والا سیارہ یعنی مشتری اگر طالع میں ہو تو مولود کو بچپن ہی سے عالمی شہرت حاصل ہو جاتی " اگر خاندہ شہود یعنی دسویں خانے میں ہو تو خزانہ میں شہرت حاصل ہوتی اگر عارب میں ہو تو بیوہاپے میں شہرت حاصل ہوتی " لیکن چونکہ وہ سیارہ غالب کے ڈاسٹے میں خاندہ عدم میں ہے اس لئے مرنے کے بعد مولود کو شہرت حاصل ہوگی۔ غالب کی پیش گوئی میں یہی نکتہ پنہاں ہے۔

غالب نے اپنے ڈاسٹے کی ایک خصوصیت کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

شایم کہ تاب و تپے بود است

ز شیمائے ہوزا شے بود است

یعنی "میری جوانی جو میرے لئے تاب و تپ ہے" برج ہوزا کی راتوں میں سے ایک رات ہے۔" (یعنی بہت ہی قلیل المدت ہے)۔ غالب کے ڈاسٹے میں خاندہ ہفتم یعنی عارب میں برج ہوزا ہے اور چونکہ عارب کا تعلق غروب

آفتاب یعنی وقت شب سے بھی ہے، عیش و عشرت سے بھی ہے، تب و تاب اور شباب و توانائی سے بھی ہے، اس لئے جہت ہوا کہ مولو یعنی غالب کے لئے عیش و عشرت، تب و تاب اور شباب و توانائی کا زمانہ اس رات کی طرح عقل المدت ہو گا جو "خس در برج جوزا" کی آخری ساعت میں واقع ہوتی ہے۔ یہ پیش گوئی بھی غالب نے اپنے ذہنی کی جزوی تقسیم کی بنیاد پر کی ہے جو بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ جس جب برج حمل میں داخل ہو کر آگے بڑھتا ہے تو شبی نصف کہ میں دن کی مدت بڑھنے لگتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ رات کی مدت کم ہونے لگتی ہے۔ اسی طرح آگے بڑھتے بڑھتے جب جس برج ثور میں پہنچتا ہے تو رات کی مدت اور بھی کم ہو جاتی ہے، اور جب برج جوزا میں پہنچتا ہے تو رات کی مدت بہت ہی کم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ جب جس برج جوزا کے آخری درجے پر پہنچتا ہے تو رات کی مدت کم سے کم ہو جاتی ہے۔ ایسی ہی رات کو "یا اس رات کے آس پاس کی کسی رات کو غالب نے "ٹپے از شہمائے جوزا" کہا ہے، اور اپنے عالم شباب اور تب و تاب کو بھی اتنی ہی مختصر الیاد بتایا ہے۔ یہ پیش گوئی سجدانہ اعتبار سے نہایت اعلیٰ پایے کی ہے۔ اور غالب کے چند دوزخ نکاط سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ (زائچہ غالب اس مضمون کے آخر میں دیکھئے)

مندرجہ ذیل اشعار میں غالب نے "صبح شباب" کے عنوان سے اس ساعت کا قصین کیا ہے جبکہ انگریزوں اور محکموں کے دو مہمان دیوانے صبح کے کنارے پر جنگ ہوئی تھی جس میں انگریزوں کو فتح ہوئی تھی۔

چوں بر ہواد و هست مد و جل قہود مشق
فوشہ شہر سال دریں کاغ ششدری
ناگہ دریں زمانہ فرخ کہ آفتاب
دو دلو جائے داشت بہ زنج مشغری
دوڑے کہ بست و ہضم ماہ گزشتہ بود
دل بود چار شنبہ آخر د جنوری
دشتے کہ بر کنار دیوانے خلیج است
گردہ جلو گاہ دو سد سکھدری
ایں قطع میں کہ کہو اسد اللہ خاں رقم
دوڑ دو شنبہ و دوم ماہ قہودی

"یعنی ۳۰ جون میں ایک ایسی صم سر ہوئی ہے کہ اس کاغ ششدری یعنی دنیا میں اس صم کی یاد میں ایک نئے ستارہ کی ابتداء ہوئی ہے۔ یہ وہ ستارہ کہ زمانہ ہے جب کہ جس برج دلو میں واقع ہے اور اس پر مشغری کی نظر توجہ بھی پڑ رہی ہے۔ یہ صم ماہ گزشتہ (یعنی جنوری) کی انھائیں تاریخ کو سر ہوئی تھی۔ جب کہ جنوری کا آخری چار شنبہ تھا۔ اس روز دیوانے صبح کے کنارے پر میدان کارزار میں آئے سامنے دو سد سکھدری (یعنی دو مخالف فوجیں) دیکھنے میں

آئی تھیں۔ اس قطعہ کو دیکھے جسے اسد اللہ خاں نے تاریخ دوم فروری بروز دو شنبہ رقم کیا۔" غالب کے کلیات فارسی کے شائع شدہ قطعہ ۳۰ میں جنوری کی ہفتہ و ہفتم یعنی ستائیس تاریخ نکلی ہے لیکن چونکہ یہ صیغہ "کاتب کی غلطی ہے اس لئے میں نے ہفتہ و ہفتم کر دیا ہے۔" صاحب لکھنے سے معلوم ہوا کہ جنوری ۱۸۳۶ء کا آخری چار شنبہ ستائیس تاریخ، جس بلکہ اٹھائیس تاریخ کو چڑھا تھا۔ مزید برآں مستحکم کتب تاریخ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ عسکوں کی یہ جنگ ۲۸ جنوری ۱۸۳۶ء کو بروز چار شنبہ ہوئی تھی۔ اس روز خٹم برج دلو کے آٹھویں درجے پر تھا اور مشتری برج ثور کے چوتھے درجے پر تھا۔ چونکہ برج دلو سے برج ثور چوتھے نمبر ہے اس لئے خٹم پر مشتری کی نظر تریخ پڑ رہی تھی۔

مستدرج ذیل دو شعروں میں غالب نے اس سماعت کا قصین کیا ہے جب کہ ۲۵ سالہ مسز اسٹراٹک کی وفات ہوئی تھی۔

بروز ہفتہ و یکم از منی بہنگاہے
کہ بود خسو الخم پہ برج ثور نکلیں
ہزار و ہشتصد و سی دھم بیسی بود
کہ ہفت ہفتی جاں سوز امی الم دکھیں

یعنی "جب کہ اس الم کی ہفتی جاں سوز نکلیں گا، سے نمودار ہوئی۔ اس وقت ۱۸۳۰ء کے مئی کی اکیسویں تاریخ تھی اور ستاروں کا بادشاہ یعنی خٹم برج ثور میں نکلیں تھا۔" غالب کے کلیات فارسی کے شائع شدہ قطعہ نمبر ۳۵ میں مئی کی ہفتہ و سوم یعنی تیسویں تاریخ نکلی ہے لیکن یہ کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے جسے میں نے درست کر کے ہفتہ و یکم یعنی اکیسویں تاریخ کر دیا ہے۔ دراصل ۲۳ مئی ۱۸۳۰ء کو بروز یکشنبہ خٹم برج ثور میں تھیں تھا بلکہ برج جوزا کے دوسرے درجے پر تھا۔ ۲۲ مئی ۱۸۳۰ء کو خٹم برج جوزا کے پہلے درجے پر تھا اور ۲۱ مئی ۱۸۳۰ء کو خٹم برج ثور کے تیسویں درجے پر تھا۔ اس لئے صحیح تاریخ ۲۱ مئی ۱۸۳۰ء ہی ہو سکتی ہے۔ اس تاریخ کی مزید تصدیق کے لئے مجھے کسی مستحکم کتب میں مسز اسٹراٹک کی وفات کی صحیح تاریخ نہ مل سکی لیکن میرا خیال ہے کہ ۲۱ مئی ۱۸۳۰ء ہی ہو سکتی ہے۔

مستدرج ذیل تین شعروں میں غالب نے جشن نوروز کی سماعت کا قصین کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ جلوس شادی اور عید ذی الحجہ کا بھی ذکر کیا ہے جو نوروز ہی کے آگے پیچھے واقع ہوتے تھے۔

دہری زمانہ کہ کلک دھندلکار یکیم
ہزار و دھند و ہجاء رائدہ و تقویم
لواخرہ ذلقتہ خسو الخم فرود شان حمل رابہ فرہارہ
جلوس شامی و نوروز و عید ذی الحجہ
مجم غامس و قاشائے عام و شور عظیم

یعنی "یہ وہ زمانہ ہے جبکہ بحساب ہفت ۲۵۰۰ ہے" ذیل ذلقتہ، کا آخری حصہ ہے "اور خٹم نے بڑے کدفر کے

ساتھ برج محل میں داخل ہو کر اس کی شان بے حد دی ہے۔ جلوس شامی " نو روز اور میداٹنی " یہ تینوں جشن قربہ قربہ رونما ہونے کی وجہ سے مجوم خاص " قاشائے عام " اور شور عظیم بپا ہو گیا ہے۔ " غالب نے یہ قصیدہ نمبر ۳۳ جشن نوروز کے موقع پر کہا تھا جب کہ تحویل آفتاب در برج محل واقع ہوئی تھی۔ یعنی ۲۱ مارچ ۱۸۳۵ء مطابق ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۵۴ھ شنبہ جشن کو روز منایا گیا تھا اور کچھ عرصے کے بعد یعنی ۹ اپریل ۱۸۳۵ء کو بروز جمعہ میداٹنی واقع ہوئی تھی۔ اس طرح یہ تینوں جشن آگے پیچھے ہی منائے گئے تھے۔

مندرجہ ذیل دو شعروں میں غالب نے عید الاضحیٰ کی سماعت کا یقین بدلے لطیف حیرائے میں کیا ہے۔ یہ اشعار قصیدہ نمبر ۵۵ کے شروع میں آئے ہیں۔

میدانِ بزرگ آفتاب زمستان آمد وقت آراستہ حجۃ و ایام کہ
گری از آب بیدار رفت و حرارت سوا محل سر بجانب پہ میزبان کہ
یعنی " آفتاب زمستان اپنے سر پر میدانِ بزرگ کو اٹھائے ہوئے آیا ہے جس کی وجہ سے حجۃ و ایام کو چھانے کا زمانہ آ گیا ہے۔ پانی سے گری اور صوا سے تنش دور ہو گئی ہے اور محل سر بجانب کا داخلہ برج میزبان میں ہو گیا ہے۔ " غالب کے زمانے میں ایسی میدانِ بزرگ " تحویل آفتاب در برج میزبان " کے فوراً بعد آئی ہو ۲۵ دسمبر ۱۸۵۳ء کو مطابق ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۷۱ھ بروز شنبہ آئی تھی " جب کہ آفتاب کو برج میزبان میں داخل ہوئے تقریباً دو دن گزر گئے تھے۔ لہذا یہ قصیدہ اسی زمانہ میں کہا گیا تھا۔

مندرجہ ذیل دوہائی میں غالب نے ایک ایسی سماعت کا ذکر کیا ہے جب کہ تین تہہ دار یعنی عید الاضحیٰ، صلی اور نو روز اکیس دن کے اندر ہی اندر منائے گئے تھے۔

ہیں شب میں صفات لولہ الجلال ہام
آثار جلال و بمل ہام

ہوں شکو نہ کہیں ساقی و علی ہام
ہے اب کے شب قدر و دہائی ہام

جس رات کے لئے غالب نے کہا ہے کہ اس وقت شب قدر بھی تھی اور ساتھ ہی ساتھ دہائی بھی تھی " ۲۲ اکتوبر ۱۸۳۳ء (یکشنبہ) اور ۲۳ اکتوبر ۱۸۳۳ء (دو شنبہ) کی درمیانی رات تھی۔ رمضان کی ستائیسویں شب کو عام مسلمان شب قدر مانتے ہیں (ملاحظہ اہل تحقیق کے نزدیک تیسویں شب کو شب قدر ہوتی ہے) رمضان ۱۲۵۴ھ کا چاند ۲۵ جہر ۱۸۳۳ء کی شام کو بروز دو شنبہ نظر آنے کے قابل ہو گیا تھا لیکن قرائن سے پتا چلتا ہے کہ اس شام کو دہائی کے اہل پر مطلع اس قدر گرد و غبار آلود تھا کہ چاند نظر نہ آ سکا۔ اس لئے ۲۶ جہر (بروز سہ شنبہ) کی شام کو شرقی طور پر رمضان کی چاند رات یعنی پہلی شب ملنی گئی۔ اس لحاظ سے ۲۳ اکتوبر کی شام کو رمضان کی ستائیسویں شب ملنی گئی اور شب قدر کا چاند اٹھ گیا۔ اسی رات کو بعدوں کی پورناتھ تقویم کے مطابق سبت ۲۷ دسمبر کی کار تک بیٹے کی اہوس تھی جو کہ دہائی کی رات ملنی گئی اور دیکھ جائے گئے۔

معدومہ ذیل چار اشعار میں غالب نے ایک ایسی سماعت کا ذکر کیا ہے جب کہ عین تہ حار یعنی میدانِ نظر پہلی اور
 نو روز اکس دن کے اندر ہی اندر مٹائے گئے تھے۔
 مرجا سال فرنی آئیں عید شوال و ماہ فرودیں
 گرچہ ہے بعد عید کے نوروز لپک بیش از سر بہت بعد ضعیف
 سو اس اکس دن میں حولی کی جا بجا مجلس ہوئی رنگین
 تین تہ حار اور ایسے خوب جمع ہرگز ہوتے نہ ہوں گے کہیں
 جس زمانے کا ذکر ان اشعار میں کیا گیا ہے وہ ۲۸ فروری ۱۸۶۵ء سے ۲۱ مارچ ۱۸۶۵ء تک کا زمانہ ہے۔ میدانِ نظر
 کا تہ حار یکم شوال ۱۲۸۵ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۸۶۵ء بروز سہ شنبہ منظر کیا تھا کیونکہ عید کا چاند ۲ فروری ۱۸۶۵ء کی
 شام کو نظر آنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اس کے بارہ دن بعد یعنی ۳ مارچ اور ۳ مارچ کی درمیانی رات کو سبت ۳۱
 بکری کے چاگن سینے کی پرور تھی خدا اس رات کو حولا چلائی مگر تھی یعنی حولی کا تہ حار منظر کیا تھا اور اس کے
 آٹھ دن بعد یعنی ۲۱ مارچ کو نوروز کا تہ حار منظر کیا تھا جب کہ تحویل آفتاب در برج حمل واقع ہوئی تھی۔ اس طرح یہ
 تین تہ حار تین ہفتوں کے اندر آگے پیچھے جمع ہو گئے تھے اور نو روز پر ماہ شوال و ماہ فرودیں ساتھ تھے۔ یہ قصیدہ
 بھی غالب نے جشنِ نو روز کے موقع پر کہا تھا۔

۱۔ تذکراتِ ثابت و سیار برائے ترتیب و تخیل و تمویج :

غالب کے کلام میں جہاں جہاں ثابت و سیار کا ذکر کیا ہے وہ منجملہ اور شاعرانہ دونوں لحاظ سے اتنا جامع ہے
 کہ غالب کے کمال فن پر حیرت ہوتی ہے۔ مثلاً انہوں نے اپنی ایک نامک شاعری موسوم پر "برگمبار" میں (جو کلیات
 فارسی کی گیارہویں شاعری ہے) جب معراج نبی کا بیان شروع کیا ہے تو زمین سے آسمان کی بلندیوں تک براقِ جی کے
 راستے کا مفصل ذکر سیاروں اور ستاروں کے فاصلوں کی ترتیب کے لحاظ سے بڑے استوارانہ انداز میں کیا ہے اور ساتھ
 ہی ساتھ ان سیاروں اور ستاروں کے تذکراتِ خصوصی کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہے اور ہر مقام پر مناسباتِ فطری و
 معنوی کا خیال رکھا ہے۔ منجملہ تمویجِ سیارگان کو بھی اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ شاعرانہ طور پر صنعت
 حسنِ تخیل بن گئی ہے۔ پہلے براقِ فلک اول پر پہنچتا ہے پھر بالترتیب سارے افلاک کو طے کرتا ہوا فلکِ الافلاک یعنی
 عرش تک پہنچ جاتا ہے۔ اس شاعری کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :

قدم تابر اورنگ نامش رسید بہ انگلیل کیوں کاغش رسید
 بایلد چوں زبشتی قدر کے ہے منت سر گمیدہ بدر
 شد از پدلی ہم جعت الفصل متاعل بخورشید در انتاع
 و سر گر گمہ سر پلوچی
 چہ نم چوں ز خوشی بود فری

یعنی "جب براق نے کمرۂ ارض کو پیچھے چھوڑ کر فلکِ اول یعنی تختِ ماہ پر قدم رکھا تو بزرگیِ سماعت کی وجہ سے

اس کے سر کی کٹنی ٹھک ہٹھم یعنی صوابہ زحل تک پہنچ گئی اور بیشی قدر کی وجہ سے وہ اتار پر نور ہو گیا کہ آفتاب سے روشنی مانگے بغیر بدر کامل بن گیا۔ لہذا اپنی پوشیدگی کی وجہ سے تحت الشعاع یعنی اجراع کی حالت میں ہوتے ہوئے بھی بدر کامل ہونے کی حیثیت سے آفتاب کا مد مقابل بن گیا کیونکہ اگر آفتاب کسی ایسے اجساب کو روشنی سے محروم کر دے جو خود اپنے ہی نور سے روشن رہتا ہو تو کوئی غم نہیں۔

ہیمائے	س	داغ	چمن	بر	نیلو	دام	پایہ	را	پایہ	بر	تر	نیلو
مٹائے	کشلو	خندک	گاہ	بداس	مد	کہ	شد	تھرش	آکاج	گاہ		
پہ	شمعے	کہ	بیش	پیشگو	سوفت	شد	دیرہ	در	تھر	بر	تھر	دوخت
عطارد	باعثک	دخت	گری	زبان	ہست	ہر	زبان	آوری				
بدستوری	خواہش	دوڈگار	نیلان	خو	از	پہ	کہ	آشکار				
در	اندیشہ	پیچہ	کالب	گرفت	نہو	در	شد	و	شکل	عالب	گرفت	

یعنی ”جب براق نے اپنے سم کے نشان سے اجساب کی بیشانی پر داغ ڈال دیتے تو پھر اس نے وہ سرا قدم اس سے بھی زیادہ بلندی پر (یعنی لٹک دام پر) دکھا جہاں تھر لگاہ کی پہنچ ہے اور جو تھر یعنی عطارد کی آکاج گاہ ہے۔ وہاں پہنچ کر شہدہ در نے اس شمع کے ذریعے جو بیشانی نے کچل رات کو روشنی کی تھی ”تھر یعنی عطارد پر تھر یعنی پیکان لگایا پھر عطارد نے بی کریم کی بدست گری کر کے اپنی زبان آوری کے لئے ان سے زبان مانگی اور خواہش دوڈگار کے دستور کے مطابق اپنے پوشیدہ حال کو ظاہر کر دیا۔ اس اندیشے میں عطارد کو جسم حاصل ہو گیا اور اس نے جسم ہو کر عالب کی شکل اختیار کر لی۔“ گویا عالب علم و فضل و زبان آوری میں جسم عطارد تھے۔

ازان	میں	کہ	گفت	اندراں	مرط	عطارد	فروزاں	نور	صلہ
پہر	سوم	گفت	ہر	تنگھن	جہیں	سود	تھید	اندو	وعلش

”یعنی ”جب اس مرطے میں عطارد اپنا صلہ پا کر فروزاں ہو چکا تو پھر براق دوڈگار ٹھک سوم تک پہنچ گیا۔ جہاں دھو نے اس کے راستے میں حقیقت کے ساتھ جہیں سلئی کی۔“

بداس	دم	کہ	دھو	برامش	گرفت	چو	ش	سے	پا	خراش	گرفت
د	مرش	بجینس	در	آد	لے	ہر	پور	دست	از	ٹک	کھسے

یعنی ”جب دھو نے خوشی سے رقص کرنا شروع کر دیا تو براق بی نے اور زیادہ بلندی کی طرف قدم بڑھایا۔ جب چرخ چارم پر پہنچا تو آفتاب نے پوسے لینے شروع کر دیے اور ہر پوسے سے ایک حصار بنانا۔“

پہرے	سہید	پہ	کہ	گمر	ریزہ	جا	رفت	از	شعراہ
دلے	ہو	چوں	بر	گمر	وامش	توانگر	تھو	آج	گمر

یعنی ”پھر براق چرخ چہم پر پہنچا جہاں مرغ نے اپنے پہ گاہ سے براق کے راستے سے موتیوں کے ٹکڑوں کو سمیٹا لیکن چونکہ اس کا دامن اس کی کمر سے بندھا ہوا تھا اس لئے وہ ان گمریوں کو دامن میں بندھ کر نہ رکھ سکا۔ یہی

وجہ ہے کہ وہ صاحبِ ثروت نہ ہو سکا بلکہ نصیبِ اور شوم ہی رہا۔" (سورج کا دامن اس کی کمر سے بندھا رہتا ہے تاکہ غریزی میں آسانی ہو۔)

شہنشاہ چوں عرضِ فکر گرفتِ فرازِ ششمِ جہج رہ بر گرفتِ خداوندِ دریا و برجیںِ بیلِ از بنسوخش بود زانوسے میلِ یعنی "جب نبی کریم نے فلکِ ہجوم پر سورج کے فکر کا معائنہ کر لیا تو پھر فلکِ ششم کی بلندی نے ان کے قدم لئے۔ سماعت کے لحاظ سے نبی کریم ایک دریائے شہید اکسار کی مانند تھے اور شہزی ایک پھولنے سے بیلِ رواں کی مانند تھا۔ اس طرف کشش تھی اس طرف سے میلان ملتی تھا" اس لئے شہزی کو اتنی سماعت نصیب ہو گئی کہ وہ سدا اکبر ہو گیا۔"

ہ لطفی دم از آبِ حیواںِ گوشتِ بوجہی سر از کاغِ کیوںِ گرفتِ براںِ رشتِ مسکینِ آسفِ کنایں و ثقلتِ برحقِ وقتِ کنایں یعنی "براق اور صاحبِ براق کے لطف کے آگے تب حیات کی تیزی ہیچ تھی اور اس کی رفتار نے اس کے سر کو کاغذِ رمل یعنی فلکِ ہضم تک پہنچا دیا" (لیکن چونکہ رطلِ الٹی حمل کا حصہ تھا اور اپنے زمانہ میں چسنا ہوا تھا اس لئے غرضائی کے لئے جلدی نہ آسکا) فذا وہ بد نصیب رطلِ بعد میں السوس کرتا ہوا آیا اور وہ سے آنے پر شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ اسی وجہ سے وہ آکتابِ سماعت سے محروم رہا اور آج تک ٹھوس اور سستہ رفتار ہے۔"

پسرِ ثابتِ بہ چشِ آتشِ گرجا و اندیشِ بیشِ آتشِ سورِ گوندِ گوں از جنوب و شمالِ کشوندِ بندِ قلابِ خیالِ یعنی "جب براق فلکِ ہضم سے آگے بڑھا تو پھر وہ فلکِ ہضم یعنی فلکِ ثابت پر پہنچا جس انداز سے ابھی زیادہ حصارے سوچوں کی طرح ٹکرنے چڑے تھے گویا کہ یہ موتی فلکِ ہضم کو نبی کریم کی طرف سے انعام میں ملے تھے۔ ان حصاروں کے بجائے سے جنوب اور شمال کی طرف طرح طرح کی شکلیں خیال میں آ رہی تھیں۔"

حملِ سر بہ زریِ فراغشِ داشتِ پاسے ازاں لاپہ بر خویشِ داشتِ نبودی اگر شیرِ در عرضِ راہِ چہدی پہاڑی از خوشِ کاہِ یعنی "جب براق فلکِ ثابت پر پہنچا تو سب سے پہلے حمل یعنی برجِ حمل نے (جو میزجے کی شکل کا ہے) خوشاندانہ انداز میں اپنے سر کو جھکایا اور پاس منہ کھلایا۔ اس معصمانہ انداز کے بلکہ وہ اتنا چلاک ہے کہ اگر شیر یعنی برجِ اسد اس کے راستے میں حائل نہ ہوتا تو یہ آگے بڑھ کر اس خوش گندم کو، جو سنبلہ کے ہاتھ میں ہے، چبکے سے گھاس کی طرح چر لیتا۔"

تو گئیِ براہِ خداوند و درِ پسرِ از نورِ شرا و نورِ گواہستِ حدی کہ سرگھلا کر صوا آراستہ کاہِ را یعنی "حمل کے بعد ثور آیا (جو سانپ کی شکل کا ہے)۔ اس کے حلقے یوں بکھ لگے کہ خداوند دور (یعنی آفتاب

کے راستے میں (یعنی دار پر) آسمان کی مدافعت محض شریا اور ژور کے چک دار اور خوبصورت ستاروں ہی کی وجہ سے قائم ہے۔ یہ برج اس طرح نظر آتا ہے گویا کسی حند بکادی نے اپنے گائے کو ہر طرف سے گولوں سے سجا رکھا ہو۔ (شری کے چھوٹے چھوٹے چھوٹے خوبصورت نظر آتے ہیں اور ژور کے قریب ہی ہیں۔ ان کو ہویں اور جھکا بھی کہتے ہیں)۔

وہ چکر کہ گوتی وراں تو ایں برہو پڑی در آد جہاں
زیں ہو ہوا وراں دھوی کر بست خدمت خسوی
یعنی ”جب براق ہوا میں پہنچا جسے وہ چکر اور تاروں بھی کہتے ہیں (اور جس کی شکل جڑواں بچوں کی سی ہے) تو وہ اس کی پیشانی کے لئے باز انداز سے چل کر آیا اور خدمت شاہی میں کمر بستہ ہو گیا۔“ (غالب نے کمر بستہ کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کیونکہ ہوا کے وہ بچوں کی کمریں انہیں میں بندھی ہوئی ہیں)۔

چہ ہمایہ بکسود درعائے نور . ہفتطہ سرطان دریائے نور
چن دگش اتاد از ہر طرف کہ برہیں را گشت بیت الشرف
یعنی ”جب براق ہوا سے آگے بڑھا اور مدھنی کے دروازے کھلے تو سرطان دریائے نور میں گھرنے لگا (یہ برج سرطان میں مدھنی کا ایک ہلکا سا دریا نظر آتا ہے جسے تلو کہتے ہیں۔ غالب نے اسی تلو کی رعایت سے دریائے نور کا لفظ استعمال کیا ہے) یہ برج اتاد دگش ہو گیا کہ مشرقی کے لئے خانہ شرف بن گیا۔“

بشاعانہ کائے کاسد ہام داشت در از نقطہ اوج ہوام داشت
نقد گرچہ چوں گلو قریبان او ولے شیر شد کہ بہ طوان او
یعنی ”جب براق و صاحب براق اس کاغ شاعانہ میں پہنچا جس کا نام اسد ہے اور جس کا دروازہ منہ کے لئے نقطہ اوج ہے تو وہاں پر وہ برج (جو کہ شیر کی شکل کا ہے) اگرچہ گائے کی طرح اس پر قریبان تو نہ ہو سکا لیکن اس کے خواں پر ہلی کی طرح خاموش بیٹھا رہا اور لطف و کرم کا امیدوار رہا۔“ (غالب نے اسد کو شاعانہ کاغ اس لئے کہا ہے کہ وہ شمشادہ فلک یعنی خس کا بیت ہے۔ اور اس لئے بھی کہا ہے کیونکہ برج اسد کے ستارے بہت مدھنی ہیں اور کافی وسعت میں پھیلے ہوئے ہیں)۔

ورائے راہ گر توش داشت چرخ ہم از فرمنش خوشہ داشت چرخ
ازہا نہ بخود بکہ ہاید تھر ہم از خانہ خود شرف دید تھر
یعنی ”پھر براق سنبہ میں پہنچا (جس کی شکل ایک لڑکی کی طرح ہے جس کے ہاتھ میں خوشہ گندم ہے) جو آسمان کے طرس کے ایک خوشے کی حیثیت رکھتا ہے اور بطور خوشہ راہ کے ہے۔ اس جگہ عطارد کو ہایدگی حاصل ہوتی ہے کیونکہ یہی اس کا گھر بھی ہے اور اسی جگہ اس نے اپنا شرف بھی دیکھا ہے۔“

ازانہا کہ در طریح دوزگار تراند پنے حقن آید ہکار
پھر از شرف آفیلے بہ پخت دمل را بخاک وہ خواہ سخت
یعنی ”پھر براق سنبہ میں پہنچا (جس کی شکل تراندہ کی طرح ہے) جہاں طریح دوزگار میں تراندہ سے تولنے کا کام

لیا جاتا ہے۔ اس مقام پر آسمان نے شرف حاصل کرنے کے لالچ میں داخل کوئی کرم کی گرد راہ کے ساتھ ڈالا۔ اس وجہ سے داخل خاکی گھلایا اور میرمن میں اس کا شرف بنا گیا۔

یہ عقرب خداوند کس جلوہ گاہ بریں شد کہ تازہ ببولش ز راہ
گمداشت خود را از اس جہ ہے کہ از حکم و سر نہ چہد رہے
یعنی ”جب بران عقرب میں پہنچا تو اس برج کا مالک یعنی مرغ سامنے آیا تاکہ اس بے راہ عقرب کو راستہ سے ہٹانے کے لئے دوڑے“ اور چونکہ نبی کرم کے حکم کے بغیر کوئی بھی راہ سر نہیں اٹھا سکتی اس لئے مرغ اپنی کوشش میں کامیاب رہا۔

یہ قوس اندر آوروں چوں خواہد ہونے سعادت پہ بریں شد عروہ گھونے
کمال محنت زیں فقر قربان خویش زبے طالع غالب ہجر کیش
یعنی ”جب نبی کرم قوس میں تشریف لائے تو اس برج کے مالک یعنی مشتری کو بخلش سعادت کی خوش خبری ملی۔ اس فقر سے وہ کمال خندہ ہو کر اپنے ہی اوپر قربان ہونے لگی۔ طوٹا نصیب! کہ یہی برج قوس غالب ہجر کیش کے واسطے میں طالع ولادت کی حیثیت سے موجود ہے۔“

کر کھن دہاں سد داغ بریں کہ تجھے کیو جلو دار شہ
پسے ریتان بسیار فتن گشتہ از دو گروں دین
یہ ”پھر بران آگے بڑھا اور جدی میں آیا۔ راستے میں برج جدی کا خاص ستارہ یعنی سد داغ نبی کرم کے سامنے کی مانند سامنے آیا اور اس نے دو ذکر شمار کو پکڑ لیا۔ پھر بران دلوں میں آیا اور آسمان کے ستاروں نے ریتان یا قنبر کی حیثیت سے اس گزیرے کی گردن سے ڈوری تازی اور جب بران حوت میں پہنچا تو انہوں نے از راہ دوستی ڈوری اپنے ہاتھوں سے ہٹ کر اور لٹکا دیا وہ چاندہ کر نبی کرم کو پیش کی تاکہ وہ اس ڈوری سے پھلی کو شمار کریں۔“

خیم پایہ کلں را قوس خواند عرش بہ داطس خویش مستو فرش
بشادی در آمد علی از درش وصال علی شادی دیگرش
نکستہ دہائی در نمی و لام علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام

یعنی ”پھر بران فلک خیم تک پہنچا جسے فلک الالاک یا فلک اطلس بھی کہتے ہیں۔ یہ فلک ساہو و صاف و شہ کی طرح ہے اور انتہائی چمکی پر واضح ہے اس لئے اسے عرش بھی کہہ سکتے ہیں۔ جب نبی کرم عرش پہ پہنچے تو اس نے ان کے قدموں کے نیچے اپنا اطلس فرش بچھلایا اور نبی کرم کو خداوند قربان کے انتہائی قرب کی خوشی حاصل ہوئی۔ پھر اسی عرش کے دروازے سے علی ابن ابی طالب امام اول مسکراتے ہوئے برآمد ہوئے جن کو دیکھ کر محمد الرسول اللہ نبی آخر الزماں کی خوشی دوبالا ہو گئی۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ اور امام علیہ السلام با فضل میں اور ان کے درمیان دہائی سامی نہیں سکتی کیونکہ یہ ایک ہی نور کے ٹکڑے ہیں۔ اسی وجہ سے غالب نے علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام کو بھی ایک ہی جگہ لکھا ہے جو دونوں کے لئے مشترک ہے۔

۱۔ اصطلاحاتِ صفت و نجوم برائے تخلیقات و تشبیہات و استعارات:

غالب کے کلام میں ہزاروں مقابلات پر اصطلاحاتِ صفت و نجوم کو ایسی قادرِ انکلاہی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے کہ وہ عام سمجھات و تشبیہات اور استعارات کے مقابلے میں کہیں زیادہ دامنِ نورِ لطیف ہو چکی ہیں۔ اس مقام پر صرف چند اشعار پیش کئے جائیں گے تاکہ غالب کا اندازِ کلام معلوم ہو جائے ورنہ اگر غالب کا تمام منجملہ کلام جمع کیا جائے اور اس پر سیر حاصل تب تو کیا جائے تو کی ضخیم کتابیں نکلیں۔ جاسکتی ہیں۔ نمونے کے طور پر ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

در بدستِ خُشِ امیرِ چنگِ سفاکی زود
در گہوئے سعدِ اکبرِ طلسلی ادا شد
لم چو گیدو خستِ عواں شکوہ از دلداد کرد
بر آسانیِ آسانِ آسانِ آسانِ ادا شد

جاہِ بیابانِ راحت نہ فلک را چوں جرس
در گہوئے نازِ جانے کاروانِ ادا شد

یہ اشعار کلیاتِ فارسی کے قاعدہٴ اول در توحید سے لئے گئے ہیں۔ اس مقام پر غالب نے خداوندِ تعالیٰ کی خلاقیت کی بے گھومیں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”اے خداوندِ تعالیٰ تو نے ایک طرف تو خُشِ امیرِ بیتیِ مرغ کی سونچوں میں اس کی سفاکانہ روش سے اس کی انگلیاں ڈال دی ہیں گویا کہ وہ قتل و غارت پر کمر باندھے ہوئے اپنی سونچوں کو تکا دے رہا ہے“ اور دوسری طرف سعدِ اکبرِ بیتیِ مشغری کے گئے ہیں قصیوں کا سا بارہ ڈال رہا ہے جس کو بہن کر وہ رحمتی اور نیکی کے کاموں میں مشغول ہے اور سفاکی کے خلاف اپنے فیصلے سناتا ہے۔ جب محبوب کا غم و ستم بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے تو مصافحتِ ناز و فرباد اور شکوہ بیداد کرنے کو ہی چاہتا ہے، لیکن ایسی شدید حالت میں بھی اپنے محبوب سے شکایت کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ ایسے نازک موقع پر آسانی پیدا کرنے کے لئے اے خدا تو نے آسمان کی بنیاد ڈال دی تاکہ ہم ہر سچ و ظلم کی ذمہ داری اس پر ڈال کر اس سے شکوہ بیداد کر سکیں۔ جو لوگ تیری راہ میں معرفت کی حیل تک سفر کر رہے ہیں انہوں نے غفلت سے دور رہنے کے لئے تو آسمانوں کو جرس کے طور پر قائلے کے اوتھل کی گردنوں میں لٹکا دیا ہے۔ یعنی راہِ معرفت میں چلنے والے لوگ جب آسمانوں کی گردش کو دیکھتے ہیں ار قلوبت و سیار کے ٹپک و بد اثرات پر غور کرتے ہیں تو ان پر ایسا بیدار کن اثر پیدا ہوتا ہے گویا وہ لوگ پاک و دامن رہے ہیں اور اپنے سفر سے غافل نہیں ہیں۔“

نہ من بلکہ اینجا براسکوی اگر زحوا آید خود مشغری
یہ شعر مشغری ہندو میں موسمِ بہار گمراہ سے لیا گیا ہے۔ اس مشغری کے سلقی نامے میں غالب نے نبی کریم کی ہدم کی سلیج کی وپاکیزگی کا ذکر بڑے اچھے انداز میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ (ملا تھ میں ایک دلو مشربِ شام ہوں اور ہر کسی کی ہدم آرائی کا ذکر رود و سرود و شراب و کہاب کی اصطلاحات کی حد سے کرتا ہوں) لیکن اے نبی کریم!

آپ کی بزم پاک الہی برگزیدہ ہے کہ اس کی شان بیان کرنے کے لئے میں اس قسم کے الفاظ استعمال نہیں کر سکتا، بلکہ نہایت ادب و احتیاط کے ساتھ بڑے سنجیدہ الفاظ استعمال کر رہا ہوں۔" یہ احتیاط صرف میری ہی ذات تک محدود نہیں ہے بلکہ اس بزم میں اگر دھوا بھی رہے تو وہ بھی اس بزم کی پاکیزگی دیکھ کر اس قدر مرعوب ہو کہ اپنی رندانہ حالت ترک کر دے اور مشغری کے سنجیدہ خواص کو اعتبار کر کے عابد و زاہد بن جائے۔ یعنی اس بزم میں اگر دھوا بھی آئے تو مشغری ہو جائے۔" (اس جگہ ایک ہادیکہ کہتے یہ بھی ہے کہ اس مغل میں آکر سدا صغر بھی سد اکبر ہو جاتا ہے۔)

غزیر آفتاب فروغش مثل دریں بعد از نبی امام مر و پیرواں پان
اسے از تو بدوہ دوستی دین محمدی رقت سسلی و کعبہ اہم و عرب یمن
یہ اشعار قصیدہ پنجم در منقبت سے لئے گئے ہیں ان میں حضرت علی ابن ابی طالب امام اول کی شان میں غالب نے کہا ہے کہ "نبی کریم آفتاب کی مانند ہیں، دین اسلام آفتاب کی روشنی کی مانند ہے، حضرت علی اس مصائب کی مانند ہیں جو آفتاب کی روشنی سے چمکتا ہے اور جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو اسی افق شدہ روشنی کو دوبارہ دنیا میں پھیلا رہتا ہے، نبی و علی کی پیروی کرنے والے لوگ اپنی مقام کے باعث عہد شری کی مانند ہیں۔ حضرت علی کی ذات سے دین محمدی میں دوستی ہے، ان کا چہرہ گویا ستارہ سسلی ہے، کعبہ اس قیمتی چلنے کی مانند ہے جو سسلی کی شعاعوں کے اثر سے روشن ہوا ہو جاتا ہے، اور ملک عرب جس میں حضرت علی جلوہ گر ہوئے اس یمن کی مانند ہے جس سمت سے سسلی کی شعاعیں کعبہ کی طرف آتی ہیں۔"

فرزاد زہر خانہ کہ نیتے دوستی خاص خواہ شرف ذات خداوند مکان را
بازم روش دھوا کہ در شکر کزاری از عت پہ تثلیث بیند سرطانی را
دوران تو و یار تو فرزند قراست در طالع من جلوہ وہ آثار قراں را
یہ اشعار قصیدہ چہارم مشرک در نعت و منقبت سے لئے گئے ہیں۔ اس مقام پر غالب نے نبی کریم کو مشغری سے مناسبت دی ہے جو سد اکبر ہے اور حضرت علی کو دھوا سے مناسبت دی ہے جو سد اصغر ہے۔ جب یہ دونوں سیارے ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو وہ سامت نہایت ہی نیک لگتی باقی ہے اور اسے قرن السعید کہتے ہیں۔ غالب کہتے ہیں کہ "فرزاد وہ ہے جسے جس گھر سے بھی فیض خاص پہنچتا ہے وہ اس گھر کے مالک کے لئے شرف ذات کی خواہش کرتا ہے۔ لہذا میں بھی سیارہ دھوا کی طرح ناز کرتا ہوں کیونکہ وہ بھی جب برج عت میں پہنچتا ہے (جہاں اسے شرف حاصل ہوتا ہے اور جس کا مالک مشغری ہے) تو وہ اس سے پانچویں برج یعنی برج سرطان کو (جو مشغری کا برج شرف ہے) نظر تثلیث سے دیکھتا ہے جو مکمل دوستی کی نظر ہے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ دھوا خداوند مکان شرف یعنی مشغری کے لئے بھی شرف ذات کی خواہش کر رہا ہے۔ یہی حال نبی کریم اور حضرت علی کا بھی ہے۔ چونکہ حضرت علی کو نبی کریم کے گھر سے شرف حاصل ہوا تھا، اس لئے وہ بھی عیش نبی کریم کے لئے شرف ذات کی خواہش کرتے رہے۔ نیک ذات لوگوں کا باہمی معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ مشغری و دھوا کے درمیان ہے۔ اسے نبی کریم! آپ اور آپ کے دوست حضرت علی کا ایک جگہ پر جمع ہونا گویا قرآن السعید ہے لہذا آپ اس قرآن کے نیک اثرات

میرے طالع میں بھی پیدا کر دیجئے اور میری بد نصیبی بھی دور کر دیجئے۔"

در گر یہ در گرفتن زان نے کیا ک
ہوئی فغانان است و شایا گرفتن
گوشت در طلع سبیل قطع میل
مارا خود زان رخ لپا گرفتن
رنگ اندام بہ اند کہ درود دوح دوست
بر خاک کھائے معنی گرفتن
یہ اشعار قصیدہ دوح سے لئے گئے ہیں۔ یہ قصیدہ غالب نے سید اشعار حضرت امام حسین علیہ السلام کی شان میں کہا ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ "نہم حسین میں دوست وقت اگر حسین مظلوم کے دوست کیا کھاک کا قصور آنکھوں کے سامنے رہے تو پھر آنکھوں کے قطرے بھی کیا کی اور قدر و حرکت میں پرورین یعنی شایا کے ستارے بن جاتے ہیں اور ایسے پر نور دوست کو پرورین فغانان اور شایا گرفتن کہنا چاہئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب ستارہ سبیل طلع ہوتا ہے تو برسات کا موسم ختم ہو جاتا ہے اور بارشیں بند ہو جاتی ہیں، لیکن میرا ذاتی تجربہ اس کے برعکس ہے کیونکہ میرا سبیل جب طلع ہوتا ہے یعنی جب حسین علیہ السلام کے دوست روشن کا قصور آتا ہے تو آنکھوں کی بارشیں اور بھی زیادہ ہو جاتی ہیں۔ مجھے اندر بہ رنگ آتا ہے کیونکہ کھائے معنی کی خاک پاک پر جا کر روٹا اس کی دسترس کے اندر ہے اور میری دسترس سے باہر ہے۔"

دید چوں نقش کھائے تو بر خاک زمل
خود سوگند کہ امیں "کنہ میزان مست
لہہ گرد رخت را ہوا در ہوا
چرخ معتم بہ قسم گفت کہ کیوان مست
دعوا چوں بزم ترا نام طلب کہ کہ چیت
مشرقی گفت کہ حوت تو د سرطان مست

یہ اشعار قصیدہ سی و ششم سے لئے گئے ہیں۔ ان میں غالب اپنے صدمہ کی شان و شوکت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "جب فلک معتم کی باندی سے زمل نے خاک پر تیرے دونوں قدموں کے نشان دیکھے تو ان کے متوازن انداز اور طلوع کی بنا پر قسم کھا کر کہا کہ یہ تو میری اس میزبان کے پڑے میں جس میں مجھے شرف حاصل ہوتا ہے (یعنی ان نقوش قدم پر جہیں سلائی کے لئے اگر میں اپنا سر رکھ دوں تو یہ میرے لئے باعث شرف ہے)۔ تیرے راستے کی گرد کے ایک ڈسے کو جب ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا اور اس کی باندی پر خود کیا تو فلک معتم نے قسم کھا کر کہا کہ یہ تو میرا سحران یعنی زمل ہے۔ جب میری بزم کے چراغوں کو آسمان سے دھرو نے دیکھا تو اس کی مدح اور سلطنت پر متحیر ہو کر اس نے مشرقی سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ مشرقی نے فوراً جواب دیا کہ یہ میرا برج حوت ہے اور میرا برج سرطان ہے یعنی اس بزم میں ہارباب ہونا ہم دونوں کے لئے باعث شرف ہے۔"

غالب نے کف اور کنہ کے الفاظ میں بڑی اصلا پائے کی رعایت نقل پیدا کی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ جس مقام پر صدمہ کے نقوش قدم ہیں اس مقام پر زمل کی پیشانی ہے۔ یعنی جب زمل کی پیشانی کی باندی صدمہ کے قدموں کی

خاک کی بلندی کے برابر ہو تو پھر ممدوح کے سر کی بلندی کا تو کمنا ہی کیا ہے۔ دھل خاکی ہے اور اسی فضل رعایت سے قائمہ اثنا کر غالب نے دھل کو خاک کف پا اور ذرہ گرد راہ سے مناسبت دی ہے۔

یہ ممدوح بلہ ہر شب کامل و اکمل مبتلی

بدورش زہرو دائم حقی و برہیں سرطانی

یہ شعر قصیدہ ہی و سوم سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب اپنے ممدوح کے صمد کی خوش حالی و خوش بختی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اس کے زمانے میں ہر رات کو بلہ کامل طلوع ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہر طرف چاندنی پھیلی رہتی ہے۔ مزید برآں زہرو کا قیام بیشہ اس کے برج شرف یعنی موت میں رہتا ہے اور مشتری کا قیام بیشہ اس کے برج شرف یعنی سرطان میں رہتا ہے تاکہ ہر طرف سعادت کا دور دورہ رہے۔"

دوش در ہنرے کہ تاجید از صفائے اس بہا

کلت وستم گیری قزم کہ نظرد پائے من

یہ شعر قصیدہ نمبر ۳۶ سے لیا گیا ہے جس میں غالب نے اپنے ممدوح کی قزم کے فرش کی صفائی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "کل رات کو اس کی قزم کے فرش کی صفائی کا یہ عالم تھا کہ زہرو جیسی باصرفی و جہرہ جنگ بھی مجھ سے کہہ دیتی تھی کہ میرا ہاتھ پکڑ لو ورنہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا پاؤں نہ پھسل جائے۔" (غالب نے ہاتھ اور پاؤں کا ذکر کر کے بڑی افلا صنعت تقلید پیدا کر دی ہے۔)

یہ دشتاہ گمراہی چو باصحب بہ ثور

یہ مرشاہ قوی دل چو زہرو در صمم

یہ شعر قصیدہ نمبر ۳۷ سے لیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ غالب نے محمد اکبر شاہ کی مدح میں کہا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ "اس بادشاہ کو شرف و اقتدار کے لحاظ سے وہ بزرگی حاصل ہے جو باصحب کو اپنے برج شرف یعنی ثور میں پہنچ کر حاصل ہوتی ہے" اور مرد موت کے لحاظ سے یہ بادشاہ ایسا قوی دل ہے جیسا کہ سیارہ زہرو حالت صمم میں ہوتا ہے۔" (صمم اس حالت کو کہتے ہیں جب کوئی سیارہ گردش کرتے کرتے آکتاب کے اتنا قریب آ جاتا ہے کہ دونوں کے مقامات میں سولہ دقیقوں سے کم فرق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ سیارہ بہت قوی ہو جاتا ہے خصوصاً زہرو کو صمم میں بہت ہی زیادہ قوت حاصل ہوتی ہے کیونکہ دیگر سیاروں کی یہ نسبت زہرو کا ظاہری قطر بھی زیادہ ہے اور مدار حقیقی پر اس کا عرض بھی زیادہ ہے۔)

وہ دل اللہ وہ بار صغش سر گھون اول گام فزاد سر میاں رستم

یہ شعر قصیدہ نمبر ۳۸ سے لیا گیا ہے اس میں غالب نے نصیر الدین حیدر خواجہ اودھ کے مرتبے کی بلندی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "جب میرے دل میں اس کی بارگاہ کا راستے کرنے کا ارادہ ہوا تو پہلے ہی قدم پر میں دھل کے سر کی بلندی تک پہنچ گیا جو فلک معتم پر ہے۔" (یعنی ممدوح کی بارگاہ تک پہنچنے میں جتنے قدم کا فاصلہ ہے، ان قدموں کی تعداد کو فلک معتم کی بلندی سے ضرب دے کر جو بلندی حاصل ہو گی وہ ممدوح کے مرتبے کی بلندی کے برابر ہو گی۔)

با ساغر ش ساغر طور شید سقا
با سحر ش سحر مرغ نیاست

یہ شعر مستحق قصیدہ سے لیا گیا ہے جو ابو ظہر ہمارے شاہ کی شان میں کہا گیا تھا۔ غالب نے اس شعر میں بادشاہ کی ہر دم و رزم کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”میرے بادشاہ کی ہر دم آرائی کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ اس کے ساغر کی قدر و قیمت کے سامنے آفتاب جیسے شہنشاہ ملک کا ساغر زریں بھی گویا ایک مٹی کا خنکرا ہے“ اور اس کی ہر دم آرائی کی حیثیت کا یہ حال ہے کہ اس کے سحر کی تیزی و برقی کے آگے مرغ جیسے پہ ساغر ملک کا نیز سحر بھی اتنا کد نظر آتا ہے گویا کہ وہ محض ایک نام ہے۔“ (تلمیخ نے آفتاب کی شکل و صورت کا نقش اس طرح کھینچا ہے کہ وہ ایک بادشاہ کی مانند سر پہ تاج مرصع پہنے ہوئے تخت شاہی پر بیٹھا ہے اور ہاتھ میں ساغر زریں لئے ہوئے ہے۔ اسی طرح مرغ بھی ایک پہ ساغر کی مانند کھڑا و کمرے آراستہ ہے اور ہاتھ میں نیز سحر لئے ہوئے ہے۔)

خورشید ہر روز دیکھ دیکھ رخ آورد ہر دم طلبکار کلاہ و کمر آمد
یہ شعر مرثیہ میں قصیدے سے لیا گیا ہے ”جو ابو ظہر ہمارے شاہ کی شان میں کہا گیا تھا۔ غالب نے اس شعر میں بادشاہ کی دلاور و دلش کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”میرے بادشاہ کی شان و شوکت و عظمت کا شہر میں کر آفتاب بھی اپنے لئے تخت شاہی مانگتے اس کی بارگاہ میں نمودار ہو گیا“ اور مرغ بھی اپنے لئے کلاہ و کمر کی طلبگاری کی فرض سے اس کے حضور میں پیش ہو گیا۔“

نظر پہ سحر جامش بود سرم برینش
اگرچہ بگرم از سلف کاغ کیوالش

یہ شعر قصیدہ نمبر ۳۹ سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب اپنے صمد کے مرتبے کی بلندی کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ ”اس کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ اگر میں ملک مقیم پہ پہنچ کر دہل کی دھانقل گاہ کی چھت پہ چڑھ کر بھی اسے دیکھنا چاہوں تو مجھے اپنی آنکھیں اوپر اٹھانے کے لئے اپنی گردن اتنی موٹنی پڑے گی کہ میرا سر میری کمر سے لگ جائے گا۔“ (اس مقام پہ کاغ کیوان سے برج جدی یا برج دلو مراد نہیں ہے بلکہ وہ فرضی مکان مراد ہے جس میں دہل اپنی زندگی گزارتا ہو گا۔)

کیوں عیدہ کہ بود دیدہاں بام
سکھن کہ بام کاغ . پہ کیوں برابر است

یہ شعر قصیدہ صمد میں سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب نے ابو ظہر ہمارے شاہ کے مرتبے کی بلندی کو اس طرح ظاہر کیا ہے کہ ”جو یہ غلام کہتا ہے کہ میرے صمد کے محل کی چھت بلندی میں دہل کے برابر ہے کیونکہ یہ بات تو نے دہل کو دیکھے بغیر کی ہے“ ورنہ اگر تو دہل کو دیکھتا تو تجھے خود پا مل جاتا کہ دہل تو خود اپنی نظریں اوپر کی طرف اٹھائے ہوئے میرے صمد کے محل کی چھت کو خود سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

آسمان آستان ہمارے شاہ کے ملک بر درش سر انداز
بکمان دلی صفا را از فراز دیکھ انداز

یہ اشعار بست و چار میں قصیدے سے لئے گئے ہیں ' ان میں غالب نے ابو ظفر بہادر شاہ کے علم و فضل کی طرح کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "بہادر شاہ کا کل بھی عقل و ہندی کے لحاظ سے آسمان کے برابر ہے" اور اس عمل میں لکھے ہوئے شہنشاہ کے دروازے پر آسمان بھی اپنا سر جھکا رہا ہے۔ میرے موصوع نے اس گمان سے کہ عطاورد کو دو بیکر یعنی برج جوزا میں (جو کہ عطاورد کا بیت یعنی گھر ہے) بیٹھا ہوا دیکھ کر کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ عطاورد بھی شہنشاہ کا مہر ہے۔ عطاورد کو دو بیکر کی ہندی سے بچے گرا رکھا ہے۔" (عطاورد اپنے علم و فضل کے لئے مشہور ہے اور غالب کا موصوع بھی علم و فضل میں اپنا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اس لئے غالب نے قمر شامی میں بیٹھے ہوئے بہادر شاہ کو برج جوزا میں بیٹھے ہوئے عطاورد سے تشبیہ دی ہے "اور پھر چونکہ عطاورد غائب ہے" اس لئے غالب نے اس رعایت لفظی سے مدد لے کر اس کو آسمان سے زمین پر گرانے کا مضمون پیدا کیا ہے۔ یعنی غالب کے موصوع نے ذرا سی دہلی بھی گوارا نہ کی اور عطاورد کو ہندی سے محروم کر دیا۔

تا ترے وقت میں ہو پیش و طرب کی توقیر
تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تکفیل

ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا ہمار
دھوا نے ترک کیا عورت سے کرنا تحویل

یہ اشعار غالب کے ایک قطعے سے لئے گئے ہیں جو ابو ظفر بہادر شاہ کی شان میں کہا گیا تھا۔ بہادر شاہ کے عہد کی خوش حالی کا ذکر کرتے ہوئے غالب کہتے ہیں کہ "تیرے عہد حکومت اور ناز و سلطنت میں قمر نے ثور سے یعنی اپنے برج شرف سے باہر جانا چھوڑ دیا ہے تاکہ اس کے نیک اثر سے تیری رعایا کو بیش پیش و طرب حاصل رہے۔ اسی طرح میرے زمانے میں دھوا نے بھی عورت سے یعنی اپنے برج شرف سے تحویل کرنا ترک کر دیا ہے تاکہ اس کے نیک اثر سے تیری رعایا کے رنج و الم میں ہمیشہ کمی ہی ہوتی رہے۔"

دو بے ضابطہ مدت کن ہو یکروز
کہ سخی میر ڈاؤنٹ عجب رائے حکیم
یہ اشعار بست و چار میں قصیدے سے لئے گئے ہیں جو ابو ظفر بہادر شاہ کی شان میں کہا گیا تھا۔ اس قصیدے کے آخری دو شعر میں غالب نے بہادر شاہ کے لئے درازی و عمر کی دعا اس طرح مانگی ہے کہ "مدا کرے شہنشاہ عالم آرا کی عمر کے پختہ برس قضا و قدر نے مقرر کر دیے ہیں" ان برسوں میں سے ہر ایک سال کا ایک ایک دن پانچ دن وقت کے لحاظ سے اتنی مدت کا ہو جائے جتنی مدت میں حیثیت والوں کے حساب کے مطابق فلک ڈاؤنٹ اپنے مقام سے ایک برج کے برابر نیچے سرگ جاتے یعنی جس جگہ اس وقت برج ثور ہے اس نشانہ پر برج جوزا آجائے۔" (حیثیت والوں کے حساب کے مطابق فلک ڈاؤنٹ نہایت آہستہ آہستہ نیچے کی طرف گردش کر رہا ہے اور اس کا ایک دور (یعنی ۳۶۵ درجے) تقریباً پچیس ہزار سال میں پورا ہو جاتا ہے۔ اس مدت میں ہر ایک برج نیچے سرکتے سرکتے پھر اپنی اسی جگہ پر آ جاتا ہے جس جگہ پر پچیس ہزار سال پہلے تھا۔ اس طرح فلک ڈاؤنٹ کو ایک برج کے برابر یعنی صرف درجے

بچے سرکنے میں تقریباً دو ہزار سال گئے ہیں۔ یعنی جس جگہ اس وقت برج ثور ہے اس نشانگاہ پر برج جوزا کو آنے میں دو ہزار سال لگیں گے۔ اس حساب کو پیش نظر رکھ کر غالب کہتے ہیں کہ خدا اگر سہ پہر دو ہزار سال کی مدت ششہ کی عمر کے ایک دن کے برابر ہو جائے۔ یعنی بدوشہ کی عمر کا ہر ایک سال تقویم شمسی کے لحاظ سے تقریباً ساڑھے سات لاکھ سال کے برابر ہو جائے۔ سیر ثابت کو اہل حد ایشیاء کہتے ہیں اور اہل مغرب پری سیشن کہتے ہیں، یہ علم صحت کا ایک بہت دقیق مسئلہ ہے اور غالب اس دقیق مسئلے سے بھی کما حقہ واقف تھے۔

تھر ٹانڈ گر بہ ادوبی عطاک اندامش
دھرہ ٹانڈ گر بہ بلقیسی سلیمانل علم

یہ شعر ترکیب بند سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب نے شاعرانہ فعلی سے کلام لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”اگر عطار کو اپنی اور کسی پر (یعنی فضا میں بلند ہونے پر اور علوم و فنون میں مامور ہونے پر) ناز ہے تو میں بھی اپنی محفل و دانش کے دور سے اسے زمین پر گرا سکتا ہوں اور اس کے فہرہ کو خاک میں ملا سکتا ہوں۔ اسی طرح اگر دھرہ کو اپنی مجلس پر (یعنی مشورہ و فہرہ پر اور حسن و جمال پر) ناز ہے تو میں بھی اپنے جاہ و حشم کے لحاظ سے اس کے مقابلے میں حضرت سلیمان کی سی حیثیت رکھتا ہوں۔“ (حضرت اور میں ایک ڈیڑھ گھنٹے پر علوم و فنون میں مامور تھے اور زندگی ہی میں آسمان پر پہنچ کر جنت میں داخل ہو گئے تھے۔ حضرت سلیمان اور ملک بلقیس کی حقیقت بھی سب کو معلوم ہے۔ چونکہ عطار غاک ہے اس لئے غالب نے اس روایت لفظی کے سارے اسے غاک پر گرنا آسمان سمجھا اور چونکہ دھرہ پادی ہے اس لئے اسے تخت سلیمان کی پرواز سے محروم کرنا مناسب سمجھا۔ نمونہ سیارگان اور شاعرانہ صنائع و بدائع کے استخراج کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔ اس قسم کے اعلیٰ کمونوں سے غالب کا فارسی کلام بھرا ہوا ہے۔

تھر را از پے دوام دیال جانے جز در کمال فی خواص
نیش محرق بگر شکاف بہت زین گزندش امیں فی خواص

یہ اشعار قصیدہ نمبر ۳۳ سے لئے گئے ہیں۔ یہ قصیدہ کلیات فارسی کا آخری قصیدہ ہے اور اس میں غالب نے بڑے جامعانہ انداز میں اپنی محرمیوں کا ذکر کیا ہے اور بے نیازانہ طور پر خوشی سے انکسار نہانہ کو قبول کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ان اشعار میں وہ کہتے ہیں کہ ”میں چاہتا ہوں کہ تھر یعنی عطار بدیشہ کلان میں یعنی برج قوس میں رہے تاکہ اس پر دائمی دیال مسلط رہے اور اس کے اثر سے میرے علم و فن کی پائیداری ہوتی رہے۔ میں اس گزند سے بھی امان نہیں چاہتا جو اس وقت پہنچتی ہے جب کہ قمر برج محرق میں داخل ہو کر اس کے نقش کے قریب پہنچ جاتا ہے“ حالانکہ یہ سماعت قمر کے لئے بکر شکاف ثابت ہوتی ہے اور اس کے اثر سے مجھ پر بھی تباہ حالی مسلط ہو جاتی ہے۔“ (جب قمر برج محرق میں داخل ہوتا ہے تو وہ سماعت قمر در محرق کہلاتی ہے۔ یہ سماعت نہایت خاص سماعت سمجھی جاتی ہے کیوں کہ محرق قمر کا برج صوبہ ہے۔ یہ سماعت تقریباً سو دو دن تک رہتی ہے اور اس سماعت میں کوئی بھی طوفانی تفریب نہیں کینی چاہئے۔ اس سو دو دن کی مدت میں بھی وہ گزریاں خاص طور پر خاص اکبر طیال کی جاتی ہیں جب کہ قمر ان دو مدتوں کے قریب پہنچتا ہے جو نیش محرق پر واقع ہیں اور جنہیں شولہ کہتے ہیں۔ غالب نے قمر کو نیش

عقرب پر پہنچ کر انتہائی غصہ سامت کا تصور پیش کیا ہے۔ تیر اور کمان کے الفاظ اس غولی سے استعارہ لئے ہیں کہ
نہایت اعلیٰ درجے کی شعلت ایسا پیدا ہو گئی ہے۔

قر و عقرب و غالب پر وحلی سمندر درشط و مامی در آفتاب
یہ غالب کی ایک فارسی غزل کا مطلع ہے۔ اس میں انہوں نے ان لفظوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو وحلی میں
رہتے ہوئے انہیں پیش آتی تھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "جس طرح سمندر یعنی آگ کا کیزا دریا میں پہنچ کر بے چین ہو جاتا
ہے" یا جس طرح مچھلی آگ میں پا کر حرکت کرتی ہے یا جس طرح قر عقرب میں پہنچ کر صیوٹ میں جتا ہو جاتا ہے" بالکل اسی
طرح غالب بھی وحلی میں رہ کر لڑتے ہیں اٹھا رہا ہے۔"

آتم کہ یہ پیانہ من ساقی دھر ریختہ ہمہ درد درد و تعلقہ و زمر
ہنگور ز سعادت و غمست کہ مرا ناہد یہ غمناخت و مرغ پر قر
یہ دیباہی کلیات فارسی سے لی گئی ہے۔ اس میں غالب اپنی بد نصیبی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "میں وہ
بد نصیب ہوں جس کے پیانے میں ساقی دھر پیوستہ درد کی گچھت اور دھر کی تکی می ڈالتا رہتا ہے۔ اے لوگو! تم
سیاروں کی سعادت و غمست کے پتھر میں حرکت نہ پڑنا۔ (کہیں کہ سیارے بھی اپنا اپنا اثر اسی وقت دکھاتے ہیں جب
قدرت کی نظر سیدھی ہوتی ہے درد غصہ تو غصہ سمندر سیارے بھی خراب اثر دکھانے لگتے ہیں)۔ مجھ کو دیکھو کہ مرغ
نے تو اپنے قمر سے مجھے برا ہی تھا۔ دھوٹے بھی اپنے غم سے مجھے مار دکھا ہے۔"

آسمان دم است و از بر جس و کیوالی گمے

فلق با هیچ است پر پنہاں و پیدا نکل چچ

یہ شعر غالب کی ایک فارسی غزل سے لیا گیا ہے۔ اس میں غالب نے بتایا ہے کہ آسمان کے ستاروں اور سیاروں
کی مدد سے تقوا و قدر کے راز جانے سر بہت معلوم کرنے کی کوشش کرنا سخت بڑائی ہے کہیں کہ یہ راز اتنی آسانی سے
معلوم نہیں ہو سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ "آسمان اور اس کی گردش محض خیالی چیزیں ہیں اور اصل میں ان کی کوئی حقیقت
نہیں۔ اس کے ستاروں اور سیاروں کی سعادت و غمست بھی محض فرض ہے۔ فلکا مشرقی و دحل کی گردش سے کسی
امر کی سعادت و غمست کے حصول کوئی حقیقی حکم نہیں لگانا چاہئے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے ظاہری و باطنی
حالات کا یا ماضی و مستقبل کے واقعات کا اس آسمان اور اس کے قواہت و سیارے سے کوئی حقیقی تعلق نہیں ہے۔" (بلکہ
محض مشاہدات و تجربات کی بنا پر تعلق پیدا کر لیا گیا ہے)۔

چوں چمنش سپر افروان داورست

پیدا بود آنچہ بیا آسمان دھند

م فخر سنج عشقم دم نکتہ دان علم

ناہد ساز و مشغوم طبلستان دھند

یہ اشعار قصیدہ دوازدم و مطلب امام دوازدم سے لئے گئے ہیں۔

یہ قصیدہ غالب نے ہارویں امام یعنی امام ممدی آخر ائمہ علیہ السلام کی شان میں کہا ہے۔ ان اشعار میں غالب نے لوگوں کے لئے صبر و شکر کی تلقین بالکل ہی نئے انداز میں کی ہے۔ پہلے شعر میں صبر کی تلقین اس طرح کی ہے کہ "چونکہ آسمان کی گردش خداوند تعالیٰ ہی کے حکم سے قائم ہوئی ہے" اس لئے اس گردش کے اثر سے مساوت و نحوست سیارگان بھی خدا ہی کے حکم سے ہم کو حاصل ہوتی ہے "اور چونکہ خدا کی ذات عین بدل ہے" اس لئے جو کچھ بھی آسمان ہم کو دیتا ہے اسے ہم حکم و حکم نہیں کہہ سکتے۔ لہذا ہم کو ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہئے۔" اس کے بعد دوسرے شعر میں شکر کی تلقین فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ "میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آسمان جو کچھ مجھے دیتا ہے وہ میری ذاتی اہلیت کے عین مطابق ہے" مثلاً میری نقد سبھی عشق اتنی ادا ہے کہ اس سے محروم ہو کر مریہ فلک یعنی زہرہ بھی اپنا ساز مجھے بخش کرتی ہے "اور میری نکتہ دانہی علم اتنی ارفع ہے کہ اس سے محروم ہو کر قاضیہ فلک یعنی مشتری نے بھی اپنی عباد و قربا اور دستار فضیلت میرے لئے وقف کر دی ہے۔" (اس مقام پر علم لفظ سے غالب کی مراد علم تصوف و معرفت الہی ہے) "چونکہ مشتری کو ایسے ہی علوم سے نسبت دی جاتی ہے 'ورنہ عام حکم کے علوم کے لئے عطارد کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اس شعر میں غالب نے بتایا ہے کہ میں پہلے وقت نقد سنج عشق بھی ہوں اور نکتہ دان علم بھی۔ نقد سبھی کے لئے مجھے زہرہ سے ساز ملتا ہے اور نکتہ دانہی کے لئے مجھے مشتری سے طبلستان ملتا ہے۔ آسمانی یہ داد و دھن میرے حق میں ہمت افزائی کی حیثیت بھی رکھتی ہے 'قدردانی کی حیثیت بھی رکھتی ہے اور بان گزاراری کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ غالب نے زہرہ و مشتری کی ہمیت کی مدد سے ایک نہایت ہی باریک نکتہ بیان کیا ہے 'اور عشق و معرفت کے باہمی احراز کو بڑی خوبی سے اجاگر کیا ہے۔ یہ غالب کی شان شکر گزاراری ہے کہ اثرات نفعسن سے بے نیاز ہو کر صرف اثرات سودی کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ زہرہ نے مجھے ساز دیا ہے اور مشتری نے مجھے طبلستان دیا۔





غالب، عہدِ غالب

سید ضمیر حسن دہلوی

عہد غالب میں لال قلعے کی معاشرتی زندگی

انیسویں صدی کے شروع کا زمانہ ہے۔ شاہ عالم از دہلی تا پالم لال حویلی میں براجمان ہیں۔ اپنی جز رسی لودر و کنیوں کی عداوت شاکست سے فزائے کی حالت انہوں نے خاصی سدھاری ہے۔ تختہ خلاؤس بھی بنوا لیا ہے۔ قلعے میں جہاں پنہ کا دور ہے۔ باہر نائب تاثیر کی ہندھی بندھتی اور کھولی جاتی ہے۔ علق خدا کی ملک بادشاہ کا اور حکم ہائیں کا ہے۔ دلی بھری پری اور شاہ آہو دکھائی دیتی ہے۔ بہت اڑ گئے بلندی دھنگی ہے۔ ہاتھی لٹا لٹا یا بھر بھی سوا لاکھ کا۔ اگلی شان شوکت کے آثار ابھی باقی ہیں رتھ، ہتھیلیاں، تانگے، منجھلیاں، ہوا دار، ہم جہاں، پالکیاں، تختہ دواں، کچھال، پتھول، پالکیاں، ہاتھی گھوڑے، امیر امرا جٹاؤ سنگھار کئے، مربع بنے عدم حشم کے ساتھ، قیوں کی گواڑ، کڑیوں کے کڑے، چوہدار، ملار، مصاہدار، موہے سب جوں کے توں سلامت ہیں۔ رات کو سواری نکلتی ہے تو مشائی کا دھواں اٹھتا ہے تو اپنی خوشبو سے لٹکا کو مسطر کر دیتا ہے۔ کماروں کی بکار، چوہداروں کی ہلوچھ کی صداؤں سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔

حکومت کی بے مقصدوری اور معاشی ٹھگ دہلنی کے باوجود قلعے کی شانی زندگی میں ایک بچنے کے وقت بھڑکتے ہوئے چراغ کی سی روشنی نور فشن شام کی سی رنگارنگی موجود ہے۔ مولوی ذکاۃ اللہ نے لکھا ہے: ”قائد اے کہ جب چراغ بجنے کو ہوتا ہے تو لو اٹھتی ہے۔ اسی طرح سلطنت تیموریہ کا چراغ گل ہونے کو ہوا اور آخری وقت آیا تو اس نے اپنی وہ روشنی چمکائی اور ایسا سنبھالا لیا کہ اس کی نظیر مشکل سے تاریخ میں ملے گی“ (۱)

”تیموری جلاوہ و جلال لودر شاہجہانی شان و شکوہ رخصت ہو چکا تھا مگر شاہی ادب و قرینے کی جھلک قلعہ معلی کی بادشاہت میں اب بھی نظر آتی تھی۔ سلطنت کا دائرہ سینٹے سینٹے قلعے کی سنگین دیواروں تک محدود ہو کر رہ گیا تھا مگر اس محدود دائرے میں بھی سب کچھ نہیں تو بہت کچھ تھا اور اس انداز سے تھا کہ دیگر کا ایک ہی جاول لودر پھول کی ایک ہی ہانگھری ساری داستان خاؤں سے“۔ (۲)

آخر زمانے کے تینوں مغل بادشاہوں کے سیاسی حالات میں تو جا بجا فرق دکھائی دیتا ہے۔ بھی احمدوں ملک شرر شمس سر افغانی ہیں لودر بھی بیرونی طاقتیں سیاست، تدبیر اور سازشوں کے ذریعے اقتدار کی کٹائی مڑوڑتی دکھائی دیتی ہیں لیکن جہاں تک قلعے کی معاشرت کا تعلق ہے وہاں اہل لودر کی دیالیات اور مصلوں کے آہائی رسم و رواج کو نام زبست نبھانے کی جان توڑ کوشش ہنوز جاری ہے۔ دیوار شاہی میں امیر وزیر فشن حصدی، محاسب و محافظ، خواص و خواجہ سرا، مناع و کارنگر، خدمت گزار، مصائب، ٹھگ پروردے سب اپنی اپنی جگہ پر تھے لودر مجھے اور سلام، خرد و پیش کش، خطاب و ولعت، انعام و اکرام وغیرہ رسوم و رواج اب بھی لڑا ہوتی تھیں۔ بادشاہ کی زندگی اس لٹی اور سٹی

ہوئی حالت میں بھی دلی والوں کو تاج واران غلیظہ کی جھلک دکھائی تھی۔ لوگ شہری جیشوں اور ہلوسوں کو شوق سے دیکھتے اور لڑکے اس میں شریک ہوتے تھے چنانچہ جشن عید کے خطبے میں صاحبِ سرا المعظمؒ نے لکھا ہے۔

”بو لطف نماز عیدین کا شاہجہاں آباد میں ہونا ہے۔ کسی شہر میں نہیں ہوتا۔ بادشاہ، بزرگ و احتشام سے سوار ہوتے ہیں اور تمام جلوس اور جملہ سلاطین و امرا ہمراہ ہوتے ہیں اور تھکے سے آ عید گاہ پر بار بار میلہ دیتا ہے۔ قریب داکھ کوئی کے نماز عیدین میں شامل ہوتا ہے۔ توہیں اور زبور کہیں چھوٹی ہیں۔ بالاخانوں پر ہزاروں کوئی واسطے زیارت۔ سواری حضور الور کے بیٹھے ہیں۔ عجیب طرح کا جلوہ اور کیفیت ہوتی ہے۔“ (3)

سب سے پہلے بھی پاتے تھے۔" (۱۵)

مرزا کی شادی خانہ آبدی نواب اچھی بخش معروف کی دختر نجیب اختر سے ہوئی شادی کر کے مرزا اگرسے چلے گئے اور بھر جب مستقل اکاسٹ کے لئے دلی آئے تو ان کی عمر میں پانچ برس کی تھی۔ دلی میں موکٹی برقرار تھی لیکن آل باہر کی عقلیت و صحت کے شکایات روز بروز دھندلے ہوتے جاتے تھے۔ قلعہ اس وقت بھی ایک اپنی اور تہذیبی انجمن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اکبر شاہ جانی تخت نشین تھے۔ شہر میں انتظام انگریزوں کا تھا۔ قلعے میں دربار بادشاہ کا اور شہر میں دربار صاحب کلاں کی کوٹھی پر لگتا تھا۔ اس زمانے کی دلی کا یہ عالم تھا کہ سلطنت کو حکم لگا چکا تھا۔ اکبر شاہ جانی چارلس ٹاگ نہ گھڑے پانی، پیپے بچے کی زبان پر تھا مگر وہ جو انکی دولت کی فراوانی نے بدام آرائی کے خط و خال میں غصت اور نزاکت بھر رکھی تھی وہ البتہ ضرور قائم تھی۔ اسی زمانے کے قلعے لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں آٹھ دن نو میلے تھے۔ روز ایک نت لیا حصار ملتا جاتا تھا۔ مذہبی رسوم موسیقی حواریوں اور شادی تھی کو تقریبات کا بہانہ بنالیا گیا تھا۔ رمضان، عید، شبِ براۓ، آخری چار شنبہ محرم، بارہ دفات، گیارہویں شریف، طواغیر صاحب کی چھڑیاں، رجب کے کوٹھے، ہنسٹ، وسو، دیوالی، ہولی، پنکھوں کا میلا اور نویندی، جمرات سب بڑی آن بان سے منائے جاتے تھے۔ وزیر حسن کے خیال میں "قلعے کی جان اس کی کن تھی..... برس کے بارہ بیٹے چل چل رہتی تھی۔ جب دیکھو میلے ٹھیلے، میر قاشے، تلخ رنگ ہو رہے ہیں" (9) پھول والوں کی میر جسے غالب نے دلی کے چار تہذیبی عناصر میں سے ایک ہی قرار دیا ہے۔ اسی زمانے کی یادگار ہے۔

گمرزا جاکیر بلا کے چنے والے اور غصب کے منہ بہت تھے۔ اس مخالفت سے دلوں میں جرقہ ہی مگیا تھا۔

ایک دن سرور باد مرزا جہانگیر نے شہین صاحب کو سونوا ہے بے "کہہ دیا۔ یہ صاحب کسی نہ کسی طرح بی گئے تھوڑے دن بعد یہ غضب کیا کہ ان پر گولی چلائی۔ آخر کہاں تک طرف دی جاتی۔ قہ ہو کر ان آپر گئے۔ ممتاز محل کو بڑا صدمہ ہوا۔ منت مانی کہ مرزا جہانگیر چھوٹ کر آئیں گے تو حضرت خواجہ مخیار لاکھی رحمت اللہ علیہ کے مزار پر چادر اور چوہوں کی مسسری چڑھاؤں کی "خدا کی قدرت کہ صاحب عالم قید سے رہا ہوئے بادشاہ شہجہ نے منت پڑھانے کی تیاریاں کیں۔ بڑی دھوم دھام سے چادر لگائی۔ شہر بھر کے ہندو مسلمان شریک ہوئے۔ قلعہ میں کئی دن تک سیلا لگا رہا۔ پھول والوں نے جو مسسری چھائی تو اس میں ایک پھول کا پتھر بھی لگا دیا۔ بادشاہ کو یہ خیال بہت پسند آیا۔ دلی والوں سے چچا کہ اگر ہر سال سلون بھانوں کے شروع میں یہ سیلا ہوا کہے تو کیا؟ مسلمان درگاہ شریف پر پتھر چڑھائیں اور ہندو لوگ بالائی پر پتھر چڑھائیں مسلمانوں کے پتھر میں ہندو اور ہندوؤں کے پتھر میں مسلمان شریک ہوں پتھر کا سیلا ہو اور دونوں قوموں میں میل جول ہو۔ بھلا تھی اور پوچھ پوچھ۔ دلی والے راضی ہو گئے۔ کچھ پھول والوں کی سیر کی خواہش تھی۔" (۱۰)

”انکیر شہ تانی کا انتقال رات کے دو بجے ہوا۔ خیرباد دم بد مئی خیر دلی عہد کو دے رہے تھے اور دلی عہد کج اور لہاس اور درد و جوار اور زہر کا خواں لئے بیٹھے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ کب یہ سنوں کہ سچی کا کیا اندازہ کیا گیا۔“

اور تخت بادشاہی پر جا بیٹھیں۔ چنانچہ ایک خبردار نے خبر دی کہ حضور مبارک ہو مسافر کیا ہیں فوراً "دلی عد ہمار" نے شاہانہ لباس پہنا اور چاہا کہ تخت پر قدم رکھیں جو بخوبی اور جوشیلوں نے کہا کہ وقت اچھا نہیں ہے۔ سورج نکلے جلوس فرمائیے گا۔ اندھیرے میں تخت پر بیٹھنا غصے سے دلی عد نے کہا میرے لئے غصے سے یا رعایا کے لئے؟ بخوبی کتنا تو یہ چاہتے تھے کہ دونوں کے لئے برا ہے مگر دلی عد کے ار سے کہہ دیا کہ حضور رحمت کے لئے اچھا نہیں ہے۔ دلی عد نے کہا خیر دیکھا جائے گا۔ آفتاب نہ ہو گا تو کیا روشنی نہ ہو گی اور مشعل و مستک اور شمع و چراغ کی ایسی روشنی ہوئی کہ دن نے مات کھائی، دلی عد تخت پر بیٹھے اور ظفر محمد سراج الدین ہمار شاہ دلی لقب اختیار کیا۔ (11)

یہ پہلے مرض کیا چاہا ہے کہ لالہ گلے کی تہجدی اور ثقافتی روایات لگا کر جنتی تھیں۔ بادشاہ کی نظر میں ہندو مسلم شیعہ سنی سب برابر تھے چنانچہ گلے میں ہولی کے موقع پر ایک زبردست چل پھل ہوئی تھی۔ شہر بھر میں جو سوانک رہائے جاتے وہ سب بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوتے تھے۔ سراج الاخبار کی ایک خبر کے مطابق بادشاہ اور ہندو مسلم امرا ایک طرف اور شہزادیاں اور امیر زادیاں دوسری طرف جمہور کوں میں بیٹھ جاتیں۔ بادشاہی طاسکے ہوئی کھیلنے۔ بادشاہ کے سامنے ہولی کھیل جاتی۔ تخت کے کناروں کو ایک ایک اشرفی انعام ملتی۔ (12)

"دلی عد کے موقع پر بادشاہ خود اس میں حصہ لیتا تھا اور انعام و اکرام تقسیم کرتا تھا۔ نو آج پہلا دن ہے۔ روشنی ہوئی، غربت، دشمن چوکی اور بابا بچتے لگا۔ چاروں کونوں میں ایک ایک گنا کھڑا کیا۔ نیچوں میں ڈورے ڈال کر ان میں ٹھکا دیئے۔ صبح کو وہ گئے اور ٹیڈ سٹال خودی کو دے دیئے۔ رتھ بان زیلوں کو سنوار بنا کر پاوں میں ہندی رنگ رنگ کی اس پر نقاشی کر، سیٹھوں پر قلعی اور سنگھوٹوں۔ گلوں میں ٹھکڑا اور کار چلی بنائی جمہور میں چم چم جگمگ کرتے چلے آتے ہیں۔" (13)

ہمار شاہ کی والدہ راج پوت سارانی لالہ بانی تھیں۔ بھر یہ کہ تصوف سے انہیں کمری دلچسپی تھی۔ وہ کالے صاب کے ہاتھ مدھے تھے اسی لئے ان میں بڑی آزار خیالی، وسیع اشتیاق اور کشادہ دلی پیدا ہو گئی تھی۔ گلے کے ملازمین میں ہندوؤں کی کمی نہیں تھی۔ بادشاہ ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے تھے چنانچہ سی۔ ایف، ایڈریوز نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ بادشاہ ہندو مسلمانوں میں قطعی تفریق نہیں کرتے تھے وہ لکھتے ہیں:

"شہر دلی میں دونوں فرسے ہندو مسلمان مثل شمشادوں کی دانشمندانہ رہنمائی میں جنہوں نے ہندوؤں پر احترام کیا تاکہ لیا تھا اور اس کے جواب میں ہندو بھی ان پر احترام کرتے تھے نہایت پر امن طریقے سے ہندو پند رہتے تھے مثل شمشاد بجا طور پر اس نیک نالی کے حق دار ہیں کہ وہ اندرونی مذہبی تعصب پر غالب آگئے اور اس بنیاد پر اس قابل ہو گئے تھے کہ اپنی ہندو رعایا کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک کریں اور غیر ہندو ارادہ انصاف کریں۔" (14)

اسی نے ہمار شاہ کی درباری زندگی کے عام کوائف سے بحث کرتے ہوئے جو نتیجے نکالے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمار شاہ کا دربار پورے برصغیر کے لئے وقار و گھمبیر کا ایسا نمونہ تھا جیسا فراخیں بادشاہ کا دربار یورپ کے لوگوں کے لئے ہے۔ اس کے عد میں ایک تہی اشتہاست تھی جو لوہلی گھمبیر پر بھی اپنا عکس ڈالتی تھی۔ صرف نشست

و برخواست اور رفتار میں ہی لوگ دربار کی پیروی نہیں کرتے تھے بلکہ لباس بھی وہی قبول سمجھا جاتا تھا جو اہل دربار پہنتے تھے۔ چنانچہ ہمارے شاہ کا دربار گویا تمدن اور تہذیب کا محور و مرکز تھا اور طبقات معاشرت کا استخراج اور تہل میل اسی دربار کی مرکزیت پر منحصر تھا۔ اس دربار میں فنون لطیفہ کی ترقی کے وسائل بھی مہیا تھے۔ خطا زبان و ادب کی بھی پرورش ہوتی رہی اور مصوری کا داستان بھی قائم رہا۔ راجا جیون رام اور حسن باغیر مشہور مصور اسی داستان سے تعلق رکھتے تھے۔ ہمارے شاہ کا دربار پرانے وقتوں کی صحت مند روایات کا تحفظ تھا۔ آثار اہنا وید طبع اول کی ورتی گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بعض تصویریں شراذیچن محل نے بنائی تھیں۔ قلعے میں آنے والے دن مشاعرے ہوا کرتے تھے۔

”حضور والا کی جانب سے جو مشاعرہ ہوتا وہ شاہانہ انداز سے ہوتا تھا بادشاہ سلامت خود بہ نفس نہیں شرکت فرما کر عزت بخشے تھے“ تمام شاعر حضور محل کے سامنے حسب ارشاد بیٹھ جاتے تھے۔ بادشاہ کے مقابل شمع رکھی جاتی تھی۔ جس شاعر کو حکم ہوتا تھا وہ سامنے حاضر ہو کر غزل پڑھتا تھا۔ بادشاہ جس شعر کی تعریف فرماتے حاضر باش امیوں میں سے ایک بلند آواز سے اس شاعر سے کہتا تھا۔ غل بھائی آپ کے شعر کی تعریف فرماتے ہیں۔ وہ شاعر مرد قد کھڑے ہو کر حسب قاعدہ تین بار آداب بھالاتا۔ دوا دوا کے شہرے میں سلام کرتے کرتے تھک جاتا تھا۔ حسب رسم ایک طبلہ مکان میں مضانی زمیوں شہرت اور قوم و فیوہ مہیا رہتا تھا۔“ (85)

جہاں باد کے چڑیا خانے میں ایک بلیبل ہزار داستان ملی ہوئی تھی۔ وہ سونے کے جھیرے میں رہتی تھی۔ استاد میرین جو چڑیا خانے اور کھیت خانے کے داروہ تھے اس کی روکھا کرتے تھے۔ اس کے جھیرے پر کسی کی بستیاں منڈھی رہتی تھیں۔ جب ہمارا موسم آتا تو بلیبل کو چٹکے کا شوق ہوتا تھا۔ استاد میرین اس کا جھوٹے کرچم کے بارغ میں آتے تھے اور کہنے کے درست کی فنی میں اسے لگا دیتے تھے۔ شہر میں ایک روز پہلے سے دھوم مچ جاتی کہ کل مغرب کے وقت استاد میرین بادشاہی بلیبل کا جھوٹے کرچم کے بارغ میں آنکھیں کے شوقین لوگ اپنی اپنی اکھن چنڈول طوطے، مینا، شلا و فیوہ بولنے والے جانوروں کے جھیرے لے کر بارغ میں پہنچ جاتے۔ گھاس کے تنکوں پر بڑھ نکل کو مات کرتی تھی جھگڑا مار کر بیٹھے اور اپنے اپنے پردوں کے جھیرے سے اپنے آگے دکھ لیتے تھے۔ بادشاہی بلیبل ہزار بولیاں بولتی جنہیں سن کر سننے والے بھان اٹھ کھٹے بلیبل کے دم کو سن کر پرند شوقین کا چٹکے لگتا تو اس کا ہانک جھیرے کو تھپک دیتا جس سے یہ مراء تھی کہ بلیبل ہزار داستان کی بولی کان لگا کر سن اور چپ رہتا کہ تجھے بھی یہ ہانک آجائے اور فی الواقع بلیبل کی بولیاں سن کر شاہجہاں آباد کے شوقین لوگوں کے اکھن چنڈول خوب بولنے لگے تھے۔ لوگ فیرے کہتے تھے کہ جناب ہمارے اکھن چنڈول نے بادشاہی ہزار داستان کی مار کھائی ہے۔

دو دن خانے کے وسط میں تخت ملاؤس نصب ہوتا تھا اور پلائے تخت ٹھیکہ دریں چوب پائے نقو طبع ملائی پر نصب ہوتا تھا۔ تخت ملاؤس کے برابر چار گوشوں میں چار ملاؤس ملائی مینا کار نصب ہوتے تھے اور ان کے حقدوں میں بڑے موتیوں کی ملائیں جن میں دمو کے گھبے تھے کوہنیاں ہوتی تھیں۔ تخت ملاؤس میں مسد غبے لگائے

جاتے تھے۔ جب بادشاہ دربار لہراتے تخت خلاص کے دونوں پہلوؤں میں دو طرف دو منھیں دربار والوں کی دست بستہ استاد ہوتیں سب نیچی لٹکیں کئے کھڑے رہتے تھے۔ خاموش۔ چال کیا کہ کوئی کسی طرف دیکھ لے یا کھائے یا سکرانے یا بات کرے۔ دیوان خانے کے مقل لال پردے کا دروازہ تھا۔ وہاں سرخ چٹاٹ کا پردہ کھینچا رہتا تھا۔ جو شخص دروازے میں سے داخل دیوان خاص ہوتا تھا پہلے لال پردے کے آگے آکر سلام کر کے پرستادہ ہوتا تھا۔ تو اب و تلبیسات بجا لانا اور تعجب لال پردے کے برابر سے آواز لگاتا تھا۔ لحاظ تو اب ہے تو اب بجا لاؤ۔ جہاں پناہ بادشاہ سلامت "عالم پناہ بادشاہ سلامت" بعد اس کے یہ شخص سلامی پہلو میں ہو کر عقب حمام کی جانب کے دینے سے دیوان خاص کے چوڑے پر چڑھا اور بھینٹیں خالی کرتا اور دیوان خاص میں جا کر دوبارہ دوسری سلام گاہ پر تو اب بجا لانا اور تعجب دربار بطور اول آواز لگاتا اور سلام کرتا۔ اگر نذر گزارنی ہوتی تو سیدھا تخت کی جانب جا کر نذر پیش کرتا۔ نذر دے کر پھر پچھلے قدموں پلٹ کر سلام گاہ تک جاتا اور باقاعدہ اول پھر اسی طرح تو اب بجا لانا اور جہاں تک ملتی صف دربار میں جاتا تھا۔ یہ نقشہ دربار شاہی کا تھا۔

شہزادوں کی شادیوں کے موقع پر جشن منعقد ہوتے تھے۔ شک جہانگیری میں جہانگیر بادشاہ نے اپنے بیٹے غلام کی شادی کی تقریبات اور جشن کا ذکر کیا ہے۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ تیموریہ خاندان کا جب چراغ فشاں رہا تھا اس وقت بھی شادی کی تقریبات بھی کہ شاہزادہ غلام کی شادی میں بیان کی گئی ہیں :

"مہر چند کہ تقریبات ہیادریا حشائے ہندوستان میں نظر سے گزری ہیں مگر بھی شادی بازیب و جہل شاہزادہ مرزا ہواں بخت کی ہوئی ایسی رنگیں محفل و تقریب القریب با جہ و حشم اس دریا دل کے ساتھ کہیں فکر سے نہیں گزری۔ چنان مخلقات رسوم سابق "مندی برات" آرائش شہر دوشنی" و نثارخانہ جات وغیرہ فضول جان کر تم انداز کیا جاتا ہے۔ البتہ دو امر قابل نگارش ہیں ایک یہ کہ قریب محفل سب سے جداگانہ تھا۔ دیوان کی بارہ دری میں جدا جدا محفلیں ترتیب دی گئی تھیں۔ ہر در میں ایک طاقتہ جدا رکھی کرتا تھا شاہزادگان کی محفل جدا "مازین معزین کی انجمن جدا" فرقا سپا کی بزم جدا" شاگرد پیش کے لئے بھی جدا۔ اس طرح ہر فرق کی محفل جدا تھی۔ اول شہر کے لئے حکم عام تھا کہ آئیں اور حاشائے رقص و سرور سے مخلوط ہوں۔ کل مازین شاہی و دوسرے شہر کے لئے قورہ جات کا حکم تھا جس کا یہی چاہے زر نقد بھاس روپے قورے کی قیمت لے۔ ایک قورے میں طعام اس قدر ہوتا تھا کہ ایک محفل حکم سیر ہو کر کھالے۔ ایک ایک طبق میں پانچ پانچ طرح کے پاد رنگ رنگ کے شے ہاول۔ پانچ سیر کی باقر خانی۔ ایک شیریں ایک حکین لود کلی قسم کے نان غرض کہ اقسام خودی کی کوئی شے باقی نہ رہی تھی۔ اس کے علاوہ جن شعراء نے قصائد شریف اور سرے لکھے تھے بادشاہ کے حاکم تھے مگر سب کو ملے "فلت و انعام ملتا ہوئے اور شاگرد پیش کو جوڑے تقسیم کئے گئے۔" (۱۵۳)

بادشاہ کی سواری میں سولہ گھوڑے لگاتے جاتے تھے اور نواب نہایت محل عظیم صاحب کی سواری میں آٹھ گھوڑے لگاتے جاتے تھے۔

بادشاہ سوار ہوئے چران بردار نے باٹائی زیر انداز میں چرن لپیٹ بغل میں بارے۔ وہ خواص تخت رواں کے دونوں طرف سوار پھیل لے کر ساتھ ہوئے اور خواص شخصی دست صحیحہ رواں میں پاکہ اکابران اور ضرورت کی چیزیں لے کر چلے بھڑے بردار بھڑالے تخت رواں کے برابر آگیا۔ بھڑے کا چچ بادشاہ نے ہاتھ میں لیا۔ ایک ٹوکے میں آپ حیات کی سرامیاں برف میں گئی ہوئی۔ ایک طرف آگ کی اچھی ٹھنی کوکھوں کے گل۔ بھلیا، کھاکو کمار بھلی میں لے ساتھ ساتھ ہے امیر امرا تخت کا پایہ پکڑے اپنے اپنے رتبے سے چلے جاتے ہیں۔ کمار پچھلا آگاہی لے جھٹی ملار چاندی کے شہرہ بان سونے لال لال آنکھوں وار لکڑیاں ہاتھوں میں لے کر دودھ پیش تخت رواں کے چلے جاتے ہیں۔ (۱۳)

ہمارے بادشاہ اور اس کے خاندان کے بارے میں بعض غلط باتیں ہماری تاریخی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔ ان کی تصحیح ضروری ہے۔ یہ بات خلا ہے کہ قلعہ والوں کی اکثریت فسط و لغور میں جٹا تھی اور یہ بھی درست نہیں کہ ہمارے بادشاہ صرف میلوں خیلوں اور تقریبات میں منہک رہتا تھا۔ وہ اعلیٰ درجہ کا خوشنویس، شاعر، نقاش، ہوا، خسواری میں مشتاق اور دور اندیش تھا۔ شراب سے احتراز کرتا تھا البتہ کھانے کے معاملے میں غیر محتاط تھا۔ تیموری خاندانوں کے چشم و چراغ کی حیثیت سے اس نے کئی بار اپنی عزت اور شہادت کا مظاہرہ کیا تھا۔ حکیم احسن اللہ کو اس نے دو بار مرنے سے بچایا تھا کیونکہ ۱۸۵۷ء میں لوگ حکیم صاحب کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ یہ کتنا بھی درست نہیں کہ قلعہ میں جنگجو سپاہی تیار ہو گئے تھے۔ ہمارے بادشاہ کے زمانے کی خالصی سزا کی صورت کچھ اور ہے لیکن اس سزا کے پہلے معذرت کی ایک رو ہے کہ خوش کا ایک درجن ہے سنی کا ایک رخ ہے اسی درجن اور رخ کا مقابلہ کرنے سے ہمارے بادشاہ کے عہد شہزادگی اور دور حکومت کی دہائی کے کواٹھ کچھ میں آئیں گے اور پتا چل سکے گا کہ ہمارے بادشاہ خود اور دہائی کے عوام کس طرح ہردہائی حکومت کے نظارہ کا مقابلہ کر رہے تھے اور وہ تحریک کس طرح اندر ہی اندر شروع ہو چکی تھی جسے ۱۸۵۷ء میں جنگ کا روپ دھارنا تھا۔

قلعہ والوں کی زندگی میں حرم سرا، موسیقی، رقص و سدا، مصوری، شعر و نظم، کھیل کود، بنگ بازی، مختلف ہانودوں کی لڑائیاں، شخصی اور پرموں کی پالیاں، دیکھ کر کچھ لوگوں نے یہ خیال کیا کہ شہزادے صرف لوب و لعب میں جٹا رہے۔ ان لوگوں پر دہائی اور دہائی کے ہر اثرات لگائے گئے ان میں صداقت کے ساتھ ساتھ مبالغہ آرائی کو بھی دخل ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس دور میں دہم اور دہم کا قانون بکڑ گیا تھا لیکن ہمیں یہ بھی غلط دیکھنا چاہیے کہ دہم آرائی، حسن و شعر، شراب و نظم اور خوش باشی منہل تہذیب کے وہ عناصر ہیں جو کم و بیش ہر زمانے میں دکھائی دیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ سیاسی زوال کی بنا پر ہمارے خواص اس ضمن میں کچھ زیادہ حساس ہو گئے تھے اور اگرچہ سوار بھین نے دانش ان باتوں کو ہود دی جن سے وہ اپنی کی ہوئی زیادتیوں کا جواز پیدا کر سکتے تھے۔ میں ایک انگریز مصنف سپیری رائے اپنے اس بیان کی تائید میں پیش کر کے اس ضمن کو ختم کرتا ہوں۔

”بہت حادثات کی آندھیاں چلتی ہیں اور مصیبتوں کے مینہ برستے ہیں اور غلام سلطنت خراب ہو جاتا ہے تو ہم اس کے بعد فوٹو آئین کے دور آتا ہے۔ عام طور پر معاشرتی اور سیاسی انتشار اور زوال کے زمانوں میں

- 17 - ذکاء اللہ، آف دہلی - سی۔ ایف ایڈریوز
- 18 - دہلی کی چند عجیب و غریب - اشرف صہبائی - انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۳۳ء
- 19 - سیر دہلی مرتبہ مختار الدین احمد - انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۳۳ء
- 20 - دہلی کا آخری سانس - خواجہ حسن نظامی ۱۹۳۵ء
- 21 - لال قلعے کی ایک جھلک - ناصر زہر فراق - امپریل پریس دہلی -
- 22 - سیر المصطفیٰ - نواب عبدالغفور مطیع سرکار لاہور
- 23 - تاریخ ہندوستان برطانیہ ترجمہ عبدالغلام - دارالترجمہ حیدر آباد دکن
- 24 - آثار السنائیہ - سر سید احمد خان (طبع اول) دہلی یونیورسٹی لائبریری
- 25 - واقعات مولوی کریم الدین مطیع سرکار لاہور ۱۸۴۱ء

حواشی

- ۱ - تاریخ اسلامیان ہند - مولوی ذکاء اللہ ص ۳۶۰
- ۲ - دارالخبرہ - دانش الخیر ص ۴
- ۳ - سیر المصطفیٰ ص ۵۸
- ۴ - دارالخبرہ دانش الخیر ص ۷
- ۵ - لال قلعے کی آخری نگار دانش الخیر ص ۷
- ۶ - لال قلعے کی آخری نگار دانش الخیر ص ۷
- ۷ - لکھنؤ کی سیاست لکھنؤ کے قریب لکھنؤ کے قریب لکھنؤ کے قریب
- ۸ - سیاست ذکاء اللہ ص ۳۵۵
- ۹ - دہلی کا آخری ہندو - دارالخبرہ ص ۷
- ۱۰ - لکھنؤ کی سیاست - دارالخبرہ ص ۷
- ۱۱ - لال قلعے کی ایک جھلک - ناصر زہر فراق - ص ۷
- ۱۲ - دہلی کی گلی - سیر کریم الدین - دارالخبرہ ص ۷
- ۱۳ - دہلی کی گلی - سیر کریم الدین - ص ۷
- ۱۴ - دہلی کی گلی - سیر کریم الدین - ص ۷
- ۱۵ - دہلی کی گلی - سیر کریم الدین - ص ۷
- ۱۶ - دہلی کی گلی - سیر کریم الدین - ص ۷
- ۱۷ - دہلی کی گلی - سیر کریم الدین - ص ۷
- ۱۸ - دہلی کی گلی - سیر کریم الدین - ص ۷
- ۱۹ - دہلی کی گلی - سیر کریم الدین - ص ۷
- ۲۰ - TWILIGHT OF THE MOGHALS (۱) پرنسپل ایسیر ص ۷۰۰



ڈاکٹر خلیق انجم

رنگا رنگ بزم آرائیاں

غالب ایک مجلس انسان تھے، عزیزوں، دوستوں، معتمدوں اور شاگردوں سے ان کی مجلس ہمیشہ جی رہتی۔ اہلک ۷۷۷ کا ہنگامہ ہوا۔ مجلس کو جانے والے بیشتر لوگ دنیا میں نہ رہے، جو بچے، ولی سے فرار ہو گئے۔ غالب اجڑی ہوئی ولی اور بے شمار عزیزوں کی موت پر مریہ خروانی اور ماتم داری کے نئے عمارہ کھکے میوے کھلتے ولی اور فلتہ پانی کے عالم میں گھر کا دروازہ بند کئے بیٹھے رہے۔ کچھ اسی جی ہوئی، حالات معمول پر آنا شروع ہوئے، تو کبھی کبھی شیعہ رام برہمن اور ان کے لڑکے چل سکنڈ آئے گئے۔ لیکن اوس سے پیاس توڑی جھپتی ہے۔ "ہزاروں کے ماتم دار" غالب کو یہ غم کھائے جاناکہ جب وہ "میں گے تو انہیں کون روئے گا۔" وہ جانتے تھے کہ اب ان کے ہا خائے کی میزبوں پر کسی دوست کے قدموں کی آواز سنائی نہیں دے گی۔ پھر بھی میزبوں پر نظر رہتی کہ وہ میرمدی آئے، وہ عوسف مرزا آئے اور وہ میون آئے۔ "ان میں سے کوئی نہیں آیا" تو غالب نے فطوں کے ڈرپے ان کی خیر و عافیت دریافت کرنی شروع کی۔ معلوم ہوا کہ ان میں سے بھی بے شمار دوست جنت کو سوجھا گئے، جو بچے ان کو غالب نے قیمت جانا۔ ان میں سے جب کسی دوست کا خط آتا تو غالب کو محسوس ہوتا کہ وہ "میتوب ہیں اور یہ خط بوسے ہی ہیں۔"

ڈاک کا انتظام بھر ہوتا شروع ہوا تو غالب کے فطوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ کچھ وقت فطوں پڑھنے میں صرف ہوتا، کچھ فطوں لکھنے میں اور کچھ لٹانے پانے میں۔ پھر بھی وقت تو بہت پچتا، پہاڑ سادوں کائے نہیں سکھ۔ عیائی کائے کو دوڑتی۔ کہیں سے مولوی محمد حسین حمزوی کی مشہور لکت یہاں قاطع اور دساجیر کا ایک نسخہ ہاتھ آگیا۔ زندگی کے طبع جاکس سے فراہ حاصل کرنے اور خود فراموشی کے لئے شراب قوی نہیں سکتی تھی، غالب نے خود کو ان کتابوں کے مطالعے میں غرق کر لیا۔ یہاں قاطع کے مطالعہ کے دوران انہیں محمد حسین حمزوی سے اختلاف ہوا۔ ایک دلچسپ مغلہ غالب کے ہاتھ آگیا۔ انہوں نے حاشیے پر اختلافات لکھنے شروع کئے۔ اب تک غالب نے شاعری کی تھی۔ شیخ آہنگ میں فطوں کسی کے آداب پر کچھ لکھا تھا یا مرثیہ روز کا اردو میں مسودہ حکیم احسن اللہ خاں نے فراہم کیا اور اس کا غالب نے فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ پہلا موقع تھا جب غالب نے کوئی طبعی کام شروع کیا، ابھی وہ یہاں قاطع کا مطالعہ کر رہے تھے کہ انہیں روزنامے کے انداز میں ایک کتاب "موجنو" لکھنے کا خیال آیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دجنو لکھنے کے لئے ہی انہوں نے یہاں قاطع کا مطالعہ شروع کیا ہو۔

الفاظ کی اصل اور ان کے معنی پر غور کرتے ہوئے غالب کو خیال آیا کہ دجنو ایسی فارسی میں لکھی جائے جس میں ایک لفظ بھی عربی کا نہ آئے "موجنو" کی تحریر کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ غالب برطانوی حکومت پر اپنی بے گناہی ثابت کریں۔ لیکن انہوں نے سوچا کہیں نہ لگے ہاتھوں انگریزوں پر فارسی دانی کا سکہ بھی بخا دیا جائے۔ ہر حال بے

کاری میں ایک اور مشغلہ ہاتھ آیا کہ وقت اس کتاب کے لکھنے میں لگا اور کچھ اس کی طباعت کے اہتمام میں بہانہ قاطع پر اعتراضات ترتیب دے کر "قاطع بہانہ" کے نام سے شائع کئے گئے۔ کتاب کا بچھنا تھا کہ بعض اہل علم برہمیاں اور بھالے لے کر غالب کی طرف دوڑے۔ مگر تو ایک مستقل مشغلہ ہاتھ آیا۔ اس صبر کے میں غالب نے "بہارہ غالب" اور "سچہ تیر" دو رسالے اپنے نام سے شائع کئے اور دو رسالے لطائف فیہی میاں داو خاں سیاح اور سوالات عبدالکریم، عبدالکریم کے نام سے شائع کئے۔ دلچسپ بات ہے کہ غالب نے علمی کام زندگی کے اس حصے میں کیا جب سب سے زیادہ فانی پریشانیوں کا سامنا تھا۔ صحت جواب دے بجلی تھی اور یہ قول ان کے وہ بے دست و پا ہو چکے تھے۔

یہ علمی کام تو غالب اس حالت میں کرتے ہیں جب ان کے پاس کچھ وقت بچ جاتا ہے، ورنہ وہ تو ہم آرائی میں مصروف رہتے ہیں۔

غالب نے خطوط کے سارے ایک ہدم سجایا ہے۔ اس ہدم میں ان کے عزیز دوست "منقذ" "راج" "مروج" اور شاکر و غرض سب ہی شریک رہتے ہیں۔ محفل کی لغا بیشہ قلند "تصنع اور مٹاوت سے پاک رہتی ہے۔ اگر کبھی غلاب رام پور یا ان جیسی کوئی اور عالی مرتبہ شخصیت محفل میں آتی ہے تو غالب ان کا احترام کرتے ہیں۔ محفل پر جمید کی کی لغا طاری ہو جاتی ہے لیکن غالب ایسی شخصیت کی موجودگی سے لغا کو زیادہ کدور نہیں دیتے۔ سلام دعا، غیر دعائیت، ہندوئی کی و مولائیابی کی اطلاع کے بارے میں چند ہندو سے لگے رکے سے نفرت کتے ہیں اور اپنا ایک شعر

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن بچاس ہزار

پڑھ کر افسوس دھست کر دیتے ہیں۔

اس محفل میں غالب مسد نہیں ہیں اور ہم کچھ ایسے زلوئے سے کھڑے ہیں کہ غالب کا چہو بانگل ہمارے سامنے ہے۔ ہم ان کے چہرے کے اندر چڑھا اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں اور ان کی آواز صاف سن سکتے ہیں۔ لیکن حاضریں محفل کی نشست کچھ اس طرح ہے کہ ہماری طرف کر ہے ہم ان کے چہرے دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی آواز صاف سن سکتے ہیں۔ غالب ہی کی باتوں سے ہم ان کی گفتگو یا سوال جواب کا اندازہ لگاتے ہیں۔

غالب کی گفتگو میں کبھی خود احتسابی اور ان کی شخصیت میں کبھی تب اور توانائی ہے۔ ایسی گل افشانی گفتار کے لئے شخصیت کا مغزو ہونا ضروری ہے اور مغزو شخصیت اسے ہی ملتی ہے جس نے اپنی ان کی نگہ داری کی ہو۔ کچھ دیر کے لئے اس ہدم غالب کو چھوڑ کر آئیے ہم انا اور انفرادیت کے فلسفے پر تھوڑا سا غور کر لیں، کیوں کہ غدار خیال ہے کہ غالب کی اس ہدم خطوط کے جلو، صد رنگ کی بنیاد ان کی انا اور انفرادیت ہی پر ہے۔ ہر انسان کی ایک انفرادیت ہوتی ہے لیکن بیشتر انسانوں کی انفرادیت کی روشنی اتنی دیم ہوتی ہے کہ وہ ایک مخصوص مقامی گروہ کی انتہائی انفرادیت کی تیز روشنی میں خود کو ضم کر دیتی ہے اور صرف ماہرین نفسیات ہی اسے تلاش کر سکتے ہیں۔ انفرادیت کو فروغ انا سے حاصل ہوتا ہے جس انسان کی انا میں جتنی چمک ہوگی اتنی ہی اس کی انفرادیت بلند ہوگی۔ انا کے سرخسے مختلف ہیں۔

خانہ دانی و قار' دولت' سیاسی اقتدار اور علم و فن و فنون انا سے انفرادیت حاصل ہوتی ہے اور انفرادیت سے شہرت۔ شہرت کبھی فرد کے ساتھی کردہ تک محدود رہتی ہے اور کبھی پورے ملک میں پھیل جاتی ہے اور کبھی' لیکن بہت کم' زبان و مکان کی حدود سے آزاد ہو جاتی ہے۔ شہرت کا مدار اس پر ہے کہ فرد نے اپنی انا کو آہاد کرنے کے لئے کتنی محنت اور جگر کاڑی سے کام لیا ہے۔ سیاسی اقتدار کے ذریعے حاصل کی ہوئی شہرت افقی یعنی (Horizontal) ہوتی ہے۔ یعنی فرد کی زندگی میں اس کا دائرہ اثر تو بہت وسیع ہوتا ہے لیکن مدت کم ہوتی ہے رسل و رساں نے پھیل اور قہم کو بھی اس دائرے میں شامل کر دیا ہے۔ علم اور فن کے ذریعے حاصل کی ہوئی شہرت عمودی (Vertical) ہوتی ہے۔ یعنی دائرہ اثر تو محدود ہوتا ہے لیکن مدت نامحدود ہوتی ہے۔

دنیا کی تاریخ میں ایسے عالم اور ایسے فن کار کتنے کے ہیں جن کی انفرادیت اور شہرت نے زبان و مکان کی تمام حدود کو توڑا ہے۔ غالب بھی انہیں میں شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ غالب کی انا میں باکی توانائی ہے۔ اس انا کے سرچشمے نہیں ہیں۔ خانہ دانی و قار نگاری دانی اور ان کا فن۔ چونکہ غالب اپنے مد کے اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں' انہوں نے فارسی کا علم حاصل کرنے کے لئے واقعی بہت محنت کی ہے اور اب اس منزل پر پہنچ گئے ہیں جہاں ان کی انا امیر خسرو کے علاوہ کسی ہندوستانی فارسی شاعر' گوہر یا لغت نویس کو تسلیم نہیں کرتی جہاں تک فن کا تعلق ہے غالب جیسا فن کار کسی بھی زبان میں صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔ غالب زندگی بھر انا کے آئینہ کو جھلک کر کے اپنی انفرادیت کو بلند کرتے رہے' انہوں نے پیش اور ہر میدان میں اپنے لئے نیا راستہ نکالا اور اس منزل پر پہنچ گئے جہاں ان کی آواز منہو ہو گئی ہے۔

فن کی تو خیر بات ہی کیا ہے۔ عام زندگی میں بھی وہ اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہیں۔ غالب کا جلیہ ہو' خط لکھنے کا سلاں ہو یا روزنامہ کے استغالی کی چیزیں' ان میں سے ہر ایک کے احکام میں منہو ہمالیائی ذوق کی گہری چھاپ ہوتی ہے۔ چھوڑنے ان باتوں کو اور آئیے محفل میں داخل ہیں۔

لیجئے غالب کی توکل و صورت ہی بدل گئی مرزا حاتم علی مر کو اپنے بھائی کی جھڑپ کی تحصیل بنا رہے ہیں' بھائی "بہب داڑھی میں سفید بال آگئے" تیرے دانا چھوٹی کے اڑے گاہل پر نظر آئے لگے۔ اس سے بچ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے' ناچار سہی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی' ٹکریاؤ رکھئے اس بھوڑے شہر میں ایک عام دروی ہے۔ "ا" حافظ' "ب" عالمی' "پ" ہند' "دھونی" ستا' "بھلیارا" جولاہ' "تھرا منہ پر داڑھی" سر پر بال۔ فقیر نے جس دن داڑھی رکھی' اسی دن سر منڈایا۔"

سیر صدی مجموعہ شکایت کر رہے ہیں کہ ان کے شہر میں سیر صدی نام کے ایک اور صاحب ہیں۔ غالب ذائقہ میں جواب دیتے ہیں لیکن اس جواب میں بھی ان کی شخصیت کی انفرادیت موجود ہے' فرماتے ہیں۔ صاحب! تصور تمسارا ہے' کیوں ایسے شہر میں رہتے ہو جہاں دوسرا سیر صدی بھی ہو' مجھ کو دیکھو میں کب سے دلی میں رہتا ہوں' نہ کوئی اپنا نام نام ہوئے وا' نہ کوئی اپنا نام مرہٹے وا' نہ ہم تھیں بیک پہنچا۔

اگر وہ دیکھئے' اس کوئے میں فشی شیہ زائن آرام یکہ شہر سے چھٹے ہیں۔ غالب انہیں الفاظوں کا ایک پیکٹ

وے کر فرماتے ہیں "میں اپنے مزاج سے ناچار ہوں۔ یہ لفاظی از مقام و در مقام و تاریخ و ملامت کو پہنچ نہیں آگے جو تم نے مجھے بھیجے تھے وہ بھی میں نے دوستوں کو ہانت دیئے۔ اب یہ لفاظی کا لفاظ اس مراد سے دیا ہوں کہ ان کے عوض یہ لفاظی جو در مقام و از مقام سے خالی ہیں جن میں تم اپنے غلہ بھجا کرتے ہو بھیج دو۔"

زندگی بھر غالب کی اتنا اور مزاج میں آویزش رہی ان کے خاندانی وقار کو شاید کسی نے پہنچ نہیں کیا لیکن ان کے فن اور ان کے قاری علم پر محض ہوتے رہے اور غالب ان کا برابر جواب دیتے رہے۔ اپنی انا کے حفظ کے لئے تو غالب بڑے سے بڑا غلطو مول لے لیتے ہیں۔

دیکھئے آج بزم میں نواب کلب علی خاں ہیں۔ یہ وہ نواب ہیں جنہوں نے غالب کا سو روپے باہوار پیش کر دیا تھا۔ دیکھئے آج بزم میں نواب کلب علی خاں ہیں۔ یہ وہ نواب ہیں جنہوں نے غالب کا سو روپے باہوار پیش کر دیا تھا۔ دیکھئے آج بزم میں نواب کلب علی خاں ہیں۔ یہ وہ نواب ہیں جنہوں نے غالب کا سو روپے باہوار پیش کر دیا تھا۔ دیکھئے آج بزم میں نواب کلب علی خاں ہیں۔ یہ وہ نواب ہیں جنہوں نے غالب کا سو روپے باہوار پیش کر دیا تھا۔

نواب صاحب نے اپنے دعوے کے ثبوت میں ہندوستانی لغت نویسوں کو پیش کیا "تو غالب نے کہا" میں نے بے تکلف مان لیا" لیکن نہ ان صاحبوں کے قیاس کے بموجب بلکہ اپنے خداوند نصرت کے حکم کے مطابق۔ گویا دوسرے لغتوں میں غالب نے صاف صاف لغتوں میں کہہ دیا تھا کہ تم بھی غلط اور وہ لغت نویس بھی غلط۔ اب جو نواب صاحب کی خوشنالی پر مل دیکھے تو غالب گھبرا گئے۔ دیکھئے نواب صاحب سے کس انداز میں صلح صفائی کر رہے ہیں۔ فرما رہے ہیں: اگر حضور کے ارشادات کو بحث فقیر کیا ہو تو مجھے جہاں اپنی اور حضرت رسالت پناہ کی قسم! اگرچہ فاسق و فاجر ہوں مگر وہ انیت خدا اور نبوت خاتم الانبیاء کا بہ دل مستند اور بہ زبان معترف ہوں۔ خدا اور رسول کی بھولی قسم نہ کہہ دوں گا انکار بحث سے مراد یہ تھی کہ شعراء ہند کے کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں یا ہندی فرہنگ کھینے والوں کے بیان میں جو غلطی اور باہم جو ان کی محفل میں اختلاف ہیں" ان میں کلام نہیں کرتا۔ اپنی تحقیق کو مانے ہوئے ہوں۔ ان دونوں باتوں کو میں نے مانا لیکن نہ فرہنگ کھینے والوں کی رائے کے بموجب بلکہ اپنے خداوند کے حکم کے مطابق۔ گویا صلح صفائی میں بھی غالب کی انا چوب سنگ کی طرح ٹوٹے کو تو تیار ہے لیکن جھکے کو نہیں" اب بھی وہی کہہ رہے ہیں کہ تم بھی غلط اور ہندوستانی فرہنگ نویس بھی غلط۔

غالب دلی کے رئیسوں میں "پایہ عالی" رکھتے ہیں لیکن ابتدائی جوانی میں فقر و فاقہ میں ایسے ڈوبے کہ دہلے میں ملی سادی جاتیہ لاوچ کر کھا گئے۔ برطانوی حکومت سے ساڑھے سلت سو روپے باہوار پیش ملتی لیکن غالب کے شاہی عیش کے سامنے اس رقم کی حقیقت کیا۔ فرض یہ کہ غالب زندگی بھر ملی محکات میں گزار رہے۔ ان کا خیال تھا کہ پیش کے معاملے میں ان کے ساتھ حق تلفی ہوئی ہے۔ کئی سال تک برطانوی حکومت سے غلہ و کتابت رہی۔ غلو کھلتے جا کر اصرار اپنی کے سامنے اپنا معاملہ رکھا لیکن فیصلہ ان کے خلاف ہوا۔ ملی پریشانیوں کی وجہ سے انہیں ذہنی اضمحلال پڑا۔ فرض خرابوں کے خوف سے گھر میں چھپے بیٹھے رہے۔ میکٹرسن نامی ایک شراب فروش کے ہاں سو روپے کے مقروض تھے "اس نے عدالت میں ہاش کی۔ ایک دفعہ شام کو غالب اپنے ایک دوست یوسف خاں سے ملنے گئے" راستے میں عدالت کا ایک چڑاسی مل گیا" اس نے غالب کو گزار کر کے باغ کے گھر میں قید کر دیا۔ نواب امین

الدرین احمد خاں چار سو دے کر چلا کر لائے۔

۱۸۸۱ء اور ۱۸۸۲ء میں جوئے کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ پہلی دفعہ تو جرمانہ دے کر چھوٹ گئے لیکن دوسری بار چھ مہینے کی سزا ہوئی، جس میں تین مہینے غالب کو قید میں گزارنے پر ہے۔ ان کے کلام اور خطوط میں ان واقعات کا نمایاں اثر دکھائی دیتا رہا۔

غالب جن سے مخاطب ہیں وہ صاحب؟ وہ نواب علی الدین احمد خاں غازی ہیں۔ غالب ان سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن نواب علی الدین احمد خاں کی جو شامت آئی تو غالب سے پوچھ لیا کہ اگر آپ کو خط لکھوں تو کس پتے سے۔ یہ سن کر تو غالب چراغ پا ہو گئے۔ فرما رہے ہیں: "سلو صاحب، حسن پرستوں کا ایک قاعدہ ہے وہ اس کو دو چار برس گنتا کر دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جہان ہے، لیکن پتہ سمجھتے ہیں۔ یہ حال تمہاری قوم کا ہے۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اس کی عزت اور نام آوری جسور کے نزدیک طاقت اور حقیقت ہے اور تم بھی جانتے ہو مگر جب تک اس سے قطع نظر نہ کرو اور اس سحرے کو گنہم و ذلیل نہ سمجھو، تم کو یقین نہ آئے گا۔ بچاس برس سے دلی میں رہتا ہوں، ہزار با خط اطراف و احوال سے آتے ہیں، بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلہ سابق کا نام لکھ دیتے ہیں۔ حکام کے خطوط فارسی و انگریزی یہاں تک کہ ولایت کے آتے ہوئے، صرف شہر کا نام اور میرا نام یہ سب مراتب تم جانتے ہو اور ان خطوط کو تم دیکھ چکے ہو اور پھر پوچھتے ہو کہ اپنا مسکن بنا۔ اگر میں تمہارے نزدیک امیر نہیں، نہ سنی، اہل حرفہ میں سے بھی نہیں ہوں کہ جب تک محلہ اور قلعہ نہ لکھا جائے، ہر کارہ میرا پتہ نہ پائے۔"

غالب کا موڈ ذرا ٹراپ ہے۔ آج انہیں اپنی بے قدوری، مالی پریشانیوں اور ملکی دشمنوں کا خیال آگیا ہے، فرما رہے ہیں: "خوف ہوں، پہچ ہوں، غصی ہوں، قاسم ہوں، رویا ہوں، یہ شعر میری جیگر کا میرے سبب مال ہے: مشہور ہیں عالم میں اگر ہوں بھی کہیں ہم

انقص نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

قربان علی بیگ سالک نے یہ باتیں سن کر تسلی دینے کے انداز میں کچھ ایسی باتیں کہیں جن سے غالب کی انگلی اٹھائی ہو سکے، مگر آج تو غالب حقیقت یابی کے موافق ہیں، کہتے ہیں: "میں اپنا آپ تلاش کرتا ہوں، سچ و دولت سے خوش ہوتا ہوں۔ میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچتا ہے، لکھتا ہوں، لو غالب کے ایک اور ہوتی گئی، بہت اتنا آقا کا کہ میں بڑا شاعر اور قادی واں ہوں، آج دور دور تک میرا خواب نہیں۔ لے اب قرض وادوں کو جواب دے۔ سچ تو یہ ہے کہ غالب کیا مرا، بڑا تلخ مرا بڑا کافر مرا۔ ہم نے ازراہ تقسیم، جیسا بادشاہوں کو بعد ان کے جنت آرام گاہ و عرش نشین خطاب دیتے ہیں، چوتھ یہ اپنے کو شاہ قلم و سخن جانتا تھا، ستر مقرر اور ہادیہ زانو یہ خطاب تجویز کر رکھا ہے۔ آئیے ہم اللہ بھلو، ایک قرضدار کا کہ بیان میں ہاتھ، ایک قرض دار بھوک سنا رہا ہے، میں ان سے پوچھ رہا ہوں، امی حضرت نواب صاحب، نواب صاحب کہیے، اوطلان صاحب آپ سلوکی اور افراسیابی ہیں، یہ کیا ہے حقیقت ہو رہی ہے، کچھ تو اس کو کچھ تو یلو، بولے کیا، بے حیا، بے غیرت، کوٹھی سے شراب، گندھی سے گلاب، بڑا سے کپڑا، میوہ فروش سے تم، صرف سے دام قرض لئے جاتا تھا۔ یہ بھی سوچا ہوتا کہیں سے دوں گا۔"

دیکھا آپ نے؟ غالب نے اپنی بھوج اور زخم خوردہ انانیت کا اظہار کیسے درد انگیز انداز میں کیا ہے۔ غالب نے سہلی زندگی کی ناکامیوں اور دلتوں سے تو مفاہمت کر لی ہے، لیکن علم اور فن ان دونوں میدانوں میں وہ کسی مفاہمت کے لئے تیار نہیں۔ کسی بھی حالت میں ان کے اس احساس میں کی جیسی آئی کہ وہ بہت بڑے شاعر اور قاری داں ہیں اور درد درد تک ان کا جواب نہیں۔ ایک اور دلچسپ بات ہے کہ غالب نے قاری شاعروں اور قاری دانوں کو تو برا بھلا کہا، لیکن کبھی کسی اور دلت اور اردو شاعر کو کچھ نہیں کہا، اس لئے کہ وہ اردو دلتوں کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ ان کو برا بھلا بھی کہا جائے۔ غالب کی ناکامیوں، ناکامیوں اور ناکامیوں کا سلسلہ عین جوانی میں شروع ہوا تھا اور زندگی کے آخری سال تک جاری رہا۔ گویا جہاد زندگی میں انہوں نے اکثر شکست کھائی، لیکن ان کے دل و دماغ نے کبھی ہار نہیں لی۔ ان کا دل ہاتھوں زندگی بحر تاسعد حالات کا مقابلہ کرتا رہا۔ غالب کی زندگی کو دیکھئے یا ان کی باتیں سنئے تو تاسارے حالات میں زندہ رہنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

غالب کا ایک شعر ہے:

کو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و بحر مرے آگے

یا غالب کا دوسرا شعر:

توبہ لائے ہی ہے کی غالب
واقعہ سخت ہے اور جان مرے

یہ دونوں شعر غالب کی زندگی اور زندگی کی طرف ان کے رویے کی شکل ظہیر ہیں۔

دیکھئے حاضرین میں سے کسی سے کہہ رہے ہیں "چھیاٹھ برس کی عمر میں اس طرح کی شرمساریاں اور دوسیاہیاں بہت اٹھائیں۔ جہاں ہزار داغ ہیں" ایک ہزار ایک کسی۔"

غالب سہلی زندگی میں خواہوں کی دنیا میں رہنے والے نہیں بلکہ ایک عملی انسان ہیں۔ بھوج نے جشن کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا ہے۔ دیکھئے غالب کیا جواب دیتے ہیں "میں برس ثابت قدم اختیار کیا۔ اب انہماک کار میں اضطراب کی کیا وجہ؟ چپکے ہو رہو اور مجھ کو کسی عالم میں غلجین اور مضطرب گان نہ کہو۔ ہر وقت میں جیسا مناسب ہوتا ہے، ویسا فعل میں آتا ہے۔"

دیکھئے غالب نے اپنی تھک دہی اور مالی دشواریوں سے مفاہمت کر کے زندہ رہنے کا حلیہ کیا ہے۔ کچھ کتابیں اور کچھ شراب کی بوتلیں "خوش رہنے کی لئے یہی سامان کافی ہے۔ آج غالب بہت خوش ہیں۔ بھوج کے خیر و عافیت پر چھپے پر مسکرا کر جواب دیتے ہیں: "مہلا غالب ان دنوں بے حد خوش ہیں" "۵۰" جی کی کتاب داستان امیر حمزہ کی اور اسی قدر نظم کی ایک جلد یوحنا خیال آگئی ہے۔ سترہ بوتلیں بادۂ تاب کی خوش خانہ میں موجود ہیں۔ دن بھر کتاب دیکھا کرتے ہیں" دلت بھر شراب پیا کرتے ہیں۔

غالب ایک اچھے دوست ہیں لیکن اچھے دشمن نہیں۔ ان کی انا ایسے مخالفوں کو برداشت نہیں کر سکتی جو ان کے

فن اور فارسی دانی پر اگھٹ نہائی کریں۔ ایسے موقعوں پر تو وہ قلب اور شائستگی کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ غالب کے سب سے بڑے دشمن قہیل ہیں۔ غالب ان کا نام بھی سننے کو تیار نہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مخالفت اور دشمنی میں قہیل بے ہارے کا کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ تو ۱۸۸۸ء میں اس ہلکے رنگ و بو سے رخصت بھی ہو چکے تھے۔ غالب قہیل سے مخالفت کی ابتداء لکھتے کے اس اہلی سرکے میں ہوئی جس میں کچھ لوگوں نے غالب کے بعض اشعار پر اعتراضات کئے اور سند میں قہیل کو پیش کیا۔ اس سرکے میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو قہیل کے مافی تھے۔ غالب نے بعض وجوہ سے صلح صفائی تو کر لی، لیکن اس سرکے کا اثر زندگی بھر ان کے دل و دماغ پر رہا۔ وہ قہیل کو اور بعد ازاں کے فارسی گو شعراء فارسی عالموں اور لغت نویسوں کو گالیاں دیتے رہے۔ اس سرکے کا نقطہ عروج غالب کی کاغذ بہان اور اس پر اہلی سرکے قہیل جن لوگوں نے غالب کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ غالب زبردست بیکور انسان ہیں وہ مذہب اور عقیدے سے زیادہ انسانیت اور انسانی دوستی کو اہمیت دیتے ہیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ دیر پہلے غالب مرزا ہرگاہ گفت سے کہہ رہے تھے: ”بندہ پرورد‘ میں تو بنی آدم کو مسلمان ہو یا ہندو یا نصرانی‘ موز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں۔“ لیکن محفل میں قہیل کا ذکر آتے ہی غالب کا بیکور ازم ہی باقی رہا اور نہ انسان دوستی۔ وہ قہیل پر جائز اور ناجائز کئے کر رہے ہیں، سب جانتے ہیں کہ قہیل ہندو تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، اس واقعے کا اہلی مہانتے سے کیا قہیل لیکن اس معاملے میں غالب کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ کسی سے قہیل ہو کر فرما رہے ہیں اس طرح کی تزیں تو لالہ دلولی تھے قہیل موتی نے بہ تخلیق اہل ایران لکھی ہیں۔ دیکھا آپ نے قہیل کو لالہ دلولی تھے اور موتی کہہ کر کیا رنگ بدل گیا ہے۔ سنئے! قہیل کے بارے میں کچھ اور گل افشانی ہو رہی ہے فرما رہے ہیں: ”اسل فارسی کو اس سٹوری بچے قہیل علیہ با علیہ نے چلا کیا۔“ یہی ہے فارسی لالہ قہیل کی ہے۔“

کج تو بس قہیل ہی کی شامت ہے۔ غالب کو لکھتے کا اہلی سرکے یاد آگیا۔ فرما رہے ہیں: ”خلیفہ شاہ محمد‘ ہارم رام و غنیمت و قہیل۔ راہ خن کے غول ہیں۔ کوئی کے گمراہ کئے والے‘ یہ فارسی کو کیا جانتیں۔“ اور ”یہ الو کا چما قہیل صلوٰۃ کدو‘ دشقت کدو‘ و شتر کدو اور ہر عالم اور ہر جا کو لفظ کہتا ہے۔“ میاں ”ہمار شربت اور خیاث اللغات کو جیٹ نکالتے سمجھتا ہوں۔“

محفل جی ہوا دوست اہلب اور شاگردوں کا مجمع ہو تو غالب محفلوں میں کسی حلقہ کو روا نہیں رکھتے۔ بعض باتوں میں بہوں کی طرح ناراض ہو کر جو سند میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ کج کی محفل میں شہداء ہی میں موڈ خراب ہو گیا تھا اس لئے سب کی شامت آ رہی ہے۔ دیوان کی اشاعت کا ذکر آگیا کسی نے عظیم الدین کا ذکر کر دیا میں آگیا نکلا۔ فرما رہے ہیں عظیم الدین جس نے مجھ سے دیوان منگا بھیجا تو ہی نہیں ہے، بھرت ہے، پایہ ہے، غول ہے، قصہ مختصر سخت ماقول ہے۔

کسی کے خط کا ذکر آگیا تو ارشاد ہو رہا ہے ”اس کی ماں مرے“ اگر میرے خط کا جواب لکھا ہو۔“ اہل محفل میں سے کسی نے کچھ کہا تو فرماتے ہیں ”اگر وہ ہامو‘ بے درد بھوتا ہے تو اس پر ہزار لعنت اور اگر میں بھوتا ہوں تو مجھ پر

سو ہزار لعنت۔" غلامی نے قاضی نور الدین حسین فائق کے ایک خط کا ذکر کیا تو فرما رہے ہیں قاضی مسکوا تو ہے۔ میر صدیقی مجبور نے پیش کا ذکر کرتے ہوئے کچھ کہا تو کہہ رہے ہیں۔ تو تم یہ ہے تو تعاقب کیا ہو گا میں خود مہجور ہوں اور حکام صدر کا مددگار۔"

مرزا "باب الدین احمد خان تھریف لا رہے ہیں۔ سلام دعا کے بعد غالب سے قریب ہی بیٹھ گئے۔ کچھ دن ہوئے مرزا شباب الدین نے کچھ اشعار کہہ کر پوچھا تھا کہ وہ غالب کے ہیں یا نہیں۔ ان پر برس ہی تو پڑے۔ "یہ اشعار جو تم نے بھیجے ہیں، خدا ہائے کس ولد الہی نے داخل کر دیئے ہیں۔ وہ ان تو چھاپے کا ہے۔ متن میں اگر یہ شعر ہوں تو میرے ہیں اور اگر حاشیے پر ہوں تو میرے نہیں ہیں۔ بالفرض اگر یہ شعر متن میں پائے بھی جاویں تو سمجھنا کہ کسی ملعون زن جالب نے اصل کلام کو پھیل کر یہ خرافات لکھ دیئے ہیں۔ غلام یہ کہ جس مفید کے یہ شعر ہیں اس کے باپ اور دادا پر لعنت، وہ ہتھ پست تک ولد الخرم۔"

آج کی دن بعد میر صدیقی مجبور تھریف لائے ہیں۔ غالب ان سے بہت ناراض ہیں۔ بات یہ ہے کہ غالب چاہتے ہیں کہ جب کوئی خط لکھے تو اس میں کام کی باتیں ہوں، انتظام پروازی اور فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ کچھ ہی دن کی بات ہے کہ میر صدیقی نے غالب کو خط لکھا تو دنیا بھر کی اس میں باتیں، کام کی کوئی بات نہیں۔ غالب نے انہیں غصے میں لکھا تھا:

"وہ حضرت! کیا خط لکھا ہے، اس خرافات کے لکھنے کا قاصد بات اتنی ہے کہ میرا پنگ مجھ کو ملے، میرا چھوٹا مجھ کو ملے، میرا جام مجھ کو ملے، میرا بیت اللہ مجھ کو ملے، رات کو وہ شور کوئی آئو، کوئی آئو فرد ہو گیا۔ میری جان بچی، میرے گویوں کی جان بچی۔"

اکتوں شب من شب است و روزم روز است۔"

اس وفد یہ ہوا کہ غالب نے صدیقی کو مختصر خط لکھا اور ساری کام کی باتیں لکھ دیں۔ صدیقی نے خط میں اس انصاف کی شکایت کی، اس سے پہلے کہ غالب خط کا جواب دیتے وہ آج خود ہی آگئے، کسی دعا اور کہیں کا سلام۔ غالب تو انہیں دیکھتے ہی پھٹ پڑے۔ "ہاں صاحب! تم کیا چاہتے ہو۔ مجتہد العصر کے مسودے کو اصلاح دے کر بھیج دیا اب اور کیا لکھوں؟ تم میرے ہم عمر نہیں ہو سلام لکھوں، میں فقیر نہیں ہو دعا لکھوں۔ تمہارا دل بھل گیا ہے۔ لکھنے کو کہیے اکو، مسودے کو بار بار دیکھا کہ۔ پاؤ گے کیا؟ یعنی تم کو وہ محمد شافی روشنی پسند ہیں جس میں خط اس طرح لکھتے تھے: "یہاں خیریت ہے، وہاں کی عافیت مطلوب ہے۔ خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا، تکی خوش ہوا۔" وغیرہ وغیرہ

ابھی غالب مجبور سے مخاطب ہی تھے کہ ان کی نظر مرزا حاتم علی مرہ پر پڑ گئی اور انہیں سر کا ایک خط یاد آگیا۔ اس میں بھی اسی طرح کی خرافات تھیں۔ مجبور کو چھوڑ کر مرہ پر برس پڑے: "بھائی اگر تم صاحب جانو تو ایک بات میری مانو، رقص عالم گیری یا انشائے خلیفہ اپنے سامنے رکھ لیا کہ، جو عبارت اس میں سے پسند آیا کرے، اپنے خط میں لکھ دیا کہ خط مفت میں تمام ہو جایا کرے گا اور تمہارے خط کے آنے کا نام ہو جایا کرے گا۔"

غالب کو سوا بدلتے میں کمال جاہل ہے، ابھی غصے میں لال ہو رہے ہیں اور دوسرے ہی لئے ہونٹوں پر

مسکراہٹ کھیل رہی ہے۔ مرزا حاتم علی مرزا غالب کے قصے سے خاصے تھکرا مجھے تھے لیکن غالب کا لہجہ اہانک ہل گیا۔ بڑے مشفقانہ انداز میں مر کو سمجھانے لگے۔ مرزا صاحب میں نے وہ انداز تحریر اپنایا کیا ہے کہ سراسرے کو نکال دیا ہے۔ ہزار کوس سے یہ زبان قلم باتیں کیا کرے۔ ہجر میں وصال کے مزے لیا کرے۔ مگر غالب مجبور کو سمجھا رہے ہیں ”ہم جانتے ہیں تم زندہ ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہم زندہ ہیں“ امر ضروری کو لکھ لیا۔ نذا کہ کو اور وقت پر موقوف رکھا۔“

”اوا شمس جانتے ہیں کہ میرا طرز نگارش یہ ہے کہ جب کاغذ و قلم ہاتھ میں لیتا ہوں تو صفحے کے شروع میں کتب الیہ کو اس لفظ سے نکارتا ہوں جس کا وہ اہل ہوتا ہے اور پھر مطلب کی بات پر آجاتا ہوں۔ القاب و ادب اپنی خیریت ملتا اور وہ سوں کی خیریت پر پھنسا ہے کار باتیں ہیں۔ پختہ کار لوگ بے کار اور زائدہ باتوں کو اہمیت نہیں دیتے۔ دانش مندوں کو معلوم ہے کہ اس باب میں کیا ساحری کی جا سکتی ہے اور اس شیخہ (تحریر) میں کہاں تک خلی صحرای کی سمجھاؤں ہے؟“

چرنگہ خطوط کا ذکر چل رہا ہے اس لئے عشق شیخہ زرائی آرام نے کہا: ”صعرت و حشو کی خرید کے سلسلے میں ہنری اسنوٹ دینے کو ایک خط لکھ دیجئے۔ غالب فرما رہے ہیں: ”ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا“ ان کی فرمائش ہے اردو نثر کی وہ انہماک پائے تو اس کے ساتھ ان کو خط لکھوں۔ مگر بھائی تم خود کو اردو میں میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کروں گا“ اور اس عبارت میں معافی مانگ کہیں کر بھولیں گے۔“

شیخہ زرائی نے جواب میں نہ جانے کیا کہا کہ غالب کے لیے میں تمہاری ہی تجنی آگئی۔ فرما رہے ہیں: ”جواب دینے صاحب صاحبی کرتے ہیں۔ میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کر سکتا ہوں“ اس میں سمجھاؤں عبارت آرائی کی کہاں ہے۔ بہت ہو گا تو یہ ہو گا کہ میرا اردو بہ نسبت اردو کے اردو کے ضعیف ہو گا۔“

عشق شیخہ زرائی آرام نے پھر اصرار کیا تو غالب بگڑ گئے: ”میاں اردو اور کیا لکھوں۔ میرا یہ منصب ہے کہ مجھ پر اردو کی فرمائش ہو۔“

ذرا ادھر آئیے! ہم بھی غالب کی نکال نگاری کے بارے میں کچھ عرض کریں۔ جی نہیں ’ذرا دور آجائیے۔ اگر غالب یا ان کے معتقدوں نے ہماری گفتگو سن لی تو قیامت ہوا ہو جائے گی۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ غالب یہ تو ٹھیک کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے سراسرے کو نکال دیا ہے۔ مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ اردو مکتوب نگاری میں بے تعلقی کی فضا غالب نے ہی پیدا کی ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اگر مکتوب نگاری کو تخلیقی فن میں شامل کریں تو پہلی بار اردو کی تخلیقی نثر لکھنے کا شرف غالب کو حاصل ہے۔ لیکن جب غالب کے خطوط اور خاص طور سے نکال نگاری کی تعریف شروع ہوئی تو غالب نے کچھ خطوط میں واقعی نکالے لکھ کر خط کو ڈراما بنا دیا۔ یہ ذرا کچھ زیادہ ہی ہو گیا۔ سوچنا ڈرامے اور مکتوب نگاری کے فن میں کچھ تو فرق ہے۔ بہر حال یہ خدا کا شکر ہے کہ غالب کے ایسے خطوط زیادہ نہیں ہیں۔ دراصل جب سے غالب کو اپنے خطوط کے چھپنے کا احساس ہوا تھا ان کے خطوط کی زبان کی لوک پلک زیادہ درست اور بے تعلقی کم ہوتی گئی۔ بلکہ کہیں کہیں تو بے تعلقی میں بھی تھیں کا شائبہ آگیا۔

غالب کے خطوط کے بارے میں ایک بات اور سن لیجئے آرائش مختار کے لئے جس ایک سوئی 'جوش و دلوائے' زہنی و جسمانی طاقت و صلابت کی ضرورت ہوتی ہے 'غالب ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے اس سے محروم ہو چکے تھے۔ اسی لئے تو شاعری اور خاص طور سے فارسی شاعری اور نثر سے دامن بچانے لگے تھے۔ لیکن دل چاہپ بات یہ ہے کہ عمر کے ساتھ ساتھ غالب کے تجربوں اور مشاہدوں میں دست 'گھر میں زیادہ پختگی' احساس میں زیادہ گیرائی و گہرائی پیدا ہو رہی ہے۔ غالب کے قوا متحمل ہو رہے ہیں، لیکن حقیقی قوتوں میں زیادہ توازن آ رہی ہے۔ غالب نے اپنی شخصیت کے اعتبار کے لئے اردو خطوط کا میدان منتخب کیا ہے۔ خطوط کے بیس میں ایک نیا غالب نظر آتا ہے۔ وہ غالب جو انسانی نفسیات کا ماہر ہے، جو کردار نگاری میں اپنا جواب نہیں دیکتا۔ نکالہ نگاری کے فن پر جسے پوری قدرت حاصل ہے جو غالباً 'اردو کا پہلا اور بیکل فضیل نگار' ہے۔ غالب کی سحر نگاری کی وہ صلاحیتیں جو روئے و قافیے کی بند لٹا میں نگلی دلائل کی شکایت کرتی تھیں، نثر کے کشادہ میدان میں اپنے جوہر دکھا رہی ہیں۔ فضیل کو بلند پروازی کے لئے زیادہ وسیع میدان مل گیا ہے۔

اگر ۱۸۵۷ء میں غالب جوان ہوتے اور اس وقت تک اردو میں طول نگاری کا چمن ہو چکا ہو تا تو غالب اردو کے پہلے اور کامیاب ترین طول نگار ہوتے۔ محمد حسین آزاد نے غالب کی اردو نثر تبصرا کرتے ہوئے لکھ دیا تھا کہ غالب کی باتیں بھی خاص فارسی کی خوش نما تراشوں اور عمدہ ترکیبوں سے مرصع ہوتی تھیں۔ بعض فقرے کم استعداد ہندوستانیوں کے کانوں کو سننے معلوم ہوں تو وہ چاہیں، یہ علم کی کنوڑی کا سبب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں گھڑی ہے۔ لیکن آزاد نے جو کچھ کہا ہے وہ ہے تو درست۔ ادب میں نقادوں اور محققوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو چکی ہے جو غالب شناس کہلاتی ہے۔ یہ جماعت تو آزاد پر لکھ لے کر دوڑ گئی مگر آزاد نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں۔ غالب عام طور سے اپنے خطوط میں فارسی محاوروں کا ایسا ترجمہ کر دیتے ہیں، جو اردو میں مستعمل نہیں ہیں۔ مثلاً "اس قدر ہذر چاہتے ہو۔ یہ ہذر خواہش کا ترجمہ ہے۔" "نظر اس دستور پر" "نظر میری خطابط" کا ترجمہ ہے۔ "یاد دلاؤ" "یاد آو رہی" "کاس" "گھر رکنا" "گھر داشتن" "ک" "بے وقافی بھی سرزد نہیں ہوتی" یہ "بے وقافی سرزد شدن" کا ترجمہ ہے۔ دستور قدیم کو برہم مارے۔ "برہم مارے" "برہم لدن" کا ترجمہ ہے۔ یہ رتب میری "رزش کے فرق" ہے۔ "مطلق از ارزش" کا ترجمہ ہے۔ جب تک مجھ سے طلب و رخصت نہ کریں۔ دلجو و دلجو

یہی نہیں بعض اوقات تو غالب ایسے فقرے لکھ دیتے ہیں کہ اگر ایک دو لفظ بدل دو تو پورا فقرو فارسی کا ہو جاتے۔ مثلاً "دیکھئے: "جس کے بی میں آئے وہ حوصلی قریر قواہد افشا ہو گیا۔" یا "یہ سبب استقامت اردو ہمارہ کہ اس مرض میں اس سے گریز نہیں۔" یا "حضور نے بوجہ بیابازی آب و ہوائے گلکشہ شمول کو فصل سے انکار کیا۔" یہ عبارت تو دیکھئے: "سر آواز فصل ایسے شرابے پیش دس کا پچھٹا نوید ہزار گونہ صحت اور شادمانی ہے" یہ شراب النوع اثر ہے" اور یہ فقرو ملاحظہ کیجئے "۱۳ تھاو دمی دلیل موت روحانی ہے۔"

زبان کی یہ خامیاں بجا اور محمد حسین آزاد کے اعتراضات درست۔ مگر بھی غالب کے خطوط ہمارے ادب کا قیمتی ترین سرمایہ ہیں۔

کچ کتے مرے ہند ہم غالب کے دج ان خانے میں آئے ہیں۔ وہی غالب ہیں وہی اسباب اور وہی شاکرہ لیکن محفل کی ہار و بھار فنا کو کیا ہوا؟ وہ کھٹکتی کیا ہوئی۔ ہر چہرے پر مگرمی اواسی کیوں ہے؟ بات یہ ہے کہ جس کے دم سے محفل میں رونق تھی وہ صاحب فراش ہے۔ اب غالب اٹھ سکتے ہیں نہ بیٹھ سکتے ہیں۔ کسی نے لکھ کر خیریت پوچھی تو رک رک کر جواب دے دیتے ہیں۔ سامع مر گیا تھا اب پاسو بھی ضعیف ہو گیا۔ بختی قوتیں انسان میں ہوتی ہیں، سب محفل ہیں۔ حواس سراسر قفل ہیں۔ حادثہ گوا بھی تھا ہی نہیں، نواب عطاء الدین چنگ سے لگے بیٹھے ہیں، غالب بہت دھیمی آواز میں ان سے کہہ رہے ہیں: اب جو چار کم اسی برس کی عمر ہوئی اور جانا کہ میری زندگی برسوں کیا بلکہ میٹوں کی نہ رہی، شاید بارہ سینے، جس کو ایک برس کہتے ہیں اور جوں دودھ دو چار سینے، پانچ سالہ بچتے، دس میں دن کی بات رہ گئی ہے۔

غالب خاموش لیٹے ہیں۔ کبھی کبھی اپنا ایک مصرع

اے مرگ ہمارا تجھے کیا انتظار ہے

پڑھ لیتے ہیں اور کبھی یہ شعر ورد زبان ہوتا ہے:

دم واپس۔ ہر سر راہ ہے

مزداب اللہ ہی اللہ ہے

چراغ کی روشنی مدھم ہوتی جا رہی ہے۔ اہل محفل کے چہروں کی اواسی بیٹھ رہی ہے۔ وہ وقت نزدیک تر آتا جا رہا ہے جس کا بہت دن سے خوف تھا۔ روشنی مدھم — اور مدھم — لکھے چراغ گل ہو گیا۔ اللہ بس باقی ہوں۔

اللہ وانا الیہ راجعون



غالب اور ان کی ہم عصر صحافت

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

غالب کو ان کی ہم عصر صحافت نے کس فکر سے دیکھا اور صحافت کے بارے میں غالب کا اپنا طرز عمل کیا تھا؟ اس کے جواب میں تین قسم کے شواہد پیش کئے جاسکتے ہیں، ’اول‘ اخباروں میں غالب سے تعلق رکھنے والے کارکنات پر تبصرہ۔ ’دوم‘ ان کے بارے میں مثبت و قانع نگاہی۔ ’سوم‘ صحافت کو فروغ دینے کے سلسلے میں غالب کی سہا۔ تازی مسائل میں دو مسئلے خصوصی اہمیت رکھتے ہیں، ’ایک‘ قمار بازی کے الزام میں ان کی گرفتاری۔ دوسرے ’’بیان قاطع‘‘ کی تائیل پر سر کے ان دونوں مسائل پر بحث کو سمجھنے کے لئے پس منظر کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد رقم طراز ہیں:

’’تھو سے پہلے مرزا کی آمدنی کا وسیلہ صرف سرکاری وکیلہ اور قلعے کے چاس روپے تھے۔ چونکہ زندگی ریسانہ بسر کرنا چاہتے تھے اس لئے بیش مقروض و پریشان حال رہتے تھے۔ اس زمانے میں دہلی کے بے لگر و رئیس زادوں اور چاندنی چوک کے بعض جوہری بچوں نے گزراں وقت کے جو شغل اختیار کر رکھے تھے‘ ان میں ایک قمار کا بھی مشغلہ تھا۔ سمجھنا عام طور پر کھیلے جاتا تھا اور شر کے کئی دواں خانوں کی مجلسیں اس باب میں شہرت رکھتی تھیں۔ مرزا بھی اس کے شائق تھے۔ رفتہ رفتہ ان کے یہاں چاندنی چوک کے بعض جوہری بچے آئے گئے اور باقاعدہ جوا بازی شروع ہو گئی۔ قمار کا عام قاعدہ ہے کہ صاحب مجلس لڑائیوں کا جائے کہ مستم قمار خانہ‘ کا ایک خاص حصہ ہر بازی میں ہوا کرتا تھا۔ جو بھی جیتے‘ فی صدی اتنا صاحب مجلس کا ہو گا۔ مرزا صاحب کے دواں خانے میں مجلسیں کھیلنے لگیں تو وہ صاحب مجلس ہو گئے اور ایک اچھی خاصی رقم بے محنت و مشقت وصول ہونے لگی۔ وہ خود بھی کھیلتے تھے اور چونکہ انہیں کھلاڑی تھے‘ اس لئے اس میں بھی کچھ نہ کچھ ماری لیتے تھے۔ اگر بڑی قانون سے جرم قرار دیتا تھا‘ لیکن شر کی یہ رسم پھر مکی تھی کہ رئیس زادوں کے دواں خانے مستثنیٰ سمجھے جاتے تھے۔ کیا ان کی وہ نوعیت مان کی گئی تھی جو آج کل کے گیموں میں ہرج کھیلتے کی ہے۔ مرسے تک شر کے کوڑال اور حکام ایسے لوگ رہے جن سے مرزا غالب کی رسم دلا رہی تھی‘ اس لئے ان کے خلاف نہ تو کسی طرح کا شبہ کیا جاتا تھا‘ نہ قانونی اقدام کا اندیشہ تھا۔ انہیں میں ایک کوڑال قیل کے شاگرد مرزا خانی بھی تھے جن کی نسبت خواجہ نصیر نے کہا ہے:

نصیر الدین ہے ہمارا تو دستِ طوس کا لیتا

نہ ہوتے غنیمتِ دہلی اگر یاں میرزا خانی

لیکن تاہم ۱۸۷۵ء میں ان کے سے تبدیل ہو کر ایک نیا کوڑال آیا۔ یہ میرزا خانی کی طرح نہ تو شاعر تھا نہ عطر طراز کہ غالب کا قدر شناس ہوا‘ نرا کوڑال تھا۔ اس نے آتے ہی سختی کے ساتھ دیکھ بھل شروع کر

دی اور ہاسوس لگا دیئے۔ حکام سے قول لے لیا تھا کہ جب تک میرا کوئی جرم ثابت نہ ہو میرے معاملات میں مداخلت نہ کی جائے ورنہ میں شر کو جرائم سے پاک نہ کر سکوں گا۔ اس زمانے کے بعض دوستوں نے مرزا غالب کو بار بار الحاح کی کہ ان مجلسوں کو ملتوی کر دیں، لیکن وہ خیروار نہ ہوئے اور اس ذمہ میں رہے کہ میرے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ بلاخر ایک دن ایسے موقع پر کہ مجلس قدار گرم اور دوستوں کی ڈیمیریاں جلی ہوئی تھیں، کو قتل پہنچا اور دروازے پر دھک دی۔ اور لوگ تو بھجواڑے سے نکل بھاگے، صاحب مکان، یعنی میرزا دھرتے گئے۔ ان کی گرفتاری سے پہلے چند جوہری پکڑے گئے تھے مگر وہ یہ خرچ کر کے بچ گئے تھے۔ مقدمے تک نوبت نہیں پہنچی۔ میرزا کے پاس روپیہ کہاں تھا؟ ہاں امرا و اصحاب تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے سفارش کی مگر کچھ نتیجہ نہیں نکلا تو مکرچند رہے۔"

(بحوالہ غالب از مرصطہ ۱۸۶۷ء)

مولانا ابوالکلام آزاد کو یہاں ایک ملازمی ہوئی کہ یہ واقعہ ۱۸۵۳ء کا ہے۔ حقیقت میں یہ واقعہ ۱۸۶۱ء میں ہوا جس کی روداد "دہلی اردو اخبار" نے ۲۳ اگست ۱۸۶۱ء کے شمارے میں اس طرح پیش کی۔

"سنایا گیا ہے کہ ان دنوں گزر قاسم جاں میں میرزا نوشہ کے مکان سے اکثر باقی قدار ہاڑ پکڑے گئے مثل ہاشم خان و فیضو کے، جو سابقہ بڑی عتوں میں درودہ (?) تک پہنچے ہوئے تھے۔ بڑا قدار ہوتا تھا۔ لیکن یہ سب دعب و کثرت مزاں کا کسی طرح سے کوئی تھانے وار دست انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ اب تو نوڑے دن ہوئے یہ تھانے وار قوم سے سید اور بہت جبری بنا جاتا ہے۔ مقرر ہوا ہے۔ یہ مرزا نوشہ ایک شاعر باقی رہیں زاد نواب خٹم الدین قاتل و عظم فرزند کے قزاق قبیلہ میں سے ہے۔ یقین ہے کہ تھانے وار کے پاس بہت دیکھوں کی سہمی و سفارش بھی آئی ہو گی۔ لیکن اس نے وراثت کو عام فرمایا، سب کو گرفتار کیا۔ عدالت سے جہانہ فانی قدر مراتب ہوا۔ مرزا نوشہ پر سو روپے نہ ادا کریں تو چار مہینہ قید۔ لیکن ان تھانے وار کی خدا خیر کرے، وراثت کو تو کام فرمایا انہوں نے، لیکن اس علاقے میں بہت رشتہ دار حصول اس رہیں کے ہیں، کچھ قحب نہیں کہ وقت بے وقت چوٹ پھٹ کریں اور یہ وراثت ان کی دہلی جان ہو۔ حکام، ایسے تھانے وار کو چاہئے کہ بہت عزیز رکھیں ایسا آدمی کامیاب ہوتا ہے۔"

(بحوالہ ہندوستانی اخبار نویس، از حقیق صدیقی، صفحہ ۷۷، ۱۹۷۷ء)

اس خبر سے گھٹنے دالے کا قصبہ نہایت نمایاں طور پر ظاہر ہو رہا ہے۔ "نواب خٹم الدین قاتل و عظم فرزند کے قزاق قبیلہ" میں تھانے کا خفاء یہ تھا کہ غالب حکام کی نظر میں اور بھی معتب ہوں۔ اور تھانے وار کی اس شہوت سے پشت پناہی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ کارروائی اسی اخبار کے خفیہ ایما پر ہوئی ہو۔ "دہلی اردو اخبار" کے مدیر مولوی محمد باقر تھے جو مولانا محمد حسین آزاد کے والد تھے۔ ذوق سے ان کا گہرا رابطہ تھا اور ذوق غالب کے عطف تھے اس لئے انہوں نے غالب کو رسوا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور یہ قصبہ اگلی نسل تک چلا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے سب حیات میں ذوق پر بہت توجہ کی اور غالب پر کہ

یہ خبر ”دلی اردو اخبار“ سے دوسرے اخبارات میں بھی نقل ہوئی۔ مثلاً ”کلکتہ کے قاری اخبار“ سرسبز نے ۲ جنوری ۱۸۵۷ء کے شمارے میں اس کی عینیں یوں پیش کی:

شاعر نادر دلی

”اخبار دلی واضح شد کہ از مکان میرزا لوط‘ شاعر نادر دلی‘ یکے از عزیزان لوط خاں خاں مرحوم‘ سنے چند مختصران نادر کہ در لیل و نهار بجز قمار دیگر کار نداشتند‘ در حالت مقامت بعضی تھانیدار اسیر و گرفتار شدہ و بر غلہ حاکم حاضر گردیدہ حاکم نصفت شعار از شاعر یک صد روپیہ و از دیگران سی روپیہ جرمانہ گرفتہ آزاد فرمود“

(حوالہ حقیق صدیقی، صفحہ ۲۵۵)

اس خبر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب کو سو روپیہ جرمانہ ہوا اور دوسروں کو تین تین روپیہ۔ یہ حقیقت بھی اس امر کی تائید ہے کہ غالب سے زیادتی ہوئی اور ظاہر ہے اس میں ”دلی اردو اخبار“ کے مدیر کا ہاتھ تھا۔ جب حقیق صدیقی ”دلی اردو اخبار“ کے قصب کے محرکات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غالب کو دوسرے اخباروں سے بہت دلچسپی تھی لیکن:

”دلی اردو اخبار سے کسی قسم کی دلچسپی نہیں تھی“ (صفحہ ۲۷۷)۔

”دلی اردو اخبار جو دلی سے لگا تھا نہ تو ان کے پاس آتا تھا اور نہ وہ خود اس کو پڑھنے کی فکر کرتے تھے۔“

(صفحہ ۲۷۷)

یہ بیان محل نظر ہے کیونکہ بقل ”اداد صابری“ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۷ء تک کی جلدوں میں مرزا غالب کا کلام بھی ملتا ہے اور ۸ جنوری ۱۸۵۷ء تک کی جلدوں میں مرزا غالب کا کلام بھی ملتا ہے اور ۸ جنوری ۱۸۵۷ء کے شمارے میں اس شمارے کی روداد بھی جس میں غالب نے اپنی وہ مشہور غزل سنائی جس کا مطلع یہ ہے:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں لایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ چنیاں ہو گئیں

ان شمارے سے ثابت ہوتا ہے کہ ”دلی اردو اخبار“ کے بارے میں غالب کا رویہ معاندانہ نہیں تھا اور وہ حتی المقدور اس کی نقلی سرپرستی بھی کرتے رہے۔ اس کے باوجود اگر ”دلی اردو اخبار“ کا رویہ معاندانہ تھا تو اس کی ایک وجہ تو دلی غالب اور لوط کی رقابت تھی اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ غالب ”سید الاطہار“ (دلی) سے زیادہ تعلق رکھتے تھے جو ”دلی اردو اخبار“ کا ہم عصر تھا۔ یہ اخبار سید محمد نے نکالا تھا جو سرسبز احمد خاں کے بھائی تھے اور سرسبز سے غالب کے دوستانہ تعلقات تھے۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

”... کہ اے دوبارہ سید الاخبار داد نداشت داد اند‘ صفت دیگر بر من نہاد اند۔ نہاں لہذا کہ تعلق مطلع‘ سید الاخبار انکھ غلطہ طبع یکے از دوستان روحانی من است۔“

(تکلیف نثر غالب، صفحہ ۷۷)

۱۔ تاریخ صحافت اردو، جلد اول، صفحات ۳۲-۳۱

بحر غالب کے اردو دوان کا پہلا ایڈیشن اسی مطبع سے شائع ہوا تھا اور "سید الاخبار" میں غالب کی نگارشات بھی چھپتی رہتی تھیں۔

۷۔ ۱۳۷۷ھ میں غالب بحر قنار بازی کے جرم میں پکڑے گئے۔ اس سلسلے میں بھٹی کے ۳ "حسن الاخبار" سے یہ دو اقتباس (حوالہ بدر کلیب، صفحات ۶۸-۶۹) پیش کئے جاتے ہیں۔

مرزا اسد اللہ خان بہادر کو دشمنوں کی غلط اطلاعات کے باعث قنار بازی کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ معظم الدولہ بہادر کے ہم سفر شی چٹھی نکلی تھی کہ ان کو رہا کر دیا جائے کہ یہ معزین شہر میں سے ہیں۔ یہ دو کچھ ہوا ہے، مخلص ماسدوں کی فتنہ پردازی کا نتیجہ ہے۔ عدالت، فوجداری سے نواب صاحب کلاں بہادر نے جواب دیا کہ مقدمہ عدالت کے سپرد ہے۔ ایسی حالت میں قانون سفارش قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔"

(۳۶ جون ۱۸۷۳ء)

"مرزا اسد اللہ خان غالب پر عدالت فوجداری میں جو مقدمہ دائر تھا، اس کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ مرزا صاحب کو چھ مہینے کی قید ہمشقت اور دو سو روپے جرمانے کی سزا ہوئی۔ اگر دو سو روپے جرمانہ ادا نہ کریں تو چھ مہینہ قید میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ اور مقررہ جرمانے کے علاوہ اگر پچاس روپے زیادہ لدا رکھتے ہوں تو ہمشقت مخالف ہو سکتی ہے۔ جب اس بات پر خیال کیا جاتا ہے کہ مرزا صاحب عرصے سے طویل رہتے ہیں، سوائے پریشانی قدا کلیہ بچائی کے اور کوئی چیز نہیں کھاتے، تو کہتا پڑتا ہے کہ اس قدر معیبت اور مشقت کا برداشت کرنا مرزا صاحب کی طاقت سے باہر ہے، بلکہ ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اگر سشن بیج بہادر کی عدالت میں اپیل کی جائے اور اس مقدمے پر نظر دینی ہو تو نہ صرف یہ مرزا معذور ہو جائے بلکہ عدالت فوجداری سے مقدمہ اٹھا لیا جائے۔ یہ بات عدل و انصاف کے باطل خلاف ہے کہ ایسے ہاکمل دیکھیں کہ جس کی عزت و شہرت کا وہ بے لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے، ایسے معمولی سے جرم میں اتنی سخت سزا دی جائے جس سے جان جانے کا قوی احتمال ہے۔"

(۱۲ جولائی ۱۸۷۳ء)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس گرفتاری اور سزایابی کے مرحلے پر "دلی اردو اخبار" کا رد عمل کیا تھا؟ بد قسمتی سے "دلی اردو اخبار" کے فائل پاکستان میں موجود نہیں ہیں اور اس اخبار کے سلسلے میں ہمیں ہندوستانی محققین کے دیئے ہوئے اقتباسات پر ٹکھ کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ انہوں نے اس بارے میں کوئی اقتباس نہیں دیا اس لئے یہ قیاس کرنا چاہئے کہ "دلی اردو اخبار" اس گرفتاری پر غاموش رہا۔ نہ حق میں لکھنا نہ مخالفت میں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ان دنوں "سید الاخبار" کی اشاعت سنا نہیں رہی تھی اور وہ آخری دنوں پر تھا۔ نیز مرزا غالب کسی قدر ہاتھ دیکھی سے

”دلی اور اخبار“ کو اپنے کام سے نوازتے تھے۔

قانع بہان کا مسئلہ :-

اب ہم ”قانع بہان“ کے مسئلے کی طرف آتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد جو دور آیا اس میں غالب گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کے پاس قاری لغات کی مشہور کتاب ”بہان قانع“ موجود تھی جس کے مولف محمد حسین حمزوی تھے۔ انہوں نے ”بہان قانع“ کا مری نظر سے مطالعہ کیا اور جو غلطیاں نظر آئیں ان پر اشارات تھم بند کرتے رہے۔ اپنی اشارات سے ایک رسالہ مرتب ہو گیا جس کا نام آپ نے ”قانع بہان“ رکھ دیا۔ ۱۸۶۷ء میں یہ رسالہ چھپ گیا تو ”بہان قانع“ کو پسند کرنے والوں نے مخالفت کا ایک طوفان برپا کر دیا اور بہاول غالب ”مستقران بہان قانع برصیحاں اور تلواریں پکڑ پکڑ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔“ مولانا مرتضیٰ نے

”... قانع کے شائع ہونے ہی بعد خیال مقلدوں کے نظر غالب کے خلاف چلے گئے۔ ان میں سے کوئی یہ سوچنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ غالب نے کیا لکھا ہے یا اصول قاری کے لحاظ سے اس کی حقیقی حیثیت کیا ہے۔ سب محض اس وجہ سے جوش میں آ گئے کہ غالب کو صاحب بہان قانع کے خلاف زبان کٹنا ہونے کی جرات کیوں کر ہوئی؟ اس سلسلے میں غریب غالب نے چھوٹے چبانے پر وہ تمام مستحقیں اور اعتراضات برداشت کیں جو تقلید و جمود کے راستے سے الگ ہو کر پڑنے والوں کو ہر عہد اور ہر دائرے میں پیش پیش آتی رہی ہیں۔“

(غالب، صفحہ ۲۸۶)

”قانع بہان“ کے جواب میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن میں چار کے نام یہ ہیں : ”محرک قانع“ (مولوی سعادت علی)، ”سالم بہان“ (میرزا رحیم بیگ)، ”قانع القانع“ (مولوی امین الدین بیگ)، ”مسئد بہان“ (مولوی آغا احمد علی۔ اور ان کتابوں کے جواب میں یہ کتابچے غالب اور ان کے ہم دودوں نے لکھے : ”والدہ بہان“ (مولوی نجف علی)، ”الطائف النبی“، ”سوالات عبدالکریم“ (غالب)، ”نامہ غالب“ (غالب)، ”حق حیر“ (غالب)۔ اس سلسلے کی حکایت کسی حد تک اخباروں نے بھی کی۔ ”اخبار عالم“ (سمرقند) نے ”سالم بہان“ پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا :

”... سالم بہان۔ اس عرصے میں کئی کتابیں یہ جواب قانع بہان کے جو جواب نجم العود اسد اللہ خان بیدار عرف مرزا نوشہ صاحب نے بہان قانع کے رد میں لکھا ہے، تالیف ہوئیں اور ہوتی ہیں، لیکن ایک رسالہ سالم بہان جو میرزا رحیم بیگ صاحب نے تالیف کیا ہے، چھپ کر ہمارے ہاں آیا۔ پہلے رسالے بھی تین چار غرام متاعرو میں تالیف ہوئے، حرف پہ حرف دیکھے۔ ان میں خطا حرف اور غلط جرائی تھی، تحقیق اور متاعرو سے کہہ مناسب نہیں دیکھتی تھیں۔ الحق اس رسالے یعنی سالم بہان میں مولف نے ماہ (اداس؟) تحقیق اور حق متاعرو لیا کیا ہے۔ یہ کتاب واسطے طالبین کے ایک جدا رسالہ تحقیق لغت، قواعد اور اصول میں سمجھنا چاہیئے۔ اور ہمارے اس قورے لکھنے کی صداقت اس کتاب کے ملاحظہ پر مختصر ہے۔ ہادف ان تمام فریبوں کے، قیمت اس کتاب کی ندرت مناسب مقرر ہوئی ہے۔ یعنی ساڑھے گیارہ روپے کی کتاب ہے اور

قیمت آٹھ آنے جس صاحب کو ضرورت ہو، مطبع دارالعلوم میں قیمت بھیج کر مستم اخبار عالم سے طلب فرمائیں۔" ۲ اگست ۱۸۶۵ء (حوالہ امداد صابری، جلد دوم، صفحہ ۷۰-۷۱)۔

"چراغ دہلی" بھی مرزا غالب کا مخالف تھا۔ اس نے "قاطع الطالع" کا اشتہار ان الفاظ میں چھاپا:

"ایک کتاب مسمیٰ بہ قاطع الطالع من تصنیف مولوی امین الدین بکواب قاطع بہان معتمد مرزا اسد اللہ خان غالب کہ جناب ممدوح نے بہ دو لغات بہان قاطع تحریر فرما کر اس مودۂ دو صد سالہ کو بہ دشنام دی یاد فرمایا تھا۔ مولوی صاحب نے جملہ اقوال جناب مرزا صاحب کو تردید کر کے لود مند اور لفاظی اس کے کلمات اساتذہ قدیم سے بھیج پھینکا کہ بہان کو بخوبی تمام پایہء ثبوت پہنچایا۔ چھاپہ خانہ مصطفائی میں واقعہ کوچہ دہان میں ہے، جیسا کہ ہے اور قیمت اس کتاب کی دو روپے فی جلد ہے۔ جس صاحب کو یہ کتاب خریدنی منظور ہو۔"

۱۔ کوچہ رائے مان۔

چھاپہ خانہ مذکور سے طلب فرمائیں۔" ۶ اکتوبر ۱۸۶۶ء

(حوالہ امداد صابری، جلد دوم، صفحہ ۲۳۶)

غالب کی حمایت میں سر امی بھٹہ "میر الغوانہ" (آئندہ، طبع شاہ آبرار) کے مدیر خواجہ سید فخر الدین خلی نے خاص سرکاری دکانی۔ امداد صابری لکھتے ہیں:

"مرزا غالب سے خواجہ خلی رشتہ داری ظاہر کرتے تھے اور اپنا ٹاٹا کما کرتے تھے۔ مرزا غالب کی جنگ کے زمانے میں بھی یہ پیچھے نہیں رہے۔ جب قاطع بہان کا سحر شروع ہوا اور غالب پر چاروں طرف سے لے دے شروع ہوئی تو یہ موم میدان بنے۔" (جلد دوم، صفحہ ۷۷-۷۸)۔ بہر حال اس سحر کے میں دہلی کے اکمل الاطبار نے غالب کی حمایت میں کوئی کسر نہ بھڑی اور حمایت کیوں نہ کر؟ غالب نے بھی تو اس اخبار کی سرپرستی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ ایک تو اس میں مضمون لکھتے تھے، دوسرے اسے خریدار فراہم کرتے تھے۔ غالب اس کے ادارہ تحریر کے ارکان کو دوا بھی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے دوست سیف الحق سیاح کے نام خط میں لکھتے ہیں:

"اقبال نشان سیف الحق کو دیا پیٹھے۔ پانچ اشتہار اخبار کی خریداری کے اور تین اشتہار کتاب کی خریداری کے آپ کے پاس پہنچے ہیں۔ چھوٹے صاحب کو ملاحظہ کر دینے اور اطراف و جوانب دور و نزدیک بھیجنے۔ جو صاحب کتاب اور اخبار دونوں کے خریدار ہوں، وہ دونوں کی خریداری کی اطلاع میر فخر الدین مستم اکمل الطالع کے نام لکھیں اور وہ خط میرے پاس بھیج دیں۔ جو صاحب فقط اخبار کے خریدار ہوں، وہ اس کی اطلاع کا خط لکھیں۔ غالب۔ ۲۲۔ مارچ ۱۸۶۶ء۔"

(خطوط غالب، جلد دوم، صفحہ ۳۶)

"اکمل الاخبار" کی مسلسل مدد کا ثبوت اس خط سے بھی ملتا ہے۔ یہ بھی مولوی سیف الحق ہی کو لکھا گیا ہے:

”بھائی! تمہارا خط کل پہنچا“ آج جواب لکھتا ہوں۔ پہلے یہ پہنچتا ہوں کہ میری طرف سے جو اعتذار چھپا ہے۔ وہ تمہاری فطرت سے گزرا ہے یا نہیں؟ نہ گذرا ہو تو اکمل الاخبار ماہِ شوال کے چاروں ہفتہ کے دو ورقہ دیکھ لو۔ ایک ہفتہ میں نکل آئے گا واقعی اعتراض کے جواب ایک سولوی نے لکھے ہیں اس ہفتے کے اکمل الاخبار میں دیکھ لو۔ جو تم سے کلام کہے“ اس انداز سے تم بھی کلام کرو۔

نجات کا طالب غالب۔ ۱۸ اپریل ۱۹۰۷ء

(خطوط غالب ’جلد دوم‘ صفحہ ۱۷۳-۱۷۲)

بھاری لال مشقی ”اکمل الاخبار“ کے حوالے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: ”میر خروار بھاری لال! مجھ کو تم سے جو محبت ہے“ اس کے دو سبب ہیں ’ایک تو یہ کہ تمہارے خال فرخِ قاتل قحطی مکند لال میرے بڑے پرانے یار ہیں۔ خوش خُو‘ گفتگو‘ بذکر گو۔ دوسرے تمہاری سعادت مندی اور خوبی اور علم اور بقدر حال علم‘ اردو نظم و نثر میں تمہاری طبع کی روانی اور تمہارے قلم کی کل فطرتی مکر چونکہ تم کو مشاہدۂ اخبار اطراف اور خود اپنے طبع کے اخبار کی عبارت کا قتلِ تحریر عیش رہتا ہے‘ یہ تھکید اور انشا پردازوں کے تمہاری عبارت میں بھی اردو کی قلیطیاں ہوتی ہیں۔ میں تم کو چاہتا آگاہ کرتا رہتا ہوں۔ خدا چاہے تو اماک کی لعلی کا ٹکڑہ پانگلِ زائل ہو جائے۔ مگر بھاری لال! اس نورمال بارغِ دولت یعنی حکیم کلام رضا خاں کے وامِ محبت کو اپنے طالع کی یادری سمجھو۔ یہ دامنِ مند ستودہ طوی امیر نامور ہونے والے اور مراتبِ اعلیٰ کو پہنچنے والا ہے۔ اس کی ترقی کے ضمن میں تمہاری بھی ترقی ہونے والی ہے:

بیا دامن صاحبِ دولتے کبیر

کہ مراد صاحبِ دولت شود کبیر

میاں! آج تو یہ ہے کہ اکمل الطالع‘ اہل الطالع بھی ہے۔ حکیم کلام نبی خاں من جملہ خواہن روزگار ہیں گو غری اور نیکو کردار ہیں۔ میر تقی میرؒ آوازِ منش اور سعادت مند نوجوان ہیں‘ تم گفتار اور مزاج و مرجان ہیں۔ تم چاروں شخص جیکر صدق و صفا اور عہد و ولا کے چار عنصر ہو۔ جہاں آفرین تم چاروں سامیوں کو خوشنود و دل شاد اور اکمل الطالع کو ہادوق اور تیار رکھے۔ غالب‘ ۷ جون ۱۸۸۸ء

(خطوط غالب ’جلد دوم‘ صفحہ ۷۳)

یار لوگ صرف مخالفت ہی نہیں کرتے تھے‘ غالب کو دشنام بھرے کم نام خطوط بھی لکھا کرتے تھے اور ظاہر ہے ان سے وہ کبیدہ خاطر ہوتے تھے اس وقت عمر ستر برس سے تجاوز تھی۔ مستقل طور پر تیار رہتے تھے اس کے باوجود جواب دینے میں ہلچل تھی۔ چنانچہ موت سے سارے چار مہینے پہلے وہ گرام خطوط کے جواب میں ”اکمل الاخبار“ میں یہ سطور شائع کرائیں:

”اسد اللہ ہے گلا“ جس کا قصص غالب اور خود اہل ہند کا مطلوب ہے‘ مہتممان اخبار بلاد ہند سے عموماً“ عرض کرتا ہے کہ یہ فقیر کا استغاثہ از روئے اکمل الاخبار اپنے صحائف میں درج فرما کر مضمون

فرمائیں۔

استغناء غالب :

کئی ہفتہ پہلے ایک خط گھنٹو سے پہنچا۔ ڈاک انگریزی بہ میذہب ہیرنگ میرے نام آیا۔ راقم عبد اللہ رحیم و معالی دار کمال تک بہر حال حصول دے کر میں نے خط لیا اور پڑھا تو اس میں لکھا تھا "تو نماز کہیں نہیں پڑھا کرتا؟ خیر نماز پڑھا کر اور نماز نہ پڑھے گا تو بعد مرنے کے بھوت بن جائے گا۔" کل پنج شنبہ کے دن ایک اور خط ہیرنگ آیا۔ سرنامہ پر یہ عبارت مرقوم: "اثناء اللہ لفظ پڑا در شر دلی رسید بہ لحاظہ اقدس جناب مستطاب نواب اسد اللہ غالب مرسلہ پار مرسلہ مظہری از مادرہو 'خلع ایشہ' ہیرنگ 'آرغ ۲' رجب ۱۲۸۵ ہجری روانہ شد۔" مضمون جینہ یکی کہ نماز پڑھا کر دوشہ بعد مرنے کے بھوت ہو جائے گا والسلام علیک۔ نام عداد فقط مرسلہ مظہری از مادرہو خلیع ایشہ ہر کار خود قیام ہوا۔ اب فقیر کتب الیہ کہتا ہے کہ پہلے خط میں میں نے عبد اللہ کو اسم فرضی سمجھ لیا تھا مگر اب دوسرے خط میں اس توضیح سے کاتب کا اسم و مقام کھلا ہوا ہے تو کیونکر شک و شبہ باقی رہے۔ پس اب میں قرد و پیش برہنہ و دلیل پر عمل کر کے پپ ہو رہتا ہوں مگر یہ حافظہ کا شعر جواب میں لکھتا ہوں

من اگر حکیم (د) گر بہ تو بد خود را ہاش

ہر کسے آن درود عاقبت کار (ک) گفت

یہ دوسرے شخص صاحب بے نام و مقام ہیں اس اخبار میں دیکھ کر سمجھ لیں گے۔ شاید وہ صاحب بھی کسی اخبار میں مشابہہ فرمائیں۔"

(اکتوبر ۱۸۶۸ء، بحوالہ امداد صابری، جلد دوم، صفحہ ۳۳-۳۴)

شعبہ مبارک جناب معنی القاب ثم الدولہ دیر الملک اسد اللہ خان باہر نظام جنگ غالب مدظلہ العالی باخترین والا حسین اور نیز شاگردان ارادت آنہیں حضرت ممدوح الصدق کو مرثیہ ہو کہ دریں دن حضرت ممدوح کی تصویریں فوٹو گراف کی ترتیب سے ایک شخص نے تیار کرائی ہیں۔ پس جس صاحب کو شعبہ مبارک لکھی منظور ہو، وہ دو روپے کے ٹکٹ بخت عنایت نامہ پینے لالہ ہماری لال کے نام اکمل الطالع دلی میں بھیج دیں۔ میذہب ہیرنگ ان کی خدمت میں مرسل ہو گی۔"

(۲۸ مئی ۱۸۶۸ء بحوالہ بدر شکیب، صفحہ ۲۸)

غالب کا ذکر اگرہ کے انگریزی اخبار "دی مفصلانٹ" میں بھی آیا۔ غالب نے "طالع القاطع" کے مولف امین الدین بیہاوی کے خلاف ازالہء حیثیت عینی کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا غلام رسول مرتضیٰ نے: "اس زمانے میں دلی سے ایک انگریزی اخبار مفصلانٹ کے نام سے نکلتا تھا جس میں غالب کے اس مقدس کے متعلق ایک خط ۴ مارچ ۱۸۶۸ء کو چمپا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی ضیاء الدین مدظلہ کی طرف سے شہادت کے لئے پیش ہوئے تو کسی نے جھوٹ کے کان میں کہہ دیا کہ یہ بڑے معزز اور عالم

ہیں اسوقت اپنے وقت انہیں کرسی دی جائے۔ مجھلٹ نے قاعدے اور دستور کے خلاف مولوی صاحب کے لئے کرسی کا انتظام کر دیا۔

”مکتوب نگار لکھتا ہے میں سخت حیران ہوں کہ اسٹنٹ کشتہ نے مولوی ضیاء الدین کو کس بنا پر کرسی دی؟ اس رعایت سے غالب کے ساتھ سخت بے انصافی ہوئی ہے۔ وہ سوسائٹی میں نہایت معزز ہیں۔ یقیناً گورنر کے دربار میں انہیں مولوی ضیاء الدین سے اونچے درجے پر اٹھایا گیا تھا۔“

(غالب، صفحہ ۳۳۸)

”قاطع یہاں“ کی بحث ختم ہوئی۔ اب غالب کے بارے میں چند حقائق، لیکن مثبت خیروں کے اقتباس پیش کرتا ہوں:

”میں دونوں شاہ دین پناہ نے جناب معنی القاب مرزا اسد اللہ خان غالب کو بہ قریب مہمانت اپنے حضور طلب کر کے ایک کتاب قورائغ کے گھنٹے پر، جو تیموریہ کے زمانے سے سلطنتِ حال تک ہو، سامور کیا اور اس کے کاتبوں کے خرج کو پانچسویں صدیہ مشاہیر مقرر کر کے آئندہ القورائغ پرورش کا متوقع کیا۔ اور تم الدولہ دہر الملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ خطاب دے کر چھ پارچہ کا پیش بجا خلعت اور تین رقم ہزار ہر عطا فرمائے۔ تین ہے کہ قورائغ مذکور ایسی دلچسپ اور حسین عبارت

۱۔ یہ اخبار دہلی سے ضمیمہ، آگرہ سے نکلا تھا۔

میں لکھی جائے گی کہ ہر ایک اس کے لطف عبارت سے فیض یاب ہو گا۔“

(اسد الاخبار، ۱۵ جولائی، ۱۸۵۰ء، بحوالہ بدر تکیب صفحہ ۶۹-۷۸)

”دہلی۔ مرزا نوشہ صاحب نے درخواست پرورش بنا بر سبیل ولایت بخیر صاحب کشتہ پیش کی تھی۔ بدی حکم دہلیس کہ پیش گاہ ملکہ معظمہ سلطنت ہائے سے کچھ پرورش نہ ہو گی۔“

(خطہ طور، کاشتہ، ۱۰ اکتوبر، ۱۸۶۵ء، بحوالہ امداد صابری، جلد دوم، صفحہ ۱۳۶)

”طوطی، ہند نواب مرزا اسد اللہ خان عرف مرزا نوشہ خان غالب مع الخیر رام پور سے داخل دہلی ہوئے۔“ (خیر خواہ، پنجاب، لاہور، ۱۸ جنوری، ۱۸۶۶ء، بحوالہ امداد صابری، جلد دوم، صفحہ ۱۳۷)

مرزا غالب دلی، فوقی، بعض اخبارات پر تبصرو فرماتے رہے اور بعض کے خیر ارٹیکل کی کوشش کرتے رہے۔ ان میں ”سید الاخبار“ اور ”کمال الاخبار“ کا تذکرہ پہلے آچکا ہے، باقی اخبارات کے بارے میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔ لکھتے کے اخبار ”جام جہاں نما“ (فارسی) کی روداد بانی کے بارے میں مولانا سراج الدین احمد کو لکھتے ہیں:

”مردم اسی دیار ہنک از نامتندی اخبار جام جہاں نما طولی احمد، ذوقی دوست با اخبار نواہند۔ انصاف بالائے طاقت کم اتفاق ی اللہ کہ صاحب جام جہاں نم دریں ہفتہ کرسے نگار کہ در ہفتہ دیگر خود کذب کل نہ کرد۔ دریک ہفتہ جنگ اہالی سرکار با دلی لاہور پیش از رسیدن موسم زمستان مصطفیٰ تحریر ی کند و بعد از

دو ہفتہ کی قید کے اس خبرورغ ہوئے است و دریک ہفتہ خبری آمد کہ مسجد قلعہ اکبر آباد دودھہ تاج محل بدیں ہما فروخت شدہ بازہ از دو ہفتہ رقم می کند کہ فرہان دہان کو نسل اسین پنج و شری دواہ افستند۔
(کلیات خیر غالب صفحہ ۷۳)

رام پور کے اخبار ”ہدیہ سکھری“ کے خلاف تو غالب اسنے جلال میں آئے کہ اس کا پڑھنا ترک کر دیا۔ ملاحظہ فرمائیے اس کے مدے کے نام مکتوب:

”مفتی اور مہر محمد حسین خاں صاحب کو غالب آدھہ دل کا سلام پہنچے۔ آج بھی آپ کا ایک خط آیا کئی اخبار آپ کے پھرے، کئی خط آپ کے پھیرے اور آپ اخبار بھیجے جاتے ہیں۔ اٹنی! آپ کا خط خط تھا یا کوئی بھرت کی پٹ“ دشتر ہندوؤں کی سی ہو اور جو کچھ سمجھ میں آیا وہ خط اور دودھہ اور بھوت۔ یہ خط محض ہے کہ مطبع حضور کا ہے اور تم مستم ہو حضور کی طرف سے اللہ اللہ ذکیع سنگھ کی تعریف میں کہیں سارا ایک صفحہ کہیں سارا ایک ورق سیاہ کرتے ہو اور اپنے والی ملک اور اپنے پادشاہ یعنی امیر المسلمین ثواب ملک علی خان بہادر کے نام کے آگے یا نام سے پہلے کوئی دو تین لفظ تعظیم کے لکھتے ہو اور ہیں۔ اور اس قیامت کو نہیں سمجھتے کہ اگر یہ اخبار حضور کی طرف سے ہے تو کویا ذکیع سنگھ کی تعریف بھی حضور کی طرف سے ہو گی۔ ہندوستانی محل واری میں وہ ایک زمیندار اور مال گزار تھا اب گورنمنٹ ہند نے اس کو ہاجیوار مستقل کر دیا ہے۔ اور ثواب محمد علی خان نے نہیں تو کب کا ہر اخبار میں ایک مرضیہ لکھتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تم طعن طعن سے اطراف و احوال کے رئیسوں سے ہیکہ مانگتے ہو۔ بھائی! ایک در گہرو محکم گیر اگر حضور کے ذکر بھی نہیں ہو تم تو آخر رحمت تو ہو۔ یہ کیا ہے کہ اپنے پادشاہ کا ذکر سب سے پہلے لکھتے ہو۔ کبھی صفحہ پر، کبھی حاشیہ پر؟ ہم نے ان باتوں سے ہزار ہو کر تصدرا اخبار موقف کیا ہے اور اب پھر قہیں لکھتے ہیں کہ دہلی خدا کی یا میں کم جنوری ۱۸۸۸ء سے ہدیہ سکھری کا خریدار نہیں ہوں۔ نہ بھیکو کو واسطے خدا کے نہ بھیکو کو۔ اس سے زیادہ کیا کہوں۔ غالب ۲۵ فروری ۱۸۸۸ء۔

(کلیات خیر غالب صفحہ ۷۴)

اور اب دیکھئے مرزا غالب نکلنے کے فارسی اخبار ”آئینہ سکھری“ پر اس کے مدے مولوی سراج الدین احمد کھنوی کو کس قضاخہ سے داد دیتے ہیں۔

”صاحب من! دیدہ بہ مشاہدہ آئینہ سکھری فرد قالی گرویدہ“ و عقلی عبار قس سرگردشت نظامہ کشیدہ۔ بیان ہائے فرش و خیر ہائے مختصر و کثت ہائے دل پسند و رقم ہائے نظر فریب و ادب۔ امروزیک شنبہ چہارم شہر است۔ نامہ نامی بہ لوراق اخبار بہ من رسیدہ است۔ مبارک اللوہ حسام الدین حیدر خاں بہادر و فقر اللوہ ثواب امین الدین خان بہادر دیدند و فریدادی! اس رات نہ پندیدہ ذہن میں ہر کہ از احوال دیار ہرچہ ہر من خوابہ فرمودہ شہر عرض خواہم کرد۔“

(کلیات خیر غالب صفحہ ۷۵)

"اشرف الاخبار" (دہلی کے بارے میں ۳ فروری ۱۸۶۷ء کو مولوی سیف الحق کے نام لکھے ہیں:

"ایک نئی بات سنو، محمد مرزا خاں میرے سبھی بھائی کا نواسہ ہے۔ اس نے ایک اخبار نکالا ہے، میں یہ اشرف الاخبار اور اس کا ایک لٹاف بھیجتا ہوں۔ اس کو پڑھ کر معلوم کر لو گے کہ ہمارا اعتراض حق کے کلام پر چھلپا گیا ہے۔ اس ارسال و اعلام سے صرف اطلاع منظور ہے۔ ہاں ایک بات یہ بھی ہے کہ جھوٹے صاحب کی بھی فکر سے گزر جائے اور اس سرکار میں یہ اخبار خرید کیا جائے اور تم ان کی طرف سے حکم خریداری ابتدائے جنوری ۱۸۶۷ء سے تمام محمد مرزا خاں نکھو۔ اور وہ خط اس پتہ سے دلی کو روانہ کر دو جو ان کے اخبار کے آخر میں لکھا ہے۔"

(غالب، جلد دوم، صفحہ ۷۰)

ایک سفر شفی خط نواب غلام بابا خاں کے نام ملاحظہ فرمائیے:

"خواجہ بدر الدین خاں میرے پیچھے نے بوستان خیال کو اردو میں لکھا ہے اس کا ایک اشتہار اور یہاں ایک نیا اخبار جاری ہونے والا ہے، اس کے وہ اشتہار اس خط کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ آپ یا آپ کے احباب میں سے کوئی صاحب کتاب کے یا اخبار کے خریدار ہوں تو اشتہار کے مضمون کے مطابق عمل میں لائیں۔

۲۳ مارچ ۱۸۶۷ء

(خطوط غالب، جلد دوم، صفحہ ۳۸-۳۷)

موصوف اپنے احباب کے کلام اخباروں میں پھونانے میں مدد کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ہر کہاں تکتے اور امیر بٹائی کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ہر کہاں تکتے کے نام لکھتے ہیں:

"اب آپ اس ملت بیت کے قلعے کو اپنے دیوان میں داخل اور شامل کر لیجئے، یعنی قلعوں میں کھ دیجئے جب ہمارا دیوان چھپا جائے گا، یہ قلعہ بھی چھپ جائے گا اور ہاں شفی صاحب کے سامنے اس کو پڑھئے اور ان سے استدعا کیجئے کہ اس کو آکرے پیچھے تاکہ اس کو چھپا جائے اس اشرف الاخبار اور زبدۃ القبار میں تعین ہے کہ وہ ہمارے کہنے سے عمل میں لائیں گے۔ مجھ کو کیا ضرورت ہے کہ میں یہاں سے نکھوں؟ میں نے یہاں سابق الاخبار میں پھونایا ہے۔ اگست ۱۸۵۰ء

(خطوط غالب، جلد اول، صفحہ ۹۲)

آگرہ کے گلدرت "حمیدار اشعرا" کو امیر بٹائی مرحوم نے اپنا کلام اشاعت کے لئے بھیجا تھا۔ چونکہ وہ معروف شاعر تھے اس لئے "حمیدار اشعرا" نے اس بناء پر چھاپنے سے انکار کر دیا کہ انہوں نے اپنا پورا نام اور پتا درج نہیں کیا تھا۔ اس پر غالب نے مفتی شیخ نارائن آرام کے نام یہ مکتوب لکھا:

"یہ میرے دوست ہیں۔ امیر احمد ان کا نام ہے اور امیر تھیں کرتے ہیں۔ کھنڈ کے ذی عزت باشندوں میں سے ہیں اور وہاں کے ہڈ شاہوں کے روشناس اور مصاحب رہے ہیں اور اب وہ رام پور میں نواب صاحب کے پاس ہیں۔ میں ان کی فرمائیں ہمارے پاس بھیجتا ہوں، میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ دو۔ یعنی

فریبن غالب نے تھارے پاس بھیجیں اور اس کے لکھنے سے ان کا (امیر مرحوم کا) نام لود ان کا حال معلوم ہوا۔ اس کو معیار اشعار میں چھاپ کر ایک دو ورق یا چار ورقہ رام پور ان کے پاس بھیج دو اور سرنامہ پہ لکھو کہ ”دو رام پور پر دو دولت حضور رسیدہ بخد مت مولوی امیر احمد برسد“ اور مجھ کو اس کی اطلاع دو کہ رام پور کو تھارا اخبار جاتا ہے یا نہیں؟“

(مخطوط غالب، جلد اول، صفحہ ۲۵۱)

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد فشی شیو نارائن آرام نے آگرہ سے ایک اخبار نکالا اور غالب سے استدعا کی کہ کچھ خیر اور فراہم کریں۔ جواب میں لکھا:

”یہاں توئی کہاں ہیں کہ اخبار کے خریدار ہوں۔ مہاجن لوگ جو یہاں لہتے ہیں وہ یہ دھوکے کھاتے ہیں کہ گیوں کہاں سے ہیں۔ بہت سخی ہوں گے تو جنس پوری دیں گے۔ کافہ (یعنی اخبار) روپے بیٹے کا کیوں مول لیں گے۔“

(بحوالہ مر، صفحہ ۵۹)۔

اسی قسم کے ایک اور خط کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

”مسلمان امیروں میں تمہیں توئی: حسن علی خان، نواب حامد علی خان، حکیم احسن اللہ خان، سوان کا یہ حال کہ روٹی ہے تو کچڑا نہیں۔ معیذا یہاں کی اکامت میں تنہا۔ خدا جانے کہاں جائیں، کہاں رہیں۔ حکیم احسن اللہ خان نے آفتاب طم تاب کی خریداری کر لی ہے۔ اب وہ کمرہ حالات و دربار شاہی کیوں لیں گے؟ سوائے ساہوکاروں کے یہاں کوئی امیر نہیں۔ وہ لوگ اس طرف کیوں توجہ کریں گے؟ تم اوپر کا خیال دل سے دھو ڈالو۔ ۳ جون ۱۸۵۸ء

(مخطوط غالب، جلد اول، صفحہ ۲۵۱)

حکیم احسن اللہ خان نے ”آفتاب عالم تاب“ کی خریداری غالب ہی کی وساطت سے قبول کی تھی اور اس کی ایک وجہ یہی تھی کہ اس میں حالات و دربار شاہی کا قصہ چھپا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ہر گز ہالفت کے نام غالب کا یہ خط خالی از دلچسپی نہیں ہو گا:

”میرزا قند سزا! ان دنوں میرے حسن حکیم احسن اللہ خان آفتاب عالم تاب کے خریدار ہوئے ہیں۔ میں نے بموجب ان کے کہنے کے برادر دینی مولانا صبر (حاتم علی بیگ مر) کو لکھا ہے۔ حضرت نے لا و تم جواب میں نہیں لکھا۔ تم ان سے کہو کہ وہ ستمبر ۱۸۵۸ء سے خریدار ہیں۔ آج ۱۶ ستمبر کی ہے۔ دو نمبر اخبار کے“ حکیم صاحب کے نام کا سرنامہ ”خان چند کے کوٹے کا پتا لکھ کر روانہ کریں۔ آئندہ ہفتہ بہ ہفتہ بھیجے جائیں اور حکیم احسن اللہ خان کا نام خریداروں میں لکھ لیں۔ دوسرے اخبار نہ کورہ میں ایک صلو و چند صلو بادشاہ دلی کے اخبار کا ہوتا ہے جس دن سے کہ وہ اخبار شروع ہوا ہے اس دن سے صرف اخبار شاہی کا صلو نقل کرا کے ارسال کریں کاتب کی اجرت اور کافہ کی قیمت یہاں سے بھیج دی جائے گی بھائی تم مرزا صاحب

سے اس کو کہہ کر جواب نو اور مجھ کو اطلاع دو۔ ۲۴ ستمبر ۱۸۵۸ء

(خطوط غالب 'جلد اول' صفحہ ۳۳-۳۴)

مرزا غالب سہ ماہ مفت شخصیت معلوم ہوتے ہیں کیوں کہ :

قاصد کے آتے آتے خط آگ اور لکھ رکھوں

میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

کے صدقات انہوں نے جواب کا انتظار کئے بغیر دوسرے ہی دن نقتہ کے نام ایک اور خط لکھ دیا جس میں اس کام کے سلسلے میں تاہید مزید کر دی اور اس کے تین دن بعد مرزا حاتم علی بیگ کے نام ایک مکتوب میں لکھا:

"مطبع اخبار آفتاب عالم تاب میں یکم ستمبر ۱۸۵۸ء سے حکیم احسن اللہ خان کا نام لکھوا دینا اور دو نمبروں کا

اخبار ایک بار بھجوا دینا اور آئندہ ہر ہفتے اس کے ارسال کا طور ٹھہرا دینا۔ کیوں صاحب! یہ امر ایسا کیا

دشوار تھا کہ آپ نے نہ کیا؟ اور اگر دشوار تھا تو اس کی اطلاع دینی کیا دشوار تھی؟ ابھی شکایت نہیں کرتا"

پوچھتا ہوں کہ آیا یہ امور شخصی شکایت ہیں یا نہیں؟۔ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۸ء

(خطوط غالب 'جلد اول' صفحہ ۳۴)

مرزا غالب ہر عظیم کے قریب قریب تمام اہم اخبارات کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور ان کے خطوط میں اس طرف بے شمار اشارے ملتے ہیں۔ ہر حال وہ کسی اخبار کا قائل نہیں دیکھتے تھے۔ ان پر ایک ایسی اتلا آئی کہ "دلی اردو

اخبار" کا ۱۷۹۳ء کا قائل درکار ہوا۔ اتلا کی توصیف نواب حسین میرزا کے نام اس مکتوب سے واضح ہوتی ہے۔

"یہ ہولیا" اب میرا دک سنو۔ بھاکا نہیں 'بکڑا نہیں گیا' دفتر قلعہ سے میرا کوئی کاتب نہیں لگا۔ کسی طرح کی

بے خیالی و تنگ حرافی کا دھما مجھ کو نہیں لگا۔ یہاں ایک اخبار جو گوری فکر یا گوری دیال یا کوئی اور قدر

کے دنوں میں بھیجتا تھا اس میں ایک خبر اخبار نویس نے یہ بھی لکھی کہ فکائی تاریخ احمد اللہ خاں غالب نے

یہ سکھ کہہ کر گزرا تھا:

ہر دو سو سکھ کشور ستانی

سراج الدین بہادر شاہ جانی

مجھ سے عہد المملکت صاحب کشمیر نے پوچھا کہ یہ کیا لکھتا ہے؟ میں نے کہا کہ غلط لکھتا ہے۔ پادشاہ شاعر

پادشاہ کے بیٹے شاعر پادشاہ کے نوکر شاعر خدا جانے کس نے کہا۔ اخبار نویس نے میرا نام لکھ دیا۔ اگر میں

نے کہہ کر گزرا تا تو دفتر سے وہ کاتب میرے ہاتھ کا لکھا ہوا گزر گیا اور آپ کو چاہئے کہ حکیم احسن اللہ خاں

سے پوچھیں اس وقت تو چپکا ہو رہا" اب جو اس کی بدلی ہوئی تو جانے سے وہ پتے پہلے ایک قاری دہلکاری

لکھی کہ یہ جو احمد اللہ خاں قاری کے علم میں نہ تھا مشہور ہے اس سے کام نہیں لگنا۔ ہمارے نزدیک جشن

کے پانے کا مستحق نہیں۔"۔ ۱۸ جون ۱۸۵۸ء۔

(خطوط غالب 'جلد دوم' صفحات ۳۵۹-۳۶۰)

بریکمیل تک ہجر کا نام گوری فخر تھا۔ وہ صحافی اصطلاح میں اخبار نویس نہیں تھا۔ دہلی میں انگریزوں کا ہجر تھا اور پل پل کی خبریں مکاتب کی صورت میں اپنے انگریز آؤں کو خطی طور پر بھیجا کرتا تھا۔ غالب نے بعد میں سوچا کہ ۱۸۵۳ء میں فون نے ہارورڈ شہ کی تخت نشینی پر نئے لکھے تھے جو "دہلی اردو اخبار" میں شائع ہو گئے تھے۔ چنانچہ اپنی برات کے لئے اس اخبار کے ۱۸۵۳ء کے فائل کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ چودھری عبدالغفور خاں سواد مارہروی کو لکھتے ہیں:

"مولوی باقر دہلوی کے مطبع سے ایک اخبار سینے میں چار بار لکھا تھا مگر یہ دہلی اردو اخبار بعض اشخاص سینہ نامہ کے اخبار جمع کر رکھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ آپ کے یا آپ کے کسی دوست کے پاس جمع ہوتے چلے آئے ہیں تو اکتوبر ۱۸۵۳ء سے دو چار سینے کے آگے پیچھے کے اوراق جن میں ہارورڈ شہ کی تخت نشینی کا ذکر ہو اور وہاں فون کے دو نئے لکے نام کے کہہ کر بذر کہنے کا ذکر مندرج ہو" بے تکلف وہ اخبار چھاپے کا بیسہ میرے پاس بھیج دیجئے۔"

(مرد ہندی، صفحہ ۲۳)

وہاں سے نہ ملا تو نام جہاں لکھا (تکلف) والوں کو کھلا دیا جی ہوتی تو سواد مارہروی کے نام دوبارہ لکھتے ہیں:

"مکہ کا دار تو مجھ پر ایسا چاہیے کوئی جہاں یا گراپ۔ کسی سے کہوں کسی کو گواہیوں یہ دونوں نئے ایک وقت میں لکھے گئے ہیں۔ فون نے یہ دو نئے کہہ کر گزارنے 'ہارورڈ' لے پند کئے۔ مولوی محمد باقر جو فون کے معتقدین میں سے تھے انہوں نے دہلی اردو اخبار میں یہ دونوں نئے چھاپے اس سے علاوہ وہ لوگ موجود ہیں جو اس زمانے میں مرشد آباد اور کلکتہ میں یہ نئے نئے تھے اور ان کو یاد ہیں۔ اب یہ دونوں سرکار کے نزدیک میرے کئے اور گزارنے ہوئے ثابت ہوئے۔ میں نے ہر چند کلمہ دو چار میں دہلی اردو اخبار کا پرچہ ڈھونڈا کہیں ہاتھ نہ آیا۔ یہ دہلی مجھ پر رہا۔ فٹن سے بھی گیا اور وہ ریاست کا نام و نشان خلعت و دوبار بھی ملا۔ خبر ہو کہ ہو" چونکہ موافق رضائے الہی ہے اس کا گلہ کیا ہے:

چوں جنش پسر بہ فرمان داور است

پیدا نہ بود کی چہ بیا ز آسمان رسد

یہ قرین حکایت ہے نہ بیہل شکایت۔"

یوسف میرزا کے نام مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید غالب نے نئے لکھے ہی ہوں اور محض جان بچانے کی خاطر تردید کر رہے ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"میں نے مکہ نہیں کیا۔ اگر کہا تو اپنی جان اور حرمت بچانے کو کیا۔ اور اگر گمراہی ہے تو کیا ایسا علمین ہے کہ ملک معطلہ کا اشتہار (مظہر عام) بھی اسے مٹانے کے؟ جہاں لکھا کہ انداز کا بارود بنانا اور توہین لگانا اور بک گھر اور بیگزین کا لونا صاف ہو جائے اور شاعر کے دو مصرعے معاف نہ ہوں۔ ہاں صاحب! کہ انداز کا بہنوئی مدعا ہے اور شاعر کا سالا بھی جانب دار نہیں۔"

(بقوالہ مرزا مظہر ۲۶۸)

مولانا مرتضیٰ ہیں کہ غالب آخری عمر میں بہت مسکون ہو گئے تھے اور اخباروں میں اعلان چھپا دیا تھا کہ کوئی صاحب اپنا کلام اصلاح کے لئے نہ بھیجیں۔ لیکن ارباب عقیدت اس زمانے میں بھی تھوڑا "اصلاح" کے لئے اصرار کرتے تھے۔ سیاح کو ۲۵ اگست ۱۸۶۷ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"بھائی! اب میں تو کوئی دن کا مسلمان ہوں اور اخبار والے میرا حال کیا جانیں؟ پس اکمل الاخبار اور اشرف الاخبار والے کہ یہاں کے رہنے والے ہیں اور مجھ سے ملنے ہیں، سو ان کے اخبار میں میں نے اپنا حال منظر چھپوا دیا ہے۔ اور اس میں میں نے عذر چاہا غلوں کے جواب کا تقاضا اور اشعار کی اصلاح ہے۔ اس پر کسی نے عمل نہ کیا۔ اب تک ہر طرف سے غلوں کے جواب کا تقاضا اور اشعار واسطے اصلاح کے پٹے آتے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔"

(مخطوط غالب، جلد دوم، صفحہ ۵۷۸)

جج پوچھتے تو اس میں لوگوں کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔ اخباروں کی اشاعتیں سو پچاس سے زیادہ نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ چند ایک روپے سے کم نہیں تھا اور یہ رقم اس زمانے میں صرف دو سائی لوا کر سکتے تھے۔ اس لئے جو لوگ جواب کا تقاضا کرتے تھے یا اصلاح کے لئے اشعار بھیجتے تھے، ان کی اخبارات تک دسترس ہی نہیں تھی۔

اب آخر میں ہم اکمل الاخبار سے غالب کی وفات کی روداد پیش کرتے ہیں:

"فغان اس زمانہ خوار سے، تو روزگار ناخوار ہے۔ ہر روز نادرنگ دکھاتا ہے، ہر دم دامن فتنہ و الم میں پھنسا ہوا ہے۔ اس صیحت الفت کی سورج پلانچ ہے، اس وادی ہولناک کی ہوا فتنہ انگیز ہے۔ اس کا آب مراب اس کی راحت جزو جراحت، اس کی راحت سرمایہ صداقت، اس کی شکر زہر سموم، اس کی امید آرزوئے فرسودہ ہر روز عمل حیات کو مرمی مہملت سے گراتا ہے، ہر دم مغلل سود سے صدائے ماتم اٹھاتا ہے۔ پھول لور کھلا، لور کر چا۔ لال لباس رنگین میں بھی داغ دل پر دکھتا ہے، غنچہ خون جگر سے پرورش پاتا ہے۔ بلبل فوت کر چکی ہے اور مرغ سرخزاں اسیر محن۔"

رد ایچ زمانہ بہار و فغان ہم آخرش است

زمانہ چام بدست و چٹانہ بد دوش است

کیا عجب اگر آسمان روپے آزاد ہے۔ کھلا اس سے کیا توقع آسوی جس کا خود گردش پر مار ہے۔ دیکھو بیٹھے بھائے کیا الفت اٹھتی ہے، کس ختب روزگاری کی جدائی دکھاتی ہے۔ نکل بڑھو معالی کو باد فغان سے مگر آیا۔ مر سبز خن والی کو خاک میں ملا۔ جو خسرو کے بعد ملک خن کا خسرو مالک رجب تھا، اس کا بدو عمر طے ہوا۔ جو میدان مسعودی کا خسرو مالک رجب تھا، اس کا رخش زندگی ہے ہوا۔ کن حضرت کی کن کن خدیوں کا ذکر کیا جائے دنیا کو زسے میں کیوں کر سانسے۔ حسن خلق میں اخلاق کی کتاب، صمیم التفاتی میں لاجواب، غلبی قری میں بے نظیر صفائی ضمیر، جادو فقرے، فارسی زبان میں لائٹنی، اردو سے معنی کے پانی، انیسویں

جس کا شہساز خیال حاضرِ صدمہ شمار ہو، وہ پتہ مرگ اصل میں گرفتار ہو۔ اس لم سے سب کی حالت تباہ ہے روز بھی اس مصیبت میں سیاہ ہے اب توحیحِ اعدال و تکمیلِ مقل ہے۔ واضح ہو کہ جناب مرحوم دو تین مہینے سے صاحبِ قراش رہے، "حفظ و نگہداشت کے سوسے سے۔ آخر دن انتظار سے پہلے کہا، پتا ترک فرمایا۔ اس دنائے فانی سے بالکل الی اٹھایا۔ آ آگے ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء مطابق ۲ اکتوبر ۱۲۸۵ء ہجری روز دو شنبہ کو دو پہر ڈھلے اس خود شیدا روحِ فضل و کمال کو زوال ہوا۔"

اکمل الاخبار، ۱۷ فروری، ۱۸۶۹ء بحوالہ اعدالِ صابری جلد دوم، صفحہ ۲۳۵

اس دوا میں جو قافیہ پائی کی گئی ہے، وہ کھنڈ والوں کا خاصا تھی۔ دلی والے اس طرزِ ادا کو عرصے سے ترک کر چکے تھے چنانچہ دلی اور کھنڈ کے اخباروں کی تحریر میں بھی بڑا فرق تھا کہ کھنڈ والے مصلیٰ و مسیح عبادت گاہتے، دلی والے سیدھی ساری زبان میں ہر بات کہہ دیتے۔ ہر حال غالب کی وفات چونکہ ایک بہت بڑا البیہ تھا اس لئے خصوصی احترام کے لئے قافیہ پائی کر دی گئی۔

غالب کی وفات کے بعد چھ ماہ تک "اکمل الاخبار" میں بالخصوص اور دوسرے اخباروں میں بالعموم تاریخی قطعات چھپتے رہے اور بحرِ خاموشی طاری ہو گئی۔

اس ساری بحث سے ہم یہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں:

۱۔ غالب تقریباً تمام اخبارات کا مطالعہ کرتے تھے۔

۲۔ انہوں نے اخبارات پر ایسے تبصرے بھی کئے جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ صحافت میں کئی قدموں کے قائل تھے۔

۳۔ انہوں نے اپنے دوست اخباروں کو آگے بڑھانے اور ان کے فائدہ اٹھانے کی خصوصی کوشش کی جس کا یہ نتیجہ تو نکلا کہ یہ اخبار غالب کے حق میں سینہ سپر رہے۔ لیکن ایک قصص بھی ہوا کہ ان کے حریف اخبارات غالب کی مخالفت پر اتر آئے۔ "سید الاخبار" کی حمایت نے "دلی اردو اخبار" کو دشمن بنا دیا اور "آئینہ سکندر" کی تعریف نے "مہرِ منیر" کو مخالف بنا دیا۔

۴۔ اگر اخبارات نے مجموعی طور پر غالب کی اپنی پذیرائی نہ کی جس کے وہ مستحق تھے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم عصر کی تعریف میں ہمیشہ نگل سے کام لیا جاتا ہے۔

۵۔ اس بحث سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ کسی شخصیت کے خلاف اخبار خواہ کتنا ہی مذموم پروپیگنڈا کیوں نہ کریں اس کا اثر عارضی ہوتا ہے۔ آخر کار اس شخصیت کی اصل خصوصیات منظرِ عام پر آجاتی ہیں اور زمانہ اسے غویوں کی بنا پر اس کی شان کے شایانِ حیثیت دیتا ہے۔

کتابیات

۱۔ کہانتِ تاریخی، امداد علی خانب، آج، ر ۱۳۵۷ء۔

۲۔ "مادہ بادی" موجد، ۱۲۷ قی فانی، مطبوعہ "ادب" کراچی، مطبوعہ۔

۱۔ کتابت غالب۔ مروجہ اشعار علی شاہ غفرانی، ۱۹۳۵ء۔

۲۔ قطعات غالب۔ مروجہ نظام رسائل، ص ۲۰۰، جلد چہارم، لاہور، ۱۹۳۵ء۔

۳۔ غالب۔ نظام رسائل، ص ۲۰۰، لاہور، ۱۹۳۳ء۔

۴۔ مضافات۔ (اشعار و ادب) علی عبدالکام طور شہزاد، لاہور، ۱۹۳۳ء۔

۵۔ مجموعہ مضافات اردو۔ جلد اول، اردو ساری، دہلی، ۱۹۳۵ء۔

۶۔ مجموعہ مضافات اردو۔ جلد دوم، اردو ساری، ننگر، مہل، داسلوپ۔

۷۔ اردو ساری، اردو ساری، محمد علی محمد، علی محمد، لاہور، ۱۹۳۵ء۔

۸۔ اردو مضافات۔ جلد اول، کراچی، ۱۹۳۳ء۔



”مجھے یقین ہے کہ مرتضیٰ برلاس کی غزل کا لہجہ ہی
مستقبس کی غزل کا لہجہ ہے“ — احمد ندیم قاسمی

”مرتضیٰ برلاس کے کلام نے عصر کو آئینہ بھی دکھایا
ہے اور راستہ بھی“ — قیصر میر آغا

ایسی بستی کو زمیں چاٹ لیا کرتی ہے
ظلم بڑھ جاتے جہاں حد سے زیادہ برلاس

جدید اردو غزل کے منفرد لہجے کے مقبول ترین شاعر

مرتضیٰ برلاس

کاشفی مجوز تیشہ کربابی حلقوں سے استاذِ تخمینِ حال کرچکا ہے
اُنے کا دُورِ سراشعری مجہوعہ

ارتعاش

بھی شائع ہو چکا ہے۔

پروفیسر افتخار حسین صدیقی

عمد غالب میں دینی فکر اور سماجی مسائل

مرزا غالب کا عہد یعنی اٹھارویں صدی عیسوی کا آخری عشرہ اور انیسویں صدی کا نصف اول کی اعتبار سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ اس عہد میں مغل بادشاہوں کے سیاسی زوال کی داستان اپنے انجام کو پہنچ گئی تو دوسری طرف برخلاف اس کے علوم و ادب کی ترقی کے ساتھ ساتھ نئے دینی رجحانات اور دانش ورانہ میلانات کی وجہ سے اہم سائنسی تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں۔ بہت سے دانشوروں نے اپنی تاریخی وراثت کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا اور روایت پرستی کے خلاف توازن افحاشی۔ ان کے افکار اور ان کی تعلیمات عہد آفریں ثابت ہوئیں۔ اس عہد کا فارسی اور اردو ادب بھی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ علم و ادب کی ترقی اور دانش ورانہ فکر کو پیدا کرنے میں کچھ مدرسوں کا جو کہ اس زمانے میں دانش نگاہوں کی شکل اختیار کر چکے تھے بڑا مفید رول رہا۔ خاص طور پر دہلی میں مدرسہ رحیمیہ اور کھنویس میں مدرسہ فرنگی محل نے نظریاتی اور اصلاحی تحریکوں کے مراکز اور کاتب فکر کی حیثیت سے رول ادا کیا۔ دونوں دانش نگاہوں میں ایسے علماء اور فضلا نکلے کہ جن کے افکار آج بھی بصیرت افروز ہیں۔ ان کی تعلیمات کے اثر سے اسلامی تہذیب کا تاریخ اور اسلامی تصوف کا تنقیدی جائزہ لیا گیا اور نتیجے میں دانش وروں کے عمل میں اہم تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس مقالے میں دینی مدارس اور اس عہد کے اہم علماء کے علمی کارناموں دینی فکر اور کچھ سائنسی مسائل کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

اٹھارویں صدی کی آخری دہائیوں میں دہلی کی علمی اور دانش وری کی تاریخ بڑی حد تک مدرسہ رحیمیہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادگان شاہ عبدالعزیز (م۔ ۱۱۸۵ھ) شاہ عبدالقادر (م۔ ۱۱۸۵ھ) شاہ عبدالغنی (م۔ ۱۱۸۵ھ) شاہ رفیع الدین (م۔ ۱۱۸۵ھ) اور ان کے نامور شاگردوں سے عبارت ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے پناہ دہانت، علمی بصیرت، اُردوست قوت حافظہ کے علاوہ کامیاب قیادت فراہم کرنے کی صلاحیت کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنے دادا کے قائم کئے ہوئے مدرسہ رحیمیہ کو نئی زندگی دی اور وہاں اپنے شاگردوں کو روحانی علوم اسلامی کے علاوہ فلسفے اور منطق کے مطالعے کی بھی ترغیب دی اور ساتھ ساتھ اپنے والد کے افکار کی اشاعت کے لئے تحریک کا آغاز کیا۔ جلد ہی ان کے شاگردوں کے لئے بے لوث جذبے اور عمل کی بنا پر مثالی بعدوستان میں مسلم خواص Intelligentsia شاہ ولی اللہؒ کے افکار سے روشناس ہوئے اور اس طرح دینی اور سائنسی اصلاحی تحریک کا آغاز ہوا۔ بعد میں انگریز حکمرانوں کی پیدا کی ہوئی غلط فہمی کی بنا پر شاہ ولی اللہؒ تحریک دہلوی تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔ حالانکہ ۱۱۸۵ھ تک اس تحریک پر دہلوی اثرات معلوم نہیں ہوتے۔ شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے رفقاء کا دہلوی تحریک کے بانی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے فکریات سے پنہاری اختلاف رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر شاہ عبدالعزیزؒ ایک لٹوے میں اپنے

اختلاف کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ امام ابن تیمیہ کے افکار جن کا اعداد ان کی کتاب "مناہج المستند الصبیہ" میں ہوا ہے، غلطیوں کے طور پر اہل بیت کی اہمیت سے افکار مناسب نہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے کی زیادت کرنے سے منع کرتا، "نوٹ" قلب اور ابدال کے وجود سے انکار یا صوفیاء کرام کی خدمت یا پھر اسی طرح کے دوسرے خیالات جو کہ ان کی تصانیف میں ملتے ہیں اس کے بعد یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام ابن تیمیہ کے نظریات سنی علماء کی اکثریت کے لئے کبھی قابل قبول نہیں ہوئے لہذا ان کی باتوں کے لئے سنی فاسے وار نہیں ضرورت پانچتے (۱)۔ شاہ صاحب صوفیاء کرام کی درگاہوں کی زیادت کے خلاف نہیں تھے۔ جب کسی نے اس موضوع پر مسئلہ پر چھوڑ دیا کہ کسی بزرگ کے حزار پر جانے اور فاتحہ پڑھنے میں ثواب ہے "کہیں کہ اس سے ایک صلہ اور دین دار بزرگ کی یاد تازہ ہوتی ہے" لیکن حزار پر سجدہ کرتا یا اس کا طواف کرتا بدعت ہے (۲)۔ ایک جگہ حزار پر چاروں چڑھانے کی بھی مخالفت کرتے ہیں اور اپنی دلیل کے حراز میں حدیث شریف کا حوالہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا کی تھی "اے اللہ میری قبر کو پرستش کے لئے بت میں تبدیل مت کرتا" (۳)۔ وہ ۱۸۰۳ء تک صوفیاء میں قابل روایت تصور ہونے کے بھی قائل نظر آتے ہیں۔ ۱۸۰۳ء میں سید احمد شہید رائے ریلوی (مقتول ۱۸۵۰ء) ان کے حلقہ مریدین میں داخل ہوئے "اس کے بعد انہوں نے اس روایت کی مخالفت کی۔ سید احمد شہید نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ مراقبے میں تصور ہونے پرستی کے حراوف ہے اور یہ مواد کے مسلک کے قلبی خلاف ہے۔

فرض کہ شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے بھائی علماء اور فضلاء کی تربیت میں گئے رہے اور ان کے شاگرد ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں میں درس و تدریس کے ذریعے مسلمانوں کی اصلاح میں لگ گئے۔ ان فضلاء کی روحانی بصیرت کا ذریعہ شاہ ولی اللہؒ کی تصنیفات تھیں۔ خاص کر ان کی معرکہ آرا تالیف "جہاد اللہ الباطل" اس کتاب کے بارے میں مشرقین اور مسلم فضلاء کی حلقہ رائے ہے کہ امام غزالی کی تالیف "احیاء علوم الدین" کے بعد "جہاد اللہ الباطل" میں دوسری مرتبہ کامیاب کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی فکر، فلسفہ، تصوف وغیرہ میں قرآن و سنت کی روشنی میں باہمی ربط پیدا کیا جائے۔ زمانہ حال کے محققین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ "جہاد اللہ الباطل" کا طبعی معیار "احیاء علوم الدین" کے معیار سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

اس طرح جب ۱۸۰۳ء میں دہلی اور اس سے متعلق علاقوں پر انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تو انگلستان کے عیسائی مشنریوں نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کی۔ انہوں نے اپنا تبلیغی لٹریچر فارسی رسم الخط میں آسان عوام زبان میں شائع کرنا شروع کیا۔ عیسائیت کے اثر کا مقابلہ کرنے کے لئے شاہ عبدالعزیزؒ کی ترغیب پر ان کے بھائی شاہ عبدالقادرؒ نے قرآن حکیم کا اردو محو کی عوامی ہندی زبان میں ترجمہ کیا۔ مصر کے علما کا خیال ہے کہ قرآن کا ترجمہ کسی زبان میں ممکن نہیں ہے لیکن اردو اور ہندی سے واقف علماء اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ قرآن سے بہت قریب ہے۔ دوسرا یہ ترجمہ اردو زبان کی تاریخ میں بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اردو میں دوسری اہم کتاب شاہ صاحب ہی کے خانوادے کے دوسرے بزرگ شاہ اسماعیل شہید کی تالیف "تفہیم الامین" ہے۔ دونوں کاموں کی

اہمیت کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اب تک بار بار شائع ہو رہی ہیں۔

۱۸۴۳ء میں شاہ صاحب کے انتقال کے بعد دوسرے درجہ کی روایات کو ان کے بھتیجوں، والد اور نواسوں نے آگے بڑھایا۔ محمد اسحاق نواسہ شاہ عبدالعزیز ان کے چالیسین بچے، دوسرے نواسے مولانا محمد یعقوب بھی مولانا محمد اسحاق کی طرح علمِ حدیث کے مقرب عالم تھے۔ شاہ محمد اسطیل شاہ عبدالغنی کے بیٹے اور شاہ صاحب کے بھتیجے تھے اور پر زور واعظ۔ شاہ صاحب کی تیسری بیٹی کے شوہر مولانا عبدالحی تھے جو کہ شاہ صاحب کی بیوی کے بھتیجے بھی تھے۔ ان کے شاہ صاحب کی بیٹی سے کوئی بیٹا نہیں تھا لیکن دوسری بیوی سے مولانا عبدالقدیم محدث پیدا ہوئے تھے۔ مولانا عبدالقدیم کی شادی محمد اسحاق کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ ان کے علاوہ شاہ صاحب کے دوسرے شاگرد بھی دینی اور اصلاحی کاموں کے لئے مشہور تھے۔ ان میں سے ان کے چچا غلام دہلی کے شہری تھے اور دوسرے سوئی پٹ، رامپور، بریلی، کانپور، بجنور، امروہہ، تلچ آباد، کھننہ، کاکڑی، فیض آباد، خیر آباد، رائے بریلی، قنوج، مراد آباد، پھلی شہر اور چڑیا کٹ سے تعلق تھے۔ دہلی کے علماء میں مولوی رشید الدین خاں (۱۷۴۳ - ۱۸۴۳ء) نے براہ راست شاہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز سے تعلیم حاصل کی تھی۔ مولانا رشید الدین خاں کے شاگردوں میں مولانا ملک علی (فرزند شیخ احمد علی ٹالپوری) بھی اپنے وقت کے عظیم عالم تھے۔ ان کے شاگردوں نے بھی ۱۸۵۰ء کے بعد کارہائے نمایاں انجام دیے۔

شاہ صاحب کے اور دو ممتاز شاگرد مفتی صدر الدین آزاد اور مولانا فضل حق خیر آبادی قاتلِ ذکر ہیں۔ آزاد دہلی میں ۱۸۸۸ء میں ایک کشمیری خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے محفلات کا مطالعہ شاہ صاحب، شاہ عبدالقادر اور شاہ محمد اسحاق کی گرامی میں کیا تھا۔ جب کہ محفلات کا درس مولوی فضل امام خیر آبادی سے لیا تھا جو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے دہلی میں صدر الصدور تھے۔ ان کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے ۱۸۶۰ء میں دہلی کا صدر الصدور بنایا۔ وہ اردو، فارسی اور عربی میں شعر کہتے تھے۔ ان کا دہلی کی علمی اور ثقافتی زندگی پر بڑا اثر ہوا۔ سرسید احمد خاں کے قول کے مطابق مفتی صاحب انسانیت اور علومِ اسلامی میں ایک آئینہٴ میلِ شخصیت کے حامل تھے۔ ہر بچے ان کے گھر پر علماء اور شعراء کی نشست ہوتی تھی جس میں امام بخش صہبائی، مومن، تیرہ، شیخ، اور غالب وغیرہ شرکت کرتے تھے اور شعر و شاعری کا دور رہتا تھا۔ جولائی ۱۸۵۸ء میں دہلی کے علماء نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ اس پر انہوں نے بھی دھمکا کئے تھے۔ اس لئے انگریزوں نے دہلی پر اپنی فوج کے بعد ان پر مقدمہ چلایا۔ اگرچہ ان کو سزائے موت نہیں ملی لیکن ان کی جائیداد ضبط کر لی گئی تھی۔ ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء کو انہوں نے تنگ دستی کی حالت میں انتقال کیا۔ مولوی فضل حق خیر آبادی مفتی صدر الدین دہلوی کے دوست تھے۔ وہ علماء کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد مولانا فضل امام محفلات کے عالم تھے جس کی تعلیم دینے کے لئے دہلی میں انہوں نے مدرسہ قائم کیا تھا جہاں پر دوسرے درجہ کے طلبہ محفلات کا مطالعہ کرتے تھے۔ ان کے بیٹے مولانا فضل حق خیر آبادی نے شاہ صاحب کے دھڑ پابندی سے سنے تھے اور شاہ عبدالقادر سے حدیث کا درس لیا تھا۔ انہوں نے مفتی و ظیفہ کا درس اپنے والد گرامی سے لیا تھا۔ وہ مفتی صاحب کے ساتھ ان کے مولان کی حیثیت سے کام کرتے رہے بعد میں وہ ہجر کے نواب فیض محمد خاں الود کے مبارک اور رام پور کے قراچ پوسف خاں کی روایتوں میں صدر کے محدوں پر فائز رہے۔ ان

کی غالب اور سرسید احمد خاں سے دوستی تھی۔ صمدیہ کی جنگ آزادی کی تحریک میں شامل ہونے کی وجہ سے ان کو تعلیمات قید کی سزا ملی اور جزیرہ اٹلانٹک بھیج دیئے گئے۔ یہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے جو انہوں نے علوم مطلق، فلسفہ و طبیعات پر لکھی تھیں۔ یہ لکھنا تو عربی کتابوں کی شرحیں ہیں لیکن ہدیت اور ندرت خیال سے خالی نہیں ہیں۔

مثالی ہندوستان میں دوسرا قابل ذکر دوسرا جو کہ ایک داخل گاہ کی حیثیت رکھتا تھا دوسرا فرنگی محل کھستو تھا۔ اس کے بانی مولانا بحر العلوم کے والد مولانا غلام الدین انصاری تھے مولانا غلام الدین انصاری علی کے مشہور نصاب درس نظامی کے بھی بانی تھے۔ مولانا بحر العلوم (عبدالغنی) نے اپنی عمر کے انفرادی سال میں کتب و درسیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے والد کے شاگرد ملا مکمل کی سرپرستی میں مزید مطالعہ کیا اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے جلد ہی آپ کی طبیعت کا شہہ بلند ہوا۔ مختلف مقامات سے طلبہ تفصیل علم کی غرض سے آپ کے پاس کھستو آنے لگے۔ جب کھستو میں رہتا دشوار ہو گیا تو حافظ رحمت علی خاں کے پاس شاہ جہاں پور چلے گئے۔ حافظ رحمت خاں کے جنگ میں مارے جانے کے بعد نواب فیض اللہ خاں کی دعوت پر لاہور منتقل ہو گئے جہاں ہار سال تک درس و تدریس میں مصروف رہے۔ رامپور سے نواب ارکات والا جہاں علی خاں کی دعوت پر جہان پور چلے گئے۔ جہاں بھی جاتے تھے طلبہ کی بڑی تعداد آپ کے ساتھ ہوتی تھی۔ نواب ارکات نے آپ کو جنگ العسلا کا خطاب دیا تھا لیکن مشہور ہوئے بحر العلوم کے لقب سے جو کہ قصہ پر ان کی تصنیف ”ارکان اربعہ“ کے مطالعے کے بعد آپ کو شاہ عبدالعزیز نے دیا تھا۔ مولانا بحر العلوم کثیرا تصانیف بزرگ تھے۔ بہت سی کتابیں اوق مسائل پر ہیں۔ مثالی کے طور پر ابن العربی کے فلسفہ وحدت الوجود پر ان کا رسالہ ”وحدۃ الوجود و شہود الحق فی کل موجود“ اس کی مثال ہے۔ یہ رسالہ علی میں لکھا تھا لیکن بعد میں نواب نور الدین خاں کی فرائض پر اس کو فارسی میں بھی لکھا (۱۰۷۰ھ) رسالہ واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ مولانا بحر العلوم ہندوستان میں ان چند صوفی علماء میں سے تھے جو کہ ابن العربی کے فلسفے کی صحیح طریقے پر توجہ کر سکتے ہیں۔

غالب کے عہد میں دہلی اور دوسرے شہروں میں مختلف صوفیاء کرام کا بھی دہلی قابل ذکر ہے۔ دہلی میں مرزا سکر جان باباں کے روحانی چالیس شاہ نظام علی بدیس عالم بزرگ تھے۔ ان کی خانقاہ مربع خاص و عام تھی۔ دہلی کے علاوہ بیرونی ممالک کے لوگ بھی آپ کے مرید تھے۔ آپ کے مکتوبات کا مجموعہ مکتب شریف ایک سو بیس مکتوبات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ۱۱ مکتوبات محمد الیاف علیؒ کی تعلیمات کی تائید میں ہیں۔ ہر مکتوب کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ روحانیت کا عین ہے (۱۰۷۰ھ) مرزا جان باباں کے دوسرے مرید اور خلیفہ شاہ فہیم اللہ بھرائی تھے جو کہ یک وقت دو خانقاہوں میں رشد و ہدایت کا کام کرتے تھے۔ ایک خانقاہ بھرائی میں تھی جبکہ اپنے چچ کے فرماں پر انہوں نے دوسری خانقاہ کھستو میں قائم کی تھی۔ انہوں نے اودھ میں تعمیر شدہ اور حدیث کے علوم کو مقبول کیا اور تصوف کی تعلیم بھی جاری رکھی۔ مرزا جان باباں کے مرید مولانا غلام نجفیؒ نے کلمات الحق و وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود سے متعلق تارے پر تصنیف کی اور اس کے ذریعے شاہ ولی اللہؒ کے اس خیال سے کہ اگر دونوں عقیدوں میں اگر کوئی فرق ہے تو سانی ہے حقیقی میں اختلاف کیا۔ مولانا غلام نجفیؒ کا نقطہ نظر تھا کہ قرآن اور شرع سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خالق کائنات

اور مخلوق ایک ہی ذات ہے بلکہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور ایمان کے احکام کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود پر یقین کیا جائے۔ یہ مسائل صرف تصوف میں زیر بحث آتے ہیں اور شریعت سے علیحدہ ہیں۔ ان نظریات کا انحصار صوفیاء کی روحانی بصیرت پر ہے۔ راہ سلوک میں کچھ صوفیاء پر وحدۃ الوجود ظاہر ہوا اور دوسروں پر وحدۃ الشہود کے علم کا انکشاف ہوا لیکن کم فہم صوفیہ وحدۃ الوجود پر یقین کو اسلام پر یقین کے حروف سمجھتے ہیں اور اس نسلے میں ایسا ہی عام طور پر نظر آتا ہے۔ جب کہ صوفیاء کی اکثریت کو حکمت وحدۃ الوجود کا صحیح ادراک نہیں (۱۵)۔ اس کتاب میں شاہ ولی اللہ کے نظریے پر سخت تنقید تھی۔ لہذا شاہ ربیع الدین نے "شرح الباطل" کتاب لکھی جو کہ قرآن شریف کی سورۃ یحییٰ کی تفسیر ہے۔ اس میں مولانا غلام بخاری کی تصنیف پر سخت کٹھ پتلی کی اور لکھا کہ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ مومن کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق میں کیا رشتہ ہے؟

شاہ عبدالعزیز اور شاہ فرید الدین کی خانقاہوں کی طرح دہلی میں شاہ فرید الدین چشتی خانقاہ بھی ایک اہم ادارے کی حیثیت رکھتی تھی۔ شاہ فرید الدین خانقاہ میں میردوں کی تربیت کے علاوہ دوسرے امیری دروازہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مشکوٰۃ شریف کا درس دیتے تھے۔ بعض عقل شناس بھی ان کے میردوں میں شامل تھے۔ اکبر شاہ خانی اور بہادر شاہ ظفر شاہ فرید الدین کے بیٹے اور خلیفہ شاہ غلام قطب الدین کے میرد تھے۔

شاہ غلام قطب الدین کے بعد ان کے بیٹے مہاں نصیر الدین عرف کالے صاحب اپنے باپ کے خلیفہ کی حیثیت سے مقبول ہوئے۔ ان سے غالب کو بھی حدیث تھی۔ ایک خط میں کالے صاحب سے اپنے لگاؤ کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔ میں کالے صاحب کے مکان سے اٹھ آیا ہوں۔ مٹی ماڑوں کے محلے میں ایک حویلی کرائے پر لے کر اس میں رہتا ہوں۔ وہاں میرا رہنا تکلیف کرائے کے واسطے نہ تھا صرف کالے صاحب کی محبت سے رہتا تھا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تصوف نے کبھی لامحدود صوفی بزرگ مراۃ میں تصورِ حق کے قائل تھے اور اس کو یکسوئی ذہن حاصل کرنے کا اہم ذریعہ سمجھتے تھے لیکن ۱۷۷۸ء میں شاہ عبدالعزیز نے اپنے عزیز میرد سید احمد شہید کے کہنے پر اس کی ممانعت کر دی تھی۔ سید احمد شہید کا اعتراض تھا کہ تصورِ حق سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بجائے حق کی عبادت ہونے لگتی ہے۔

اس نسلے میں عرپ کے اثر سے ہندوستان میں علم تاریخ اور تاریخ نویسی کے دینی تصور میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس تبدیلی کا آغاز مرزا عظیم علی کی تالیف "میراثہ الہاں" سے ہوا۔ یہ کتاب دہلی کے انگریز ریڈیفٹ چارلس تھیو فیلس مختلف (۱۸۸۶ تا ۱۸۸۹ء) کی خواہش اور ہدایت پر لکھی گئی تھی۔ اس میں دہلی کی قدیم عمارتوں کا ذکر ہے اور ان پر نصب قاری کتبوں کی نقل ہے۔ قاری زبان میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تھی۔ اس کے ذریعے تاریخ نویسی کی روایت کو دست ثبات ملی کیونکہ آثار قدیمہ کو تاریخ کا ایک نیا ماحول سمجھا گیا۔ "میراثہ الہاں" سے حاشا ہو کر ۱۸۸۵ء میں سرسید احمد خاں نے بڑے پیمانے پر دہلی اور اس کے ارد گرد عمارتوں کا ذکر اپنی کتاب "آثار الہاں" میں کیا۔ ان کو تاریخ کے لازمی ماحول کا زیادہ گہرا علم تھا۔ لہذا "آثار الہاں" زیادہ جامع تالیف ہے۔ سرسید نے ابو الفضل کی قائم کی ہوئی روایت کا نتیجہ کرتے ہوئے اپنی تالیف میں ایک باب دہلی کے دانشوروں، فنکاروں، علماء اور فضاہ پر شامل کیا۔

اعزاز ہوتا ہے کہ وہ سرب میں تاریخ نویسی کے قصور سے بچے نہ کچھ ضرور واقف تھے۔ اس کا اعزاز ان کی تصنیف "سلسلۃ الملوک" سے ہوتا ہے۔ یہ کتاب بھی نوعیت کے اعتبار سے پہلی کوشش ہے۔ سرسید پہلے وائس و رے جنوں نے تاریخ کے مختلف ادوار کی اہمیت سمجھتے ہوئے ہر بادشاہ کی تخت نشینی اور اس کی وفات کی تاریخوں کا صحیح طریقے پر قیاس کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سرسید نے ہندوستان کے عظیم فرماں روا شیر شاہ کی تاریخ پیدائش بھی معلوم کرنے کی کوشش کی۔ کسی ایسی تاریخ کی کتاب کی بنا پر جو ہمیں دستیاب نہیں انہوں نے شیر شاہ کی تاریخ پیدائش ۱۵۵۷ء بتائی ہے (۸۷ھ بعد میں سرسید احمد خان کی کوشش دہی کہ تاریخ کے اہم ماخذ صحیح کے ساتھ شائع کئے جائیں۔ ابو الفضل کی آئین اکبری فیض الدین دہلی کی تاریخ فیروز شاہی اور جہاں گیر خود نوشت خاکِ جاگیر کی کوشش کے ساتھ شائع کیا

جہاں تک سنی مسائل کا معاملہ ہے ان کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے ماحول میں مسلمانوں میں حسب و نسب کا تصور کافی اثر انداز تھا۔ کچھ لوگوں نے شاہ عبدالعزیزؒ سے دریافت کیا کہ حسب و نسب اور شرافت کا کیا مسئلہ ہے۔ انہوں نے جواب میں تحریر کیا کہ حسب کا علم ہو سکتا ہے اگر سات پشتوں تک اجداد کا صحیح علم ہو۔ جہاں تک نسب کا مسئلہ ہے تو اس کا تعلق ماضی بعید میں خاندان کی اہمیت سے وابستہ ہے۔ مثال کے طور پر ایک حنفی "سید" یا "شاہی" یا "طوی" یا "قشبی" یا "ابراہیمی" شاہدار نسب رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک شخص دو لوگوں صورتوں میں اہمیت کا حامل ہو سکتا ہے جیسے غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد کچھ لوگ حسب میں ممتاز ہیں لیکن نسب میں نہیں جیسے آلِ تیمورؒ راجپوت یا بھراما اعظم ابوحنیفہ عرف عام میں شرافت اور مہارت نسب کے معنی میں بولے جاتے ہیں۔

اسی طرح عام اشراف میں بیوہ کی دوسری شادی چاہے وہ کم عمری کیوں نہ ہو محبوب بھی جاتی تھی۔ شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے شاگردوں نے اس کے خلاف مہم چلائی۔ اس کے خلاف دو عمل میں لوگوں نے شاہ صاحب کو لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی بیواؤں نے شادی نہیں کی تھی۔ لہذا عام خواتین ان کا اہراج کرتی ہیں اور اس طرح ثواب کی مستحق ہوتی ہیں۔ اس پر شاہ صاحب کا جواب تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی بیواؤں کا معاملہ مختلف تھا لیکن اس کے باوجود اگر کوئی مسلمان بیوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا اہراج شوق اور عقیدت کی بنا پر کرے تو بیچھا "ثواب کی مستحق ہوگی لیکن اگر وہ کسی بیوہ کی شادی کرنے میں رکاوٹ بناتا ہے تو وہ گنہگار مرتکب ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم کا واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ بیوہ کی دوبارہ شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔ انہوں نے یہ بھی مثال دی کہ ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہاؓ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہاؓ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہاؓ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہاؓ نبی کریمؐ سے شادی سے پہلے بیوہ تھیں۔

آخر میں ان مذہبی تحریکات کا حوالہ دیا ضروری ہے جو کہ ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہوئیں اور جنہوں نے لوگوں کو حائل کیا۔ ان تحریکوں کے بانی مولانا قاسم نانوتویؒ مولانا نذیر حسین اور سرسید احمد خاں تھے۔ اگرچہ انہیں شاہ ولی اللہ

کے کچھ ٹکڑے لیکن ۱۸۵۷ء کی جہی کے بعد جنہوں نے مسلمانوں کی اصلاح کے لئے مختلف لائحہ عمل طے کئے۔ مولانا قاسم نانوتوی کے نزدیک اسلام اور مسلمانوں کی جہاد کے لئے ضروری تھا کہ تعلیم مذہبی روایات کا خلی مسلک کے تحت تحفظ کیا جائے ان کے برخلاف سرسید احمد خاں کا خیال تھا کہ اخلاقی بہتری کے لئے ضروری ہے معاشی حالات کا سدھار اور معاشی اور تعلیمی ترقی ممکن نہیں ہو سکتی اگر جدید ترقی یافتہ یورپ کے علوم اور فنون نہیں سیکھے گئے۔ مولانا ذہیر حسین بخاری قرطبہ سے حاشا ہوئے تھے فذا وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی نجات قرآن اور سنت کی پیروی کرنے اور غیر اسلامی روایات کو ترک کرنے میں ہے۔ صحیح اسلام وہی ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔ مولانا ذہیر حسین نقسوف پوری میڈی کو غیر اسلامی سمجھتے تھے۔ مولانا قاسم کی تحریک دہلوی تحریک کہلاتی ہے۔ مولانا ذہیر حسین نے جو تحریک چلائی وہ اہل حدیث تحریک کے نام سے جانی جاتی ہے جب کہ سرسید کی تحریک علی گڑھ تحریک کے نام سے مشہور ہے۔ جنہوں تحریکوں کا ٹکائی مطالعہ کاہر کرتا ہے کہ ابتداء میں اہل حدیث تحریک نے مسلم دانش و دین کو بہت زیادہ ہتھاکڑ کیا۔ خود سرسید احمد خاں تقلید سے مخرف ہو گئے اور اہل حدیث کی طرح نماز میں آمین بلند آواز میں کہنے لگے۔ وہ اپنے مذہبی عقائد میں مولانا ذہیر حسین سے زیادہ قریب تھے۔ مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا ذہیر حسین اور سرسید احمد خاں اپنے ہی دور کے اہم مفکرین میں نہیں تھے بلکہ ان کی تعلیمات آج بھی توجہ طلب ہیں۔



۱- لکھنؤ میں پہلی بار ۱۸۵۷ء-۱۸۵۸ء (جلد اول) میں ۳۰۔

۲- ایضاً۔۔۔ جلد اول، ص ۱۰۰۔

۳- ایضاً۔۔۔ ص ۱۰۰۔

۴- دہلی اخبار، اردو ترجمہ، "حرمِ حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید قاسمی، دہلی" ص ۷۰۔

۵- شاہ نظام علی۔۔۔ "مکتبہ شریف" مطبعہ عربی، دہلی، ۱۸۵۷ء میں ۱۰۰۔

۶- شاہ نظام علی، "مکتبہ شریف"، دہلی، ۱۸۵۷ء میں ۱۰۰۔

۷- اردوئے معلیٰ، صفحہ دوم، ص ۷۰۔

۸- لکھنؤ شاہ ابوالحسن۔۔۔ جلد اول، ص ۱۰۰۔



ذکر غالب۔ ۱۸۳۳ کے اووہ اخبار میں

محمد تقی صدیقی

مرزا غالب اپنے پیش رو اور معاصر شاعروں اور ادیبوں کے مقابلے میں اس اعتبار سے بھی یقیناً خوش قسمت تھے کہ انہیں "ذہنی تعلیمات و تکنیفات کے لئے" بقل مولانا ابوالکلام آزاد "ابتدا ہی سے پریس موجود تھا" اور اپنے حاصل محرکات و خدمات کے لئے فیروں پر چموز کر دینا سے بچے جانے کی مسیبت سے دوچار نہ ہونا چاہا۔ [۱] یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ مصالح کی موثرگی سے جس درجہ فائدہ مرزا غالب نے اٹھایا اس درجہ ان کے معاصرین اس سے مستفید نہ ہو سکے۔ یہی بات "بہ استثنائے سرسید ان کے بعد کے آنے والوں کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ جہاں تک مرزا غالب کا تعلق ہے اس کی بڑی وجہ ان کا وہ ترقی پسند اور مستقبل بین ذہن تھا، جو ان کے معاصرین کے حصے میں نہیں آیا تھا۔

مرزا غالب کی ذہنی ترقی پسندی کا ایک دلچسپ ثبوت یہ بھی ہے کہ اخبار بنی سے انہیں گہرا شغف تھا۔ ملک کے مختلف حصوں سے شائع ہونے والے اکثر اخبارات ان کے پاس آتے تھے۔ ان کے علاوہ اخبار ان کے دوستوں اور عزیزوں کے پاس آتے انہیں بھی وہ شکار کر چکا کرتے تھے۔ اخبار کی اہمیت اور اس کے دائرہ اثر کی وسعت و گہرائی کا بھی انہیں اندازہ تھا۔ اس کے پیش نظر اپنے عہد کے صاحبان اخبار سے تعلقات پیدا کرنے اور انہیں خوش گوار بنانے کی انہوں نے عیش کو شش کی۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں کشمور کا "اووہ اخبار" شملی ہند کا ایک اہم اخبار تھا جس کے مالک مفتی نزل کشمور تھے۔ وہ صاحب اخبار ہونے کے علاوہ ایک مطبع کے بھی مالک تھے "جو شملی ہندی کا نہیں بلکہ برصغیر کا ایک بہت بڑا مطبع تھا۔ مفتی نزل کشمور اس دور میں علی نقاری اور اردو کے غالباً سب سے بڑے ناشر تھے۔

مرزا غالب نے مفتی نزل کشمور سے بھی تعلقات پیدا کئے اور وہ ان کے بھی ناشر ہی تھے۔ ان دونوں کے تعلقات کا آغاز ۱۸۶۰ء میں ہوا۔ لیکن غالب کے خطوط میں اووہ اخبار کا پہلا ذکر ۱۳ نومبر ۱۸۶۸ء کے ایک خط میں ملتا ہے "جو شیونرائش آرام کے نام لکھا گیا تھا۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک "اووہ اخبار" ان کے پاس آتا تو نہیں تھا" تاہم وہ پابندی سے اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ انہوں نے لکھا تھا کہ "اووہ اخبار" بمالکی ضیاء الدین خان کے یہاں آتا ہے اور وہ میرے پاس بھیج دیتے ہیں [۲] لیکن اس حوالے کے آخری دو بعد وہ خود بھی اووہ اخبار کے خریدار بن گئے۔ نزل کشمور پریس ہی کی چھپی ہوئی بیج آہنگ کا آخری خط مورخہ ۱۸ جولائی ۱۸۸۸ء مفتی نزل کشمور صاحب کو "دویش نارید" دہل پر "مرش گروید" کے نام ہے۔ اس خط میں مرزا غالب نے اخبار کی خریداری کے سلسلے میں یہ اہتمام تحریر کیا تھا کہ "رسیدان اووہ اخبار از ان سود ہر ماہ چار بار" اور سیدان سود ہر سال دوبارہ اگر حضور دارند حضور است [۳] ۱۸۶۳ء کے اووہ اخبار کا قائل اس وقت تار سے پٹنی نگر ہے اس سے اندازہ ہوتا

ہے کہ غشی نول کشور نے مرزا غالب کے مجموعہ طریقے کو قبول کر لیا تھا اور وہ اخبار کے پانچاب خریدار بن گئے تھے۔ چنانچہ فروری ۱۸۷۳ء کے پہلے شمارے میں "رسمدور اووہ اخبار جو محکم کو ابتدائے نومبر ۱۸۷۳ء سے لغات آخر جنوری ۱۸۷۳ء وصول ہوا۔" کے عنوان سے خریداروں کی جو فہرست شائع ہوئی تھی، اس میں "نواب اسد اللہ خان صاحب رئیس لوہارو" کا نام بھی موجود ہے۔ غالب کے نام کے سامنے تین روپے کی رقم اور نواب علاء الدین کے نام کے آگے چار روپے کی رقم درج ہے۔ [۴]

دونوں خریداروں کی بھیجی ہوئی رقموں میں جو فرق ہے اس کی کوئی وجہ اخبار میں درج نہیں ہے۔ اووہ اخبار کی قیمت "سبع محمول ڈاک باہر والوں کے واسطے (چار روپے) سالانہ ... شہر والوں کے واسطے (چار روپے) سالانہ" تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا غالب صرف محمول ڈاک ادا کرتے تھے اور اخبار کی قیمت ان سے وصول نہیں کی جاتی تھی۔ یہی بات انہوں نے ایک خط میں بھی لکھی تھی۔ غشی نول کشور "ہر مہینے میں چار اخبار مجھ کو بھیجتے ہیں۔ قیمت نہیں لیجئے مگر ہاں اڑتالیس گنت میں مطلع میں پہنچا دیتے ہیں"۔ [۵]

غالب کو اووہ اخبار کا خریدار بننے کی ضرورت کیوں پڑی تھی جب کہ نواب علاء الدین احمد خان اخبار کے مستقل خریدار تھے اور ان کی وساطت سے غالب کو اخبار دیکھنے کو پابندی سے مل جاتا تھا؟ اس کی توجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ غالب غشی نول کشور سے تعلقات پیدا کرنا چاہتے تھے اور اس کی معقول و مقرب یہی ان کی سمجھ میں آئی کہ وہ اخبار کے خریدار بن جائیں۔

غالب صدی (۱۸۷۳ء) کے سورج پمپھ (۱۸۷۰ء) کے غالب نمبر (حصہ اول) میں جناب مرتضیٰ حسین صاحب فاضل کا ایک مقالہ "غالب اووہ اخبار میں" کے عنوان سے شائع ہوا تھا جو ۱۸۷۳ء کے اووہ اخبار کے مختصر شماروں پر مبنی تھا۔ فاضل مقالہ نگار نے اخبار کی پوری عبارتیں نقل نہیں کی تھیں، صرف ان کی نشان دہی کی تھی اس وقت راقم السطور کے پیش نظر اس سے ایک سال قبل، ۱۸۷۳ء کے اووہ اخبار کی ایک جلد ہے، جس میں یکم جنوری سے ۲۲ اکتوبر ۱۸۷۳ء تک کے شمارے ہیں۔ ان شماروں میں غالب کی تصانیف کے اشتہاروں کے علاوہ ان سے حقیقی ایک خبر اور ان کا ایک مختصر مضمون بھی ملتا ہے۔ اس مضمون کی اہمیت یہ ہے کہ یہ سیاسی نوعیت کا ہے، اور میرے علم کے مطابق مرزا غالب کے اردو سٹر کے کسی حوالہ میں اسے جگہ نہیں مل سکی ہے۔ یہ مضمون اس اشتہار سے بھی قابل ذکر ہے کہ اس کی عبارت آرائی کا طرز غالب کے عام انداز نگارش سے مختلف ہے۔ اس قصید کے بعد ہم اووہ اخبار کے ان اندراجات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کا براہ راست مرزا غالب سے تعلق ہے!

۱۱۔ ششمار طبع کلیات نظم جناب مرزا غالب دہلوی

یکم جنوری ۱۸۷۳ء کے اووہ اخبار کے پہلے ہی صفحے پر مندرجہ بالا عنوان کے تحت ایک طویل اشتہار ملتا ہے جو اخبار کے تقریباً "دیرینہ کالم پر پھیلا ہے۔

مرتضیٰ حسین فاضل نے غالب ہی کے ایک خط (مشمول اردو نے ملاحظہ فرمائی) کی بنیاد پر اپنے مقالے میں لکھا ہے کہ "۱۸۷۳ء کے آغاز میں غشی نول کشور نے شاہ الدین خان کو لکھ کر کلیات فارسی، جو ضیاء الدین خان نے خود

کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا تھا وہ منگا لیا۔ [B] اردو کے مطالعہ کا طبع اول اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔ لیکن اس کتاب کا ہوا پیش میرے بانی فکر ہے اس میں اسی مضمون کا ایک خط ملتا ہے۔ اس پر ۲۳ ذی قعدہ ۱۲۸۰ء کی تاریخ درج ہے جس کی مطابقت ۳ مئی ۱۸۶۳ء سے ہوتی ہے۔ اس کی متعلقہ عبارت یہ ہے۔

”مہل گذشتہ کے آغاز میں مفتی نول کشور نے شباب الدین خاں کو لکھ کر کلیات فارسی، جو ضیاء الدین خاں نے خود کے بعد بڑی محنت سے جمع کر لیا تھا وہ منگا لیا اور پھانپنا شروع کیا۔۔۔ اب سنا ہے کہ پچھ کر تیار ہو گیا ہے [C]۔“

اس خط میں ”مہل گذشتہ“ یعنی ۱۸۶۳ء غالب نے سواۓ لکھا تھا۔ کہیں کہ کلیات کا جو اشتہار نجم بخوری ۱۸۶۳ء کے اودھ اخبار میں ملتا ہے اس میں وہ تمام باتیں تفصیل کے ساتھ درج ہیں جو تذکرہ المکتوب میں غالب نے لکھی تھیں۔ گمان غالب ہے کہ کلیات کی اشاعت کی بات بیت ۱۸۶۱ء کے وسط سے شروع ہو چکی تھی۔

جولائی ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں غالب نے میر سمدی بخوج کو اطلاع دی تھی کہ کلیات نظم فارسی کے چھاپنے کی تدبیر ہو رہی ہے [B]۔ یہ اشارہ یقیناً مفتی نول کشور ہی کی طرف تھا اور ۱۸۶۶ء کے اواخر تک کلیات کا وہ نسخہ نول کشور تک پہنچ چکا تھا جس کا ذکر غالب کے خط میں اور مندرجہ ذیل اشتہار میں کیا گیا ہے۔ ہر کیف اودھ اخبار میں شائع ہونے والے اشتہار کا متن یہ ہے:

اک بشارت نئی سنو ہم سے گوہر آب دار لولہم سے

ایسا حشرہ خائے ہیں کہ کسی نے خائیں وہ سناں کرتے ہیں کہ اب تک ہوا نہیں۔ مرجا کئے شاہ شیریں کار آتا ہے۔ مبارک ہو یوسف سرایار آتا ہے۔ عزیز ہر دل ہے دہری میں کامل ہے جب مشتاق دوچار ہوں کے فقہ تمنا سے خریدار ہوں کے پودے میں جمال کیا دکھائے اب غالب چرہ خن سے اٹھائے۔ کوڑہ گوش جہاں ہو نزدیک دور جہاں ہو کہ نواب مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب دہلوی کا فارسی کلیات مطبوع ہوا چاہتا ہے۔ نقش و نگار اس دل آرام و تہنیں ادا کا مقرب شروع ہوا چاہتا ہے۔ اقسام خن پر مشتمل ہے۔ ہر ایک شعر نو کمال ہے حالی مضامین قصائد ادب اب و تہنیں فرہیں انتخاب کر انہیں دیکھ کر ظہیر کا کمال بھول جائے نظیری کی شوکت بھی خیال میں نہ لاسے۔ شہری کی جادوئیانی میں جائے جھنگڑ نہیں، بحر حلال دلائی کی اس کے سامنے آہد نہیں۔ دہائیوں کو بیکہ خن کے اربع حاسر کئے۔ آب دار قصائد کو قطعاً ہوا ہر کئے۔ ہر مصرع قد موزوں سے بڑھ کر ہے۔ ہر بیت شاید ہر سماعے معنی کا گھر ہے۔ دس ہزار چار سو کی اشعار ہیں کہ سب سنگ گوہر شاہوار ہیں۔ خدا کے فضل سے نسخہ بھی وہ صحیح و درست بڑے کتب خانہ کا ہاتھ آیا جس کو نواب ضیاء الدین خاں صاحب بارود دہلوی نے جدوجہد تمام سے جمع فرمایا۔ مشہل تحقیق کو تعریف کی حاجت نہیں آفتاب کی صفات بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم کی بے مثال آثار ہے عالم کو ان کی استادی کا اقرار ہے۔ اس زمانے میں سہلان طائی ہیں جواب انوری و غاکانی ہیں ہر خط ان کے نظم کا اختراع کمال ہے جو خن زبان سے لگا سر طالع ہے ایسی نادر چیز کہیں میر آئی ہے کس خوش نصیب کی یہ امید بر آئی ہے دیکھئے ہم درغلاب کے ڈھیر لگائے دیتے ہیں موتی کوڑیوں کے مول لگائے دیتے ہیں سب کتب تقریباً چالیس جز میں

چیچے کی بعض مقام مناسب پر تصویر مصنف کھینچے گی۔ شروع طبع میں قیمت بیچنے والے (تین روپے چار تارے) کو پائیس کے چھپ چھپنے کے بعد پورے صد (پانچ روپے) مقرر ہو جائیں گے۔ غالباً اہل ہنر سے ہی اجتراز میں آئیں گے چھپنے تو وہ ہاتھوں ہاتھ اٹھالے جائیں گے۔ اشتہار دینے کا یہ سبب ہے، صرف اتنی ہی مطلب ہے کہ درخواست بیچنے والوں کو اطمینان یک سرے کا پہلے ان کا استحقاق مد نظر رہے گا اگر ابھی سے طلب گار ہوں گی قیمت کے حصہ دار ہوں

نقطہ [9]

”اشتہار قاطع بہان“

قاطع بہان کے سلسلے میں یہ جانتا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ جولائی ۱۸۸۷ء تک غالب کا طبع تھا کہ ”مقدورہ مسامتہ کرے گا تو میں ہے شرکت خیر اس کو چھاپوں گا۔“ (۲۵) لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ کلیات کے ساتھ ساتھ قاطع بہان کا معاملہ بھی ملٹی فول کشور سے ملے ہو گیا۔ چنانچہ اورہ اخبار کی جس اشاعت میں کلیات کا اشتہار شائع ہوا، اس میں کلیات کے اشتہار کے نیچے ہی اشتہار قاطع بہان بھی ہم کو نظر آتا ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ کلیات کا اشتہار اورہ میں تھا، اور قاطع بہان کا فارسی میں یہ تقریب غالب کی ذاتی ایچ کا نتیجہ تھی یا خود ناشری؟ اس کا میں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اشتہار کی عبادت یہ ہے:

ادیاب فرہنگ و بحر رامژہ یاد دہندہ نگارش نکستہ سخاں رسالہ کہ گوہر لفظ آب آنا دیدہ و فراہم معنی بچلائے نور سیدہ۔ اعلیٰ نثار جوہر تحقیق، رد فخر آئینہ تحقیق، آموزگار جلیل التناقب لوہاب اسد اللہ خاں غالب کہ المصلحہ فلسفہ دراز و خال آرائی سخن ہے نظیر ست در تکیں طبعی طاوۃ روئے شہد ان دلہندہ پائیزائے بہان از قلم کتاب چیدہ نثار اشتہار و نمود و جہانگیر دیو ادب سکندری خوردہ عیان آنگہی بر شادہ سورہ حاصل کہ ذائقہ بر کردہ و اصلاح پرداخت و ہر راجع نمود رسالہ مختصر مباحثہ طاوۃ آن بدگر فواہ کار آمدنی نڈیل و آخرش ہوا کہ گوہر کونکھل کر دیا میزد لعلہائے ربانی ست کہ چٹخے آزار دیدہ و دوحل اللہ بواقیت سیلانی کہ آویزہ گوش نگر دیدہ۔ زود است کہ این سلسلے و لہریہ بہ نقش و نگار طبع آراہندہ بس دیر کہ عرض حسن خدا داد را بر منصرہ شود بر آید غرض و مصلحت چہ بر شام کہ سلسلہ سخن در آد گردیدہ۔ طبع این کتاب کہ ازہ جرائیش باشد قریب اختتام رسیدہ نقین کہ دروہ ہفتہ طیار گرد و قابل تماشائے اولی الاصدار گرد۔ ہر کراشوق دامن دل کشیدہ فریادی پر داند و مناسب ست کہ درخواست فرستادہ از پیش تر آگاہ مائزہ رعایت معنی برندگان مد نظر شد این زبان یک روپہ قیمت مقرر شد لفظ۔

کلیات فارسی اور قاطع بہان کے اشتہارات کے سلسلے میں یہ سمجھل ذکر ہے کہ اورہ اخبار کے اکتوبر ۱۸۸۳ء تک کے جو شمارے پیش نظر ہیں ان میں کلیات کا اشتہار پہلی بار شائع ہونے کے بعد پھر شائع نہیں ہوا لیکن قاطع بہان کا اشتہار یکم جنوری کے بعد ۸ جنوری کے شمارے میں بھی شائع ہوا اور بعد میں بھی متعدد بار اسے چھپا گیا جس کی تفصیل آگے درج کی جائے گی۔

قاطع بہان کے مندرجہ بالا اشتہار میں قریب ظاہر کی محی تھی کہ وہ بہتوں میں طاعت مکمل ہو جائے گی لیکن یہ توقع

پر دی تھیں ہو سکی اور اس کی تحیل میں کم و بیش تین مہینے لگ گئے۔ چنانچہ اشعار اختتام کا طبع بہانہ ۲۶ مارچ کے اخبار میں ہم کو ملتا ہے [۶۶] یہی اشعار دوسری اور تیسری اپریل کے شماروں میں چھاپا گیا تھا۔ "اشعار کا طبع بہانہ" اور "اشعار اختتام کا طبع بہانہ" دونوں کی عبارتیں ایک ہی ہیں۔ البتہ آخری سطروں میں حسب ضرورت معمولی سی ترمیم کی گئی تھی۔ "یقین کر دو وہ بدلتا طیارہ گرد و قتل کشاے اولیٰ الاصدار گرد" کو حذف کر دیا گیا تھا اور اس جگہ ایک نوید بکوش غنی سخاں رسام کی مبعث بانہام رسیدہ [۶۷] نے لے لی تھی۔

کا طبع بہانہ تین مہینوں میں پمپ گئی لیکن کلیات شاید ابھی کتابت ہی کی منزل سے گذر رہی تھی۔ دوسری طرف غالب قدرتی طور پر جزیب ہو رہے تھے ان کی ذاتی کیفیت کا اندازہ اس جملے سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے طاء الدین خاں کو ۸۳ جون المبارک " (۱۸۸۳ء) کو لکھا تھا۔ "کلیات کے ابداع کا اختتام اپنی رست میں نظر نہیں آتا۔ کا طبع بہانہ کا چھاپا تمام ہوا۔ حق تعالیٰ کی ایک جلد میرے پاس آگئی۔ [۶۸]

جب مرتضیٰ حسین فاضل نے اپنے مقالے میں ایک خط کے حوالے سے جو ۵ مئی ۱۸۸۳ء کو لکھا گیا تھا، لکھا ہے کہ کلیات کی طباعت اس وجہ سے ملتوی تھی کہ مولوی ہادی علی تیار تھے [۶۹]۔ یہ بیان یقیناً قرین صحت ہے۔ مولوی ہادی علی قول کشور پریس کے مخاطبی اختتام کی مٹھن کے اہم پرزے کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی اس حیثیت کاظم ہمیں خود غرضی قول کشور کے ایک مضمون سے ہوتا ہے جو "تعارف سال ۱۸۸۳ء" کے عنوان سے اور اخبار میں شائع ہوا تھا یہ مضمون دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ کئی اعتبار سے اہم ہے اس سے قول کشور پریس کی وسعت و گیرائی کا اندازہ ہونے کے علاوہ پریس کے محلے کی فرست اور ان کی استعداد و البتہ کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

غرضی صاحب نے اس مضمون میں گزشتہ سال کی کارگزاری کا جائزہ لیتے ہوئے عام روش سے ہٹ کر "مرہستوں اور خریداروں کا شکریہ ادا کرنے سے پہلے مطبع کے تمام کارکنوں کا نام نظام شکریہ ادا کرنے میں تمام ناظرین اخبار کو بھی اپنا ہم نوا بنانا تھا۔ "اگر ہمارے ناظرین اور اخبار اور بزرگان باوقار جن کو اس مطبع سے لاکھ بچھا ہمارے ساتھ حقوق الفاظ ہو کر اس مطبع کے کارپردازوں کا شکریہ ادا فرمائیں منت یہ حال راقم محض ہے [۷۰]۔ اس فرست میں مولوی ہادی علی کا نام سرفرست نظر آتا ہے۔"

"مولوی محمد ہادی علی صاحب کچھ مطبع یہ بزرگ وہ ہیں کہ جن کے صرف حیرت نام سے جو ہر علوم معروض عرض میں آتا ہے طاء اور فضلا کا سرمایہ انکار کوئی علوم و فنون حلقہ علمی و فارسی اور دینی زبان کا ایسا نہیں جس کے واسطے استاد مسلم نہ کہوں اس وجہ سے ہم روزہ میں غم کو دعا ہے کہ کوئی اہل مطبع اسے ہم پہ نہ نہیں"۔ [۷۱]

ان ہی مولوی ہادی علی کی طباعت کی وجہ سے مطبع کی کوشش اور غالب کی خواہش کے باوجود کلیات کی طباعت میں سزا انعام مہینے لگ گئے۔ مرتضیٰ حسین فاضل صاحب کی وساطت سے ہماری معلومات میں یہ اضافہ ہوتا ہے کہ جو مئی ۱۸۸۳ء کے اور اخبار میں "اشعار کلیات جناب مرزا غالب دہلوی" چھپا تھا جس میں طباعت کے تمام ہونے کی خبر درج تھی۔ اس اشعار کی عبارت جو فاضل مقالہ نگار نے درج کی ہے وہ وہی ہے جو سابقہ صفحات میں نقل کی جا چکی

ہے۔ صرف آخری چند سطروں کی عبارت میں حسب ضرورت دو بدل ہوا تھا ان سطروں کی شکل یہ ہو گئی تھی۔
 ”... تمام کتاب سوا پچتیس جز میں چھپ کر تیار ہے“ اور مقام مناسب پر تصویر مصنف بھی یادگار ہے۔
 سابق میں سوائے معمولی جتنی قیمت تین روپے چار آٹے قراء دی تھی اور بعد فتح کتاب پانچ روپے درج
 کی تھی۔ اب چونکہ رملہ عام منظور ہوا، قیمت کا گھٹا دینا ضرور ہوا (جن لوگوں سے قیمت جنگلی لی گئی ہے
 انہیں معمول معاف) اور وہ صاحب اب طلب کریں گے، ان سے چار روپے قیمت لیں گے۔“ [17]
 غالبؔ اسی اشتہار کی بنیاد پر غالب نے ایک خط مورخہ ”۲۳ ذی قعدہ“ (مطابق ۳ مئی ۱۸۸۳ء میں سید بدر الدین کو
 اطلاع دی تھی کہ ”اب سنا ہے کہ کلیات چھپ کر تیار ہو گیا ہے روپے کی فکر میں ہوں ہاتھ آجائے تو ۵۰ روپے بھیج
 کر میں جلدی منگواؤں۔“ [18]
 لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک کلیات چھپ کر مطبع سے باہر نہیں آیا تھا۔ ۳ جون ۱۸۸۳ء کے اور وہ اشتہار
 سے معلوم ہوتا ہے کہ:

”بہ وجہ عدم جاری تصویر مرزا صاحب موصوف کلیات پہ خدمت مشتاقان تقسیم ہونا ملتوی رہا۔ اب تیار ہو گئی۔“ [19]

”نواب مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی“

کلیات دہلوی اور قاطع بہان کے اشتہاروں کے بعد مندرجہ بالا عنوان کے تحت مرزا غالب سے متعلق ایک خبر بھی
 اور وہ اخبار میں ملتی ہے۔ خبر مختصر ہے لیکن تنقید کی عبارت اخبار کے پورے ایک کالم پر پھیلی ہوئی ہے یہ خبر کس نے
 بھیجی تھی یا کس درجے سے دفتر اخبار تک پہنچی تھی؟ اس کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ مگر غالب ہے کہ غالب ہی کے ایما
 ں یہ خبر شائع کی گئی ہوگی پوری عبارت یہ ہے:

سب جانتے ہیں کچھ حاجت دلیل نہیں کہ آج ہندوستان میں ان کا بدل نہیں فصاحت و بلاغت میں معجزان
 عالی ہیں فن شعر میں جواب انوری و خاقلی ہیں زمین و آسمان پر پہنچایا۔ ہر نقطہ کو اختر کوکب معلیٰ بنایا۔
 زور نگران کا جہاں میں مشور ہے نتائج طبع عالی کا آوازہ دور دور ہے۔ جناب جمالیان باب ملک معطلہ ہندو
 انگلینڈ کی مذاق میں وہ پایہ بلند و مرتبہ ارجحہ پایا کہ ابتدائے عمل زاری سرکاری سے کسی ہندوستانی کے
 لئے اس کا دسواں حصہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہ کثیف نواب ممدوح نے خود لکھی ہے اپنی کتاب دخیو میں
 متصل بیان کی ہے۔ آگے ایک قصیدہ ملک معطلہ کی شان میں کہا تھا۔ وہاں تو ہر کمال کی قدردانی ہے۔ کھلا
 ہوا باب فیض رسائی ہے۔ جب فیض یاب حاجت ہوا منظور نگار مرحمت ہوا تو وہ نوال کی طرف بہت آتی
 صلہ شاہانہ دینے پر طبیعت آتی فروری ۱۸۸۵ء میں جناب رسل کرک صاحب ہمدرد نے مصنف کو انگریزی
 چھٹی لکھی۔ ولایت سے ڈاک میں پہنچ کر اس نوید سراپا امید سے خبر دی کہ تمہارے قصیدے کے انعام کا
 مقدمہ ابر تجویز ہے مگر قریب حفظ احوال کے بعد صدور حکم ایذا کو درگشت اس کی اطلاع پاؤ گے۔ تاہم سنہ
 مذکورہ میں سرزمین ہند پر آسمان نوا، فوج حلاوت نے ہاتھل نتائج امید کو لوٹا۔ نتیجہ یہ نکلا یوں ابر

تیسارے گردوں پر جس طرح بجلی کے بات کے تلے کیوں ہے۔ کیا آواز تھا کیا اجماع ہوا کہ ہر حر صدی
بھی ناکام ہوا نواب صاحب کا وہ معاملہ گویا خواب قمار
جب آگھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا!

جب ضمیمہ کے پرورش سلطان پھر توجہ فرمائے عین حالت یاس میں لطف خسروانی سے امید برائے۔
اس تقریب میں ایک ذکر اور سنئے کہ ان دنوں جب تعزیت شادبازوہ عالی پائے گا [20] عالم گیر تھی۔ دہلی میں ایک
دورق عدا گمر بنی کھسا ہوا اور اس کے ساتھ دو سرا دورق سلو ویش نگاہ حکام سے مشاہیر شہر کے پاس پہنچا۔ ہر ایک نے
اپنا نام لکھ دیا۔ نواب صاحب نے اس راہ سے کہ صاحب خاں ہیں، مدحت سرائے لکھ زمین ہیں، یہ شعرنی المہدیہ کما
ہوا لکھ کر مہر کر دی۔

شاہ عالی گمر و گوہر پائش صدحیف ویکہ ناچار سپردہ ناخوش صد حیف
ہندوستان کی سمجھ۔

اور وہ اخبار کے صفحات میں مندرجہ بالا مضمون کے تحت، غالب کا ایک سیاسی نوعیت کا مختصر سا مضمون بھی ملتا ہے
جو آداب عالم طب کے حوالے سے نقل کیا گیا تھا۔

غالب سیاسی لیڈر یا مصلح نہیں تھے، تاہم اپنے دور کے اور شاہوں کی طرح نرے شاعر بھی نہیں تھے۔ اخبارات
پابندی اور دلچسپی سے پڑھتے تھے اور ان سے نتائج بھی اخذ کرتے تھے اخبار، سوستانوں کی بدولت کی ناکامی کے کم و بیش
چار سال بعد انہوں نے یہ مضمون لکھا تھا چنانچہ مضمون میں اس حادثے کے کمرے سائے نظر آتے ہیں۔

اس مضمون کی محرک ہندوستان پر افغانستان کے حملے کی تیاریوں کی افواہیں تھیں جنہیں چھ کر اور سن کر ہندوستانی
عوام داخلی اضطراب محسوس کرتے۔ اس نوع کی افواہیں ۱۸۵۷ء کے فوجی بغاوت میں اس ملک میں عام تھیں بدولت سے کچھ
مغل تو اس مضمون کے اشتہارات بھی تقسیم کئے گئے تھے کہ ایرانی فوجیں انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے کھیل کاٹنے
سے لیس کمری ہیں بدولت کی ناکامی کے بعد جب برطانوی دریائے انعام کے جزرے مد کی شکل اختیار کی تو اسی نوع
کی افواہیں پھر اخباروں میں چھ پائے گئیں۔ عوام الناس جن کے ذہنی غیر ملکی اقتدار کو تسلیم کرنے کے لئے چار نہیں
تھے، ان افواہوں پر ایمان لے آئے بلکہ ملک منج لگا کر ان کی تفسیر بھی کرتے غالب جو بدولت کے محرکوں اور اس
کی ناکامی کے نتائج کے شاہد تھے ان افواہوں کو چھ کر اور سن کر گھبرا اٹھے تھے۔ اس مضمون میں ان کی ذہنی
کیفیت کے واضح نشان ملتے ہیں اس مضمون کو پیش کرنے سے پہلے اس لوٹ کو نقل کر دیا ہے مغل نہ ہو گا جو مضمون
کی پیشانی پر درج ہے اور جس سے مضمون کے پس منظر اور غالب کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔

افغانستان کا دونا چھ مدت وراز سے بنا جاتا ہے دس برس سے زیادہ ہوئے کہ صحائف اخبار میں دیکھا جاتا
ہے غرض سارا سال گذر گئے، نئے نئے کان بھر گئے کسی بات کا تصور نہ پایا اللہ کے سوا کچھ نظر نہ آیا
اس زمانے میں بھی دیکھی ہی باتوں نے شہر میں پائیں۔ چاروں طرف لوگوں نے بے پروائی ادا نہیں۔ ہندوستانیوں
کی سمجھ کے قریب کیا کیا عقلیں ہیں کسے کسے انسان نے سنے سنے ہندوستان پورے، تو نے اٹھائے، مغل

اپنے ممکن پر نیکوں کیس لگے۔ اے بے فکر! خدا سے (دو) تاج عالم کو پریشان نہ کرو مظلوم نہیں ہے اصل باتیں کون گڑھتا ہے خصوصاً "دقائق نگارن انگریزی کو کون نکھار آتا ہے۔ کیا کریں جب صحیفوں کو ایسے اخبارات سے ملجاتے ہیں تو ہم بھی سب ضرورت کچھ کچھ انتخاب کر کے اپنے صحیفے میں چھپواتے ہیں کج کل دانے روزگار سرآمد اول الابصار "ارسطو قدرت" طاغیوں "نعت" جناب والا شان "عالی مناقب" مرزا اسد اللہ خاں غالب نے جن کی سلامت ذہن مستقیم پر قسم کھائیے استقامت رائے سلیم کے صدقے جائے ناصوں کی فصاحت میں ایک نثر قمری فرمائی ہے۔ ہمارے مضمون خیالی سے قیاد ہوا ایسی تقریر فرمائی ہم اس کو درج اخبار کرتے ہیں اہل جہاں پر افکار کرتے ہیں بعد اس کے بھی جو خبریں ملتا کریں گی پیش کش ناظرین مشتاق ہو کریں گی۔

مترجم عبارت میں اگرچہ اس امر کی تصریح نہیں ملتی کہ یہ نوٹ "آداب عالم تاب" کا ہے یا اردو اخبار کا۔ لیکن عبارت آرائی کا طرز اردو اخباری کا ہے۔ لیکن ہے کہ غشی اول کشور ہی کے زور قلم کا نتیجہ ہو۔ غالب کا مضمون "جس کا عنوان "نثر" ہے" ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے یہ عنوان اصل مضمون کا نہیں ہو سکتا "علیاً" اردو اخبار کا قائم کردہ تھا:

نثر:-

داروب دنیا میں بنتے بھوکے بندے ہیں سب اپنا بھلا چاہتے ہیں۔ کیا یہ کچھ قسم واقعہ طلب لوگ کیا چاہتے ہیں؟ قدرت و خدا سے خوش اور امن و امان کے دشمن ہیں۔ کیا اپنے دن و فرزند مال و جان کے دشمن ہیں اگرچہ اس ہنگامے میں آپ بھی برادر ہوتے ہیں لیکن جہاں بھی ہنگامے کی خبر سنتے ہیں شام ہوتے ہیں ابھی سرزمین ہند میں سورج دن دروازے خوں دیکھ چکے ہیں نیکوں ہماری گھنٹیاں اس دنیا میں سرنگوں دیکھ چکے ہیں۔ یہ طاقت دشمن جبریت نہیں بکڑتے ہیں اور جو کوئی ان کو سمجھائے اس سے جھگڑتے ہیں۔ کمال کے اخبار پر کس رغبت سے کمال دھرتے ہیں اور اس اخبار پر کیا کیا آثار مرتب کرتے ہیں از بس کہ سرکار انگریزی کی توجہ طرف رفاہ عام کے ہے۔ لہذا کمال خیال یا قصد جو کچھ ہے واسطے انتظام کے ہے۔ بلزخ خیال اس کردہ میں سے کسی نے کچھ بیحد کر حوصلہ کیا اور صاحبان عالی شان عدولت نشان کا مقابلہ کیا بات صاف صاف ہے جائے انصاف ہے جن موبہ من اللہ حاکموں نے اپنی فوج باقی کو صرف اپنے حسن تدبیر و ضرب شمشیر سے زیر کیا ہے اب جو یہ فوج جبراد و فکر ہے شمار ساتھ ہے مخالف کا وضع کرنا مشکل کیا ہے۔ ہندو مسلمان جو اہل ہند اگلے قدرت و خدا سے بچ رہے ہیں اور بعد اس کے دیا اور قتل کے دکھ سے ہیں وہ اپنی سلامت و صحت پر خدا کا شکر بجا لائیں۔ ناپاکیزہ سستا اناج فراغت سے کھائیں۔ اگن پوت اور دہلی گاڑی کی صنعت کو دیکھیں ہمارے نیکلی میں پیام کے پہنچنے کی سرعت کو دیکھیں ہندوؤں کی روتی اور دواچ علم کی

کثرتِ لحاظ فرمائیں۔ حکام کی مہمانیاں اپنی نسبت لحاظ فرمائیں ملک سراسر بے خض و خاشاک ہو گیا ہے قلم رو بہد نمود گزار ہو گیا ہے بھشت اور شکستہ ہو مرنے کے بعد حضور غالب زندگی میں موجود ہے وہ اسحق ہے وہ باقدردان ہے جو انگریزی عمل درسی سے ناخوشو ہے حکام کو ملک کی آبادی اور رحمت کی آسودگی منظور ہے اگر امیانا کوئی اپنے حق کو نہ پہچنے تو یہ اس شخص کی غلطی قسمت ہے آدمی قسمت خاص کو نہ دیکھے رحمت عام پر نظر کرے اگر اس کا کوئی دعا حاصل نہ ہو تو اپنے بخت و قسمت کا گلا کرے فقط اسمن و ایمان کا طالب بخت و قسمت کا شاکی غالب

غالب کی تائید میں مولان علی خان رعنا کا مراسلہ۔

آج کی طرح اس دور میں بھی اخباروں میں چھپنے والے مضامین کی بہت ناظرین اخبار کے مراسلات بھی شائع کرتے تھے۔ چنانچہ غالب کے متعدد چلا مضموں پر ”اودھ اخبار ہی میں غالب کے ایک شاگرد مولان علی خان رعنا کا طویل مراسلہ ”خیال فیما حل الہام“ کے عنوان سے ملتا ہے جو اخبار کے تین صفحوں پر پھیلا ہے اسے غالب کے اہل حق کی تفصیل و تشریح کہنا کلام نہ ہو گا۔ رعنا نے ان ہی دلوں کھٹے سے گھسٹو تک کا سفر کیا تھا اور اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدے کی بنا پر غالب کے بیان کی تائید و تصدیق کی تھی [22]۔ اس مراسلے کے ضروری اقتباسات یہ ہیں :

”... آپ کے اخبار حق ٹاؤس میں عمارت نثر ریخت قلم بواہر رقم استغلی جناب والا مناقب مرزا احمد اللہ خان غالب دہلوی دام انعام کی دیباب قصد و تنبیہ عوام و کچھ نعمان بندھری نظر سے گزری۔۔۔ اذان جاگ قہر جناب ممدوح دہلی انصہر کو میں بھی حتی الوسع سید کا سعادت جان کر واسطے مزید تنبیہ ہر خاص و عام عرض کر کر عارض ہوں کہ آپ بوسیلہ اندراج اخبار گو ہر باد خود بندھ گان خدا کو اس سے منتخب اور حکام عہد کو اس طرف متوجہ فرمائیے گا۔ یہ تصدیق قول حضرت غالب کے یہ بات ظاہر کی جاتی ہے کہ فی الواقع ہر شر میں از روز شہرت جنگ اہل انہاں و افغان جو دوسرا سے ان کے درمیان ہے طرح طرح کے خیالی پلاڈ پکائے جاتے ہیں مگر کادھ کی پانڈی میں چنانچہ از کلکتہ تا گھنٹو بدھ سکتا چلا آتا ہے اور اس طرف حضرت غالب نے سنی جس کے دھیسے میں حضرت ممدوح نے تنبیہ خیر خواہان نوک ریز خان حق شامہ فرمائی ہے اور گھنٹو کے ہر قز قز مشہور ہیں جب حضرت انہوں خود اور دک نوش ہوائے نشت کذا میں سر یہ فلک ہوتے ہیں پھر وہ وہ ان کو دور کی سوچتی ہے کہ فرشتہ خد کا اور اک بھی وہاں تک نہیں پہنچتا۔۔۔ میں نے راہ چلتے یہاں تک سنا کہ شر کی عمارت شکستہ کی جو ہمواری ہوتی ہے یہ سلسلہ جنگ کیا جاتا ہے اور اگلے چاند یعنی والہجہ میں شر پھر لگے گا۔ ایسی افواہیں بندھ کے جوڑا دواصدار میں صبح سے شام تک ہزار اڑتی رہتی ہیں۔ مگر ایسے موقع پر جب حدود بندھ پڑے۔۔۔ خود سے جو ایسی چار سال گذرے کہ فرد ہو چکا ہے عوام یا بعض (اخباروں) میں مشرور و شایع ہوتا سوادہ مستان یا دہلیدین اور رعنا را ہوئے بس است خیال کرنا بعید از عاقبت انصہر و داغلی نہیں [24]۔

اودھ اخبار ہی میں دہلی کی ایک خبر کے سلسلے میں مولان علی خان رعنا کا ایک اودھ مراسلہ ہمیں ملتا ہے۔ اس

مراسلے سے ہماری مطبوعات میں یہ کمالی قدر اضافہ ہوتا ہے کہ باب لوہانن دہلی نے خیر افغانستان کے پردے میں دایمات گپ ایک دوبار اڑائی جس کی نسبت حضرت غالب نے تنبیہ لکھی اور بار بار دہلی گزٹ ہوئی (25)۔ "اس جیلے سے گمان کرنا غلط نہ ہو گا کہ غالب کا یہ مضمون اردو اخبار آداب عالم تاب اور دہلی گزٹ کے علاوہ دوسرے بہت سے اخباروں میں بھی چھپا ہو گا لیکن ہے کہ یہ دہلی گزٹ ہی کے لئے لکھا گیا ہو جو ایک نیم سرکاری اخبار تھا۔ اردو اخبار کے پیش نظر شماروں میں غالب کے علاوہ ان کے شاگردوں میں سماں داد خاں سیاح کی متعدد فزائیں اور مرزا علی خاں رحمان کی فزوں اور قصیدوں کے علاوہ متعدد مراسلات اور مضامین بھی ملتے ہیں۔

حوالے

- 1۔ مرزا غالب مردم کا غیر مطبوعہ کام: اصول: جلد 3، نمبر 33، ص 144
- 2۔ اردوئے سدا (1 اور 2) 1944
- 3۔ کلیات مرزا غالب (پہلی نمبر) 1944، ص 144
- 4۔ اردو اخبار جلد 3، نمبر 6، 5، 4، 3، 2، 1، 1944، ص 144
- 5۔ اردوئے سدا، ص 144
- 6۔ مجلہ ادب لبر حصہ اول، 1944، ص 144
- 7۔ اردوئے سدا، ص 144
- 8۔ 1944، ص 144
- 9۔ اردو اخبار جلد 3، نمبر 1، 2، 3، 4، 5، 6، 7، 8، 9، 10، 11، 12، 13، 14، 15، 16، 17، 18، 19، 20، 21، 22، 23، 24، 25، 26، 27، 28، 29، 30، 31، 32، 33، 34، 35، 36، 37، 38، 39، 40، 41، 42، 43، 44، 45، 46، 47، 48، 49، 50، 51، 52، 53، 54، 55، 56، 57، 58، 59، 60، 61، 62، 63، 64، 65، 66، 67، 68، 69، 70، 71، 72، 73، 74، 75، 76، 77، 78، 79، 80، 81، 82، 83، 84، 85، 86، 87، 88، 89، 90، 91، 92، 93، 94، 95، 96، 97، 98، 99، 100، 101، 102، 103، 104، 105، 106، 107، 108، 109، 110، 111، 112، 113، 114، 115، 116، 117، 118، 119، 120، 121، 122، 123، 124، 125، 126، 127، 128، 129، 130، 131، 132، 133، 134، 135، 136، 137، 138، 139، 140، 141، 142، 143، 144، 145، 146، 147، 148، 149، 150، 151، 152، 153، 154، 155، 156، 157، 158، 159، 160، 161، 162، 163، 164، 165، 166، 167، 168، 169، 170، 171، 172، 173، 174، 175، 176، 177، 178، 179، 180، 181، 182، 183، 184، 185، 186، 187، 188، 189، 190، 191، 192، 193، 194، 195، 196، 197، 198، 199، 200، 201، 202، 203، 204، 205، 206، 207، 208، 209، 210، 211، 212، 213، 214، 215، 216، 217، 218، 219، 220، 221، 222، 223، 224، 225، 226، 227، 228، 229، 230، 231، 232، 233، 234، 235، 236، 237، 238، 239، 240، 241، 242، 243، 244، 245، 246، 247، 248، 249، 250، 251، 252، 253، 254، 255، 256، 257، 258، 259، 260، 261، 262، 263، 264، 265، 266، 267، 268، 269، 270، 271، 272، 273، 274، 275، 276، 277، 278، 279، 280، 281، 282، 283، 284، 285، 286، 287، 288، 289، 290، 291، 292، 293، 294، 295، 296، 297، 298، 299، 300، 301، 302، 303، 304، 305، 306، 307، 308، 309، 310، 311، 312، 313، 314، 315، 316، 317، 318، 319، 320، 321، 322، 323، 324، 325، 326، 327، 328، 329، 330، 331، 332، 333، 334، 335، 336، 337، 338، 339، 340، 341، 342، 343، 344، 345، 346، 347، 348، 349، 350، 351، 352، 353، 354، 355، 356، 357، 358، 359، 360، 361، 362، 363، 364، 365، 366، 367، 368، 369، 370، 371، 372، 373، 374، 375، 376، 377، 378، 379، 380، 381، 382، 383، 384، 385، 386، 387، 388، 389، 390، 391، 392، 393، 394، 395، 396، 397، 398، 399، 400، 401، 402، 403، 404، 405، 406، 407، 408، 409، 410، 411، 412، 413، 414، 415، 416، 417، 418، 419، 420، 421، 422، 423، 424، 425، 426، 427، 428، 429، 430، 431، 432، 433، 434، 435، 436، 437، 438، 439، 440، 441، 442، 443، 444، 445، 446، 447، 448، 449، 450، 451، 452، 453، 454، 455، 456، 457، 458، 459، 460، 461، 462، 463، 464، 465، 466، 467، 468، 469، 470، 471، 472، 473، 474، 475، 476، 477، 478، 479، 480، 481، 482، 483، 484، 485، 486، 487، 488، 489، 490، 491، 492، 493، 494، 495، 496، 497، 498، 499، 500، 501، 502، 503، 504، 505، 506، 507، 508، 509، 510، 511، 512، 513، 514، 515، 516، 517، 518، 519، 520، 521، 522، 523، 524، 525، 526، 527، 528، 529، 530، 531، 532، 533، 534، 535، 536، 537، 538، 539، 540، 541، 542، 543، 544، 545، 546، 547، 548، 549، 550، 551، 552، 553، 554، 555، 556، 557، 558، 559، 560، 561، 562، 563، 564، 565، 566، 567، 568، 569، 570، 571، 572، 573، 574، 575، 576، 577، 578، 579، 580، 581، 582، 583، 584، 585، 586، 587، 588، 589، 590، 591، 592، 593، 594، 595، 596، 597، 598، 599، 600، 601، 602، 603، 604، 605، 606، 607، 608، 609، 610، 611، 612، 613، 614، 615، 616، 617، 618، 619، 620، 621، 622، 623، 624، 625، 626، 627، 628، 629، 630، 631، 632، 633، 634، 635، 636، 637، 638، 639، 640، 641، 642، 643، 644، 645، 646، 647، 648، 649، 650، 651، 652، 653، 654، 655، 656، 657، 658، 659، 660، 661، 662، 663، 664، 665، 666، 667، 668، 669، 670، 671، 672، 673، 674، 675، 676، 677، 678، 679، 680، 681، 682، 683، 684، 685، 686، 687، 688، 689، 690، 691، 692، 693، 694، 695، 696، 697، 698، 699، 700، 701، 702، 703، 704، 705، 706، 707، 708، 709، 710، 711، 712، 713، 714، 715، 716، 717، 718، 719، 720، 721، 722، 723، 724، 725، 726، 727، 728، 729، 730، 731، 732، 733، 734، 735، 736، 737، 738، 739، 740، 741، 742، 743، 744، 745، 746، 747، 748، 749، 750، 751، 752، 753، 754، 755، 756، 757، 758، 759، 760، 761، 762، 763، 764، 765، 766، 767، 768، 769، 770، 771، 772، 773، 774، 775، 776، 777، 778، 779، 780، 781، 782، 783، 784، 785، 786، 787، 788، 789، 790، 791، 792، 793، 794، 795، 796، 797، 798، 799، 800، 801، 802، 803، 804، 805، 806، 807، 808، 809، 810، 811، 812، 813، 814، 815، 816، 817، 818، 819، 820، 821، 822، 823، 824، 825، 826، 827، 828، 829، 830، 831، 832، 833، 834، 835، 836، 837، 838، 839، 840، 841، 842، 843، 844، 845، 846، 847، 848، 849، 850، 851، 852، 853، 854، 855، 856، 857، 858، 859، 860، 861، 862، 863، 864، 865، 866، 867، 868، 869، 870، 871، 872، 873، 874، 875، 876، 877، 878، 879، 880، 881، 882، 883، 884، 885، 886، 887، 888، 889، 890، 891، 892، 893، 894، 895، 896، 897، 898، 899، 900، 901، 902، 903، 904، 905، 906، 907، 908، 909، 910، 911، 912، 913، 914، 915، 916، 917، 918، 919، 920، 921، 922، 923، 924، 925، 926، 927، 928، 929، 930، 931، 932، 933، 934، 935، 936، 937، 938، 939، 940، 941، 942، 943، 944، 945، 946، 947، 948، 949، 950، 951، 952، 953، 954، 955، 956، 957، 958، 959، 960، 961، 962، 963، 964، 965، 966، 967، 968، 969، 970، 971، 972، 973، 974، 975، 976، 977، 978، 979، 980، 981، 982، 983، 984، 985، 986، 987، 988، 989، 990، 991، 992، 993، 994، 995، 996، 997، 998، 999، 1000
- 11۔ اردو اخبار، 3 مئی 1944، ص 144: یہ جگہ مجلہ حرکت، ص 144
- 12۔ اردوئے سدا، ص 144
- 13۔ اردو اخبار، 3 مئی 1944، ص 144: یہ جگہ مجلہ حرکت، ص 144
- 14۔ اردوئے سدا، ص 144
- 15۔ اردو اخبار، 3 مئی 1944، ص 144: یہ جگہ مجلہ حرکت، ص 144
- 16۔ اردوئے سدا، ص 144
- 17۔ اردو اخبار، 3 مئی 1944، ص 144: یہ جگہ مجلہ حرکت، ص 144
- 18۔ اردوئے سدا، ص 144
- 19۔ اردو اخبار، 3 مئی 1944، ص 144: یہ جگہ مجلہ حرکت، ص 144
- 20۔ اردوئے سدا، ص 144
- 21۔ اردو اخبار، 3 مئی 1944، ص 144: یہ جگہ مجلہ حرکت، ص 144
- 22۔ اردوئے سدا، ص 144
- 23۔ اردو اخبار، 3 مئی 1944، ص 144: یہ جگہ مجلہ حرکت، ص 144
- 24۔ اردوئے سدا، ص 144
- 25۔ اردو اخبار، 3 مئی 1944، ص 144: یہ جگہ مجلہ حرکت، ص 144

مرزا غالب سے متعلق فرسے لگی "ایک مضمون بھی غالب پر کسی ایہت حنفی کا احوال" کے بارے میں ہے کہ یہ دوا صد سالہ ہے اور نمبر 11، ص 144



غالب کا کلکتہ

پروفیسر حمید احمد خاں

اگر ان شہوں کی فرست چار کی جائے جن میں مرزا غالب کو اپنی زندگی کے کسی نہ کسی حصے میں رہنے کا اتفاق ہوا تو مدت قیام کے لحاظ سے اس فرست میں دہلی اور آگرے کے بعد کلکتہ کا نمبر آئے گا۔ کلکتہ کا سفر مرزا صاحب نے ایک مجبوری سے اختیار کیا تھا۔ وہ اپنی جائیداد کا قرضے طے کرانے کے لئے یہاں آئے تھے۔ مگر یہاں پہونچ کر شروع میں جو امیدیں انہیں بندھیں وہ کچھ عرصے کے بعد باطل ثابت ہوئیں اور بالآخر وہ کلکتہ سے واپس ہو کر دہلی کی طرف لوٹ گئے۔ اس پہلو سے کلکتہ کو مرزا غالب کی یاد پر کوئی خاص حق باقی نہ رہا۔ لیکن بعض پہلوؤں سے کلکتہ کا تعلق اس قدر پائیدار ثابت ہوا کہ خود دہلی اور آگہ بھی رنگ کرے تو جانو تھا۔ آگرہ و دہلی غالب کے بچپن کی اور ابتدائی وطن ہونے کی حیثیت سے قدر تھی۔ اپنی اپنی مخصوص کشش رکھتے تھے۔ چنانچہ غالب نے فارسی اور اردو مکاتیب اور اشعار میں جہاں ان کا ذکر محبت اور احترام سے کیا ہے کلکتہ کو غالب سے اس قسم کی کوئی نسبت حاصل نہ تھی۔ بلکہ یہی کلکتہ کے حلقہ انہوں نے اپنی پسند کا اعتبار اس پر عرصہ میں کیا ہے کہ ہمیں اس پسند پر کچھ غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

جشن کا مقدمہ کرنے کے لئے مرزا غالب ۱۸۵۷ء میں جس لیے مصر روانہ ہوئے اس کے سلسلے میں دہلی سے لے کر کلکتہ تک انہیں کافی ہنگام کے اکثر بڑے شہروں سے ذاتی واقفیت حاصل ہوئی لیکن کھنڈ کر آہاں "بارس" پنڈ کسی کو بھی شاعری حسین و قویہ سے وہ حصہ نہ ملا جو کلکتہ کے لئے مقدّم تھا۔ بارس کی تعریف میں ضرور ایک رتھیں شہری قاری کلیات میں موجود ہے، لیکن یہ تعریف بارس سے کہیں زیادہ "میںج بارس" کے لئے وقف ہے۔ خلاف اس کے "کلکتہ میں شہرانی حسن کے جلوؤں کے علاوہ شہری خاص جغرافیائی نکھنیں بھی غالب کو قابل قدر معلوم ہوئیں۔ اس شہر کا پانی "اس کی ہوا" اس کا سبزہ" اس کی سڑکیں" فرہنگہ اس کی ہر چیز ان کے لئے موجب فرحت تھی۔ وہ جب دہلی سے چلے تو ہر طرف پریشانیوں کا ہجوم تھا۔ ذاتی مکان فروخت کرنا پڑا تھا۔ قرض غلو، بیچے گئے بھرتے تھے، بولی دیا نہ ہو گیا تھا۔ اس حالت میں کلکتہ پہنچ کر ایک عجیب ذاتی آسودگی حاصل ہوئی تھی اگرچہ حکام کی امید افزا ملاقاتوں نے بلا ہر محکمہ دنیا پر کھڑا کر دیا اور تھے شہر کے عام کاروبار میں اگرچہ بڑی معاشرت کی آمیزش نے ایک دل پذیر آبادی بخشی کلکتہ کا مرزا غالب کو ہر لحاظ سے ایک نئے جہاں کا انکشاف معلوم ہوا۔

لوٹا مرد و شب کلکتہ و جشن مہمانش گورنر سرد کتا حق بلور لا، تہا بلش

اس مضمون و مدحہ مطلع میں بھی کلکتہ کی ستائش کا وہ جذبہ چھلکا پڑتا ہے جو اس شہری ہمت طراز زندگی میں ایک خاص مفصلی اور قریب دیکھ کر غالب کے دل میں خود بخود پیدا ہوا۔ کلکتہ سے گئے ہوئے ایک جاری خط میں ایک

گلتے کے دو سال قیام نے غالب کے لئے اس صدمہ میل دور شر کو نیم وطن بنا دیا تھا۔ وہاں اگر کچھ سننے دشمن بنے تھے تو کچھ سننے دوست بھی ہاتھ آئے تھے۔ اوپر کے دونوں خط انھیں دوستوں کی یاد سے معمور ہیں۔ لیکن گلتے صرف ان دوستوں کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اپنی وجہ سے بھی عزیز تھا۔ اس سلسلے میں وہ مشہور قطعہ دیکھتے جو یہاں شہر ہو گیا ہے۔

گلتے کا جو ذکر کیا تو نے بعض اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے
اسی قسم کے جذبات کا اظہار نظم میں بھی کیا ہے مثلاً ایک فارسی خط میں لکھتے ہیں کہ اگر میں عیال دار نہ ہوتا تو
سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گلتے میں بس گیا ہوتا۔ پھر گلتے کی چار غزلیں اسی طرح کہائی ہیں۔
نہے ہوا ہائے سود و خوشا آب ہائے گوارا!
فر غابہ ہائے تاب و فرا شر ہائے شیریں

(خط عام مولوی سراج الدین احمد)
یہ شہر نے ہماری تلمذ کے دور آخر کے سب سے بڑے ترمیم نے اس طرح سراپا اب بھی کام غالب کے
شائقین کے لئے کچھ نہ کچھ دلچسپی ضرور رکھتا ہے لیکن آج کا گلتے بلکہ خود تین سال پہلے کا بھی اتنی قوی گلتے غالب کا
گلتے نہ تھا۔

غالب کے وقت سے لے کر اب تک ہندوستان کا جغرافیہ اور اس کے شہروں کے حدود خال ہے۔ بدلتے ہیں
پانچ سو سالہ انیسویں صدی کے ربع اول کا گلتے جس میں ابھی نہ ریل سودا ہوئی تھی نہ مار بیتی نہ بجلی کی روشنی اور نہ
کالج اور یونیورسٹی سمجھ معنی میں اب موجود نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جس شہر میں سو سو برس ہوئے غالب نے قدم
رکھا اس کی اصل ہمار دیکھنے کے لئے ہمیں ایک خاص تلاش کی ضرورت ہے۔

گلتے دوہائے بکلی کے مشرق کنارے پر ایک بے قاعدہ مستطیل کی شکل میں آباد تھا۔ اس کا انتہائی طول چھ میل
اور اس کی چوڑائی جو کسی جگہ بھی سمت زیادہ نہ تھی۔ کہیں کہیں دو میل کے قریب پہنچتی تھی۔ شر کے باہر ہر طرف
ایک شاداب اور سرسبز علاقہ تہہ حدنگہ پھیل رہا تھا۔ جس کے اوپر مصنوعی اور قدرتی سبوں اور ٹکڑیوں کا ایک جال
بنا ہوا تھا اس علاقے کی ہر ماہی اپنی کتابانی اور تفریح سے گلتے کو مرشد آباد سے ملتی تھی۔ مرزا غالب بچے اور مرشد
آباد کے راستے سے آئے تھے۔ نووری ۱۸۵۸ء کی جس صبح کو 'پہرہاں چڑھے' وہ گلتے میں وارد ہوئے انھیں یہ شر
دور سے اسی بے گراں ہر ماہی کے واسطے میں ٹکا ہوا دکھائی دیا۔ کاشی پور کے گاؤں تک پہنچ کر گلتے کی عمارتوں کی
پوری شان و شوکت ان کی نظروں میں آئی لیکن اس زمانے میں گلتے کا نظارہ دیکھنے کے لئے سب سے اچھا موقع
نورث ولیم کے سامنے کا میدان تھا۔ یہ وسیع و وسیع ہنر دار اب بھی موجود ہے اس کے گرد بڑی بڑی عالی شان
عمارتیں صفہ پارے کڑی تھیں اور خود انگریزوں کے خیال میں بھی یہاں سے گلتے کی آب و تاب یورپ کے کسی شر
کے مقابلے میں کم نہ تھی۔ کچھ محل اور لال قلعے کی عمارتوں کے لاشریک حسن کی بینائی اور بے ہمکنی سے محروم
ہوتے ہوئے بھی یہ انگریزی تعمیرات ایک الگ کیفیت رکھتی تھیں۔ بادشاہی دور کے آخری شاعر کی ذکورت ذہن اک

نے جمہوری فنِ حقیر کی زبانِ عشق اور ہر دلی شرمنازی کے انتہائی آہنگ سے حائر ہوئے بغیر نہ دلی گلے کی سرکاری عمارتوں میں نہ سنگ مرمر استعمال ہوا تھا نہ سنگ سرخ یہ پوری کی پوری اینٹ کی بنی ہوئی تھیں۔ لیکن چوڑے کے پلستر نے کثرت و سنگ کے فرق کو اس سلیقے سے چھپا رکھا تھا کہ ان عمارتوں کے شکوہ میں کسی محسوس نہ ہوئی تھی۔ گلے کا گورنمنٹ ہاؤس، ہڈوں ہال، سینٹ جان لاگر جا اور پرانا مشن گرہا مسجد ان عمارتوں کے ہیں جو غالب کے زمانہ قیام میں اپنی جگہ پر موجود تھیں۔ گلے کے میوزم کا اس وقت تک کوئی وجود نہ تھا نہ بجلی کا بل بھی بنا نہ تھا۔

گلے کے جس حصے میں پورچین آبادی تھی اس کی سڑکیں پختہ، فراخ اور صاف تھیں لیکن کشادگی کے باوجود ان کے کناروں پر پتھر و مٹھیں ابھی نظر نہیں آتی تھیں۔

شر کا بھدوحتلی حصہ شہل میں تھا۔ یہ دینا دل کشا تھا نہ دینا صاف جیسا پنجاب کی طرف کا پورچین حصہ۔ یہاں اکثر گلی کو پے تک، نیز گھرے اور پرچچ تھے۔ ان گلوں میں جاہا پانی کے گڑھے اور ٹالکب تھے۔ بہت سے مکان بانس کے بنے ہوئے یا کچے تھے اور ان کی چھتیں چھپر کی تھیں۔ کہیں کہیں پختہ سڑکیں بھی ملتی تھیں اور کسی امیر مسلمان یا بھدو کا بڑا گھر بند سا مکان گرد و پیش کی غلامت میں سے سراوچا کے نظر آتا تھا۔ ان مکانوں کا نقشہ معلوم یہ ہوتا تھا کہ ایک مربع صحن کے گرد دو دروازے یا سہ دروازے عمارت کھڑی کی جاتی تھی۔ اوپر کا حصہ عورتوں کے لئے الگ کر دیا جاتا اور نیچے صحن سے موائے کا کام لیا جاتا تھا۔

شر کے مغرب میں ایک وسیع قلعہ زمین دریائے بکلی کے سرگ کھلا پڑا تھا۔ یہاں دریا کا پانی میل سوا میل تک پہنچتا تھا اور سطح آب پر تک تک کے چھوٹے بڑے جہازوں اور کشتیوں کا جھوم تھا۔ ان کے درمیان کہیں کہیں کوئی ”دوختی جہاز“ بھی نظر آتا تھا۔ لیکن ہڈو پانی جہاز ان توساخت و غنائی جہازوں کے مقابلے میں تھکے چوکے سے بھی زیادہ تھے۔

بندر گاہ پر انسانوں کا مجمع بین الاقوامی نوعیت کا تھا۔ یہی انداز شر کے کچھ و بازار میں بھی قائم تھا۔ اس وقت شمالی ہند میں ایک ہی مقام تھا جہاں انگریز اور بھدوحتلی ایک دوسرے سے شر کے کم و بیش ہر موڈ پر ملتے تھے اس بارے میں گلے کا مشہور میدان ایک الگ خصوصیت رکھتا تھا۔ شام کو جب لٹری ہوا چلتی اور مسافروں زار پر انگریز مولود عورتیں تفریح کے لئے گلیوں قریب ایک ایسا سماں ہوتا جو بھدوحتلی آنکھوں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس نیم فرنگی نیم ایشیائی شہر میں مشرقی اور مغربی معاشرت کا عجیب احول نظر آتا تھا۔ انگریز اگر صبر لایا تو ان کے استعمال سے بے خبر نہ تھا تو بھدوحتلی بھی دہلی اور لولہ نام سے مانوس ہوتے جاتے تھے اس زمانے کے انگریزی حکام نہ صرف فارسی بولتے اور سمجھتے تھے بلکہ فارسی قصیدہ و غزل سے بھی لطف اندوز ہو سکتے تھے دوسری طرف اہل ہند بتدریج انگریزی مصنوعات کا استعمال سکھ رہے تھے اور ان میں سے بعض کو انگریزی زبان اور علوم سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق تھا۔

اس نے بچے زمان کی تھک شر کے دسائل نقل و حمل میں بھی نمایاں تھی۔ انگریز گھوڑا گاڑی کو پسند کرتا تھا جس کی تین ٹھکیں سڑکوں پر ملتی تھیں ”بند گاڑی“ ظن اور بھی ”بھدوحتلی اپنی سواری میں نکل یا کوئی ہوجا تھا اور



تقریباً ۱۰۰ سال قبل، اٹاروی، کالپک، اور انڈیانا کے علاقوں پر حملہ

بہلی یا چھڑے، نام جہاں یا پانچ میں سوار نظر آتا تھا اس سواروں سے قطع نظر اونٹ کی سواری بھی انھار ہو جس صدی تک بنگال میں بہت شہید تھی۔ ۳۔ بعد میں اس کا استعمال کم ہوتا گیا مگر ایک قلم ترک نہیں ہوا۔ لکھنے کے پوسے سرکاری کتب خانے میں پرانے لکھنے کی (تالیاں) سہ ماہی کی چادر شد) ایک تصویر کو بڑا ہے اس تصویر میں بڑی حصہ شہر کا مرکز چور تھیں کا علاقہ خاص طور پر لہلیاں ہے۔ چورنگی کے پاس ہی ایک کتاب ہے اور گرد کے مکانات سب انگریزی، ضلع کے چورنگی میں پانچ، بہلی، دھت اور شہر سوار سب ہی نظر آتے ہیں۔

گھٹتے کے مضافات کے لیے فاصلے طے کرنے کے لئے ایک اور ذریعہ بھی تھا۔ کشتی کا سفر لوگ چند دھڑ اور بجلی تک پانی اور مرشد آباد اور ان سے بھی آگے منہ بھرا اور چند تک کشتی میں آتے جاتے تھے۔ غالب اپنے دور و درو گھٹتے کے تیسرے ہی دن بعد دریا کے راستے سے بجلی کو روانہ ہوئے کشتی کا سفر انہیں پسند تھا۔ وہ ان لوگوں میں نہ تھے جنہیں آبی سڑ سے حمل ہونے لگتی ہے۔ اس کے علاوہ یوں بھی دیں گاڑی کے زمانے سے پہلے سب سے زیادہ آرام کشتی کے سفر میں ملا تھا۔ غالب کا اس جہاز سے بجلی کو جانا اسی مقصد سے تھا جسے لے کر وہ گھٹتے آئے تھے۔ یہ واضح رہے کہ بجلی نہ صرف گھٹتے کے دریا کا نام تھا بلکہ مضافات کی بھی بہتوں میں سے بھی ایک اسی نام سے منسوب تھی یہ ہمیشہ گھٹتے سے ہیں ہائیں میل اوپر دریا کے دوسرے کنارے پر تھی یہاں کی مسجد اور امام باڑہ بہت مشہور تھا۔ اس امام باڑے کے بانی ایک صاحب کرامت علی تھے مگر انیسویں صدی کے اوائل میں امام باڑے کی شہرت اور

شانزدہ شوکت حالی محمد حسن کی دہلی مفت خنی حالی صاحب نے ۱۸۸۴ء میں اپنے انتقال پر اپنی لاکھوں کی جائیداد اس امام باڑے کے لئے بطور وقف چھوڑی تھی جس نمائے میں غالب لکھتے پہنچے امام باڑہ ہنگی کے حوالی نواب اکبر علی خان علیا علیا تھے یہ اپنے علاقے کے نہایت ذی اثر اور پادشہ لوگوں میں تھے۔ اور غالب کو اپنے مقدمے میں ان سے مدد کی توقع تھی۔

مرزا غالب کو لکھتے پہنچے ہی بعد حوالی حصہ شہر میں دس ہونے باہور پر حسب خواہش مکان مل گیا۔ اس کا پتہ ان کے ایک قادی خط میں یوں درج ہے۔

”در نکلتہ قریب پیٹ بازار در شملہ بازار نزدیک کتاب گہرور حویلی مرزا علی سوداگر۔“
اس پتے میں ”پیٹ بازار“ تو ظاہر ہے سوکھتیت کا نتیجہ ہے۔ لکھتے میں بھی کوئی پیٹ بازار نہ تھا۔ چت پورہ غالب کے نمائے میں بھی اسی نام سے موسوم تھی اسی طرح ”کتاب گہرور“ میں بھی کلیات نثر کے کاتب سے سو ہوا ہے یہ ترکیب غالب ”کتاب کرگدن ہے۔“ شملہ بازار آج بھی اسی نام سے موجود ہے لیکن مرزا علی سوداگر کی حویلی کا جس میں غالب مقیم ہوئے اب صرف نام باقی رہ گیا ہے حوالی کے بلکہ شملہ بازار میں اب اس حویلی کا کوئی نشان نہیں رہا۔ البتہ وہ کتاب قریب ہی موجود ہے جس کا ذکر غالب نے اس مکان کے پتے میں درج کیا ہے لکھتے کے شملہ بازار کو شملہ شہر سے کوئی تعلق نہیں۔ شملہ بنگال زبان میں کہاں کے ہونے کو کہتے ہیں اور بازار منڈی کو۔ گویا مغربی پاکستان میں شملہ بازار کا نام کہاں منڈی ہوتا۔ شملہ بازار کا موجودہ پتہ یہ ہے نزد کارنوالس اسٹریٹ متصل مکان لیڈی پرنسپل مینہون فیملی سکول (۵)

غالب کے سوانح نگار کے لئے لکھتے کی ایک اور عبارت بھی خاص کشش رکھتی ہے یعنی درست لکھتے جس کے اندر مرزا قلی کی زبان دانی کی بحث میں ایک ایسا جھڑکا کھڑا ہو گیا کہ اس کے حوالے آخر عریک غالب کے لئے موجب کلفت ثابت ہوتے رہے اس قہقہے کو پہلی دہرائے کی ضرورت نہیں ”یادگار غالب“ میں مولانا حالی نے اور خود غالب نے اپنے مکتوب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ البتہ ایک چیز جس کا ذکر مولانا حالی نے اور خود مرزا غالب نے بھی نہیں کیا۔ یہ ہے کہ مضمون میں سب سے زیادہ بلند بانگ ایک صاحب نوابزادہ مرزا انان علی خان تھے یہ بھی غالب شخص کرتے تھے عظیم آباد کے رہنے والے تھے اور کچھ عرصہ پہلے لکھتے میں آ رہے تھے۔

درست لکھتے دارن ہستہنگو نے ۱۸۷۳ء میں قائم کیا اس کی موجودہ عبارت دہلی اسکوائر کے شمال میں ہے یہ ایک دو حوالہ عبارت ہے جس کی پہلی منزل کے وسط میں ایک صحن ہے۔ اس صحن کو ہر طرف سے دالان گھیرے ہوئے ہیں اور دالانوں کے پیچھے دروازے کے کمرے ہیں اس پہلی منزل کے اوپر اسی طرز کی دوسری منزل بھی ہے اگست ۱۸۳۸ء میں جب میں لکھتے میں تھا مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک مجلس میں مجھ سے کہا ”مدرسہ اپنی موجودہ عبارت میں ۱۸۶۰ء یا ۱۸۷۰ء کے قریب منتقل ہوا۔ غالب کو مشغولی ”بلد خائف“ والا ہنگامہ مدرسہ کی پہلی عبارت میں پیش آیا۔ جو سیالکوٹ میں جنگ خانہ روڈ پر تھی۔ اس سرائے کے بعد میں نے مدرسہ کی پرانی عبارت کے آثار تلاش کرنے میں سعی کی اور اس میں کامیابی بھی ہوئی لیکن اس کے ساتھ ہی بعض اسباب کی بنا پر شبہ پیدا ہو گیا کہ مولانا کی اطلاع موجودہ

عمارت میں مدرسے کے انتقال کے متعلق شاید درست نہیں لگتے ہیں میرا قیام مختصر تھا اس لئے میری درخواست پر خان بہادر محسن العلماء مولوی محمد سوسنی صاحب نے جو اس وقت مدرسے کے پرنسپل تھے یہ ذمہ لیا کہ تحقیق کر کے مجھے صحیح کیفیت سے مطلع کریں گے بعد میں ان کی طرف سے جو خط مجھے موصول ہوا اس کے مضمون سے اس مسئلے کے متعلق فیصلہ کن معلومات حاصل ہوئیں اس خط کا ترجمہ عام دلچسپی کے لئے درج ذیل ہے۔

”آپ نے دو باتوں کی تحقیق کی طواغیل کی ہے یعنی (۱) مدرسہ لکھنے اپنی موجود عمارت میں کس سال منتقل ہوا اور (ب) مدرسے میں جو مشاعرے ۲۹-۱۸۷۸ء میں ہوئے ان کا مدرسے کے پرانے کائنات میں کوئی ذکر ہے یا نہیں۔

میں اس سلسلے میں گپ کی قوت پر جس حد تک (۱) کا تعلق ہے

BENGAL PAST AND PRESENT کی جلد ہشتم نمبر ۱۲ کے ص ۳۸-۳۹ پر مینڈل لکھا ہوا ہے کہ مدرسہ لاہور نے جون ۱۸۷۳ء میں فیصلہ کیا کہ ایک نیا کالج ایک سونوں تر مقام بنام کالج (مال دھڑی اسکوائر) میں جہاں بیشتر آزادی مسلمانوں کی ہے تعمیر کیا جائے اس طرح سے مبلغ ۳۰۵۰ روپے کی رقم زمین کی قیمت اور عمارت کے مصارف کے لئے منظور ہوئی۔ نئے کالج کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور ۱۸۷۳ء کو رکھا گیا اور مدرسہ اگست ۱۸۷۳ء میں یہاں منتقل ہو گیا۔

جہاں تک (ب) کا تعلق ہے مدرسے کے کائنات میں کوئی تفصیل دستیاب نہیں ہوئی۔

مدرسہ لکھنے کے کائنات غالب کے ذکر سے بے نیاز ہیں۔ تمام لکھنے نے غالب کو بالکل نظر انداز نہیں کر دیا۔ لکھنے کے بڑے سرکاری سبب خانے کے اس حصے میں جو بہار لاہوری لکھاتا ہے۔ شعراء کا ایک قلمی تذکرہ دیا ہے۔ یہ میر دذریعہ مل جھنسن بہ بھرتی عظیم آبادی کی تصنیف موسوم بہ ریاض الافکار ہے۔ مخطوط نمبر ۳۳ بہار لاہوری) اس نسخے کا سال تحریر ۱۸۸۲ء ہے بھرتی نے اپنے تذکرے میں غالب کا ذکر بڑے اچھے لفظوں میں کیا ہے۔ مرزا غالب فروری ۱۸۷۸ء کو لکھنے پہلے لور اکتوبر ۱۸۷۹ء میں داہلی دہلی روانہ ہوئے۔



حوالہ جات

- ۱- لکھنے کا پبلیکیشن پاتھ ۱۸۷۸ء میں پور گھسی کی سڑک پر بنا۔
- ۲- یہ ذکر مکالمے کی اس مشہور دوکانوں سے پہلے کا ہے جس کے مطابق بعدوستان میں بھرتی انگریزی تعلیم کے آغاز کا فیصلہ ہوا۔
- ۳- نواب سراج الدولہ کی فوج کو میر جعفر نے جب کراچی کے ہاتھ بیچ ڈالا تو وہاں ہی کے گاؤں سے ایک میزبان لادھی پرہیز کر فرار ہوئے۔

- ۱۸۔ اس قیاس کی بنیاد مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک بیان ہے ۱۹۳۸ء میں مولانا نے مصروف نے ایک گفتگو میں راقم الحروف کو بتایا کہ
- ”مکتے اگر مرزا غالب جس مکان میں رہے وہ گیتھے کے کتاب کے پاس تھا۔“
- ۱۹۔ یہ گیب اٹھاتی ہے کہ اگر سے کے اس مکان میں اہی جہاں مرزا غالب پیدا ہوئے ایک زمانہ دور رہا ہے۔



"ہر دو بار نامہ در ذاک ہندوستانی فرستادہم و ایس سر دفتر را آں بابہ استواری نیست کہ دل بدہا توان بست۔ لاہرم در رسیدن آں عرائض قبول بودم۔ اتولک۔ عہد کوم کہ انہیں بعد نامہ جز در ذاک انگریزی نرسزم۔" (پنج آہنگ، ص ۱۳)

ذاک کے ابو۔ دونوں قلموں کے ساتھ ساتھ کام کرتے رہنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ "انگریزی ذاک" کے نظام کی توسیع ملک کے تمام علاقوں تک نہیں ہو سکی تھی۔ مثال کے طور پر بیجاپور کا قصبہ غیر آباد ایسے ہی علاقوں میں سے ایک تھا جو انیسویں صدی کے وسط تک اس نئے نظام کی برکت سے آشنا نہیں ہو پایا تھا۔ تفصیل حسین خاں کے نام کے ایک خط میں اس صورت حال کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"خیر آباد جاوہ ذاک انگریزی نمادہ" (بلاغ دود، ص ۳۰)

تقسیم ہندوستان میں ذاک ایک مقام سے دوسرے مقام تک یا تو جیز رولڈر گھوڑوں کے ذریعے پہنچائی جاتی تھی یا پیدل چلنے والے "سرنگان جیز گام" یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ طالب کے زمانے میں بھی یہ دونوں طریقے بدستور رائج تھے، لیکن ملک کی وسعت اور مختلف النوع جغرافیائی حالات کی بنا پر دوسرے کئی ذرائع و وسائل سے بھی ذاک رسائی کا کام لیا جاتا تھا۔ ان تمام طریقہ ہائے کار کی تفصیلات ان کے اردو و فارسی کے مختلف خطوط میں موجود ہیں۔ جاوہ دو ہزاروں کے ذریعے ذاک کی آمد رفت کے سلسلے میں تفصیل حسین خاں کے نام کے ایک خط کا یہ اندراج ملاحظہ طلب ہے:

"سرنگ جیز گام ذاک از دو در آمد و نامہ کہ از دارالخیر امیر مال دولتی کشورہ بود بہ من ارسال کرد۔" (بلاغ دود، ص ۱۵۸)

یہ ہرکارے باقاعدہ سرکاری ملازم ہوتے تھے اور بعض اوقات ان کی جیز رولڈر کی مناسبت سے انہیں مختلف تفصیلی ناموں سے بھی یاد کیا جانے لگا تھا۔ تفصیل حسین خاں کے نام ایک خط میں ایک ایسے ہی ہرکارے کا ذکر آیا ہے جو "ممر سر" کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے ذریعے ایک خط کی روانگی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ممر سر نامی از بہد ان ملازم سرکاری آں نامہ را بد۔" (بلاغ دود، ص ۱۳۵)

گھوڑے کے ذریعے ذاک پہنچانے کا ذکر قحطہ کے نام کے ایک فارسی خط مورخہ ۲۳ مارچ ۱۸۵۲ء میں آیا ہے۔ جانی باگے لال کے خط کا حوالہ دیتے ہوئے انہیں لکھتے ہیں:

"نامہ دوست جانے۔ از سر جنل سردار رسید۔ بروا کی ذاک سوار است و بہ بھرت پوری رود۔" (بلاغ دود، ص ۱۳۴)

نواب کلب علی خاں نومبر ۱۸۶۶ء میں گورنر کے دربار میں شرکت کی غرض سے آگرہ روانہ ہوئے۔ اس موقع پر بطور خاص رام پور سے آگرے تک گھوڑوں کی ذاک کا انتظام کیا گیا تھا۔ ان کے نام کے ایک خط مورخہ ۱۸ نومبر ۱۸۶۶ء میں لکھتے ہیں:

"رام پور سے آگرے تک گھوڑوں کی ذاک کا بیضابہ مسور ہوا۔" (مکتبہ طالب، ص ۳۴)

ریجنٹانی علاقوں میں گھوڑوں کی بجائے اونٹوں سے ڈاک رسائی کا کام لیا جاتا تھا۔ علاقے کے نام ۱۹ نومبر ۱۸۶۱ء کے خط میں لکھتے ہیں:

”تمہارے امی عم کا آری جواب غلط کا تھا میں ہوا کہ شعر سوار جانے والا ہے۔“

ڈاک کی سواریاں ڈاک پہنچانے کے علاوہ صحت اور سریر آوردہ افراد کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانے کی خدمات بھی انجام دیتی تھیں۔ قند کے نام کے خط میں جانی جانے والے کے "بارگی ڈاک" پر سوار ہو کر بھرت پور جانے کا ذکر آچکا ہے۔ سراج الدین احمد خاں کے نام ۱۵ مارچ ۱۸۸۲ء کے ایک خط میں ولیم مارٹین رزٹڈنٹ دہلی کے اجشی اندور کے محلے پر فکڑ اور دہلی سے اندور کے لئے ڈاک کی پانگی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

مولیم مارٹین ہمارے بعد ایک شنبہ وقت شام در ڈاک پانگی نشست و بہ اندور غرامید" (مستقرقات طالب، ص ۱۷۱)

پاکستان کے علاوہ سمکھوڑوں اور بیلوں کے درمیان بھیجی جانے والی مختلف النوع گاڑیاں بھی ڈاک رسانی کے لئے استعمال ہوتی تھیں اور ان کا شمار مراعات یافتہ ذرائع نقل و حمل میں کیا جاتا تھا۔ غدر کے بعد کے ان ایام میں جب کہ شہر سے راہ فرار اختیار کرنے والوں کے دواہر شہر میں داخلے اور باز آہر کاری پر سخت پابندی تھی بلکہ غالب کے اپنے الفاظ میں "باہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا" تھا، ڈاک کی گاڑیاں بلا روک ٹوک آ جا سکتی تھیں۔

میں صاحب اس زمانے میں اللہ سے دلی آگے کے لئے بے تاب تھے۔ غالب میر ممدی بخوج کے نام ایک خط میں انھیں یہ مشورہ دیتے ہیں:

”شہرم میں ’کراچی‘ میں ’چڑھے‘ میں یعنی واک میں آئیں۔۔۔ واک کو دہرائے کوئی نہیں روکتا۔“ (غالب کے خطوط، جلد دوم، ص ۱۴۳)

شکر میں واگ کا ذکر نواب یوسف علی خاں ناظم کے نام کے ۳ نومبر ۱۸۶۳ء کے ایک خط میں بھی موجود ہے۔ اس زمانے میں ناظم خفٹ ٹیل تھے اور غالب کو جلد از جلد انکی "صحف و عاقبت کی خیر" معلوم کرنے کی فکر لاحق تھی۔ اپنی اس بے چینی اور حالات سے لاپرواہی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دل سے رام پر تک شکر م کی ڈانگ جاتی ہوئی تو میں یہاں ایک دم نہ لھرتا اور خدمت میں حاضر ہوتا۔ کارہی بھی نہیں جو صحت و عالیت کی غیر ملکہ حاصل ہو۔“ (مکاتیب غالب، ص ۲۸)

۱۸۶۰ء میں دہلی کو ریل کے ذریعے ملک کے کئی اہم شہروں سے ملا دیا گیا۔ سفر کے اس ناز، انتظام کے ساتھ ڈاک رسانی کے انتظام میں بھی مزید سہولتیں پیدا ہوئیں۔ اب ڈاک کے ہر کارے دوسرے ذرائع نقل و حمل کے علاوہ ریل سے بھی سفر کرنے لگے۔ مہاں دار خاں میلج کے نام جنوری ۱۸۶۷ء کے ایک خط میں غالب نے اس انتظام ناز کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے:

”انگریزی ڈاک جاری“ ہرکانوں کے لئے ریل کی سواری۔“

ان محدود اور ناگہانی ذرائع و وسائل کے باوجود اس دہائی میں غمگینہ لاک کی کارکردگی غیر معمولی طور پر قابل

قریب تھی۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں اگر کسی قریبی شہر سے بھیجا ہوا خط تیسرے روز مکتوب الیہ تک پہنچ جائے تو وہ اس کے لئے حیرت آمیز مسرت کا باعث بن جاتا ہے۔ جب کہ اس دور میں جن شہروں کے درمیان ڈاک کے براہ راست روابط موجود تھے، ان کے مابین خطوط کی آمدورفت میں عموماً "تین چار دن سے زیادہ وقت صرف نہ ہوتا تھا" البتہ پارسلوں کے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کے لئے نسبتاً "کچھ زیادہ مدت درکار ہوتی تھی۔ جیسا کہ لوہ کی سطور میں عرض کیا جا چکا ہے۔" دہلی میں ۱۸۶۰ء سے پہلے ریل کے ذریعے اور ڈاک دہرائی کی سہولیات موجود نہ تھیں۔ یہاں غالب کے خطوط کے حوالے سے دہلی سے ملک کے مختلف مقامات تک خطوط اور پارسلوں کے پہنچنے کی مدت کے بارے میں جو تفصیلات پیش کی جا رہی ہیں، انہیں اگر اس پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ کتنا غلط نہ ہو گا کہ یہ رفتار کار آج کی رفتار کار کی بہ نسبت کہیں زیادہ بہتر و برتر تھی۔

مٹی جی بٹل حقیر کے ہم ۱۳ جنوری ۱۸۵۸ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی سے کوئل یعنی علی گڑھ تک خطوط عام طور پر دوسرے دن پہنچ جاتے تھے۔ غالب نے اس خط میں لکھا ہے:

"آج دو شنبہ کو یہ خط میں تم کو بھیجا ہوں، یقین ہے کہ کل پہنچے گا۔"

۵ اگست ۱۸۵۶ء کے ایک خط سے اس یقین کی تائید ہو جاتی ہے۔ اس خط میں غالب حقیر کو یہ اطلاع دیتے ہیں کہ:

"ایک شنبہ کا لکھا ہوا خط کل دو شنبہ کو یہاں پہنچا۔"

علی گڑھ کی طرح اگرے کی ڈاک بھی بالعموم دوسرے روز تیسرے روز پہنچ جاتی تھی، جب کہ پارسل چوتھے یا پانچویں دن پہنچتے تھے۔ قند کو ۲۵ اپریل ۱۸۵۸ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"تمہارے اشعار کا کالڈ بھٹل پانٹ اسی خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجا گیا ہے۔ یقین ہے کہ یہ خط پرسوں اور دو پانٹ پانچ چار دن میں پہنچ جائے۔"

دہلی سے مارہرو بھیج جانے والی ڈاک پہلے علی گڑھ پہنچتی تھی، وہاں سے سکندریہ راہ سے مارہرو بھیج جاتی تھی۔ اس طویل عمل کے باوجود خطوط کا چوتھے دن ایک شہر سے دوسرے شہر تک پہنچ جانا یقینی تھا۔ اس معمول کے برخلاف ایک بار غالب کا خط کسی قدر تاخیر سے مارہرو پہنچا تو وہ اس پر اظہار حیرت کرتے ہوئے چودھری عبدالغفور سہرورد کو مکتوب سرور ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء میں لکھتے ہیں:

"مارہرو کا خط دلا چوتھے دن آیا۔ دلی کا خط مارہرو دیر میں کیوں پہنچتا ہے؟ اب کے یہ خط ہر گز بھیجتا ہوں۔" مجھ کو اطلاع دیجئے گا کہ یہ کس دن پہنچا۔"

لاہور، گھسٹو، اور الہ آباد، اگرے اور علی گڑھ کی بہ نسبت دہلی سے کئی دور ہیں۔ اس کے باوجود دہلی اور ان شہروں کے درمیان ڈاک کی آمدورفت میں چار یا پانچ دن سے زیادہ صرف نہ ہوتے تھے۔ خواجہ غلام غوث بے خبر کو جو الہ آباد میں مقیم تھے، دو خطوط اور دو پارسل ۲۸ نومبر ۱۸۵۸ء کو بھیجے گئے تھے۔ تیسرا خط ۲ دسمبر ۱۸۵۸ء کو لکھا گیا۔ اس میں متذکرہ خطوں اور پارسلوں کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"ایک شنبہ ۲۸ نومبر کو دو خط اور دو پارسل معاً "بیبیل ڈاک" روانہ کر چکا ہوں۔ خطوں کا چرچہ پانچویں دن" پارسلوں کا چھٹے ساتویں دن پہنچنا خیال کرتا ہوں۔"

یوسف مرزا کو مکتوب مورخہ ۱۸ محرم ۱۳۷۶ء مطابق ۱۸ اگست ۱۸۹۵ء میں جو کھٹو کے بچے پر بھیجا گیا تھا، ان کے موصول شدہ خط کے بارے میں اطلاع دیتے ہیں:

"محرم کا خط ۱۵ محرم کو مجھے پہنچا۔"

فنی بڑا ہر گھنہ جو ہر نے ۳ دسمبر ۱۸۹۳ء کو لاہور سے لکھی کا ایک پارسل روانہ کرنے کی اطلاع دی تھی۔ یہ پارسل ۲۳ دسمبر تک دہلی میں پہنچ چکا تھا۔ غالب اس تاخیر پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے جو ہر کو لکھتے ہیں:

"دو نامہ مندرجہ بود کہ پندرہ لک اموازا فرستادہ ام و آن سینویم دسمبر بود تا اموازا کہ بہت و سوم دسمبر است، بہن رسیدہ و خود آن اقبال نکلیں بیستہ اند در عرض پانزدہ روز خواہم رسید۔ یا رب! رفتار ڈاک انگریزی راجہ شد کہ از لاہور بہ دہلی در دو ہفتہ رسد، مگر شش ماہہ راہ است؟ مظفر اللہ علیہ پارسل کتابیہ از کھٹو فرستادہ اند، دوسرہ روز از کھٹو بہ دہلی رسیدہ است، دودری این ہر دو ہفتہ یعنی لاہور و کھٹو برابر است۔" (باغ وودر ص ۴۸)

اس بیان سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ لاہور اور کھٹو دونوں مقامات سے دہلی تک تین چار دن میں ڈاک کا پہنچ جانا معمولات میں داخل تھا، وہیں جہتاً یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ عام مسافرجس مسافت کو بالعموم ایک ماہ میں طے کرتے تھے، ڈاک کے ہر کاروں کو اسے طے کرنے میں اضعائی تین دن کا وقت لگتا تھا۔

احمد حسن مکتب کو ۲۳ جنوری ۱۸۹۶ء کو "تاریخ یعنی" پڑھیں پارسل کبھی گئی تھی۔ ۳ فروری تک غالب کو اس کی رسید نہیں ملی تھی، چھو دن کی مدت گزر جانے کے باوجود اس خطے میں کوئی اطلاع نہ ملتا ان کے لئے کس قدر پریشانی اور حیرت کا باعث تھا، اس کا اندازہ ان کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے:

"دو سر شنبہ بہت و سوم دودری بود کہ پارسل کتاب تاریخ یعنی بعد اوائے حصول در ڈاک رواں داشتہام تا اموازا کہ یک شنبہ چہارم فروری است، از رسیدنش خبر نداشتہ ام۔ مدت بیژہ روز اندک بیست کہ رسیدن کتاب از دہلی بہ کھٹو و رسیدن نامہ از کھٹو بہ دہلی دریں بابہ مدت صورت عوامہ گرفت۔" (باغ وودر ص ۱۷۶)

دہلی سے لکھنے تک کے سفر میں غالب کو کئی مصروفوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور کتنا وقت صرف ہوا تھا، اس سے اہل علم بخوبی باخبر ہیں۔ سفر کی ان تمام دشواریوں کے باوجود دہلی اور لکھنے کے درمیان چھو چھو دن میں خطوں کا پہنچ جانا ایک عام بات تھی۔ مولوی محمد علی خاں صدر امین باندہ کے نام ۱۹ مارچ ۱۸۹۶ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی سے بھیجا ہوا ایک خط انہیں چودھویں یا پندرہویں دن لکھنے میں مل گیا تھا، لکھتے ہیں:

"اموازا کہ پنج شنبہ سینویم رمضان است۔ مکتوبہ از جانب پاشکستان دہلی رسید۔ (کہ) مرقومہ بہت و خیم شعبان است۔" (نامہ ہائے فارسی غالب ص ۳۷)

مولوی محمد علی خاں ی کو ایک اور مکتوب مورخہ ۱۱ جولائی ۱۸۶۹ء میں یہ اطلاع فراہم کرتے ہیں:

”مکرم صوبہ۔ درلواطہ ماہ اپریل بہ جانب دہلی ہال غلاقہ مشہور۔ چنان کہ چاروم پیمان اپریل بہ ریسڈنٹ دہلی رسیدہ باشند۔“ (نامہ ہائے قاری غالب ص ۸۳)

ایک اور خط سے جو سراج الدین احمد خاں کے نام ان کے گھرانے سے موصول شدہ خط کے جواب میں ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو لکھا گیا تھا، مملوٹ کے پہنچنے کی اس مدت مقررہ کی تصدیق ہوئی ہے، لکھتے ہیں:

میں نے دیکھا کہ یازدہم اکتوبر کو ہمارے چلاری کے قتل پر قادی میٹھ لکھتے ہیں: "خبر رسید۔" (۱۸ اگست ۱۹۴۳ء)

دہلی اور رام پور کے درمیان ۱۸۶۳ء کے بعد بھی غالب کی زندگی میں نہ تو ریل کے سفر کا انتظام ہو پایا تھا اور نہ عزم یا چھوٹے کی واک کا۔ اس کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر تک خطوط کے پہنچنے میں چار دن سے زیادہ صرف نہیں ہوتے تھے۔ نواب یوسف علی خاں ناظم اور نواب کلب علی خاں نواب کے نام کے خطوط میں اس کے متعدد شاہد مسجود ہیں چنانچہ ناظم کو ایک خط میں یہ اطلاع دی گئی ہے:

”نوازش بصرہ روایت طراز مورخ ۱۱ مارچ ۱۸۶۳ء ذکور کو میں نے پایا۔“ (مکاتیبِ غالب، ص ۴۴)

نواب کلب علی خاں کے نام ۱۸ جون ۱۸۹۵ء کے خط میں رقمطراز ہے:

”مخ شلبہ“ ماحول کو ایک عرض داشت روانہ کر چکا ہوں، یقین ہے کہ وہ آج پہنچے گی۔“ (مکاتیب غالب، ص ۳۸)

قیام رام پور کے دوران وہاں سے مرزا شمسار علی بیگ و حضرات کے ہم ۳ نومبر ۱۸۶۵ء کے خط میں لکھتے ہیں:

”آٹھ دن میں علی آباد و شہر بھٹی ہے۔“

حیدر آباد اور سورت کے جن خطوط سے ڈاک کے پہنچنے کی بات کے تھیں میں مدخلی ہے ' ۱۸۶۰ء کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدر آباد تک عام طور پر دسویں بارہویں روز اور سورت تک نویں دسویں روز خطوط کے پہنچ جانے کی توقع کی جاتی تھی۔ حبیب اللہ ڈاکو جو حیدر آباد میں رہتے تھے ' ۱۸۳۳ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”آج قصداً غایت غامض کیا اور آج ہی میں نے اس کا جواب ڈاک میں اور اس خط کے ساتھ بارسل

کلیات کا بھی اور سال کیلک۔ دوسری بار صوفیوں دن غلط اور سمجھے ہیں دن میں بار بار مل چکے گا۔"

میاں دلو خاں سیاح کو سورت سے موصول شدہ ان کے خط کی رسید دے چکے تھے ہیں۔

"تصاریف مرقومہ ۳۰ اکتوبر۔ جمعہ ۸ دسمبر ۱۹۴۵ء کو پہنچا۔"

غالب کو نیکوہ انگلستان کے دوبار سے خطاب و خلعت حاصل کرنے کا ہے حد اشتیاق تھا چنانچہ اس کے لئے وہ سب سے پہلے سلسلہ جنابی کرتے رہے تھے۔ ان کو ششوں سے متعلق انکی بعض تحریروں سے ضمنی طور پر ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ دہلی سے انگلستان تک عرضوں اور پارسلوں کے بچنے میں مجموعی طور پر چھ سات ہفتے صرف

ہوتے تھے۔ ششی شیونرائی اکرام کو ۳۰ مارچ ۱۸۶۰ء کے خط میں رام پور سے یہ اطلاع دیتے ہیں۔
 ”کتاب (دستجو) اور عرضی اواسط ماہ جنوری میں ولایت کو روانہ کر کے پہنچ آیا ہوں۔ چہ پہنچنے میں جہاز پہنچتا
 ہے۔ یقین ہے کہ پارسل ولایت پہنچ گیا ہوگا۔“
 اپریل ۱۸۶۰ء کے تیسرے فکڑے میں لکھے ہوئے ایک اور خط میں دوبارہ اسی تفصیلات کا اہم الفاظ میں اعادہ
 کرتے ہیں:

”۱۹ یا ۲۰ جنوری ۱۸۶۰ء کو کتاب اور دونوں عرضیاں ولایت کو روانہ کر کے رام پور آ گیا ہوں۔ تین مہینے کی
 جہاز کی آمدورفت ہے، سرگزرد بھی ہے۔ طوائف اسی مہینے میں طوائف آغا بہ آئندہ یعنی مئی میں جہاز آنے کا
 حرمند ہوں۔“

حکمہ ڈاک کی کارکردگی کے سلسلے میں ڈاک کی ترسیل اور تقسیم کے نظام الاوقات کی بھی بنی اہمیت ہے۔ غالب
 کے خطوط اس سلسلے میں بھی ہماری مناسبت راہنمائی کرتے ہیں۔ ششی بی بخش حقیر کے نام ۱۹ ستمبر ۱۸۴۸ء کے ایک
 خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاک خانہ صبح کو اول وقت کھل جاتا تھا اور خطوط صرف دوپہر تک وصول کئے جاتے تھے۔
 غالب اس خط میں لکھتے ہیں:

”کارپردازان ڈاک پتہ کی کشادگی و پس از گذشتن نہدہ روزنامہ نئی ستانہ۔“ (تلاش غالب، ص ۹)

اس کے برخلاف پارسلوں کے وصول کرنے میں وقت کی ایسی کوئی پابندی نہیں تھی بلکہ بھیجنے والے کو اس وقت
 تک ڈاک خانے میں موجود رہ کر انتظار کرنا چاہنا تھا جب تک کہ اس خاص سب سے پارسل لے جانے والے ہر کارے
 کی روانگی کا وقت نہ ہو جائے۔ سب سے سب سے ۱۹ دسمبر ۱۸۵۹ء کے خط میں لکھتے ہیں:

”میں سب کچھ لے گیا۔ کل دونوں طرف سے نکلا ہوا لے کر گیا۔ ڈاک کے کارپردازوں نے اتنا پیچیدہ
 اور کما کر پہنچا دیا۔ پہنچا دیا کہ لے گیا۔ کہا بارہ پر دو بجے لے لیا جائے گا۔ بیٹھا رہا رات کے نو بجے
 اس کے سامنے روانہ ہوا۔ رسید لے کر اپنے گھر آیا۔“

خطوط اتوار کو اور دوسری تمام تفصیلات کے دنوں میں بھی وصول کئے جاتے تھے لیکن پارسلوں کی وصولی کے
 معاملے میں اس رعایت کی گنجائش نہیں تھی۔ اس قاعدے کا علم سیاح کے نام ۱۵ ستمبر ۱۸۶۵ء کے خط کے اس اندراج
 سے ہوتا ہے کہ ”راج پک شنبہ ہے، پارسل روانہ نہ ہوگا۔“

ایک خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دلا سے ملک کی مختلف سمتوں میں جانے والی ڈاک کی روانگی کے اوقات
 بھی مختلف تھے۔ جن ۱۸۶۳ء میں نظام حسین قادر بلکواہی کو لکھتے ہیں:

”پہلو شرقیہ کو ڈاک نو دس بجے روانہ ہوتی ہے۔“

باہر سے آنے والی ڈاک دن میں دوبارہ یعنی صبح اور شام کے وقت تقسیم ہوتی تھی۔ ششی کو ۲۷ دسمبر ۱۸۵۹ء کے
 خط میں اطلاع دیتے ہیں:

”دوبارہ ڈاک کا ہر کارہ خط لانا ہے ایک دو صبح کو ایک دو شام کو۔“

صبح کے وقت تقسیم ہونے والی ڈاک بالعموم اول وقت پہنچ جاتی تھی۔ سراج الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں:

"تاریخ یازدہم شوال روز پنجشنبہ وقت صبح کو از بسز غلاب ہر جہت ہم چٹاں روسے ناشتہ نشست ہوم' (کر) برید ڈاک رسید و نامہء ثواب منی واد۔" (مختصرات غالب، ص ۸۶)

غلام غوث بے خبر کے نام ۳۱ جنوری ۱۸۶۳ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"ڈاک کا ہر کارہ پیردن چڑھے شمارا خط لایا۔"

میاں داد خاں سیاح کو ۳ جنوری ۱۸۶۳ء کے خط میں یہ اطلاع دیتے ہیں:

"صبح کے وقت یہ خط آکر رہا ہوں۔ آٹھ بج گئے ہیں اس وقت تک نہ کوئی شمارا خط آیا نہ کوئی غلاب صاحب کا صلیت نامہ۔"

دوسری ڈاک بارہ بجے کے بعد سے شام تک کسی وقت بھی آ سکتی تھی۔ فقیر کو ۲۱ ستمبر ۱۸۶۳ء کے خط میں لکھتے

ہیں:

"امروز ہمیں دم کہ نیم روز است برید ڈاک آہ و نامہ آورد۔" (مخاش غالب ص ۹)

شاہزادہ بشیر الدین احمد کو مطلع کرتے ہیں:

"آج منگل ۲۱ جون ۱۸۶۳ء بارہ بجے صلیت نامہ آیا۔"

غلام غوث بے خبر کے نام ۲۳ جولائی ۱۸۶۳ء کے خط میں رقمطراز ہیں:

"آج دو شنبہ ۲۳ جولائی کے بارہ پر دو بجے ہر کارے نے آپ کا خط دیا۔"

انوار اللہ شفیع کو ۲۵ فروری ۱۸۶۳ء کے خط میں یہ اطلاع دیتے ہیں:

"اس وقت کہ بارہ پر تین بجے ہیں۔ عطوفت نامہ پہنچا۔ اوھر پڑھا اوھر جواب لکھا۔ ڈاک کا وقت نہ رہا۔

خط کو معین کر رکھا ہوں۔ کل سہ شنبہ ۲۶ فروری کو ڈاک میں بھجوا دوں گا۔"

تقدیر کو مکتوب مورخہ ۵ اپریل ۱۸۶۳ء میں لکھتے ہیں:

"آج منگل کے دن کانپورس اپریل کو تین گھنٹہ دن رہے ڈاک کا ہر کارہ آیا۔"

تقدیر علی کے نام ایک اور خط مورخہ ۲۳ فروری ۱۸۵۸ء میں یہ اطلاع دیتے ہیں:

"بدھ کا دن" تیسری تاریخ فروری کی "دینہ پیردن باقی رہے ڈاک کا ہر کارہ آیا اور خط مع رجسٹری لایا۔"

جن ملاقاتوں میں ڈاک لانے لے جانے کے لئے ہدیہ ذرائع نقل و حمل کا استعمال شروع نہیں ہوا تھا وہاں سے آنے والی ڈاک کی تقسیم کا کوئی خاص وقت مقرر نہ تھا۔ چنانچہ اگر ہر کارے چار چھ گھنٹہ رات کے تک بھی شرمیں داخل ہو جاتے تھے تو وہ اسی وقت خطوط مکتوب اللہم تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ اس طریق کار کا ظم غلاب یوسف علی خاں غلام کے نام ۲ نومبر ۱۸۶۳ء کے خط کے اس انداز سے ہوتا ہے:

"کل چار گھنٹہ رات گئے ڈاک کے ہر کارے نے عطوفت نامہ دیا دیا۔" (مکاتیب غالب ص ۲۹)

مرزا قاسم علی مر کے نام ۲۰ نومبر ۱۸۵۸ء کے لکھے ہوئے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح پارسل خطوط

کے وصول کے جانے کا وقت ختم ہو جانے کے بعد بھی وصول کے جانے دیتے تھے ' اسی طرح ان کی تقسیم بھی نسبتاً تاخیر سے یعنی خطوط کی تقسیم کے اوقات کے بعد ہوتی تھی۔ لکھتے ہیں

"چار گزنی دن رہے پندرہ فرودشت فرجام اور چار گزنی کے بعد وقت شام سات جلدوں کا پارسل پہنچا۔"
اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خطوط اور پارسل تقسیم کرنے والے ہر کارے اس زمانے میں بھی علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے۔ اس تقسیم کار کا حوالہ کئی دوسرے خطوط میں بھی موجود ہے۔

تکلف خطوط میں موجود بیانات سے ڈاک خانے کے اس ضابطے کا بھی علم ہوتا ہے کہ وصول کرتے وقت پارسلوں ' رجسٹری شدہ کاغذات اور بعض اوقات تمام خطوط کی بھی باقاعدہ جانچ پڑتال کی جاتی تھی اور پھر اسے اطمینان کے بعد ہی رسید دے کر انہیں آگے روانہ کیا جاتا تھا۔ لکھتے ہیں قیام کے دوران غالب نے ہٹن کے مقدمے متعلق بعض کاغذات دہلی میں اپنے وکیل کے پاس روانہ کئے تھے ' مولوی محمد علی خاں صدر امین ہندو کے نام کے ایک خط میں ان کاغذات کے سپرد ڈاک کے جانے کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"مجموعہ کاغذ ہندو پار اور دوسرے نور ویدہ خود بہ ڈاک کدہ رستم صاحب ڈاک و اہلی ڈاک دایرہ جمع آں کو اندر گواہ گرفتہ و سرنامہ راور حضور آہیں بہ لک فرودشت۔ حصول ڈاک سربراہ گزاروم و رسید ڈاک گرفتہ باطور آوردہ۔" (نامہ ہائے قاری غالب ص ۳۴۳۸)

لکھتے سے دائیں آتے وقت بھی غالب نے کچھ دنوں بعد میں قیام کیا تھا۔ وہاں پہنچنے کے بعد اپنے کسی مقامی دوست کو لکھتے ہوئے خط میں ڈاک سے بھیجے جانے والے ایک خط کے متعلق یہ چال بات دیتے ہیں۔
"مکتوبے برائے مدافعتی لکھتے ہی رسید۔ بہ یکے اخراجہ تاشان من فرہاں رود کہ ایں راہ کدہ ڈاک پرسانہ و حصول سربراہ گزاروم و رسید پستانہ۔" (نامہ ہائے قاری غالب ص ۳۴۸۸)

اسی سلسلے کے ایک اور خط میں بھی انہوں نے اسی قسم کی مدد طلب کی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان کے ذاتی ملازم ڈاک خانے کے عمل وقوع اور ڈاک کے قاعدوں اور ضابطوں سے واقف نہیں۔ لکھتے ہیں۔
"ہمیں آدم من مال شماس و قاعدہ دان ڈاک کدہ نیست۔ تو سے پہلے۔۔۔ ان نگارند تا خط بہ ڈاک رساند و حصول سربراہ ہندو رسید چنان کہ دم است۔" (نامہ ہائے قاری غالب ص ۳۴۸۸)

مندرچہ بالا بیانات اور اسی قسم کے دوسرے کئی اور اندراجات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شروع شروع میں ڈاک کے حصول کے لئے تکنیکوں کے استعمال کا قاعدہ وضع نہیں ہوا تھا۔ صاحب معاملہ خط یا پارسل لے کر ڈاک خانے جاتا تھا اور اس سے حسب شرع حصول وصول کر کے اسے رسید دے دی جاتی تھی۔ خود تیار کدہ ڈاک بھی ضروری تفصیلات کا اندراج اور اس پر رسید حاصل کر کے اسے محفوظ رکھنا خطوط یا پارسل بھیجنے والوں کی ذاتی ذمہ داری ہوتی تھی۔ غالب اس معاملے میں پوری احتیاط برتتے تھے۔ انہوں نے کئی جگہ اس مسیغہ ڈاک "کو دیکھ کر اس کے حوالے سے اپنے اصحاب کو کچھلی تاریکوں میں بھیجے ہوئے خطوط سے متعلق تفصیلات فراہم کی ہیں۔ مرزا ہرکمال قندہ کو ۲۴ مارچ ۱۸۵۲ء کے خط میں لکھتے ہیں۔

"مختصی نگارش را پانچ ساز دادہ ہے۔ آگرہ دونوں دانشمند چنان کہ در سفیرہ ذاک کتاب مودار است و ان دو شنبہ روز است" بہت دوام با رہے۔ " (ذیل مودار ص ۱۵۹)

عقلمندی بخشن حقیر کو ۶ اکتوبر ۱۸۵۳ء کے خط میں ایک جھپٹے خط کے بارے میں یہ اطلاع دیتے ہیں۔
"ذاک کتاب مع رسید میرے پاس موجود ہے۔ روز یک شنبہ ۱۸۵۳ء کو خط روانہ ہوا ہے۔"

موصول ذاک کی شرح کے بارے میں بھی غالب کے بیانات ہر اعتبار سے مطبوعات افزا ہیں۔ ۱۸۴۸ء کے ایک خط سے "جو لگتے سے لکھا گیا تھا" یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ذاک کی شرح موصول غالباً پورے ملک میں یکساں نہ تھی یا کم از کم بھاری بیکنوں اور پارسلوں پر یہ اعتبار مسافت موصول کی شرح میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ حذکرہ خط میں مولوی محمد علی صدر امین باندہ کو مقدمہ بخش سے متعلق کاغذات کے بذریعہ ذاک دہلی بھیجے کی اطلاع دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"چون وزن آن الفاظ گرفتہ شد" یہ وہ روایت برابر آہ۔ موصول ذاک انگریزی برائے روانگی دہلی یک روایت تک ہے ایک روایت کی رسم۔ وہ روایت سربراہ گزاردہ۔ " (نامہ ہائے قادی غالب ص ۳۹)

ایک روایت کے بقدر یعنی ایک قلم وزن پر ایک روایت موصول ذاک آج کی یہ نسبت یقیناً زیادہ تھا لیکن اس زمانے میں لگتے سے دہلی تک چودہ چودہ روز کے اندر ذاک پہنچانے میں ہر دشواریاں پیش آتی ہوں گی" ان کو دیکھتے ہوئے یہ رقم کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتی۔

غالب کے زمانے میں پوسٹ کارڈ کا رواج نہیں ہوا تھا۔ صرف لفافے استعمال ہوتے تھے اور وہ بھی خود بنانا پڑتے تھے۔ ان کی عام شرح موصول دو پیسے فی الفاظ تھی جو آج کے تین پیسے کے برابر ہے۔ اگر لفافے کا وزن تین ماشے سے زیادہ ہو جاتا تو اس پر کم از کم دو گنا موصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ غالب کی احتیاط پسند طبیعت کے لئے یہ صورت حال بعض اوقات پریشانی کا سبب بن جاتی۔ چنانچہ عقیلی نے ۳ اکتوبر ۱۸۵۳ء کے خط میں لکھتے ہیں۔

"امیانا" ہم نے تین ماشے کچھ کر آدھ آنے کا احتیاط لگایا" وہ خط دو روٹی بڑھتی لگا۔ مکتوب الیہ سے دو گنا موصول لیا گیا۔ طرہی نخواستی کا کیا جٹ رکھتے۔"

وزن بڑھ جانے کی صورت میں دگنا موصول ادا کرنے کا حوالہ تقاضے کے نام ۵ جون ۱۸۵۹ء کے خط میں بھی ملتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"موراق شغری۔ میں نے پمفلٹ پاکٹ نہیں بھیجے۔ خط میں لپیٹ کر" چرکھ لٹا ڈال تھا" دو ٹکٹ لگا کر ارسال کئے ہیں۔"

اسی طرح اگر کوئی خط موصول ذاک کے بغیر یعنی ہر یک بھیجا جاتا تھا" تو مکتوب الیہ کو مقررہ موصول سے دگنا موصول یعنی ایک آنہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایک خط میں علام حسین قدردہ بھگوانی کو یہ نگر احتیاط ہر یک خط بھیجنے کی اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ "ہر یک خط کا ایک آنہ دینا پڑے گا۔"

ایک قاعدہ بھی تھا کہ موصول زیادہ ہونے کی صورت میں آدھا موصول خط بھیجنے والا ادا کر دے اور باقی آدھا

موصول مکتوب الیہ ادا کرے۔ اس صورت میں غالبؒ جملہ ادا کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ مرزا احمد بیگ
لہاں کو جن کا مستقر کلکتہ تھا، ایک خط میں لکھتے ہیں:

”نہضہ موصول ڈاک پہ سرکاران امیں دیار دہلی و نیمہ برانجا حوالہ کردہ شد۔“ (مختصرات غالب ص ۷۷)

جن خطوط کا حصول ادا کر دیا جاتا تھا، ان کے لغاتوں کی پیشانی پر کسی جگہ ”پوسٹ پیڈ“ یا ”اسٹامپ پیڈ“ یا
صرف ”پیڈ“ لکھ دیا جاتا تھا۔ ایسے تمام لغاتوں پر ڈاک خانہ والے لال سرنگ کر انھیں روانہ کر دیتے تھے۔ اسی طرح جو
خطوط یا ٹکٹ ہریک جیسے جاتے تھے یا جن کا حصول جزوی طور پر ادا کر دیا جاتا تھا، ان پر صرف ”ہریک“ یا ”ہسیدہ
ہریک“ لکھ دینے کا رواج تھا۔ ایسے خطوط پر سیاہ رنگ کی سرنگائی جاتی تھی۔

آج کی طرح اس زمانے میں بھی اہم خطوط اور کاغذات رجسٹرڈ ڈاک سے ارسال کئے جاتے تھے اور رجسٹری کی
فیس چار آنے یعنی چھپن پیسے تھی۔ فنی نی بلیں حقیر کے نام ۳ اکتوبر ۱۸۵۴ء کے خط میں اس کا حوالہ موجود ہے۔ نکلے
کی قیمتوں کے حساب کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ حصول موجودہ شرح حصول کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا لیکن قاتل کے
اُس معاملے میں بھی اس دور کے محدود وسائل اور مختلف النوع دشواریوں کو نظر انداز کر دینا مناسب نہ ہوگا۔

خطوط کے علاوہ دوسری نوعیت کے کاغذات مثلاً کتابوں کے سروسے اور مطبوعہ نسخے بطور پارسل بھیجے جاتے
تھے۔ غالب اس قسم کے ٹکٹوں کے لئے ”پمفلٹ پاٹ“ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ ان کے حدود و بات سے یہ
معلوم ہوتا ہے کہ ان ٹکٹوں کے حصول ڈاک کی شرح عام طور پر ایک آنہ فی ٹکٹ تھی۔ فنی شیو زائن آرام کے
نام ۴ جنوری ۱۸۵۹ء کے خط میں ”دوستو“ کی دو جلدیں لکھنؤ کے دو صاحبوں کو ”بہ صیدہ پمفلٹ پاٹ“ اسٹامپ پیڈ
بھیجنے کی استدعا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دو آنے کے دو ٹکٹ اس خط میں ملحق کر کے تم کو بھیجتا ہوں۔ دو پارسل الگ الگ لکھنؤ کو ارسال کرو۔
آنے آنے کا ٹکٹ اس پر لگا دو۔“

ٹکٹوں کے استعمال کی ابتدا غالبؒ حضہ میں ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی اس زمانے میں بکچہ اور قواعد و ضوابط بھی
وضع کئے گئے۔ یہ تبدیلیاں غیر معمولی نوعیت کی تھیں جن کے نتیجے میں محکمہ ڈاک کے بیشتر معاملات یکسر بدل گئے۔
غالب نے ان تبدیلیوں کو اپنے کئی خطوط میں ”بندوبست جدید“ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سلسلے کی سب سے اہم تبدیلی یہ
تھی کہ خطوط براہ راست وصول کرنے اور رسید دینے کا قاعدہ ختم کر کے ڈاک خانے میں ایک صندوق یعنی لیٹر بکس
رکھ دیا گیا اور خطوط اہلکاران ڈاک کے سپرد کئے جانے کے بجائے اس میں ڈالے جانے لگے۔ غالب فنی نی بلیں حقیر کو
۳ اکتوبر ۱۸۵۴ء کے خط میں اس تبدیلی کی ان الفاظ میں اطلاع دیتے ہیں:

”سب ڈاک گمر میں ایک صندوق منہ کھلا دھر دیا ہے۔ جو جائے خط کو اس میں پھینکے اور چلا آئے۔ نہ
رسید نہ مرزہ مثاہد۔ خدا جانے وہ خط روانہ ہو گا یا نہیں۔“

اسی خط میں ان تبدیلیوں کا فنی کے معاملات سے مقابلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”خط جب ڈاک گمر میں جاتا تھا، رسید ملتی تھی، پوسٹ پیڈ کی لال مرزہ ہریک کی سیاہ مرزہ خاطر جمع ہو جاتی

تھی۔ ڈاک کتاب کو دیکھ کر یاد آ جاتا تھا کہ غلط خط کس دن بھیجا ہے اور کس طرح بھیجا ہے۔ اسہ اگر خط نہ پہچا تو پیچھے والے کس دستخط سے دعویٰ کرے گا؟

سر رشتہ ڈاک کے اس "بددست چھپے" کے سلسلے میں غالب نے جس غلطی کا بار بار اظہار کیا ہے "دو یہ ہے کہ اس کے بعد خطوط کے یہ حفاظت مکتوب الہم تک پہنچنے کی کوئی ضمانت باقی نہیں رہی اور ان کا ٹک ہو جانا ایک معمول بات سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ غشی نئی غشی حقیری کو ۴ جون ۱۸۵۵ء کو لکھتے ہیں:

"انگریزی ڈاک کا مائل کئے! انہیں معلوم کیا بددست چھپے ہوا ہے کہ ہائل ڈاک کا انتظام و احتیاج جانا رہا۔ ایک دو خط انگریزی ایک (فرنگی) کے ٹک ہو گئے۔ اس نے یہاں کی ڈاک میں مکتوب کی کوئی اس کا بھیج نہ ہوا۔ اس نے بڑے پوسٹ بائزر سے شکایت کی۔ جواب پایا کہ بیکہ جواب نہ پاؤ گے۔"

خطوط کو حفاظت کے ساتھ مکتوب الہم تک پہنچانے کے خیال سے ان کا ہرگ بھیجا جانا اس زمانے میں عام طور پر زیادہ مناسب سمجھا جاتا تھا۔ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ کارپروازان ڈاک حصول کے لالچ کی وجہ سے ہرگ خطوط کی ترسیل و تقسیم میں زیادہ ذمہ داری اور مستعدی سے کام لیتے ہیں اس لئے ان کے یہ حفاظت خطل مقصود تک پہنچ جانے کے امکانات زیادہ قوی ہیں۔ تفصیل صمیمین خاں کے نام کے ایک خط میں جسور کے عقیدے کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:

"اٹھنا عقیدہ جسور آن است کہ کارگذاران ڈاک در زمانیدن بدہ ہرگ بہ قریح حصول حصول اہتمام بیشتر می کنند۔" (دار و در ص ۴۳)

نقشہ کے نام ۲۸ مارچ ۱۸۵۵ء کے خطوط کے سلسلے میں اپنا ایک اور تجربہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ڈاک کے لوگ ہرگ خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاتے ہیں اور پوسٹ پیڑ پڑا دیتا ہے۔ جب اس محلے میں جانا ہوتا ہے تو اس کو بھی لے جاتے ہیں۔"

سر رشتہ ڈاک کے تذکرہ والا انتظام چھپے کے بعد اسلاف خطوط کے بعض واقعات کے پیش نظر غالب نے یہ قصہ بیان کیا تھا کہ اہم خطوط "پوسٹ پیڑ" بھیجنے کی بجائے ہرگ بھیجے جائیں تاکہ ان کے خالص ہونے کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ چنانچہ ۱۸۵۵ء کے بعد کے متعدد خطوط میں اس طریق کار پر عمل کا بار بار ذکر آیا ہے۔ انور اللود شفق کو ۹ مارچ ۱۸۵۵ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"ڈاک میں اکثر خطوط ٹک ہوتے ہیں۔ ہرگ پر خالص ہونے کا ممکن کم ہے۔"

ایک بار انور اللود شفق ہی کو غالب نے یکے بعد دیگرے دو خط لکھے لیکن دونوں میں سے کسی کا جواب نہیں ملا۔ تیسرے خط میں اس قائل کا شکوہ کرتے ہوئے انہیں لکھتے ہیں کہ "دونوں خط ہرگ گئے تھے" ٹک ہونا کسی طرح محصور نہیں۔"

میاں دل خان سیاح کے نام ۱۸ مارچ ۱۸۵۳ء کے خط میں انہیں بھیجہ ہرگ خط بھیجنے کی توجیہ اس طرح کرتے

"یہ خط" کا، کچھ بھی ہو رہا ہے۔ نظر اس بات پر ہے کہ خط تم کو ہر گز بھیجتا ہوں تاکہ ضائع نہ ہونے کا احتمال قوی رہے۔"

سیاح ی کو ایک اور خط مرقوم ۲۲ جون ۱۸۶۶ء میں لکھتے ہیں:

"میرا شیعہ نہیں خط ہر گز بھیجتا۔ یہ خط میرا" ہر گز بھیجتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ یہ خط کے تک ہونے کا احتمال ہے اور ہر گز کا نہیں۔"

ہر گز خطوط ارسال کرنے میں ایک مصلحت اور بھی تھی۔ شروع شروع میں جب خطوط پر ٹکٹ چسپاں کرنے کا رواج ہوا تو اس خیال سے کہ کوئی دوسرا ان ٹکٹوں کو نکال کر اپنے کام میں نہ لائے، خطوط لکھنے والے ان پر اپنے دھلا کر دیا کرتے تھے۔ مثلاً لاہوری رام پور میں غالب کے پیچھے ہوئے جو خط لکھے محفوظ ہیں، ان کے حوالے سے عرش صاحب نے ان کے معمول کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ایک بات کا انہوں نے بڑا لحاظ رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک دو کو چھوڑ کر باقی ہر ٹکٹ پر اپنا مختص اسم یا غالب اور اگر دو ٹکٹ ہوتے تو پہلے پر اسم اور دوسرے پر غالب ضرور لکھا ہے۔ ایک دو پر اسم اللہ بھی ہے۔ اس سے مقصود یہ ہو گا کہ دوسرا شخص اس ٹکٹ کو استعمال نہ کر سکے۔" (مکتبہ غالب۔ مقدمہ مرتب ص ۱۷۶)

یہ معمول صرف غالب کا نہ تھا، دوسرے لوگ بھی اس طریقے پر عامل تھے۔ اس کی تصدیق محمد عبدالرزاق شاکر کے نام غالب کے ایک خط کے اس اندراج سے ہوتی ہے:

"فلسفے پر مرسلہ محمد عبدالرزاق جعفری العیددی اور ٹکٹ پر شاکر دیکھ کر دہ تک غور کی کہ یہ دو صاحب ہیں۔" (مکتوب سورت یکم اگست ۱۸۶۵ء)

اگست ۱۸۶۵ء کے بعد جب یہ طریقہ ممنوع قرار پایا تو غالب کو ٹکٹوں کے غائب کر لئے جانے اور خطوط کے ہر گز ہو جانے کا اندیشہ ستانے لگا۔ اس اندیشے میں انکے بعض احباب اور شاکر بھی ان کے شریک تھے۔ چنانچہ اس بے ضابطے کے خلاف کے خط میں غلام حسین قدر بلکھائی کو ان کے کسی اختصار کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں بھی ٹکٹ پر قری کی ممانعت ہے۔ بہتری ہے کہ طرفین سے خطوط ہر گز پیچھے جانیں کہ یہ قصہ مٹ جائے۔"

موصول نقد ادا کر کے رسید حاصل کرنے کی بجائے ٹکٹ چسپاں کرنے کے رواج اور سادہ خطوط لیلر بکس میں ڈالنے کے انتظام کے نتیجے میں جو فراہیاں پیدا ہوئیں، ان میں سے ایک فراہی یہ بھی تھی کہ بعض لوگ پینائے لاطینی "پینفلٹ پاکٹ" بھی لیلر بکس میں ڈال آتے تھے اور ان کی اس عقلی کا خیالانہ ہماری جہانے کی صورت میں مرسل الیہ کو بھٹکتا نہ تھا۔ غالب کے ساتھ ایک بار مرزا قند کے پیچھے ہوئے ایک پارسل کے سلسلے میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ۲۸ جولائی ۱۸۵۸ء کے خط میں قند کو اس کی اطلاع دیے ہوئے لکھتے ہیں:

"کل قریب دوسرے ڈاک کا ہر کارہ" وہ جو خط بٹا کر آئے ہے، آیا اور اس نے پارسل موم جاسے میں لپٹا ہوا

دیا۔ پہلے تو میں بھی حیران رہا کہ ہائٹ خطوں کی ڈاک میں کیوں آیا؟ بارے جب اس کی تحریر دیکھی تو تمہارے ہاتھ کا پھیلتا کھٹا ہوا اور وہ ٹکٹ لگے ہوئے مگر اس کے آگے کالی مرادو کچھ انگریزی لکھا ہوا۔ ہر کارے نے کہا کہ ایک مدیچہ دس آنے دلوائیے، دلوا دیئے اور پارسل لے لیا مگر حیران کہ یہ کیا بیچ پڑا؟ قیاس ایسا چاہتا ہے کہ تمہارا آدمی جو ڈاک گھر گیا، اس کو خطوں کے بجس میں ڈال آیا۔ ڈاک کے کار ہڈانڈوں نے خود نہ کی اور اس کو ہرنگ خطوں کی ڈاک میں بھیج دیا۔"

یہ واقعہ ٹکٹ کے بیچے ہوئے پارسل سے متعلق تھا۔ چند برسوں کے بعد ۱۸۸۳ء کو طوطا غالب کے ملازم سے ایسی ہی لفظی سرزد ہوئی۔ اتفاق سے اس پارسل کے مرسل الیہ ٹکٹ ہی تھے۔ غالب نے اگلے دو دن انہیں اس صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا:

"کل پارسل اشعار کا ایک آدھ ٹکٹ لگا کر لوہ اس پر لکھ کر کہ "یہ پارسل ہے" خط نہیں ہے" ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک ملنے لے کہا کہ خطوں کے صندوق میں ڈال دو۔ خدمت گار ناخوانہ آدمی، اس کا حکم بجا لایا اور اس کو خطوں کے صندوق میں ڈال دیا۔ وہ لفظ کہ "یہ خط نہیں ہے" پارسل ہے" دو متلونہ معقول ہے اگر وہاں کے ڈاکے تم سے خط کا حصول ناگھیں تو تم اس مسئلے کے ذریعے مشکوک کر لیا۔"

میں خطوں کے تحت اگرچہ سادہ خطوط کی رسید ملنے کا قصہ جنسوخ ہو گیا تھا لیکن پارسلوں پر چونکہ خطوط کے مشابہ میں دیکھا جا اس سے بھی زیادہ حصول وصول کیا جاتا تھا، اس لئے ان کی رسید بدستور ملتی رہی۔ پہلی رسید پارسل سپر ڈاک کے جانے کے وقت ملتی تھی، دوسری رسید اس کے مرسل الیہ تک پہنچنے کے بعد آتی تھی۔ غالب نے مثنوی شیخ زائن آرام کو ۳ جنوری ۱۸۸۸ء کو ایک ایک آنے کی دو ٹکٹ بھیج کر "دعوت" کی دو جلدیں آگرے سے کسٹو بھجوائی تھیں۔ ۱۵ جنوری تک انہیں ان کتابوں کی رسید نہیں ملی تو آرام کو لکھا:

"کسٹو کے دونوں پارسلوں کی رسید مجھ کو آج تک نہیں آئی۔ آخر رسید تو تم کو پارسلوں کی ملی ہو گی؟"

۱۷ جنوری کو ان میں سے ایک پارسل کی رسید آگئی تو وہاں خط لکھ کر انہیں یہ اطلاع دی:

"آج میرے پاس کسٹو کے ایک پارسل کی رسید آگئی۔ وہ سراسر بھی جتنی پہنچ گیا ہو گی۔"

جس طرح پارسل وصول کرنے والے کی دستخطی رسید بھیجنے والے کے پاس پہنچتی تھی، اسی طرح وہ ڈاک خانے کو جس کے ذریعے پارسل روانہ کیا جاتا تھا، ہاتھ رسید بھیجا کرتا تھا۔ یہ رسید ایک کتب میں چسپاں کر کے محفوظ رکھی جاتی تھی۔ ۱۸۸۳ء میں غالب نے خواجہ عبدالغفور سرور کو بارہ رسے کے سچے پر ایک پارسل بھیجا جو انہیں بہت دنوں تک ہمیں ملا۔ غالب کو تشویش لاحق ہوئی چنانچہ انہوں نے ڈاک کے کارپروانڈوں سے باز پرس کی۔ انہیں اس کا جواب ملا: سرور کو اس سے آگاہ کرتے ہوئے گھٹتے ہیں:

"بعد پردہ! میں نے پارسل کی رسید لے لی تھی۔ اب کپ کے خط کو پڑھ کر کارپروانڈان ڈاک کے پاس وہ رسید بھجوائی۔ انہوں نے کتاب دیکھ کر میرے آدمی سے کہہ دیا کہ سکندر دلاؤ کی رسید یہ موجود ہے۔ اب پارسل کی جواب دی وہاں والوں کے قہر ہے۔"

عالم کی زندگی کے آخری ایام میں وقتاً فوقتاً ڈاک کے جوئے خاپیلے اور قاعدے نافذ ہوتے رہے، ان میں ایک اہم خاپیلے یہ بھی تھا کہ ایک شخص کی طرف سے ایک ہی شخص میں رہنے والے دو مختلف افراد کے نام لکھے گئے یا دو مختلف اشخاص کی طرف سے ایک ہی شخص کو لکھے ہوئے خطوط ایک لفافے میں رکھ کر نہیں بھیجے جاتے تھے اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے پکاس روپے کے جرمانے یا قید کی سزا مقرر تھی۔ صیب اللہ ڈاک کو ۲۵ جنوری ۱۸۳۳ء کے خط میں لکھتے ہیں:

"خط میں خط خلاف کرنا جانب حکام سے ممنوع ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو میں ان (مولوی مویہ الدین خاں) کے نام کا خط تیار نہ خط میں خلاف کر کے بھیجتا۔"

غلام بسم اللہ بھل میرٹھی مفتی محمد سلطان حسن خاں سلطان منصف میرٹھ کی عدالت میں باخبر تھے۔ ایک بار انہوں نے اپنے خط کے ساتھ منصف صاحب کی ایک فریل بھی یہ فرض اصلاح عالم کے پاس بھیج دی۔ قاعدے کی یہ خلاف ورزی عالم کے لئے اندیشہ ہائے دور دراز کا سبب بن گئی چنانچہ انہوں نے بھل کو ان کی اس غلطی پر فوراً متنبہ کیا:

"میں حضرت خدا میں داخل ہوا ہے۔ اگر میں کی ڈاک میں بھی خط مکمل کیا تو مجھ سے پکاس روپے لئے جالوس کے یا قید کا حکم ہو گا۔ آئندہ آپ خط بداندک بھیجا کیجئے اس باب میں تاکید جاسکے کوئی حیلہ ہوا کہ آپ کی طرف سے ممنوع نہ ہو گا۔"

پارسل میں خط رکھ کر بھیجا جیسی اسی خاپیلے کے تحت آتا تھا۔ ایک بار چودھری عبدالغفور سردار اسی قسم کی غلطی کر بیٹھے تھے، انہیں اس طرف متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پارسل میں خطوط بھیجے میں اندیشہ ہے، خدا نے بچایا۔"

پارسل کے اندر خط یا اور کوئی تحریر نہ دیکھنے کا خاپیلے آج بھی بدستور نافذ ہے لیکن خط میں خط خلاف کرنے پر پابندی زمانہ دنوں تک برقرار نہیں رہی تھی۔ عالم کے مختلف خطوط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مئی ۱۸۳۳ء تک اس قاعدے کا خلاف نہیں ہوا تھا اور دسمبر ۱۸۳۳ء سے پہلے یہ پابندی اٹھائی جا چکی تھی۔ عالم نے اپنے ہمارے مرزا عباس بیک کو جو گھنٹوں میں رہتے تھے، سر خندہ ۲۳ ذی قعدہ ۱۲۵۴ھ مطابق ۲۳ مئی ۱۸۳۳ء کو ایک خط لکھا تھا۔ اس میں ایک خط ان کے بھتیجے محمود مرزا (ڈپٹی مرزا محمود بیک) کے نام کا بھی خلاف تھا جیسا کہ اس بیان سے ظاہر ہے:

"دو مرادوق تمام محمود مرزا کے ہے، اس کو نہ اور اگر تمہارے پاس نہ ہو تو میں ہو وہاں بھیج دوں۔"

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس خط کی تحریر کے زمانے یعنی مئی ۱۸۳۳ء تک خطوط میں داخل ممنوع نہیں تھا۔ دسمبر ۱۸۳۳ء سے پہلے اس خاپیلے کی منسوخی کا ثبوت یہاں دو خان صاحب کے نام ۳ دسمبر ۱۸۳۳ء کو لکھے ہوئے خط کے متذکرہ ذیل اندراج سے ملتا ہے:

"نواب صاحب (میر غلام بابا خاں) کے نام کا خط گزری کی رسید کا تم کو پہنچتا ہے۔"

دسمبر ۱۸۳۳ء کے بعد کے کئی خطوط میں اس "داخل" کے شواہد موجود ہیں۔ جنوری ۱۸۳۳ء میں صیب اللہ ڈاک کو

آگہ کیا گیا تھا کہ "خط میں خط لکھ کرنا صاحب حکام سے ممنوع ہے" لیکن ۱۵ فروری ۱۸۸۷ء کو ان کے نام کے خط کے ساتھ حیدر آباد سے موصول شدہ ایک خط بھی انہیں بھیجے ہوئے یہ اطلاع دی گئی ہے:

"میں صاحب نے حیدر آباد سے مکتوم خط ڈاک میں بھیجا۔ بھیجنے والے کی غرض یہ تھی کہ مجھ کو تم سے رنج و ملال ہو۔ وہ خط جتنہ تمہارے پاس اس خط میں لکھ کر کے بھیجا ہوں۔"

غالب کے زمانے میں مٹی آمراؤ کے ذریعے ترسیل و رقوم کا ضابطہ وضع نہیں ہوا تھا۔ کم از کم ان کے خطوط میں اس کی کوئی شہادت موجود نہیں۔ البتہ خطوط کے ساتھ نوٹ لکھ کر کے بھیجا جاتا تھا۔ "ممنوع نہیں تھا" اس کی قدیم ترین شہادت نواب میر غلام بابا خاں لودھیہ ایف ایچ میاں داد خاں سیاح کے نام ۱۵ جنوری ۱۸۸۵ء کو لکھے ہوئے خطوط سے ملتی ہے۔ نواب صاحب نے "درفش کلیدی" کی طباعت میں امداد کی غرض سے سو روپے کا ایک نوٹ عطیت فرمایا تھا جو سیاح نے اپنے خط میں لکھ کر کے غالب کو بھیجا تھا۔ ان دونوں خطوں میں اس عطیت کے پختے اور روپیہ وصول ہونے کا ذکر موجود ہے۔

خط میں نوٹ لپیٹ کر بھیجا اس زمانے میں لوگوں کے معمولات میں داخل تھا، اس کا ایک اور ثبوت حکیم احمد حسن سرودہی کے نام یکم جنوری ۱۸۸۳ء کے خط میں غالب کے اس بیان سے ہوتی ہے:

"میر صاحب قبلہ کہیں تکلیف کرتے ہیں؟ اگر یہی مرضی ہے تو احواف و اہوا تکلف محض ہے۔ فقیر بے سوال ہوں۔ اگر کچھ بھیج دیں گے، دہ دہ کہوں گا۔ کم و بیش پر نظر نہ کریں، بھنے کا چاہیں، نوٹ خط میں لپیٹ کر بھیج دیں۔"

حکیم صاحب ہی کے نام کے ایک اور خط مورخہ ۲۵ جنوری ۱۸۸۳ء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بعض علاقوں میں نوٹوں کو آٹھا توھا کر کے دوبار میں بھیجنے کا رواج عام تھا۔ یہ طریقہ احتیاط کی غرض سے اختیار کیا جاتا تھا کہیں کہ اس صورت میں کارپردازان ڈاک کی طرف سے خیانت یا دست برد کی گنجائش ہوتی تھی۔ غالب حکیم صاحب کو اس طریق کار کے برخلاف صحیح و سالم نوٹ ایک ہی بار میں بھیجنے کا مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ببب نوٹ بھیجنے تو اہل فکر کی طرح آٹھا توھا دوبار کر کے نہ بھیجنے گا۔ میرے نام کا لٹاؤ جس شر سے چلے، اسی شر کے ڈاک گھر میں رہ جائے تو رہ جائے، ورنہ دلی کے ڈاک خانے میں پہنچ کر کیا امکان ہے کہ تک ہو۔"

اس خط کے جواب میں میر صاحب (نواب میر ابوالکلام علی خاں دہلوی) کا حکاکرہ لودھیہ صاحب موصوف کا مرحلہ سو روپے کا نوٹ تو غالب کو مل گیا لیکن اس کی رسید میں لکھا ہوا غالب کا خط غالباً ڈاک کی بد نظمی کی نذر ہو گیا۔ چنانچہ اگلے خط میں جب حکیم صاحب نے غالب سے اس نوٹ کی رسید طلب کی تو انہوں نے کسی قدر بھلاہٹ کے ساتھ یہ جواب دیا:

"سو روپے کے نوٹ کی رسید سو بار مانگتے ہو۔ نوٹ عطیت میر صاحب کا آپ کے خط میں پہنچا ہوا ہے۔ وصول ہوا، سہا، فرج ہوا۔"

نوٹ کے ذریعے بھیجا ہوا روپیہ وصول ہونے کے بارے میں غالب کے اس بیان سے نیز مکتوب موسومہ سیاح مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۸۸۵ء کے اس اندراج سے کہ ”جس دن نوٹ پہنچا“ اس کے دوسرے دن روپیہ وصول ہو گیا۔ ”ضمناً“ یہ بات بھی ہمارے علم میں آئی ہے کہ اس زمانے میں بازار میں سو روپے کے نوٹ کا چلن آج کی طرح عام نہیں تھا بلکہ اس کی حیثیت کیس ”واچر یا چیک ڈرافٹ کی سی تھی جس میں درج رقم وصول کرنے کے لئے خزانے یا چیک کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

غالب کے خطوط کے حوالے سے محکمہ ڈاک کی کارکردگی اور احساسِ ذمہ داری کے کچھ اور پہلو بھی ہمارے سامنے آتے ہیں، مثلاً یہ کہ خطوط صرف مکتوب الیہ کے حوالے کئے جاتے تھے اور اگر وہ دیئے ہوئے پتے پر موجود نہ ہوتا تو اس کے نام کا خط یا قوبلے ہوئے پتے پر روانہ کر دیا جاتا تھا یا بھیجے والے کو لوٹا دیا جاتا تھا۔ گھنٹہ میں ”متم ایک شخص کو بھیجے ہوئے خط کے اسی قاعدے کے مطابق آجائے کا ذکر نواب انور اللہ شفیق کے نام کے خط مورخہ ۱۱ اگست ۱۸۸۳ء میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

”میں نے جو خط بھیجا، الٹا پھر آیا۔ ڈاک کا یہ موقع کہ مکتوب الیہ یہاں موجود تھیں۔“

غالب ۱۵ اگست ۱۸۸۶ء کو نکلتے سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اس سے ایک دن پہلے انہوں نے مولوی محمد علی خاں صدر امین بانہ کے نام جو خط لکھا تھا، اس میں بھی اس ”قاعدہ ڈاک“ کا حوالہ موجود ہے، لکھتے ہیں:

”اگر محتاج نام۔۔۔ گل از دود این عزیز خراب شد، لامحالہ موافق قاعدہ ڈاک باز بہ خدمت خراب رسید۔“ (نامہ ہائے قاری غالب ص ۸۷، ۸۸)

جنوری ۱۸۸۶ء میں غالب نے پہلی بار رام پور کا سفر کیا اور مارچ کے وسط تک وہاں مقیم رہے۔ ان ایام میں کار پروازانِ ڈاک دہلی میں ان کے نام آنے والے خطوط برابر ان کو رام پور کے پتے پر بھیجے رہے۔ چنانچہ مرزا ہر گوبال قند کو ان کے ”اوراق اشعار“ کی رسید دیتے ہوئے اسی زمانے کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”قلموے یہ اوراق سکندر آباد سے دلی اور دلا سے رام پور پہنچے۔“

قند ہی کے نام ایک اور خط مورخہ ۳ فروری ۱۸۸۶ء میں مفتی ہال کنڈ بے صبر کے خط کے بارے میں یہ اطلاع دیتے ہیں:

”مفتی ہال کنڈ بے صبر کا خط بلکہ شعر سے دلی اور دلی سے رام پور پہنچا۔“

دوسری مرتبہ غالب ۱۸۸۵ء کے اواخر میں رام پور گئے۔ اس بار واپسی کا سفر ۲۸ دسمبر کو شروع ہو کر ۸ جنوری ۱۸۸۶ء کو ختم ہوا۔ آخر کے ان دنوں میں خواجہ نظام نوٹ بے خبر کا ایک خط کس طرح رام پور اور دہلی کے درمیان گردش میں رہا، اس کی مدد اور خود غالب کی زبانی سنئے:

”آپ کا پہلا خط رام پور سے دلی آیا۔ پھر دلی سے خط رام پور پہنچا، میں وہاں بھی نہ تھا۔ خط دلی روانہ ہوا۔

اب کئی دن ہوئے کہ میں نے ڈاک سے پایا۔“

خطوط کے برخلاف پارسل مرسل الیہ کی غیر موجودگی کی صورت میں ڈاک خانے میں بطور امانت محفوظ رکھے جاتے تھے

اور مرسل الہ کی داہمی کے بعد اسے پہنچا دیے جاتے تھے۔ نئی خواہر سنگھ جوہر نے ایک بار لاہور سے ایک لکھی اپنے والد رائے جھج جی کی معرفت غالب کو بھیجی تھی۔ یہ پارسل جب وقت دہلی پہنچا، رائے جھج جی امویہ گئے ہوئے تھے۔ ان کے داہمی کے بعد یہ پارسل انھیں اور ان کے درپے یہ لکھی غالب کو ملی۔ غالب نے جوہر کے نام ۲ مارچ ۱۸۳۹ء کے خط ۲، یہ کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

”ہیلو شل وانڈ شاں بہ من رسید۔“ (بارغ دودر ص ۳۵)

غالب کے صدمہ میں واک کے نظام سے حلقی یہ تھکات کسی اور جگر بھی دستیاب ہیں یا نہیں اور خود فکر واک کے نظامہ نظر سے ان کی کیا اہمیت ہے، عمر سطور فی الوقت اس سلسلے میں کچھ کہنے کے موقع میں نہیں لیکن ناہمیت کے معاملے میں ان کی اہمیت سے بہر حال انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس پہلو کی وضاحت کے لئے صرف دو مثالیں پیش کر دینا کافی ہو گا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ غالب کے ہمت سے خطوط کا نذرہ تجرے ماسطوم ہے۔ اس قسم کے لاتعداد خطوط میں بہل میرٹھی کے نام کا وہ خط بھی شامل ہے جس میں انھیں اپنے خط کے ساتھ کسی اور کا خط خوف نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ایسا ہی ایک اور خط قدر پتھروا کے نام کا ہے جس میں ”گلت پر تحریر کی ممانعت“ کا ذکر کیا ہے۔ گذشتہ اوراق میں پیش کردہ معلومات کے مطابق خطوط میں داخل کا خطبہ حتی ۱۸۳۳ء کے بعد نافذ ہوا اور دسمبر ۱۸۳۳ء سے پہلے منسوخ کر دیا گیا۔ اس اعتبار سے بہل کے نام کے خط کا نذرہ تقریر ان دو میٹوں (حتی ۱۸۳۳ء و دسمبر ۱۸۳۳ء) کے درمیان محدود کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ”گلتوں پر تحریر کی ممانعت“ کا خطبہ اگست ۱۸۳۵ء تک نافذ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ قدر کے نام کا نولہ والا خط اگست ۱۸۳۵ء کے بعد کا لکھا ہوا ہے۔ ان دو مثالوں کے بعد اس وراثت قسمی کے جواز کے لئے مزید کئی ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔



فہرست ماخذ و مراجع

- ۱۔ بارغ دودر، مرتبہ ڈاکٹر سید ذوق الحسن، قادیان، شاخ کتبہ، مطبوعہ دفتر ملی ادب دہلی، (شعب دوم) ۱۹۵۰ء
- ۲۔ جگ کنگ (داہمی) مرتبہ و شاخ کتبہ کل داس پتہ دہلی، دہلی پبلیکیشنز، بکچی (۱) ص ۱۱۱
- ۳۔ حوالی غالب، ”انوار امروہو“، شاخ کتبہ، قادیان، دہلی مطبوعہ ملی ۱۹۵۰ء
- ۴۔ خطوط غالب، مرتبہ مولانا غلام رسول، شاخ کتبہ، نظام ملی ادب دہلی، (شعب دوم) ۱۹۵۰ء
- ۵۔ خطوط غالب، مرتبہ ملک داس، شاخ کتبہ، انجمن قادیان، دہلی، (شعب دوم) ۱۹۵۰ء
- ۶۔ غالب کے خطوط، عربی ڈاکٹر علی اکرم، شاخ کتبہ، غالب، انجمن قادیان، دہلی، (شعب دوم) ۱۹۵۰ء
- ۷۔ شرفیات غالب، مرتبہ پروفیسر مسعود حسینی، دہلی، ادب، شاخ کتبہ، قادیان، دہلی، (شعب دوم) ۱۹۵۰ء
- ۸۔ کتابت غالب، مرتبہ مولانا افتخار علی مراد، مطبوعہ مجلس سرکاری، دہلی، (شعب دوم) ۱۹۳۳ء
- ۹۔ بارغ ہائے قادیان، مرتبہ سید اکبر علی تھانی، شاخ کتبہ، قادیان، دہلی، (شعب دوم) ۱۹۵۰ء
- ۱۰۔ (۱) اس حصہ میں ہائے کے حوالے صرف انہی خطوط کے اقتباسات کے ساتھ دیئے گئے ہیں، جن کی حوالی میں تاریخی کو کچھ قدر وضاحت ملی ہے۔ ہر خطبہ تاریخ تحریر کی مدد سے خطوں کے نام معلوم ہوئے ہیں۔ کئی حوالے کے ہائے ہیں، ان کے اقتباسات کے حصے میں اس قسم کے حوالوں کا قلم خود ہی کچھ کر نظر ہوتا ہے کہ دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر قربان فتح پوری

غالب کے اولین تعارف نگار

مرزا غالب رجب ۳۳ھ مطابق ۱۷ مارچ میں پیدا ہوئے اور ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ مطابق فروردی ۱۲۸۸ھ میں وفات پائی۔ گویا سہ جہری کے لحاظ سے تیس سال اور سہ جھڑی کے لحاظ سے ہجرت سال زندہ رہے۔ ان کی زندگی میں بھی ان کی سوانح اور شاعری کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن ان کی وفات سے لے کر ان کی صد سالہ برسی فروردی ۱۲۸۸ھ کے درمینی عرصے میں ان کے حلقہ اتار کچھ لکھا گیا ہے کہ اب تک اقبال کے سوا اردو کے کسی اور شاعر کے حلقہ نہیں لکھا گیا۔ اس سلسلے میں سنا "یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ غالب کے فکر و فن کے حلقہ سب سے پہلے کس نے دائے ظاہر کی اور کن لوگوں نے انہیں اول اول پہچانا اور کن لوگوں نے ان کی شخصیت اور کلام کو سب سے پہلے دوسروں سے متعارف کرایا۔ بعض مقالہ نگاروں کا خیال ہے کہ غالب کا ذکر سب سے پہلے سر سید احمد خاں کی مشہور تصنیف "آثار الصنادید" مرقومہ ۱۳۱۷ھ میں ملتا ہے۔ (۱) لیکن چونکہ یہ جواب حقیقی و امتداد سے جاری ہے اس لئے ادب کے قارئین مطمئن نہ ہوئے اور غالب کے اولین تعارف نگار کے بارے میں ان کا استفسار تین تک جوں کا توں باقی ہے۔ (۲)

غالب کے سلسلے میں "تلاؤ" کے مقالہ نگار یا کسی بزرگ کا یہ خیال کہ ان کا ذکر سب سے پہلے سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں کیا ہے، درست نہیں ہے اور کہنے والے کی بے خبری کا پتا دیتا ہے۔ اس لئے کہ آثار الصنادید مرقومہ ۱۳۱۷ھ سے بہت پہلے کئی تذکرہ نگار غالب کا تعارف کرا چکے تھے۔ تذکرہ نگاروں کے تراجم سے قطع نظر کئی اور ایسی باتیں ہیں جو غالب کی شاعرانہ شخصیت و عظمت کے حلقہ اولین تعارف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی میر تقی میر کی وہ حاشیہ گوئی ہے جس کا ذکر مولانا حالی نے اس طور پر کیا ہے:

"جس دوش پر مرزا نے ابتدا میں اردو کا شعر کہنا شروع کیا تھا، قطع نظر اس سے کہ اس دنائے کام خود مارے پاس موجود ہے، اس دوش کا انداز اس حکایت سے بخوبی ہوتا ہے۔ خود مرزا کی پہلی شاعری ہے کہ میر تقی میر نے جو میرزا کے ہم وطن تھے، ان کے ٹکڑیوں کے اشعار ہی کر یہ کہا تھا کہ اگر اس لڑکے کو کوئی کامل استاد مل گیا اور اس نے اس کو سیدھے راستے پر ڈال دیا تو غالب شاعر بن جائے گا ورنہ مصلحت بکنے لگے گا۔" (۳)

غالب کا سال پیدائش ۳۳ھ اور میر تقی میر کا سال وفات ۱۲۲۵ھ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت میر تقی میر کی نظر سے غالب کے اشعار گزرے ہوں گے یا انہیں سنائے گئے ہوں گے، اس وقت غالب کی عمر زیادہ سے زیادہ ۳/۴ سال دی ہو گی۔ ظاہر ہے ۳/۴ سالہ لڑکے کے کلام کے حلقہ میر تقی میر جیسے عظیم المرتبت شاعر و تذکرہ

نگار کی رائے اس وقت خاصی وقیع خیال کی گئی ہوگی اور اپنی عقلوں میں غالب کو دو تئیس کرانے میں میر تقی میر کے نظموں نے ضرور مدد دی ہوگی۔ بعض حضرات میر تقی میر کی حشمت گوئی کو قرن قیاس نہیں سمجھتے۔ چنانچہ مولانا غلام رسول مرے اس مدایت کی صحت سے انکار کرتے ہوئے بطور استدلال ذیل کے چند سوالات اٹھاتے ہیں:

۱۔ ان کم عمری میں مرزا کا کلام اگرے سے نکھنڈ پانچا کیسے اور اسے وہیں کون لے گیا اور اس کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی۔

۲۔ میر اپنی عمر کے آخری ۱۰ تین برس عقل الحواس رہے اور چونکہ ان کے یہ ایام بہت وارفتگی حواس اور بھوم امراض میں گزرے اس لئے وہ کوئی رائے ظاہر کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ (۱۶)

مالک رام نے مولانا غلام رسول مرے کے استدلال کے سلسلے میں لکھا ہے کہ:

”یہ استدلال بہت کمزور ہے۔ یہ کس نے کہا کہ کلام ضرور اگرے گیا۔ مرزا کے تعلقات ذوق امیر بخش خاں کے خاندان سے معلوم ہی ہیں۔ وہ سات برس کی عمر سے دہلی آتے جاتے رہے اور ان ایام میں وہ لانا۔ ذوق صاحب کے پاس ٹھہرے ہوں گے۔ ذوق صاحب کے چھوٹے بھائی اچھی بخش مصروف کے کہے۔ وہ متاثر تعلقات میر صاحب کو بھی تسلیم ہیں۔ ہاں نے مرزا کا کلام خود مرزا سے لیا یا مصروف سے اور اس کی ندرت و فراہت کے پیش نظر اسے لے جانے کے کھنڈ میں اپنے استاد میر کو دکھایا کہ دیکھئے حضرت ایک بار تیرہ برس کا لڑکا ایسے شعر کہتا ہے۔

”میر میر لکھا پریشان حال اور وارفتہ اور تیار رہے ہوں لیکن اتنے بھی نہیں کہ یہ شعر سننے اور ان کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنے کے قابل نہ رہے ہوں۔ وہ کوئی مفصل تنقیدی مضمون تو لکھ نہیں رہے تھے کہ انہیں اپنے خیالات پہنچ کر کے کافی وقت تک یکسوئی اور اطمینان سے ایک جگہ بیٹھنے کی ضرورت ہوتی۔ انہوں نے ہاں سے کہہ شعر سننے اور اپنی رائے ایک آدھ فقرے میں ظاہر کر دی۔“ (۱۷)

مالک رام کی بات دل کو چھتی ہے۔ اول اس لئے کہ میر تقی میر کی حشمت گوئی کے سلسلے میں مولانا حالی جیسے بیک نفس اور ثقہ بزرگ کے جھوٹ بولنے کی وجہ کچھ میں نہیں آتی۔ دوسرے اس سبب سے کہ غالب فی الواقع بہت کم عمری سے شعر کہنے لگے تھے اور ان کے کلام نے بہت جلد اقبال حاصل کر لیا تھا۔ مولانا حالی کا بیان ہے کہ:

”مرزا کی شاعری اکتالی نہ تھی بلکہ ان کی حالت پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ ان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ انہوں نے جیسا کہ اپنے قاری دستان کے خاتمے میں تصریح کی ہے گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔“ (۱۸)

خود مرزا غالب کا بیان ہے کہ:

”بارہ برس سے کلمہ نظم و نثر میں ہاتھ اپنے ہاتھ و احوال کے سیاہ کر رہا ہوں۔ باطنہ برس کی عمر ہوئی۔

پچاس برس اس شخصے کی ورزش میں گزرے۔“ (۱۹)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ:

”دورہ سا کی آثار موزنی“ طبع پیدائی گرفت۔ (8)
 ”غالب کے مسکو محققین نے بھی غالب کے آثار شاعری کے بارے میں یہی رائے قائم کی ہے۔ بلکہ رام نکیتے
 ہیں کہ:

”وہ مولوی محمد معظم کے کتب میں پڑھتے تھے اور ان کی عمر دس گیارہ سال سے زیادہ نہیں تھی کہ
 انہوں نے شعر کہنا شروع کر دیا۔“ (9)

یہی بات انہوں نے دہان غالب کے دیباچے میں بھی دہرائی ہے۔ (10)

مولانا امتیاز علی خاں مرثی بھی مختلف اقوال و روایات پر بحث کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

”میں میں سے راجہ قول یہی مسلم ہوتا ہے کہ وہ دس برس کی عمر سے شعر گوئی کیونکہ کلیات

قاری کا اختصار جو سب سے قدیم ہے، یہی ثابت کرتا ہے۔“ (11)

ان حقائق کی روشنی میں بارہ تہہ سال کی عمر میں غالب کے اشعار کا میر تقی میر کے کانوں تک پہنچ جانا اور میر کا
 انہیں سن کر ایک دو تقریبوں میں اپنی رائے کا اظہار کر دینا بعید از قیاس نہیں رہ جاتا۔

میر کی حقیقت گوئی سے قطع نظر ایک جامع تقریب کی صورت میں غالب کا اولین تعارف سرسید احمد خاں نے نہیں

بلکہ ذوال نیا الدین خاں نیر و بخش نے کرایا ہے۔ اس نئی تقریب میں ذوال نیا الدین احمد خاں نے غالب کو ”

مرثیہ الخیر“ کے نام سے قرار دیتے ہوئے ان کی توصیف میں چند اشعار بھی لکھے ہیں جو غالب کے کلام پر اولین

تقدیدی خیالات کی نشیبت رکھتے ہیں۔ اشعار یہ ہیں:

خج	را	از	خیاں	اردنی	محل	راز	فروش	سربندی
مر	خند	اش	اس	دل	پند	است	میل	است
میں	فرزند	شہد	بیاں	بہمن	شمار	حق	کل	حالی
جہاں	را	ہے	دہلی	سوزگار	است	میں	شایں	دوکار
مرا	دفر	شہد	بیاں	در	ایں	فن	افکار	ہم
ہ	جہاں	گاہ	میں	یکہ	کاکہ	للاطوں	نظرے	حکمت
ہ	گلشن	ربیع	سج	محل	ہواہر	آزادی	در	در
دھبائے	خج	مرشاد	مکتہ	دلی	از	فکر	او	گزار

یہ تقریب کئی صفت میں پھیلی ہوئی ہے اور افغان سے خود سرسید احمد خاں کی مختلف آثار اصناف میں بھی
 شامل ہے (12) لیکن آثار اصناف میں شامل ہونے کے یہ معنی نہیں کہ یہ تقریب غالب کے سلسلے میں سرسید احمد خاں
 کے بعد لکھی گئی ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ تقریب آثار اصناف سے بہت پہلے وجود میں آ چکی تھی اور غالب کے اولین
 دہان ہفتہ کے لئے لکھی گئی تھی یہ اردو دہان احمد میں طبع پیدا انوار دہلی سے شائع ہوا تھا۔ مولانا امتیاز علی
 خاں مرثی رقم طراز ہیں کہ:

”مرزا صاحب کے دیوان کا پہلا مطبوعہ نسخہ مطبع سید الاخبار دہلی میں چھپ کر شائع ہوا“ یہ مطبع سر سید مرحوم کے بھائی سید محمد خان بہادر نے دہلی میں قائم کیا تھا اور سید الطالع یا سید الاخبار کے نام سے مشہور تھا۔ شعبان ۱۲۵۵ھ مطابق اکتوبر ۱۸۳۹ء میں اس مطبع سے مرزا صاحب کا دیوان چھپ کر شائع ہوا۔ مولانا لاہوری رام پور میں اس لائسنس کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔“ (۱۳)

گویا جس مطبع سے ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء میں سر سید احمد خان کی آثارِ استاد شائع ہوئی، اسی سے غالب کا اردو دیوان نواب فیہ الدین احمد خان کی تقریب کے ساتھ ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں شائع ہو چکا تھا۔ لیکن نواب فیہ الدین خان کی تقریب ۱۲۵۷ھ سے بھی پہلے کی ہے۔ یہ تقریب حقیقتاً اس سے تین سال پہلے دیوانِ اردو کے قلمی مسودے کے لئے لکھی گئی تھی۔ مولانا امتیاز علی خان غنی کا بیان ہے کہ یہ تقریب ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں لکھی گئی تھی۔ (۱۴) ان امور کی روشنی میں یہ کہنا کہ غالب کا تعارف سب سے پہلے سر سید احمد خان نے آثارِ استاد میں کرایا ہے، درست نہیں ہے۔ فیہ الدین احمد خان کی تقریب جو کہ آثارِ استاد میں بھی شامل ہے، سر سید کی تحریر سے بہت پہلے کی ہے۔ لیکن نواب فیہ الدین خان کی تقریب بھی تعارفِ غالب کے سلسلے کی پہلی تحریر نہیں ہے، اس سے پہلے غالب کا ذکر مع انتخابِ کلام کی تذکروں میں ملتا ہے۔ اس سلسلے میں تین قدیم تذکرے:

۱۔ دیارِ اشعار، مولفہ خوب چہرہ کا

۲۔ حرمۂ خجستہ، مولفہ اعظم الدولہ مراد

۳۔ گلشنِ بے غار، مولفہ نواب مصطفیٰ خان شینو

مسموعیت سے قائل ذکر ہیں۔

جہاں تک گلشنِ بے غار کا تعلق ہے، اسے شینو نے آغاز ۱۳۳۸ھ (یعنی ۱۸۲۲ء) میں شروع کیا اور اواخر ۱۳۵۵ھ (اپریل ۱۸۳۹ء) میں دو سال کی کوشش کے بعد ختم کیا ہے (۱۵)۔ گویا گلشنِ بے غار سر سید احمد خان کی آثارِ استاد سے پورے گیارہ برس پہلے لکھا گیا ہے۔ اس میں غالب کے متعلق شینو لکھتے ہیں:

”غالب شخص، اسم شریف، اسم اللہ خان المستر، مرزا نوشہ، از خاندانِ عظیم است و از روسای

قدیم۔ ساتھ، مستقر الخلافات اکبر آباد از استراش سرگرم کبر و عاز بود، انکوں دار الخلافہ شاہجہان آباد بدین

نسبت غیرت افزائے مقامات و شیراز۔ طوطی بلند پرواز بہن معانی است و بلبل نغمہ پرداز گلشنِ شیوا بیانی۔

بیش بلندی خیال و لوحِ بختی زنگین است و در جنبِ لعلینی غور و سر فرازی قارون کرمی نظیں۔

شاہین فکرش جز ہشکار افتادہ پرواز و اسب طبعی جز ہرورہ فلک ناز۔ اگر امروز تلاشِ حجاز نہیں

شکائی جز بدلائش و در نہانی۔ سادہ است کہ پادشاہ شاعری نماد۔ در اواکل حالِ بختانے طبع و شوار پند بطور

مرزا عبدالقادر بدیل غنی کی گفت و وقت آفرینی حائیکرد، آخر الامراضاں طریقہ اعراض کہ، اندازی دیگر

مطبوعہ ابدان نمود، دیوانش را بعد ترتیب و تخیل دیگر گزشت، فراوان ایات از حد و سادہ کہ، قدر

للعلیہ انتخاب زدہ۔ در حاست کہ بظہم رنشد سری نماد، در زبان فارسی نیز دیکھا می باشد و بایہ وافر بہم

رسانید۔ پایہ اش از قول استادان کم نیست۔ فرائض چوں غزل نظیری ہے نظیر و قصیدہ اش دجوں قصیدہ'
عربی دل پذیر۔ مضامین شعری را کاغذ حق فی قلم و جمیع نکات و لطائف ہے بی ہودہ اس فیضی است
کہ خصوص بعض اصل حق است۔ اگر طبع حق شناس داری ہاں کتہ میری۔ چہ خوش فکر اگر چہ کیاب
است اما خوش فہم کیاب 'تر' خوش حال غصی کہ از مرد و شہی یافت و خطی رود' ہائیکہ جنس کتہ سنج نغز
مکثار کثر مئی شد' بدلتش ہر چند گاہ گاہ صورت بی بند و انا چو نہ سنی مستحکم است' دیوانش بنظر رسید و اس
ایات از اس غتب کہند۔" (۱۶)

اٹا کھینے کے بعد شیخ نے مدد اشعار بلور لکھ کر کام درج کیے ہیں۔ چونکہ سارے اشعار غالب کے
جد اول دہان میں شامل ہیں اس لئے ان کا اس جگہ نقل کیا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ صرف پہلا اور
آخری شعر نقل کیا جاتا ہے:

کہو کہ سخت جانی ہائے غفلتی نہ پوچھ
صبح کہنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

دعائی اپنی جو اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

گلشن ہے خار غالب کے حلقے میں یوں اوجیت رکھتا ہے کہ اس کے درجے پہلی بار یہ بات سامنے آئی کہ غالب
نے اپنے امجد کام کا بہت سا حصہ حذف کر کے موجودہ دہان مرتب کیا تھا۔ گویا لکھنؤ عہد کے کامراغ سب سے پہلے
شیخ نے دیا ہے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے جو کچھ لکھا ہے انہیں کے حوالے سے لکھا ہے۔ (۱۷)
مرء متجدد اور عیار اشرا میں بھی غالب کا ذکر صراحت سے آیا ہے اور یہ دونوں تذکرے گلشن ہے خار سے بھی
پہلے لکھے گئے ہیں۔ ہر چند کہ یہ دونوں قریب قریب ایک ہی زمانے کے ہیں اور ان کی تقدیم و تاخیر کی باتوں کا قصین
آسان نہیں ہے۔ مگر بھی بعض قرائن عیار اشرا کو مرء متجدد مقدم کر دیتے ہیں۔

مرء متجدد کے آغاز و اختتام پر بحث کرتے ہوئے خواجہ امجد قادری نے لکھا ہے کہ ۱۸۳۵ء / ۱۲۵۱ھ تا ۱۸۴۱ء / ۱۲۵۸ھ
کو آغاز تکلیف اور ۱۸۴۱ء / ۱۲۵۸ھ کو اختتام تذکرہ کی تاریخ قرار دینا چاہئے۔ (۱۸) لیکن مخطوطات انجمن ترقی اردو
پاکستان کراچی، جلد اول کے مرتبین نے مرء متجدد کی بعض داخلی شدتوں کی مدد سے لکھا ہے کہ:
"مرء متجدد کی تکمیل ۱۸۴۳ء میں نہیں ہوئی۔ اسے تذکرے کے ابتدائی مسودے کی تکمیل کا سنہ کہ
ہکتے ہیں جس کی نقلیں بمولانا شاہق کے کھسے ہوئے نسخے سے لی گئیں۔ اس میں اضافے ۷۸ سال بعد
تک ہوئے۔" (۱۹)

اس کے معنی یہ ہیں کہ مرء متجدد ۱۸۳۵ء اور ۱۸۴۱ء کے درمیانی عہد میں لکھا گیا ہے۔ عربی صاحب نے
۱۸۳۱ء / ۱۲۴۸ھ اور ۱۸۴۱ء / ۱۲۵۸ھ کے درمیان کی تکلیف بتایا ہے، لیکن ماخذ کا سراغ نہیں دیا۔ (۲۰)
عیار اشرا کا مرء تصنیف اشپرنگر نے ۱۸۰۸ء اور ۱۸۴۷ء مری کے درمیان متعین کیا ہے۔ (۲۱)

عربی سائب کی تحقیق ہے کہ یہ تذکرہ ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۸ء میں شہر ہو اور تقریباً ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۸ء تک اس میں اضافے ہوتے رہے۔ (۲۲)

ان تاریخوں کی مدد سے اگر تذکروں کے آغاز کو غلط رکھیں تو عیار اشعار کو مرزا خجندہ سے مقدم لانا پڑتا ہے اور اگر ان کے تسلسلے کی تاریخیں محسوب کریں تو مرزا خجندہ مقدم اور عیار اشعار سو فرہو جاتا ہے، لیکن مرزا خجندہ میں ذکا کے حلقہ لکھا ہے:

”ذکا قصص، خوف چند نام، قوم کابٹ، شاکر و میاں نصیر، جوئے سلیم الطبع، مذاحق، بہ صلاحیت و اغب، کما مش غمکین، از چندے بعض از گشتی شعر انور و دروید۔ مشار الیہ ہم تذکرۃ اشعار تالیف کرد۔“ (۲۳)

گویا سرور جس وقت اپنا تذکرہ لکھ رہے تھے ”ذکا کا تذکرہ لکھا جا چکا تھا اور ان کے علم میں آپ کا تھا۔ اس اعتبار سے عیار اشعار کو مرزا خجندہ سے مقدم تسلیم کر لینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ دونوں تذکرے غالب کے حلقے میں خاصے اہم ہیں۔ ان کے ذریعے غالب کے بعض ایسے ثلایب اشعار سامنے آتے ہیں جو نوزاد میدیہ میں بھی شامل تھیں۔

”مرزا اسد اللہ خان غالب عرف مرزا نوشہ التکلیف بہ غالب“ ولد مرزا عبداللہ خان عرف مرزا ولد۔
نیو مرزا نظام حسین کہیں کہیں ”ساکن بلوہ اکبر آباد“ شاکر و مولوی معظم، شاعر قاری و ہندی است از دست:

نہ بھولا اضطراب دم شکاری انظار اپنا
کہ آخر شیوہ سامت کے کام آیا ظہار اپنا
کل کھلے غنچے پھٹکے گئے اور صبح ہوئی
سر خوش خواب ہے وہ زمیں خنور حنور
بارغ تھ بن گل زمیں سے ڈراتا ہے مجھے
جاہوں گر سیر بہن آنکھ دکھاتا ہے مجھے
مبا لہ وہ غلامچے طرف سے بلبل کی
کہ مدنے فہمہ کل سوئے آہیاں پھر جائے
دخم دل تم نے دکھایا ہے کہ بی جانے ہے
ایسے جتنے کو دلایا ہے کہ بی جانے ہے
حسن غزل کی کشاکش سے چمکا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہل جنا میرے بعد
منصف فیصلگی کے کوئی قاتل نہ رہا

ہوئی معزولی اعزاز و اہوا میرے بعد
 شمع بجتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
 شعلہ شمع یہ پیش ہوا میرے بعد
 فنا میں گدھڑا احباب کی بدوش کی گمراہ
 حلق ہوتے میرے رقص میرے بعد
 غم سے مرنا ہوں کہ ایسا نہیں دنیا میں کوئی
 کہ کہے تعجب ہو وفا میرے بعد (24)

غالب کے سلسلے میں دکا کے ترشے کی اہمیت یوں ہے کہ مذکورہ بالا دس اشعار میں سے نمبر ۱ اور ۹ ایسے ہیں جو نثرء حیدریہ کے مطالعہ کسی اور مکتوبہ دہائی میں شامل نہیں ہیں۔ نئے کا مسودہ ۳۳۷ میں مکمل ہوا تھا (25) اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا تین اشعار ۳۳۷ سے قبل کے ہیں۔ لیکن عیار اشعار کے اشعار میں نمبر ۲۰ ایسے ہیں جو نثرء حیدریہ میں بھی نظر نہیں آتے۔ گویا یہ دونوں شعر صرف دکا کے تذکرے کے ذریعے ہمارے سامنے آئے ہیں مولانا امتیاز علی خان عرقی (26) اور بانگ درا (27) نے الہام اپنے نکتوں میں یہ دونوں شعر شامل کر لیے ہیں۔ کم و بیش یہی اہمیت اعظم الدولہ سرور کے بیان اور انتخاب کلام کی ہے۔ مرزا غالب کا مکمل ترجمہ یہ ہے:

”اسد شخص“ اسد اللہ خان، عرف میرزا نوشہ، ”اسلمی از سرحد“ مولانا شمس المظاہر اکبر آبادی۔ جوان قتل و یار
 بائش و درد مند۔ پیش پہ خوش معاشی بسر بند۔ لائق رشتہ کوئی در خاطر حشمت۔ غم ہائے عشق عجاز (کڑا) تربیت یافتہ
 نمکدانہ نیاز۔ در فن سخن سنجی قبیح محاورات میرزا عبدالقادر بیدل علیہ الرحمہ و رشتہ در محاورات فارسی سوزوں کی کند۔
 پانچلہ موجد طرز خودش و بار اتم رابطہ یک جہتی محکم دارو۔ اکثر اشعارش از زمین سنگلاخ بہ مضامین نازک گشت۔
 رویہ خیال بدی پیش از پیش پیش نثرء خاطر دارو۔ از ملک طبع لوست:

شیر صاف یار ہو زہراب دارو ہو
 وہ خط سبز ہے کہ پہ رخسار سارو ہو

دیکھا ہوں اسے قہی جس کی تنہا مجھ کو
 کج بیداری میں ہے خواب زلفا مجھ کو

آئے ہیں پارہ ہائے بکر درمیان افک
 لایا ہے نعل پیش ہما کاہان افک

آمنہ کہوں کہ آہ سوار ہوا کہوں
 ایسا عین کہیں آیا کہ کیا کہوں

ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب باتوں مجھے
 یہ رنگ درد ہے بہن دھڑکوں مجھے
 دیکھ وہ برق عجم بس کہ دل چاہ ہے
 دیدہ گریاں مرا فوارۂ سیماب ہے
 کھول کر دردانہ بھلائے پولا سے فروش
 اب گلست توبہ سے خواہوں کو فتح الہاب ہے
 مجلس شطہ بھاراں میں ہو آ جاتا ہوں
 شمع ساں میں نہ دامن صبا جاتا ہوں
 صوفے ہے چاند وہ رشید گوہر ہر کام
 جس گزرد گھ سے میں آہل پا جاتا ہوں
 سرگراں مجھ سے بیک رو کے نہ رہنے سے رہو
 کہ بیک جنبش لب مثل صدا جاتا ہوں
 ایک گرم آہ کی تو ہزاروں کے گھر چلے
 رکھتے ہیں عشق میں یہ اثر ہم بیکر چلے
 پردانے کا نہ تم ہو تو پھر کس لئے اسد
 ہر رات شمع شام سے لے آ کر چلے
 بیکر سے لٹی ہوئی ہو مکی سناں پیدا
 دھن زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا
 طرباں کے چاہنے کے میں چاہل نہیں رہا
 جس دل پہ تاز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
 نیاز عشق فرس سوز اسباب ہوں بہتر
 ہو ہو چاہے کار برق شمع خار و خش بہتر
 یاد آیا ہو وہ کتا کہ نہیں راہ غلط
 کی تصور نے بہرائے ہوں راہ غلط
 گلشن میں بندوبست پہ خبط دیگر ہے آج

قمری کا طوق حلقہ جھون رہا ہے کج
 اس جنا مشرب پہ عاشق ہوں کہ کج ہے اسد
 خون زائد کو مباح اور دل صوفی کو حلال
 کتا قاتل وہ ہمارے دماغ سے ہے سود دل
 درد ہوائی اسد اللہ خان نہ پوچھ
 اسد کو بوسے میں دھر کے پھرنا سورج ہستی نے
 نقیری میں بھی باقی ہے شرارت لوحانی کی
 فصل طلائف گرفتار بنایا ہے مجھے
 ہوں میں وہ دام کہ سبزے میں پھنسا ہے مجھے
 لا تو ہوں کہ قلب گز سکھاتا ہے مجھے
 عمر بحر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے

بحر کچھ ایک دل کو ہے قراری ہے
 سینہ جھلنے دھم کاری ہے
 بحر بحر کھوئے کا عاشق ہے
 تہہ فصل لالہ کاری ہے
 قبلہ مقصد کا نیاز ہے
 بحر وہی پردہ ہماری ہے
 چشم دلال جن رسائی ہے
 دل خریدار نقد خواری ہے
 وہی صد رنگ تار رسائی ہے
 وہی صد گونہ اشک باری ہے
 دل ہوائے فرام باز ہے بحر
 بحرستان ہے قراری ہے
 جلوہ بحر عرض باز کرتا ہوں
 روز بازار جاں سپاری ہے
 بحر اسی ہے وفا پہ سرتے ہیں

پھر وہی زندگی ہماری ہے
 کب سننے ہے وہ کہانی میری
 اور پھر وہ بھی زبانی میری
 غن غنہ غنوں رنج نہ پوچھ
 دیکھ غنوں باب فطانی میری
 کیا کیا کر کے مرا روئیں گے لوگ
 مگر آتشہ جانی میری

شربت قلعہ ہے دریا میں نکا ہو جانا
 درد کا سہ سے گزرتا ہے دوا ہو جانا
 تجھ سے قسمت میں میری صورت قفل ابجد
 تھا کھسا بات کے پتے ہی جدا ہو جانا
 اب جانا سے بھی ہیں عزم ہم اللہ اللہ
 اس قدر دشمن ارباب دلا ہو جانا
 دل سے غنا تری انکشت حنائی کا خیال
 ہو گیا گوشت سے باطن کا جدا ہو جانا

پھر کھتا ہے وہ عدالت باز
 گرم ہزار فہداری ہے
 پھر ہوا ہے جان میں اندھیر
 دلف کی پھر سرشت داری ہے
 پھر دیا پارا بکر نے سوال
 ایک لڑیا و آو و زاری ہے
 پھر ہوئے ہیں گواہ خلق طلب
 بے قراری کا حکم جاری ہے
 دل و سرگاہ کا جو مقدمہ تھا
 آج پھر اس کی رو بکاری ہے
 بے خودی ہے سبب نہیں غالب
 کہ تو ہے جس کی پہا داری ہے

کہا۔ مگر ایک دہائی پہلے سا قرب پانچ جڑ کے تصانیفِ نواب ممدوح سے نظر عاجز سے گزرا۔ اسی سے چند اشعار بطور یادگار ممدوحِ گلدستہ ہذا کے لئے لکھے۔ مگر چونکہ نواب ممدوح حالتِ مہا سے آج تک شوقِ زبانِ فارسی کا رکھتے ہیں اور اشعارِ فارسی میں غالب کھٹکھٹے ہیں، چنانکہ ایک دہائی چالیس جڑ کا زبانِ مذکور میں شاعر ممدوح کا قالبِ طبع میں آ چکا ہے، اس لئے اب فکرِ اشعارِ اردو کا نہیں کرتے۔ (30)

یہ تذکرہ دو دوروں سے غالب کے سلسلے میں اہمیت رکھتا ہے۔ اول اس لئے کہ اس سے پہلے کسی اور تذکرے میں کلامِ غالب کا اتنا طویل انتخاب نہیں ملا۔ کریم الدین نے اس میں غالب کی گیارہ بارہ غزلیں نقل کی ہیں جو سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہیں۔ چونکہ یہ سارے اشعار غالب کے متداول دہان میں موجود ہیں، اس لئے ان کے نقل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ دوسری اہمیت یہ ہے کہ اس تذکرے کے ذریعے غالب کی ایک ایسی غزل کا سراغ ملتا ہے جو ان کے کسی مطبوعہ دہان حتیٰ کہ نسخہء میدیہ میں بھی شامل نہیں ہے۔ غزل یہ ہے:

اپنا احوال دل زار کہیں یا نہ کہوں
ہے حیا مانعِ اظہار کہوں یا نہ کہوں
نہیں کرنے کا میں تقریرِ ادب سے باہر
میں بھی ہوں محرمِ اسرار کہوں یا نہ کہوں
شکر سمجھو اسے یا کوئی ظلمت سمجھو
اپنی مصیبت سے ہوں بیزار کہوں یا نہ کہوں
اپنے دل ہی سے میں احوال گرفتاریء دل
بب نہ پاؤں کوئی غمِ غوار کہوں یا نہ کہوں
دل کے ہاتھ سے کہ ہے دشمنِ جانی میوا
ہوں ایک آفت میں گرفتار کہوں یا نہ کہوں
میں تو دیوانہ ہوں اور ایک جہاں ہے غماز
گوشِ جہاں دو ہی دیوار کہوں یا نہ کہوں
آپ سے وہ مرا احوال نہ پہنچے تو اسد
حسبِ حال اپنے پھر اشعار کہوں یا نہ کہوں

اسی نقلِ مصروف نے غالب کی اس غزل پر فہم کیا ہے اور یہ فہم مصروف کے ترجمے کے ذیل میں درج کیا گیا ہے (31)۔ نسخہء عرشی (32) میں یہ غزل دہانِ مصروف کے حوالے سے اور نسخہء بانگِ رام (33) میں دہانِ مصروف و گلدستہ، نازِ پستان کے حوالے سے شامل کی گئی ہے۔ مصروف کے مطبوعہ دہان میں بھی مذکورہ بالا فہم موجود ہے (34) لیکن یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ یہ غزل مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب کی ہے۔ اول اس لئے کہ معنی اور اسلوب دونوں لحاظ سے غالب کے دھب سے بالکل الگ ہے۔ دوسرے یہ کہ مجلس کے سوا اس غزل کی تصدیق کسی اور ماخذ

سے نہیں ہوتی۔ نساء عید یہ بھی اس سلسلے میں خاموش ہے۔ کیا جب کہ یہ قول سید الملک نواب اسد اللہ خان یا اسد گلشن کے کسی اور شاعر کی ہو۔ اس خیال کو وہی تفتیش پہنچتی ہے کہ اسد میں اسد اور غالب گلشن کے متعدد شعراء گزرے ہیں اور ان کی غزلوں کو غلطی سے مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ (35)

گلدستہ، بازیستان کے ساتھ قلب الدین باطن کے تذکرے کا ذکر بھی اس جگہ ضروری ہے۔ "گلستان بے خزاں" کا تاریخی نام "غزلہ عذراپ" ہے جس سے اس کا سال تصنیف ۱۱۳۵ھ لگتا ہے۔ غالب یہ سال آغاز ہے۔ "صیغہ" یہ تذکرہ ۱۱۳۵ھ میں مکمل ہوا ہے جیسا کہ خود باطن نے دیباچے میں لکھا ہے۔ (36)

یہ تذکرہ دراصل گلشن بے خار کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ چنانچہ باطن نے اپنے دیباچے میں نواب مصطفیٰ خان شیخو پر خاصی لعن طعن کی ہے۔ شیخو سے باطن کی خلاصت کا اصل سبب یہ تھا کہ شیخو نے گلشن بے خار میں باطن کے استاد نظیر اکبر آبادی کے حلقہ کلمہ دیا تھا کہ ان کے جو اشعار بازاری لوگوں کی زبان پر جاری ہیں "ان اشعار کی بنا پر نظیر شاموں میں شمار ہونے کے لائق نہیں۔" (37)

"باطن نے اپنے تذکرے میں اس کا انتقام لیا اور شیخو کے استاد اور مودعین کو ہی کھل کر برا بھلا کہا۔ شیخو نے مومن و آزاد کی بڑی تفریبن کی تھیں۔ باطن نے دونوں کے کلام میں کیڑے لگائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں غالب بھی ان کے طعن و تفریبن کا نشانہ بنے۔

باطن کا بیان خاصا دلچسپ ہے اور غالب کے کلام اور شخصیت پر جائزہ دینا "بہر حال اولین تنقیدی قحور کی حیثیت رکھتا ہے :

"غالب و اسد گلشن" اسد اللہ خان نام لفظ بہرزا نوشہ۔ آپ دو گلشن کرتے ہیں کچھ تو سبب ہے کہ وہ گلشن کرنے پر دل دھرتے ہیں۔ از ہائے قلام حسین کیدان۔ نقل اس سے بد دلی (آگرہ) میں ان کی سکونت کا مکان۔ استاد ان پاشور کے شل خلیفہ معظم جو بڑے معظم و کرم اور حلوی شعراء (نظیر) جو بے نظیر و ذکاوت تھے جن سے تعلیم پائی۔ ایام صبا سے ہرکت اناس حیرت ان استادوں کے بمرتبہ علم پہنچے۔ تب ان کی فکر رسا نے یہ صورت دکھائی۔ کہیں نہ خوش گو ہوں جن کے ایسے استاد وہ ہوں۔ حناوت فوائے کلام میں لا کلام، کلام سے بیاد سخن کو احتکام، چ نکہ وہ استاد مرگے، یہ بد دلی سے اوجر گئے۔ اب خواہ شاگردی سے انکار کریں یا شاید اقرا کریں۔ ہاں خود استاد ہیں مرغان مصلحتین کے صیاد ہیں۔ ہاں ان کا فراغ حوصلہ ہے، پھر تجتر کا کیا گلہ ہے۔ گو فارسی میں متین ہیں، پر اسد میں تو فداقی ہی نکتہ بچن ہیں۔ اب بعد وفات فداقی ان کو شاعری میں کمال ہو، کلام ان کا بحر حلال ہو، مگر زندہ خالی نہیں کیا اور کسی کی طبیعت عالی نہیں۔ غالباً جو کسی سے محتاج ہو تو حاکمین محکمہ شعر کے دہود سوالہ ہو۔ بندے کے والد مرحوم سے کمال ملاقات تھی اور از حد احمولہ کی بات تھی۔ انتخاب زبان میں یکدم دوداں ہیں۔ جس طرف آئی، اسی کی خاک ازائی، چنانچہ دگرزد سے جو ناگ لگائی تو وہ عرف پیدا کیا کہ بیٹائے گردوں میں شراب شفق قاضی آفتاب باب پیش کش لایا اور غبار بازی پر جو دھیان کیا تو وہ چھٹے ہزاری ہونے کے میر بلبلہ اور بکھرے داؤں کھانے لگے۔ ایسا کمال پایا، شعر کم قدر ان کا کبھی کسی کی زبان سے نہ سنا، نہ اپنی آنکھ سے دیکھا۔ لداعی اور جودت زبان فیض ترجمانی سے

عیاں ہے 'کلام شیریں وصف سرور چشم قرہا میں' جس نے سنا حلاوت خلق اور گونگیری سرور سے دارائے صفت شعر نہ رہا مگر کیا کہ وقت اسحاق ہے۔ کثرتِ ندرت سے ہونٹ چمک گئے۔ سرے کی خاصیت سے زبان یہ گو لال ہوئی 'حد تک گئے۔ جو شخص ان کے کلام سے بہرہ ور ہوا' ہے سائنس آفرین اور سبحان اللہ اس کی زبان پر ہوا۔ چونکہ دارائے کلام و دہان نہیں کہ خطی وصف میں قدم سر کرنے' لہذا راقم لہام تو سن سبک تک کلک سونے ہادیہ مطلب پر گئے۔ اب یہ دہلی والے ہیں اور بڑے اولیے والے ہیں۔ شاید قدیم کی نظم پر مڑ کر خفیف جانتے ہیں۔ غرور کی راہ چاہیں' سو فرمائیں' پہل میں تو ان کا لوہا مانتے ہیں۔ دہلی والے صاحب کسی کو اپنے دریدہ خاطر میں نہیں لاتے۔ بارے خودی و تجز کے حق میں پہلے نہیں مانتے' پر جب کسی سے مقابلہ ہو تو دم بھر میں فیصلہ ہو۔

"ان کو شراب و کباب چاہتے۔ خلاف شرع کا بے صاحب چاہیے۔ روزے کے نام سے انہیں کیا کام' نواز کو ان کا ہر دم سلام۔ اصحابِ تذکرہ کی تحریر دیکھی اور ان کی تقریر دیکھی کیا غرور ہیں' اپنے نزدیک کچھ دور ہیں' داران ہم صحبت ان سے زیادہ غرور میں چرہ ہیں مگر ان کے بار خوشامد کے منظور ہیں۔ دہلی والے صاحبوں کے تذکرے جو عبارت رکھتے ہیں' متاعِ خبیث شعرائے باطنی و حال و مصطفیٰ کو عارت رکھتے ہیں۔ ہیں ہیں باطنی کہ مرگیا۔ جوش میں بھر گیا۔ خوار ہو شیار ان کے اسد فکر کا فخر مضمون پر قلب ہے' فخر ان کا شعر کا بیج ہے' زحان فاری حکیم ہے مگر اورو کا دوان مانو کہ ہمارے عقل و قدیم ہے۔ اسد فکر نیستان کائنات میں ڈاکوتا ہے۔ دوبار مضامین کو ناحق جان سے مارنا ہے" (38)

باطن نے صورت کلام میں زہل کے چودہ اشعار درج کیے ہیں:

یار فم خاوری میں بھی سی فرمائیں گے کیا
دلم کے بھرنے تک باطن نہ بیوہ آئیں گے کیا

بے نیازی حد سے مگر دی بندر ہزار کب تک
ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا

جرامت خند الماس ارغوانِ دلخ بگر چہ
مبارک باد اسد فم خوار جان درد مند گیا

کوئے کوئے سخت جانی حالتِ عذابی نہ پوچھ
مج سے شام کا لٹا ہے جوئے شیر کا

دروائے محسنی تک آن سے ہوا تک

میرا سر دامن بھی ابھی تو نہ ہوا تھا

ہوئے کل بالہ دل دود چراغ مغل
جو تری بزم سے نکلا سر پریش نکلا

نغمہ ہائے غم کو بھی اسے دل نصیب چائے
بے صدا ہو جائے گا یہ سارا ہستی ایک دن

اسد زندانیء تاجم القت حائے خویاں ہوں
ظلم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں یہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ بیش کہ گھر یاد نہیں

دل سے تری نکلا ہجر تک اتر مٹی
وہ لوں کو اک ادا میں رضا مند کر مٹی
نکادے نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پہ نکھر مٹی

ایک نظر جہں نہیں فرصت مستی غافل
گریہ بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک
دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام رنگ
دیکھیں کیا گزرتے ہے قلم سے لہر ہونے تک
ظلم مستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
خج ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک (38)

تذکرہ بہار ہے غزلیں (مولفہ احمد حسن عمر) میں بھی اسد شخص کے ساتھ غالب کا ذکر آیا ہے۔ انیسویں کے اس

کے تراجم اس وقت ہماری دسترس سے باہر ہیں۔ یہ تذکرہ هنوز غیر مطبوع ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ ندوۃ العلماء کھنڈ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ نسخہ مولوی عبداللہ مولف ”گل رحمت“ کی ملکیت تھا جسے ان کے چچے مولانا عبد العلی ندوی نے کتب خانے کو دے دیا تھا۔ فرست کتب میں اس کا نمبر ۳۳۳ ہے۔ اس کے ساتھ مصنف کا دو سرا تذکرہ ”طور معنی“ بھی جملہ ہے۔ اس تذکرے میں دسے ہوئے ایک قطعہ تاریخ سے اس کا سنہ تصنیف ۱۳۱۵ھ نکلا ہے۔

مذکورہ بالا تراجم اور مباحث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آثار العشایہ مولفہ مرید احمد خان سے بہت پہلے غالب کا ذکر ایک دو جگہ نہیں بلکہ متعدد تذکروں میں آچکا ہے۔ چنانچہ غالب کے اولین تعارف نگاروں میں مرید نہیں بلکہ جیسا کہ اوپر صراحت کی گئی ہے، علی الترتیب میر تقی میر، طوب چند دکن، اعظم الدولہ سرور، مصطفیٰ خان شیفتہ، نواب ضیاء الدین احمد خان نیر و بخش، کریم الدین، قطب الدین باطن اور احمد حسین عسکریہ کے آہ آتے ہیں۔ غالب کے سلسلے میں مختلف تذکرہ نگاروں کے تراجم اور مرید کے ترانے کی تاریخوں کی چھان بین کی جائے تو بہت ممکن ہے کہ اور کئی تراجم مرید کے ترانے سے مقدم قرار پائیں۔

غالب کے بارے میں آثار العشایہ کا ترجمہ اس لحاظ سے اہمیت و قیغ اور اہم ہے کہ یہ انیسویں صدی عیسوی کے ممتاز ترین ادیب اور مرزا غالب کے ایک معاصر دوست کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن انیسویں کے مرید کا بیان غالب کے سلسلے میں یکسر رکھا ہے اور اس میں غالب کی زندگی یا کلام کے بارے میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس کی کسی معاصر تذکرہ نگار سے توقع کی جاتی ہے۔

حواشی

- (1) "غالب اور مرید" مطبوعہ لاہور کراچی، چھٹے طبعی ۱۹۵۱ء۔
- (2) "دلی زبان" علی گڑھ، پانچواں ایڈیشن ۱۹۶۸ء جس میں ایک حواشیہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ غالب کا ادبی کارنامہ کیا ہے۔
- (3) "یادگار غالب" میں ۳۸۰ شائع کردہ شائع شدہ شائع شدہ۔
- (4) "مرید غالب اور میر تقی میر" مطبوعہ لاہور کراچی، چھٹے طبعی ۱۹۵۱ء میں ۳۲۔
- (5) "ذکر غالب" میں ۳۳۰ شائع کردہ دلی، تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۱ء۔
- (6) "یادگار غالب" میں ۳۳۰۔
- (7) "عقبات نامہ" شکرانی مرقوم ۱۹۵۱ء۔
- (8) "تکلیف" شائع شدہ ۱۹۳۹ء میں ۲۳۹۔
- (9) "ذکر غالب" میں ۳۰۔
- (10) "غزلوں اور ان غالب" مرید، بانک رام، میں ۵۰ مطبوعہ آزاد کتاب گھر دہلی، شائع شدہ ۱۹۵۱ء۔
- (11) "یادگار دہلی غالب" اردو، "شو غزل" میں ۳۰ مطبوعہ ایجنس ٹریڈ اردو، علی گڑھ، ۱۹۵۱ء۔
- (12) "آثار افسانویہ" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (13) "یادگار دہلی غالب" اردو، "شو غزل" میں ۳۰۰۔
- (14) "یادگار دہلی غالب" اردو، "شو غزل" میں ۳۰۰۔
- (15) "یادگار دہلی غالب" اردو، "شو غزل" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (16) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (17) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (18) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (19) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (20) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (21) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (22) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (23) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (24) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (25) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (26) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (27) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (28) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (29) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (30) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (31) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (32) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (33) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (34) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (35) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (36) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (37) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔
- (38) "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰ مطبوعہ سید ابوالخیر دہلی، ج ۱، "تکلیف" میں ۳۰۰ تا ۳۵۰۔

(79) نگار پاکستان، "۱۹۳۵ء" لاکھنؤ کا بزرگ فیر، میں نے "عروجِ دایم" صفحہ ۱۰۰۔

(80) گلشنِ سہ جاہ، میں، "۱۹۳۶ء" مطبوعہ نول کشور گھنٹہ، ص ۱۰۰۔

(81) گلشنِ سہ لفظیں، صفحہ ۱۰۰، فقرہ "عروج" میں لکھا: "اسی مطبوعہ نول کشور گھنٹہ، ۱۹۳۶ء"۔

(82) گلشنِ سہ لفظیں، صفحہ ۱۰۰، فقرہ "عروج" میں لکھا: "مطبوعہ نول کشور گھنٹہ، ۱۹۳۶ء"۔



ضیاء الدین ایبانی

غالب و ظفر کے منظوم کتبے

اس مقالے میں غالب اور ظفر کے نظم کردہ کتبوں کا ذکر مقصود ہے جو دہلی میں پائے گئے ہیں۔ غالب کے ایک اور کتبے کا بھی ذکر ہے جو ابھیر میں ہے۔ میری دانست میں ان دو بزرگوں کے ایسے کتبوں کی دریافت کی باقاعدہ کوشش فیض کی محنت نہ تو ان حافظ کا پتا لگایا گیا ہے جن میں ان کا ذکر ہو، مجھے خود اس بات کا اعتراف ہے کہ آثار قدیمہ حکومت ہند کے شعبہ عملی قاعدی کتبہات سے مشک ہوئے کے بارخود میں خود اس طرف توجہ نہ دے پایا لیکن اس امر کی وجوہات میں چاہئے کہ یہ موقع نہیں نہ وہ ضروری ہے۔

بہر حال بعد متان کے عملی قاعدی کتبوں کے گزشتہ تین دہے کے مطالعے کے دوران میرے علم میں جو کتبے آئے ہیں ان کا مختصر بیان یہاں کیا جا رہا ہے۔ اس مقالے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ تمیز کا کام دے کہ اہل دہلی کی توجہ اس طرف متعلق کرے غالب اور ظفر اور ان کے عہد کے دیگر شعرا کے ایسے کتبوں کا سراغ لگا کر انہیں منظر عام پر لایا جائے تو یہ تاریخ اور ادب دونوں کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔

اس امر کا اعتراف بھی کرنا چاہئے کہ خود شہر دہلی اور اس کی تاریخ اس کی عمارات اور ان کے کتبوں پر کافی لکھا جا چکا ہے ہماری موجودہ دانست میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلی کتاب جس میں دہلی کی اس اوصیت کی معلومات پائی جاتی ہیں وہ مرزا سلیمان بیگ کی ہیرالنائل ہے شیخ میرے فاضل دوست ڈاکٹر شریف حسین قاسمی نے ترتیب دے کر اسے مع اردو ترجمہ شائع کیا ہے اس سے قبل علی گڑھ سے اس کتاب کا اردو ترجمہ چھپ چکا ہے اسے بھی اتفاق کئے کہ ہیرالنائل کے متن اور ترجمے کے اشاعت کا سراغ غالب انشائی نوٹ کے سر ہے۔ ہیرالنائل ۱۳۳۳ ہجری مطابق ۱۸۴۷ عیسوی کے قبل کسی وقت تصنیف ہوئی اس کے بعد سر سید احمد خاں کی مشہور و معروف کتاب آثار العنابد ۱۸۵۶ء میں شائع ہوئی جس میں مفصل دیگر حالات شہر دہلی کی عمارات اور کتبوں کا تفصیلی ذکر ہے آثار العنابد کی شہریت کا اندازہ اس کی متعدد ایڈیشنوں سے ہوتا ہے اس کے بعد تقریباً پچھن صدی تک اس سلسلے میں کوئی کام ہوتا ہوا نظر نہیں آتا، موجودہ صدی کے دوسرے دہے میں پھر اس موضوع پر کام شروع ہوا اور اس دہے کے آخر میں تقریباً ایک وقت دو کتبیں معرض وجود میں آئیں، ایک انگریزی میں صوبہ دہلی کی حکومت کے تحت مخطوط شدہ بعدہ مسلم عمارات کی مفصل فہرست اور دو سری اردو میں واقعات و دار الحکومت دہلی تین ضخیم جلدوں میں جن میں پہلی جلد میں دہلی کی عمل سیاسی تاریخ اور باقی دو جلدوں میں شہر اور گرد و نواح کے مفصل حالات مع آثار تاریخی عمارات اور کتبوں کے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ دونوں اہم کتابیں ۱۹۸۸ء میں زبور طبع سے تراست ہوئیں اگرچہ اس امر کی کہیں تصریح نہیں

پائی جاتی لیکن دونوں کتابوں میں اس امر کے قرائن موجود ہیں جن سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انگریزی فہرست کے مرتب مولوی ظفر حسن اور واقعات کے مصنف مولوی بشیر الدین احمد میں کسی قسم کی ہمدردی ضرور تھی۔

اول الذکر کتاب کو حکومت ہند کے محکمہ آثار قدیمہ نے شائع کیا تھا اس کی ترتیب کا کام اس محکمے کے ایک اعلیٰ افسر جو بعد میں اس کے ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل اور آزادی کے بعد پاکستان کے محکمہ آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر جنرل بنے وہ خان بہادر مولوی ظفر حسن نے انجام دیا یہ کتاب اپنی نوعیت کی نہایت کارآمد کتاب ہے اور جیسا کہ میں نے ایک جگہ لکھا ہے دہلی والوں پر مولوی ظفر حسن مرحوم کا جو دین ہے وہ تقاضا بخلا نہیں جاسکتا لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے آج دہلی والے مولوی صاحب مرحوم کے نام تک سے واقف نہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کتاب کے اندر احاطہ کو دہلی کی بدلی ہوئی شکل اور نئے یا جدید نام یافتہ پرانے محلوں کے ناموں کے ساتھ تحقیق دے کر اس کا نیا ایڈیشن انگریزی میں اور اس کا ترجمہ اردو میں شائع کیا جائے۔

دوسری کتاب یعنی واقعات دارالحکومت دہلی دہلی کے سربراہ اور دو ملکی خاندان کے چراغ ڈپٹی خیر احمد کے ساتھ لکھے اور اردو کے مشہور ادیب اور انشائیہ دان شاہد احمد دہلوی کے والد مولوی بشیر الدین احمد نے تصنیف کی اس سے پہلے مولوی بشیر الدین احمد حکومت نظام حیدر آباد کی سول سروس کی اپنی طویل کارگزاری کے دوران واقعات مملکت بنجارہ تین عظیم جلدوں میں تالیف فرما چکے تھے جس میں وہ بنجارہ کے علاوہ دکن کے کئی دیگر مقامات کی تاریخ اور کتبے روئے قرطاس لائے تھے ان دونوں کتابوں میں یہ التزام تھا کہ آثار تاریخی کے ساتھ عمارات کے کتبوں کا متن بھی دیا جائے مولوی ظفر حسن صاحب کی کتاب کے مقابلے میں دارالحکومت دہلی کی کتاب اہم اور کارآمد ہے اس لئے کہ اس میں بلا مبالغہ دہلی جس میں گریٹر دہلی کی حدود بھی شامل ہیں اس کے چھوٹے چھوٹے محل بیان کیا گیا ہے اس کتاب کا بھی جدید ایڈیشن از سر نو ضروری ہے۔ اس کتاب میں مذکور شدہ کئی مقامات کا پتہ لگانا خود دہلی والوں کی قبیریں دہلی یعنی ۱۸۴۵ء کے بعد کی نئی نسلیں کے لئے جوئے شیر لانے سے کم نہیں کاش اس صدی کے اوائل میں جنہوں نے انکھیں کھولی ہوں وہ حضرات بعید حیات ہوں جو ان مقامات کی نشاندہی کر سکیں اگر یہ کام ہو سکا تو دہلی کی تاریخ کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔

ان اہم کارگزاریوں کے باوجود کتبوں کے باقاعدہ جائزے کی گنجائش ہے ابھی ابھی میرے فاضل دوست محکمہ آثار قدیمہ ہند کے ڈائریکٹر جناب وقار الحسن صدیقی نے مجھے بتایا ہے کہ انیس ہزار شاہ ظفر کے آخری جلوس کا ایک اہم کتبہ خود دہلی میں دستیاب ہوا ہے۔

بیرائنازل میں ظفر کے صرف ایک کتبے کا ذکر ہے جو مولیٰ میں لہاورد خانہ ان کے مزارات والے اہلے کے دروازے پر نصب ہے حکیم نیک کی کتاب چونکہ ۱۳۳۳ ہجری مطابق ۱۸۴۷ عیسوی سے پہلے لکھی گئی اس لئے اس میں اس سال کے بعد نصب شدہ کتبوں کا ذکر نہ ملتا تعجب کی بات نہیں لیکن آثار اہلحدیہ جس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۵۹ عیسوی میں لگا اس میں مولیٰ کے حکیم احسن اللہ خان کے مکان کی مسجد کے کتبے کا پھر ذکر باقی سب کتبوں کا ذکر نہ ہونا قابل فہم ہے بالخصوص اس صورت میں کہ آثار اہلحدیہ میں کتبوں والی عمارات کا تو ذکر ہے لیکن کتبوں کا نہیں۔

اس مقالے میں جن بارہ کتابوں کا ذکر ہو گا وہ واقعات دارالحکومت اور مولوی ظفر حسن صاحب دہلی فرست میں درج ہیں ان میں ظفر اور غالب کے علاوہ سید اشعرا سید مننون پٹا وغیرہ کے کئے ہوئے تعلقات کے کتبے بھی دستیاب ہوتے ہیں (اور سچائی و تحقیق سے مزین مل جائیں گے) لیکن ان کا ذکر اس مقالے کے موضوع سے خارج ہے۔
غالب کے خود دہلی میں صرف دو کتبے دستیاب ہوئے ہیں ان میں پہلا کتبہ دہلی کے شہری گیت کے علاقہ میں میٹن روڈ پر واقع حامد علی خان کی مسجد کے پیش خانے پر لگا ہوا ہے۔ اس میں بہادر شاہ ظفر کے وزیر اعظم احمد الدولہ حامد علی خان کے مولوی فتح علی کے اجتام میں سنہ ۱۲۵۷ ہجری مطابق ۱۸۴۱-۱۸۴۲ عیسوی میں مسجد بنانے کا ذکر ہے کتبے کا متن یوں ہے:

احمد الدولہ	کز	افراط	جود	ہست	در	فیش	کنش	قزوم	غدر
دعہ	در	حامد	علی	خان	کز	مقا	بند	اسرار	ازل
ساخت	در	دہلی	ہایوں	مسجدی	تا	شود	طاہد	بند	چر
شد	نظیر	کعب	در	عالم	پاد	سال	تغیرش	ہو	کعب

اجتام مولوی فتح علی سنہ ۱۲۵۷ھ

غالب کا وہ سرا کتبہ بہادر شاہ ثانی کے طویل شاہی مشہور مکتوب حکیم احسن اللہ خان کے ۱۲۷۰ ہجری مطابق ۱۸۵۳ عیسوی میں تعمیر کردہ پچانک کے بارے میں ہے جو حویلی بدل رنگ خان سے متعلق ہے اس حویلی کا وہ سرا پچانک حوض کاغی سے لال کواں جاتے ہوئے بازار سرکی والوں سے لگا ہوا ہے اس کتبے کی مزید اہمیت یہ ہے کہ یہ اپنے زمانے کے مشہور خطاط محمد امیر وضوی المعروف بہ پیرچ کش کا لکھا ہوا ہے جو خود میں اپنے مکان کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے اس کتبے کی عبارت یہ ہے:

ہوا حکیم

نماہ	با	احسن	اللہ	خان	سر	دہ	دہ	افسان	در	دکشا
کہ	غالب	پہ	سال	تاریخ	او	رقم	دہ	دہ	دکشا	بننا

فقیر محمد امیر وضوی

غالب کا ایک اور کتبہ اجیر میں پڑا گیا ہے یہ وہاں کے رابطے اسٹیشن کے نزدیک واقع گھنٹہ گھر کی مسجد میں لگی ہوئی تنگ سرسری تختی پر محتوش اور اپنے زمانے کے مشہور خطاط میر جمال الدین مرصع رقم کا جو بہادر شاہ ظفر کی ولی مددی کے زمانے میں ان کی سرکار سے وابستہ تھے تحریر کردہ ہے اس تاریخی کتبے میں خلاف معمول شاعر کا نام نہ لکھا گیا جس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی لیکن اس کا سرعہ غالب ہوئے میں کوئی شک نہیں اس لئے کہ غالب کی کتب سید جہن میں یہ نظم شامل ہے یہ کتبہ سب سے پہلے ۱۲۲۰ ہجری مطابق ۱۸۰۴-۱۸۰۵ عیسوی میں مطلوبہ اکبر جہاں کی کتاب احسن الیہ میں پچا تھا اس میں میر باقر علی کے بیٹے میر سعادت علی کے جن کے نسب کا سلسلہ حضرت علی تک پہنچتا ہے اجیر میں ۱۲۶۹ ہجری مطابق ۱۸۵۳ عیسوی میں مسجد اور کواں بنوانے کا ذکر ہے چار شعرے مشتعل اس

کتبے کا متن اس طرح ہے:

میر سعادت علی کرد در امیر طرح مسجد و چاہی کہ بہت چتر آب بنا
آنکہ ذباقر علی گاہ علی میرسد حلقہ عتدہ بجم سلسلہ اش مرزا
ساختہ شد ایہی مکان کمدیل اجر کن ازہ صدق و صفا نذر رسول خدا
ازپہ ایں سال یک گفتہ ہائیں مروت چتر زرم ملت مسجد کعبہ بنا
کتبہ میر جلال الدین مرصع رقم ۳۳۹ھ

یہ میر سعادت علی امیر مصلحتی میں صرشتی تھے ان کا ایک اور کتبہ دہلی میں بہتی نظام الدین میں ملا ہے۔ یہ آستانہ حضرت نظام الدین اولیا کے مشرقی دروازے کے باہر ایک قدیم مکان پر نصب ہے اس کی عبارت یہ ہے:

”ایں مکان مقبرہ جد مادر خود راسعادت علی واردات علی ابا سے سید باقر علی منظور و نیکان شیخ محمد موسی خان بہودور ۱۲۴۰ ہجری نبوی از سر نو بنا ساختہ“

ظفر کے شہر دہلی میں کل بارہ کتبوں کا سراغ ملا ہے ان میں سب سے قدیم ۱۲۲۷ ہجری مطابق ۱۸۱۳ عیسوی کا ہے اور سب سے آخری کتبہ ۱۲۷۴ ہجری یعنی ۱۸۵۸ عیسوی یعنی خود سے تقریباً تین سال پہلے کا ہے۔

پہلا کتبہ جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے مولیٰ میں درگاہ حضرت قطب الدین بختیار خاکی کے مجلس خانے کی مغرب میں واقع خانہ ان لوہار کے حارات کے واسطے کے چماک پر نصب سنگ مرمر کی تختی پر محفوظ ہے اس کے مطابق نواب ممتاز محل نے ۱۲۷۴ مطابق ۱۸۵۳ عیسوی میں ایک ”محل نیک“ تعمیر کیا تھا جس سے مراد کوئی محل نہیں لیکن ابھی تک ہے جیسا کہ میرزا عظیم بیگ نے لکھا ہے کہ کتبہ نواب ممتاز محل کے والدین پر نصب ہے جو انہوں نے اپنی آخری آرام گاہ کے لئے تعمیر کیا تھا کتبے کی عبارت یہ ہے:

آنکہ نواب فلک مرچہ ممتاز محل ضعیف جودہ سنا یک میر یک سرشت
از صداقت چہ در گاہ شد قطب الدین محل نیک بنا ساختہ تعمیر غشت
سال تعمیر زمسوار خود بہت ظفر دلعتا داد ہوا بل کہ بجز دلک بہشت

ظفر کا وہ سرا کتبہ لال بنگہ میں واقع ایک سنگ مرمر کے لوح حزار پر کندہ ہے جو بھول میرزا عظیم بیگ زوجہ دلی عہد کی قبر ہے اس لوح پر محل کے یہ اشعار محفوظ ہیں:

فتح بادشہ من النصارا ما وحلت تبغی اللوز من اللہ وارجوا الصفو
للمنی بو ظفر قصد ضبط اتانخ واجلانات عفو و تعب العفو

اس آدابگی ماہے سے ۱۲۶۹ ہجری مطابق ۱۸۵۳ عیسوی کا سال وفات برآمد ہوتا ہے اس قلعے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بہادر شاہ ظفر محل میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے۔ اس کتبے میں مذکور دلی عہد سے مراد میرزا جہانگیر شاہ ہیں جو اکبر شاہ خانی سے قبل ۱۲۷۳ھ میں راہی ملک جا ہوئے تھے اس کتبے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مرحومہ کا نام محل بادشاہوں کی روایات کے مطابق فخری اکبر آبادی اور پوری زمین آبادی وغیرہ کی بیچ پر فتح آبادی تھا۔

ظفر کا تیسرا کتبہ قدیمہ بارغ میں واقع مسجد کی شمالی دیوار میں نصب سنگ مرمر پر کندہ ہے یہ مسجد اٹھارویں صدی

موسیٰ کے وسط میں نواب قدسہ بیگم کے ہاتھوں قبر ہوئی تھی آثار الصنادید میں قدسہ بارگ اور مسجد دونوں کا ذکر ہے لیکن کہتے کا مطلق ذکر نہیں، علیٰ غایت کے ہاں اس کہتے کا ذکر اس لئے نہیں کہ وہ اس کی کتاب کی ٹائپ کے بعد نصب کیا گیا تھا لیکن علیٰ غایت کے نہایت اہم اطلاع بیم پہنچی ہے کہ قدسہ بارگ جسے عوام میں کرسید بارگ کے نام سے پکارا جاتا تھا "مرزا محمد ابو ظفر دلی عبد باور" کے حصے میں تھی ان سے متعلق یا ان کے قبضے میں ہے۔ اس اطلاع سے ظفر کی اس مسجد میں ترمیم کی دلچسپی کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اس مسجد کی ترمیم ۱۳۳۹ ہجری مطابق ۱۳۳۳-۳۴ء میں عمل میں آئی اور اس کے لئے ظفر نے یہ کتبہ نظم کیا:

ہوا المشتاق

سال ترمیم اینی طے قدیم اسے ظفر بدوحد اور عظیم
۱۳۳۹ ہجری

ظفر کا چوتھا کتبہ ان کے والد اکبر شاہ ثانی متوفی ۱۲۵۳ء مطابق ۱۸۳۷ء کے مزار کے سراجے نصب سنگ مرمر کے نوع پر سنگ سیاہ کی حکایتاری سے بہ طبع کندہ ہے اس میں اکبر شاہ کی تاریخ وفات اس طرح درج ہے:

ہوا العلی الاکبر

شاہ اکبر فردغ بخش جوان
پے سال وفات گفت ظفر
مشت عشت ازقضا چون بدر
عرش آرام گاہ عالی قدر
۱۲۵۳ء

آثار الصنادید میں اکبر شاہ ثانی کے مزار کے بیان میں اس کہتے کا ذکر نہیں ہے اگرچہ سرسید نے اپنا کہا ہوا قطعہ تاریخ ضیاء درج کیا ہے جس میں ماوراء تاریخ "ظہر اکبر" ہے

ظفر کا پانچواں کتبہ بولان کی تخت نشینی کے بعد کا پانچواں کتبہ ہے اس کو میں پر نصب تھا جو لال قلعے میں حمام کے عقب میں ظفر نے خود بنوایا تھا۔ اس کہتے کا ذکر صرف مولوی بشیر الدین احمد نے کیا ہے لیکن ان کا دیا ہوا متن کہتے کے آثار قدیمہ کے بلند کتبات میں دیئے ہوئے متن سے قدرے مختلف ہے۔ یہ کتبہ سنگ مرمر کی تختی پر سنگ موسیٰ کی حکایتاری میں بے شک کندہ کیا ہے یہ تختی تھینا دہی ہے جو اب لال قلعے کے آثار قدیمہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے اس پر جو عبارت کندہ ہے وہ یہ ہے:

اللہ اکبر

ظفر اینی چاہ۔ انا یاد گاری کہ آتش شہیت قد و نہایت
ازین خوشتر باشد سال تاریخ عریا چشمہ آب حیات

بر محمدی

مولوی بشیر الدین صاحب کی نقل کردہ عبارت میں "اللہ اکبر" اور "بھو بھوی" غالب ہیں اور پہلا مصرع "غفر" قیصر شاہ اپنی چاہ شیریں" دیا ہے اور "نبات است" اور "نبات است" کا الٹا مع الٹ لکھا ہے اور سن ہجری میں ۱۲۵۷ء ذکر ہے سال تاریخ میں ایک عدد کی زیادتی اس لئے ہوئی کہ بارہ تاریخ کے ایڑا آب حیات میں الٹا کی غلطی کی وجہ سے زاید الف کا عدد شمار میں لایا گیا۔

اس کتبے سے یہ حریغ ہوتا ہے کہ ۱۲۵۶ھ مطابق ۱۸۳۹-۱۸۳۸ء میں قیصر شاہ اس کنوئیں کا نام درج کر رکھا گیا تھا۔ یہ وجہ تسمیہ تحقیق طلب ہے۔

غفر کا چھٹا کتبہ مولوی میں واقع حکیم احسن اللہ خان کے مکان کی مسجد پر چسپاں ہے یہ مسجد حکیم صاحب نے ۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۳۹-۱۸۳۸ء میں بنائی تھی آثار استغریہ میں اس کتبے کا ذکر ہے۔ کتبے کی عبارت یہ ہے:

مجھے سلامت چوں بحسن محل احسن اللہ خان پاک سرشت
ای غفر ہر سال آمد عشق غار ام خانہ خدا دوست

خود مکان پر بھی جو قطعہ تاریخ ہے وہ صاحب مکان اور بانی حکیم اللہ خان کا لکھا ہوا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا مناسب نہ ہو گا کہ دہلی میں واقع احسن اللہ خان کے مکان کے حمام کی تاریخ بھی خود حکیم صاحب نے لکھی تھی جبکہ اس کے چائیک کا کتبہ جیسا کہ ابھی بتایا جا چکا ہے غالب کے قلم سے لکھا ہے۔

غفر کا ہجرت ساتویں کتبہ بازار قلع کنواں میں واقع نہت محل کے دروازے پر لگی ہوئی سنگ مرمری تختی پر محفوز ہے اپنے زمانے کی یہ عالی شان عبارت غفر کی حکیم نہت محل نے ۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۳۹-۱۸۳۸ء میں قیصر کی تختی کتبے کا متن یہ ہے:

کدوائے غفر نہت محل قیصر قصر ہے بدل شدہ محل سال ۱۲۵۷ھ خانہ نہت محل

غفر کا آٹھواں کتبہ درگاہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی مولوی کے امیری دروازے کی مغرب میں واقع ایک بلند سر دروازے پر منصوب ہے جس کے اندر ایک بڑے ہماری محل کے کھنڈر موجود ہیں دروازہ خود اچھی حالت میں ہے یہ دروازہ ۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۳۹-۱۸۳۸ء میں خود بہادر شاہ غفر نے بنوایا تھا اور غالباً باب غفر کے نام سے موسوم تھا۔ یہ چھٹا محل سا کہ اصل محل کس نے اور کب بنوایا تھا۔ یہ ایک شعری کتبہ اس طرح ہے:

ابن درغلی چو شد حکم بنا حسب المراد گشت دل سال بنا باب غفر پایندہ باد

غفر کا نوں کتبہ شاہ درویشی کے پیشین کے مقابل قدیم محل اولیاد میں واقع شاہ بارغ نامی بارغ کے دروازہ صدر دروازے پر نصب سنگ مرمری تختی پر محفوز تھا یہ کتبہ کئی پیشین کا حامل ہے ایک تو یہ کہ یہ مشہور ملاحظہ امیر رضوی کے قلم کا نتیجہ ہے دوسرے اس میں بارغ کا نام عربی انگریزی اور دیوناگری رسم الخط میں تحریر کیا گیا ہے تیسرے غفر کا سن جلوس بھی جبری سن کے ساتھ دیا گیا ہے۔ چوتھے سن جبری کے ہندوستانیوں سے ہائیں اور سن جلوس کے ہائیں سے دائیں کیسے لکھے ہیں۔ کتبے میں بارغ کی بنیاد ۱۲۵۷ھ مطابق ۱۸۳۹-۱۸۳۸ء میں بننے کا ذکر ہے بارغ کی بنیاد سے غالباً مراد دروازہ اور اس کی چار دیواری ہو گی۔ متن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جلوس کا بارغ تھا

اور یہ شاہی خاندان کے مصروف کے لئے لگایا گیا ہو گا۔
کتبے کی عبارت یہ ہے:

SHAH BAGH

شاہ باغ

سالِ تبریح از راسے امیں بنائے پایدار اسی نظر پر سیدم اندل گشت باغ میدہ دار
سنہ ۱۱ جلوس فقیر محمد امیر دشوی سنہ ۱۱۳۱ ہجری
دسواں کتبہ مولوی کی محض میدہ گاہ کے عقب میں واقع ایک چھوٹی سر دوی مسجد جو اخوندی کی مسجد کے بائیں سے
مشہور ہے اس کی درمہائی کمان پر لگا ہوا ہے۔ اس میں اخوندی کوٹہ تھے اس کے بارے میں پتہ نہ چل سکا میر المصطفیٰ
میں اس عہد کے ایک مشہور عالم و فاضل اخون ملا شیر علی کا ذکر ہے لیکن یہ وہی ہیں جنہوں نے مسجد کی ترمیم کرائی یہ
کنا مشکل ہے۔
اس کتبے کی عبارت یہ ہے۔

ہو العلی الاکبر

نظر چوں ترمیم اخوندی صفا دار امیں مسجد گشت را
چہ سید سال مرمت دھنل بگشت آفرین نیک مو خدا
۱۱۷۰

نظر کا کیا جواب کہتے ان کے دربار کے ملک الشعراء اور ان کے اپنے استاد شیخ محمد ابراہیم لدق کے لوح مزار پر
نصب تھا لدق کے اس نامی شاعر کی آخری آرام گاہ کی ناکتہ یہ حالت کاٹک کی پارلمان میں ایک سے زیادہ مرتبہ چڑھا
ہوا ہے قدم شریف کے پاس کلو کے نگیہ نامی قبرستان میں مولوی بشیر الدین احمد کے زمانے میں یعنی موجودہ صدی کے
دوسرے دہے میں (اور غالباً ۱۸۷۷ء تک) ایک جگہ اٹلی اور ہٹیل اور ٹیم کے تین درخت پرابر واقع تھے ان کے
فصل ایک شکستہ چار دیواری کے اندر یہ مزار تھا جس کے سامنے سبک دہاں پر نظر کا کیا ہوا یہ کتبہ کندہ تھا:

اللہ اکبر

طولی ہند حضرت استاد لدق نے لی ممکن جہاں سے ہو باغ جہاں کی راہ
سبیل دقت ہو کوئی پوچھے تو اسے عمر کہ لدق بختی دسر بخش او

سنہ ۱۱۷۱ ہجری

مولو مولوی بشیر الدین احمد نے مزار کی حالت دار پر آسو بنائے ہوئے چینی ٹنگری کی تھی کہ افسوس ان کے
شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں و سلم چرا ہے کہ ایسے بڑے شاعر نامور فخر بندگان کا مزار یوں سمیڑی کی حالت
میں پڑا ہے اور چار دیواری جا بجا سے گری پڑی ہے اگر جلد توجہ نہیں کی گئی اور یہی غفلت رہی تو تھوڑے ہی دنوں
میں ان کے مزار کا پتہ چلتا بھی دشوار ہو جائے گا آج لدق کے مزار کا پتہ چلا نا واقعی دشوار ہو گیا ہے اور اس جگہ سنا

گیا ہے کہ بلدیہ کا پچشاب خانہ بنا ہوا ہے باقی رہے نام اللہ کا
 ظفر کا بار حواں اور آخری کتبہ لال قلعہ سے متصل سیلم گڑھ کے اس دروازے کی کمان پر نصب ہے جو شمالی
 یعنی دروازے جنا کے جانب رخ والی دیوار میں ہے سنگ مرمر کی تختی پر کندہ اس تاریخی قلعے میں اس دروازے کا
 ۱۸۵۳-۵۵ء مطابق ۱۲۷۰ھ میں تعمیر ہونا مذکور ہے۔ باقی کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں۔ کتبے کی عبارت یہ ہے:
 کتبہ چو تعمیر بفضل اللہ ایس درخوش مظهر و فرحت فرا
 کتبہ فرد سال بنائش ظفر باب ملک جاہ و بخت بنا
 یہ ان کتبوں کا بیان ہے جن میں ظفر کا نام بحیثیت ناظم موجود ہے اکبر شاہ ثانی کے عہد کے پشتہ خاندان کے
 ایک بڑے بزرگ شاہ سابر صاحب حقانی ۱۸۳۷ء مطابق ۱۲۵۵ھ کی خانقاہ جو قاضی والہ فیض بازار کی سنری مسجد کے
 مقابل واقع ہے اور جہاں وہ خود دفن ہیں اس کی دیوار میں نصب کتبے کے بارے میں مولوی بشیر الدین صاحب کا یہ
 بیان ہے کہ شاہ صاحب کی قبر کے سامنے دیوار میں ایک لمبی لوح لگی ہوئی ہے جس پر قرآن شریف کی ایک آیت اور
 پندرہ نامہ عطار کے سات اشعار پر مشکل علاء فتح و نستعلیق نہایت خوبصورت جو کتبہ ہے وہ بہادر شاہ ثانی نے نصب کرایا
 ہے مولوی ظفر حسن نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ کتبہ خود ظفر نے لکھا اور خانقاہ میں نصب کرنے کے لئے بھیجا ہوا
 بیانات کی تصدیق کرنا مشکل ہے لیکن اس سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ میرزا علیکین یک جو اس کتبے کا متن نقل
 کرتا ہے اس بارے میں بالکل خاموش ہے۔



ڈاکٹر قمر بیس

مرزا غالب کی بازیافت ان کے آبائی وطن میں

اسے محض اخلاق نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے تین بڑے اور باکمال شاعر امیر خسرو، بیدل اور مرزا غالب نہیں اقبال سے سرحد و بھارت کی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک یا دو بیڑی پہلے ہی ان کے آباؤ اجداد انھیں سے ہندوستان آکر بس گئے تھے۔ ان مقتدر شعرا کے کارنامے اس درجے کے ہیں کہ کسی صد میں بھی ان کی قدردانیت کم نہیں ہوئی۔ صرف ہندوستان ہی نہیں حضرت امیر خسرو اور بیدل کو اوس سرحد میں بھی بے پناہ مقبولیت حاصل رہی۔ طاہر علی شیر فرائی اور دولت شاہ سرحدی سے لے کر انیسویں صدی کے اذکب شعرا فرحت اور منشی تک، سب نے امیر خسرو کی استواری کا اعتراف کیا ہے۔ اور علی شیر فرائی نے اذکب زبان میں لکھے اپنے نغمے میں نکھای اور خسرو کے قصوں سے فیض اٹھانے کا ذکر کیا ہے۔ بیدل امیر ان میں نہ سہی اپنے آبا کی سرزمین وسطی ایشیا میں بیش آدمیوں پر نکھائے گئے۔ مولانا آزاد نے "آپ حیات" میں صحیح لکھا ہے کہ ترکستان میں ان کی قدر مولانا رومی کی طرح کی جاتی ہے۔ بیسویں صدی میں ازبکستان کے سب سے بڑے شاعر غفور حکام (مرحوم) نے ۱۹۶۵ء میں مجھے اپنا شجرہ و کھاکر لکھ کر بتایا تھا کہ بیدل اور وہ اصلاً "ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو گویا بیدل اور خسرو خوش نصیب تھے کہ ہندوستان کے علاوہ اپنے اجداد کے وطن میں بھی ان کی قدر افزائی ہوتی رہی۔ آج بھی وہاں کے کتب خانوں میں ان کے دواوین اور مکتوبوں کے بے شمار خطوط ملتے ہیں۔ معنی یہاں پر ان کی غزلیں گاتے آتے ہیں اور آج بھی گاتے ہیں۔ البتہ مرزا غالب اپنے آبا کے دیار میں اس قدر شہاسی سے اس وقت تک محروم رہے جب تک کہ ان کی صد سالہ برسی کی تقریبات کے پرستہ شروع نہیں ہوئے۔ حالانکہ مرزا غالب نے "اپنے ان پیش رو شاعروں کے مقابلے میں شاید زیادہ ہوش و خروش کے ساتھ ارضی سرحد سے اپنی دانگی کا دھڑکاؤ کیا بلکہ اس دانگی پر ہمیشہ غور و غماز کرتے رہے۔

بھی:

غالب از خاک پاک توراہم

اور

سر زبان زادہ سر قدیم

کہہ کہ اور بھی (صیب اللہ دکا کے نام) یہ کلمہ ترک:

"میں قوم کا بھائی ہوں۔ دارا میرزا بلوراء احمد سے شہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا۔"

الغرض وفات کے نوے سال بعد غالب کے دن بھرے اور اپنے آبا کے وطن میں غالب شہاسی کا آغاز ہوا۔ گذشتہ تین سال کی مدت میں سویت یونین میں اور خاص طور پر وسط ایشیا میں ان کی زندگی اور تصانیف کے

تعلق سے ہزاروں صفحات شائع ہوئے۔ خاکسے ہوئے۔ ان کی غزلیں گائی گئیں اور ان کے ریکارڈ اور کسٹ فروخت ہوئے۔

سوویت یونین میں سب سے پہلے غالب شمس علی گڑھ کے اولڈ بوائے عبداللہ غفاروف ہیں۔ جنہوں نے "غالب کی زندگی اور شاعری" پر ڈاکٹریٹ کیا۔ اس کے بعد ہاسکو کے شرقی ایشیائی ٹیٹ کے ہندوستانیوں نے غالب کا سنجیدگی سے مطالعہ شروع کیا اور ڈاکٹر دلیپامی گارنٹا "مختصر علی ایف اور ابن کھیوف نے مشترکہ کوشش سے غالب کے فارسی اور اردو کلام کا انتخاب دوسری زبان میں شائع کیا۔ صرف بھی نہیں انہوں نے غالب کی شاعری کے تعلق سے کئی اہم علمی مقالے بھی لکھے جو روسی، انگریزی اور اردو میں شائع ہوئے۔ یہاں یہ عرض کردوں کہ ڈاکٹر دلیپامی گارنٹا وہی ہیں جنہوں نے برسوں کی جانفشانی کے بعد چند سال قبل علامہ اقبال کے سات ہزار اشعار کا ترجمہ روسی زبان میں شائع کیا۔

تاہی مالمو میں عبداللہ غفاروف کو وہاں کا مالک رام کما جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ انہوں نے غالب شناسی کو اپنی تحقیق کا میدان بنایا اور اس میں نمایاں شہرت حاصل کی۔ تاہی زبان میں ان کی مسموٰۃ کتاب "غالب کی زندگی اور شاعری" کے علاوہ انہوں نے ایک ضخیم جلد میں غالب کی فارسی نظم و نثر کا ایک جامع انتخاب بھی شائع کیا، جس میں "کوحنو" "سبج آہنگ" "مہریم روز" اور دوسری نثری تصانیف کے علاوہ غالب کی ایک سو پچاس غزلیں "ربامیاں اور متعدد قصائد کے ششپہی اشعار دیئے ہیں۔ ان کے علاوہ محترمہ الیں۔ پولاٹوا نے تاہی میں اپنے طویل مقالے "شاعر مشہور ہند" میں غالب کے اردو مکاتیب کا تجزیاتی مطالعہ کیا ہے یہاں تک کہ ان کے خطوط کی افادہ شاعری بھی کی ہے۔ ان حضرات کے علاوہ پروفیسر جیٹی شیفت "پروفیسر سٹاچوف" ڈاکٹر کورون پولاٹکایا اور مولانا حالی پر ڈاکٹریٹ کرنے والی میلاد سیلہ نے بھی مرزا غالب کے افکار اور تخلیقی کارناموں سے سوویت عوام کو روشناس کرایا ہے۔

تاہم اس وقت غالب شناسی کے اس وسیع سرائے کا جائزہ لینا میرا مقصود نہیں ہے۔ اس مختصر مضمون میں ان کے آہائی وطن یعنی ازبکستان میں ان کی غیر معمولی مقبولیت اور ازبکی زبان میں ان کے اردو کلام کے ترجمے کے بارے میں چند باتیں عرض کردوں گا۔

ازبک عوام مرزا غالب کے اردو کلام سے سب سے پہلے ۱۹۶۵ء میں آشنا ہوئے جب ان کی منتخب غزلوں کا ترجمہ راقم الحروف کے مقدمے کے ساتھ ازبکی زبان میں شائع ہوا۔ یہ ترجمہ اردو زبان و ادب کے مستبر عالم اور استاد رحمان بیودی محمد جانف نور ازبکی زبان کے ممتاز شاعرین غن مرزا نے مل کر کیا تھا۔ جب یہ انتخاب شائع ہوا تو سرحد و افرا اور خاراؤم سے لے کر وادی فرغانہ تک ہر علاقے اور ہر طبقے میں اس کی شان دار پذیرائی ہوئی۔ اسے کم و بیش دینی مقبولیت حاصل ہوئی جو اسی زمانے میں شائع ہونے والے میرامن کے "قصہ چار درویش" کو حاصل ہوئی اور جس کے ایک سال میں ساتھ ساتھ ہزار کے دو اڑھین شائع کئے گئے تھے۔ غالب کا یہ شعری ترجمہ ۳۵ ہزار جلدوں میں شائع کیا گیا تھا لیکن یہ ایک سال کے اندر ہی فروخت ہو گیا اور پھر چند سال بعد نگر جانی اور مزید غزلوں کے اضافے کے ساتھ اس کا دوسرا اڑھین شائع ہوا۔ یہاں یہ عرض کردوں کہ غالب کے علاوہ نیگور، اقبال اور فیض احمد

فیض جیسے بڑے شعرا کے کلام کے ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں اور وہ اپنے ہی کلمے لکھیں جہاں تک مجھے علم ہے ان کے ترجموں کے دوسرے انجین شائع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ یہ امر ازواج امتیاز بھی مرزا نوشہ کا مقدر بنا۔

اس سے پہلے کہ اس قریب کی توصیف کے بارے میں کچھ عرض کروں ایک سوال کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جو اکثر میرے ذہن میں اٹھا ہے اور وہ یہ کہ وسط ایشیا میں غالب کی اس غیر معمولی مقبولیت کے اسباب و محرکات کیا ہیں؟ اصل میں یہ سوال ایک علاحدہ مطالعے کا تقاضا کرتا ہے۔ تاہم اچھا خیال یہ ہے کہ اسیر خسرو کی طرح غالب کی شخصیت میں بھی وسط ایشیائی اور بعض مغربی تہذیب کی جو آمیزش ہوئی تھی وہ خاص و عام اور طرح و طرح تھی۔ جس طرح تہذیبوں کی کویش یا بیحد کاری کے عمل سے ایک نئی اور جدید تر تہذیب قائم ہوتی ہے جو اپنی قوت نمو کے لحاظ سے زیادہ ضخیم، پست اور پراکندہ ہوتی ہے، اسی طرح ان دو تہذیبوں کی تحلیل ترکیب سے مرزا غالب کا مداحانی وجود بھی زیادہ توانا اور زرخیز ہو گیا تھا۔ ان کا تخلیقی وجد ان زیادہ فعال، ان کا قلب زیادہ حساس اور تحلیل زیادہ شلواب بن گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بے مثل اجتماعی غلبائی کے شاہکاروں نے دونوں دہائیوں یعنی ان کے وطن اور ان کے آبا کے وطن میں امتیازی قدر و منزلت پائی۔

آذربائیجان میں غالب کی مقبولیت کا ایک دو سرا پہلو بھی ہے۔ وسطی ایشیا اور وسطی ایشیائی (اگر پر دفر مسعود خضیں کی اصطلاح استعمال کریں) کے ”اردو کلچر“ کی اقدار و روایات میں صدیوں سے جو یکاگت رہی ہے اسے بھی غالب کی مقبولیت کا ایک سبب کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اک ذرا دوسرے زاویے سے اردو کے کلاسیکی شعرا میں مرزا غالب پہلے شعرا ہیں جن کے کلام سے وسطی ایشیا کے لوگ متاثر ہوئے۔ قدیم مشرقی علوم، اساطیر، حکمت و فن، شعری رموز و علامت، انسان دوستی پر مبنی تصوف اور مذہب کے قصودات اور دنیوی و عاشقی کی حکایات جو غالب کی کہانی میں پڑی تھیں ان کے ایک عوام کی وسیع تفریب میں بھی وہ طیر کا درجہ رکھتی ہیں، لیکن گزشتہ نصف صدی میں ”ایک شرقی یافتہ سرخشاہت“ سراج کی تعمیر کی مسلسل جدوجہد اور سخت کوشش نے انہیں اس پیش برآمدگی و رشت کی قدر شناسی کا زیادہ موقع نہیں دیا۔ اب جب انہیں کچھ فراغت اور راحت کے دن نصیب ہوئے تو وہ اپنی تخلیقی توقعات کی از سر نو دریافت اور اپنی ابتدائی شناخت کی طرف باہل ہوئے۔ ایسا لگتا ہے کہ مرزا غالب کی دریافت بھی اپنی شناخت اور شیرازہ بندی کے اسی عمل کا ایک حصہ ہے۔ اس میں سونے حکومت بھی امکانی تھاؤں کر رہی ہے۔ لیکن ممتاز سونے شرق شناس ڈاکٹر غضنفر علی ایب نے وسطی ایشیا میں غالب کی ہم گیر مقبولیت کے سلسلے میں ایک اور دلیل دی ہے وہ بھی قائل توجہ ہے۔ موصوف کہتے ہیں:

”یہ قرن قیاس ہے کہ ہندوستان کے عظیم فارسی شاعر بیہول کی فارسی شاعری کی شہرت و عام مقبولیت نے وسطی ایشیا میں غالب کی شاعری اور مقبولیت کا راستہ ہموار کیا۔ وسطی ایشیا کی شاعری پر بیہول کے اثر نے غالب کی فارسی (و اردو) شاعری کو وسطی ایشیائی اقوام کے لئے قابل فہم بنا دیا۔“ (مضمون ”غالب“ صفحہ نمبر ۱۰۰)

ہے کہ ازبکی زبان میں غالب جیسے شاعری دقیق فکر اور اہمیت شعری عکاسی کو کیوں کر نقل کیا جاسکا؟ اور حرمین کو اس میں کتنی کامیابی حاصل ہوئی؟ شاعری کے ترانے کے تعلق سے انتخاب پسندانہ باتیں کہی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اصل شاعری ناقابل ترجمہ ہے۔ بقول رابر فراسٹ شاعری وہی ہے جو محکوم یا مشورہ ترانے سے غالب ہو جاتے۔ نیگور کا کہنا ہے کہ شاعری کے ترانے میں اصل وہاں ترانے سے باہر رہ جاتے ہیں۔ آزاد ترانے کے حامیوں مثلاً پال ویلری نے تخلیقی پار آفری کا نظریہ پیش کیا۔ دراصل اس طرح کے نظریے شاعری کے بارے میں مخصوص تصورات کا عکس ہوتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ کوئی شعری تخلیق صرف مضمون یا معنی سے عبارت نہیں ہوتی۔ اس کی استعاراتی، اکائی کے تاراج (Texture) میں لسانی، تخلیقی اور تہذیبی عناصر باہمی طور پر ضمیر و شعر ہوتے ہیں اور یہ وہ عناصر ہیں جو کسی دوسری زبان میں (خاص طور سے ایک مختلف تہذیبی ماحول کی پروردہ زبان میں) بصری نقل نہیں کئے جاسکتے۔ ترانے کے معنی ہیں ایک لسانی استعاراتی اکائی کو ایک دوسری لسانی استعاراتی اکائی میں اس طرح منتقل کرنا کہ پہلی اکائی کا معنی اور ہدایتی تاثر دوسری میں بجا نہ ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر ترجمہ کسی ایسی زبان میں کیا جائے جو اصل تخلیق کی زبان سے تہذیبی اور لسانی طور پر قریب ہو اور دونوں زبانوں کی شعری روایات میں بھی قابل لحاظ مشترک اقتدار و عناصر موجود ہوں تو ترانے میں صحت اور کامیابی کے زیادہ امکانات پیدا ہو جائیں گے۔

ہندوستان اور وسطی ایشیا کے صدیوں پرانے تاریخی اور تہذیبی تعلقات کا ذکر آپکا ہے۔ ازبک اور اردو کی کلاسیکی شاعری میں بھی بعض بنیادی اوصاف مشترک ہیں۔ دونوں نے براہ راست فارسی شاعری کے ذریعہ اثر پذیرش پائی۔ دونوں میں شعریات اور شعری منافی کا تصور ایک ہے۔ دونوں زبانوں کی شاعری میں رموز و علامت اور سمبلیات کا ذخیرہ بھی بڑی حد تک مشترک ہے۔ نظام عروض بھی فارسی یا عربی سے مستعار ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ ازبکی شاعری کا اپنا ایک مقام اوزان بھی ہے جو "میش میانی" یعنی پانچ الگیدوں پر گننا جانے والا وزن کہلاتا ہے۔ کلیتہً اور دوسری نظمیں بعض شعرا ان مقامی اوزان میں بھی کہتے آئے ہیں اور جیسا کہ مجھے بتایا گیا بھی کبھی علم یا غزل میں دونوں طرح کے اوزان کا امتزاج بھی دیکھنے میں آیا ہے۔

مرزا غالب کی جو پسندیدہ بحرین ہیں اعلانیً سے ازبکی شاعری میں بھی ان میں سے بیشتر پسند خاطر رہی ہیں۔ بقول ڈاکٹر منیف الدین قریدی "مرزا غالب" کی نوے فی صدی غزلیں صرف آٹھ بحرین کے ۱۱ مختلف اوزان میں کہی گئی ہیں۔ ان میں بھی ان کا سب سے محبوب وزن بحر مضارع کے اوزان مضمر فاعلات مجامیل فاعلہ و فہوہ ہیں۔ جن میں غالب کی ۵۵ غزلیں ملتی ہیں۔ ترانے میں بھی اس بحر کی متعدد غزلوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ مثلاً:

(۱) کہیں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر

(۲) دجہ آگ سے دوش پہ زہار بھی نہیں

(۳) مدت ہوتی ہے یار کو مصلیٰ کے ہوئے

(۴) کافر ہوں مگر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

ان کے ترے میں بھی 'جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں' اصل غزل کے وزن کی بربادی کی گئی ہے۔ اگرچہ مشکل یہ ہے کہ ازبک زبان کے الفاظ کے تلفظ 'بجے اور قرأت کی گنج واقفیت یا مشق نہ ہونے کی بنا پر مصرعوں کو مناسب آہنگ کے ساتھ پڑھنا یا تلفظ کرنا مشکل ہے۔ مثلاً ایک غزل کے یہ دو شعر دیکھئے:

کیوں اہل جہاں نہ تائب رخ یار دیکھ کر جہاں ہوں اپنی طاعت دیدار دیکھ کر
آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے سرگرم تار ہائے شرار دیکھ کر

ترجمہ سب ذیل ہے:

کونب کل بولدی سوخاوم آتاپ رخسار کرب
رفک انور من اراز دن قوت دیدار کرب
آتش پرست دیدی جہاں اہل جہاں ننگا آب
تار اہم لی بیش اتلی شط وار کرب

ترے کے پہلے شعر میں الفاظ اور ان کی صوتی ترتیب جو بھی ہو وزن پورا ہے۔ البتہ مضمون میں کچھ انحراف ضرور ہے۔ مثلاً ازبک شعر کا لفظی ترجمہ اس طرح ہو گا:

"تم تب مجھے تار آتاپ رخسار دیکھ کر۔ میں تو اپنی قوت دیدار دیکھ کر صدمہ کرتا ہوں۔"
دوسرے شعر کا لفظی مضمون یہ ہو گا:

"اہل جہاں مجھے آتش پرست کہتے ہیں۔ میرے تار و تار کو بیش خط وار دیکھ کر۔"

یہاں کسی ظاہری تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے بھی کہ ازبکی ترے کے شعری محاسن پر رائے دینے کا حق مجھے نہیں۔ مگر بھی اتنا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ ترے میں اصل متن کے صرف چند الفاظ "دیدار" "آتش پرست" "اہل جہاں" اور "تار" ہوں گے توں ترے میں آگئے ہیں۔ لیکن ایسی غزلیں بھی ہیں جہاں وزن اور قافیے کی یکسانیت کے علاوہ مفرد الفاظ بھی بڑی تعداد میں دی ہیں جو اصل اشعار میں استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً یہ معروف غزل دیکھئے:

دل تاراں تجھے ہوا کیا ہے	اے دل تاراں یوسوا تار
آخر اس درد کی دوا کیا ہے	دور درگا آخر نصبت دوا تار
ہم ہیں مشتاق اور وہ ہزار	ہر کو مشتاقیز اہم ہزار
یا اچھی یہ ماجرا کیا ہے	ہر درگاہم ماجرا تار
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں	میںذام باز کو قی زباں آخر
کاش پوچھو کہ دعا کیا ہے؟	کاش کہ من سورسگ دعا تار
یہ بڑی چوہا لوگ کچھ ہیں	کم لہ پر ہزار لہ تار نہیں سر
مشوہ و لغو و ادا کیا ہے	یو لغو یوتا تار ادا تار

شکن زلف جبری کیوں ہے قدرِ حاد و زلفِ حمر ۲۷
 نگہ چشمِ سرسہ سا کیا ہے قراصل کو دسر و سرسہ نادر
 سبزہ دگل کہاں سے آئے ہیں قانونِ پانچا بولدی سبزہ گل
 اہ کیا تھ ہے ہوا کیا ہے بولت نے سرسہ و ہوا نادر
 ہم کو ان سے وفا کی ہے امید امید حمر سن ان دن وفا نی
 ہو نہیں جانتے وفا کیا ہے ازنی بلندی جنی وفا نادر
 ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا یا عشقِ کک قل گل قاتر یا عشقِ کک
 اور درویش کی صدا کیا ہے درویش کا چتا ایت صدا نادر
 جانِ تم پر نار کرتا ہوں جانی نی ندا قل نمی غالب
 میں نہیں جانتا دعا کیا ہے واسلام بلایں لو دعا نادر

غالب کے پہلے شعر میں لفظ "سودا" نہیں ہے لیکن ازنی میں کہا گیا ہے: "اے دل بٹاں تجھے یہ کیا سودا ہوا ہے۔" تاہم اس ترتیب سے شعر کے مجموعی تاثر میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دوسرے شعر میں "یا الھی" کی جگہ "پروردگارم" کا استعمال ہوا ہے۔ تیسرے شعر میں "پہی چو" کی جگہ "یہ پری زاد نازنین" کہا گیا اور دوسرے مصرعے میں "فروز و مشور و ادا" کے بجائے "فروز و ناز و ادا" کر دیا گیا ہے۔ چوتھے شعر میں ازنی میں کہا گیا ہے: "میں بھی آخر زبان رکھتا ہوں کاش پہنچو کہ دعا کیا ہے۔" یعنی پہلے مصرعے سے "میں" کا نکوا حذف کر دیا گیا ہے۔ پانچویں شعر میں "شکن زلف جبری کیوں ہے؟" کی جگہ "قدرِ حاد و زلفِ حمر کیوں ہے؟" کر دیا گیا ہے۔ اس آخری تبدیلی کا بظاہر کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ چھٹے ساتویں اور آٹھویں اشعار کا ترجمہ جسے وہی مضمون و تاثر دیتا ہے جو اصل میں ہے۔ صرف اس غزل کے مطلع کو نکال کر آخری شعر میں غالب قصص لا کر اسے منقطع بنا دیا گیا ہے۔ لیکن اس جزوی تبدیلی سے شعر کے اساسی تاثر میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

غزلوں کے ایسے تراجم کی تعداد بھی خاص ہے جہاں قافیے تو اصل غزل کے برقرار رکھے گئے ہیں اور مضمون میں بھی انحراف نہیں ہے لیکن وزن اور الفاظ کی ترتیب میں تبدیلی آگئی ہے۔ مثلاً غالب کی مشہور غزل:

ہے بس کہ ہر اک ان کے اشارے میں نکلاں اور
 کہتے ہیں بہت تو گزرتا ہے گھٹاں اور

اس میں صرف ایک قافیے "ہاں اور" کے علاوہ دوسرے تمام قوافی اصل غزل سے مستعار ہیں۔ مثلاً کا یہ ترجمہ دیکھئے

اگر تھا اشارہ مل جاں نکلاں یا شد
 فکر بھلا اکتاف سن اجن گھٹاں یا شد

کسی غیر زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے اگر کسی شعر میں سمجھ ہوتی ہے تو یا تو اسے حذف کر دیا جاتا ہے یا پھر مناسب

میں تھری ٹوٹ رہا تھا ہے لیکن انکی زبان میں غالب کے ترے میں اگر کوئی تاریخی یا تفسیری حوالہ آیا ہے گو اسے اسی طرح برقرار رکھا گیا ہے جس طرح وہ اصل میں ہے۔ کسی تھری ٹوٹ کی ضرورت بھی نہیں پڑی۔ یہ الگ بات ہے کہ حشرم اس صحیح کے سارے اختلاف سے انگوٹھ نہیں ہے جس کے نتیجے میں ترے کی شعری معنویت میں فرق پڑا۔ یہ تین مختلف اشعار دیکھئے:

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جام جم سے یہ مرا جام سفال اچھا ہے

قلو اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا
ہم کو تقلید تک عرفی منصور نہیں

انا پری داؤں سے لیس کے غلہ میں ہم انعام
قدوت حق سے بھی حوریں اگرہاں ہو گئیں

ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

سب تھا بازار دن کیل دردمز یاگی من
جھپٹ جام دن کراڑگا شوقحال یا عشی

قلو بونک ہم اصل دا دریا ام دمز لیں
بت در دعویٰ قلن تک بڑ پست صحت منصور لیس

اچ اسر مز جنت دا اشیو پری داؤ سر دن
اگر خدا دن بولب شو حور و غلاں بولدی

پہلے شعر میں پاری صحت کے ساتھ غالب کے شعری معنوی وحدت کو ازبکی کا لباس پہنایا گیا ہے۔ دوسرے شعر میں پہلے مصرعے کا ترجمہ تو صحیح ہے لیکن دوسرے مصرعے میں "تک عرفی منصور" کو "ہست ہستی منصور" کہہ کر حشرم نے شعر کا سارا معنوی حسن ختم کر دیا ہے۔ اسی طرح تیسرے شعر میں جہاں غالب نے صرف "حوریں" کہا ہے ترے میں "حور و غلاں" کر دیا گیا ہے۔ اس طرح کی قریبیں جو بہت کم ہیں اس حقیقت کا ثبوت بیم پہنچاتی ہیں کہ حشرم نے شرح سے مدد لینے کے باوجود غالب کے بعض اشعار کی استعاراتی اور معنوی نزاکتوں کو نہیں سمجھا۔ نتیجے میں ترجمہ ناقص ہو گیا۔

میں نے اردو پڑھنے والے کچھ نو جوان ازبک طلباء سے جب غالب کے اس ترے کے بارے میں پوچھا تو انہوں

نے بتایا کہ تقریباً نصف اشعار طبع زاو شاعری کا مزہ دیتے ہیں۔ باقی اشعار میں ایسی روانی اور کیفیت نہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ غالب کے اشعار ہمارے لئے اس لئے دلچسپ اور نئے ہیں کہ پڑھنے کے بعد کچھ غور و خوض کرنے پر وہ لطف دیتے ہیں۔

ظاہر ہے شاعرانہ خوبیوں کے لحاظ سے ترجمے کی کامیابی کا فیصلہ اہل زبان ہی کر سکتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں زبانوں کے ترجمہ جی کردار اور شعری روایات کی یکسانیت کی بنا پر غالب کا یہ ترجمہ مستر اور کامیاب ترجمہ ہے۔ اس کی عوامی مقبولیت بھی اس کی کامیابی کا ثبوت ہے۔ لیکن یہ غالب کی دریافت کے کوشش میں پہلا قدم ہے۔ امید ہے کہ ان کے منتخب خطوط کا ایک مجموعہ بھی ان کی زبان میں جلد شائع ہوگا۔



غالب کے سفارش نامے

ملنے کو تو حالی بھی غالب سے ملے تھے اور بھروسہ بھی 'غالب کے مرنے پر حالی نے بھی احتجاج کا مرقعہ کیا اور بھروسہ نے بھی دونوں نے ایک ہی صنف یعنی ترجیع بند میں اپنے جذبات کا اظہار کیا لیکن دونوں ترجیع بندوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں وہی فرق ہے جو غالب اور بھروسہ میں ہے۔

بات یہ ہے کہ فنکار ہمیشہ اپنے فن میں اپنی افتاد طبع اور رنگ طبیعت کا تدارک طور پر اظہار کر دیتا ہے لیکن افتاد طبع میں لطرت اور تربیت دونوں شامل ہیں۔ اس لئے ہر فن پارے سے فنکار کے علم، تجربے اور ماحول کے اثرات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

غالب کے خطوط کثیر بھی ہیں اور متنوع بھی۔ وہ اسی قدر پہلو دار ہیں جس قدر غالب کی شاعری یا شخصیت۔ ان کے خطوط میں علمی بحثیں بھی ہیں۔ طوطی طبعی بھی ہے 'زندگی کی داستان بھی ہے اور ان کے دور کی سماجی تاریخ بھی۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہزار چشم اور ہزار خیال انسان تھے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ قلمرو سخن میں لاکھوں نگاہیں ان کی طرف اٹھی ہوئی اور ان کی قلمروں کی شہرہ ریزی تھیں۔ جیہ آباد دکن کے ہاوس میں بچھے معلوم ہے کہ غالب کا خط کسی کے پاس آتا تو غالب کے دوست وہاں کی مکہ مسجد میں جمع ہوتے اور وہ خط سب کو شاکر ایک اور غالب دوست کے پاس مرسا بھیج دیا جاتا تھا۔ ان کے بعض خطوط کی عبارتوں سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ افراد الدولہ، مفتاح، صاحب عالم، مارہروی اور ممدی بھروسہ کے ہاں بھی کچھ اسی قسم کی تحفیں آراستہ ہوتی تھیں اور ان کے احباب دلی سے آنے والی ڈاک کے منتظر رہتے تھے۔

وہ اپنے دور کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ مغل دربار کے ملازم ہونے کی حیثیت سے انھیں پچاس روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی مگر اس کے یہ معنی نہ تھے کہ ان کی عزت بھی پچاس روپے کے برابر تھی۔ ان کا رتبہ آستان کے برابر ہی نہیں اس سے بھی بلند تھا۔ شاہی ملازم کی حیثیت سے انھیں 'نجم الدولہ' و 'دور الملک' نظام جنگ کھلانے سے ان کے علم، ان کی شاعری، ان کی مکتوب نگاری ان کی شائستگی اور انسان دوستی کے باعث۔

جاگیرداری دور کے معاشرے سے لے کر اس وقت تک انسان محض اپنی قابلیت کی بنا پر ذرا مشکل ہی سے اپنے معاشی مرنے پر پہنچا ہے۔ کیونکہ ہماری معاشی زندگی میں اب تک کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی اور انسان سود و فزاس کے چکر میں گرفتار رہا ہے۔ مرنے بجائے مرنے بخور کی مثل مرنے سے چلی آ رہی ہے اور آج بھی اس میں ترمیم کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، یعنی سطر فیس آج بھی پروانہ، حصول معاشی ہیں۔

غالب نے جاگیرداری دور کی بدترین افراطی کو شاہ عالم، اکبر شاہ جانی اور بہادر شاہ ظفر کے عہدوں میں دیکھا۔

مغل سلطنت کی چابی نے معاشی زندگی میں سخت اتھری بھینچ دی تھی۔ بے روزگاری عام تھی۔ ایسے زمانے میں روزگار حاصل کرنے کے لئے ممتاز قوموں کی تحریروں کا سارا لہنا پڑتا ہے۔ ایسی تحریروں میں خطوط ہی کی شکل میں ہوتی ہیں۔

غالب سے پہلے عموماً فارسی میں خط لکھے جاتے تھے۔ ان میں بہت زیادہ منافی اور لفظی بازی ماری ہوتی تھی۔ انتہا یہ کہ تعویذ مانے بھی ان سے بری نہ تھے۔ غالب نے ابتدا ہی سے غالباً انگریزی خطوط میں کر اور ان کی روش دیکھ کر خطوط نگاری کے لئے چند اصول وضع کر لیے تھے۔ چنانچہ 1826ء میں انہوں نے علی بخش رنجور کے لئے بیج آہنگ کے آغوش میں لکھا کہ جب میں خط لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہوں تو کہتوں الہ کو اسی کے مرے کے لحاظ سے غالب کر کے بیان دے گا پر آ جاتا ہوں۔ القاب و کتاب اور خیریت کی اطلاع دینا ہے ضرورت سمجھتا ہوں اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس میں کتنی سادگی کی جاسکتی ہے اور کتنی مستری کی کتنی محنت لگتی ہے۔

آج کی جدید دنیا میں تعلقات بھی جدید ہو گئے ہیں اور مسائل بھی 'چنانچہ بعض اوقات کسی عزیز یا دوست کو ایک طرف سفارش بلکہ ہاتھ سے لکھ کر دیا نہ پ کرا کے دیا جاتا ہے اور دوسری طرف اس شخص کے مرسل الہ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی ٹیلیفون بھی کر دیا جاتا ہے کہ اس شخص کو 'مے تمہارے پاس بھیجا جا رہا ہے' کسی زمانے میں دو اور اس جگہ پر میرے (چچے والد) بھیجے یا بھانجے 'بیسا مربع ہو' کا فقرہ کر دو۔

غالب کے زمانے کا معاشرہ اتنا جدید تھا اور نہ ایسا کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی شخص مولا یا 'اطلاقاً' سفارش کر کے اس کے خلاف کہتا بھی تو غالب کے بارے میں تعجب کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ بے غرض اور انسان دوست ایسا نہیں کرتے۔ حال 'غالب کے کردار کے گواہ ہیں۔ اور علی کی شرافت پر ایمان لا کر ان کی راست گفتگوری کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔

غالب چ نکہ اپنے دور کے ممتاز آدمی تھے 'اس لئے لوگ ان کے پاس آتے۔ اور ان سے مدد چاہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے اپنے لئے دوسرے معاملات کی مانند سفارش کے لئے بھی چند اصول مقرر کر رکھے تھے اور وہ ہر شخص کی سفارش نہ کرتے تھے۔ سب سے پہلے ان کے سامنے یہ بات رہتی تھی کہ جس شخص کی سفارش کر رہے ہیں 'وہ سفارش کا مستحق بھی ہے یا نہیں' اس کے ساتھ ہی انہیں اس بات کا بھی خیال رہتا تھا کہ جس شخص سے سفارش کی جا رہی ہے 'وہ اس سفارش کے مطابق کرے گا بھی یا نہیں۔

اگر حاجت مند اور متعلقہ شخص دونوں سے ان کے مراسم ہوتے تو خاصو حق اختیار کرتے 'راست نہ کیجئے اور کسی دوسرے شخص سے مراسلت کے ذریعے حالات معلوم کرتے رہتے' لیکن ان کی یہ رویاں ہمیشہ حاجت مند کے ساتھ رہیں 'راست گفتگو ہوتی تو حاجت مند کی تائید کرتے تھے۔

مثال کے طور پر قربان علی بیگ سالک اور شہزاد علی بیگ 'رضوان' دونوں بھائیوں سے غالب بہت محبت کرتے تھے۔ ان کے دکھ درد میں شریک رہتے اور ان کی بہتری چاہتے تھے 'چنانچہ رضوان کو ایک خط میں فرزند دل بند لکھا ہے۔ 1857ء کے بعد مسلمان شرفا کی حالت نہایت خستہ و خراب ہو گئی تھی۔ سالک اور رضوان دونوں بے روزگار تھے

اور پریشان "اس لئے ایک خط میں علی کو لکھتے ہیں:

والی شمشاد علی بیگ باقی تھے کہ مجھ سے علی حسین کہتے تھے کہ نواب صاحب (امین الدین امر خاں) فرماتے ہیں۔ لوہارو چلو گے اور ہماری والی بدلی تھیں کہو گے 'میں نے کہا کہ میں والی بدلی چاہتا ہوں مگر بیٹا بھر کے۔' غالب کہتا ہے کہ اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ سالک سے سلوک منظور نہیں۔ تمنا ہوئے شمشاد و مرست۔

رموز ملک خورشید خورشید واریته

مکملانے کو کہتے ہیں، تو جانتا ہے کہ

دیکھئے اس غزوہ میں کس قدر غرور ہے۔ کتنی آرزو ہے کہ دونوں پہلے (سایک و رضوان) روزگار سے لگ جائیں۔ اثنی الدین احمد خاں غالب کے برادر بھتیجی ہیں اور لوہارو کے قراہ، لیکن غالب انہیں راست نہیں کہتے، اس خیال سے کہ کہیں بات رو نہ ہو جائے، کہیں ان کی صفائی نہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک اور خط خاں کو لکھا:

”مرزا قہان علی بیگ اور مرزا شمشاد علی بیگ کے باب میں جو کچھ تم نے لکھا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھو گے“ میری طرف سے وہی جواب ہو گا جو آگے لکھ چکا ہوں“ یعنی میں حتمی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اگر بھائی صاحب (امین الدین احمد خاں) مجھ سے ذکر کریں گے تو مجھ سے نہ کہیں گا۔“

اور جب رضوان لوہار پہنچ گئے تو انہی علانی کو جانب نے کھٹا:

"ہاں صاحب، مگر جسم سے نقل ہوئی جان۔ قیامت کو دوبارہ ملنے کی توقع ہے، خدا کا احسان، مرزا قریبان علی بیگ قصادی کشش سے مجذب کیوں بنے؟ وہ تو طور سناک ہیں۔ مگر ہاں، یہ صاحب دائرہ سعادت مند و رضوان! سو اس کے آپ مالک ہیں تو آپ صاحب کا وہ مطلع اوز آپ کا ہم نامہ ہوتا ہجر ہو گا۔ کاش تم یہ گلچے کر مشاہدہ کیا مقرر ہوا۔"

ایک عشری ایک قم ہو، سو جنہیں اختیار ہے، البتہ عشرو مشو کی اولیت پر مدار ہے۔ باپ تمہارا خلاف قاعدہ اہل سنت و جماعت عشرو میں سے عین کو کم کرتا تھا۔ رضوان نے نہ مانا وہ کیونکر مانا؟ وہ عین کا دم بھرتا تھا۔۔۔۔۔ رضوان کو دعا پہنچے، نواب صاحب کی تعالیم اور مولانا علی کی صحبت مبارک ہو۔

یہ بڑا دلچسپ خط ہے۔ میرے دوست قدرت نقوی نے اٹھ عشری سے شیعہ مراد لیا ہے (۱) لیکن یہاں معاملہ صرف عجز کا نہ۔ بلکہ "رضوان کو بارے روپے دلوانا چاہتے تھے۔ امین الدین" احمد جان سات روپے دے دیتے تھے۔ شہرے سے بیگم) اور رضوان دس روپے کے طالب تھے۔ اس کی وضاحت غلامی کے نام ایک اور خط سے ہو جاتی ہے۔ جس میں لکھتے ہیں

”پیارے مرزا (رضوان) کا دل بے غلی حسیں غاں بلور کی معرفت طے ہو گیا۔ یہاں چورو کا سولہا دہائی دس
 جس سے تھیں کم کرنے کا خیال۔۔۔ مرزا قانع و متوکل ہیں۔ نہ چورو مانتے ہیں نہ دلی۔ اللہ بس ماسوا
 ہو گا۔“

اب ذرا مرزا علی حسین خاں سے متعلق ایک سفارش نامہ ملاحظہ ہو۔ ان کا تعلق دلی کے ایک بڑی مرتبت خاندان سے تھا اور نواب امین الدین خاں کے متصل تھے۔ بیوی کی بیماری اور شاید کچھ خاندانی بھگڑوں کے باعث رخصت لے کر لوہارو سے واپس آئے اور جلد واپس نہ جاسکے، اس لئے طائی نے دوہار غالب کو خط لکھے، جن میں علی حسین خاں کے واپس نہ آنے کی شکایت کی گئی تھی۔ مرزا علی حسین خاں، غالب سے ہا کر ملے اور حالات سنائے تو غالب نے طائی کو ان کے بارے میں لکھا:

”مرزا علی حسین خاں آئے اور مجھ سے ملے، میں نے خطوط مرسلہ قمارے یک طشت ان کو دیے۔ اب قمارے پاس بھیجے گا ان کو اختیار ہے۔ علی حسین خاں سے آنے کی حقیقت اور یہاں اکامت کی مدت پوچھی گئی۔ جواب پایا کہ ایک مہینے اور دس دن کی رخصت لے کر آیا ہوں۔ بی بی بیمار ہے۔ اس کا استعلاج منظور ہے۔

بیوی جان بھی علی حسین کے کام آئے تو درج نہ کروں۔ بھلا یہ مہاندہ سہی بلکہ بے شک تبلیغ و نظو ہے لیکن قریب قریب اس کے یعنی جو چھڑا سکھان سے باہر ہو۔۔۔ مگر سوچو کہ آئیں غم خوار و اندوہ گساری کیا ہو گا۔

مرزا بد وضع و بد روش نہیں کہ چہ و بند کا علاج ہو رہے۔ امور خانگی یعنی بی بی اور اس کے آباد اطوان کے معاملے، ان میں نہ تم کو دخل نہ مجھ کو مداخلت، تم علی حسین خاں کو اس بچہ پر کیا بھیجتے ہو؟ اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا دوا کتنا بڑا توی تھا! اور اس کی سرال ایک ہے۔ یہ ذریعہ فکر ہے اس کو اور اس کے عقل سے تم کو بلکہ تھوڑی سے تلاش اگر مجھ تک اقربا کے حصے میں بھی آجائے تو کچھ ہیو نہیں۔“

دیکھا آپ نے کہ غالب نے ایک شریف اور پریشاں حال شخص کی جس کے بزرگوں سے ان کے مراسم تھے، کس طرح ناپسندیدہ سفارش اور ہمدردی کی ہے اور کس طرح اس کی پریشاں حالی کے زمانے میں طائی سے چاہا ہے کہ اسے اس پریشانی کے وقت میں نہ بھیجیں اور اس وقت تک انتظار کریں کہ وہ شخص جو ”بد وضع“ بھی نہیں اور بد روش بھی نہیں، معاملات سے فراغت پا کر اپنی خدمت پر رجوع ہو جائے۔

طائی کے چچے بھائی اور ضیا الدین احمد خاں نیر کے بیٹے شہاب الدین احمد خاں غالب تھے، گویا غالب کے ہوتے۔ 1841ء کا زمانہ تھا بلکہ 1857ء کے اثرات چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ لوگ تلاش روزگار میں مارے مارے بھر رہے تھے۔ ان میں سے ایک سید حسن علی، غالب کے پاس بھی پہنچے اور غالب نے قاقب کو سفارش نامہ لکھا۔

”میر چشم شہاب الدین کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ یہ جو دفعہ لے کر پہنچے ہیں، ان کا نام حسن علی ہے اور یہ سید ہیں، دوا سازی میں بگات، رکاب داری میں نیک، جان محمد ان کا باپ ملازم سرکار شاہی تھا۔ اب ان کا بچا، میر فتح علی چند روپے کا الور میں فکر ہے۔ بہر حال کہا گیا کہ پانچ روپے مہینہ ملے گا اور لوہارو جانا

ہو گا۔

اللہ کیا کہ پانچ روپے میں کیا کھاؤں گا؟ یہاں دن و فراز کو کیا سمجھواؤں گا؟ جواب دیا کہ سرکار بڑی ہے۔ اگر قصار کام پسند آئے گا تو اضافہ ہو جائے گا۔ اب وہ کہتا ہے کہ خیر توقع ہے یہ قلیل مشاہدہ قبول کرتا ہوں مگر دونوں وقت دہلی سرکار سے پاؤں۔ بغیر اس کے کسی طرح باضیں نہ سکے۔ سو میاں! حق بجانب اس غریب کے ہے۔ دہلی بغیر بات نہیں بنتی۔ تعین ہے تم رپورٹ کو گے تو اس امر کی منظوری کا حکم آ جائے گا۔ یہ قلعہ فیصل ہوا۔ اب وہ کہتا ہے کہ وہاں مجھے جنگی دوتا کہ کپڑا دیا ہوا اس اور کچھ گھروے جاؤں۔ راہ میں دہلی اور سواری سرکار سے پاؤں۔ تو یہاں بھی حق بجانب سائل کے جانتا ہوں مگر کچھ کہہ نہ سکتا "خیر" تم یہ میرا رشتہ اپنے نام کا ملانی مولائی کو بھیج دو۔"

غالب نے یہ سفارش نامہ شباب الدین احمد خاں کو حسن علی رکابدار کے ساتھ اس کی ملازمت کے لئے بھیجا۔ پہلے اس کا سانی مرتبہ بتایا کہ یہ سید ہیں "پھر اس کی لیاقت کا حال بتایا کہ وہ اسامی میں پگاند اور رکابداری میں یکتا ہیں۔ بھر باپ اور چچا کے معاشی ورے کا ذکر کر کے تحفہ کا تعین کیا اور اس کے بعد تحفہ کے ساتھ کھانا گھر کے انتظامات کے سلسلے میں کچھ دھنگی رقم اور آخر میں جانے کا گریہ لکھا اور ان سب مصلحت میں حق بجانب سائل قرار دیتے ہوئے اپنی مجبوری بھی ظاہر کر دی کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ یہ ملے گا یا نہیں۔ اور چونکہ خود کوئی فیصلہ نہ کر سکتے تھے اس لئے یہ بھی لکھ دیا کہ تم یہ رشتہ ملانی کو بھیج دو تاکہ مصلحت کے مطابق میری سفارش اور علی حسن رکابدار کے مسئلے پر غور کر کے فیصلہ کریں۔

لالہ منچ مل سے غالب کے دیرینہ تعلقات تھے۔ ساتھ بیٹے اور کھیلتے تھے۔ لیکن بے ناہ نوش کا سلسلہ بھی رہتا ہو۔ ان کے دونوں بیٹوں "جواہر سنگھ جہر اور ہیرا سنگھ کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔ اس زمانے میں بڑے اور چھوٹے بھائیوں کے ہارے میں یہ مثل مشہور تھی کہ "ملک ہاش براور خود ہماش" کیونکہ بڑے بھائی باپ کے ہمار تصور کئے جاتے تھے۔ بات بات پر چھوٹے بھائی کی سرزنش ہوتی "جو ان کے احکام بجالانے پر مجبور کئے جاتے تھے۔ جواہر سنگھ نے ہیرا سنگھ سے کچھ قلعہ منگوائے اور چند روپے بھیج دیے کہ ان میں خرید لو۔ ہیرا سنگھ نے بڑی دودھ دھوپ کی اور بچوں میں روپے اور صرف کر کے قلعہ خریدے۔ اس عرصے میں شاید جواہر سنگھ نے غالب کو ہیرا سنگھ کی شکایت لکھ بھیجی کہ وہ مطلوبہ قلعے حاصل کر کے بھیجنے میں بے پروائی برت رہا ہے۔ اس پر غالب نے جواب دیا۔

"قلعہ جو تم کو مطلوب تھے ان کے حصول میں جو کوشش ہیرا سنگھ نے کی ہے" میں تم سے کہہ نہیں سکتا۔ نری کوشش نہیں" وہ چہ صرف کیا چند روپے جو تم نے بھیجے تھے وہ اور بچوں میں روپے اور صرف کیے۔ پانچ پانچ اور چار چار اور وہ روپے کے قلعے مل لئے اور ہوائے۔ خرید میں روپے جدا دیے اور ہوائے میں روپے جدا لگائے "دوڑنا پھرا۔" حکیم صاحب کے پاس کئی بار جا کر حضور والا کا قلعہ لایا "اب دوڑ رہا ہے دلی صہ ہمارے دے دھنگی قلعے کے واسطے" تعین ہے کہ وہ چار دن میں وہ بھی ہاتھ آئے اور بعد اس قلعے کے ہاتھ آئے کے وہ سب کو یک جان کر کے قصارے پاس بھیج دے گا۔ وہ میں بھی اس کی کر رہا

ہوں لیکن اس نے بڑی مشقت کی۔ آفریں صد آفریں۔ چند روپے میں سے ایک روپہ اپنے مرف میں نہیں لایا اور اس کو عاجز کر کے اس سے بہت روپے لئے۔ جب سب قلعے ہمارے پاس پہنچیں گے اس کا حسن خدمت تم پر ظاہر ہو گا۔“

غالب نے اس خط میں چھوٹے بھائی کے جس کارکردگی کا ذکر کرتے ہوئے اس کی محنت اور دھڑ دھوپ کی تعریف ہی نہیں کی بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور کس طرح بادشاہ کا اپنا دھنکی قطعہ لایا اور کس طرح دلی عہد کا دھنکی قطعہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ساتھ ہی ان قطعہ کی قیمتیں بھی بتا دیں اور جو ڈاکہ صرف ہوا ہے وہ بھی بتا دیا جس کا مقصد ظاہر یہ تھا کہ باہر کچھ وہ رقم روانہ کر دیں جو ڈاکہ صرف ہوئی ہے۔

1857ء کے جنگ سے میں دلی کے اہل علم و فضل بہتر نہ ہوئے۔ ان میں حکیموں کا ایک خاندان پٹیالے پہنچا۔ ان میں حکیم غلام مرتضیٰ خاں اور ان کے صاحبزادے حکیم غلام رضا خاں بھی تھے۔ غالب نے نور چشم اقبال بخش حکیم غلام رضا خاں کو اردوئے معلیٰ کا حق اشاعت بخش دیا تھا۔ موجودہ سفارش بلکہ حکیم غلام مرتضیٰ خاں کے نام ایک ہندو ملاقاتی کے لئے 1860ء میں لکھا تھا:

”میں صاحب جمیل المناقب حکیم غلام مرتضیٰ خاں صاحب کو غالب دودھ کا سلام پہنچے۔ خوب یاد رکھتے کہ میں نے کسی امر میں آپ کو تکلیف نہیں دی۔ اب ایک عہدیت کا سائل ہوں۔ حال ہذا المکتوب‘ بذات سبہ فرائض‘ میرا یہ خط لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ ان کے بزرگ نواب احمد بخش خاں کی سرکار میں مناصب عالیہ اور عہدہ ہائے جلیلہ رکھتے تھے‘ اب موقع آیا ہے کہ جمہورے نوکری میں پٹیالے آتے ہیں۔ آپ کو میرے سر کی قسم‘ جہاں تک ہو سکے‘ سعی کر کے ان کو موافق ان کی عزت کے کوئی منصب‘ کوئی عہدہ دلوادو گئے تو میں یہ چاہوں گا کہ تم نے مجھ کو نوکر رکھ لیا ہے‘ بڑا احسان مند ہوں گا۔“

اس خط سے مرسل اور مرسل الیہ دونوں کے تعلقات کا علم ہوتے ہوئے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو اپنے پرانے واقف کاروں کا کس قدر خیال رہتا تھا۔ نواب احمد بخش خاں کے ہیں ملازمت کے تعلق سے غالب‘ بذات سبہ فرائض سے واقف تھے۔ ان کی پریشاں روزگار دیکھ کر انہوں نے حکیم صاحب کو پہلی بار زحمت دینے کا ذکر کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بار بار کی سفارش واجب التحظیم رہ جاتی ہے‘ واجب التحظیل نہیں رہتی۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی سفارش کو نظر انداز نہ کیا جائے اور کسی نہ کسی طرح سائل کو روزگار سے لگا دیا جائے۔

آخر میں معاملے کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے مرسل الیہ کو اپنے سر کی قسم بھی دلا دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ ان کو ملازمت دلوانا گویا مجھے ملازمت دلوانا کہ مجھ پر احسان کرنا ہے۔

اگرے میں فشی فشی نئی بخش حقیر غالب کے دوست اور غالب شناس تھے۔ سکھوں کے رہنے والے‘ صاحب عالم مارہروی کے شاگرد حکیم اہی بخش نے غالب سے ملازمت کے لئے سفارش چاہی تو غالب نے حقیر کو لکھا:

”..... ایک خط حکیم اہی بخش صاحب کو دے دوں۔ یہ صاحب شرفائے سکھوں میں سے ہیں اور

دوست اور شاگرد اس کے ہیں جس کا میں بغیر دیکھے عاشق ہوں یعنی جناب صاحب عالم مارہروی سلمہ اللہ تعالیٰ۔

یہ ان کا خط میرے نام لائے تھے۔ کئی مہینے یہاں رہے اور حکیم امام الدین غلام صاحب سے مفرح القلوب پڑھی۔ بہت خوب اور مذہب آوی ہیں، حسن طبع بھی رکھتے ہیں۔ یہاں ان کی نوکری کا کہیں اسلوب نہ ہوا اور نعلین نے مساحت نہ کی۔ اب یہ اپنے گھر جاتے ہیں کول میں پہنچ کر آپ سے ملیں گے۔ ان کی توقیر کیجئے گا اور ان کو اپنا دوست دے دیے۔ صبر فرمائیے گا اور اس کا خیال آپ کو رہے کہ اس خلیع میں نمیکیدار اور ہل گزار بہت ہیں، اگر کسی کی طواغیت طیب کی ہو تو ان کو اس سے بے بختری ملے دیکھئے گا اور اس باب میں جلدی نہیں ہے، خیال رہے۔

غالب اپنے غفلوں میں غیر ضروری باتیں نہیں لکھتے اور اپنے مطلب کو کم سے کم الفاظ میں لیکن جامع طور پر لکھ دیتے ہیں۔ ان کے خطوط سے نہ صرف مرسل الیم سے ان کے حقیقی تعلقات کا پتا لگتا ہے بلکہ اسی سلسلے میں دوسرے دوستوں سے بھی تعلقات کا ظہور ہوتا ہے۔ مطلق شخص کی لیاقت اور کردار کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے نیز اس کے معاشی حالات کا بھی۔ مثلاً اسی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کے معاشی حالات ایسے خراب نہ تھے کہ ان کے لئے فوری طور پر ملازمت کا انتظام کیا جاتا، اس لئے آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ اس باب میں ایسی جلدی نہیں ہے خیال رہے۔

انہی کو ایک اور خط میں یاد دہانی کرتے ہیں کہ ”حکیم اتنی رجحانی آپ کے پاس پہنچے ہیں۔ بہت نیک بخت اور معقول آوی ہیں۔ ان کی پودرش کا خیال رہے اور شیخ رحمت اللہ صاحب جو آگے آپ کی بدولت کامیاب رہے۔ وہاں ہوں تو ان کا بھی خیال رہے۔ اگر وہاں نہ ہوں تو ان کا حال بھی کو لکھئے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو ان لوگوں کا جن کی سفارش کرتے تھے، کس قدر خیال دہتا تھا۔

ان کے مقابلے میں شیخ وزیر الدین کے بارے میں لکھا کہ ”شیخ وزیر الدین بہت چاہ اور خراب ہے۔ اس کا دادا بہت معزز آدمی تھا اور میرا بڑا دوست تھا۔ یہ قہر دار بھی نیاز مند ہے۔ حتی الوسع خیال دوڑاؤ اور گھٹنا نش ٹھلو۔ اگر کہیں نوکری قرار پا جائے تو گویا مجھ پر احسان ہو گا۔۔۔ عرض شیخ کی پہنچتی ہے۔ اس کا مناسب جواب لکھئے اور کوشش کیجئے۔“

اس خط میں بعض دوسرے مطالب لکھنے کے بعد لکھا کہ ”ایک بار میری من لو“ پھر غزل پڑھی۔ شیخ وزیر الدین یہاں ہو کر کراچی واک سے کول کو روانہ ہوا ہے۔ میں اگرچہ خدمت گزار طلق ہوں پر ان کی کچھ خدمت بجا نہ لا سکا اور ان سے شرمندہ رہا۔ تم ان کی دل جوئی کرنا۔ آدمی ان کے بھڑانا اور ان کی خیر پیمانی اور بھائی اگر ہو سکے تو کسو کے یا اپنے ملاقاتی میں مختار کاری، سرشت کی عرایض نویسی، کچھ نہ کچھ ان کے واسطے کر دینا۔ ضرور۔ ضرور۔ لو اب غزل پڑھی۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ وزیر الدین کے دادا بہت معزز آدمی اور غالب کے دوست تھے۔ اس وقت

ان کی حالت بہت سلیم تھی۔ غالب کے پاس اکثر لوگ حد اور سفارش کے لئے آتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو خدمت گزار مطلق سمجھتے اور ہر شخص کی حد کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔ اس خط میں انہوں نے بار بار شیخ وزیر الدین کی طرف اپنے دوست حقیر کو توجہ دلائی ہے تاکہ وہ حالات کی اہمیت سمجھ کر جلد سے جلد شیخ وزیر الدین کی ملازمت کا انتظام کریں۔

اخئی بی خلق حقیر کو ایک خط میں مطلع کرتے ہیں:

”مرزا نجف علی خاں مرحوم قصارے دوست ہوں گے۔ وہ یہاں مر گئے۔ ان کے فرزند ارجمند مرزا یوسف علی خاں کو میں اپنے فرزند کی جگہ جانتا ہوں اور ان کی سعادت معنوی اور دنیویاں کیا جان کر ہوں ان کا عاشق ہوں۔ وہ اب کول کو گئے ہیں۔ تم کو لازم ہے کہ ان کے وہاں ہاؤ اور قاقہ پڑھو اور ان کا حال ان کی ذہنی ستون۔ وہ صاحبزادے ہاؤ پورہ، گرم و سرد زمانہ دیدہ ہیں۔ دو ایک حوٹیاں ان کے والد ماجد کی وہاں ہیں۔ خدا جانے وہ کیا کریں گے۔ آپ کو ان کی مہنی گیری کئی چاہئے مگر وہ بیچ ہنسی کو روانہ ہونے (بچنے) والے ہیں۔ آج وہ ہنسی کو یہ خط میں تم کو بھیجتا ہوں۔ یقین ہے کہ کل پہنچے گا۔ معبود اس کے بچنے کے آپ ان سے ملنے کا ماتم زندہ کا جانا مناسب نہیں۔ آپ کو یہ تقریب نصرت جانا چاہئے۔ یہ خط جو آپ کے نام ہے، ان کو پڑھا دیجئے۔“

اس خط سے جو کسی ملازمت کے لئے نہیں، بلکہ محض ہمدردی کی بات پر لکھا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو اپنے دوستوں اور ان کی اولاد کا کس قدر خیال رہتا تھا۔ مرزا یوسف علی خاں کے والد غنی بی خلق حقیر اور غالب، دونوں کے دوست تھے۔ غالب نے ان کے انتقال کی خبر، حقیر کو دیتے ہوئے بتایا کہ مرزا یوسف نوجوان ہیں، حالات زمانہ سے ملاقات ساتھ ہی آگے میں ان کے حوٹیلوں کا ذکر کرتے ہوئے اشارہ کر دیا کہ ایمان نہ ہو نوجوان یوسف، انہیں اونے پنے بیچ دیں۔ اس لئے کہ وہاں کہ تم ان کے دوست کی حیثیت سے ان کے مہنی بن جاؤ، تاکہ نقصان نہ اٹھائیں۔

ساتھ ہی خیال آیا کہ ایمان نہ ہو بی خلق اپنے آپ کو بزرگ سمجھ کر مرزا یوسف کے پاس جانے کے بجائے انہیں اپنے پاس طلب کریں۔ اس لئے کہ وہاں کہ ماتم زندہ کا جانا مناسب نہیں، آپ کو یہ تقریب نصرت جانا چاہئے۔ خط پڑھا دینے سے مقصد یہ تھا کہ یوسف مرزا حقیقت حال سے واقف ہو جائیں اور بی خلق حقیر کو غالب کی جگہ جان کر اپنا مہنی و سرپرست سمجھیں اور ان کے حسبِ حاجت کام کریں۔

میر غلام حسین قدر بلکھوائی، اپنے دور کے فضلا میں سے تھے لیکن بیروزگار تھے اور پریشان حال، غالب اس سے واقف تھے، ان کا دل اپنے شاگرد کی پریشانی پر کڑھتا تھا، سوچتے تھے کہ کیا کول اور کس طرح اپنے شاگرد کو اس کی پریشانیاں سے نجات دلاؤں۔ اسی زمانے میں مٹھی نوٹکنسور سے غالب کے تعلقات پیدا ہو چکے تھے۔ وہ دل آکر غالب سے ملے اور ان کی کتابیں چھاپ رہے تھے۔ غالب کو نوٹکنسور کی فارغ البالی اور قدر کی لیاقت کا خیال آیا، اس لئے انہوں نے لکھا۔

”صاحب! تم بہت دن سے بیمار ہو۔ ایک جگہ سادھت روزگار کی صورت ہے۔ بے تکلف یہ رقد صری لے کر کھٹو چلے جاؤ۔“ مبلغ اودھ اخبار میں میرے شفیق دلیٰ یعنی منشی نوٹکھنور صاحب سے طو اود یہ رقد انہیں پڑھا۔ اپنی نظم و نثر ان کو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم ان پر ظاہر کرو۔ اگر وہ اپنی مرضی کے موافق تم کو کار گزار سمجھیں گے تو مبلغ کا کام تمہارے سپرد کر دیں گے۔ مشاہدہ خاطر خواہ تم کو مقرر ہو جائے گا۔ معزز و محترم رہو گے۔ زندگی کا خلف انصاف کے لیکن شرط یہ ہے کہ جلد چلے جاؤ۔ کھٹو تم سے نزدیک ہے۔ اتنی راہ قطع کرنا کچھ دشوار نہیں“ اگر نوکر نہ ہو جاؤ گے پھر چلے آؤ۔ بہت آزمائی ہے۔“

غالب اپنے دوسرے اوصاف کے علاوہ نہایت سوجھ بوجھ شاس آدمی تھے۔ اس خط میں انہوں نے راست نوٹکھنور کی بجائے قدر کو غالب کر کے اپنے شفیق دلیٰ منشی نوٹکھنور سے جلد جا کر ملنے کے لئے لکھا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ نوٹکھنور کے پاس وہ کام ہو رہا ہے جو قدر کے مزاج کے مطابق تھا، یعنی علمی کام۔ دوسرے یہ کہ غالب کے تعلقات چونکہ منشی نوٹکھنور سے خوشگوار تھے، اس لئے انہیں یقین تھا کہ وہ غالب کے پیچھے ہوئے شخص کو مرغا نہیں گے نہیں۔ تیسری بات یہ تھی کہ انہیں قدر بلکھوا کی علمی لیاقت پر اعتماد تھا۔ چوتھی بات یہ کہ وہ چاہتے تھے کہ قدر کو خاطر خواہ مشاہدہ ملے۔ اسی لئے انہوں نے لکھا کہ منشی نوٹکھنور سے مل کر یہ رقد انہیں پڑھاؤ۔ اپنی نظم و نثر ان کو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم ان پر ظاہر کرو۔ آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ اگر نوکر نہ ملے تو قدر نہ کرنا۔ اس کو خوشی کو بہت آزمائی سمجھنا اور باج میں نہ ہونا ملازم ہو جاؤ تو بہتر ہے نہ ہو تو کوئی قصص انہیں۔ بلکھوام سے کھٹو کچھ دور بھی نہیں، صرف تھوڑا سا کرایہ صرف ہو گا لیکن کامیابی کی توقع ہے، اس لئے ہلکا سی بہتر ہے۔

منشی امیر احمد امیر بھٹائی 1829ء میں پیدا ہوئے۔ غالب سے عمر میں 3 سال بچوٹے اور امیر کے شاگرد تھے۔ 1857ء سے پہلے کھٹو میں اپنی شعر گوئی سے عزت اور بھوری حاصل کر چکے تھے۔ رام پور اس وقت دہلی اور کھٹو سے نکلے ہوئے شاموں کا مرقع اور مرکز تھا۔ اس لئے امیر بھی وہیں پہنچ گئے اور انہوں نے منشی شیو زائن کے چہرہ وہ دودھ دسلے ”معیار الشعرا“ میں پیچھے کے لئے غزلیں بھیجیں لیکن اپنے ہارے میں کچھ نہیں لکھا، جس پر شیو زائن نے ”معیار الشعرا“ میں لکھا:

”میر شاعر اپنی غزلیں بھیجتے ہیں۔ ہم کو جب تک ان کا کام و نشان معلوم نہ ہو گا، ہم ان کے اشعار نہ چھاپیں گے۔“

امیر بھٹائی کو غالب اور شیو زائن کے تعلقات کا علم تھا، دخیو کا پہلا ایڈیشن انہی کے ”مطبع“ منیہ غلابی سے شائع ہو چکا تھا۔ اس نے انہوں نے اپنی غزلیں غالب کے پاس اشاعت کے لئے بھیجیں۔ وہ معیار الشعرا میں امیر سے متعلق شیو زائن کا نوٹ پڑھ چکے تھے، اس لئے انہوں نے فوراً ”شیو زائن کو لکھا: 12 جون 1859ء۔“

”اب تم یہ غلطی نہ کرنا کہ دیکھیں رام پور کے ہاں بھی تمہارا اخبار یا ”معیار الشعرا“ جاتا ہے یا نہیں۔ اب کے تمہارے ”معیار الشعرا“ میں میں نے یہ عبارت دیکھی تھی کہ امیر شاعر اپنی غزلیں بھیجتے ہیں، ہم کو جب

تک ان کا نام و نشان معلوم نہ ہو گا، ہم ان کے اشعار نہ چھاپیں گے۔ سو میں تم کو لکھتا ہوں یہ میرے دوست ہیں اور امیر احمد ان کا نام ہے اور امیر حفص کرتے ہیں، لکھنے کے ذی عزت باشندوں میں ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے دوستوں اور مصائب رہے ہیں اور اب رام پور میں نواب صاحب کے پاس ہیں، میں ان کی فزلیں تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ میرا نام لکھ کر ان فزلیوں کو چھاپ دو۔ یعنی یہ فزلیں غالب نے تمہارے پاس بھیجیں اور اس کے لکھنے سے ان کا نام اور حال وہ جو میں اور لکھ آیا ہوں، اس کو اب ”معیار الشعرا“ میں چھاپ کر ایک دو درق یا چار درق رام پور ان کے پاس بھیج دو اور مرہٹے پر لکھو: ”ور رامپور“ برادر دولت حضور دیندہ بخیرت مولوی امیر احمد صاحب امیر حفص برسر۔“

اس خط سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ 1857ء کے ہنگامے کے باعث 1859ء میں بھی ”معیار الشعرا“ پیسے گل دستوں میں، شاعر کے بارے میں تفصیلات معلوم کئے بغیر، فزلیں بھی چھاپتے ہوئے ڈرتے تھے۔ دوسرے بات یہ ہے کہ امیر غیاثی نے ”معیار الشعرا“ میں چھپنے کے لئے راست فزلیں بھیجیں تھیں اور جب شیو زائن نے شائع کرنے کی بجائے تذکرہ نوشت لکھا تو امیر غیاثی نے اپنی فزلیں، غالب کے پاس بھیجیں کہ وہ شیو زائن کو اپنی طرف سے بھیج کر، شائع کرا دیں۔

تیسری بات یہ کہ امیر غیاثی غالباً نواب رام پور کے محل ہی کے کسی محلے میں رہتے تھے، علیحدہ قیام نہ تھا۔ اگرچہ نواب کی قیام گاہ کا پتا لکھنے سے یہ بھی مقصد ہو سکتا ہے کہ شیو زائن کا گل دستہ شعر یعنی ”معیار الشعرا“ بھی نواب کی نگر سے گزرے اور امیر کا کلام بھی، جس سے ممکن ہے دونوں کو فائدہ پہنچ سکے۔

آخر میں ایک اور سفارش نامہ ملاحظہ ہو۔ اس میں حکیم مرزا علی خاں خٹک الصدیق حکیم آغا جان کی سفارش کی گئی ہے۔ یہ وہی حکیم آغا جان ہیں جن کا حفص پیش تھا اور جنوں نے ایک طرزی مشاعرے میں غالب کو غالب کرتے ہوئے پڑھا تھا:

اگر اپنا کہا تو آپ ہی کہے تو کیا کہے
مرا کہنے کا جب ہے اک کے اور دوسرا کہے

کلام میر کہے اور زبان میرزا کہے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا کہے

پیش نے ہنگامہ 1857ء کے چند روز بعد انتقال کیا۔ اس زمانے میں دلی کے اہل علم ہمارے ہمارے بھرنے لگے۔ ان میں پیش کے بیٹے حکیم مرزا جان بھی تھے۔ سنہ 1864ء میں غالب کے محبوب شاعر و نقی جواہر گھوٹا بلب گڑھ کے تحصیلدار ہو گئے تھے۔ اس زمانے میں کسی دلی باشندے کے لئے تحصیلداری بہت بڑا عہدہ تھی، حکیم مرزا جان وہاں میزبانی میں ملازم تھے، اس لئے غالب نے جواہر گھوٹا کو لکھا ”برخودار کامگار، سعادت و اقبال نشان نقی جواہر گھوٹا کو بلب گڑھ کی تحصیلداری مبارک ہو۔ چلی

سے فوج آئے اور فوج سے بلب گڑھ گئے۔ اب بلب گڑھ سے دلی آگئے۔ ان شاء اللہ۔

سنو صاحب! حکیم میرزا جان ظف الہدیٰ حکیم آغا جان صاحب کے 'تھارے علاقہ تحصیل داری میں بھیدہ طبابت ملازم سرکار انگریزی ہیں' ان کے والد ماجد میرے بچپن میں کے دوست ہیں' ان کو اپنے بھائی کے برابر جانتا ہوں۔ اس صورت میں حکیم مرزا جان میرے پیچھے اور تھارے بھائی ہوئے۔ لازم ہے کہ ان سے یک دل و یک رنگ رہو اور ان کے مددگار بنو۔ سرکار سے یہ عمدہ بھیدہ دوام ہے۔ تم کو کوئی ہی بات پیش کرنی ہوگی۔ صرف اسی امر میں کو مشغول رہو کہ صورت اچھی بنی رہے۔ سرکار کے خاطر نشان رہو کہ حکیم میرزا جان ہوشیار اور کارگزار آدمی ہے۔"

غالب کے اس سفارش نامے میں کسی نئی جگہ پر تقرر کے لئے نہیں لکھا گیا ہے بلکہ جواہر تلک کو ایک بیٹے کے مانند ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ایک دیرینہ دوست کے بیٹے کو اپنے بھائی کی طرح سمجھیں یک دل و یک رنگ رہیں اور حسب موقع ان کی تائید کرتے رہیں تاکہ وہ اپنی ملازمت پر قائم رہیں اور سازشیوں کی شرارتوں سے بچ کر اپنی مطلوبہ خدمات انجام دے سکیں۔

غالب کے یہ سفارش نامے بھی ان کے دوسرے خطوط کی طرح ان کے مزاج' ان کے علم' ان کی ہمدردی' انسانیت اور دوست فوازی کی غمازی کرتے اور ان کی بلند شخصیت کو بے حجاب کرتے ہیں۔



ڈاکٹر مولوی عبدالحق

روند او مقدمہ مرزا غالب

خود کے بعد دلی میں شائع چھاپا ہوا تھا اور کوئی دلی بھلائے کا سامان نہ تھا، مرزا نے فارسی نعت کی مضمون کتاب "برہان قاطع" کو دیکھنا شروع کیا، اس کے مولف محمد حسین کے اہدائے حمیزہ سے آئے تھے اور اگرچہ وہ خود ہندوستان میں پیدا ہوئے اور ساری عمر دکن میں رہے مگر تہذیبی کھلاتے تھے۔ مرزا کو اس کتاب میں قلعہیں نظر آئیں، جنہیں انہوں نے ایک مختصر کتاب کی صورت میں مرتب کیا اور اس کا نام "قاطع برہان" رکھا چنانچہ ایک خط میں صاحب عالم ماہروی کو لکھتے ہیں۔

اس درمیانگی کے دنوں میں "برہان قاطع" میرے پاس تھی اس کو میں دیکھا کرتا تھا ہزار ہا نعت ظلم ہزار ہا بیان لغو عبارت پہچ اشارات پاور ہوا میں نے سو دو سو نعت کے اختلاط لکھ کر ایک مجموعہ بنایا ہے اور "قاطع برہان" اس کا نام رکھا ہے۔

یہ کتاب ہتزل مولانا حالی ۱۸۶۲ء (۱۲۷۷ھ) میں پہلی بار اور ۱۸۷۸ء (۱۲۸۵ھ) میں یہ اضافہ و دیگر مضامین و فوائد "دور قش کولابی" کے نام سے دوبارہ چھپیں۔

اس پر مرزا کی بڑی مخالفت ہوئی اور جواب میں "محرر قاطع" "مناظر برہان" "قاطع قاطع" اور "موسم برہان" لکھی گئیں۔

"مناظر برہان" کے جواب میں "نامہ غالب" اور "موسم برہان" کے جواب میں "چغ تجز" طو مرزا نے دو رسالے لکھے اور "محرر قاطع" کے جواب میں "مناظر برہان" "مناظر فیہی" اور "موسمات عبدالکریم" تین رسالے مرزا کے دوستوں نے شائع کئے "محرر قاطع برہان" کا جواب نہ خود مرزا نے لکھا اور نہ کسی اور نے خواجہ حالی نے اس سے متعلق "بادگار غالب" میں ایک لطیف لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

مولوی امین الدین کی کتاب "قاطع المناظر" کا جواب مرزا نے کچھ نہیں دیا کیونکہ اس میں قش اور چشانت الفاظ کثرت سے تھے۔ کسی نے کہا "حضرت! آپ نے اس کا جواب نہیں لکھا؟" مرزا نے کہا "اگر کوئی گویا سارے لات مارے تو کیا تم بھی اس کے لات مارو گے؟"

"چغ تجز" میں بھی مرزا نے لکھا ہے کہ ایسے لوئی درجے کے تنوی کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنا میری شان کے خلاف ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر وہ اس خیال پر قائم نہ رہے بلکہ انہوں نے مولوی امین الدین پر "ازالہ حیثیت عرفی کی پالش کردی اور ۲ دسمبر ۱۸۷۷ء کو عرضی دعویٰ داخل عدالت کر دیا۔ خواجہ حالی اس مقدمے کے حلق "بادگار غالب" میں لکھتے ہیں۔

"مرزا نے ایک فارسی رسالے کے مولف پر جو "قاطع برہان" کے جواب میں لکھا گیا تھا اور قش و شام سے

بہا ہوا تھا۔ ازالہ حیثیت عنی کی باتیں بھی کی تھیں۔ مگر جب کامیابی کی امید نہ رہی تو آخر کار انہوں نے راضی نامہ داخل کر دیا۔ اٹھائے حقیقت میں دل کے بعض اہل علم و ادب میں اس بات کے احتضار کے لئے جاتے تھے کہ جو فقیرے مدعی نے دعوے کے ثبوت میں پیش کئے ہیں کیا فی الواقع قس و دشنام منہوم ہوتا ہے؟ یا نہیں؟ انہوں نے غریب ظلم کو سزا سے بچانے کے لئے ان فقہروں کے ایسے معنی بیان کئے جن سے ظلم پر کوئی الزام عائد نہ ہو۔ ان مولویوں کا مرزا سے ملنا جانا تھا۔ کسی نے پوچھا ”حضرت انہوں نے آپ کے برخلاف شہادت کیوں دی؟“ مرزا نے اپنا قاری کا یہ شعر پڑھا۔

ہرچہ در غمخیز جز بہ جنس ماعمل نیست

حمار ہے کسبھی من شرافت نصیبی است

اس مقدمے کی پوری مسل کی نقل اب اتفاق سے انہیں دستیاب ہو گئی ہے اور ذیل میں تمام و کمال شائع کی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ سے اس مقدمے کے تمام حالات بہ غریب واضح ہو جاتے ہیں۔ اس مقدمے کے دوران میں مولوی ضیاء الدین کی پیشی کے وقت کسی نے حاکم عدالت کے کان میں کہہ دیا کہ ”یہ بڑے معزز آدمی ہیں انہیں کری ملی چاہئے“ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس زمانے میں دہلی سے جو انگریزی اخبار ”سٹیشنر“ نکلتا تھا اس میں ۳ مارچ ۱۸۶۸ء کو ایک خط پمپا تھا جس کا مکتوب نگار بڑے قہج سے لکھتا ہے۔

”میں سخت حیران و پریشان ہوں کہ اسٹیشنر کسٹرنے مولوی ضیاء الدین کو کس بنا پر کری دی اس رعایت سے غالب کے ساتھ نا انصافی ہوئی وہ سوسائٹی میں فلاحیت معزز ہیں۔ لیٹننٹ گورنر کے دربار میں انہیں مولوی ضیاء الدین سے اونچے درجے پر بنایا گیا تھا“ یہ پورا انگریزی خط ”رسالہ اردو“ اکتوبر ۱۸۶۸ء کے پرچے میں ہم شائع کر چکے ہیں۔ اس خطی محتاجے کا بدترین مرتطہ یہی مقدمہ تھا۔ اس کی مسل مل جانے سے مقدمے کی پوری کیفیت صحت کے ساتھ ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔

مسودے کی عبارت اکثر تہک جھجک ہے۔ دو چار مقام پر ایک آدھ لفظ پڑھا نہیں گیا اس کے حلقہ فٹ نوٹ میں حسب ضرورت مراحات کدی گئی ہے اور جہاں شبہ رہا وہاں قوسین میں سوالیہ (?) علامت بنا دی گئی ہے)

پیش مجھ صاحب امیں سرشت

چونکہ مقدمہ حالت فوجداری تھی مسٹر انسٹانڈن صاحب پیش ہوتے ہیں یہ مقدمہ انہی صاحب ہمارے کے اجلاس میں پیش ہوگا اور صاحب عزت و فیرو کو بھال (۱) صاحب پ غریب جانتے ہیں یہ خط بخدمت مسٹر انسٹانڈن صاحب ہمارے پیش ہووے

۲ دسمبر ۱۸۶۷ء

صاحب والا مناقب عالی شان سرچشمہ لطف و احسان جناب صاحب وپنی کسٹرن ہمارے دلی دام اقبال بعد عرض عارض تعلیم و حلیم گزارش کرتا ہوں کہ مجھے ایک شخص پر ازالہ حیثیت عنی کی باتیں کرنی منظور ہے۔

اس واسطے اگرچہ میرے مارج عزت آپ کو خوب معلوم ہیں لیکن چونکہ اس دعوے کے بیان میں کچھ بیان اپنی عزت کا ضرور ہے لہذا عرض کیا جاتا ہے کہ میں قوم کا ترک ہوں، دارا میرا شہ عالم کے صد میں ترکستان سے آیا، باپ اور چچا یہ سب صنف سلطنت مرہٹوں کی فکری کرتے رہے باپ میرا عبداللہ بیگ خان بہادر سرکاری عمل داری (2) سے پہلے ایک لڑائی میں مارا گیا حقیقی چچا میرا نصر اللہ بیگ خان بہادر جرنیل ایک بہادر کا مفتی مع چار سو سوار کے سرکشان ہند کی لڑائیوں میں شریک رہا۔ چار سو سوار کا ریگنڈر اور لاکھ روپے کے پرگنے کا جاگیردار تھا۔ جرنیل صاحب کے سامنے یہ مرگ ہنگامہ مرگیا۔ جاگیر موافق قرارداد سرکار میں بازیافت ہوئی اور میرے واسطے یہ عوض جاگیر کچھ نقدی سرکار سے مقرر ہو گئی۔ میں میں رہیں زادہ جو عرض جاگیر نقدی پانے والا ہوں۔ جاگیر داروں کے بعد میرا نمبر ہے اور باقی آپ کے دفتر سے لکھ دلی کی کشتی اور لاہور کی لینڈنگ گورنری، لکھنے کے گورنر جرنیل بہادر کے دفتر تک میرے مارج بہ عزت بہ خلی حاجت ہیں۔ ایک شخص امین الدین نام دلی کا رہنے والا کہ اب وہ پٹالہ میں راجہ کے مدرسے کا مدرس ہے۔ اس نے ایک کتاب لکھی، اگرچہ یہ اس کتاب کی طبعی بحث پر ہے لیکن اس نے اس بحث طبعی میں میرے واسطے وہ الفاظ پشاشہ اور ایسی گالیاں دی ہیں کہ کوئی شخص کسی کوئی پتار کو بھی یہ الفاظ نہ کہے اور ایسی گالیاں نہ دے گا۔ ناچار میں نے فحشی عریض الدین صاحب کو اس مقدمے میں اپنا وکیل کیا ہے امیدوار ہوں کہ بعد تصدیق وکالت نامہ سرشت فوجداری میں یہ مقدمہ پیش ہو اور خاص آپ کی تجویز سے اول سے آخر تک یہ مقدمہ لیصل ہو، اور کسی حکمہ ماتحت میں یہ مقدمہ سپرد نہ ہو۔ فقط

راقم اسد اللہ خان غالب

مرقوم دوم دسمبر ۱۸۹۶ء

اسد اللہ خان

دعوتی گاہ، مسز اسٹاکٹن صاحب اسٹنٹ کشتی بہادر

فحشی وزیر علی۔ دینی پرشاد گوالہاں حاشیہ نے جانب مقررے شہادت سامنے ہو کر بہ اقرار صلح مضمون مختار نامہ کو تصدیق کرایا، لہذا تصدیق مختار نامہ عمل میں آئی۔

مورخہ ۹ دسمبر

جائے وخط

العیہ
واللہ اعلم

ہو کچھ کہ بہ نام امین الدین ساکن دلی مدرس مدرسہ پٹالہ جانب ازالہ حیثیت حسب دلتہ مہن مہن تھوڑا ات ہند بہ صیغہ فوجداری تلاش کئی منظور ہے، لہذا میں نے اپنی طرف سے عریض الدین وکیل سرشت کو واسطے گزارنے عرضی اور جیڑی کرنے مقدمے کے وکیل کیا۔ وکیل مذکور جو کچھ سوال و جواب جیڑی مقدمہ ہذا میں کرے جملہ سامنے پرداخت اس کا مثل ذات خاص اپنی کے قبول و منظور ہے اس واسطے یہ مختار نامہ لکھ دیا گیا۔ فقط

گواہ شد

گواہ شد

گواہ شد

عینی و ذریعہ علی

محمد اسد اللہ خان

دعویٰ پر شہاد

المرقوم چار دہم (3) دسمبر ۱۸۹۷ء

آج وکیل نے کتاب پیش کی تھم ہے کہ یہ کاغذات بدو سوموار کے پیش ہوں۔ اور وکیل مدعی انگریزی میں ترجمہ ان الفاظ کا بعد اس مہارت کے جہاں یہ الفاظ واقع ہوئے ہیں کرا کر پیش کرے اور مقدمہ درج رجسٹر کیا جائے۔

۳ دسمبر ۱۸۹۷ء

دستخط حاکم

تھم یہ ہے

نثار نامہ تصدیق کیا جائے اور وکیل پہلے کتاب پیش کرے

۱۵ دسمبر ۱۸۹۷ء

جناب عالی

جو حال عزت و اقتدار میرے منہ کل کا گورنمنٹ میں ہے اس کی تفریح وقا تر سرکاری اور کہ خطوط اور چٹیاں حکام، خصوصاً سیکرٹری گورنمنٹ پنجاب و نواب گونر جنرل بہادر کشور ہند سے پہنچتی ہو سکتی ہے۔ مسی امین الدین ساکن دہلی، مال مدرس بیالہ کے ایک کتاب "قاطع القاطع" (4) بمذہب معتدہ منہ کلیم تصنیف کی "اس میں ایسے الفاظ ناٹانائش بلکہ دشنام مضللہ نسبت منہ کلیم تحریر کئے ہیں اور اس کتاب کو چھپا کر شہر کیا ہے کہ جس سے نیک نامی کو نقصان پہنچنے کا باعث ہوا اور ازالہ حیثیت کہ جس کی تعریف دفعہ ۳۹۹ تعزیرات ہند میں درج ہے وقوع میں کوئے پس مدعا علیہ مرتکب اس جرم کا ہوا جس کی سزا تعزیرات ہند کے ۵۰۰ اور ۵۰۱ میں قرار پائی ہے۔ لہذا امیدوار ہوں کہ بعد تحقیقات معروفہ، قعدی کے مدعا علیہ کو سزا مندرجہ و لغات مذکورہ فرمائی جاوے کہ آئندہ عزت داران سرکار کالی منزل حیثیت کا نہ ہووے۔ زیادہ حد ادب۔

تفصیل ان الفاظ مندرجہ و شہرہ کتاب کہ جس سے ازالہ حیثیت کا ہوا وہ مع نمبر صفحہ :

الفاظ مزید حیثیت

نمبر صفحہ

ہا میں ہے چارہ چہ حرکت ناگہانی کردہ است

۳

پیش حاکم وقت رفتہ رقم نمائی طویش و انہاد

۴

ایں خرمینئی نمودیں راہر پشت خود نماہ است

۲۳

بہ دشنام پردازم

۲۳

میان طون جیفی غوط خود

۲۸

کمال اکبر گاہی دریں جا خسفر بہ کار بدو

۳۳۷

سلی و گردنی ہار ایرائے اونیاہ نمود

۳۳۸

۴۸
۶۸
۳۰
۷۰
۳۱

عبد اللہ کشنوتا جنوٹل فرد گردو
ایسی غلطی
او خراپہ اکبر آبادیوسے بد دلی رسید است
معترض ازین عضو صدقے دیدہ است

۱۱۱۱ اس کے لود مست جگہ ایسے الفاظ ہیں 'لاحظہ کتاب سے واضح رائے علی ہوں گے۔

عرضے

کترین مرزا الدین وکیل اسد اللہ خان پٹن دار سرکاری عرف مرزا لوفہ معروفہ ۵۵ دسمبر ۱۸۶۷ء
یہ ممکن نہیں۔ ۲۳ جنوری ۱۸۶۸ء

وجہ

صاحب والا مناقب عالی شان سرچشمہ 'لفظ و احسان ڈپٹی کمشنر بہادر دلی زاو شوکو

بعد تعلیم و حکیم و اعتبار آرزوئی بہو اصلت کثیر الاوقات التماس یہ ہے کہ تجویزاً "تیسرا مینہ ہے کہ میں نے یہ
وکالت غشی عز الدین صاحب کے عدالت فرج داری میں ازوالہ حیثیت پیش کیا 'وکالت نامہ تصدیق ہو گیا اور میرا خط
دکیل کے حضور میں گزرا 'لود آپ نے وہ مقدمہ تجویز کے واسطے صاحب والا قدر اسٹاکشن صاحب بہادر کے سپرد کیا۔
میری گزارش تو اس میں تھی کہ وہ مقدمہ آپ تجویز کرتے۔ آپ بہ صد گونہ مجوز داری استدعا کرتا ہوں کہ کالذات
مقدمہ وہاں سے منگائے جائیں اور حضور کے سامنے پیش کئے جائیں تاکہ امین الدین دعا علیہ کی طلبی کا حکم چٹالہ کو
جائے لود بعد اس کے حاضر ہونے کے یہ مواجر اس کی اور میرے دکیل کے مقدمہ تجویز ہو کر میری داری ہو اور
دعا علیہ کو سزائے سخت ملے۔ تاکہ پھر کوئی چھوڑا آری بڑے آری کو ایسے ظلمت قتل و ناموس نہ لکھے۔ یقین ہے کہ
آپ اس اپنے بھوار قدیم کی عرض قبول کر لیں گے۔ لود بہ ذات خود میری داری فرمائیں گے۔ شک

راقم اسد اللہ خان غالب

۲۳ جنوری ۱۸۶۸ء

جو کہ داری تہذیبی اس ضلع سے ہوگی

حکم ہوتا ہے کہ

میرے بعد یہ حضور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر پیش ہووے

تقریر ۳۰ جنوری ۱۸۶۸ء

دستخط

از قریب گاہ مسطورہ بریں صاحب ہمار
تعم ہو اگر

پرسوں کے واسطے دعا علیہ بہ اجرائے حسن طلب ہوئے فقط
عرضی مولوی امین الدین دعا علیہ کی بیچ مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی مرزا احمد اللہ خان غالب مدنی کے معروفہ
تاریخ ۸ فروری ۱۸۶۸ء
(اس کی نقل کی چنداں ضرورت نہ تھی اس واسطے نہیں کی گئی)
(اطلاع نامہ مولوی امین الدین) (اس کی نقل نہیں کی گئی)

اعتبار وکیل مدنی

نام میرا عزیز الدین وکیل مرزا احمد اللہ خان عرف مرزا نوشہ

"طالع القلع" میں امین الدین نے صفحہ ۳ میں لکھا ہے کہ "صاحب یہاں ہیں پہلہ چہ حرکت فاکہ فی کردہ
است" ہار دیکھ صفحہ ۴۰ میں ہے "قش حاکم وقت رفتہ دھم فانی خلیل دانایہ" "یافراش کارگر آید" صفحہ ۲۳ کی سطر
۳ میں ہے "ایں غریبی نہ دین راہ پشت خود نمونہ است" صفحہ ۲۸ میں ہے "میان خون جنس فوطہ خورد" صفحہ ۳۲
کی سطر ۱۷ میں لکھا ہے "کھل اکبر آبادی دریں یا نمونہ آید کار بدہ" صفحہ ۴۰ کی سطر ۱۸ میں لکھا ہے "سلی د کرد
فی پارا برائے اوغواہ نہد" صفحہ ۵۱ میں لکھا ہے "مقد باہ کشل ناہوش فرد کردہ" صفحہ ۵۱ کی سطر ۱۸ میں لکھا ہے "ایں
نبیلی" (۵)۔ صفحہ ۶۱ کی سطر ۱۱ میں لکھا ہے "از خراب اکبر آباد ہوسے پہ دلی رسیدہ است" صفحہ ۷۰ کی سطر ۱۷ میں
لکھا ہے "معرض ازین عضو مدحتے دیدہ است" علامہ اس کے جو ہو کچھ اور لکھا ہے ذیل میں گزارش ہے۔

خلاصہ

صفحہ	صفحہ	موضوع
۳۷	۱۷	اگر ایں چہیں حصت را حاکم منصف می دیدہ یعنی چہ گویم گوشش می بریدہ۔
۳۱	۱۵	بشاعت خوابہ ہمیں ازار است ہر کس را نکلان می دیدہ
۳۲	۱۸	معرض خوابہ را چہ اگر رفتہ مگر برائے ترکیب بن خوردش گرفتہ باشند
۳۳	۲۰	بہتین غریس را یاد کردہ است و رقص پوزندہ را بہ اعتبار آوردہ است
۱۷۲	۲۰	گوش و بینی چہ گویم دست خوابہ بردیدہ و زبان پہ قفا خوابہ کشید
۳۸	۲۱	گوش اواز ناگوش بر کشید یا بہ سوراخش کھلے زند

ان الفاظ سے اور عبارت ازالہ حیثیت عرفی میرے منوکل کا ہے۔ میرے منوکل کے بزرگ باشندے اکبر آباد
کے تھے۔ فہرست گراہان کل داخل کیں تھیں۔

یہ اعتبار نامہ اہتمام سامت میں بہ رعایت تعم ایں جانب قرع ہو کر مقرر کو بہ زبان اردو جس کو وہ سمجھتا ہے
پڑھ کر چلایا گیا۔ اقرار کیا۔ صحیح ہے دعا علیہ نے سوال نہیں کیا۔

حکم ہے کہ مدی فرست گواہان داخل کرے۔ سوائے ”قاطع القاطع“ کے باقی کتابیں واپس ہوں۔ چنانچہ واپس ہوئیں۔

۲۰ فروری ۱۸۶۸ء

جناب عالی

چونکہ ندوی کو نقل الفاظ ہائے گزرائیدہ مدی واسطے گزارنے سے بے مطلوب ہیں، لہذا بذریعہ گزارش و درخواست بڑا امیدوار نقل جملہ الفاظ ہائے گزرائیدہ مدی ندوی کو عطا ہو جاویں۔ فقط

مولوی امین الدین

علاقہ نامہ از جناب مولوی امین الدین اسی انہ سائے وکیل (نقل نہیں کئے گئے)
فرست گواہان مولوی امین الدین مدرس ثانیہ

۱	۲	۳
مولوی فیاض الدین صاحب	مولوی سعید الدین خان صاحب	حکیم شمس اللہ خان صاحب
پروفیسر علی مدرس سرکاری	استاد میوہ (۶) صاحب بیکریٹری اعظم	
۲	۵	۶
محمد حمید الدین خان صاحب	مولوی ابراہیم صاحب	مولوی محمد حسین صاحب
عرف عبدالحکیم صاحب		
۷		
مولانا قمر الدین صاحب		

فرست گواہان مرزا احمد اللہ خان غالب

۱	۲
مولوی فشی سعادت علی خان صاحب	امام بیارے لال صاحب
مدرس کالج دہلی	بیکریٹری
۳	۳
مولوی نصیر الدین صاحب مدرس	مولوی لطیف حسین صاحب
مدرس دہلی	مدرس
۵	
فشی حکیم چتر صاحب مدرس	

کالج دہلی

اطلاع دے گا۔ (۲) گراہن فریقین کے جن کی نقل ضمیمہ کی تھی۔

نام میرا امین الدین ولد مولوی زین الدین قوم شیخ ساکن خیالہ عمر ۵۵ برس پیشہ مدرسہ
بیان ہے کہ

میں نے ایسا ضمیمہ لکھا کہ جس میں ازالہ حشیت عرفی مدعی کا ہو۔ یہ کتاب "طالع القاطع" تصنیف میری ضرور

ہے۔

سوال : فرد قرار داد جرم تم کو منائے جاتے ہیں تم مرتکب جرم قرار دادہ کے ہوئے یا نہیں؟ تہا را کیا جواب ہے؟
کیونکر صفائی کر دے؟

جواب : فرد جرم میں نے سنی۔ جواب یہ ہے کہ اس کتاب میں تین قول ہیں ایک تو محمد صمیم "بہان قاطع" دوسرا
مرزا اسد اللہ خاں معصف قاطع بہان تیسرا قول میرا "طالع بہان" میں دو کیا ہے۔ "بہان قاطع" کو اور میں نے تردید
کری ہے۔ "طالع بہان کی" ص ۳۰ میں جو لکھا یہ برائے مثل ہے "برائے معنی تحت لفظ کے اور کچھ معنی میں نے
ضمیمہ خیال کے "توخم ضانی" مراد دلی رنج سے ہے۔ اور دیگر شاموں نے بھی یہی معنی لئے ہیں بہت شعر ہیں جن میں
الفاظ دُخم ضانی کو والا ہے "اور معنی اس کے رنج دلی لئے ہیں" سو اب یاد سے شعر پیش کر دیا گا۔

ص ۳۳ میں جو لکھا ہے "خرمینی۔۔۔" خر کے معنی تھوان کے ہیں "لفظ بھی صرف یہ طور مرکب کے والا کیا
ہے۔ یہ عبارت جو درج ہے کہ "ہدشام پردازم" معنی یہ ہیں کہ ساتھ گالی کے مشغول ہوتے ہیں "مگر آگے جو اس کے
عبارت ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ میں نے درج کیا ہے کہ زبان ایسی غراب کر لی ہے۔

ص ۳۸ میں لکھا ہے کہ "میان خون جیض غوطہ خورد" اس کے معنی یہ ہیں کہ کیوں گز گار ہوتے ہو "اور
کس۔۔۔۔۔ (۵) دیتے ہیں" یہ الفاظ کچھ تحت مثل ہے۔ "خون جیض کا لفظ عرفی اور (۱۷)۔۔۔۔۔ (۷) لکھا ہے "اور یہ بھی
معنی دیتا ہے کہ کیوں گز گار ہوتے ہو۔

ص ۴۱ میں جو درج ہے "کمال اکبر آبادی" کمال سے سے لئے ہیں۔ دوسری جگہ لکھا ہے "کلی دگر دنی
بارا برائے او بنیاد نمود" (۵) اوپر کی عبارت سے اسے شامل کیا جائے "تو معنی اس کے یہ ہوتے ہیں کہ شریک خوشی کے
ہوئے۔

صفحہ ۴۱ میں لکھا ہے "نصہ پایہ کشلوتا جنوفش فرد گرد" یہ الفاظ ایسے مقام پر آتے ہیں کہ جب کوئی اعتراض ہے
پاکرنا ہے تو کہا جاتا ہے "معنی اس کے تحت لفظی ہیں۔

ص ۴۶ میں جو لکھا ہے "عجبی اس کے معنی بھی یہی ہیں یعنی برکشتی مزاج

ص ۴۶ میں ہے "از خراب اکبر آبا یوسے پہ دلی رسدہ است بوم کے معنی مدعی نے بھی اپنے قول میں جو اوپر
درج ہیں زمین کے لئے ہیں "یعنی لکھا ہے "کشم از بوم دکنی دگر پہ برنخورد چنانچہ میں نے بھی معنی زمین کے لئے ہیں
معنی اس کے یہ ہوتے ہیں کہ زمین اکبر کلبہ سے ایک شخص آئے ہیں۔

سوال دہی : ”غراب“ کا مصنف الیہ کون ہے؟ جواب اکبر آبادی ہے اور ”سی“ یوم کی واسطے حسین کلام کے ہے۔

صفحہ ۷۷ میں جو لکھا ہے ”عضو“ میں نے اس کے سینے ”غزاندن“ کے لئے ہیں انہوں نے اپنے کلام میں جو اور درج ہے ”عضو“ کے معنی کہ تامل کے لئے ہیں میری مراد یہ ہے کہ دہی نے لفظ ”عضو“ سے مصدر اٹھایا ”درج“ دیکھا ہے ”زیں“ کی ضمیر قریب پر آتی ہے ”بید“ نہیں جاتی۔

صفحہ ۷۷ میں لکھا ہے ”یعنی چہ گویم کو خوش کی بید“ اور کی عبارت سے ظاہر اس کے معنی ہوتی ہیں اگر حاکم اس قسم کو دیکھ سزا دیتا۔

صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے ”بہت طرازی میں از ارات ہر کس را نشان ی دہد“ یہ لفظ ”ازار“ دہی کے قول میں درج ہے مگر سینے اس کے چادر کے ہیں اور یہی میں نے لئے ہیں

صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے لفظ ”غایہ“ اس کے سینے بیضہ مرغ کے ہیں ”میری مراد یہ ہے کہ معترض نے اس ہی لفظ ”غایہ“ کو بے سینے خبیہ کہیں لیا مگر تمام واسطے خودش کے بے معنی بیضہ مرغ لیا ہو۔

صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے ”بہت طرازی را یاد کردہ است و در قصہ یزدنہ را بے اعتبار آوردہ“ اس کے معنی قوت لفظی ہیں ”مطلب یہ ہے کہ معترض کی ایسی باتیں یاد کر رہی ہیں کہ بہت طرازی و در قصہ یزدنہ ”بیکار ہیں یا کڑی ہاویں۔

صفحہ ۳۴ میں ”کوش“ یعنی چہ گویم دست خواہ بدید و زبان بے قضا خواہ کشید اس کے سینے قوت لفظی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ معترض نے چوری الفاظ کری ہے اس کی سزا ملنی چاہئے۔

میں نے یہ کتاب صرف بے بحث علمی چھوڑی ہے مگر وہ میرے موجود ہیں۔

یہ جواب میرے جواب میں قلم بند کیا گیا اس میں تمام بیان شخص با خود مستند ہے و دست مندرج ہے۔

اعمال گواہ دہی باقرار صلح بہ اجلاس مسٹر لوریج صاحب ہمارے مرقوم ۲ مارچ ۱۸۶۸ء

یہ میرا چارے لال ہے ولد رام نرائی ہیڈ ماسٹر اسکول قوم کھتری ساکن درہہ عمر ۳۰ برس کی پیشہ ماسٹر۔ بیان یہ ہے کہ صفحہ ۳ ”طالع الطالع“ کی عبارت ”جس پر نشان سرخ کا ہے۔ میں نے پڑھیں سینے حرکت ناکافی کے ہیں“ ”انعام ضریح پارا کشیدہ“ اس مقام پر وہ سینے کے جاتے ہیں جب بحالت کاسمت ضرب گئی ہے۔ زخم زانی کے نفوی سینے ہیں ”پوشیدہ دلم“ مگر یہی اس زخم سے مراد کہ جو فضل بد سے عالم ہوئے جو شخص چاہ سکتے ہیں وہ اس سے یہی مراد رکھیں گے۔

سوال از طرف دعا علیہ : آپ مرزا نوشہ کے شاگرد ہیں؟

جواب : میں شاگرد نہیں ہوں۔

سوال دوسرا : آپ فارسی کماحقہ جانتے ہیں؟

جواب : عربی میں نہیں جانتا اور فارسی بھی اچھا نہیں جانتا جس قدر جانتا ہوں سینے جان کوئی ہے۔

سوال تیسرا : مدنی نے ترجمہ ان الفاظ کا انگریزی میں آپ سے کرایا تھا؟
جواب : ہاں بھی سے کرایا تھا۔

صفحہ ۳۳ سطر ۱۵ میں لکھا ہے "مگر یہی" اس کے معنی یہی لگا کر یہاں مراد صرف گدھے سے۔ یہی کے لفظ سے کچھ حاصل نہیں۔ لکھا ہے "بدشام پروازم" یعنی میں گامیاں دیتا ہوں۔
صفحہ ۲۸ سطر ۱۹ میں لکھا ہے "میان خون جیض غوط خورد" اس کے معنی یہ ہیں کہ خون جیض میں غوط کھایا اور لفظ نہت کالف کے ہیں۔

سوال دہا علیہ : آپ مضاف مضاف الیہ کو جانتے ہیں؟
جواب : جانتا ہوں۔

صفحہ ۳۲ کی سطر ۱۸-۱۹ میں لکھا ہے "کمال اکبر آبادی" یعنی اکبر آباد کا کمال سوائے اس کے اور کچھ معنی پیدا نہیں ہوتے "برقص میوں" بندر کا ناؤ "شتر فزا" بے معنی بد کاری۔
سوال دہا علیہ : کمال بالفتح لفظ ہندی ہے اور یہ کتاب فارسی ہے "لفظ ہندی فارسی میں آتا ہے؟
جواب : دو طرح لفظ پڑھنے میں آتا ہے "کمال و کلال" کمال کے معنی شراب کش اور کلال کے معنی کبار۔
صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے "دست راہ بلی دلب راہ شام باز کشاید" یعنی ہاتھ کو تھپڑ کے ساتھ اور لب کو گالی کے ساتھ کھولا۔

صفحہ ۵۵ میں لکھا ہے "فصد باید کشاید تا چونش فرگرد" فصد کے معنی ہیں شتر سے خون لانا "چونش فرگرد" یعنی ہنزن اس کا جانا ہے۔
صفحہ ۵۶ میں لکھا ہے "فبلی" معنی اس کے جتنی ہیں۔
سوال دہا علیہ : دوسرے معنی آپ جانتے ہیں۔
جواب : میں نہیں جانتا۔

صفحہ ۳۶ میں لکھا ہے "آرے از خراب اکبر آبادی" بے دلی رسیدہ" معنی اس کے یہ ہیں کہ اہل اکبر آباد سے ایک اور دلی میں پہنچا سوائے اس کے اور کچھ معنی میرے نزدیک نہیں ہیں۔
صفحہ ۷۷ میں لکھا ہے "عصر" اتنی معنی اس کے ہیں جنم کا کوئی حصہ مگر یہاں مراد عصر حاصل ہے "بدی مراد کہ معترض نے اس عصر سے عدے اٹھائے ہیں اور یہ بیان مصنف کا سمجھتا ہوں۔
صفحہ ۷۷ میں لکھا ہے "بلی گرچہ گویم گوشش ی برہ" سنی یہ ہیں کہ ناک کو کیا کون کان اکھاڑیے۔
"گوشش" کی خمیرہ طرف معترض ہے۔

صفحہ ۷۶ میں لکھا ہے "مہانت خواہد ہمیں از راست ہر کس را نشان ی بد" اس کے معنی میں نہیں سمجھتا۔
صفحہ ۷۲ میں لکھا ہے "غایہ راچہ اگرقت" اس مقام پر "غایہ کے معنی عصر حاصل کے ہیں؟ اگرچہ معنی اس کے بعد مرع بھی ہیں۔

صفحہ ۳۸ میں یہ لفظ بھیج (۱۵) سورج کا لکھا ہے اس سے مراد متعہ ہے۔

صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے "ہستی غریب را یاد کردہ است در قصہ یوزد را بہ اعمار آوردہ" یعنی یہ ہیں کہ غریب کے گونے کو یاد کیا ہے۔ اور بندہ کے ناچنے کو ظاہر کیا ہے۔

یہ اعمار ہمارے احترامِ سماعت میں بہ رعایتِ حکمِ امیں جانبِ قریب ہو کر مظر کو بہ زباں آورد جس کو وہ سمجھتا ہے، پڑھ کر بتایا گیا، اقرار کیا صحیح ہے۔ دعا علیہ کے سوال کا جواب لکھا گیا۔

اعمار گواہ دی بہ اقرار صالح بہ اجلاس مسز اور برجن صاحب بلور مرقوم ۲ مارچ ۱۸۶۸ء

نام میرا لطیف حسین ولد حکیم محمد حسین خاں "شیخ" مدرس علی قاری، ساکن کوچہ حکیم علاء الدین عمر ۳۵ برس کی۔

جان یہ ہے

صفحہ ۳ میں لکھا "حرف نامکذبی" بشارت کے معنے ہیں خلاف وضع فطری، یہ کوئی پڑے یہ معنے لے گا۔

سوال دعا علیہ : ان الفاظ کے معنے اور بھی ہو سکتے ہیں؟

جواب تحتِ نقلی معنے اور بھی ہو سکتے ہیں مگر اس مقام پر یہی معنے ہیں۔

صفحہ ۳ "دغم نہائی" کے معنی اس مقام پر "اندام نہائی" کے ہیں اور ضرب سے دی مراد ہے جو اس کام سے ضرب ہوتی ہے۔

صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے "غریبی" اس کے معنی گدھا ہے "بے وقوف" معنی کاغذ کچھ معنے نہیں دتا، اس صفحہ

میں لکھا ہے "بدشام پروازم" معنے اس کے یہ ہیں کہ گالیاں دوں۔

صفحہ ۶۸ میں لکھا ہے "صیان خون حیض غوط خرو" خون حیض وہ جو عورتوں کو باہاری آتا ہے، تپاک ہے گلی

نہیں ہے۔ کل سخت ہے اور کچھ معنی نہیں ہو سکتے۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے "بہ سوراضل حکے زند" اس مقام پر سوراضل کے معنے متعہ کے ہیں۔ نقلی معنے چمید

کے ہیں "سوراضل" کے شہین کی ضمیر بہ طرف گوش کے ہو سکتی ہے۔ مگر اس مقام پر میری دانست میں معنے متعہ کے ہیں۔

صفحہ ۴۲ میں لکھا ہے "نکال اکبر آبادی" اگر ضم سے پڑھا جاوے تو "کھارو اور اگر رخ سے پڑھا جاوے تو

معنے سے فروغ" دوسری جگہ لکھا ہے "سلی و گردنی ہار ایرائے اونخا اند" معنے یہ ہیں "ہاتھوں سے گردن مارنا۔

صفحہ ۴۳ میں لکھا ہے "دوست را بہ سلی دلب را بہ دشنام باز کشاید"

معنے وہ ہیں کہ جو نقلی ہیں اور کچھ معنے نہیں ہوتے۔

صفحہ ۵۱ میں لکھا ہے کہ "متعہ یاد کشاوتا جوقل فرد گرد" یعنی قصد کھانا چاہے تو بخون اس کا چاتا رہے۔

صفحہ ۶ میں لکھا ہے "غیبتی" اس کے معنی یہ ہیں کہ "دعا انہ"

صفحہ ۷ میں لکھا "معرض ازین عضو مدہتے وہ" "عضو" سے مراد عضوِ ناسل ہے۔

۷۷ میں لکھا ہے کہ "مینی چر گوشت کی برید" "گوشت" کی ضمیر یہ طرف معترض ہے۔

صفحہ ۷۸ میں لکھا ہے "مہمانت خواہ ہمیں ازار است ہر کس دانشان کی دہ" "مہنے" یہ ہیں کہ یہی ہمارے ہے جو ہر ایک کو دکھاتا ہے۔

سوال دعا علیہ : ازار کے معنے اور بھی ہیں؟

جواب : مجھے معلوم نہیں۔

صفحہ ۷۹ میں لکھا ہے "خایہ راجہ گرفت" "مہنے قنطری یہ ہیں کہ معترض نے "خایہ" کو کہیں لیا اور قنطریوں نہیں لیا۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ "خایہ" کو کس واسطے لیا اور علی میں "خایہ" "خایہ" کو بھی کہتے ہیں

صفحہ ۱۲۰ میں لکھا ہے کہ "مستن قوس راجہ کردہ است در قوس پوزند بہ انعام آوردہ" "مہنے یہ کہ کوہ نے رچکھ کو یاد کیا" اور بندر کا تاج ظاہر کیا ہے۔ یعنی رچکھ کی طرح وہ شخص کوہا ہے اور بندر کا تاج کیا ہے۔ ضعیف معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کوہا رچکھ اور بندر کا یاد لیا ہے۔

صفحہ ۱۷۱ میں لکھا ہے "گوشت و بچی چرا گویم دست خواہ برید و زبان بہ قضا خواہ کشید" "سوائے معنی قنطری اور بہکھ معنے اس کے نہیں ہو سکتے۔ میں ایسی تحریر کو بہت درست سمجھتا ہوں اور ہر ایک شخص کی سمجھ میں ایسا ہی آوے گا" جیسا میں نے بیان کیا ہے اور کوئی کتاب میں نے نہیں دیکھی جس میں ایسی عبارت درج ہو۔

سوال دعا علیہ : "قانع برہان" آپ نے دیکھی؟

جواب : میں نے دیکھی

یہ انعام گواہ کا ہمارے اہتمام مہمانت میں آیا۔ مگر کو بہ زبان اردو جس کو وہ سمجھتا ہے بتایا گیا۔ اقرار کیا "صحیح ہے" دعا علیہ کے سوال کا جواب لکھا گیا تھا

انعام گواہی :

ہم میرا نصیر الدین والد محمد طیم الدین قوم سید ساکن کوچہ چنڑت عمر ۳۳ سال چشمہ روزگار

بیان یہ ہے کہ

میں غازی علی غزنوی جاتا ہوں اور اگر زیدی بہت کم جاتا ہوں صفحہ ۳ میں جو لکھا ہے کہ وہ میں نے اس سے سابق بھی اس مہمانت کو دیکھا ہے "سزکت ناموئی" سے یہ مراد ہے کہ جو حرکت نہ کرنے کی ہو "دغم ضانی کے وہ معنی ہیں کہ دغم پوشیدہ مگر اس جگہ مراد اس دغم سے ہے جو دکھایا نہیں جاتا۔

سوال دعا علیہ : کپ مدنی کے شاکر ہیں؟

جواب : میں شاکر نہیں ہوں۔

صفحہ ۲۲ میں لکھا ہے "بدشام پردازم" "مہنے اس کے یہ ہیں کہ گالیاں دوں

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے "میان خون حیض طوط خورد" "مہنے خون حیض کے وہ ہیں کہ جو عورت کو بلہ بہ ماہ اندام

کمانی سے پیدا ہوتا ہے' یہ چیز نہایت خفیہ ہے اور ٹپاک ہے اور ایسا لفظ آج تک استعمال نہیں کیا۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے "گوش لواز بنا گوش برکتہ" یا یہ سوراخیں تھے فرشتہ "سوراخ سے مراد مقعد ہے اور یہ معنی عام جو اس عبارت کو چھپیں گے سمجھیں گے۔

صفحہ ۴۲ "کمال اکبر آبادی" قسم سے مراد کھار سے ہے اور رخ سے مراد شراب کش سے ہوتی ہے۔ اس مقام پر دونوں معنی ہو سکتے ہیں' یہ معنی منع بھی آتا ہے مگر اس جگہ معنی منع کے نہیں دیتا۔ علی میں معنی اس کے سستی کے ہیں وہ بھی اس جگہ سونوں نہیں ہوتے اس صفحہ میں "شتر فزہ" لکھا ہے اس کے معنی صرف پیوندگی کے ہیں۔

صفحہ ۴۳ میں لکھا ہے "نصیب بایہ کشاید تا جوں نعل فرد گرد" اس کے معنی یہ ہیں کہ جتوں ہو گیا ہے نصیب کھولنی چاہئے۔

صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے "از خراب اکبر آباد بوسے بہ دلی رسیدہ است" یعنی جنگل اکبر آباد سے ایک الودہلی میں پہنچا ہے۔

صفحہ ۴۵ میں لکھا ہے "معترض ازین عضو صدمتے دیوہ است" معنی اس عضو کے عضو حاصل سے مراد ہے 'نکر کمانہ۔

صفحہ ۴۷ میں لکھا ہے "مگر ایں چٹھی قسمت را حاکم منصف ی دیوہ بنی چہ گویم گوش ی بید" میں ضمیر شمیم کی یہ طرف معترض ہے ضمیر اس شمیم کی یہ طرف قسمت نہیں ہو سکتی۔

صفحہ ۴۸ میں لکھا ہے "ہمنامت خواہ ہمیں ازاں راست ہر کسی را نشان ی دیوہ" معنی اس کے یہ ہیں کہ اس کے پاس میں جا رہے ہیں اور کالی کا کمانہ یہ ہے کہ ہر کسی کو دکھاتا ہے کہ خریداری کرے

اس کے بعد صفحہ ۴۹ میں لکھا ہے "معترض خلیہ راجہ اگر فت" معنی "خالیہ" کے خلیہ اور انڈے کو بھی کہتے ہیں' یہاں شاید مراد خلیہ لیتے ہیں جو کوئی چڑے کا دی اس کے معنی خلیہ کے جگے گا۔

صفحہ ۵۰ میں لکھا ہے "ہستن خرس را یاد کردہ است در قصہ یوزنہ رابہ انکار تودہ" معنی یہ ہیں کہ دیکھ کے کوڑے کو یاد کیا ہے' اور بندہ کے بچنے کو یاد کیا ہے۔

صفحہ ۵۱ میں لکھا ہے "گوش و سمیٹنی چہ گویم دست خواہ بر مدار بان بہ قضا خواہ کشید" معنی اس کے یہ ہیں کہ کان اور ناک کو میں کیا کون ہاتھ کانے گا اور زبان ساتھ گدی کے کھینچے گا۔

سوال از طرف وکیل مدعی : یہ اتفاق کس کی طرف بیان کئے گئے ہیں؟

جواب : دیباچہ دیکھ کر بیان کرتا ہوں کہ نسبت مرزا اسد اللہ کے ہیں۔

یہ الفاظ نوشتہ انکار گواہ ہمارے اہتمام سماعت میں بہ رعایت حکم ایں جانب قری ہو کر منظر کو پہچان اردو جس کو وہ لکھتا ہے چہ کر بتایا۔ اقرار کیا' صحیح ہے' دعا علیہ کے سوال کا جواب لکھا گیا۔

بیان یہ ہے کہ

صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے ”چہ حرکت نامکوئی کرد است“ اس کے معنے یہ ہیں کہ ہر حرکت کرنے کے لائق نہیں ہے وہ کی ہے یعنی انعام کیا ہے دوسری جگہ لکھا ہے ”زلم نمانی“ فریق و الاید“ زلم نمانی جائے مخصوص سے مراد ہے“ میری رائے میں یہی معنے آتے ہیں ”عام لوگوں کو میں نہیں کہہ سکتا ہوں مگر یقین ہے یہی معنے بیان کریں گے اور یہ عبارت سابق بھی میں نے دیکھی ہے۔

سوال دعا علیہ : قصاری تصنیف پر مرزا نے تصدیق لکھی؟

جواب : ہاں لکھی ہے اور دیگر حکام نے بھی لکھی ہے۔

صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے ”غر بیانی“ اس جگہ مراد خاص گدھے سے ہے اور دوسری جگہ لکھا ہے ”بہ دشنام پروازم“

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے ”میان طون حیض فوط خورد“ اس کے معنی وہی ہیں جو معنی نقلی ہیں۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے ”بہ سوراقل شکے زرد“ سوراخ کے معنے اس جگہ قطعہ کے ہیں۔ شمع کی خمیرہ طرف معرض ہے ”بہ طرف گوش نہیں

صفحہ ۳۴ میں لکھا ہے ”کمال اکبر آبادی“ اگر لفظ معنی ہو تو یہ معنی سستی اور اگر یہ ضم ہو تو یہ معنے کھار اور اگر یہ فتح ہے تو یہ معنے سے کش دوسری جگہ لکھا ہے ”سلی دگردنی ہارا برائے لوبخار زند“ اس کے معنی یہ ہیں کہ تھنر مارے۔

صفحہ ۵۵ میں لکھا ہے ”مگر قصد باید کشادہ جوتوش فرد گند“ سوائے نقلی معنے کے اور کچھ معنے نہیں۔

صفحہ ۶۶ میں لکھا ہے ”قبلی“ اس کے معنے ”زبانہ“

صفحہ ۷۰ میں لکھا ہے لفظ ”مفسو“ کا اس مصرعے سے مراد کہ حاصل ہے۔

صفحہ ۷۴ میں لکھا ہے ”بنی چہ گویم گوشش ی برید“ سوائے معنی تحت نقلی کے دوسرا مطلب نہیں ہے ”گوش“ کے شمع کی خمیرہ طرف معرض ہے۔

صفحہ ۸۱ میں لکھا ہے ”ہنداست خواہد ہمیں ازار است ہر کس را نشان ی دہد آفریداری لایہ“ حاصل اس کا یہ ہے کہ اس کے پاس یہ پاپا ہے اور ہر ایک کو دکھاتا ہے۔

سوال دعا علیہ : ہمیں کی خمیر کس طرف جاتی ہے اور لفظ زار کس کا لیا ہوا ہے؟

اس سوال کا جواب ضروری نہیں ہے۔

صفحہ ۸۲ میں لفظ ”خالیہ“ کا لکھا ہے اس کے معنے خصیہ ہیں۔

صفحہ ۸۶ میں لکھا ہے ”ہستی خرس رایاد کرد است و رقص یوزنہ بہ انعام آورد“ سوائے نقلی معنے کے اور کچھ بات پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔

صفحہ ۸۸ میں لکھا ہے ”گوش و بینی چہ گویم دست خواہد مدد و زبان بہ نقا خواہد کشید“ معنے اس کے تحت نقلی

یہ اعلیٰ درجہ کا ہمارے اہتمام سماعت میں ہے رعایت حکم میں چاہت تھی ہو کر منظر کو یہ زبان اردو جس کو وہ سمجھتا ہے پڑھ کر سنایا گیا اقرار کیا سمجھ ہے۔ دعا علیہ کے سوال کا جواب لکھا گیا۔ فقط اعلیٰ درجہ کا دعا علیہ بہ اقرار صالح بہ اجلاس مسٹر اورین صاحب ہمارے ۳ مارچ ۱۹۶۸ء یام میرا خیام الدین ولد محمد اعلیٰ ساکن دہلی پروفیسر علی دہلی کالج
پاکستان ہے کہ

میں نے سابق اس مکتب کو دیکھا ہے۔ صط ۳ میں جو عبارت کہی ہے وہ "حرکت نامکونی" بہ ہمہ الفاظ کو خاص حرکت پر خصوصیت نہیں دیکھی اس کے معنی وہ ہیں جو حرکت لا تق کر کے نہ ہو' لفظ "ضریت" ا" جو لکھا ہے اس کے معنی مارنے کے ہیں' خصوصیت کہی وہ صرف معنی پر نہیں رکھا۔

ذہم نہائی کے معنی یہ ہیں "ذہم اندرونی" یا صدمہ۔ دل استعمال سے اس کے لوطیان میں چاہے جو کچھ لے لے کر عبارت سے جو کوئی دیکھے گا وہ معنی اس لفظ کے اور نہیں کر کے خیال میں کر سکتا ہے۔ یہ عبارت نہ فعل ہے نہ ماضی گویا ہے۔ "ذہم موصوف" اور "نہاں" اس کی صفت ہے۔ نہاں کے معنی کسی نے مقصد کے نہیں کئے۔

صفحہ ۱۳ میں لکھا ہے "فرہین" "فر" کے معنی بے وقوف ہیں اور لفظ "ہمین" سے عظمت اور بزرگی ہوئی ہے۔ جیسے کہ فریڈر (۱۸) صاحب کشنورہلی یہاں مارے گئے ہیں ان کی تاریخ وفات میں ایک قطعہ یہ ہے۔

چوں قریب کشف روی
گشت غفل از تنگ جا

از قلب چار می برا آمد فریضی نسو وارطا (۱۶)

”غریبی! ایسا ہے جیسا کلب حسین اور کلب علی“ چنانچہ والی رام پور کا ہم کلب علی خاں ہے، میں نے کتب علی

حوالہ دیکھ لیں : اس عبارت سے کیا مراد ہے؟

جواب : میرے نزدیک کوئی امر تشکیک کا نہیں ہے۔

صفحہ ۲۸ میں جو لکھا ہے کہ ”میان خونِ میض غوطہ خورد“ یہ صنعت ایسا م ہے ’ بہ لحاظ حقیقی مینے کے کس طرح درست نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کام نہایت بے وقوفی سے کرنا اور وہ کام جو نہیں کرنا ہے مینے خونِ میض کا پونا نہایت بے وقوفی سے۔ دوسرے معنی یہ کہ خونِ میض کو بہ لحاظ رنگ چٹاک مشابہت شراب سے ہے گویا کھورت شراب۔

سوال وکیل مدعی : اگر آپ کلب کو دیکھیں تو کیا کہیں گے؟

جواب : لطیف عبارت اس واسطے ہم ہمیں کے مگر تحریک کسی طرح کی اس میں نہیں ہے۔ معنی کا قول ہے ج

فنون عظیم و تخریب و شد از لب اپنے من

دن جنس عورتوں کو آیا کرتا ہے۔ اگر مرد کی نسبت کما چاہے تو معنی ہے وقتوں میں جیسا کہ جنس الرجال میں محل

نہیں ہے۔ جنس کے واسطے اس کے سینے حب اور بدگوئی کے ہیں۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے کہ "گوشِ اوازِ نیا گوشِ برکت" یا یہ سوراخ کی جگہ "سوراخ کی شیں کی ضمیر۔ موجبِ جملہ کے قریب کی طرف ہوتی ہے یعنی یہ طرف کان۔ مطلب یہ ہے کہ کان کھولے جاویں مگر صرف راحت والے اور سینے بھی کھلے ہیں۔

صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے "نگارِ اکبر آبادی" یہ سینے سے فروغِ نغمہ اس شخص کے واسطے جو دائم الخمر ہو حب نہیں ہے بلکہ مرزا نوشہ کا شاعر نکلی (۱۲) سے منسوب ہے جو شراب نہ پیوے اس کے نزدیک حب ہے۔ مگر مدنی دائم الخمر ہے اس واسطے اس کی نسبت بکہ تنہیک نہیں ہے۔ دوسری جگہ لکھتا ہے "سلی و گردنی ہارا برائے اونیاوند" یعنی نہیں ان کے لبہ اور اصل یہ ہی ہے۔

صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے کہ "ضمند پایہ کشاد" یہ کاہرہ روزِ موعا کا ہے کچھ نئی کلام نہیں ہے۔

صفحہ ۶ میں ہے "نبی" (۱۳) لغوی معنی اس کے یہ ہیں لا چلتا۔

صفحہ ۶۶ میں لکھا ہے "از خرابِ اکبر آبادی" یہ دلی رسیدہ است۔ یہ صنعت ایہام ہے مگر اس جگہ معنی زمین کے ہی اچھی طرح ہو سکتے ہیں۔

صفحہ ۷۰ میں لکھا ہے لفظ "ازیں" اس ازیں معنی کی طرف قریب ہوتی ہے معنی اس کی طرف مگر کوئی کافی نہیں ہے۔

صفحہ ۶۷ میں جو لکھا ہے اس کے سینے یہ ہیں کہ خوب اس کو سزا دے۔

صفحہ ۶۶ میں لکھا ہے لفظ "ادار" اس کے سینے عربی میں چادر کے ہیں مگر مدنی میں پانہاسے کو کہتے ہیں یہ کتاب فارسی اگر دیکھا جائے تو یہ معنی چادر بھی سمجھا جائے گا۔

صفحہ ۷۲ میں لفظ "نایہ" کا لکھا ہے یہ بھی صنعت ایہام ہے مگر اس مقام پر سینے بیض مرغ کے ہیں۔

صفحہ ۶۳ میں جو لکھا ہے اس کے سینے یہ ہیں اور ایسے مقام پر یہ عبارت نکلی جاتی ہے کہ جو حرکت ہے جا غلوہ میں آئی ہو جیسا کہ رقص۔

صفحہ ۷۴ میں جو عبارت نکلی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ماکم خوب سزا دے گا۔

عبارت متنازعہ کو ہم لطافت اور خوبی بیان کرتے ہیں اور ایسی تحریریں دشنام یا ہجک نہیں سمجھتے۔

یہ اہتمام گواہ کا ادارے اہتمام سلامت میں یہ رعایت حکم اس جانب تحریر ہو کر مقرر کو یہ زبان اردو جس کو وہ سمجھتا ہے "پڑ" کر سنا لیا گیا۔ اقرار کیا صحیح ہے۔ مدعا علیہ نے سوال نہیں کیا۔ فقط

اعتماد کو مدعا علیہ پر اقرار صالح یہ اجلاس مشراورین صاحب بہادر واقع ۳ مارچ ۱۸۶۸ء

نام صدیق الدین والد کا نام رشید الدین قوم شیخ سداکن کل نام عمر گھینا ۶۰ برس کی

بیان ہے کہ

میں نے ان دونوں میں اس کتاب کو دیکھا ہے صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے کہ "حرکت ناکردنی کہہ است" اس کے معنی

ہے ہیں کہ "حرکت" بہ معنی بنا اور "نکرتی" بہ معنی ہے جا سوائے اس کے اور کچھ معنی میرے خیال میں نہیں آتے
لفظ "زخم لسانی" کے معنی زخم پوشیدہ ہیں، یعنی زخم اندرونی، اگر یہ تیل لطیف کوئی اور معنی ہوں تو کچھ کو معلوم نہیں
"ضرورت پاکشیدہ" کے معنی ہیں کہ کچھ مارا گیا ہے۔

صفحہ ۲۳ میں لکھا ہے کہ "نثر یعنی" اس کے معنی ہے وقوف کے ہیں۔

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے کہ "میان خون یعنی غوطہ خوردہ" اس کے معنی یہ ہیں کہ جیسے کہ "دسرا فریق لکھا ہے کہ
میں پھنس گیا" معنی اس کا لکھا ہے کہ شاک چیز میں پھنس گیا۔

سوال از طرف دعا علیہ : یعنی الرہال کے معنی کیا ہیں؟

جواب : بہ کوئی کے

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے کہ "گوش اداۃ گوش برکتد یا بہ سوراطل کے ذمہ" سوراطل کے شیعین کی ضمیر یہ طرف
گوش ہے، معنی اس کے تحت لفظی ہیں۔

سوال دیکل دی : اگر سوراطل کے شیعین کی ضمیر یہ طرف گوش ہو تو بھی ایسے الفاظ نکتہ ہوتے ہیں یا نہیں؟

جواب : کچھ تحت الفاظ نہیں ہیں۔

صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے "کمال اکبر آبادی" اردو میں کمال سے فردش کو کہتے ہیں، مگر یہ کتاب فارسی میں ہے، اس
دائے بہ معنی سے نوش در رقص میونی و شکر فزہ" کے معنی یہ کام ہے۔

سوال دیکل دی : تحت لفظی معنی کیا ہیں؟

جواب : صاف ہیں۔

صفحہ ۶۸ میں لکھا ہے کہ "و شش بست بہ لائے شراب اندازند" اوپر (۱۶) کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس
کے معنی شراب کے نہیں ہیں، اگر پیدا کرے ہادی تو معترض کے ہاتھ باندھ کر بہ شراب ڈالیں

صفحہ ۷۵ میں "معترض ازہی عضو صدمتہ دیدہ است" معنی یہ ہیں کہ مصنف "کاظم برہان" یعنی اس جگہ معنی
عضو کے عضو کامل لکھا ہے، اور جگہ اس عضو کو دیکھا ہے مصنف اس کتاب کا یہ قول ہے کہ معترض نے اس عضو
سے کیا صدمہ دیکھا ہے۔

صفحہ ۷۷ میں جو عبارت لکھی ہے "اسی چنی حسرت را حاکم مصنف می دید بنی چہ گویم گوشش می دید" اس کے
معنی صاف ہیں اور معنی اس کے تحت لفظی ہیں دوسرے معنی یہ کہ حاکم مزا دیتا، اور معنی نہیں۔

صفحہ ۸۱ میں لکھا ہے "مہذات خواہ ہمیں ازا راست ہر کس را نکان می دید" "ازار" معنی تھک کے ہیں، امور
نجیب کے نہیں، صرف علی بحث ہے۔

صفحہ ۱۳۲ میں لکھا ہے لفظ "تالیہ" کا اس کے وہ معنی ہیں، ایک بیضہ مرغ دوسرے ضعیفہ مگر چوں کہ اس مقام پر
لفظ "بین خوردش" اس واسطے معنی اس کے اس مقام پر بیضہ مرغ کے ہیں۔

صفحہ ۱۴۳ میں لکھا ہے "ہستن خرس را یاد کردہ است در رقص یوزنہ بہ افسار خوردہ" اس کے معنی حرکت لہو

اور کام پورے کے ہیں۔

صفحہ ۱۷۴ میں جو لکھا ہے اس کے معنی تحت فطری صاف ہیں۔

سوال عدالت : جو فقرے آپ نے پڑھے ہیں آپ ان کو کیا سمجھتے ہیں؟

جواب میں فقرہوں کو لطائف سمجھتا ہوں، بحث میں ایسے بھی فقرے ہوتے ہیں، قش یا بدنامی کسی کی نہیں ہے، نہ کسی کو برا معلوم ہوگا۔ یہ اعتبار گواہ کا ہمارے احترام سماعت میں بہ رعایت اسباب تحریر ہو کہ ظہر کو بہ زبان اردو جس کو وہ سمجھتا ہے، پڑھ کر بتایا گیا، اقرار کیا صحیح ہے، وکیل دعا علیہ کے سوال کا جواب لکھا گیا۔ فقط

اعتبار گواہ دعا علیہ بہ اقرار صالح بہ اجلاس مسز اورین صاحب بلور ۳ مارچ ۱۸۶۸ء

نام میرا شہت اللہ خاں ولد نظام قنصل بدہ خاں قوم مغل ساکن جٹا محل عمر ۳۴ سال پیشہ سخت

بیان یہ ہے کہ

اس چار پانچ روز کے عرصے میں منظر نے اس کتاب کو دیکھا ہے۔ صفحہ ۳ میں لکھا ہے "حرکت نامکونی" و ذمہ ثانی و ضرباً ۶۶ حرکت نامکونی خصوص کسی حرکت کے واسطے نہیں ہے۔ "ضرباً ۶۶" کے معنی معنی ہیں اول (۱۵)۔ دوم پیدا کرنا سوم اپنا ہاتھ سر میں مارنا چارم سستے قصاص کے بھی ہیں "اور ذمہ ثانی معنی وود دل کے ہیں" اور اکثر سکھوں میں لکھا ہے "ذمہ ثانی" معنی دیکھ دودی حاصل کرنے کے ہیں۔

صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے "خرمینی اس کے معنی بے وقوف کے ہیں" اور خر کے معنی نادان کے ہیں اور لفظ مینی بہت بزرگ ہے۔ اگر ہم کو خرمینی کہا جاوے تو ہم اپنی عزت سمجھیں۔

صفحہ ۲۸ میں لکھا ہے "میان خون میض غوطہ خود" اس سے مراد بے وقوف اور گندی بات سے ہے اصل بات اس کی مصحف سے پڑ بھی جائے۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے "یہ سوراخش بکے ذمہ" سوراخش کے شمین کی طمیر۔ طرف گوش کے ہے

سوال وکیل مدعی : قاری میں کیا معنی ہیں؟

جواب : اس کا حال نہیں معلوم

صفحہ ۳۹ میں لکھا ہے "از اکبر آباد پورے بہ دلی رسیدہ" اس کے معنی یہ ہیں اور ترکیب مطلوب ہے، یعنی از یوم اکبر آباد معنی ہیں اس جگہ معنی الو کے نہیں ہیں وانکہ اوپر معرض نے لکھا ہے کہ یوم مصحف نے لکھا ہے کہ اکبر آباد یوم

صفحہ ۷۶ میں لکھا ہے "معرض ازین عضو مدحتی یہ است" اس کی ضمیر بہ طرف اکہ حاصل ہوتی ہے اور "ازین" کی ضمیر بہ طرف قریب ہے۔

صفحہ ۷۷ میں جو لکھا ہے اس کے معنی تحت لفظ ہیں کہ اگر حاکم اس کی حسرت کو دیکھ تو کان کاٹا۔ صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے کہ "بعضات خواہ" میں از راست ہر کس رانگہاں ی مدہ آ غریہ ادی نماید" معنی "ازار" کے چادر کے ہیں "غریہ ادی" کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔

صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے کہ "خالی" اس کے سینے بچہ مرگ کے ہیں اور مرزا نے بھی اسی قول میں سینے اس کے بچہ مرگ اور لکھے ہیں۔

صفحہ ۳۳ میں "مستن فرس را باز کو خاست و رقص بوزنہ یاد آورد" معنی اس کے یہ ہیں کہ بے جا باتوں کو یاد کیا جیسا کہ "مستن فرس و رقص بوزنہ" حرکت بے جا ہے۔

صفحہ ۳۴ میں لکھا ہے "گوش و بچی چراگوش و مستی خواہ بڑے" معنی اس کے اور کی عبارت سے یہ ہیں کہ حاکم مرزا دیتا۔ میرے نزدیک سخت کلامی اس میں نہیں ہے شعرا ایسی عبارت لطافت طوالت کے ساتھ خیال کرتے ہیں۔

یہ اعداد گواہ کا ہمارے اہتمام سامع میں بہ رعایت نظم میں جانب قریہ ہو کر مقرر کو یہ زبان اردو جس کو وہ لکھتا ہے چاہ کہ نہ لایا گیا اقرار کیا صحیح ہے۔

معاظیہ کے سوال کا جواب لکھا گیا۔ فقط

اعداد گواہ معاظیہ

نام میرا میرا اللہ عرف عبدالکیم ولد محمد عبداللہ قوم سید عمر ۳۹ سال ساکن کلاں محل پیشہ روزگار

بیان یہ ہے کہ

میں نے اب یہ کتاب دیکھی صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے "ناکرنی" "ضریت ہا" "زلم لانی" "محرکت ناکرنی" کے معنی لفظی ہیں خصوصیت کسی حرکت پر نہیں۔ "ضریت ہا" کے سینے منج و صدمے کے ہیں اور "زلم لانی" کے سینے منج کے ہیں اور اکثر شعرا نے بھی کیا سینے باندھے ہیں۔

صفحہ ۳۳ میں لکھا ہے "خرمیسی" اس کے سینے یہ ہیں کہ "فر" معنی بلوان اور "صینی" نام خطیر کا لفظ جس سے فر ہوا گیا۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے "سہان خون حیض غوطہ خورد" اس کے معنی یہ ہیں کہ گز گار ہو گئے مگر (۱۵) در لفظ ہیں اگر دوسری دلدہ کوئی لفظی کرے گا تو اس عبارت کو باندھ جاوے گا۔ دین ان حافظ میں کئی جگہ خون حیض درج کیا گیا ہے۔ اس وقت کوئی شعر یاد نہیں۔ یقین ہے کہ مولانا شاد عبدالعزیز نے تحفہ اشعار شری میں ان الفاظ کو لکھا ہے۔

صفحہ ۳۸ میں لکھا ہے کہ سزاوار بنا گوش برکنہ یا سٹے بہ سودا خوش دند سینے اس کے لفظی ہیں "سودا خوش کی شین کی خمیر بہ طرف گوش ہے۔

صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے کہ "کمال اکبر آبادی" یہ کتاب فارسی ہے "فارسی میں کمال بہ سینے سست کے ہیں اور اردو میں بہ سینے سے فروش۔

صفحہ ۳۹ میں لکھا ہے کہ "آرے از فراہ اکبر آبادی" یہ دلی سیدہ" سینے یہ ہیں کہ یوم اکبر آبادی سے یعنی زمین اکبر آبادی سے کوئی دلی میں نہ آیا۔

صفحہ ۴۰ میں لکھا ہے کہ "ازیں عضو صدحہ دید است" معترض کے دل میں ہے کہ "از ہمیں عضو" اس ہمیں

غالب، مرآت الاشباہ اور حکیم احسن اللہ

۱۸۶۷ء میں برٹش میوزیم لندن میں فارسی مخطوط بنام ”مرآت الاشباہ“ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کی تفصیل فرسٹ ڈاکٹر ڈاکٹر چارلیس وی نے یوں دی ہے :

”مرآت الاشباہ۔ سلاطین آسمان چاہے سلاطین تیور یہ ہندوستان کی یہ جدولیں فن کی تاریخ پیداغزل، مقام جلوس، تاریخ وفات و ولید (مجمع مختصر حالات) بہم پہنچاتی ہیں۔ اس کا مصنف فقیر الدین حسین ہے۔ اس میں امیر تیمور سے لے کر اس کے جانشین ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ (۱۰۵۳ھ میں تخت نشین ہوا) کے تیرہویں سال جلوس (مطابق ۱۱۶۶ھ) تک کا بیان ہے۔ اس کے مصنف نے اسے حکیم احسن اللہ خاں، مصور نظام علی خاں لود پور علی خان کی اعانت سے سرانجام دیا ہے۔ اس میں جگہ چھوڑ دی گئی ہے تاکہ اسے معاصر تصاویر شامعین سے مکمل کیا جائے۔“

(فرسٹ فارسی مخطوطات، صفحہ ۲۸۵)

آج تک اس مختصر فارسی مخطوطے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی۔ غالب کے ضمن میں حکیم احسن اللہ خان کی شخصیت خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ میری نظر سے ”مرآت الاشباہ“ (فارسی) مطبوعہ صورت میں نہیں گزری، خیال ہے کہ حنفیہ طبع نہیں ہوئی۔

نوٹش صنعتی سے ”مرآت الاشباہ“ کا اردو ترجمہ مطبوعہ صورت میں میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے جو ۱۸۷۸ء میں طبع ہوا تھا۔ مطبوعہ کتاب کے چھ صفحات کا ٹکس جو براہ راست غالب سے تعلق رکھتے ہیں، یہاں پیش کرتا ہوں۔ پہلے ٹکس سے یہ واضح ہے : ”کتاب لب لباب حالات فرما رویان حند مسی بہ مرآت الاشباہ مع مختصر حالات و ذرائع اودہ مولف من مستم مطبع حذا الملکس بہ شیدا در مطبع مرصنوی محمد ارتضیٰ خاں طبع نمود ۱۲۶۸ھ“۔ دوسرا ٹکس مطبوعہ کتاب کا صفحہ اول ہے جس سے واضح ہے کہ محمد ارتضیٰ خاں مستم مطبع مرصنوی دہلی نے رسالہ مرآت الاشباہ (مولف احزام الدولہ، عمدة افکار، معرۃ الملک، حازق احمد والاوان حکیم احسن اللہ خان بہادر جلیت جنگل) کو لوگوں کے اصرار پر فارسی سے اردو میں عبارت سلیس اور عام فہم میں خلاصہ کیا اور کچھ مختصر حالات دیگر کتب تاریخ سے لے کر ناظرین کی خاطر اضافہ کیے۔

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مرآت الاشباہ کے مصنف حکیم احسن اللہ خان تھے۔ نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی اردو تحفیں (مجمع اضافہ) ۱۲۶۸ھ میں معی ہوئی۔ یاد رہے کہ غالب کا انتقال ۱۲۶۸ھ میں ہوا تھا۔ تیسرے اور چوتھے ٹکس کا تعلق کتاب کے صفحات ۶۷ و ۶۸ سے ہے۔ ان میں شعرائے دہلی کا ذکر کیا گیا ہے۔

زبردہ غالب انہیں صفحات میں ہے۔ پانچویں اور چھٹے نکلے مرآت الاشہاد کے آخری صفحات ۱۳۳ و ۱۳۴ کے ہیں۔ جن سے کتاب کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ (۱۶)

عظیم احسن اللہ خان سرسید کے معاصرین میں سے تھے۔ سرسید نے عظیم احسن اللہ کا ذکر اپنی تالیف "اصناف" (صوفہ ۱۸۳۵ء) میں تذکرۂ اہل دہلی کے تحت کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عظیم صاحب کا خاندان ہوائی الاصل تھا اور کشمیر میں آکر آباد ہوا تھا۔ عظیم میں انہوں نے جہاں قیام کیا تھا وہ مقام ڈال کے کنارے "زمیندار شاہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے والد عظیم محمد عزیز اللہ خان تحصیل علم طب کی طرف متوجہ ہوئے تو دہلی میں آکر عظیم دکا اللہ خان سے فیض حاصل کیا اور اہلئے شاہجہان آباد سے سہت لے گئے۔ ان کے لڑکے عظیم احسن اللہ خان نے علم طب اپنے والد سے حاصل کیا اور قزوین عرصے ہی میں دارالکمال کو پہنچ گئے تو نواب فخر الدولہ احمد بخش خان والی فیروز پور کی ملازمت میں داخل ہوئے اس کے بعد نواب فیض محمد خان والی بمبھمر کے پاس آ گئے ان کے انتقال کے بعد حضرت معین الدین اکبر بادشاہ کی خدمت میں آ گئے۔ ان کے انتقال پر بادشاہ ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ نے طلب کر کے سعادت نبی گمیری سے مستفید فرما کر احرام الدولہ اور حاجت جنگ کے خطابات کا اضافہ کیا۔

دردار شامی سے تعلق اور قربان روا سے خصوصی روادار کی بنا پر سرسید کی زندگی کے بعض واقعات سے بھی عظیم صاحب کا گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔

حالی "نبیات جاوید" میں لکھتے ہیں کہ بہادر شاہ نے سرسید کو ان کا موروثی خطاب عنایت کیا تھا۔ ۱۸۵۲ء میں جب وہ بین پوری سے تھریل ہو کر فتح پور میں آئے تو چند روز کے لئے ہاتھرب رخصت یا تقبیل دی آئے۔ اس زمانے میں عظیم احسن اللہ خان بادشاہ کے یہاں نبیات کا کام کرتے تھے انہوں نے بادشاہ سے سرسید کی سفارش کی کہ ان کو ان کے دادا کا خطاب ملنا چاہئے "بادشاہ نے منظور کر لیا۔ اگرچہ سرسید کے دادا کا خطاب صرف جواد الدولہ تھا اور یہی خطاب لکھ کر عظیم احسن اللہ خان نے پیش کیا تھا مگر بادشاہ نے خود اس پر عارف جنگ کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کر کے جواد الدولہ سید احمد خان عارف جنگ کا خطاب سرسید کو عنایت کیا۔ اور خطاب ملنے کی تمام رسمیں حسب قاعدہ ادا کی گئیں۔ (۱۷)

اسی طرح غالب سے تعلقات پر بھی مولانا حالی نے غامی روشنی ڈالی ہے۔ حالی یادگار غالب میں لکھتے ہیں۔ "۱۳۶۱ھ میں مرحوم ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ نے مرزا کو خطاب فہم الدولہ دیر الملک نظام جنگ اور چھ پارچے کا طلعت مع تین رقوم ہوا حریٹین بیض و سرخ و حائل موارید کے "دردار عالم میں مرحمت فرمایا اور خاندان تیموریہ کی تاریخ فہم کی خدمت پر بہ مشاہدہ بھاس دہیہ ہمارے کے سامنے کیا اور یہ قرار پایا کہ احرام الدولہ عظیم احسن اللہ خان مرحوم خلف تاریکوں سے مضامین اشتہار کر کے مرزا کے حوالے کیا کریں اور مرزا ان تمام مطالب کو اپنی طرز غامی کی قاری میں بخیر بیان کریں۔ اور کتاب دو حصوں میں تقسیم کی جائے۔ پہلے حصے میں کچھ مختصر حال ابتدائے آفرینش سے صاحب قرآن تیمور گورکھانی تک اور کسی قدر متصل حالات تیمور سے نصیر الدین ہمایوں کے اخیر زمانے

تک بیان کئے جائیں اور دوسرے حصے میں جلال الدین اکبر بادشاہ سے لے کر سراج الدین بہادر شاہ کے زمانے تک کے تمام واقعات شرح و بسط کے ساتھ درج کئے جائیں۔ مرزا نے تمام کتاب کا نام ”پرتوستان“ اور اس کے پہلے حصے کا نام ”مصریحاۃ“ اور دوسرے حصے کا نام ”ملاہیم ملہ“ تجویز کیا تھا۔ (۱۲)

اگرے کے ہفت روزہ اخبار ”اسعد الاخبار“ بہت ۲۵ جولائی ۱۸۵۸ء میں ذیل کی خبر بھی چھپیں تھی (۱۳)

”ان دونوں شاہ دین پناہ نے جناب محل القاب مرزا اسد اللہ خان غالب کو جو فرما عظمت اپنے حضور طلب کر کے ایک کتاب تالیف کی لکھنے پر جو تیمور کے زمانے سے سلطنت حال تک ہو“ مامور کیا اور اس کے کاتبوں کے خرچ کو بالکل یکساں روپے مشاعرہ مقرر کر کے آئندہ انوار پرورش کا موقع کیا اور تمام الدولہ صدر الملک اسد اللہ خان بہادر تمام جنگ خطاب دے کر چھ پارہے کا پیش بجا شہت اور تین رقم ہر امر عطا فرمائے۔ یقین ہے کہ تالیف مذکور ایسی دلچسپ ہو گی کہ ہر ایک اس کے لطف عبارت سے فیض یاب ہو گا۔“

ملک رام ”ذکر غالب“ میں لکھتے ہیں کہ مولانا فخر الدین رحمت اللہ علیہ کے پوتے مولانا نصیر الدین میاں کالے بہادر شاہ کے بچے تھے اور غالب کے بھی دلی دوست اور پرانے مہمان، ان کے علاوہ احرام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں دارالہیام بھی ان کے قدرداں تھے۔ ان صاحبوں نے سفارش کی اور بہادر شاہ نے منظور کر لیا کہ مرزا خانہ ان تیموری کی تاریخ قدری زبان میں لکھیں۔ مولانا محمد حسین آزاد اس کے بارے میں یوں گوہر لفظی کرتے ہیں۔ ”حکیم احسن خان طیب شکی تھے اور بڑے مقرب تھے“ انہیں کے پاس بادشاہ کی فرمائیں جمع ہو اکتی تھیں، یہی دین ظفر زحیم دیتے اور مرتب کر کے چھپاتے تھے۔ مطبع سلطانی انہیں کے احکام میں تھا۔ خن کے جو امر شاس تھے۔ اسلاف ذوق کا کام بھی شوق سے نکھوا لیتے تھے۔ کام کی محبت سے اسلو کی محبت رکھتے تھے، مگر خلیفہ صاحب (یعنی محمد اسماعیل صاحب خلف اسلاف ذوق) کے سبب سے ٹھکرتے تھے، خیال تھا کہ حضور پھر انہیں خدمت نہ سپرد کریں۔ ان کے سامنے حکیم صاحب کے اعتبار ضعیف ہو جاتے تھے۔ اسی لئے مرزا نوشہ غالب مرحوم کو حضور میں پہنچایا تھا۔ حالانکہ اسلو نے ترقی و منزل طیبہ کے کسی معاملے میں کبھی دخل نہیں دیا۔“ (۱۵)

غالب سے حکیم احسن اللہ خاں کے تعلقات کا پتا اس بات سے بھی ملتا ہے کہ ہفتہ وار ”اسعد الاخبار“ مورخہ ۲ مارچ ۱۸۵۸ء میں مرزا غالب کی بیچ آہنگ کا اشتہار ایک طویل نظم کی صورت میں شائع ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب حکیم احسن اللہ خاں کے توسل سے قلم و دھن کے مطبع سلطانی میں چھپیں تھی (۱۶)۔ ان دونوں کے روابط قریہ کا حال اس واقعے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں نے مرزا سے جب وہ ٹھگتے میں مقیم تھے خواہش کی تھی کہ اگر آپ نے اپنی کچھ عزیں جمع کی ہوں تو بھیج دیجئے۔ اس کے جواب میں مرزا نے لکھا:

”درد مند نوازا! خیم درود حلقیں رقم نامہ غیمہ ایں راز را پردہ کشائے و خیم ایں نوبہ را خالیہ سبائے آہ کہ دردگار یہ کی رنگ مدلول زبان فراق نقش نے اعتباری حائے من از سطوہ خاطر احباب نہ ستودہ و زکات مرصعیداد جدائی خاکسار بلے مرا از یاد من میں نمودہ است۔“ (۱۷)

غالب کو درباری معاملات میں ایک اور موقع پر بھی حکیم صاحب سے سلطنت پڑا۔ یہ دین اہل کی اشاعت کا

واقعہ ہے۔ مٹی نے "یادگار غالب" میں اس کی تحصیل دی ہے۔

"ایک دفعہ ہلاور شہر بہت سخت بیمار ہوئے۔ اس زمانے میں مرزا حیدر شکوہ جو اکبر بادشاہ کے بھتیجے اور مرزا سلیمان شکوہ کے بیٹے تھے، وہ بھی کھنڈ سے آئے ہوئے تھے اور بادشاہ کے پاس صاف تھے۔ ان کا مذہب اثنا عشری تھا۔۔۔ مرزا حیدر شکوہ کی صلاح سے خاک شفا دی گئی اور اس کے بعد بادشاہ کو صحت ہو گئی۔ مرزا حیدر شکوہ نے نذر بلی تھی کہ بادشاہ کو صحت ہو جائے گی تو حضرت عباس کی درگاہ میں جو کہ کھنڈ میں ہے علم چڑھان کا پٹانچہ۔۔۔ بادشاہ نے کچھ روپیہ مرزا حیدر شکوہ کو بھجوا دیا اور انہوں نے بڑی دھوم دھام سے علم چڑھایا۔۔۔ اس واقعے کے بعد یہ بات عموماً مشہور ہو گئی کہ بادشاہ شیعہ ہو گئے۔ اس شہرت کا بادشاہ کو بہت رنج ہوا اور حکیم احسن اللہ خاں مرہوم نے اس کے تدارک کے لئے کچھ رسالے شائع کرائے اور بہت سے اشتادات کوچوں اور بازاروں میں چسپاں کرائے گئے۔ مرزا صاحب (غالب) نے بھی ایک مثنوی قاری زبان میں لکھی جس کا نام غالباً دغ الما ظل (8) رکھا گیا تھا اور جس میں بادشاہ کو تشیع کے انہام سے پرہیز کیا گیا تھا۔ اس مثنوی میں مرزا نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی تھی بلکہ جو مضامین حکیم احسن اللہ خاں نے بتائے تھے ان کو قاری میں نظم کر دیا تھا۔

"بہب یہ مثنوی کھنڈ پہنچی تو مجتہد العصر نے مرزا سے دریافت کیا کہ آپ نے خود مذہب شیعہ اور مرزا حیدر شکوہ کی نسبت اس مثنوی میں ایسا اور ایسا لکھا ہے۔ مرزا نے کچھ سمجھا کہ میں ملازم شاہی ہوں، جو کچھ بادشاہ کا علم ہوتا ہے اس کی قبیل کرتا ہوں، اس مثنوی کا مضمون بادشاہ اور حکیم احسن اللہ خاں کی طرف سے اور اتفاق میری طرف سے تصور فرمائے جائیں۔" (9)

حسن اتفاق سے مثنوی دغ الما ظل کا ملبور نسخہ راقم کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ یہ مثنوی دھجھ میں فخر المظاہر میں با مقام حافظ عبداللہ طبع ہوئی تھی۔ یہ ملبور کتاب کل ۸۶ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر ۱۴ اشعار ہیں، یعنی اس مثنوی میں تقریباً دو ہزار اشعار ہیں۔

حکیم احسن اللہ خاں کی زندگی کے واقعات میں ۱۸۵۵ء کی جنگ آزادی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ۱۸۵۵ء میں اصل ہند کی طرف سے انگریزی حکومت سے بیزاری کا مظاہرہ ہوا، ۲۰ مئی ۱۸۵۵ء کو میرٹھ کی چھاؤنی سے ابتدا ہوئی اور میرٹھ ہی ہندوستان میں انگریزوں کی سب سے بڑی چھاؤنی تھی۔ اس کے دوسرے روز دہلی میں مسلمانوں نے حکامہ شروع کیا اور قریب قریب پورے ملک میں آگ بھڑک اٹھی۔ ان واقعات کے فائدہ راجوں میں ایک ڈیپوٹیف کا روز نامہ (10) ہے اور دوسرا حکیم احسن اللہ خاں کا۔

حکیم احسن اللہ خاں نے جنگ آزادی سے حلقہ یادداشتوں کو محفوظ کیا تھا، ان کا انگریزی ترجمہ ایذا جنس لاہوری لندن میں سرپال کئی Jhon Kaye کے کاغذات میں ہے۔ حکیم صاحب نے خود حترج کی خواہش پر ان یادداشتوں کو قلم بند کیا تھا۔ یہ روزنامہ پاکستان مشاورت کل سوسائٹی کی طرف سے جنوری ۱۹۵۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔

۸ رمضان المبارک (۳ مئی ۱۸۵۷ء) صبح کے وقت بادشاہ کو اصلاح علی کا خیال پیدا ہوا۔ عموماً انھیں حکیم احسن اللہ خان کے ساتھ نیاز مندانہ طور پر بارگاہِ سلطانی میں حاضر ہوتے اور عموماً انھیں کی سفارش پر اس معصومہ اور بیرونیت کی حفاظت پر زمین کئے گئے اور کچھ فرج شری تھپانی کے لئے ان کو دی گئی۔ دن ڈھلے پروانہ عطا کرنے کا حکم ہوا کہ راست کرداری اور نیک نیتی سے ان شرمیدہ سروں کو جو بھڑوں کے چھتے کی مانند ہیں، ایسا نکلیں کہ وہ ختم ہو جائیں اور پریشان مخلوق آرام پائے۔ رضائے الہی اور حفاظت مخلوق کو دائمی طور پر فرض میں اور میں فرض مائیں اور ہماری خیر امنی میں مشغول ہوں۔

۲۲ رمضان (۲۰ مئی ۱۸۵۷ء) : عموماً انھیں احسن اللہ خان کچھ عرض کرنے بارگاہ میں کھڑے ہوتے اور کہا کہ یہ تمام گروہ ہذا طوار لوگوں کا خواہ مند ہوں یا مسلمان، وقت تا وقت حدود اور مسلمان شامی ملازمین اور اہل دولت کے ساتھ طرح طرح کے خیلے اور ہمارے کر کے ہر جگہ اور ہر مقام پر جہاں چاہتا ہے، بھڑا کرنے لگا ہے۔ اس وجہ سے آج کل بے روئی کی گرم بازاری ہے۔ عموماً انھیں حکیم اور غلیظ، نیک اور خلی توی تھے، اسی سبب سے ان کے ہمارے ظہیر الدین احمد ان کے جتنی تھے۔ ہم ان کا ذکر کیوں نہ کریں کہ وہ پسندیدہ روش اور نیک سیرت آدمی ہیں اور بھ مسجدوں کے بزرگ ترین اہلب میں سے ہیں۔ یقیناً وہ ایک بڑے ادیب اور شفیق اور عظیم المرتبت صفت ہیں۔

۱۷ شوال (۱۵ جون) : عموماً انھیں انھیں ہو طبیوں کے امیر تھے، اپنے مقام پر کھڑے ہو کر گزارش کی کہ بازار لوگ بازار میں گشت لگاتے ہوئے دکانوں کو توڑتے ہوئے، تھگی گواہیں لے کر سماعت مندانہ طریقہ سے پھر رہے ہیں، جس کے باعث ہاتھ کان شرم کو بڑی پریشانی ہے۔ بادشاہ نے بہت بلند خان کو تادیب کی کہ اس روش کو بند کرانے کے لئے کمر بست ہو اور فرمایا اس عالم فانی میں نیست و نابود ہو جانا اس سے بتر ہے کہ مخلوق کے ساتھ بدی کرے۔

۸ شوال (۳ جون) : چونکہ ہذات فانیوں نے انگریز مردوں کے مقابلے میں اپنی مکاری اور رد واد بازی سے نامردی کا ثبوت دیا، اس لئے سب نے کچھ لیا کہ ان بدست لوگوں سے لڑائی میں کوئی برا کام انجام نہیں پائے گا اور یہی بات بادشاہ کے دل میں بھی جم گئی۔ بس بادشاہ نے حسرت کے ساتھ آج شام کو ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اور نواب زبخت محل اور شہزادے سے دریافت فرمایا، پھر عموماً انھیں احسن اللہ اور نواب سیف الدولہ میر مہاس وکیل شامی سے بھی رائے دریافت کی گئی، جب ان کی رائے سے اطمینان خاطر نہیں ہوا تو چند خاص امیر زادوں کو بھی بلانے کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ سب امرا کو بلا کر انھیں آرام دہ کی۔

۲۱ شوال (۱۵ جون) : بادشاہ نے فرخ باد نواب مصحاح الدولہ بلادر امیر علی خان کو جنہیں ایک جلی ہما نعت سے حال ی میں سرفراز فرمایا کیا تھا، اب وزارت عطا فرما کر ان کے اعزاز میں اضافہ کیا گیا اس بات پر عموماً انھیں حکیم احسن اللہ خان کو حمد پیدا ہوا اور وہ ایک دن گرم سم بیٹھے رہے، چند سماعت مکرر نے ہر انہوں نے ملاصدہ بادشاہ کے پاس جا کر ان کی طبیعت کی، جب صحتگو میں مبالغہ کیا تو بادشاہ نے فرمایا کہ خاموش رہو طبیعت دنا سے بھی زیادہ شدید مگر ہے۔

۳۶ ذی الحجہ (۱۸ اگست) : ناگہ بارود خانے میں ایک چتر آکر گرا اور اس سے آگ لگ گئی اور اس حادثے سے پانسو بیس بارود تلے والوں کو ایسا جلا ڈالا کہ ان کی مدھج دنیا سے پرواز کر گئی، بدکردار فکریوں نے یہ حرکت عمدۃً انگھا احسن اللہ خاں کی طرف منسوب کی اور انھیں ملامت کی اور ان کے گھر اور اسباب کو لوٹ لیا۔ بادشاہ کی حمایت سے ان کی جان بچی۔ بادشاہ نے فرمایا کہ عمدۃً انگھا ہمارے دشمن کا دشمن ہے۔ (12)

مولانا غلام رسول مرے "غالب" میں غالب اسی واقعے کو یوں لکھا ہے :

"حکیم احسن اللہ خاں کے ایک لے پاک نے تاجاڑ طریقوں سے دھبہ جمع کر لیا تھا، حکیم صاحب اس دائرے سے آگے تھے، لے پاک نے اس بدطبعی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے افواہ اڑا دی کہ احسن اللہ خاں انگریزوں کا بھی خواہ ہے اور ان کے لئے جاسوسی کی خدمت انجام دے رہا ہے، باقی گڑبگئے اور حکیم صاحب کے قتل کی نیت سے ان کے مکان پر چڑھ دوڑے۔ حسن اتفاق سے حکیم صاحب اس وقت قلعے میں بادشاہ کے پاس موجود تھے۔ باقی تعاقب میں قلعے پہنچے اور جاتے ہی حکیم صاب کو گھیر لیا، غلام نواز بادشاہ نے اپنے آپ کو حکیم صاحب پر ڈال دیا۔ اس طرح جان بچ گئی، لیکن ہانسیوں نے حکیم صاحب کا سامان لوٹ لیا اور مکان کو آگ لگا دی، سارا مکان جل کر راکھ بن گیا، دلاوری دھوری سے سیاہ ہو گئیں، گنگا مکان کے نام میں انہوں نے سیاہ لباس پہن لیا۔"

حکیم احسن اللہ خاں کے اس دور کے حالات غالب کی تحریروں میں بھی ملتے ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں کو نظربند بھی کیا گیا تھا۔ غلام نجف خاں کے نام حکیم احسن اللہ خاں کے متعلق یکم اپریل ۱۸۵۸ء مطابق بمبئی ۳ شعبان ۱۲۷۵ھ سے ۱۲ محرم کو غالب ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"میں تم کو مبارک ہو، حکیم بی (احسن اللہ خاں) پر سے وہ سپاہی جو ان کے اوپر متعین تھا اٹھ گیا اور ان کو علم ہو گیا ہے کہ اپنی وضع پر دھمکے شرمیں دھمکے باہر جانے کا اگر قصد کہ تو چچہ کر جہاں لوہ ہر ہفتے میں ایک بار پکھری میں حاضر ہوا کرو، چنانچہ وہ کچے بارگ کے پچھراڑے مرزا جاکسن کے مکان میں آ رہے۔ بی ان کے دیکھنے کو چاہتا ہے، اگرچہ از راہ اعتیاد با نہیں سکتا۔" (13)

اسی ماہ اپریل کے بعد کے خط میں غالب غلام نجف خاں کو پھر لکھتے ہیں :

"جناب حکیم صاحب ایک روز از راہ عیادت یہاں آئے تھے، کیا کہوں کہ ان کے دیکھنے سے دل کیا خوش ہوا ہے، خدا ان کو زندہ رکھے، خصوصاً اس قدر و آشوب میں تو میرا جانے والا کوئی نہ بچا ہو گا۔" (14)

پھر ۳ فروری ۱۸۶۰ء کے خط میں لکھتے ہیں : "جناب حکیم صاحب کو سلام و نفاذ۔" (15)

ظہیر احمد نقوی ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ کے دیباچے میں حکیم احسن اللہ خاں کے بارے میں لکھتے ہیں :

"جہاں تک امرا کا تعلق ہے ان میں بیشتر ایسے تھے جو ذاتی مفاد اور مختلف کی خاطر بڑے سے بڑے مفاد کو قربان کر سکتے تھے۔ حکیم احسن اللہ خاں، نواب احمد علی خاں وغیرہ جو دربار کے حکام تھے ان میں سے تھے، عوام کی نظر میں اسی بنا پر مستور رہے تھے۔"

"اپنے دوستوں میں عبداللطیف نے صرف حکیم احسن اللہ خاں کے بھانجے عمیر الدین احمد خاں کا ذکر کیا ہے۔"

نیکم صاحب کا ذکر اصرافاً کیا گیا ہے جس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید عبداللطیف بھی نیکم احسن اللہ خاں کا ہم خیال ہو اور بنگالے کے دوران میں اس کا طرز عمل بھی وہی رہا ہو جو نیکم صاحب کا تھا۔ لیکن دوسرا بنگالے سے اس شبہ کی تائید نہیں ہوتی۔ (16)

جنگ ۱۸۵۷ء کے خاتمے پر انگریزوں نے ابو ظہر بلور شاہ پر مقدمہ چلایا، اس مقدمے کی دواو طبع ہو چکی ہے، مقدمے میں نیکم احسن اللہ خاں نے انگریزوں کی حمایت میں بہت اہم کردار ادا کیا، بلور گواہ بھی پیش ہوئے، مقدمے کی دواو کے علاوہ اس واقعے کی کچھ جھلک "واقعات دارالحکومت دہلی" میں بھی ملتی ہے :

"۲۰ جنوری ۱۸۵۸ء کو بلور شاہ فرنٹی کمیشن کے دعوہ لائے گئے جن میں تین سردار جگہ معظمہ کی طرف سے اور دو کمپنی بلور کی جانب سے، بادشاہ پر چار الزام تھے یا یوں کہو کہ چاروں طرف سے گھیرے گئے تھے۔ جن میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ ۱۱ مئی کو جو قلعے میں انچاس انگریز مارے گئے ان کے ہائی مہائی بھی تھے۔ ایک دن نہ دواو "پورے اکتیس دن مظاہر تاجدار کمیشن کے سامنے ایک بھرم کی حیثیت سے کشاکش بھرتا رہا۔ ہوا بگڑتی شرط ہے، گواہوں کی کیا کی تھی، خود نیکم احسن اللہ خاں وزیر بادشاہ کے دعوہ کڑے تھے۔ یوں کہنے کے ذہن آسمان اور اپنے دست و پا تک دشمن تھے۔ مسلمانی شہادت کے علاوہ دستاویزی شہادت کا ایک طراد تھا۔ بادشاہ کو جلا وطن کر کے رنگون بھیج دیا۔ پانچ سال کے بعد وہیں آخر ۷۹ء - ۱۸۷۳ء میں دایہ اہل کر بیک کیا۔" (17)

تصد کو، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں نیکم احسن اللہ کا کردار کچھ خوشگوار اثر نہیں چھوڑا۔ اعلیٰ دہلی انیس عام طور پر پابند کرنے گئے تھے۔ نیکم احسن اللہ نے غایت اسی میں جھگی 'سے پور جا کر ملازم ہو گئے' صرف کبھی کبھار دہلی آتے تھے۔ غالب کی زندگی کے آخری ایام میں ان کے اور غالب کے دو اہل دست ہونے گئے تھے۔ وہ غالب کے آخری زمانے کی تصویریں پیش کرتے ہیں :

"من شریف آپ کا منہ اور منہ کے درمیان ہے، چراغ سحری ہیں، خدا محبت ہے، سماعت میں بالکل فرق آ گیا ہے۔ جس کسی کو کچھ عرض کرنا ہو بذریعہ تحریر جواب نہائی حاصل کرتا ہے۔"

مرزا غالب کو مرض کی شدت کے باعث موت سے چند روز پہلے متواتر فتنے کے دوسے پڑتے تھے اور دیوان خانے ی میں رہتے تھے۔ کہا جاتا بالکل ترک ہو چکا تھا۔ ۳ فروری ۱۸۷۸ء کو غالب نیاک بے ہوش ہو گئے۔ فوراً نیکم محمود خاں اور نیکم احسن اللہ خاں کو اطلاع دی گئی، انہوں نے تحقیق کی کہ دماغ پر قلعہ گرا ہے۔ قلم کو شیش اور طابع کئے گئے مگر بے سود، انہیں ہوش نہیں آیا نہ اس کے بعد انہوں نے کوئی بات کی۔ اسی حالت میں اگلے روز ۵ فروری سنہ ۱۲۹۸ھ (مطابق ۲ اکتوبر ۱۸۷۵ء) بروز شنبہ دوسرے دن بوقت عصر اس پاکدل کا انتقال ہو گیا۔ (18)

مولانا حالی لکھتے ہیں کہ جتان سر پہرہ تھا، وہی دواو کے باہر نماز جنازہ چم گئی۔ "راقم بھی موجود تھا اور شر کے اکثر شاہد اور ممتاز لوگ جیسے نواب ضیا الدین احمد خاں، نواب محمد مصطفیٰ خان، نیکم احسن اللہ خاں وغیرہم اور بہت سے اہل سنت اور اہل حق فرقوں کے لوگ جنازے کی مشابہت میں شریک تھے۔" (19)

نیکم احسن اللہ خاں اس کے چند برس بعد تک زندہ رہے۔ ۱۸۷۷ء مطابق جنوری ۱۸۷۷ء میں دواو میں عالم غربت

میں وقت پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ نواب ضیا الدین احمد خان نیر نے الفاظ "حکیم فریب" سے تاریخ وفات نکالی: "مہر سال فاضل حکیم فریب"۔ (20)

احسن اللہ خان محفل غیب نہ تھے، انہیں فقیرات سے خصوصی لگاؤ تھا۔ ان کی تعمیر کردہ عمارتوں کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ سن ۷۷ھ میں حکیم صاحب نے پرانی حویلی بدل دیا کہ کو خرید لیا تھا۔ بدل دیکر خان جن کے نام سے حویلی مشہور تھی، ان کا اصل نام ترکی بیگ تھا۔ اوائلی زمانہ شاہ عالم جلی (۱۷۷۷ء) میں سرحد سے آئے تھے اور امیرالامرا مرزا نجف خان کے تحت دربار مقرر ہوئے تھے۔ حویلی بدل خان دراصل نواب قمر الدین خان کی حویلی ہوئی تھی۔ اس حویلی کا کیا ٹھکانا تھا۔ اجیری دروازے تک اس کا سلسلہ چلا گیا تھا اور اسے متعدد قطعات تھے کہ نواب صاحب کا سارا خاندان اور دیگر متعلقین سب اسی میں رہتے تھے۔ نواب قمر الدین خان کے بعد یہ حویلی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، جس میں سے صرف ایک قطعہ نواب بدل خان کو ملا تھا اور جب حکیم احسن اللہ خان نے خریدا تو اس وقت بھی یہ اسی بدل بیگ خان کے نام سے مشہور تھی۔

حکیم صاحب کے زمانے میں اس کے مالک محمد سلام اللہ خان خلف خان بہادر مولوی اکرام اللہ خان صاحب تھے۔ حویلی کے اندر بہت وسیع مچھن اور دو کشتا پل تھا۔ اس کا دروازہ حکیم احسن اللہ خان نے سن ۷۷ھ میں خود بنوایا تھا۔ جس پر مندرجہ ذیل موقوف نامہ لکھی کتبہ نصب تھا جو غالب کا نتیجہ فکر ہے:

تمنا ہا احسن اللہ خان سر وہ بد انسان در دکشا
کہ غالب ہے سال تاریخ او رقم دو۔۔۔ در دکشا جزا

۷۷ھ

حکیم صاحب نے اس حویلی کے لحاظ سے ایک حمام بھی بنادیا تھا۔ حمام کے اندر دیوار پر سنگ مرمر کی حقیقی پر مندرجہ ذیل کتبہ تھا:

مواہم

مرتب محفل اس حمام دلخواہ فقیر فقیر احسن اللہ
محمد امیر رنوی

سنگ مرمر کی حقیقی پر ہمار کی دیوار پر دوسرا کتبہ بھی تھا:

بد عمل احسن اللہ خان بنا کرد یکے گمراہ با فدی نہیں
ہے سائش کہ یارب جاہلوں باز بغرق بانی خود سایہ انگن
نہشتم روئے قطعہ آگاہ گفتیم شدہ فقیر این حمام احسن

۱۲۶۸ - ۳۰ = ۱۲۹۸

اس کے علاوہ مرادی میں (محفل درگاہ قطب الدین بختیار کاں) حکیم احسن اللہ خان نے ہارشاہ کو تلاش کرنے کی خاطر ایک مسجد اور حویلی بنوائی تھی۔ مسجد اور مکان دونوں پر قطعات تاریخی پاکستان کے غمور میں آنے سے پہنچر موجود

تھے۔

تاریخِ مسجد

مسجدے سائنٹ چوں بحسنِ عمل احسن اللہ خان پاک سرشت
اے ظفر ہر سال تاریخی خاند ام "خاندِ خدا" بنوشت
۱۳۶۹ھ

تاریخِ مکان

اور سال ہائے نو بدرنگہ عزمِ خرم نمود آگاہ
بوداشت لب از دیارِ رحلی تعمیرِ فقیر احسن اللہ
۱۳۶۳ھ = ۱۳۲ - ۱۳۹۵ھ

مولانا بشیر الدین احمد دہلوی مولف "واقعات دار الحکومتِ رحلی" نے اپنی کتاب میں مسجد و مکان احسن اللہ خان کی تصویریں بھی دی ہیں (22)۔ حکیم احسن اللہ خان شاعروں کے قدردان ہی نہیں خود بھی شاعر تھے، جن شعرا میں سراخ نے ان کا کلام احسنِ حلق کے تحت درج کیا ہے (22)۔ ان کی طبعی صحبتوں کے ذکر سے تاریخ کے صفحات خالی نہیں۔ لال قلعے کے مشاعرے بہت مشہور تھے۔ تمام شعرا ببارہ شاہ ظفر کے حضور میں جمع رہتے اور طبعی مہبتیں گرم رہتیں، حکیم احسن اللہ بھی اسی بزم کے سائنٹ و بدانت تھے۔ ایک دن معمولی دربار تھا، اتفاقاً موجود تھے، ایک شہزادہ آیا اور بادشاہ سے آہستہ آہستہ کہہ کر چلا گیا۔ حکیم احسن اللہ خان نے عرض کیا یہ آگیا تھا اور چلا گیا تھا۔ بادشاہ کی زبان سے نکلا:

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

نعلی لے اس وقت کہا:

لائی حیاتِ نئی نفا لے جلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے (23)

- (1) عرات اللہ کی خاصیت : بہت قصہ ہے سر میں عترت کی شام کا ہے۔ نظر کا جلیں تکرار علی شعرا میں ص ۴۴۸ پر ملتا ہے۔ دوسرا قصہ بہت عجیب علی کا ہے۔ آخری تین قصات جو عرات علی داران کے ہیں تو مرزا غالب کے لکھے گئے ہیں کا ذکر بھی تکرار علی شعرا میں ص ۴۴۹ پر ملتا ہے۔
- (2) عرات اللہ : منسلقہ دہلی دارالکتاب ۱۹۶۸ء ملاحظہ ص ۱۵۵ میں علی علی ص ۴۵
- (3) زادگار غالب : جلیں "علی" علی دہلی دارالکتاب ۱۹۶۸ء میں ص ۴۳-۴۴
- (4) بدوستانی اقبال لکھی : جو تھیں صدیقی : علی گڑھ ۱۹۵۵ء صفحات ۲-۸
- (5) دارالکتاب : مرتبہ آزاد میں ص ۳۷
- (6) بدوستانی اقبال لکھی : ص ۲۸۸
- (7) زادگار غالب : ص ۴۵
- (8) زادگار غالب : یہی واقعات کسی قدر ظاہر ہیں : کچھ واقعات کے لئے دیکھئے : مستشرقین غالب : مرتبہ مسعود حسن دہلوی (۱۹۸۱ء)
- (9) علی احمد نقوی : عہدہ کا تاریخی مدناظر : از محمد الفیہ دہلی ۱۹۵۵ء
- (10) Memoirs of Hakim Ahsanullah Khan, edited by S. Munir Hussain, Karachi, 1958
- (11) عہدہ کا تاریخی مدناظر : محمد الفیہ : مرتبہ علی احمد نقوی : ص ۳۳-۳۴-۳۵-۳۶-۳۷
- (12) نظریہ غالب : ص ۷۷-۷۸
- (13) مدناظر : ص ۴۳-۴۴
- (14) واقعات دارالحکومت دہلی : جلد سوم میں ص ۱۵۵
- (15) ذکر غالب : بانک رام : ص ۲۱۱
- (16) زادگار غالب : جلیں : ص ۱۵۵
- (17) عہدہ کا تاریخی مدناظر : مرتبہ علی احمد نقوی : دہلی ۱۹۵۵ء میں ص ۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲-۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷-۱۵۹۸-۱۵۹۹-۱۶۰۰-۱۶۰۱-۱۶۰۲-۱۶۰۳-۱۶۰۴-۱۶۰۵-۱۶۰۶-۱۶۰۷-۱۶۰۸-۱۶۰۹-۱۶۱۰-۱۶۱۱-۱۶۱۲-۱۶۱۳-۱۶۱۴-۱۶۱۵-۱۶۱۶-۱۶۱۷-۱۶۱۸-۱۶۱۹-۱۶۲۰-۱۶۲۱-۱۶۲۲-۱۶۲۳-۱۶۲۴-۱۶۲۵-۱۶۲۶-۱۶۲۷-۱۶۲۸-۱۶۲۹-۱۶۳۰-

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

غالب اور غالب تخلص کے اردو شعراء

اردو شعروادب کی تاریخ انصاف کو دیکھی جائے تو ایک ہی نام اور ایک ہی تخلص کے کسی کسی شاعر نظر آئیں گے۔ ان میں سے بعض نام ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی طور پر قابل توجہ ہے اور ادب کا شاید ہی کوئی قاری ہو جو ان کے نام سے واقف نہ ہو، مثلاً آزاد ہی کے تخلص کو لے لیجئے: فقیر اللہ آزاد، محمد حسین آزاد، مولانا ابوالکلام آزاد، آزاد بھائی اور بیگم ناتھ آزاد میں سے ہر ایک اپنی ایک حیثیت رکھتا ہے۔ یہی حال جعفر علی خاں حسرت اور حسرت موہانی یا شاہ اللہ خاں فراق اور دگھڑی سائے فراق گودکھ پوری کا ہے۔ بنگلہ مراد آبادی اور بنگلہ بریلوی، ہوش ملیح آبادی اور ہوش ملیحائی کے نام بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ اختر تخلص اکثر شعراء کو راس کیا ہے۔ قاضی محمد صادق خاں اختر مصطفیٰ شکوہی "سرلیا سوز" اور واجد شاہ اختر سے لے کر علی اختر حیدر آبادی، ہری چند اختر، اختر انصاری، اختر ادریشی، اختر حسین رائے پوری، اختر شیرانی، جان نثار اختر، سید اختر اور اختر الامان تک متعدد ایسے ادیب و شاعر ہیں جو تخلص یا نام کے اشتراک کے باوصف اپنی انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے ناموں کے بعض ایسے گروہ بھی نظر آتے ہیں جن میں سے صرف ایک ہی نام نے برآمد کے وقت کی طرح دوسرے ہم نام شعراء کو اپنے سایہ میں لے لیا۔ ہمارے ادب میں اس کی ایک واضح مثال مرزا نوشہ احمد اللہ خاں غالب کی ہے۔ ان کا نام افق شامی پر آفتاب بن کر اس طرح چمکا کہ اس تخلص یا نام کے دوسرے ستارے بیکرمانہ چمکنے اور اب خواص کے سوا ادب کے عام قاری شاید یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ ہماری شاعری میں غالب تخلص کے اور بھی کسی قابل توجہ شاعر گزروے ہیں۔ اس لئے اگر آج کی صحبت میں مرزا غالب کے ساتھ غالب تخلص کے دوسرے اردو شاعروں کا ذکر کر دیا جائے تو مناسب نہ ہو گا۔

مرزا احمد اللہ خاں غالب اس زمانے کے عام رواج کے مطابق احمد اور غالب دونوں تخلص کرتے تھے۔ احمد اردو کے لئے تھا اور غالب فارسی کے لئے۔ بالکل اسی طرح جیسے نواب مصطفیٰ خاں اردو میں شیفٹ اور فارسی میں حسرتی، یا نواب ضیاء الدین احمد خاں اردو میں دشتی اور فارسی میں نیر تخلص کرتے تھے۔ مولانا حالی نے احمد تخلص کے سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ اس طور پر لکھا ہے:

"ایک صاحب نے جو غالباً عمارت یا کھنڈ سے ملی آئے تھے، مرزا کے ایک شعری ان کے سامنے بہت تعریف کی۔ مرزا نے کہا ارشاد تو ہو وہ کون سا شعر ہے؟ انہوں نے میرا انی تخلص یہ احمد شاکر مرزا رفیع کا یہ شعر چننا:

اسد اس جہا پر جوں سے وفا کی
مرے شیر شایاں رحمت خدا کی

شعر میں چونکہ اسد تخلص واقع ہوا تھا انہوں نے سمجھا کہ مرزا غالب کا شعر ہے۔ مرزا یہ سن کر بہت برا ہوئے اور فرمایا کہ اگر کسی اور، اسد کا شعر ہے تو اس کو رحمت خدا کی اور اگر مجھ اسد کا شعر ہے تو لعنت خدا کی۔ (۱)

لیکن ہے یہ واقعہ سبب بنا ہوا اور کوئی وجہ رہی ہو لیکن غالب نے بہت جلد اسد تخلص کو ترک کر دیا اور اردو فارسی دونوں میں صرف غالب کا استعمال کرنے لگے۔ چنانچہ ایک شاعر میں خود لکھتے ہیں:

”میں نے تو کوئی دو چار برس ابتداء میں اسد تخلص رکھا تھا ورنہ غالب ہی لکھتا رہا ہوں۔“ (۲)

بتزل مرثی صاحب یہاں دو چار برس سے مراد ان کی شاعری کا دور اول ہے جب کہ وہ مشکل گوئی کو معیار خلق بنائے ہوئے تھے۔ بعد ازاں انہوں نے اردو فارسی دونوں میں غالب کا استعمال کیا ہے (۳)۔ لیکن غالب تخلص اختیار کر کے بھی وہ بزم شعر میں اس تخلص کے ساتھ تھا نہیں رہ سکے۔ اس لئے کہ غالب تخلص کے اور کئی شاعر اردو شاعری کی تاریخ میں ان کے دوش بدوش موجود رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جس شہرت اور جس مرتبے کو مرزا غالب پہنچے وہ کسی دوسرے غالب کو میسر نہ آیا۔ مگر بھی ان میں سے بعض ایسے قادر الکلام اور صاحب کمال شاعر ہیں جو اساتذہ قدیم کی صف میں آتے ہیں اور تاریخ ادب کی ہم شدہ کریوں کو ملانے کے لئے جن کے حالات و کلام کا مطالعہ بہر حال ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ غالب کے بعض محققین اور ان کے کلام کے بعض مرتبین نے کچھ ایسی غلطیوں اور اشتباہات بھی مرزا نوٹ غالب سے منسوب کر دی ہیں جو کہ حقیقتاً مرزا نوٹ کے نہیں بلکہ کسی دوسرے غالب کے ہیں۔ یہ دو کام محققین کو صرف اس لئے ہوا کہ انہوں نے غالب تخلص کے دوسرے شعراء کے حالات و کلام پر تحقیق نظر ڈالنے کی رحمت گوارہ نہیں کی۔ چنانچہ زیر نظر مضمون میں آپ کو اس قسم کی فرد گزاشت کی نشان دہی بھی ملے گی۔ اس سے پہلے ڈاکٹر عبدالب شادانی صاحب نے البتہ اس طرف توجہ کی تھی لیکن جیسا کہ ان کے مضمون کی تفصیلات سے ظاہر ہے کہ چونکہ ان کا اصل مقصد غالب تخلص کے اردو یا فارسی شعراء کے حالات و کلام کا سراغ لگانا نہیں تھا بلکہ یہ جہت کرنا تھا کہ مرزا نوٹ اسد اللہ خاں غالب تخلص اختیار کرنے کے سلسلے میں بھی سوجھ نہیں بلکہ مقلد تھے اس لئے ان کا مضمون تھوڑا سا ناممکن رہ گیا۔ چنانچہ انہوں نے اگرچہ اپنے مضمون کے ماخذوں میں اردو شعراء کے تذکروں کے ساتھ فارسی شعراء کے تذکروں کو بھی شامل کر لیا ہے لیکن دس سلیوہ تذکروں کے تراجم کے سوا انہوں نے بیشتر اہم تراجم پر نظر نہیں ڈالی (۴)۔ ان میں دو تذکرے فارسی شعراء کے ہیں ’تذکرہ اردو‘۔ ’تاریخ نظر سے غالب تخلص رکھنے والے اردو اور فارسی شعراء کے ایک سو سے زائد قدیم ماخذ گنودے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان سب کا ایک جگہ سمیٹنا آسان نہ تھا۔ اس لئے زیر نظر مقالے کو ’غالب تخلص کے اردو شعراء‘ تک محدود کر لیا گیا۔ اس میں آپ کو ہمیں سے ’زائد قدیم ماخذوں کے حوالے‘ ملیں گے۔ غالب تخلص کے فارسی شعراء اور اسد تخلص کے اردو فارسی شعراء کے حصص الگ الگ مضامین زیر ترتیب ہیں اور جلد شائع کر دیئے جائیں گے۔

شعراء اردو کے تذکرہ کی جہاں تک ہم نے چھان بین کی ہے ان میں غالب تخلص کے سب ذیل اردو

شعراء کے حالات و منتقبات ملتے ہیں:

- 1:- غالب - مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب۔
- 2:- غالب - مکرم الدولہ بہادر بیگ خاں دہلوی۔
- 3:- غالب - انور علی۔
- 4:- غالب - غالب علی خاں۔
- 5:- غالب - نواب مرزا مان علی خاں گھنٹی۔
- 6:- غالب - نواب سید الکمل اسد اللہ خاں۔
- 7:- غالب - حکیم محمد خاں۔
- 8:- غالب - لالہ مہربن قلی۔
- 9:- غالب - دکنی۔
- 10:- غالب - حاجی میاں۔

(1) مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب کے حالات و کلام کے حلیے میں اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ بطور تعارف ان کے متعلق کچھ کرنا تفصیل حاصل ہو سکے۔ اس لئے غالب کو نظر انداز کر کے غالب شخص کے دوسرے شعراء کے حالات و کلام پر روشنی ڈالی جائے گی۔

(2) غالب 'بہادر بیگ خاں' مرزا نوشہ کے بعد غالب شخص کے شعراء میں سب سے ممتاز اور اہم حیثیت کے مالک بہادر بیگ خاں غالب ہیں۔ نواب اعظم الدولہ سرور جنہیں بہادر بیگ غالب کے معاصر دوستوں میں شمار کرنا چاہئے اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"غالب مکرم الدولہ بہادر بیگ خاں غالب بیگ مرحوم فرزند نواب نیاز بیگ خاں قورانی کہ در عہد نواب قوام الدولہ منظور سردار سے ذی شوکت ہوئے بعد رحلت پدر بزرگوار خود بہادر بہ پیش و کلام رائی بر سر ہوئے و تک با مدیہ و در عیاشی صرف نمود۔ غرض ہاں بخل 'خلیق قافل' صاحب مروت ہوئے پیش از وقت نظام قادیان تک حرام' در خانہ خود مجلس مشاعرو مشفق کرد بہ اقسام اللہ فی شایستگی شاعرانہ می نمود و شب بہ ترشائے رقص باہ در میان مع حاضرین محفل بر سر میزد۔ دعا کہ بہ ہمیں طوط بہ ہر طرف کہ خاطرش راغب می شد' مصروف می گشت۔ در اکثر حرفہ ماہر ہوئے۔ خصوصاً فوق موسیقی نہایت درویش حکمن داشت" از مؤلف تعارف قدیمی ہند' اشعار قاری و دستہ ہر دو خوب می گشت۔ در سنہ یک ہزار و دو صد و پندرہ ہجری (۱۸۷۸ء) بہ آزلو در گذشت خدا بیش پامرد' از دست۔"

مست ہو خفا بخل میں گر تھم کو ہاں کھیلا

بجور تھا نئے میں بے اختیار کھیلا

قصہ درد و غم اپنا جو سنا ہا ہم نے
یاں تک دوائے کہ اس کو بھی دکھایا ہم نے

دل میں اپنے نہ کہ سوچ کر کیا ہوئے گا
وہی ہوئے گا جو قسمت میں لکھا ہوئے گا

ہم سری چکے تھے سہم یہ رات
قصہ ہی ہوا تھا فقیر رات

وصل کی کیا دیکھیں امید کہ تم نے تو بھی
کسی کو بوسہ بھی ہرگز نہ دیا ہوئے گا

رہتے ہیں آئینے سے عیش و ہمار آپ
تھا ہی لوستے ہیں یہ ساری ہمار آپ

دلفنوں میں سمجھ کر یہ دل مستند ہائے
تا پھر نہ کوئی دل کو پھنساوے یہ بند ہائے
طوش قاتلوں کی یاد میں ہم بھی فقیر ہو
بیٹھیں گے اک چہرہ یاد بلند ہائے

حاصل اسے آتا ہوں کہو میں بھی بھلا یاد؟
اب جس کی مجھے یاد میں یاں کہہ نہ رہا یاد

اے تو ذرا غما سے ڈر کر
اس شوق کے دل میں تک اثر کر

بکلی کئے کڑکے کا ہوں قرباں
شب چھائی سے لگ گئے وہ ڈر کر

ہم نے کلمہ کلمہ اسے حالِ حر و شامِ کام
اپنے ہاتھوں سے غراب اپنا کیا کام کام

دل ساتھ ہوں کے نہ پھر ادا تو لگا بیٹھ
گر ہو سکے کوئی روز آبر اب یاد خدا بیٹھ
ساقی ترے اس جام سے صاف کی دولت
ہوں درد و غبار اپنے تو بس دل کا کیا بیٹھ
دیتے ترے کوسے میں کوئی غیر نصرتے
پر بار میں ہوں نقشِ قدمِ اٹھ نہ سکا بیٹھ (5)

ہمارے ایک خاص قالب کے حلقہ گارہاں دہائی نے جو کچھ لکھا ہے وہ یکسر عمدہ، متجذبی سے ماخوذ ہے۔ سب
ایک اضافہ ملتا ہے:

"قالب فارسی میں موزوں سے اور اردو میں ہدایت و فراق سے متورہ خن کرتے ہیں۔" (6)

نواب مصطفیٰ جان شینو نے بھی غالب کی بڑی تعریف کی ہے لیکن ان کے حالات زندگی کے سلسلے میں کوئی نئی
بات نہیں کہ سکے نمونہ کلام میں انہوں نے حسبِ ذیل تین شعر نقل کئے ہیں:

بجلی کے پچکے سے ہے احساں
شب چھاتی سے لگ گیا وہ دار کر

تصویر درد و غم اپنا جو حلیا ہم نے
یاں خاک روئے کہ اس کو بھی دلایا ہم نے

رہتے ہیں آئینے سے ہیشہ وہ چار آپ
تھا ہی لوتے ہیں یہ ساری بہار سب (7)

کریم الدین نور نیلن صاحب نے ہمارے ایک خاص قالب کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ گارہاں دہائی کے ترے
کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے ان کے یہاں بھی کوئی نئی معلومات ہاتھ نہیں آئیں۔ نمونہ کلام میں وہی تین شعر ان
کے خاکسے میں بھی درج ہیں جو "گلشنِ بہ خار" کے حوالے سے نوپر نظر سے گزر چکے ہیں۔ (8)

میر انصاور نیر نے غالب کو ہدایت خاص ہدایت کا شاعر تو بتایا ہے لیکن ان کے استدلال میں موزوں اور فراق
کا نام نہیں لیا۔ نمونہ کلام میں ہانچ شعر دیتے سکے ہیں جو اوپر نقل کئے جا چکے ہیں۔ (9)

ضرارتِ خاں خوشگی نے حالاتِ زندگی میں صرف تین ہار سطرین نکھیں ہیں۔ وہ بھی مہم اور غیر واضح۔ نمونہ کلام میں مندرجہ بالا تین اشعار میں سے آخری وہ شعر درج ہے۔ (10)

اچھر کر نے بھی کوئی نئی مطواتِ بزم نہیں بچا سیکے۔ ان کے جان سے یہ سراغ البتہ نکلا ہے کہ ہمارے ایک خاں غالب کا ذکر عشقی 'قاسم' ذکا اور سحر کے تذکروں میں بھی کیا ہے۔ (11)

قلب الدین باطن نے بھی غالب کا ذکر بہت ادب و احرام سے کیا ہے۔ لیکن کوئی نئی بات نہیں کہی۔ ان کی ششلی انشاپر داری کا اسلوب یہ ہے

"عالمس مشامو سے از بس شوق تھا قاشائے ارباب نکلا کا لائق تھا۔" (12)

نمونہ کلام میں باطن نے صرف وہ شعر نقل کئے ہیں، دونوں شیخو کے حوالے سے اوپر درج کئے جا چکے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں نے صرف وہ سطور میں غالب کا ذکر اس طور پر کیا ہے:

"غالب تھیں کرم الدلہ ہمارے ایک خاں خلف نیاز بیگ خاں قورانی، ہاشدہ دلی، شاگردِ ہدایت، صاحبِ دیوان تھے۔ فارسی شعر بھی کہتے تھے۔"

قصہ درد و غم اپنا جو ستایا ہم نے

یاں تنگ روئے کہ اس کو بھی دلایا ہم نے (13)

عشقی کا بیان اس طے میں اور بھی مختصر ہے۔ نمونہ کلام میں صرف ایک شعر درج کیا ہے۔ اصل بیان یہ ہے:

"غالب دہلوی غلاب غلاب ہمارے ایک خاں طالب بیگ خلف نیاز بیگ۔"

یاں تنگ شب کو ہوا سوز ہوئی اے سقا

پنہ صبح ہوا صرف گلاہ شیشہ (14)

نئی قرائن جہاں نے صرف ایک سطر میں تھیں، ہم اور وطن کی نکلیں دی کر دی ہے لیکن نمونہ کلام میں انہوں نے غالب کی مندرجہ ذیل تین غزلیں مع مطلع و مقطع دے دی ہیں۔ ان سے غالب کے رنگِ سخن کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم قارئین کے ذوقِ طبع کے لئے درج کر رہے ہیں۔

کب رہا ہے اب ہمیں حور و بشر کا امتیاز

دیکھ کر جانا رہا مجھ کو نظر کا امتیاز

اس کا کچھ چھوڑ کر چلوے ہے گلشن کی طرف

ہو گیا مظلوم بس بد سحر کا امتیاز

نازی جس نے دگ گل کی نہ دیکھی ہو کبھی

ہو یہاں کیوں کر اسے ہماری کمر کا امتیاز

ہے یہ سوائے محبت ہی کہ یاں انسان کو

کچھ نہیں رہتا جہاں نفع و ضرر کا امتیاز

جب نسبت اغیار کے پہلو میں نصیری یار کی
تب ہمارا رہ گیا بھر داں کدھر کا امتیاز
اہل بہت پوچھتے ہیں خاک جب اکسیر کو
ان کو کب ہوتا ہے صرف سیم و زر کا امتیاز
آگے اپنے یار کے غالب ہمیں معیوب ہیں
دور ہے کس کے اسے عیب و ہنر کا امتیاز

نظر بلیں کا ہے کیا زاغ و دمن کے نزدیک
ہوتی ہے قدر خن اہل خن کے نزدیک
ہے جو اجاز مسیحا کی حکایت مشور
کچھ بدی بات نہیں میرے خن کے نزدیک
دور ہو یا کہ مجھے صاف پا اے ساقی
سب مساوی ہے اب اس نقشہ دمن کے نزدیک
اس کی خوبی کو تو کیا جانے بہت دور ہے گل
کیا ہوا رہتی ہے بلیں تو چمن کے نزدیک
اس رخ و زلف کے سودا میں ہمیں اے غالب
شام غمیت ہی بھلی صبح دمن کے نزدیک

کاگل نے تجھ کو ہم سے روپوش کر دیا ہے
اپنا چراغ دل کا خاموش کر دیا ہے
گمراہ کی تو اپنے پوچھے ہے کیا تنہا
ہر دمن دل نے غل خاموش کر دیا ہے
آخر کو رفت رفت اے اشتیاق مرثیہ
ہم کو تمام تو نے اب گوش کر دیا ہے
ہے وجہ تو نہیں ہے میرا خلل خاطر
شاید کسی نے تجھ کو دی ہوش کر دیا ہے
جگ کہہ کہ عالم کہی مجھ حتی تیری
جس نے کہ ایک عالم مدہوش کر دیا ہے

لئے گئے ہو ہم سے دیکھا تجھے جہن میں
مگل نے قلم حق کو انوش کر دیا ہے

اسلام ہے حیرا ہم پہ اسے جذبہ بہت
نہیں بکھر سہا یاں نوش کر دیا ہے
غالب کو کب دی ہے پردائے جام و سلق
مسک گئے لے چھری صوفی کر دیا ہے (15)
ہن غزلوں میں سے پہلی غزل کو جس کا مطلع ہے:

کب دیا ہے اب ہمیں حور و بشر کا امتیاز
دیکھ کر جانا دیا مجھ کو نظر کا امتیاز

بعض مشاہیر ائمہ نے ہمدرد بیگ غالب کی بجائے اسد اللہ خان غالب کے نام سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ اردو کے ممتاز محقق علامہ الدین احمد آرزو صاحب اس کو مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب سے منسوب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یہ غزل اشعار کے ایک قدیم مجموعے سے، جس کی اشاعت غالب کی زندگی میں ہوئی، ماخوذ ہے۔ سلی ترتیب ۱۸۷۵ء۔ یہ غزل اس کے صفحہ ۳۳ پر مندرج ہے اور اس کے پہلے سودا اور بعد میں میر کی غزل ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ یہ غزل مرزا غالب ہی کی ہوگی اس لئے کہ ۱۸۷۵ء میں غالب شخص کا کوئی اور شاعر اچھا مشہور نہ تھا جو میرد سودا کے پہلو میں جگہ پاسے۔“ (16)

یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ مرزا غالب سے پہلے ”جیسا کہ اوپر کی تفصیلات سے اندازہ ہوا ہو گا“ ہمدرد بیگ خان غالب مدظلہ ۱۸۷۸ء مطابق ۱۲۹۳ھ اردو کے ممتاز شاعروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی وفات کے وقت غالب کی عمر چھ سال کی رہی ہوگی۔ اردو شعراء کا شاید ہی کوئی ایسا تذکرہ ہو جس میں ہمدرد بیگ کا ذکر اہتمام سے نہ آیا ہو۔ ایسی صورت میں انھیں کم شہرت یافتہ سمجھنا درست نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مذکورہ بالا غزل کا انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ وہ مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب کی نہیں، ہمدرد بیگ خان غالب کی غزل ہے۔

”جہن بے نظیر“ کا ایک مطبوعہ نسخہ جس کے حوالے سے علامہ الدین احمد آرزو صاحب نے یہ غزل مرزا نوشہ غالب سے منسوب کی ہے، اس کے مولف کا نام محمد ابراہیم موسیٰ ہے اور یہ ۱۸۷۵ء میں لکھا گیا ہے۔ ”جہن بے نظیر“ سے اس کی تاریخ نقلی ہے۔ انجمن ترقی اردو کراچی میں اس کا ایک مطبوعہ نسخہ موجود ہے اور اس وقت بھی میرے سامنے ہے۔ اس کے سوادق پر کتاب کا نام اس کے موضوع کی تفصیل یوں درج ہے (17):

تفصیل کردگار بہ مجمع الاشعار دلائل قاری و ہندی و لغت زبان پر ربی المسمی ”مرآۃ العاشقین“ یعنی

چہن بے نظیر فارسی

انھیں میں دیباچہ کتاب ’قصائد عربیہ‘ غزل ہائے فارسی، مستزاد، قصائد، مقطعات، رباعیات، آیات، فردیات، مصرع ہائے ضرب المثل، سمیعیات و منائع و بدائع و چیتان و قرائح۔

جہن بے نظیر ہندی

جس میں غزل ہائے شعرائے ہند و قصائد و مستزاد و مثنات، مثنیات مسدسات و مثنیات و اسوشت و ترکیب ہند و شمولیات و رباعیات و قطعات و عیدین و دعوت ایات و فردیات و چند غزل بیول و مناجات و نوار غلات حقدین مرقوم ہیں۔

نغمہ دل پذیر

جس میں حمد الہی، نعت رسالت، باب ~~۱۰۰۰~~ مناقب غرض، مناقب طوابع و مضامین عشقیہ، کمازی، دلچسپ ترانے و دلربا نغمے اور مثنوی عام پند طرزدں میں جناب قتلِ جلال پر ری نے کیے ہیں۔ (۱۸)

اس تفصیل سے یہ چنا ہے کہ کتاب کا اصل نام "جہن بے نظیر" نہیں بلکہ "مرآۃ العاشقین" ہے جسے موضوعات کے اعتبار سے مولف نے تین خاص حصوں میں تقسیم کر کے پہلے دو حصوں کو "جہن بے نظیر" (قاری) اور "جہن بے نظیر" (ہندی) سے موسوم کیا ہے اور تیسرے حصے کو "نغمہ دل پذیر" کا نام دیا ہے۔ اس میں مولف نے اپنی پند کے شعراء کا کلام، جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہے، جمع کیا ہے۔ لیکن کسی اصول یا معیار کو پیش نظر نہیں رکھا۔ چنانچہ اس میں جہاں سودا، غالب، دلق، موسیٰ، بلخ، آفتی، میر، جرات، انشاء وغیرہ جیسے معروف و ممتاز شعراء کا کلام شامل ہے، وہاں بیگانوں، گمنام و غیر معروف شعراء مثلاً نیاز، قتل، مشتاق، یوسف، عارف، طور، علی، تنویر، حال، لطیف، بخشش، فنا، حیرت، مستان، دایم، دلیر، قنور، عشرت، قدوت، شادان، رضا وغیرہ کا کلام بھی کتاب کی زینت ہے۔ علاوہ ازیں بہت سی غزلیں اور اشعار بغیر کسی نام کے درج ہیں۔ اس لئے اس کے مندرجات سے آرزو صاحب کا یہ نتیجہ نکالنا کہ چونکہ "اس کے پہلے سودا اور بعد میں میر کی غزل ہے" خیال ہوتا ہے کہ یہ غزل مرزا غالب ہی کی ہوگی، کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

اس مجموعہ اشعار سے مرزا نوشہ غالب کی ایک دوسری غزل کا سراغ ضرور لگتا ہے۔ اس غزل کا مطلع ہے:

اپنا احوال دل وار کھوں یا نہ کھوں

ہے حیا بلخ اشکار، کھوں یا نہ کھوں

یہ غزل غالب کی متداول و ان حتیٰ کہ نسخہ حیدر میں بھی شامل نہیں ہے۔ نسخہ مال رام (۱۹) اور نسخہ مرثی (۲۰) میں البتہ یہ شامل کر لی گئی ہے۔ اس غزل پر معروف نے سہت بند کا ایک ٹکس کیا ہے، یہ ٹکس یہ عنوان "ٹکس معروف پر غزل نواب اسد اللہ خاں بہادر" جہن بے نظیر کے حصہ دوم میں شامل ہے۔ پہلا اور آخری بند بطور نوٹ نقل کیا جاتا ہے۔

شرح درد بگر افکار کھوں یا نہ کھوں

ہے مجھے رخصت گفتار کھوں یا نہ کھوں

بکھ تو کہ اسے بہت عیار کھوں یا نہ کھوں

اپنا احوال دل زار کہوں یا نہ کہوں
 ہے حیا مانع اظہار۔ کہوں یا نہ کہوں
 ہے غنہ داشتہ دل کی مجھے معصوف۔ مد
 ہوں بہ زندانِ غنہ صورتِ نقل۔ ابھد
 دل میں باتیں بھری جب کہ زیادہ اڑد
 آپ سے وہ مرا احوال نہ پوچھے تو اسد

حسب حال اپنے ہر اشعار کہوں یا نہ کہوں (27)
 یہ مجلس موجودہ دہانِ معصوف میں بھی شامل ہے (22) لیکن دہان کے طبع ہونے سے پہلے کا سراغ کریم
 الدین کے ایک تذکرے میں ملتا ہے اور یہ "جہن بے نظیر" سے پہلے مرتب ہوا ہے (23) لیکن یقین کرنے کو جی
 نہیں چاہتا کہ یہ غزل مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب کی ہے "اول اس لئے کہ معنی اور اسلوب دونوں لحاظ سے یہ رنگ
 غالب سے بالکل الگ ہے۔ دوسرے یہ کہ اس مجلس کے سوا اس غزل کی تصدیق کسی اور ہاتھ سے نہیں ہوئی۔ لفظ
 حیدر بھی اس سلسلے میں خاموش ہے۔ کیا جب یہ غزل سید الملک نواب اسد اللہ خاں یا کسی دوسرے اسد کی ہو۔
 کام غالب کے محققین و مرتبین کو اس کا دلالت ثبوت یا صدقہ ہاتھ کا سراغ فراہم کرنا چاہئے۔
 ہمارے ایک خاں کا قدرے تفصیلی ذکر اعظم الدولہ سرور کے بعد قدرت اللہ قاسم کے یہاں نظر آتا ہے۔ لیکن
 چونکہ ان کے سامنے سرور کا تذکرہ موجود تھا۔ اس لئے غالب کی تریف و توصیف میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے "وہ
 سرور کے بیان سے ملتا جلتا ہے۔ صرف یہ کہ غالب کے اساتذہ کا ذکر سرور کے یہاں نہ آیا تھا وہ قاسم کے یہاں اس
 طور پر موجود ہے۔

"بہ ہر وہ زبانِ غنہ کی گفت و ہر وہ دست و درستی سی سفت۔ شعر فارسی بہ سبج میر فرزند علی موندوں سی
 و سہانید و رنقت طبع دربار خود از نظر استاد صاحب درایت خاں ہدایت معنی اللہ عز و دستار سراپا
 دفاق تحیم شاہ اللہ خاں فراق سطر الخاقی می گذرانید۔" (24)
 قاسم نے نوٹ کام کے سلسلے میں غالب کے منتخب اشعار بھی دوسرے تذکرہ نگاروں کے مقابلے میں زیادہ دیکھے
 ہیں۔ انیس اشعار میں سے دس اشعار سرور کے انتخاب کام میں بھی شامل ہیں۔ سرور کا انتخاب ہم پچھلی طور میں
 نقل کر چکے ہیں اس لئے اس جگہ بغیر گیارہ اشعار درج کئے جاتے ہیں:

فرقت میں تجوی شب کو زہی دل میں درد تھا
 کہ چو سرخ کار مرا رنگ زرد تھا

کھو تو درد ہے چو کھو ہے لال اپنا
 دکھائی دے ہے جب دم بہ دم یہ حال اپنا

اگرچہ دل میں تو رہتے ہو پر بظاہر بھی
کھو کھو تو دکھایا کہ جہاں اپنا

دل تو دیتے ہوئے دے بیٹھے ہم اس کو لیکن
سوچ رہتا ہے کیا دل میں کہ کیا ہوئے گا
اپنے غالب کے تئیں 'نت' کا ستا کیا ہے
کچھ بھلا بھی کہ چارے کہ بھلا ہوئے گا

دلوں کے بال منہ پر اس کے نکھر رہے ہیں
کیا کیا خیال دل میں ہم اپنے کر رہے ہیں

ہے مجھ کو کیا سوچ کہ اس بزم میں آ کر
جو اللہ مجھے کیا کر مجھے کیا ہم نے کیا بیٹھ
یک ہا کوئی وہ شخص شک دیکھ سکے ہے
چارے جو تو آتا ہے تو تک مجھ سے جدا بیٹھ
ہوتی ہے کوئی بیٹھنے کی بے عشق کی لذت
ہا ہے جو مرزا اس کا کہیں دل کو لگا بیٹھ
منزل کو جو پہنچے ہیں یہ کہہ دیجئے ان سے
اک بار کوئی راہ میں ہے تھک کے رہا بیٹھ

کرچہ اپنا نہ رہا ہوش مجھے
پر ہوا تو نہ فراموش مجھے

جنم ہی حرامان نے صرف ایک سطر میں غالب کے نام "قلب اور ولایت کا سراغ دیکر اس غزل کے پہلے تین
شعر بطور نمونہ دیتے ہیں جو دو ان جہاں کے حوالے سے نمبر (25) پر نقل کی جا چکی ہے (26)۔ امدان کے یہاں غلطی
سے بہادر نیک غالب کا ذکر کرر آگیا ہے۔ دوسری جگہ انہوں نے غالب کا یہ شعر بطور نمونہ دیا ہے:

رہتے ہیں آئینے سے بیشہ دو چار آپ

تھا ہی لوستے ہیں یہ ساری ہمار آپ (27)

مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب کا ترجمہ بھی امدان کے یہاں دو جگہ ملتا ہے۔ پہلے اسد خاں کے ساتھ "بعد

اوس غائب شخص کے ساتھ۔ انتخاب کام البتہ الگ الگ ہے۔ گویا انہوں نے اسد اور غائب کو دو مختلف شخصیتیں سمجھا ہے۔ (28) ہمارے ایک خاں غائب کے حلقہ طوب چند ذکا لکھتے ہیں:

"غائب محرم الدولہ ہمارے ایک جنگ انگلیس بہ غائب فرزند ارشد نواب نیاز ایک خان ہمارے غائب جنگ از امرائے قوران بود در عهد ریاست امیر الامراء نواب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خان ہمارے عزت و شوکت تمام می گذرانید۔ شعر فارسی یہ نظم میر فرزند علی موزون گذرانید و اصلاح شعر ریختہ از ہدایت اللہ خان ہدایت و حکیم شام اللہ خان قزاق گرفتہ و نیز بہ میر نصیر سلطہ تسلیم شد۔ ظاہر کام اس کے موئے خوب و از سختیات جہان است۔ ہر زور ہم چٹان غائب آئند و جب ظاہر و غور محرم و بزرگ گردید۔" (29)

ذکا نے نمونہ کام میں غائب کے ۲۲ اشعار درج کئے ہیں (30)۔ ان میں اکثر مختلف تذکروں کے حوالے سے اور نقل کئے جا چکے ہیں۔ اس لئے ان کا تکرار نقل کرنا لامصل ہے۔

معادیت خاں ناصر نے مرزا نوشہ غائب کے علاوہ محرم الدولہ ہمارے ایک غائب کا ذکر کیا ہے لیکن یہ ذکر صرف نام، شخص اور لقب کی نشان دہی تک محدود ہے۔ نمونہ کام میں یہ نو شعر درج کئے ہیں:

مست ہو فنا، بغل میں گر تجھ کو یاد کھیلا
مجرور تھا نقشے میں، ہے اختیار کھیلا

قصہ درد و غم اپنا جو سنایا ہم نے
یاں تلک روئے کہ اس کو بھی دلا دیا ہم نے (31)

(31) غائب شخص کے ایک اور شاعر انور علی کا ذکر بھی مختلف تذکروں میں ملتا ہے لیکن بہت مختصر کار میں دآسی نے "سرپا خن" کے حوالے سے صرف اتنا لکھا ہے:

"نواب بھمبر کے بڑے دوست تھے۔" (32)۔

نور حسن علی حسن مولف "سرپا خن" نے بھی انور علی غائب کے حلقہ طوب اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا۔ انور نمونہ کام یہ شعر دیا ہے:

کام تو سر طرح نکل آوے
کوئی جانے تو مدعاے دل (33)

عبدالمقدوم سلیخ کے تذکرے میں بھی متعدد ذیل سطروں کے سوا کچھ نہیں ملتا:

"غائب شخص، انور علی نام، ظاہر فیض محمد دلی بھمبر۔"

کام تو سر طرح نکل آوے
کوئی جانے تو مدعاے دل (34)

مرزا قاور بخش صابر دہلوی نے البتہ اپنے تذکرے میں انور علی غالب کے حقائق بعض تفصیلات دی ہیں۔ ان کا بیان ہے :

”انور علی“ موطن پورب ملازم نواب فیض محمد خان دہلی جمہورِ نوشت و طوائف میں ملکہ حسبِ دل خواہ حاصل تھا اور خوش الحانی میں بے نظیر اور صلاح و تقویٰ میں بے مثل۔ یہ سب سوزنی طبع کے شعر گوئی کی طرف راغب۔ یہ دو تین شعرا اس کے رائج طبع سے ہیں۔“ (35)

ایک شعر تو وہی ہے جو اوپر سرایا غن کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے۔ باقی دو شعر یہ ہیں۔

آہ کجئے کہ تارہ وہ ہے قلم
فیس ہوتا ہے آشنا دل کا

ہم تو غالب کے بھی قائل ہیں کہ جا ہی پہنچا
پاس اس بت کے کسی صاحب کسی عیاری سے
(4) ایک اور شاعر غالب علی خاں غالب کا بیٹا بھی اردو شعراء کی فہرست میں ملتا ہے۔
اعظم الدولہ نے انکا پتہ دیا ہے کہ :

”غالب خاں نبیرۃ دہلوی خاں کہ سوار سے از قوم افغان بود دوست۔“

جہاں بلب ہیں تری اس چشم کے تیار بہت

تیر مڑکاں سے ہوئے ہیں بگر انکار بہت (36)

عبد الغفور ناسخ کا بیان اس سے بھی مختصر ہے۔ لکھتے ہیں :

”غالب خاں نبیرۃ دہلوی خاں باشندہ دہلی جسے نور آور تھے۔“ (37)

نمونہ کلام میں وہی ایک شعر جو اوپر سوار کے حوالے سے درج کیا گیا ہے ناسخ کے یہاں بھی دیا ہوا ہے۔
کرم الدین اور فیض صاحب کے تذکرہ میں بھی صرف انکا لکھا ہے کہ :

”غالب علی خاں نبیرۃ دہلوی خاں جو کہ شہادت میں رستم زباں بلکہ یگانہ ساکن رام پور تھے۔ یہ شعر اس کا ہے :

جہاں بلب ہیں تری اس چشم کے تیار بہت

تیر مڑکاں سے ہوئے ہیں بگر انکار بہت (38)

نواب مصطفیٰ خاں شیخ نے غالب علی خاں کی توصیف و تعریف میں چند کلمات تو بڑھا دیئے ہیں لیکن حالات و
نمونہ کلام میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا۔ لکھتے ہیں

”غالب علی خاں نبیرۃ دہلوی خاں است۔ اور شہادت و حضور رستم زباں بلکہ در اکثر اوصاف یگانہ از دوسا

ہای و در تفکر اولوالہبصار گرانی بود اور است۔“ (39)

نمونہ کلام میں یہاں بھی وہی ایک شعر ملتا ہے جو اوپر مختلف جگہوں کے حوالے سے آچکا ہے جنم ہی حشر
ایمان لے بھی اب کا نام لے کر وہی اوپر کا شعر درج کر دیا ہے (40)۔ ڈاکا نے بھی ایک سطر لکھ کر نمونے میں حوالہ دیا
ایک شعروے دیا ہے (41)۔ گارسلز دہاسی نے کلام الدین کے حوالے سے صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔

”وہ افغان سردار دہادی خان کے پوتے تھے۔“ (42)

قصب الدین باطن نے دو سطریں غالب کی تعریف میں لکھی ہیں۔ اس میں بھی کوئی نئی معلومات نہیں ہے۔ نمونہ
و کلام میں بھی وہی ایک شعر جو اوپر نظر سے گذر چکا ہے ملتا ہے۔ (43)۔
اچھر گرنے بھی گارسلز دہاسی کی طرح صرف ایک جملہ لکھا ہے:

”غالب خان افغان سردار دہادی خان کے پوتے تھے۔“ (44)

غالب علی خاں غالب کے حالات زندگی اس سے زیادہ کسی اور جگہ کے میں نہیں ملتے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ کوئی
مسلاب ان کے مزید حالات و کلام کا سراغ لگائیں۔

(5) عبدالغفور خاں نسیخ نے عظیم آباد کے ایک شاعر مرزا ایمان علی غالب کا ذکر بھی اپنے جگہ کے میں کیا ہے۔ لکھتے
ہیں:

”مرزا ایمان علی خاں عظیم آبادی مولف اردو قصہ مرزا شاکر قحیل ’دلت تک ڈپٹی کلکٹر تھے۔ بہت دنوں تک
کلکتہ میں سکونت اختیار کی۔ شعر قاری میں بھی کہتے ہیں۔ پہلے قوم ہند سے تھے‘ پھر مشرف بہ اسلام
ہوئے۔“ (45)

نمونہ کلام میں نسیخ نے متعدد ذیلی شعروں کیے ہیں:

ہم کئے نعل و کمر ایک طل انکادوں کے
دیدہ دار چرائے ہوئے فواروں کے

آئیے میں آپ نے جو دیکھا دے آئیں
بہ گنجیں چنگاریوں کا سراسر آب میں

گزر حرم کی دکھا آج برائی مجھے
آئینہ تھم کر دکھائے جہنم جبرائی مجھے
سلطنت سے ہے کہیں غالب میر ہو اگر
آستان سرور عالم کی درپائی مجھے

گارسلز دہاسی کا بیان ہے:

”وہ دہلی سے ترک وطن کر کے نواب علیحدت جنگ کے دور حکومت میں مرشد آباد چلے گئے تھے۔ وہ اپنی

نیاضی اور دوسری غریبوں کے لئے مشہور تھے شعر و سخن کی اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے 'اردو' فارسی دونوں میں کثرت سے اشعار کہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ علی ابراہیم کے ساتھ بہ حیثیت معتمد کام کرتے تھے۔ بنی زرائن نے ان کی تین غزلیں نقل کی ہیں۔" (50)

یہاں گارساں دہاسی نے اسد اللہ خاں غالب اور بہادر بیگ خاں بیگ کے حالات کو گزرا کر دیا ہے۔ اسد اللہ خاں غالب کے بارے میں بنی زرائن کا حوالہ غلط ہے۔ بنی زرائن نے اسد اللہ خاں غالب کا ذکر ہی نہیں کیا۔ ان کے یہاں صرف بہادر بیگ خاں غالب کا ذکر ہے اور انہیں کی تین غزلیں انہوں نے نقل کی ہیں۔ (51)۔ یہ غزلیں ہم بہادر بیگ خاں غالب کے ذکر میں درج کر چکے ہیں۔

گارساں دہاسی کا بیان علی ابراہیم سے ملوث ہے اور علی ابراہیم کی اصل عبارت یہ ہے:

"غالب دہلوی صاحب بہ سید الملک نواب اسد اللہ خاں بہادر امام بیگ در زمان دولت نواب بہایت بیگ وارد مرشد آباد شد۔ سکونت در کن بلوہ اختیار فرمود۔ در فوت و موت یگانہ و در اخلاق و استقامت عال ممتاز عصراند۔ اگرچہ شاعری دل مرجہ کمال آن ستودہ فضل است اما کہ ہے بہ سوزنی طبع بہ نظم شعر فارسی و ریختہ و فہتہ می نماید۔ خاکسار را بخیر مت آن سید عالی چار نیاز مندی است۔"

جب کیا ہے اگر انکھر گریں اب میری آنکھوں سے
کہ رونا ہے دل پر شور آتش بار پہلو میں (52)

عبدالمشہور ناسخ نے صرف اتنی اصلاح دی ہے کہ:

"اسد اللہ خاں دہلوی نے بہایت بیگ کے عہد میں مرشد آباد میں سکونت کی تھی۔" (53)
نمودہ کام میں وہی اک شعر درج ہے جو گزار ابراہیم کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے۔
اچھر گرنے عشقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"نواب اسد اللہ خاں غالب دہلوی کچھ عرصے مرشد آباد میں رہے اور علی ابراہیم سے ملے تھے۔ کبھی کبھی فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔" (45)

عشقی کا اصل بیان یہ ہے:

"غالب تھکن دہلوی الملقب نواب اسد اللہ خاں بہادر مولے ظلیق و صاحب ہمت ہوئے۔ گوکہ کہ در عہد صوبہ داری نواب بہایت بیگ بہادر از دلی وارد مرشد آباد گردید۔ مدتہ در آملہا طرح استقامت انوارت گاہ گاہ بہ نظم فارسی نیز پرداخت۔" (55)

نمودہ کام میں وہی ایک شعر درج ہے۔ بلا تذکروں کے حوالے سے درج کیا جا چکا ہے "عشقی کے یہاں بھی ملتا ہے۔"

میران علی خان جٹا گھسٹری نے بھی اپنے تذکرے میں کوئی تفصیل نہیں دی۔ بس اتنا لکھا ہے کہ:

"غالب تھکن نواب اسد اللہ خاں سید الملک از عہد دولت نواب بہایت بیگ در بلوہ مرشد آباد استقامت

دارو۔ سید بزرگ مرتبت پا لخت و موت است۔ در فن طہیبت نیز ماہر' گاہے بہ موندنی طبع انگائے شعر
رہتے ہی کہہ "اندوست۔" (56)

"عجب کیا ہے اگر اٹھ کر میں اب میری آنکھوں سے

کہ دوتا ہے دل پر شور آفتاب بار پہلو میں"

(7) غلی امیریتانی نے غالب شخص کے ایک اور شاعر کا سراغ اپنے تذکرے میں دیا ہے۔ کہتے ہیں:

"غالب حکیم جو غاں دلد جو اعظم غاں' موقوف زائق' شاگرد نظام رسول غاں مشتاق' ستر برس کی عمر پائی۔

دعای کی کیا رہی کہ وہ صدمہ میں تھا کی۔ یہ وہ شعر ان کے استاد کو یاد تھے:"

راہ جب دل میں ہو کوئی ضعیف مانع ہوتا

بیچکوں دھب ہیں اگر چاہیں وہ آنے کے لئے

پتی کسی نے ان کو پڑھائی تھی ایسی راحت

بولے نہ پاس میرے پچھلے کھٹ کے سوئے (57)

(8) گارساں دہاسی نے تاریخ ادب ہندوستانی میں غالب شخص کے ایک ہندو شاعر لال موہن لال کا ذکر بھی کیا ہے

لیکن صرف اس قدر کہ وہ آگرہ کے ایک کاسنہ ہیں۔ رہتے اور قادی میں شعر کہتے ہیں۔ ذکا نے ان کا ذکر کیا ہے۔ (

(58)

خوب چند ذکا کے یہاں موہن لال غالب کا ذکر اس طور پر کیا ہے:

"لالہ موہن لال غالب شخص' قوم کا ستہ سکینہ ساکن اکبر آباد شاعر قادی و ہندی۔"

ذکا نے موہن لال غالب کے نمونہ کام میں ۱۱ اشعار درج کئے ہیں (59): ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ

موہن لال غالب ایک رہتے گو تھور الکلام شاعر تھے۔

خون میں دل مرا گر غول نہ ہوتا

تو رنگیں اس قدر مضوں نہ ہوتا

لڑانا وہ بد آنکھ اس سے غالب

نظر میں اس کی گر جالو نہ ہوتا

پہلو کی مدوش سے بست ہم وہاں پہلے

پر گردش فلک سے نہ لگے جہاں پہلے

اے بلبل! لگوں سے یہاں اپنے خوش رہو

ہم غوطی جہن تھے جہاں کے وہاں پہلے

میں لالہ سے خون ہوتا ہے سہرا خون اڑاتا ہے
ہنسی سے جس گڑھی سید ہم اپنا چاک کرتے ہیں

شانہ سے طا زلف مگر گمیر کسی نے
پستلی ہر آخر مجھے زنجیر کسی نے
کیوں کر ہے خون بکر ایک ہمارا
اس غفل کو اب تک نہ دیا شیر کسی نے
آج آیا ہے گھٹن میں کوئی خون کا پیاسا
ٹیچوں کی دھکی لخت بکر چر کسی نے
تو خاک ہوا ہے جو وہ عشق میں غلب
تلائی ہے تار تجھے اسیر کسی نے

جہنم میں بت ا آٹھا کی
عجب آئی فکر قدرت خدا کی

چشم نم کو بلب چاک گریبان سے ہم
اے جنوں ٹوپ چلے سیر بیابان سے ہم

مگر نہ دیکھے تو اے جرم ترا ہے غلب
دہند اس کی تو بھی جلوہ لگائی نہ مگی

شعلہ وہ بارغ میں جس وقت نکل جاتے ہیں
دیکھ کر لالہ و گل دھک سے جل جاتے ہیں
دعویٰ خون سے ان کو ہو میں ہے سرورِ برگ
کس لئے برگ کا ہاتھ سے مل جاتے ہیں

اے فکر بیل سرکش کج بہانے دے مجھے

موسم چٹم کو دہلا میں ڈوبانے دے مجھے
اس کی زلفوں سے ہوا دیکھ کے سورا ہوا
اے جنوں وقت ہے زنجیر ہانے دے مجھے
گشت حسن میں وہ بھل ہیں تھرے سینے پر
پر یہ بھل ہے جو تک اک ہاتھ لگانے دے مجھے
اے دل اب جوش جنوں نے تو گریباں بکڑا
وجہاں ہاک گریباں کی اڑانے دے مجھے

بکھ خیر کوچہ دلدار کی پائی نہ مٹی
جو گیا اس کی طرف پھر خیر آئی نہ مٹی
گرچہ فیہوں نے قسم مجھ کو دلائی لاکھوں
پر قسم ہے کہ قسم آپ کی کھائی نہ مٹی (80)

اظہر من الشمس سے بھی مہین لال غالب کے حالات زندگی پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ وہ صرف اتنا لکھتے ہیں کہ:
"لال مہین لال غالب اگر کے تالیستہ ہیں اور فارسی اور رستہ میں شعر کہتے ہیں۔" (81)
(9) قسم دہی شعراء کی فہرست میں بھی غالب تھیں کا ایک شاعر مٹا ہے۔ گارسل دہاسی کا بیان ہے کہ:
"دکن کے ایک شاعر ہیں اور دلی کے ہم عصر ہیں۔" (82)

کریم الدین نے لکھا ہے کہ:

"غالب ایک غصص ہاشمہ دکن کا تھیں ہے جو کہ ہم مصر دلی کا ہے یہ شعرا اس کا ہے:

غالب کے خون چٹم سے آلودہ کیا کریں
وہ پاؤں جو حنا سے رہے سر گراں سدا (83)

درد کا پر شاد اور بھی صرف اتنی خبر دیتے ہیں کہ:

"غالب کوئی غصص دلی کا ہم مصر دکنی یوں گویا تھا":

غالب کے خون چٹم سے آلودہ کیا کریں
وہ پاؤں جو حنا سے رہے سر گراں سدا (84)

(10) درد کا پر شاد کے یہاں غالب تھیں کے ایک اور شاعر کا تذکرہ مٹا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"غالب حاجی میاں، بیورو کا سید، سداوند کا قریبی نوکر، سرگودہ دہلی، پیسہ کر کے جراتی ہی میں بعد شمع
ہونے اصلی کتاب کے مرگید۔ یہ بیت اس کی ہے:

چاند تک دکھلا کے کھیلوں پہ کیا صورت کروں

مانگتا ہے طفل دل ہٹ کر کے اس کی ہی شیعہ (65)

بالکل یہی الفاظ بہاء الدین شیر نے دہرا دیئے ہیں اور وہی ایک شعر درج کیا ہے جو اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔
مصرف اتنا اضافہ کیا ہے کہ اس میں حاتی میں غالب کا سال ولادت ۱۶۸ھ دیا ہوا ہے۔ (66)

قاضی نور الدین فاضل نے البتہ حاتی میں غالب کے حعلق بکہ وضاحت سے کام لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ:
"غالب تھیں سید حاتی میں از سادات مجددہ مو طرف مزاج و حمید اطوار و از کیا و اہدو خود داخل ذمہ
ملازمان مہاراجہ گانگیاہار است۔ اکثر بعض مانگی مقابلہ مرتضوی است" از فکر کردہ اوست۔"

ذائقہ میں اور پریشان ہوا دل اپنے
کب نہیں ملے ہیں سنبھالے سے جو دیوانے ہیں

ہاتھ تک دکھلا کے کھٹکوں پہ کیا صورت کدوں
مانگتا ہے طفل دل ہٹ کر کے اس کی ہی شیعہ (67)

مجدد جہ بالا حقیقات سے اندازہ ہوا ہو گا کہ غالب تھیں کے متعدد شعراء اردو میں گذرے ہیں۔ ان میں سے
بعض غالب کے معاصر تھے اور اردو فارسی دونوں میں قابلیت اچھا کہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں نے
ایک کے اشعار لفظی سے دوسرے کے نام منسوب کر دیئے ہیں۔ ہم نے زیر نظر مضمون میں صرف اردو شعراء کے
تذکرہ کی مدد سے غالب تھیں رکھنے والے اردو شعراء کے حالات اور اشعار کا سراغ لگائے اور انہیں یکجا کرنے کی
کوشش کی ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ ایک الگ مضمون کے ذریعے اسد تھیں کے اردو شعراء کی زندگی اور کام کا
پتا چلایا جائے۔ اسی طرح فارسی شعراء کے تذکرہ کی مدد سے غالب اور اسد تھیں کے شاعروں کا الگ الگ جائزہ لیا
جائے۔ یقین ہے کہ اس انداز سے کام کرنے کے بعد مرزا قوش اسد اللہ خاں غالب کی زندگی اور کام دونوں کے
حعلق بعض نئی باتیں سامنے آئیں گی اور تحقیق و تنقید کے باب میں اہم ثابت ہوں گی۔



1۔ زادگار غالب، صفحہ ۱۶۸، مطبوعہ جگت پور اور کراچی، دار الفکر، لاہور۔

2۔ مکتوب عام قلمی، ذوق زبانی، مرقعہ، لاہور۔

3۔ سہیلچہ دیوانہ غالب اردو لکھنؤ، صفحہ ۱۱، مطبوعہ انجمن ترقی اردو علی گڑھ، سن ۱۳۵۸ھ

4۔ تحقیق کی مدد میں صفحہ ۷۰، مطبوعہ علی علیہ خرمیہ، علی علیہ صہبہ۔

5۔ مرزا غفر، صفحہ ۱۶۸، مرزا غفر، امیر بادشاہ، مطبوعہ شیعہ اردو دلی پبشر، دلی، ۱۳۵۸ھ

6۔ تاریخ ادب ہندوستانی، جلد دوم، اردو ترجمہ از علیا، سکسٹی، صفحہ ۱۶۸، لاہور، دار الفکر، لاہور، ۱۳۵۸ھ

7۔ تھیں بے غار، صفحہ ۱۶۸، علی علیہ، پبشر، کھٹک، صفحہ ۱۶۸، انجمن ترقی اردو، کراچی۔

8۔ جہانگیر، صفحہ ۱۶۸، علی علیہ، دار الفکر، دلی، ۱۳۵۸ھ، لاہور، کتب خانہ انجمن ترقی اردو، کراچی۔

9۔ علی شعراء، صفحہ ۱۶۸، علی علیہ، پبشر، کھٹک، صفحہ ۱۶۸، انجمن ترقی اردو، کراچی۔

10۔ تھیں بے غار، صفحہ ۱۶۸، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۳۵۸ھ۔

11۔ زادگار شعراء اردو، ترجمہ، صفحہ ۱۶۸، مطبوعہ ہندوستانی ادبی، لاہور، ۱۳۵۸ھ۔

12۔ تھیں بے غار، صفحہ ۱۶۸، مطبوعہ علی علیہ، کھٹک، ۱۳۵۸ھ۔

- [illegible]

- 56- کائناتی سطور ہندو، مسیحی، زرتشتی اور یہودی سطور، انجیل، قرآن اور علی گڑھ جامعہ مولانا محمد امجد علی صاحبہ۔
- 57- بارانگار، انکسار سطور، 1934ء مولانا محمد امجد علی صاحبہ، کتب المطبوعہ دارالعلوم۔
- 58- تاریخ ادب و ادبیات، جلد دوم اور تیسرا سطور۔
- 59- ہمارا اشتراک سطور۔
- 60- ہمارا اشتراک سطور، 1934ء۔
- 61- بارانگار، شعرا سطور۔
- 62- تاریخ ادب و ادبیات، جلد دوم اور تیسرا سطور، انجیل، جلد دوم سطور۔
- 63- مقالات اشتراک سطور۔
- 64- نثر و شاعری، علوم فی الحقیقت، المصنوع، شیخ ابراہیم سطور، علیہ عام پرنس لاہور، مولانا محمد امجد علی صاحبہ، قرآن اور کراچی۔
- 65- نثر و شاعری، علوم فی الحقیقت، المصنوع، شیخ ابراہیم سطور، علیہ عام پرنس لاہور، مولانا محمد امجد علی صاحبہ، قرآن اور کراچی۔
- 66- نثر و شاعری، علوم فی الحقیقت، المصنوع، شیخ ابراہیم سطور، علیہ عام پرنس لاہور، مولانا محمد امجد علی صاحبہ، قرآن اور کراچی۔
- 67- نثر و شاعری، علوم فی الحقیقت، المصنوع، شیخ ابراہیم سطور، علیہ عام پرنس لاہور، مولانا محمد امجد علی صاحبہ، قرآن اور کراچی۔



آغا مرزا: غالب کا ایک شناسا خطاط

اللہ "لہاد" تھادی "سنہ" ریواڑی اور فیروز پور بھکرک میات کے قدیم علی مراکز ہیں۔ ان مقامات سے مرزا غالب کا بھی بڑی قریبی تعلق رہا ہے۔ ان مراکز میں سب سے زیادہ اہمیت ریاست اللہ کو حاصل رہی ہے۔ اللہ ابتداء سے محمد اسلامی سے علم و فن کا مرکز بن گیا تھا۔ 1803ء میں جب اسے ریاست کا درجہ دیا گیا تو یہاں علماء و فضلاء، اطباء شعرا اور دوسرے مشاہیر فنِ کلمت سے جمع ہو گئے۔ یہ قول پیارے لعل شہرست

شور ہے شعر و فن کا ہر طرف
ان دنوں اللہ جہاں آباد ہے

اللہ کے علماء و فضلاء میں مولانا فضل خیر آبادی (1278ھ/1861ء) مولانا نور الحسن کاندھلوی (1285ھ/1868ء) مولانا نجف علی خاں بھجری (1299ھ/1881ء) مولوی نجف علی اللہوی۔ ان کے بیٹے مولوی دیدار علی (1930ء) مولوی ارشد علی اللہوی، مولانا سید ابوالحسن (2) (1960ء) مولانا سید ابوالبرکت، مولانا دکن الدین اللہوی (1936ء) مولوی عطیت علی بھجری، مرزا کاظمی (3) (1961ھ/1761ء) حکیم وزیر علی اکبر آبادی، اللہ حکیم مبارک علی اکبر آبادی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ شعراء میں میر سدی بھوج، مرزا قربان علی بیگ سالک، غنی ہرگوبال، فقیر، زمین العابدین خاں عارف (4)، خواجہ ایمان دہلوی، غمیر الدین غمیر دہلوی، رجب علی بیگ سور، قصور، الیکٹریٹر، بیڈرلی آزاد، چارج فیس شور، ہوزف، قمر الدین خاں راقم، مولانا دلدار علی طرزی، قلام علی وحشت، جہان شاہ، سلطان، نواب احمد مرزا خاں، رشید اکبر آبادی، تھنہ وغیرہ۔ اور خطاطوں میں آغا مرزا، سلطان سنگھ، میر محمد علی، بھوج سنگھ، لالہ فخر اللہ، محمد ابراہیم، محمد حفیظ الدین، محمد یوسف۔ اور نامور اصحاب میں نواب احمد علی (دولت فیروز پور، بھکرک و لہاد)، مرزا مستور یار بیگ، غنی اسماء جان (5)، فضل اللہ خاں، انصاف اللہ خاں، قلام علی خاں، جہولوی سلیم الدین، عبد اللہ کشمکش، شیخ ابراہیم، شمشیر سائر، رحیم سین ستارہ، لمن اور میاں پاپک سوار، سکھ اور صدیقی پٹوان، میاں قمر علی پٹے باند وغیرہ متعدد ادیب کمال کا تعلق اللہ ریاست سے رہا ہے۔

اللہ کے انہی نامور ہذہدوں میں آغا مرزا صاحب ہیں جو میر پنجہ کش (6) کے شاگرد تھے اور ہم عصر خطاطوں کے سرخیل ان کی عظمت کا اعتراف ان کے متعدد معاصرین نے کیا ہے۔ مولانا قلام علی بخت تھی "تذکرۂ خوش نویس" میں لکھتے ہیں:

"آغا مرزا جہان صالح سادات اکتساب از تہذیب و شاکر رشید سید امیر رضوی است، انسان سلیم العین، متواضع، باہر کس باطن و اخلاص پیش ی آید۔ در خط نقیض کمال حاصل نمود۔ دوش بدوش استاد رسیدہ و

مقلی را بطرز آقا عبدالرشید بدرجہ اعلیٰ رسانیدہ۔ ہاراقم از احوال ملی و نمائین رابطہ ہے تنگنی زیادہ از
پاکت و بجکتی است۔" (7)

"آغا مرزا صالح اور نیک جوان ہیں سید امیر رضوی (مصوف بہ پنجہ کش) کے شاگرد ہیں۔ سلیم الخلیج اور محتاض
بیز ہر ایک کے ساتھ اتفاق و انطواء سے پیش آتے ہیں۔ خطِ تشلیق میں انہوں نے کمال حاصل کیا۔ حتیٰ کہ اپنے
استاد کے برابر پہنچ گئے۔ اپنی مقلی آقا عبدالرشید و مقلی کے طرز پر اظہار ہے تک پہنچا دی۔ راقم کے ساتھ ان کے
ملی روابط ہیں۔ ہم بڑی ہے تنگنی، بجکتی اور پاکت ہے۔"

سر سید احمد خاں بھی شخصیت بھی آپ کے فن کی مداح اور آپ کے کمال کی مستحکم تھی۔ چنانچہ آپ
فرماتے ہیں:

"جانب آقا کمال شاگرد سید امیر صاحب کے موصوف نے اس فن میں کمال پہنچایا کہ استاد کو ان کے کمال پر
کمال ناز ہے اور وہ اس فن کی تحیل کے سبب اساتذہ سلف سے ممتاز ہیں علاوہ اس فن کے فن۔ بجکتی میں
بھی اقران روزگار سے گمے سبقت لے گئے اور یہ اہلیت و صلاحیت ایسی ہے کہ جس کا بیان نہیں اور وہ
انتقاد کہ اپنے استاد کے بارے میں دیکھتے ہیں خامہ وہ زبان کی مجال نہیں کہ بیان کر سکے۔" (8)

محیفہ خوش فوہیاں میں احزام الدین شافل مرحوم نے ان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

"آغا مرزا یام دلی وطن اور مقلی اصل تھے اور میر پنجہ کش کے شاگرد آقا عبدالرشید و مقلی کی طرز پر تشلیق
بست اچھا لکھتے تھے۔ اپنے استاد کے خط سے اپنا خط ایسا ملایا تھا کہ یہ قبر مشکل ہوتی تھی کہ میر پنجہ کش کی
وصلی ہے یا آغا کی۔ خطِ شلیق بھی بست خوب لکھتے تھے۔ کچھن سکھ بھال خوش نویس انہی کا شاگرد تھا کہ
تشلیق کی شان بست بلند تھی۔" (9)

"مسی انتھاب منہ ستاروں سے پہلے وہ ریاست ہجر میں ملازم ہو گئے تھے۔ نواب ہجر نے ان سے ایک لاکھ کے
مصرفے سے گلشن کا ایک چور نمونہ چار گودایا تھا، کچھ عرصے کے بعد راجہ بنے سکھ والی (اور (8) کے دوبارہ میں ملازم ہو
گئے۔ وہاں انہوں نے راجہ کی فرمائش پر گلشن کا دو نمونہ لکھا، پھر پندرہ سال کی مدت میں تیار ہوا، راقم نے یہ
دیکھا ہے۔ یہ آج کل اور میمنہم میں بڑی فولاد محفوظ ہے۔ اس پر متعدد نقوشوں میں تصاف بھی ملا ہے۔ 1874ء میں
سرطے لائن کا افتتاح ہوا تو اس وقت دلی میں چالیس معزز آدمیوں کا وفد الود آیا، اس موقع پر بھی اس کی فرائض
کودائی گئی۔ اس کی خبر دہ بدہ سکھ دی (10) 5 اکتوبر 1874ء میں شائع ہوئی جس میں اس نسخے کی قیمت ایک لاکھ ستر ہزار
روپیہ بتائی گئی تھی۔"

راؤ راجہ بنے سکھ کی فرمائش پر آغا مرزا نے ایک نمونہ قرآن مجید کا بھی کتابت کیا جس پر دس ہزار روپیہ کا
مصرفہ آیا تھا۔ یہ نمونہ بھی الود میمنہم میں بڑی فولاد محفوظ ہے۔

تقسیم ملک تک آغا مرزا کی دلیاں بھی بڑی قدلوں میں اور "بے پر ریز دلی کے متعدد کتب خانوں میں محفوظ
تھیں، مگر اب غایب ہیں۔ اس وقت راقم انکشاف کی معلومات کے مطابق ان کی صرف تین دلیاں موجود ہیں

(۱) احرام الدین شاعری مرحوم مولف محمّد خوش نویساں کے ذخیرے میں۔ (۲) مولانا آزاد لاہوری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں۔ (۳) کراچی میں۔ ان کے علاوہ تامل کسی کا سراغ نہیں مل سکا۔

احرام الدین شاعری مرحوم اور شاید انہی کی ابتداء میں ہالک رام صاحب نے آغا کو ارمی افضل بتایا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ آغا جرمین تھے، جرمین سے ہندوستان آئے اور چوں کہ بھارتی تھے اس لئے ایک ارمی بھارتی خاندان کے ساتھ ہی رہنے لگے۔ شاید اسی سے احرام الدین شاعری مرحوم کو دھوکا ہو گیا، تقریباً سترہ اور ساٹھ مراجع ان کو جرمین نسل کا ہی بتاتے ہیں (۱۲) نئی مضمون قانونی جو آغا کے معاصر ہیں اور جہاں (۱۲) میں تحصیل دار تھے، انہوں نے الود اور جہاں (۱۳) کی دو تاریخیں لکھی ہیں، دونوں ۱۲۹۰ء کی مطلوبہ ہیں۔ انہوں نے بھی آغا کو جرمین نسل کا بتایا ہے۔

"تاریخ خطاطی" کے مولف اعجاز دہلی نے گلستان کے مذکورہ نسخے کی کتبیت کو میرنچہ کش کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "میرنچہ کش نے راجہ الود کی فرمائش پر گلستان سعدی کا ایک نسخہ کتبیت کیا جو سترہ سال میں مکمل ہوا اور اس پر ایک لاکھ سے زیادہ خرچ ہوا (۱۴) لیکن یہ سو مولف ہے۔ نسخہ مراجع گلستان کے موجود نسخے کو آغا مرزا ہی کا تحریر کردہ بتاتے ہیں۔ اس مخطوطے کے بارے میں متعدد ذیل اطلاعات یقیناً دلچسپی کا باعث ہوں گی۔ لکھا جاتا ہے کہ اس نسخہ کے ایک نسخے کی کتبیت پر چند دن اور پوری کتب پر بارہ سال صرف ہوئے۔ حلیہ کی تزئین کاری کا کام عبدالرحمن الود کی اور نصی عظمی الود نے کیا۔ تصویریں غلام علی خاں نے بنائیں اور تجلید کا کام عبدالرحمن نے انجام دیا۔ اس نسخے میں سترہ رنگین تصاویر ہیں۔"

گلستان کے اس نسخے کی اہمیت اس لئے مزید بڑھ جاتی ہے کہ مرزا غالب نے سات اشعار پر مشتمل ایک فارسی قطعہ تاریخ اس نسخہ کی تکمیل پر لکھا تھا۔ پروفیسر مختار الدین احمد کا مضمون ہوں جن کی حمایت سے اس قطعے کی نقل حاصل ہوئی۔

قطعہ یہ ہے۔

پیدا ہواے دولت و اقبال جاوید
ہفتش کے زبانیہ سبایں آستان
زائیں کہ در بہار شود آواز
نارنگہ خاند را بہ نگارشی گہر فغان
زائیں کہ در سوا دشب انجم شود عیسیٰ
از دوسے طرز صحیح در معرض عیان
بایہ کہ دل ندرہ گلستان ہے خواں

فرزاندہ پاکند مبارک و راجہ را
مرش کے زکار مزاران ہارنگہ
فرمودہ نامتراز گلستان کنگہ نو
آغا کہ حق سپردہ بدستش کلیہ منج
دھند حسن جو ہر الفاظ از داد
غالب طراز سال بدیں کو نہ نقل بہت
ہر کس کہ خواہد آگہی از سال اهتمام

گلستان ہے خواں : ۱۲۳۱ء

سال کتبیت : ۱۲۶۵ء

بحر حال یہ دونوں نسخے خطاطی کے خواہ میں شمار ہوتے ہیں۔ نسخہ ہجر کو سیاحت پنجاب کے دوران مبارک

منگل شکر والی اور نے غریب کر عمارت راجندر سنگھ والی پتیل کو دے دیا تھا۔ اس وقت غالب یہ نسل پتیل ہی میں ہے۔ آغا مرزا صرف ایک فن کار ہی نہیں تھے بلکہ ان کے فن نے ان کو جو مرتبہ عطا کیا تھا اس نے انہیں اور کی اہم شخصیات میں شامل کر دیا تھا۔ ان کی رائے سیاسی و انتظامی امور میں بھی بادلن لگی جاتی تھی۔ شفیق امروہاؤں کو دین ان ریاست اور مرزا استبداد پر یک کو نائب دین انہی کے مطورے سے بتایا گیا تھا۔ ان کے شاگردوں میں یحییٰ شکر جلال کے علاوہ شفیق رحیم اللہ (18) اور میرد علی اللہ (17) جیسے پاسے کے خط شفیق کے استاد گزرے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی یقین ہے کہ متعدد اصحاب نے آغا مرزا سے کتابت میں استفادہ کیا ہو گا۔ افسوس کہ اس سلسلے میں مزید معلومات ہمارے سامنے نہیں ہیں۔

آغا مرزا کی وفات 1274ھ مطابق 1857ء میں ہوئی۔ آغا مرزا (18) بادۂ تاریخ ہے۔ لالہ سری رام نے لکھا ہے کہ ایام غدر میں یہ دونوں استاد شاگرد گوروں کے ہاتھوں مارے گئے۔ (18) لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے استاد و شاگرد کے ایک ہی سال وفات کی وجہ سے لالہ سری رام کو دھوکہ ہو گیا۔ ورنہ ایام غدر میں آغا مرزا اللہ میں تھے اور اللہ گوروں کے قبضے سے محفوظ رہا تھا۔

شفیق خدوم قانونی نے آغا مرزا کی وفات پر یہ قصیدہ تاریخ نقل کیا ہے۔

روح آغا چوں سوے فردوس رفت قدیاں مستعد او را
از پے تعلیم و تاریخ وفات گفت رضاں میرزا آغا (20)
آغا مرزا گاہے فکر خلق بھی کیا کرتے تھے۔ لالہ سری رام نے ان کے یہ ۱۰ شعر نقل کیے ہیں۔

کوئی دارا کوئی جم اللہ کوئی استعد ہوا
دراغ سراپا ہمیں نام خدا افر ہوا

سرخ ہے سہاگ قاتل آج دیکھا چاہیے
قصہ اس قاتل کا اب ہے کس کے شب خواب ہوا

میرزا بکراؤ نے جو کہ جلد شعر میں ان کا یہ شعر درج کیا ہے۔

کل اس ملک پہنچ دیکھا تھا یہ دور

جو مجھ کو چپ ہی لگ گئی ایسی کہ کیا کسوں (21)

حاشی و حقیقت

(1) تمام ماہی شائع نے ان کا قصہ تاریخ وفات کہا ہے جو ارسلان شہار کے چرے دیوان میں ہے۔

شہر کو دہلی میں علم و ہوش
شہر کو دہلی میں علم و ہوش
شہر کو دہلی میں علم و ہوش
شہر کو دہلی میں علم و ہوش

(2) قصہ تاریخ وفات دہلی ہے۔
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش

(3) قصہ تاریخ وفات دہلی ہے۔
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش

(4) ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش

(5) ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش

(6) (7) (8) (9) (10)

(11) ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش

(12) ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش

(13) ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش

(14) ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش

(15) ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش

(16) ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش

(17) ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش

(18) ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش
ہمارے دہلی میں علم و ہوش

مشہور عالم 1904ء کو انگریزی کے کتب خانے میں شمول ہے۔

اداکشیاں اور کتب پر دیکھ کر اللہ علیہ السلام داکم، سہ ماہی 20 جنوری 1991ء

انوارِ مہربان، کتبدری کی مذکورہ اشاعت 20 چھاپا ان کی سلسلہ میں اس میں کتب کا تھا ہے۔

(10)

انوارِ مہربان، کتبدری کا مشہور کتب ہے۔ عبد انگریزی میں مشعل سرگودھا۔ 1826ء سے 1843ء تک ایک چند ریاست بہار، صوبہ قادی

(12)

کے مہاراجہ قوام اس سرکاری نے دیکھے۔ بہار (پھر 1903ء کے بعد) مشہور عالم اللہ علیہ السلام 1903ء مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ

دہلوی" شہرہ آفاق شہید (1796ء) میں دیکھ کر شہرہ آفاق (1826ء) میں سلام اہد (1903ء) راجہ "جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

دہلوی، چاندپوری "شہرہ آفاق" شہید (1796ء) میں دیکھ کر شہرہ آفاق (1826ء) میں سلام اہد (1903ء) راجہ "جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

ایک علی دہلوی میں کرم میں کی شہادت میں 1800ء۔

انور کی تاریخ "سورج لاہور" سہ ماہی 20 جنوری 1991ء مرزا ہلالی کی تاریخ "مرزا جنگ" شہرہ آفاق (1796ء) شہرہ آفاق تاریخ ہے۔

(17)

شہرہ آفاق "سورج لاہور" سہ ماہی 20 جنوری 1991ء مرزا ہلالی کی تاریخ "مرزا جنگ" شہرہ آفاق (1796ء) شہرہ آفاق تاریخ ہے۔

شہرہ آفاق "سورج لاہور" سہ ماہی 20 جنوری 1991ء مرزا ہلالی کی تاریخ "مرزا جنگ" شہرہ آفاق (1796ء) شہرہ آفاق تاریخ ہے۔

شہرہ آفاق "سورج لاہور" سہ ماہی 20 جنوری 1991ء مرزا ہلالی کی تاریخ "مرزا جنگ" شہرہ آفاق (1796ء) شہرہ آفاق تاریخ ہے۔

(14)

انوارِ مہربان، کتبدری کا مشہور کتب ہے۔ عبد انگریزی میں مشعل سرگودھا۔ 1826ء سے 1843ء تک ایک چند ریاست بہار، صوبہ قادی

(15)

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی

مرزا ہلالی "مرزا جانا جنگ" چاندپوری "شہرہ آفاق" چاندپوری سلامی



مولانا غلام رسول مر

الطائف نجیبی ”قاطع برہان“ کے سلسلے کی ایک کتاب

کتاب کی کیفیت

”الطائف نجیبی“ ”قصص تاریخ“ اور ”صحیح نامہ“ کو شامل کرتے ہوئے چوالیس صفحے کی ایک کتاب ہے جسے شہادت کے اعتبار سے زمانہ سمجھنا چاہیے سرورق پر سب سے پہلے مقدمہ و ذیل شعر جلی حروف میں مرقوم ہے:

ایں نوز کہ بہت رکھ ارنگ

سچک بود برائے خربنگ

ارنگ مانی کے مرقع کو کہتے ہیں۔ سرنگ ”دھول کو اور خربنگ ”تنگڑے کو۔ شعر کے بعد سرورق کی عبارت یہ ہے
معت ایہودا کہ نتجود فکر ملحق مد حق میاں داد غل سیاح الطائف بہ سیف الحق ایں نوزہ شرف مسی بہ

الطائف نجیبی

یہ جواب ”عرق قاطع برہان“ بہ صحت نام دستی لا کلام غنیش ہار

یہ اہتمام میر تقی الدین در اکمل الطائف دلی طراز اجمل گرفت

دوسرے صفحے کا نصف سے کسی قدر کم حصہ چھوڑ کر اصل کتاب شروع ہوئی ہے۔ دیباچے کے علاوہ یہ ہیں لطیفوں پر مشتمل ہے اور صفحہ ۴۱ پر ختم ہو گئی ہے۔ صفحہ ۴۲ اور صفحہ ۴۳ پر پانچ قصص تاریخ ہیں: دو فنی ہا ہر نگہ جوہر قصص دار بلب گڑھ کے تیسرا میرزا یوسف علی خان مرزا کا جنہیں ”سراج الشعراء“ اور ”سلطان الزکریا“ کہا گیا ہے چوتھا میرزا شہناز علی بیگ خان رضوان کا۔ یہ تینوں میرزا غالب کے شاگرد تھے۔ پانچواں قطعہ ہماری لال کا ہے جس نے ”الطائف نجیبی“ کی کتابت کی تھی۔ ہر وقت کے لیے یہ عبارت درج ہے:

الحمد لله والمنعت کہ امین مجتہد سادی یعنی ”الطائف نجیبی“ بہ شیریں کاری کام پر دلائل اکمل الطائف بہ تاریخ

بست و نیم ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ طبع شد۔

گوکہ کتاب ۱۱۔ اکتوبر ۱۸۷۳ء کو چھپی۔ صفحہ ۴۲ مطبوعہ کتاب کی غلطیوں کی تصحیح کے لئے وقف ہے اور اسے عام رواج کے مطابق ”غلا نامہ“ نہیں بلکہ ”صحیح نامہ“ قرار دیا گیا ہے۔

”عرق قاطع برہان“ فنی سید سعادت علی نے قرآن مجید الحرام ۱۰۰۰ء کو مکمل کی تھی اور اسی سال یہ چھپ گئی

تھی۔ ۸۰۰۰۰ لوانکل جون ۱۸۸۳ء میں شتم ہوا۔ گویا چند مہینوں میں میرزا غالب کی طرف سے اس کے جواب میں دو رسالے شائع ہوئے: اول "مسائل عبد الکریم" دوم "مطائف فہمی" تیسری کتاب مولوی نجف علی نے "مواضع ہدیان" کے نام سے شائع کی۔ اس کے بعد جو مخالف یا موافق کتابیں طبع ہوئیں وہ پیش نظر تذکرے کے دائرے سے خارج ہیں۔

مصنف کی بحث

اس سلسلے میں سب سے پہلا بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ "مطائف فہمی" کا مصنف کون تھا؟ کتاب پر میاں دلو خاں سیاح کا نام درج ہے، جنہیں میرزا غالب نے "صیغ الحق" کا خطاب دیا تھا۔ وہ خود ایک مکتوب میں سیاح کو لکھتے ہیں:

"حمیں جو میں نے صیغ الحق خطاب دیا ہے، اپنی فوج کا سالار مقرر کیا ہے، تم میرے ہاتھ ہو۔ تم میرے بازو ہو۔ میرے نطق کی تلواریں تمہارے ہاتھ سے چلتی رہے گی۔"

یہ خطاب پہلی مرتبہ "مطائف فہمی" ہی کے ذریعے سے منظر عام پر آیا اور سیاح اس وقت مرزا کے پاس نہ تھے بلکہ سورت میں نواب میر نظام پاشا خاں رکھیں اعظم کے پاس تھے۔ اگر اسے واقعی سیاح کی تصنیف فرض کیا جائے تو یہ ماننا لازم ہو گا کہ "عرق قلع" چھپ کر سیاح کے پاس پہنچی، اس نے کتاب دیکھتے ہی "مطائف" مرتب کئے، انہیں طباعت کے لئے میرزا کے پاس دہلی بھیج دیا اور یہ سب کچھ چار پانچ مہینے میں ہو گیا۔ یہ بات تو خیال میں آ سکتی ہے کہ سیاح کے دل میں "عرق" کے جواب کا خیال پیدا ہوا ہو، لیکن وہ اپنے افکار کو "مطائف" کی شکل میں پیش نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اسلوب صرف میرزا غالب ہی کے عادت آفریں دماغ کو سمجھ سکتا تھا اور وہی اسے قلم لازم کے ساتھ لطف انگیز الفاظ کا لباس پہنا سکتے تھے۔ یہ حقیقت کسی خاص توفیق کی علامت تھی، لیکن جو شاہد میں پیش کرنے والا ہوں، انہیں کسی خاص توفیق کی علامت نہیں، لیکن جو شاہد میں پیش کرنے والا ہوں، انہیں ملاحظہ فرماتے کے بعد ہر صاحب فکر و نظر، روشن ہو جائے گا کہ "مطائف فہمی" خود میرزا نے لکھی۔ سیاح کو اصل کی ترتیب کا بھی علم نہ تھا، یہاں تک کہ کتاب چھپ کر شائع ہو گئی اور میرزا غالب نے اس کے نئے سیاح کے پاس بھیجے۔ وہ خود ایک مکتوب میں سیاح کو لکھتے ہیں:

"فہم میں آپ نے بہت سے مطالب لکھے، مگر ہمیں کتابوں کے دو پارسلوں کی رسید نہیں لکھی۔ یا ایک پارسل جو بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے، اس میں وہی "مطائف فہمی" ہے جس کو میں نے اپنے مسئلے میں دکھ کر بھیج کیا ہے۔ اس کے پیچھے سے یہ دعا ہے کہ تم ان تین رسالوں کو اس کے مطابق سمجھ کر لو۔" کتاب کی صحیح مصنف کا نام ہے، نہ کہ قاری کا۔ اگر "مطائف فہمی" سیاح کی تصنیف تھی تو میرزا کو یہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ "میرزا دوست کو ان فہم سامنے رکھ کر اپنی فہموں کی صحیح کر لو۔"

"مطائف فہمی" کی ابتدا

میرا خیال ہے کہ میرزا نے "عرق" کے صحیح ہی "مطائف فیحی" کے لئے ضروری چیزیں فراہم کرنے کا سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ ہمارے سامنے ان کے تمام مکاتیب موجود ہیں۔ اگر ہوتے تو بہت سی بیش قیمت مطبوعات مل جاتیں۔ مثلاً وہ ایک مکتوب میں نواب علاء الدین احمد غلامی کو لکھتے ہیں:

"یہ رسالہ موسوم "بہ عرق قاطع برہان" جو (شہاب الدین احمد خاں) ثاقب نے تم کو بھیجا ہے، میرے کئے سے بھیجا ہے اور اس ارسال سے میرا مدعا یہ ہے کہ مطالعے کے وقت اس کتاب کی بے ریلی عبارت پر اور میری اپنی قرابت اور نسبت ہائے عیدہ پر نظر نہ کرو، بلکہ وار ویکو اور ازروے انصاف غم نہ ہو، بے حیف و میل۔ اس نے جو مجھے دکھایا وہی ہیں، ان پر قصہ نہ کرو۔ خطبیاں عبارت کی "شدت الخطاب علی" سوال و جواب دیگر، ان باتوں کو ملح نظر نہ کرو، بلکہ اگر فرصت مساعدت کرے تو ان مراتب کو الگ الگ ایک کافہ پر لکھو اور بعد اتمام میرے پاس بھیج دو میرا ایک دوست دودھانی کہ وہ من جلدہ رجل الغیب ہے، ان دنوں کا خاکہ اڑا رہا ہے۔ نیز دشمن نے اس کو مدوی ہے۔ تم بھی بھائی دودھانی۔"

ظاہر ہے کہ میرزا خود بھی "عرق" کی خطبیاں جمع کر رہے تھے۔ نواب ضیاء الدین احمد غلامی نے بھی یہ کام بنائے لیا تھا اور میرزا چاہتے تھے کہ نواب علاء الدین احمد غلامی بھی جتنی مدد دے سکیں، ضرور دیں۔ مقصود یہ تھا کہ مختلف ادباً نظر اپنے اپنے اندازے کے مطابق جو جو خطبیاں ہونے کا دعویٰ کریں گے، انہیں جمع کر کے جو اپنی یا قلمی کتاب یا رسالہ مرتب کر لینا سہل ہو گا۔ اگرچہ میرزا نے اس مکتوب میں ایک "مذمت دودھانی" کا ذکر کیا ہے، مگر وہ من جلدہ رجل الغیب کہتے ہیں، لیکن وہ خود میرزا تھے، نہ کہ وہاں دلو غلامی سیاح، جو ان حالات سے بھی ظاہراً بے خبر تھا۔

"سیر سیاح"

ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ "مطائف" کا اسلوب تحریر سیاح کے اسلوب سے بالکل مختلف ہے، سیاح کے خطوط تو ہمارے سامنے نہیں، لیکن ان کی ایک کتاب "سیر سیاح" کے نام سے فنی نو کثیر نے ۱۳۵۷ھ میں شائع کی تھی۔ یہ سیاح کی سیاحت ہند کا ایک مرقع ہے، جس میں کچھ کم ساتھ ملے دو مقاموں میں مختلف شعراء کے کلام پر مشتمل ہیں۔ ابتداء میں سیاح نے اپنی سیر کے حالات پر صورت تشریح کی ہے۔ یہ تقر "مطائف" سے کم و بیش سات سال بعد کی ہے۔ اس وجہ سے اس میں زیادہ پختگی، زیادہ روانی اور زیادہ حسن موجود ہونا چاہئے تھا۔ اس کے برعکس وہ پرانے رنگ کی نثر ہے، جس کے دو دو تین تین فقرہوں میں تائید بندی کا التزام کیا جاتا تھا۔ میں صرف ایک مثال پیش کروں گا۔ فنی نو کثیر کی مصلیٰ نوازی کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

"سیر چشمی، سبحان اللہ۔ منٹل بزرگ واہ واہ۔ حوصلے کی ٹھونڈی ہمت کی پھری بات بات میں، انضباط لوازم و احتیاط مراسم کی پابندی ملاقات میں۔ راست دان تکلف کے لئے فحاش دکھاتے۔ سو سو طرح سے میرے دل کو بھلاتے۔ ہر مدد مدد مید، ہر شب شب برات۔ صبح و شام اکابر شرکی ملاقات۔ تواضع کوئی کاشغہ کیا"

نے مناعے کو پھٹکا دیا اور قش بکتے گئے اور بھوک دینے لگے؟ اس سوال کا جواب ثانی لکھتے۔

”مطائف نجی“ میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص عالی خاندان ہے۔ علاوہ بری صاحب کمال، یگانہ روزگار، اہل ہندوستان کا صلاح، مسائل منطق فارسی کا مفتی مرزا، سرگودھا لکھتے، آزاد و وارستہ، ستر برس کی عمر کا ہے یعنی اسد اللہ خان غالب۔

”ایسے شخص کی نسبت ہمارا کتنا معنی شان علم و ادب بلکہ خلاف آئین اوسیت ہے۔ فنی سعادت علی نے قطع نظر اور محلات و کلمات سے، کبر بن کا بھی پاس نہ کیا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

کہ حق شرم داد و زوسے سفید

جس سے خالق کو شرم آئے، خلق اس سے نہ شرمے۔ باب الفزع یہ ہے کہ حضرت غالب نے ”برہان قاطع“ کے الفاظ پر اعتراضات کیے ہیں۔ کہیں کہیں ازراہ شرفی طبع عرفان، یہ طریق بذلہ رقم کتا ہوئے ہیں۔ فنی جی نے حضرت غالب کی شان میں سفیانہ وہ کلمات ہمارا لکھے ہیں کہ ایسے کلمات کوئی شریف شخص بہ نسبت کسی آدمی کے نہ لکھے گا۔ محمد حسین دکنی کے اہتمام لینے کا بہانہ مسوع و مقبول نہیں۔ وہ دکنی فنی جی کا کون تھا جو ان کو اس کی خدمت میں کر آیا غصہ آگیا کہ چہو گری سے لال ہو گیا۔ بدن سے ہلینہ بنے لگا۔ مد میں جہاں آگئے۔ آنکھیں بند کر لیں۔ گالیاں بکتے گئے۔“ (”مطائف“ ص ۵)

الغالب محل

ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ لطیفہ نمبر ۴ کا آغاز یوں ہوتا ہے:

”اے صاحبان فہم و انصاف! عبارت ”محقق قاطع برہان“ کو دیکھا جائے۔ غلط بحث، ”الغالب محل“ سوء ترکیب، ”جہنم روزمرہ“ لفظی فہم، اس سے مجھے کچھ کام نہیں۔ بھلا عامیان معوج الذہن کی تشریح کیسی ہو گی۔ خاصاً“ لہٰذا کہ یہ مانگو یا پتھر؟ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک بیچارہ آدمیاں بجا کر گالیاں دیتا ہے یا ایک سڑی کو کسی نے پھیر دیا ہے، وہ قش بک رہا ہے۔“

واضح رہے کہ الغالب محل یہاں بھی موجود ہے۔ یہ نواب علی کے نام کے مکتوب میں بھی موجود ہے جس سے اقتباس پہلے پیش ہو چکا ہے اور اس قطعے میں بھی موجود ہے، جو میرزا نے مولوی احمد علی کی ”تہذیب برہان“ کے جواب میں لکھا تھا:

نور و مشورہ اور اعانتہ محض و الغالب محل
مور و موش و سو خار و گرہ یک جا کر وہ است

دوسرے کے نام سے کیوں؟

یہ ہر حال قرآن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مصداق عبد اکرم کی طرح ”مطائف نجی“ بھی طو میرزا غالب نے لکھی تھی، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس پر اپنا نام کیوں نہ دیا؟ مطلب یا اسلوب تحریر کے لحاظ سے یہ معمولی

کتاب نہ تھی، لیکن میرزا کو اس کے ساتھ احتساب کس لئے گوارا نہ ہوا؟ اس مسئلے میں بھی قیاس آرائی کے سوا چارہ نہیں۔ چنانچہ اب تک قیاس کی بنا پر مختلف دعوہ جہاں کئے گئے ہیں مثلاً

۱۔ غالب "عمرق" کے مصنف کو لائق خطاب نہیں سمجھتے تھے لہذا انہوں نے جو رسالہ دو میں لکھا، اسے اپنے ایک شاگرد کے نام سے شائع کر دیا، جس طرح پہلے "مسائلات" ایک فرضی نام سے شائع کر چکے تھے۔ میرزا نے جواب دیا کہ "عمرق" کے مصنف جو کچھ لکھا تھا، اس کے آغاز میں معنی کا یہ مشہور شعر بھی لکھ دیا تھا:

پاس از جہل معارض شدہ تا منظر
کر کرش بھو سنم ایسی بودش صبح عظیم

اس سے مذکورہ بالا وجہ کی مزید تصدیق ہوتی ہے اور یہ شعر خود طائف میں بھی لکھا ہے۔
اب یہ بھی کہا گیا ہے کہ کتاب کو کسی اور سے منسوب کر کے اپنے حلقہ متابعین کے لئے زیادہ سے زیادہ محبوبان تکلیف جاسکتی تھی۔

میرے نزدیک تیسری وجہ تو چاروں قابل اوقات نہیں کیونکہ کتاب کوئی بھی لکھتا، میرزا غالب کی متانت میں ویسے کلبت ضرور استعمال کرتا، ایسے مصنف نہیں ہیں جو موجود ہیں۔ البتہ پہلی دو وجہیں خاصی معقول معلوم ہوتی ہیں۔ تاہم میرے نزدیک ان کی حیثیت ثانوی ہے، کتاب دوسرے کے نام سے شائع کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس میں نہ تو مباحث کا انداز ملے تھا، نہ "عمرق" کے ایک ایک اعتراض کا جواب دیا گیا تھا اور نہ کتاب کا اسلوب تحریر علمی تھا۔ بالکل بھی کیفیت "مسائلات" کے نام پر تھی۔ ان دونوں میں سرسری طور پر "عمرق" کے خلاف چند اعتراضات کئے گئے تھے۔ چونکہ انہیں طائف کی حیثیت دے دی گئی تھی اس وجہ سے اسلوب تحریر میں مستقل علمی شہادت قائم نہ دی اور میرزا غالب خاص اس مرحلے پر ایسی تحریر اپنے سے منسوب کرنے کے لئے چار نہیں ہو سکتے تھے۔

کوئی علمی تحریر مرتب نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میرزا غالب ۱۸۸۳ء میں اورام و ثور کا شکار ہو گئے تھے اور اس بیماری نے تین سال تک انہیں سخت پریشان و بد حال رکھا۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے جواب کلب علی غاں مرحوم کو لکھا تھا:

جناب قبلہ جاہلت! اس جانشین نے
بڑے خطاب سے کانٹے ہیں پانچ ہار برس

یہ نشانہ ایسا تھا کہ نہ تو وہ اطمینان سے بیٹھ سکتے تھے اور نہ کچھ لکھ سکتے تھے۔ اس دور کے مصائب میں متواتر اس صعبہ مرض کی علامتیں کی جاتی رہیں۔ ان کی تحریر میں جہاں کہیں علمی کی شدت محسوس ہوتی ہے، وہ دراصل ان رنج افزا عوارض ہی کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ ان کے عقیدت مندوں کی کہی نہ تھا بلکہ خاصی کبریت تھی، تاہم گرد و نظر کے اعتبار سے یقیناً وہ پکارت و تھکاہٹ انہوں نے بچ کا تھا۔

پہلے گرم ہوا لکھ نہیں از تا کھے
سایہ بچوں دور ہوا از جہل تا

بہر فرماتے ہیں:

دست در حسرت عقل قدسے مر پے مر
جلد را کہ پے مر خصل ما سے آہ

کوئی فرد ایسا نہ تھا جو ان کا غلطہ نگاہ ٹھیک ٹھیک سمجھ سکتا۔ پھر انہیں کے انداز میں اسے واضح کر سکتا۔ اس لئے انہیں ہر جسمانی زحمت کے باوجود سب کچھ خود کرنا پڑا اور غرض بھی وہ کہہ گئے ہیں "اپنے دائرۂ بحث و تحریر میں اس کی امتیازی حیثیت سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا۔"

"مطالعہ" کی تمہید

کتاب کی تصنیف کے سلسلے میں ضروری امور کی توضیح کے بعد اب کتاب کے مطالب پر متوجہ ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ ایک مختصر سے مضمون میں تمام مطالب پر تفصیلی بحث ممکن نہیں۔ کتاب کا خلاصہ "عزق" کی تلا یا ناقص تحریر سے تعلق رکھتا ہے۔ یقیناً صاحب کتاب کو قاری تحریر پر ایسی قدرت بھی حاصل نہ تھی جیسی غنی امین الدین نے "قلمح القلم" میں یا مرزا رحیم بیگ نے "مطلع بہان" میں دکھائی۔ اگرچہ امین الدین کا طریق تحریر عموماً "سوانح" ہے لیکن غنی سعادت علی تو بے چارہ بالکل مبتدی معلوم ہوتا ہے۔ میں صرف چند لاف کے متعلق سرسری ملاحظہ کروں گا۔ سب سے پہلے تمہید کی عبارت یہاں من و عن درج کرتا ہوں۔ اس سے بھی "عزق" کی حیثیت کے بعض پہلو بخوبی آشکارا ہو جائیں گے۔ لکھتے ہیں:

"سیاح طرور جھندان ہے ہر سیف الحق یہاں داو خاں حق شاموں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ میں دہشتہ والا اور گنگ آہد دکن کا ہوں۔ میں نے بعد تفصیل علوم و مہر سیاحت اختیار کی، بنگال، دکن، پنجاب، وسط ہند، یاد و قریٰ کی۔ کہیں تک نام لوں۔ قمر و ہند میں سرنا سر بہارا ہوں۔ لگتہ خند و کابل و کشمیر و قندھار بھی دیکھ لیا ہوں۔ ان دنوں میں وہ دہشتہ نثر کے میری فکر سے گزرے: ایک "قلمح بہان" اور ایک "عزق قلمح بہان" پہلے نسخے یعنی "قلمح بہان" کا مختلف ایک شخص ہے معزز اور محرم والا مرید، علی شین، علی غازی، انگریزی دکنی دلوں میں محبوب، بدوشہ دلی کے حضور سے خطاب بہ نعم اللہ، دھڑا ملک نظام جنگ یعنی غالب شخص، اسد اللہ خاں بہادر اور "عزق" کا جامع کوئی شخص ہے رعایاے دلی میں سے کہ کبھی کسی زمانے میں کسی عکسہ انگریزی کا سرشتہ وار ہو گیا تھا اور اب غائب نہیں ہے، موسوم بہ عشق سعادت علی۔ نہ نثر سے واقف، نہ نظم سے آشنا۔ نہ عقل کا سرمایہ نہ علم کی دستگاہ۔ کسی بہت میں کسی کا نو میں کسی گھٹت پر کسی ہات پر، اس بزرگ کا نام کسی سے نہیں سنا، اللہ اللہ! غالب نام تو دنا دار کوئی شہر ایسا نہ دیکھا جس میں ان کے وہ چار شاگرد، دس ہیں متفقہ نہ دیکھے ہوں۔ ایک عالم ان کی فارسی دانی اور شیعہ بیانی کا معترف۔ نظم میں محمودی و نظیری و عنی کے برابر نثر میں ثار ان سابق و حال سے بہتر، کلیات نظم نثر و ساری نثر میں "شیخ آہنگ" سک در خوش آب، "دہشتہ" گوہر ثلثیاب، "مہر نبود" غیرت آفتاب۔ ہر کتبہ کتاب، ہر کتاب مشعہ الجواب، جو بلاغت اور فصاحت کو جانتے ہیں اور معنی کا حسن پہچانتے

1999

چشمه اول چشمه دوم چشمه سوم چشمه چهارم چشمه پنجم چشمه ششم چشمه هفتم چشمه هشتم چشمه نهم چشمه دهم

میں نے میں اٹک جمع کے اور اس تلاش کا "اٹک فہمی" نام رکھا!

در	پس	آنکه	طولی	مستم	راشته	آید
آنچه	استاد	ازل	مکت	یکو	ی	مکیم

ہوے کا اہم دے رہے تھے "ترانہ ریڑیاں دراصل مرزا غالب کی تھیں۔

کہ کتاب سیاح کی نہ تھی، میرزا کی تھی، جن کی معلومات سیاح کے مطالعہ کی اہمیت پر جاننے کے لئے شاعرانہ مبالغے سے کام لے لیا۔

”مہمانِ طبع“ میں ”۲“ بھی“ کے معنی یہاں بیان کئے تھے کہ یہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے مردے کا بدن

بعد فصل تنگ کیا جاتا ہے۔ میرزا غالب نے اس پر یہ اعتراض کیا تھا کہ موت کے کفن کو تنگ کرنے کی قید کیا ہے کیوں کہ "آپجی" ہر اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے جسم یا اس کا کوئی حصہ تنگ کیا جائے۔ یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس بارے میں مغالطہ صرف مصنف "برہان طالع" تک محدود نہیں، دوسرے بھی اس میں مبتلا ہوئے اور اس کا سرچشمہ فردوسی کا یہ مصرع ہے:

ندام بہ مرگ آ بکن دکلن

حالانکہ یہ مصرع مفید معنی صحر نہیں۔

یہ بالکل معمول بات تھی اور کوئی وجہ نہ تھی کہ کسی کی سمجھ میں نہ آئی، لیکن ہر مخالف نے اس غلطی میں میرزا غالب کی نہ صرف مخالفت ضروری سمجھی بلکہ یہ الزام بھی عائد کر دیا کہ میرزا غالب فردوسی کو مسلم الشہوت نہیں مانتے۔ اس باب میں "مخالف" کی عبارت کم و بیش دو صفحوں میں پھیلی ہوئی ہے جس میں سے صرف ایک حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"فردوسی شاعر تھا، فرہنگ نہیں نہ تھا۔ مولانا غالب تحفہ کرتے ہیں فرہنگ کہتے والوں کے قیاس کا اور غشی جی اس کو فردوسی کا تحفہ لکھن کرتے ہیں۔ فقیر سیاح کے ایک بات یہاں خیال میں آتی ہے کہ محمد حسین دکنی فردوسی کے شعر کو نہ سمجھا اور غشی جی خان غالب کی نثر کے معنی اٹلے سمجھے۔ غلط غشی کی صفت ہیں اصاصین مشترک ہوئی اور یہ بات ثابت ہے کہ دکنی استاد اور غشی شاگرد ہے اور یہ بھی حقیقت علیہ جمود ہے کہ شاگرد بیٹے کی جگہ اور استاد باپ کی جگہ ہوتا ہے۔ میں اب چاہتے کہ اس مقام پر ہم الولد سر" لایہ کہیں اور غشی جی طوطی ہو کر سلام کریں اور لادب نہ کہیں۔ (ص ۷۸)"

معنی لفظ "فراز"

میرزا نے "طالع برہان" کی ایک تنبیہ میں لکھا تھا کہ صاحب "برہان طالع" "فراز" کو اخلاص میں شمار کرتا ہے یعنی اس کے معنی دروازے کا بند کرنا اور کھولنا دونوں ہیں۔ خود میرزا نے لکھا تھا۔

"فراز" ضد "غیب" است۔ چوں ہنگام ستن تختہ ہائے در ازہر دو سو مئی سے شود اس صورت ہائے دست بر آئینہ ستن دور اور فراز کدوں گوید، چنانکہ سعدی گوید:

بوسے	خودرو	طالع	باز	نحوں	کرد
چو	باز شد	بہ	در غشی	فراز	نحوں
				نحوں	کرد

(طالع برہان ص ۷۸)

غشی سعادت علی نے "معرق" میں لکھا کہ "فرہنگ جماعتی" کے مصنف کے مطابق فراز بارہ معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بعد مثال میں پختہ شعر پیش کئے ہیں "ان میں "فراز" بند کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

۱۔ جہاں پانا از بکن دو تھا اموز

دہاں عالیہ باز است و ہنرم تختہ انراز (کمال اسطیل)

حسن بھٹے دل و دستِ فراز کرد

پہلی فرم سے دوسری فرم تک

مگر "کشلہ" نہیں بلکہ "پلہ" کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ منہ کی صفت کشلہ کی نہیں

مسند حالی و جائیداد نہ کہ مسند مفتوح و کشادہ۔

خواب جانفزا ایک شعر

طوبیہ و جنتیہ

حضور مجلس انیس است و دوستان جمع اند

[illegible]

ظاہر ہے کہ اس شعر میں "دور قراؤں کنجہ" کے معنی یہ ہیں کہ دور اندازہ بن کر۔۔۔ میرزا غالب نے "قاطع برہان" میں اس

کی شرح کرتے ہوئے لکھا تھا۔

”ملت مجلس انس و جمیع انہاب و حرکات و دوستان ہے کثیف را غامد در بزم شراب در ضمیر نقش با دست

پس جس فیصد کہ مجلس افس ظلمت غالی از انظار۔ اگر ناگہان یکدنہ درس جنین الجمن در آید احمد رامیش

منقش و خاطر کندد کردد، محمدرود، هجوم، هام جز گزند، چشم دغم، چشم دگر نیست که آن را بد طواعت انی یاکو

از خود رخ کند و در کشاید آسایش و سوتیاں همه گرد آید و در سوتیاں مجلسی قشاش کند بکده سحران و

عص و نقشب نیز در آیند و مسائل ذالجه امیری برود۔ اگر گوید طوائف ان نیکو بر چه خواهد بود؟ گوئیم بر

مرفع چشم زلم یک دیگر است که اس از چشم زلم بیا کان خطرناک تر است۔ ہر جانکوبہ ی فریبی کہ ٹھٹ

افہار پر: "سنو دروغ سید و بلائے عین الکمال احباب را بہ خواہن ان یکا مکر و تہد"۔ "قاطع یہاں" ص



غشی سعادت علی نے اپنے آپ پر لازم قراء دے لیا تھا کہ جو کچھ میرزا غالب نے لکھا ہے اس کی ضرورت مخالفت

کریں گے۔ اول وہ اس شعر کو مولانا جاہی سے منسوب کرتے ہیں ("مکمل" ص ۶) پھر فرماتے ہیں کہ "دور فراق سبکد"

کے متقی ہیں۔ دیوانہ کھول دو اور دیوانہ کھول دینے میں کھتہ یہ ہے کہ کوئی اس مجلس کی طرف آنکھ نہ اٹھائے اور

اس کی جانب متوجہ نہ ہو اور جب تک وہ مجلس میں شریک ہو کر اس کے اقوال و افعال سے استفادہ نہ ہو گا، مجلس کی

کیفیت اس پر کیونکر آفتاب راہیگی!

میرزا "کلاف" بھی "میں" کہتے ہیں۔

۱۔ غل غل سے کہہ کر کٹی جی کس بات پر اٹھے ہیں۔۔۔۔۔ ان کی فیس پہنچنے کے جس گھر میں

www.pearson.com

لغیفہ لبرہ میں فرماتے ہیں کہ غشی سعادت علی:

”ظہیری! ناز غالب کاغذ سے اچھٹے ہیں کہ تو نے ”سیرالی بیان“ کیوں لکھا؟ ”سیرالی“ بات و حیوان و انسان کے واسطے ہے نہ بیان کے واسطے۔ غشی جی فن استعارہ سے آگاہ نہیں ہیں۔ جو چاہیں سو کہیں۔ اس کے علاوہ ہزار ہیں۔ غشی جی کو مقدمات کی عقلیں فراہم کرنے سے اور مستقیلوں کے مواضع پر حکم چھاننے سے فرصت کہاں ملی ہوگی کہ سب کی سیر کی ہوگی۔ ”غشی“ نہیں کی اور زمین شعر کی صفت پڑتی ہے۔ علائکہ نہ نہیں پھول ہے۔ نہ شعر کی زمین۔ غشی جی! تمہیں اپنے ایمان کی قسم! شاعر کو رنگیں بیان کہیں لکھا رکھا ہے تو اس کو جائز رکھا ہے یا نہیں؟ لیکن اگر ”رنگیں بیان“ جائز ہے تو ”سیرالی“ بھی جائز ہے۔ بتول قصائد ”جیان“ نہ سبز ہے، نہ جانور، نہ آدمی، بلکہ سیراب کہیں کر ہوا؟ اسی طرح ”جیان“ نہ پھول ہے، نہ رات ہوا کپڑا، بلکہ رنگیں کچھ نکر ہوا؟ بیان کی غلطی کی صفت ہے ”رنگیں“ بھی اور ”سیرالی“ بھی۔ الٰہ ہے حضرت غالب مطلوب الغضب ہیں، دکنی کی ایسی ہی پریشاں عیالوں پر قصہ آگیا ہے، تب اس کی تحقیق میں کلمت ختم کے ہیں۔“ (ص ۱۸)

ایک ہی طرح

مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم و مغفور نے میری کتاب ”غالب“ پر فوج یا صبح کے سلسلے میں جو عبارتیں رقم فرمائی تھیں، ان میں ایک عبارت ”قاطع یہاں“ کی بحث پر بھی تھی۔ مولانا نے لکھا تھا:

”واقعہ یہ ہے کہ میرزا غالب نے یہ چند اجزاء“ (قاطع یہاں) نگاہ کر علم و تحقیق کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ افسوس کہ خواجہ طلل نے اس بحث کو زیادہ تفصیل سے نہیں لکھا..... ”یہاں قاطع“ کے جو خرافات انہوں نے نقل کئے ہیں، انہیں پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اعلیٰ علم و بصیرت میں سے کوئی کیونکر ان کی تائید کر سکتا ہے؟ مگر مصیبت یہ ہے کہ سارا معاملہ ایک طرح کا منتقلی معاوردہ تھا۔ اعتراض بندی لغت نویسوں پر تھا اور بندی لغت نویسوں ہی کا کام تھا۔ طور دلیل پیش کیا جاتا تھا۔“

”طائف لہی“ میں بھی اس قسم کے اشارے ملتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

”یاد یہ ہے کہ فارسی زبان ہندو مت کے مخالف نہیں ہیں، مقلد ہیں۔ اکثر توفیق بے سوداہی کے بیماری ہیں۔ اس کی تالیفات کو آٹھ کی پچی ماننے ہوئے ہیں۔ جو بلند پرواز ہیں، وہ ”طائف طالع“ کو عرض المعرفت جانتے ہیں اور اس کے اقوال کو ماننے ہیں۔ پس جب کوئی محقق حق و باطل کا تمیز ہو اور دینی کے افراط ظاہر کرے تو وہ حضرت طبرہ آشیایں گم کر دے کیوں نہ بن جائیں؟ جب ان کا مانتا ہوا ہو گیا تو اب سند کس کو نصرا کریں؟ جس میں یہ دو صفات ثبوتی جمع ہوں گی، یعنی حقیقت زبان فارسی سے آگہی اور انصاف کا حکم، سدا یہ دو صفتیں سلیبی بھی مع ”موجود ہوں گی“ یعنی مودہ پرست نہ ہو گا اور حد پیش نہ ہو گا۔ وہ تو غالب کی قدر جاننے کا اور اس محقق و حق کے قول کو ماننے کا اور ایسے لوگ دنیا میں کم ہوں گے پس اس صغریٰ اور کبریٰ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت غالب کے مناقبین و منکرین ہزار در ہزار پیدا ہو جائیں گے۔ ہر چند اہل حق انہیں سمجھائیں گے لیکن وہ انکار سے باز نہ آئیں گے۔ جمل مرکب کا علاج محال ہے، علم عربی کی قوت سے فارسی دانی محض دہم و خیال ہے۔“ (۳۳۳)

میرزا غالب کا استاد

محفل ”عشق طالع“ نہیں بلکہ بعض دوسرے اصحاب نے بھی ہر مزد یعنی ملا عبد الصمد کو میرزا غالب کا استاد ماننے سے انکار کیا تھا، حالانکہ اس کے لئے کوئی قابل توجہ دلیل موجود نہ تھی۔ ”طائف لہی“ کے لایف نمبر ۱۵ میں لکھتے ہیں کہ ٹٹھی سعادت علی کے نزدیک اس استاد کا وجود خارجی نہیں تھا:

”ہاں! سچ ہے“ وہ ایسا وجود خارجی نہیں رکھتا تھا کہ نامی کے ساتھ حروف بالسنی ہو۔ سامانِ ہجیم کی اولاد میں سے رہنے والا یزد کا ایک امیر زادہ، جلیل القدر، جس نے پچاس برس طلاء عرب و بغداد سے علوم عربیہ حاصل کئے، پھر ہندوستان میں تشریف لایا، حضرت غالب سے ملا اور وہ برس ان کا صمان رہا۔ اس کو ٹٹھی جی کس دلیل سے جھوٹ کہتے ہیں؟ غم الدولہ جھوٹ نہ بولیں گے مگر ہاں بوجہ اس مصرع کے:

کلاب ہمہ را بہ کیش خود چہا ارد

ٹٹھی جی جیسے آپ ہیں، دیا اور کو بھی لکھتے ہیں ”مناقبین مذہب اسلام اس طریق کو جھوٹا جانتے ہیں اور وہ از دوسے شمار نہ تھے و لا تخصی ہیں۔ عیاذ! اللہ! کیا اس اعلان سے مذہب اسلام باطل ہوا جاتا ہے؟“

(ص ۳۵)

ہمارے زمانے میں بھی ایک مشہور صاحبِ علم و تحقیق نے ملا عبد الصمد کے وجود خارجی سے انکار فرمایا تھا اور ایسی دلیلیں پیش کی تھیں، جنہیں دیکھ کر بار بار تہمت ہوا تھا۔ مثلاً کہ ”طائف برہان“ کی طباعت تک کبھی عبد الصمد کا نام نہ سنایا گیا، یا خواجہ حالی نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی میرزا کی زبان سے سنایا، چونکہ لوگ مجھے بے استاد کہتے تھے اس لئے ایک فرضی استاد تجویز کر لیا، حالانکہ خواجہ حالی اس روایت کے باوجود عبد الصمد کے وجود کے معترف تھے یا مثلاً پروفیسر عبد القادر شہباز کی ”حیات بے نظیر“ میں حکیم غلام رضا خاں کا ایک مکتوب دیکھ لیا، جس میں موصوف نے فرمایا

تھا کہ میرزا نے اپنا فارسی یا اردو کلام کسی کو نہ دکھایا اور عبد الصمد کا وجود ذہن میں تھا، خارج میں نہ تھا، گویا اس دنیا کے ہر انسان کا قول لازماً "بلا سند بھی قبول کر لیتا چاہئے اور میرزا کے دعوے کو ضرور غلط ماننا چاہئے۔ میں اس موضوع پر الگ تفصیلاً لکھتا چاہتا ہوں، لیکن یہاں صرف اتنا عرض کرنے کی جسارت کروں گا کہ اہل تحقیق کو فیصلے میں جھلت نہ کرنی چاہئے۔ ملا عبد الصمد یقیناً میرزا کا استاد تھا، اگرچہ میرزا نے اس سے استفادے کا جو تصور قائم کر رکھا تھا، اس کی حیثیت یکم حق ہو اور اگرچہ خود ملا عبد الصمد کے علم فارسی کے حلق وہ راستے درست نہ ملنی جاتے جو میرزا غالب نے چودہ سال کی عمر میں قائم کی تھی۔ خواجہ حالی اور نواب مصلحتی غلط شیفتہ دونوں عبد الصمد کے وجود فارسی کے صدق ہیں، البتہ یہ بالکل درست ہے کہ میرزا نے فارسی یا اردو شعر کسی استاد کو نہ دکھائے اور عبد الصمد بھی ان اساتذہ سے مستثنیٰ نہیں۔ شعر میں استاد کی نفی کا مطلب یقیناً یہ نہیں کہ سمجھ لیا جائے، میرزا نے کسی سے تعلیم پائی ہی نہ تھی۔

میرزا کی ایک خصوصیت

"حلق بہان" کی نثر کے حلق مختلف بھی معترف ہیں کہ اس کا جواب ممکن نہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو "لغات فنی" کی نثر کے بارے میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔ اطہس کہ اب تک اس کا مطالعہ بہت کم اصحاب نے کیا غالباً اس وجہ سے کہ کتاب صرف ایک مرتبہ تھوڑی سی تعداد میں چھپی، پھر اسے چھاپنے کی کوشش نہ آئی، جس امر پر میں بطور خاص زور دینا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ میرزا کو ہر معاملے کی توثیح و تشریح میں ایک خاص حکم حاصل تھا۔ وہ عبارت ایسے انداز میں لکھتے تھے کہ جو کچھ خود ان کے ذہن میں ہو، وہ بینہ دوسرے کے ذہن میں بجاست ہو جاسے۔ پھر عبارت میں بیخاندہ انکاد اور جامعیت ہے۔ ایسا اسلوب قرعہ لغت نگاری کے لئے حد درجہ موزوں تھا میں نے فارسی اور اردو کے پختہ بھی لغت اب تک دیکھے، ان میں سے بے شکائے چند کوئی بھی ایسا نہ پایا۔ جو اسلوب تحریر یا نظم و تنظیم لغت کے اعتبار سے قابلِ توجہ ہو۔ وہ لغت وہی لکھ سکتا ہے، جسے ہر لفظ کے مواقع استعمال پر پورا مہر ہو اور وہ ہر موقع کی توفیق مناسب و موزوں عبارت میں کر سکے ہیں اس سلسلے میں مثالیں پیش کرنا چاہتا تھا، لیکن مضمون بہت لمبا ہو گیا ہے۔ اس لئے مجبوراً اسے ختم کرتا ہوں۔ انشاء اللہ کسی دوسری فرصت میں اس پر تفصیل سے بحث کروں گا۔

سیر سیاح

میاں داو غاں سیاح کی کتاب کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ وہ کتاب آج کل بہت کم باپ ہے اور اس میں سیاح کے کچھ حالات بھی آگئے ہیں، جو میرے علم کی حد تک منظر عام پر نہیں آئے۔ ان حالات کا خلاصہ یہاں پیش کر دینا چاہتا ہوں۔ اغلب ہے، یہ خواہندگانِ کرام کے علم میں اضافے کے موجب ہوں۔

جنوری ۱۸۵۸ء میں میر غلام بابا غاں رئیس اعظم سورت کے بچوں کی تقریب عقد تھی، جس میں غشی نو کشور کو بھی دعوت دے کر بلایا گیا تھا۔ چنانچہ غشی نو کشور صاحب وہاں پہنچے اور سیاح سے خوب چھتیاں رہیں، جن سے غالباً

پہلے بھی شہنائی تھی۔ وہیں فنی صاحب نے سیاح سے عہد لیا کہ کسٹیر آپ نے نہیں دیکھا جولاہی میں آئیں تو اسٹیلے چلیں گے۔ سیاح جولاہی کے بجائے ہر اگست کو سورت سے روانہ ہوئے۔ پہلے نواب حکن کے ہاں ٹھہرے، پھر بمبئی میں فنی نو کشتور کے ایجنٹ میرانی حسن کے ہاں قیام کیا۔ ہر اگست کو بمبئی سے ریل میں سوار ہو کر خلد کو کانپور پہنچے۔ مسلح نو کشتور میں گئے تو معلوم ہوا کہ فنی صاحب انتقاد کرتے کرتے باجس ہو کر ایک قافلے کے ساتھ کسٹیر چلے گئے۔ سیاح کو یہاں تک پہنچا ہوا کہ عجیب اتفاق یہ ہوا کہ پارشل کی کڑت سے ٹرین رگ مچی اور اسی رات فنی نو کشتور رات کے ۲ بجے قافلے کے ساتھ واپس آ گئے، فرض کسٹیر کی سیر کا موقع تو باقی نہ رہا۔ لیکن سیاح کی خاطر قاضی اس جانے پر ہوئی کہ اس کا بیان ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ شاہ میر علی عرف کھٹکے صاحب کو سیاح کی زبانت کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ وہ لکھنؤ پہنچے۔ اکثر اکبر اور اہل علم سے ملاقاتیں کیں۔ اکبر میں سے خاص طور پر قاتل ذکر راجہ محمد امیر حسن خاں رکھیں محمود آباد ہیں، جنہوں نے سواری بھیج کر سیاح کو اپنے ہاں بلایا اور چار روز ٹھہرائے رکھا۔ وہیں راجہ صاحب کے خالہ زاد بھائی نواب رحمت علی خاں سے ملاقات ہوئی۔ ان کے علاوہ سیاح نے لکھنؤ میں جن لوگوں سے ملاقات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے چھ بے گھیش پر شاہ دکیل عدالت، فنی رام پر شاہ دارا الہام حسن الدولہ اور ان کے داروہد مہاش علی قاتل ذکر ہیں۔ متعدد علما کھوں کے گانے سنے۔ بیچ میں سیاح نے چند روز آگرہ، سکندریہ، دہلی اور میرٹھ میں گزارے وہی میں قربان علی بیگ سالک، خواجہ بدر الدین خاں خرم، مہوستان خیال، مرزا محمد حسن خاں عرف چھوٹے مرزا، حکیم محمود خاں، حکیم محمد رضا خاں، سید فتح الدین، نواب خیاہ الدین احمد خاں نیر، مرزا حسین علی خاں ابن عارف سے بھی ملاقاتیں کیں اور غالب کے حواری جاکر قاتل بھی پڑھی۔ میرٹھ میں محمد وجاہت علی خاں مشتم اخبار عالم سے ملاقات منظور تھی۔

سیاح دوبارہ لکھنؤ پہنچے تو سخت بیمار ہو گئے، فنی نو کشتور نے علاج کے لئے طبیب بھی مقرر کئے وہ بھی اور ڈاکٹر بھی۔ فنی بی کی سہا نوازی کے متعلق سیاح کی عبارت پہلے نقل ہو چکی ہے۔ لکھنؤ میں مشاہیر بھی ہوا تھا۔ جس میں متعدد شعراء نے حصہ لیا۔ سیاح نے اس مشاعرے کی تمام غزلیں بہ ترتیب حروف حچی مرتب کر دی تھیں اور اس کا تاریخی نام "سورت شاعراں" رکھا تھا۔ سورت بہ معنی شرف و منزلت۔ اس سے ۸۸۸ھ تاریخ نکلتی ہے۔ لکھنؤ سے کانپور آئے تو وہاں بھی مشاعرے کا انتظام کر لیا گیا تھا، لیکن رمضان شریف شروع ہو جانے کے باعث مشاہیر نہ ہو سکے۔ جن شعراء نے اس کے لئے غزلیں کہی تھیں، ان سے کلام لے کر دو سرا مجموعہ مرتب کر دیا گیا۔ یہ دونوں مجموعے مع اولاد نثر سیاح "میر سیاح" کے نام سے طبع ہوئے۔ کتاب کی ضخامت ۲۱ صفحے تھی۔ سیاح عد۔ نومبر کو کانپور سے روانہ ہوئے۔ آگرہ میں میر غفور حسین دکیل ہائیڈروٹ کے ہاں دو روز ٹھہرے، پھر بمبئی پہنچے اور ایک رات ٹھہر کر میرے اندازے کے مطابق ۲۳ یا ۲۴۔ نوبر ۱۸۸۷ء کو داروہ سورت ہوئے۔

غالب کے دو قلمی دیوان

اور

میر علی بخش خاں رنجور

تحقیق میں قیاس کو درجہء اعتبار حاصل نہیں ہو سکتا، خاص طور پر ادبی تحقیق میں جہاں صدوقِ حقائق کی روشنی میں پیش کئے گئے قرائن کے لئے یہ بحث ضروری نہیں ہے کہ وہ سائنسی حقائق کے ذریعے مرتب نتائج کی طرح "امر واقعہ سے مطابقت رکھیں۔ اس کے باوجود ادبی میدان میں تحقیق و تفتیش کے دوران بعض غلط ایسے رہ جاتے ہیں جنہیں پر کرنے کے لئے محققین کو قیاس کی مدد لینا پڑتی ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ دو مرتے محققین جب ان مسائل سے دوچار ہوں تو وہ اپنی احتیاط برتیں کہ اپنے پیش رو محققین کے قیاس کو قیاس کا ہی درجہ دیں اور ان کو صدوقِ حقائق کی حیثیت دے کر ان پر نئے قیاسات کی بنیاد نہ ڈالیں۔

غالب کی زندگی کے بھی ایسی نگ تک ایسے پہلو باقی ہیں جن کے بارے میں صحیح صحیح اور پوری معلومات فراہم نہیں ہو پاتی ہیں اور مستتر شواہد کی عدم موجودگی میں میر حقائق کی بنیاد پر قیاس آرائیوں کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی صورت حال دیوانِ غالب کے ان دو قدیم ترین نسخوں کے ساتھ پیش آتی ہے جن میں سے ایک بھوپال میں مہاں فوجدار محمد خاں کے کتب خانے میں تھا اور دوسرا پروفیسر محمود شیرانی کے ذخیرہء کتب میں شامل تھا اور جو باہر تیب "نسخہ بھوپال" اور "نسخہ شیرانی" کے نام سے موسوم ہیں۔ ان دونوں قلمی نسخوں کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ ان میں غالب کا ایسا کلام بھی موجود ہے جسے غالب نے طباعت کے لئے اپنا دیوان منتخب کرتے وقت حذف کر دیا تھا۔ "نسخہ بھوپال" پر کتب نے جو تاریخ انعام کتابت درج کی ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کا متن ۱۸۸۱ء میں تحریر ہوا تھا۔ "نسخہ شیرانی" پر کوئی ایسی شہادت موجود نہیں ہے، لیکن عام طور پر یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کی کتابت ۱۸۸۱ء کے قریب ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ان دونوں نسخوں میں غالب کا ۲۵ء سے ۳۰ء سال کی عمر تک کا کلام موجود ہے اور اس لئے کلامِ غالب کی تاریخی ترتیب میں ان نسخوں سے بہت مدد ملتی ہے۔

ان نسخوں کے بارے میں جہاں دوسرے مباحث محققین کی دلچسپی کا موضوع بنے ہیں وہیں اس مسئلے پر بھی نور کیا گیا ہے کہ یہ دیوان کس کے لئے لکھے گئے ہیں اور بعد میں یہ کس کس کے پاس رہے ہیں۔ خود ان نسخوں سے کوئی ایسی شہادت فراہم نہیں ہوتی جو اس مسئلے میں کسی حتمی نتیجے پر پہنچائے۔ نہ ہی غالب کی دوسری تقریرات یا کسی معاصرانہ تحریر سے کوئی خاص مدد ملتی ہے۔ لہذا ضمنی حوالوں کی مدد سے بعض امکانات کے بارے میں قیاس کیا گیا ہے۔ لیکن یہ سب کہ عرض کیا جا چکا ہے مستتر شواہد کی غیر موجودگی میں کوئی ایک قیاس ختم حتمیت اختیار نہیں کر پاتا

اور پیشہ مبتدل قیاسات کی گنجائش دیتی ہے۔

"نثر بھوپال" کے بارے میں ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ میاں فوجدار محمد خاں نے خود اپنا کاتب بھیج کر کلام غالب کے اس نسخے کو تیار کروا کے منگوا لیا تھا (1)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس نسخے کو غالب نے خود فوجدار محمد خاں کو بخار کیا تھا (2) اور اسے فوجدار محمد خاں کے لئے ہی تیار کرایا کیا تھی (3)۔ لیکن جناب امتیاز علی عرشی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسی نسخے کو غالب نے خود اپنے لئے ہی کھسوا لیا تھا۔ یہ قلمی نسخہ اب کم ہو چکا ہے۔ لیکن عرشی صاحب (4) اور ڈاکٹر سید عبد الطلیف (5) جنہوں نے اس نسخے کو تفصیل سے دیکھا ہے بتاتے ہیں کہ اس میں قصیدوں اور غزلوں کے لئے علیحدہ علیحدہ دو لوحیں تھیں جو سنہری کام سے مزین تھیں، جدولیں رتھیں اور طلائی اور پارکا لاجوردی تھا، قرعہ صاحب اور طوطا تھی۔ جس اہتمام سے یہ نسخہ تحریر کیا گیا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محض شاعر کا اپنا نسخہ نہ تھا بلکہ اسے خصوصیت کے ساتھ کسی اہم شخص کے لئے لکھ کر دیا گیا تھا۔ جہاں تک فوجدار محمد خاں کے اپنے کاتب بھیجنے کا سوال ہے تو ۱۸۸۱ء میں جب نسخہ قرعہ کیا گیا تھا فوجدار محمد خاں کی عمر صرف دس سال کی تھی اور اس لئے اس قسم کا کوئی اہتمام کسی طرح قریب قیاس نہیں ہے۔ جہاں تک بعد میں کسی وقت اس نسخے کو فوجدار محمد خاں کی خزانہ کے جانے کی بات ہے تو اس کے بھی کوئی شواہد موجود نہیں ہیں۔ فوجدار محمد خاں "والیہ بھوپال" لوہا قدسیہ بیگم کے بھائی تھے۔ بعد میں ان کی بھانجی سکندر بیگم رکھس بھوپال رہیں۔ خود فوجدار محمد خاں نے کچھ عرصے کے لئے جناب الہیاست اور سکندر بیگم کے چہہ ہونے کے بعد عشق سادہ رکھس بھوپال شاہجہاں بیگم کے رہنمائی کی حیثیت سے کام کیا۔ اس لحاظ سے فوجدار محمد خاں ایک اہم اور بااثر شخصیت کے مالک تھے اور اگر غالب سے ان کے براہ راست روابط ہوتے تو اس کے ضرور کوئی شواہد ملتے۔ لیکن فوجدار محمد خاں کے ان خطوط میں بھی جن کی نقل پر مشتمل نو جلدیں بھوپال کی مولانا آزاد سنٹرل لائبریری میں محفوظ ہیں، غالب کا کوئی براہ راست یا بالواسطہ حوالہ نہیں ملتا۔ چنانچہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ یہ نسخہ بالخصوص فوجدار محمد خاں کے لئے لکھا گیا ہو یا براہ راست ان کو پیش کیا گیا ہو۔ مزید برآں اس قلمی نسخے کے متن میں جا بجا اصلاحات کے علاوہ حاشیے اور آخر میں موجود سادہ اور اقل پر بھی اضافے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ متن کی کتابت کے بعد بھی کسی نہ کسی حیثیت سے اس نسخے کا غالب سے تعلق باقی رہا ہے۔ ملحق محمد انوار الحق مرتب نسخہ جدید نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ نسخہ بار بار بھوپال سے غالب کے پاس جاتا رہا ہے اور غالب نے خود اس میں اصلاحات اور اضافے کئے ہیں (6) لیکن دہلی اور بھوپال کے درمیان فاصلے اور اس زمانے میں ریل و سرائی کی دشواریوں کے مد نظر یہ امکان اتنا قریب قیاس نہیں معلوم ہو گا۔ ایسی صورت میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اولاً کسی ایسے شخص کے پاس رہا ہے جو یا تو غالب سے بہت قریب ہے اور دلاً "فولانہ" غالب سے ان کا نیا کام حاصل کر کے اپنے نسخے میں بیچھاتا رہا ہے یا اس کے غالب سے اسے قریبی تعلقات ہیں کہ خود غالب اس کو اپنے اشعار روانہ کرتے رہے ہیں۔

۱۸۸۱ء کے قریب غالب کے ایسے احباب میں تھے ان کے کام کو جمع کرنے میں دلچسپی رکھتے ہوں اور ہر نئے اضافے سے چوری طرح باخبر رہنا چاہتے ہوں، سب سے نمایاں نام میرزا علی بخش خاں رنجور کا ہے۔ رنجور میرزا الہی

بخش معروف کے ساتھ اسے اور غالب کی اہلیہ امراؤ بیگم کے حقیقی بھائی تھے۔ عمر میں غالب سے چار سال پہلے ہوئے تھے۔ نواب احمد بخش خاں رکس فیروز پور بھمرکہ دلوہارہ ان کے چچا تھے اور ان کے ہی ساتھ رنجور کا قیام فیروز پور میں تھا بھمرکہ دلوہارہ دہلی آتے رہتے تھے (7)۔ ۱۸۸۵ء میں جب بھرت پور پر انگریزوں نے چڑھائی کی تو نواب احمد بخش کے ساتھ رنجور اور غالب بھی تھے۔ اسی صم کے دوران رنجور نے غالب سے یہ آئندہ ظاہر کی تھی کہ وہ فارسی خط و کتابت میں اشتہار کئے جانے والے القاب و نواب اور خط لٹنے کے شمسے اور نہ لٹنے کی شکایت و خبر کے لئے موزوں فکرے ایک مختصر رسالے کی شکل میں نکال کر دیں۔ یاد ہو چکا کہ غالب نے اس روش سے اپنی بیگانگی ظاہر کی بھر بھی انہوں نے اس فرمائش کو پورا کیا (8)۔ یہ رسالہ اب "بیچ آہنگ" میں آہنگ اول کی صورت میں شامل ہے۔

۱۸۸۷ء میں نواب احمد بخش نے انتقال کیا اور ان کے ساتھ ہی رنجور کے سارے بیٹے ختم ہو گئے (9)۔ غالب اس وقت گلگتے کے سفر روانہ ہو چکے تھے 'جب ان کو اس سانے کی خبر ملی تو وہ رنجور کے بارے میں کافی شکر ہوئے (10)۔ نواب احمد بخش نے اپنی زندگی میں ہی اپنی ریاست کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور فیروز پور بھمرکہ کی ریاست ان کے بیٹے بیٹے شمس الدین احمد خاں کے حصے میں آئی تھی۔ شمس الدین احمد خاں کی والدہ 'مدی عرفہ بیو خانم میوانی تھیں' جب کہ احمد بخش کے دوسرے دو بیٹے امین الدین احمد خاں اور ضیا الدین احمد خاں نیز 'بیگم جان کے بطن سے تھے جو کہ ان کی ہم قوم تھیں۔ اس وجہ سے اہل خاندان شمس الدین احمد خاں کو سلا "اپنا ہم رتہ خیال نہیں کرتے تھے اور یہی جذبہ اس تبار کے کلیہ بن گیا جس میں خاندان کے باقی افراد نے شمس الدین احمد خاں کے خلاف ایک مضبوط محاذ بنالیا۔ لیکن نواب احمد بخش نے شمس الدین احمد خاں کے حقوق کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنی وفات سے ایک سال قبل اپنی جائداد کو اپنے بیٹوں میں اس طرح تقسیم کر دیا کہ فیروز پور کی جاگیر شمس الدین احمد خاں کے پاس رہی اور امین الدین احمد خاں اور ضیا الدین احمد خاں کو دلوہارہ ملا۔ چنانچہ نواب احمد بخش کے انتقال کے بعد جن امور کی بخش فیروز پور کی جاگیر سے حلقہ تھی "اس کی ادائیگی میں دشواری پیدا ہوئی۔ ان میں رنجور اور غالب بھی تھے جنہوں نے اس خاندانی تبار سے میں شمس الدین احمد خاں کے خلاف امین الدین احمد خاں اور ضیا الدین احمد خاں کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ نواب احمد بخش کے انتقال کے بعد حالات کو غیر مطمئن بخش پا کر رنجور نے بھی فیروز پور بھمرکہ کے لئے لکھنؤ میں رہے اس کے بعد سچے چرچے ہوئے۔ ۱۸۸۵ء میں جب شمس الدین احمد خاں "ولیم فریزر کے قتل میں ملوث ہوئے اور انہیں چھائی دس دی گئی تو رنجور دہلی لوٹ آئے (11)۔

رنجور کو فیروز پور بھمرکہ سے سو روپے ماحوار و تحفہ ملا تھا جو نواب احمد بخش کے انتقال کے بعد قائم بنا ہو گیا۔ ۱۸۸۵ء میں ولیم فریزر کے قتل کے بعد فیروز پور کی ریاست ضبط ہو گئی اور سرکار انگریزی کی طرف سے رنجور کا پکاس روپے ملانہ مقرر ہوا جو انہیں آخر دم تک ملا رہا۔ (12)۔ البتہ خرد کے بنگلے کی وجہ سے انہیں سینے لوائی دہی۔ لیکن فروری ۱۸۸۵ء میں گیارہ سو روپے میں سے چھ سو مل گئے۔ ممکن ہے کہ چھ سو بھی مل گئے ہوں (13)۔

دہلی لوٹنے پر رنجور نے غالب کے پاس قیام کیا (14)۔ رنجور کے جان کے مطابق غالب اس وقت "سیلانہ آئندہ انجام" کے نام سے اپنا ایک دواخانہ کھل کر چلے تھے جس میں تنزی قزاق بھی درج تھیں۔ رنجور نے یہ خواہش ظاہر

کی دکان میں شامل ٹٹر کے ساتھ دوسری متفرق عمارات جو اس سے ربط رکھتی ہیں اور القاب و آداب پر مشتمل وہ رسالہ جو رنجور کے پاس پہلے سے موجود تھا، نکلا کر کے ایک علاحدہ مجموعہ منظر قرار کیا جائے۔ اس سلسلے میں رنجور کو حکیم رضی الدین حسن خاں کی تحریک اور میر محمد حسین خاں کی تائید بھی حاصل رہی۔ علاوہ ازیں رنجور کو خیال رہا کہ ان کے صاحبزادے غلام فخر الدین خاں بھی اس مجموعہ انشاء سے استفادہ کر سکیں گے (۱۸۱۱ء)۔ اس طرح "سچ آہنگ" مرتب ہوئی جس کی تصدیق خود رنجور نے کی۔

رنجور غالب سے قرائن کے کئی سلسلوں میں شلک تھے۔ وہ نہ صرف غالب کی اہلیہ امراۃ حکم کے حقیقی بھائی تھے بلکہ رنجور کی اہلیہ لانی خاتم بھی غالب کی بھانجی تھیں۔ غالب کی سرف ایک بن بھرنی خاتم تھیں جو مرزا اکبر بیگ بدیشی سے منسوب تھیں۔ ان کے علاوہ غالب کے ایک بھائی میرزا یوسف خاں تھے۔ جو بین عالم شباب میں پاگل ہو گئے تھے وہ دورانِ غم و حلاک ہوئے۔ میرزا یوسف خاں کی انکوئی صاحبزادی عزیزہ امراۃ حکم تھیں جن کی غالب نے رنجور کے صاحبزادے غلام فخر الدین خاں سے شادی کی تھی۔ آئندہ صفحے پر درج مجموعہ قرائن کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔ رنجور نے باقی عمر دہلی میں ہی گزاری۔ یکم جنوری ۱۸۳۳ء کو ۳۱ سال کی عمر میں انتقال کیا اور غلام الدین میں دفن ہوئے (۱۸۵۱ء)۔

غالب کے رنجور سے جو خصوصیت رہی وہ ان قرائن کے علاوہ ان خطوط سے بھی اچھی طرح واضح ہے جو غالب نے رنجور کو لکھے ہیں (۱۸۱۰ء)۔ پائین کے تجھے میں بھی رنجور، غالب کے خاص ہمارا و مدارن تھے اور قیام کلکتہ کے دوران بھی غالب، رنجور کو حالات سے آگاہ کرتے رہے۔ ان خطوط میں جہاں غالب نے رنجور کو اپنی سرگردانیوں کا حال خطا ہے وہیں اچھے خاں کے انتقال کے بعد پیدا ہونے والی پریشانیوں کے لئے اپنی فکر اور تشویش کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس کے نتیجے میں رنجور کو غالب سے جو کمر تعلق تھا، اس کا اندازہ "سچ آہنگ" کے ابتدائے سے ہوتا ہے۔ (۱۸۱۲ء) غالب کی تحریرات سے ان کی دلچسپی سرگرمی و بھرتی کے دوران رسالہ انشا کی فراہمی اور دہلی واپس آنے پر "سچ آہنگ" کی ترتیب کے واقعات سے بخوبی ظاہر ہے۔ رسالہ انشاء کے بارے میں رنجور تحریر کرتے ہیں:

حسب الاتماس من درتے چند از آداب و القاب و شعر و سید خطوط و شکر و عدم رہی مکاتبات رقم فرمود و بہن عطا نمود۔ ان اور اپنی راہوں قبولہ ہناؤ بہتم و آن لکشتہ حار را در فنِ قرین دستور اصل خود ساختم (۱۸۱۳ء)۔

اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابتدا میں غالب نے اپنی ساری نثری نگارشات کو محفوظ رکھنے میں کسی خاص دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ "سچانہ آرزو انجام" کا نثری حصہ بھی غالب صرف ان تقاریر اور مقدمات وغیرہ پر مشتمل تھا جو "سچ آہنگ" کے آہنگ چہارم میں شامل ہیں۔ باقی چار حصے یعنی آہنگ اول جس میں القاب و آداب وغیرہ پر مشتمل رسالہ انشا شامل ہے، آہنگ دوم جس میں مصلوہ و مصطلحات فارسی درج ہیں، آہنگ سوم جس میں خطوط میں نام آنے والے غالب کے فارسی اشعار کا انتخاب ہے اور آہنگ چہارم جس میں غالب کے فارسی خطوط نکلا گئے ہیں، معلوم ہوتا ہے رنجور نے اپنی کوششوں سے جمع کئے ہیں۔

کہا لیا ہے اور پہلے سے تحریر غزلوں سے مقابلہ کر کے ان پر "مقابلہ کردہ شدہ" تحریر کیا ہے۔ لیکن یہی یہ اضافے بہت جگہ میں کئے گئے ہیں اور کسی کم استعداد والے شخص کو بول بول کر فصیح کا کام کھایا گیا ہے جس کی وجہ سے املا کی غلطیاں ہوئی ہیں۔ اسی طرح اضافے کرتے وقت جگہ کی وجہ سے بعض ایسی غزلوں کو دوبارہ بھی لکھ لیا گیا ہے جو پہلے سے درج تھیں، لیکن کاتب کو ان کی صحت پر کرنے کا وقت نہ تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کہیں کہیں متن کے اشعار میں اصلا میں یا حاشے پر معمولی اضافے خود غالب کے قلم میں بھی ہوں۔

"نمودہ بھوپال کے شروع میں موجود سلاہ لوراق پر وہ غیر حقوقی غلط نقل ہے جو غالب نے مولوی فضل حق کو تحریر کیا تھا۔ یہ خط بعد میں غالب نے "ناتراہ گل رعنا" میں شامل کیا اور اسی حوالے سے اسے "بیچ آہنگ" میں درج کیا گیا ہے (28) لیکن ڈاکٹر سید عبداللطیف بتاتے ہیں کہ نمودہ بھوپال میں منقول خط کے خاتمے پر "محمد اسد اللہ" نام بھی درج ہے (28) جو کلیات نثر میں تحریر نہیں ہے۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ خط "بیچ آہنگ" یا "گل رعنا" سے نہیں بلکہ بہت جگہ سے اصل خط یا اس کے مسودے سے نقل کیا گیا ہو۔ غالب نے یہ خط مولوی فضل حق کو فیروز پور سے لکھا تھا۔ جہاں غالب اپنی پیش کے معاملے میں بات کرنے کے لئے نواب احمد خلیفہ خاں کے پاس گئے ہوئے تھے۔ نواب ان دنوں اللہ میں تھے، اس لئے ان کے انتقال میں غالب کو کچھ عرصہ فیروز پور میں قیام کرنا پڑا (27)۔ ہو سکتا ہے فیروز پور میں اسی قیام کے دوران رنجور نے مولوی فضل حق کے نام اس غیر حقوقی خط کو اپنے دوران کے ابتدائی صفحات پر درج کرایا ہو۔ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ غالب اپنی بیاض ساتھ لیتے گئے ہوں اور رنجور نے اس کی مدد سے اپنے نسخے میں مزید اضافے اور ترمیمات کرائی ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب کا فیروز پور میں یہ قیام طویل نہیں رہا۔ اس وجہ سے یہ اضافے اور ترمیمات بھی جگہ جگہ میں کی گئی ہوں گی۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف بتاتے ہیں کہ مولوی فضل حق کے نام خط کی نقل کے خاتمے پر محمد اسد اللہ، اس طرح لکھا گیا ہے کہ "اسد" اور "نمودہ" کے درمیان ایک داغ زائغ ہے (یعنی "محمد اسد اللہ" (28X)۔ کتابت کی اسی قسم کی غلطیاں، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، متن میں کی گئی دوسری اصلاحات اور اضافوں میں نظر آتی ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بدلتا خط میں اور خط املا میں کئی گئی ترمیمات اور اضافے غالب کے قیام فیروز پور کے وقت کے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ صاف خط میں اضافے بھی پہلے کے ہیں جب کہ رنجور شاید دھلی گئے ہیں اور وہاں انہوں نے ایک عرصے تک قیام کیا ہے اور باطمینان ہو غزل کا مقابلہ کوا کے کسی کاتب سے اضافوں کو درج کرایا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو تاریخی ترتیب میں طوطیہ اضافے "بدلتا خط میں اضافوں سے پہلے کے ہیں۔ یہ بھی امکان ہے کہ غالب کے قیام فیروز پور کے دوران رنجور نے اپنے قلمی نسخے پر جو اضافے کرائے تھے، ان سب کے لئے گنجانے نہ نقل پائی ہو۔ اس لئے ان میں سے بعض کو کہیں علاحدہ درج کر لیا گیا ہو۔ شاید ان باقی ماندہ غزلوں کے پیش نظر یا حاشیوں وغیرہ پر بے ربط اضافوں اور املا میں غلطیوں وغیرہ کو دیکھتے ہوئے رنجور یا خود غالب نے راج ان کی ایک اور صاف نقل تیار کرنے کی تجویز دے رکھی ہو یا اس کے برعکس رنجور یا غالب کو ایک ہی نقل تیار کرانے کا خیال پہلے پیدا ہوا ہو اور اس کے لئے رنجور کے پاس موجود نسخے کو بجاہل قیام "خط میں غصہ" ترتیب میں درستی یا املا میں صحت کو مد نظر رکھے بغیر "اضافے اور ترمیمات کر کے مکمل

کر لیا گیا ہو۔ ہر حال غالب اسی مقصد کے تحت بعض ایسی غزلوں پر بھی نکات لگائے گئے جنہیں نئے نسخے سے حذف کرنے کا خیال تھا۔ عرشی صاحب نے تحریر کیا ہے:

"بعض غزلوں کے آغاز کی سلاہ جگہوں میں لفظ "غلا" لکھا گیا ہے اور بعض غزلوں پر حرف "ع" اس طرح لکھا ہے کہ اس کا سر مطلع کے دونوں مصرعوں کے بیچ میں آتا ہے اور دائرے نے ساری غزل کو گھیر لیا ہے۔ یہ سب غزلیں وہ ہیں جو نسخہ شیرانی میں شامل نہیں کی گئی ہیں۔" (29)

یہ نیا صاف کیا ہوا نسخہ ہو سکتا ہے جو اب لاہور یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے اور "نسخہ شیرانی" کے نام سے موسوم ہے۔ عرشی صاحب نے نسخہ شیرانی کو نسخہ بھوپال کا سینہ قرار دیا ہے (30) اور ڈاکٹر وحید قلیش نے اس کی تصدیق کی ہے کہ "نسخہ شیرانی" کے متن میں "نسخہ بھوپال" میں موجود ساری اصلاحات اور اضافوں کو شامل کر لیا گیا ہے۔ اگرچہ ایسی غزلیں بھی نسخہ شیرانی کے متن میں داخل ہیں جو نسخہ بھوپال میں درج نہیں ہیں (31)۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے "نسخہ شیرانی میں بدھائی گئی غزلوں کو ممکن ہے نسخہ بھوپال میں مولوں مقام پر گھنٹا لکھ دی ہوئے کی وجہ سے جداگانہ محفوظ کر لیا گیا ہو اور نئے نسخے کی تکلیف کے وقت انہیں اس میں شامل کر دیا گیا ہو۔ اس لحاظ سے "نسخہ شیرانی" کے متن میں یہ اضافے غالب اسی وقت کے ہیں جب نسخہ بھوپال میں آخری اضافے اور ترمیمات کی گئیں۔

عرشی صاحب نے بتایا ہے کہ "نسخہ بھوپال" میں بعض ایسی غزلوں پر جو دو بار درج ہو گئی ہیں کہیں کہیں "تکرر نوشہ شد" تحریر ہے۔ ہو سکتا ہے "نسخہ شیرانی" کے کاتب نے "نسخہ بھوپال" سے نقل کرتے ہوئے اس اعلیٰ کا اندازہ کیا ہو اور یہ اندازہ کیا ہو۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ جس وقت غالب نے ان غزلوں پر نکات لگائے ہیں جن کو حذف کرنا مقصود تھا اسی وقت وہ بار تحریر کی ہوئی ان غزلوں پر ان کی تکرر ہو اور ان پر "تکرر نوشہ شد" لکھا ہو۔ مفتی انوار الحق نے بعض اشعار کے بارے میں لکھا ہے ان کو کاتب نے "لا" لکھ دیا گیا ہے اور متن میں یا یا حاشے پر اصلاح شدہ شعر یا مصرع لکھ دیا ہے (32)۔ مفتی صاحب کا خیال ہے کہ یہ اصلاحات غالب نے خود کی ہیں۔ مفتی صاحب کا یہ تپاس درست ہو سکتا ہے اور یہ اصلاحات بھی اسی وقت کی ہو سکتی ہیں جب غالب نے بعض غزلوں کو حذف کرنے یا ان کی تکرار کے بارے میں اشارے درج کیے ہیں۔

غالب نے فیروز پور کا سفر غالباً ۱۸۳۸ء میں کیا تھا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اسی سفر کے دوران "نسخہ شیرانی" کی تکلیف شروع ہو گئی اور نسخہ بھوپال میں اضافے بند ہو گئے تو یہ نتیجہ ۱۸۵۰ء ہے کہ "نسخہ بھوپال" میں اس کی تکلیف (یعنی ۱۸۳۸ء) کے بعد پانچ سال کے اضافے اور اصلاحات شامل ہیں اور اس کے بعد جو اضافے ہوئے انہوں نے "نسخہ شیرانی" میں جمع پائی۔

غالب دسمبر ۱۸۳۸ء میں دہلی سے کلکتہ کے لئے روانہ ہوئے (33) اور کلکتہ کاغذ ہوتے ہوئے باقی پہلے "نسخہ شیرانی" میں وہ غزلیں ایسی درج ہیں جن پر "از ہندہ فرستادہ" اور "از ہندہ رسید" لکھا ہے (34) اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک "نسخہ شیرانی" کی تکلیف مکمل ہو چکی تھی یا کم از کم اس مدد کی تکلیف پوری ہو گئی تھی۔

اسی وجہ سے ان غزلوں نے بجائے متن کے حاشے میں جگہ پائی۔ یہ بھی گمان غالب ہے کہ یہ غزلیں رنجور کو ہی پہنچی گئی ہوں گی کیونکہ بخش کے اس قلم سے وہ غالب کے خاص ہمراز و خیر خواہ تھے۔ اور اس سلسلے میں غالب کے دو خطوط جو انہوں نے رنجور کو لکھتے سے لکھے تھے "کلیات نثر غالب" میں درج ہیں (35)۔ اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ غالب 'رنجور' کہہ سہی دوسری منازل سے بھی خطوط روانہ کرتے رہے ہوں اور کلام غالب سے ان کا طبع دیکھتے ہوئے اس خیال کے پیش نظر کہ فیروز پور میں ابھی ان کا دیوان زیرِ کتابت ہے 'غالب نے انہیں اپنی تازہ غزلیں بھی ارسال کی ہوں لیکن بعض ایسی منظومات جو کہ غالب کے قیام کلکتہ سے متعلق ہیں "نژاد شیرانی" میں درج نہیں ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لکھتے پہنچنے کے کچھ عرصے بعد (36) غالب نے رنجور کو اپنا کلام بھیجا ہو گا۔ اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ بہت ممکن ہے کہ غالب کے علم میں آچکا ہو کہ "نژاد شیرانی" کی کتابت مکمل ہو گئی ہے اور اس لئے ہو سکتا ہے انہوں نے حاشیوں و فیوض پر اضافے کو اتنا مناسب نہ سمجھا ہو۔ دوم یہ کہ سفر کلکتہ کے دوران ہی نواب امیر بخش خاں کا انتقال ہو گیا اور کچھ عرصے بعد ہی رنجور فیروز پور چھوڑ کر جگہ جگہ مارے پھرے۔ کھنڈ پیچھے وہاں رک نہ سکے اور کھوٹے گھاتے بے پیر پیچھے رنجور کی ان سرگردانیوں کے دوران تازہ کلام سے واقفیت تو کیا ہو سکتا ہے رنجور کی غالب سے خلا و کتابت بھی موقوف رہی ہو۔ سوم یہ کہ اسی زمانے میں غالب "کلی رحمتا" کے لئے انتخاب میں مصروف ہو گئے 'اس لئے ہو سکتا ہے انہیں اپنے نئے کلام کو کسی دوسرے دیوان میں شمولیت سے دلچسپی نہ رہی ہو۔

"نژاد شیرانی کی کتابت پوری ہو جانے کے بعد رنجور کے پاس ایک صاف اور مکمل دیوان تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ فیروز پور چھوڑتے وقت اس کے بعد بھی انہوں نے "نژاد بھوپال" اپنے لئے جدا کر دیا ہو کسی دہلے سے بھوپال پہنچا اور میاں فہداد محمد خاں کے کتب خانے میں داخل ہوا۔ "نژاد شیرانی" کتب تک رنجور کے پاس رہا اور کن واسطوں سے پروفیسر شیرانی کے ذخیرۂ کتب میں شامل ہوا" ابھی عل طلب مسائل ہیں۔

51

- [illegible]

غالب کا الحاقی کلام — ایک داستان

ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب دینے دفتر کو
وہی جب اس کا اڑا لے گی ہوا ایک ایک
(عالی)

قالبِ صہجہ کا واقعہ ہے، میں علی گڑھ میں ایف اے کی جماعت کا طالب علم تھا۔ میرے عزیز دوست خواجہ مسعود علی قدوائی (1) اور میں چیشیوں میں عموماً ایک ساتھ سڑکتے تھے۔ میں راستے میں لٹاؤ اپنے سابق وطن یا کپور جہاں میرے اعزا رہتے تھے۔ ٹھہر جانا اور وہ آگے بڑھ گئے اپنے مستقر کو پہنچ جاتے۔ کبھی وہ کچھ دن میرے ہمراہ ٹھہر کر گزرتے جاتے، کبھی ہم دونوں اپنے اپنے مستقروں پر کچھ دن قیام کر کے ٹھہر کر جمع ہو جاتے۔ اسی زمانے میں انہوں نے مجھے وصل بلکھائی مرحوم سے ملائی (2)

جو کچھ دن پہلے گورکھپور میں مولوی سہان اللہ صاحب مرحوم (3) کے حسن سلوک سے فیض یاب ہو کر ٹھہر آئے تھے اور انہوں نے نظیر آباد میں ایک خوش قطع، دو حلوئے مکان کرایہ پر لے کر اپنا ماہنامہ "مرقع" نکالنا شروع کیا تھا۔ کوئی بھاس برس کا سن، لہذا قد گول سرخ و سفید چہرہ (جس پر عشقِ شریعت سے قدرے نفاذ پڑی "گول" پھوڑی وادھی تھی) ہونٹ ہر وقت مسکراہٹ کے سبب خاصے کھلے ہوئے (جن کے اندر پان کھانے کے بارود و سفید چھوڑا ہوا تھیں نمایاں رہتی تھی) سونا گر و حیلہ بدن، چوڑی صبروں کا سفید جامہ، بغیر بنیان کے سفید ہی و حیلہ و حلا کر (جس کے اندر ان کا سرخ بدن جھلکتا تھا اور شیروائی نہ پہنے ہوئے کی صورت میں وہ ہاتھ ڈال کر بدن کھاتے اور باتیں کرتے رہتے تھے) "اصلی شیروائی" تری لٹھی، وضاحت کم مگر عام سمجھ بانی "مزاج میں محتات سے نفاذ، فضول، جلد جلد باتیں کرنے کا انداز، شعر کوئی وادھی مگر شعراء کے لئے بیش کشادہ، آغوش، خاطر مدارات میں حلق، مجلس آرا و فیروہ و فیروز، یہ تھے وصل بلکھائی مرحوم!

بکلی ملاقات کے بعد ہی ان سے بے تکلفی کے تعلقات قائم ہو گئے۔ ان کی ذات و صبروں کو خواہ مخواہ اپنی طرف کھینچتی تھی۔ دیر آسانی انہیں چھو نہیں گی تھی۔ چنانچہ کبھی میں تھا، کبھی میں اور قدوائی دونوں ان کے ہاں جاتے اور ٹھہرتے گئے۔ پھر ان سے تعلقات اتنے بڑھ گئے کہ ہمارے خانگی معاملات میں دخل ہونے لگے۔ رسالہ "مرقع" تو نکالتے ہی تھے، خاص بات یہ تھی کہ ان کے ہاں دو دنوں "ادبی" ایسے ایسے شعرا اور اہل علم آتے اور ٹھہرتے رہتے تھے اور مقامی شعرا تو تقریباً ہر شام کو جمع ہوتے اور سخن آرائی کا سلسلہ رات گئے تک رہتا۔ وصل صاحب کا دستِ نرمان و وسیع تھا۔ ہر کھانے پر ان کے مہمان اور وقتی طور پر آئے ہوئے آٹھ دس احباب ضرور ہوتے اور بلاشبہ اور چائے و فیوا کا تو

کوئی حساب نہ تھا۔ قابل ذکر مسلمانوں میں کبھی کبھی دام پر سے ہوش بنگھڑائی آتے تھے۔ ایک بار علی گڑھ سے واپسی پر امیر صاحب بھی مسلمان رہے مگر قابل وہی ایک دن (4) ریاض صاحب (5) کو بھی وہاں مسلمان دیکھا۔ مزہ، معنی (مگر ایک ساتھ نہیں) اثر (کھنڈ میں ہوتے قی) صدر مرزا پوری، اسید انصاری، سراج، امین سلوٹوی، حکیم اشرف، آسی وغیرہ شام کے آنے والوں میں تھے، خصوصاً موقوفہ ذکر ہو طبع فنی قول کشور میں ملازم تھے اور اپنا کام ختم کر کے اپنے بعض شاگردوں یا عقیدت مندوں کے ہمراہ وہاں سے سیدھے وصل صاحب کے ہاں آ جاتے۔

ایک بار شام کی نشست میں اسی صاحب کا کلام سننے کے بعد کسی نے ان سے اہانک کچھ اس قسم سوال کیا: "کئے اسی صاحب، غالب کا غیر مطبوعہ کلام کچھ ہوا؟" میں نے یہ سمجھا کہ سراج واج ان غالب کے بعد جو کلام دستاویز ہو چکا ہے، موصوف اس پر کچھ کام کر رہے ہوں گے یا مزید غیر مطبوعہ کلام کی تلاش میں ہوں گے، اس کے بارے میں پرچھا جا رہا ہے۔ مگر جس آسانی، برہنہ نگاری، تیز سمجھدگی اور عزم کے لئے جتنے اعزاز میں جواب دیا گیا اس نے مجھ پر معاملے کی حقیقت کچھ کچھ واضح کر دی۔ اسی صاحب نے اس طور پر جواب دیا "جی نہیں؟ پچھلے دنوں تھوڑا بہت ہوا ہے وہ پیش کرتا ہوں۔" یہ کہا اور ایک کوفہ غزل یا اشعار ایسے سنائے جن پر بلاشبہ غالب کے فن کی بھٹ پڑتی معلوم ہوتی تھی۔ میری توجہ ان کے زمانے میں بعض احباب غالب کی تقلید میں حراماً ہے معنی، منظر قسم کے اشعار ضرور کہتے تھے مگر غالب کے رنگ میں سمجھدگی کے ساتھ کہے ہوئے اور ہا معنی اشعار سننے کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔ میں نے اس پر گہرا گہرا کر دیکھا کہ اطمینان ہوا کہ کبھی حاضرین نے اس کو وقت گزاردی اور گفتگو طبع کے طور پر ایک لطیفہ سمجھا اور بس۔

اس کے بعد وہ ایک بار پھر کھنڈ جاتا ہوا۔ وصل صاحب کے ہاں قیام پختی تھا اور اسی صاحب سے ملاقاتیں اس سے بھی زیادہ پختی، جن میں ان سے غالب کا غیر مطبوعہ کلام بھی ضرور سنا جاتا۔ حالت یہ ہو گئی تھی کہ اوپر اسی صاحب داخل ہوئے اوپر ان کے نیاز مندوں نے (جن میں اب راقم بھی شامل ہو چکا تھا) بے تاب ہو کر فریاد کی "اسی صاحب! کچھ غالب کا غیر مطبوعہ کلام؟" اور انہوں نے حسب معمول، بلا کسی دبی تکلف کے اپنے مخصوص عزم کے ساتھ ثابت شروع کر دیا۔

۱۹۳۵ء کے وسط میں پھر کھنڈ گیا۔ فلاحی کو ساتھ لیا۔ اس سال دسمبر میں ہماری پوتی ورشی کی تاریخی بھلی سنانی جانے والی تھی اور اس موقع پر شیر صدیقی صاحب (5) کو اور مجھے یہ مشیت ایضاً ضرور جانتی ایضاً غزل گڑھ میگزین بھلی نمبر (5) شائع کرنا تھا۔ چنانچہ کھنڈ کے اس سفر کا مقصد وہاں کے شعرا و اہل قلم سے ان کے نمونہ حائے کلمات، تصاویر، دیگر نوادر وغیرہ حاصل کرنا تھا اور اس کام میں خاص کامیابی ہوئی۔ اس مہرج بھی حسب معمول وصل صاحب کے ہاں قیام ہوا۔ اسی صاحب سے ملاقات ہوئی اور غالب کا غیر مطبوعہ کلام سنا گیا۔ اس بار اسی صاحب کے ساتھ ایک اور صاحب سے ملاقات ہوئی۔ پچھلے چڑے، ٹانگ پٹی سے آراستہ، منہ میں پان کی گھوڑی کے بازوؤں گالوں میں گڑھے، دبے چٹکے اور لائبے، لابی ہی گیلی موٹھیں، ستا ہوا چہرہ، ہنک دار آنکھیں جن میں کابل کی باریک خوبی، قدرے میلا سفید چوڑی دار پاؤں، نیالے رنگ کی شیردانی، ہاتھ میں بس بھڑکی کسر تھی، منکراتے ہوئے لے بلکے ملائے گئے۔ معلوم

ہوا ڈاکٹر عظمت الہی ہیں، ملا فردوسی کرتے ہیں (۱۷) اور "سیکریٹ" کے جھٹی نمبر میں اپنے کا دوبارہ کا اشتہار شائع کرانا چاہتے ہیں! حضرت نے یہاں دوسرے بھی پیش کیے مگر ظاہر ہے ہم نے فی الغور سطوری کا اعداد کیا۔ ان سے عرض کیا "جناب! آپ سیکریٹ میں اپنا اشتہار شائع کرانا چاہتے ہیں یا ہمیں یونیورسٹی سے لکھوانا چاہتے ہیں؟"

ایک مدت کے بعد جب میں غالب علی کا زمانہ ختم کر کے زندگی کی کدو حالت میں پھنس گیا، وہ زمین دہی نہ وہ آسمان، میرا علی گڑھ کا قیام ترک ہوا، کھنڈ آنا چلا ختم ہوا اور دہلی، شملہ، لاہور و فیضو میرے مشتقر رہنے لگے تو انیس ڈاکٹر عظمت الہی کی ایک خانہ دانی بیاض کے حوالے سے آبی صاحب کی دریافت کے طور پر نیاز صاحب (۱۸) نے "نگار" میں غالب کا غیر مطبوعہ کلام شائع کیا۔ بعد میں کچھ اور چیزیں شامل کر کے آبی صاحب نے اسے کلام غالب کا ایک مستقل حصہ بنا دیا۔ پھر ایک طویل عرصہ گزر گیا اور تقسیم ہند کے بعد جناب عرش رام پوری نے بھی اپنے مرتبہ "دیوان غالب" میں یادگار ہند کے ذیل میں اسی کے حوالے سے اس تمام کلام کو شامل کر لیا۔ اس کے مستحق ہونے میں ضرور شبہ ظاہر کیا مگر کن اسباب کی بنا پر یہ انہوں نے نہیں لکھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے دونوں تک ایک ایسے اہم علمی واقعے کے بارے میں میں نے "تکلف حقیقت" سے کیوں کام لیا اور اولیٰ رضا میں یہ دعویٰ ہوتی رہی اور میں اپنے ہونٹوں پر سرسکوت لگائے کیوں بیٹھا رہا؟ مگر معاملہ صرف اتنا نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مجھے تفصیل سے اپنی ذاتی حالات و واقعات بتانے ہوں گے، عمر میں دیکھتا ہوں کہ اس مضمون میں پہلے ہی اصل موضوع کے علاوہ بہت سی ضمنی اگرچہ خاصی ضروری اور مطبوعات افزا باتیں بیج ہو گئی ہیں۔ مختصراً صورت حال یوں ہے کہ بعض نہایت عظیم اسباب اور زندگی کی فاضل اور محرومیوں کی وجہ سے میں عرصے تک اردو شعرو ادب سے بیزار رہا حتیٰ کہ کوئی سولہ ستر برس تک میں نے اردو کی باقاعدہ خدمت سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ان بے اتفاقی حالات نے پاکستان کے قیام کے کچھ عرصے بعد پلٹا کھینچا، چنانچہ جب ہی سے مجھے ادب کی طرف واپس آنے کی توفیق ہوئی، اگرچہ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کہ قلم رنگ آلود ہو گیا تھا اور اس کی روشنی خشک ہو چکی تھی۔

اگر میں نے اب تک یہ واقعہ کسی "مقالے" کی شکل میں قلم بند نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے اسے اپنے تمام خاندان و دل ہی میں مقید رکھا۔ اس دوران میں جن جن اہل قلم سے بات چیت ہوئی میں نے ان سے اس کا تذکرہ کیا۔ بعض مالک رام نے استحداد سے اس کے بارے میں تحریری طور پر دریافت کیا تو میں نے انہیں بے کم و کاست صورت حال سے مطلع کر دیا۔ جناب عرش سے بھی اس مسئلے پر خط و کتابت ہوئی، اگرچہ سو اطفال سے ان کے تاریخی نسخے کی اشاعت کے بعد۔ علوم بیجا پوری صاحب پاکستان آئے تو ان سے اس موضوع پر بات چیت ہوئی اور بعد میں انہیں اس واقعے کا حال کچھ کر بھی بھیج دیا۔ آج کل علامہ اظہر کا گراچی میں قیام ہے۔ ان سے اس سلسلے میں گفتگو ہوئی۔ انہوں نے نہ صرف اس واقعے کی مکمل تائید کی بلکہ ڈاکٹر عظمت الہی کے مقدمے اور موت کا قصہ اخفی سے معلوم ہوا۔ اصل میں میرے علاوہ اس دور کے متعدد اشخاص کو بشمول ذوقی جن کا ابتدائے مضمون میں ذکر کیا گیا ہے واقعہ معلوم ہے مگر تعجب ہے کہ کسی اور اہل قلم نے بھی اس کے بارے میں اب تک کچھ نہیں لکھا۔

۱۹۱۰ء میں اپنے مضمود سید ہاشمی فرید آبادی مرحوم کی مشاورت سے پہلے اردو کی بجوزہ نو سالہ بھیلی کے موقع پر ان کی خدمت اپنی طرف سے پیش کرنے کے لئے میں نے غالب کا نئی ترتیب کے ساتھ ایک انتخاب شائع کیا۔ اس کا تاریخی نام ”کلام غالب۔ نغمہ قدوائی“ اور ذیلی عنوان ”پیش کشی جشن نو سالہ پہلے اردو“ حاشی صاحب ہی کے عطا کردہ ہیں جن سے علی الترتیب ۱۹۱۰ء اور ۱۹۱۱ء کے اعداد اور آدہ ہوتے ہیں۔ یہ انتخاب سادے کا سارا ان کی نظر سے گزرا ہوا بلکہ ان کا منظور کردہ ہے۔ انتخاب کی عینیت اصلی یہ تھی کہ شاعر کو اپنی حقیقی اور طبعی عینیت ہی میں محدود رہنے دے جانے کی بجائے عام قادی حضرت میں بھی زیادہ سے زیادہ مقبول بنایا جائے تاکہ جہاں تک ممکن ہو ہر چھوٹا بڑا چھوٹا شخص غالب سے مستفید اور لطف اندوز ہو سکے۔ اسی لئے انتخاب بنیادی طور پر صرف اردو کلام ”وہ بھی شاعری کی قبول عام صنف غزل تک محدود رکھا گیا۔ اس کے بجائے میں بھی ”غیر مطلوبہ کلام“ غالب سے اپنی واقعیت کے بارے میں اشارہ نہ کیا۔ یہ عرض کر کر دیا تھا۔

اس وقت ہمارے سامنے یہ بڑا سوال تھا کہ چون کہ غالب کے تمام اردو غزلیہ کلام کو سامنے رکھ کر انتخاب کرنا ”غیر مطلوبہ غزلیات کے اس حصے کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جائے۔ ہم نے بہت غور کیا اور ہماری مختلف رائے یہ ہوئی کہ اس کلام پر بھی ضرور نظر ڈال لی جائے مگر چونکہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد میرے لئے ایک ایک شعر کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ یہ معتبر ہے اور وہ غیر معتبر“ بالخصوص جب کہ میرے سنے ہوئے کلام کے علاوہ اور کلام بھی آہی سے منسوب ہو چکا تھا“ اصول یہ طے ہوا کہ جو میرا سنا ہوا کلام یاد آئے اسے ترک کر کے باقی کے سلسلے میں آہی اور تیزا کو شبہ کا قائلہ دے کر اس کلام سے بھی انتخاب کر لیا جائے“ چنانچہ یہی کیا گیا۔ مجھے اعتراف ہے کہ یہ بعد متحمل طریق کار نہ تھا مگر اس کے سوا چارہ کار بھی کیا تھا؟

عرشی صاحب کو یہ حیثیت جمی یہ انتخاب پسند آیا۔ مگر غیر مطلوبہ کلام کے انتخاب کے سلسلے میں شاید اس لئے کہ اس سے پہلے میں انہیں آہی سے منسوب کلام کو غیر معتبر بنا چکا تھا“ جب انہیں اس اصول سے مطلع کیا گیا تو ان کی خاطر خواہ تکلفی نہیں ہوئی۔ میں یہ عرض کرنے کی جسارت کدوں تاکہ اس اصطلاح میں موصوف نے میرے ساتھ قدوسہ چینی دیا رکھی ہے“ اس لئے کہ خود اپنے مرتب دیوان غالب میں اس امر کا اقرار کرتے ہوئے بھی کہ انہیں بعض اشعار کے بارے میں الحاق کا شبہ ہے“ انہوں نے ایسے سادے اشعار شامل کر لئے ہیں۔

حواشی

(۱) اپنے زمانے کے بے حد اچھے طالب علموں اور فنی پیر اہلاد لکھنؤ اور قاسمپور میں تھے۔ غزل سے زیادہ نظم سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اب حجاز دہر چکے۔ تعلیم سے فراغت ہانے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہوئے۔ پھر یونیورسٹی لٹریچر کالج میں رہے۔ اب وہی شہرہ اردو میں استاد ہیں۔

(۲) دیکھئے قلم ۱۹۱۰ء ۱۹۱۱ء میں جب میں گیارہ بارہ ویں کا قادی اور مردی (اردو) کے حوالی اسکول میں رہ چکی یا انہیں جماعت کا ناظم تھا“ انہیں مولوی نور الحسن تیر دیکل مجدد صاحب (ور القادس) کے پاس جہاں میں اپنے ایک عزیز مولوی یاسین علی مرحوم کے ساتھ تھے ان دنوں مولوی تعلیم کے گراں تھے اور وجہات گچا میں لبر صاحب کے ہم عمر تھے جہاں کرنا تھا وہ ایک بار دیکھ چکا تھا۔ اس وقت دہلی صاحب کیا کرتے تھے“ یہ بار میں آگ لبر صاحب مردی کی ایک تہہ کلا کھلی (وہاں سے خارج ساجد) کے صدر یا مستر تھے اور ملازم جہاں میں دہلی صاحب کو اپنے ساتھ رکھتے تھے وہ مجھے بھی کیا

کالیداس پنتا رٹا

مرزا عباس بیگ مرحوم (خواہر زادہ غالب)

آج تک "دعاء العباد" کے فارسی منظوم ترجمہ غالب کی اشاعت اول کا صرف ایک ہی نسخہ معلوم ہے جو غالب کی زندگی میں مطبع نو کشور سے حسب الامانے مرزا عباس بیگ صاحب اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر گھنٹو "شائع ہوا" 1741۔ غالب کے اس ترجمے سے حقیقہً تو کئی مطابین شائع ہو چکے ہیں۔ (2) مگر مرزا عباس بیگ کے حالات ابھی تک تحقیق نہیں ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے کئی غلط فہمیاں راہ پا گئی تھیں۔ اس مقالے میں مرزا عباس بیگ سے حقیقہً بہت سامان جمع کر دیا گیا ہے۔



1750ء کے لگ بھگ مرزا غالب کے والدہ تاجون بیگ کے ساتھ قبیلہ برلاس کے ایک امیر زادے مرزا جیون بیگ خاں جو حضرت ہنز پاش کی اولاد میں تھے۔ اپنے خاندان سمیت وارد ہندوستان ہوئے (13)۔ ان کی تین اولادیں تھیں۔ مرزا اکبر بیگ، مرزا افضل بیگ (14) اور امیر انعام بیگ۔ مرزا غالب کی بیوی بہن چھوٹی خاتم۔ شاید غالب کی والدہ کو بیوی خاتم کہہ کر پکارا جاتا ہو گا) کی شادی انھیں مرزا جیون بیگ کے بیٹے صاحبزادے مرزا اکبر بیگ سے ہوئی۔ ان کے بہن سے تین صاحبزادے مرزا عاشور بیگ، مرزا عباس بیگ، مرزا جولو علی بیگ عرف مرزا مغل بیگ اور ایک صاحبزادی المانی خاتم پیدا ہوئیں۔ اس مضمون کا موضوع مرزا اکبر بیگ کے بچپن صاحبزادے اور مرزا غالب کے بچپن بھانجے مرزا عباس بیگ ہیں۔ ان کی تاریخ ولادت کا صحیح علم نہیں مگر اندازہ ہے کہ مرزا عباس بیگ جنہیں آئندہ بطور میں ہم صرف مرزا کہہ کر پکاریں گے) 1812ء کے لگ بھگ دلی پیدا ہوئے۔ وہ 1867ء میں اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ اگر ریٹائرمنٹ کے وقت ان کی عمر پچیس سال مان لی جائے تو ان کی ولادت کا سال 1812ء قرار پائے گا۔

مرزا نصیحت حسین اور سرخ و سفید تھے۔ سانپے میں ڈھلا ہوا جسم، دراز قد اور نصیحت قوی الجہد کر میاشتی، رعنائیں مزائی اور انصاف پرستی کے سبب پڑھنے کا شوق کم تھا۔ تاہم ذہین تھے۔ جب انگریزی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا تو اس قدر پڑھ لی کہ قہر و تقریر بظنی سراپا بن گئے تھے۔ فارسی کی لیاقت معمولی تھی اور عربی سے نااہل تھے۔ رعنائیں مزائی کے باوجود شعر گوئی تو ایک طرف شعر صحیح پڑھ بھی نہ سکتے تھے۔ (5) صاحب "کارنامہ سرداری" کے مطابق یکو عرس باسرام چند کے بھی شاعر رہے تھے۔ مگر یہ قریب قیاس نہیں کیونکہ باسرام چند 1844ء میں دلی

کالج کے مدرس مقرر ہوئے تھے اور اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی۔ جب کہ ہمارے قیاس کے مطابق مرزا 32 سال کے تھے۔ اس کے علاوہ سکھوں کی پہلی لڑائی (دسمبر 1845ء) کے دوران مرزا فیروز پور (پنجاب) کے کوتوال یا تحصیلدار تھے۔ اور کئی سال پشاور کی چھوڑ چکے تھے۔ جس کا حال آگے آئے گا۔

لیکن یہ کبھی پرائیویٹ ٹیوشن سے بھی پڑھا ہو۔ الغرض انگریزی تفریح و تفریح کی حیثیت پیدا کر کے مرزا وسیع تر میدان کی تلاش میں رہنے لگے۔ اتفاق سے یہ موقع بھی انہیں جلد ہی مل گیا۔ ہوا یہ کہ جب ان کے حقیقی چچا مرزا افضل ایک سلاطین مظاہرہ وائسرائے سے ان امور کا تعقیب کرانے میں ناکامیاب رہے جن کے لئے انہیں نکلتے بیٹھا گیا تھا (18) تو انہوں نے مشورہ دیا کہ مرزا ان کے لئے انجینئر روانہ کر دیا (1830ء) اور خود کچھ عرصے بعد دہلی واپس آ گئے۔ آتے ہوئے اپنے ساتھ ایک بنگلہ "ہالفا" کو بھی لے لئے مگر بوڑھے ہو چکے تھے۔ زندگی نے مزید ساتھ نہ دیا۔ اور انتقال کیا۔ یہ وہاں سال بعد مرزا کے حسن و جمال پر فریفت ہو گئی۔ جس کا ان کے والد ماجد مرزا اکبر بیگ نے بہت برا منایا۔ بل کہ مرزا اس عورت کو لے کر پنجاب کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور ایک راجہ کے ہاں مصاحب خاص کی حیثیت سے نوکری کر لی۔ مگر یہ نوکری بھی جلد ہی چھوڑ دی۔ کیونکہ راجا کے دل میں اس کے مصاحبوں نے کچھ بدگمانی پیدا کر دی تھی جو اگرچہ بعد میں ملازمتی تاہم مرزا نے وہاں رہنا گوارا نہ کیا۔

وہاں سے بیکدوش ہو کر مرزا انگریزی مصلحتی میں متوجہ کے اس پار لدھیانہ اور فیروز پور کے فوج میں پہنچے۔ جہاں ان کی انگریزی سے واقفیت، خاندانی اور ذاتی وجوہات و محنت کام آئی اور سربراہی اداروں نے متاثر ہو کر ان کو "کوتوال شہر" (شاید فیروز پور) مقرر کر دیا۔ اس کے بعد کا حال ان کے بیٹے آغا مرزا بیگ مصنف "تاریخ سرحدی" سے سنئے۔ (18)

"چچا (مرزا عباس بیگ) مرحوم بیان کرتے تھے کہ سربراہی ایک وحشی مزاج نکرانے فرخ ضلعی میں از حد پابند قواعد اور اپنے ماتحت عمل کے رفتار کو مار کا نگران تھا۔ ایک روز مرزا بازار میں ایک دکاندار سے کسی امر پر برسرِ حساب تھے اور غصہ متاثر ان پر پھرتی لگے ہوئے تھا کہ سربراہی اور مرزا سے کسی پر لگا۔ اور کہا دل تو اب صاحب ہم تم پر پھرتی لگے گا۔ مرزا ان کو آگے ہو لئے۔ سربراہی نے۔۔۔ ان کو کوٹھی پر حاضر ہونے کا حکم دیا۔۔۔ کوٹھی پر بھی انہوں نے جواب نہ دیا۔ ان کی دہلیزی اور صاف کوٹھی پر پھرتی نے بجائے مرزا محکوم میں اضافہ کر دیا۔

ایک روز۔۔۔ سربراہی ان کو اپنے ساتھ لے گئے راستے میں ایک جمیل پلاٹ واقع تھی۔ سربراہی اس وقت۔۔۔ انعام و تقسیم کر رہا تھا۔ مرزا نے۔۔۔ اختلاف رائے کیا۔ کبھی سچ جمیل میں پہنچ گئی تھی۔ سربراہی نے غصہ میں آکر ان کو گاڑی سے اتار جانے کا حکم دیا یہ بھی پانی میں کود پڑے۔ ان کی یہ حرکت بھی مفید ثابت ہوئی اور فیروز پور کے تحصیلدار مقرر ہو گئے۔ یہاں بھی انہوں نے سکھوں کے مقابلے میں بڑی خیر خواہیاں کیں اور جنرل ایسٹ (19) دہلی کو میدان جنگ سے اٹھا لائے۔۔۔

اس کے بعد سرہری لارنس کے دل میں مرزا کی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ ہندوستانی مسروں کے علاوہ انگریز اسٹری بھی حسد کرنے لگے۔ دوسری میں مرزا کے اہل خاندان بھی ان سے سخت ناراض تھے۔ سوا ان کے بھائی مرزا مغل بیگ اور بن اعلیٰ خانم (غالب کا چھوٹا بھانجہ اور بھائی) کے کوئی ان سے بات تک کرنا گوارا نہ کرتا تھا۔ (10) اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ کل خاندانی جائیدادیں بوجہ عدم ثبوت و اسلاف اسناد "سرکار میں ضبط ہو گئی تھیں۔ اور عباس بیگ نے اس سلسلے میں قصداً تقاضا کرتا تھا۔"

مرزا اپنے عدسے اور رسوخ کے نئے میں کچھ ایسے چور ہوئے کہ شرافت کی تمام حدیں پھاڑ گئے۔ رشوت خوری کا یہ عالم تھا کہ (بقول خود) آٹھ آنے بھی قبول کر لیتے تھے۔ اس طرح بہت سی دولت تو اکٹھا کر لی مگر بے شمار دشمن بھی پیدا کر لئے۔

انہیں ایام میں جب کہ مرزا مغل بیگ اور اعلیٰ خانم ان سے ملنے فیروز پور آئے ہوئے تھے ایک ہمسایہ ایک چھوٹری کو لایا اور کہا کہ آپ اس چھوٹری کو دکھ لیں میں دو تین روز کے لئے باہر جاتا ہوں اور آکر اپنی چھوٹری کو لے جاؤں گا۔ مرزا خود کچھری میں تھے۔ مرزا مغل بیگ سمجھے کہ یہ مرزا کا کوئی بے تکلف دوست ہے انہوں نے چھوٹری کو اندر زنانے میں بھجوا دیا۔ وہ شخص تو چلا گیا مگر سازش کے مطابق پولس کن چھوٹی اور چھوٹری کو برآمد کر کے لے گئی۔ ڈپٹی کمشنر موقع کا منتظر تھا۔ اس نے فوراً "مرزا پر برآمد فرودگی کا مقدمہ کھڑا کر کے انہیں معطل کر دیا۔ اس مقدمے نے اتنا طویل کھینچا کہ مرزا کی تمام پونجی صرف ہو گئی۔ حتیٰ کہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو گیا۔ (12) عییز ایٹ اس وقت 1847ء انگریزوں کے پولیٹیکل ایڈوائزر کے طور پر ملتان کے علاقے میں مقرر تھا۔ مرزا بھیں بدل کر اوٹ پر سوار ہو چھپتے چھپاتے رات کو ایٹ کے پاس چھوٹے اور کل ماجرا بیان کیا۔ میجر ایٹ ان کو ساتھ لے کر ڈاک گاڑی سے لاہور پہنچا اور سرہری لارنس (13) ریڈیڈنٹ پنجاب سے مل کر خود بھی مرزا کا پناہ دار اور غیر خواہ تھا۔ چنانچہ وارنٹ کی منسوختی کا حکم جاری ہوا اور اس نے مرزا کو واپس قبیل صاحب (14) کے محکمہ بندوبست میں خدمت عطا کر دی۔"

پنجاب کے انگریزی ایڈمنسٹریٹو میں اس وقت دو بھائی بری لارنس اور جان لارنس ممتاز ترین شخصیتیں تھیں۔ جان لارنس گکوار کے زور سے حکومت کرنا چاہتے تھے۔ اور بری لارنس عوام کی رائے سے۔ دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ استعفا دے دیا تاکہ لارڈ ڈلہوزی ان دونوں میں سے جس کا چاہے پنجاب میں تقرر کر دے۔ ظاہر ہے ڈلہوزی ایسا باہر جان لارنس ہی کو پسند کرتا۔ اس طرح سرہری لارنس کو پنجاب چھوڑنا پڑا۔ اور وہ وہاں سے لودھ آباد آیا۔ مرزا بھی سرہری کے ساتھ ہی چلے آئے اور بدستور تحصیلداری کی عہدات انجام دیتے رہے۔ چنانچہ کارنامہ سروری (15) سے اطلاع ملتی ہے کہ وہ 1857ء یعنی ایامِ غدر میں بھی لاہور کے تحصیلدار تھے۔ "جب "ہائی" سپاہیوں نے اس تحصیل پر حملہ کیا تو انہوں نے بڑی ہلاکت سے خزانے کو لوٹا (16) کے پاس روانہ کر دیا اور خود پناہ دہاں لے کر جنگل جنگل چھپتے ہوئے بنگرام پہنچ گئے۔ اہل بنگرام پہنچ گئے۔ اہل بنگرام نے انہیں اپنے ہاں پناہ دی۔ (18)۔ تاہم یہاں رہ کر بھی مرزا نے انگریزوں سے ہاتھ نہ ڈالا۔ غلط و کثرت جاری رکھی اور "بافینوں" کی حرکات و سکنات سے ان کو برابر مطلع کرتے رہے۔

یہاں سے انھیں فرخ آباد بھیجا گیا۔ معلوم ہوتا ہے یہ واقعہ قدر فرو ہونے کے بعد کا ہے اور "قدر" کے دوران انگریزوں سے وفاداری کے صلے میں فرخ آباد میں بحیثیت ڈپٹی کلکٹران کا تقرر ہوا تھا۔ پھر جلد ہی خیر خواہی سرکار بھی لاہور کینک نے حالات بڑا گلاں کی جاگیر انھیں عطا کی اور چھ سو روپیہ ماہوار پر آکسٹرا سٹنٹ کسٹمر مقرر کر کے بیٹاپور تبدیل کر دیا۔ (۱۲)

اس کے بعد یعنی خازمت سے ریٹائرمنٹ (۱۸۶۷ء) تک کے حالات بڑی حد تک پردہ خفا میں ہیں تاہم مرزا غالب کے خطوط اور دوسرے ماخذوں سے جو کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے وہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔
قدر و فساد فرو ہو جانے کے بعد جب صوبہ اودھ کی ضلع بندی ہوئی تو بنگرام کو ہر دوئی ضلع میں شامل کر لیا گیا تھا۔ پانچ سو سال بیٹاپور میں رہنے کے بعد مرزا کا تدارک (۱۸۶۲ء) کے آخر میں یا شروع ۱۸۶۳ء میں ہر دوئی کو ہو گیا۔ غالب قدر بنگرامی کو ایک خط میں لکھتے ہیں!

"برخوردار مرزا عباس کی بدلی کی خبر میں نے پہلے ہی سنی ہے مگر یہ ضلع معلوم تھا کہ وہ کہاں گئے۔
اب دریافت ہوا کہ تمہارے ہمسائے میں آئے ہیں۔ اب ان سے ملنے خدا ان کو موت کی توفیق دے۔"
قدر کے نام دوسرے خطوں سے باطنی اعزاز ہوتا ہے کہ یہ خط آخر ۱۸۶۲ء یا شروع ۱۸۶۳ء کا لکھا ہوا ہے اور قیاس چلتا ہے کہ بنگرام ہی کو بھیجا گیا تھا۔ یہاں مرزا نے قدر کو صاحب ضلع سے سفارش کر کے ہر دوئی اسکول میں مدرس قاری کرا دیا۔ قدر بنگرامی پر مرزا کی مہربانیاں آئندہ بھی جاری رہیں۔ اس کی شروعات غالب کے ایک گشتہ و سفارشی خط سے ہوئی جس کے ثبوت میں غالب کا خط بام قدر (محررہ ۱۸۶۰ء) پیش کیا جا سکتا ہے۔
"برخوردار مرزا عباس کو دوبارہ تحریر کی حاجت نہیں اگر وہ سعادت مند ہیں تو وہی ایک خط کافی ہے۔"
(خطوط غالب از مرحوم ۳۴۹)

قدر بنگرامی کے نام غالب کا خط "محررہ صبح یکشنبہ ۳ رمضان۔ ۲۲ فروردی سال ۱۲۲۷ھ۔ مطابق ۱۸۶۳ء میں لکھا ہے:

"مرزا عباس میری حقانی بن کا بیٹا ہے تو پھر میں مرزا کی اولاد کا ہونا کیوں کر بنا؟ مرزا کی بی بی میری ہو ہے مٹی نہیں تم نے جو لکھا ہے کہ میرے نواسے کی شادی ہے کیا سمجھ کے لکھا؟ میں مرزا کی اولاد کا ہونا کیوں کر بنا؟ ہمارے بی بی کی اولاد پوتا پوتی ہے نہ نواسا نواسی۔ مرزا کی استدعا سے قطع نظر میرا دل بھی تو پھر لوہے کا نہیں جو اپنے بچوں کو دیکھنے کو نہ چاہے۔ ایک بہن اس کی مجموعہ اولاد وہاں میرا تو وہ خانہ بارغ ہے۔"

پہلے "ایک بہن اس کی مجموعہ اولاد وہاں" کی تشریح سن لیتے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے مصطفیٰ خانم کے تین لڑکے تھے۔ یعنی مرزا عباس بیک کے علاوہ ان کے بڑے بھائی مرزا عاشور بیک جو اپنے لڑکے مرزا احمد بیک کے ساتھ "قدر" میں شہید کر دیے گئے تھے اور پھر نے بھائی مرزا داود علی بیک عرف مرزا مصلیٰ بیک جو ۱۸۵۸ء کی دور کی شورش میں مع اہل و عیال نکالے گئے تھے۔ یہ تمام افراد نیز مرزا عاشور بیک مرحوم کی بیوی (۱۸۱۱ء) اور بچے مرزا عباس

ایک کے پاس ہی رہنے لگے تھے۔ (۱۹۸۰ء) شاید صاحبزادی (مرزا کی بہن) امانی دھیم کی اولاد میں سے بھی چند لوگ وہاں موجود تھے۔ غالب نے اسی لئے کہا ہے کہ چھوٹی خانم کی ”مجموع الاولاد“ وہاں رہ رہی ہے۔

اب خط کے اس جملے "میرے نواسے کی شادی ہے۔" پر غور کیجئے۔ ہمیں محمد رفیع الدین بیگ وحشی ابن عاشر بیگ منافی، برادر زادہ، مرزا عباس بیگ کے دو ان "نواسیات وحشی" میں دیئے ہوئے شجرہ نسب (ص ۲) سے خبر ملتی ہے کہ مرزا کی اولاد میں صرف ایک لڑکی تھی۔ (گودیا ہوا لڑکا ۱۸۶۳ء میں محض چار سال کا تھا۔ لہذا اس کی شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اولاد سے متعلق تفصیلات آئے انہیں گی) اس سے ظاہر ہے کہ خط کے اس جملے میرے نواسے کی شادی ہے، چھٹا چاہئے۔ اتفاق سے خطوط غالب کے تمام مرتبین نے یہ غلطی دہرائی ہے۔ حالانکہ ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء کا خط صاف سچی کی شادی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو :

”_____“ (مرزا عباس بیگ) اپنے والدین کے خاندان کا نفر ہے اور چونکہ اس کی ماں کا اور میرا ابو اور گوشت اور ہڈی اور قوم اور ذات ایک ہے پس وہ فخر میری طرف سے عائد ہوتا ہے۔ وہ (مرزا عباس بیگ) اپنے جی میں کہتا ہو گا کہ ماسوں میری بیٹی کے پیار میں نہ آیا اور صرف زر سے جی چرایا۔۔۔۔۔“

چند سال ہروئی میں رہنے کے بعد مرزا 1867ء میں یا اس سے پہلے اسی عہدے یعنی اسٹرا اسٹنٹ کمشنر کے طور پر کھٹو میں تبدیل ہو گئے۔ 1867ء میں ان کا کھٹو میں ہونا ثابت ہے۔ اس سال کا ایک خط غالب بنام قدر بکرای دیکھئے:-

تم قدر اور نور چشم مرزا عباس قدر داں۔ خاطر جمع رکھو تو کئی قصائی ہو جائے گی۔ صاحب کی اور راجا کی تشریف کے قصیدے واقعی نکلے ہیں مگر مرزا کی مدح کے قصیدے کو حکومت نہ کہو۔ یہ تو ایک بارغ ہے۔ سرسبز شاداب جس میں گلبن ہزار در ہزار۔ ہولوار۔ درخت بہ شکار زمین عراسر سبزہ دار۔ بہت حوصلہ۔ بہت نرس۔ مٹی نکل نہیں آتی۔ سبز یا لہریں۔ فقیر غالب قصار خیر خواہ اور تبارے محمد کا دجاگو ہے" (20)

صاحب سے مراد ولیم پنڈ فورڈ ڈائز کلر تعلیمات اور اور راجا سے مراد راجہ مان سنگھ قائم گنج ہے۔ یہ قصیدے "کیات قدر" میں موجود ہیں۔ یہ قصیدہ مرزا کی شان میں ہے۔ "در مدح ڈپٹی (21) مرزا محمد عباس بیگ خاں ہمارا اکسرا اسفلت کشر نکشت۔۔۔" قصیدہ کا آخری شعر یہ ہے۔

”مگل عباس“ رکھا نام ہم نے اس قصیدے کا
 کر کے تا میرزا عباس سن سن کر در الشانی
 اس سے ثابت ہے کہ مرزا 1284ھ یعنی 1867ء میں کھنڈ میں آکھڑا سٹوٹ کھنڈر تھے۔ مگر یہی سب ان کی
 ملازمت کا بھی آخری سال معلوم ہوتا ہے۔ وہ 1867ء کے آخر میں پٹنن پر رجٹ ہو گئے۔ ”تکلیات قدر“ (ص 6 ترجمہ
 الحفظ) میں یہ جملہ اہم ہے:

_____ مرزا صاحب ایک پیش پا کر گھوڑے میں کالج مجبور (یکیتنگ کالج) کے ممبر ہو گئے تھے۔۔۔۔۔

اور یکیتنگ کالج کا قیام نومبر ۱۸۶۷ء میں عمل میں آیا تھا۔ پچھائی شروع ہی سے جاری تھی۔ مگر عمارت کے مکمل ہونے

میں گیارہ سال گئے اور وہ 1878ء میں فوت ہوئی۔ تاریخی قطعہ جس کے مصرع سے تاریخ (1878ء) نکلے ہے۔ قدر بگڑائی نے کہا یہ کلیات قدر (ص 349) میں موجود ہے۔ کل اشعار چندہ ہیں۔ ان میں سے چند اشعار جو تاریخی شواہد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ نقل کئے ہیں۔

(1867ء)

گورنر جنرل عالی رتبت لارنس (22) صاحب نے
قوی دلی ہائے خیر خود کیسنگ کالج کی
قمارت میں چلی وہ بڑے بڑے بن گیا کالج
نئی دل سر مدارج بہادر منصف لائق
تاجوں پر زینت میرزا عباس خان صاحب
بچہ و جہد کل اتحاد سو سرخہ نومبر میں
نکر سد سکندر جس طرح وقت سکندر میں
ذہان حل و مدھ دشت سر جان کجہ ہیں
ہے زیبائے شہادت و گھمسنے عکس اسم دفتر میں
ہیں سرکاری یہ ممبر مگر دانش بلند ممبر ہیں
کمل نظم وہ کھسی ہے قدر بگڑائی نے
ہیں سال بیسوی مقصود ہر اک سرحد تر میں

سرحد الدولہ آغا مرزا بیگ مصنف "کارنامہ سردری" نے مئی 1872ء میں 24 سال اپنے ہم بزرگوار مرزا عباس بیگ کی اجازت سے لکھنؤ کو خیر باد کہا (23) اور عازم حیدر آباد ہوا۔ اب اس کے چند بیان متعلقہ کالج ملاحظہ کیجئے اور یہ حقیقت سامنے رکھئے کہ اس میں کا ہر بیان مئی 1872ء کے پہلے کا ہے۔

1۔ اسی زمانے میں جب کہ کیسنگ کالج قائم ہوا جنرل (24) جیورج جیف کشر یعنی امیر ملک اودھ اور باہو رکنا رنجی گھٹی کو اپنے ہم رائے کر کے قیصریہ میں تعلفہ داران و امراء اودھ کی تعلیم کے واسطے ایک خاص تعلیم خانہ قائم کیا۔ جس کا نام وارڈ انسٹی ٹیوشن رکھا گیا اور تعلیم خانہ کیسنگ کالج کی ایک شاخ مقرر کیا گیا۔ (اس میں) مع راقم و محمود بیگ و خدواو بیگ۔ رفیع الدین بیگ ہم کوں 17 18 طلباء تھے۔ باہو انند لال رائے اعلیٰ گورنر دکن رنجی اور ہم مرحوم (مرزا عباس بیگ) و دیگر یعنی گراں کار ہمزاد ہوئے۔ تعلیمات میں سب طلباء اپنے اپنے علاقوں پر چلے جاتے تھے ہم چارچک متیم لکھنؤ تھے۔ ہر روز شام کو چچا صاحب مرحوم (مرزا عباس بیگ) کے ساتھ کھانا کھا کر فوراً واپس جاتے تھے۔ دن کا کھانا کھا کر فوراً واپس جاتے تھے۔ دن کا کھانا (مرزا عباس بیگ کے) گھر سے آجاتا تھا۔

(کارنامہ سردری ص 23-24)

سب لکھنؤ میں جب ان (مرزا عباس بیگ) کا قیام ہوا تو جنرل ایل جیورج جیف کشر یعنی امیر ملک اودھ اور مدارج بان عکس قائم بیگ صدر الصدور تعلفہ داران اودھ تھے۔ ان تینوں کی رائے سے کیسنگ کالج اور۔۔۔ وارڈ انسٹی ٹیوشن قائم ہوا۔ (اور) مجلس تعلفہ داران اودھ قائم کی گئی جس کے صدر۔ مدارج بان عکس۔ قرار پائے۔ اور باہو دکن رنجی معتمد یعنی سرکشی ہمزاد ہوئے۔ جب مرزا (عباس بیگ) نے۔۔۔ پیش لیا تو بعد دکن رنجی یہ خود سرکشی بنائے گئے۔ کالج قائم ہوتے وقت تعلفہ داران کا ایک جلسہ شروع

منعقد ہوا۔ جس کے صدر خود کشتراودہ اور نائب الصدور مبارہا اور مستند مرزا (عباس بیگ (26) تھے۔

(کارنامہ سوہری ص 54)

مندرجہ بالا سے یہ قیاس کرنا ملتا نہ ہو گا کہ مرزا 1867ء سے پہلے ہی کھٹو میں بطور کشترا استسفت کشترا حسین ہو چکے تھے اور کہ کیشنگ کالج کی تجویز 1866ء یا 1867ء میں مکمل ہوئی۔ جس میں شہدای سے مرزا چیف کشترا آف اودھ کے صلاح کار رہے۔ 1867ء ہی میں جب کالج قائم ہوا تو مرزا راجاڑ ہو چکے تھے۔ اور اس کے پہلے جلسہ شوری میں انہوں نے مستند یعنی سکریٹری کے فرائض انجام دیئے۔ جب کہ بعد اس کے صدر اور مبارہا مان سنگھ قائم جنگ نائب صدر تھے۔ مندرجہ بالا سے یہ بھی ثابت ہے کہ قیام کالج (1867ء) تک مرزا کالج کی مجلس شوری کے عاقل رکن رہے۔ خیال یہی ہے کہ وہ آخر تک کالج سے وابستہ رہے ہوں گے۔

مرزا نے تقریباً 6 سال کی عمر پر ایک شعبہ جمادی الاول 1296ھ (1879ء) کو کھٹو میں انتقال کیا۔ قدر بگڑائی کے کلیات قدر (ص 352-353) میں ایک قطعہ اور ایک رباعی ملتی ہے۔

تاریخ وفات فری مرزا عباس بیگ خاں بہادر دہلوی

جمادی الاولیٰ ایکشنبہ و دم شب آفتاب کے بزمیں پہ فشرہ واسطی
یعنی بہار فری عباس بیگ خاں ہے گئے پارخ امارت فسرہ واسطی
برخاوند قدر وہ ہے تاریخ ہجری عباس بیگ خاں بہادر بہار واسطی
1296ھ

ولہ رباعی

مگر عباس جاں غراشد اے دل از ہم بگر قدر چا شد اے دل
خاموش کتابہ در سبکی سال است شاید کہ چنگ فختہ باشہ اے دل
"ہے ہے گئے پارخ امارت فسرہ" اور "شاید کہ چنگ فختہ باشہ" سے جو تصویر پیدا ہوتی ہے اسے غلام حسین قدر بگڑائی نے مدقن اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اگرچہ مرزا نے اس وقت کے امیوں کی طرح انگریزی حکام کی دل و جان سے مدد کی اور اطاعت گزار رہے تاہم ان میں ایک فطری طور داری و حکمت بھی تھی۔ جو ہمیشہ ان کی امارت اور رعب داب میں اضافے کا باعث بنی رہی۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مرزا کی اپنی اولاد صرف ایک لڑکی تھی۔ جس کی شادی 1863ء میں ہوئی تھی۔ جس سے حلقہ ہم غالب کے وہ خط بھی پیش کر چکے ہیں۔ شادی کس کے ساتھ ہو اور صاحبزادی کا سال ولادت کیا ہے ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ 1848ء سے 1850ء تک یا کوئی اور سال کچھ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اولاد نہیہ چہ نکہ نہیں تھی اس لئے مرزا نے اپنے بھائی مغل بیگ کے بیٹے کو کوہ لے لیا تھا۔ یہ داستان قیاض بیگ کے بھائی آغا مرزا

بیک مصنف "کارنامہ سروردی" (ص 18) سے منجے جو فیاض سے گیارہ سال بڑے تھے:

"بچا صاحب (مرزا عباس بیک) مرحوم نے کہ اولاد فرید نہ رکھتے تھے ایک روز والد (مطل بیک) مرحوم سے کہا کہ اب جو بچہ قصار سے یہاں پیدا ہو مجھ کو اس طرح دے دو کہ پھر اس سے کچھ تعلق نہ رکھو۔
الغرض فیاض بیک مرحوم پیدا ہوا اور بچانے اس کو اپنی فرزندگی میں لے لیا۔"

فیاض بیک 1859ء میں بیٹاپور میں پیدا ہوئے۔ (28) قدر بکراہی نے تاریخ نوی۔ قلعہ چار شعر کا ہے۔ پہلا اور آخری شعر دینے جاتے ہیں۔

خان ذی رتبہ و ذی حوصلہ مرزا عباس پہرے نام خدا یافتہ عالی مسعے
بکھنڈن لہجہ تاریخ ولادت اسے قدر بدو مید این گل عباس زغلل کے
1276ھ

ماہ تاریخ نہایت بر محل ہے اور فیاض بیک کے متنبی ہونے کی طرف صاف اشارہ کرتا ہے۔

فیاض بیک کی شادی 1877ء میں کھنڈ میں ہوئی۔ "تاریخ کہ خدائی۔ بطریق سوا قدر نے کسی جس کا ہر معرود تاریخی ہے قدر اس وقت کیسک کالج میں ملازم تھے۔ کل اشعار تو ہیں صرف چار شعر دینے جاتے ہیں۔

مطلہ شوق ہے یہ ہاتھ میں کنگھہ دلخواہ دامن حسن ہے فیاض کے سر پر سرا
جس نے دیکھا نہ ہو خود شید زمین کرنوں میں دیکھے ان کا رخ ثایاب بنا کر سرا
تاریخ ہے روشنی و انکس مرزا عباس دامن عقل مملو دار وادور سرا

ایک اک مصرع تاریخی سبکی سے ملا
کسیں اس قدر کا اسے قدر حضور سرا
(کلیات قدر ص 348)

1857ء کی لڑائی کے بعد تعلق داران اودھ مسلمان اور ہندو دونوں کو خاص کانوں کے تحت منجے لینے کا اختیار مل گیا تھا۔ اسی بنا پر مرزا نے فیاض بیک کو 1859ء میں گود لیا تھا اور ازروئے قواعد علاقہ بڑا بکھنڈ کی ہاگیر کا وارث اسی کو بنایا تھا (27)۔ فی الحال صرف انکا معلوم ہے فیاض بیک 1933ء (کارنامہ سروردی کی ترتیب سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔

مرزا ابھی پنجاب ہی میں تھے کہ انہوں نے اپنے اہل خانہ ان کے برخلاف اپنا مذہب تبدیل کر لیا۔ یعنی وہ سنی سے شیعہ ہو گئے کہتے کہ ایک شب انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک چھنگے میں ایک سر بیڑہ رکھا ہوا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ تم اہل بیت سے محبت رکھو (28)۔ برسوں بعد جب وہ پنجاب سے کھنڈ آئے تو مشہور مرید گودیر کھنڈوی ابھی زندہ تھے۔ انہیں دیکھ کر مرزا کو فوراً "یاد آگیا کہ وہ سر بیڑہ جو خواب میں انہوں نے چھنگے میں رکھا دیکھا تھا ہم شکل دیر تھا۔ اس کے بعد تمام عمر مرزا کٹر شیعہ رہے جس کا ثبوت کئی نامذہبوں سے باہمی مل جاتا ہے (29)۔

مرزا ملازمت کے آخری ایام میں ریجنل منسٹ کے بعد بھی کھنڈ ہی میں مستقل طور پر رہے اور وہیں آخری

سائنس ل۔ ہمیں ان کی جائے قیام سے حلقہ دو اندراج ملتے ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیک نے رسالہ اردو اپریل 1931ء ص 251 کے حاشے میں لکھا ہے:

”یہ جلسہ ڈپٹی عباس بیک صاحب کی اس کوٹھی میں ہوا تھا جو قیصر باغ کے دروازے کے بالکل سامنے تھی اور اب کھد کھدا کر سڑک میں آگئی ہے۔“

اپنی غلط غالب میں مرزا محمد عسکری نے بھی تقریباً یہی لکھا ہے۔۔۔۔۔ ”ان (ڈپٹی عباس بیک) کی کوٹھی روشن الدولہ کی کوٹھی کے سامنے واقع تھی جو ابھی مل ہی میں کھدی ہے۔۔۔۔۔“

قدرد بگڑی کے اس قصیدے میں بھی جو انہوں نے 1867ء میں ”گل عباس“ کے نام سے لکھا تھا مرزا کی کوٹھی ”ان کی فیاضی“ اور ان کے مذہب سے حلقہ اشارے ملتے ہیں۔

(کلیات قدوم ص 55-56)

کیس صری کیس گلشن پھر آگے ہے وہی کوٹھی
رفیع الدردج وقت پست جس سے ہمت قائم
ہو ہے جنت تجری تتا لادگار کی جانی
دستج الدردج وسعت نگ جس سے عزم سلطان

جی اتنی دلمن بھی نہ چھپائے جس سے گھوگھٹ میں
بڑاوں کریاں میری چلو قصہ ہے طولانی

امیر وقت ڈپٹی میرزا عباس خاں صاحب
کہ جس کی ذات ہے عزت وہ لوائی و خانی

تھی ایسا بھی رہے نہ پائے گانچہ میں خوا
جو کچھ پائے ہمالے جائے اس کا جوش فیضانی

لم شیر کے نئے میں یہ مدہوش رہتا ہے
نہ آئے ہوش میں آنکھیں نہ چمکیں جب تک پانی

مرزا کے حسن و جمال دھکیں مزائی اور دعب داب کے قصے تو سن چکے مگر ان کی کوئی تصویر ہمارے علم میں نہیں۔ ایک تصویر مرزا فرحت اللہ کے خاکہ ان میں 1931ء تک موجود تھی اب معلوم نہیں ہے کہ نہیں۔ یہ تصویر ہاتھی دانت کی بنی ہوئی تھی اور خواجہ بدر الدین عرف خواجہ امان نے بنائی تھی۔ (رسالہ اردو 1931ء ص 249)
اب ہم اہل میں ان تمام باتوں کو اکٹھا کر رہے ہیں جو ہمارے خیال میں مرزا کے کیریئر اور ان کے مقام کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔

اقتباسات از اردو اپریل 1931ء: (خواجہ بدر الدین خاں عرف خواجہ امان مرحوم و مدفون۔ از مرزا فرحت اللہ بیک)۔

1. ”_____ (گھنٹوں) کے چند دیموں نے خواجہ (امان) کے بھائی ڈپٹی عباس بیک مرحوم سے کہا کہ ہمیں کسی

2- اپنی عباس یک مرحوم کے پاس (خواجہ اللہ) اکثر لکھنؤ جایا کرتے تھے۔ لکھنؤ کی مشہور طوائف مشتری جان کا تو یہ حال تھا کہ اگر اس نے خا کہ خواجہ صاحب آئے ہوئے ہیں اور اوپر شام کو وہ ہیں بلانے آ موجود ہوئی۔ یہ ستار نے کر بیٹھے اور اس نے چپے سروں میں گانا شروع کیا کوئی دو گھنٹے تک یہی صحبت گرم رہی۔ انہوں نے ستار دکھا اور وہ سلام کر کے وضعت ہوئی جب تک یہ لکھنؤ میں رہے مگر خا کہ شام کو مشتری کو غمی پر نہ آ جاتی ہو۔“ - ص 253

4۔ _____ پنجاب (تقریباً 1845ء) میں ایک فقیر نے ابن (مرزا عباس علی) کو ایک نقش دست فیپ کا ہفتہ اور ابن کا قول تھا کہ کل دنیاوی کامیابی ان کو اس نقش کی بدولت حاصل ہوئی آجائے وہاں یہ نقش وہ بعد ازاں عمریں کھا گئے تھے۔" (30) (ص 52)

۱۰ کالج (کیننگ) قائم ہوتے وقت (۱۸۵۷ء) ایک جلسہ شوریٰ منعقد ہوا۔ جس کے صدر — کھننر لودھ اور نائب صدر مہاراجہ ہاں سنگھ (قائم جنگ) اور منٹو مرزا تھے۔ اس جلسے میں — اس امر پر بھی بحث ہوئی کہ دوسرے قرار پائے یا کالج لود لود ابتداً ہیڈ ماسٹر مقرر ہو یا پرنسپل — مرزا نے رائے پرنسپل کی دی۔ یہ رائے غلط کیا کہ ہاں مرزا صاحب آپ کے بچے (یعنی کھننر و فیروز) اس میں پڑھتے ہیں اس واسطے آپ نے یہ رائے دی ہے۔ مرزا کہ ناک پر کھنننر نہ بیٹھے دیتے تھے یا ایک جامع سے باہر ہو گئے لود ہواب داکٹر تو ایک دھمکی بندہ سودا (شوہر) سکر (شکر) ہونے والا تو معاملات تعلیم و تربیت کو کیا سمجھے؟ — مہاراجا اس مرتبہ کے قوی تھے کہ تمام قلعہ داران لودھ کیا بندہ کیا مسلمان مہاراجہ کی مہم کرتے تھے۔ یہ الفاظ کر دیکر وہ گئے پرنسپل

جو نے انگریزی میں یہ قصہ کا مرزا کیپ اور نمبر اپنے مزاج کو قلم میں رکھی۔

رضا: یہ قصہ طولانی ہے، فکریہ کہ بعد میں مباراج مرزا کے گھر پہنچے۔ مرزا بہت غلام ہوئے اور کہا۔
برائے خدا اب آپ مجھ کو زیادہ خود میری آنکھوں میں حقیر نہ کیجئے اور میری گستاخی معاف کیجئے اور مجھ کو
اپنا ایک اپنی خدمت گار رکھئے۔

(ص 54-55-56)

- 6- "راجہ امیر حسن خاں (محمود آباد) کے والد راجہ نواب علی خاں (کا) ندر میں انتقال ہو گیا۔۔۔۔۔
اس پر شبہ بغاوت کا قائم ہو گیا تھا۔ رانی صاحبہ محمود آباد امیر حسن خاں کم سن خیم کو اپنے ساتھ
(1858-1859ء) جیتا اور لے آئیں اور مرزا کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر فرمایا کہ مرزا صاحب اس خیم کو آپ اپنی
فرزندگی میں رکھئے۔۔۔۔۔ مرزا نے راجہ کو آغوش میں لے لیا۔۔۔۔۔ مرزا نے بکال کو عشق ان کا علاقہ چھڑایا
اور راجہ سرکاری دارو ہو گئے۔۔۔۔۔ سید جتے دیال تعلق دار بسواں نے حال میں مجھ سے کہا کہ مرزا نے جو
سلوک رانی صاحبہ (محمود آباد) کے ساتھ کیا اس کے کائنات ان کے پاس اب تک موجود ہیں۔۔۔۔۔"
- 7- "_____ (مرزا عباس بیگ نے) سید حسین بگڑی کو دوسرے روز مع اپنے خط کے ان امیر نواب علی
سلار بیگ عمار الملک کی خدمت میں بھیج دیا۔ نواب کو ان کے خیالات پسند آئے۔ اور تین سو روپیہ حالی
مشاہری پر اپنے پاس ملازم رکھنا چاہا مگر چونکہ تین سو روپے یعنی زیادہ سو کالج سے اور زیادہ سو بچا (مرزا عباس
بیگ) مرحوم کھنڈا (1871ء) سے دیا کرتے تھے۔ سید صاحب نے انکار کر دیا۔"

(ص 62)

- 8- نواب وزارت پناہ (سلار بیگ) نے میرے ہم بزرگوار مرزا عباس بیگ جاگیردار بڑا گاؤں تک اور وہ جو
منجاب گورنمنٹ اس دربار (دلی دربار) (1876-1877ء) میں مدعو ہوئے تھے کی ملاقات و قدم بوسی حضور پر نور
آصف جاہ سروس اس وقت دس گیارہ برس کی عمر تھی) سے کرائی۔ مگر جو خلعت و جواہر نواب وزارت پناہ نے
ان کے واسطے تجویز کیا۔ اس کو بلا اہانت سرکار (انگریزی) قبول کرنا ناممکن تھا اور اس کے واسطے ہم بزرگوار
مرزا عباس بیگ نے کوئی طویل کارروائی مناسب نہ سمجھی۔"

1876ء تا 1877ء کا دلی دربار 1877ء میں اپنے حبشی مرزا فیاض بیگ کی شادی 1878ء کا جلسہ فتم فقیر کیسنگ کالج
شاید آخری بڑی تقریبات ہیں جن میں مرزا پری شاک سے شامل تھے۔ انہوں نے 1879ء میں انتقال کیا۔

- 1- غالب نے ایک خط (مقام قدر بگڑی) میں مرزا عباس بیگ کے نام کے ساتھ "خان بہادر" لکھا ہے۔
"سید صاحب۔ تم نے جو خط میں برطردار کا نگار مرزا عباس بیگ "خان بہادر" کی رعایت اور حمایت کا شکریہ
ادا کیا ہے۔۔۔۔۔"

قدر بگڑی نے بھی مرزا عباس بیگ کے ساتھ "خان بہادر" کا اضافہ دوا رکھا ہے دیکھئے کلیات قدر بگڑی ص

54 اور ص 348) مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ خان بہادر کا خطاب سرکار انگریزی کا عطا کردہ تھا یا محض جاہ و منصب کو دیکھتے ہوئے لوگوں نے انھیں ایسا کہنا شروع کر دیا تھا۔

- 2- مرزا عباس بیگ کی صاحبزادی کا نام دبیہ انشاء بنگم تھا۔ شادی مرزا کے بھتیجے یعنی مرزا عاشور بیگ کے بیٹے محمود بیگ سے بیجاپور میں ہوئی مگر کوئی اولاد نہ تھی (غالب نامہ نام آور ص 196)
- 3- مرزا کی جائے سکونت اور دیگر تعمیرات سے متعلق نامہ بیجاپوری لکھتے ہیں کہ انگریزوں کے قتل (1857ء) کے بعد مرزا نے بیجاپور کو مستحق اپنا وطن مان لیا تھا۔ ریلوے اسٹیشن۔ (پھولی لائن) کے قریب ساراجہ پور محلہ کی کوٹھی خرید کر اسی میں رہائش رکھے تھے (غالب نامہ نام آور ص 204) اس کے علاوہ ایک کوٹھی قیصریہ کھنڈو میں بھی تھی لیکن 1857ء کے بعد جب قیصریہ کا جہلی حصہ منہدم کیا گیا تو کوٹھی بھی کھد گئی۔ بعد ازاں انہوں نے "دشمن الدولہ" کے جانب جنوب اس جگہ پر جہاں اب کوٹوالی قیصریہ ہے ایک شاندار کوٹھی اور امام باڑا تعمیر کرایا۔ کوٹھی کا بڑا حصہ تو کوٹوالی قیصریہ میں آگیا لیکن شکستہ حالت میں امام باڑہ اب بھی موجود ہے جہاں ہر سال محرم میں تعزیر داری ہوتی ہے۔

(غالب نامہ نام آور ص 203)

- 4- جنگ آزادی 1857ء میں نواب برہمچند قند کا ساتھ دینے کے جرم میں انگریزوں نے لوٹے نکلے راجہ موتی کا بہت بڑا علاقہ ضبط کر لیا تھا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے خیر خواہوں میں تقسیم کر دیا تھا جس میں سے علاقہ بڑا گاؤں مرزا کو عنایت ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ علاقہ بہت بڑا تو نہیں ہو سکتا تھا مگر مرزا نے اپنے قدر اور ذہانت سے اسے ایسا بنا دیا کہ وہ باقاعدہ محققانوں کی فرست میں شامل کیا گیا۔ (غالب نامہ نام آور ص 204)
- 5- مرزا کے انتقال کے بعد یہ علاقہ (مرزا کی قریر کے مطابق جو انہوں نے اپنی زندگی ہی لکھ دی تھی) مرزا کے جینی مرزا فیاض بیگ کی ملک قرار پایا بعد ازاں مرزا فیض حسین بیگ بن مرزا فیاض بیگ اور پھر مرزا وقار علی بیگ بن مرزا فیض حسین بیگ کی طرف منتقل ہوا جو بقول نامہ بیجاپوری غالب نامہ نام آور ص 206 مطبوعہ 1961ء) بچیدہ حیات ہیں اور وقار علی سول لائن بیجاپور میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔
- 6- سرور الدولہ آغا مرزا بیگ مصطفیٰ "امیر نامہ سرداری" نے جون 1933ء میں بمقام علی گڑھ انتقال کیا۔ لاش دہلی لائی گئی۔ قبر "سندویں" میں یعنی ایمان غالب کے قریب ہی قبرستان حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی میں ہے۔
- 7- سید افضل حسین ثابت حیات و دیر ص 389 و 390) نے بھی مرزا عباس بیگ کا تذکرہ کیا ہے جسے میں لکھا ہے کہ یہ حالات کچھ میں اپنے بتا مرحوم سے کچھ جناب مرزا صاحب قبلہ سے سن کر لکھتا ہوں۔ میں خود بھی اپنی عباس بیگ کی خدمت میں اپنے بتا مرحوم کے ساتھ بارہا گیا ہوں اور محرم کی مجلسوں میں جو 8 بجے سے 12 بجے رات تک ہوتی تھی اپنے بتا کی پیش خوائی میں کبھی کبھی سلام بھی میں نے پڑھا ہے۔ بیان کردہ حالات سے جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں۔
- 8- مرزا بعد نذر 1857ء اور وہ میں اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر ہو کر آئے اور "کھنڈو" میں رہے۔

- (ب)۔ مرزا دیر مغفور کے معتقد خاص تھے۔
 (ج)۔ مرزا شعر نہیں تھے غالباً اپنے ماموں مرزا غالب کے شاگرد تھے مگر جیسا کہ ہم نے اس سے بحر شعر کے حسن و قبح کو سمجھتے تھے۔
 (د)۔ اکثر دیر مرحوم کے دوست مرزا غالب کے اشعار پڑھا کرتے تھے اور دیر حسب مذکورہ دوا دیتے تھے۔
 (ر)۔ مرزا کے مام غالب جو غلطو گھٹتے تھے وہ محفوظ نہیں رہ گئے ان میں "مرزا دیر کو سلام اور نایک نہ ایک پھر" ہوا تھا، بطور پیام وہ (غالب) ضرور تحریر فرماتے تھے۔
 (س)۔ مرزا کے "فرزند مرزا فیاض بیگ مرحوم قائم تھیں (جو منصف بھی ہو گئے تھے) جناب استاذی حضرت اوجہ عقد کے شاگرد تھے جن کے بعض سلام دفتر ماتم میں بھیجے ہیں۔"
 حوالے:

- 1۔ یہ کتاب ماتم کے (پڑنے قابلیت میں سرور ہے۔
- 2۔ لیکن ماتم کا مضمون "مطالعہ مبارک" غالب کا قاری عظیم قزلباش (راج کی فروری 1975ء)
- 3۔ امداد، اپریل 1933ء میں 256 نمبر میں "مرزا دیر" اور "مرزا دیر" کے
- 4۔ اگر شک کوئی کی طرف سے انگریزی دہلیہ سیر ہو کر غلطی میں غم تھے اس سے محبت پر مطلق ایک نظر مضمون احمد ثناء میں پڑی ہو
- 5۔ "کتاب سروری" میں 140 از باب آقا مرزا بیگ سرور بیگ "سرور دہلی" سرور ملک ملو۔ یہ مرزا عباس بیگ کے پسرے بھائی مرزا مفتی بیگ کے صاحبزادے تھے۔ 1948ء میں پیدا ہوئے۔ پورانی مرزا عباس بیگ کے صاحبزادے ہیں۔ بعد میں پتلا آباد چلے گئے وہاں سے مرزا
- 6۔
- 7۔ محمد محبوب علی خان "تعارف ہمارے ماس کے اعلیٰ قدر ہو کر مددگار بن گئے۔ مرزا دیر تھے۔ "کتاب سروری" "مطالعہ مسلم ہندوستان علی گڑھ 1977ء) ان کے نور نوشتہ سوانح میں لکھا ہے کہ ان کے صاحبزادے باب دواقد، بیگ ملو۔ جو طرہ سے ترقیب دیا تھا۔
- 8۔ سروری عبد الحق 2۔ علی 1933ء کے ماموں سروری بیگ لکھی گئی ہیں۔ "اب کا کتا کچھ ہے کہ "کتاب سروری" میں
- 9۔ یہ سی دیکھ لیا ہے۔ شاید اب کو اس کا علم نہیں کہ اس کتاب کے مضمون میں سے بعض سے تاریخ کو دینے کے لئے وہ ناقص شیع کے
- 10۔ لکھا۔ لکھنے کے ساتھ 1949ء میں لکھی گئی۔ "انکوائٹ ہمارا ان مروجہ فطرت قدرتی میں 1952
- 11۔ ہم نے یہ سوار بھی "کتاب سروری" لکھا ہے۔ اسے دوسرے مضمون سے متعلق کے کتب کیا ہے۔ تاکہ حق اوجہ کچھ قصور پڑی کی جا
- 12۔ اس میں بھی "مطالعہ مبارک" "مطالعہ مبارک" "مطالعہ مبارک" میں باب منصف میں 140 جو صاحبزادے لکھی صاحبزادے ہیں لکھا ہے۔
- 13۔ "کتاب سروری" میں "کتاب" لکھا ہے اور کہا ہے کہ وہاں اس وقت سروری دہلی "ماتم کل" "باب" قائم ہو۔ دوست نہیں کو کتب سروری
- 14۔ دہلی 19 مارچ 1948ء کو انھوں کی بیٹی کوئی (دکتر فیروز شامہ سرور) کے بچے کے طور پر دہلی دہلی کا راج پٹانہ مغفور دوا قد۔ اب کہ
- 15۔ مرزا کوئی کے دوست فیروز جی کے قہقہہ ہو گئے۔ جی دہلی (پڑا اکتوبر 1944ء) میں شیخ کے اس پڑا ان حقائق میں سرور قد۔

(i) Sonnet of the Sikh

(ii) Cultural History of India Vol. IX

- 16۔ "کتاب سروری" میں 20-21
- 17۔ "کتاب سروری" میں 20-21
- 18۔ "کتاب سروری" میں 20-21
- 19۔ "کتاب سروری" میں 20-21
- 20۔ "کتاب سروری" میں 20-21
- 21۔ "کتاب سروری" میں 20-21

12. کارپس سہادی ص 32
 13. سرکاری آرکائیو 4 جولائی 1957ء کہ کھنڈ ریڈیو ٹی وی کی شائعیت کرنے ہوئے براہ کمال سر جی ڈی نارنی 1964ء گورنر جنرل پاکستان سے بطور دیبا۔ ریڈیو کے لئے 4 لاکھ ڈالا گیا۔ دلی ایجنٹ جی ٹی ٹی کے ذریعہ اور شکہ دہلی حالت میں مرزا میاں بنگ سے اٹھا دے گئے۔
 14. شیل Sir Richard Temple تصنیف جہاں جہاں کے زمانے میں جہاں جہاں میں ریڈیو نہ ہو گیا تھا۔ 1976ء میں بنگال کا یونیورسٹی گورنر جہاں جہاں اپنی کارپس دیبا۔ اٹھا کا فنانسیل طور پر دیبا اس سے تھ سے سری لاکا اور آسام سے جہاں بنگ یادداشت کی جی اور تقریباً ہر سرکاری جگہ میں کام کیا تھا + India in 1993 by Sir Richard Temple page 1901 میں انگریز میں انگریز کہا۔ مرزا میاں بنگ سے کمال صحت جی (کارپس سہادی ص 34 حاشیہ)۔
 15. انورام Ostram ریڈیو نہ انورام جو انورام اورام کے کائنات نے کر 4 - 1953ء کو دہلی جی ٹی ٹی کے دلی کہا تھا۔
 16. طالب دسمبر 1938ء تا اپریل 1939ء کو چاندی جی ٹی ٹی کے دہلی، سرور کی سروریت صاحب عالم کو لکھتے ہیں!
- اس حضرت کی ہے میرا میں صحت میرے دوست ہیں اور مرزا میاں بنگ میرا بھائی تھا۔ دلیہ کے زمانے میں بنگرام میں رہا اور اب وہ فرما تھا میں اپنی فکر ہے۔"
17. (1978ء) ص 304
 18. کارپس سہادی ص 17 اور ص 64
 19. نجیم شاپ دکنی انورام دکنی وقت کی حاکماری اور خواب شاپ انورام کی بھر 1957ء کی شورش کے بعد شاپ انورام کی ایک طبقہ ہو گئی تھی۔ یہ ایجنٹ وقت کا بہت بڑا ایجنٹ ہے جی ایم اے انورام اور مرزا میاں بنگ کی کے پاس رہا تھا کہ چند سال نہیں ختم ہوا (کارپس سہادی ص 63)
 20. دکنی (دکنی) دلی کے زمانے میں ہے (کارپس سہادی ص 120)
 21. غلط طالب از سر کے دونوں ایجنٹوں میں 1994ء جولائی 1995ء سپر کیا ہے۔ 1994ء جولائی 1997ء ہوا چاہیے۔ غلط طالب مصطفیٰ بنگرام میں "کی طرح ہے۔
 22. مرزا میاں بنگ کو صرف عام میں اپنی ہی کہا جاتا تھا۔
 23. سرورام انورام۔ گورنر جنرل (1964ء تا 1969ء)
 24. کارپس سہادی ص 83
 25. گینز 1977 Barrow اور 1938ء میں ملوں (انورام) کا اپنی فکر تھا۔ ایک شکر ایجنٹ جہاں میں ہوا۔ 1% Flower of India Vol (a) Cultural
 26. اس طے میں 3 لکے کرنا تھا کہ انورام کا نام دوسرے دیکھا جائے یا کچھ اور لکھا "جینا ملر ہوا یا بنگ۔
 27. اس سے ظاہر ہے کہ مرزا اس وقت بننا ہی نہیں گئے۔
 28. کارپس سہادی ص 68
 29. کارپس سہادی ص 38
 30. کارپس سہادی ص 170 "اسی طرح صاحب "کارپس سہادی ص" مرزا طالب کے مذہب کے متعلق بھی انورام یا ہے "۔ (آداب صاحب سے) قرآن کا آداب کے ظاہر میں مرزا میاں بنگ کے حوالہ مرزا طالب جی قادیان میں سے قرآن پاک کو نام لکھتے تھے "آداب اہل بیت سے گئے مذہب اختیار نہیں کیا تھا۔
 31. سرور انورام مصنف "کارپس سہادی" کے صاحبزادے طالب دکنی، بنگ سے شائع میں لکھا ہے کہ "یہ کچھ ام آیت کا ہے اور دھو سے لکھے تھا ہے میں بنگامی کے ساتھ لکھا کرتا ہوں۔"
 32. ہ انورام داران انورام کے حوالہ کے تحت کے لئے شائع ہوا ہے۔

حمید سلطان احمد

جان غالب

مرزا باقر علی خاں کامل کی پہلوئی کی لڑکی نواب بیگم دس بیٹے کی ہو کر گذر گئی تھی۔ اس لئے دوسری صاحبزادی محمد سلطان بیگم کو چند بیگم بیار سے کہا جاتا تھا۔ مرزا غالب ان کو چوں چک کہتے تھے۔ چند بیگم کی ولادت 1281ھ مطابق 1865ء میں ہوئی۔ سہ بیگم میں ان کی ولادت کا قطعہ موجود ہے۔

میں (مقدم) فرزند میرزا باقر سرور شخصیت زیدۃ مطالب گفت
پردہ شد مطلق بختیں تاریخ طریق محب و رزق و جان غالب گفت
1281ھ

محمد سلطان بیگم کی شادی 12 سال کی عمر میں 'باقر علی خاں کی ولادت کے ایک سال بعد' اپنے مہوں شباب الدین خاں غالب کے ہاں صاحبزادے مرزا شہزاد الدین احمد خاں آباں کے ساتھ ہوئی۔ ان کی ولادت کوئی مہیں ہوئی۔ اپنی مصلیٰ بن فاطمہ سلطان بیگم کی بڑی لڑکی عالیہ سلطان بیگم کو انہوں نے پیدا ہوتے ہی گود لے لیا تھا اور ان کی پرورش شادی اور اس کے بعد تمام عین دین ولادت کی طرح کرتی رہیں۔

محمد سلطان بیگم بہت غور 'نازک مزاج اور بدسلوکی والی بیگم تھیں۔ یہاں لاہوری حجاز کے نواب زادے تھے اور یہ نازعہم میں پرورش پائی ہوئی۔ اس لئے دونوں کی کبھی بڑی نہیں۔ لیکن اس زمانے کا دستور ایسا تھا۔ اور وہ خود اپنی رکھ رکھاؤ کی بی بی تھیں کہ کبھی اس کا اعتماد بڑھ نہیں ہوا۔ انہوں نے خود کو دونوں چھوٹی بہنوں کی محبت اور ان کی اولاد سے لاڈ پیار کرنے میں کمر دیا۔ حالہ اس (محمد سلطان بیگم) گلی لپٹی رکھنے کی قائل نہ تھیں خانہ ان کے لڑکے لڑکیوں کو نظروں میں رکھتیں جس کی کوئی بات چٹا دیکھتیں اس کی سرزنش کرنے کے ساتھ اس کے ہاں باپ کی بھی خبر لیتیں۔ ان کے فیض تربیت نے ان کی بہنوں کی ولادت کو بھی ٹھکانا دیا تھا۔

حضرت غالب نے حالہ اس کی بہت ناز برداری کی 'بہن اس (مستظم زبانی بیگم) فریادیں تھیں مرزا صاحب کے ہاں اعتماد پیار نے چند بیگم کو خندہ دیا دیا۔ وہ سارے دن کمرے کے سامنے والے پنجے پر لڑکی کو لے بیٹھے رہتے تھے۔ شام جو سامنے سے گذرتے ان سے دعا سلام 'باقی کرتے' سوئے والے بھی آوازیں لگاتے گلی سے گذرتے رہتے تھے کسی من بھائی چیز کے لئے چند کہتی:

"اوارا جان! میں لوں گی۔" وہ ہرے تھے کبھی سنتے کبھی نہ سنتے 'اگر ان کی سمجھ میں لڑکی کی فریادیں نہ آتی تو پنجے سے آرمی لگ کر خود سوئے والے کو آوازیں لگاتی قصار سے ناٹا (باقر علی خاں) نے کہا: "کیونکہ بیٹا بیگم! چند ایک دن

مجھ سے گر کر شہید ہو جائے گی۔" اسی پر اس فیض ایک دن چلی کی ناک دھال سے صاف کر دی اس پر خدی لڑکی نے ایڑیاں دنگ کر دیا شہرہ کر دیا۔ مرزا صاحب کو جو قصہ آیا تو کو دیکھا نہ تہہ پستے پر چھان کی بجلی پلم الٹ دی۔ ان کے انگر کے کی آستین جل گئی۔ انہوں نے مجھ سے بھر کر گھر میں آکر کہا۔ میں تو اب اس لڑکی کو کچھ کھوں گا نہیں۔ دادا جان تو بیچارے میں بالکل ضحیا گئے ہیں۔ لڑکی ذرا سی چلی تو انہوں نے مجھ پر پلم الٹ دی۔"

ایک مرتبہ یہ لیلہ ہوا کہ ہند مرزا صاحب کے پاس بیٹھا آتم کھاتا رہا اور وہ ضعف بصارت کے باعث یہ سمجھتے رہے کہ چند ٹیکم ہے، وردغہ کلی آئے تو انہوں نے ہند کو دھکارا۔" مائی لاس نے مرزا غالب کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ "تیکم محمود خاں نے کہا یہ کیا کہہ کر بے ہوش ہوئے تھے وردغہ کو لے کر دوسرے کو گیارہ بجے میں نے مرزا صاحب سے سے کہا کہنا لاؤں تو انہوں نے کہا: "ہند کو بھی بلاؤ" میں نے کہا وہ تو دوا سے معلوم ہوا ہے ابھی سو رہی ہیں اسے" اچھا جب وہ گئے گی تو کھانا کھائیں گے۔" اس وقت سے جو بے ہوش ہوئے تو اب ہر رات مجھے تک ہوش میں نہیں آئے۔ تیکم صاحب نے کہا "ہندو ٹیکم کو لاکر ان کے پاس بھروسہ۔" چنانچہ چند ٹیکم کو مرزا صاحب کے پاس لے جا کر بھروسہ تو انہوں نے حسب معمول ان کے سینے پر سر رکھ کر ٹھہر جان کے قریب لے جا کر آواز لگائی۔" دادا جان! اور مرزا نے فوراً آنکھ کھول کر اپنی لادلی کو دیکھا اور جان جان آفریں کو سپرد کر دی گویا ان کی جان ان کو دیکھنے کے لئے اٹھی ہوئی تھی۔

میں نے بی بی خاتہ الما (محمود سلطان ٹیکم) سے پوچھا۔ "تپ کو مرزا غالب یاد ہیں؟" مسکرا کر بولیں۔ "ہاں! بالکل مجھوں سے گتے تھے۔ برے اس قدر تھے کہ میں ان سے بات کرنے کے لئے چیخ کر بولتی تھی اس لئے مجھے عورت ہی درد سے بولنے کی پڑ گئی۔ میں صبح اٹھتی ہی ان کے پاس پہلی جاتی تھی۔ وہ مجھے باوام کشمش دیتے تھے۔ جب تک دادا جان زندہ رہے گھر میں سونے اور کپڑے بدلنے کے علاوہ سارا دن میں ان کے ہی پاس رہتی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد میں دنوں ان کی کھڑکی کو کھلے لاکر ڈھانچیں بار بار کر دیتی رہی مجھے ہر وقت ان کی بے پناہ چاہت یاد آتی تھی میرے رونے کے ساتھ میرے ابا میاں اور دیگر عزیز واقارب بھی مرزا صاحب کو یاد کر کے رونے لگتے۔

محمد سلطان ٹیکم کا انتقال 10 مارچ 1954ء مطابق 22 رجب کو ہوا اپنی خاتہ الما بیڑا و سلطان کی میں اپنے والد کے قریب مزار کی جگہ پائی۔

حوالے

1 "بابی صاحب کے انوار 1889ء میں قلعہ کے دار 1941ء شمال کے چانچہ تو 1281ء گرجہ رتہ ہوئی۔"

2 "ابھی بھولی میں کی اور میں وہ مجھے بہت چاہتی تھیں۔ سب ان کے مجھے سے اڑتے تھے میں ان کی خدمت میں اپنی کتاب لکھتی تھی۔ صوفی ۳: ۵۰۰ حوالہ کر کے انہوں نے مجھے لڑکیوں میں کوئی شرم نہ رہا تھا۔

3 میرے پاس ابان عارف کا ایک نسخہ تھا ۱۹۴7ء کے شہر آشوب کی ذرا ہوا میں سے چار قلمیہ تھے ابان عارف ان کے بابی ابان صاحب کا وہ نسخہ بھی تھا جس پر غائب شاہ شریعہ علی غائب کے سہرے کے دو قلم مرزا صاحب کے ہاتھ تھے سوئے تھے۔ قلموں پر سنہ ۱۹۴7ء سے علی کی کسی دیکھنے والے نے غائب کر دیا۔ غالب کے حلقہ بھگت اور کتابیں اور درخش ہوائی فارم ملے تھے ان کے پاس تھا۔ مجھے یاد کہ اس وقت ان قلموں پر قلم اس کے قلموں پر سب جتنی ۱۹۴۱ء تک ہو گیا۔

غالب کے بعض غیر مطبوعہ شعر اور لطیفے

مولوی احتشام الدین حقانی دہلوی (مرحوم)

مرزا غالب کے حلقہ ادبی ہی بات بھی ایک دلچسپی کی چیز ہے اور ان کے مطالعے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے "آج کل" (نام رسالہ) نے ان کی ایک غیر مطبوعہ نامعلوم غزل مال ہی میں شائع کر کے اس کے تصنیف کا مطلق تر کیا ہے۔ غزل ہے شک ابد کے مجموعہ لغزات میں ایک اضافہ ہے خصوصاً یہ شعر:

دیکھنا غیر سے کیا خوب بھائی اس نے نہ کسی ہم سے پر اس بات میں وفا ہے تو کسی

وہ یاد جس میں سب ہے وفا کی ثابت کرتے آئے ہیں مرزا نے کس لطف کا کلام سے اس میں وفا ثابت کی

ہے۔

اس بیاض میں جس سے وجہ الدین خان صاحب نے یہ غزل نقل کر کے محتات قربانی۔ راقم کو غالب کا یہ مطلع بھی نظر آیا۔

جو توبہ کہ تم کیا ہو شب ابد آتا ہے تو یوسف صاحبیں بچے سر بازار آتا ہے

(۲) اس کے ساتھ کوئی دوسرا شعر نہیں ہے۔ وجہ الدین خان صاحب نے غزل مذکور کے ہاتھ آئے کی حکایت یہ جان کی ہے کہ ان کے والد ماجد مرحوم نے مرزا کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے کلام کو اپنی بیاض میں لکھنے کی استدعا کی۔ مرزا نے فرمایا یہ غزل دو ان میں شائع ہونے سے روک لی ہے۔ تم لے جاؤ۔ غالباً اس کے ساتھ یہ مطلع بھی محتات ہوا ہو گا کیونکہ اسی بیاض میں غالب کے نام سے درج ہے۔ کسی مطبوعہ دو ان میں نہیں چلا جاتا۔

(۳) حضرت محمود دہلوی نے کچھ عرصہ ہوا مجھ سے فرمایا کہ مرزا کی کئی ایک غیر مطبوعہ غزلیں ان کے پرانے کتب خانوں میں چڑی ہیں، خاکسار نے کمرہ بہ تاکید التجا کی کہ تکلیف فرما کر ان غزلوں کو برآمد کریں۔ اور شائع کرا دیں۔ ان کا کچھ غزل میں چڑا رہتا ہوں علم ہے۔ مہار شائع ہو جائیں۔ بلکہ مطلب یہ تھا کہ حضرت محمود کی شرح کے ساتھ ہی شائع ہو جائیں۔ مگر حضرت موصوف شاید بوجہ دورانہ سالی اس محنت کے متحمل نہ ہو سکے کہ تمام دفتر باری کی چھان بین کر کے ان غزلوں کو برآمد کر سکتے۔ اگر غالب پرستوں کا کوئی وفد ان کی خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کرے تو شاید درج قبولیت کو پہنچ سکے۔

(۴) ایک بار مجھ کو پیر الدین علی خان مرحوم دہلی کے مشہور و معروف مرکن کے کتب خانے کی بعض کتب ان کے نبیہ عمیر الدین خان کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ کتابیں اکثر بیسے بیسے مشہور خطاط خوشنویسوں کے قلم کی لکھی ہوئی تھیں۔ خان صاحب مرحوم خود بھی خوش نویس تھے۔ بادشاہ کے یہاں سے "مرقع راقم" خطاب تھا۔ مولوی اور عجمیوں پر ان کی غرضی خطی اور قلمی کاری کے نمونے کبھی نظر آتے ہیں تو آنکھوں میں نور آتا ہے۔ ان کتابوں میں جو میں نے ان کے نبیہ کے پاس دیکھیں مرزا عبدالقادر بیہل کی مشہور مثنوی "مطور معرفت" بھی اچھی

خوش قسم کسی خوشنویس کی کہیں ہوئی تھی۔ پیشانی پر طلا کار لوح بھی تھی۔ سودن کی پشت پر مرزا غالب کی معرفت تھی۔ مرزا کے قلم سے لفظ الراقم کے تحت یہ مطلع فارسی میں مرقوم تھا۔

دوسری صفحہ پر نوح علود معرفت است کہ زندہ زندہ چراغی طور معرفت است
مرزا بیدل کے غالب پر اسے ماحول میں تھے بلکہ بیوی کی کو خوش بھی کرتے تھے فرماتے ہیں:

طرز بیدل میں دیکھ کر کہنا اسد اللہ خان قیامت ہے

اسی فارسی مطلع سے جو اوپر نقل ہوا ثابت ہوا کہ مرزا غالب نے تصوف کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس مبسوط شعری کو جو صفت تصوف میں ہے بڑے طور سے پڑھا تھا اور اس کے مضامین سے اس درجہ متاثر ہوئے تھے کہ ختم مطالعہ پر یہ مطلع ان کے قلم سے نکل پڑا۔ دوسری صفحہ پر نوح علود معرفت است "فصحا" یہ بھی ظاہر ہوا کہ مرزا غالب کے کلام میں جو مسائل تصوف اور خصوصاً ارشادات ہیں وہ عام شعرا کی طرح رکی نہیں بلکہ مرزا تصوف کے پختہ عالم بھی تھے اور ان کا یہ شعرا اپنے اوپر بھی نہیں بلکہ صلیق ہے۔

یہ مسائل تصوف یہ قرا بیان غالب تجھے ہم دلی سمجھتے ہو نہ باہر خوار ہوتا

(۵) خاندان لہارہ کی بیگمیت میں ایک صاحب کو نواب ملاذ الدین مرحوم رکیں لہارہ کے یہ اشعار زبانی یاد ہیں۔

جو نواب صاحب مرحوم نے مرزا غالب کو لہارہ آنے پر اہلکارے کے لئے لکھ کر بھیجے تھے:

سر آقا ز موسم بھی کیا خوب ہے کہ دلی سے حضرت لہارہ کو آئیں

سودن کے آسوں کی ہر صبح ڈاک تو دلی کے انور ہر شام آئیں

جب لطف ہے یاں کی برسات میں کہ کچھ بھی نام کو بھی نہ پائیں

وہ ہے دیش بکری کا قلم طری جسے کہا کے کیا خوب لذت الطافیں

یہ ہو حکم بادشاہوں کو کہ ہاں! ابھی جا کے جلدی سے کھانا پکائیں

وہ لیں بارغ سے جا کے اہلی کے پھول تو جنگل سے کدوے کرپٹے منائیں

ظاہراً کہ اور اشعار بھی اس کے بعد تھے اور ان اشعار کے الفاظ بھی اور بہتر تھے مگر بیگم صاحبہ موصوفہ کو اسنے ہی اور اسی طرح یاد رہ گئے ہیں اور ان کے جواب میں مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا ہو گا اس میں سے صرف ایک شعر بیگم صاحبہ کی زبانی یہ ہے:

سر آقا ز موسم اندھے ہیں ہم کہ دلی پھوڑیں لہارہ کو جائیں

طائف نثر میں بھی ایک لیلیہ ہے جو مرزا کی ریختہ قرافت کا ایک نمونہ ہے:

(۶) خدر میں دلی کے لوگ ایک عرصے تک چھڑے رہے بعض کو تو واپسی نصیب ہی نہیں ہوئی۔ راقم کے والد ان خوش قسمتوں میں سے تھے جو دلی واپس آئے اور مرزا غالب سے ملے بھی گئے۔ مرزا کی یادداشت بڑی زبردست تھی۔ دیکھتے ہی پہچان گئے۔ گئے حال پر پچھنے۔ باتیں کرنے۔ حاضرین میں اسی وقت نواب ضیاء اللہ (دلی کے ایک رئیس) بھی موجود تھے ان سے بھی علیک ملیک ہوئی مگر انہوں نے پہچانا نہیں۔ مرزا غالب نے کہا میں تم نہیں

جانتے یہ ملاں این ملاں مرزا کے اہلچ وپنہ سے نواب صاحب بھی پہچان گئے ہوئے میاں محاف کرنا میں نے قمیص پہناؤ نہیں بہت عرصے بعد دیکھا۔ دوسرے یہ قیامت صبرا (نور عیضہ) بیچ میں گزر گئی کہ صورتیں بدل گئیں۔ تمہارے اس وقت دہلی و حدود نہیں تھی اس لئے بھی میں پہچان سکا کو کیسے ہو کہاں ہو شادی ہو گئی؟۔

والد مرحوم نے ان سوالات کے جوابات دیئے۔ اور کہا شادی تو اس قیامت صبرنی سے پہلے ہی ہو گئی تھی۔ نواب صاحب نے کہا پھر اس شادی کا نتیجہ؟ کہا ہاں ایک لڑکا ہے۔ پوچھا کیا نام ہے۔ جواب دیا "مصباح الدین" یہ نام سن کر نواب صاحب نے چرک کر کہا بھئی یہ کیا؟ تمہارا نام "انوار الحق" تمہارے والد کا نام امین الحق تمہارے جدِ اعلیٰ کا نام شیخ عبدالحق محدث دہلی فرض سب کا نام حق پر ہے لڑکے کا نام دین پر کیوں؟

اس اعتراض کو مرزا غالب نے بھی سن لیا۔ دلعتاً گڑ گڑوے میں تم کیسے مسلمان ہو؟ نواب صاحب نے کہا حضرت میں نے خلاف اسلام کیا کیا ہے۔ فرمایا "دین کو حق نہیں سمجھتے۔" نواب صاحب لہجہ اب سے رہ گئے اور جملہ حاضرین ہنس پڑے۔ اس چھوٹے سے قہرے نے کہ "دین کو حق نہیں سمجھتے ایک شعر کا مراد دیا

(نہ) بے لوث شہ غفر کی ساری ایک دن ملک باغ (کو تخرجہ دارن) کے اندر سے ہو کر گزر گئی اس وقت حکم کا باغ کھلاتا تھا۔ باغ کی حالت خلعت خراب و خست دیکھ کر حضور کو افسوس ہوا۔ قلعہ میں جا کر ریڈیو ٹیٹ کے نام شد جاری ہوا کہ بادشاہ کو باغ کی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوا کہ ایسا عمدہ باغ ایسی خراب حالت میں ہے کل فدوی جلد تر اس کو درست کرنا کر مطلع کریں۔ قریح درستی کا اثرانہ خامو سلطان سے لوا کیا جائے گا۔

صاحب ریڈیو ٹیٹ نے چند ماہ کے اندر انگریز انجینئری سرفت باغ کی جھاڑ جھکاڑ کٹوا کر دو فیس و فیو بر آؤد کے مرمت کرا دی اور پھولوں کی آؤد کھیا دیں سے آؤد کے حضور میں معروض کیا کہ حسب اہکم درستی ہو گئی ہے۔ حضور تحریف لاکر معائنہ فرمائیں۔ تحریف آؤد کے لئے ایک طن مقرر ہوا۔ اور باغ کے اس وسیع میدان میں ہر بارڈنگ لاجبیری کی جانب جنوب میں واقع ہے بادشاہ اور عیالات کے لئے عیسے نصب کئے گئے۔ پتا ٹیڈ و دیار کے لئے لگا جس میں دیوار مشرق ہوا۔ شہزادوں اور امراء نے خدیں گزرائیں "شاہوں نے قیدیے بنائے۔ طاقتوں نے باغ گانے سے حاضرین کو محفوظ کیا۔ مرزا غالب نے بادشاہ کی اس فضل کو

دل نے کی ساری خرابی لے کیا مجھ کو غفر دہاں کے جانے میں میری توفیق تو میری مدد گئی نصیب کیا تھا دو دیو پیش ہو کر تخت کے آگے آکر بیٹائی۔ منتقل کے بند کے ہر مصرع میں بادشاہ کا تھکس جو ان کا نام بھی تھا بار واقع ہوا تھا اس کو لوا کرتے وقت مرزا غالب اویا "جنگ جاتے تھے۔

اس دیوار میں میرے والد بھی تھے حافظ ان کا قوی تھا آخری بند پر آیا تھا یہ نصیب مرزا کے کام میں کہیں نظر نہیں آئی "وہ آخری بند بھی جو والد صاحب کو یاد تھا ان کے ساتھ دفن ہو گیا میں نے کھر شاکھ گریا د نہیں رہا۔ شاید یہ نصیب بنانے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دی گئی بادشاہ کے کافز آؤد نور میں عارت ہوئے وہ محل ہوئی کہ میں دفتر کا خود کاؤر اھتباب ہوا۔

ملتی صدر الدین گزردہ کے مکان پر اکثر حکیم مومن خان، صہابی اور غالب کے چلے رہے تھے۔ شعر گوین

خس کرانیاں ہوا کرتی تھیں ایک بار کسی کا یہ قطعہ پیش ہوا:

یہ منادی ہے کشور خلق میں اب کوئی پولوس اس میں بہانہ کہے

جو رہے بھی تو صاحبِ دود رہے کوئی دود کی اس کے دوا نہ کہے

سوال یہ تھا کہ اس قطعہ کے مصرعوں کی تعلق کیا ہے۔ سب نے عرض فرمایا مگر تعلق نہ ہو سکی۔ معیناً قطعہ کے موزوں ہونے میں کلام نہیں مطلق صاحبِ صدر الصدور تھے۔ پکری تحریف نے مجھے اور سب اپنے اپنے مکان کی طرف لوٹ گئے۔ مرزا غالب کو سرواہ ہی تعلق اس کی سوجھ بوجھ رستے ہی میں سے پاگئی اپنی موز کر مطلق صاحب کی بدالت پر پٹیمہ اطلاع ہوئی مطلق صاحب ایک خط لکھ کر لایا تو یہی تھے۔ گھبرا کر کل آئے کہ ابھی تو ایک دوسرے سے مل کر رخصت ہوئے۔ کیا مصیبت آگئی کہ شام تک انتظار بھی نہ کر سکے۔ پاگئی کے پاس آکر پوچھا "خیر یا مرزا؟" مرزا نے فرمایا کہ اس قطعہ کی تعلق مجھ میں آگئی ہے۔ مناسب سمجھا کہ اسے سنا کر آپ کی بھی خلص دور کہلاو۔ فرمایا بہت خوب تعلق بنائے مرزا تعلق کرتے ہیں۔

یہ منادی ہے دھماک دھماک در خلق میں اب دھماک دھماک

تعلق بنا مرزا اپنے گھر کو رخصت ہوئے اور مولانا ہنستے ہوئے کرسی بدالت پر جا بیٹھے۔ یہ مطلع بھی مرزا کی ایک مصل فوٹ کا ہے جو بچوں کے گھولے میں گانے کے لئے موزوں فرمائی تھی۔

گائی تھیں شہر کی بیگم تاتا تا ہو دودھ میں کہے تھے شہنشاہ تاتا تا ہو



عارف اور فرزندہی غالب

10/10/2019

دین العابدینؑ (2) کتاب ہارف - ۱۸/۱۸۷

المجلد ١٠

1

غالب 'میاں دار خان سیاح کو ۲۵ اگست ۱۸۶۷ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”تسارے ہاں لڑکے کا پیدا ہونا اور اس کا مرجانا معلوم ہو کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ یہی اس واقع کی حقیقت تھی
سے پہچو کہ سب برس کی عمر میں صحت پہنچ پیدا ہوئے لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی اور کسی کی عمر بڑھ جینے
سے زیادہ نہیں ہوتی۔“

امرو حکم غالب سے دو سال پھرنی تھیں۔ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان ساتویں پچیس کی ولادت اور وقت ۱۳۳۹/۵۰ سے پہلے ہو چکی تھی۔

(۴) قلب کے پائپری ایجنٹ کے مں ۳۶ روپے ہیں :

"جب مرزا غالب کا اپنا کوئی بچہ زندہ نہ رہا تو انہوں نے زمین للعلامین خاں (عارف) کو منجھے کر لیا۔ مگر افسوس کہ انہیں عارف کی جڑوں میں گھسکا داغ الٹا چلا۔ اس جڑوں صالح کا۔۔۔ میں عالم شباب میں کبھی سے کمپوٹ ٹون ضائع ہو جانے اور اسمال کے مرض سے اپریل ۱۸۵۳ء (میلادی ۱۲۶۱ھ) میں انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت عمر صرف ۳۶ برس کی تھی۔"

Figure 6

(3) ”..... زمین العابدین عارف..... کو مرزا غالب نے جسے بتایا اور ان کی اولاد کو اپنے گھر کا فرد سمجھا۔“ (4)

غالب کے عارف کو متنبہ ہوتا لیکن کی بات لوگوں نے بھی کہی ہے مگر ان میں سے کوئی ایسا نہیں جس نے غالب یا عارف کو دیکھا ہو اور جو ان کے ہم عصر ہیں وہ اس بات کا قضاہ ذکر نہیں کرتے۔ چنانچہ مولوی کریم الدین گلدستہ (5) نازیباں میں عارف کے مرتبے میں لکھتے ہیں:

(۴) "عارف" قصص نواب زین العابدین خاں بہادر، بیٹے نواب غلام حسین خاں بہادر ظف الرشید بہت نواب فیض اللہ یک سراب جنگ کے اور خواہزیوں (۱۸) اور شاگرد نواب اسد اللہ خاں غالب مصروف بہ مرزا قوشہ کے..... اصلاح شاہ ضمیر سے لیتے تھے لیکن بعد ایک مدت کے جب کہ نواب اسد اللہ خاں بہادر وارد شہر ہوا ہوئے نہایت تعجب بھی ان سے حاصل کی اور طرز و طرح اول کو طرح دی..... ان دونوں میں اس عاجز (کریم الدین مواف تذکرہ) کے مکان پر محفل مشاعرہ منعقد ہوتی ہے..... یہی صاحب (عارف) میر مشاعرہ جس..... دیوانہ..... معرض طبع میں آیا جانتا ہے....."

انہیں مولوی کریم الدین نے تین سال بعد ایک اور تذکرہ تالیف کیا جس کا نام طبقات شمرائے ہند رکھا ہے۔
تذکرے ۱۸۳۸ء میں مکمل ہوا اور ۱۸۳۸ء میں چھپا اس کے صفحات ۳۹۹ تا ۴۰۶ء پر عارف کا ترجمہ درج ہے۔

(۵) عارفِ حق و نام نواب زمین العابدین خاں، طراز ہرزادہ (79) نواب اسد اللہ خاں مرزا نوشہ غالب کے۔
جن ایام میں کہ میرے چھاپ خانہ میں مشاعرو ہو کر آتے تھے وہیں میر بکس اور میر شاعر مقرر تھا۔ اب ان
ایام میں حبیب حدیث ذہن اور تجویز فکر جن کی سوکھ کر مثل کاغذ کے ہو گیا ہے بہت دیر پتا سا قد
ہے۔ واضحی بحر کو نہیں نکلی، ٹھوڑی ہی پر کچھ بال ہیں..... اس سال میں کہ ... گجری ہیں عمراس کی
قصر تبھی برس کے ہے۔

اسی خاک کے کے ص ۴۸ پر عارف کے والد غلام حسین خاں مسعود کا ترجمہ بھی ہے ملاحظہ کیجئے۔

(۶) "مسعود۔ نواب غلام حسین خاں ہمایوں مسعود" والد نواب زین العابدین عارف کے۔ میری ان کی ملاقات ایک وفد اس طور پر ہوئی تھی کہ نواب زین العابدین عارف ٹکنی ان کے بیٹے "جو میرے بہت دوست اور مہمان ہیں ان کی بیماری کی خبر کو ان کے گھر گیا تھا۔ اس جگہ میں نے دیکھا کہ قریب ساٹھ برس ان کی عمر ۸۵ سالہ میں تھی۔۔۔۔۔۔ جن امام میں میرے مکان پر مشاعرہ ہونا شروع ہوا" انہوں نے بھی ایک وفد ایک غزل اپنے خلف الصدف عارف تذکرہ کے بہت روانہ کی تھی۔۔۔۔۔۔"

مرزا کا در بخت صابر بزرگ، گلستانِ خفی میں 'جو انہوں نے ہمدرد میں تالیف کیا تھا' لکھتے ہیں:

(۷) ”عارف تخلص“ نواب ذبیح العابدین خاں مرحوم، خلف رشید نواب غلام حسین خاں بدو مسعود تخلص، شاگرد مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ سنہ بارہ سو اڑھتھ ہجری میں دولت سفر پانچھ کر نکلتے جتان کی طرف رہی ہو۔

مائی: یادگار قالب ہی "دارلار" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

(۸) "عمرزا صاحب کے ولادہ کوچھ نہ تھی۔ ابتدا میں سات بچے درپے ہوئے مگر کوئی زندہ نہ رہا اس لئے ایک مدت سے وہ اور ان کی بیوی حنا زندگی بسر کرتے تھے مگر خود سے چند سال پہلے جب کہ ان کی بیوی کے ہمارے زمین الماہدین خاں عارف کا انتقال ہو گیا۔۔۔ تو عمرزا اور ان کی بی بی نے بھوٹے لڑکے صحن علی خاں کو جو اس وقت بہت کم عمر تھا اپنے ساتھ مخالفت میں لے لیا۔"

فاضل بیک کا کام کر دی۔

بچ آہنگ میں ایک خط (۱۱) مورخہ ۲۳ ربیع الثانی (۱۸۸۳ء) عارف کی عمر اس وقت ۲۵ سال کے قریب ہوئی۔ مفہوم حسب ذیل ہے۔

(۱۱) جمعہ کی رات کو ہم خان آراستہ ہوئی مگر چھٹک میں نے غزل نہیں کہی تھی اس لئے اس میں شامل ہونے سے گریز کر رہا تھا کہ ضیاء الدین خان نے زین العابدین خان عارف اور غلام حسن خاں کو کہا تھی دے کر میرے یہاں بھیج دیا اور یہ دونوں مجھے اپنے ساتھ ہی لے کر گئے۔ میرے دوستوں میں (زادان ہند) سے مرزا زین العابدین خان عارف اور جواہر سنگھ نے طریق فنون میں دو غزلیں پڑھ کر شعر گوئی اور نودت فکر کو آسان تک پہنچا دیا۔

بچ آہنگ ہی میں ایک خط (۱۲) عارف ضیاء الدین احمد خاں ہے جو عارف نے دہلی سے آگرہ بھیجا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ضیاء الدین احمد خاں آگرہ کسی کام سے مکے ہوئے ہوں گے۔ خط بچ آہنگ کی اشاعت اول (۱۸۸۵ء) میں شامل ہے۔ لہذا ۱۸۸۶ء سے پہلے کا ہے مگر یہ ۱۸۸۷ء یا اس کے بعد کا ہے کیونکہ بقیال کریم الدین (۱۳) عارف لڑکپن سے ۱۸۸۷ء تک دہلی ہی میں رہے تھے کہیں کا سفر نہیں کیا تھا اور کہ ان دونوں ضیاء الدین احمد خاں اور عارف کی گاڑی چلتی تھی۔ خط کے اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ اس سفر میں عارف 'ضیاء الدین احمد کے ساتھ تھے۔

(۱۲) "مایا" از ہمدان شہر اقبال نشان میرزا زین العابدین خان دہلی رسالہ "....."

اب چند خط ابوبے (۱۴) معنی سے دیکھئے

میں ۵۷ مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۸۸۵ء عام تختہ

(۱۵) "۱۰ عز و داری جس کو اہل دنیا قربت کہتے ہیں" اس کو قوم اور ذات اور مذہب اور طریق شرط ہے۔ اگر دیکھو تو مجھ کو اس شخص (امداد الرحمن) سے شس برابر علاقت عز و داری کا نہیں۔ اردو حسن اخلاق اگر عز نگہ دیا تو کیا ہوتا ہے زین العابدین خان عارف میری سالی کا چٹا یہ شخص اس کی سالی کا بیٹا اس کو جو چاہو کہہ لو۔"

میں ۳۳ مورخہ ۲۲ جون (۱۸۸۵ء) عام امین الدین احمد خان

(۱۶) "بھائی غلام حسین خان مرحوم کے قریبی ہو کہ زین العابدین وحید حسن خود ان کی اولاد کو بھی منہ نہ لگا۔"

فہم خانہ جلیو (۱۷) میں درج ہے

(۱۷) عارف "نواب زین العابدین خان" نواب غلام حسین خان۔ مسودہ مرحوم کے خط الصدوق "نواب ضیاء الدین احمد خان خیر و فاضل کے بھائی" مرزا غالب کے شاگرد رشید اور سسرال کے رشتہ سے ان کے بھی بھائی تھے۔

مارف ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۲۵ سال تک دنیا کی ہوا کھائی۔ ۸۸ سالہ میں عالمِ قدس کو
سودھارے۔ حالتِ نزع میں جب حضرت غالب مہات کو تحریف لائے تو بہتر پڑے یہ شعرِ دعا
آنکھوں میں دم ہے مثل چراغِ محروں میں
لو لگ رہی ہے چان کو کیا انتظار ہے

مولوی کریم الدین (۱۹۵) کہتے ہیں

(۱۸) ”غواب ضیاء الدین خان بہادر سے کمال ارچا اور صحبت اس (عارف) کو رہتی ہے۔۔۔۔۔“

کلیاتِ عارف میں عارف کا ایک عا شعر کا قطع ہے جو غالب سے خطاب ہو کر کہا گیا ہے، لکھا ہے

(۱۹) قبلہ چان و دل ترا فدوی
اسدِ لطف نام ہے حیرا
دو دو نامِ بزرگ کا میرے
حق نے سب پر کیا تجھے غالب
مجھ کو فرما ہے بتانا باز کہوں
نظرِ عشقِ ظلم کی مجھے
عرض کرتا ہوں شکوہِ صلو
وہ سب میں چان کرتا ہوں
فیضِ صحبت سے حیرے حیرا غلام
سنی اس زمرۂ خوارِج میں
نیر و محو ہیں مرے دشمن
بات ان کی گئے ہے چھری
ان کی کیا کیا صفت کہوں تجھے
ایک جتا ہے رشک سے دائم
دوسرا محو کینہ ہوئی ہے
نور کرتے ہیں ہزاروں پر

تھ کو کوئے برا' یہ طاقت ہے؟
اس بزرگی کی کچھ نہایت ہے
اس میں کچھ شک نہیں مہات ہے
تھ سے روکش ہو' کس کی طاقت ہے؟
مجھ پہ جب یہ قوی عظمت ہے
کچھ نہ پڑا ہے کچھ نہ حاجت ہے
کچھ میری خلافِ عادت ہے
ان کی جس وجہ یہ شرارت ہے
جو بدل لاکھ لاکھ طاقت ہے
پرف ٹوک طاقت ہے
آہل کی انہیں نہایت ہے
دل میں ان کے زہی قنات ہے
ایک آنت ہے اک قیامت ہے
بس کہ عزت اسے نہایت ہے
یہ پیشہ سے اس کی عادت ہے
نور ہے' گرگی شجاعت ہے

ہیں وہ مارے جان کے بھونے

قول میں ان کے کب صداقت ہے؟

۱) ۲) (۱۹) سے ظاہر ہے کہ غالب کے سات اولادیں ہوئیں لڑکے بھی لڑکیاں بھی۔ غالب یہ بھی جانتے ہیں کہ
”میرے برس کی عمر میں“ ہوئیں۔ جس سے صرف یہ مراد ہے کہ (۲۹ اگست ۱۸۹۶ء) تک (یا دو سرے لفظوں میں جب

تک امرائے بیکم بچ پیدا کرنے کے اہل رہیں۔ یعنی تقریباً "بکاس برس یا ۱۸۳۹ء تک" ان کے سات اولادیں ہوئیں۔ اس بیان سے حالی کے قول کی نفی ہو جاتی ہے کہ غالب کے ابتدا میں سات بچے نہ ہوئے بلکہ فرض یہ بچے نہ ہوئے بھی پیدا ہوئے ہوں اور ابتدا ہی میں پیدا ہوئے ہوں تو بھی ایسے حالات میں غالب کو متنبہ کرنے کا خیال بکاس چھین سال کا عمر سے پہلے نہیں ہو سکتا کیونکہ یہی بالعموم نہیں اور اس کی بچ پیدا کرنے کی عمر ابھی باقی ہے غالب نے ۱۸۵۵ء میں بکاس سال کے اور ۱۸۵۷ء میں چھین سال کے ہوئے اور اسی سال اپریل ۱۸۵۸ء میں ۳۵ سال کی عمر میں عارف کا انتقال ہوا۔ لہذا غالب کا عارف کو باقاعدہ گود لیتا ایک فرزند کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ

۱) (۶۶) میں مولوی کریم الدین لکھتے ہیں کہ "عارف یعنی ان (سور) کے بیٹے جو میرے بہت دوست اور محبوب ہیں" ان کی بیماری کی خبر کو ان کے گھر گیا تھا" اس جگہ میں نے ان (سور والد عارف) کو دیکھا" قریب ساٹھ برس ان کی عمر ۱۸۵۷ء میں تھی۔ میرے مکان پر مشاعرے (جلس) انہوں نے بھی ایک دفعہ ایک فنون اپنے شفیع العسقلی عارف مذکور کے دوست روانہ کی تھی۔"

۳ (۷۸) میں ہے کہ "حالتِ نزع میں جب حضرت غالب (عارف کی) عیادت کو تحریف لائے تو بستر پر پڑے (عارف نے) یہ شعر بولا۔

آنکھوں میں دم ہے مثل چراغِ بحر ہوں میں
لو لگ رہی ہے جان کو کیا انتظار ہے

ان ہر دو بیانات سے ظاہر ہے کہ عارف و سور کے شفیع العسقلی تھے کبھی غالب کے ساتھ ہی کے گھر میں نہیں رہے۔ وہ مرتے دم تک اپنے گھر یا اپنے باپ کے ساتھ رہے۔ اگر وہ غالب کی فرزندگی میں ہوتے تو غالب کے گھر میں رہتے۔

۱) (۸۲) میں غالب کا قلم کو لکھتا کہ "ذہن العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا" محض اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ غالب 'عارف' کو بے مد و مزین دیکھتے تھے اور مثل فرزند کے سمجھتے تھے ورنہ عارف سے اپنا حقیقی رشتہ انہوں نے قلم ہی کے نام ایک اور خط میں بیان کیا ہے لکھتے ہیں

۲) (۸۵) "تھو کو اس شخص (مہد الرضی) سے جس برابر ملاقات مزین داری کا نہیں۔ ازراہ حسن الحقیق اگر مزین لکھ دیا تو کیا ہوتا ہے۔ ذہن العابدین خاں عارف میری سالی کا بیٹا۔ یہ شخص (مہد الرضی) اس کی سالی کا بیٹا۔ اس کو جو چاہو کہہ لو"

قرب الہی بخش خاں معروف کی دو صاحبزادیاں تھیں 'بنیادی بیکم' (۱۲۱) اور امرائے بیکم کا نکاح قزاق حسین خاں سور سے ہوا اور امرائے بیکم کا مرزا غالب سے۔ بنیادی بیکم اور سور میں زیادہ دن نہ بنی تاہم اس تھوڑی سی مدت میں ان کے دو صاحبزادے پیدا ہوئے۔ ذہن العابدین خاں (عارف) اور حیدر حسن خاں۔ جب وہاں یہی میں طبعی ہو گئی تو سور نے ایک مکان بنیادی بیکم کے نام پر کر دیا اور وہ دونوں بچوں کے ساتھ اس میں رہنے لگیں

(مسور نے بعد میں ایک عورت نگلی بیگم سے نکاح کر لیا تھا۔ غلام حسن خاں کو اسی دوسری بیوی کے بہن سے تھے۔
 کو بھی غالب سے اصلاح لیتے تھے) چند دخترات کی بنا پر غالب 'عارف' کو بہت مزہ دیکھتے تھے۔ کیوں؟ یہ ملاحظہ کیجئے
 (الف) دونوں بھائیوں میں زین العابدین خاں زیادہ ہوشیار اور لائق تھے اور بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ حیدر
 حسن خاں کو شعر و سخن سے شغف نہ تھا۔ دوسرے ان کی شادی ان کی والدہ بنیادی بیگم کی حقیقی چچا زاد بیٹیہوا، مرغ
 بیگم (دختر نواب احمد بخش خاں) سے ہوئی تھی۔ اس طرح ماہ مرغ بیگم زوجہ حیدر حسن خاں بنیادی بیگم کی بیوی بھی
 تھیں اور اس کی چچا زاد بہن بھی۔ وہ بنیادی بیگم کی اطاعت کماحقہ نہیں کرتی تھیں (۱۸) اس لئے ساس بہو میں جھگڑا
 رہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ غالب نے بنیادی بیگم ہی کا (جسے وہ مظلوم سمجھتے تھے) ساتھ دیا ہوگا اور حیدر حسن خاں کے
 رویے کو پسند نہ کیا ہوگا۔

(ب) عارف غالب کے شاگرد تھے (۱۹)

(ج) (۱۰) میں ویسے مکے اشعار غالب کے کیا تھ نظم فارسی میں شامل ہیں جو مسموعہ میں شائع ہوئی تھی۔ اس
 قطعے میں یہ شعر خاص اہمیت کا حامل ہے۔

ہو لا خداے نام علی مست

چوں نہ شد چشمی کہ جان من مست

یہ قطعہ عارف کے نام ہے اور قیاس ہے کہ مسموعہ میں یعنی شاگردی غالب کے کوئی غیبی عرصے کے بعد کہا گیا ہوگا۔
 اس شعر میں غالب نے بڑے ناز سے کہا ہے کہ عارف نہایت عقیدت سے حضرت علی کے نام پر خدا ہے اور ایسا کہوں
 نہ ہوتا۔ دوسری جگہ ہے (اس لئے ہر حال میں میری بیوی ہی کرتا)

(۱) ۳ (۱۱) یہ قطعہ عارف کا فکر کردہ ہے جو غالب سے غالب ہو کر کہا گیا ہے۔ اس قطعے کے کئی شعر اہمیت
 کے حامل ہیں۔ یہاں صرف ایک شعر درج کیا جاتا ہے۔ باقی اشعار پر آگے چل کر بحث ہوگی۔

فیض صحبت سے تیرے "تیرا غلام

ہو بہ دل کامل امانت ہے

یعنی اسے غالب! تیرا غلام (یعنی عارف) جو تیرے فیض صحبت سے بدلہ و جان امانت کا قائل ہو چکا ہے یعنی شیعہ بن
 چکا ہے۔ یہ شعر گویا غالب کے مندرجہ بالا فارسی شعر کی تصدیق و تائید ہے۔

(۵) (۱۱) کے تحت درج شدہ مصرع دیکھئے

"تم ماہ شب چار دہم تھے مرے گھر کے"

بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ تم میرے گھر کے چودھویں کے چاند تھے مگر میں ممکن ہے کہ غالب نے اس ترکیب کی
 آڑ میں اپنے اور عارف کے مذہب کی طرف اشارہ کیا ہو۔ سب جانتے ہیں کہ "چارہ مسموم" شیعوں کی مخصوص
 اصطلاح ہے۔

اب اس بحث کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ غالب عارف کو کیوں بمنزلہ فرزند سمجھتے تھے اگرچہ

وہ ان کے ہاتھ سے متعلق نہ تھے۔

۶

(۱) جب عارف اپریل ۱۸۸۳ء میں انتقال کر گئے تو ان کے بھرنے بیٹے مرزا حسین علی خاں (شوان و خیالی) صرف دو برس کے تھے۔ چونکہ ان کی والدہ یعنی لدجہ عارف چند ماہ پہلے انتقال کر چکی تھیں اس لئے غالب کی بیوی امرلو بیگم انھیں اپنے پاس لے آئیں۔ عارف کی والدہ بنیادی بیگم اور امرلو بیگم سگی بہنیں تھیں۔ حسین علی خاں کے بڑے بھائی باقر علی خاں (باقر و کال) جو حسین علی خاں سے تین برس بڑے تھے۔ عارف کی وفات کے بعد اپنی داوی بنیادی بیگم ہی کے پاس رہے تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد وہ بھی غالب ہی کے پاس آ گئے۔ مندرجہ بالا روایت اب عام طور پر تسلیم کر لی گئی ہے۔ لیکن غالب کے غلط نام تحت عمرہ ۱۸ جون ۱۸۸۵ء سے منبجہ کچھ اور نکلا ہے۔ لکھتے ہیں: "عارف" کے دونوں بچے کہ وہ میرے ہوتے ہیں میرے پاس آ رہے ہیں اور مجھ کو سنا تے ہیں اور میں قہقہہ کرتا ہوں۔ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے۔ مجھ کو دوسرا کو سونے میں دیتے۔ مجھے کچھ پاؤں میرے چنگ پڑ رکھتے ہیں۔ کبھی پانی لڑھکتے ہیں۔ کبھی خاک اڑاتے ہیں میں تنگ نہیں آتا۔"

اب یہ سلسلہ ہے کہ عارف نے اپریل ۱۸۸۳ء (جولائی ۱۸۸۱ء) میں وفات پائی۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ یکم اپریل ۱۸۸۳ء (۲۰ جولائی ۱۸۸۱ء) کو مرے تو غالب کے مندرجہ بالا غلط تک انھیں انتقال کے صرف دو ماہ سزا دن ہوتے ہیں۔ اس غلط کی روشنی میں یہ چٹنی ہے کہ اس عرصے میں دونوں بچے غالب کے سایہ عاطفت میں آچکے تھے۔ کیا بنیادی بیگم والدہ عارف 'وفات عارف کے کچھ ہی دنوں بعد انتقال کر گئی تھیں؟ ایسا ہونا ناممکن نہیں۔

(۲) ۳ (۳) کے تحت قصہ عارف کی مٹریکچر اس طرح ہو گئی

(اے غالب) اے قبل جان و دل! تیرا فدوی (یعنی عارف) تجھ کو کس طرح برا کہہ سکتا ہے۔ تیرا نام اسد اللہ (یعنی شیر خدا) ہے جس کی بزرگی کی کوئی انتہا نہیں تیرے نام کا ورد 'مہابت کے برابر ہے۔ تجھے (یعنی شیر خدا) خدا نے سب پر غالب کیا ہے اس لئے کس کی بھل ہے جو تجھ سے دو ٹول ہو۔ بلکہ مجھے تو جتنا بھی ناز کدوں زیبا ہے کہ تو مجھ پر مہمان ہے۔ مجھے منشی ملک کی نظر کرم (20) کی نہ ہی پیدا ہے نہ حاحاح۔ اگرچہ یہ میری عادت نہیں تاہم میں حاحاح کی شکایت کیا چاہتا ہوں اور وہ سب جان کیا چاہتا ہوں جو وہ شرارت بنا ہوا ہے۔

(اے غالب) تیرا نظام (یعنی عارف) جو تیرے فیض محبت سے دل و جان سے لاسٹ کا قائل ہو گیا ہے (یعنی شیعہ ہو گیا ہے) وہ ان عادیوں کے ذمے میں تیرا لاسٹ کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ پھر اور کو (21) میرے دشمن ہیں اور وہ اپنے آپ کو خدا کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔ وہ اسے سنگدل ہیں کہ ان کی بات بھری طرح گنتی ہے۔ ان کی صفت یہ ہے کہ ایک کو آفت کہا جائے اور دوسرے کو قیامت۔ اگرچہ ایک (تیرا) احتمالی معزز انسان ہے مگر دائم رشک سے آفتل بھلا ہے اور دوسرا (تو) کینہ بولی میں کو ہے جیسا کہ وہ پیش کرتا آیا ہے۔ وہ کنوڑیوں پر نذر کہتے ہیں 'لعنت ہے ایسی شجاعت پر اور جہن بھر کے بھونے ہیں ان

(12) "برادر" اٹک و اگر صاحب ناموں..... چ میر کرم علی صاحب۔ دہلوان غیر تمام۔

(14) مولف تاکہ گھڑت از پینان خود قلمت شعراے بد۔ (ریختے قلمت شعراے بد میں ۳۰۰ - ۳۰۰)

(15) پہلا ایڈیشن۔ ۱۸۸۳ء۔ اکل الطبع دلی

(16) جلد دہم میں ۵۵۰

(17) تاکہ قلمت شعراے بد 'مہرق ۱۸۸۳ء' میں ۳۰۰

(18) اگر صاحب (پنجواں ایڈیشن میں ۱۸۸۳ء میں بنواری قلم کو اپنی صاحبزادی اور امیر قلم کو بھرتی صاحبزادی لکھا ہے مگر علامہ صاحب (۱۸۸۳ء میں ۳۰۰)

میں بنواری قلم کو بھرتی صاحبزادی لکھا ہے۔

(19) اصنام اللہ میں ۵۵۰۔

(20) عارف پہلے شاد ضمیر سے اصطلاح لیتے تھے انہوں نے ایک دو اہل بھی "مقطع ہر مصلحت" کے نام سے عرب کر لیا تھا۔ ہر مراسم شاد ضمیر کے اسلوب کا نتیجہ دہر تھا۔ بھرتی تاکہ لویوں کا کہنا ہے کہ اب میرا صاحب نے جی کو اپنا مستقل مستقر بنا لیا تب عارف نے شاد ضمیر کی شادری ترک کر کے صاحب کی شادری اختیار کر لی "مگر یہ قطعی ظاہر ہے کہ اب صاحب مستقل طور پر مل گئے ہیں اس وقت عارف کے دہر میں آئے ہیں ابھی کہ ایک چار سال پہلے وہی تھے۔ بھرتی کا خیال ہے کہ اب شاد ضمیر غم زدگی سے تھکے تب عارف نے صاحب سے اختلاف شہر کیا۔ یہ ابھی وہ وقت نہیں معلوم ہوتا کہ کہ ضمیر نے دہی کے کی سڑک پر آخری طرح میں موجود تھا، انہوں میں ۱۸۸۳ء میں انتقال کیا۔ اس وقت عارف ہیں انہیں دہی کے تھے۔ بھرتی راستے میں عارف نے شاد ضمیر کی وفات کے بعد ہی صاحب سے اصطلاح کام کے لئے رجوع کیا۔ وہ پہلے بھی صاحب کے حوزے تھے مگر اب صاحب اور عارف گرا بکجاں ہو گئے تھے کہ صاحب کی عقید میں عارف شہید بھی ہو گئے۔

(21) عقابہ۔ بہت زیادہ میں سے ایک بارے کا نام۔ بھرتی میں اسے دہہ کہتے ہیں۔ اسے علم اور عقل کا ہمماں کہتے ہیں۔ عارفی میں ملتی تھی کہ وہی لکھ بھی کہتے ہیں۔

(22) عارفی مسلمانوں کے اس فرقے کو کہتے ہیں کہ اہل بیت اور انصاری "مغربت علی کو ہر اکتا ہے" اور ان سے دشمنی رکھتا ہے۔

(23) غلام الدین احمد خاں فیروزہ ٹکس (دکنور ۱۸۸۲ء آج کل ۱۸۸۵ء) قلم حسین خاں کو دیوتا تقریباً ۱۸۸۲ء - ۱۸۸۶ء تک دی تھی۔



غالب اور لکھنؤ

ڈاکٹر آصف زبانی

شاعری شخصیت کی تشکیل اور اس کے ادبی سفر کے ارتقا میں شہوں کا پس منظر بھی کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ہو گا۔ وہ دل ہوں یا نظیر، میر و سودا ہوں یا برج و آفتاب انہیں و دھڑکن سب کی ادبی زندگی کی نشوونما میں دلی "اکبر آباد اور لکھنؤ جیسے شہوں کا اہم بدل رہا ہے۔

مرزا غالب (پیدائش ۱۷۷۷ء بمبر ۱۷۷۷ء و وفات ۱۸۶۹ء) کی ادبی زندگی کے خلیب و قراز میں بھی ان شہوں کا خصوصاً بڑا ہاتھ رہا ہے جہاں کے سفر مرزا نے کئے اور مقیم ہونے ان میں بھی خصوصیت کے ساتھ بنارس، لکھنؤ اور لکھنؤ زیادہ اہمیت کے حامل ہیں یہ ایک ایسا مٹھ ہے جو غالب شاعری میں کئی جہتوں سے معاون ثابت ہوتا ہے۔ ان شہوں کو فقط ایک نظر گذرنا سے دیکھنے تو صدمہ کدہ بنارس کو آپ "چراغ دہر" کی روشنی میں جھلکاتا ہوا پائیں گے "لکھنؤ" کی ہنگامہ خیز زندگی کے روق و روق "بادِ غلاب" کے جھوکوں کی زد میں نظر آئیں گے اور "لکھنؤ" اس کا تو کتنا ہی کیا، بہتر غالب وہ تو "ہندوستان کا بغداد، مصر" کرشمہ دامن دل کی سکنہ کہ جا احسانیت "جو ہے سربا وہاں پہنچ گیا امیر ہی کیا" فرض یہ شعر مصر غالب کے فکری و تخلیقی سانی اور ادبی نیز تاریخی مسائل کو دیکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ یہاں اس نکلن سے صرف "لکھنؤ" کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس لئے بحث کا دائرہ بھی صرف "لکھنؤ" کی سرزمین تک محدود رہے گا اس گفتگو میں جس نوعیت سے روشنی ڈالی جائے گی اس کے مواضع اس طرح ہیں:

۱ غالب کا سفر لکھنؤ

۲ دربار اور وہ سے غالب کے تعلقات

۳ غالب کے لکھنؤی احباب اور ان کے لکھنؤی مکتوب الیہ

۴ غالب کی وہ تصانیف جو لکھنؤ کے مٹیج سے شائع ہوئیں

۵ اور اخبار سے غالب کا تعلق

۶ غالب کے لکھنؤی تلامذہ

۷ لکھنؤ کی تفریق اور اس کی باری

۸ غالب کی تعلیم میں لکھنؤ کی ادبی خدمات

یہ وہ جہتیں ہیں جن کا مطالعہ ناظرین کا ایک اہم حصہ ہے۔ داخلی شواہد کی روشنی میں ان حوالوں کا ذیل میں مختصراً تجزیہ کیا گیا ہے۔

غالب کا سفر لکھنؤ۔

لکھنؤ سے تعلق کی بنیاد تو مرزا کے والد عبداللہ بیگ ہی کے زمانے سے پڑ چکی تھی جب وہ نصف الدار

(1857ء-1858ء) کے عہد میں ان کے یہاں ملازم [9] ہوئے تھے غالب کھستو کیوں کر پہنچے اس کی مختصر روداد درج اس طرح ہے۔

نومبر دسمبر 1857ء کا زمانہ تھا۔ مرزا اپنی پٹنن کی وصولیابی کے سلسلہ میں نواب احمد بخش خاں کے توسط سے سرچارلس سٹاف سے ملاقات کی غرض سے فیروز پور گئے شہر کی قسمت وہاں سٹاف سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی مرزا یہاں سے بمبارہ ولی دہلیس جانا نہیں چاہتے تھے اس لئے کہ انہیں ڈر تھا کہ قرض خواہ اس بار انہیں ہرگز سٹاف نہ کریں گے۔ سٹاف انہیں خیال آیا کہ وہ نواب احمد بخش خاں کے وسیلہ کے بغیر براہ راست بھی تو انگریزی سرکار سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ اتفاقاً اسی درمیان نواب گورد برہنہ بمبارہ کے دوست کی خبر پہنچی "مرزا کو یقین تھا کہ سرچارلس سٹاف بھی ان کی پسرانی و استقبال کو آئیں گے۔ لہذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کانپور جائیں اور وہاں سے ان کے ہمراہ واپس ہوں اور راستے میں کسی مناسب موقع پر اپنی بے بسی کا سارا حال کہہ سنائیں۔ شاید کہ دعا برآئے چنانچہ اسی ارادے کے تحت وہ فرخ آباد ہوتے ہوئے کانپور روانہ ہو گئے بد قسمتی سے وہ کانپور پہنچتے ہی بیمار ہو گئے کانپور شہر میں انہیں کوئی مستقل مبالغہ نظر نہ آیا۔ چنانچہ ایک کرائے کی پاکی کے ذریعہ وہ گنگا پار کھستو پہنچے اسی حال [2] کے بیان کے بموجب کھستو جانے کا خیال انہیں اس لئے آیا کہ کھستو کے بعض اہل اقتدار لوگ مدت سے چاہتے تھے کہ مرزا ایک بار کھستو ضرور آئیں۔ چنانچہ انہوں نے موقع قیمت سمجھا اور کھستو کا رخ کیا کھستو میں مرزا کے قیام کی مدت پانچ ماہ سے یکم زمانہ ہے۔ یکم محققین ان کے قیام کی مدت کو گیارہ ماہ قرار دیتے ہیں اور اپنی بات کی تصدیق میں اس قاری [3] نثر کی تاریخ تحریر کا حوالہ دیتے ہیں جو وزیر اودھ آنا میر کی تعریف میں لکھی گئی۔ بمحال کھستو میں مرزا کے قیام کی مدت جو بھی رہی ہو اس میں دو رائیں نہیں کہ اہل کھستو نے مرزا کے شاہان شان ان کا استقبال کیا اور جنہیں مرزا نے بھی مدت العمر اپنی یادوں سے فراموش نہیں کیا۔

دوبار اودھ سے غالب کے تعلقات :-

غالب کے مشہور و منہوم اولی آثار میں شاہان اودھ و امراء اودھ سے متعلق متعدد حوالے موجود ہیں۔ ان میں سے غالب نے بعض بادشاہوں کی طرف سے ملی منعت پہنچنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہاں اسی صورت حال کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

۱۔ مستند الدولہ آغا میر:

کھستو کے زمانہ قیام میں غالب نے مستند الدولہ آغا میر کی مرصع میں ایک قاری نثر منعت تعظیم میں لکھی تھی۔ مستند الدولہ آغا میر کے لئے کسی کئی غالب کی ایک غزل بھی موجود ہے جس کا مطلع ہے

واں پہنچ کر تو فطش آتا ہے ہم ہے ہم کو صدہا آہنگ نہیں ہوں قدم ہے ہم کو

اگرچہ صحتاً وہ ان میں اس کے مطلع کا پہلا مصرع "لے جاتی ہے کہیں ایک قلعہ غالب" تحریر ہے لیکن فطش شہزادی میں اس کی جگہ صحتاً ہے مستند الدولہ بمبارہ کی اس [4] لکھا ہوا ملتا ہے یہ مصرع اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ

فزل اول آغا میر کے لئے ہی کھسی مکی تھی، آغا میر نے غالب سے ملاقات کی خواہش (5) بھی ظاہر کی تھی۔ لیکن غالب کی ملاقات آغا میر سے نہ ہو سکی۔ اس میں غالب کی وضع داری کو زیادہ دخل تھا۔ کیوں کہ انہوں نے شرط لگا دی تھی کہ معتاد الدولہ کوڑے ہو کہ ان کی پذیرائی فرمائیں۔ نیز نقد خزانہ انہیں پیش نہ کیا جائے (6) آغا میر نے غالب کی یہ شرائط نہیں مانیں لہذا ان سے ملاقات نہ ہو سکی [7]

۲ آغا علی خاں مرزا:

معتاد الدولہ آغا میر کے بڑے صاحبزادے آغا علی خاں مرزا سے بھی غالب کے تعلقات تھے۔ ”بیچ آہنگ“ میں ان کے نام غالب کا ایک خط ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ غالب نے اپنے منتخب دیوان اردو کے کچھ اور ان (8) ان کی خدمت میں بھیجے تھے۔

۳ نصیر الدین حیدر بادشاہ:

کلیات غالب میں ”نورج شاد جنت نکاح نصیر الدین حیدر سلطان جاہ بادشاہ اردو کے عنوان سے ایک قصیدہ پایا جاتا ہے جس کا مطلع ہے۔

گر بہ سنبل کدہ روزمہ رضوان رقم ہوس زلف ترا سلسلہ بہناں رقم
 بانک رام نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ قصیدہ پہلے غازی الدین حیدر (۱۸۳۳ء-۱۸۸۲ء) اور آغا میر کے لئے لکھا گیا تھا لیکن غالب کی امانیت آڑے آئی اور وہ اسے ان کی خدمت میں پیش نہ کر سکے بعد کو انہوں نے اسے نصیر الدین حیدر کے نام کر دیا۔ قصیدہ کے اشعار کی تعداد ایک سو چار ہے۔

۴ امجد علی شاہ: (۱۸۳۲ء-۱۸۸۳ء)

کلیات نظم غالب (قاری) میں ”نورج جہاں پناہ امجد علی شاہ اورنگ نصیر اردو دام ملک کے عنوان سے بیسٹھ اشعار کا ایک قصیدہ شامل ہے۔ اسے غالب نے امجد علی شاہ کے تحت نشینی کے موقع پر کہا تھا اور اسے اپنے ایک دوست نوروز علی خان کی وساطت سے ان کی خدمت میں روانہ کیا تھا اس کے چھ اشعار یہ ہیں:

شلام کہ گردوشی بہ سزا کرد روزگار ہے بارہ کام پیش روا کرد روزگار
 ایسا از ہجوم لالہ و کس دیگر از شفق رنگین بساط ارض و سما کرد روزگار (9)
 لیکن غالب کی قسمت نے یہاں بھی پادری نہ کی کیوں کہ امجد علی شاہ کا انتقال جلد ہی ہو گیا اور غالب کو اس کا صلہ نہ مل سکا اس واقعہ کا ذکر غالب نے غشی جواہر نگہ جوہر کے نام تحریر کردہ ایک خط میں یوں کیا ہے:

”..... کھنڈر کا لب اور عالم ہے“ جس بادشاہ یعنی امجد علی شاہ کی مدح گوئی کرتا تھا اور میر سے ایک دوست معتاد الدولہ نوروز علی خان کو ان تک رسائی تھی، ان کی اچانک وفات ہو گئی ان کا بیٹا امجد علی شاہ دو اب تحت نشینی ہوا ہے بدحواس اور بے تدبیر ہے۔“ [10]

۵. واجد علی (۱۶) شاہ اختر:

۱۷۷۵ء میں واجد علی شاہ اختر کو سید اشفاق کی جانب سے یہ بشارت ہوئی کہ ہم قصارے لئے خاک شکاروانہ کر رہے ہیں۔ نصف اشرف کے مجتہد نے بھی یہی خواب دیکھا کہ خاک شفا انہیں روانہ کی جائے گا [۱۷] غرض ۲۶ شعبان ۱۷۷۵ء کو یہ خاک شفا بڑے اہتمام سے کھنڈر لائی گئی۔ غالب نے اس موقع پر کاہواں بنی 'سارہاں بنی' کے قافیہ و ردیف میں ساتھ اشعار کا ایک قصیدہ لکھ کر سلطان العلماء سید محمد کھنڈر کے ذریعہ واجد علی شاہ اختر کی خدمت میں پیش کیا جس کا مطلع ہے:

بیادر کر بدلتا جس قسم سحر کاہواں بنی کہ دودی گوم آل عبادا سارہاں بنی
واجد علی شاہ کو یہ قصیدہ بہت پسند آیا اور انہوں نے غالب کو نصرت فاضل سے نوازا۔ غالب کی ذہانت میں موقع شناسی کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ قصاید کے سلسلہ میں انہوں نے اپنی اس ذکاوت سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ یعنی عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ قصیدہ تو دی جاتا ہے لیکن اس کا ممدوح بدل جایا کرتا ہے۔ اور خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی اس کھنڈر کو ہرگز چھپاتا بھی پسند نہیں کرتے۔

چنانچہ امیر علی شاہ کی خدمت میں تحریر کردہ قصیدہ میں نام بدل کر انہوں نے اسے واجد علی شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کا ذکر بڑے غر سے وہ اپنے ایک خط میں یوں کرتے ہیں:

"میں نے اسی قصیدہ میں امیر علی شاہ کی جگہ واجد علی شاہ کر دیا۔ انوری نے بارہا ایسا کیا ہے اگر میں نے باپ کا قصیدہ جتنے کے نام کر دیا تو کیا غضب کیا۔"

نوابین اودھ میں صرف واجد علی شاہ غالب کے اپنے ممدوح تھے جن کی طرف سے غالب کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔ جس کا ذکر وہ یوں کرتے ہیں:

"چند پارے کا نصرت ایک بار' بیوس غامس' شال وردھال و دوشالہ ایک بار' پیش گاہ عالم واجد علی شاہ سے انعام میں پایا۔"

قصائد کے علاوہ غالب نے واجد علی شاہ کے رسالہ "واحد یہ سلطانی" پر بطرز مشرقی تقریر بھی لکھی جو ان کے کلیات میں شامل ہے۔ واجد علی شاہ کی طرف سے یہ صلہ صلہ گھسٹی پانچ سو [۱۸] ادیبین سلطانہ بھی مقرر ہوئے لیکن غالب کی قسمت جتنے جتنے بھڑکی چنانچہ یہ رقم بھی غالب کو دوسرے سے واپس نہ مل سکی۔ اس لئے کہ اس کے بعد اودھ کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اودھ کے سلسلہ میں غالب کا ایک قصیدہ مریم کافی کے منہ وقت سے حلقہ لگا ہے جس کے پہلے شعر میں ۱۷۷۳ء کا ذکر ہے شعر یہ ہے۔

ایک ہزار دو صد و شصت و شش اودھ نیا کرشت باہوی شاہ اودھ مریم مکانی نام او
عبدالرزاق عروج مولف بیوم غالب نے اس قصیدہ کو عادی الدین حیدر کی زوجہ بادشاہ حکیم لقب بہ مریم مکانی سے منسوب کیا ہے۔ یہاں ان سے سو ہوا ہے اس لئے کہ بادشاہ حکیم کی تاریخ وفات ۳ صفر ۱۷۷۳ء ہے۔ مگر غالب

یہ ہے کہ سنہ ۱۳۴۱ھ میں علی شاہ کی فکر "آفاق حکم نقب" پر مریم مکنی کے لئے لکھی ہوئی تھی۔ ان کا سنہ وفات ۳ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ [۱۹۶۱] ہے۔

۳ غالب کے لکھنؤی احباب اور ان کے لکھنؤی مکتوب الیہ:

مضمون کا یہ حصہ بذات خود ایک مقالہ کا محتاج ہے۔ اس لئے کہ غالب ایک مرتبہاں مرتجہ طبع کا مالک تھے اور ان کا طرز احباب خاصا وسیع تھا۔ نہ معلوم کتنے تو غالب کے بارہ دست اور مکتوب الیہ تھے۔ چنگ و خط کو "نصف ملاقات" کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ قضا خطوط کا جواب بڑی پابندی سے دیتے تھے۔ غالب کے یہ خطوط مختلف نوعیتوں کے ہوا کرتے، کبھی تذکیر و تہنیت کی بحث چھڑی ہوتی تو کبھی کسی شعر پر اصلاح دی جا رہی ہے۔ کبھی انگریزی سرکار سے پیش نہ پانے کا لگہ ہے تو کبھی اور دربار سے صلہ نہ ملنے کا شکوہ ہے۔ کبھی "مرثیہ" کا ذکر ہے تو کبھی "ریختی" پر بحث چھڑی ہوئی ہے۔ کبھی لکھنؤ کے چھاپے خانوں کا ذکر ہے تو کبھی کتابیں بیچانے کی بات چیت ہو رہی ہے۔ فرض خطوط کیا ہیں دل بھلی کا ذریعہ ہیں بھل طرد "ہزار کوس سے بیہان قلم پیٹھے ہاتھیں کیا کہو اور ہر میں وصل کے سوسے لیا کہو" [۱۳۴۱]۔ لکھنؤی احباب سے مرزا کے تعلقات کی سطح کیا تھی۔ مصر غالب کے سلسلہ میں یہ ایک اہم باب ہے۔ اس پر یہیں مختصراً روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

فشی نول کشور [۱۳۴۱] نول کشور

فشی نول کشور کی ہستی محتاج تعارف نہیں، وہ اپنے مطلع کی وجہ سے آج بھی ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ مرزا غالب سے فشی نول کشور کا اولین تعارف "۳۳ روزہ اخبار" کے ذریعے ہو۔ مرزا کی تحریروں میں اس کا قدیم ترین حوالہ فشی شیونرائی آرام کے نام ایک خط مورخہ ۳ نومبر ۱۸۵۹ء میں ملتا ہے۔ مگن غالب یہ ہے کہ جولائی ۱۸۶۳ء میں فشی میاں دانو خان سیاح کی وساطت سے فشی نول کشور سے مرزا کے براہ راست روابط قائم ہوئے ہوں گے۔ فشی نول کشور کے نام غالب کا ایک خط بہ زبان فارسی اسی تاریخ کا لکھا ہوا ہے جس میں سیاح کے ذکر سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ ان کے ذریعہ فشی نول کشور سے مرزا کی شناسائی ہوئی ہو گی۔ اس کا اردو ترجمہ پیش ہے۔

"خدا گواہ ہے کہ آپ سے آج تک ملاقات نہیں ہوئی۔ مگر آپ کی محبت دل میں گھر کر چکی ہے۔ آپ کا خط ملا تو دیدہ دل میں عجز چھڑ گئی، آنکھ سواں تحریر کو سرورہ چشم بنا، چاہتی تھی اور سوسہ اسے دل اس سے روشنی کا ہوا تھا۔ میں نے دونوں میں مفاہمت کردائی، نظر کے حصہ میں فروغ آیا اور دل کو فراغ نصیب ہوا۔ اب مجھے کانور و کفن سے کام ہے۔ میاں داد خان سیاح کو دعا کہئے۔"

(پیار شنبہ ۱۸ جولائی ۱۸۶۳ء)

فشی نول کشور سے غالب کی باخاطب ملاقات ۱۳۸۰ھ مطابق نومبر ۱۸۶۳ء میں ہوئی اپنے ایک خط میں اس کا ذکر یوں کرتے ہیں:

"اب کہ ۱۳۸۰ھ میں 'روشن دل' روشن طبع' صاحب موت فشی نول کشور نام گور کا' اس دیرانے میں

جس کا نام شاد جہاں آباد ہے گزر ہوا اور وہ ازراہ دودیش نوازی غریب خانہ پر تشریف لائے میں نے اس ملاقات کی شادابی پر اپنے آپ کو مہلکہلا دی۔ [17]

مرزا کو مثنوی نول کشور سے کس قدر حقیقت تھی، ان کی تحریر میں اس کا ثبوت ہے۔ مرزا نے اپنے پیش تر خطوط میں مثنوی نول کشور کی سیرت و صورت کے حلقہ افسانہ خیال کرتے ہوئے انہیں شفیق نکریم، لطف مجسم، خوب صورت، خوش سیرت، صوابت منہ، مستقر پندہ، زہرہ کی صورت و مشق کی سیرت جیسے توصیفی الفاظ سے یاد کیا ہے۔

مثنوی سید محمد عباس بن سید اکبر علی شہرستری:

مشہور محدث اور علمی و فارسی کے جید عالم تھے۔ تین سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ طالب سے ان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اور طالب نے اپنے خطوط میں ان کا ذکر جہی محبت سے کیا ہے مرزا محمد عزیز فرماتے ہیں کہ مثنوی صاحب کی شکل میں مرزا کے علمی خطوط چھاپے تھے، ہادی عزیز کی رائے ہے کہ ان سے مرزا کی مراسلت ۱۸۸۳ء میں اس وقت شروع ہوئی جب طالب نے انہیں "طالع بہان" (۱۹۱۱ء) کتاب کے لفظ پر یہ عبارت درج تھی۔

"مکان پرست۔ بہ مکان نواب باقر علی خان صاحب موصول و بہ خدمت خدام محمدی جناب مثنوی میر عباس صاحب زادہ مجدد مقبول و دربارہٴ محضہ امان المظاہر رسیدن اور مکان عنایت مہذول باد۔"

(مرسلہ چارم اگست ۱۸۸۳ء)

شیخ امام [19] بخش تاریخ:

تاریخ ان خوش قسمت شعراء میں سے ہیں جن کی طرف طالب دوسرے شعراء کی بہ نسبت پہلے متوجہ ہوئے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ تاریخ کی شاعری کا براہ راست تعلق باقر علی بیگلر اور صاحب و فیض سے ہے تاریخ کو اردو شاعری میں "نئے طرز" کا موجد مانا گیا ہے۔ طالب کو بھی اس کا اعتراف تھا۔ انہوں نے اپنے اردو دیوان کا جو علمی نسخہ تاریخ کو شبہ ۲ اگست ۱۸۸۳ء مطابق ۲۶ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ کو ارسال کیا تھا۔ اس کی پشت پر طالب نے فارسی زبان میں ایک عبارت لکھی تھی جس میں تاریخ کے لئے یہ جملہ بھی لکھا تھا:

"مسلما تاریخ کہ در سخن طبع نوی رنگتہ دوست و رنگتہ عقل بدیع الکیستہ اس۔ [20]

شیخ امیر اشد مسعود کے نام سے خط میں انہوں نے تاریخ کو "آنانہ خیلان گھنٹو" کے ذمے میں شمار کیا ہے لکھتے ہیں:

"اور ان اشعار سرسری دیکھے، جن افراد کا کلام اس مجموعہ میں شامل ہے ان میں میں نے مرزا حیدر علی انصاری کو کمال پایا اور ان کی روش پسند آئی کہ یہی انداز شیخ امام بخش تاریخ، خواجہ حیدر علی آفیل اور دوسرے آئندہ خیلان گھنٹو کا ہے۔ [21]"

طالب نے تاریخ کو صرف غزل گو کی حیثیت سے اہمیت دی ہے۔ تاریخ کی وفات (۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۸۹ء) کے بعد مرزا عاقم علی مر کے نام ایک خط میں اس ضمن میں یوں افسانہ خیال کرتے ہیں:

"مطلع مروج جو تھمارے استاد نے میرے بھی دوست تھے صلیق اللہواتے تحریک لئے تھے" صرف غزل کہتے تھے "قصیدہ اور مثنوی سے ان کو کچھ علاقہ نہ تھا۔ [22]"

نارخ کا دویہ بھی مرزا کے ساتھ ہمیشہ ہر دو دن دہا۔ وہ غلط جس میں مرزا نے نصیر الدین حید کی مدح میں کہے گئے قصیدہ پر پانچ [23] ہزار روپیہ دے جانے اور اس کے قلم برد ہو جانے پر افسار خیال کیا ہے "نارخ کی طرف سے اس واقعہ کی چھان بین کا غلطانہ حوالہ ملتا ہے [24] نارخ اور غالب کے درمیان نہ صرف خط و کتابت کا رشتہ قائم تھا۔ بلکہ دونوں شاعروں نے ایک دوسرے کو دیوان بھی تحفے میں بھیجے [25] تھے۔ غالب نے نارخ کو اپنے منتخب اردو دیوان کا ایک قلمی نسخہ ۲۹ ربیع الاول ۱۰۵۰ھ کو ارسال کیا تھا۔ نارخ کو دیکھوں میں غالب کی غزلیں اور نارخ کے بعض اشعار کے مضامین پر غالب کی غزلیں بھی دونوں کے دیوانوں میں موجود ہیں۔ یہ اس بات کا اشارہ ہیں کہ نارخ و غالب دونوں کے مضامین میں ایک دوسرے کا دیوان بقیعہ رہتا تھا تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "نارخ لکھنؤی اور اردو غزل" تلاش و تحقیق از کاظم علی خاں، ص ۱۷۱

رجب علی بیگ سرور [26]۔

غالب نے اپنے تلف خطوط میں سرور کا ذکر کیا ہے۔ کبھی وہ سیاح کو لکھتے ہیں کہ "بخرا" ام اور لفظ کی ترکیب سرور [27] سے پوچھ لیا کہ "کبھی تذکیر و تسمیہ [28] کی بحث پر مشورہ دیتے ہیں کہ سرور سے رائے لے لیا کہ۔ کبھی سرور کی کتاب فائدہ غالب پر افسار خیال کرتے ہیں تو کبھی ان کتاب "نگار سرد" پر تقریظ [29] لکھتے نظر آتے ہیں۔ کاظم علی خاں [30] نے اشارے سرور "سے داخلی شادوں کی بنا پر آٹھ ایسے مکتوب کا پتا لگایا ہے جس کے مکتوب الیہ غالب ہیں اس تحقیق کے بعد تو یہ بات اور بھی قہر خیز ہو جاتی ہے کہ وہ شخص جو غلط کا جواب دینا اپنا اولین فریضہ سمجھتا ہو کہیں کہ ان خطوط کا جواب دینے سے باز رہا۔ ہر حال ہو سکتا ہے آئندہ کی تحقیق اس گوشہ پر کچھ روشنی ڈال سکے۔

امیر معین [31] معین۔

امیر معین سے بھی غالب کے دوستانہ تعلقات تھے "اس دوستی کا آغاز رام پور سے ہوا۔ غالب نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کو متعارف کرانے میں ہمیشہ فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ امیر معین کے ساتھ بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ہوا ہوں کہ غالب کے ایک شاگرد غنی شیو زراں آرام ایک رسالہ "معیار الشعراء" کے نام سے نکالتے تھے امیر معین نے اس میں اپنے کلام کی اشاعت چاہی اس وقت تک وہ زیادہ مشہور نہ تھے۔ غنی شیو زراں نے مطریت کی کہ جب تک ان کا نام و پتا معلوم نہ ہو تک کلام کی اشاعت نہ ہو سکے گی۔ غالب کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے غنی شیو زراں کو ایک خط لکھا اور اس میں ان کی پرندہ تائید کی۔ لکھتے ہیں:

"یہ میرے دوست ہیں۔۔۔ امیر احمد ان کا نام ہے" اور امیر محسن کہتے ہیں۔ لکھنؤ کے ذی عزت باشندوں میں ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے مددگار رہے ہیں اور اب وہ رام پور میں لوہا صاحب کے پاس ہیں۔

ان کی غزلیں قصارے پاس بھیجا ہوں میرا نام گھر کر ان غزلوں کو چھاپ دو یعنی غزلیں غالب نے قصارے
نام بھیجیں اور اس کے لکھنے میں ان کا نام اور ان کا حال معلوم ہوا۔ اور اس کو "سمیاء الشعراء" میں چھاپ
کر ایک دو ورق یا چار ورقہ رام پر ان کے پاس بھیج دے۔ [332]

سید العلماء سید حسین [333] علی عرف میرن صاحب :

سید حسین "عزراں باب سید ولد دار علی کے صاحبزادے اور سلطان العلماء سید محمد کے چھوٹے بھائی تھے غالب اور
سید حسین علی میں مراسلت تھی۔ غالب نے اپنے خطوط میں بیٹے انیس میرن صاحب کہہ کر خطاب کیا شاہ اودھ سے
وغیرہ حاصل کرنے کے لئے غالب نے ان سے مدد لی تھی۔ غالب نے ان کی تاریخ وفات کی یہ تاریخ نوپ اور الدولہ
شفیق کے نام لکھے تھے ایک خط مورخہ ۳ ربیع الاول ۱۲۷۵ء میں مرقوم ہے۔

"حسین ابن علی" آہدے علم و عمل کہ سید العلماء نقل خاتخص بودی

فائدہ و مائی اگر زندہ چل سال دگر ثم حسین علی سال ماتخص بودی

لکھے ہیں۔

"آپ کو معلوم ہے میرن صاحب نے انتقال کیا۔ میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی اس میں پانچ
برصے ہیں یعنی ۷۸ برس ہوتے تھے تحریر نئی دوش کا خیال میں آیا میں تو جانتا ہوں اچھا ہے۔ دیکھیں آپ
پتہ فرماتے ہیں یا نہیں۔" [334]

حاتم [335] علی بیگ مرزا :

حاتم علی بیگ مر کے دادا صفیان سے ہجرت کر کے شجاع الدولہ کے عہد میں گھسٹو آئے اور رکن الدولہ کا خطاب
پایا۔ غالب اور مر کے درمیان طویل دوستی تھی لیکن آپس میں بے حد بے تکلفی تھی۔ مر چاہا کہ حاتم تھے جب
اس کا انتقال ہوا تو غالب نے لکھا :

"... حاتم کی نمود یہ ہے کہ بھٹوں کی ہم طرفی نصیب ہو، لیکن اس نے سہ سے مری تھی اور قصاری مستود
قصارے گھر میں مری، یعنی مثل بچے غلب ہوتے ہیں، جس پر مرتے ہیں مار دیکھتے ہیں یہ بھی مثل بچہ
ہوں۔ مر بھر میں نے بھی ایک ستم بیٹہ ڈوسنی کو مار رکھا، خدا ان دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ
ذخمر مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں۔" [336]

ایک دوسرے خط میں انھیں یوں قلم دیتے ہیں ذریعہ تحریر طبیعت کی حریفی توجہ طلب ہے۔

"کسی کے مرنے کا تم دو کہے ہو آپ نہ مرنے کیسی اٹھک اٹھائی کہاں کی مریہ خوانی؟ آزادی کا شکر بجاؤ

تم نہ کھاؤ لو اگر ایسی ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو چاہاں نہ سہی مٹا ہاں سہی" [337]

سیدان علی خاں کنیوہ گھسٹوی :

سبحان علی خان کے نام غالب کے تین فارسی خطوط (38) ملتے ہیں۔ سبحان علی غازی الدین حیدر کے دربار سے وابستہ تھے۔ اور مستند العلما آقا میر کے مزاج میں بھی ان کو کافی دخل تھا اور وہ دربار میں رسائی کے لئے سبحان علی خان کو کتبہ بھی غالب کا ایک ذریعہ رہے ہیں۔

مندرجہ بالا اشخاص کے علاوہ بہت سے دوسرے کھسٹری افراد ایسے ہیں جن کا غالب نے اپنے کسی نہ کسی خط میں کسی نہ کسی صورت میں ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر "غالب علی علی صلی کھسٹری" "میرزا صلی پوری" "مرزا عباس بیگ" "مرزا نور الدین شاہی" "سراج الدین احمد" "میرزا کھسٹری" "مٹی جواہر سنگھ جوہر" "میر احمد حسین مہکس" "عبدالوہاب کھسٹری وغیرہ۔

غالب کی وہ تصانیف جو کھسٹری کے مطبع سے شائع ہوئیں:

کسی بھی تصنیف کو شبیل و زہد و پایندہ بنانے میں مطبع کا اولین مدد ہوا کرتا ہے غالب کی بیش تر تصانیف اشاعت کے لحاظ سے دلی اور کھسٹری کے مطبع کے رہیں صحت میں لیکن غالب نے دلی کے مقابلہ میں کھسٹری کے مطبع کی عیشہ تعریف کی اپنے ایک مکتوب کا ہر کمال وقت میں لکھتے ہیں:

"ہائے کھسٹری کے چھاپے خانے" جس کا دیوان چھاپا اس کو آسمان پر چڑھا دیا" حسن خط سے الفاظ کو چکا دیا" دلی پر "اس کے پانی پر اور اس کے چھاپے خانے پر لغت صاحب دلی ان کو ایسا یاد کرتے ہیں جیسے کوئی کتے کو آواز دے۔"

نول کشور پریس غالب کی کتابوں کا سب سے بڑا ناشر رہا ہے۔ یہاں سے غالب کی زندگی ہی میں ان کی کئی کتابیں شائع ہوئیں۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

قاطع بہانہ:

نول کشور پریس سے شائع ہونے والی یہ غالب کی پہلی کتاب ہے جو ۱۸۷۳ء کو شائع ہوئی۔ غالب نے قاطع بہانہ کی پچاس جلدوں کی قیمت اپنے ایک خط میں پچاس روپیہ بتائی ہے "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس کی قیمت ایک روپیہ (38) فی جلد تھی۔ قاطع بہانہ" کے جواب میں جو اولی معرکہ وجود میں آیا" اس کے جواب میں غالب کو کئی تحفہ (40) رسائل چھپا انا چنے اسے بھی نول کشور پریس کو بھیجا نا پڑا۔

کلیات غالب:

اس مطبع سے شائع ہونے والی غالب کی یہ دوسری تصنیف ہے جو ۱۸۷۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کی قیمت اس وقت پانچ روپیہ فی جلد تھی۔ کتاب پر غالب کی تصویر بھی تھی۔ اس میں فارسی نثر میں لکھی ہوئی غالب کی تقریر نیز مثنوی "میر گیارہ" بھی شامل تھی۔ غالب کے فارسی کلام کے سلسلہ میں "کلیات غالب" مطبوعہ نول کشور پریس قطعاً ایک نہایت اہم ماخذ ہے۔

عربی ”دعا الصباح“ (47) کا منظوم ترجمہ :

یہ مثنوی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہے۔ غالب نے اسے اپنی حقیقی بہن ”پھولی خانم“ کے فرزند میرزا عباس بیگ (اکسٹرا اسٹنٹ کسٹورکسٹر) کی فرائض پر نظم کیا تھا۔ اس مثنوی میں چھبیس صفحات ہیں۔ ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے علی غلم سے عربی دعا کی نثر ہے۔ اس کے نیچے اس کا فارسی نثر میں ترجمہ ہے اور پھر غالب کا فارسی منظوم ترجمہ ہے۔ فارسی نثر کا حصہ غالب کے غلم سے نہیں ہے، انہوں نے اس حصہ کی صرف نوک پک درست کی ہے۔

کلیات نثر غالب :

یہ بخوری ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی۔ غالب کی زندگی میں نول کشور پریس سے شائع ہونے والی یہ آخری کتاب ہے۔ اس میں بیچ آہنگ ”مرغم مدد اور دستہ شامل ہے اس کے بعد اس کے کسی اڈیشن اسی طبع سے شائع ہوئے۔ غالب کی وفات کے بعد ان کی یہ کتابیں اس طبع سے شائع ہوئیں جن میں ”کلیات غالب“ (بخوری ۱۸۸۸ء) ”مرد ہندی“ (دسمبر ۱۸۸۵ء) اور ۱۸۶۸ء (گیارہواں اڈیشن طبع حج کمار وارث طبع نول کشور) کلیات غالب مرتبہ امیر حسن نورانی راجہ رام کمار بک اپر وارث طبع نول کشور (۱۵ فروری ۱۸۶۸ء) دیوان غالب اردو۔۔۔ جون ۱۸۷۶ء (طبع پانڈویم) حج کمار پریس کسٹور دلیو شامل ہیں۔ طبع نول کشور کے علاوہ طبع صدر مجبوس کسٹور سے بھی ۱۸۸۸ء میں دیوان غالب کی اشاعت ہو چکی ہے۔

اردو اخبار سے غالب کا تعلق :

”اردو اخبار“ طبع نول کشور کسٹور سے شائع ہونے والا وہ پہلا اخبار تھا جو سیاسی و ادبی ہر طرح کی خبریں چھاپنے میں سرفہرست تھا۔ غالب اردو اخبار سے ۳ نومبر ۱۸۵۸ء کے گلی می حعارف ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں وہ اس کے مستقل خریدار نہ تھے بلکہ وہ اسے نواب ضیاء الدین احمد خان شیر سے مستعاراً [42] لے کر پڑھتے تھے۔ چونکہ ”اردو اخبار“ میں ان کے مضامین ’فرہنگیں ان کی کتابوں کے اشتیارات نیز ان سے اور ان کے شاگردوں سے متعلق خبریں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ لہذا اس اخبار کا انہیں شدت سے انتقاد رہتا تھا۔ کلیات غلم اور کلیات نثر کی اشاعت کے درمیان غالب کا ایک مختصر زمانہ موسوم بہ ”تلمذ غالب“ بھی اردو اخبار کی دو اشاعتوں میں شائع ہوا۔ ۱۸۶۰ء سے وہ اردو اخبار کے مستقل خریدار نظر آتے ہیں۔ اس کی خریداری کے سلسلہ میں فنی نول کشور کو اپنے ایک ملا میں لکھتے ہیں۔

”مشتعلی پندہ کے عرض سمینہ میں چار بار اردو اخبار بھیجا جاسکتا ہو تو مجھے اس کی خریداری منظور ہے“ [43]

”(نکتہ ۱۸۶۰ء)

غالب کے لکھنؤی ملازمہ :

کسی بھی شاعر کی عصری آہنی کے ضمن میں اس کے شاکردوں کو ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ غالب کے حلقہ کی تعداد خاص ہے۔ بالغ رام نے حلقہ غالب کی جو فہرست تیار کی ہے اس کے مطابق ان کی تعداد چالیس تک پہنچی ہے یہاں صرف کھتری حلقہ در بحث ہیں۔

میر افضل (44) علی عرف سید صاحب افضل کھتری:

افضل کے دادا میر حیدر علی حیدر اور ان کے والد میر کام علی خاں کام بھی شاعر تھے۔ ابتدا میں والد سے استفادہ کیا بعد کو غالب کی شاکردی اختیار کی۔ بعداً عاشق مزاج تھے فارسی میں بھی شعر کہتے تھے "فارسی کلام دستیاب نہیں۔

نمونہ کلام اردو ہے

کیا عجز ہو کہ وہ دریاں سے اپنے کہہ دیں کوئی یاں آنے نہ پائے مگر افضل نے
شرقی غضب اس شرح کی خلقت میں بھری ہے بجلی ہے "شرارہ ہے" چھلکا ہے پری ہے
کھتری میں پیدا ہوئے۔ اپنے چچا دار بھائی شام دؤن (45) اسرار رفت سے جو اپنے وقت کے جید عالم تھے دیست تھے "ابتدا میں انھیں سے مشورہ خن بھی کیا۔ کچھ عرصہ مومن سے مشورہ خن رہا۔ بعد کو غالب سے اصلاح لی۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے (46) غالب کے شاکردوں نے عموماً ان کی وطن میں شعر کہنے کی کوشش کی ہے خورشید کے یہاں بھی یہ رجحان ملتا ہے۔ نمونہ کلام ہے۔

جانا نہیں آنکھوں سے تصور کبھی خورشید سوچا ہے ہر وقت وہ گویا مرے آگے
کہاں پہلو میں دل خورشید جس کو ہم قلبی دیں جو کہ تھا آنسوؤں کے ساتھ غلوں ہو کر نکل آیا
فارسی کلام کا نمونہ ہے۔

سوی چمن ادوی دای پریدن خواہم در موسم گل ریخت قلب بال در ما
ای صبا! گشت آں رنگ چمن ہازدہاں مژدہ دولت دیدار من باز دہاں

ناصر الدین خاں عرف یوسف مرزا (47) ناصر کھتری:

نواب حسام الدین حیدر خان کے نواسے اور ناصر حسین مرزا کے بھانجے تھے۔ ان کے والد سید محمد نصیر عرف نواب جان ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں بنگال کے جرم میں پھانسی ہوئے اور ۱۸۸۰ء میں پھانسی کی سزا ملی۔ ناصر کی طبیعت میں عرفان کثرت کوٹ کر بھری تھی۔ بات بات میں عرفان کا پہلو پیدا کر لیتے مثال کے طور پر اپنے چچا سید محمد رضا کے دوست نواب محمد رضی خان کو رخصی کی "سی" کو "یا" سے "تائید بان کر چچا کے دوست کی مناسبت سے پیش چلی گئی وہی میر محمدی مجموعہ نے تاریخ وفات کی۔

چشم گفت رضوان سنن وفات یا سیدم در عشت بریں (۱۳۰۰ھ)
کلام ضائع ہو گیا صرف ایک شعر ملتا ہے

ترشے سے جوں کے بعد بھی تو قہر جگری صم بن کر ہوئی مشورہ یہ تصویر جگری
دہی دال عرف فیب بی ہای کھسڑی:

کھسڑے کے رہنے والے پیش کے اعتبار سے مراد ہے۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ کلام گدست
نفر ہمار میں جو سید سیدی حسن عقل اور یعقوب علی خان نصرت کی لوارت میں کھسڑے اردو پریس راجہ بازار کھسڑے
سے شائع ہوتا تھا۔ دستیاب ہے انہوں نے بھی غالب کی زمینوں میں شعر کہنے کی کوشش کی ہے۔

دشمن ہاں میرے پہلو میں مرا دل نکلا جس کو میں دوست سمجھتا تھا وہ قاتل نکلا
ہای اب جان کسی طرح نہیں نہتے کی ہاتھ میں جف لئے گھر سے وہ قاتل نکلا
نمونہ فارسی کلام

جنونی کو کہ باخداوم آں مظل پر ی مددا دہ اور سر من سبک ومن بنم سر اورا
زہد قدی زن کہ دہم ہر مہاں را بجادہ اویاے عقل ہر داس را (48)
مرزا محمد اکبر خاں خاوند قزلباش:

خاوند کی پیدائش (۱۸۵۵ء - ۱۸۸۳ء) کابل کی ہے لیکن تمام عمر کھسڑے میں گزری اس لئے انہیں بھی کھسڑی
تلافی میں شمار کیا گیا ہے۔ غالب اور میر دؤر علی بابا سے کلام پر اصلاح لی۔ کھسڑے سے جوں اور بھر پیالہ چلے گئے۔
جہاں ریاست پیالہ کی طرف سے انہیں سلطان شعراء کا خطاب عطا ہوا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے
نمونہ کلام۔

مشورہ ہے داغوں سے سرایا مرے دل کا شعل فخر طود ہے نقش مرے دل کا
نہ دیکھا ہو جس نے کبھی رقص نعل وہ آج آکے دیکھے تراشا ہوا
فارسی کلام کا نمونہ:

صیم داغ ہاں پرودہ' شیم پوستاں دلبر صباہ مودود لمر' ہوا رنگ در بان (49)
کھسڑے کے قرب و جوار مثلاً کاکوری لور ہنگام سے تعلق رکھنے والے غالب کے تلافی کو بھی کھسڑی مانا گیا ہے
ان میں جو نام دستیاب ہیں وہ اس طرح ہیں:

سید غلام حسین قندرا (50) بکراہی والد کا نام سید مظہر علی تھا جو بیسے ہی متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ قدر
بکراہی شادی کے بعد کھسڑے آئے۔ پہلے شیخ امان علی شکر کے شاگرد ہوئے پھر غالب سے اصلاح لی۔ ابتدا میں ہر دوئی
اسکول میں فارسی کے استاد ہوئے۔ بعد کو کینٹنگ کالج کھسڑے (جو اب کھسڑے یونیورسٹی ہے) فارسی کے استاد رہے۔ یہاں
۱۸۸۳ء تک تقریباً ساڑھے تین سال درس دیا۔ انہوں نے ایک کتابیات (طبع مفید اگر مکتوبہ ۸۸۵۰ء) یادگار چھوڑا
ایک مثنوی مسمیٰ بہ نقادہ قدر بھی ان سے یادگار ہے۔ قصائد عربی کی شرح بھی لکھی۔

نمونہ کلام:

میں جنت نہ سی' خیر جہنم ہی سی
تقدیران سرودہ ہستوں نے مجھے تیرا دیا
ہے عشق یہ بھلائی کیا دھگ دھگ کیا ہے
نم بھی کبھی کہیں گے ہم بھی کبھی جہاں تھے (51)

نکیم محب علی (48) نیر کا گودی:

والد مطلق علی نکیم تھے لیکن شعر بھی کہتے تھے۔ ان کے آہوا واد میں متعدد صوفیہ کرام بھی ہوئے۔ فارسی اور
ملک کی تعلیم والد سے حاصل کی۔ اول نواب مصطفیٰ خان شیخ پھر غالب سے تلمذ اختیار کیا۔ کلام دستیاب نہیں (52)
گھنٹو کی تعریف اور اس کی یادیں:

گھنٹو کے سلسلہ میں غالب کی یادیں مصر غالب کے تاریخی مسائل کی تعلیم کا ذریعہ بن گئیں۔ مرزا نے عموماً
اپنے خطوط میں گھنٹو کی غیر معمولی تعریف کی ہے، میر سدی بخروج کے نام ایک خط میں انھیں جرحانے کے انداز میں
لکھتے ہیں:

"اوپر سید دارۃ آراں" دل کے دل دانہ" لکھتے ہوئے اردو بازار کے رہنے والے حسد سے گھنٹو کو برا کہتے
والے نہ دل میں سرور آدم نہ آنکھ میں حیا و شرم۔

گھنٹو سے انھیں بے پناہ اہمیت تھی، مرزا حاتم علی مر کے نام اپنے ایک خط میں وہ اس کی بیاد پر یوں اظہار
تأسف کرتے ہیں:

"ہائے گھنٹو کچھ نہیں کہتا کہ اس بہار حیات پر کیا گزری؟ اسوال کیا ہوئے؟ خاندان شجاع الدولہ کے زن و
مرد کا انجام کیا ہوا؟ قبلہ و کعبہ حضرت مجتہد العصر کی سرگزشت کیا ہے۔" (53)

غالب کی تعلیم میں گھنٹو کی ادبی خدمات:

گھنٹو کی ادبی خدمات تعلیم غالب کا ایک اہم حصہ ہے۔ آملی کے لئے اسے تین حصوں میں تعلیم کیا
جاتا ہے۔

- اول ————— از لحاظ شروع کلام غالب
- دوم ————— از لحاظ مضامین و سبب حلقہ بہ غالب
- سوم ————— غالب کا ذکر گھنٹو کی تذکرہ نگاروں کے میں

شرح دیوان غالب

غالب کے زمانے سے لے کر اب تک ان کے دیوان کی تقریباً پچاس سے اوپر شرحیں لکھی جا چکی

ہیں، یہ بھی اتفاق ہے کہ غالب کے کلام کی مشہور شرحیں کسٹوری میں لکھی گئیں، مثلاً "شرح دیوان غالب از علامہ سید محمد احمد بنجد موہانی:

یہ غالب کے ایک ممتاز شارح ہیں جن کی شرح غالب کے عمل دیوان کی متصل شرحوں میں بلند درجہ رکھتی ہے۔ بنجد نے جس وقت یہ شرح لکھی اس وقت نظم طباطبائی حسرت موہانی "شوکت میر خاں" واصلہ دکن اور سالہ آہی کی شرحیں مطر عام پر آچکی تھیں۔ بنجد موہانی نے شرح لکھتے وقت ان تمام شرحوں کو سامنے رکھ کر اس پر تاثرات لکھ دیے۔ بنجد نے کلام غالب کی تشریح میں شعراے اردو فارسی کے بلند پایہ اشعار بھی دیئے ہیں جس سے یہ شرح اور بھی دقیق ہو گئی ہے۔ بنجد نے یہ شرح ۱۸۸۳ء میں مکمل کر لی تھی۔ کسی وجہ سے اس کی اشاعت نہ ہو سکی۔ غالب صدی کے موقع پر سید سکندر آغا نے اسے نکالی ہے۔ پریس وکٹوریہ اسٹیٹ کسٹوری سے ۱۸۸۳ء میں شائع کرایا۔

مکمل شرح دیوان کلام غالب از مولوی عبدالباری آہی:

حسب قرائن فیجری صدیق ہک ڈیو آئین آباد کسٹوری، یہ غالب کے غیر مطبوعہ کلام کی متصل شرح ہے۔ مولانا مٹھی کے بیان کے مطابق اس میں غالب کا غیر مصدقہ کلام بھی شامل ہے۔

شرح دیوان اردوئے غالب از سید علی حیدر نظم طباطبائی:

نظم طباطبائی کی یہ شرح بھی اتفاق کی حامل ہے۔ ۱۸۸۸ء میں ادارہ فروغ اردو کی جانب سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

شرح طباطبائی اور تنقید کلام غالب:

پروفیسر سید مسعود حسن دہلوی اصحاب نے شرح طباطبائی اور تنقید کلام غالب کے نام سے طباطبائی کے مکتبہ لیکن نہایت اہم تنقیدی بیانات کی ترتیب و تنظیم کی ہے۔ اور اسے محاسن کلام اور معائب کلام کے دو بابوں میں تقسیم کیا ہے۔

غالب کے جہت جہت کلام پر بھی شرحیں لکھی گئیں۔ ان میں مرزا جعفر علی خاں اثر کسٹوری کی "مطالعہ غالب" جنوری ۱۸۸۲ء میں سر فرزا قوی پریس کسٹوری سے شائع ہوئی اس میں غالب کی مختلف غزلوں کے پائیس اشعار کی شرح شامل ہے۔ طریقہ کار یہ ہے کہ اول "قول شادمین" کے عنوان کے تحت مختلف شادمین کے خیال کو پیش کیا گیا ہے پھر "مرض اثر" کے عنوان کے تحت خود شارح نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس میں غالب کے کلام کا انتخاب بھی شامل ہے۔ پروفیسر مسعود نے ۱۸۸۶ء میں غالب کے بیس شعروں کی شرح "تعبیر غالب" کے نام سے شائع کی ہے۔ اس میں غالب سے متعلق مضامین بھی شامل

تیبہ

پروفیسر مسعود حسن رضوی ادب نے بھی غالب کے بعض اشعار کی شرح کی ہے۔

از لحاظ مضامین و کتب متعلق بہ غالب:

اس عنوان کے تحت غالب کے سلسلہ میں دو قسم کے مضامین اور کتب سامنے آئیں اول وہ مضامین و کتب جو غالب کی موافقت میں لکھی گئیں
دوم وہ مضامین و کتب جو غالب کی مخالفت میں وجود میں آئیں
غالب کی موافقت میں لکھی گئی کتب و مضامین:

مید مرتضی حسین فاضل کھسروی نے "دوئے معلیٰ" میں شامل غالب کے چار سو اسی خطوط کو احتمالی وقت کے ساتھ کلام خس و خاشاک سے پاک کر کے نہایت مفید حواشی کے ساتھ ۱۹۱۹ء میں مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کرایا۔ ان کی دوسری کوش کلیات غالب فارسی کے سلسلہ میں ہے۔ اس کو بھی انہوں نے جدید ترتیب و تہذیب کے ساتھ تین جلدوں میں ستمبر ۱۹۲۷ء کو مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کرایا۔ اردو کے بلند پایہ محقق پروفیسر مسعود حسن رضوی ادب نے مرزا کے غیر مطبوعہ اور نادر مکتوبات و منظومات کو جمع کر کے اسے "مختصرات غالب" کے نام سے شائع کرایا پہلی مرتبہ یہ کتاب ۱۹۳۷ء میں کتاب خانہ ریاست رام پور سے بھلا ۱۹۴۹ء کو کتاب مگر کھسروی سے شائع ہوئی اس کی تفصیل پروفیسر مسعود رضوی کے قلم سے "غالب نامہ" جلد (۱) شمار ۳ (۱۹۷۷ء) میں شائع ہو چکی ہے۔
مرزا محمد عسکری (حجرم تاریخ ادبیات اردو از رام پور سکینہ نے بھی اپنی خطوط غالب کے نام سے ایک کتاب مفید حواشی کے ساتھ ادارہ فروغ اردو کھسروی سے شائع کرائی۔

دور حاضر میں بھی غالبیات کے سلسلہ میں کسی نہ کسی صورت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مصر حاضر کے محقق کاظم علی (S.M) غنی کا نام ایک مختصر نام ہے۔ انہوں نے غالب کے کچھ سو اکثر خطوط پر جی وقت تلاش و تفتیش کے ساتھ ہتھ اندازہ نظر ڈالی ہے۔ جو خطوط غالب کا تنقیدی مطالعہ کے نام سے ۱۹۷۷ء میں کتاب مگر کھسروی سے شائع ہو چکی ہے۔ اس تحقیقی کام کے علاوہ انہوں نے غالب کے بعض نادر اور غیر معروف و ناشائستہ آثار کا بھی سراغ لگایا ہے۔ نیز غالب کے بعض غیر معروف شاعروں کے متعلق بھی مطبوعات فراہم کی ہیں۔

باقیات غالب کے نام سے دہلیات علی شریانی کی ایک کتاب ۱۹۴۹ء (بار دوم) میں ضمیمہ یک (۱) لاٹوش روڈ کھسروی سے شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں غالب کے چند اول دیوان کے علاوہ جو بھی کلام نثر و عہد یہ یا دیگر ذرائع سے مطہر عام پر آیا۔ اس کا مختصر لیکن جامع انتخاب پیش کیا گیا ہے نیز اس کتاب میں غالب سے متعلق مضامین بھی شامل ہیں۔

ڈاکٹر سہادت علی صدیقی کی ایک کتاب جسے غالب کے نام سے ۱۹۹۸ء میں فروغ اردو کھنڈ نے شائع کی ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں غالب کی اس زندگی سے بحث کی گئی ہے۔ جو زندگی کی نظر ہوئی۔ ان کی ایک دوسری کتاب ”غالب پر چند تحریروں“ انجمن ترقی اردو دہلی نے شائع کی ہے۔ یہ کتاب غالب سے متعلق ان کے مضامین پر مشتمل ہے اس سلسلے میں غالب کی وفات پر کسی گہری اس رہائی کا ذکر بھی ہے کل نہ ہو گا جو میرا انس سے منسوب ہے رہائی ہے۔

گزار جہاں سے بلخ جنت میں گئے مروج ہونے ہوار رحمت میں گئے
دراج مل کا مروج اعلیٰ ہے غالب اسد لفظ کی خدمت میں گئے

غالب کی مخالفت میں لکھی گئی کتب و مضامین:

کسی بھی شخص کی صحیح تصویر عوام کے سامنے لایا جانے کے لئے مسودہ ہے کہ تصویر کے دونوں رخ سامنے آئیں۔ بٹول ڈاکٹر مسیح انصاری اس میں لکھتے ہیں کہ غالب اچھے شاعر اور اچھے ادیب تھے لیکن وہ فرشتہ نہ تھے۔ غلطیاں ان سے بھی ہوئیں اسی تاثر کے تحت غالب کی مخالفت میں مضامین اور کتابیں منظر عام پر آئیں۔ ان میں جنس انجمن کی ”غالب تصویر کا دوسرا رخ“ ایک ایسی کتاب ہے جس میں غالب کی مخالفت میں لکھے جانے والے مضامین کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ اس میں یگانہ پنجگزی، نظم شاہعلی مولانا عبدالسلام ندوی، اثر کھنڈی خلیفہ عبدالکیم، عبدالخالک اردوی اور نود جنس انجمن کے مضامین شامل ہیں یہ کتاب سرفراز قوی پریس کھنڈ سے فروری ۱۹۹۸ء کو شائع ہوئی۔

مرزا یگانہ پنجگزی کی ”غالب تھکن“ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے یہ دراصل پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کے نام ایک طویل خط ہے۔ پروفیسر رضوی نے لکھا کہ ان کی غالب و خشی نود ان کے حق میں منظر ثابت ہو رہی ہے۔ اس کے جواب کے طور پر غالب تھکن دھند میں آئی۔

غالب کا ذکر کھنڈی تذکرہ نگاروں کے یہاں:

ان میں ”نوش سرکہ قریب“ [55] مولف سہادت علی ناصر اور سرایا عزیز [56] مولف حسن علی حسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں ”نوش سرکہ قریب“ [57] میں اسد اور غالب دونوں شخص کے تحت غالب کا ذکر کیا گیا ہے۔

تذکرہ ”سرایا خن“ میں سرایا کے اعتبار سے اصنافِ ہنر کی دہلیوں میں شعراء سے فرائض کی گئی غزلیں شامل ہیں۔ اس میں ”پانوں“ ردیف میں کہ گئی غالب کی وہ مشہور غزل شامل ہے جس کا مطلع ہے۔

دھوتا ہوں جب میں پہنے کو اس ہم تن کے پانو دکھتا ہے خند سے کھنڈ کے باہر گن کے پانو

”راج ان فریب“ از کلب حسین نود میں بھی غالب کے حالات کا ذکر موجود ہے۔ اسے پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب نے تذکرہ نود کے نام سے ایڈٹ کیا۔

بحیثیت مجموعی قسیم غالب کے سلسلے میں کھنڈ کے تحری و تجزی سلی و ادبی نودی تاریخی پس منظر کو ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا یا شبہ اگر ایک طرف کھنڈ کے حوالے سے ”غزلیات“ کے سلسلے میں اضافہ ہوا تو یہ بھی

مالک رام

میرزا غالب

میرزا غالب سے ان کی زندگی میں مجھے بار بار ملنے کا اتفاق ہوا۔ ہمارے خاندان کے ان سے بہت پرانے تعلقات تھے۔ بلکہ دور نزدیک سے۔ کچھ عرصہ داری بھی تھی۔ میرے والد ان کے ہم عمر اور بھولی تھے۔ وہ دونوں بچپن میں شیخ معلم کے کتب میں اکٹھے پڑھتے تھے لیکن میری ملاقات ان سے بہت بعد کو ہوئی۔ میرزا صاحب میری پیدائش سے بہت پہلے ہی ۱۸۳۵ء یا ۱۸۳۸ء میں آگرہ چھوڑ کر دلی چلے آئے تھے۔ ہر اگرچہ اس کے بعد بھی وہ وہ ایک مرتبہ آگرے تشریف لے گئے، لیکن صغریٰ کے سبب میں ان کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔

ایک نانا کے بعد جب کادہار کے حلیے میں پہلی بار میرا دلی آنا ہوا تو چلے وقت والد مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھو، میرزا غالب کی خدمت میں ضرور حاضر ہونا اور ان سے میرا سلام شوق عرض کرنا۔ یہ خود ۱۸۵۷ء سے چار سات برس پہلے کا ذکر ہے۔ گرمیوں کا زمانہ تھا۔ میرزا صاحب ان دنوں لال کنواں میں حضرت مولانا نصیر الدین عرف میاں کالے کی حویلی میں رہتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں ان پر ہوا خانہ قائم کرنے کے جرم میں مقدمہ چلا تھا۔ اس کے نتیجے میں وہ تین مہینے قید خانے میں رہے تھے۔ جب قید سے رہا ہوئے تو میاں کالے صاحب انہیں اپنے ہاں لوا لے گئے۔ میرزا صاحب نے بہت کہا کہ حضرت! آپ میرے بزرگ اور مخدوم ہیں، میں آڑو منٹل آوی ہوں، میرے یہاں رہنے سے آپ کو تکلیف اور پریشانی ہوگی، لیکن میاں کالے ایک نہیں مانے اور مجبوراً میرزا صاحب کو ان کے مکان پر قیام کرنا پڑا۔ ہمیں وہ مشہور لیلیف پیش آیا تھا کہ ایک دن ایک صاحب مزاج پر سی کے لئے حاضر ہوئے اور مہارک باز دی کہ شکر ہے، خدا کے فضل سے آپ قید سے آڑو ہوئے! اس پر میرزا بولے، لیکن مجھ کو آڑو ہوا ہے! پہلے گورے کی قید میں تھا، اب کالے کی قید میں ہوں۔" میرزا غالب اس مکان میں ستمبر ۱۸۵۷ء سے لے کر مارچ ۱۸۵۸ء تک رہے تھے۔

یہاں دلی میں کام سے مجھے اتنی فرصت نہ ملی کہ جلد ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ لیکن یہی فکر تھی کہ میں نے واپس گیا تو قبلہ والد صاحب ہراسی ہوں گے۔ اس لئے ہوں توں کر کے واپس سے ایک دن پہلے مغرب کے قریب ان کے مکان پر گیا اور اطلاع کرائی۔ ملازم مجھے اندر لے گیا۔ باہر صحن میں موڑے بچے تھے، ایک تخت بھی قریب میں پڑا تھا۔ میرزا غالب صاحب ایک موڑے پر بیٹھے تھے۔ بعض اور اصحاب دوسرے موڑوں پر تشریف رکھتے تھے، میں ان میں سے کسی کو پہچان نہیں تھا، بعد کو معلوم ہوا کہ ان میں صاحب خانہ حضرت میاں کالے تھے، احرام الدولہ حکیم احسن اللہ خان تھے، نواب معینی خان شیخ، نواب ضیاء الدین احمد خان تھے اور بھی دو تین صاحب بیٹھے تھے۔ میں نے پہنچ کر اکواب عرض کیا اور پیچھے سے ایک طرف تخت کے سرے پر بیٹھ گیا۔ میرزا صاحب نے بے تکلفی کے

مجھے میں فرمایا: ”تسپے، تسپے“ تشریف رکھئے“ فرمایا۔ میں نے اپنا نام بتایا اور عرض کیا کہ میں اکبر آباد کا رہنے والا ہوں اور صرف سلام کو حاضر ہوا ہوں۔ اس پر وہ مسکرا کر کچھ کہنے کو مجھے کہ باطلوم حاضرین میں سے کس نے کوئی سوال کر دیا اور وہ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میں بھی غامض ہو گیا۔

میرزا صاحب کا سن پچاس سے اوپر تھا، چوڑا چکلا باز، داڑھی صفا چٹ، نازک باریک سوجھیں جنہیں آؤ دسے رکھا تھا، بڑی بڑی لٹائی آنکھیں، سرخ و سپید رنگ، جس میں چھٹی دیک تھی، سر پر لمبے لمبے چٹھے، قلموں پر لکھتے ہوئے بال، سر پر ایک پلے کی بجلی سی ٹوپی جس پر کشیدہ کا کام تھا، بدن پر تن زیب کا انگرکھا اور نیچے ایک بر کا سپید پاجامہ، پاؤں میں گھٹنلی جوتی، ہاتھ میں جھونان کی سٹک تھی اور سٹن لگا رہے تھے۔ نواب شیخہ چالیس سے اوپر تھے۔ ان کے چہرے سے محنت اور سنجیدگی چھٹی تھی، ہات بہت فسر فسر کر رہے تھے۔ نواب ضیاء الدین خان ان دونوں جوان تھے، تمہیں کے لگ بھگ ہوں گے۔ ہارمب کتابی چوہ، بھری بھری داڑھی، شرعی آنکھیں۔ حکیم احسن اللہ خان اور مولانا فسر الدین دونوں بزرگ بڑی نورانی عقلوں کے مالک تھے۔ علائکہ حاضرین میں سب وجہ اور ہوا کار لوگ موجود تھے، پھر بھی اس سارے مجمع میں میرزا صاحب کی شخصیت خاص طور پر نمایاں تھی۔

دیر تک لوہر اوہر کی تھکھو ہوتی رہی۔ کچھ شعر و شاعری، کچھ قصوف، کچھ قتلے کے لطیفے، فرض کہ دو گھڑی بڑے لطف کی صحبت رہی۔ اس کے بعد انہاب رخصت ہونے لگے، میں اس انتظار میں رہا کہ ذرا فراغت اور یکسوئی ہوئے تو اپنا تعارف کراؤں۔ چنانچہ جب سب صاحب رخصت ہو لئے تو میں نے جرات کر کے گزارش کی کہ میں غلام طوبہ پر حاضر خدمت ہوا ہوں۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ میں کون ہوں تو بڑے تپاک سے ملے۔ دیر تک حضرت والد صاحب قبلہ اور اگرے کے دوسرے انہاب کا حال پوچھتے رہے۔ پھر پوچھا کہ کہیں اترے ہو، اور کب تک قیام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک عزیز کے یہاں پناؤ گنج میں قیام ہوا ہوں اور انشاء اللہ کل واپس جا رہا ہوں۔ فرمایا کیا سنی کہ وہ عزیز ہیں اور میں دشمن تھا۔ میاں تمہیں اپنے اور تمارے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم! تمہارے والد تو میرے لنگوٹھے دار ہیں، ہم کتب میں کرنا اور مصلحتیں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ دن بھر ایک ساتھ کھیلتے تھے اور ایک کو دوسرے کے بغیر جین نہیں آتا تھا۔ تمہارے والد پڑھنے لکھنے اور سمجھنے میں بہت ہوشیار تھے۔ تو کیا نہایت تھا؟ وہ بھی۔ میں نے باقاعدہ طور پر کتب جانا اور پڑھنا لکھنا، دس بارہ برس کی عمر سے پہلے ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس پر بڑے خان صاحب (یعنی خواجہ غلام حسین کیدلن، مرزا صاحب کے نانا جان) بہت تھا ہوئے۔ والد بھی بہت ناراض ہو گئے۔ ماموں نے بھی کھمایا لیکن بیکار۔ معلوم نہیں، میرے سر پر تواریکی کا بھوت کچھ اس بری طرح سوار تھا کہ کچھ اثر نہ ہوا اور میں نے دوبارہ کتب کی طرف منہ نہ کیا (پھر مسکرا کر کہنے لگے) اب سوچتا ہوں کہ شاید کچھ ایسا بڑا نقصان بھی نہیں ہوا۔ بھلا وہ تعلیم جاری رہتی تو زیادہ سے زیادہ بھی ہو تاکہ لوگ مجھے عالم اور مولوی کہنے لگتے۔ لیکن بتانا علم مجھے اب ہے، اس سے کیا فائدہ حاصل ہوا کہ مزید کی آرزو ہو۔ چالیس برس کی بیک بیک سے۔

کھلا کہ فائدہ عرض خیر میں خاک ضمیم

اسی طرح تھوڑی دیر باقی کرتے رہے، کچھ مجھ سے، کچھ اپنے آپ سے، جب میں نے اجازت چاہی تو فرمایا:

بھائی کو سلام شوق کے بعد کہنا کہ دل ان کے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے اور یہ شعر سناتا:

بازت دیوار' لیظام گرفتہ

مطابق تو دیوان دشمنان لشکر

اور ہاں دیکھو۔ اب کے ہر دلی آقا ہو تو میرے ہی پاس ٹھہرا۔ اس میں ٹکلف کی کوئی بات نہیں۔ اسے بھی اپنا ہی گھر سمجھو۔

(2)

دوسری بار میں نووس مہینے بعد ۱۸۸۳ء کی گرمیوں میں دلی آیا اور جرات کر کے میرزا صاحب کے مکان پر چلا گیا۔ میں نے اپنے آنے کی اطلاع انہیں پہلے سے دے رکھی تھی وہ ان دنوں ملی باران میں حکیم محمد حسن خاں کی عریلی میں کرائے پر رہتے تھے۔ یہ مکان بہت ہوا دار اور مشرق سے کھلا تھا۔ اس لئے دریا کی طرف سے خوب ہوا آتی تھی۔ محل سرائے اور دریاں غائب بھی الگ الگ تھا لیکن اس میں ایک قطع تھا کہ کمرے بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ میں پہنچا تو میرزا صاحب بڑی گر خوشی سے ملے اور فرمایا کہ میں بہت خوش ہوا کہ تم نے اسے اپنا گھر سمجھا۔ تمہارے والد میرے بھائی ہیں اور تم میرے بھتیجے اور بیٹے ہو۔ پھر فرمایا: دیکھو کوئی شرم اور ٹکلف کی بات نہیں کسی شے کی ضرورت ہو تو بے جھجک مانگ لیتا۔ اگر کھانے میں کوئی خاص چیز پکوانے کی خواہش ہو تو وہاں سے کہہ دو پک جائے گی۔ اب کو تمہیں تمہاری بچی کے پاس لے جاؤں۔

اس کے بعد وہ مجھے اندر بیگم صاحب کے پاس لے گئے۔ وہ اس وقت ذہین العابدین خاں عارف مرحوم کے دونوں صاحبزادوں باقر علی خاں اور حسین علی خاں کو کھانا کھا رہی تھیں۔ باقر علی خاں اس وقت پانچ چھ برس کا تھا اور حسین علی خاں دسائی تین کا۔ باقر علی خاں مستقل طور پر رہتا تو اپنی دادی املاں کے پاس تھا لیکن اس وقت بونہی کھیلتے کھیلتے اوجھڑا تھا۔ حسین علی خاں البتہ میرزا صاحب ہی کے ساتھ رہتا تھا۔ میرزا صاحب نے میرا تعارف کرایا اور کہا کہ یہ میرے عزیز ہیں اور رشتے میں بھتیجے ہوتے ہیں۔ کسی کام سے یہاں آئے ہیں تمہارے پاس ٹھہریں گے ذرا خیال رکھنا انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ میں تو اب بہا لالہ بیگم صاحب نے دعا دی اور فرمایا: "بیٹا ٹکلف کا نانا غراب۔ اگر تمہیں کوئی چیز چاہئے تو کسی نوکر سے کہہ دو یا مجھے اندر کھلو سمجھو۔ سیاہ ہو جائے گی اور اگر شراب شری میں رہے تو تم جانو۔"

میں شام کے قریب پہنچا تھا اور سفر کی تھکان کے سبب میری آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ اشتہا بھی نہیں تھی۔ میرزا صاحب نے کالے خاں (عرف کلر) دارودنے سے کہا: "دیکھو آپ کا بچہ باہر کے دکان میں لگا دو اور پانی کا لونا پاس رکھ دو تاکہ صبح جاگنے کی ضرورت نہ رہے" میں تھا ہمارا تو تھا ہی ہسٹری چلتے ہی ہو گیا۔ اگلی صبح اٹھا تو دیکھا کہ میرزا صاحب مجھ سے پہلے جاگ چکے ہیں اور ابھی ابھی دریاں غائب میں جگر پھینچے ہیں۔ میں بھی ہاتھ منہ دھو کر اب عرض کر کے ان کے پاس جا بیٹھا۔ دریاں غائب میں سفید چاندنی کا فرش ہو رہا تھا۔ صدر میں تھلیں اور دو تین گاؤں تھنے لگا رکھے تھے۔ ایک طرف قرینے سے گلن میں چچا ان رکھا تھا۔ تھلیں کے کنارے

جاندی کا پاندان پڑا تھا۔ کمرے میں تین چار پتیل کے انگادان تھے اور ایک کونے میں بڑی سی چٹنی دھری تھی۔
 تھوڑی دیر میں دقلاور ملازمہ اندر سے سرپوش ڈھکا ہوا ایک لوتا اور دو خالی گلاس لائی اور انہیں کالین کے پاس رکھ
 کے چلی گئی۔ میرزا صاحب نے مجھ سے پوچھا: کیوں بھائی، صبر کرو گے۔ میں نے شکر یہ ادا کیا اور پوچھا کہ کیا ہے۔
 کہنے لگے: ہدام اور مصری کوئی حرام چیز نہیں۔ بات یہ ہے کہ نہانہ سے مجھے گرمی کی شکایت ہے۔ حکیم صاحب نے
 کہہ رکھا ہے کہ رات کو چند ایک ہدام پانی میں بھگو دو، صبح چھلکا اتار کر انہیں خوب گھونٹ لو اور اسے شیرہ میں
 گلاس بھر مصری کا شربت ملا کر پی جاؤ۔ چنانچہ گرمی ہو کہ جازا، روزانہ صبح نہانہ منہ، یہ لٹھلا پانی پیتا ہوں اور حقیقت
 یہ ہے کہ اس سے دن بھر طبیعت میں تازگی اور فرحت محسوس کرتا ہوں۔ اس صبر کے لئے مصری خاص طور پر بیگانہ
 سے منگواتا ہوں کہ وہاں کی مصری صاف اور خشک اور مناسب میں خوب ہوتی ہے۔ یہاں جو مصری بازار میں ملتی ہے
 اس میں نمی ہوتی ہے۔

ہم ابھی بیٹھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ ڈاکیا آیا اور تین چار خط دے گیا۔ میرزا صاحب حق چنے اور خط پڑھنے
 لگے۔ ان میں ایک خط غالبؒ مفتی پرگنہاں قند کا تھا جنہیں وہ میرزا قند کہتے تھے۔ دوسرے بریلی والے قاضی
 عبد الجیل کا تھا۔ دو اور خط اب یاد نہیں رہا کہ کن کے تھے۔ جب خط پڑھ چکے تو کہنے لگے: لو صاحب، میں تو
 اب قلعے جاتا ہوں دس بجے تک واپس ہوگی۔ تم جاؤ، یہاں بیٹھو، چھ گھنٹے چلے جاؤ، قلعے سے واپسی پر کھانا کھاؤ
 گے۔ اگر چاہو، تو اس وقت تک کمرے پہنچ جاؤ۔ میں میر کے لئے باہر جانے ہی والا تھا کہ میرزا صاحب کے دو تین
 ملاقاتی آ گئے۔ ایک تو میر افضل علی عرف میرن صاحب کے خسر، دگراب جناب مولوی مظفر علی صاحب تھے، دوسرے
 پنڈت شیوا جی رام سونسی میرزا صاحب کے شاگرد تھے۔ ان کے ساتھ ان کا قوجوان بیٹا جال کند بھی تھا۔ مولوی مظفر
 علی تو اسی محلے میں میرزا قریبان بیگ کے مکان میں رہتے تھے۔ میرزا صاحب کے مسکن اور ان کے گھر کی درمیان ایک
 میر خیرات علی کی عویلی تھی۔ پنڈت شیوا جی رام کا مکان بکھ قاصلے پر کوپہ پنڈت میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد میر احمد حسین
 مہکس آ گئے۔ یہ بھی میرزا صاحب کے شاگرد تھے۔ ان اصحاب کو دیکھ کر گھو حق تازہ کر کے لے آیا۔ سب نے گھو
 سے کما کر دیکھ صاحب کی خدمت میں ہمارا آداب کھلا دیا۔ گھو نے آواز دے کر دقلاور لوتڑی کو بلوایا۔ معلوم ہوا کہ
 وہ باہر سودا سلف لینے گئی ہے۔ نیاز علی چھو کر سے نے جھانک کے پوچھا: کیوں داد دہتی؟ کیا چاہتے؟ گھو نے جواب دیا:
 اے! دیکھ صاحب سے یہ گھو کہ مولوی مظفر علی صاحب اور میر احمد حسین اور پنڈت شیوا جی رام آداب کہتے ہیں اور
 پنڈت جی کا ساہزادہ جال کند بڑی عرض کرتا ہے۔ جب اندر اطلاع ہوئی تو دو گھوڑوں کی تھالی لئے آئی اور کما کہ
 دیکھ صاحب سب کو آداب اور جال کند کو دعا کہتی ہیں اور یہ کما ہے، میرزا صاحب اب آئے جاتے ہیں۔ آپ بیٹھے
 اور حق چیتے اور پانی کھا۔ ہم سب بیٹھے گپ کر رہے تھے کہ دس بجے کے لگ بھگ میرزا صاحب قلعے سے
 لوٹے۔ سب نے کھڑے ہو کر آداب عرض کیا۔ وہ صدر میں مولوی مظفر علی کے پاس بیٹھ گئے اور گئے ایک ایک سے
 گھر بار کا حال پوچھنے۔ مولوی صاحب سے پوچھا کہ میرن صاحب کہاں ہیں اور کیسے ہیں؟ پنڈت شیوا جی رام سے
 دریافت کیا کہ گھو، تمہارے محلے میں اب موسیٰ ہزار کا کیا حال ہے؟ جال کند سے اس کی تعظیم سے متعلق سوال کیا۔

سیکھس سے اس کے گمراہوں کا ہچاکہ شرمیں ہیں یا اپنے میکے ہرام پر مجھے ہوئے ہیں۔ باتیں ہو رہی تھیں کہ اندر سے نواز ملی نے اگر اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے، غم ہو تو لگایا جائے۔ اس پر دوستوں نے اجازت چاہی اور میرزا صاحب اور میں دونوں بچوں کے ساتھ اندر گئے۔

اندر ایک دالان میں فرش پر دسترخوان بچھا تھا۔ کھانے میں بھنا ہوا گوشت تھا، تیرہ بھرے کرپے تھے، بڑائی پلاؤ تھا اور ایک ترکاری تھی، روئے کا صلہ تھا، دو تین قسم کا سرکہ اور تیل کا اچار تھا لیکن ایک بات عجیب دیکھی کہ تھے اور گوشت ترکاری سب میں چنے کی دال پڑی ہے۔ دالے میں کم اور گوشت ترکاری میں زیادہ۔ میرزا صاحب نے ترکاری کو تو ہاتھ بھی نہیں لگایا، وہ ایک ٹوالے کرپے کے ساتھ کھائے، تھوڑے سے چاول بھی چکھے۔ البتہ گوشت بہت رغبت سے کھایا اور کافی مقدار میں کھایا۔

جب کھانا کھا چکے تو اٹھے۔ وہ اپنی کالوا اور بیسن کی کٹوری لے آئی۔ آپ نے بیسن سے ہاتھ دھو لئے کہ باتوں کی پچتاہٹ چھوٹ جائے۔ باہر دیوان خانے میں آئے اور چنگ پر دراز ہو گئے۔ فرمایا، 'نیک نہیں آئی، لیکن لینے کی عادت ہے۔ جب تک وہ ایک کھینے آرام نہ کر لیں، نہ کھانا ہی بھم ہوتا ہے، نہ کوئی کام ہی کرنے کوئی چاہتا ہے۔ چنگ پر لینے والے کے محل لگاتے رہے۔ میں فرش پر بیٹھا تھا پوچھنے لگے: 'کو! کہیں سیرو گئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ لگنے ہی والا تھا کہ یہ دوست آگئے اور ان کی خاطر سے رک گیا۔ فرمایا: 'داد! اس کی کیا ضرورت تھی؟ وہ بیٹھے تم اپنے کام پر چلے جاتے۔ میں ایک لڑائے سے بالعموم ہر روز صبح کے وقت قلعے جاتا ہوں، بالخصوص جب سے حضرت غل سہائی نے خاندانِ قرمر کی تاریخ لکھنے پر مقرر کیا ہے۔ یہ بڑا جادو کا دستور ہے۔ میری فیر ماضی میں بھی بیشہ وہ ایک دوست یہاں موجود ہوتے ہیں۔ حقد بڑا، پان کھایا، کبھی کوئی خاص ملنے والے ہوں تو، تھماری بیٹی چاہیں، تو انہیں کھانے کو بھی بھیج دیتی ہیں۔ جب لوٹ کے آتا ہوں تو ان سے دو گھڑی کی مجلس رہتی ہے۔

یہ وہ ناک ہے، جب حضرت جنت مکانی بہادر شاہ ظفر بہت تیار ہو گئے تھے اور ان کی جان تک کے لالے پڑ گئے تھے۔ اگرچہ اب بیماری کی وہ خطرناک صورت تو نہیں رہی تھی اور پہلے سے کچھ املاات تھی، لیکن ابھی ان کی حالت تشویش سے غلط نہیں تھی۔ اس لئے میں نے پوچھا کہ حضرت بادشاہ سلامت کی صحت اب کیسی ہے؟ کہنے لگے: طیب علاج معالجہ کر رہے ہیں اور حالت آگے سے بہتر بناتی جاتی ہے، لیکن خطرہ پوری طرح دفع نہیں ہوا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ ان کا دم نفیست ہے۔ آج بھی جب میں گیا ہوں تو خواب گاہ ہی میں ماضی ہوئی۔ دل مد بہادر میرزا غزو بھی وہاں بیٹھے تھے۔ میرزا سلیمان شاہ کے پوتے میرزا نور الدین، گھسٹو سے آئے ہوئے تھے، وہ بھی تھے۔ یہ رشتے میں اعلیٰ حضرت کے سچے بھتیجے ہوتے ہیں اور اپنے والد میرزا کام بخش اور دلاوا کی طرح صحیحان اہل بیت میں سے ہیں، حکیم احسن اللہ خان بھی موجود تھے۔ وہ ایک مصاحب بھی دست بہت کڑے تھے۔ میں نے اطلاع کرائی تو اندر جانے کی اجازت ملی۔ میں نے ہمارا عرض کیا اور ایک طرف بہت کرکڑا ہو گیا۔ گنڈواری کا کچھ نہ پہنچو، کھانے نہیں جاتے۔ پہلے ہی کون سے سامان زمین تھے۔ پھر عمر کا غافلہ ہیں کچھو کہ اس اگلے شعبان میں اسی برس کے ہو جائیں گے۔ وہی سہی کمر بیماری نے پوری کر دی۔ سوکھ کر کلا ہو گئے ہیں۔ بہت رک رک کر وہ

ایک باقیں کیں۔ ارشد فرمایا۔ آج ایک عجیب بات ہوئی تھری نماز کے بعد یہ نئی ذرا میری آنکھ ہچک گئی تو میں نے دیکھا کہ حضرت صاحبِ علمدار کی درگاہ پر طم چڑھا رہا ہوں۔ اس پر میرزا نور الدین نے عرض کیا کہ جہاں پناہ یہ دنیا صادق اور اشارہ نہیں ہے۔ اس خواب کو ظاہر میں یہ راکٹا چاہئے۔ فرمایا: بہت اچھا۔ خدا نے ہمیں صحت دی تو ہم حضرت کی درگاہ پر سونے کا طم چڑھائیں گے۔ سب حاضرین نے طوفی کا اظہار کیا اور دعا کی کہ شافی مطلق جلد صحت بحال کرے اور حضور والا اپنی صحت پروری کریں۔

پھر فرمایا: ایک بات میری یاد رکھو۔ خدا ان پر فضل کرے گا اور اب یہ ایسے ہو جائیں گے۔ میرا یہ ایمان ہے کہ جو شخص بھی اہل بیت سے محبت کرے گا خدا اس سے محبت کرے گا۔ وہ دو وحانی بیگے اٹھے ہاتھ منہ دھویا اور چالیں پر آن بیٹھے۔ پہلے تھوڑی دیر حق پیتے رہے۔ پھر دو حلوں کے خطوط کے جواب لکھے۔ لیکن گری اس بلا کی قسمی کہ اس دوران میں انہوں نے تین چار بار پانی پیا ہو گا۔ لحظے پانی کی صراحی جس پر صلیبی لٹی ہوئی تھی پاس رکھی تھی اسے اٹھاتے اور تھوڑا سا آنکڑے میں اتریل کر پی لیتے۔ پانچ بیگے کے قریب وارد ہوئی تو بلایا اور حکم دیا کہ دیکھو! یہاں کلو! اب گری بہت ہو گئی ہے۔ دوسرے کو یہاں بیٹھنا مشکل ہے۔ کل سے ہماری اندری کو ٹھوڑی تیار کھا دو اور طس کی قسمی کا بھی انتظام کر دو۔ ذرا خیال رکھنا! طس تازہ اور پھوٹی پھوٹی ہو۔ جس میں پانی دیر تک ٹھہر سکے اور خربہ بھی ہو۔ اور اب برف کا ذخیرہ رکھنا چاہئے۔ میرزا صاحب اپنے حکم انتظام ختم بھی نہیں کر چکے تھے کہ کلیان کنار نے آکر اطلاع دی کہ ابھی ابھی باہر صدر الصدور کی پاکی سے اترے ہیں۔ یہ سنتے ہی میرزا صاحب بھٹ سے کھڑے ہو گئے اور صدر دوازے تک جا کر مفتی صدر الدین خاں آذرہ کی پذیرائی کی۔ باہر مگن میں موڑے بیٹھے تھے۔ پہلے مفتی صاحب کو ایک موڑے پر بٹھایا۔ پھر خود بیٹھے۔ میں بھی ایک تخت پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کچے بھجے دیکرے شیخہ، صہبائی، نیر بخش، داغ اور عسیر بھی آ گئے۔ داغ اور عسیر جو کدہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے اس لئے موڈ باز میرے پاس تخت پر آ بیٹھے۔ سب کھور انتظام تو تھے ہی ابھی غاسی کھل مشاعرہ گرم ہو گئی۔ حضرت مفتی صاحب نے فریاد کی کہ کوئی تازہ کلام ہوا ہو تو سناؤ۔ میرزا صاحب نے پہلے تو عذر کیا لیکن جب مفتی صاحب کے ساتھ صہبائی بھی اصرار کرنے لگے تو فرمایا کہ شعر کا کام دل و دماغ کا ہے۔ دنیا داری کی جھیلیں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ تجھے کی حاضری اور دوست اصحاب کی خدمت سے فرصت ملے تو انسان کچھ فکر بھی کرے اس پر آج کل آسمان سے آگ برس رہی ہے گری کے بارے حواس ٹھکانے نہیں۔ ایک فرتل تھوڑے دن ہوئے کئی قسمی اس کے چند شعر عرض کرتا ہوں:

چاک از جہیم یہ دامن می رود	تپہ بر چاک از گریہاں می رود
ہوہر طبعم در عشق سن لیک	دو دم اندر ابر پنہاں می رود
گرہ مشکل صبح اے دل کہ کار	چوں رود از دست آسمان می رود
جو غن کفر د ایمانے کباب	خود غن در کفر و ایمان می رود

آید و از قوتِ نظمِ کم کیست 'کادو' پنداشتی' ہاں ی مدد
 ی مدد' لائق یک جانی مدد ی مدد' لائق یک جانی مدد
 اول مدد است و از شرم تو مدد آخر شب' از ہست ی مدد
 کیست 'آمد' ہاں ایوانِ نظمیں
 آنچہ بر غالب' ز دیوان ی مدد

عظیم مومن خان کے انتقال کو مشکل سے سال بھر ہوا تھا۔ معلوم نہیں 'کیسے ان کا ذکر چل چلا۔ اس پر میرزا صاحب فرماتے تھے 'صاحب' بڑی آن ہاں کا آدمی تھا' ایسا رنگین مزاج اور زندہ دل اور خوددار شخص بھی کم دیکھتے ہیں آیا ہے۔ اپنی وضع کا اچھا کہنے والا تھا' بلکہ منزل میں ایک نئی روش کا متخزع صاحب تک اس کا شعر ایک خاص لب و لہجہ سے نہ پڑھا جائے' اس کا پورا لطف نہیں اٹھایا جاسکتا تھے تو اس کا یہ شعر نہیں بھولنا:

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
 جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

میں مضمون 'لطف زبان' اسلوب بیان' غرض اس کی کس کس بات کی قریف کی جائے' جب تک کسی شخص نے عشق باڑی کی نہ ہو اور کسی کے فراق کا مزہ چکھنا نہ ہو' اسے یہ مضمون سوجھ ہی نہیں سکتا۔ زبان کا کیا کتنا اور گویا' میں جو پہلو ہے' وہ تو کہنے کی بات ہی نہیں۔ سب پر طو یہ کہ سہل متبع یہ مولدائے شاعری' کچھ اور چیز ہے اور محض خدا کی دین۔ رشتہ میں اس پائے کے شعر بہت کم ہیں۔ میں نے تو مرحوم سے ایک بار کہا تھا کہ بھائی' میرا سارا دیا ان لے لے اور یہ شعر مجھے دے دے۔ توڑی دیہ چپ رہنے کے بعد بھر کئے تھے صاحب' مومن کے مر جانے سے زندگی کا لطف آدھا رہ گیا۔ کافہ خالی ہو جاتا ہے۔ مرحوم میرا یاد اور ہمعصر تھا۔ میں جب اگر سے سے یہاں آیا ہوں تو یہی چہرہ سولہ برس کی میری عمر تھی۔ شاید وہ مجھ سے دو ایک سال چھوٹا ہو' لیکن زبان کا شروع سے بہت تیز تھا۔ اس نے ابتداء میں چند غزلیں نصیر کو دکھائی تھیں' لیکن دونوں کی طبیعتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ نصیر کی قادر الکلامی میں شک نہیں' مگر ان کے استعارے اور تشبیہیں ایسی ہی ہیں جیسے بازار کے چھکے ہی چھکے ہیں' گودے کا نام نہیں۔ اس کے برخلاف مومن نے طبیعت معنی آفریں پائی تھی۔ بھلا کیسے نہجی۔ بس جلد ہی یہ گھبرا کر ان کے جال سے نکل بھاگے اور پھر کسی کو اپنا کام نہیں دکھایا اور میرا خیال ہے کہ یہ اچھا ہی ہوں۔ ہم دونوں کی خوب کاڑھی چھٹی تھی۔ اس چالیس چالیس برس کے عرصے میں کبھی کوئی رنگ و حال ہمارے درمیان نہیں آیا۔ حضرت' اتنی لمبی مدت کا تو دشمن بھی میر نہیں آتا۔ دوست کہاں سے ہاتھ آتا ہے! میں نے اس کے مرنے پر ایک رباعی کہی تھی:

شرطت کہ دے دل فراخ' ہر عمر غریب ہرگز ندریدہ پاہم' ہر عمر
 کار پاہم' اگر یہ مرگ مومن چوں کہی' یہ پاہش نہ پاہم' ہر عمر
 ہاتھ اور شعر خوانی میں کسی کو وقت کا خیال نہ آیا۔ آخر ملحق آدھ مرحوم چنگے اور کما کہ معاف فرمائیے گا۔
 آپ کی پر لطف چاقوں اور کام میں وقت کا انوازہ نہ رہا۔ اب اجازت دیجئے۔ اگلے جمعہ کے دن غریب خانے پر مشاعرہ

ہے۔ چند دوست جمع ہو رہے ہیں۔ آپ بھی متوجہ قدم رنچ لہائیے گا۔ نواب محمد مصطفیٰ خان اور نواب ضیاء الدین خان آنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔ طرح کر پیام لکھی آئے، دلائم لکھی آئے، ملے ہوئی ہے۔ لیکن اس کی قید نہیں، آپ جو چاہیں، پڑھیں۔ میرزا صاحب نے جواب دیا کہ میں ضرور حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ نیرد نہیں برابر سے ہوئے، تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ جسے کو انہیں ساتھ لیتا ہوں گا۔

تھوڑی دیر میں سب صاحب ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ سب میدان صاف ہو گیا تو کھولنے میں کر پڑھا کہ آپ اسی جگہ کھانا کھائیں گے یا اندر چل کر ہوئے، میرے لئے تو بیس لے آؤ۔ یہ چاہیں تو یہ شک اندر جائیں۔ میں نے کہا۔ نہیں میں بھی بیس کھاؤں گا۔ چنانچہ کھو اور ایازہ دونوں، ہمارا کھانا وہیں مہرانے میں لے آئے۔ میرزا صاحب نے صرف تین چار شای کہا، کھنٹھی پٹنی کے ساتھ نوش جان فرمائے اور اس کے بعد مٹی کے آنکڑے شراب پینے لگے۔ معلوم ہوا کہ گرمیوں کا معمول ہے کہ سرشام کھو شراب پوتی سے آنکڑے میں ڈال دیتا ہے۔ اگر برف موجود ہوئی تو آنکڑہ اس میں رکھ دیا تاکہ شراب صفائی دے، ورنہ لال لال قد کی صافی پانی میں تر کر کے آنکڑے پر پیٹ ڈالی جائیں گی اور آنکڑہ اوپر ہوا میں گھٹے ہوئے جھینٹے پر رکھ دیا جائے گا تاکہ ہوا گھٹے سے صافی خشک ہو تو اس سے آنکڑہ لہذا ہو جائے۔

شراب کے ساتھ تھی میں تلے ہوئے تخمین ہادام، گزک کے طور پر کھاتے رہے۔ دس بارہ ہادام کھائے ہوں گے۔ شراب میں برابر کا مٹی ملائے گئے۔ فرمائے گئے: اس سے شراب کی حدت کم ہو جاتی ہے۔ ایک نلک تھا کہ کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ دھنڑ کے کھانے سے پہلے یا شام کے قریب، سب چاہا دو تین گلاس پی لئے۔ بارش کا دن ہوا تو اور زیادہ۔ پھر رات کی معمولی شراب اس کے علاوہ کڑا کھلا اور نیم چڑھا، مزاج پہلے ہی سے سودا ہی تھا، ان بے اعتدالیوں نے اسے اور آگ کا پتلا بنا دیا۔ اب یہ حالت ہے کہ صافی شراب گھونٹ بھر بھی نہیں پی سکتا۔ اس کے پینے سے سید پہلے لگتا ہے اور مٹی میں لائے جھینٹے گتے ہیں۔ اس لئے اسے گوارا دینے کو اس میں مٹی کھاب ملاتا ہوں اور مقدار تو تم دیکھ ہی رہے ہو کہ بڑے نام رہ گئی ہے۔ میں نے ایک مقلع میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

آسودہ باد خاطر غالب کہ طوئے اوست

سمبختن پہ بارہ صافی، گلاب را

میں نے جرات کر کے کہا کہ اتنے پینے سے پھر ڈرتا اچھا۔ ایسے گناہ بے لذت سے حاصل؟ ہوئے: بھائی نمیک کہتے ہو، لیکن یہاں ذہنی نے کیا ج کما ہے:

پختی میں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

۵۳۰ برس کی عادت، اب پچھے تو کیونکر، ہر حال شرمناک ہوں۔ اسے حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں، لیکن اس کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ حضرت امیر مصطفیٰ اور امام علی مرتضیٰ کے صدقے میں بخش دے۔ اس کے بعد موضوع بدل گیا۔ دیر تک چمکتے رہے اور آدمی رات کے قریب سونے کے لئے چمک پڑ گئے۔

اگلے دن دوسرا کھانا کھا کر میرزا صاحب اندر کی کوفری میں چلے گئے۔ مجھ سے فرمایا: یہاں مری میں اکیلے بیٹھ گیا کرو گے۔ چاہو تو تم بھی اندر آ جاؤ۔ چنانچہ ہم دونوں کے لئے کمرے چار پائیاں بچھوا دیں اور ہم ان پر دروازہ ہو گئے۔ فرش پر پانی کا ٹرب چھڑکا کر دیا گیا تھا۔ کوفری کی شرف سے گلی میں ایک بڑی سے کھڑکی نکلتی تھی، اس پر شخص کی ٹٹی گئی ہوئی تھی۔ کمرے کے لہذا پھوٹے کو مقرر کر دیا کہ وہ ہر دو گھنٹے کے بعد اس پر پانی ڈالتا رہے۔ میرزا صاحب نے دن کے سارے کپڑے اتار دیے، صرف ایک پانچواں رہ گیا۔ چنگ پر لیٹ گئے اور حقہ چیتے رہے۔ کمرے میں پانی کی صراحی اور برف رکھی تھی۔ یہاں محسوس ہوتی تو اٹھ کر پی لیتے۔ جب عصر کا وقت ہوا اور سارے لمبے ہونے لگے تو کوفری سے نکلے۔

آج فرمایا دیکھو یہاں، دہلی کی خصوصیات میں سے ایک مسجد جامع کا شام کا بازار بھی ہے۔ چلو آج ہمیں قماش دکھالائیں۔ چنانچہ کمرے کو حکم ہوا کہ پاکی کا انتظام کر دیا جائے۔ کیاں ہمارے ساتھ جائے گا۔ اگر ہماری غیر حاضری میں کوئی صاحب خریف لائیں تو انہیں بھلا جائے۔ مغرب کے بعد مکان پر پہنچ جائیں گے۔

میرزا صاحب نے جامع مسجد کی سیڑھیوں سے پاکی والیں کر دیں اور ہم بیدل سر کرنے لگے۔ ایک ہنگامہ تھا کہ کان پڑی گواہ سنانی نہ دیتی تھی۔ کہیں باڑی گر اپنے کتب دھکا رہا ہے، یا لوگ اس کے گرد پرا بدم سے کھڑے ہیں۔ کہیں بھان مستی کا نشہ ہو رہا ہے اور یہاں بھی ٹھٹ گئے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف، خزانچہ والے طرح طرح کی بریلیاں بول رہے ہیں، سیڑھیوں پر ہر طرح کی دکانیں ج رہی ہیں۔ چتے چلتے میرزا صاحب ایک جگہ رک گئے اور کیاں سے کہا، جاؤ کلن کی دکان سے رات کے لئے چار آنے کے سج کھاب لے آؤ۔ وہ دو گھنٹے میں کھاب دکھوا لایا۔ میں نے راستے میں ایک جگہ سے دو تین کتابیں خرید کیں اور میرزا صاحب نے بچوں کے لئے کچھ کھلونے اور مٹائی خریدی۔ واپسی میں چاندنی چوک کے راستے سے چلتے ہوئے آئے۔ سعادت خان کی سرسوک کے پتھر بیچ تھی۔ دو دوپہ درختوں کی قطاریں اور دکانوں کی روشنی کا پانی میں نکس عجیب پر لطف نظارہ تھا۔ دن بھر کی گرمی سے طبیعت جتنی گھبرائی ہوئی تھی، اتنی ہی اس وقت شام کی سانی فضا میں محفوظ ہوئی۔ سینکڑوں آدمی سڑک کے کنارے بیٹھے خوش گھبراں کر رہے تھے، میں بھی اگر اکیلا ہوتا تو شاید وہیں کسی جگہ بیٹھ جاتا۔ لیکن میرزا صاحب کو گھر پہنچنے کی جلدی تھی کہ نہ معلوم کون کون صاحب انتظار کر رہے ہوں گے۔ اس لئے ان کے ساتھ واپس آ گیا۔

جیسے کے دن شام کے کھانے کے بعد نواب ضیاء الدین خاں کے قریب ہی قاسم جان کی گلی میں رہتے تھے۔ اپنے ہاتھی پر سوار ہو کر آ گئے اور کہا کہ چلتے حضور، صدر الصدور کے مشاعرے میں۔ چنانچہ ہم دونوں بھی سوار ہو گئے۔ راہ میں سے نواب شینو کو کوچہ میلان سے ساتھ لیا اور یوں ادسے پندے ہم سب ملحق صاحب کے مسکن محلہ جلی قبر میں پہنچے۔ دیکھا کہ وہاں خاصا مجمع ہو چکا ہے۔ قلعے سے بعض شہزادے بھی آئے ہوئے ہیں۔ جن میں سے میرزا ناصر سلطان، میرزا بیکور شاہ شاہی، میرزا قزاق واقف، میرزا نور الدین شاہی اور میرزا علی بخت علی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک عجیب بات دیکھی کہ سب شہزادوں کا ایک ساحلہ اور ایک ہی وضع اور ہر ایک کے ہاتھ میں جڑ تھی۔ ان میں سے بیشتر ”مناجیح“ ”مہاراضی احسان“ ”مرحوم اور شیخ ابراہیم ذوق“ کے شاعر تھے۔ خود استاد ذوق

بھی موجود تھے۔ داغ اور ظمیر اور محمد حسین آزاد تھے۔ صبا بی اپنے شاگردوں کے ساتھ آئے تھے۔ میرزا غالب کے شاگردوں میں سے قربان علی بیگ خان سالک، بھائی سنگھ جہر، نظام حسن، خواجہ یوسف علی خان عزیز اور بعض نذر سے اصحاب موجود تھے۔ ایک ولایت آمدہ شاعر سہیلی بھی شریک مجلس تھے۔

مشاعروں میں ماڑی دس پہنچ کے قریب شروع ہوا۔ پہلے اردو کے شاعروں نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ ان میں سے بعض کا کلام واقعی بہت بلند اور دل نشین تھا۔ اساتذہ نے بھی نکل سے کام نہ لیا اور ان کا دل پڑھانے کو خوب داد دی۔ خصوصاً داغ اور سالک اور ظمیر کی غزلوں کی بہت تعریف ہوئی۔ آخر میں اساتذہ کی باری آئی۔ اب نوجوان اور نو آموز طبقہ غرضی سے سنبھل کر جھگڑ گیا۔ سب سے پہلے آزاد نے کہ میدان اور صاحب خانہ تھے، اپنی غزل سنائی۔ غالب اور صبا بی اور فدائی سب نے بہت تعریف کی اور آزاد نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ ان کے بعد نیر درویش، شینو، صبا بی وغیرہ نے اپنا کلام سنایا۔ آخر میں شیخ میرزا غالب کے سامنے آئی۔ انہوں نے پہلے ایک غیر طرزی غزل سنائی۔ اس کے تین چار شعروں کی بہت تعریف ہوئی تھی:

ہر چہ لک ٹراست "بیچ کس از لک ٹراست

خرف فقیہ سے نجست، بارہ مارک ٹراست

جاہ دلم بخیر، علم زہد ہے نیاز

ہم شک تو زور غیب، ہم زور من شک ٹراست

زہد ہزار شیعہ را، طاعت حق گراں نہ بود

لیکن سلم مسجد در، نامیر مشرک ٹراست

آخری شعر پر آزاد تڑپ اٹھے اس کی خاص طور پر داد دی اور اسے دو تین بار پڑھوایا۔ اس کے بعد میرزا صاحب نے طرزی غزل سنائی۔ جس کے چند شعر میرے حائفے میں محفوظ رہ گئے ہیں:

چہ بیش از دعدہ، چوں باور ز عوام نمی آید	ہوے گفت بی آیم کہ بی دانم، نمی آید
کز خشم، داس کہ بدو دم دل صد بارہ خون گریہ	خود اور اشد بہ جاگ گریہ نام، نمی آید
روشن نکستہ و در سایہ دیوار نشست	بکوشش، رنگ بر سر درخشانم، نمی آید
دعائے خیر شد، در حق من غفری جہاں کہان	دلایں، بس کہ بی منجیب لب جانم، نمی آید
دلش خراب، کہ تھا سوئے من روئے آزاد، لیکن	فریب مہاں، دانم، زنا دانم، نمی آید
دھرم، شاعران، دھرم، شیدا، دارم	کز خشم دم بہ فریاد و افغانم، نمی آید

خادم بانہ غالب گر سحر گاہیں سر راہ

بہ بیتی مست، دانی، کہ بہستانم نمی آید

سب شعروں کی خوب خوب داد ملی۔ پڑھنے کا انداز یہ تھا کہ انہوں نے ساری غزل چکے ترنم سے پڑھی۔ پہلی بار صبح اولیٰ ایک پارہ پڑھ جاتے پھر اسے آہستہ آہستہ دہراتے اور ایک لمحہ کے توقف کے بعد اسی لہجے میں دہراتے

تھا وہ تو ہر چکا تھا اس لئے میرزا صاحب نے طیال کیا کہ اب غلام ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ چنانچہ انہوں نے پہلے کو چکارا اور پھر کیا۔ پھر مظلانی کو آواز دی اور اسے اس کے حوالے کیا۔ کھوسے بستر کی چادر بدلوائی اور دوبارہ لیٹ گئے۔

چند لمبے بعد کہنے لگے۔ تم سے ایک دل کی بات کہوں۔ میں اس خانہ داری سے کبھی خوش نہیں رہا۔ جب میری شادی ہوئی ہے تو مجھے معلوم بھی نہیں تھا کہ شادی کتنے کسے ہیں اور اس کے جھنجھٹ اور دوسرے داریاں کیا ہیں۔ خیر اس کا کیا غم، کیونکہ اگر معلوم بھی ہوتا تو میں کیا کر سکتا تھا۔ ہمارے بزرگ یہ طیال کہتے ہیں کہ اولاد کا اپنی شادی بیاہ کے بارے میں بولنا پرلے سرے کی ہے حیاتی ہے۔ میں قصداً غفلت و اندھ داند وضع کا آدمی۔ میری یہ آرزو کہ ایک خطرناکی اور لوٹا کھڑے پر ڈالوں۔ گھڑی ہاتھ میں لوں اور بیاہ پا چل نکلوں۔ آج یہاں 'کل دہاں' ملک خدا تک نیست 'پائے گدا' انگ بیست۔ اور یہ قبیلہ داری کے تمام اصولوں کے خلاف۔ خدا نے اولاد دی اور لے لی 'غم کسے نہیں ہو گا کہ وہ نہ رہے' لیکن دم مارنے کی محال نہیں تھی، میں نے اس پر صبر کر لیا کہ میں بھی تعالیٰ میری آزاد طبیعت کے متعلق نہیں تھی 'غرض ختم چشم گزرتی جا رہی تھی۔ لیکن قدرت بڑی رحم عریف ہے۔ اس نے کہا 'ذرا صبر تو جا' تو کیا گئے :- ہے تین برس ہوئے۔ پہلے زمین العابدین خان کی بیوی مری اور پھر وہ آپ بھی چل بدل۔ حسین علی خان کو میری بیوی یہاں لے آئی۔ بڑا بھائی اپنی دادی کے پاس جا رہا۔ چند مہینے ہوئے 'وہ نیک بخت بھی جنت سدھاری اور باقر علی خان بھی یہاں آ گیا۔ اسے کہتے ہیں 'غم نداری بڑ بڑا' کو بے موقوفی کر کے کس سے کہوں کہ تو ان بچوں کو لے لے 'میں اس بوجہ کا محتمل نہیں ہو سکتا' حالانکہ یہ حقیقت ہے۔ بس چپ چاپ 'خدا و قدرت کی شعبہ بازی کا تماشا دیکھ رہا ہوں۔ غرض اس طرح دسویں کی باتیں کرتے کرتے چپ ہو گئے میں نے غور کر کے سنا تو ذرا لب یہ شعر مکتا رہے تھے:

نہ شام مارا عمر لویے' نہ صبح مارا دم پیوے

جو حاصل نامت تا امید' غلام دنیاں بفرق حق

اگلے دن صبح کے وقت بریلی سے قاضی عبدالجلیل جنوں کے پیچھے ہوئے تھیں کے دو ٹوکے پہنچے۔ میرزا صاحب نے قاضی صاحب کے حاذم کو جو ٹوکے لایا تھا 'انعام دیا اور ٹوکے اپنے سامنے کھلوائے۔ کچھ آم راستے میں خراب ہو گئے تھے وہ پھٹکا دیکھتے 'دس دس آم دو جگہ نواب مصطفیٰ خان اور نواب فیاض الدین خان کے ہاں بکھوائے اور باقی کو ٹھٹھے پانی کی تانہ میں رکھوا دیا۔ تیسرے پڑ گھر کے سب لوگ آم کھانے کے لئے جمع ہو گئے۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھا لے۔ میرزا صاحب نے ہلادی ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے کہا: حضرت 'یہ کیا؟ کہنے لگے: 'ج کسوں' نیت نہیں بھری مگر بھائی کیا کہوں' سب سے میں 'ہضم کی وہ بکلی سی طاقت نہیں رہی۔ ہائے کیا دن تھے' جوانی کے عالم میں کہ طبیعت میں جوش تھا اور صحت برقرار تھی۔ صبر کے قریب آم کھاتے بیٹھ جاتا تھا۔ بلا مبالغہ کتا ہوں کہ اسے آم کھاتا تھا کہ بیٹھ ابھر جاتا تھا اور دم پیٹ میں نہیں سٹاتا تھا۔ اب آم کھانے کا کیا مزہ! نہ منہ میں دانت' نہ پیٹ میں آنت' کھاؤں' تو ہضم کیجے کسوں۔ جوانی کیا گئی کہ زندگی کا لطف جاتا رہا۔

ایک دن بڑا دلچسپ لطیف ہوا۔ جب ہم دونوں دیوان خانے میں جا کے بیٹھے تو میں نے دیکھا کہ ان کے کمر بند میں نو دس گرہیں لگی ہوئی ہیں۔ میں حیران کر اٹھی 'یہ کیا ماجرا ہے۔ پہلے تو مجھے خیال ہوا کہ شاید رات 'بے خبری کے عالم میں' انہوں نے یہ گرہیں لگائی ہوں 'کیونکہ بعض لوگوں کو ایک قسم کی بیماری ہوتی ہے کہ وہ سوتے میں کوئی کام کرتے ہیں اور انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے ذائقہ کی سوجھی۔ میں نے ان سے کہا 'قبل 'کیا رات کو قلعہ پھرتے رہے ہیں؟ کہنے لگے: نہیں تو لیکن کاندھ قلم کو لوہور لکھتے جاؤ۔ میں نے حکم کی قہیل کی اور انہوں نے کمر بند کی پہلی کمر ٹٹائی شروع کی۔ پھر فرمایا 'کھمو مطلع:

اے لذت نواسی ' ہازم بخوشی آور
نومائے شے ٹوٹے' ہرہنگہ ہوش آور

اور اس کے بعد گرہ کھول دی۔ اس طرح انہوں نے مجھے پوری غزل کھوائی۔ ہر ایک شعر کے بعد وہ ایک گرہ کھول دیتے۔ حتیٰ کہ نو گرہیں کھل گئیں اور غزل مکمل ہو گئی۔ خیر غزل تو میں نے لکھ لی 'لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں تھی کہ یہ کیا عظم ہے وہ بھی میری کیفیت کو بہتاپ گئے۔ پہلے تو چستے اور میری بدحواسی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ پھر بولے: بات اصل میں یہ ہے کہ رات جب بہتر ہوتا ہوں تو کبھی کبھی طبیعت شعر گوئی پر مائل ہو جاتی ہے 'اب تو ایک مدت سے یہ شوق ہی چھوٹ گیا ہے' ورنہ ایک فائدہ تھا کہ میں دن میں شعر کہتا ہی نہیں تھا۔ عام طور پر رات کو سرخوشی کے عالم میں فکر کیا کرتا تھا۔ اب بھلا اس وقت کون اٹھ کر روشنی کا انتظام کسے اور لکھنے کا سامان ڈھونڈے۔ میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب شعر ہو جاتا تو کمر بند میں ایک گرہ لگا لیتا۔ اس طرح دس دس بارہ بارہ گرہیں تک لگا کے سو رہتا۔ صبح کو اٹھتا اور نثل نثل کر حافظے سے نثل کے شعر قہقہہ کر لیتا۔ اب تو سینوں اور بروسوں گزر جاتے ہیں 'کوئی تازہ نگر ہوتی ہی نہیں۔ رات بے خمی یہ زمین خیال میں آگئی۔ طبیعت نے راہ دی اور میں نے غزل پوری کر لی۔ پرانی عادت کے مطابق کمر بند کا سارا لیا۔ اگرچہ مجھے اندیشہ تو تھا کہ کہیں یہ نسیان کی غبار نہ ہو جائے' لیکن اور کمر بھی کیا سکتا تھا! تاہم تم نے دیکھا کہ پورے نو کے نو شعریاد آگئے اس سے تم ایوانہ لگا سکتے ہو کہ بولائی کے دلوں میں کیا کیفیت تھی۔ اچھا اب قلم و دوات اور کاندھ میری طرف پڑھنا۔ نواب انوار الدولہ بہادر اور ملٹی بی بھٹی کو خط لکھوں اور یہ غزل ان کی خدمت میں تحفہ بھیجوں۔ آج ان دونوں صاحبوں سے زیادہ کوئی اور 'اس کلام کا مستحق نہیں۔

دائے بر جان خن 'گر بہ خن داں زرد!

خاص طور پر خشی نبی بھٹی کے خن خشی اس بزرگوار کا حق ہے۔ کج کتابوں کے جب تک میں نے انہیں نہیں دیکھا' مجھے غمیک طور پر یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ شعر گوئی اور شعر خشی میں کتنا بعید فرق ہے۔ جب تک یہ غزل ان دونوں صاحبوں کے پاس نہیں پہنچ جاتی مجھے یقین نہیں۔

اس کے بعد انہوں نے خط لکھے اور لفافوں پر بچے لکھ کر رکھ دیتے۔ تھوڑی دیر میں کھڑا آیا۔ اس نے خط لفافوں میں ڈالے 'بند کر کے ٹھٹھ لگائے اور ڈاک خانہ چلا گیا۔

پتہ ایم ایم فنی 'نومبر ۱۹۵۸ء میں خط اکو پڑا۔ حضرت علی سبحانی ۱۹۵۷ء میں ان سے اصلاح لینے

رہے تھے۔ اتنی لمبی مدت کی دوستی اور محبت 'صمد' ہونا ہی چاہیے۔ انہوں نے شعر کہنا چھوڑ دیا۔ لیکن بعد نہ سکی۔ شای غازیان میں شعر و شاعری نور علم و ادب کا مذاق شروع سے تھا، لیکن اول اول یہ ذوق کچھ دیا دیا سا رہا۔ وہ لوگ کتوار کے بھی وہی تھے، نری ہاتھی ہی جانتا نہیں جانتے تھے۔ لیکن ہوں ہوں زمانہ گزر آگیا، کتوار کو خیام میں دنگ گئے لگا اور اس کی جگہ قلم ہی قلم رہ گیا اور کتوار اٹھا کے طاق پر رکھ دی گئی۔ ظفر کی بھی یہی حالت تھی۔ شاعری تو کیا ان کی محفل میں پڑی تھی۔ ملک ہندوستان کی بادشاہی تو برائے نام رہ گئی تھی، لیکن ملک خن کی تیسویں جنگ ان کے حصے میں آئی۔ اسے زمانے کا شوق، ممکن نہ تھا کہ وہ زیادہ دن خاموش رہ سکتے۔ پتا چچہ انہوں نے پھر شعر گوئی شروع کر دی اور اب کے اصلاح کا فرض میرزا غالب کے سپرد ہوا۔ میرزا صاحب کا دستور یہ تھا کہ قلیوے کے بعد مصر کے وقت، جہاں پتہ کی غزلیں جاتے تھے، ایک دن جب کام سے فارغ ہو چکے تو قس نے کہا: 'قبل' میں نے آج تک حضرت غل اللہ کو قریب سے نہیں دیکھا، دیکھنے کی بڑی مشتاق ہے۔ کہنے لگے: 'یہ کیا مشکل ہے۔ میں نے پوچھا، وہ کیسے؟ فرمایا: آج کل روڈ واٹ شام کو نور گڑھ کے پاس جہاں کی رچی میں 'چنگ بازی' ہوتی ہے۔ ایک طرف قلعہ معلی کے بادشاہی چنگ باز ہوتے ہیں، دوسری طرف ناصر حسین مرزا کے ساتھی۔ آج جہاں پتہ نے علم دیا تھا کہ تم بھی وہیں آگیا کرو۔ اب کو، 'علم حاکم' جانا ہی پڑے گا۔ لیکن آج تو نہیں، البتہ کل سے جاؤں گا۔ تم بھی چلتا، میرے ساتھ ساتھ رہنا اور جی بھر کے دیکھ لیتا۔

" اگلے دن سہ پہر کو میرزا صاحب سو کر اٹھے۔ منہ ہاتھ دھویا اور پاکی میں سوار ہو گئے۔ میں پیڈل ساتھ ہو لیا۔ نور گڑھ کچھ دور تو تھا ہی، توڑی دیہ میں ہم وہیں پہنچ گئے۔ دیکھا تو بلا مبالغہ ہتکتوں چنگ باز جمع ہو رہے تھے اور ہزاروں قزاقانی اپنے گھیلے وہاں ادھر ادھر بھر رہے ہیں۔ جہاں جمع ہو، وہاں بھلا خواہے، پھیری والے کیسے نہ پہنچیں اور پھر ہتکتوں کو کون روک سکتا ہے۔ غمے اور خرمیاں، چھوٹے چھوٹے بچوں کو اگلی سے لگائے برآمدہ روڈ سے بیک باگتے بھرتے تھے۔ فرض کہ یہاں ایک نئی دنیا آباد ہو گئی تھی۔ قسم قسم اور رنگ رنگ کے چنگ اور کل آسمان میں ایسے معلوم ہوتے تھے، جیسے کوئی بہت بڑا رتھیں اور پھولدار قالین ہوا میں ادھر سے ادھر اڑ رہا ہو۔

اعلیٰ حضرت کو میں نے پہلی بار اتنی قریب سے دیکھا۔ لیو ترا چو، 'پلی ستوں تاک'، 'چوڑی چوشتی'، 'پھوٹی بھنوں'، 'نصرت تیز اور پتی پتی بھوری'، 'پنکھیں'، 'چوڑا دبان'، 'نیچے کا ہوت نصبتہ'، 'لہیاں اور اس پر'، 'پان' کا لاکھا بھا ہوا۔ کھلے صاف اور ٹھوڑی پر وہ ڈھائی اگل کی سفید عراقی واڈمی شری شکاری لیس قد میانہ اور سینہ چوڑا تھا۔ لیکن شانے ٹھک اور ڈھلوں تھے۔ رنگ خاصا ساٹوا تھا۔ حالانکہ سن مبارک اس وقت اسی سے اوپر تھا، اس کے باوجود چہرے مرے سے چہنی کا اظہار ہوتا تھا۔ انہیں دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ کسی زمانے میں کسرت کا شوق رہا ہے۔ چنانچہ ان کی جوانی میں مشہور تھا کہ ہندوستان بھر میں ڈھائی خسوار ہیں۔ ایک یہ، ایک ان کے چھوٹے بھائی میرزا جہانگیر اور آٹھ کوئی اور بڑا گوار۔ لباس میں نیچے قبا تھی اور اس کے اوپر چار قب مرے و دستار اور دستار کے اوپر گوشاد، 'حیض'، 'سرج' اور آج شای۔ اس پر تین طرے لگے میں موتیوں کا کشا اور ایک سوا ایک موتی کا لاکھا ہانڈوں پر بیچ بند اور نورتن۔ ہاتھ میں موتیوں کی سرن زرنگار چکر پر اتنی پائی مارے تحریف فرما تھے۔ اس وقار اور شانیت کی صورت دیکھنے سے مجھ پر جو دہشت طاری ہوئی تھی، اب میں اس کا بیان نہیں کر سکتا۔

آگے بچے شہزادوں اور سلاطینوں اور امیروں و ذریعوں کا چمکھٹا تھا۔ چند سرور آوردہ حضرات بیٹھے تھے۔ باقی سب مہربے سے اپنی اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ بعض شہزادے بھی ہنگامہ بازی تھے اور حضور والا میرد کی رہے تھے۔ میرزا سلطان بھی انہی لوگوں میں تھے جو ہنگامہ بازی تھے۔ اسے میں ان کا ہنگامہ کسی سے چچا کر گیا۔ وہ گہرا کر کھجھم کرنے لگے۔ میرزا صاحب نے ان سے کہا: صاحب عالم! یہ موقع کھجھم کا نہیں بلکہ ڈھیل کا ہے۔ اس پر انہوں نے ڈھیل چلائی۔ جب دیکھا کہ لڑتے لڑتے ہنگامہ بازی دور نکل گئے ہیں تو میرزا صاحب نے ان سے کہا کہ دو چار ٹھیکریں دے کر دیکھئے تو کہہ مخالف کا کیا ارادہ ہے۔ انہوں نے ایک کوہ ہی ٹھیکری دی ہو گی کہ دو سرا ہنگامہ چکراتے لگے۔ میرزا صاحب نے شہزادے سے کہا کہ اب اگر آپ پھرتی سے بھٹکا دیں تو مخالف سنبھل نہیں سکے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ انہوں نے ایک ہی بھٹکا دیا تھا کہ دو سرا ہنگامہ کٹ گیا۔

اعلیٰ حضرت اس پر بہت مسرور ہوئے۔ لطف سے فرمایا: 'اے میرزا صاحب! ہم نہیں جانتے تھے کہ آپ اس فن میں بھی مہارت ہیں۔ یہ ادب سے بولے: یہ وہ مشق خود ستائی ہوتی ہے۔ ورنہ کون کہ یہ غار داو کیا نہیں جانتا! مجھے بھی کسی زمانے میں ہنگامہ بازی کا بہت شوق تھا' بلکہ میں نے نہایت ابتدائی زمانے میں ہنگامہ بازی کے علاوہ سے مشق کے طور پر چند شعر بھی کہے تھے۔ حضور والا بولے: 'اچھا' ہمیں بھی شاید تو میرزا صاحب نے گزارش کی۔ عالم پناہ' جان کی ان پادوں صرف چند شعر ہیں اور وہ بھی نہایت ابتدائی مشق' سننے والے کے لائق نہیں۔ حضور نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کچھ پرواہ نہیں' ہم سنیں گے۔ اس پر میرزا صاحب کہنے لگے: 'الافرقی اللادب بنظر اصلاح عاقلہ ہوں۔ پھر یہ چند شعر تحت اللفظ شائع۔

ایک دن مثل ہنگامہ بازی	لے کے دل سر دشتہ آزادی
خود بخود کچھ ہم سے کہانے لگا	اس قدر گہرا کہ سر کھانے لگا
میں کہا 'اے دل! ہوائے دلہنوں	بلکہ حیرے حق میں رکھتی ہے نواں
چچا میں ان کے نہ آیا لعلہار	یہ نہیں پہنچے' کو کے بار بار
گورے چہرے پر نہ کر ان کے نظر	کھینچ لیتے ہیں یہ' دورے ڈال کر
اب تو مل جائیں گی میری من سے ساتھ	لیکن آخر کو چہ کی ایسی کاٹھ
خفت مشکل ہو گا سلجھتا ہے	قر ہے' دل ان سے الجھتا ہے
یہ ہو مشکل میں پہنچاتے ہیں	بھول مت اس پر' اڑاتے ہیں۔
ایک دن تھ کو لڑا دیں گے کہیں	معت میں باجی کتا دیں گے کہیں
دل نے سن کر' کانپ کر' کہا چچا و تب	غوطے میں جا کر دیا کٹ کر جواب
دشتہ در گردنم اللہ دوست	ی ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

اعلیٰ حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہنگامہ بازی کے لئے اس شعر کی تفسیر بھی کسی کو نہیں سوجھی ہو گی۔ میرزا صاحب نے ہنگامہ بازی کر لیا۔ چنانچہ وہ دیر ہو چلی تھی اور شام کی ہوا میں ٹھنکی ہوئی جا رہی تھی۔ اس لئے حضرت بادشاہ سلامت' واپسی کے لئے مغرب کے قریب تخت رواں پر سوار ہو گئے اور سب کو واپس جانے کی اجازت دی۔

ہم بھی چراغ جلے مکان پر پہنچے۔ میرزا صاحب دست تھک گئے تھے۔ کمر پہنچتے ہی انہوں نے تین چادر شاہی کباب نوش فرمائے 'شراب پی اور پڑ رہے۔ اس کے دو دن بعد میں اگرے چلا گیا۔

(4)

اس کے دو برس کے بعد غدر کا ہنگامہ ہوا۔ کچھ معلوم نہ ہوا کہ دلی اور دلی کے اصحاب پر کیا گزری۔ جب قسار کی آگ فرد ہو گئی تو والد قبلہ نے مجھ سے کہا کہ 'بٹا' جاؤ اور میرزا صاحب کی خیر خواہیت کی خبر لے آؤ۔ پتا چھ میں دلی آیا۔ یہ ۱۸۵۸ء کے شروع کا ذکر ہے۔ ابھی تک شرمیں چوراہی نہیں ہوا تھا۔ گرفتاریوں کا سلسلہ جاری تھا۔ آئے دن کسی نہ کسی چندستانی امیر کی گرفتاری یا 'تقریبی' خلیجی چاندیاد یا چھائی کی خبریں آتی رہتی تھیں۔ شرمیں باہر سے آنے جانے پر بھی پابندیاں تھیں اور باہر سے آنے والوں کو شرمے کو شرمے سے خاص نکتہ لینا پڑتا تھا۔ میں نے بھی دو دن قسار کے کاٹ لیا۔ سر ہر کو دلی پہنچا اور سید صاحبان میں میرزا صاحب کے مکان پر چلا گیا۔ شام کو مرزا یوسف علی خاں عزیز اور فشی میرا سنگھ دودا اور چڈت شیوا جی رام کن پہنچے۔ میرزا یوسف علی خاں اپنے والد میرزا نجف علی خاں کی وفات کے بعد مستقل طور پر دلی آ رہے تھے اور ان دنوں اسی محلے میں میرزا صاحب کے مکان کے قریب ہی ایک ہندو امیر کے لڑکوں کو چڑھاتے تھے۔ وہیں مجھے کے کچھ اور بچے بھی ان سے تعلیم پاتے تھے۔ اس طرح گویا کتب کا سا طور ہو گیا تھا۔ فشی میرا سنگھ دودا میرزا صاحب کے پرانے دوست اور مہمان 'رائے جھج ل' کے بھولے بیٹے تھے۔ حوض قاضی کے پاس گندی کلی میں رہتے تھے۔ یہ اور ان کے بڑے بھائی فشی بڑا ہر سنگھ جو ہر (قصیدار) صاحب دونوں میرزا صاحب کے شاگرد تھے۔

اسی زمانے میں اگرے سے میرزا حاتم علی مرے اپنی مثنوی 'شعاع مر' میرزا صاحب کی خدمت میں بھیجی تھی۔ عزیز اسے بلند تراز سے پڑھتے رہے اور ہم سب نے اور لطف اندوز ہوتے رہے۔ غرض رات گئے تک اور اور کی باتیں ہوا کیں۔

اگلے دن شام کے قریب ہم دو ان خانے میں بیٹھے تھے کہ ڈاک کا پرکار ایک رجسٹری خط لایا۔ میرزا صاحب نے کہو تو معلوم ہوا کہ میرزا قسار نے سو روپے کے ہتھوڑی اپنے استاد کی خدمت میں بھیجی ہے۔ میرزا صاحب نے ہتھوڑی بھیج کر کہے گئیں کہ حوالے کی اور اسے ٹیل کے کڑے میں کسی مہلت کے ہاں بھیجا۔ جانے آئے کی دیر ہوئی وہ جا کے روپیہ لے آیا۔ انہوں نے یکساں روپے اندر گل میں بھیج دیئے۔ کھو واروٹے نے پتھوں روپے کے لگ بھگ 'دست گردان اوحاد لیا تھا' وہ اسے دینے اور ہائی رقم اپنے بکس میں رکھ لی۔ فرمائے گئے: رات تم نے دیکھا فشی میرا سنگھ اور چڈت شیوا جی رام آئے ہوئے تھے۔ اب جب سے میرزا یوسف علی خاں یہاں آ گئے ہیں 'یہ بھی دن رات کا اکثر حصہ یہیں گزارتے ہیں' وہ نہ صرف یہ دونوں صاحب باقاعدہ آتے رہتے ہیں کتنا کثیر الاحباب شخص تھا کوئی وقت نہیں جاتا تھا 'جب دو چار دوست میرے پاس موجود نہ ہوں بلکہ اکثر بھری غیر حاضری میں بھی دو ان خانہ خالی نہیں ہوتا تھا۔ یا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ اس ہنگامے میں اگر یہ دو تین صاحب بھی یہاں نہ ہوتے 'تو میں گویا شرمیں نہیں' کسی دیرانے میں رہتا تھا۔ شرم میرے ملنے والوں سے خالی ہو گیا' نہ کوئی میرے پاس آئے والا یہاں موجود

نہ میں کسی کے پاس جا سکوں۔ زندہ ہوں مگر قیدی دوہر ہو گئی۔ نو دس سینے سے جشن بند ہے 'کو' یہ سارا زمانہ کیسے گزرا ہو گا۔ خدا بچا رکھے 'بروردار قند' کو 'اس نے یہ سو روپے بھیج کر بلا لیا ہے۔ ابھی نہیں معلوم' اور کیا کچھ دیکھنا نصیبوں میں کھسا ہے۔ خیر یہ بھی جوں توں کٹ جائے گی۔

سینہ جب کہ کنارے پر آگیا غالب

خدا سے کیا حتم و جہر ناخدا کئے

اس زمانے میں ان کی سرکاری جشن بند تھی۔ قلعے کی نکلوا تو بند ہونا ہی چاہئے تھی۔ اس لئے بہت جلدی ترقی سے گزارا ہوا تھا۔ حضرت والد صاحب قبلہ نے مجھ سے قربا تھا کہ موقع دیکھ کے انہیں آگے آنے کی دعوت دیا۔ میں نے سوچا کہ اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ ابھی یہاں کی حالت خطرے سے خالی نہیں۔ آپ چند دن کے لئے آگے تشریف لے چلے۔ وہاں خدا کے فضل سے آپ کا اپنا گھر ہے 'عز و انار' دوست احباب موجود ہیں۔ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ پھر جب امن و امان ہو گیا تو واپس چلے آئیے۔ فرمانے لگے: یہ ٹھیک ہے کہ حالت یہاں کی تشویشناک ہے لیکن مجھے اپنی بے گناہی پر بھروسہ ہے۔ میں فراری یا ردپوش نہیں۔ میرے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہوا۔ کسی نے میری تجویز نہیں کی 'انگریزی حکام میری شہر میں موجودگی سے واقف ہیں۔ اکتوبر سال گزشتہ کرنل براؤن صاحب کے سامنے حاضر ہوا تھا اور انہیں کی اجازت سے یہاں مقیم ہوں۔ اس لئے اگر خطرے کی بات ہوتی تو اب تک معلوم ہو گیا ہوتا۔ بے شک قلعے کے ملازموں پر شدت ہے لیکن خاص طور پر انہی لوگوں پر جو اس ہنگامے کے دوران میں نئے نئے وابستہ ہوئے تھے۔ میں تو آٹھ دس برس سے تاریخ لکھنے پر مقرر تھا اور تین چار برس سے شعروں کی اصلاح کی خدمت بھی نبھاتا رہا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں نے ان دنوں میں قلعے سے اپنے تعلقات بالکل قطع نہیں کر لئے۔ لیکن بھائی سوچو تو یہ کہ بھی کیسے سکنا تھا! اگر ننگھوں کو میرے بارے میں کسی قسم کا شبہ بھی ہو جاتا تو میری اور میرے اہل و عیال کی ٹکا ہوتی کروا لیتے۔ اس لئے وہاں جانا بھی رہا اور اصلاح کا کام بھی بدستور کرتا رہا۔ لیکن یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی بلکہ خیال کو تو یہ مزودہ تھی 'بیٹ پالنے کے لئے اور حیلہ تھا جان بچانے کے لئے۔ اس میں شک نہیں کہ میں نے انگریزی کی کوئی خاص خیر خواہی نہیں کی لیکن میرا مقصد ہی کیا تھا کہ میں کچھ کر سکتا ہوں جیسا انتظار کر رہا ہوں۔ دیکھئے 'غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ نظر اپنی بے گناہی پر' خیال کرتا ہوں کہ اب شاید امن ہونے کے ساتھ ہی جشن بحال ہو جائے۔ رہا یہاں سے کسی دوسری جگہ جانا تو یہ کیسے ممکن ہوا! اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ مجھے باز پرس اور دام گیر کا خوف ہے اور میں قصور وار ہوں۔ اس صورت میں اگر جشن کھلے گا کوئی امکان ہے تو وہ بھی جانا رہے گا۔ نا صاحب! اس وقت یہاں سے لکھنا مصلحت کے خلاف ہے۔ بھائی سے کہنا 'گھبراہٹیں نہیں' وہ بھی ہمارے ہی پردہ گئے جنہوں نے بھوکے پیاسے خدا کی راہ میں جان دے دی۔ دن بیکار ایک سے نہیں رہتے یہ وقت بھی گزر جائے گا۔ اگر حالات موافق ہوتے تو میں پھر کسی وقت آگے کا پتہ لگاؤں گا۔

۱۸۶۳ء میں والد مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ تمہاری تہارت کے لئے بہتر ہو گا کہ تم مستقل طور پر دلی میں سکونت اختیار کر لو۔ وہاں یوں بھی کامیاب لڑا ہے۔ پھر اس پر بیڑا سر اور حکومت کا مرکز ہونے کے باعث وہاں ترقی کی زیادہ گنجائش ہے۔ میں نے بعض مقامی دوستوں سے مشورہ کیا۔ میرزا صاحب سے بھی خط کے ذریعے پوچھا۔ سب نے اس رائے پر تاکید اس پر میں خدا کا نام لے کر ۱۸۶۳ء کے شروع میں یہاں دلی آ گیا۔

میرزا صاحب نے حکیم محمد حسن خان والا مکان برکاتی ۱۸۶۳ء میں چھوڑ دیا تھا اور اب اسی بلہداران میں ایک دوسرے مکان میں رہتے تھے۔ یہ اگرچہ پہلے مکان سے وسیع تھا، لیکن اس میں تکلیف یہ تھی کہ محل مراٹے اور دوان خانے ایک جگہ نہیں تھے۔ زنانہ حصہ ایک جگہ تھا اور مردانہ اس سے کچھ فاصلے پر تھا، اگرچہ تھا اسی گلی میں، یہ مکان وہ ہے جو بلہداران سے گلی قاسم جان میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اگلے ہاتھ کو چڑتا ہے۔ اس کے برابر ٹکڑ پر ایک چھوٹی سے مسجد ہے، اسی مکان سے متعلق میرزا صاحب نے کہا تھا:

مسجد کے درمیان سایہ اک گھر بنا لیا ہے
اک بدعا کینہ ہمایہ خدا ہے

میں نے پوچھا: قبلہ وہ پہلا مکان کیوں چھوڑ دیا۔ اچھا خلاصہ آرام وہ مکان تھا۔ فرماتے تھے۔ اس میں سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ بہت تنگ تھا۔ بھائی، سچ بتا، میرا اس میں دم گھٹتا تھا۔ لیکن چونکہ کوئی اور اہلک کا مکان مہیا نہیں تھا، اس لئے آخر برس تک اس میں چڑا رہا۔ مئی ۱۸۶۵ء تک جب فساد شروع ہوا ہے، لڑا چار روپے میسر اس کا کرایہ دیتا رہا۔ جب فساد ہوا، تو حالات سے مجبور ہو کر میں کرایہ نہ دے سکا۔ تین برس تک جشن بند رہی، کھانے کو روٹی اور پینے کو شراب تک میسر نہیں تھی، چار روپے میسر کرایہ کہاں سے دیتا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ تین برس کا کرایہ، کم و بیش اڑھ سو روپیہ چڑھ گیا۔ بارے خدا خدا کر کے مئی ۱۸۶۳ء میں فائن جاری ہوئی اور پچھلا بتایا بھی وصول ہوا، تو میں نے تین سال کا کرایہ یکدم ادا کر دیا لیکن اب ایک اور مصیبت پیش آئی۔ اگلے ہی مہینے جون کے آخر میں مالک مکان نے اسے حکیم غلام اللہ خاں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ حکیم صاحب نے مجھ سے مکان خالی کر دینے کو کہا، وہ اس میں رہ رہا کرتا تھا، تھے، بلکہ اس کے بعض حصوں کو سڑے سڑے سے ہوا چاہتے تھے، تم نے اسے دیکھا ہی ہے، تھا بھی بہت پرانا، بڑی مشکل سے یہ جگہ ملی۔ اگرچہ اس میں محل سرا اور دوان خانہ الگ الگ ہونے کی تکلیف تو ہے، لیکن اس سے کہیں کھلا ہے۔ ہر حال اب پانچاں عمران باغ کی شکایت کیا اب باقی رہی کتنی مٹی ہے کہ ان باغوں کی ٹھہر ہو۔ آم۔

زندگی اپنی جب اس مشکل سے گزری غالب!

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا دیکھتے ہیں

اس زمانے میں روزانہ عصر کے وقت ان کے عزیزوں میں سے بعض لوگ ان کے دوان خانے میں جمع ہو کر فارسی پڑھتے تھے۔ باقر علی خان اور حسین علی خان تو گھری پر تھے ان کے علاوہ نواب ضیاء الدین احمد خان کے

پھولے صاحبزادے سعید الدین احمد خان اور عارف کے بچھے (یعنی میرزا حسن خان کے چھوٹے بیٹے) محمد حسن خان (عرف خضر میرزا) زیادہ حاضر ہاں تھے۔ کبھی کبھی میرزا علی بخش خان کے صاحبزادے غلام خضر الدین بھی آتے تھے۔ پڑھانے والے معلم کا پہلا سامان تھا مجھے ٹھیک طور پر یاد نہیں رہا۔ میرزا صاحب ہاں بیٹھے سنتے رہے۔ کبھی کبھی خود بھی تفریح و توجہ کرتے تھے۔ ساتھ ساتھ لپیٹے بھی ہوتے جاتے۔ چلتے دقت بچوں کو مٹھائی یا کوئی اور چیز کھانے کو ضرور دیتے۔ یوں بچوں کی نگرانی کے ساتھ ان کی گھڑی بھر کی تفریح ہو جاتی۔ مجھے یاد ہے کہ ان دنوں سب بچے گدگدیں کا سبق لیتے تھے۔ جب میرزا تقی کی شہولی "سبیلستان" چھپ کر آئی تو میرزا صاحب نے باقر علی خان اور حسین علی خان کو تقی کے پیچھے ہوئے دونوں نسخے دے دیے اور معلم کو ہدایت کی کہ آئندہ انہیں یہ کتاب پڑھائی جائے۔

باقر علی خان بہت متین اور خاموش طبع تھا۔ اس کے برخلاف حسین علی خان حد درجہ شریخ اور کھڑا۔ پڑھنے کے نام سے بھاگتا تھا۔ میرزا صاحب جانتے "ارے حسین علی" سبق پڑھ لیا وہ ایک دفعہ تو کہتا "ایا" دادا جان اور پھر غائب تھا کسی طرف کھٹک جاتا۔ کھیل کود کا اسے لگا تھا۔ زبان کا بھی چمڑا تھا۔ میرزا صاحب کہتے تھے۔ لڑکے بادشاہ ہیں "جب اپنے سر پر پڑے گی" تب آئے دل کا پہلا معلوم ہو گا۔

۱۸۷۳ء کے برس انہوں نے بڑی مصیبت دیکھی۔ انہیں تھوڑی بہت چوک و حواس تو ہمیشہ ہی رہتی تھی اور کچھ نہ ہوا تو مسلسل بل اور قبض کے دونوں مرض تو موجود ہی تھے کہ جان کے ساتھ گھسے تھے۔ لیکن اس سال مزید یہ ہوا کہ جنوری کے مہینے میں ان کو پھوڑوں کی تکلیف شروع ہوئی۔ اول ایک معمولی سی پھنسی داڑھے ہاتھ پر لگی۔ ان کی بے احتیاطی سے یہ بڑھ کر پھوڑا بن گئی۔ اس کے بعد بائیں پاؤں میں درم ہوا اور ساتھ ہی پاؤں اور اینچی سے ہوتا ہوا پڈلی تک نکاس ہو گیا۔ پھر دوسرا ہاتھ اور پاؤں پکڑے گئے لود آخر میں جسم کا یہ حال ہو گیا جیسے سوجا لٹا ہو۔ سارے بدن پر چھوٹے بڑے درجن بھر پھوڑے اور ہر ایک پھوڑا اچھا خاصا گمراہ حکیم محمود خاں اور حکیم احسن اللہ خان دونوں صاحبوں نے تشخیص کی کہ احراق خون کا شہ۔ حمل ہوا ہے "جو عمر بھر کی شراب نوشی اور بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے۔ آخر باہمی مشورے سے یہ فہمی کہ سب سے پہلے پاؤں کے پھوڑے کو پکا کر گندہ مادہ خارج کیا جائے تاکہ اس کا زہر کہیں سارے جسم میں سرایت نہ کر جائے چنانچہ دو تین دن شام کے چوں کا بھرنا بدھتا رہا۔ جب درم پک گیا اور اس کا زہر بن گیا تو نکستے سے سولخ دے کر گندہ مادہ نکالا گیا۔ حکیم صاحب نے پھوڑوں پر لگانے کے لئے ایک مرہم کا نسخہ لکھ دیا۔

ان کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی تھی۔ حکیم محمود خاں ہی کا کوئی روزانہ صبح کے وقت آتا "وہ دھنوں کو صاف کر کے مرہم لگاتا اور پھلے رکھ کر ہاتھ دیتا تھا۔ جب وہ سلائی سے دھم صاف کرتا اور پیپ لٹاتا تو ہم دیکھنے والے کانپ کانپ اٹھتے تھے "لیکن آئرن ہے ان پر" ہاتھ پر تل تک میں لستے تھے اور یہ تکلیف چند دن یا چند ہفتے نہیں بلکہ مسلسل کئی مہینے تک رہی۔ وہ روزانہ نہایت اطمینان اور عقل سے مرہم پٹی کرواتے رہے "بلکہ اس دیکھنے والوں کو حوصلہ دیتے رہے۔

ظاہر ہے کہ اس حالت میں ان کے لئے العنا بیضنا محال تھا چنانچہ دن رات بستر پر پڑے رہتے ہموک پیاس

ہائل وائل ہو گئی تھی، کھانا گھر سے آتا تو وہ لپٹے لپٹے ہاتھ دھو کر 'دو چار تھے طلق سے اتار لیتے۔ رات کو نیند بھی کم آتی تھی، بلکہ اسے نیند کتنا ہی نہیں چاہئے، ایک غفلت کی سی کیفیت ہوتی تھی۔ اگر کہیں خوش قسمتی سے پل بھر کے لئے آنکھ ٹپک گئی تو کسی پھوٹے میں نہیں اٹھتی اور وہ بلہا کے جاگ اٹھتے۔ اسی طرح سوتے جاگتے رات گزر جاتی۔ اٹھتے تو کھڑے ہوتے تھے۔ کمرے ہونے سے پنڈلیاں لرزے لگتی تھیں۔ وہیں چنگ کے پاس اونٹ میں حاجی دھری تھی، ضرورت ہوئی تو کھل چڑے اور اسی طرح ٹھیکے ٹھیکے داییں چنگ پر آکر پڑ گئے۔ مصیبت ہلاکے مصیبت، اسی دوران میں انہیں فتح کی شکایت بھی ہو گئی۔

اس تکلیف کے باوجود اس زمانے میں بھی 'احباب کی فرمائشیں بدستور جاری تھیں، شاکر و اصلاح کے لئے کلام بھیجئے، دوست اور ملنے والے شوقی خطوط لکھتے۔ وہ کسی کی دل شکنی نہ کرتے، سب کو لپٹے لپٹے جواب لکھتے۔ ایک دن فرمائے لکھے: 'جیراں ہوں، لوگ مجھے ابھی تک زندہ سمجھتے ہیں، حالانکہ میں مومے سے بدتر ہوں۔ بہر حال یہ دونوں باتیں تو سچی سچ ہیں اور تو سچی جھوٹ، موت کی صورت میں غم مرہ ہوں اور زندگی کی حالت میں غم زندہ ہوں۔

آہ جی ہاؤں، نکل جائے اگر جان کہیں

نومبر کے آخر میں میرزا علی میرزا علی بخش خان فوت ہو گئے تھے، لیکن اس لمبی بیماری کا یہ نشان رہ گیا کہ دونوں ہاؤں کی وہ دو انگلیاں مستقل طور پر اٹھنے کے موٹی اور ٹیڑھی ہو کر رہ گئیں، جو آ پسنے میں تکلیف ہوتی تھی اور زیادہ پل بھر بھی نہیں کھینچتے تھے۔ کمزوری کا تو ذکر ہی کیا! خود کہتے تھے کہ جسم میں جتنا خون تھا، وہ چھپ ہی نہ لگ گیا۔ اب تو خدا سا ہجر میں باقی ہے، وہ کھا کھا کر بیٹا ہوں، کبھی اسے کھانا ہوں، کبھی پیٹا ہوں۔

میں ۱۸۸۷ء کے نو روز کے دن سر پھر کے وقت مزاج پر ہی کو گیا۔ اندر صحن میں ایک دالان تھا، جس میں شام سے دھوپ رہتی تھی۔ یہیں چنگ پر لپٹے تھے۔ اب ہاؤں کے موسم میں ان کا یہ عام معمول ہو گیا تھا کہ کھانا کھا کے دھوپ میں لیٹ جاتے اور جب تک ہوا میں شکنی نہ محسوس ہونے لگتی، وہیں چڑے رہتے۔ میں تو اب عرصے کے موزوں پر بیٹھ گیا۔

معلوم ہوا کہ ان کے برادر بستی میرزا علی بخش خان فوت ہو گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں سے سلطان بی کے قریب کی بہتی حرب سرائے میں رہتے تھے۔ رات سے صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ وہیں کچھلی رات کو فکری لڑا سے تھوڑی دیر پہلے جنت سدھارے۔ فرمائے گئے: 'مرحوم میرزا بہت دور دوری دلی یار تھا۔ مجھ سے چار برس چھوٹا تھا۔ میں چلنے بھرنے سے محذور ہوں، دوتہ ہٹانے کے ساتھ جانک۔ بھائی ضیاء الدین خان گئے ہیں، لیکن وطن کا سارا انتظام دینی کریں گے۔

اسی سلسلے میں ایک اور بات یاد آگئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نواب غلام الدین احمد خاں اور میرزا علی بخش خاں میں آپس میں کچھ کشیدگی تھی۔ اگرچہ نواب صاحب نے مرحوم کی وفات پر دو تین تاریخ کے بارے نکالے تھے، لیکن نہ خواہ انہیں نظم میں لکھا، نہ کسی دوسرے ہی کو یہ کام کرنے کی اجازت دی۔ بلکہ انہوں نے کسی مجلس میں مرحوم کے خلاف بعض ایسے کلمات کہے، جن سے ان کی دلی رنجش کا اظہار ہوتا تھا۔ اس پر میرزا صاحب نے انہیں کھاکر مہر کو نیچے سے یاد کرنا چاہئے۔ اب تمہارا اپنی ناراضی کا اظہار کرنا نامناسب ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دوسرے عزیزوں کے

دل طبل ہوں گے۔ تھڑا اس سے بھلا تھیں کیا حاصل ہو گا! بس اب خاموشی بستر ہے۔

اسی سال (۱۸۳۳ء) عارف کے بڑے صاحبزادے باقر علی خاں کی شادی نواب ضیاء الدین خان کی انکولی صاحبزادی معظم زبانی بیگم عرف مگہ بیگم سے ہوئی۔ دو لاکھ اسی برس کے تھے اور دھن ۳/۴ برس کی۔ دونوں میرزا کے ہاتھوں میں پلے تھے اور انہیں اپنی اولاد کی طرح عزیز تھے۔ ایک دن کا لطیف مجھے آج تک یاد ہے۔

میں اس دن صبح سویرے کسی کام سے میرزا صاحب کے پاس گیا تھا وہاں باڈوں میں دیر ہو گئی۔ اسے میں گھر سے عزیمت افغ ملازم نے آ کے اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے، 'تھم ہو تو کھانا ہائے۔ میرزا صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ کھانا کھا بیٹیں ہمارے ساتھ کھا لو، کہاں اتنی دور جاؤ گے۔ میں ان کی محبت کے پیش نظر انکار نہ کر سکا۔ چنانچہ انہوں نے عزیمت سے کہا کہ بیگم صاحب سے کہہ کر کھانا کھلائیں، ہم دونوں آ رہے ہیں۔ اور ملازم گیا، اور ہم دونوں افغ کھڑے ہوئے۔ وہ دو درجہ کھڑا ہو گئے تھے۔ کھڑی کے سامنے بہت آہستہ آہستہ چلتے تھے۔ حالانکہ کھلی سرا دور نہ تھی، پچاس قدم کا فاصلہ نہیں ہو گا، لیکن وہاں تک پہنچتے پہنچتے ان کی سانس پھول گئی۔ ہرمال، 'بب' تھوڑا آرام کر لیا تو دسترخوان پر بیٹھنے لگا، مگر نے ان کے سامنے شور پے کا پال رکھا۔ میں نے دیکھا کہ خلاف معمول کسی چیز میں بھی پہننے کی دال نہیں۔ میرزا صاحب کو بھی اس پر بہت تعجب ہوا۔ پوچھا، 'کیوں بھئی' دال گھر میں نہیں تھی تو بازار سے منگوا لی ہوئی، 'یا مجھ سے کہا ہوتا' میں منگوا دیتا۔ بیگم صاحبہ دوسرے دالان میں بیٹھی تھیں، 'وہیں سے ہوا پ دیا۔ نہیں' دال تو گھر میں موجود ہے لیکن ہو پہنے کی دال نہیں کھائی، 'اس لئے کسی چیز میں نہیں ڈالی۔ خدا دے' ایسا موقع میرزا صاحب کو۔ جھٹ سے بولے: 'والہ! پھر تو ہو خدا سے بھی بد ہو گئی۔ اسے' چنا تو وہ چیز ہے کہ اس پر خود اللہ میاں کی دال لکھ پڑی تھی۔ اب ہو پہنے کی دال نہیں کھا تیں تو یہ کیا خدا سے بھی بد ہو گئیں۔ سب پہننے لگے۔ بیگم صاحبہ نقل سے بولیں۔ بس انہیں تو ہاتھ ملانی آتی ہیں، 'بھاری بھنی ہے۔ ہوا کیا' اگر وہ ایک چیز پہننے نہیں کرتی تو اس کی مرضی۔ ٹیکہ تھوڑا ہی ہے کہ جی چاہے نہ چاہے ضرور کھائے۔

زندگی کے آخری تین چار برس میں اس کی عذر دہی بہت خراب ہو گئی تھی۔ دن دن بھر پے رہتے تھے۔ کوئی تکلف کاٹنے والا آ جاتا تو بیٹھ جاتے، 'ورنہ سارا وقت جاہلی پے لینے رہتے۔ گرمیوں میں دن بھر کو ٹھری میں گزار جاتا' رات کو وہ آری اٹھا کر صحن میں لے آتے۔ باڈوں میں دن کے وقت دھوپ میں لینے رہتے، 'رات کو سونے کا کمرہ اٹھکھٹس سے خوب گرم کھا لیتے تھے، 'خوراک نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ صبح کی تھوید بدستور تھی۔ دوسرے کو صرف ایک پیالہ بھر گوشت کا پانی۔ 'ہوئی' 'دوئی' 'پادل' سب کچھ ہانک منقو۔ سرشام تولہ دو تولہ بھر شراب اسی قدر گلاب میں ملا کر پیتے تھے اور بس۔ دوستوں کے خط آتے تھے، 'ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں دن کٹ جاتا۔ طو زیادہ لکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ لکھتے تو انگلیاں اکڑ جاتیں، 'اور درد کر لے لگتیں۔ کوئی دوست ملاقاتی آ جاتا تو اس سے خطوط کے جواب لکھوا لیتے تھے۔ آپ بولتے جاتے تھے اور وہ لکھتا جاتا تھا۔

بائے دالے جانتے تھے کہ اب یہ چراغ سہری ہیں۔ ۳۴ فروری ۱۸۶۸ء کو وہ حسب معمول لینے ہوئے تھے۔ اگرچہ کوئی خاص تکلف نہیں تھی، لیکن ایک نیم فٹ کی کیفیت ضرور تھی۔ ہوش میں آئے تو کلو نے پوچھا کہ حضور کھانا لادیں۔ بولے، 'آج ہم کھانا میرزا جیون یک کے ساتھ کھائیں گے۔ جاؤ' اسے بلا لاد۔ اس سے اشارہ باقر علی خان

کابل کی سب سے بڑی صاحبزادی محمد سلطان کی طرف تھا۔ انہیں میرزا پیار سے میرزا جیون ایک یا بیٹا حکیم کہا کرتے تھے۔ وہ اس وقت چار برس کی تھی (کلو انہیں بلانے عمل سرائے میں گیا۔ وہ سو رہی تھیں۔ پکا حکیم 'ان کی والدہ نے کہا: ابھی کھینٹے کھینٹے سو گئی ہے۔ بونہی جاگتی ہے' بھیجتی ہوں۔ کلو نے آکے کہا کہ حضور! وہ آرام کر رہی ہے۔ حکیم صاحبہ جاگنے پر بھیج دیں گی۔ یہ سن کر بولے 'اجھا تو جب وہ آنے کی ہم اسی وقت کھانا کھائیں گے۔ اتنا کہہ کر نیچے پر سر دکھا اور لیٹ گئے۔ لیٹنے کے ساتھ ہی بے ہوش ہو گئے۔ فوراً حکیم محمود خاں اور حکیم احسن اللہ خاں کو اطلاع کی گئی۔ دونوں صاحبوں نے راتے دی کہ دماغ پر قابو گرا ہے۔ یہ خیر سارے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جس جس نے سنا، دوڑا آیا۔ عیادت کے لئے آنے والوں کا تہہ بندہ گیا۔ آٹھ پہر اسی بے ہوشی میں گزرے، نہ ٹھیکوں کی پیش گئی، نہ کسی اور کی، نہ دوا کارگر ہوئی، نہ دعا۔ اور ہوتی بھی کیسے؟ ان کا وقت آنا لگا تھا۔ اسی حالت میں اگلے دن ۱۵ فروری کو دوپہر ۱ بجے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔

حق مغربہ کرے، جب آؤلو مرے



اداتے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
صلاتے عام ہے یا زان نکتہ داں کے لیے



ندیم اینڈ کمپنی

D-25 فرسٹ فلور نرسری محمد شل ایریا بلاک ۶

پتی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ ایس کراچی — فون : ۴۴۰۴۴۱-۴۴۱۶۸۴

غالب لکھنؤ میں



پاکستان کی اردو صحافت میں کارٹون کا آغاز کب ہوا؟ اس کے بارے میں حقیقی طور پر تو کچھ نہیں کہا جاسکتا، مگر روزنامہ کوستان لاہور کے کارٹون "میر صاحب" نے جو مقبولیت حاصل کی وہ شاید ہی کسی اور کے حصے میں آئی ہو۔ اخبار کے قارئین اپنی صبح کا آغاز "میر صاحب" کے ساتھ

کرتے تھے۔ تمام دن "میر صاحب" کے ذکر میں گزرتا اور شام ہی سے اگلی صبح کا انتظار شروع ہو جاتا۔ دیکھئے! کل "میر صاحب" کا موضوع کیا ہوتا ہے؟ پھر جب کوستان کے کارکنوں نے روزنامہ شرق کا آغاز کیا تو "میر صاحب" شرق کے صفحہ اول کی زینت بن گیا۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اپنے دور کے کثیر الاشاعت اخبار شرق کے قارئین کا ایک بڑا حصہ صرف "میر صاحب" کے پرستاروں پر مشتمل تھا۔

اس مقبول عام کارٹون کے خالق کا نام ایس ایمید ہے۔ جو اپنے نام سے کم اور میر صاحب کے نام سے زیادہ متعارف ہیں۔

راٹھار اٹھا کر دی نہیں میں آپے راٹھا ہوئی

جناب حمید نے کارٹون ہی نہیں بنائے۔ فن مصوری کے دیگر زاویوں میں بھی رنگ آمیزی کی اور فن شناسوں سے داد تحسین کے مستحق قرار پائے۔ خاص طور پر علامہ اقبال کے مقررانہ انداز پر مبنی مختلف پورٹریٹ اقبالیات سے دلچسپی رکھنے والوں کو مدتوں یاد رہیں گے۔ ایک کام اور بھی کیا۔۔۔۔۔ اور یہ کام تھا کارٹونسٹ حمید کا۔

انہوں نے مرزا غالب کے اشعار کو اپنے کارٹونوں کا موضوع بنایا۔ اور افکار غالب کو ایسے ایسے معانی پہنائے کہ غالب دوستوں کے چہرے کھکھلا اٹھے۔

کارٹونوں کے اس غلاب و غار ذخیرے میں سے چند قارئین سورج کی ضیافت طبع کے لیے اگلے صفحات پر شائع کیے جا رہے ہیں۔ اوارہ اس نوازش بے پایاں کے لیے جناب حمید کا انتہائی ممنون ہے۔



تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاف جبکہ کل گئی نذایں تہا دسودتا



کہ اس طرح کے کاموں میں



رہنے کے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

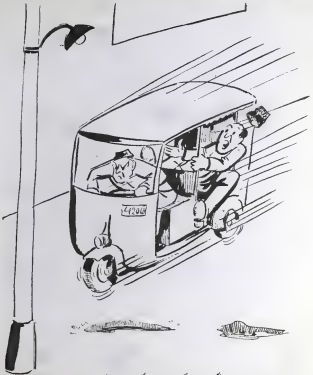


پاسِ نچہ آتش بچاں کس سے بھڑھ جائے ہے

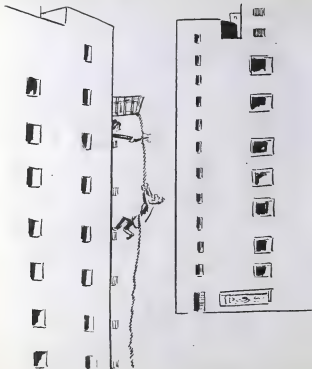


پتہ: لاہور، قلعہ، پتہ: لاہور

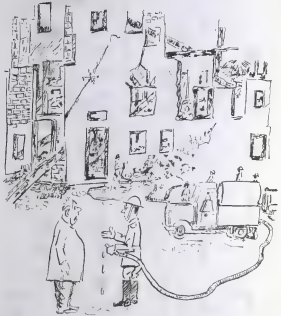
لاہور



تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا



قطع کیجئے نہ تعلق مسمیٰ ہے



مہربان ہو کے بلا لٹھچے چاہو جوت میں گیا دقت نہیں ہوں کہ پیر آجھی نہ سوں

بڑے بڑے گزرا کا حساب لے کر دیکھ





مشیر
نور

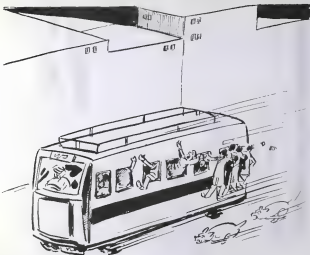
مے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر



فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی



بہ شہ بان زخم نہ پیدائے کوئی مشعل کہ تجھ سے اوسنہ واکرے کوئی



دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جاتے ہے



گر نہیں وصل تو حسرت ہی ہے



بورے گا چونہ کچھ بستر میں کیا



پتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی۔





کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

میں نے
چاہا

وہ آئینہ گھر میں ہمارے خفا کی مشرت ہے





جھجک رہے ہیں، ہونے ہیں پاؤں پہلے ہی نہر و حقیقت میں نہی — نہ ہوا لگا جانے بہ بچہ سے نہ بچہ لگانے بہ بچہ سے



دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی

حلیہ



تو دوست کسی کا بھی ستم گر نہ خواہست

حکیم



یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات



کہ موج بونے گل سے خاک میں آتا ہے دم



غالب ڈرامے

سید امتیاز علی تاج

غالب اور ان کی بیگم

دیوان غالب میں ایک شعری مکالمہ

(سامنے کی دیوار میں کھڑی۔ دائیں اور بائیں ہاتھ دیوار کے اگلے حصے میں دروازے۔ بائیں ہاتھ
بچھٹے حصے میں دیوار کے ساتھ چنگ۔ دائیں ہاتھ کی دیوار میں کپڑے لٹکنے کی کھوئی جس پر علاوہ
دوسرے کپڑوں کے برقعہ لگا ہے۔ اس سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگا ہوا تختہ جس پر سوزنی
بھی لگا رکھیے اور پان دھن رکھا ہے۔ پردہ اٹتا ہے تو بیگم غالب چنگ پر اواس لٹی ہیں۔)

بیگم:

تجش سے میری وقت نکلتی ہر تار ہتر ہے
مرا سر دیکھ پائیں ہے مرا تہ ہار ہتر ہے

(افسوس اور ست قدموں سے کھڑی تک جاتی اور اس کے پٹ بند کر کے درز میں سے باہر بھاگتی پھر سر
دیوار سے ٹیک لیتی ہیں۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد آہ بھر کر)

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
ہو نہیں جانتے وفا کیا ہے

(غالب بائیں ہاتھ کے دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔)

غالب: (بڑی گودیکھے بغیر)

پھر کچھ اک دل کو ہے قزاقی ہے
چند جوانے دلم کاری ہے
پھر بکر کھوئے لگا ناخن
آہ فصل لالہ کاری ہے

بیگم: (غالب کو دیکھ کر شہوہ آمیز انداز میں)

فرماں کیا فصل گل کہتے ہیں مگر کو کوئی موسم ہو
دی ہم ہیں 'فصل' ہے اور ماتم ہاں د پر کا ہے

غالب: (بڑی گودیکھے کر چند اشارے کرتے ہوئے)

شرع ہنگامہ جتنی ہے رہے موسم گل
 رہہ قلعہ پہ دریا ہے خوشا سورج شراب
 یہ مسائل تصوف یہ تمہرا بیان غالب
 تجھے ہم دلی سمجھتے ہو نہ پتہ طرار ہوا
 غالب: (کھوئی کی طرف پڑھتے ہوئے)

مے سے غرض نکلا ہے کسی رو سیاہ کو
 اک گوند ہے خودی مجھے دن رات چاہئے
 یہ خودی ہے سب میں غالب
 کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
 غالب: (چند اور لہلی کھوئی پر لکھتے ہیں)

آفتل کدہ ہے سینہ مرا رازِ نعل سے
 اسے دوائے اگر معرضِ ترقی میں آئے
 عجم: (جیسے بوجھ کر)

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس؟
 زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے؟
 غالب: (تخت پر بیٹھ جاتے ہیں)

ہم دہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
 کچھ ہماری خبر نہیں آتی
 ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
 عشق کا اس کو کہاں ہم بے زبانوں پہ نہیں
 غالب: (بے بسی کے حجم کے ساتھ)

یا رب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
 دے اور دلِ امن کو جو نہ دے مجھ کو لبوں اور
 رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے
 قساری طرزِ روش جانتے ہیں ہم کیا ہے
 غالب: (دونوں ہاتھ سر کے پیچھے بانٹ کر گھڑ گھڑے سے ٹیک لگاتے ہیں)

ہے کچھ ایسی ہی بات ہو چپ ہوں
 ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

بیگم : وہ اپنی طرف چھوڑیں گے، ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

سب سرین کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

غالب : کر عاشق سے قائمہ اخلائے حال ہے

خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی حال ہے

بیگم : در پردہ افسیں فیر سے ہے ربط غنائی

ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

غالب : (اٹھ کر کڑی کی طرف جاتے ہوئے)

حد سے دل اگر افسردہ ہے، گرم ترشا ہو

کہ چٹم تک شایہ کثرت نگاہ سے وا ہو

تم جانو تم کو فیر سے جو رسم و رواج ہو

مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا کہنا ہو؟

بیگم :

غالب : (کڑی سے باہر دیکھتے ہوئے)

افسیں سوال پہ زخم جنوں ہے کیوں لڑیے۔

ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کئے

تم سے ہے جا ہے مجھے اپنی جانی کا گد

اس میں کچھ شاہدہ غلی غلہ ہوں تھا

حال کچھ کڑی کھان کا حیر

بیگم :

غالب :

(بڑھ کر اور تکیف قلب کے لئے ہاتھ تمام کر)

دل میں ایسے کے جا کے کوئی

بیگم : (گوشہ چشم سے آنسو پوچھتے ہوئے)

غالب ہمیں نہ چیلز کہ طوفان اشک سے

بٹھنے ہیں ہم تیرہ طوفان کے ہوئے

غالب : (تخت پر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے)

جان تم پر تیار کرتا ہوں

میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

بیگم : (غالب کی سلیم الطبعی سے بھڑک)

چاچے ہیں خوب رویوں کو اسد

آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

غالب : مری سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی
تیکم : (ابھی دل نہیں بھرا)

غالب : غافل ان مدھنوں کے واسطے
چاہتے والا بھی اچھا چاہتے
تیکم : (ساتھ تیکم کے پرلے کندھے پر رکھ کر)

غالب : مدھ چاہتے سزا میں حقیرت کے واسطے
آخر گناہ گار ہوں' کافر نہیں ہوں میں
تیکم : (ابھی آنسوؤں کا قہہ باقی تھا)

غالب : دل ہی تو ہے نہ سبک و خشیت درد سے بھرنے آئے کیوں
دوئیں گے ہم ہزار بار' کوئی ہمیں دلائے کیوں
خدا یا! جذبہ دل کی مگر تاثیر الہی ہے

تیکم : کہ جتنا کھیلتا ہوں اور کھیلتا جاتے ہے مجھ سے
آگ سے پانی میں بجھتے وقت افسی ہے صدا
ہر کوئی دہانگی میں ٹلے سے بھار ہے

غالب : بابا دیکھی ہیں ان کی رجشیں
لیکن اب کے سر گرانی اور ہے
تیکم : (آؤ دلدوز کے ساتھ)

غالب : زندگی اپنی بپ اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
جی ہی میں کچھ نہیں ہے ہمارے دگر نہ ہم

تیکم : سر جائے یا رہے' نہ رہیں پر کے اخیر
(بکڑ کر اٹھ کڑی ہوئی ہیں)

غالب : کلام اس سے آچڑا ہے کہ جس کا جہان میں
یوسے نہ کوئی ہم ستم گر کے بغیر
غالب : غلط ہے جذب دل کا شکوہ' دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھیچو گر تم اپنے کو' کشاکش درمیاں کیوں ہو؟

تیکم : (خسیدانہ انداز میں)

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی؟
غالب: (بھانے میں کوئی کمر اٹھا نہیں رکھنا چاہے)

دو گلوں کو مگر غلط چلے کوئی
بھول دو مگر غلط کرے کوئی
تیکم: (اتحاد مجاز)

کوئی دلتا مگر زندگانی اور ہے
اپنے جی میں ہم نے غلطی اور ہے
ہو چکیں غالب بلائیں سب قسم
ایک مرگ ناگمانی اور ہے

غالب: (دایم ہو کر)

ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کلام لغز و لے ناشیہ ہوں
(دراوند نگلی میں جا کر چند کھوٹی سے اترتے ہیں)

دہچے اب ایسی جگہ جا کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو
(چند پینتے ہوئے)

بے درد و دغاوار سا اک گھر بنایا چاہئے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاساں کوئی نہ ہو
(کوئی پینتے ہوئے)

ہنسے مگر بھار تو کوئی نہ ہو بھار دار
اور اگر مر جائے تو لوح طووس کوئی نہ ہو
(ہوش میں تیزی سے باہر نکل چلتے ہیں)

تیکم: (اپنے طرز عمل پر غلام ہو کر اپنے کپ سے)

بھلا اسے نہ سہی کچھ بھی کو دم آتا
اثر مہرے نفس ہے اثر میں خاک صیں
(تیزی سے کھڑکی کی طرف جاتی اور بے اعتیادگی میں ہتھ کھول کر)
اسے ساکنان کوچہ دلدار رکھنا؟

تم کو کہیں جو غالب آہستہ سر طے
 بے قراری سے واپس آتی اور احساس جرم کے خوف میں کھوٹی پر سے برقعہ اتارتی ہیں
 اسد ہے نزع میں، چل بے وقارے خدا
 مقام ترک حجاب و دواعی نکلیں ہے
 (غالب خود واپس آ جاتے ہیں، بیگم برقعہ پہن رہی ہیں)
 غالب: (اپنے آپ سے)

ناکہ کیا، سوچ، آخر تو بھی دانا ہے اسد
 دوستی بناؤں کی ہے، جی کا لیاں ہو جائے گا
 بیگم: (غالب کو دیکھتی، سن کی طرف بڑھتی اور پشیمانی کے غمزے)

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے
 کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی
 غالب: (بیگم کے انداز سے حوصلہ پا کر خوشی سے)

ہم کوئی ترک دانا کرتے ہیں
 نہ سہی تعلق، مصیبت ہی سہی
 بیگم: (سکراس)

ہم بھی تسلیم کی خو واپس مے
 بے نیازی تری عداوت ہی سہی
 (دونوں محبت سے ایک دوسرے کے دونوں ہاتھ تھامتے ہیں)

پرندہ



مرزا غالب

ڈاکٹر محمد حسن

پہلا ایکٹ ——— آرزو ——— ۲ سین
 سہیے اب ایسی جگہ چل کر چلی کوئی نہ ہو
 دوسرا ایکٹ ——— فکرت آرزو ——— ۲ سین
 آئینہ خانے میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے
 تیسرا ایکٹ ——— عرفان ——— ۲ سین
 ہنق سے کرتے ہیں مدفن شمع ماتم خانہ ہم

کروار۔

1-	غالب	10-	آرزو
2-	یوسف مرزا	11-	حالی
3-	جشن دھر	12-	فضل حق
4-	عظیم	13-	کوڑاں شمر
5-	ماں	14-	مولانا
6-	لڑکی	15-	بزرگ
7-	نور اردو، ماسوں	16-	چوہدر
8-	میر کاظم علی	17-	داستان گو
9-	شیخو	18-	یکہ سیانی، سپای جواری، فقیر و غیبو

پہلا ایکٹ، پہلا سین

آگہ — ۸ ویں صدی کے شہزاد میں

(دو فقیر چمنوں، گاتے ہوئے داخل ہوتے ہیں)

بے داری سے آگہ ایسا ہوا چہ پہنچ حلیاں ہیں تو فنی شمر پناہ

ہوتا ہے باغوں سے ہر ایک باغ کا باہر وہ باغ کس طرح نہ لے اور نہ اجڑے کہ

جس کا نہ باغوں ہو نہ مٹی نہ خار نہ

جب آگرے کی غل کی ہو روزگار بند

پسلا فقیر : اللہ ہی دے گا۔

دوسرا فقیر : مولائی دے گا۔

پسلا فقیر : تجھے فضل کرتے نہیں نکلتی بار نہ ہو تجھ سے باجس امیدوار

چوہدار : بابا رکت ہے۔ آگے بڑھو۔

پسلا فقیر : ہم اس سرکار سے محروم رہیں جانے والے نہیں۔

چوہدار : بابا! اب وہ حویلی کہاں۔ رسالدار نصر اللہ بیک خانی کا انتقال ہو گیا۔ کیا تیرے لوگ تھے۔

پہلے مرہٹوں کی طرف سے آگرے رسالدار ہوئے فرنگیوں کے حملے کے وقت جان لڑا دی! پھر رسالدار

ہوئے اللہ مغزیت کرے اچھی گزار گئے! بھائی پہلے ہی اللہ کو پیارے ہوئے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو

چھوڑ کر سو جا گئے دے نام اللہ کا۔

پسلا فقیر : اللہ ہی دے گا۔

دوسرا فقیر : مولائی ہی دے گا۔

(غالب جن کی مردی گیارہ سال سے زیادہ نہیں ڈیڑھی سے نکل کر آتے ہیں) فقیروں کو ایک نظر

دیکھتے ہیں! اپنا چھوٹا سر فضل اور کادو انکار کر بخش دیتے ہیں)

چوہدار : سرکار! چھوٹے سرکار!!

غالب : مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔

چوہدار : (غالب کو گلے سے لپٹا کر) آخر کیوں نہ ہو۔ بھائی سرکار کا بیٹا ہے جس ڈیڑھی سے کبھی فقیر

دلیس نہ لوتا ہو وہاں یہ حال ہو کہ نہ باپ کا سایہ سر نہ چچا کا دست شفقت میرے

(یوسف مرزا جو غالب سے دو برس چھوٹے ہیں) دوڑتے آتے ہیں آنکھوں سے دھشت ٹپک رہی ہے)

یوسف : مگر سرے تاج ہے۔

چوہدار : کیا کہہ رہے ہیں چھوٹے سرکار!

یوسف : ہم کہتے ہیں سرے تاج ہے ہنسو ہم بھی ہنستے ہیں مگر سر تاج ہے (پہلے جاتے ہیں)

(جنسی دھڑ دھڑا کر مرزا سے عمریں یکساں ہو رہے ہیں داخل ہوتے ہیں)

جنسی : چلو! شہر کی ایک باڑی ہو جائے استاد (اس کے دیوان خانے میں جا بیٹھتے ہیں جو انجیل کے ایک

طرف ہے جلدی جلدی سرس لگاتے ہیں قہقہوں دیر خاموشی سے باڑی ہوتی رہتی ہے) قہقہوں دیر بھر)

غالب : چال چلو! یہاں جنسی دھڑ۔

- جنسی : پتا ہوں مرزا 'شعلیج' ہے کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔
- غالب : ہمارے لئے تو کھیل ہے۔
- جنسی : دیکھو مرزا 'شعلیج' میں تو کوئی خاں ہو مجھ سے باڑی نہیں لے جاسکتا۔ ایک شہر دنا نصیب آگیا برس باڑی میں تو کیا آپ کو 'شعلیج' کھیلانی آگئی ہے خوب یاد رہے ناظر جنسی دھر سے کھیل رہے ہو۔
- غالب : تو ابھی سے ناظر بھی ہو گئے۔
- جنسی : باپ دادا عزت والے تو جیتا بھی ناظر ہو گا۔ دیکھ لیتا۔
- غالب : اچھا تو قبلہ ناظر صاحب یہ شہر تو بچے یہ لچکے فریسی تو کیا۔
- جنسی : میاں ساہنواز سے ہو ابھی ذرا ٹھہر۔ حال ابھی کاٹا ہوں وہ بھی ایسی کہ یاد کرو گے مر مر۔
- غالب : قبلہ ناظر صاحب 'دوسری باڑی' لگا لکھتے یہ خاکسار ڈک پچہ ہے حال ہی ایسی پتا ہے باپ میرا زندگی بھر فرج میں رہا۔ چچا میرا دسلدار بنا میرا کیدان۔ باپ دادا کا سلسلہ تو انہی فریدوں تک پہنچتا ہے ہم سے باڑی لے پتا آسان نہیں۔
- جنسی : چہ خوب؟ وہ تو کبھی کبھی کھلا رہا ہوں جنسیں تو بر ضرور دیکھتے ہو کہ 'شعلیج' آگئی کچھ غائبان کی پرانی راہ و رسم کا لحاظ کرتا ہوں ورنہ بات چا پکا کر نوشیرواں بنا دیتا سوچتا ہمارے قصارے خانہ انوں میں پشتوں سے رسم چلی آتی ہے نجف خان کے زمانے میں قصارے اور ہمارے بنا دو نول ساتھ فرج میں رہے ساتھ تو کئی پھر ڈی پھر جب سے خوش منہلا ہم تم ساتھ ساتھ ہیں اور دو چار بات چا دیئے تو کھو گئے کہ رسول پرانی دوستی کا پاس نہ کیا۔
- غالب : داد ناظر صاحب 'نیکیا' کہتے ہیں۔ عمر میں مجھ سے دو ایک برس ہی چھوٹے ہیں وہ گے اور باتیں کرتے ہو تو دادا بنا سے تم کوالہ نہیں توڑتے۔
- جنسی : خیر جی مرزا! یہ باڑی جنسیں اٹھا لو ات ہمیں مانے لیتے ہیں کیا یاد کرو گے تم بھی کہ ناظر جنسی دھر کیا حاتم تھا اچھا چلو 'دوسری باڑی' لگاؤ۔
- غالب : جنسیں جناب 'دوسری باڑی' نہیں آج بلوان گھو سے چنگ کے چچ لڑا نہیں۔
- جنسی : کون؟ راجہ بلوان گھو دی گذریوں کے کھڑے والا 'وہ بھی عمر بھر پچہ رہے گا اور قصارا بھی یہی حال ہے۔
- غالب : جی ہاں بس 'شعلیج' کے سوا تو سارے کھیل گیا لڑکھن قصارے تم بھی ذرا چچ لڑاؤ تو چائیں 'چلو چلتے ہو۔
- جنسی : اناں۔ قہر کو 'میں گھر جانا ہوں جب اس کوٹھیا رہیں سے نہت چا تو پتا لیتا۔
- غالب : جنسی دھر۔
- جنسی : اب کیا اللہ ہے؟

غائب : ارے ظالم! یہ تو خیال ہی نہیں رہا کہ استاد عبدالصمد ہرمزو آج ابھی تک سیو قریح کو نہیں
مکے ہیں تم نے اور چنے پھیری اور اور انہوں نے کوڑا لگا کر 'مردم' اور بس چنگ بازی وغیرہ
سب دھری رہ جائے گی بس ذرا دیر اور بیٹھے رہو۔

جنسی : یعنی استاد ہرمزو کہیں کہ آپ میری وجہ سے بیٹھے ہوئے ہیں۔

غائب : بس میں چپ لڑا کے ابھی آیا۔

جنسی : گویا مجھے کوئی اور کام تھوڑا ہی ہے، میں آپ کے انتظار میں بیٹھا لوں گا کہوں، چاکر استاد ہرمزو
سے سبق پڑھو۔

کرنا یہ بھٹائے پر مال یا

غائب : خیر سبق یاد کرنے میں میرا کوئی غلطی نہیں پڑے ہے استاد ہرمزو غافل ایرانی ہے اور غافل پارسی
نژاد میری فارسی دہلی پر فخر کرتا ہے۔

جنسی : بہت اچھا! بہت خوب! اب آپ ہلدی آجے مجھے دیوان حافظ دیتے جاچے۔ قال نکلا ہوں کہ
قصداری چنگ زور سے سختی ہے کہ پار ہوئی ہے۔ اور میری سنو تو مرزا امت بھیجو چنگ بازی پر آج
رات راجہ بلاس رائے کی حویلی میں مشاعرہ ہے۔ چلے چلتے ہیں بھی میری تو جان جاتی ہے ان
مشاعروں پر اکبر آبادی کے شاعر تو ایرانی شاعروں کو شہرت ہے اور ریختہ قصداری قسم! وہ مضمون
لکھتے ہیں کہ ہرمزو مرزا گرد ہیں اور اپنے مہاں نظیران کا کلام تو شہر میں بچے بچے کی زبان پر ہے۔

غائب : تم کو کے اپنی بیانی کرتا ہے خدا کی قسم وہ چار شعر تو ہم نے بھی کہنے شہر کا کر دیے ہیں۔

جنسی : جی؟

غائب : بالکل جی۔

جنسی : اچھا یہ تو بتاؤ مجھے میں یا فارسی میں۔

غائب : دونوں گھر کی لہڑی ہیں، ایک قطعہ مجھے میں چنگ پر لکھا ہے، ذرا دیکھتا، دو دیکھتے میں کبھی
نہ کرے۔

ایک دن شل چنگ کھدی
لے کے دل سر دھو آلودگی
خود بخود کہہ ہم سے کہنا لگا
اس طرح گویا کہ سر کھانے لگا

جنسی دھر : اچھا! ارے! تو بتاؤ کس سے کھولا ہے؟

غائب : نہیں نہیں آیا تمہیں؟

جنسی دھر : نہیں؟ میرا ایمان ہے کہ یہ شعر تم نہیں کہہ سکتے۔ اس میں ضرور کوئی چال ہے۔

غالب : مجھے بھی ایسا ہی لگا ہے کہ میرے اندر کئی دل چھپے ہوئے ہیں کئی اور نیکر پوشیدہ ہیں ان میں سے ایک امیر زادے کا دل ہے جس سے اپنے خاندان کی جاہیں نہیں دیکھی جاتی، ایک شاعر کا دل ہے جو سب آئن پان، 'دوڑی'، 'عزت'، 'شہوت'، 'جاہ و جلال پر' لات مار کر من کی دنیا میں راج کرتا چاہتا ہے ایک نوجوان کا دل ہے جو پیش سے زندگی گزارتا چاہتا ہے شعلے، چنگ بادی، اچھے دوست، مشاعرے کی گھٹلیں بٹے ٹھیلے نورد و مرد۔

جنسی : یاد تھے سمجھتا ٹیڑھی کبیر ہے بھی تو شعلے میں چال بھی ٹیڑھی چلتا ہے۔
(غالب بٹے جاتے ہیں۔ جنسی دھر کوئی کتاب اٹھا لینا چاہتے ہیں کہ پس منظر سے گانے بجانے کی آواز ابھرتی ہے میرا میرا شخص مبارک بادی گا رہی ہیں)

بعدت غفلت شلالتہ مبارک باشد

جاوے شمع نہ پروانہ مبارک باشد

ساقیا شیشہ و پیانہ مبارک باشد

جو خلطہاں مستانہ مبارک باشد

جنسی دھراج ڈھمی کے دروازے تک آتے ہیں جہاں چوہدار کھڑا ہے۔

جنسی دھر : آج یہ گانا بجانا کیا ہے۔

چوہدار : تمہیں پتہ نہیں چھوٹے مرزا کی شادی دلی میں ہو گئی ہے۔

جنسی دھر : مرزا کی شادی؟

چوہدار : ترک بچوں میں ہی ۳۰-۳۳ سال کی عمر میں شادی کا دستور ہے۔

جنسی دھر : اچھا تو یہ گل کھلا رہے ہیں لود ہمیں پتہ بھی نہیں لڑکی کس خاندان کی ہے؟

چوہدار : انہی کے خاندان کے لوگ ہیں ریاست لودا کا نام سنا ہے اسی کے خواب امیر بخش کی بھیجی

اور خواب انہی بخش کی صابھڑاوی۔ میں تو جانوں مرزا بھی اب دلی ہی چاہئیں گے۔

جنسی : لود سب لوگ؟

چوہدار : لود سب لوگ بھی

جنسی : ایسا نہ کو بھیا ایسا نہ کو۔

(میراقلوں کی آواز پس منظر سے پھر ابھرتی ہے)

مشرق ہمارے خیال پڑا ہے خواب کیا آرام کیا

بی کا جان فھر رہا ہے صبح کیا یا شام کیا

ہائے جوانی کیا کیا کہنے شور سہول میں رکھتے تھے

اب کیا ہے وہ صدمہ کیا وہ موسم ہو ہجتم کیا

بلد میر سوار میں ہم تک روشیں شب سے نہیں آیا
شاید شہر سے ظالم کے عاشق وہ بدنام گیا

(دہرہ)

پہلا ایکٹ، دوسرا سین

دلی۔ گل قاسم جان کے قریب ایک چوراہہ، مئی سال بعد

(دشہ کا ابتدائی حصہ لوگ ایک طرف داستان گو کے گرو جمع ہیں اور لالٹوں کی روشنی میں داستان
جان کی جا رہی ہے۔)

داستان گو : جب شہر کے دروازے پر آیا ایک نعوا ملا نکل کو حشر سے توڑا اور گھسانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر
بٹکارا کہ اپنے غلوں کو جا کر کہو کہ بڑا جس جگہ مرگزار اور شہزادہ کا مگزار کو جو تمہارا والد ہے۔ پاسکے
پکارے لئے جاتا ہے۔ اگر مودی کا کچھ نشہ ہے تو باہر نکلو اور جگہ کو چھین لو۔ یہ نہ کہہو کہ چپ
چاپ لے گیا نہیں تو تھکے میں بیٹھے آرام کیا کہ۔ یہ خبر بادشاہ کو چل دی جا پہنچی وزیر اور میر بخش کو
حکم ہوا کہ ان تینوں بدولت مندوں کو پانچ کر لائو ان کے سرکٹ کر حضور میں پہنچاؤ۔ ایک دم کے
بعد فٹ فریج کا نمودار ہوا اور دشمن و آسمان گرد ہار ہو گیا۔ بڑا خان نے جگہ اور اس فقیر کو ایک در
میں ہل کے بارہ چلے اور بھن پور کے ہل کے برابر تھا کھڑا کیا۔

(چادس اور چوداد اور کچھ سپاہی آگے آگے دوڑتے جاتے ہیں۔) "ہلو بچو درہاش ہو شہاد فرنگی
ریڈیٹ نہت بیلور کی سواری آتی ہے۔" کی آوازیں پھر بھی کے گزرنے کی آواز جمع میں بے چینی اور
سرگوشیں۔

مولانا : صاحبو! غلطہ فرمایا آپ نے یہ مغلیہ شہزادے بار فرنگی ہو بیٹھے دی دودی، دی پشاک فرنگی
ریڈیٹ نہت کو ساتھ بٹھا کر بھیجی ہانک رہے ہیں جہان پاس رکھا ہے اور سائیں پیچھے کھڑا ہے۔ لوہار
کے خواب جس الدین خان اردلی ہیں۔ اے جہان لٹے تقویر تو اسے چرخ گردوں تقویر۔
داستان گو : تو صاحبو! بڑا خان نے جگہ کو اور اس فقیر کو۔

مولانا : بس میر صاحب داستان ہو چکی۔ اب اجازت ہو تو میں کچھ دین ایمان کی باتیں کروں۔ اے
ایمان والوں فرنگی نے جو غلطہ اٹھایا ہے اور اقلیم میں جو غضب ڈھایا ہے آپ حضرات نے اپنی
آنکھوں سے دیکھا ہم سمجھو کی آفری چراغ مل رہا ہے۔ پتہ نہیں کب بھڑک کر خاموش ہو جائے۔
دن رات نہ جاتے تھے ہندو مسلمان بے دین ہو رہے ہیں حد سے جا غلا ہیں ویران، دفتر آباد اور قلع
و فجور کا بازار گرم ہے۔ اب سنا ہوں قازی الدین حیدر کے مدرسے کو انگریزی کے مدرسے میں بدلا

جائے گا اور علم دین کی جگہ گت ہٹ سکھائی اور لارینی چلی جائے گی۔ ملک دیرین ہو رہا ہے دین چاہ اپنے پیچھے اور امیر تاجان یہ سب کہیں اس لئے کہ ہم اچھی راہ سے بھگ گئے ہیں ہم نے حق کے لئے جینا اور حق کے لئے مرنا چھوڑ دیا ہے جی چاہے تو مجھے وہابی کہہ کر فس لو صاحبو! یاد رکھو حساب کا وقت قریب ہے بہت قریب اور اس وقت اس سے بڑی سعادت کوئی نہ ہوگی کہ ہر مومن جتنے جتنے حق کے لئے اپنی جان جان آفریں کے پہرہ کرے۔

داستان گو : تو صاحبو! بھڑا خان نے ملک کو۔۔۔

مجمع سے ایک

آواز : مولانا! کیا دلی کالج میں عربی، فارسی اور علوم دینی کی تعلیم نہیں ہوتی جو آپ اس قدر خواہی

تفراسی تھا ہو رہے ہیں۔

ایک بزرگ : اہی حضرت! داستان کا سارا سوز کرکرا کر دیا۔ لاجل ولاقوہ

وہی آواز : کوئی دقتاوی بزرگ معلوم ہوتے ہیں انہیں تو یہ بھی پتا نہیں کہ فرید صاحب نے نواب خضر الدین خان کو بننے کی طرح تربیت کیا ہے۔

داستان گو : تو صاحبو! بھڑا خان نے ملک کو۔۔۔

مولانا : میں پھر کہتا ہوں جو فرنگیوں پر بھروسہ کرے گا نقصان پائے گا اس میں خسران عظیم ہے خسران عظیم!

بزرگ : اہی! لاجل ولاقوہ وہ گھڑی جی بسلانے وہ کمال چننے ہوئے کو آجاتے ہیں تو یہاں بھی اس شخص نے خسران عظیم و فیرہ کا تذکرہ لاجبہزا وہ اگلی جھٹتیں مٹ گئیں نہ میر پانے میں وہ لطف ہے نہ حواہد میں وہ سوز نہ میلے ٹھیلوں میں قالیوں میں وہ کیفیت اک ذری داستان سے جی بسلانے آئے تھے تو یہاں بھی خسران عظیم لاجل ولاقوہ اہی حضرت! آپ سے خاموش نہیں بیٹھا جاتا۔

(جنسی دھر مجمع کے پیچھے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں)

بزرگ : اب آپ بھی ہٹاؤ اللہ دعا فرمائیں گے۔

جنسی : قبل مجھے نواب اسد اللہ خان بیگ کا مکان پر پڑتا ہے۔

بزرگ : اہی یہ اسد اللہ بیگ کون ہوئے؟

داستان گو : جناب والا۔ مرزا اہی خلق معروف کے والد اسد اللہ کو پوچھ رہے ہیں۔ چلو بر خروار اگلی میں سیدھے ہاتھ جا کر اسے ہاتھ مڑانا وہیں سب پتا نکال معلوم ہو جائے گا۔

مولانا : تو جناب یہی راستہ پکڑ لیں سیدھے ڈیڑھی پر پہنچے گا۔

بزرگ : اہی حضرت کیا تنہا میں چڑے ہیں ٹھیک راہ چلی جا رہی ہے وہی اکبر آباد سے آئے ہیں اب تو ہٹاؤ اللہ شعر بھی کہنے لگے ہیں بیدل مرحوم کو گرد کر دیا۔ اللہ اکثر سنی والا بھول جاتے ہیں۔

دلی کے شرفاء کا دمِ نصیحت ہے کبھی کبھار دو چار شعرا کے بھی لے پڑ جاتے ہیں۔

(دلی کا لفظ آتے ہی یوسف مرزا سیاہ کفن پنے مشعل لئے نمودار ہوتے ہیں)

یوسف مرزا : ہاگن ہو چکے ہیں دلی مرگنی مرگنی دلی اب صرف میرا بھائی اسد اللہ دلی ہے تم سب باطل

ہو فائدہ سب کو دے گا سخی ہو کاندھی تصویر! دلی مرگنی۔

(چلتے چلتے مجمع کی طرف بڑھتے ہیں اور مشعل کو لومر اور تھممانے لگتے ہیں مجمع بھٹ جاتا ہے۔ البتہ

بھی اپنی جگہ سے جھنجھ نہیں کرتے)

یوسف : (مشعل کو ایک طرف پیٹیک کر جی دھر کر کندھوں سے پکڑ لیتے ہیں تم کون ہو؟ کاندھی

تصویروں میں ایک جیٹا ہاگن انسان۔

بھی : میرا نام ہے جی دھر۔

یوسف : تمہاری جی کس ہے پھر؟ برادرِ یہ دلی ہے دلی ہو ایک شر ہے عالم میں احتساب یہاں دنیا

رات کدہ چلیوں کا دھڑا ہوتا ہے سب ٹاپتے ہیں لال قلمہ بھی ٹاپتا ہے اس کے اندر بیٹھا ہوا عالم بٹا

بھی ٹاپتا ہے فرنگی فرنگ ٹاپتے ہیں کون بٹاتا ہے خاموش یہ ست پہلو، آؤ اب ہم تم بھی ناگیں۔

بھی : کون ہو تم؟

یوسف : میں ہوں دلی میں ہوں ہندوستان میں ہوں تاج محل بھی وہ مجھے یوسف مرزا بھی کہتے تھے۔

بھی : یوسف مرزا (لگے سے لپٹا لیتے ہیں)

یوسف : اکبر آباد سے جو یہاں کیا لٹ گیا بابا۔ اکبر کا خاندان لالہ خداوند خاں میر لٹا اب یہ مجھے اور

میرے بھائی اسد اللہ کو رہے ہیں مجھے بچاؤ دانتے میں چوہدار داخل ہوتا ہے)

چوہدار : چھوٹے مرزا گر چلئے۔ آپ کو لپٹے آئے ہیں۔

یوسف : چلو۔ (چلے جاتے ہیں)

بھی : (چوہدار سے) مجھے بچاؤ۔

چوہدار : بچاؤ کیوں نہیں مافکر صاحب، خانہ زادو دلی نصرت کو نہیں بھولتے آپ اکبر آباد سے کب آئے

چلے گر چلئے۔

بھی : اسد اللہ کہاں ہیں۔

چوہدار : لمبی کمانی ہے سب تانڈیں لگ۔ دھیر دلت گئی انگریزی عملداری ہے دلی کی حالت خراب ہے

اندھیر ہو رہا ہے۔

بھی : میں اس طرح گھر نہیں جانے کا مجھے پتا یہ سب کیا ظلم ہے اسد اللہ کو کیا ہوا ہے۔

چوہدار : کیا عرض کروں بھدہ پرور دلی اس خاندان کو راس نہ آئی پورا خاندان چابی میں آگیا انسان کیا

سوچتا ہے اور کیا ہوتا ہے سوچا تو یہ تھا کہ چھوٹے مرزا مرزا نوشہ بن کر رسالہ داری اور کھیدانی پائیں

: مگر ہوا کیا بدلے میں کہ۔ مرزا انوش فیض سے تو ہیں۔

جنگ کے مہینوں کو ملا کر پھر ہم ہوا فضا پانچ ہزار ملے اور اس میں کئی اور شریک ہوں۔ پھر ایک

جھوٹے بھائی کی شادی ہوئی مگر شک و گھٹنا نصیب نہ ہوا اسے درے مصیبت، جھیلنے جھیلنے کا، ہو سکے۔



کے ساتھ مشورہ کرنا ہے۔ اگر کسی کو

10

فرہستہ ہو گئے ہیں اب دلجو دوپہر رات گئی ابھی گمراہی میں تھیں پہنچے ہیں سو بیگم کیا کیا عزلی ہیں۔



اور سنا یہی کیا سنا اچھے۔ جسے آپ سزا پختہ کر لیں ہے اور سنا ہوں ایک آدمی یہی ہے

اسو روٹی ہیں۔ پتہ نہیں کہاں ہوں گے کس حال میں ہوں گے؟ (اسی اثنا میں مرزا غلام کا ہواوار

میں سمجھتا رہے ہیں۔

کسی کو دے کے دل کوئی نواسیم نکالیں گی۔

—U—



سید پروردگار کے بھائی بنی مادہ بنیہ دی مائی

جیسی دھرمی لٹ گئی اب یہاں مرزا نوشہ کا کلام سمجھنے والا کوئی نہیں کہی یہاں عرفی نظیری اور بے دل کے قدردان موجود تھے۔ آج بڑے بڑے 'خمن صبح' خمن فہم طرود و دستار والے کہتے ہیں مرزا نوشہ مہمل بکنا ہے کس کے دل میں اپنا دل ڈالوں کہ میری دھڑکنوں کو کچھ میرے لفظوں کی تہ تک پہنچے میرے طون جگر کی تراوش پائے قلم معلیٰ کے مشاعرے میں جاتا ہوں لوگ حہ تکتے ہیں دھننے کو لڑکی پندری اور اسلوب کی تہ داری سے آسمان کا تارہ بنا کر دکھاتا ہوں اور دلو پاتا ہوں تو کس سے جہاں پتہ سے نہیں ذوق اور مومن سے نہیں قلم کی اس صورت سے جو میرے دھنوں کو شکلاتی بنے اور اپنی انمول دہلی آواز سے ہلادان بنا دیتی ہے من چار رہتے من۔

کسی کو دے کے دل کوئی نواسیح نکال کیوں ہو

نہ ہو جب دل ہی بیٹے میں تو پھر منہ میں ڈال کیوں ہو

(جیسی دھرمی دھڑکتے رہتے ہیں اور غالب کو بغور دیکھتے رہتے ہیں)

غالب : چلو گھر چلیں تم ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھو گے میری جان انہیں سمجھنے کے لئے ہجر کا کلیجہ درکار ہے آؤ ہوادار ہے ہوادار میں بیٹھ جاتے۔

(گھر ہوادار اٹھا کر چلے جاتے ہیں)

————— پہن کر آئے —————

دوسرا ایکٹ 'پہلا سین

(دھرمی حکیم کی حویلی مظہر طرزی کی ہوئی جالی کے ایک طرف ایک نو جوان لڑکی ستار جھیر رہی ہے دوسرے طرف ماں نوادہ سے باتیں کرنے میں مصروف ہے)

نوادہ : میں کہتا ہوں اب اٹھا ہو یہی بات گھر سے نکلی کو انھوں چڑھی 'شر میں بدنامی ہو رہی ہے بچے بچے کی زبان پر قصاری بیٹی اور مرزا نوشہ کے قصے ہیں توبہ توبہ اب میری بات مانو تو اس کے ہاتھ پہلے کر دو۔

ماں : کیا کہوں بیٹن کچھ بس نہیں چتا تم جانو پہلی آنکھ کا دیدہ ایک ہی تو بیٹی ہے اس کا دل بھی نہیں توڑا جاتا اتنی بیٹی ہو گئی میں نے کبھی اس کا پی ملایا کیا ہو۔

نوادہ : ہر گھر میں ایسے قصے ہو جاتے ہیں بس آخر بزرگ کس دن کے لئے ہوتے ہیں 'بیٹی نا سمجھ ہے جوانی دیوانی ہوتی ہے ذرا جھڑکنا چاہئے گا تب ٹھیک ہو جائے گی۔

ماں : اور جو میری چاندی بیٹی کو کچھ ہو گیا۔

نوادہ : بسن کی باتیں ارے شادی یاد کے بعد انہوں میں لگ جائے گی۔ یاد میں رہے گا جسے کوئی مرزا نوشہ بھی اپنی آنکھوں کے سامنے ہزاروں نہیں تو سنگھوں اس قسم کے قصے دیکھ لئے۔

ماں : تم میری دنیا کو نہیں جانتے تھو۔ وہ بڑی ٹیلی ہے چاند کے لئے بھی چلے گی تو لے کر چھوڑے گی
یا جان کھو دے گی۔

نوادرد : بالک ہٹ ہے مگر ہٹ کے آگے بار گئیں تو سر پکڑ کر دوڑ گی بچی ہاتھ سے نکل جائے گی۔

ماں : میری کچھ کچھ میں نہیں آتک۔

نوادرد : میرا کیا مالو یہ وہ توڑے سونے کے رکھ لو۔ بڑی قسمت والی ہو کو توکل کی نظروں میں ایسی بچی
ہے کہ نہ پچھو۔ بولو منظور ہے تم ایک ذرا حالی بھرا لو بچی میں طو نہٹ لوں گا شام ہوتے ہوتے منگنی
کا ہوا آجائے گا۔

ماں : میں ایسی جلدی کیسے حالی بھرا لوں۔

(لڑکی بھری ہوئی جالی کی وہ سرخی طرف آتی ہے)

لڑکی : اماں ان سے کئے یہاں سے چلے جائیں۔

ماں : بچی تیرے پاسوں میں ایسا نہیں کہتے۔

لڑکی : میں کوئی کار چوب کی گھڑا نہیں ہوں کہ وہ توڑے سونے میں بک جانوں گی یہ کون ہیں میرا مول
لگانے والے۔

نوادرد : میں کچھ نہیں کہوں گا بڑھاپے نے بھی بڑائی سے قول نہیں ہارا۔ فیسے میں ہو خوش صفا ہو
جائے تو ذرا معاملے پر غور کرنا۔ میں تھوڑی دیر میں پھر آجائوں گا۔

لڑکی : مجھے نہیں سوچنا، آپ کے تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔

نوادرد : بچی ڈانٹاں ہو۔ میں ان باتوں کا برا نہیں مانا سوچنے سے کبھی کسی کا کچھ نہیں بکڑا (چلا جاتا ہے)

لڑکی : (ماں سے) یہ آپ کیا کچھڑی پکایا کرتی ہیں اماں ہر وقت شادی ہر وقت منگنی چاہیے میں آپ سے
نہیں بدلتی

ماں : بوڑھی ہو گئی ہوں سنبھالے پن میں بھول ہو جاتی ہے تو کچھ خیال مت کیا کہ

لڑکی : بہت بڑی بھول ہے، اماں تم نے سوچا یہ بات انہیں معلوم ہو گئی تو ان کا دل نکلے نکلے ہو
جائے گا شاعر کا دل ہے اماں صدیوں میں ایسا انمول دل کسی کو ملتا ہے دولت نہیں حکومت نہیں
مستاعمرے کی دوا دوا تک نہیں شیشے سے زیادہ نازک بھرے سے زیادہ انمول دل کو تم چاہتی ہو میں بھی
نکلے نکلے کر ڈالوں۔

(جنس دھرا داخل ہوتے ہیں کھٹکھٹاتے ہیں)

جنس : اس طرح بے اطلاع چلا آیا معاف کیجئے گا۔ مجھے آپ سے وہ باتیں کہنی ہیں میرا نام ہے جنس
دھرا کبیر آباد سے آیا ہوں، مرزا نوشہ کا بچپن کا دوست ہوں۔

لڑکی : فرمائیے (ماں اٹھ کر چلی جاتی ہے) مرزا صاحب نے کوئی پیغام بھیجا ہے کیا کہا ہے انہوں نے

کیسے ہیں وہ آپ کیوں نہ چلے آئے۔

آتے ہوں گے۔

: تحریف رکھئے۔

: بن 'مرزا کا بچپن کا دوست ہوں طریقہ کھیلنے میں راتیں سیاہ کی ہیں باہم قہے کہانیاں کہی اور سنی

ہیں چٹکیں لڑائی اور پانچواں جیتی اور باری ہیں اس غائبان کو اپنی آنکھوں سے پال ہوئے دیکھا ہے۔

: میں کچھ نہیں کہی!

: آپ کو ایک نظر دیکھا تو مرزائے حسن نظر کی داد دی۔ مرزا نوشہ نے جان بچھاور کر دی تو کیا

تعب کوئی اور ہوتا تو کسی جانیں بچھاور کر ڈالت۔ مجھے یہ بھی بھروسہ ہوا کہ اس نورانی بیکر میں ایسا ہی

ٹازک اور درد مند دل بھی ہو گا جو درد منوں کے درد سے تڑپ اٹھتا ہو گا۔

: میں کچھ نہیں کہی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

: میں نہیں مانا شرمیں جو مرزا نوشہ کے شعر لکھنے والی ہو 'وہ اتنی سیدھی سادہ بات نہ کہے۔

: خدا را پسیلیاں نہ پورکئے۔

: لے دے کے اس گھرانے کے پاس تھوڑی سی آن بان بچی ہے آپ چاہیں تو یہ آن بان قائم رہ

جاسکے۔

: میں چاہوں؟ میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے بھائی صاحب دنیا میری مرضی پر چلتی ہے تو مرزا کا نام

آفتاب و اجتاب کی طرح رات دن عالم پر چمکتا اُمیں اپنے کلام کی داغ بقی میرے بس میں تو کچھ بھی

نہیں۔

: میں آپ ہی سے کچھ مانگنے آیا ہوں۔ آپ اس گھرانے کی تہذیب چاہتی ہیں۔ آپ نے مرزا نوشہ

کا دل دیکھا۔ مگر اس گھر کی خوشی اس غائبان کی آمد و آمد کی خیال نہیں کیا مرزا نوشہ نے اپنا سب

کچھ آپ پر وار دیا۔ مگر آپ نے کبھی یہ بھی سوچا کہ کوئی اور عورت آپ ہی کی طرح ٹازک آپ ہی

کی طرح درد مند عورت اپنا سب کچھ مرزا پر وار بھی ہے 'اور اس کے محلے میں اسے وہ پیار بھی نہیں

ملتا جو خوش قسمتی سے آپ کو مل گیا۔

: میں بھی انسان ہوں میرے سینے میں بھی دل ہے مگر نہیں ہے بھائی صاحب۔

: میں نے سنا قہمت قربانی دینے سے قربانی لیتی نہیں۔

: آپ نے فلا سنا قہا بالکل فلا سنا قہا۔ عورت بھی انسان ہوتی ہے ہم گانے والیاں بھی انسان کا

دل رکھتی ہیں۔

: آپ ٹھیک فرمائی ہیں سو نیکی بھی عورت ہیں نور ان کا دل بھی انسان کا دل ہے۔

: میں کچھ نہیں جانتی میں نے صرف اتنا سوچا تھا کہ درد سے چور شاعر کے دل کو اپنے پیار سے بھر

بنی

لڑکی

بنی

لڑکی

بنی

لڑکی

بنی

لڑکی

بنی

لڑکی

بنی

لڑکی

بنی

لڑکی

بنی

لڑکی

ہوں پھر دل سوچا سمجھا کہاں ملتا ہے اس کی تو اپنی ذکر ہے اپنی راہ ہے۔

جنسی : اورا سوچئے ایک گھر چاہ ہو جائے گا آپ پسند کریں گی کہ یہ چاہی آپ کے نام نکلی جائے ایک نامور گھر تاراج ہو جائے اور اس چاہی کی لیٹوں میں ایک عورت کا دل اس کا ساگ ہی میں ایک شاعر کا مستقبل بھی جل جائے گا۔

لڑکی : یہ سب آپ مجھ سے کیوں کہتے ہیں جائے اپنے دوست کو سمجھا ہے۔

جنسی : وہ نہیں سمجھ سکے گا اسی لئے آپ کو زہت دینے حاضر ہوا ہوں اورا سوچئے پورے خاندان کا دار و مدار مرزا نوشہ پر ہے مرزا ہوتی دہائی کی تذو ہو گئے تو یہ باعزت خاندان بھیک مانگے گا۔ سرکار انگریزی میں پٹن کے کاغذات چٹن ہیں وہاں اس قفسے کو سن گن پہلی تو سرکار بھی سوچے گی کہ پٹن اللہ تفلوں میں اڑائی جاتی ہے۔

لڑکی : میں آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے عطا چھوڑ دیجئے خدا کے لئے مجھے عطا چھوڑ دیجئے وہ انہ دار بھانگی ہوئی جالی کے دوسری طرف چلی جاتی ہیں جنسی دھر بھاری قدموں سے دھنک جاتے ہیں۔
اسٹیج پر جالی کے دوسری طرف لڑکی ستار بھیر رہی ہے پس منظر سے آواز ابھرتی ہے۔

دیسے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم خن کوئی نہ ہو اور ہم ذہن کوئی نہ ہو
ہے دو دوچار سا ایک گھر بنایا چاہئے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسہاں کوئی نہ ہو
چہیے مگر چار تو کسی نہ ہو تار دار
اور اگر مر چاہئے تو نوہ طواں کوئی نہ ہو

ابن آتی ہے اور لڑکی کو مخاطب کرتی ہے

جنسی اب ستار رکھ دو چلو کھانا کھا لیں

ابن :

پاں چنی ڈر نہیں!!

لڑکی : ابن میں نے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔

جنسی :

لڑکی : ماموں ٹھیک کہتے تھے انہیں بلاؤ ان سے کسو متعلق کا جزا لائیں میری ایک بات مانو گی ابن؟

کسو :

لڑکی : مجھے دلسن ہا دو' مجھے شادی کا جزا ہوتا دو' میرے ہاتھ چوڑیوں سے بھر دو' میری بانک میں افغان چن دو' آج سے میں ہی زندگی شروع کروں گی چلو اب چلو (ابن کو تھپکتی ہوئی لے جاتی ہے)

ماں : پاگل ہوئی ہے لڑکی ذرا دم لے (دونوں چلی جاتی ہیں)
 (غالب داخل ہوتے ہیں لوسرا اصرار دیکھتے ہیں)
 غالب : ارے بھئی سب کہاں چلے گئے کچھ گفتگو نہ تھے ہیں
 ماں : (دوٹی چٹائی داخل ہوتی ہے) ارے لوگوں میں لٹ گئی ارے لوگو میری بیٹی ارے کوئی کتہہ میری
 چاند سے بیٹا کو کیا ہوا ہائے میں کیا کہوں۔ کہاں جاؤ۔ میرے کی انگوٹھی میں زہر چھپا رکھا تھا زہر کھا لیا
 میری بیٹا نے ہائے میں کیا کہوں (غالب دیوانہ وار اندر بھاگتے ہیں اور گود میں بھر کر لاتے ہیں عالم
 سگرات میں ہے ایک نظر دیکھتی ہے ان کی گود میں دم توڑ رہی ہے دلس کے کپڑے پٹے ہوئے ہے)
 (بیس منظر سے غزل اداش لٹنے کے ساتھ ابھرتی ہے)

شرم رسوائی سے جا بھجنا تھپ خاک میں
 قسم ہے الفت کی تھہر پر پردہ داری ہائے ہائے
 گل فطانی ہائے ناز جلوہ گر کیا ہو گیا
 خاک پر ہوئی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے
 عشق نے بکڑا نہ تھا غالب ابھی دھشت کا رنگ
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ فوق غماری ہائے ہائے
 ————— پرہیزگر ہے —————

دوسرا ایکٹ، دوسرا سین

دلی میں سال بعد
 (پردہ اٹھتا ہے غالب دیوان خانے میں مسمری پر نیم دراز ہیں جیسے غم و اندوہ سے بے حال ہو گئے ہیں)
 اچانک یوسف مرزا سرہانے جا پہنچتے ہیں۔
 یوسف مرزا : جہاں آبد کا شاعر اعظم نظیری عربی اور خاقانی کا مقابل اسد اللہ خاں غالب سرکاری جونی
 ہاتھ دوپے ہے کوئی لیٹے والا ہاتھ دوپے ایک ہاتھ دوپے دو
 غالب : (شہل کراٹھ بیٹھتے ہیں) یوسف مرزا تم کب آئے آؤ بیٹھو۔
 یوسف : بہت تکلیف ہے کیا؟ سب جانتا ہوں جو جانتا ہے وہ بدلتا نہیں جو بدلتا ہے وہ جانتا نہیں۔
 غالب : تکلیف کبھی تکلیف؟ (بیس منظر سے کسی فقیر کی درد مند آواز غزل پھیلتی ہے)
 دلی ہی تو ہے نہ سنگ و غشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
 دوائیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

دو فیص حرم فیص دو فیص آستان ہیں
پہلے ہیں وہ گزر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کہیں
قد حیات و بند فم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے کوئی فم سے نہات پائے کہیں

چوہدار : کیا پھولے میرا لورہ آئے ہیں۔

غالب : میاں 'ڈرا دیکھنا' یہ کون ہے جو غزل گاتا ہے ' اسے اک ذرا بلا لو۔

چوہدار : غوثا فقیر ہے اکڑا لورہ سے گزرتا ہے۔

غالب : جاؤ بلا لاؤ۔

فقیر : غزل گاتا ہوا داخل ہوتا ہے۔

موت سے پہلے کوئی فم سے نہات پائے کہیں

غالب خشت کہ بغیر کون سے کام بند ہیں

دوہے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کہیں؟

(غالب صندوق سے کچھ نکال کر دیتا چاہتا ہے صندوق خالی ہے)

غالب : ارے کوئی ہے ہاں کچھ دے دو۔

چوہدار : بہتر۔

فقیر :

اقبال بلند دولت زیادہ (فقیر چلا جاتا ہے)

دل ہی تو ہے نہ تنگ و غشت درد سے بھرت آئے کہیں۔

غالب : اقبال بلند دولت زیادہ ' خوب اقبال آج بلند کہ بیکاری غزلیں گانگیں اور علماء فضلاء احرار اور

پادشاہ قدر انفرادی سے باز رہیں ' رہی دولت تو اس کا یہ حال کہ ساری دنیا کا قرضدار ستر اواس درباری

مل۔ خوب چند بھین سب تھسک مری لے کر چائیں۔ ایک دن قرضخواہوں کا ہاتھ ہے اور یہ

گردن انہماں موت ہے یا بھیک مانگنا۔ کسی دکان سے دھکدارے گئے اور کسی دروازے سے کوڑی جھ۔

مل گیا اور ان کو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ تجھے ہو گا۔ (ماہانگ ٹوٹ گئی سے چوکتے ہیں) ہیکم! تم

وہ ان خانے میں؟

ہیکم : مجھے کچھ بات کرنی تھی۔

غالب : کہو۔

ہیکم : اس طرح کب تک کام چلے گا کہ میں طرح کے لئے بھٹی کوڑی نہیں۔

غالب : مجھے معلوم ہے!

یگم : پھر اس کا کچھ انتظام؟

غالب : مجھوری!

: تو پھر اس امیر لامرائی کو سلام کہئے کہ ان ہاں فتم کہئے آخر اس طرح کب تک گزر ہوگی۔

غالب : جانتا ہوں اس لئے تو چٹن کی داگزاری کے لئے ہاں کھپائی نکلتے کا سفر کیا۔ کبھی کو درخواست کی ملکہ مصلحہ سے اٹھلی کی کس کس رو کی خاک چھائی سرکاروں و دیاروں میں صدائنگالی مگر نتیجہ کچھ نہیں۔

یگم : آخر کام کیسے چلے گا۔ قرضہ اور سود جدا جدا چاہدار 'ڈکرائی' 'بے سٹ مرزا' کی دوا دارو 'کھانا پینا' مکان کا کرایہ۔ آخر یہ سب کہاں سے آئے گا۔

غالب : کہاں سے گنجائش نکالوں؟ سنو۔ صبح کی حمیدہ موقوف رات کی شراب ملک موقوف 'پاشت' کا گوشہ آدھا۔

یگم : اس طرح بیٹ کٹ کر کیا مل جائے گا۔

غالب : جو ملے قسمت ہے آگے اللہ مالک ہے۔

یگم : خدا جائے میری قسمت کا کچھ جین کہاں چلا گیا ہے۔ اس گھر میں نہ اچھا کھانے کو نہ اچھا پہنے کو 'اولاد کا کچھ جین' نہ دل کو اطمینان۔

غالب : میں جس عالم میں ہوں وہاں تمام عالم بلکہ دونوں عالم کا پتہ نہیں یہ دنیا نہیں سراب ہے مسقی نہیں چار ہے۔ مجھ سے وہ نہ مانگو میرے بس میں نہیں تھاری یہ دنیا اتنی وسعت بھی نہیں رکھتی کہ ایک آدمی بھر کر بازو بچھلا کر بے تابہ تاج نکھے۔ میرے فتم پتھر پڑیں تو اس کی رگوں سے خون کی ندیاں جاری ہو جائیں جاؤ بس اب جاؤ (یگم چلی جاتی ہے) میں نے تو دنیا سے اقبال دولت جاؤ و شست کچھ نہیں چاہا کچھ نہیں مانگا صرف اتنی سلت چاہی کہ جی کی بات کہہ سکوں۔ وہ بھی میر نہ ہوئی کون اس عذری کو کہجے گا کون اس بے بسی کو جانے گا۔

(میر کاظم علی داخل ہوتے ہیں اور شروع ہی سے بے ملاحظہ گفتگو کرنے لگتے ہیں)

کاظم : غلام کاظم علی کو رٹن تھالانا ہے مرزا صاحب 'نصیب دشمن' مزاج تو بخیر ہیں کہ حضور یم وراز ہیں۔؟

غالب : آؤ کیسے آنا ہوا۔

کاظم : غلام کا کیا آنا۔ حضور کو سلام کرتے کبھی کبھار چلا آتا ہوں اور چائیں بھی کھاں۔ اب تو دی میں وہ اندھیر گردی ہے کہ خدا کی پناہ اپنی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں مرزا صاحب کہ قدم قدم پر جاسوس ہیں فرنگیوں کے جاسوس 'مردہ کے جاسوس اور خدا معلوم کہاں کہاں کے جاسوس پھر دہلیوں نے نذر کا رکھا ہے ذرا ملاحظہ فرمائیے حکیم مومن خان جیسا دندہ مفا جہاد کی باتیں کرنے لگا۔ آپ سے بھی کیا

چوری ہے مرزا صاحب قبلہ میں نے یہاں تک سنا ہے کہ دہلیوں سے فرنگی حکومت تک پہنچا ہے۔
غیر غصہ کہیں بہادر کو پہچان لگا ہے کہ یہ لوگ انگریزوں کے خلاف بھی جہاد کرنے والے ہیں حکم ہوا
ہے کہ ان پر نگاہ رکھی جائے۔

: باتیں کرتے کرتے کبھی کبھی دم بھی لے لیا کرو۔

: آپ تو ہاتھ کو شرمندہ کرتے ہیں مرزا صاحب! آپ نے بھی دنیا جہان کی کتابوں کی سیر کی ہے
واللہ ہاتھ کھینے کا کبھی کسی مقام پر والیہ سلطنت کو پھانسی دی گئی ہے۔ فرمانروا قید ہونے لڑائی میں
مارے گئے مگر صاحب والیان ریاست کو پھانسی پر لٹکتے کبھی نہ سنا خدا لگتی کھینے کا میری سنی نہ کے گا
نواب محسن الدین خان تو آپ کے سامنے ہونے ہائے کیا جوان مارا گیا کشمیر دودا نے پر غفلت
کے حکوم نے والیہ ریاست کو پھانسی پر چڑھتے دیکھا آپ سے تعلقات لاکھ خراب تھے مگر اپنا خون تھا
آپ کے دل پر کیا سانپ نہ لوٹا ہوگا۔

: رہے نام اللہ کا

: آپ کے دل کا حال کیا میں نہیں جانتا مگر کیا کہیں حاکم دوست ہے! آپ ولیم فریڈر صاحب
ریفرنس ٹیٹ کے بھی شناسا اور نواب صاحب کے بیٹھتی مگر صاحب ایمان کی تو یہ ہے کہ جان تو ایک بار
جائی ہے امت مراد تھی کہ فریڈر صاحب کو تو معاف کیجئے گا کتنے کی موت سوا دیا نواب نے میں نے
تو سنا ہے مرزا صاحب کو جب پھانسی کے بعد لاش کو اندر کر مریدوں کے سپرد کیا جائے لگا تو مراد جسم
خود بخود قبلہ رو ہو گیا! اور جسم پر قابو ہو گئی ایمان کی تو یہ ہے کہ شہادت کا رعب پلایا آج بھی لوگ
چوری چھپے قلب صاحب میں نواب کے مزار پر پھولوں کی چادر چڑھاتے ہیں دلی اردو اخبار اور صلیق
الاخبار میں خبر غلط فرماتی آپ نے۔

: اسے بھی تم کس جہان کی باتیں کرتے ہو یہاں اپنے نیڑے نہیں نیڑتی مجھے اپنی حالت کی خبر
نہیں دموذ صحت سے کیسے اٹھتی پڑیں۔

: قبلہ آپ کو کس چیز کی کمی ہے اب تو خیر سے دلی کالج کھل گیا ہے مفتی صدر الدین آذرہ آپ
کے معزوف! مولانا صہبائی آپ کے نیاز مند دلی کالج کا تو میساج کھل جائے ہو آپ ایسا استاد ہمسر
آجائے۔ مرزا صاحب! سچ عرض کرتا ہوں اپنے محلے کا لوٹنا اذکار اللہ دلی کالج جا پہنچا! بخدا ایسی باتیں
کرتا ہے کہ محل دنگ رہ جائے اور پھر وہ اپنے سیدھے کرب بیٹس (سائنس) کے لڑکیا ہا ہے اس
کے دکھانا ہے کہ تو بہ کتنا تھان زمین کو ممتی ہے اور آسمان ساکن ہے گویا سارا علم نجوم ہی باطل ہو گیا۔
: اپنی کو کہیں گزر رہی ہے۔

: کہہ نہ پوچھتے مرزا صاحب قبلہ! بھلا حال ہے اہل وحدہ! تو آپ جانتے ہیں امیر زادوں کے ساتھ
بندھا ہوا اترا ہے کچھ سیر تفریح کچھ میٹھ و نشاط کا چہ چاہتا بندہ درگاہ کے بھی کچھ ہاتھ لگ جاتا۔ اور

غالب
کاظم

غالب
کاظم

غالب

کاظم

غالب
کاظم

اس کم بخت شر کو قتل نے وہ ناک میں حیر پٹایا ہے کہ توبہ بھلی۔ شرعاً دہلی کو وہ ہار پانے چھینکا اور وہ چار ہڈی لگتا تک حال ہو گیا ہے پھر اپنی بی کیاں؟
: حسین اس کا دو بار میں کیا مل جاتا ہے؟
: ہم بھی کچھ گودوں میں ہیں حضور ولا! مگر اصل حصہ تو اس کا ہے جس کے گھر پڑھے اسی کی چاندی ہے آپ کا محلہ ماشاء اللہ کو قتل کی نظموں سے بچا ہوا ہے اگر یہاں کوئی ٹھکانہ مل جائے تو بکری بن جائے۔

غالب
کاظم

(چویدار سرکاری لفافہ لا کر دیتا ہے) غالب پڑھتے ہیں قصور میں آواز ابھرتی ہے
ہر گاہ تمہارے قرض خواہان نے تمہارے خلاف قرض کی ٹیوننگی اور ہم ادائیگی کی بناء پر اصل اور سود واجب الادا رقم کی ڈکری حاصل کر لی ہے لہذا تم کو مطلع کیا جاتا ہے کہ تم مسی احمد اللہ بیک خاں ولد عبداللہ بیک خان قوم ترک ساکن املاہ لالے خان رقم تذکرہ کی ادائیگی کا فوراً انتظام کرو ورنہ تمہارے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاوے گی۔
”معلوم احمد اللہ بیک ولد عبداللہ بیک حاضر ہے۔“
(یہ آواز دور تک گونجتی چلی جاتی ہے)

: کاظم علی اس کا انتظام ہو جائے گا پڑھو اسے ہاں بھئی گھر ہو گی۔
: (حیرت اور سرت ہے) مرزا صاحب!
: ہاں کاظم علی اگر مشیت یہی چاہتی ہے تو یہی سہی میں نے زندگی سے صرف فرصت دو لیس کا سودا کیا تھا۔ اب اس کے لئے تنگ دنا موس کو بھی داؤ پر لگانا پڑے تو مجھے منظور ہے۔
: میرزا صاحب بس آگے بس کام میرا ہے۔ آپ کے سارے قرضے بے باقی ہو گئے بس چاندی ہے چاندی تین شام تک پائس پلٹ جائے گا میں ابھی سب انتظام کئے لیتا ہوں (چلا جاتا ہے)

غالب
کاظم

: (داخل ہوتا ہے) کھانا تیار ہے (مولانا حلی داخل ہوتے ہیں)
: ہاں بھئی گھوا دو آجئے مولانا الطاف حسین بہت دنوں بعد گزر ہوا۔
: کو اب بھالانا ہوں۔ تو اب مصطفیٰ خاں شیخہ اور مرثیہ آئے مجھ سے لڑایا تو پہلے بیچ جانا۔
: آتے ہوں گے اور کوئی ہمراہ رہا ہو گا۔

چویدار
غالب
حالی

: جی ہاں صدور الصدور مولانا صدور الدین آذرود اور مولانا فضل حق۔
: تو یوں کہو کہ دلی کی دلی پہلی آتی ہے (چویدار کھانا لگاتا ہے کھانے میں صرف شامی کباب ہیں مولانا حلی کھیاں جھیلے جاتے ہیں مرزا کھانا کھاتے جاتے ہیں۔)

غالب
غالب

: اگر برتنوں کی کثرت پر خیال کیجئے تو میرا دسترخوان بڑی کا دسترخوان معلوم ہوتا ہے اور جو کھانے کی تعداد کو دیکھئے تو باریک کا..... مولانا الطاف حسین صاحب آپ باحق تکلیف فرماتے ہیں میں ان

غالب

کیا ہوں میں سے آپ کو کچھ نہ دلاں گا۔

: ہمیں قبلہ میں تو خدمت کی سعادت ———

حالی
غالب

: میں لو ایک قصہ سنو، نواب عبدالعزیز خان کے دستخطوں پر خاص ان کے لئے ایک چیز
آئی تھی ایک روز صوفیہ کا تھا۔ وہی ان کے سامنے لگایا گیا مصافحوں میں ایک ٹوم بہت مزہ لگا ہوا
تھا نواب صاحب کھانا کھاتے جاتے تھے اور اس کو کھانا دینے کے لئے خالی رکابی بار بار مانگتے جاتے تھے
وہ مصاحب نواب کے آگے دوہاں پلانے لگا اور کہا "حضور اور رکابی کیا کیجئے گا اب یہی خالی ہوئی جاتی
ہے نواب یہ فقروں کی چیز ہے۔" گھر سے لور دی رکابی اس کی طرف سرکاری۔

حالی
غالب

: حضرت جی تو آپ کا بھی لگا رہا ہو گا کیا ہوں پر مگر کیا کروں۔ غدر کرنے سے معذور ہوں۔
: مرزا صاحب قبلہ میں تو ابھی کھانا کھا کر آ رہا ہوں۔

: نہیں بھائی میرے ہاں کے کیا ہوں کی لذت کچھ اور ہے میرے یہاں پر ہر سال میں چنے کی دال
لے گی 'چنے کی لذت کو کوئی نہیں پہنچتا وہ لطیف ہے آپ نے۔
: چنے کے بارے میں۔

حالی
غالب

: جی ہاں ابھی دوسرا برگون راوی سنتے ہیں کہ چنے نے دہرا خداوندی میں ایک دفعہ فریاد کی کہ
دنیا میں مجھ پر بڑے غم ہوتے ہیں مجھے دلتے ہیں پیتے ہیں بھوتے ہیں 'نکاتے ہیں اور مجھ سے ہتھکڑوں
کھانے کی چیزیں بنا کر کھاتے ہیں جیسا مجھ پر غم ہوا ہے ایسا کسی پر نہیں ہوا وہاں سے غم ہوا کہ
اے چنے! میری خیر اسی میں ہے کہ ہمارے سامنے سے چلا جاوے ہمارا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ تجھے کھا
جائیں۔

: سبحان اللہ مرزا صاحب اس لطیفہ میں تو آپ کی جودت طبع کے آثار ہیں۔

: میں چپ رہوں کہاں کی جودت اور کہاں کا حسن طبیعت سب کہنے کی باتیں ہیں۔

: اس وقت آپ کی طبیعت موندوں ہے لطیفہ پر لطیفہ یاد آ رہا ہے۔

: ہاں بھئی رکھی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور میں نے ایک اور جگہ لکھا ہے۔

دیکھ سے خاک ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج

مشغلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آسمان ہو گئیں

جب دہر غم رگوں میں سرائت کر جاتا ہے تو لہلوں پر مسکراہٹ ہی کر بھٹ پڑتا ہے۔

(میلہ) آرزو اور فضل حق آتے ہیں اور آداب عبالا کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتے ہیں)

: آئیے آئیے صاحب! آج تو بقیہ شاعر میں خاندان تمام آداب ست 'نواب صاحب' مولانا حالی کب
سے آپ کے شعر بیٹھے ہیں۔

غالب

شینہ : جی ہاں میں اپنے تاکہ شعرا میں الہما رہا۔ ایک صاحب نے بعض شعرا کے حالات قلم بند کئے تھے انہی کی تحقیق و تدوین میں تاخیر ہوئی انہی کے ہاں وہ تعزیریں تاک غیر معلوم ہوئی۔

غالب : کیا؟

آزاد : کہ آپ کے قرض خواہوں نے اپنے قرضوں کی وکری حاصل کر لی ہے۔

غالب : جی ہاں!

شینہ : آپ کے اسباب کے لئے بلکہ پردے جہاں آباد کے لئے باعث تک ہے کہ ہمارے ور کا نظیری و غافانی پر یہ حادثہ گزرے۔

غالب : اور فردوسی کو بھولتے ہیں آپ۔ اسے اپنی ہجر کاوی کا صلہ موت کے بعد ملا تھا۔ کیا تعجب ہو میرا بھی یہی مشر ہو میں نے تو اپنے کو اپنا غیر قصور کر لیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچا ہے کتا ہوں تو غالب کے ایک اور بھتی گئی بہت اترتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور قاری دہن ہوں آج دور دور تک میرا ہر آپ ہمیں اب تو قرضہ اداوں کو جواب دے ایک قرض خواہ کا گریباں میں ہاتھ ایک بھوک سا رہا ہے میں ان سے پوچھ رہا ہوں اہی حضرت نواب صاحب آپ سلجوقی اور افراسیابی ہیں۔ یہ کیا بے رحمی ہو رہی ہے کہ تو اس کو کہہ تو بول بولے کیا ہے حیا ہے غیرت کو مٹی سے شراب کندھی سے گلاب پران سے کپڑا، یہ فردوسی سے آم صراف سے دام قرض لے جاتا ہے یہ بھی تو سوچا ہوتا کہاں سے دہن کا۔

شینہ :

ہم سخت حدود اور ضربہ ہیں۔

آزاد :

عجب زمانہ آن لگا ہے وہ جو میر تقی مرحوم نے کہا تھا۔

میر صاحب زمانہ نازک ہے

دونوں ہاتھوں سے تھامے دستار

میں صدر الصدور ٹھہرائے نام۔ ہر کام اور ہر مقام پر فرنگی بالاعتبار اور ہم سب محض بے اصل دے بس زمانے کا رنگ کہہ ایسا بگڑا ہے کہ کیا عرض کیا جائے۔

فضل حق :

مفتی صاحب بجا فرماتے ہیں مگر میرزا صاحب تردد نہ فرمائیں کہ نہ کہم اختتام ضرور ہو جائے گا وہ غیب سے اسباب پیدا کرنے والا ہے۔

غالب :

جی ہاں۔ اسباب پیدا کرنے والا پیدا کرتا ہی ہے آخر دنیا امید پر قائم ہے۔

فضل حق :

داعیہ کوئی مجبور ہی مجبور اور پاکیر اور بار کی نسل آج ایسی مجبور اور ہے بس ہو جائے کہ تحت ظہین بادشاہ اپنا وارث مقرر نہ کر سکے جہاں پناہ لے مرزا جہاں بخت کی دلی عہدی کے لئے کیا کیا کہہ نہ کیا مگر فرنگیوں کے سامنے ایک فٹن نہ مٹی اب سنا ہے لال قلعہ خالی کر کے قطب صاحب عقل ہونے کی شرط لگائی ہے۔

غالب :

جی ہاں! بادشاہوں اور فرماؤاؤں کی حالت ذیوں تو پچارے شاعر کا کوئی پرسان حال ہوتا ہے۔

شیفتہ : بادشاہوں کی بات بادشاہ جانیں ہم تو اہل علم کی زبان عالی سے فکر مند ہیں میرزا صاحب بخدا
 تکلف نہ کیجئے گا ایمان نہ ہو کہ آپ خواہ مخواہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔
 غالب : آپ تردد نہ کریں ابھی ایک صورت انکلام کی نکالی ہے اور نہ ہوا کوئی بندوبست تو آخر کہاں
 جاؤں گا۔ دلی میں رہتا ہے۔

ہے اب اس معصومے میں قلم فم الفت اسد
 ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھانوں گے کیا

آزادہ : یہ پھر آپ نے ہمارے انوازا کا شعر کہا ہے۔

غالب : غالب فکر سخن میں خون تھوکتے تھوکتے جان سے جانے کا مولانا غالب کو پھر بھی غالب نہ مانیں
 گے آزادی اس پر کہ مولانا کے دور میں کیوں پیدا ہوا۔

اے تو کہ نحو سخن مصراع - عشق
 مہاش سکر غالب کو در ناز و تست

مولانا آزاد بھی ایک دن ایمان لائیں گے آپ آزاد نہ ہوں۔

غالب : میں مولانا آزاد سے آزاد ہو کر کہاں رہوں گا۔ صدر الصدور ہیں بخدا میں مولانا سے آزاد
 ہوں تو میرا خدا مجھ سے آزاد ہو مجھ پر ان کی چشم نہائی کے بھی بڑے احسانات ہیں البتہ شعرا کے
 بارے میں یہ شیوہ رکھتا ہوں کہ جب تک مصطفیٰ خان شیفتہ صاحب نہیں کہتے شعر یا خط میں شامل نہیں
 کرتا۔

شیفتہ : آپ کی درد نوازی ہے مرزا صاحب، درد ہم کیا ہماری سخن فحی کیا یہ درد آپ کے شہان شان
 پذیرائی تو کیا کرتا آپ کے مرتبے کو بھی نہ پہچان سکا۔

غالب : عالیت سے شرفا نے کس درد میں بسر کی ہے میر تقی مرحوم دانے کے اداسیاں تھے فرما کہنے
 ہیں۔

جہن سے ہیں جو کچھ نہیں رکھتے لہری اک دولت ہے یاں

آزادہ : ابھی آج کل تو یہی ہے۔

غالب : میں نے یہاں تک خا ہے قبلہ کہ جب سے آپ کے لئے کو قوال صاحب کا عمل دخل ہوا ہے
 شرفا تو شرفا پائی لوگ بھی پریشان ہیں۔

آزادہ : ابھی یہ پائی لوگ کون ہوئے۔

غالب : چور ایچے، قدار باز، ارباب خطاط اور نہ جانے کون کون سنا ہوں سب کی ٹانگ میں تیر وال رکھا
 ہے۔

آزادہ : آپ نے تو دلی کی وہ تصویر کھینچ دی جیسے دلی ان بد قلمروں ہی سے تہلہ ہو۔ خدا کی قسم آج بھی

اس شہری گود میں وہ آفتاب و مہتاب ہیں کہ علم و فضل ناز کرے انہوں نے نہایت اچھا نہ پایا۔

شیخ: اس میں جو شک کرے وہ کافر شامروں میں غالب 'مومن' ذوق 'علماء میں مولانا آزاد اور مولوی فضل حق مصوبوں میں جیون رام اور حسین ناصر نجمیوں میں سکھانند رقم اور مومن خان فیہوں میں حکیم محمود خان اور احسن اللہ خاں۔ غرض کونسا فن ہے جس کا پاکمال اس شہر میں موجود نہیں البتہ خواہ ہے۔

فضل: صرف سخن باقی ہے ورنہ دلی آپ وہ دلی کہاں!
چوہدر: (داخل ہوتا ہے) حضور سواریاں آگئی ہیں!
آزاد: اچھا میرزا صاحب اب اہانت دیجئے۔
غالب: ہم اللہ (سب لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور چلنے کو تیار ہو جاتے ہیں غالب و دروازے تک آتے ہیں اس وقت ایک ہانگی چار کھار لئے ہوئے داخل ہوتے ہیں مرزا واپس لوٹتے ہیں شیخ غور سے کہاںوں کو دیکھتے ہیں)

شیخ: (غور مند ہو کر) مرزا کے ہاں سواریاں؟ آج یہ سواریاں کہاں سے آئیں (سب چلے جاتے ہیں)
(ہانگی سے میر کاظم علی اور وہ چار دوسرے بھاری برآمد ہوتے ہیں جن میں سے ایک شراب چٹے ہوئے ہے وہ دراصل کوڑا ہے جو بھاری کے بھیج میں آیا ہے)

کاظم: آؤ اب بجالاتا ہوں۔
غالب: 'بھٹو' کیا سب لوگ آگئے ہیں۔
کاظم: بس خواب خان محمد خان، ابھی نہیں پہنچے ہیں آتے ہی ہوں گے اتنے ہم لوگ بازی عداوت ہیں مسخانی صاف سنتا ہوں چو سرتو آپ بھی لاہور کھیلنے ہیں اہانت ہو تو وہ بازی ذرا بد کے ہو جائیں (بازی کھیلنے لگتے ہیں)

شرابی: اپنا میر کاظم علی بھی خدا کی قسم ہرق ہے ہرق۔ کیا جگہ 'دھوم' نکال ہے کوڑا شر کے فرشتوں کے خواب و خیال میں نہیں گزر سکتی۔

دو سراہاری: بس اب بات چیت موقوف 'نقدی نکالو اور بازی سنبھلو۔

شرابی: 'نقدی' یہ نقدی ہر جگہ نقدی کی پکار 'نقدی' نہ ہو سکتی خواہاں خدا ہو سکتی۔

دو سراہاری: ابی حضرت اسی کی دھن پر خدائی مانجی ہے۔

شرابی: مانجی ہے تو اسے ہم ایسی خدائی پر ٹھوکر مارتے ہیں۔

(کھیل جم جاتا ہے بازی جیتی اور ہاری جاتی ہے اور نقدی لومر سے لومر چلنے لگتی ہے اتنے میں شرابی لاکھڑا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ہوشمند اور ٹھکانہ لے کر جاتا ہے)

شرابی (کو قتل) خیار جو کسی نے قدم بڑھایا میں تم سب کو قہر بازی کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں
(انچ کے دونوں طرف سے سپاہی بیٹھے ہیں، کچھ لوگ ہانکنا چاہتے ہیں مگر گھیرے سے نکل
نہیں پاتے۔ ج میں مرزا غالب ہیں)

کو قتل : مرزا صاحب آپ؟ مجھے افسوس ہے مجھے پہچانا بندے کو فیض الحسن خان کہتے ہیں کو قتل شہر
(اتنے میں یوسف مرزا داخل ہوتے ہیں ہاتھ میں تلوار علم کے ہوئے ہیں)
یوسف مرزا : خیار جو کسی نے آگے قدم بڑھایا۔ میرے بھائی کو پھوڑ دو، میں تو ایک ایک کو قتل کر
دوں گا۔

(عبدالرحمن کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور تلوار لے لیتے ہیں) تم سب رو جانے ہو میرا ہاتھ روکتے ہو
انہیں کچھ نہیں کہتے جو ہاتھ علم کرتے ہیں اور منصف کھاتے ہیں جو گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالتے
ہیں اور خداوند کے جاتے ہیں۔ میرا کیا ہے آلاب کو قتل کر دو ہاتھ کو زنجیریں پہنا دو۔ پھولوں کو
شاخوں سے فوج لوصیم سحر کے پادشہ میں کھنڈرو پہنا کر پھندا شاہراہوں پر غولن دل کا چھڑکاؤ کرو۔ لہوں پر
سری لگا دو آنکھوں میں دھن دھن کی سلاخیں ڈال دو۔ میرا کیا ہے میں اپنے رستے جاتا ہوں۔ (چلے
جاتے ہیں)

— پر وہ کرتا ہے —



تیسرا ایکٹ، پہلا سین

(پھول والوں کی سر کا مجمع رات کا ابتدائی حصہ جبکہ مشعلی لائینیں راج اور گیمیاں ہانڈیاں اور ٹائوس روشن ہیں چٹھے کا جلوس نکل رہا ہے آگے آگے وحمل آتشے والے اس کے پیچھے ذریعت کے دو جھنڈے پھر پولیس والوں کا پرا اس کے بعد فوجت خانے کا تخت اس کے بعد دلی کے انکوائسے ہر استاد کے ساتھ شاگردوں کی فلی ان کے پیچھے نفیری والے پھروں کے صفے ان کے بعد ڈنڈے والوں کی سنگتیں اس کے بعد تخت دہاں جن پر بھاری پٹوٹریں پہنے رنڈیاں ناچ رہی ہیں اس کے بعد انگریزی باج اور ترک سواہوں کا دست پھر پھول والوں کا جھوم جلوس کے گزر جانے کے بعد کچھ جانی پہچانی صورتیں نظر آنے لگتی ہیں یہ وہی لوگ ہیں جو پہلے ایکٹ کے دو سرے سین میں داستان گو کے گرد جمع تھے۔

پہلا سیلانی : لو بھی ہوئی پھول والوں کی سیو۔

دوسرا سیلانی : ابھی سے ہوئی ابھی تو ذرا بھرے کا مڑا لوٹیں گے امرتوں کی بار دیکھیں گے ششی کتاب پر تھرا کی کاہیلہ دیکھیں گے اور کل آکٹھاڑی۔

تیسرا : اس بار دیکھنا شر کے آکٹھاڑوں کی تیاری۔ بخدا وہ ہوائیاں چٹھے لٹوٹھکے چٹیں گے کہ بچھلے سال کی ساری کارگزاری کو مات کر دیں گے پھولوں اور چڑیوں کے مقابلے میں اب کے میدان انھیں کے ہاتھ رہے گا۔

پہلا : اہں خلقت ٹوٹ پڑی ہے اس سال تو وہ اٹھام ہے کہ خدا کی پتا۔

دوسرا : اہں آج مولانا نظر نہیں پڑے (مولانا داخل ہوتے ہیں)

مولانا : سن لیا عزیزم، وہ ایک کنہ وہ مٹی تھی دلی شری کہ ابھی مٹی مرزا نوشہ کو قساری فرنگی سرکار نے قید میں ڈال دیا اور جرم بنا آپ نے قمار بازی بڑا کھیلے گے اور مرزا نوشہ جیسے شریف زادے نوایزادے شامرا عظم ہا!

پہلا : ہاں صاحب انسان خطا کا بنا ہوا ہے۔

مولانا : آپ نے اچھی منطق چھاننی ہے بخدا مرزا نوشہ کے بچا نے فرگیوں کے لئے جان دے دی باپ اور راج کے لئے مرٹے اور بہن سارا راج کالج فرگیوں کے ہاتھ آیا تو ان مرٹے والوں کی اولاد کے لئے چٹن تک کے لالے ہیں اس فریب کو بیٹے نہیں دیتے مرٹے بھی نہیں دیتے لانا اسے ڈیکل کہتے ہیں۔

دوسرا : میں کہتا ہوں اس کے ہاں دہر ہے انکو مرٹیں۔

تیسرا : یہ شہزی کے ٹھٹھ ہیں ولی کی خلقت مست ہے اور ایک شاعر کو آزاد کرانے کی سکت ہمارے شاہ شہزی میں نہیں۔

مولانا : علم کی بنا پائدار ہے صدائے بدلی سے اعلیٰ ہے صدائے حق' سید احمد صاحب نے حریت کا خوب بلند کیا ہے ہمارے خس و خاشاک کو بادلے ہائے گا۔

پہلا : اکتاہ اندھ :

مولانا : بخدا کچھ میں نہیں آتک ہماری غیرت کو کیا ہوا۔ ہندو دھرم کو بھولا۔ مسلمان ایمان سے بیگانہ

اور فرنگی دلوں کے کالے کوسوں سے ہمیں تحقیر کا سنی پڑھانے آئے ہیں۔

پہلا : نہ گھبراہے مولانا شفی سکھانند رقم پہنے ہوئے نبوی کہتے تھے فرنگی حکومت سوسال میں بدلے گی

بس اب چند سال کی بات اور ہے۔

مولانا : قوی حیت دہن ہو مکی شرافت کا جہانہ نکل گیا جرات اور حوصلے کا غائب ہو گیا ہائے کیا کلام

ہے غالب کا قہر دہان۔

دوسرا : صاحبو! ہم راگ رنگ کے دہانہ باتوں کو کیا جانیں ارے بھی مولانا تم تو طوطی نواز ہی

ہمارے فرنگیوں کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔

(آہستہ آہستہ پونڈا ہاندی شروع ہوتی ہے جگہ جگہ لوگ گروہ در گروہ جمع ہونے لگتے ہیں ایک

جمع میں مولانا شعلہ فٹاں ہیں)

مولانا : سنا آپ نے سن لیا آپ سب نے قلعہ معلیٰ کی عزت معنی میں لا ڈالی۔ فرنگی میڈیٹنٹ بادشاہ

سلامت کی غیر ماضی میں قلعہ معلیٰ میں جاگسا دست انہاب کے ساتھ گھوڑے پر سوار فورٹ خانے

پر بھی نہیں گھسوا لال پردے پر بھی نہیں پور قلعے میں شہسواری کرتا گھبراہا۔ کیا اب بھی ولی دہان کی

غیرت ہوش میں نہیں آئے گی۔

(بارش اور تیز ہو جاتی ہے اسنے میں چہرہ رنگ دھڑک نکلا ایک ہانگہ پہنے سر پر مٹا لئے

جس میں کپڑے رکھے ہوئے ہیں اگر ایک گروہ کے پاس چڑ کے لپے بارش سے بچنے کے لئے آکھڑا

ہوتا ہے)

پہلا : امے میاں ڈری پرے ہٹ کر کھڑے ہو۔

دوسرا : بچاوتے بھی ہو امیں مرزا غالب کے چہرہ دار ہیں۔ ارے بھائی یہ مست قلعہ رہنے کہاں گھوم

رہے ہو کپڑے کہاں ہیں؟

چوہدار : ہیں اس شعلے میں رکھے ہیں بارش میں بھینکنے سے بچے رہیں گے۔

مولانا : کہیں بھی مرزا صاحب کی بھی کوئی غیر خبر ہے (بارش اور تیز ہو جاتی ہے)

چوہدار : مرزا صاحب تو کبھی کے پھوٹ آئے مولانا کالے خالی صاحب نے امیں قلعہ معلیٰ میں دہ کیا

ہوتا ہے تاریخ گھنٹے کی خدمت بھی دلوادی ہے دودھ دہار جاتے ہیں دہپروان رہے آہاتے ہیں۔
(بارش دھواں دھار ہونے لگتی ہے سب لومہ اومہ بھاگتے ہیں آخر میں انگریزی پولیس اور فوج
کا ایک دستہ مارچ کرتا ہنگ بھانا گزرتا ہے یہ سب تھوڑی دیر فطرت سے اسے دیکھتے رہتے ہیں پھر
بارش سے بچنے کے لئے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں)

تیسرا ایکٹ، دوسرا سین

مرزا غالب کی حویلی کا دریاں خانہ، حویلی میں اندھیرا ہے، ایک گوشے میں مرزا شمع کی روشنی میں غزلیں
لکھ رہے منگھٹاتے جاتے ہیں اسنے میں میں منظر میں کوئی آواز دی غزل لکھا شمع کر دیتی ہے۔

آہ کو چاہئے اک مراثی ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک
عاشقی مہر طلب، اور تمنا ہے تاب
دل کا کیا رنگ کہوں خون جگر ہونے تک
ہم نے مانا کہ فغان نہ کہو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
نم ہستی کا اند کس سے ہو ج مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں بجتی ہے سحر ہونے تک

ہمزاد کی آواز: میں 'مرزا اب شعر کوئی سو فزون۔

غالب: کہیں؟

ہمزاد: اب پڑے ٹکڑے اور غل سمجانی ہمارے شاہ طائی کی غزلیں بھاگ۔ آخر شاہ کے استاد ہو ان کا دیا
کھاتے ہو۔

غالب: اپنا تجویز چچا ہوں دل نہیں چپکے۔

ہمزاد: یہاں سب بگڑ بگڑا ہے۔

غالب: اندھیرا بہت ہے۔

ہمزاد: اور گمراہ ہو گا۔

غالب: میں روشنی کی لولہ تیز کر دوں گا۔

ہمزاد: روشنی جیسے ہر ایک کے بس میں نہیں ہوتی اب دن نہ ہو گا۔

(پانچ قدموں سے مل جاتا ہے حویلی کے چاروں طرف بہت سے لوگ دوڑ رہے ہیں غم سے)

رہے ہیں ”وین دین دھرم دھرم“ فرنگیوں کو ٹالو۔ گلیوں کی ترانہ لوٹ مار کی گویا دے دینے کی کوازیں توپ کا سادھنا (جیدار داخل ہوتا ہے)

چوہدار : حضورؐ میرٹھ سے فرنگی فوج کے ہائی سپاہی شہر میں گھس آئے ہیں قلعہ میں فرنگی کپتان مارا گیا۔ شہر میں بادشاہ سلامت کی حکومت پھر لوٹ آئی ہے کل سٹے پھر بادشاہ سلامت لال قلعے میں دوبارہ عام کریں گے۔

(عالم تصور میں دوبارہ عام کا ایک مقررہ ۸۰ سالہ بادشاہ شہر تخت پر براہمن ہیں تو وہیں مرزا مثل ایک طرف — اور مرزا قزاقش دلی عہد سلطنت دوسری طرف تخت کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔)

سرکاری چوہدار عجم الدولہ دھرم الملک میرزا اسد اللہ خاں بہادر غالب ٹھکس حضرت غل سبانی صاحبان خانی غل اللہ بہادر شاہ شہنشاہ ہندوستان کے حضور میں سکے پیش کریں گے نگاہ دیکھو نگاہ دار، حضرت غل سبانی — میرزا غالب آگے بڑھتے ہیں اور باکواز بلند سکے پڑھتے ہیں۔

بہادر کالپ و قزاقی باد
سکہ خدا درجہاں بہادر شاہ

(شور یکایک بڑھتا ہے توپوں کی دھماکیں دھماکیں ہندو توپ کی کوازیں دین دین دھرم دھرم کے نعرے اور قدموں کی چاپ سے اسٹیج مل جاتا ہے پھر یہ کوازیں دھیرے دھیرے دم پڑتی جاتی ہیں اور ایک بانکی ان سب سے غالب آکر ایک آواز ابھرتی ہے FIRE اور توپوں کے دھماکے سے زمین آسمان مل جاتے ہیں اس کے ساتھ ایک قلعہ کی آواز ابھرتی ہے یوسف مرزا کا قلعہ اور مکالمے پس مٹھری سے سنائی دیتے ہیں۔)

یوسف مرزا : آپ آئے ہو کھلن ہو دیں اب آئے ہو کھلن ہو دیں۔ اسے مری دلی جاگ گئی مری دلی جاگ گئی۔ عمارتیں یہاں ایک بادشاہ رہتا ہے بادشاہوں سے بڑا بادشاہ عیش زندہ رہنے والا بادشاہ اس کا حکم ہے انیس توپوں کی سلامی بند کرو۔ ایک دم بند کرو اس کا نام ہے اسد اللہ ٹھکس غالب ملک خدا کا خلق غالب کی حکم یوسف مرزا بہادر کالپ۔ (تلقین)

پس مٹھری سے آگریہ فرنگی کی آواز FIRE

(یوسف مرزا کا قلعہ ایک دم موت کے آخری سانسوں میں بدل جاتا ہے اور وہ جج کے ساتھ دم توڑ دیتے ہیں)

چوہدار : (داخل ہوتا ہے) چھوٹے مرزا سرکار چھوٹے مرزا!!!

غالب : کیا ہوا چھوٹے مرزا کو؟

چوہدار : فرنگی سپاہیوں نے گول مار دی

- غائب : گولی مار دی؟ اسے کیوں مار دی گولی؟ وہ کون سے ملک کا بادشاہ تھا کیا تھا اس نے میرے دوائے بھائی نے ان خاتموں کا کیا پکاڑا تھا۔
- چوہدر : فرنگی سپاہی حویلی میں گھس آئے ہیں لوٹ مار کر رہے ہیں۔
- غائب : جو چاہیں لے جائیں جسے چاہیں قتل کریں جو چاہیں لوٹ لیں میں نے اپنا خون صاف کیا۔
(دیکھ ماتی لباس میں داخل ہوتی ہیں)
- غائب : نہ دوؤ۔ اب دوئے سے کیا ہو گا میرا دوا نہ بھائی اب اس دنیا میں نہیں۔ سب کچھ لٹ گیا خدا نے اسے ایک دھڑکی دی تھی وہ بھی ٹوٹ لی۔ ایک پدر اس دنیا میں آتا تو اس قدر ناکامی اور نامرادی سے آتا بڑا تھنہ اور اتنی بڑی سزا ایسا پیش ہما موتی اور ایسی کچھڑ میں بھاؤ جاتے۔
- چوہدر : (گھبرایا ہوا داخل ہوتا ہے) مولانا صہبائی کو قہقہے کے ساتھ ہاتھ کر اٹھا دیا گیا۔ مولانا فضل حق کو کالے پانی بھیج رہے ہیں۔ ثواب مصطفیٰ خاں شیلڈ کی پائیدار منہا۔ سارے امیر خوار ہو گئے گئے گئے وعاہیے گئے جامع مسجد کے آگے ٹھنڈ پڑے ہیں بازار میں سولیاں گڑی ہیں۔
- غائب : (دیکھ کر) سنی ہو چٹن بندہ کتنی فحش! اگر سزا بھی ملے تو کچھ تہب نہیں الزام یہ کہ ہمارا شاہ کے لئے مسکے کیوں کمالاں قلعہ میں ڈوکی کیوں کی گھر میں جو جیتی کپڑے اور برتن ہوں انھیں جمع کر کے بازار بھیج دو۔ لوگ دعویٰ کھاتے ہیں میں کپڑا کھاتا ہوں (دیکھ اور چوہدر جاتے ہیں)
(پس منظر سے اعلان کرنے والے کی آواز ابھرتی ہے)
- اعلان کرنے والا طلق خدا کی ملک (فرنگی کا) حکم ملک معظہ ہمارا کا' دلی کے رہنے والوں سنو سنو ملک معظہ انگلستان نے ہندوستان کو اپنی سلطنت میں شامل کرنا منظور فرما لیا ہے باغیوں کی بغاوت کچل دی گئی ہے اسی خوشی میں سب رعیت و دھواران انگریز پر واجب ہے کہ اپنے گھروں اور حویلیوں پر چراغ جالتیں اور روشنی کریں حق خدا کی ملک فرنگی کا حکم ملک معظہ ہمارا کا۔
(چوہدر اور دیکھ آتے ہیں)
- چوہدر : (گھبرایا ہوا داخل ہوتا ہے) بادشاہ سلامت کو کتنی ہمارا گرفتار کر کے باہر بھیج دی ہے لال قلعہ سونا ہو گیا سرکار لال قلعہ سدا کے لئے سونا ہو گیا۔
- غائب : آداب ڈوب گیا چراغاں کا انتظام کرو۔
- دیکھ : چراغاں!
- غائب : ہاں سنا میں تم نے تمام رعیت و دھواران انگریز کے لئے ضروری ہے کہ حق کی خوشی میں چراغاں کریں۔
- دیکھ : ابھی تو راست سزا کی موت کو بھی کچھ دن نہیں گزرے۔
- غائب : دل کے دھم کون دیکھتا ہے۔

(جہ دار تین چار چانوں میں تل ڈالتا ہے۔ نو ٹھیک کرتا ہے اور مشعل تیار کرتا ہے وہ ان
خانے کے چھوٹے چراغ رکھتا ہے مشعل غالب اس کے ہاتھ سے لے لیتے ہیں اور پست چراغ جلاتے
ہیں پھر وہ سرا پھر تیسرا پھر چوتھا چراغوں کی روشنی مختلف ذلوں سے ان کے دودھ اور فکر اکوہ چہرے
پر چڑھتی ہے اچانک چوتھا چراغ روشن کرنے کے بعد ہلک کر دیکھتے ہیں عجب ابھی وہیں کھڑی ہیں)
غالب : عجب بھی تو زندگی کی پوری داستان ہے انہیوں میں چراغ جلاتا ہی تو ہمارا منصب اور مقصد ہے
روشنی کے ساتھ انہیوں اور انہیوں کے ساتھ روشنی کی زندگی ہے۔

(پس صحنے سے کئی گوازیں مل کر غالب کا ایک شعر چڑھتی ہیں اور اسٹیج اس شعر کی موسیقی میں
لوہ جاتا ہے)

گھستے رہے جنوں کی نکالیں خوں پنہاں
ہر چہ اس میں ہاتھ ہمارے گھم ہوئے

— پرہیز کرتا ہے —



مرزا غالب لندن میں (ریڈیائی تمثیل)

شان الحق حق

ایک نوجوان کے منگناتے کی آواز جو خفا کسی قدر اس اور شاید کسی کے انتظار میں ہے بیکاری میں
غالب کے شعر نکلتا رہا ہے۔

میں نہ ابھیں آئندہ سے باہر کھینچ اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ
(وہ قدر جس میں پردوں کے چھانے کی ایک آواز آتی ہے)
پھر اسی نوجوان کی آواز

دہر نہیں حرم نہیں وہ نہیں آستان نہیں
بٹھتے ہیں وہ گلد پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کہیں
(وہ قدر پر وہ آوازوں کی انگریزی میں محکمہ خالی دیتی ہے جو رنڈ رنڈ وہم ہو کر غالب ہو جاتی
ہے)

پہنچ (مخبر سے)

پوچھتا ہے کس نے گوشِ محبت میں اسے خدا
الہوں انتظار تھا کہیں ہے
مر پر جھوم وہ فریب سے ڈالتے
وہ ایک شہت خاک کہ صرا کہیں ہے
خوب شعر کہا ہے مرزا غالب اسے!

"وہ ایک شہت خام کہ صرا کہیں ہے"

(بھائی لے کر) مگر میں پرور اس بارغ میں تو مٹی بھر خاک بھی نہیں ملے گی۔
(دیکھ لڑکیوں کے قہقہے لگنے کی آوازیں)

کہتا ہے بس کہ بارغ میں تو ہے چھایاں
آنے لگی ہے تخت گل سے حیا مجھے

(بھائی لیتا ہے پس منظر میں ٹریفک کی دھیمی آواز اور پردوں کی آوازیں۔ وہ قدر)

مرزا غالب : کہیں میں صاحبزادے بھلا کدہ معطلہ کا مکان یہاں سے کتنی دور ہو گا؟

پردیج : (جو تک کر) "آئی جگ پر پارلن" معاف کیجئے کیا فرمایا آپ نے۔

مرزا غالب : بروداد میں نے پوچھا کہ حکمہ مطلقہ دکنوریا۔

پردیج : اوسے مرزا صاحب یہ آپ ہیں اکیسکے دی۔ آپ مرزا غالب ہیں؟

مرزا غالب : یہ سچ میں کیا کلام آپ نے کہا؟ وہ تو میں نہیں ہوں۔ ہاں مرزا اسد اللہ خاں غالب اسی خانہ خراب کا نام ہے۔

نوجوان : مگر اگر آپ یہاں کیسے؟ کیونکر؟ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

مرزا غالب : حیرت کی کوئی بات نہیں۔ "میں کیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آجی نہ سکوں"۔ میں غالب ہی ہوں۔

"اسلام ہے تم کو وہم نے کس سچ و نام میں" تم با حق کھڑا گئے اس لئے تو۔

ایک انگریز لڑکی کی آواز (انگریزی میں) معاف کیجئے اور میرے کوئی پھوٹا سا چاقو میں گزرا، ہڈوں

پر ۲۴

پردیج : جی نہیں نظر تو نہیں پڑا۔

لڑکی : شکریہ۔

(لڑکی کہنے کو جانے کے لئے سین بھاتی ہوئی دور چلی جاتی ہے)

مرزا غالب : کیا یہ پردیج تم کو کچھ سے زیادہ مرید نظر آئی؟

پردیج : مرید ہی نہیں تو آئی ایم اینڈ (اور تو نوجوان تھی)

مرزا غالب : پھر تعجب ہے کہ تم اس کے آتے ہی سرودھ کھڑے ہو گئے حالانکہ میں اس عودش کو دیکھ کر گونگوں میں پڑ گیا تھا کہ ابھی عالم ہلا ہی میں ہوں یا واقعی زمین پر پہنچ گیا۔ اگرچہ تم نے مجھ سے بیٹھے ہی بیٹھے منگلو کا صاحب سمجھا اور رہی آداب بھی نہ کیا مگر۔

پردیج : اوہ آئی ایم آئی سوری۔ بہت بہت معافی چاہتا ہوں۔ آئی میں تو اوفیس۔ یعنی کہ گستاخی کا کوئی خیال نہ تھا ہے۔ حد الفوس ہے آداب، حلیم۔

مرزا غالب : نہیں الفوس کو حد کے اندر ہی رکھو۔ بیٹے رہو۔ مرد دراز شکل و صورت سے تم کسی شریف گھرانے کے بیٹم و چراغ معلوم ہوتے ہو۔ اتنی دیر میں بس ایک تم ہی ہم صورت نظر آئے اس لئے میں نے تم کو ٹوک کر حکمہ مطلقہ دکنوریا کا پتہ پوچھا۔

پردیج : جی کیا فرمایا آپ نے حکمہ دکنوریا؟ مگر مرزا صاحب شاید آپ کو اطلاع نہیں کہ حکمہ دکنوریا آپ کی رحلت۔ ایم سوری آپ کے تشریف لے جانے کے کوئی تیس برس بعد خود بھی سدھار گئی تھیں۔

مرزا غالب : نہیں بھئی ایمانہ کہو کیا سچ۔ امامت و انالیہ۔ راجہ من تم امامت و انالیہ۔ راجہ من۔

پہلے : ان سے تو آپ وہیں ملاقات فرما سکتے تھے "اکی ٹین" خبر یہ تو اچھا ہوا کہ آپ یہاں آگئے
تحریف رکھیں یہ شہر لندن کا مشہور ہینڈلارک ہے گویا کہ یہاں کا سب سے بڑا بلغ سب سے بڑا
گفت "نیں" شعر کہنے کے لئے بنی ابھی جگہ ہے۔
مرزا غالب : یہ آئین کا تو کوئی موقع نہ تھا مگر تم نے وہ مروجہ آئین کا بہت اچھا ہوا آئین بنی ابھی
جگہ ہے آئین۔

پہلے : اوہ! حضرت کیا مرض کیا حالے لندن میں رہتے رہتے جگہ یوں کہنے کہ انگریزی بولتے بولتے کچھ
ایسے ہی کئے زبان پر چڑھ گئے ہیں۔

مرزا غالب : اچھا انگریزی میں ایسے موقع پر آئین بولتے ہوں گے۔ خبر میں کہ یہ رہا تھا کہ ادھر عالم ہلا
پر تو ایک نفسا نفسی کا ماں ہے۔ کسی کو کسی کی خبر نہیں۔ خدا جانے ملک و کنوویہ کس طرف مقیم ہوں
گی۔ ضرور اعلیٰ مقام پایا ہو گا۔ مجھے تو سوسٹ اعراف میں ٹھہرایا گیا ہے۔

پہلے : مجھے بڑا افسوس ہے مجھے واقعی بڑا افسوس ہوا یہ سن کر گویا کہ معلوم شدہ قدر دانہ عالم ہلا۔
اعراف میں تو حضرت بنی بے آراہی ہو کی شاید کس۔ ملتی بھی نہ ہو گی؟

مرزا غالب : نہیں کچھ ایسی بڑی جگہ نہیں بہت سے اللہ کے بندے وہاں ہیں جن کا حساب ابھی نہیں
چکا ہے "آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں"۔ وہ کوئی ایسی عواطف تو نہیں" نہ قہر نہ کج ہے بس
نہن ہی کا ساموسم ہے۔ کبھی گری کبھی سوئی کبھی ایک جھوٹا ادھر کا آیا کبھی ادھر کا جیسے دلی میں
آہا، آہا۔ وہی قصہ ہے وہی اس قدر آہا نہیں۔

پہلے : گویا کہ غلط کا ایک درد وہاں بھی نکلا ہے۔ شاید "نبیل حسن" کی برکت سے دلی کے گری جانے
کا ذکر تو آپ نے اس قلم میں فرمایا ہی تھا۔

دعوت کی تلاش آگ کی مری
دکھانا طاب الطار
کچھ تو جانے میں چاہئے آخر
جسم دکھنا ہوں ہے اگرچہ نزار

مرزا غالب : بہن! اس وقت اس قصیدے کا ذکر نہ ٹالو۔ اب تو مقدمہ کچھ اور ہی درپیش ہے اور
کسی اور ہی درپیش ہے۔

پہلے : جی حضرت کیا مقدمہ؟
مرزا غالب : اوسے بہن! وہی جس کے لئے اپنے دوست کرمل جان من صاحب بلور کا شوق ملک مظهر
کے پیش کار کے نام لے کر آیا ہوں۔

پہلے : حضرت آپ تو پیلیاں بجا رہے ہیں۔

مرزا غالب : جگہ کہتے ہو بڑی خوش و فحش میں چڑ گیا ہوں تم نے کہا کہ عظمیٰ اب یہاں نہیں ہیں۔
 پرویز : جی جگہ عظمیٰ تو ہیں۔

مرزا غالب : کیا اب تم پیلیاں بچانے گئے ابھی ابھی تو تم نے کہا کہ ان کے دشمنوں کو بکھو ہو گیا تھا کیا نہیں کہا؟

پرویز : جی یہ تو صحیح ہے کہ جگہ و کنوڑیا کا انتقال ہو گیا۔
 مرزا غالب : اگر یہ صحیح ہے تو بھران کے صاحبزادے تخت پر ہوں گے۔
 پرویز : جی نہیں ان کے بھو جگہ و کنوڑیا کے صاحبزادے ملک عظیم الہودہ ختم کے نام سے تخت نشین ہوئے تھے مگر بھران کا بھی انتقال ہو گیا۔

مرزا غالب : اناطہ و اناطیہ راجہوں یعنی کیا بڑی بڑی خبریں سنارہے ہو۔ ہر تخت پر کیا بیٹا؟
 پرویز : جی تخت تو سلامت ہے اور جگہ تخت نشین بھی ہیں مگر ان کا نام ہے جگہ الزبتھ جلی اور یہ جگہ و کنوڑیا کی سکر ہوتی ہیں۔

مرزا غالب : یا مظلوم! صاحب اتنی سی دیر میں تاریخ کے اتنے ورق پلٹ گئے ابھی تو میں یہاں سے گیا ہی ہوں اور میرا مقدمہ پیش ہوا ہی ہے۔ شراب نوشی جو معصیت و فیہو کے مقابل قوی تھی اور میزان برابر رہی۔

”تھے یہ ہی وہ حساب سوداویں پاک ہو گئے“
 چیتے ہلانے کی بدوش بھی تک حتیٰ اب بکھو نہیں ایک ساہوکار کا تھوڑا سا دیا دے کیا تھا۔ اس کی ڈگری ہوئی اتنی رعایت مل گئی ہے کہ اس کی رقم کسی نہ کسی طرح ادا کر دوں تو نکلیں پاؤں۔
 ”مردم و دام اپنے پاس کس“ سوچا کہ چٹن کے لئے پھر بڑی کتنی چاہئے کہ یہ ہارگراں سر سے اتنے ہی ایک صورت اس مطالبے سے بیکدوشی کی ہے۔

پرویز : بوجہ وہ سر سے گرا ہے کہ اناطہ نہ اٹھے کام وہ کھن چڑا ہے کہ جگہ نہ بنے کیا یہ وہی ساہوکار تو نہیں جو آپ کی محوڑ میں قتالی کا شریک ہو گیا تھا؟
 میری محوڑ میں چٹائی کا ہو گیا ہے شریک ساہوکار۔

مرزا غالب : ابھی تم تو اسی قصیدے کو دہرائے جاتے ہو۔
 پرویز : قرض کی پیچھے تھے بے یقین سمجھتے تھے کہ ہاں
 مرزا غالب : ہاں خوب یاد دلایا۔

دونوں (خس خس) رنگ لائے گی ہماری قاتلہ مستی ایک دن۔
 مرزا غالب : سودا اب رنگ لا رہی ہے ابھی یہ خط تو پیش کار صاحب کے نام گویا بیکار ہی رہا۔ بھلا انصاف تو انگریزی سرکار میں اب بھی ہوتا ہو رنگ کیا صلاح ہے قصاری اب میں اپنی عرضداشت جگہ

وقت ہی کے حضور میں پیش کراؤں۔ یہاں کوئی ایسا کاتب بھی مل جائے گا کہ عرض نوشتہ لکھ دے۔ ایک قصیدہ بھی نیا لکھا ہے (تخلیج کرتے ہوئے "منہ ی منہ میں) دک لودیا۔ مسقف ملنے والی زینت سنا ملن نام بدلنا چاہے گا۔

پردہ : تخت کے پچیس ہی میس بدلے اور بھی بہت سے انتظامات ہوئے ہیں۔

مرزا غالب : کیوں خیر؟ کیا بھر کوئی بلوہ اتر؟

پردہ : جی بلکہ بڑی بڑی جنگیں ہوئیں ہیں بلکہ تیر پچھتے کیا لومہ کی کوئی خبر اور نہیں جاتی۔

غالب : اب تو جی جی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
بلکہ ہماری خبر نہیں آتی

پردہ : کیا خوب فرمایا ہے۔ واقعی آپ کی بہت بہت سی خبریں ہیں جو آپ تک نہ پہنچی ہوں گی۔ مثلاً کیا عرض کراں اور کیا عرض نہ کراں۔ بس مثال کے طور پر یہی لے لیجئے کہ میرا ایک دوست آپ کی بہت اپنی ایک تالیف پر پلہ اچھڑائی کی ڈگری لے کر گیا ہے۔ بڑی محنت کی تھی اس نے اس کے مقدمے پر۔

مرزا غالب : یہ تو بدحواسی تم نے خوب ہی خائی۔ یعنی میں یہاں سے دفع ہوا نہ نکلا کر گیا اور ڈگریاں ہیں کہ میری جانی پر ہوئے پلے جا رہی ہیں؟

پردہ : AHME مخالف قرائیں، حضور میرا مطلب یہ ہے کہ اس نے کوئی ڈگری آپ کے خلاف حاصل نہیں کی بلکہ کیا اسے یہ ڈگری ملی ہے۔

مرزا غالب : یہ اور بھی طرز بات ہوئی ڈگری اس نے چاہی بھی نہیں اور بعضی زبردستی مل گئی کیا آپ اسی افسانہ کا ذکر کرتے تھے؟

پردہ : مرزا صاحب بلکہ غلط سمجھ ہو گیا ہے دراصل اس نے آپ کے بارے میں بڑی تحقیقات کی ہے اور اس کے صلے میں کیا سند کے طور پر۔

مرزا غالب : مگر ایسا کیا جرم میں نے کیا کہ تحقیقات کی نوبت آئی تو صاحب تحقیقات نہیں ہو رہی ہیں کیا کہ ہم کوئی شخص یا شخص یا اشتہاری مجرم ٹھہرے۔ ٹھیک ہے۔ رسائی میں کوئی کسر نہ رہ جائے جو چھپے جی نہ ہو اور مرگئے پر ہو۔ کیا آپ کے یہ نام نہاد دوست خفیہ پولیس میں ہیں جبری کرتے ہیں کونسا قرضہ انہوں نے اپنا دعوہ لکھا اور یہ ڈگری آخر کتنے کی ہوئی؟

پردہ : حضرت آپ تو تامل فرما ہو گئے۔ دیکھئے آپ نے اپنی حیات میں فرمایا تھا کہ:

حضرت شہر میں تھیں ہر گز خواہش
ابن سے از قلم غریبہاں کہیں خواہش

سو وہ پیشین گوئی اب سچ ہو رہی ہے۔

مرزا غالب : تف ہے ایسی شرت پر مگلا کہ تفسیر ہو رہی ہے۔ ہنس پر چڑھایا جا رہا ہوں۔ میں تو شرت سے بھی جانا تھا اپنی جان کو دینا تھا کہ شاعر تو وہ اچھا ہے پند نام بہت ہے۔ "سیر چٹم لوگ شرت کو بدنامی ہی گرواتے ہیں اور آپ تو بد ہو گئی۔ تحقیقات 'ڈگریاں' مقدسے سبحان اللہ تم قدر دانی عالم بلا کام لینے تھے قدر دانی عالم اصل کو کچھ نہیں کہتے؟

پردیخ : جی ایک نہیں بہت سے قدرواں نے آپ کی حیات و سیرت پر سیر حاصل تحقیقات کی ہے اور میرے ان دوست نے آپ کے کچھ خطوط بھی۔

مرزا غالب : خطوط بھی بکڑے ہیں کسے جانے آفرین ہے ان کو اور آفرین ہے آپ کو کہ آپ اسے قدر دانی کہتے ہیں۔

پردیخ : حضرت میں کیونکر عرض کھلی کہ اس میں بغض و عداوت کو بالکل دخل نہ تھا بلکہ سراسر فرض سمجھ کر۔

مرزا غالب : جی ہاں سراسر فرض حسی انہام دیا ہے اور انعام میں ڈگریاں مادی ہیں سرفراز ہوئے ہیں۔

پردیخ : سرفرازی کی بات ہی ہے بدلی علق ریوی سے آپ کے حالات زندگی کی چھان بین کی گئی ہے۔ آپ کے کام کی شرحیں لکھی گئی ہیں سارا کام ڈھونڈ ڈھونڈ کر فراہم کیا ہے پورا نسخہ میدیہ چھاپ دیا ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سا پوشیدہ کام کس کس کو نے سے برآمد کیا ہے اور کس کو شش سے مع حاشی و حوالہ جات مرتب کر دیا گیا ہے۔

مرزا غالب : نسخہ میدیہ؟ میں نے تو اس نام کی کوئی کتاب نہیں لکھی۔

پردیخ : اور! ڈاؤنلی آف ی! جی آپ کا وہ کام جو آپ نے مطلق صدرالندین آزادہ مولانا فضل حق خیر آبادی دنیوہ کے مشورے سے یا خود اپنی مرضی سے تحریر فرمایا تھا سب چھاپ دیا گیا ہے جن اشعار کو آپ نے تبدیل کر دیا تھا ان کی بھی اصل تلاش کر لی گئی ہے۔

مرزا غالب : یعنی غضب کر دیا ہے ستم پر ستم دیا رکھا گیا ہے۔ جو میں نے نہ چاہا وہ بھی میری طرف لگایا جو نکات دیا اس پر بھی صلہ دیا اور شرحیں اور حاشی اور حوالے فراہم کئے سازش کی بھی حد ہوئی چاہئے اور صاحب کیا کیا ثابت ہوا میرے خلاف اس تحقیقات سے ضرور مرکاز میں بدنام کیا گیا ہوں گا خیر۔

بے گانگی علق سے بے دل نہ ہو غالب کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

پردیخ : یہ سب آپ کی خیر خواہی میں ہوا ہے آپ کی محبت اور حقیقت کی بنا پر انہام دیا گیا ہے۔ آپ دیکھیں گے تو خوش ہوں گے کیا کیا نکات آپ کے اشعار سے برآمد کئے ہیں کس کاوش سے شرح کی ہے۔

مرزا غالب : اول تو شرح کرنا ہی ایک عیب لگتا ہے میں نے سنا ہے میاں الطاف حسین بھی اس کے ورہے تھے۔ گویا شعر میں اقلیدس کی افراط ہیں میں نے جبکہ ہی مارا تھا۔ مطلب آپ جانیں گے۔ خدا جانے کیا کیا باتیں میرے سر تھری ہیں گی۔ نامصاحب میں نے بھرا۔

پہلیج : مرزا صاحب میں بے حد شرمندہ ہوں۔

مرزا غالب : تمیں آپ حد کے اندر ہی شرمندہ رہنٹ۔

پہلیج : ہاں آپ کی خاطر کو کندہ کیا۔ زحمت نہ ہو تو آئیے ذرا صاب میں پلٹے ہیں یہاں روز ایر تو برابر ہوتا ہے کج اتفاق سے شب اجتاب بھی ہے۔

مرزا غالب : میاں یہ صاب کیا بلا ہوتی ہے۔

پہلیج : لوہو میں بھلا۔ جہاں بیٹہ کے لی تھیں۔

مرزا غالب : تو سلیبل کے دین ہا سے خانہ کہتے تھے وہاں سلیبل کہتے ہیں مگر ملت تو کلبے کو ملتی ہو گی۔ میں تو ویسے ہی ڈگریوں کے مارے لپٹی ہوئی اماسی ہوں۔ یعنی عازری جیب میں اک مار بھی تمیں ہر مسئلہ فرض تو کلبے کو دے گا

پہلیج : لگرنہ کچھ میرے پاس کچھ پڑا ہے۔

مرزا غالب : مجھے تو نظر نہیں آئے کہ سمجھتا آپ کس چیز کو پڑا کہتے ہیں۔

پہلیج : ادھر ہیں جیب میں۔

مرزا غالب : جیب میں یعنی کہ نقدی میاں ہوتی تو عتی بھی۔ صرف دھب سے آواز آتی یہ وہ نقدی ہے کہ ہولے نہ بچے اس کے علاوہ آپ کے بزرگ کیا کہیں گے تمیں میاں تم میرے طرود ہو۔ قصارے ساتھ ہم مشنل روا تمیں یہاں کوئی سرائے تو ہوگی جہاں رات کو پڑاؤ کر سکو؟

پہلیج : سرائے تو تمیں البتہ ہوگی میں ایک سے ایک بچہ کر نصارت اکرام وہ آپ کو بڑے شوق سے نصرا میں گے۔

مرزا غالب : ہاں نہ ہاں میں حیرا مسلمان میں کیوں کسی کے سر ہا کر ذمہ دے دوں۔

پہلیج : تمیں ان کے ورداے سب کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔

مرزا غالب : ہم پکاریں اور کھلے ہوں کون جاسے۔ ورداے کھلے دھا کریں بغیر پلائے تو میں تمیں نہ جہاں کا پکارنے کی بھی بات لگتا ہے۔

پہلیج : دیکھئے جیکے، قریب ہی ایک ہوٹل ہے۔ بھاس خولیں ہیں اس کی لوہ کی خول سے مارا لٹوان جھکا کا دکھائی دے گا۔

مرزا غالب : کیا آج شرم میں چہاں ہے کس بات کا بھاس خولیں گویا یہ نہ خول تھک سے بھی بمثال بچہ گیا ابھی تو میں ادھر سے آیا ہوں پوڑھا آدمی اترا آسمان نہ چڑھا۔ بھاس خولیں کیونکر

چرخوں لگ۔

پہلیج : لٹ گئی ہے ذرا کی ذرا میں پہنچا دے گی۔ اندر مجھے دروازہ بند کیا اور اس نے اوپر کی طرف
نہا ہمارا۔

مرزا غالب : اور ہر نہ رکی وہ اور شرمی سیدی۔ عالم بلا پہ ناک میں اپنا کام ختم کے بغیر نہیں جاتا
چاہتا۔ ایسی خطرناک سواری میں کہ اوپر آپ چڑھے اور وہ چڑھی۔ "تے ہاتھ ناک پر ہے نہ پاپے
رنگ میں"۔ اور تھوڑی دیر بعد بھی لٹ میں بیٹھنے کی نہیں ہے ہاں جب جانا چاہو تو جاؤ مگر میرے
کانوں کو گھٹا نہ کرو۔

پہلیج : میں نے آپ کی عقلی دادر کرنے کے لئے عرض کیا تھا ورنہ مجھے تو ابھی تھوڑی دیر یہاں بیٹھنا
ہے۔

مرزا غالب : کیوں کیا کوئی صریح طرح لے کے بیٹھے ہو۔ مثلاً وہ ہے شرمیں؟

پہلیج : جی نہیں اپنی ایک دوست کا انتظار کر رہا تھا۔

مرزا غالب : کیا کیا اپنی دوست پر خردوار دوست کلمہ ذکر کا ہے یوں کہو کہ اپنے دوست کا انتظار کر رہا
ہوں یا میرے دوست آ رہے ہیں۔

پہلیج : مگر وہ تو قبلہ ذکر نہیں سوٹ ہی کی صداقت ہیں۔

مرزا غالب : اچھا؟ پھر اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا آخر ہم بھی تو بچی سمجھتے آئے ہیں۔

وہ آیا ہم میں دیکھو نہ کیوں پھر کہ غافل تھے غلب و میرا اہل الجمن کی آرائش ہے
پہلیج : معلوم نہیں کہاں رہ گئی؟

مرزا غالب : کیا چڑ؟

پہلیج : میری دوست

مرزا غالب : ابھی جب تک میں ہوں اردو ٹھیک ٹھیک بولتے رہو۔ اس کے بعد ہر جی چاہئے بولنا
بنگالے میں کہتے تھے "جتنی آتا" تم نے ابھی حقی کی کہ "میری دوست آئی" دوست آیا کہ آئی؟

پہلیج : اور لکھتے "آئی گی۔ ذرا کسی سے بات کرنے کے لئے ٹھیک گئی ہے۔

مرزا غالب : یہاں یہ تو کوئی نیم ہے یہ لہڑی صاحبہ کون سے حاکم کی کیا گئی ہیں؟ ابھی بڑے رسوم
والے ہو۔ کوئی نکاح کیلے لیا ہے۔ اللہ اللہ صاحبان عالی شان کی میمنوں سے یہ رسم و رواج کہے دھاکے
سے بدھمی چلی آ رہی ہے۔

پہلیج : نہیں حضرت کس کا حاکم اور کون سا عظمیٰ ہے تو میری دوست، صاف لکھتے میرے دوست کی آمد

آہ ہے۔ ہاں اتنا ہے کہ ان کے والد اور پاکستان کی برطانوی سفارت میں ملازم تھے اردو بھی تھوڑی
بہت بول لیتی ہے۔ پاکستان میں ایک استثنیٰ کی جگہ خالی ہے اس کے لئے یہ بھی امیدوار ہیں۔

مرزا غالب : استغنی تم نے کہا استغنی تو کیا یہ قرآن پڑھی ہوئی ہیں؟

پرویز : جی نہیں، قرآن شریف تو میں پڑھا انہوں نے یہ سنا لی ہیں

مرزا غالب : خیر میں تو دیکھنا مشرب کوئی ہوں کر شان ہیں گویا کچھ معنی میں "بیت کافر"

پرویز : یہ وہاں لڑکیوں کو انگریزی پڑھائیں گی۔ پاکستان کے شہر لاہور میں۔

مرزا غالب : پاکستان؟ یعنی یہ تم نے کوئی ولایت کا نام لیا اور لاہور تو دلی سے اور اوپر پنجاب کے

اعلاے میں تھا کیا اٹھ گیا وہاں سے؟

پرویز : جی نہیں وہاں کا وہاں ہے میں نے عرض کیا تاکہ بڑے بڑے انقلابات ہو رہے ہیں۔

مرزا غالب : پس تم نے کہا کہ بڑی بڑی جنگیں ہوں گی، ہر گورنوں کی فتح ہوئی کہ کالوں کی؟

پرویز : حضرت وہ گورنوں کالوں کی نہیں وہ تو عالمگیر جنگیں تھیں۔

مرزا غالب : آخر یہ کس کا ہوا؟

پرویز : آخر میں۔ اللہ کا فضل رہا۔ اب یہ صورت ہے کہ ہندوستان اور پاکستان آزاد ہو گئے اور اس کو

بھی برسوں ہوئے۔

مرزا غالب : یعنی یہ پاکستان کوئی ولایت ہوئی پر اب میں کہہ چکے ہیں؟

پرویز : دونوں جانب ہندوستان کے دونوں جانب پاکستان کی سلطنت ہے، میں کہنے کے ساتھ ولایت تقسیم

کر دی گئی ہے۔ انگریز اب وہاں حاکم نہیں رہے۔

مرزا غالب : اسے بھائی تو کیا بھر تیموری سلطنت آگئی یا مرہٹے آئے براہ؟

پرویز : جی نہیں بلکہ عراقی سلطنت۔ دونوں ملکوں میں جمہوریت قائم ہے۔

مرزا غالب : یہ لفظ تو تم نے خوب برتن۔ "جمہوریت" بہت معقول نہیں کی امت میں اضافہ ہو رہا

ہے۔

لڑکی : انگریزی میں ویلہ گزایہ تک۔ میں حل تو نہیں ہو رہی؟

پرویز : نوکم ایلنگ میری۔ مرزا غالب سے ملو، ہمارے مشہور شاعر تم نے خود ان کا نام بنا ہوا۔

لڑکی : (انگریزی میں) اسے کچ بچے یہ تو بڑی خوش نصیبی ہے۔ چاہے مجھے آپ سے مل کر بڑی مسرت

ہوئی! مزاج شریف

مرزا غالب : ہم تو صرف اتنا ہی کہتے کہ آپ نے غرضبندی کا اہتمام فرمایا ہے۔ جتنی رہو۔ مجوزہ

ساکن

پرویز : آپ انگریزی نہیں بولتے۔ تم اردو میں ہی بات کرو شاید میں اچھی خاصی تو بولتی ہو۔ خوش

ہوں گے۔

لڑکی : مسٹر غالب۔ میں آپ کا برسی میں آئی تھی۔ لاسٹ ٹائم جب برسی ہوا۔

مرزا غالب : لیڈی صاحبہ خدا کے غضب سے ڈریں۔ میری بری میں شریک ہوئے ہوں گے کچھ مٹتی کچھ مولوی آپ وہاں کہیں۔ کب اور کہیں؟ یہ تو کہتے ہیں میرے انتقال کو بہت دیر ہو گئی۔

لڑکی : ٹو سو۔ لاسٹ ٹائم جب آپ کا بری ہوا۔

پردہ : easy "بری ہوئی" نہیں تو خدا ہو جائیں گے۔

مرزا غالب : کہیں بہتی کیا انگریزی میں تمہارے کو "بچہ" کہتے ہیں؟

پردہ : جی نہیں بچہ یعنی عقلمندی عقیدہ کی ضرورت۔

مرزا غالب : صیب صواب سب میں ہوتے ہیں۔ عقیدہ کی اس میں کیا بات ہے مرنے کے بعد تو دشمن کو بھی بخش دیتے ہیں۔

لڑکی : سید رک بھی ہوا۔ بہت مائی بہا۔

مرزا غالب : اچھا مائی بھی پڑی

لڑکی : اور میں آپ کا دیوان بھی دیکھا۔ "مرزا چٹائی" بہت پسند کیا Beautiful

مرزا غالب : لیڈی صاحبہ آپ کو ملا جھی ہوئی ، کوئی اور غالب یا غالب ہو گا۔ پہلے کوئی اسد نکل آئے

تھے۔ پھر شاید غالب بھی نکل پڑے۔ یعنی وہ انگریزوں ان ہی کی طرف بھجوا دیں۔ میری جان بخش دی

جائے تو بہتر ہے۔ میں بخش سے بھی ہلا گیا۔ ساہوکار کا قرض بھی قاضی الما جاہ اپنے آپ بھروسے کا۔



مرزا غالب

ڈاکٹر اعجاز حسین

ابتدائی تعارف

”سنج پر دم مدھنی بھلی بھلی موسیقی“ غریبک میں مرزا غالب کی موت کا اعلان مائی کے مرنے ”غالب“ سے چند اشعار کا درد ناک گواہ میں پڑھا جاتا (ایسے اشعار کا پیش کیا جاتا جن سے عظمت اور ہر لحاظ سے کا احساس سامعین کو زیادہ ہو کر یہ دنیا کی طرف دھیان کم ہو۔

نکتہ	واں	نکتہ	منج	نکتہ	شاس
پاک	دل	پاک	وقت	پاک	صفت
لاکھ	مضوں	اور	اس	کا	اک
ہو	کیا	نکس	دل	پہ	جو
قلم	اس	کا	تھا	اور	اس
سہ	کلف	اور	اس	کی	سیدھی
ہو	میا	نکس	دل	پہ	جو



اس کو اگلے پہ کیوں نہ دیں زنج اہل انصاف غور فرمائیں
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے ہے لوب شرط منہ نہ کھولائیں
غالب نکتہ واں سے کیا نہیں خاک کو آسمان سے کیا بہت
(ایک لڑکتے کے بعد)

کو دیکھیں کہ کون تھا غالب

(یہ وہ الفاظ ہیں شروع ہوتا ہے)

پہلا ایکٹ ————— پہلا سین

غالب اور ان کی بیوی۔

غالب کا مکان — ایک کمرہ

فرش۔ گاؤں تکیہ لوگال والے۔ لوبان کی خوشبو۔ کچھ کتابیں۔ صندوق پر ”چراغ“ ہام دیتا“ غامدیان

امراؤ بیگم : میں یہ نہیں کہتی کہ اس شادی کے سلسلے میں آپ مجھے آسمان سے آگے توڑ کر دیں، میرا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ لہارو خاندان کے مرتبہ کا خیال رکھ کر مزہ داری چلائی جائے۔

غالب : مجھے لہارو خاندان کا بھی خیال ہے اور اپنے خاندان کا بھی۔

امراؤ بیگم : کیا مطلب؟

غالب : کہنا یہ ہے کہ لہارو خاندان میری نظر میں صاحب عزت ہے دولت و ثروت کے اعتبار سے بھی اور علم و فضل کے لحاظ سے بھی اور اپنے خاندان پر نظر کرتا ہوں تو وہ بھی کسی سے کم نہیں دکھائی دیتا۔ میرے باپ اور چچا چھ دیوانے تھے مگر اس سرزمین پر اپنے خون سے شہرت کی مرگ تھکے۔

امراؤ بیگم : اور آپ کے باپا اٹھ کے کرم سے ابھی تک نامور اور بڑے پاپے کے رکھن ہیں۔

غالب : ہاں وہ اپنی شہامت اور حیثیت کے لحاظ سے کسی راجہ، نواب سے کم نہیں انھیں ہاتھوں کا خیال تو مجھے مارے ڈالتا ہے۔ یوپی کے رشتہ دار بھی خوش حال اور میاں کا بھی خاندان اپنی نسل و بھلاوری کے لئے مشہور ہیں۔

امراؤ بیگم : (ہات کٹ کر) لیکن کیا... چپ کیل ہو گئے؟

غالب : بات کچھ ایسی ہی ہے جو چپ ہیں۔

امراؤ بیگم : آپ کو نے لولے لنگڑے ہیں کسی سے کم نہیں ہیں؟ آپ اپنی قابلیت سے نام نہان بھر کو جگا سکتے ہیں اپنے بزرگوں کی شہرت میں اپنے ہاتھوں چار چاند لگا سکتے ہیں مگر شراب پیئے تو کچھ کام ہتھ۔

غالب : میں سمجھتا ہوں مگر کاتب قدیر کی بددعا کو کیا کہوں اس نے میری زندگی کو شہتہ پا کر دیا ہے۔

امراؤ بیگم : مرزا صاحب ! آپ عورتوں کو الزام دیا کرتے ہیں کہ خدا جانے کہاں کہاں کی بے نیکی ہاتا کرتی ہیں اور یہ کہ ان کو اتنی فرصت کیسے مل جاتی ہے؟

غالب : کہا میں سمجھا نہیں؟

امراؤ بیگم : اپنے ہی کو دیکھئے میری ذرا اسی بات پر غصہ بکھاؤ گے امرت خاندان کی باتیں کرنے لگے صاف جواب دینے کو جی نہ جایا تو مجھ سے کاتب تقدیر کو بدنام کرنے لگے یا اللہ توبہ!

غالب : (مسکراس) تم میرا مطلب نہیں سمجھیں۔

امراؤ بیگم : توچ آپ کا کوئی مطلب کچھ ہے؟ شامی کر رہے ہیں۔ میں سمجھوں کیا؟

غالب : بیگم صاحب (درا لہی آواز میں) میرے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ تم رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اپنے لہارو خاندان کے شہان شاہ کچھ خفہ لے جانا چاہتی ہو اور میں اپنے بزرگوں کے ہاں و مرتبہ کے لحاظ سے بھی اس کو ضروری سمجھتا ہوں تمہاری ہم خیالی ہوں مگر۔

دوم و دوم اپنے پاس کہیں

خبل کے گھونٹے میں ہاں کہاں

امراؤ بیگم : میں یہ بھی جانتی ہوں مگر بھرم رکھنے کے لئے کہہ تو کرنا ہی چاہئے جگ ہسانی سے تو چٹنا ہی ہے دنیا کیا کہے گی کہ غلام حسین کیدان اور رئیس کا زور ایسا مطلق و طاہر کہ بھٹی برادری میں ہانک کٹانے کو تیار ہے۔

غالب : میں خود بھی لہوہا خاندان میں سبک فیس ہونا چاہتا خاص خاص موقع پر نمایاں ہونے کی خواہش مجھے بھی ہے مگر ہاں جان سے کہاں تک مانگوں۔

امراؤ بیگم : (دراغ ہو کر) میں کہہ نہیں جانتی آپ کو روپے کا انتظام کیا ہے۔ آپ مجھے دیر ہو رہی ہے کل وہاں رت بگا ہے مجھے چاہا بھی ہے اچھا میں جلی خدا حافظ۔
(بیگم آجاتا)

مرزا غالب : (سلما کا مرزا غالب کے کمرے میں آتا۔ جگ کر تسلیم کرتا)

مرزا غالب : سلما آج تو بڑے فضاخ ہیں یہ پوشاک یہ سج و سج تو۔۔۔۔۔

سلما : نوشہرہ میں آپ تو ہر وقت مذاق کرتے ہیں نہ فضاخ ہے نہ ہلٹ۔

غالب : 'سلما' تم بیگم کے ساتھ ہی ان کے نیچے سے آئیں اور ان کو آپا جان کہتی بھی ہو اس منہ پر لے رہی ہے میری سال ہو اور سال سے مذاق چاڑ ہے۔

سلما : جیسی تو آپ کو میں نے نوشہرہ میں کتنا شہرہ کیا تھا۔

غالب : (ہات کات کر) نوشہرہ کو جو حق ہو آ ہے وہ بھی تم جانتی ہو۔ پھر داراغ کیوں ہوتی ہو۔

سلما : میری بھال ہے کہ میں آپ سے داراغ ہوں۔

غالب : اچھا تم فیس تسماری پوشاک بدل رہی ہے 'ہاں اس کو تو مجھ سے داراغ ہونا چاہئے۔

سلما : آپ تو ہر وقت مذاق کرتے ہیں 'بیگم صاحب نے دریافت کیا ہے کہ آپ کے بچے تو اب صاحب کے یہاں شریف لے جائیں گے۔

غالب : یہ کیوں پوچھا؟

غالب : شاید آپ کے ساتھ فٹی جی کی ٹوکی کی شادی میں جائیں۔

غالب : میں تو صحیح ہی فٹی جی سے معذرت کر آیا۔ مجھے تو اب صاحب کے یہاں جانا ہے۔

سلما : بیگم صاحب کو یہ معلوم ہے 'مگر وہوں مگر تو قریب ہیں' آپ وہاں بیگم صاحب کو بھڑو دیتے گے۔

غالب : ہاں یہ ہو سکتا ہے۔

(دروازے پر دھک ہوتی ہے)

غالب : دیکھو کلن دھک دے رہا ہے۔

(سلما باہر جاتی ہے اور پھر اندر آکر کہتی ہے)

- سلا : سینہ بھی چند آئے ہیں ملنا چاہتے ہیں۔
- غالب : ان کو یہاں بھیج دو اور تم جلا تکم کو قادیان میں کہو دیر بعد جلاؤں تک۔
(صاحبزادہ آتا ہے سلام کرتا ہے)
- غالب : سلام کا جواب دیتے ہوئے آپنے آپنے تشریف رکھئے آپ آتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے گھر کا جاک بھی آئی۔
- بھٹی چند : ہا ہا ہا۔ مرزا صاحب میں تو آپ کا خادم ہوں اور شاید وہ۔۔۔
- غالب : ہاں بھائی۔ جب ہی تو باز غریب کرتی ہے مگر جب آتی ہے آپ ہی کے ساتھ پردے میں آتی ہے میں تو آپ ہی کا شرمندہ انسان ہوں کہ بھولے ننگے اس کے درشن کرا دیتے ہیں۔
- بھٹی چند : مرزا صاحب آپ کی باتیں جو ایک بار سن لے تو ہر عمر بھر۔۔۔
- غالب : آپ کی قدر دانی کہ آپ مجھے کہہ سکتے ہیں 'جاک جاک میں آپ کا شرمگزار ہوں۔ کتنے آج کیسے تکلیف کی؟
- بھٹی چند : میں تکلیف دینے حاضر ہوا ہوں۔ اس رتھ کی معیاد ختم ہو رہی ہے۔ اگر مدد سے ممکن نہ ہو تو دوسرا رتھ کھ دیجئے معیاد بڑھ جائے گی۔
- غالب : آپ مجھے تکلیف دینے نہیں آئے فرض کی طرف توجہ دلائے آئے ہیں اس وقت میں بھی مزید تکلیف دینا چاہتا ہوں۔
- بھٹی چند : (دست بست) جو حکم ہو میں حاضر ہوں۔
- غالب : رتھ کی معیاد تو میری معیاد حیات تک بڑھتی رہے گی۔ نہ قید بہت کی معیاد مجھے معلوم ہے نہ رتھ ختم ہونے کی دونوں معیادوں کو ساتھ ساتھ ہی پہنے دیجئے۔
- بھٹی چند : بھگوان آپ کو زندہ رکھے دونوں معیادوں کو آپ نے ملایا خوب۔
- غالب : پہلی معیاد امیری اللہ میاں نے عائد کی اور دوسری سیتھ بھٹی چند نے معلوم ضعیف پہلے کون معیاد ختم ہو گی یہ ہر حال دوسرا رتھ کھ دوں۔ مگر آپ کی تعداد یکم اور ہو گی۔
- بھٹی چند : اچھا تو میں ہر کسی اور دن حاضر ہو جاؤں گا جتنے مدد کی ضرورت ہو گئی لیتا آؤں گا دوسرا رتھ کھ دیجئے گا۔
- (دروازے پر کھٹ کھٹ کی آواز۔ عارف کا اندر آنا)
- عارف : خالو ابا۔ نصیر خان صاحب اور سر فرزا حسین صاحب تشریف لائے ہیں۔
- غالب : بلاؤ۔
- بھٹی چند : حضور مجھے اجازت۔ جب میری ضرورت ہو عارف میاں سے اطلاع کرا دیجئے گا۔
- غالب : اچھی بات ہے

(مجھی چند سلام کر کے جاتے ہیں نصیر خان نور سرفراز حسین آتے ہیں)

سرفراز خان : (خند میں) بد قیڑی کی حد ہو گئی شعر گھنٹے میں اور سہل کہنے کو چار ہیں۔

نصیر خان : ان جاہلوں کے حد نہ لگنا چاہئے۔ یہ بات کے نہیں لگت کے آ رہی ہیں۔

سرفراز خان : اب میں ہو گا سربازار جوتے نہ مارے تو؟

نصیر خان : تو کیا ہاتھ پائی کو کے؟

سرفراز خان : (آہستہ چڑھاتے ہوئے) ہاتھ پائی۔ ہنگ کرت مارا تو نام نہیں!

غالب : (حیرت سے) کیا ہوا خیر تو ہے کس کو مارنا ہے، کس سے لڑنا ہے۔

نصیر خان : حضور یہ بھی عجیب آدمی ہے جاہلوں سے لڑتے ہیں۔

غالب : کون جاہل ہے؟ کس سے لڑنے کا ارادہ ہے؟

نصیر خان : استاد یہ آپ کی برائی میں سن سکتے۔ وہ جو سلیمان عطار کا لڑکا رحمان ہے۔ کج اس سے

الہ چڑے، میں نہ بچ جاتا تو مار چھٹ ہو جاتی۔

غالب : کیوں بات کیا تھی؟

سرفراز : اچھا! تو کیا وہ شاعر بھی ہے؟

نصیر خان : جی ہاں۔ کچھ کتا ہے۔ لپٹ کو استاد ذوق کا شاگرد بھی بتاتا ہے۔

سرفراز : (نصیر خان سے) تم بھی کیا باتیں کرتے ہو، وہ بیوقوف کسی کا بھی شاگرد نہیں، اتنا چمکا ہی نہیں

کہ شعر کہ سکے۔ کوئی کہہ کر دیتا ہو گا اور وہ شاعر ہو گیا۔

غالب : سرفراز تم نہ چمان ہو۔ نہ جاہل ہو۔ ایسے آدمی سے بحث ہی کیوں کی؟

سرفراز : وہ شعر گھنٹے کے بجائے آپ کو گھنٹا چاہتا تھا ذات و صفات پر اتر آیا تھا۔ حرامزادہ۔

نصیر خان : استاد ذات و صفات میں ہم دونوں نے حصہ کر لیا ہے۔ میں چمان ہوں اور اور یہ جاہل۔

غالب : (چپے ہوئے) یہ تقسیم بھی خوب رہی۔

سرفراز : نصیر خان تم یہ دونوں کی طرح باتیں نہ کرو۔ ہر وقت مذاق کیا کرتے ہو، تم نے وہی بھی بے

دقتی کی اور میں بھی کر رہے ہو۔

نصیر خان : بکے آدمی! اس کو شعر سمجھاتے اور معنی مطلب پر مدد دینی ڈالتے تاکہ کالی گھور۔۔۔

سرفراز : میاں کیا باتیں کرتے ہو وہ نہ سمجھ سکتا ہے۔ نہ سمجھتا چاہتا ہے، کتا ہے جس طرح مرزا

سائب شعر کہتے ہیں وہ کوئی کہنے کا طریقہ نہیں نہ استاد ذوق اس طرح کہتے ہیں نہ شاہ نصیر نہ کوئی اور

مشہور شاعر۔

غالب : (صغریٰ سامنے لے کر) السوس یہ کم بہت کبیر کے فقیر رہیں گے۔ ہاں کڑمی میں اہل چاہتے

ہیں آواز پہ تازہ خیال و بیاں۔۔۔

نصیر خاں : حضور یہ لوٹے کیا جانیں کہ شعر کیا ہوا ہے۔ چہائے ہوئے تھے چہائے منہ بٹاتا۔ اس کا شعور ہے۔

سرفراز : تو پھر کسی پر بلاوجہ اعتراض کیوں کرتے ہیں؟

نصیر خاں : بڑے آدمی پر اعتراض کر کے خود مشہور ہونا چاہتے ہیں اور کیا؟

غالب : میں نہانے کو نیا انداز بیان سے خیالات دینا چاہتا ہوں وہ اس کو میری کمزوری سمجھتے ہیں۔

سرفراز : اس کو سمجھنے کے لئے ذہن بھی نیا چاہئے۔ اسلوب الفاظ و محاورات کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ شعور اور وسیع انکسری نہیں دے سکتے کیونکہ ان کو خود یہ دولت نصیب نہیں۔

غالب : میں نے چاہا تھا کہ جی تخیل و ترکیب کا سارا لے کر لوگ اندھیرے سے اہالے کی طرف سفر کریں مگر یہاں تو لوگ اہالے سے اندھیرے کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ میری شاعری کی روشنی میں نہانے کے انتخاب کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔

نصیر خاں : اساتذہ آپ افسوس نہ کریں۔ بعض جانور آفتاب کی روشنی سے اتنا گھبراتے ہیں کہ سورج چھپنے کے بعد ہی باہر نکلتے ہیں۔

سرفراز : میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ مرزا صاحب کی شاعر کا مذاق اڑانے والے الو ہیں۔

غالب : وہ الو نہیں نہانے والے ان کو الو بنا رہے ہیں۔ وہ ایک ساز ہیں جن میں ان کی آواز نہیں کوئی اور۔

سرفراز : میں ان کو چپ کر کے رہوں گا۔

غالب : لیکن ہے ایک ساز ٹوٹ جائے پر بھی آواز آتی رہے۔ لیکن جلد ہی وقت آئے گا چپ یہ ہے وقت کی شہتانی خاموش ہو جائے گی۔

نصیر خاں : تو کیا ہم لوگوں کو چپ ہو کر بیٹھ رہنا چاہئے۔

جہد : جہد کا سلام قبول ہو، اجازت ہو تو اعداء آجائے۔

غالب : آئیے اجازت ہے۔

جہد : (جہد اعداء آجائے ہیں)

جہد : (پیشے سے پہلے) مرزا صاحب آج یہ خاموشی کیسی؟ آپ کچھ عجیبہ ہیں حالانکہ شاعر ہیں۔

غالب : (بہن کر) تو آپ کے نزدیک شاعر کو عجیبہ نہ رہنا چاہئے۔

جہد : مرزا صاحب گستاخی صاف عجیبہ کی تو ہر شخص کے لئے پاپ ہے اور شاعر کو تو حرام ہے۔

سرفراز : کیا کہنا ہے اس خیال کا۔

نصیر خاں : ان کی سادگی وضع قطع سے یہ خیال نکھ رہا ہے۔ طبع دیکھئے لباس پر نظر ڈالئے۔ باقی

ہئے۔

ج د : غل صاحب ج ہے ' میرا ظاہر دامن ایک ہے۔

غالب : اور شامی؟

ج د : بزرگوں سے ملتا ہے کہ شاعر تعزیر کے لئے ہے نہ کہ دماغ سوزی کے لئے۔ سوچتا سمجھتا تو مر کا گھٹا ہے۔

غالب : کیا بات کہی ہے۔؟

سرفراز : جو لوگ بغیر سوچے کجے کسی شعر کو مصل کہتے ہیں ' ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔؟

ج د : میں! یہ کئی کوئی پوچھنے کی بات ہے شعر تو مصل ہوتے ہی نہیں شاید وہ لوگ سوچ سمجھ کر مصل نکالتے ہوں گے سوچ بچار میں یہ لفظی ہوتی ہوگی ورنہ شعر اور مصل لاجل ولا قوت۔

نصیر خاں : اور جو لوگ مرزا صاحب کے اشعار کو بے مصل بتاتے ہیں وہ کیا ہیں۔؟

ج د : ان کا مطلب ہے کہ مرزا صاحب بہت بڑے شاعر ہیں ' مصل شعر کا آسان آسان نہیں میر تقی میر اسلوب فوق مومن گوان مصل شعر کہ سکا کسی ایک کا نام بتائیے والد مرحوم ای قلم میں جو گئے۔ ایک شعر بھی مصل نہ کر سکے۔

غالب : جس طرح مصل شعر کا مشکل ہے ویسا ہی آپ کی فلسفیانہ گفتگو کا سمجھنا بھی آسان نہیں۔

ج د : مرزا صاحب آپ نے تو میری توجہ کر دی۔ میں اب جاتا ہوں۔

غالب : توجہ کیسے؟

ج د : نہیں تو اور کیا؟ سوچ سمجھ کر گفتگو کرنے والے پر سخت اگر میری باتیں فلسفیانہ ہو گئیں تو آج ہی میں خود کٹھی کر لوں گا۔ چاہے آپ برا بھلا اب میں نہیں رک سکتا کولاب مرض ہے۔

(ج د اٹھ کر جاتے ہیں ' سب بدکتے ہیں مگر وہ غصہ میں چلے جاتے ہیں)

(سلما اندر آنا چاہتی ہے اور ج د غصہ میں تیزی سے باہر جانے کی فکر میں سلما سے دروازے پر ٹکرا جاتے ہیں)

سلما : اولی اللہ یہ کون کھروا ہے دیکھ کر نہیں چلتا۔

ج د : نہیں جانتی میں ج د ہوں۔

سلما : میں کبھی کوئی آدمی ہے۔

(ج د بڑبڑاتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ سلما اندر آتی ہے)

سلما

: حضور! حکم صاحب آپ سے کہہ رہی ہیں کہ جانتی ہیں۔

غالب : خیریت تو ہے۔؟

(کچھ سوچتے ہوئے سرفراز اور نصیر خان سے کہتے ہیں)

ایسا بھائی نے اہل دل رخصت۔ پھر باتیں ہوں گی۔ خدا حافظ۔

(سرفراز اور نصیر کو آپ عرض کرتے ہوئے باہر چلے جاتے ہیں)

غالب : (سلا سے مخاطب ہو کر) باز کہ وہ یہاں کوئی اور نہیں۔ آپ آئیے۔

(سلا کا ہاتھ۔ امراؤ بیگم کا آنا)

امراؤ بیگم : یہ کیا شور تھا۔ کون لوگ لا رہے تھے۔

غالب : کہیں ہی کے لوگ تھے۔ کسی سے تو جھڑک آئے تھے پریشان ہونے کی بات نہیں۔

امراؤ بیگم : اللہ توبہ۔ میرا دل دھک سے ہو گیا میں سمجھی کہ آپ کسی پر ناراض ہو رہے ہیں۔ میں گھبرا کر چلی آئی آپ کو میرے سر کی قسم جی تھاپے کیا بات تھی؟ کوئی مہاجن۔۔۔

غالب : (بات کٹ کر) لاعول ولاقوة ایسی فضول باتیں آپ کیوں سوچتی ہیں؟ کیا بھال کسی کی کہ مجھ سے

زبان لڑائے۔ لڑان تو انسان ہیں گستاخی فرشتہ بھی نہیں پسند کرتا۔

امراؤ بیگم : تو بتاتے کیوں نہیں کیا بات تھی؟

غالب : وہی بدعاتی جو میرے دشمنوں کو داس آگئی۔ میرے کلام کو مصل تھانا اس کا مذاق اڑانا ان کا

مقصد ہو گیا ہے۔ ایک صاحب جن کا نام رحمان ہے وہ سربازار کہہ رہے تھے کہ مرزا غالب کے

اشعار بے معنی ہوتے ہیں اس پر میرے دوستوں کو فخر آیا۔ کچھ تخریج باتیں ہو گئیں سرفراز خان کو

کسی طرح یہاں تک لایا گیا مگر وہ اسے فخر میں تھے کہ میرے سامنے بھی جادہ سے باہر تھے۔

امراؤ بیگم : مصل کہنے والے کہ منہ میں خاک۔ میں ہوئی تو موعظی کالے کو دس جوتیاں لگائی یہ ہے

کون مسخو جو یہ سب بتکا ہے۔

غالب : استاد ذوق کا شاگرد اپنے کو بتاتا ہے۔

امراؤ بیگم : استاد ذوق توبہ اللہ! ابا جان تو انہیں کے شاگرد ہیں۔ وہ تو کئی بار کہہ چکے ہیں کہ مرزا غالب

کئی لحاظ سے قابل قدر شاعر ہے۔

غالب : میں بھی سمجھتا ہوں کہ ان کی سنجیدگی اور بزرگی اس قسم کی بے کار باتیں کہنا کیا سزا بھی نہ پسند

کرسے گی۔

امراؤ بیگم : مہرے گھبرا ان جھانڈ بچوں کو۔ آپ اپنا کام کیجئے۔ خاص خاص لوگ تو آپ کی قابلیت اور

شاعری کی بہت تحریف کرتے ہیں۔ ان جاہلوں کے بچکے سے کیا ہوتا ہے۔

غالب : (کچھ سوچ کر) ایسا لوگوں کو جانے دیجئے۔ بے لوث ہو کر تھاپے کہ میری شاعری آپ کے

نزدیک کہیں ہے۔؟

امراؤ بیگم : کیا آج اور کوئی آپ کو یہ وقف بنانے کو نہیں ملے۔ بھلا میں کیا اور میری رائے کیا۔؟

غالب : تم ایک اچھے شاعر کی بیٹی اور ایسے خاندان کی چشم و چراغ جس میں عیشِ علم و ادب کا چرچا رہا۔
خود بلاشبہ اللہ پر مبنی کبھی پھر آپ کی رائے کہیں نہ پہنچوں۔

امراؤ بیگم : مجھے آپ کی شاعری میں نیا پن بہت پسند آتا ہے۔ مگر کبھی کبھی کہاب میں ہڈی حوا خراب کر
دیتی ہے۔

غالب : کیا مطلب؟

امراؤ بیگم : کہ آپ برا نہ مانیں۔ مشکل الفاظ اور دور کا خیال بات کو پراثر نہیں ہونے دیتے۔ جی چاہتا ہے
کہ کچھ سہل زبان ہو نرم زبان ہو۔ تو شعر میں مٹاؤں آہائے کہ عربی مرزا نہ بھولے۔

غالب : دلی والی ہوتی ہے کہ کوک بغیر سوچے اشعار سمجھ میں آجاتیں۔

امراؤ بیگم : اللہ آپ کو زندہ رکھے بات تو پتہ کی ہے۔ کہ خوش کہنے کو ہر کچھ کہنے کا ”مرزا“ ہو۔

غالب : میں سمجھا۔ تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میرے فن و فکر میں ہم آہنگی نہیں؟

امراؤ بیگم : مرزا صاحب یہ تو میں نہیں جانتی۔ کہنا صرف یہ ہے کہ بعض وقت آپ کی شاعری سے دلخ
جنہا اٹھتا ہے آپ سیدھے سادے شعر کہیں نہیں کہتے؟

غالب : میرے فکر و فن کا تقاضا کچھ اور ہے آسان زبان میں اول تو وہ بات نہ آنے کی اور پھر بڑی
صحت کی ضرورت ہے۔

امراؤ بیگم : آپ کو صحت شعر درست کرنے میں نہیں شراب چھوڑنے میں۔۔۔

غالب : شراب کی توہین میں نہیں سن سکتا۔

امراؤ بیگم : تو میں جانتی ہوں۔

غالب : (کچھ سوچ کر) میں ذرا قہم جاؤں۔ کچھ ضروری باتیں کہتی ہیں۔

امراؤ بیگم : یا اللہ خیر تو ہے۔

غالب : بات اہم ہے۔ غور سے سنو۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ بڑے بڑے وہ خاندانوں کے بچے ہیں ہم اس
طرح بڑھ گئے ہیں جیسے بچی کے وہ بات کے درمیان کوئی دانہ نہ چاہئے نہ نکل سکتے ہیں نہ ٹھہر سکتے

ہیں، ان خاندانوں کی برابری دولت چاہتی ہے۔

امراؤ بیگم : مرزا صاحب میرا دم ٹھٹھ رہا ہے۔ ہر کچھ کہنا ہو صاف صاف کہئے، آپ شعر کہہ رہے ہیں
طاقتیں کہہ رہے ہیں۔

(غالب ٹھٹھے لگتے ہیں کچھ سوچنے کے انداز میں)

غالب : تم گھبرا رہی ہو۔۔۔ میں نے سوچا ہے کہ اپنا دکھ رکھاؤ قائم رکھنے کے لئے دنیا کی سب سے بڑی
دولت پر ہاتھ ماروں۔ اگر کچھ حد مل جائے تو دنیا مجھے قدر کی نگاہوں سے دیکھنے لگے؟

امراؤ بیگم : ادنیٰ کون ایسی دولت ہے۔

غالب : اپنی شاعری سے میں ایسا چراغ روشن کرنا چاہتا ہوں جو فکر و فن کی پہنچ کو بھڑکا دے۔ دنیا اسی کی روشنی میں بگھے دیکھے۔

امراءِ ہیکم : آپ مرزا ہیں، مگر باتیں شیخ جلی کی سی کرتے ہیں، پہلے اپنے غریبے کی فکر کیجئے، قرض کی تاریکی دور کیجئے پھر شعر و شاعری سے چراغ جلائیے گا۔

غالب : (بات کاٹ کر غصہ میں) کیا فضول باتیں کرتی ہو، شاعر کو سماج کی آنکھ سے نہ دیکھو۔

امراءِ ہیکم : ذرا خدا گنتی کئے، شاعری میری گنتی میں ہے میں مرزا الٰہی خلق معروف کی بیٹی ہوں۔ اس خاندان میں نہ معلوم کتنے شاعر ہوئے ہیں۔ سچ پوچھئے تو میں شاعری کی گود میں پلی ہوں اور آپ؟

غالب : (جھنجھلا کر) بس ہیکم نوازا نہ ہو سو درخش۔

امراءِ ہیکم : ورنہ کیا؟

غالب : تم نے ایک دیک کا جلال نہیں دیکھا۔ سنا نہیں کہ میرے باپ اور چچا کس ہوانمروی سے میدان جنگ میں کام آئے۔

امراءِ ہیکم : تو ایسے لوگوں کو شاعری سے کیا واسطہ؟

غالب : ہم نے اگر شمشیر و شل کے باہر دیکھا کہ تختِ تاج کو زینت بخشتی ہے تو قلم و کتاب کا بھی احترام کیا ہے ذرا تاریخ کی کتابوں کو دیکھو۔

امراءِ ہیکم : بگھے پرانی تاریخ نہیں معلوم۔ اور آپ کو نئی تاریخ کی خبر نہیں۔

غالب : خدا جانے کیا کہہ دی ہو؟

امراءِ ہیکم : آپ دلی کے تخت پر اکبر و جہانگیر کو سمجھ رہے ہیں۔ اس پر نظر نہیں کہ اب ان کی جگہ بجاورد شاہ ظفر ہیں جو خود انگریزوں کے۔

غالب : بس غاصوش ہیکم پہلی جلا ورنہ اچھا نہ ہو گا۔

امراءِ ہیکم : کیا اچھا نہ ہو گا، کمری بات کہو تو مرہیں گنتی ہیں، شاعری سے ان کو دولت مل جائے گی، حکومت ان کو ہوا بہت میں قتل دے گی۔

غالب : اچھا اب تم پہلی جلا دیکھے تھا چھوڑ دو۔

امراءِ ہیکم : میں جانتی ہوں۔ سکون میری شاعری کریں گے چراغ جالتیں گے (۱۱۱۱)

(امراءِ ہیکم کا چانا)

(غالب تھائی میں خود اپنے آپ باتیں کر رہے ہیں۔)

خاندان کا وقار اپنا رکھ رکھاؤ تو کم نہ ہونے دیا گا۔ کیا کیا جائے، سماجی۔ قرض۔ کچھ سوچتے ہوئے ایک جام چڑھا لیتا۔

میری شاعری کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچا رہی ہے کیوں نہ دست بردار ہو جاؤں گویا بڑا خود غرض

ہوتا ہے۔ مگر میں شاعر بھی ہوں 'دنیا کو کچھ دینا چاہتا ہوں۔ بڑی سمجھتی ہے۔ میں سلطنت سے امید کرتا ہوں نہیں میں نہ اسے توقع کرتا ہوں تج نہیں تو کل وہ مجھے بچانے کا میں دنیا کو روشنی دینا چاہتا ہوں۔ کیا انہوں نے خیال سے آنکھ دالوں کو چھوڑ دیں؟ نہیں یہ ہرگز نہ ہو گا۔ وہاں میرا انتظار ہو گا مجھے فوراً چلا جانا چاہئے۔

(پہلے کرتا ہے)

پہلا ایکٹ ————— دوسرا سین

شیفتہ کا مکان

(شیفتہ، میٹل خاں، سر فراز، غالب، شیریں)

- شیفتہ : ابھی تک مرزا نہیں آئے۔ کافی دیر ہو چکی ہے۔
- میٹل : جی ہاں کیا کیا جائے۔ میں نے تو ایسا انتظام کرایا تھا کہ فشی سٹک دوا پر شاد کی دعوت سے جیسے ہم لوگ انہیں مرزا صاحب کی غزل فوراً طوائف شروع کر دے۔ اب وہ شروع کرنے ہی کو ہو گی۔
- شیریں : مرزا صاحب یوں ہی انتظار دکھایا کرتے ہیں۔؟
- شیفتہ : دیکھئے نہ۔ شیریں آدھ گھنٹہ سے یہاں بیٹھی ہیں۔
- پہلے : ان کو تو انتظار میں مرزا آتا ہے۔
- نصیر خاں : (پہلے سے غائب ہو کر) آپ کو تو اس قسم کا انتظار ہی کبھی نہ کرنا پڑا ہو گا۔ ایک اڑھائی میں آپ ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔
- شیریں : جانور انتظار کا مرنے کیا جانیں۔
- میٹل : (گھبراہٹ سے) مرزا صاحب کی غزل شروع ہو گئی۔
- شیفتہ : اگر اور بیٹے یہی انتظار ہوتا۔ کیا کہا ہے۔
- شیریں : بولے اچھے انداز سے غزل گائی جا رہی ہے۔
- نصیر خاں : تو کیا یہ مصروف مرزا صاحب نے آج ہی کے دن ہم لوگوں کی زبان سے سننا چاہا تھا۔
- پہلے : ارے وہ انہیں گے نہیں آپ لوگ ان کے دھند۔
- شیفتہ : (بات کٹ کر) نہیں نہیں وہ ضرور انہیں گے۔
- میٹل : بد بد صاحب گانا سنئے۔ برا نہ مانئے تو کہوں کہ تھوڑی دیر کے لئے چپ ہو جائے۔
- شیریں : ابھی بات ہے۔ ہم لوگ خاموش ہیں۔
- (غزل گائی جا رہی ہے۔ آواز دور سے آرہی ہے۔ ہر مصروف پر لوگ شیفتہ کے بیان کی تعریف کر رہے

ہیں بھی کہہ کر دیتے ہیں۔ آخری شعر غالب آجاتے ہیں

غالب

: وہ ایسے اچھے اچھے لوگ یہاں متع ہیں۔

شیفتہ

: اسے مرزا صاحب آپ نے کمال کیا۔ ہم لوگ کب سے انتظار کر رہے ہیں۔

غالب

: بھائی میں تو دقت سے آہاتا، مگر قصاری بھائی نے کھلا بھیجا کہ غشی سکھ دیو پر شاہ اور نواب

صاحب تو پڑوسی ہی ہیں، میں بھی ساتھ چلی چلوں، آپ مجھے وہاں چھوڑ دیجئے گا۔

شیریں

: تب تو لوہ پھلے آتا تھا۔

شیفتہ

: جی ہاں۔ ہوتا تو یہی چاہئے تھا۔

شیریں

: مگر مرزا صاحب غورقوں کو بدنام کرتے ہیں آپ۔

غالب

: نواب صاحب آپ جانتے ہیں کہ غورقوں کی تجاری کس غضب کی ہوتی ہے۔ ان کا ہڈا سنگار

کھتا وقت لیتا ہے۔

بد

: مرزا صاحب کیا ہڈا سنگار تو سب کہہ رہے؟

غالب

: آپ کے لئے سب کہہ رہے مگر خود غورقوں سے پوچھئے کہ ان پر کیا گردنی ہے۔ آزاد کشمیر

و زبائش پر شاہ پہلے ان کے لئے محنت طلب ہے۔ ہمدردیوں کے لئے جان طلب ہے۔

شیریں

: مرزا صاحب آپ غورقوں کے ہمدرد کب سے ہو گئے۔

غالب

: (بشتہ ہوئے) جو سرایا درد ہو وہ کسی کا ہمدرد ہو سکتا ہے خوب ملاقات ہوئی۔ مجھے اگر معلوم ہوتا

کہ تم بھی یہاں مل جاؤ گی تو میں شام ہی سے آجاتا۔

شیفتہ

: یہ تجاری تو میری میلالت کے لئے آئیں۔ ان کو تو بہت ہمدرد میں علم ہوا کہ میں بیمار ہوں۔

شیریں

: اب تو نواب صاحب ہشام اللہ بہت اچھے ہیں۔

غالب

: اب نہ اچھے ہوں تو کب اچھے ہوں گے۔

میش

: مرزا صاحب کیا آپ نے آج ہی کے لئے کہا تھا کہ

ان کے دیکھے سے جو آہاتی ہے منہ پر مدق

وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

سرفراز

: کیا شعر کہا ہے۔ حقیقت کو شتر تاروا ہے۔

شیریں

: مرزا صاحب آج نواب صاحب نے اپنا ایک شعر تلا تو میں بزرگ اٹھی۔ محبت کی تعریف اس

حسن سے میں نے سنی نہیں۔

غالب

: بھائی شیفتہ اگر وہ شعر صرف شیریں کے لئے ہو تو میں کہہ نہیں سکتا وہ نہ میں بھی۔

شیفتہ

: مرزا صاحب شیریں کا حسن سامت ہے۔ آپ بھی ان کی باتوں میں آگئے۔

غالب

: میں تو ایک مدت سے ان کی باتوں کا قائل ہوں۔

بد

: اسے صاحب شعر شاد سمجھتے یہ بزرگ اٹھیں۔ اب میں بھی بزرگ اٹھا ہوں۔

نصیر جال : نواب صاحب عزایت ہو۔

شیفتہ : ملاحظہ ہو۔

شاید اسی کا نام مہمت ہے شیفتہ ہے آگ سی جو سینے کے اندر لگی ہوئی

غالب : سبحان اللہ۔ کس سادگی سے اتنی بڑی بات کہ دی ہے۔ یہ ایک شعر میں کتاب ہے۔

شیریں : شاید کا لفظ یہاں کتنا پراثر ہو گیا ہے۔

میش : بار بار گفتگئے کوئی چاہتا ہے۔

ہدہ : آپ کا یہی گفتگئے کو چاہتا ہے 'اور میرا دل چاہتا ہے کہ گاتے گاتے ٹاپتے لگوں۔

شیفتہ : اور ٹاپتے ٹاپتے اڑ۔ جلاؤں کیوں بھائی ہدہ؟

سرفراز : حضور کج تو یہ ہے کہ اگر یہی شعر کسی حور کی صورت اور نور کے گلے سے ادا ہو جائے تو ہدہ

کا کیا ذکر ہے 'ہے پر کے لوگ بھی ناکل پرواز نظر آئیں۔

میش : (شیریں کی طرف دیکھتے ہوئے) یہاں سرفراز کی حسین فرمائش کا رخ آپ ہی کی طرف ہے۔

شیریں : میں اس قابل ہوتی تو بخوش شاد ہوتی۔

شیفتہ : یہ بھاری بھی تو آشوب چشم میں جکا ہیں؟

ہدہ : نواب صاحب۔ چشم تار شا تھا۔ دیکھا نہ تھا۔ آج آپ کی بدولت دیکھ لیا۔

غالب : (منہ کر) آپ نے جب معنی پیدا کر دیئے۔ کج کج آپ ہدہ ہیں۔

شیریں : مرزا صاحب۔ آپ کی قابلیت کوئی کہاں سے لائے۔ آپ کا مطالعہ جتنا وسیع ہے اس کا

جواب نہیں۔

شیفتہ : مرزا سے زیادہ بعض لوگوں نے حاصل کیا۔ ان سے زیادہ چھا۔ ان سے زیادہ کتابوں کے درون

الئے۔ مثال کے لئے استحوالوں کو لے لیجئے۔

غالب : نواب صاحب۔ میری آنکھیں میرے استحوالوں نے کھولیں۔ مگر میرے دلخ و ذہن کو قدرت نے

دشمنی دی معاملہ کے لحاظ سے میں دریائے علم کے ساحل پر کھڑا ہوں مگر سمندر کی ان طواریں پر نظر

ہے جو غوطہ طوروں کی آنکھوں سے اونچل ہیں 'لوگ سیپ میں موتی ڈھونڈتے ہیں 'میں موتی کو بھی

سیپ سمجھتا ہوں۔ موتی کی وہ قیمت جو زر دار کی نظر میں ہے 'وہ میرے نزدیک چٹا ہے۔ میں اس کی

لانڈالی قدروں پر نظر رکھتا ہوں۔

ہدہ : تو آپ کہہ نور کی تلاش میں رہتے ہیں۔

غالب : ہاں 'مگر اس لئے نہیں کہ وہ قند قامت میں بنا ہے 'اس سے بڑا میرا ابھی موجود ہے مگر وہ

حسن و جمال جو کہ نور کو کہ نور بناتا ہے۔ وہ کسی اور میں نہیں 'وہ تجزی ہی دہری ہے۔

شیفتہ : مرزا صاحب۔ آپ کو قصہ آگیا سکنا میرا مطلب بھی یہی تھا۔ میں جانتا ہوں کہ پھر اور چرنے کا

- ہمارا بھی اتنا قیمتی نہیں ہو سکتا جتنا تاج محل نام کی عمارت مگر یہ قدرتی تعمیر بھی باپ دادا سے ملتا ہے۔
- غالب : (ہوش میں کھڑے ہو جاتے ہیں) آپ کا مطلب ہے کہ میرے بزرگوں میں یہ دمف نہ تھا۔
- نواب صاحب آپ نے میرے آہنی کارڈ سے بہت قریب سے دیکھے۔ صرف باپ۔ بچا کی کارگزاری
- نہ آپ کی نظر لگی۔ اس سے اوپر آنکھ اٹھا کر آپ نے نہیں دیکھا۔
- شیفتہ : معاذ اللہ۔ میں اور آپ کے بزرگوں کی توہین کدوں "لعنت ہے" ایسے خیال پر۔
- غالب : (بات کٹ کر) میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے باپ اور بچا صرف سہمی نہ تھے "وہ گوار کے
- دھنی تھے" مگر گوار کے ظاہری حسن سے پرے ان کی نظر تھی۔ وہ اس کے حسن کو میدان جنگ میں
- دیکھتا جانتے تھے۔ اگر دھارنا جانتے تھے تو مرنا بھی جانتے تھے ان کے نزدیک گوار اسی وقت گوار
- کھلانے کی صفحت تھی۔ جب کوئی لالہ لالہ کارنامہ پیش کرے "مجھے یہ احساس درد میں ملتا ہے۔ میں
- حسن لالہ لالہ کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہوں۔
- بدب : چاہے وہ حسن عورت ہی میں ہو۔؟
- غالب : میاں بدب ہر وقت یہ توہین کی باتیں نہ کیا کرے۔
- غالب : حسن کسی بیکر کا تاج نہیں۔ بیکر خود حسن کا تاج ہے۔
- بدب : حضور میں سمجھا نہیں۔
- شیفتہ : جیسے موسیقی الفاظ کی تاج نہیں۔ الفاظ الہت موسیقی کے تاج ہیں۔
- غالب : ہر شکل حسن کی لٹائنیں لگتی ہے "الفاظ ہوں یا ساز" پھر ہو یا انسان۔ زمین ہو یا آسمان۔
- شیریں : جب ہر شکل میں حسن ہے تو بعض شکلوں کو انسان اپنی ملکیت کیوں سمجھتا ہے؟
- غالب : قدرت نے ہر ایک کو قدرتی نظر یکساں نہیں دیا۔ کچھ لوگوں کو ہوس پرستی کے لئے پیدا کیا ہے۔
- وہ حسن کی قدر و قیمت سے نہیں ملکیت کے احساس سے خوش ہوتے ہیں۔
- شیریں : آدمی پیدا خود غرض ہوتا ہے۔ اور خود غرض کو قدرت قدرتی نظر سے محروم کر دیتی ہے۔
- بدب : بلکہ قواز تو آپ شیریں گے۔
- غالب : بدب تم نے میرا دماغ خراب کر دیا۔ تم جس محفل میں ہوتے ہو "اس میں میں جیتنا نہیں چاہتا۔
- (بدب گرتا ہے)

پہلا ایکٹ — تیسرا سین

شیفٹ: لاہور

اشخاص: فضل حق، مفتی صدر الدین آزاد، حکیم احسان کا آغا۔

شیفٹ: آجے آجے رہے قسمت، غالب کی زبان میں کتنا پڑتا ہے۔

آزاد: آگیاں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے، کبھی ہم ان کو بھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

آزاد: کیا ہم لوگ ایسے خطرناک ہیں کہ کبھی آپ ہم کو دیکھتے ہیں، کبھی اپنے گھر کی چوکیداری کرتے ہیں۔

فضل حق: (خس کر) واہ آزاد، صاحب، غالب کے شعر کی کیا توجیہ فرمائی ہے۔

شیفٹ: ان کے اشعار ہوتے ہی تہ دار ہیں، کوئی کیا کرے۔ ایک مفہوم تو یہ بھی ہو سکتا ہے۔

فضل حق: غالب میں بے پناہ صلاحیتیں ہیں، مگر کجنت سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ کاش اس کا انداز جہاں حد اعتدال میں آجائے۔ میں سمجھایا کرتا ہوں، مگر وہ شخص بہت کم اثر لیتا ہے۔

آزاد: مولانا بات یہ ہے کہ مرزا غالب کی شاہراہ فکر ان بلندوں سے گزرتی ہے، جہاں موجہ انداز جہاں راہ رو کے ہاتھ میں عصائے قدرت بن سکتا ہے مگر عصائے موسیٰ نہیں ہو سکتا۔

شیفٹ: خطر کا عصا آپ حیات تک تو پہنچای دے گا۔

آزاد: ہو سکتا ہے مگر میں نے مرزا کو بار بار مرزا کا یہ شعر سننا ہے کہ۔

آپ حیات دی تا جس پر حضور سکندر مرتے تھے خاک سے ہم نے ہزاروں چشمہ یہ بھی ہماری قسمت تھی
فضل حق: یہ ہم لوگوں کے درمیان حضور سکندر کہاں سے آگئے۔ بات تو غالب کی شاعری پر ہو رہی تھی۔

آزاد: قطع کلام صاف کیجئے گا۔ میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ جو شخص خیالات کی بلندی طے کرنا چاہتا ہو۔ اس کے لئے عصائے موسیٰ مفید تو ہو سکتا ہے مگر عصائے خطر بے کار بلکہ مضر۔

شیفٹ: مولانا، غالب کی شکوہ کا شکوہ بے کار ہے۔ آزاد کی نظم اس سے زیادہ صبر آتا ہے۔

فضل حق: بھائی جان۔ صاف صاف بتائیے، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ (دوئے حق آزاد کی طرف ہے)

آزاد: مولانا جسے کہہ طور پر جانے کا حوصلہ ہو، اسے داری امکان میں پڑے رہنے کی صلاح کیوں دی جائے؟

شیفٹ: ہاں صحیح ہے، مگر کہہ طور پر حکیم کو کیا جواب ملتا تھا؟

(یہ باتیں ہو رہی ہیں کہ دلعنہ، غالب آجاتے ہیں۔ دودھ دے دی سے یہ شعر پڑھتے ہیں۔)

غالب کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
تو اب صاحب یہ غلام بھی حاضر ہے، اجازت ہو تو شرف بازیابی حاصل کرسے۔ مگر یہاں تو طور و صورت
کی باتیں ہو رہی ہیں، میں کیا کچھ سکتا ہوں۔

(سب کے سب حیرت ہو جاتے ہیں۔ شیفتہ کھڑے ہو جاتے ہیں)

شیفتہ : آئیے آئیے سرکار۔ اسے آمدنت بائٹ آگئی، ما۔ (بہوش مسرت میں دونوں کا ہنسل گیر ہوتا ہے)
غالب : کہا۔ یاں تو یار ان طریق کا اختراع ہے۔ جواب عرض؟

(لوگ جواب دیتے ہوئے آئیے آئیے۔ آپ ہی کی کمی تھی۔)

آزاد : آج پر پچھنے تو ہم لوگ آپ ہی کا ذکر فر کر رہے تھے۔ آپ آگئے بڑا اچھا ہوا۔

غالب : ذکر میرا کچھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے، ملحق صاحب قبلہ کیا ارشاد ہے، محتیت ہو تو
میں بھی اپنا ذکر سن لوں۔

فضل حق : آپ کا ذکر آپ کی فکر سے متعلق ہے۔ مجھے گا۔؟

غالب : حضور آپ کی زبان سے صلواتیں بھی سن لوں گا۔ باتیں کیوں نہ سنوں گا۔ فرمائیے۔

شیفتہ : بھائی غالب سنو اور صاحب ہو تو فور بھی کہہ اور ممکن ہو تو عمل بھی۔

غالب : کو خوش اسی بات کی کہوں گا۔ آپ لوگ کچھ باتیں بھی تو۔؟

فضل حق : کہنا یہ ہے کہ یہاں سب آپ کے ہی خواہ ہیں۔ آپ کی شاعرانہ صلاحیتوں اور علمی
معلومات سے متاثر ہیں، اسی لئے جی چاہتا ہے کہ آپ ٹھٹھو راستے پر چلتا چھوڑ دیں۔ خاردار میں
شاعری کا دامن نہ الجھائیں، بلندی خیال اتنی ہی بلند ہو کہ زمین کے نیچے والے بھی لطف اُمدوز ہو سکیں
پڑے گئے لوگ قائمہ اٹھاسکیں۔

شیفتہ : یعنی آپ مشکل پسندی ترک نہ کریں۔ کم کر دیں تاکہ لوگ یہ کہنے پر مجبور نہ ہوں کہ۔

کلام میر کچھ اور زبان میرزا کچھ مگر اپنا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا کچھ

غالب : (مضطرب سانس لے کر) گویم مشکل، دگر نہ گویم مشکل۔ خیر، بہتر ہے۔ اور کوئی حکم؟

فضل حق : دیکھئے مرزا صاحب۔ حکم نہیں۔ ہم لوگوں کی آمد ہے کہ آپ کے علم و فن سے فائدہ فیض

یاب ہو۔ مگر مشکل الفاظ اور شائرس زبان کی بھول بھلیاں ذہن کو آئے نہیں بڑھتے دیتیں۔

شیفتہ : باوجود ان دقتوں کے آپ کی شاعری نے دلوں کو سلا کر لیا ہے۔ اگر انداز یہاں کچھ اور سہل ہو

جائے تو ملتزم اثر آتا، پڑھ جانے کہ آپ طوطہ نہ سوچتے ہوں گے۔

غالب : آپ لوگوں کی اصلاح سے جو قائمہ نہ اٹھائے نہ کافر۔ (فضل حق کی طرف مخاطب ہو کر)

آپ نے "وفا" "وفائ" جن خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے، میں نے بہرہ چشم منظور کیا ہے، آج بھی کہتا

ہوں کہ فن کا لحاظ کرتے ہوئے آپ لوگوں کی فرمائشوں پر عمل کروں گا۔

فصل حق : اس میں شک نہیں کہ آپ کی ابتداء کی شاعری یعنی کاواک قحی اتنی آپ نہیں دیتی آپ کی ہر دھڑکی روزافزون ہے۔

شیفتہ : یہاں تک کہ اہل قلم بھی لوبا ماننے لگے ہیں یہ بھی آپ کی اصلاح پسندی کا ثبوت ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ سب کیوں کہا جاتا ہے۔

غالب : گستاخی صاف۔ ابھی تک صرف کہا گیا ہے۔ سنا نہیں گیا۔ اجازت ہو تو میں بھی اپنے معروضات پیش کروں۔

(سب کے سب ضرور ضرور وہ تو سننے کی باتیں ہوں گی)

غالب : سحر دست آدمیوں کو مریموں کی خدا دینا۔ آپ لوگ بھی مناسب نہ سمجھتے ہوں گے مگر اس دور کی مریمانہ ذہنیت کی چاہتی ہے۔ لوگوں کو یاد دہانے میں لطف آنے لگا ہے کچھ لوگوں کے نزدیک بیماری حسن صحت ہے۔ اس خطبہ کا کیا علاج۔

فصل حق : آپ کا مطلب میں سمجھ گیا۔ ایسی یاد ذہنیت پر لعنت بھیجئے مگر افسوس زبان کا خود ایک مزاج بن چکا ہے۔ اس کا لحاظ تو آپ کو کرنا ہے۔

آزاد : اور غزل میں تو فیض الفاظ اور تلاش تراکیب کی روایت بھی نہیں۔

غالب : تو کیا بلند خیال و پرجوش زبان کو نرم و نازک الفاظ کا جامہ پہنا جائے۔ اگر یہ رویہ اختیار کیا گیا تو زبان و بیان میں ہم آہنگی ممکن نہیں۔ دیکھا اثر کلام سے غالب ہو جائے گا۔ کیا آپ لوگ یہ بات پسند کریں گے؟

شیفتہ : مرزا صاحب آپ کے سامنے میر تقی میر کی مثال موجود ہے۔ آخر انہوں نے بڑے بڑے مسائل کو نرم و نازک الفاظ میں کیسے جکڑ دی۔

غالب : میں جانتا تھا کہ آپ یہ مثال پیش کریں گے مگر تو اب صاحب!

اؤ کو چاہئے اک حراثر ہونے تک

میرے سامنے بھی وہ عظیم فن کار نمونے کے لئے ہر وقت رہتا ہے لیکن۔

فصل حق : (بات کٹ کر) لیکن دیکھ کچھ نہیں آپ اگر کو شش کریں تو آپ میں وہ جوہر ہیں کہ میر کی طرح اپنا سکہ دینے ادب میں دواں کر سکتے ہیں۔

(غالب مجید ہو کر سوچتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ٹپکتے گتے ہیں پھر کہتے ہیں)

غالب : (ہنستے ہوئے) بہت اچھا حضور۔ اس وقت خطبہ کا بار ادا کیاں سے لڑاں گا۔ جب علم سید و سفینہ گنگا بھائی کی طرح (دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے) ایک قطرہ خون کو حکم سمجھ کر موجزن ہوں گے۔ میں کیسے پاک و پاکیزہ آپ حیات کی لمبوں کو پھر مگر محسوسات کی طرف واپس کر دوں گا۔ اس وقت کیا یہ کتنا مناسب ہو گا کہ لوگوں کا آرام طلب ذہن ابھی تھارے استقبال کو تیار نہیں۔ مشکل الفاظ اور

ٹانوس تراکب میں تمہارا پیام ناقابل قبول ہے۔ تم دور ہو جاؤ۔ (بات یہاں تک پہنچتی تھی کہ حکیم احسن اللہ خاں دردناکے پر آئے دیکھا کہ وہ بیان نہیں)

حکیم احسن : ہائیں فکر کمال کیا۔ کہیں کیا ہو گا (درا بلکہ آواز سے) مبارک۔ سلامت۔ مبارک باشد۔

(اندرونگ چونک کر حیرت ہو جاتے ہیں۔)

شیفتہ : کچھ نہ پوچھئے 'بڑی اچھی خبر ہے کیا؟ مبارک ہو۔ کون سلامت رہے۔ اندر آئیے۔

(حکیم صاحب داخل ہوتے ہیں 'لوگ سلام کرتے ہیں)

حکیم احسن : کچھ نہ پوچھئے 'بڑی اچھی خبر ہے' یہ کھنے کے میں دوڑتا ہوا آیا ہوں 'شر میں مبتلا ہو رہی ہے۔ قلعہ میں جشن کا اہتمام ہو رہا ہے۔ شاہی خاں کے بیٹے لگے۔ آپ لوگوں کو کچھ خبر نہیں۔

شیفتہ : حکیم صاحب۔ بتا دیجئے۔ اب دم گھٹ رہا ہے۔

حکیم احسن : پھول والوں کی سیر کا دن ہے۔

فضل حق : اسے یہ تو سب کو معلوم ہے۔ تب کو کیا کہتا ہے؟

حکیم احسن : جی ہاں وہ تو معلوم ہی ہے۔ اس وقت ہو بات اس سلسلے میں ہوئی 'اس کی اہمیت بتانا ہے۔

آزادہ : تو بتائیے اسی کو سننا ہے۔

حکیم احسن : آج اس سیر کے سلسلے میں بادشاہ سلامت اور دلی عہد میں مصطفیٰ ہو رہی تھی 'جہاں پناہ کی خواہش ہے کہ اس بار مشاعرہ پیش سے بہتر ہو۔ اس مصطفیٰ کے بعد دلی عہد نے تہائی میں گھر سے فرمایا کہ آج آپ مرزا غالب۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ اور آزادہ وغیرہ کو شرکت کی دعوت دیجئے۔

آزادہ : یہ شاہی اعزاز قابلِ تحسین ہے۔

غالب : یہ فرمائش میرے نزدیک حکم کا درجہ رکھتی ہے۔

شیفتہ : ہم لوگوں کو حکیم صاحب کا ممنون ہونا چاہئے۔

حکیم احسن : میں نے بھرا کوئی سفارش نہیں کی۔ دلی عہد کے دل میں تب لوگوں کی جگہ ہے۔ یہ بڑی بات ہے۔

شیفتہ : اسی لئے تو یہ یاد آوری 'خوش خبری محسوس ہوئی ہے۔

غالب : بے شک۔ میرا ارادہ تو میل میں شریک ہونے کا پہلے ہی سے تھا۔ اب تو شرکت لازمی ہو گئی۔

حکیم احسن : کل ہی تو چلتا ہے۔ مطلق صاحب بسم اللہ 'نواب صاحب کچھ سوچتے نہیں۔ تب لوگ اٹھ کھڑے ہوں۔ آج ہی سے تیاری شروع کر دیجئے۔

آزادہ : حکیم صاحب میرا ارادہ تو تھا۔ مگر اب۔

حکیم احسن : ملحق صاحب کیوں ارادہ نہ تھا؟

غالب : (چلتے کے لئے کھڑے ہیں) ہاں مگر زندگی اسی کا نام ہے، ایسے ہی ہنگاموں میں تو مجھے اپنی جتنی ہوئی زندگی کی ہر چھانیاں نظر آتی ہیں۔ کبھی جنگ کے بیچ ہو رہے ہیں۔ کبھی طوائی گواڑ دے رہا ہے۔ طلو سوہن کھائے، جان شیریں کے مزے اٹھائے۔
(اب لوگ جاتے ہیں۔ صرف غالب رک جاتے ہیں، اور شیفتہ کا تو گھر ہی ہے)

شیفتہ : تو گویا بچپن ہی سے شیریں کے مزے آپ لے رہے تھے۔

غالب : (دش کر) کیا بات کہی۔ آپ کے نزدیک جان شیریں اور شیریں جان میں کوئی فرق نہیں۔

شیفتہ : میرا مطلب ہے کہ نام کی صورت میں نہ سنی، کسی اور صورت میں یہ لفظ آپ کے دل و دماغ تک پہنچتا رہا، بہر حال دلچسپی کا سلسلہ بہت پہلے سے شہدائے ہو گیا تھا۔

غالب : اس وقت تو فارغ الہیائی تھی۔ ہر تفریح و کوشش معلوم ہوتی تھی، اور اب تو جان شیریں بھی تلخ ہو گئی ہے۔

شیفتہ : پھل والوں کی میر میں دل بھل جائے گا۔ کل چلتے۔

غالب : کیا دل بھلائے۔ بچپن کی باتیں یاد آئیں گی۔ اس وقت کی بے ٹھہری آج کی زندگی کی جتنی اور زیادہ تلخ کر دے گی۔ اس وقت جان شیریں ایک گواڑ تھی۔ ایک خواب تھی۔ آج یہ شیریں بیکر ہے۔ حقیقت ہے مگر خود زندگی خواب ہو گئی ہے۔ کبھی شعری فکر ہے، کبھی دلیبی کی، کبھی باپ دادا کی عزت کا خیال ہے، کبھی گشدر محنت کا بلال ہے، فرض زندگی وہاں ہے۔ اور اس پر میلہ چلنے کا سوال ہے۔

شیفتہ : بھائی غالب آپ تو باتیں بات میں اٹل جاتے ہیں، خدا جانے کہیں سے پہنچ جاتے ہیں۔

غالب : خواب صاحب آپ نے دور تک نہیں سوچا۔ لوگ سمجھتے ہیں میں حکام وقت کا مصاحب ہوں۔ عزت و مرجہ کی خواہش مجھے ان کے قریب لے جا رہی ہے۔ میں اتنا کر گیا ہوں کہ اب عوام کے ساتھ میلہ میں بھی چلا جاؤں گا۔ میں بادشاہ کا احترام کرتا ہوں، اس لئے نہیں کہ صاحب تخت و تاج ہے، مجھے خزانہ ملے دے گا۔ وہاں تو خود حضور کے دروازلے پر خاک اڑتی ہے۔

شیفتہ : ہے تو کچھ ایسا ہی تم۔

غالب : میں اپنے ملک ادب کا خود بادشاہ ہوں۔ اور اسی لئے ببادشاہ عطر کی قدر کرتا ہوں کہ اس کو اردو زبان سے محبت ہے۔ وہ ظلم و فتن کا شیدائی ہے۔ وہ مظاہر خاندان کی سمجھتی ہوئی آگ کی آخری چنگاری ہے۔ تم۔ (چپ ہو جاتے ہیں)۔

شیفتہ : مگر کیا کہیں چپ ہو گئے۔

غالب : اس میں اب بھی اتنی گری ہے کہ ہندوستان کی بڑھتی ہوئی زنجیر لٹائی کو ہٹا سکتی ہے، ایسے

غصے کی عزت نہ کرنا اپنے ملک سے بغاوت کرنا ہے۔ میں بخدا ایسے فقیر نا، بادشاہ کے ہاتھ کا ایک پیر بھی متحرک سمجھتا ہوں۔ میرے اسی جذبہ پر دنیا کو دھوکا ہے۔ میں اپنا دل جڑ کر ڈالنے کو کیسے دکھاؤں۔

شفقت : تو موقع اچھا ہے۔ پھول والوں کی سر میں ہم لوگ اس بات کا اعلان کیوں نہ کریں۔

غالب : غالب کو اپنے دماغوں کی فرائض حضور نہیں۔ پھول کی ہماریں وہ دیکھے جس کے دل کی کلی مرتعہ نہ ہو۔ مجھے بھیڑ بھاڑ سے نفرت ہے۔ اسد اللہ خاں میں اب بھی خود داری کا جذبہ کم نہیں ہے۔ میں سینگے میں نہ جاؤں گے وہاں فرائضی لوگ ہوں گے۔ جو اپنی منکاری کو دوا داری ثابت کرنا چاہتے ہوں میں ان کی دنیا سے دور بہت دور چلا جانا چاہتا ہوں، بخدا ہی چاہتا ہے کہ۔

سب سے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو ہم غنیمت کوئی نہ ہو اور ہم نہیں کوئی نہ ہو
ہے درد دیوار کا ایک گھر بنایا چاہیے کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسیان کوئی نہ ہو
پہنچنے مگر پتار تو کوئی نہ ہو خاردار اور اگر مر چاہیے تو لوہہ ٹواں کوئی نہ ہو

خدا مانتہ

دوسرا ایکٹ ————— پہلا سلیں

غالب کا کمرہ

(فرش، ارگاندان، گاؤنکھ، مسند وچہرہ کتبہ و غیرہ)

(ہرگز مال، نقد، میٹھ واس، حکیم احسن کا آنا، ثواب و شہادت کے بعد منگو شروع ہوتی ہے۔)

غالب : آپ لوگ آگئے بڑی مسرت ہوئی۔

نقد : آج مسرت کی ایک لہر ہم لوگوں کو یہاں تک بھلائی۔

غالب : میں بھی تو سنوں؟

حکیم احسن : قبلہ ہم لوگ اس خبر سے خوش ہو کر آئے ہیں کہ دہلی کالج کی میرمدی قبول کرنے کی دعوت آپ کو دی گئی ہے۔

غالب : (بات کٹ کر جی ہاں دعوت بارہ پا کر میں گیا بھی عمر میٹھوں کی کج خلقی زہر کا گھونٹ بن گئی) گئے سے میں اکر نہ سک۔

نقد : ہماری طرف قصبات میں ایک مثل مشور ہے جس کا مضمون ہے کہ بارہ سال کے بعد ایک پھول کھلا بھی تو مر جائیگا۔

غالب : ہاں لگتے سے آئے ہوئے مجھے کم و بیش بارہ سال ہوئے ہیں، یہ گل امید لیا ہی تھا، جس پر یہ

خوش صادق آتی ہے۔

حکیم احسن : اور آپ کی پریشانیوں میں اضافہ لگتے ہی سے ہوا یہ جگہ مل گئی ہوتی تو آپ کو کچھ سکون ہو تاکہ بات کیا ہوگی۔؟

میش : کوئی بد قسمتی ہوئی ہوگی۔ فرنگی تو اس وقت فرعون ہے مہمان ہو رہا ہے۔

غالب : حکیم صاحب بات تو ایسی ہوئی ہو صرف حساس آدمی سمجھ سکتا ہے 'دنیا ساز کے لئے تو سب کچھ روا ہے' ہوا یہ کہ اس ملازمت حاسن صاحب کے حلقے میں آئے اور فرمایا کہ آپ ملازمت کے لئے آئے ہیں تو خود اندر آئیے' میں نے جھپٹا کر کہا اگر ملازمت کے 'محق' کئی مرتبہ کے ہیں تو ایسی ملازمت پر لغت۔ میں سیدھے گھر واپس چلا آیا۔

حکیم احسن : جو کچھ ہوا برا ہوا خیال یہ تھا کہ یہ ملازمت آپ کی تاریک فضا میں کچھ روشنی پیدا کرے گی 'قرض کا بار بہت ہے' کچھ کم ہو جائے گا۔

میش واس : کوئی دوسرا ہوتا تو نہ کسی کے استقبال کا انتظار کرتا نہ حاسن کے کہنے پر اتنا ناراض ہوتا مگر مرزا صاحب کی گن ہاں کب اس بات کو گوارا کر سکتی ہے۔

تقت : ہاں یہی تو حکیم صاحب کا مطلب ہے کہ اگر یہ ناگوار بات آپ بھی برداشت کر لیتے تو مضائقہ نہ تھا۔

غالب : مرزا تقت کیا باتیں کرتے ہو 'کیا میں اپنے خاندانی وقار کو رسوا کرتا۔ تم جانتے ہو میں ایک ترک ہوں۔ یہ قوم اپنی وفا پر حق گزارہ روی کے لئے جہاں مشہور ہے 'وہاں ضد اور اہمام سے بے پردائی کے ساتھ خود داری بھی اس کے کردار کا طرۂ امتیاز ہے۔ میرے خون میں ہنوز حرارت باقی ہے۔ میں خود داری کے بازار میں قوی خصوصیت نہیں بیچ سکتا۔ یہ میری کنوڑ سکی۔

حکیم احسن : یہ کنوڑی بھی آپ کی قوت ہے 'خاطر میں چاہے کو کچھ ہو حقیقت کی آنکھ میں آپ کی کھٹکے سے کم نہیں۔

میش : میں تو سمجھتا ہوں کھٹکے کا جانا ہر لحاظ سے مسخرہ جہت ہوا 'خٹن کا مقدمہ بھی حسب خواہش فیصل نہ ہوا۔ قہیل کے شامروں سے الگ جھگڑا ہوا۔

تقت : وہ تو اچھا خاصا ایک ادبی محاذ ہیں کیا۔ یہ سب فکر انداز کرنے کی بات تھی۔

غالب : (بات کاٹ کر) کیا میں ان ٹاپلوں کی بات مان لیتا۔ قہیل کو مسٹر استاد کچھ لیتا؟

تقت : نہیں ضرور میرا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو بچنے دیا جاتا ہو اب کی ضرورت نہ تھی۔

غالب : لوگ کیا سمجھتے؟

میش : کتے بھونکتے رہتے ہیں باقی اپنی راہ چلا جاتا ہے ان کے بھونکنے سے باقی کی حرکت میں فرق نہیں آتا۔

نقد : ہر حال نکتہ چاہا غالب جان ہو گیا۔ بجز پریشانی کے کچھ ہاتھ نہ لگایم لوگوں کو کتنا قلق ہے۔

غالب : مائی نقصان تو بہت ہوا مگر یہ نہ کہو کہ بجز پریشانی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ مشاہدہ و مطالعہ سے میری آنکھیں کھل گئیں مجھے ایک نیا ذہن ملا ایک ایسا آفتابی شعور عطا ہوا جو میرے فکر و ذہن کو ابدیت سے قریب تر کر رہا ہے یہ ذہن یہ شعور میرے طائر خیال کے پر پرواز ہو گئے ہیں اب میری شاعری وسیع تر فضا میں جانے لگا ہے۔

عکیم احسن : خدا کسے آپ کی پریشانیاں طائر خیال کے لئے وہاں نہ ثابت ہوں آپ کا غم کم ہوتا جائے بلکہ ختم ہو جائے۔

میش : مگر مرزا صاحب کا تو قول ہے کہ
بہت سخی غم تپتی شراب کم کیا ہے
کلام سلی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

غالب : بے شک اس اعتقاد پر تو متی رہا ہوں۔

نقد : حضور میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ زہر جو گھونٹ تو ہیں نہ سکا مگر ایک تلخ احساس دے گیا اب اس کو بھی دھوا کا دیا جائے کوئی تازہ کلام مصالحت ہو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

عکیم احسن : ہاں مرزا صاحب، ہم اللہ

میش : نکتہ والی نظم تازہ تو نہیں مگر بے پائی حسین۔

غالب : اس وقت پڑھنے کو ہی نہیں چاہتا۔

نقد : حضور آپ نے یہ نظم کی ہے پڑھی ہے مگر سنی نہیں۔ دیکھئے کہ کس حسن سے کوئی دوسرا پڑھتا ہے ابھارت ہو تو کسی دوسرے سے اس وقت وہ نظم سنی جائے۔

غالب : کیا مذاق ہے حضور نئے کون پڑھے گا؟

میش : ابھی عرض کرتا ہوں۔

فورا اللہ کر پڑے کے باہر چلے جاتے ہیں میں پڑا یہ نظم رزم سے کوئی نانا ہے۔

گلتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم فطین
اک تیر میرے چنے پہ مارا کہ ہائے ہائے

وہ سبزو دار ہائے معطر کہ ہے غضب
وہ نازنین جان خود آرا کہ ہائے ہائے

میر آنا وہ ان کی لگا ہیں کہ حلق نظر
طاقت رہا وہ ان کا اشارہ کہ ہائے ہائے

وہ سید ہائے تازہ و شیریں کہ دلا دلا
وہ جڑ ہائے ٹاپ گوارا کہ ہائے ہائے

دوسرا ایکٹ ————— دوسرا سین

غالب کی گرفتاری

(مرزا غالب کا کہنا ہے کہ اس کے لیے "امراؤ حکیم کی پریشانی" لوگوں کا ہمدردی میں آتا)

امراؤ حکیم : ارے اللہ یہ کیا غضب ہے مرزا غالب کا مکان اور ہوا خانہ "خدا عارت کہے اس نے کوڑاں کو" جھوٹا الزام لگا کر میرے میں کو گر لگا کر لے گیا ہے اللہ میں کیا کہوں کوئی مدد نہیں کرتا۔
تفت : حضور آپ گھبراہٹ میں ہم لوگ ہر وقت خدمت کے لئے تیار ہیں بغیر مرزا صاحب کو رہائی دلائے جہن نہ لیں گے۔

نصیر خاں : اس پر معاش کوڑاں کو ہوا کیا تھا ہوا کا بیڑا الزام لگایا؟
حکیم احسن : اسی وہ بیڑا کہیں ہے مرزا خاں کوڑاں کی جگہ اور ایسا مفید کوئی یہ صرف فریاد کر سکتا ہے خدا عارت کہے اس کہ۔

امراؤ حکیم : بیجا میں نے لاکھ لاکھ کہا کہ جس قسم کی طمانیت چاہتے تھے مرزا کو گر لگا نہ کر مگر وہ سوڑی کا ایک نہ ملا۔

نصیر خاں : خیر اب اس انگریز کے سنے کو اس کا من بچھتا پڑے گا۔
میش : کچھ پتہ نہ چلا کہ آخر یہ جھوٹا الزام اس حرام طور سے لگایا ہی کیوں؟
امراؤ حکیم : ہائے میں کیا بتاؤں کیا راز ہے مجھ سے میری خدمت نے ایک دن قاتل تھا کہ بیضو میں گھر میں کہہ رہے تھے اب میں نے اپنا پرانا بدلہ مرزا غالب سے نہ نکالا تو بھلاں میں!۔

حکیم احسن : (ہات کٹ کر) یہ بیضو میں کون؟
امراؤ حکیم : ارے وہی نیا کوڑاں جس کا ہم فیض الحسن خان ہے۔
حکیم احسن : اچھا اچھا اور کیا کہہ رہا تھا کیا بدلہ؟
تفت : میں عرض کرتا ہوں آپ لوگ بیٹہ چاہیے۔
میش : دل بیٹہ گیا ہے ہم لوگ کیا نہیں۔
تفت : یہ جگہ ہے مگر کچھ سوچتا ہے اب کیا کیا چاہئے؟
نصیر خاں : جی ہاں بیٹھو۔

(سب بیٹہ جاتے ہیں)

حکیم احسن : (تفت سے غالب کو کہیں آپ کچھ تا رہے تھے۔
تفت : بات یہ ہے کہ ایک زمانے میں میاں بیضو کو بھی بلا خانوں پر جانے کا شوق ہوا اسی سلسلے میں شیریں کے ریل بھی گزر ہوا یہ اس پر فریاد ہو گیا اور ایسا اندھا ہوا کہ اس کو یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ یہ کوئی معمولی طوائف نہیں یہ مرزا کی صورت سے زیادہ سیرت پر جان دیتی ہے خیر ایک دن کچھ ایسی باتیں ہو گئیں کہ اس نے اس مسئلے کو اپنے گھر سے نکال دیا اس دن سے یہ خار کھائے ہوئے ہے اب اس کو بدلہ لینے کا موقع ملا تو اس نے یہ الزام لگا کر اپنا عرض لیا۔

نصیر خاں : میں نے بھی اس قسم کی بات سنی تھی۔

حکیم احسن : ہوں (لمبی سانس کے ساتھ) بات کچھ میں آگئی سوال یہ ہے کہ اب ہونا کیا چاہئے۔

نصیر خاں : ہونا کیا چاہئے یا کرنا کیا چاہئے؟

آفت : مطلب ایک ہی ہے۔

نصیر خاں : اس خبر سے سارے شہر میں کھلبلی مچی ہے ہر ایک شخص مرزا صاحب کی ہمدردی پر مستعد ہے۔

میش : اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے خاص خاص لوگوں کو ریونیٹ کے پاس بھجونا چاہئے۔

آفت : رائے صاحب ہے کیوں حکیم صاحب؟

حکیم احسن : جی ہاں بالکل بھی کرنا چاہئے اور اس کے علاوہ یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ جہاں پتہ سے

درخواست کی جائے کہ وہ ریونیٹ کو ایک سفارشی پروانہ لکھ دیں۔

آفت : بہت اچھی مشق ہے تو پھر قید آپ ہی اس کام کو انجام دیتے وہاں تک رسائی آپ ہی کی ہے

ہم لوگ ٹرانسپیرین شہر سے مل کر ایک وفد تیار کرنے جا رہے ہیں۔

حکیم احسن : بہتر ہے آپ یہاں سے چلیں۔

(یہ لوگ جاتے ہیں دوسری طرف سے ایک برقعہ پوش آئی ہے آواز دیتی ہے کہ میں بیگم صاحب سے

کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں)

امراؤ بیگم : میں آئی ہوں کون صاحب ہیں؟

برقعہ پوش : حضور آپ وہیں رہیں یہاں نہ آئیے۔

امراؤ بیگم : یا اللہ خیر تو ہے۔

برقعہ پوش : نہ میرا نام بتانے کے قابل ہے نہ منہ دکھانے کے لائق میں دوسرا ہوں اب وہ پوش ہو

جانا چاہتی ہوں آپ پر یہ تازہ حادثہ اسی گتہ گار کی وجہ سے ہوا ہے۔

امراؤ بیگم : میں کچھ مٹی آپ کون ہیں میں آئی ہوں آپ کے لئے میرے دل میں جگہ ہو گئی ہے۔

برقعہ پوش : ایسا فطرت نہ کریں۔

امراؤ بیگم : (قریب پہنچ کر) شہر میں برقعہ اندازہ آرام سے بیٹھو تھماری دلداری شرافت سے زیادہ قیمتی

ہے پروہ نہ کہ مجھے دیکھ ہو گا۔

(شہر میں برقعہ اندازتی ہے امراؤ بیگم سے پٹ کر دیتی ہے امراؤ بیگم بھی آنسو بہاتی ہے)

امراؤ بیگم : بہن ہو کچھ ہوا قسمت کا کھٹا تھا اللہ کی مرضی یوں ہی تھی شکر ہے اس پاک بے نیاز کا

شہر میں تم نے وہ رفاقت کی ہے کہ تم کو شریف (داوی) سمجھنے پر مجبور ہوں۔

شہر میں : کاش میں پیدا نہ ہوئی ہوئی اگر پیدا ہی ہوتا تھا تو دلی میں نہ رہتا تھا۔ بیگم صاحب مرزا صاحب پر

ساری کھسی مجھ ذلیل ہستی کے۔

امراؤ بیگم : بہن یہ نہ کہو میں نہیں جانتی تم ان کو گھر سے بلائے تو نہیں آئی تھیں وہ خود تمہارے یہاں جایا کرتے تھے اور پھر ملے گا کون ایسا دیکھیں ہے جو طوائف نہ رکھتا ہو؟ مرزا صاحب پر جو آفت آئی وہ تقدیر کی بات ہے تم کیا کرو۔

شیریں : میں نہ ہوتی تو مرزا کی تقدیر بھی بدل گئی ہوتی یہ مڑی کوتاہ کیوں پیچھے پڑتا۔

امراؤ بیگم : اب اس کو نہ دیکھو اپنے کو دیکھو جب سے یہ آفت آئی ہے میرے سنا ہے تم نے کہا جانا چھوڑ دیا ہے وہ عیسوں کے گھر جا کر کوشش کر رہی ہو کہ لوگ مرزا صاحب کو دبا کر انہیں۔

شیریں : آپ نے کس سے سنا؟

امراؤ بیگم : عارف میاں نے بتایا انہوں نے تمہارا بھیا ہوا عقد بھی دیا وہ تم کو صورت سے پہچانتا نہ تھا مگر کہتا تھا اس محبت و خلوص ہے اس عورت نے باتیں کہیں کہ مجھ سے انکار کرتے نہ بنا میں نے لے لی لیا یہ سب سن کر میں نے کچھ لیا کہ کون اتنی جلد دہی کرے گا بہن فوراً میرا خیال تمہاری طرف کیا۔

شیریں : (بات کاٹتے ہوئے) سرکار اس ٹکڑے عقد کا ذکر نہ کیجئے میں نے کیا خدمت کی رہائی کے لئے میں نے کچھ نہیں کیا میں تو اپنی شرمندگی دور کر رہی ہوں خدا مجھے موت دے دے اب میں اس دنیا میں نہیں رہنا چاہتی (سرسندھاس)

امراؤ بیگم : بہن ایسا نہ کہو پردہ فیب سے مدد ہو گی۔

شیریں : انشاء اللہ۔

(عارف تیز جزا اور آتے ہیں ادب سے تسلیم کرتے ہیں)۔

امراؤ بیگم : کو بیٹا خیر تو ہے تم کچھ گھبرائے ہوئے ہو زمین العابدین؟

عارف : خالہ! اس خبیثت ہے ابھی ایک خبر یہ آئی ہے کہ جہاں پناہ لے خالہ! کے لئے ریفریجینٹ کو سفارشی خط لکھ دیا۔

(امراؤ بیگم اور شیریں دونوں ہاتھ اٹھا کر شکر ادا کرتی ہیں)

شیریں : بڑی مبارک خبر ہے اب انشاء اللہ مرزا صاحب گھر آجائیں گے اس جہیز کوتاہی کے سہ میں کالک لگے گی۔

امراؤ بیگم : انشاء اللہ

عارف : میرا خیال ہے کہ عمارتیں شہر بھی دھند لے کر ریفریجینٹ کے پاس گئے ہوں گے۔

شیریں : امید تو کیا ہے کون ہے جو مرزا صاحب سے محبت نہیں کرتا؟

عارف : میں نے تو باتیں باتیں میں لوگوں کو اس حوالہ پر دیتے دیکھا۔ کوئی ایسا نہیں ملتا جو ہے ایمان

حکومت کو گالیاں نہ دیتا ہو۔

شیریں : عارف میں تم نے یہ خبر اچھی سنائی کہ جہاں پتہ نے سفارش کر دی۔ اب میں اجازت چاہتی ہوں۔

امراء بیگم : کیوں اتنی جلدی؟

شیریں : حضور میں نے منت مانی تھی کہ اگر عمل الٹی نے سفارش کر دی تو درگاہ میں چادر چڑھاؤں گی مجھے انتظام کرنا ہے اب اجازت ہو پھر حاضر ہوں گی۔

امراء بیگم : چاہے خدا حافظ (عارف سے مخاطب ہو کر) بیٹا تم گھر تک پہنچا آؤ۔

عارف : میں حاضر ہوں۔

شیریں : خدا حافظ (باہر جاتی ہے)

دوسرا ایکٹ — تیسرا سین

شیفتہ کا مکان

(فرش کمر، آرائش، ندق، مومن، حکیم احسن، نصیر علی، میمن داس کا آنا اس پر غور کیا کہ علم و ادب کے رشتہ سے جو باہمی ارتباط پیدا کر رہا ہے اس روشنی میں مرزا غالب کی ہمدردی ہم پر فرض ہو جاتی ہے)

شیفتہ : میں نے آپ لوگوں کو تکلیف اس لئے دی ہے کہ مرزا غالب کی رہائی کی کچھ اور تدبیر کی جائے اب تک لوگ دوسروں کے ساتھ دوڑ دھوپ میں رہے مگر شاعروں اور ادیبوں کا الگ سے کوئی وفد نہیں گیا۔

مومن : حالانکہ علم و ادب کا سلسلہ ایسا روحانی رشتہ ہو جاتا ہے کہ اس کے آگے تمام رشتے کمزور نظر آتے ہیں۔

ندق : بے شک استادی جی مہدی بزرگانِ دین کی محبت سب علم ہی کی وجہ سے تو ہے۔

حکیم احسن : گستاخی صاف میں تو دیکھتا ہوں کہ یہ رشتہ گھر کے باہر نہیں پھلتا۔

ندق : کیا مطلب؟

حکیم احسن : مطلب یہ ہے کہ لوگ اپنے حلقہ ہی تک محبت کا سایہ محدود رکھتے ہیں شاعروں استادوں یا نقد والوں کے دائرے سے باہر غلبہ و اعتراض کی کڑی دھوپ شعراء پر ملنا کرتے ہیں۔

ندق : حکیم صاحب یہ تو میں کہہ سکتا کہ آپ کی نظروں نے محبت کو پہچانا نہیں مگر یہ ضرور عرض کروں گا کہ واقعات آپ کی نظر میں نہیں اس لئے یہ غلطی ہو رہی ہے۔

حکیم احسن : کیسے؟

لاق : آپ نے مرزا سدا اور میر ضاف کا جھگڑا سنا ہو گا زندگی بھر ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے رہے مگر میر ضاف کے انتقال کے بعد مرزا سدا ان کے گھر گئے ان کے صاحبزادے میر حسن کو لگے لگا کر بہت دوسے معافی مانگی سارا کام جو میر ضاف کی جگہ میں تھا وہیں کھڑے کھڑے چلا دیا۔

شیفتہ : انکو معافی کا بھی یہی اصول تھا وہ لوں میں کتنی چلتی تھی کتنی سخت باتیں ایک دوسرے کو کہتا تھا مگر انکاء کے مرنے پر معافی نے کس درد سے کہا۔

معافی کس زندگی پر بھلا میں شاد ہوں یاد ہے مرگ قتل و سید اختہ مجھے

مومن : حکیم صاحب کو پابھی اعتراض و اپنی اختلافات میں دل کی حفاظت نظر آتی ہے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اپنی محبت کے اعزاز فرالے ہیں مخالفت بھی محبت سے ہمیشہ ہے اگر دوستی نہ ہو تو دشمنی کہاں سے آئے۔

تفتہ : استاد کا ایک شعر یاد آئیگا۔

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

میش : حضور اب یہ سمجھتا ہے کہ مرزا صاحب کے لئے کیا کیا جائے کئی مہینے ہو گئے کہ وہ قید فرنگ جیل رہے ہیں بادشاہ سلامت کی سفارش حکامین شہر کی درخواست کا کوئی اثر حکومت پر نہ ہوا۔

تفتہ : ہاں وہ تو برا ہوا لیکن لوگوں پر اس کا اثر بہت اچھا پڑا۔ مرزا غالب کی محبت و عظمت دلوں میں اور پختہ مکی فرنگی کے خلاف نفرت کا جذبہ اور بھڑک اٹھا۔

حکیم احسن : جہاں پناہ پر بھی کچھ کم اثر فیس پڑا فرماتے تھے کہ ایں جانب لاکھ مجبور سی مگر اپنی سفارش کو بے اثری کا شکار ہوتے فیس دیکھ سکتے فرنگی کی مخالفت اتنی تو کی ہی چاہتی ہے کہ مرزا غالب کی لب اور زیادہ قدر کی جائے۔

میش : انگریز اس طریقہ عمل پر اور جمل جائے گا پناہ اچھا خیال ہے مرزا صاحب کے لئے کیا کیا جائے؟

شیفتہ : سب سے پہلے تو یہ کیا جائے کہ کسی خوبصورت طریقہ پر مرزا صاحب کے اہل و عیال کی خدمت کی جائے ان کو جسمانی تکلیف کسی قسم کی نہ ہو۔

میش : حضور اس کی فکر نہ کریں ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔

شیفتہ : ان کی رہائی کا مسئلہ مشکل نظر آتا ہے۔

حکیم احسن : جی ہاں بادشاہ کی سفارش حکامین شہر کی درخواست سب بیکار ثابت ہوئیں تو اب کس کی بات فرنگی مانے گا۔

میش : سنے گا مگر ہماری فیس ہمارے دشمن کی۔

تفتہ : یہ کیا کہا؟

میش : میں نے جو کچھ کہا، سوچ کر کہا، معاملہ کے ہر پہلو پر غور رکھ کر کہا۔

مومن : صاف صاف بتائیے کوئی نہ بچائیے۔

میش : (غوش و غروش کے ساتھ) یہی جمل رہی ہے لہا بھٹلایا جاسکا ہے صرف اکہن کر کی ضرورت ہے اور وہ یہ ٹانچ ہے۔

نقشہ : کیا تمہارا مطلب ہے کہ کو قاتل کو ہمارا کیا جاسکا ہے۔

میش : ہاں مگر یہ مگر وہ معمولی لہا نہیں فولاد ہے ایک ضیق وہ بھینوں کی ضرورت ہے اور وہ تیار ہیں۔

(خیریت سے سب میٹھ داس کی طرف دیکھتے ہیں)

مومن : یمن

میش : فرنگی سے غیادی مخالفت کے باوجود میں مرزا صاحب کی ہمدردی چنگاری کا کام دے سکتی ہے

صرف شعلہ بلند ہونے کی تصویر حکام وقت کے سامنے کھینچتا ہے۔

شیفہ : لیکن روشنی لینے والے کے دل و دماغ بجز درد و ہاہر کے کسی اور شے سے متاثر نہیں ہوتے۔

میش : (کھڑا ہو جاتا ہے) اگر روایت کی ضرورت ہوئی تو یہی ہے آپ کا غلام بیچے بچے نہ دکھائی دے گا۔

وہ ایسے کتے سحر کے سر کر چکا ہے شراب کا کاروبار سب کچھ نکھارتا ہے۔ شراب کے خواص آپ

لوگوں نے دیکھے کہاں ایک طرف یہ آتش سیال ایوان ہوس کو زد نثار ہوتی ہے تو دوسری طرف خرمن

خود میں آگ بھی لگاتی ہے صرف موقع محل پر غور رکھ کر کام کرنے کا طریقہ چاہئے حالات کی روشنی

اور درد و ہواہرات کی چمک دکھا کر قاتل ہی سے مرزا صاحب کی رہائی کی سلاش نہ کراؤں تو میٹھ چم

نہیں۔

حکیم احسن : میٹھ داس جو باتیں تم کہہ رہے ہو وہ سمجھ میں تو آتی ہیں مگر قریف تو جب ہی ہے کہ

عمل میں بھی آجائیں۔

میش : حکیم صاحب اس کے لئے حالات کی نہیں پر انگلیاں ہونی چاہئے مجھے معاف کیا جائے یہ

شاعروں اور طبیبوں کے بس کی بات نہیں یہ لوگ صرف اپنے فن اور جذبات سے کام لیتا چاہتے ہیں

یہ بچارے دنیا کو کیا جانیں اہل دنیا سے ناہ کرنا ایک الگ فن ہے اور یہ بچارے شاعر لوگ۔

نقشہ : میٹھ آگے مت بڑھو۔ جذبات سے کھینچنے کی کوشش نہ کرو جو کچھ کہہ رہے ہو اس پر عمل کر کے

دکھلاؤ ہم سب کی اجازت ہے۔

میش : جاتا ہوں اور یہ کہہ کے جاتا ہوں کہ اگر مرزا صاحب کو جلد رہائی نہ ہوئی تو میٹھ پھر آپ

لوگوں کو منہ نہ دکھائے گا۔

شیفہ : خدا آپ کو کامیاب کرے۔

(میٹھ فصر میں باہر چلا جاتا ہے۔)

مومن : چلے ہم لوگ بھی چلیں (شیفتہ سے غالب ہو کر اجازت ہے۔
شیفتہ : نہ اٹھاؤ۔

(سب لوگ جاتے ہیں)

(پہلو گر آتا ہے)

دوسرا ایکٹ ————— چوتھا سین

شیفتہ کا مکان

سلان، فرش اکلاہان، حق، گاؤ نکلی، کچھ کتابیں، 'الغص'، 'نقد'، 'میش'، 'داس'، 'شیفتہ'، 'نصیر خاں'

نقد : ہاں وہ بٹاش تو نہیں رہتے مگر سوال یہ ہے کہ کیا کیا جاتے؟ حالات ہی کچھ ایسے ہیں کہ۔۔۔
شیفتہ : اس غریب پر کیا کیا مصیبتیں نہیں چڑی ابتدائی زندگی سے اب تک مصیبتیں سوسلاہارہ برستی ہیں یہ اس کا دم ہے کہ زندہ ہے۔

نصیر خاں : حضور وہ اکیلے بیٹھیں زندہ شاعری کو بھی زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے دل و دماغ کی قسم کھانا چاہئے۔

نقد : ہاں یہ سب صحیح ہے مگر اس حالت میں کوئی کب تک رہ سکتا ہے عرصہ دراز سے صرف ہاتھ دیتے آٹھ آٹھ پٹن لٹی ہے اور بس ایسی صورت میں وہ کیسے بٹاش رہ سکتے ہیں۔

میش داس : مالی مشکلات تو دور ہو سکتی ہیں اور ہوتی بھی رہیں لیکن اس کا علاج کہ اسی زمانہ میں شیریں کا بھی انتقال ہو گیا۔

نقد : ہاں یہ بڑا سانحہ مرزا غالب کے لئے تھا۔ اس کی وفاداری و محبت پر ان کو بڑا تازہ تھا۔

نقد : مرزا صاحب کو خوش رکھنے کا مرحلہ بھی میثقی تم ہی سر کر سکتے ہو۔

میش : بھائی نقد! میں کس قابل ہوں نہ شاعر نہ شاعر کا بھائی۔

شیفتہ : شعر و شاعری وہ خوشی نہیں دے سکتی کہ غامی لفظ بدل جائے اس موقع پر شاعر بیکار ہے آپ اپنے ہر ہر دکھائے آپ کی گونا گوں صلاحیتوں کا تو لاندہ قائل ہو گیا۔ جہاں عوام و خواص کی کوششیں ہے جان نظر آئیں وہاں آپ نے مسیحا کا کام کیا مرزا غالب کا مینار سے پہلے رہائی پانا حیرت انگیز ہے وہ صرف آپ کے دماغ کا نتیجہ تھا۔

میش : حضور! یہ آپ کی بندہ نوازی ہے ورنہ کس قابل ہوں۔

نقد : (بات کٹ کر) میثقی یہ حقیقت ہے دنیا مافی ہے تم نے ہر کما تھا وہ کر دکھایا۔ تاہن کو ممکن بنانا تمہارا ہی کام تھا۔

نصیر خاں : اس میں شک ہے اس واقعہ کو ڈیڑھ دو سال ہوئے مگر اب تک لوگ میٹھ داس کی پرورد
تقریف کرتے ہیں۔

میش : سر حال مرزا صاحب کا غلام میں پہلے بھی تھا اب بھی ہوں جو آپ لوگوں کا حکم ہو گا اس میں
دریغ نہ ہو گا۔

حکیم احسن : آپ لوگوں کو سن کر مسرت ہو گی کہ آج جہان پناہ نے مرزا غالب کو نہایت شاندار خطاب
عطا فرمایا۔

نقد : (کھڑے ہو جاتے ہیں) واللہ حکیم صاحب آپ کے منہ میں کئی شکرست بڑی بات ہو گئی۔
شیفہ : غالب کی عظمت کا یہ شاہانہ اعتراف اس قید و معیت کے بعد تاریخی یادگار ہے۔

حکیم احسن : اس میں شک نہیں کہ غالب کا ایسا دیدہ ور بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔
میش : ارے حکیم صاحب آپ نے یہ بتایا ہی نہیں کہ خطاب کیا ملا۔ وہ کئی تو خا جائے۔ مارے خوشی

کے یہاں تو ہاتھ پیر پھولے جا رہے ہیں اور آپ ہیں کہ بتاتے نہیں۔
حکیم احسن : منو منو خوش ہو جاؤ گے بڑا شاندار خطاب ہے یمنی

الحسن
نظم الدولہ "دور الملک" نظام جنگ

میش داس : سبحان اللہ مرزا غالب زندہ باد (درا بلند آواز سے)
حکیم احسن : ارے میاں میٹھ داس کیا پوچھتے ہو اسنے ہی پر بات غم نہیں ہوئی صرف روحانی مسرت

تک معاملہ نہیں رکا کچھ جسمانی اور دنیوی آسائش کی بھی صورت ہو گئی ہے۔
میش : حکیم صاحب آپ بتاتے کیوں نہیں سطوں میں خوشی بانٹ رہے ہیں کیا راز ہے۔

حکیم احسن : اس لئے کہ شادی مرگ نہ ہو جائے حکیم تو حکمت سے کام کرتا ہے۔؟
نقد : تو اب دوسری قسط بھی حتمیت ہو۔

حکیم احسن : یہ بھی کرم ہوا کہ مرزا غالب خانہ ان تیور کی تاریخ مرتب کریں اور اس کے صلہ میں
ان کو بھاس روپیہ ماہوار ملتے رہیں گے۔

شیفہ : یہ حمایت کبھی کسی طرح خطاب سے کم نہیں۔
شیفہ : سر حال مرزا کی معیت اور ان کے لئے ہم لوگوں کی پریشانی کچھ تو کم ہوئی۔

میش : ہاں صاحب بہت کچھ ہو گی وہ بھی پوری ہو جائے گی آئیے جاں کر مرزا صاحب کو مبارک
باد دی جائے۔

نقد : بخدا بڑی خوشی ہوئی ضرور چلے فوراً چلے۔
میش : اس موقع پر استلو کے یہاں پیکا منہ لے کر نہ جاؤں گا پہلے عطائی کھائے بھریات کھجے۔

نصیر خاں : ہاں صاحب آپ مرزا صاحب کے شاکر و رشید ہیں آپ کو اہتمام سرت عملی طور پر کرنا چاہئے۔

نقشہ : مٹائی کھائی اور خوب کھائی پئے پہلے میرے گھر چلتے۔

شیفتہ : نہیں نہیں مٹائی میں کھائی جاتے گی۔

(مٹائی کھائی جا رہی ہے اسے میں دہم اشعراء بھی آجاتے ہیں)

دہم : آج کا دن بڑا مبارک ہے جی چاہتا ہے اڑاؤ کر تمام مٹائی کھاتا پھریں۔

نصیر خاں : اس مٹائی کے بعد پھر کسی اور جگہ کھانے کی ضرورت بہت نہ رہے گی کھائی دیکھتے سکتی مزے دار ہے۔

دہم : (مٹائی منہ میں رکھ کر) واللہ بڑی مزے دار ہے کہاں سے منگائی بھائی نقشہ؟

نقشہ : قریب ہی دوکان ہے ابھی مٹائی ملتی ہے زیادہ منگی بھی نہیں چار آنہ میرے۔

دہم : سنا ہے مرزا غالب غل المی کے حضور میں گئے ہیں کیا جھپ اب واپس آتے ہوں۔

نقشہ : ہاں وقت تو ہو گیا ہے اور راستہ بھی یہی ہے اور سے گزرتے تو حضور کرم فرمائیں گے۔

میش : اسے ہم لوگ ہاتھ جو بڑا کر روک لیں گے اور پھر ایسا تو نہیں کہ وہ کندھا بھی کماروں کو بدلنے نہیں دیتے۔

نصیر خاں : کہو میاں دہم مرزا صاحب کی اس سرکاری کا لوگوں پر کیا اثر پڑا؟

دہم : زیادہ تو لوگ خوش ہیں کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں مرزا غالب وہ عملی میں آشیانہ بناتے ہیں انگریزوں کی بھی تعریف کرتے ہیں اور قلم مٹلی سے بھی ناتا دے گئے ہیں ہندوستان کے نڈال کا بھی ماتم کرتے ہیں اور انگریزی حکام کا بھی قصیدہ پڑھتے ہیں۔

نقشہ : (بیت کثرت کر غصہ میں) کہتے ہیں یہ لوگ دودھ کی سارے ہاتھوں میں پھیلی ہوئی ہے کون رکھیں یا سپاہی آج ایسا ہے جس کا یہ مدیہ نہیں مرزا غالب ہی پر کیا ٹھہرے سارا سراج اس رنگ میں رنگا ہے سراج کے درجائن سے پتہ نکلن نہیں۔

دہم : بجا فرماتے ہیں مگر اعتراض کرنے والے کہتے ہیں کہ کسی اور شاعر نے یہ مدیہ نہیں اختیار کیا۔

نقشہ : تنگ نظری نے اٹھا کر دیا ہے لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ دوسرے شعراء الگ سے انتخاب کا قیاس دیکھ رہے ہیں مرزا غالب براہ راست اس سے وابستہ ہیں چھوٹی اور دودھانی دونوں طرح ان کو اس سے واسطہ ہے غالب کے علاوہ کس شاعر کے ہاں جگہ لڑتے ہوئے مارے گئے چاہاڑی کے عوض کوئی مائی کا لال انعام و اکرام سے محروم رہا کون تمام حسین ایسے ذی عروج رہیں کا نواسہ تھا جس کی پیشین بدہ ہو گئی ہو جو دونوں کو قلعہ ہو کسی کا نام بتائیے۔^{۳۳}

میش : بھائی ہر گز ہال جاتے وہ ان جاہلوں کو یہ بھی تو نہیں جانتے کہ مرزا کی دور بین نگاہ اس انتخاب

اور سلطنت کی تبدیلی کا اہم دیکھ رہی ہے ان کے دل میں نائنے کا درد ہے اور دوسروں کو صرف اپنا خیال ہے۔

(مرزا غالب کا دلعتاً آٹھ دروازے کے قریب گواڑ دینا)

مرزا غالب : کمرے والو بولو۔

شیفتہ وقت : اے آؤنت باہت آہدی ہا۔

(سب کے سب مرزا صاحب سے پٹ جاتے ہیں کوئی ہاتھ چومتا ہے کوئی ہر پکڑتا ہے مرزا صاحب سب کو دعا کہیں دیتے ہیں)

میش : حضور اندر تشریف لے چلیں آج ہم لوگوں کی عید ہے!

(غالب کمرے میں داخل ہوتے ہیں)

بدب : بھگے تو اس لحاظ سے بھی خوشی ہے کہ اس وقت یہاں دو خطاب یافتہ موجود ہیں۔

ایک مرزا صاحب اور دوسرا یہ خاکسار۔

غالب : جی ہاں بدب! اشعار تو اسی دربار کا عطیہ ہے؟ فرق یہ ہے آپ کو بدب بنا کر نائنے امید میں اڑنے کا موقع دیا اور مجھے تاریخ تیسویں لکھنے کا حکم دے کر پاؤں میں دی پاندھ دی۔

بدب : مرزا صاحب قبلہ! آپ کا اور میرا کیا مقابلہ میں ذرا ناچنے اور آپ آٹھ عالم تک آپ کو تو ہلور دھنچہ بھاس دیتے ہمارا بھی سرکار سے ملیں گے میں آزاد ہوں مگر آپ وہاں!

تصیر خواں : یہ تو ابھی ابتدا ہے معلوم ہے کہ کئی ایک شاہزادگان والا چار مرزا صاحب سے فیض اٹھانے کے لئے بے چین ہیں۔

وقت : بادشاہ اللہ آپ تو دروازہ کھلا ہے کچھ نہ کچھ روشنی آتی ہی رہے گی۔

غالب : اس وقت دربار شاہی سے ہر میری عزت افزائی ہوتی ہے اس کا شکر گزار نہ ہونا کفریہ حرکت ہے لیکن یہ دربار نہ اکبر اعظم کا ہے نہ شہنشاہ جمائیکر کا کہ اس سے زیادہ کی امید کی جائے۔

شیفتہ : محنتانی معاف میرے نزدیک یہ عزت صرف سلطنت کا عطیہ نہیں سلطنت لوگوں کے ہذبات سے حائر ہو کر دلوں کی ترہائی کرتی ہے لال قلعہ لاکھ ایڑا ہوا دیار سنی مگر سارا ہندوستان غل اٹھی سے بے پناہ محبت کرتا ہے ان کی قدردانی آپ کی ہر گیم قبولیت کی دلیل ہے۔

میش : مرزا صاحب کی طبعی خدمات بھی تو کہہ نور سے کم نہیں ان کی سہیلدی میں تاریخ شاہی بھی اپنی شہرت کی پرچمائیں دواں دواں دیکھتا ہو گا۔

غالب : انیسویں میں وہ خدمت نہ کر سکا ہو کرنا چاہتا تھا اس تیم و تار نفا میں ہندوستان و ایران کے ثقافتی و طبعی تجربوں کی آمیزش سے مغرب کی موجودہ روشنی میں ایک ایسا چراغ روشنی کرنا چاہتا تھا کہ لوگ باطنی و مستقل کو دیکھ لیں مگر یہ شہرت نہ پوری ہو سکی پھر بھی شکر ہے۔

ہمت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم لگے

نقد : آپ نے جو کچھ کیا وہ کسی ایک شاعر یا نثر نگار نے نہیں کیا علم و فن کے ہر گوشہ پر آپ کی نظر رہی اپنی رائے و خیال سے آپ پر ایمہ نائے کو فیض پہنچاتے رہے۔

مرزا غالب : اچھا اب مجھے دہر ہو رہی ہے میں ہاؤں کا اجازت ہو۔

شیفٹ : حضور آپ کو اجازت کون دے اور کس دل سے؟

غالب : (سکرا کر) اچھا بھائی خدا حافظ اللہ اب لوگوں کو زندہ رکھے میں بھی مطمئن ہوں کچھ تو قدردان نظر آتے ہیں

(سب لوگ مرزا غالب کو رخصت کرنے جاتے ہیں)

(پہلو گرا ہے)

دو سرائیکٹ ————— پانچواں سین

غالب کے اعزاز میں مشاہو

سلمان :- نشست گاہ آرامت، گاؤں نکلیے، اور گاؤں، خاص دان، گلدان، چنچان، خوشبویات

سامعین :- نصیر شاہ، سرفراز حسین، مرزا خاں کو قوال وغیرہ۔

شعرا :- غالب، نقد، شیفٹ، موسیٰ، ذوق، چہد وغیرہ۔

موسیٰ : یہ انتظام نہایت معقول تھا کہ اس جشن کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا کل دعوت ہمسائی تھی اور آج خیافت روحانی۔

غالب : ایسے الزام و اقسام کے کہانے تو میں نے نکلنے میں بھی نہیں کہانے جیسے نکل سہل و سحر خاں پر تھے۔

ذوق : اور مزے دار کتنے تھے باور ہی بھی کوئی خاص تھا اس نے قابل تعریف کام کیا۔

موسیٰ : کہانے تو مزے دار تھے، ساز و سامان کتنے خوب صورت و دیدہ زیب تھے کیا یہ سب مرزا غالب کے ساتھ نکلنے سے آئے تھے؟

نصیر شاہ : حضور یہ سب مرزا صاحب کے فضل ہی میں تو تھے۔

نقد : مشاہو ہی اسرار کے اعزاز میں ہے تو ان سے کیا چڑھ حلق نہیں؟

غالب : یہ سب ہمارے شہر کی نوازش اور مرزا خان کی کرشمہ سازی ہے ورنہ بے جا وہ غالب کیا؟

کو قاتل صاحب یہ اتنے اچھے ام آپ کو کہاں مل سکے تھے۔

ذوق : مرزا کو اچھے ام مل گئے اور ہم لوگوں کو ایک اچھا لیفٹ۔

مرزا خاں : حضور میں انتظام میں مصروف تھا وہ لیفٹ میں سن سکا۔ اگر عینیت ہو تو میں بھی لطف اندوز ہو سکوں۔

ذوق : ہاں بھئی وہ سب ہی کو لطف دے گا مرزا سنا دو۔

غالب : ہانت معمولی تھی مگر میں کئی لیفٹ کمانا کمانے کے بعد ام کی باری آئی ام بہت لیفٹ تھے لوگ جی لگا کر کھا رہے تھے وہاں کچھ ایسے باسقول لوگ بھی تھے جن کو ام ایسی چیز مرغوب نہ تھی ہم لوگوں کی آمد خوردی کو وہ حرام خوردی سمجھتے تھے ذرا دور ام کے چھلکے پڑے تھے اور میرے کیس گدھے آگئے چنگلوں پر منہ ڈالا سو گدھے سو گدھے کر چلے گئے۔ ان کی اس حرکت پر ایک شخص ام ہزار نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا "مرزا صاحب دیکھئے گدھے بھی ام نہیں کھاتے" میں نے جواب دیا جی گدھے ام نہیں کھاتے "اس پر ماری محفل میں وہ قہقہہ پڑا کہ استاد ذوق کو بھی ہنسا پڑا۔

مرزا خاں : (خود زور سے ہنسا) آپ کی حاضر جوابی کا تو جواب نہیں۔

شیفٹ : حاضر جوابی اور الفاظ پر عبور تو آپ کا حصہ ہے۔

موسمن : مرزا صاحب نکلنے کی شان و شوکت کا جو کہ تو کل آپ نے بہت کچھ کیا مگر ذہنی تبدیلی کا ذکر نہیں آیا۔

غالب : جی ہاں داخلی تبدیلیاں بیان میں بھی نہیں آئیں وہ موسخ کی نظروں اور محقق کا ذہن چاہتی ہیں اور یہ خاکسار۔

شیفٹ : مرزا صاحب آپ کسی بات میں کسی سے کم نہیں۔

ذوق : قسمت ہی سے مجبور ہوں اسے ذوق و گدگدہ کس فن میں نہیں طاق مجھے کیا نہیں آتا یہ میں نے مرزا ہی کے لئے کہا تھا

(غالب جہک کر حلیم کرتے ہیں مسکراتے ہوئے عزت افزائی کا شکر یہ ادا کرتے ہیں)

آفتہ : اپنے مطالعہ و مشاہدہ سے ہم لوگوں کو بھی سرفراز فرمائیے۔

موسمن : مطالعہ و مشاہدہ کی ہم آہنگی سے تو آپ کی شامی روز افزوں مقبولیت حاصل کر رہی ہے۔

ذوق : مرزا تو طرز بیان کی بدولت پر جان دینے والوں میں ہیں۔

موسمن : اچھا تو اب کچھ بیان کیجئے داستان گوئی سے تو آپ کو خاص دلچسپی ہے حسن بیان سے ہم لوگ بھی محظوظ ہوں۔

غالب : نکلنے پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میں عہد ماضی سے دور جدید میں آ گیا جی وضع کی عمارتیں کشادہ سڑکیں آراستہ دکانیں ہر چیز جلاب نظر ہر شخص صاف ستھرے کپڑے پہنے جی وضع کے لباس

میں۔

مومن : گنج تو میں اپنی تہذیبوں کا اندازہ کرنا چاہتا ہوں۔

غالب : میں دیکھ و دل کی گزر گاہ کی طرف سے ذہن کی طرف آ رہا ہوں داخلی تہذیبوں کا کیا پرچہ

انگریزوں نے علم و ہنر کے لئے ایوان بنائے ہیں جن کے دروازے انگلستان میں ہیں اور درپے ہندوستان میں انگلستان کی ہوائیں حکومت کی شاہراہ سے ہوتی ہوئی پوری زندگی پر کھیل رہی ہیں اخلاقی و سیاسی نظریات انہیں ہواؤں کے رخ پر ہیں سیاست تجارات سے ہم آہنگ ہو گئی ہے۔

نقد : حضور گستاخی معاف لوگ مشاعرے کے لئے بے مہین ہیں۔

غالب : ہاں میں نے بہت وقت لیا مشاعروں شروع کیا جائے گنج سب سے پہلے میں شروع کرتا ہوں

آداب مشاعروں کی قدیمی روایات کو ترک کرتا ہوں۔

ذوق : مرزا صاحب حد ماضی کو میری زندگی تک پہنچے دیجئے حسب دستور قدیم جس کے سامنے شع ہائے

: وہ چمکے آپ اس روایت کو کیوں ترک کر رہے ہیں۔

غالب : احتلا اکثر روایتیں اپنی فرسودگی کی وجہ سے بے جان ہو جاتی ہیں ان سے بجاوت۔

مومن : (ہات کٹ کر) مرزا صاحب بجاوت سے بجاوت بھی تو کبھی ضروری ہو جاتی ہے مشاعروں کی وضع برقرار رکھی جائے کیوں شیفتہ صاحب!

شیفتہ : میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔

غالب : بہتر ہے مرزا صاحب شع گردش میں آئی جائے۔

(اسی طرح شیفتہ 'مومن' ذوق کے سامنے شع ہاتی ہے لوگ تفریض کرتے ہیں شعراء کو اب عرض کرتے ہیں)

شیفتہ

ابھی کہیں تو کہیں لوگ شرمسار تھے کہ کس کے دوسے پر اتنا ہے اعتبار مجھے
حد کے ساتھ بھی آخر بنا ہوئی آواز کسی طرح بھی نہ دیکھا امیدوار مجھے
ایا ی تو نگہ پر فوں نے دل لیکن کیا اوائے تعاقب نے ہوشیار مجھے
بزار دم سے نکلا ہوں ایک جنش میں جسے غور ہو آئے کرے نکلا مجھے
نقد : کیا اس قول میں کوئی اور شعر بھی ہوا ہے۔

شیفتہ : شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ ہے آگ سی جو سینے کے اندر لگی ہوئی
: ہی نہیں ابھی تک یہی ایک شعر ہے۔

مومن :

وہ ہم میں تم میں قرار تھا جسیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 دی یعنی دھوا ہوا کا جسیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 کبھی ہم میں تم میں بھی چاہی کبھی ہم سے تم میں بھی راہی
 کبھی ہم بھی تم بھی تھے اکٹھا جسیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 سو ذکر ہے کی مثال کا کہ کیا اک آپ نے دھوا تھا
 سو جاننے کا تو ذکر کیا جسیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 جسے آپ سمجھتے تھے اکٹھا جسے آپ کہتے تھے باوقا
 میں دی ہوں مومن باوقا جسیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

غالب : معاملہ بڑی اور تیز رفتاری سے
 ذوق : کیا زبان کیا کاہل ہے وہ وہاں بھلاں اللہ
 نقیض : بھائی نقیض بھائی پر گزروے ہوئے یہ واردات کوئی نگہ نہیں سکھ
 غالب : اس میں کیا شک ہے کیا کتنا بھی مومن یہ غول تساری بڑی کافر غول ہے
 (مومن سب کو حسب ضرورت تسلیم کرتے ہیں مستقبل جواب دیتے ہیں)
 ذوق : حضرات مطلع ملاحظہ ہو۔
 آوازیں : بسم اللہ، بسم اللہ
 ذوق :

موت ہی سے کچھ علاج درد فرت ہو تو ہو
 آوازیں : بھان اللہ مرزا کیا بات فرمائی ہے۔
 ذوق : دوسرا مطلع عرض ہے۔
 آوازیں : ارشاد۔ غایت ہو۔
 ذوق :

بہر موان ہی ترے زخمی کو راحت ہو تو ہو
 ذوق : شعر ملاحظہ ہو۔

دست بست سے ہے ہلا گوی کا مرتبہ
 آوازیں : بھان اللہ، بھان اللہ
 غالب : حسب حال شعر ہے کیا کتنا استاد۔
 ذوق : حلاجی ہی میں گزری زندگی مگر ہر
 ہاں شیریں کے دیشے سے کچھ حلاوت ہو تو ہو

مومن : شعر صنایع بدائع کا مرقع ہے اور ہر بھی حقیقت سے خالی نہیں واہ واہ احتلو کیا کرنا سبحان اللہ

(لذوق ہر بار ثواب عرض کرتے ہیں موزوں الفاظ میں جواب دیتے ہیں)

اب زبان پر بھی نہیں آتا کہیں الفت کا نام اگلے کھڑوں میں کچھ اس سے کثابت ہو تو ہو

شیفتہ : استاد ایک بڑی حقیقت بیان میں آگئی آپ ہی کا نام ہے سبحان اللہ کیا شعر ہوا ہے۔

آوازیں : واہ واہ مرزا سبحان اللہ

لذوق : متقطع ملاحظہ ہو۔

رات اک بگڑی ہوئی تھی بیکدے میں رہیں سے لذوق وہ تجوی ہی دستار فضیلت ہو تو ہو

آوازیں : واہ واہ سبحان اللہ سبحان اللہ

لذوق : آپ سب کی خواہش ہے کہ ہم لوگ مرزا غالب سے غزلیں سن کر لطف اندوز ہوں۔

آوازیں : سب لوگ اسی کے منہ ہیں۔

شیفتہ : بسم اللہ مرزا صاحب

غالب : بہت اچھا غزل ملاحظہ ہو۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و محبت درد سے بھر نہ آئے کیوں

دو کئی کے ہم جزا ہر کوئی ہمیں ستائے کیوں

مومن : مرزا صاحب ترغم اس کا نام ہے نقل اس کو کہتے ہیں۔

آوازیں : سبحان اللہ سبحان اللہ

لذوق : مرزا ایک بار پھر دُعا۔

(غالب شعر دہراتے ہیں)

غالب :

دیر نہیں حرم نہیں درد نہیں آستیں نہیں بیٹھے ہیں رگدڑ پہ ہم غیر ہمیں اٹھائے کیوں

آوازیں : سبحان اللہ سبحان اللہ مرزا

غالب :

جب وہ جمال دل فردِ صورت میرِ نمیر کپ ہی ہو نگارہ سوز پردے میں نہ چھپائے کیوں

تفتہ : کیا معنی ہے فارسی اور ہندی مذاق کی کیا عمدہ آمیزش ہے فنکاری اس کا نام ہے۔

مومن : چنگ سبحان اللہ!

غالب :

قید حیات بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں موت سے پہلے آدمی غم سے نہات پائے کیوں

مومن : بڑی لڑائی بات گفتگو کے ساتھ کہہ دی گئی ہے کیا کہنا ہے اس شاعری کا۔

(غالب جگ کر تسلیم کرتے ہیں)

غالب : شعر ملاحظہ ہو 'داوطلب

آوازیں : بسم اللہ بسم اللہ

غالب :

ہاں وہ نہیں دفا پرست جہاں وہ ہے دفا سہی جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

شیفتہ : یہ شاعری نہیں ساجھی ہے مرزا صاحب اب آپ اس سے اچھا شعر نہیں کہہ سکتے۔

غالب : اب اس سے زیادہ داد مجھے کیا مل سکتی ہے کو آپ بھلا تا ہوں۔

آوازیں : سبحان اللہ سبحان اللہ

غالب : مطلع ملاحظہ ہو۔

غالب منت کے بغیر کون سے کام بند ہیں دو بچے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں

مرزاخان کو قہقہے یہ شعر بھی بہت اچھا سہی مگر ہم لوگ بچے کو چار نہیں بلکہ صدائے احتجاج یہ ہے کہ

اس کی غلافی میں آپ کوئی دھرا کلام نہانے کی زحمت نہ فرمائیں۔

(سب کے سب) ہم لوگ اس احتجاج میں شریک ہیں۔

غالب : قہقہے ارشاد میں ایک قلعہ پیش کرتا ہوں۔

اے آواز داروان بے باک ہوائے دل زہار اگر حبس ہوس نہائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دودھ جھرت نگاہ ہو میری سنو' ہر گوش فصاحت نبوت ہے

ساقی یہ جلوہ' دشمن ایمان و آگہی مطلب پہ نظر' رہزن تہکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوش بے باک دامن باطنان و کھ گل فروش ہے

لفظ غلام ساقی و ذوق صدائے بنگ یہ جنت نگاہ وہ قہقہوں گوش ہے

دارغ فراق صحت شب کی جلی ہوئی اک شمع وہ مکی ہے سو وہ بھی شمع ہے

آوازیں : اب چناب پدید الشعراء کی باری ہے۔

ذوق : بسم اللہ چناب پدید صاحب۔

پدید : استاذ' آج میں معافی چاہتا ہوں مرزا صاحب نے میری شاعری کے ہر کلمہ دیکھ میرا دل بند کر دیا۔

اب میں کیا خاک چڑھوں۔

غالب : خیر بخیر' میں نے کیا کیا؟

پدید : آپ نے فوجہ لائن کی و تہکین مڑائی چھین کر تیج پہ کھ دینے کی فصاحت کی ساقی و مطلب کو رہزن

و دشمن بنا دیا بھی سہائی محفلوں کو دیران دکھا دیا شاعری کو مرثیہ بنا دیا۔ اب میرے کلام سے کون لطف

اٹھائے گا۔

- مومن : بھائی بہد آپ مرزا صاحب کے قلعہ کا مضمون سمجھنے کی کوشش کریں۔
- بہد : واہ واہ کیا بات کہی ہے شاعری سمجھنے کی چیز ہوتی ہے کہ سننے سننے کی مدد دن کی زندگی اور اس میں بھی روئے۔ بھائی مطلب سمجھنے کی کوشش سمجھنے کیا خوب وہ تو خبیثت ہوئی کہ اشعار اردو میں نہ تھے وہ نہ ساری محفل دہائی ہوئی۔
- شیفہ : جناب بہد صاحب یہ اشعار اردو میں نہ تھے تو کیا فارسی میں تھے؟
- بہد : یہ میں سمجھ نہیں چاہتا (غالب سے غائب ہو کر) مرزا صاحب کہہ اردو میں کہا ہو تو خطیے (مجموع سے غائب ہو کر) آپ لوگ خاموش ہو جائیں مرزا صاحب اپنا اردو کا کلام بنا رہے ہیں) حضور ارشد ہو۔ اسے وہ غزل سنائیے نہ پر نہیں آتی اور ادھر نہیں آتی۔
- آوازیں : مرزا صاحب بسم اللہ
- ذوق : بھئی غالب کتب بہد کی بات مان لو۔
- غالب :
- کوئی امید ہے نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
(لوگ واہ واہ کرتے ہیں)
- غالب :
- موت کا ایک دن صبح ہے غنہ میں رات بھر نہیں آتی
- مومن : یہ شعر ہے کہ زندگی کی تصویر
- غالب : شعر ملاحظہ ہو۔
- آگے آتی بھی حال دل پہ نہیں اب کسی بات پر نہیں آتی
- آفت : کیا شعر ہے حضور پھر ارشد ہو۔
- شیفہ : میں درخواست کروں گا کہ ہر پارہ اس شعر کو چھٹ
- غالب :
- ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو کہہ ہماری خبر میں آتی
- آوازیں : واہ واہ سبحان اللہ
- غالب :
- مرنے ہیں آلود میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی
- ذوق : مرزا صاحب یہ غزل مزاح ہے کیا تعریف کی جائے۔
- بہد : استاد یہ غزل ابھی کہیں نہ ہو اردو میں ہے نہ اس کے علاوہ غزل میں پر دوبارہ آیا ہے یعنی بہد کے پرواز کا مرزا صاحب نے بھی خیال رکھا ہے مرزا صاحب سبحان اللہ

غالب : (جنگ کر بیٹھے بیٹھے آپ کرتے ہیں جہد سے خطاب ہوتے ہیں) آپ کوئی غزل سنائیے باتیں نہ تھیں۔

جہد : مطلع حاضر ہوا

آوازیں : وہاں وہ جہان اللہ : جو تیری مدح میں میں چمکے اپنی داکوں تو رنگ باغ ارم اپنا گھوللا کر دیا

جہد : شمع کے

جہد : جو آگے ریز کے مرے آگے سمیٹا تو ایسے کان موٹوں کہ بے سرا گدوں (وہاں وہ کی آوازیں جہد کا جنگ جنگ کر سلام کرنا)

فدق : جو سرکشی کے آگے مرے ہا آکر تو اس کے نوح کے پر کھل نکلا کر دیا : کیا کھل نکالی ہے نصیر کی اتنا ہے ہا کو نکلا کر دیا۔

(جہد تسلیم کرتے ہیں)

جہد : آخری شعر عرض کرتا ہوں

شیفہ : میں کھانے والا ہوں نصیر کا اور میرے لئے لک کے ہے مقرر میں اجرا کر دیا : کیا قافیہ نظم کیا ہے!

(وہاں وہ کے شور میں جہد کھڑے ہو جاتے ہیں اور لوگ بھی کوئی جہد کو گنگے لگانا ہے کوئی انعام دیتا ہے کوئی ہاتھ ملاتا ہے قریب کے شور دخل میں مشاعرہ ختم ہو جاتا ہے)

(پہنہ کرتا ہے)

تیسرا ایکٹ ————— پہلا سین

نہرہ

(غالب کا درواں خانہ ہر چیز پر اجڑی غالب پریشانی میں بھی کمرے کے باہر بھی اندر آتے جاتے ہیں بددلی اور توپ کی آوازیں شور داخل بھاگتے پکڑنے کی آواز امراتہ حکیم کا گھبرا کر وہ ان خانہ میں آتا)

امراتہ حکیم : آج کی خبریں تو ہمیشہ سے زیادہ وحشت ناک ہیں میرا دل اٹکا جا رہا ہے۔

غالب : کیا خبریں ہیں؟

امراتہ حکیم : سنا ہندوستانوں کو شکست ہو گئی انگریزی فوجوں نے دہلی میں طوں کی عداوتیں بنا دیں گورے گھوڑوں میں گھس آئے جی بے عزتی کا سامنا ہے۔

غالب : جو کچھ نہ ہو جائے کم ہے بددلی تاریخ دہرائی جا رہی ہے مجھے ابھی ابھی خبر ملی ہے کہ غل

اپنی کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ شہزادوں کو گولیوں کا شکار بنایا گیا۔

امراؤ بیگم : (بچنے پر ہاتھ مار کر) ہائے اللہ یہ کیا ہوا بادشاہت ختم ہو گئی ہے۔

غالب : بادشاہت ایک طرف بندوق متعلقہ وقار بھی ختم عروج و زوال کے دورا ہے پر کھڑے ہو کر میں نے

اکلڑ زمین و آسمان کو زیر و زبر ہوئے دیکھا میں نے ہار ہا کما کر مطرب کا نچا پن اس تیزی سے بچھ رہا

ہے کہ مشرق کا پرانا نظام عیش کے لئے درہم برہم ہو جائے گا مگر کون سنتا ہے غمان درویش!

(ایک ملازمہ اندر آتی ہے)

امراؤ بیگم : کیا ہے سہا

سہا

: حضور گورے غضب کر رہے ہیں جس گھر میں مکتے ہیں لوٹ لیتے ہیں جس کو پکڑتے ہیں پھانسی

وے دیتے ہیں نہ کوئی داؤد نہ قراؤ! پی اے اب کیا ہو گا قیامت آگئی کیا؟

امراؤ بیگم : قیامت نہ ہو تو قیامت کی پھوٹی بہن حضور ہے کچھ نہیں کیا جاسکتا کیا ہو گا کون بچے گا کون

بارا جائے ہائے اللہ مولا مشکل کشا خدا کیجئے

غالب

: سہا جاؤ ادھر ادھر سے جو خبریں ملیں بتا جایا کر یہاں گورے نہ آئیں گے صدارت خیار کے

سپاہی حفاظت کر رہے ہیں مگر ہر دقت ہو شیار رہنا چاہئے اپنے کو بچاتے ہوئے لکنا خبیوں پر کان لگائے

رکھتے

امراؤ بیگم : ہیں اب اور تو کوئی آتا بھی نہیں کہ شر کا کچھ حل ملے کون آئے سب اپنی اپنی مصیبت میں

ہیں۔

غالب

: مسلمانوں پر تو لڑکیوں کا غاص غالب ہے وہ تو گھر سے نکلے اور گرفتار یا پھانسی کچھ ہندو دوست

و شاگرد ہیں جو اپنے کو خطرے میں ڈال کر میری قیمت دریافت کرنے آتے ہیں اب کہاں ایسے

دھاراد لوگ ملیں گے خدا ان کو محفوظ رکھے۔

امراؤ بیگم : آپ کی قدر و محبت دلوں میں الٹی ہے کہ لوگ جان کی بازی لگا کر آتے ہیں یہاں ہی ایک

صاحب مرزا یوسف کے مرنے کی خبر ملے کر آئے دکانیں بند کھلیں کھلے دیران مگر کن کہاں؟

غالب

: (مرحمت کر) یوسف مر گئے ہائے میرا بھائی بھی ساتھ چھوڑ گیا میں کتنا بد نصیب ہوں میں مٹی نہ

وے سلا بھیا تم کو اس ہنگام میں مرنا تھا یہی تم نے مجھے اسی وقت کیوں نہ بتایا؟

امراؤ بیگم : میں آپ کو کیا بتاتی وہ بیمار تو تھی یہ دوا نہ پینا چھ گیا تھا ان کا مرنا تو ان کے لئے اچھا ہی

ہوا آپ سنئے تو اس گھر میں مرجائے کہ جہیز و تحفین کیسے ہو کیا پوچھتے ہیں کہنے کے لئے کپڑا جب نہ ملا

تو میں نے گھر سے سفید چادریں نکال کر دیں خدا زندہ رکھے دفن کرنے والوں کو کسی طرح مٹی ہو گئی۔

غالب

: ہائے یہ تو سب درست ہے مگر بھائی بھر بھی بھائی تھا مرزا یوسف تھا غالب یوسف جانی ہے۔

امراؤ بیگم : خدا کی مرضی میں کیا چاہا اب یہ سوچنے کے قلم سے جو حکماء ملے تھے وہ بھی بند ہو جائے گی

کہا نہیں گئے کیا؟

غالب : مجھے اس سے زیادہ اس کی فکر ہے کہ میرے کتے دوست و عزیز مرست مارے گئے میں اپنے
جی کر کیا کروں گا یہی تم جانتی ہو میں کتنا یا ریاش و دوست پرست آدمی ہوں اب کیا ہو گا کچھ دیر کے
لئے تم بھی مجھے خوار رہنے دو
(اسراؤ نجیم کا چلے جانا)

موسیقی بکس پر

مٹی یک یک ہو ہوا پلٹ نہیں دل کو اپنے قرار ہے کدوں غم حتم کا میں کیا بیاں مرا غم سے چند نگاہ ہے
یہ رعایا بند تیر ہوئی کدوں کیا جو ان پہ جہا ہوئی تھے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ تو قاتل وار ہے
یہ کسی نے قسم بھی ہے خاکی پچاسی لاکھوں کو بے گناہ و لے کر گروں کی سمت سے ابھی ان کے دل میں غبار ہے
بھی جلیہ ماتم سخت ہے کہو کہی گردش بخت ہے نہ نہ تاج ہے نہ نہ تخت ہے نہ نہ شاہ ہے نہ دیار ہے

تیسرا ایکٹ — دو سراسیمہ

بعد نذر

(شیفتہ کا مکان فرش بکھر کر سہاں 'الٹاری' کہتیں 'ادگار' ان 'خاص' دامن و فیو

نقد 'میش' دامن آتے ہیں آداب و تعلیمات کے بعد کھنگو ہوتی ہے)

شیفتہ : بھائی خوب آئے آپ لوگ تھوڑی دیر غم ظہر کرنا بھی آج کل بہت ہے دلی کا حال عجیب ہو گیا
ہے۔

نقد : جی ہاں بالکل دنیا بدل گئی اب تک اس دیار سے دیرانی نہیں ہو سکی۔

شیفتہ : جن کا وطن دلی ہے ان کو تو اب تک اس کی گھنوں سے خون کی بو آتی ہے حالانکہ ہنگامہ غم
ہونے کی سال ہو گئے۔

میش : کہیں نہ آئے کیسے کیسے لوگ مارے گئے کیا کیا عمارتیں گرائی گئیں کیسے کیسے مگر لوٹے گئے۔

شیفتہ : (ہات کات کر) مگر تھنے پر یاد آیا کہ اور تو اور کالے صاحب کا مکان بھی لٹ گیا۔ لوگ کتنا
مقدس سمجھتے تھے اس گھر کے اس کے تداراج ہونے کا کسی کو اندیشہ نہ تھا لوگوں نے اپنے قیمتی سلاخان
حفاظت کے خیال سے وہاں بھیج دیئے تھے۔

نقد : وہیں تو مرزا صاحب کی بیگم صاحبہ نے بھی اپنے زیورات بھیج دیئے تھے۔

شیفتہ : جی ہاں اسی کا ذکر کرنا تھا ان کے بھی سارے زیورات بد معاش لوٹ لے گئے۔ مرزا صاحب اور
ان کی بیگم کو کتنا صدمہ ہوا ہو گا۔

میش

: ان کا یہی آخری سارا قاتل پرچنے کے میاں چری پر کیا گزری۔

تقت

: حکم صاحب دو دو کر کتنی تھیں کہ لاش میرا گنا ہونا تو گھر کے کپڑے کہیں بیچ جاتے۔

شیفت

: کیا کپڑے بیچ کھائے گئے۔

میش

: اسی لئے تو مرزا صاحب نے ایک بار کہا تھا کہ لوگ غلہ کھاتے ہیں میں کپڑا کھاتا ہوں۔

تقت

: ایسی حال میں بھی غرافت و معیت؟

شیفت

: جی ہاں ان کی ہر سانس ان خصوصیات کا نمونہ ہے۔ پاکیزہ و نہایت مذاق تو ان کا حصہ ہے۔

میش

: ارے صاحب یکم نہ پرچنے کے مزاج ان کی رگ و پے میں کس طرح نمایا ہے وہ وقت غلط ہو

کہ فرنگی کے سپاہی گرفتار کر کے لے گئے ہیں ہر شخص کو دھڑکا تھا کہ اب مرزا کی خیمت میں گھر

والے دست بدعا تھے ایک کمرام چا تھا مگر وہ رے دل و دماغ کیا تعریف کی جائے جب کرنل براؤن

نے ان سے پرچا۔

دل (WELL) تم مسلمان؟

انہوں نے جواب دیا حضور آدھا کرنل جیران کہ اس جواب کے کیا معنی اس نے مزید وضاحت چاہی تو

آپ بولے قبل شراب پیتا ہوں سوہ نہیں کھاتا براؤن بے ساختہ ہنس پڑا فرما "چھوڑ دیا بلکہ کھلے میں

بدستور رہنے کی اجازت بھی دے دی۔

شیفت

: اسی لئے تو میں کہا کرتا ہوں کہ مرزا صاحب آدمی نہیں وہ سربا شامری رہے ہر عالم میں ہر جگہ

اپنی گفتگو و خوش بیانی سے زندگی پیدا کر دیتا ہے حالانکہ خود اس کا پیشہ دل چور ہے حالات نے اس

کامل قدر انسان کو پال دیا و مسافر سمجھا۔

تقت

: جی ہاں استاد ہر وقت گردش میں رہے ان کا آگے سے دلی آگاہ کیا بازار مصیبت میں آنا تھا پٹن

بند ہوئی نکلنے جانا پڑا وہاں طرح طرح کی پریشانیوں رہیں دل والہیں آئے تو گرفتاری ہوئی عارف کو پٹا

ٹپا تھا وہ جان مرا نہ آیا تو ہماری مرا تھک کی حکماء ختم پٹن بند فرض کہ مصیبت ہی مصیبت رہی۔

میش

: مرنے والوں میں آپ نے اس طوائف کا ذکر نہیں کیا اس کی واقعات پر بھی مرزا صاحب کو

زبردست صدمہ ہوا اس کی وفاداری و قدردانی ان کے نزدیک ماحول میں روشنی کا کام کرتی تھی اس کی

موت نے استاد کو گھما دیا۔

شیفت

: جی ہاں ان ہی کا دل تھا جو یہ سب اکتھ سپہ گئے نہایت طروداری سے۔۔۔

تقت

: اس میں شک نہیں کہ استاد نے موازنہ دار مقابلہ کیا۔ دوسرا ہونا تو کنن لوڈھ کہ قبرستان چلا

جاتا۔

شیفت

: اس کا صلہ قدرت نے ان کو دیا جتنی شہرت ان کی ہوئی وہ کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکی کیا

انہیں پالا ہے کیا دل و دماغ ہے جیسے جیسے مصیبتیں پڑیں مرزا کے جہر کھلتے گئے۔

- میش : دیکھئے نا، ہنگامہ خود ان کے لئے بھی کتنا دوح فرما تھا مگر اسی عالم میں مولوی محمد حسین حمزوی کی لغت بہان قاطع پر کتنی بڑا اثر تھیں کی کہ دوست و دشمن سبکی چونک چکے۔
- شیفتہ : مرزا غالب بڑی مشکل سے کسی کا لوبا مانتے ہیں ان کی بلند نگاہی و ذہانت ان کو خاموش فیس رہنے دیتی ہے آپ آگ سے یا پانی یا پانی بات کہنے سے فیس چوکتے۔
- تفتہ : مگر حضور بات ایسی پتہ کی کہتے ہیں کہ خود سائنس استادوں کے چہرے لپٹ ہو جاتے ہیں طبع اتر جاتا ہے۔
- شیفتہ : یہ صحیح ہے مگر ان طوطہ سائنس استادوں کے شاگرد ایک آہستہ تو چا رہتے ہیں 'ہمارے دوست اور ہمارے قابل قدر استاد کو برا بھلا بھی کہتے ہیں جو سنا نہیں جاتا۔ آپ دیکھئے یہاں قاطع کی بحث بدذاتی سے بڑھ کر مقدمہ بازی تک پہنچی اس سے کیا فائدہ؟
- میش : حضور کتے بھونکتے رہتے ہیں باقی اپنے راستے پر چلا جاتا ہے جانے والے اس کی غفلت ہانتے ہیں بھول آپ کے جتنی شہرت ان کی ہوئی کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکی چار دن کی زندگی کا ابدیت سے ہنگامہ ہونا کوئی معمولی بات ہے؟ استاد کا پاؤں چومتا ہے۔
- شیفتہ : میشل تم برا مان کہتے ارے میاں میں بھی قصاری طرح مرزا کا قد دان ہوں میں بھی ان کو اس صدی کا سب سے بڑا فن کار مانا ہوں مگر کہتا یہ ہے کہ لفظ کاروں کے من فن کاروں کو نہ گنا جاتے۔
- میش : جی ہاں یہ تو صحیح ہے اچھا آپ جانتے ہو۔
- شیفتہ : میشل تم لوگ مرزا صاحب کو صرف شاعر جانتے ہو میں ان کو نثر نگار بھی اس پایہ کا مانا ہوں جس کا جواب قاری وار دہیں نہیں ملتا۔
- تفتہ : (چونک کر) خدا آپ کو زندہ رکھے۔ ان لوگوں کی نظر اس طرف نہیں۔
- میش : کدھر نثر کی طرف نہیں نہیں میں ان کی نثر کا بھی قائل ہوں کیسی کیسی پر زور تقہطی مرزا صاحب نے لکھی ہیں۔
- شیفتہ : (بات کٹ کر) بس اتنی ہی دور تک نظر جاسکی ارے میں خدا ان کے خطوط کو دیکھو بڑا ہر بارے ہیں کیا اعزاز عیاں ہے کتنی بڑھتے محنگو ہے مرزا صاحب کا یہ قول لاکھ روپیہ کا ہے کہ میں نے مراسلہ کو نکال دیا ہے۔
- تفتہ : ہر لمحہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی لکھ نہیں رہا ہے بلکہ رہا ہے جو میر کا لہجہ شامی میں ہے وہ غالب کا اثر میں ہے دونوں کے روحانی ارتباط و جسمانی ہم آہنگی کو دیکھنا ہو تو نثر و نظم کے اس سنگم پر نظر ڈالئے جہاں میر و غالب ہاتھ ملانے کھڑے ہیں۔
- تفتہ : مرزا کی ادبی بنیاد نظم میں کم نثر میں زیادہ نظر آتی ہے صدیوں کے فرسودہ آداب و القاب کو

انہوں نے یکے جہنش قلم ختم کر دیا۔ وہ سیدھا سدا انداز مخاطب رائج کیا کہ دنیا کی آنکھیں کھل گئیں اس طرز بیان پر نہ بیت پرستوں نے انگشت ثنائی کی نہ مرزا کے مخالفوں نے بر لانا وہ دلی فریب و کار آمد لب و لہجہ پیدا کیا کہ سبھیوں نے لہا مان لیا۔

میش : نواب صاحب آپ نے بھرا بڑی قیمتی بات کی طرف توجہ دلائی میں خود بھی حیرت کرتا تھا کہ وہی شخص جو شاعری کی دنیا میں اتنا مشکل پسند ہو وہی نثر کے میدان میں ایسا سہل پسند ہو جائے۔

نقت : یہاں یہ سب فن کاری کے کشتے ہیں فن کار نہ مشکل پسند ہوتا ہے نہ سہل پسند موضوع سخن کی پر کاری ذہن کا کار کو ضرورت کے سانچے میں ڈھال دیتی ہے کچھ سمجھ میں بات آئی یا نہیں اس سعادوت پروردہ ناز نیست چلو گھر چلیں اگر یہ باتیں نہیں سمجھتے تو اب نہ سمجھو گے کیوں نواب صاحب : (خس کر) نہیں نہیں میٹھ سب سمجھتا ہے کیوں میٹھ؟

میش : بھائی نقت جو چاہے سمجھئے مگر اب گھر چلے بڑی دیر ہو گئی نثر پانی کا وقت آگیا۔

نقت : ہاں اس کا تو خیال ہی نہیں رہا چلو جلدی چلو۔ نواب صاحب اجازت ہو۔

(دونوں کا جانا، ہر دے کا گھرنا)

تیسرا ایکٹ — تیسرا سین

غالب کا مکان، وہی سب سامان، میاں بیوی، مرزا کا گلا تکیے لگائے ہیں۔

امراؤ بیگم : اب آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی زیادہ نہ سوچنے سب اللہ پار لگا دے گا۔ کچھ ہم لوگ اس زندگی کے عادی بھی ہو گئے ہیں۔ اور کچھ تو آمدنی کی صورت ہو بھی گئی ہے؟

غالب : کیا آمدنی ہوئی اونٹ کے منہ کو ذرا رہا۔

امراؤ بیگم : دامپور سے سو روپیہ مہینہ برابر آ رہا ہے سرکاری جمن بھی ملتی جا رہی ہے اور آپ کے شاگرد و ہمدرد بھی کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں یہ بھی خدا کا شکر ہے اب زیادہ فکر نہ کریں۔

غالب : ہاں ٹھیک ہے میری زندگی تو کسی نہ کسی طرح کٹ جائے گی مگر مجھے اپنے سے زیادہ فکر تھماری ہے۔ میرے بعد تھمارا کیا حشر ہو گا؟

امراؤ بیگم : مرزا صاحب آپ سے میں نے سو بار کہا کہ آپ اپنے مرنے بیچنے کا خیال چھوڑ دیجئے تو ج میں آپ کے بعد زندہ ہوں۔ (دوہڑے کا آجمل اٹھا کر) اسے پاک پروردگار تو مجھے مرزا صاحب سے پہلے موت دینا میری مثلی سوارت ہو جائے خدا نہ کرے کہ میں آپ کے بعد جیوں!

(دردانہ سے پر آواز ہوتی ہے مرزا صاحب بیوی سے اندر جاتے کو کہتے ہیں وہ زبان غسانے کی طرف جاتی ہیں لوگ دیوان خانے میں آتے ہیں سب مرزا صاحب کو لوپ سے سلام کرتے ہیں مرزا صاحب

جواب دیتے ہوئے خدا پریشانی سے سب کو نکالتے ہیں باتیں شروع ہوتی ہیں)
تقد: "میش داس" "شیلڈ" نصیر خاں سرگراز حسین وغیرہ۔

غالب: کمرے کب آئے تقد؟

تقد: (دست بستہ) حضور میں کل حاضر ہوا۔ سیدھا میرٹھ سے آرہا ہوں۔ ٹاٹا نصیب دشمنان آپ کی طبیعت کا ساز ہے؟ میشل نے خط بھی لکھا تھا۔

غالب: ارے بھائی اب عمری ایسی ہو گئی ہے کہ بیماری آتی ہی رہے گی دیکھتے موت کب آتی ہے؟

میش: خدا آپ کو عروج مٹا کرے "بیماری تو جوانوں کو بھی آتی رہتی ہے کیوں نصیر خاں؟

نصیر: یہ کوئی پہچنے کی بات ہے ایک ہفتہ کے بعد تو میں کل اٹھا ہوں آج آپ لوگ نہ آتے تو ابھی میں بسزائی پر پڑا رہتا۔ مگر اب اچھا ہوں۔

غالب: (مسکرا کر) جان کی بیماری اور بسزائی کے بوڑھے کی بیماری میں بڑا فرق ہے خیر ہوسٹو اس بیماری کسے تم لوگوں کا اتنا اس وقت بہت اچھا ہوا کچھ مشورہ کرنا تھا۔

تقد: ہم لوگ تو حاضر ہیں آپ غم دیجیے۔

غالب: یہ قاطع برہان کا حق قصہ مل رہا ہے۔

تقد: حضور لعنت بھیجیں اس قصہ پر اپنی شہرت و قابلیت آفتاب ہے جس کو مخالفت کرنے والوں کی کم بختی دیکھنے میں دیتی وہ لوگ اپنی بکواس کو مجھڑا آہلانی سمجھتے ہیں آپ کہاں ان کے منہ لگیں گے؟

نصیر خاں: میں دست بستہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دشمنوں کی بکواس کو دفتر بے معنی سمجھ کر غرق سے تاب گردا جائے۔

غالب: (داس کی نصیر خاں "تم نے بھی کیا بات کی" میں اپنی شراب بھی جراب کھوں")
(سب لوگ ہنستے ہیں)

سرگراز حسین: قبلہ و کعبہ ہم لوگ بھائی تقد کی رائے سے متفق ہیں کہاں آپ کہاں یہ اعتراض کرنے والے۔

چہ جنت غلام را با عالم پاک
(سب کے سب)

بالکل صحیح ہے خدا آپ کو دُعا رکھے۔

غالب: تم لوگ مجھ کو کٹا جانا چاہتے ہو اب نہ آنکھ کام دیتی ہے نہ کان اور نہ معدہ چنانچہ کھانا پینا سب کم ہو گیا ہے۔

میش: خوداک کی کی تردد کی بات تو ہے مگر خطرناک نہیں بھر حال علاج ہونا چاہیے۔

غالب: سنو میاں میشل جب گرانی آتی ہو کہ روپیہ کا صرف ۱۸ پیسہ گولیاں بازار میں ملے تو اس کی کے

مقابلہ کے لئے قدرت انسان کو تیار کرتی ہے بھی خود دے کر بھی کمزوری عطا کر کے یعنی معیہ خراب کر دیتی ہے کہ بھوک کم لگے کوئی کم کھائے۔ اس لئے میری خوراک کی کمی پر پریشان نہ ہو سب قدوائی ہیں۔

(سب لوگ جانتے ہیں)

لیکن میرا خیال ہے کہ تم لوگ میری ہدائی کے لئے تیار رہو۔ اب چند دنوں کا صبر کرو۔
(لوگ افسردہ ہو کر گھڑے ہو جاتے ہیں غالب خدا حافظ کہہ کر رخصت کرتے ہیں)



تیسرا ایکٹ ————— چوتھا سین

(وقات غالب)

(غالب کے انتقال کی خبر لوگوں کا اجتماع میں پردہ اعلان و مریہ)

بیل	ہند	مر	گیا	وصات	جس کی تھی بات بات میں ایک بات
نکتہ	دان	نکتہ	سبج	نکتہ	پاک دل، پاک ذات، پاک صفات
ہو	گیا	تعلق	دل	چہ	تم اس کا تھا اور اس کی دولت
ایک	روشن	دلخ	تھا	نہ	شر میں اک چراغ تھا نہ رہا

دیکھ لو آج ہر نہ دیکھو گے
اب نہ دنیا میں رہیں گے یہ لوگ

غالب ہے مثال کی صورت
کہیں ڈھونڈھے نہ پائیں گے یہ لوگ

تم سے ہرجا نہیں دل ناشاد
میں سے خالی ہو جہان آباد



غدر کے بعد

(وقت: قریب شام)

غلام الثقلین نقوی

(غالب کے کمرے میں ایک حلقہ غالب قلم ہاتھ میں لے کر گڑبگڑ سے ٹپک لگائے بیٹھے ہیں۔
قدحان سامنے پڑا ہے۔)

غالب: (اپنے کھمبے ہوئے خط کے فقرے پڑھ کر اس آواز میں پڑھتے ہیں۔)

باقی نذر ہے۔ رکاب میں پاؤں نہ پاگ پر ہاتھ ہے۔ بڑا سفردور و دراز درویش ہے ' زانو دلوں موجو
ہیں۔ ہائے کسی کا کیا اچھا شعر ہے:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے

مر کے بھی ممکن نہ پلٹا تو کدھر جائیں گے

(نئے مد میں لے کر حلقہ گڑبگڑتے ہیں۔ حلقہ بھٹکا ہے۔ کواڑ دیتے ہیں) کھو!

کلیان: (آتا ہے۔ دروازے کے پاس کھڑا ہو کر) حضور!

(غالب چچان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔)

کلیان: بے جان خاموش ہے۔

غالب: یہ کسی سیمہ کے ہاتھ میں ہو تو بولتا ہے۔ فاجہ کتنا ج کسے گئے ہیں۔

کلیان: ابھی چلم بھر کر آؤ کر لاتا ہوں (ہانسی لگتا ہے۔)

غالب: نہیں۔ کھو سے کھو کہ وہ چلم بھر دے۔

کلیان: کھو بازار سے سودا سٹل لینے جا رہا تھا۔

غالب: اسے روک لو۔

کلیان: (خیران ہو کر) اسے روک لوں حضور؟

غالب: (بے خیالی میں) کلیان! تم میرے مزاج شناس ہو۔

کلیان: مجھے اس پر فخر ہے حضور۔

غالب: (اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ) سنو بھئی! میں بڑا مائی ' مرے سے تیار ' ضعف قوی میں چلا ' تم

ہانتے ہو (روک کر) وہ حق تو ہندو طاقت ہائے رکھتا تھا ' اب میر نہیں۔

کلیان: حضور میں جانتا ہوں۔ کچیاں بیش میرے پاس رہیں۔
غالب: (اسی مسکراہٹ کے ساتھ) جب تمکو ہند میں دلی نام کا کوئی شہر آباد تھا تو میں بیش انگریزی شراب بنا کر آتا تھا۔

کلیان: مجھے معلوم ہے حضور!
غالب: میں گڑ چھال کی شراب نہیں پیتا تھا۔ مجھے اس سے نفرت تھی۔
کلیان: لیکن حضور اس وقت گھر میں۔۔۔

غالب: (اپنی ہی رو میں) میں برس اس کے کی بات ہے۔ ابرو باداں میں "ش" از طعام یا قریب شام تین گلاس پل لیتا تھا۔ اور شراب شہانہ معمول میں بھرتا لیتا تھا۔ اس میں برس میں میں برساتیں ہو گئیں۔ بڑے بڑے مینہ برسے، چنانچہ ایک طرف دل میں ڈیال بھی نہ گزرا لہذا۔ اب تو رات کو بھی ایک گھونٹ نہیں لیتا۔

کلیان: (حناڑ ہو کر) اتنی باری کی باتیں۔۔۔

کلو: (نکو دے پاؤں کمرے میں داخل ہوتا ہے) سوا سلف کے لئے احمد سے پوچھ رہا تھا۔ بی وقار کسی بات کا سرچر نہ دے رہی تھیں۔ بی بی بھگوار دی تھیں "آج شام آپ کے لئے کیا پکے گا حضور؟"
غالب: (ناگواری سے) میں تھوڑی سی کا پودھا آوی کیا کھاؤں گا (مسکرا کر) مشورہ ہے کہ جو کوئی اپنے عجز کی فاقہ دلاتا ہے، سوئے کی روں کو اس کی بو پہنچتی ہے۔ گھر میں کچھ پک گیا تو میں بھی غذا کو سونگھ لوں گا۔

کلیان: (خس کر) گھر میں کچھ پکے گا ہی نہیں تو خوشبو کس سے آئے گی۔
غالب: (تھپاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے) ٹھیک کہا! خوشبو کس سے آئے گی؟
۔۔۔ گڑ چھال کی شراب سے! ذرا عرق گلاب ملا دیتا۔ لطیف ہو جائے گی۔

کلیان: (ہلکا ہے) کلو۔ حق تیرا کر لاؤ (کلو جانے لگا ہے۔ کلیان اسے ٹھہرا لیتا ہے) بھلم بھر کر لاؤ تو مجھ سے مل لیتا۔ تمہارے پاس کے پیسے ہیں؟
کلو: ایک روپیہ سات آئے۔

غالب: (ہلک کر) ایک روپیہ سات آئے! کلیان اور کلو باہر جاتے ہیں تو غالب خط لکھنے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

غالب: اب خاص اپنا دکھ دوتا ہوں۔ ایک بڑی اور دو چپکے۔ تین چار آوی گھر کے کلو۔ کلیان۔ ایاز باجر۔ ہمدانی کے جو دو چپکے بدستور۔۔۔ ایک پیسے کی آمد نہیں۔ میں آوی روٹی کھانے والے۔ جانتے ہو کہ علی کا ہندہ ہوں۔ اس کی قسم کبھی بھوت نہیں کھتا۔ اس وقت کلو کے پاس ایک روپیہ سات آئے ہائی ہیں۔ بعد اس کے نہ کہیں سے قرض کی امید ہے نہ کوئی بخش دہن و بیع کے قابل۔ اگر رام پور سے کچھ آتا تو خیر

ورنہ اٹھ دنا الیہ راجنوں۔ (بچھلے دروازے کا پردہ ہٹا ہے۔ غالب اپنے ہی خیالات میں گم ہیں)۔

بی وفادار! (پردے کے پھٹنے سے ظہور ہوئی آواز میں) حج رانی بی کائے امین۔

غالب: (چونک کر) کون؟ غبر سے بی وفادار ہیں؟

بی وفادار! (پتھر کی بی بی کائے امین۔

غالب: (کان پر ہاتھ رکھ کر) کون کائے ہیں بی وفادار!۔۔۔ میں بہرہ فیس۔ یہ الگ بات ہے کہ سنتا نہیں

ہوں۔ کہو بی بی کیا کائے امین؟

بی وفادار! (بدستور اونچی آواز میں) وہ آپ سے بات کائے ہیں۔

غالب: (کچھ کسو بھی (نہ لگنے ہوئے) سنو ہر گواہ! قتل! تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ۔۔۔

بیگم غالب: (پردے کے پیچھے سے یہ کہو سے آپ نے کچھ کہہ

غالب: میں نے کچھ نہیں کہا ایک جنت! کلیان نے کچھ کہا ہو گا۔

بیگم غالب: ایک روپیہ سات آنے کی بات۔ یہی تو کل کائنات ہے اس وقت گھر کی۔

غالب: (اپنی ہی رو میں) ایک عرصہ ہوا گھر شعر نہیں کر سکا۔ میر ممدی کو خط نہیں لکھا۔ ہر گواہ قتل

الگ پریشان ہے۔

بیگم: ہے ہے! میری بات بھی تو سنو!

غالب: سنتا نہیں ہوں بات گھر کے بیچ۔

بیگم: مجھے یہ بذمے چھپنے ایک آنکھ نہیں بھرتے۔

غالب: بہرہ ہوں میں تو چاہئے دونا ہو القات۔

بیگم: (جھپٹائے ہوئے لیے میں) وہ آپ نے کیا کہا کہو سے ایک روپیہ سات آنے کی وہی غلو می۔۔۔ وہی

ہا۔۔۔

غالب: (بات کٹ کر)۔۔۔ وا تھی کہاں؟۔۔۔ ایک حقیر برس کا مو! ایک ستر برس کی بڑھیا۔۔۔ ان دونوں میں

سے ایک بھی مرنا تو ہم جانتے کہ ہاں وا آئی تھی۔ تھک جریں دیا!

بیگم: (رو کی آواز میں) وا تمہیں تو نہ لے جا سکی۔ اچھا ہوا۔۔۔ مجھے لے جاتی تو میں اس مصیبت سے بچت

جاتی۔۔۔ اس ڈانٹ سے تو نہایت فل جاتی جو ساٹھ سال سے اس گھر میں ذرا بٹائے ڈھکی ہے۔

غالب: کون سی ڈانٹ!۔۔۔ کھانا۔۔۔ وہی جانا۔۔۔ جو میاں کالے صائب کے مکان میں رہتی تھی۔۔۔

(لہجے سے) کون میاں کالے؟

غالب: (تجذیبی سے) خدر سے پہلے کی بات ہے بیگم! کیا دن تھے اب نہ وہ دن وہے نہ وہ دلی۔ میں

پہلے گورے کی تہ میں تھا۔

بیگم: (بدستور فیسے میں) وہ واقعہ یاد نہ ملا۔۔۔ وہی رو سیا می۔۔۔ ساری دلی میں وہ تھوڑی تھوڑی ہوئی کہ خدا کی

چاند۔ ابھی تک وہ کالک منہ سے نہیں چھٹی۔

غالب: (بوستور چلیدی کی ہے) وہ تو کوٹاہل پر سر پر غاش تھا وہ نہ شریف زادوں کے گھروں میں دو گھڑی دل بھلائے کو چھ سراور بچھنے کی پڑی جم ہی جاتی ہے۔

نیگم: (اوپر آواز میں) واہ! اچھا دل بھلاوا تھا۔ ایک شعر و شاعری اور اس پر ہوا۔ سبحان اللہ! میرا تو بی چاہ رہا تھا کہیں چلی جاؤں۔ دل میں رہنا دیکھ ہو گیا تھا۔

غالب: تو مرحوم دل! میں پہلے گورے کی قید میں رہا۔ پھر کالے کی قید میں آ گیا اور تم تھیں کہ نئے مکان میں جانے سے گھبرا رہی تھیں۔ تم کہتی تھیں کہ اس مکان میں بلا رہتی ہے اور میں نے یو جی کہہ دیا تھا کہ تم سے بڑی بلا اور کون ہو گی۔

نیگم: (چڑی ہوئی آواز میں) یو جی کہہ دیا تھا اور اب پھر کہہ رہے ہو۔ کاش مجھے تو موت آ جاتی۔

غالب: (سکرا کر) آج سے کچھ عرصہ پہلے ہی بات تمہارے منہ سے نکلی تو خیر اور بات تھی (چلیدی ہو کر) لیکن اب تو ایسا نہ کو نیگم۔

نیگم: کیوں نہ کہوں؟ جہاں جہاں ہمارے منوں قدم چڑے، اس کی اینٹ سے اینٹ بچ گئی۔

غالب: ہاں ٹھیک کہتی ہو نیگم! میاں کالے صاحب منظور کا گھر اس طرح چاہ ہوا کہ جیسے بھانڈا پھری، کالڈ کا پڑا، سونے کا تار، گھسے کا بال باقی نہ رہا۔

نیگم: اور شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کا مقبوضہ؟ میں کئی بار وہاں زیارت کو گئی۔

غالب: وہاں ایک اچھے گھاؤں کی آبادی تھی۔ اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر۔ اس سے سوا کچھ نہیں۔

نیگم: (تکیں ہوئی آواز میں) ایک دفعہ ملت آئے۔ آج رات کو کچھ نہ پاؤ کوئی بات نہیں۔ ایک قاتل سے کوئی نہیں مرے گا کچھ پیسے بچ رہے تو آدھ پاؤ گوشت منگوا لیا۔

غالب: آٹھ پھر میں ایک بار آپ گوشت لی لیتا ہوں۔ آج وہ بھی نہ سہی نیگم! اٹھ ہوں، پہنچ ہوں، ماسی ہوں، فاسق ہوں، دوسیا ہوں۔ بچ جاتوں۔

سے سے غرض نکلا ہے کس دوسیا کو

یک گونہ ہے طودی مجھے دن رات چاہئے

کلیان: حضور!

غالب: کون؟

کلیان: میں ہوں کلیان! پالم بھرا دیا ہوں۔

غالب: کلیان تم؟ ہمم اللہ! دیر الملک اسد اللہ خاں کے فشی۔ میں نے آج تک تم سے یہ خدمت نہ لی۔

کلیان: آقا! میں نے عرب بھر اس گھر کا تنک کھایا۔

غالب: کلو بازار چلا گیا؟

کلیان: جی حضور!

غالب: ایاز کو بھیج کر اسے روک دو۔

کلیان: لیکن آپ۔۔۔

غالب: میں آپ اپنا قاضی ہوں کلیان! خدا کا راندہ! خلق کا مودود! یوحنا باپوان! فقیر! کھٹ میں گرفتار۔۔۔

وہ تو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود درہر بھیک مانگے وہ میں ہوں۔

کلیان: حضور آج کسی قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔

غالب: (اپنی ہی رو میں) کاش! مجھے وہ دست گاہ نصیب ہوتی کہ تمام عالم کا میدان میں جاتا۔ اگر تمام عالم میں

نہ ہو سکے نہ سہی۔ جس شہر میں رہوں، اس شہر میں تو بھوکا بچ نظر نہ آئے۔

کلیان: ظلم رکھ دوں۔

غالب: (بے طیلی میں) رکھ دو۔۔۔ چلو! خط کا کاغذ سامنے رکھ کر سوچتے ہیں۔ روشنی آہستہ آہستہ تم ہو رہی

(ہے) اس ناقص گاہ کی سر سے جس کو دنیا کہتے ہیں جی بھر گیا۔ (دک کر)۔۔۔ ہر دم دم نزع ہے۔۔۔ دل ظم

سے خون ریز ہو گیا ہے۔۔۔ وہی ہلا خانہ ہے۔۔۔ وہی میں ہوں۔۔۔ بیڑیوں پر نظر ہے کہ وہ میر صدی

آئے۔۔۔ وہ یوسف مرزا آئے۔۔۔ وہ مہین آئے۔۔۔ مرے ہوؤں کا نام لیتا۔۔۔ ہزاروں کا قائم دار ہوں۔۔۔

میں مومن کا تاجھ کو کون روئے گا۔۔۔ بس اللہ ہی اللہ ہے۔

دم وائیں بر سر داو ہے

عز و بس اللہ ہی اللہ ہے

کلیان: (آتا ہے) شیخ روشن کر دوں حضور!

غالب: (آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر) کہ دو۔ (بیڑیوں پر سے کھٹ کھٹ کی آواز آتی ہے۔ چند لمحوں بعد

کلو پانچ کالچ آتا ہے۔)

غالب: (حیران ہو کر) کیا بات ہے کلو؟

کلو: حضور غضب ہو گیا۔

کلیان: کیا ہوا؟

کلو: رامپور سے!

غالب: (گہرائے ہوئے انداز میں) رہیں رامپور! خدا ان کرے!

کلو: نہیں حضور! قاصد ہے۔ گھر کا پتا پوچھتا ہوا آ رہا تھا۔ میں ساتھ لے آیا۔

غالب: (اس کی بلاؤ اسے۔ دیکھنے کی رقم لایا ہو گا۔)

کلو: ہے تو کچھ ایسی ہی بات حضور! کہ میں کچھ ہانپ رہا تھا تو رکھا ہے اس نے!

- کلیان: (اور آں نواب راجپور کا غلا! غلا بٹے ادب سے خوش کرتا ہے)
- غالب: (غلا کھول کر) کتنی قدر دانی ہے! کلیان! سو مدھے کی ہٹھوی۔ نہ رسید کی طلب۔ نہ شکرینے کی خواہش۔ نواب صاحب مجھ کو نوکر نہیں سمجھتے۔ جو کچھ دیتے ہیں اذرا ہوا انہوی دیتے ہیں۔
- کلن: بی بی جی سے پوچھ لوں۔ بازار سے کیا کیا آئے گا؟
- غالب: ابھی نہیں کھسکے۔ کلیان تم چلو اور ہٹھوی تڑوا لائے۔ (مسکراتے ہوئے) تم جانتے ہو کہ مجھے گڑ پھال کی شراب سے کتنی نفرت ہے۔
- کلیان: (خس کر) یہ قدری شک خواہ حضور کا مزاج شناس ہے۔ (کلن اور کلیان باہر جاتے ہیں تو غالب غلا کھٹا شروع کر دیتے ہیں۔)
- غالب: زندگی میری کب تک؟ سات مہینے یہ اور بارہ مہینے آنکھ کے۔ اسی مہینے اپنے آقا کے پاس جا پہنچتا ہوں۔ وہاں نہ روٹی کی فکر نہ پانی کی پیاس نہ جاڑے کی شدت نہ گرمی کی حدت نہ مکان کا کرایہ دینا پڑے نہ کپڑا خریدنا پڑے نہ گوشت کھنی منگوانا نہ روٹی پکوانا۔ عالم نور اور سراسر سواد۔ (مسکراتے ہیں اور آہستہ آہستہ پردہ اگرتا ہے۔)





نقدِ غالب

غالب کے سیاسی افکار

میر محمد حسین عسکری

ماستی تازہ دعاست اگر گفت دہلاز گویم دوست

حافظ کے حلق جرمی شاعر "ہائے" نے لکھا تھا

"یہ سہا' رندی و مستی جو حافظ کے کلام میں پوری شدہ اور گرمی کے ساتھ قائم ہے، دراصل زندگی کو بیک کرنے کی گرمی اور تحریک ہے۔ جوپ میں وہ ان حافظ کی قبولیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مطلب ہے جان اور نظری ہوئی روحانیت سے آگیا چکا ہے اور مشرق کے مضبوط اور بندہ مست میں گرمی و محبت رہا ہے، خود و قصور، دوش و بہشت، قرد و جبر اور مذہبی شریعت کے ماتحت انسانوں کو غلام بنا کر مار کھتی کی راحتوں سے ہٹائے رکھنے کے عمل میں زندگی کے مقابلے میں موت کا ساتھ دیتا ہے اور موت سے ہر ذمہ شے اور زندگی طلب بشر کو نجات ہے۔"

غالب کے وہ ان میں یہ 'بلکہ اس سے کچھ زیادہ موجود ہے۔ یہ مادی زندگی سے دلچسپی اور ذہن و فکر سے بیزاری کیا ہے۔ بلکہ غالب کیوں حافظ کی مانند جوپ کے علم و فکر تک پہنچ نہیں پایا؟ مورد الزام ہم ہیں غالب نہیں۔ کسی سلیوہ شرح میں یہ اشارہ نہیں کہ غالب نے "سیاسی شعر" بھی کہے ہیں۔ ان کے لہاں شعر میں سیاسی واقعہ اور لہاں سیاسی عقیدہ ہے۔ جملہ کی ترغیب اور لہاں سے نفرت کا غیر متنازعہ جذبہ ہے اور غالب کی ذہنی پرواز کا یہ عالم کہ یہ اس وقت جب کہ اشتراکیت کہیں نہیں تھی، اس ضمن میں متعدد شعر لکھتا اور آنے والے انقلاب کے اس خطرہ سے دنیا کو آگاہ کرتا ہے۔

مقام حیرت ہے کہ غالب جس نے زندگی کے ہر گوشہ کی پوری پوری عکاسی کی ہے۔ ہر کیف و حال کا شخص اس میں اپنی ہر زندگی کا کس و کچھ لکھ سکتا ہے، چاہے زمانے کی صورتوں کا مارا ہوا ہو یا سرخوشی میں ڈوبا ہوا، عشق میں صورت جبر ہو یا عالم انتظار یا حالت وصل، علم و فلسفہ کے کتب کا استلزام ہو یا نیکو تصوف کا سرمست، امراء کی نفرت ہو یا غریب کی فریاد، چند موعظت کا دلدادہ ہو یا قرافت کا کشت، انانیت کا مست اہست ہو یا مفسر الزماہی کی خاک میں اٹا ہوا، غرض کوئی چیز نہیں جس کے لئے آئینہ موجود نہ ہو، بلکہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ سیاست اس دعوے کے بارہو صرف نظر رہی ہو:

گر شعر و سخن بدہر آئیں ہوسے وہاں مرا شہوت ہوں ہوسے

غالب اگر آئیں سخن میں ہوسے آں دہیں را اینہی کتاب میں ہوسے

یہ خیال اپنی جگہ درست کہ جس ماحول میں غالب تھا وہ خاصا بولناک تھا، خصوصاً ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ، معمولی شہ پر پاداش تختہ دار ہوا کرتی تھی ایسے میں مصلحت ہوتی ہی رکھنا اور بے خودی میں ڈوبے رہنا تھی، مگر یہ اس کے لئے

جو فکر و نظر کے اعتبار سے عالی ہو، نہ غالب جیسی شخصیت کے لئے جو یہ تو کر سکتا تھا کہ راکھ کے ڈھیر کے نیچے شعروِ اویں کی معصوف حیثیت کے انکار چھا کر رکھ دے، مگر یہ نہیں کر سکتا تھا کہ ترجمانی فطرت اور وقت کی آواز سے ناغہ اور جذبہِ بخشش ہو جائے۔ صلیبت کے ایسے قاضیوں کا ساتھ اس نے ضرور دیا کہ استعاروں کے ایسے صدفِ تلاش کسے ہو سیاہی گوہر ہے، دُخنی بار آور ہوں تو قہرِ مستند میں نہ ٹھیکیں ہو جائیں، دوند وہ غالب جس نے غدر کے باہول میں جہم لیا، اس پر بار بار تسواں ہوئیں جن کے آواز ان ہی ایام میں غور اس کے ہی قلم سے مشورہ مکاتیب کی صورت میں منصرہ شعور پر آتے رہے، یہ کہے ہو سکتا ہے کہ اس کے شعر اس جذبہِ داخل سے متاثر نہ ہوں۔ غالب نے ایک دلدہ نہیں حدودِ بارگاہ ہے کہ:

کعبینہ معنی کا عظم اس کو کھٹے جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے



تو پست فطرت اور خیال بنا بلند اے طفلِ خود معاملہ، قد سے عصا بلند
سیاسی نوعیت کے شعروں کی ہیں تو تعداد بیکھڑوں تک ہے مگر طوالت سے بچنے کی خاطر میں ان سے میں تین
عالموں کے کچھ شعر قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ ایک حکومتِ رنگ کی جانب سے ہنگامی حالت کے ضمن
میں۔ ایک غلامی سے جلاو کے سلسلے میں اور ایک اشتراکیت (کیے نوم) کے ذیل میں اس کے بعد حسبِ فرائض دوسرے
اشعار بھی بالاختیار پیش کئے جاتے رہیں گے جن میں سیاسی افکار برابر سفر ہیں۔ انگریزوں نے جب شرور دلی پر قبضہ کیا
تو کیا کچھ کید اسے غالب نے اپنے مشورہ قلمے میں بیان کیا ہے:

بلکہ فصلِ دامید ہے آج ہر ملاحظہ الگتوں کا
کھر سے بازار کو نکلے ہوئے زہر ہوتا ہے آبِ اناں کا
چوک جس کو کہیں وہ قفل ہو گھر بنا ہے نمونہ زبواں کا
شرِ دلی زہرِ ذرا خاک تھنہ خوں ہے ہر مسلسل کا
روزِ روز کے "گودوں" سے ننگ اگر کتا ہے

روز اس شر میں اک حکم بنا ہوتا ہے کچھ کچھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہوتا ہے
محبوبوں کے خلاف فریاد کرتا ہے، پوری فزول اسی باہول میں ہے
پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے کھسے پر ناحق آری کوئی ہلرا دم تحریر بھی تھا
ڈاک پر سفر کے خلاف شکایت کرتا ہے

کیا دہوں غربت میں خروش جب ہو ہواوت کا یہ حال نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر آکر کھلا
اس واضح اور آسان شعر کی شرح بھی اسی "حضرت" بخود "مہاراجی" سا، "مناجات" "باقر" خفغز، سعید و فیروز شاد صحت
یہ کرتے ہیں کہ رسمِ حق کہ جس خط میں کسی کی موت کا واقعہ لکھا جاتا تھا تو اس خط کے ایک کونے کو سیاہ کر دیا جاتا
تھا یا کھڑوا جاتا تھا اور لفظِ اودہ لکھا دیا جاتا تھا، مطلب یہ کہ وطن کی تکلیفوں سے بچنے کے لئے مسافرت اختیار کی

حق یحییٰ حوادث کی یہ حالت ہے کہ گھر سے جو خط آیا ہے وہ کھلا ہوا آیا ہے یعنی کسی نہ کسی عزیز کی موت کی خبر آتا ہے۔ اسی ایک اور معنی بھی بیان کرتے ہیں یہ کہ میرے عزیز اور دوست مجھے کھلے ہوئے خط بھیجتے ہیں یعنی راز واری کے قائل نہیں سمجھتے۔ حالانکہ غالب نے اپنی عمر میں مشکل سے کل تین چار سفر کئے ہیں۔ کسی سفر میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ جو خفی غالب نے وطن سے باہر قدم رکھا اس کے عزیزوں اور دوستوں نے رحلت کرنا شروع کر دیا۔ سب کو معلوم ہے کہ ہمارے عہد تک انگریزی حکومت سیاسی اور محکوک مفصیوں کی ڈاک کو سفر کرتی تھی۔ غالب نے ڈاک کی یہ حالت دیکھی تو آنکھوں کی جہارت کا اظہار یوں کیا۔ غالب کے دوست ہندوستان بحر میں پھیلے ہوئے تھے۔ اسی حالت کو غیبت قرار دے کر کہتا ہے۔ کہ اس غیبت میں کیسے خوش رہا یا سکتا ہے۔ اور تو اور قانع واقعات نے اب تو یہ رنگ اختیار کر لیا ہے کہ جو مراسلت دوستوں اور عزیزوں میں ہوتی ہے تو وہ خطوط اکثر کھلے ہوئے ہوتے ہیں گویا غم غلط کرنے کا یہ ایک ہی آسرا تھا کہ ہم اہل باہر و اعراض خطوط کے ذریعے مل کھول کر اپنا اپنا دکھنا ایک دوسرے سے سنتے اور جانتے تو وہ بھی بند کر دینا چاہیے کہ انہیں کھولا جاتا ہے پوری غزل میں یہ فریاد پنہاں ہے۔

گرچہ ہوں داغ اندہ پہ کیوں دوست کا کھاناں قریب
آئیں میں دشن پنہاں ہاتھ میں شکر کھلا
گوشت سمجھوں اس کی باتیں گو نہ پاؤں اس کا بھیہ
پہ یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری جیکر کھلا
دہپ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسے پھر گیا
پشتہ عرصہ میں مرا لپٹا ہوا ہنر کھلا
کیوں اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤں نفا نول
آج اوجہ ہی کو رہے گا دیدہ اختر کھلا
اس کی امت میں ہوں میں میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گھنٹہ بیدار کھلا
ایک ایک شعر کی تفسیر کرتے ہوئے مضمون کے طویل ہو جانے کا غلطو ہے۔ اس لئے مجھ کو نظر ذاتی چلے
کی۔ انگریزوں کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ خود کو لوگوں کا دوست ظاہر کیا کرتے تھے لیکن درحقیقت وہ دوست نہیں دشمن
تھے۔ وہ لوگوں سے ملتا کرتے تھے مگر غیبت کا پردہ برابر موجود تھا۔ بعضوں کو ظاہراً "اتحاد میں لینے تھے" مگر یہ واقعی ہوتا
تھا۔ جہاں تک ہندوستان والوں کا تعلق تھا وہاں اندھیری رات تھی "بلاؤں کا نول تھا ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے قسمت
کا ستارہ خلاف سمت میں چمکا رہے گا۔ مسلمانوں کو امید تھی کہ رسول اکرم صلعم کے صدقے میں ان کی نجات کا کوئی
نہ کوئی راستہ ضرور کھلے گا۔ جلد کے اسی چنپہ کے تحت کہتا ہے:

ڈھانچا کلن نے داغ محبوب برہنگی میں دہن ہر لباس میں تنگ دھو تھا

دوسرے شارمین نے جب اس شعر کی شرح بکھ اور کرنے کی سعی فرمائی تو کوئی شرح دل کو نہ گئی۔ حمایت کہتے
ہیں کہ موت ہی نے محبوب برہنگی کو مثلاً دہن میں ہر لباس میں تنگ ہستی دھو تھا۔ تنگ دھو ہونے کو برہنگی سے تعبیر
کیا ہے۔ داغ محبوب برہنگی سے مراد فقدان لباس ہے قطعاً کہتے ہیں کہ کمر لٹسی ظاہر کی ہے کہ میں اشرف المخلوقات
ہونے کے باوجود تمام عمر اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے بنی نوع انسان کے لئے بے عزتی و بدنامی کا سبب رہا۔ ہر لباس سے
مراد ہر حالت میں یعنی زندگی میں کوئی لباس بھی میرے پیروں کو نہ ڈھانچ رہا۔ مرنے کے بعد کلن ہی میرے پیروں کو
چھپا رکھا۔ باقر نے لکھا ہے کہ میرا دھو دامن انسانیت پر بدناما دھو تھا۔ پشتہ وضعی لباس میں نے پتے میرے محبوب نہ

چھپے۔ جب میں مرا تو کفن پہنایا گیا۔ تب محبوب دیکھے سا کا خیال ہے کہ وجود سے مراد وجود مطلق ہے گیا میں ہر عالم میں وجود مطلق کے لئے عارِ قلمِ سعید لکھتا ہے کہ جب تک انسان پر انسانیت کا الحاق ہوتا ہے اس وقت تک وہ اپنے آپ کو ان کمزوریوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتا جو اس کی بینِ نفرت ہیں۔ یہ مصائب اس وقت دور ہوتے ہیں جب انسان لباسِ زندگی کو چاک کر کے کفن پوش ہو جائے۔ معذو نے لکھا تھا کہ میں وہی انسان ہوں جس کو ملائک نے سجدہ کیا دنیا میں آنے کے بعد میری وہ وقعت و عزت مرے اقبال و افعال کی وجہ سے باقی نہ رہی البتہ مر جانے کے بعد کفن نے ان رافوں کو چھپا لیا۔ طہائیلی اور اسی کہتے ہیں کہ تنگ وجود ہونے کو برہنگی سے تعبیر کیا ہے۔ لفظ بافتابہ شاعر کے ذہن کو اوجھلے کیا ورنہ تنگ وجود اس جگہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ طہائیلی جب شرح سے عاجز آجاتے ہیں تو خود کو نہیں غالب کو قصود وار ٹھہراتے ہیں۔ شعر بے معنی ہے۔ یہ لفظ ٹھیک نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ ملائکہ شعر کی مختصر نثر یہ ہے کہ میرے دیکھے ہیں کہ کفن نے دھانپا ورنہ ہر لباس میں میری شرم و غیرت نمودار تھی۔ غالب کے مکاتیب گواہ ہیں کہ اس کو ہندوستان کی نقای کا سخت احساس تھا۔ غلام کشمائی خوش پوش ہو وہ غلام ہی رہتا ہے۔ یہ ذلت اس وقت جا کر دور ہوتی جب کہ غیرت کے احساس نے ذلت سے بے نیاز بنا کر نقای کے خلاف جہاد کرایا اور شہید ہو گیا۔ چنانچہ جو لوگ آزادی کی جدوجہد میں شہید ہوئے وہ لوگوں میں باعزت اور ہرولعیز ہوئے۔

دوسرا اور شای گہراؤں میں جو شکست خوردگی پیدا ہوتی تھی اس سلسلے میں اسے احساس ہے کہ

فلک سے ہم کو ہمیشہ رفتہ لایا گیا تھا خاصہ
میں جذبہ اس شعر میں بھی نہیں ہے

ہے باز مسلسل ذرا ذست رفتہ پر ہوں گل فروش شوقیہ وار کفن ہنوز

غالب کو قید کیا گیا چور سر کھیلنے کے الزام میں، لیکن اتنی بڑی ہفتیت کو جو انگریزی حکومت کا بھی دوبار نہیں تھا، چور سر کھیلنے پر قید نہیں کیا جاسکتا تھا۔ غالب کے مکاتیب میں عام جذباتِ دال ہیں کہ چور سر ہانڈ تھا، اس طرح غالب کے ہاں کچھ آزاد خیال لوگ لکھتے تھے غالب اس گلدستہ کا دھارک تھے۔ انگریز برداشت نہ کر سکا کہ اس کے خلاف غالب کا گہرا دوش کہہ دیں جائے۔ غالب نے اس قید کے تاثرات مختلف شعروں میں بیان کئے ہیں:

بلکہ ہوں غالب امیری میں بھی آتشِ دنیا
موسے آتشِ دیدہ ہے حلقہ سری زنجیر کا
احباب چارہ سازی و دشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی طیالِ عیاں دور تھا
گر کیا فاتح نے ہم کو قید، اچھا یوں سی
یہ جنونِ عشق کے اندازِ چست جانیں کے کیا
خانہ دارِ دلف ہیں زنجیر سے بھائیں گے کیوں
ہیں گرفتارِ وفا، زنداں سے گھبرا نہیں گے کیا

غالب کی سیاست دانی عالمیان نہیں تھی، دنیائے جدید کا سنے سے نیا عقیدہ حیاتِ اشتراکیت (کیوزم) ہے اور آج کی دنیا کی کوئی نصف آبادی اسے قبول کر چکی ہے۔ شاعر مشرقِ اقبال کا دل مارکس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

صاحبِ سرمایہ از نسلِ ظلیل
یعنی آنِ ظہیر ہے جبرئیل

یعنی "سرمایہ" نام کی کتاب کا مصنف یہودی النسل کا دل مارکس وغیرہ کتاب کا مالک ہے۔ البتہ اس کتاب کو

جبرئیل میں لائے ایک اور جگہ کہا ہے:

وہ کلیم ہے چلی وہ سچا ہے صلیب نیست نظیر و لیکن درہنہ دارو کتاب

یعنی وہ ایک سوئی ہے جو کسی طور پر نہیں کیا، وہ ایک پھٹی ہے جو کسی صلیب پر نہیں چڑھا ہے بلکہ وہ نظیر نہیں۔ لیکن کتابِ نظیرانہ دیکھتا ہے اس کا دل مارکس نے حقیقتِ عالم کا جو قفس اچھادو کیا ہے اس کا محور نقطہ یہ ہے کہ دنیا کے معاشرتی نظام کی بنیادِ ظلم پر قائم ہے۔ ایک طبقہ اس تمام نفع کا مالک بن جاتا ہے جو درحقیقت مزدور اور کسان کی محنت کا ثمر ہے۔ لہذا اس نظام کے خلاف بغاوت ناگزیر اور قدردانی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ خود سرمایہ دارانہ نظام کے اندر اس کے خلاف انقلاب کے جراثیم پرورش پا رہے ہیں وہ کسی دودھ پلاؤ کی مانند بیک سے پھٹ کر اس سررشتہ کو سرے سے الٹ کر رکھ دینے کا باعث ہوں گے۔ غالب نے نہ مارکس ازم چڑھا نہ لینن ازم اور نہ ہی اس کی شدید وید میں اشتراکیت (کیورنزم) آئی لیکن اس کی فکر رسا سے یہ سیاسی فلسفہ بچ کر نہ رہا چنانچہ کتا ہے:

مری نصیب میں مضر ہے اک صورتِ خرابی کی بوسلے ہنقِ غریب کا ہے خونِ گرم دہقان کا
یہ مظلوم بات ہے کہ شاعر اپنے شعروں میں حجاز "میں" اور "تو" وغیرہ اس معنی میں استعمال کرتا ہے کہ ان سے دعا دنیا بحیثیت کل یا جزو یا اس کا کوئی واقعہ و نظریہ ہوتا ہے۔ نیز کتا ہے کہ:
مقتد ہے باز و فتنہ و لے کنگھو میں کام چن نہیں ہے دشمن و خنجر کے بغیر
اسی بنا پر اقبال کتا ہے کہ:

جس کھیت سے دہقان کو میسر نہیں دوزی اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو!
اقبال نے تجویز کیا تھا کہ غالب نے تجویز بھی کیا ہے:

کارِ گاہِ ہستی میں لالہ داغِ سلاں ہے ہنقِ غریبِ راستِ خونِ گرم دہقان ہے
اسی کا دل مارکس کا کتا ہے کہ مزدوروں کی فائدہ بخشی سے ہمارے کامیاب افکار سرمایہ داروں نے معمولِ اجرت کے مولدے میں اپنے لئے عاید کیا عمارتیں بنوائی ہیں یہ ظلم ہے اور اس کا طبیخی تجویز طبقاتی کشاکش کو تیز کرنا اور انقلاب پیدا کرنا ہے۔ ٹھیک اسی تصور کے تحت غالب عاید کیا ملامت کے بالکل سے خطاب کر کے کتا ہے:

دیوارِ بادِ مستِ مزدور سے ہے غم! اسے خالوں خراب نہ احسانِ افلاخے

ملامت میں غلامیِ قہمیرات دیکھ کر اسے غالب وہ غم قرار دیتا ہے جو بوجھ کے دب کر پیدا ہو۔ محبتِ پوری دی جانے تو عوضِ معاوضہ لگے دیوارِ گدا میرِ مزدور کو ٹھیک مزدوری نہیں دیا کرتے اس لئے انہیں خیرباد کرتا اور کتا ہے کہ اسے خالوں خراب! اسے غم پر اپنے گھر کی بنیاد رکھنے والا خیرباد ہو چاہے مزدوروں کے احسان کے بوجھ کے تساری دیواروں میں غم آچکا ہے۔ یہ دیوارِ فسادِ عرصہ یہ بوجھ سہار نہ سکے گی۔ اور ملامت کا یہ عاید کیا مغلِ جلد و مزاج سے ڈھیر ہو کر رہ جائے گا۔

میں نے مصداقِ شئے نمود از خوارے، غالب کے چند اشعار پیش کئے جن میں مجھے سیاسی افکار کا بہت بھرپور اثر ہے اور یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

پروفیسر گوپی چند نارنگ

غالب کا جذبہ حب الوطنی

اور

سنہ ستائون

مرزا غالب سنہ ستائون کے ہنگامہ میں شروع سے آخر تک دہلی میں رہے۔ اس زمانے کے حالات ۱۸۵۵ء (۱) سے ۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء (۲) تک انہوں نے اپنی فارسی کتاب دہلیو میں لکھے ہیں۔ ہنگامہ کے دنوں میں غالب پر ہر گزری "اس کا ذکر دہلیو کے علاوہ ان خطوط میں بھی ملتا ہے جو بہت زیادہ آزادی اور بے پائی سے لکھے گئے ہیں۔ غالب کی وطن دہلی یا انگریزوں کے تئیں ان کے سچے جذبات معلوم کرنے کے لئے صرف دہلیو کے بیانات پر نظر رکھنا کافی نہیں۔ بلکہ غالب کی شخصیت ان کے مزاج اور ان کے مخصوص حالات کو چاہتا بھی ضروری ہے نیز وہ خطوط اس بارے میں بے حد اہم ہیں جو انہوں نے اپنے خاص خاص دوستوں کو لکھے تھے اور جن میں ان کا چاند دل بے کلمات بھجک گیا ہے۔

۲

مرزا غالب ہنگامہ سنہ ستائون میں میاں سمیت اپنے گھر میں رہے۔ (۳) ایک خط میں وہ لکھتے ہیں "میں مع دن و فرزند ہر وقت اس شہر میں قیوم ہوں کا شہور ہوں۔ دروازہ سے باہر قدم نہیں رکھا۔ نہ بکرا گیا نہ لگا گیا نہ قید ہوا" نہ مارا گیا۔ (۴) لیکن دہلی پر انگریزوں کا دوبارہ تصرف ہو جانے کے بعد غالب پر پے در پے سختیوں کاٹل ہونا شروع ہو گئی۔ اس وقت وہ محلہ بی مارن میں تخیم محمد حسن خان کے مکانات میں رہتے تھے۔ فتح شہر کے بعد پانی وغیرہ کا سلسلہ بھی بند ہو گیا اور وہ دن بے آب و بن بسر کرنا پڑے (۵) تیسرے روز تخیم محمد خان کے خاندانی مکالوں کی حفاظت کرنے کے لئے مبارک پٹیلہ کے بیچے ہوئے سپاہی آپہنچے اور ان کی وجہ سے مرزا کا گھر قوت سے بچ گیا۔ (۶) لیکن وہ حقیقی سالن اور فوج راست ان کی تنظیم نے حفاظت کے خیال سے میاں کالے صاحب کے قہ خانے میں رکھوائے تھے "انہیں فتح منہ فوج نے لوٹ لیا۔ (۷) چند گورے غالب کے گھر میں بھی آداخل ہوئے اور انہیں گرفتار کر کے کرنل برن (۸) کے سامنے پیش کیا جو قریب ہی ملحق قلعہ الدین سوار کے گھر میں مقیم تھے۔ پڑ پڑ ہوئی۔ (۹) زندگی باقی تھی کہ مرزا بچ گئے۔ (۱۰)

اواخر ۳۱ ستمبر کے لگ بھگ کچھ فوجی ان کے بھائی مرزا یوسف کے گھر میں تھیں گئے اور سب کچھ لے گئے۔ مرزا یوسف تئیں سال کی عمر سے رہا لے گئے۔ ۱۹ اکتوبر کو مرزا یوسف کا بوڑھا ملازم خیر لایا کہ مرزا یوسف پانچ دن کے

مسلحہ ہتھیار کے بعد رات کو گزر گیا۔ اس وقت نہ کھن کا کپڑا مل سکا تھا نہ خلیل میر تقی قاد نہ گور کن۔ غالب کے ہمسایوں نے ان کی سہ کسی پر دم کھلایا اور بیٹالہ کے سپاہیوں میں سے ایک کو ساتھ لے جا کر مرزا عیسیٰ کی چیمبرہ چھین کی (11)

غور کے دوران میں ان کے دوستوں، عزیزوں اور شاگردوں میں سے کئی قتل ہوئے کئی انگریزوں کے محبوب نصرتے اور کئی خاندان برباد دہلی سے نکل گئے۔ امام بخش صہبائی کو گولی مار دی گئی، محمد حسین آزاد کے والد محمد باقر بھی گولی کا نشانہ بنے مولوی فضل حق غیر آبادی کو کاٹے پانی کی سزا ہوئی۔ شیخہ کو جس ہفت سالہ کا حکم سنا گیا۔ صدر الدین آزاد کی عازمت سو قوف اور چائینلو ضبط ہو گئی۔ نواب ضیاء الدین اور نواب امین الدین دہلی پر انگریزوں کے غلبے کے بعد لوہارہ کے لئے روانہ ہوئے، ابھی سرحد تک ہی پہنچے تھے کہ شیروں نے لوٹ لیا (12) اور دہلی میں ان کا گھر تاراج ہوا اور تقریباً بیس ہزار روپے کی مالیت کا کتب خانہ لٹ گیا۔ مرزا کاغذی فارسی اور اردو کلام ان کے پاس جمع ہوا تھا وہ بھی ضائع ہو گیا۔ (13) مظفر الدین حیدر خان اور قداشقاہ الدین حیدر خان (حسین مرزا) پر اس سے بھی براہ کمر گزری۔ نہ صرف ان کے گھروں پر بھانڈا بھرجائی بلکہ پردوں اور ساتاپوں میں ایسی آگ لگی کہ گھر کا گھر ٹپک گیا۔ (14) عیسیٰ مرزا کو غلا لیتے ہوئے ان مصیبتوں کا ذکر یوں کیا ہے نہ

”میرزا جیل سوائے میرے خدا اور خداوند کے کوئی نہیں جانتا۔ آدمی کثرتِ فہم سے سودا ہی ہو جاتے ہیں۔ محض جاتی رہتی ہے۔ اگر اس جہوم فہم میں میری قوتِ شکوک میں فرق آگیا ہو تو کیا عجب ہے بلکہ اس کا بار نہ کرنا غضب ہے۔ پوچھو کہ فہم کیا ہے، فہم مرگ، فہم فرق، فہم رقی، فہم عزت، فہم مرگ میں قلعہ نا مہارک سے قطع نظر کہ کسے اہل شر کو گھنا ہوں“ مظفر الدولہ، ”میرزا ناصر الدین“ مرزا عاشور بیگ میرزا بھانجا، اس کا بیٹا احمد مرزا انہیں برس کا بچہ، ”مصطفیٰ خاں امین اعظم الدولہ“ اس کے دو بیٹے ارتضیٰ خاں اور مرتضیٰ خاں، قاضی فیض اللہ، کیا میں ان کو اپنے عزیزوں کے برابر نہیں جانتا تھا۔ اے لو بھول گیا۔ حکیم رضی الدین خان، میرزا محمد حسین بیکل، ”اللہ اللہ“ ان لوگوں کو کہاں سے لادیں“ (15)

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :

”یہ کوئی نہ کہے کہ میں اپنی سہ دوستی اور جاہلی کے فہم میں مرنا ہوں۔ انگریز کی قوم میں سے ہوں ان روسیہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے“ اس میں کوئی میرزا امید گاہ تھا اور کوئی میرزا فیضی اور کوئی میرزا دوست، کوئی میرزا یاد اور کوئی میرزا شامرو، ہندوستانوں میں یکم عز، یکم دوست، یکم شاگرد، یکم مشفق، سواہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عز کا ماتم نکتا سخت ہوتا ہے جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو اس کو نہایت کیونکہ نہ دشوار ہو۔ اپنے اتنے پار مرے کہ جو اب میں مڑوں گا تو میرا کوئی دوست والا بھی نہ ہو گا“ (16)

دعوت میں غالب لکھتے ہیں :

”دوسری ماتم اور جلاوس۔ اگر بڑا گرسختی بہ مگر سختی مری داشتہ باشد“ ”دورانِ دیدہ بخاکِ اہلست بار جزو سیاہ بیچ نیست کہ گویم دیدہ کن دید و برش دید ازین پندار۔ روز سیاہ خود تجزی است کہ در تاریکی آہی

سے جواب ملا کہ درخواست پر تحقیق کے بعد حکم صادر ہوگا۔ (27) اس جواب کو پا کر مرزا "کوئین پرنس" ہونے کا خواب دیکھ رہے تھے کہ تین ماہ بعد خود ہو گیا۔

خود کے ایام میں ایک جاسوس گوری شکر نے انگریزوں کو خفیہ اطلاع دی کہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء جب بہادر شاہ نے وردہار کیا تو مرزا غالب نے سکے کہہ کر گزارا (28) چنانچہ امن قائم ہونے کے بعد جب غالب نے جشن اور وردہار بحال کئے جانے کے لئے سلسلہ جہانگیری کی تو انہیں صاف صاف کہا گیا کہ وہ خود کے دلوں میں باغیوں سے اغواں رکھتے تھے اور اس بنا پر ان کی پیشین اور وردہار موقوف رہا۔ عبدالغفور سرود کو بھیجے ہیں۔

"سکہ کا دار تو مجھ پر ایسا چاہیے کوئی چھوڑا کوئی گراب اس کو کسوں اس کو گواہ لاؤں" (30)

اس الزام میں جو سکے غالب سے منسوب کیا جا رہا تھا:

بار ند سکے کشور ستانی

سراج الدین بہادر شاہ خانی

اس کے بارے میں غالب کا خیال تھا کہ اسے ذوق نے ۱۸۴۷ء میں بہادر شاہ کی تخت نشینی کے موقع پر کہہ کر پیش کیا تھا۔ (31) اس لئے غالب دوستوں سے ۱۸۴۷ء کے اخبار اور خصوصاً "ردو المہار" مانگتے تھے۔ (32) یہ اخبار محمد حسین آزاد کے مولوی محمد باقر کا تھا جن کے ذوق سے گھرے مراسم تھے اور ذوق کے کہے ہوئے سکے کا اس المہار میں ملنا یقینی تھا۔ یہ سب مرزا کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

وہ دلی اردو اخبار کا پرچہ اگر مل جائے تو بہت مفید مطلب ہے، ورنہ خیر کچھ عمل خوف و خطر نہیں ہے۔

حکام صدر ایسی باتوں پر نظر نہ کریں گے۔ میں نے سکے کا نہیں؟ اگر کہا تو اپنی جان اور حرمت بچانے کو کہ۔ یہ گناہ نہیں اور اگر گناہ ہے بھی تو کیا ایسا سنگین ہے کہ ملکہ مظفر کا اشتہار بھی اس کو نہ مل سکے۔

سبحان اللہ! کولہ انداز کا ہارو بٹانا اور توہیں لنگن اور بنگ گھر اور نیگزین کا لونی معاف ہو جائے اور شاعر کے

دو مصرعے معاف نہ ہوں۔" (33)

یہاں اصل بیان صرف اتنا نہیں کہ "میں نے سکے کا نہیں" جیسا کہ مالک رام کا خیال ہے (33) بلکہ اس کا دوسرا حصہ یعنی "اگر کہا تو اپنی جان اور حرمت بچانے کو کہا" اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ پہلا حصہ۔ اور اس کے بعد کے تمام جملے اعتدال کا اندازہ رکھتے ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان جملوں سے غالب کے دل کا چہرہ صاف ظاہر ہے اس امر کا قوی امکان ہے کہ غالب نے سکے کا تھا اور اسے بہادر شاہ کے حضور میں پیش بھی کیا تھا۔ ایک سکے کا ذکر جیون لال نے اپنے روزنامہ میں کیا ہے۔ اس روزنامہ کا انگریزی ترجمہ مشکاف نے کیا تھا اور خواجہ حسن نظامی نے اسے مع ایک اور روزنامہ کے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر کے "خود کی صبح و شام" کے نام سے شائع کیا تھا۔ جیون لال نے ۲۸ مئی ۱۸۵۷ء کے وردہار کا ذکر کرتے ہوئے جہاں "دوسرے کئی شاعروں کے سکے نقل کئے ہیں" وہاں غالب کا سکے درج کرتے ہوئے بجاے ان کا پورا نام لکھنے کے محض "مرزا نوشہ" لکھنے پر اکتفا کی تھی۔ مشکاف غالب" اس نام سے واقف نہیں تھا اس کے انگریزی ترجمے میں یہ نام حذف ہو گیا۔ خواجہ حسن نظامی نے چونکہ انگریزی ترجمے سے

ترجمہ کیا تھا۔ یہ نام ان کے ترانے میں بھی موجود نہیں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے جین لال کا قلمی روزنامہ لندن میں تلاش کیا۔ اس میں مرزا نوشہ یعنی غالب سے منسوب یہ سکہ شعریں ہیں۔

یہ سکہ آفتاب و غمخوار

سکہ زو دو جہاں بہادر شاہ

الہ گوری شکر نے غالب سے ہو سکہ منسوب کیا تھا:

یہ سکہ زو دو سکہ کشور ستانی

سراج الدین بہادر شاہ جلی

وہ غالب کا نہیں تھا۔ بالک رام نے صلیق الاخبار کے حوالے سے حتی طور پر ثابت کیا ہے کہ یہ سکہ حافظ نظام رسول دیران قند لعل کا تھا۔

اگرچہ ہو سکہ غالب سے منسوب کیا جا رہا تھا، وہ غالب کا نہ تھا لیکن غالب اس الزام سے اپنی برکت ثابت نہ کر سکے۔ قلم کی حلقہ تو کئی ہی تھی چٹن اور دہراد کے معاملہ میں بھی ذک اٹھانی پڑی دہنو میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

”دیرین چٹن سرکار انگریزی دا سر دشت بازیافت گم است“ بنو غنن اس گمشدہ کی پوشیدہ جان و حق

ہی پر دم گونی دیگر ایٹن سکوندہ ”دن جاسد ہی خورم“ ترسم کہ چن پوشیدہ بعد خورم داسم“ در پانگی از مرغلی مراد باقم“ (36)

اس وقت غالب کی سب سے بڑی ضرورت چٹن کا اجرا تھا اور یہ انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے بغیر ممکن نہ تھا۔ اس کے لئے فتح دہلی کے بعد غالب نے سکہ و سکودہ کی تعریف میں ایک فارسی قصیدہ لکھا جس میں انگریزوں کو فتح ہند کی مبارک دی گئی تھی۔ غالب نے اسے حکام ہلا کو بھجوا دیا۔ جواب ملا کہ چیف کسٹمر کے ذریعہ بھجوا دیا جائے۔ غالب نے ایسا کیا۔ اس پر جواب ملا جس خط میں شخصیت کے سوا کچھ نہیں ہے، اس کے پیچھے کی ضرورت نہیں ہے (37) یہ جواب بڑا دل شکن تھا۔ ان حالات میں جو کام قصیدوں سے نہ ہو سکا، غالب نے اسے دہنو سے لینا چاہا۔ ہر گز یہاں قلم کو جس کی عمرانی میں دہنو چھپ رہی تھی۔ غالب ایک خط میں لکھتے ہیں:

اس تحریر (دہنو) کو جب دیکھو گے تب جانو گے۔۔۔ ایک جلد نواب گورنر جنرل بہادر کی نذر کیجیوں گا اور

ایک جلد ذریعہ ان کے جناب ملک مہر انگلستان کی نذر کروں گا اب سمجھ لو کہ طرز تحریر کیا ہوگی“ (38)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ دہنو کی طباعت بعض مصلحتوں کے پیش نظر تھی۔ دلی پر پانچویں کا قبضہ کچھ لمبے عرصہ رہا۔ غالب نے اس کا ذکر صرف پانچ چھ سطروں میں کیا ہے۔ بیشتر محققین اس بات پر متفق ہیں کہ مرزا نے ان ایام کے حالات شروع میں تحصیل سے لکھے ہوں لیکن فتح دہلی کے بعد اس کی اشاعت مناسب نہ لگتی ہو۔ دہنو دراصل صاحبان انگلستان کو نذر کرنے کے لئے چھپوائی گئی تھی جس کا سبب یہ قول غالب ہے تھا: ”سائل غلہ ولایت کو یاد دہی کرتا ہے اور گورنمنٹ سے تحسین طلب ہے“ (39)

دخیز میں غالب نے ملکہ دکنورہ والا قاری قصیدہ (شاریافت) روزگار یافت) بھی شامل کر دیا اور آخر میں اپنی خواہش کو صاف الفاظ میں یوں ظاہر کیا:

"کاش دہرادہ کن خواہشای سر گمانہ ہوتا سرطانی" و سراپای" و پانہ" چنان کہ ہم دیریں نگارش از کام گزارش آگهی داده ام و ایک چشم نگراں بدلاں بدوش و دل پر امید بدلاں ضلوع ام (40)

دخیز میں غالب نے ہمارے شدہ غفر کا جس کے وہ وحیفہ طوار تھے اور استوا بھی تھے سرے سے نام ہی نہیں لیا۔ شہزادوں کا ذکر کیا ہے، لیکن سرسری طور (41) پر۔ اور تو اور فضل حق خیر آبادی اور صدر الدین آئردہ کا بھی (دخیزوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کے لقب پر دھتکا کئے تھے اور جس کی پاداش میں فضل حق خیر آبادی کو کالے پانی کی سزا ہوئی تھی) اور آئردہ کی عازست موقوف اور چاندیو ضیاء کئی گئی تھی) جو دونوں غالب کے گھرے دوست تھے، غالب نے ان کا ذکر نہیں کیا اور اگر کیا تو صرف حکیم احسن اللہ خان کا جو (42) انگریزوں سے ملے ہوئے تھے اور جن کا نام ندادوں کی فہرست میں سب سے اوپر تھا!

دخیز کا یہ پہلو بھی دل ہمیں سے خلی نہیں کہ غالب نے خود کی ساری دیر داری "منک حرام" سپاہیوں اور "صہیت و آوارہ" ہندوستانی فوجیوں پر ڈالی ہے، اگرچہ وہ انہیں طرح پہنتے تھے کہ ہندوستانوں نے اپنی ضائع ہوتی ہوئی سلطنت کو بچانے کے لئے سردھڑ کی بازی لگادی تھی۔ غالب نے دہلی کے گرد و قراچ کے سات حکمرانوں اور گھنٹوں بریلی، مراد آباد، گوالیار اور فرخ آباد کے عہدیدوں کی کوششوں کا ذکر خاص تفصیل کے ساتھ کیا ہے (43) لیکن خود کی دیر داری وہ حکمران طبقے یا طبقہ اشرافیہ پر ڈالنے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھے شاید اس لئے کہ خود ان کا تعلق طبقہ اشرافیہ سے تھا۔

۳

اس مقالہ کے باقی حصہ میں اب ہم اس سوال کو لیں گے کہ خود کے بارے میں غالب کا اصل رویہ کیا تھا؟ کیا واقعی وہ انگریزوں کو حکومت کو ہندوستان کے لئے تخت سمجھتے تھے اور جس طرح ان کے ہم وطنوں نے ملک اور قوم کی آزادی کے لئے سردھڑ کی بازی لگادی تھی، غالب اسے ابھی غفر سے نہیں دیکھتے تھے اور ان سے انہیں کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ اس سوال سے بحث کرتے ہوئے غالب کی سیرت کو بھی غفر میں رکھنا ضروری ہے۔ غالب سچے معنیوں میں مصل تھے جو بقول محمد اکرام "سازگار حالات میں میر کا دواں بن جاتا ہے" لیکن شہید ہونے سے گھبراتا ہے۔ (44) غالب کی طبیعت کا تمام رجحان، خیال پرستی نہیں بلکہ واقعیت پرستی کی طرف تھا، یہ بات ان کی دریافت "ماحول" حالات زندگی اور اردو اور قاری کلام کو سامنے رکھنے سے بخوبی صاف ہو جاتی ہے مرزا ترکی نسل سے تھے اور ان کی دگوں میں وہی خون موجزن تھا جو مصل بادشاہوں کی دگوں میں تھا۔ چنانچہ جہاد و جلال اور ثروت و شہت کی خواہش ان کی کھلی میں پڑی تھی۔ گو قدرت سے انہیں یہ چیزیں میسر نہ آئیں لیکن جہاں تک بن پڑا انہوں نے انہیں بھانے کی کوشش کی وہ شہوانی سے و ضداری اور ذاتی وجاہت کے قائل تھے اس کے لئے انہوں نے ستر بھی کئے، دکھ بھی سہے اور مقدمے بھی لڑے۔ ان کا غرور بڑا تھا اور بقدر حسرت باد پانے کی تمنا ساری عمر دی۔ بقول خود وہ "شد کی کمی" بننے کے

ابھی رام پور سے یہ خط و کتابت ہو رہی تھی کہ ندر کی آگ بھڑک اٹھی۔ غالب نے یہ قصائے ہوش مند ہی بنگالہ کے دوران میں قلعہ والوں سے برابر بنائے رکھے۔ ان کا یہ بیان کہ ندر کے دنوں میں انہوں نے آکا جانا موقوف کر دیا اور دودھانے سے باہر قدم نہیں رکھا (51) عجیب نہیں۔ جیون لال نے اپنے دو ٹیپے میں ۳۳ بولائی کے دوبار کا ذکر کرتے ہوئے واضح طور پر لکھا ہے کہ مرزا نوٹ اور حکرم علی خان نے آگرہ میں انگریزوں پر فتح پانے کی خوشی میں قصاید پڑھ کر خانے۔ آگرہ کے اخبار عالمتاب کی سند بھی موجود ہے کہ ندر کے دوران میں غالب قلعہ میں قید سے پڑھتے رہے۔ نیز اگرچہ جو سکے غالب سے منسوب کیا جا رہا تھا وہ ان کا نہیں تھا، لیکن کم از کم جیون لال کی شہادت موجود ہے کہ غالب نے سکے کیا تھا۔ اور وہ دوبار آتے جاتے رہے تھے (52) ندر سے پہلے غالب کا انگریزوں کا طرفدار رہنا، ندر کے دوران میں ان کا قلعہ والوں سے جاتے رکھنا، نوٹ دہلی کے بعد فتح مند انگریزوں کا ساتھ دینا ایک اور صرف ایک بات کو ظاہر کرتا ہے وہ یہ کہ غالب انتہائی "واقفیت پسند" انسان تھے اور بدلے ہوئے حالات کا رخ دیکھ کر اپنی مشقت کے لئے اقدام کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات بھی نظر میں رہنی چاہئے کہ ندر سے چند ہی ماہ قبل غالب ریاست رامپور سے وابستہ ہوئے تھے۔ یہ ریاست ندر میں قابضوں کے خلاف انگریزوں کی حالی و مددگار رہی تھی۔ چنانچہ غالب کو مسلسل یہ ضرور لگا ہوا تھا کہ ان کے خلاف ذرا سا بھی شبہ ہو گیا تو رام پور سے تعلقات منقطع ہونے سے ان کے کام بند ہو جائیں گے۔ اسی لئے تو ندر کے بعد رام پور سے مراستہ کرتے ہوئے غالب نے سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیا کہ ندر میں وہ گوشہ گیر رہے اور انگریزوں کے دل و جان سے خیر خواہ ہیں (53) نیز ندر کے دوران اپنی مصروفیتوں کے پیش نظر انہوں نے جو بدشہ اختیار کی تھی، تو اب رام پور کے نام ۳۳ جنوری ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں اس کا اعتراف صاف الفاظ میں کیا ہے۔

غالب نے ندر کو برے فنکوں سے اسی لئے یاد کیا ہے کہ غلام دوسری مصیبتوں کے اس کی وجہ سے ان کے مستقبل کا نقشہ بگڑ گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے ہم وطنوں کا یا ہندوستان کا وہ ان کے دل میں نہیں تھا، دخیلوں میں ایک جگہ اپنے خاص باواسطہ اسلوب میں کہا ہے

"ولست سبک و آہن نیست چراغوں دستہ رخ و دوئی نیست چوں گمرد" آری ہم بدل

مرگ فرما رہے ہیں باید سوخت، ہم بدوئی ہندی ہندوستان باید گریست" (54)

لیکن ندر اور انگریزوں سے متعلق ان کے اصل رویے کے لئے دخیلوں سے نہیں، ان کے خطوں سے رجوع کرنا چاہئے جو واداری میں دوستوں کو لکھے گئے ہیں۔ ان میں کسی مصروفیت کا دباؤ نہیں اور دل کی بات بڑی حد تک زبان پر آئی ہے۔

ندر سے چند ماہ پہلے اورجہ کے الحاق کے بارے میں ایک دوست کو خط لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ "اب ملاحظہ فرمائیں ہم اور آپ کس زمانہ میں پیدا ہوئے؟" جہاں ریاست اورجہ سے آنکھ پگھلے تھے، ہم کو اور بھی افسردہ کر دیا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ سخت نا انصافی ہوں گے کہ اہل ہند جو افسردہ دل نہ ہوئے ہوں گے۔ (55)

جب غالب کو معلوم ہوا کہ صدارت الود کو پورے اختیارات کے ساتھ بحال کیا جا رہا ہے تو غالب جو پھر کے

عقیدے میں یقین رکھتے تھے 'ایک خطہ میں طوفان کھٹے ہیں:

"مقام عالم کا ایک سا عالم ہے۔ سختے ہیں کہ نومبر میں مہاجر کو اختیار ملے گا مگر وہ اختیار ایسا ہوگا جیسا خدا نے خلق کو دیا ہے۔ سب کچھ اپنے قبضہ قدرت میں رکھنا، توئی کو بدنام کیا ہے" (58)

برسات بحر میں نہیں برسا اب تیر و کندہ کی طلیانی سے سناٹ کر گئے۔ غلہ گراں ہے، موت ارزاں ہے، سوئے کے مول اناج بکنا ہے" (69)

انگریزوں نے بعض امراء کی حویلیوں کی اینٹ سے اینٹ عبادی تھی۔ غالب نے اسے ایک جگہ "شیر زور اور تل تل بندر کی زیادتی" سے تعبیر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"واہ دے بندر! یہ زیادتی اور شر کے اندر" (70)

یہاں انگریزوں کو بندر کہنا لطف سے خالی نہیں! یہ صحیح ہے کہ غالب کے ہاں وطن پرستی کا وہ تصور نہیں ہے جو بعد میں سیاسی اور تاریخی حالات کے تحت اور مغرب کے اثر سے انیسویں صدی کے اواخر میں پیدا ہوا۔ وہ نیست کا یہ تصور اس قدر نیا ہے کہ غالب سے اس کی توقع دیکھنا عجیب ہے۔ ہاں اگر اپنے تہذیب و تمدن سے محبت کرتا، اپنے ہم وطنوں سے ہمدردی رکھتا اور ان کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتا، وطن پرستی کہا جاسکتا ہے تو غالب بھی وہ نیست کے اس جذبہ سے عاری نہ تھے۔ ان کے خطوط سے ان کے نبض خاندان دل کے جو راز ہم پر ظاہر ہوئے ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ دلی اور دلی والوں کی ہمدردی کا انھیں گمراہ دکھ تھا۔ غدر کے بعد مسلمانوں پر جو شدت روا رکھی گئی تھی، اس کا انھیں دلی صدمہ تھا اور ایسی شکایات سے ان کے خط بھرے ہوئے ہیں۔ (71) جنوری 1858ء میں دلی میں ہندوؤں کے آپار ہونے کا حکم ہو گیا تھا لیکن مسلمانوں کو ایک مدت تک شرمیں رہنے کی اجازت نہ تھی۔ بعد میں حکم ہوا کہ جو مسلمان حاکم شہر کی مرضی کے مطابق جرات ادا کرے اور ٹکٹ حاصل کرے، وہ شرمیں داخل ہو سکتا ہے۔ دیکھئے، انگریزوں کی اس خاموشی کا ردائی پر مرزا کیسا گمراہ نظر کرتے ہیں:

"جو مسلمان شرمیں اقامت چاہے، بقدر مقدور نذرانہ دے۔ اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی دانتے پر ہے۔ دہلیہ دے اور ٹکٹ لے۔ گھر ریاد ہو جائے، آپ شرمیں آپار ہو جائیے" (72)

غدر کے بعد مسلمانوں پر مصائب اور کلام کے جو پھاڑ ٹوٹے تھے، غالب نے وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا چنانچہ اس قلمیے میں جو انھوں نے دلی کی جہاں سے حاشا ہو کر نواب علاؤ الدین احمد خاں علانی کو ایک خط میں لکھا تھا، مسلمانوں کی زبوں حالی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے:

ہر	سلطان	انگشتیں	۴
زہرا	ہوتا ہے	آپ	انہاں
گھر	تا ہے	نور	زنداں
تک	خوں ہے	ہر	مسلمان
کوی	داں نہ	جائے	یاں
وہی	دوتا	تن و دل	وہاں
سوز	داغ	پناں	۴

ہم کہ فعال ما میر ہے آج
گھرے بازار میں ٹٹکتے ہوئے
چک جس کو کہیں وہ محل ہے
شہر دلی کا وہ وہ خاک
کئی داں سے نہ آنکھے یاں تک
میں نے ہا کہ مل گئے پھر کیا؟
گاہ جل کر کیا کئے لکھو

کہ وہ کر کیا سکے ہام اجرا دیدہ ہائے مگراں کا

اس طرح کے وصال سے یا رب کیا نئے دل سے داغ بھراں کا (73)

غرض خدا سے حلق غالب کا اصلی رویہ مظلوم کرنے کے لئے دھتو سے نہیں بلکہ ان کے غلو سے رجوع کیا جاسکتا۔ دھتو کو زیادہ سے زیادہ غالب کا پوری محنت سے تیار کیا ہوا "مراٹھ" کہا جاسکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ جس مقصد کے لئے اس مراٹھے کو تیار کیا گیا وہ اس سے پرانا نہ ہوا یعنی جشن تو نواب دام پوری کی کوششوں سے مئی ۱۸۶۰ء میں جاری ہوئی (74) لیکن "کوئین پرنس" بننے کا غالب کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ یہ غالب کی محض اور ذاتی ضرورتیں تھیں جن کی وجہ سے وہ انگریزوں کی خوشامد پر مجبور تھے "نیز انگریزوں کے اثرات سے شہب کی جو نئی کرنیں پھوٹ رہی تھیں" غالب ان کا خیر مقدم کرتے تھے کیونکہ ان ترقیوں کے مقابلے میں انہیں مظلیم نظام اذکار و رفتہ اور بوسیدہ مظلوم ہوتا تھا اور وہ ان کی نظروں کے سامنے پارہ پارہ بھی ہو رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ملک و قوم کی بربادی اور اپنی سلطنت اور حکومت کے جاتے رہنے پر ان کا دل کڑھتا بھی تھا اور اپنے ہم وطنوں کی تباہی اور بالخصوص شہر دہلی کی دہرائی و بربادی پر وہ اپنے غلوں میں خون کے آنسو بھی روئے ہیں۔ انگریزوں کی خوشامد کرنے اور ملک و قوم کی تباہی پر غور ہونے کی ان دونوں کیفیتوں میں تضاد ہے۔ غالب کے یہاں یہ تضاد غالباً "ایک کشاکش میں حل کیا ہے۔ وہ چونکہ حقیقت پسند تھے" ان کی راجستھانی انہیں مجبور کرتی تھی جہاں وہ انگریز کو انسانی ترقی کا استعارہ سمجھ کر قبول کریں وہاں اپنے ہم وطنوں کی تباہی و بربادی کا اتم بھی کریں یعنی انہوں نے اپنے عہد کی ان دونوں متضاد صداقتوں میں کسی ایک سے بھی نظریں نہیں چرائیں بلکہ دونوں کو ان کی پوری کشاکش کے ساتھ قبول کیا اور برکت

ایں مجھے روکے ہے تو کہنے ہے مجھے کلمہ

کعبہ مرے پیچھے ہے کیا مرے آگے

حواشی

(۱) دھتو میں ۹

(۲) دھتو میں ۶۶

(۳) دھتو میں ۱۱۱-۱۱۲

(۴) عام مہما شہر سورج اندوے سنی میں ۳۳

(۵) دھتو میں ۳۲

(۶) دھتو میں ۳۳

(۷) دھتو میں ۳۴

(۸) کرشن بن کا چارہ نام

(۹) دھتو میں ۳۵

نہ۔ یہ اسی وقت دہلی کے شہر گورہ میں

اس واقعہ کی تمام تفصیلات طرہ مرزا غالب نے اپنی نظم "دھتو کے اس انتخاب میں بھی ہیں جو انہوں نے مرزا بنیلا کے لئے مرتب کیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ جب گورے انہیں اپنے ساتھ لے چلے تو راہ میں ایک ساریتھی بھی آئی۔ اس نے مرزا کی حرکتی وضع دیکھ کر کہا "تو یہ تم مسلمان" مرزا نے کہا "تم مسلمان" ساریتھی نے کہا "تو یہ تو مسلمان کیا؟" غالب نے جواب دیا "غلاب بن ہوں" اور اس میں کہا "۔"

اس کے بعد اب انہیں کنگل ہائی کے پاس لے جایا گیا تو انہوں نے کنگل کو حکم معطی سے اپنی ماں کو لے کر نکلتے دکھائی اور اپنی بھکاری کا بیچ بھرا ڈاکریں لے کر چلا گیا۔ کنگل کے دوست ہادی پر یہوں نہ آئے ہیں اگرچہ یہی نہیں اور ان کے طریقہ راج ہو رہے تھے۔ مرزا نے جواب دیا "تجھے سوائے سے اور تیری کو تجھے نہیں دیتے تھے" میں کہوں کہ "تو" اگر یہ تو قریب آئے کوئی بات کر کے نکل جائے" جب ہادی کے قریب پہنچا تو پہلے سے دم گردا لگے گریز مار رہا۔ یہ بھی دیکھ کر "تجھے" بھر جانے دیتے" کہہ کر گئی۔ راستے میں صوبہ دیکھتے اور میرا حال معلوم کرتے۔ یہ دیکھا ہوا" ہادی سے اہراج اور کانوں سے میرا نہ نال کے لفظ نہ عورت کے قائل" ہادی دیکھا کرتا یہاں بھی دیکھا کرتا دیا۔" (تکلفات غالب قلمی ص ۶۵-۶۶)

کرائی دیا تو ہی کر چکے اور مرزا کو گھر جانے کی اجازت دی۔
(10) حالی نے بھی اس واقعہ کو ہی طبع کیا ہے (نادر گار ص ۶۶) لیکن جواب حکام صحت کا جان اس سے مختلف ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کسی دوست کی سادش پر دیا ہوئے۔ جواب حکام صحت ہادی کے واقعہ اور مرزا کے ہم زلف تھے خود کے لہذا میں انہوں نے ہر قادی بد نظام کیا تھا۔ قاضی صحت لکھنے کے لئے "مستور کا نتیجہ" کے نام سے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا تھا۔ اس میں غالب کے کردار ہونے کا واقعہ آرازیوں ملتا ہے :
"غالب صرف مرزا" جواب صاحب کے گھر میں چند گھرے تھے کہ ان کو گرد آ کر کے لے گئے اور کرائی میں کے ساتھ لے جا کر بیٹھے۔
کہاں مرزا صاحب کی بیکہ زندگی باقی تھی۔ ان کے ایک دوست انھوں سے اس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کی سادش کر کے ہال دوا لے"۔ (تحریر ہمارے گھر ص ۶۵)

(11) دہلی ص ۶۸-۶۹

(12) دہلی ص ۷۰

(13) اردو ص ۶۸-۶۹

(14) دہلی ص ۷۰

(15) اردو ص ۶۵

(16) حکام ہر گاہ "اردو ص ۶۸" ص ۶

(17) دہلی ص ۶۹

(18) دہلی ص ۶

(19) دہلی ص ۶۷-۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲

(20) دہلی ص ۶

(21) دہلی ص ۶۵

(22) دہلی ص ۶۸-۶۹-۷۰-۷۱-۷۲

(23) دہلی ص ۶

(24) دہلی ص ۶

(25) دہلی ص ۶۳

(26) ایک نام ایران کے مطابق دہلی میں ۱۸۵۷ء قریبوں کو گولی مار دی گئی ۱۰ پر کسی پر چھلایا گیا۔ (انگریزوں اور اشراف حاشیہ ۳)

(27) ذکر غالب ص ۶

(28) ذکر غالب ص ۶۰

(29) اردو ص ۶۸

(30) اردو ص ۶۳

(31) ذکر غالب ص ۷۰

(32) اردو ص ۶۸-۶۹ اور اردو ص ۶۱

(33) اردو ص ۶۶

(34) (الف) "غالب سے منسوب دوسرا نثر" "شعور" "غالب" ص ۶۳

(35) "معارف" "غالب کا نثر شعور" ج ۲ ص ۶۸-۶۹ "توسیع" ص ۶۸-۶۹-۶۳

(36) "معارف" "غالب پر نثر کا اجماع اور اس کی حقیقت" ج ۲ ص ۶۸-۶۹ "توسیع" ص ۶۸-۶۹-۶۳

(37) دہلی ص ۶۰

(38) دہلی ص ۶۱

- (38) احمدی مقلی ص ۳۱
(39) حام ثقی نظام قدس بطور "مور بدلی" ص ۳۳
(40) دشتی ص ۷۶
(41) دشتی ص ۵۵
(42) دشتی ص ۴۱
(43) دشتی ص ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳
(44) آثار غالب ص ۷۷
(45) غزل غالب ص ۱ ص ۲۳
(46) تقدیم شہزادگان قدسہ فتح و کر ٹولہ ٹولہ کہلے ہیں۔۔۔ یہ محبت خود چاند بدلتا ہے " اسی کو دوام کہیں آگیا سلوم ہے " اگلی تہ
ہو "اب کے ہو ۲ آنکھ نہ ہو " حام کاظمی عبدالجلیل، جون مور بدلی ص ۳۳
(47) مکاتیب غالب (مثنوی) ص ۶
(48) ایضاً
(49) مکاتیب غالب (برائی) ص ۳۱
(50) مکاتیب غالب (مقدس) ص ۵۰
(51) (52) (53) (54) (55) (56) (57) (58) (59) (60) (61) (62) (63) (64) (65) (66) (67) (68) (69) (70) (71) (72) (73) (74) (75) (76) (77) (78) (79) (80) (81) (82) (83) (84) (85) (86) (87) (88) (89) (90) (91) (92) (93) (94) (95) (96) (97) (98) (99) (100) (101) (102) (103) (104) (105) (106) (107) (108) (109) (110) (111) (112) (113) (114) (115) (116) (117) (118) (119) (120) (121) (122) (123) (124) (125) (126) (127) (128) (129) (130) (131) (132) (133) (134) (135) (136) (137) (138) (139) (140) (141) (142) (143) (144) (145) (146) (147) (148) (149) (150) (151) (152) (153) (154) (155) (156) (157) (158) (159) (160) (161) (162) (163) (164) (165) (166) (167) (168) (169) (170) (171) (172) (173) (174) (175) (176) (177) (178) (179) (180) (181) (182) (183) (184) (185) (186) (187) (188) (189) (190) (191) (192) (193) (194) (195) (196) (197) (198) (199) (200) (201) (202) (203) (204) (205) (206) (207) (208) (209) (210) (211) (212) (213) (214) (215) (216) (217) (218) (219) (220) (221) (222) (223) (224) (225) (226) (227) (228) (229) (230) (231) (232) (233) (234) (235) (236) (237) (238) (239) (240) (241) (242) (243) (244) (245) (246) (247) (248) (249) (250) (251) (252) (253) (254) (255) (256) (257) (258) (259) (260) (261) (262) (263) (264) (265) (266) (267) (268) (269) (270) (271) (272) (273) (274) (275) (276) (277) (278) (279) (280) (281) (282) (283) (284) (285) (286) (287) (288) (289) (290) (291) (292) (293) (294) (295) (296) (297) (298) (299) (300) (301) (302) (303) (304) (305) (306) (307) (308) (309) (310) (311) (312) (313) (314) (315) (316) (317) (318) (319) (320) (321) (322) (323) (324) (325) (326) (327) (328) (329) (330) (331) (332) (333) (334) (335) (336) (337) (338) (339) (340) (341) (342) (343) (344) (345) (346) (347) (348) (349) (350) (351) (352) (353) (354) (355) (356) (357) (358) (359) (360) (361) (362) (363) (364) (365) (366) (367) (368) (369) (370) (371) (372) (373) (374) (375) (376) (377) (378) (379) (380) (381) (382) (383) (384) (385) (386) (387) (388) (389) (390) (391) (392) (393) (394) (395) (396) (397) (398) (399) (400) (401) (402) (403) (404) (405) (406) (407) (408) (409) (410) (411) (412) (413) (414) (415) (416) (417) (418) (419) (420) (421) (422) (423) (424) (425) (426) (427) (428) (429) (430) (431) (432) (433) (434) (435) (436) (437) (438) (439) (440) (441) (442) (443) (444) (445) (446) (447) (448) (449) (450) (451) (452) (453) (454) (455) (456) (457) (458) (459) (460) (461) (462) (463) (464) (465) (466) (467) (468) (469) (470) (471) (472) (473) (474) (475) (476) (477) (478) (479) (480) (481) (482) (483) (484) (485) (486) (487) (488) (489) (490) (491) (492) (493) (494) (495) (496) (497) (498) (499) (500) (501) (502) (503) (504) (505) (506) (507) (508) (509) (510) (511) (512) (513) (514) (515) (516) (517) (518) (519) (520) (521) (522) (523) (524) (525) (526) (527) (528) (529) (530) (531) (532) (533) (534) (535) (536) (537) (538) (539) (540) (541) (542) (543) (544) (545) (546) (547) (548) (549) (550) (551) (552) (553) (554) (555) (556) (557) (558) (559) (560) (561) (562) (563) (564) (565) (566) (567) (568) (569) (570) (571) (572) (573) (574) (575) (576) (577) (578) (579) (580) (581) (582) (583) (584) (585) (586) (587) (588) (589) (590) (591) (592) (593) (594) (595) (596) (597) (598) (599) (600) (601) (602) (603) (604) (605) (606) (607) (608) (609) (610) (611) (612) (613) (614) (615) (616) (617) (618) (619) (620) (621) (622) (623) (624) (625) (626) (627) (628) (629) (630) (631) (632) (633) (634) (635) (636) (637) (638) (639) (640) (641) (642) (643) (644) (645) (646) (647) (648) (649) (650) (651) (652) (653) (654) (655) (656) (657) (658) (659) (660) (661) (662) (663) (664) (665) (666) (667) (668) (669) (670) (671) (672) (673) (674) (675) (676) (677) (678) (679) (680) (681) (682) (683) (684) (685) (686) (687) (688) (689) (690) (691) (692) (693) (694) (695) (696) (697) (698) (699) (700) (701) (702) (703) (704) (705) (706) (707) (708) (709) (710) (711) (712) (713) (714) (715) (716) (717) (718) (719) (720) (721) (722) (723) (724) (725) (726) (727) (728) (729) (730) (731) (732) (733) (734) (735) (736) (737) (738) (739) (740) (741) (742) (743) (744) (745) (746) (747) (748) (749) (750) (751) (752) (753) (754) (755) (756) (757) (758) (759) (760) (761) (762) (763) (764) (765) (766) (767) (768) (769) (770) (771) (772) (773) (774) (775) (776) (777) (778) (779) (780) (781) (782) (783) (784) (785) (786) (787) (788) (789) (790) (791) (792) (793) (794) (795) (796) (797) (798) (799) (800) (801) (802) (803) (804) (805) (806) (80

(73) عام گورج" احمدی سٹی ص ۳۵

(74) احمدی سٹی ص ۳۳

(75) ذکر قائب ص ۵۵

ماخذ

(1) احمدی سٹی" لاہور ۱۹۹۲ء

(2) گور بدلی" لاہور ۱۹۹۲ء

(3) مکاتیب قائب" عربی امتیاز علی عرفی" راجپور (پار ششم) ۱۹۳۹ء

(4) اطوار قائب ج (۱) و (۲) عربی لکام رسولی عمر" لاہور ۱۹۳۹ء

(5) دخیو" آئینہ (۱۹۵۵ء)

(6) انکسے قائب (تقریبی) قس ملوک رنگ رام

(7) یادگار قائب" بدلی" لاہور ۱۹۹۹ء

(8) ذکر قائب" رنگ رام" بدلی" ۱۹۵۰ء

(9) "قائب قائب" نور اکرام" کھنڈر سے

(10) قائب" لکام رسولی عمر" لاہور ۱۹۳۹ء

(11) خدر کا نیچہ (حضرت امام محمد مسند) (زیر طبع) میں لکھی" بدلی ۱۹۳۰ء

(12) "قائب کا سکہ شعر" ڈاکٹر خواجہ ابو القاسمی" مطبوعہ "معارف" لاہور ۱۹۵۵ء ص ۳۸۸ - ۳۹۳

(13) "قائب پر سکہ کا انعام اور اس کی حقیقت" رنگ رام گول معارف قزوینی ۱۹۵۷ء ص ۳۶۱ - ۳۷۰

(14) "قائب اور خدر ۱۹۵۵ء" ڈاکٹر جی ڈاکٹر نور اشرف مطبوعہ REBELLION 1947 عربی لکام علی عرفی" بدلی ۱۹۵۵ء ص ۳۳۵ - ۳۵۶

(15) قائب اور ابو القاسم" شعیب صدیقی" بدلی ۱۹۹۹ء

(16) "قائب سے شریعت" سحر سحر" شریعت اسلامیہ قائب از رنگ رام" بدلی ۱۹۵۵ء



غالب اور وفا کا تصور

دہر میں تھیں وفا وہ تہلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ جو شرمندہ معنی نہ ہوا

وہ ان اردو کے شہسوار کی فطرتوں میں یہ شعر آتا ہے اور یہ اس قدر مشہور ہے کہ چڑھتے والے اس پر سے سرسری گزر جاتے ہیں، مگر اگر غالب کی پوری زندگی، پورے کلام اور ہمیں سورج کے پورے آثار پر غور کو اول تا آخر غور سے دیکھا اور جانچا جائے تو اس شعر کو بھی شروع سے آخر تک پھیلایا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ ہم اسے ان کا آخری شعر بھی کہہ سکتے ہیں "تھیں وفا" "شرمندہ معنی" ضرور ہوا، لیکن ہر سچ اور ہر ایک صورت حال میں اس کے معنی بدلتے گئے۔ اس دوجہ بدلتے گئے کہ عام معلوم میں وہ اپنے مقدرہ معانی سے محروم ہو گیا اور پلاٹا چڑھا کہ سوالیہ علامتوں کے درمیان اور ان کے ساتھ بھر کسے والا ہمارا یہ عظیم شاعر "وفا" کے لئے شہدہ تصور کو "وہ تہلی" نہیں سمجھتا۔

آگے کی نفاذی سے پہاڑ کی خاطر، اور رائے عامہ کی رعایت کرتے ہوئے، ہمیں اتنا کہتے چلیں کہ "وفا" کوئی انسانی نہ Loyalty کا لفظ پورا پڑتا ہے، نہ Faithfulness کا Devotion کا، اور نہ Total Commitment کا البتہ یہ تینوں پر حاوی ہے۔ بے وفائی کا مطلب ندرای یا بے ایمانی بھی نہیں ہے۔ نہ یہ فکری سطح پر بے ایمانی کے مترادف ہے۔ بلکہ یہ ایک رویہ ہے، فرائض برداری اور معلومات مندی کے برعکس۔ ان لینے اور تہلی پانے کے برخلاف اس میں خیال اور برہنہ کا مسلسل تغیر، نگاہ اول بدل، ترمیم اور دود قبول کی ہے وہ پے تکلیف شامل ہے۔

یوں دیکھتے تو بلا طرف تردید کہا جاسکتا ہے کہ غالب بے وفا تھیں، ایک بے وفا شاعر، بے وفا مفکر ہے۔ زندگی کی آزمائشوں میں پورا اترنے کے سوا اس کے نزدیک "وفا" کا کوئی تصور نہیں، وفاداری کو وہ آدمی کے ذمہ، توانا اور دانا وجود کے لئے بے معنی قرار دیتا ہے۔

اگرے میں آنکھ کھولی تو باپ، بچا اور بیٹا سب کے سب فوجی افسر تھے۔ باپ شہد عالم کی کئی فوج میں رسالہ داری کر رہے ہیں، کل حیدر آباد جا کر نظام الملک کے ہاں تین سو سواروں کے افسر، تین برس بعد صدارت اور کی فوج میں۔۔۔۔ اور وہیں مارے گئے۔

"دور خاک، راج گڑھ، پدم راہد مزار"

(قصیدہ ۵۸۵)

بچا کا حال بھی معلوم ہے۔ مرزا فدا راج کی طرف سے اگرے کے صوبیدار ہیں، اور جیسے ہی دیکھتے ہیں کہ جنرل لاہار ایک کافی پلہ بھاری ہے، وہ شعر کو دشمن کے حوالے کر کے اپنا منصب بچا لیتے ہیں۔

آگے پر لارڈ لیک کے طولانی حملے سے پہلے کشمیری رئیس غلام حسین اپنی بیٹی مراثوں کے منسل صوبیدار نعر اللہ بیک کے بھائی سے بیاہ دیتے ہیں اور خود بھی پہلے منسلوں سے 'پھر مراثوں سے اور پھر فوراً' انگریزوں سے معاملہ کر لیتے ہیں۔ پہلے وہ مراثوں کی طرف سے کیمڈان Commandant تھے، بعد میں انگریزوں نے ان کی جاگیر بحال رکھی۔ یہ وہ تھا جس کے گھر میں عبداللہ بیک کا جنیم ملا ہوا۔

جن لوگوں کے ساتھ شاہ قاجار کا اٹھنا چھٹنا چکیں لڑاؤ چکیں بچھانا معمول تھا ان میں سدراج بارس، بیت سنگھ کے جلا وطن وارث کنور بلوان سنگھ شامل ہیں جن کے بزرگوں نے شاہ اودھ کے زیر سایہ رہتے ہوئے اندر خانہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاملہ کر لیا تھا، یہاں تک کہ آگے چل کر جب دارون ہیننگٹن کے چھوٹے سے لفظ کو اہل بارس نے بار بیت کر ختم کر دیا تو ہیننگٹن کو بمشکل زندہ سلامت دکھا بلکہ ایک بڑی رقم سے غنیمت طور پر مدد بھی کی۔

تضیال اور دو حیل اور ہم عمر عزیزوں کی حیلوں میں جنیم، مگر ناز پروردہ اسد اللہ یہ سب دیکھتا سنتا اور سوچتا ہوگا، اثر لیتا ہوگا۔ جس خاندان میں شادی ہوئی وہاں بزرگ خاندان منسل شاہی صوبیدار نعر اللہ نواب احمد بخش خاں اپنی چھوٹی سی میوا کی ریاست منجائے کی خاطر انگریز کمپنی کے جنگ جو صم پسندوں سے معاملہ کر لیتا ہے اور حملہ آوروں کے اشارے بلکہ سپورٹ سے بھرت پور ریاست پر اچانک حملہ کر دیتا ہے۔ بھرت پور کی لوٹ اور جیسے بخرے میں اسے بھی جاگیر انعام ملتی ہے کمپنی دہلی کے نواح میں اپنے ایک طاقتور مخالف 'راجہ بھرچور کو کچل ڈالتی ہے۔

چندہ پندرہ برس کی عمر سے 'شادی کے بعد شاہ قاجار کا مستقل ٹھکانا سرسالی عزیزوں یا لوہار والوں میں ہو گیا۔ ان کا منیلا برادر ضعیف، جو پوری کا سونپا بھائی تھا، نواب طمس الدین ظاہر ہے کہ یوں ہی دوسرے بھائیوں سے گزرا ہوا تھا، مرزا نوشہ کو کیا خاطر میں لاتا جو باپ دادا کے گھر سے کوئی جاگیر بھی نہ رکھتے تھے اور اپنا حق جگتے تھے۔ سرسالی میں لوہین دشمن انھیں وہی نعر آیا۔ اور یہ ذاتی دشمن ایسا تھا کہ ایک طرف پیر شذنت ولیم فریزر کو اپنے باپ نعر اللہ کے رشتے سے بچا کھتا تھا، دوسری طرف اس کے قتل کی سازش کی اور قتل کر دیا۔ جس کی سرگوشیاں قریب کے عزیزوں میں ہوتی ہوں گی۔ شاہ قاجار کے کان تک بھی ضرور پہنچی ہوں گی اور پھر انہی دونوں انگریز مٹی بمبھٹ کاٹو ہارو والوں کے دادا مرزا نوشہ کے گھر آنا چاہا۔ جب ضعیف کہ دلی والوں میں جو افواہ شاہ قاجار کے بھرت ہونے کی پھیلی، اس میں کسی قدر سہائی بھی ہو۔ وہ اپنے جیسے کی جاگیر کا دوسرا کمپنی کے سرکاری خزانے سے طلب کر رہے تھے۔

اسی وسیع اور بے پندہ منظر میں نو عمر اسد اللہ اور بعد کے مرزا نوشہ کی افغان کا زمانہ اور ماحول بنی ہوئی وقاداریوں، بدلتی ہوئی وقاداریوں سے پارہ پارہ ہے۔ جوان امیر زلوے کے پاؤں تلے رہتی زمین ہے، اور ہر قدر نظر اٹھتی ہے، لوہریاں بار بدلتا ہوا منظر۔ اوروں کی طرح، اپنی پاکدامن حیثیت اور ہم پیشوں میں عزت آہدہ بنائے رکھنے کی خاطر مرزا نوشہ کو وقاداری کے تصور میں ضرور جھول نظر آتا ہوگا۔

"وفا" پہلے قبائلی اور پھر جاگیرداری نظام کا کلیدی لفظ رہا ہے۔ وفا کس سے؟ خاندان سے، قبیلے سے، جس کا شک کھایا اس سے، جس ذات یا برادری، یا باجی میں جتم لیا، پلے بڑھے، اس سے جس دھرتی کو پڑا جو آنا اس سے، جو مذہب، عقیدہ، یا منکر اور سے ملا اس سے؟ رہن سمن، پیشہ و فاش، طور طریقے سے وفا؟ ایک حال پر صدیوں پہلے

والے سانچے کے لئے یہ دقتاری سچ کی کہنی تھی جس نے اپنے بندھن کچے پکڑے تھے لیکن وقت کی رفتار نے بہت جال بچھائی، ہندوستان بھی دوسری دور سے نکل کر سرکشاکی دشتوں کی طرف پہلے بچھا، پھر پکا اور اس نے بوشوازی کے اقتدار کے لئے راہ بنائی شروع کی تو ذات بدلتی، کھان گراؤں کے دشتے ڈھیلے پڑے رعیت اور مزاح شہری کاہنہ دار کی جانب بڑھنے کو آزاد ہوئے۔ کچھل دو صدیوں کی سماجی، ملکی سرگرمیوں کا چارٹ دیکھتے پلے جاسیے تو یہ عقدہ کھلے گا کہ دقتاریوں کی گڑبھاؤں و مبتنی چلی گئیں اور کمرشل دولت اندوزی کے انڈسٹریل پیداوار میں گھنے سے دلا کا تصور ایسا بدلا کہ ٹھیک ایسے وقت جب ۱۹۵۵ء میں ہندوستانی زبان کا علاقہ جنگ آزادی کے شعلوں میں لپٹا ہوا تھا، یعنی، ٹکٹ اور مدارس کی پسلی لاسٹیں میں کارخانے اور کالج کھولے جارہے تھے اور یونیورسٹیاں قائم ہو رہی تھیں۔ ہندوستانی سرمایہ کھلے بندوں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرمایے اور سرگرمی سے ہم آغوش ہو رہا تھا اور اس بالکل شروع کی Multinational سرمایہ کاری میں کوئی شرم کی بات بھی نہ تھی۔ یہ صرف سوئی سی مثال ہے دقا کے مترادف اور قدیم تصور کی ہولناک شکست کی ۱۹۵۵ء کے بعد کے چالیس پچاس برس بعد تک جو ہوتا رہا وہ کل کی سی بات ہے۔ بزرگوں کی نظر اور کالج کے در نے ہمیں اس کاظم سے دکھا ہے اسے بھی غریب دیکھتے۔

۳۰ برس کے غالب دہلی سے لگتے ہیں۔ لکھنؤ ٹھہرتے ہیں۔ حیل ٹکٹ کا گورنر جنرل سکریٹ ہے لیکن جھینے ہوئے جارہے ہیں۔ لکھنؤ میں منات کا وہ مجموعہ جسے ”شرقی“ کہتے ہیں کن کن صورتوں میں ان منات کے مجموعے سے عظم بنا رہا تھا جسے ”مغربی“ کے لیبل سے پہچانا جاتا ہے۔ کمپنی نے نواب سعادت علی خان کے زمانے سے غالب کی آندیا غازی الدین اور نصیر الدین حیدر کی برائے نام ”شرعی“ حکومت سے کدوئوں دھوپ ہی سودی قرض میں لے رکھا تھا بلکہ کاریگری و شکاری اور فنکاری کو بھی حاشا کیا تھا۔ (اس پہلو پر تفصیل سے لکھا جا چکا ہے)

لکھنؤ کی اس دھوپ چھاؤں، نقا اور طاقت کی دو عملی نے بھی یقیناً، غالب کو کافی کچھ بچھایا ہوگا۔ پھر بنارس ”مہاراج خانہ باتوسیاں اور کتبہ ہندوستان“ کا تفصیلی نظارہ، پھر باندہ کی طرار اور ست رفتار لڑائی، جو ۱۹۵۵ء میں پانیوں کی چھاؤنی بنی (اور نواب کو پھانسی دی گئی) عظیم کھل پوند تو ۱۹۵۵ء کے معاہدوں میں ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے راج وادروں کی شکار گاہ بن چکا تھا۔ اور بالاخر ٹکٹ جہلی گورنر جنرل کے محل کے سامنے ایران کا سفارت خانہ اور دوسرے عالیہ برائمتن تھے۔ لگتے سے غالب کے جوان ”اثر پذیر اور نود درج ذہن نے کیا کیا کیا“ کیا کیا“ اس پر اوروں نے کافی لکھا ہے۔ ڈھائی برس کا یہ غرضمند بلکہ آرزو مند نہ سفر، جو حق کا سفر“ ہی نہیں ”من“ کا سفر بھی تھا، جسمانی نہیں، ذہنی سفر بھی ثابت ہوا، اور اس نے سب قسم کے ایڈمنسٹریشن کی بے دردی اور دقا کے ہر تصور سے نا آشنائی ان پر روشن کردی۔ یہاں بریکسل تک کہ ان کے دو غیر معروف شعر نقل کرتا ہے محل نہ ہوگا۔

کل کہ جہیز از تو شرم و گل کہ خواہ از تو صر

توقی از سے خانہ و دلو از فرنگ آدمی

یا ٹکٹ کے تاثرات پر ان کا قطعہ (نہرہ) جو یوں شمع ہوتا ہے۔

محکم از سر داد گفہ ام گفت گہرہ دسر سنگ مزین

غالب سجادہ میں بکھرے ہوئے اپنے گھر لوٹے ہیں۔ یہاں انگریزی تعلیم کی شروعات ہے۔ انگریزی علم و دانش کا چرچا اور اس کے خلاف علوم قدیمہ سے وقاوری کا ہلکا گرم ہے۔ اور مر سے زمین کے گول ہونے اور زمین کے کھوٹنے کی خبر گھوم رہی ہے۔ اور مولوی فضل حق خیر آبادی، غالب کے بزرگ دوست "ابطال حوکنہ الاوض" تصنیف فرما رہے ہیں۔ شہ ولی الہی جہلمی کی جماعت میں خدائیں کی سرود سلان کی اور چھوٹے کی رقوں کی بریل بیل ہے۔ وہ تحریک جس کی موجودہ صورت کو آج کل Fundamental کہا جاتا ہے۔ غالب کے کئی ہم عصر اور ہم سراس تحریک کے حامد ہیں یا اس تحریک کے ہنوا ہیں، مثلاً "حکیم سمن خان" اس کے سیاسی پہلو سے دہر دی، گمراہی اور نظریاتی پہلو سے شدید اختلاف رکھتے ہیں مثلاً "مفتی صدر الدین آزاد" غالب کو مولوی فضل حق اپنے پریوینکٹس کا ایک اختیار بننا چاہتے ہیں، "موت میں غالب" پیچھے پیچھے ہو لیتے ہیں، لیکن نتیجے میں الٹی بات کہہ جاتے ہیں۔ ڈانٹ من کر پھر اسے سیدھا کرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ "ڈانٹ یا ڈانٹ ذہن غیر مقلدوں" کی طرف جاتا ہے تاہم "ڈانٹ من کر" بھٹکا ہے۔

اتنی جلدی مذہبی تحریک جو دینی عقائد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ایٹم ایٹما کیمیا کی انہما دھند معاشی لوٹ کا نو کرنے کے لئے اٹھی تھی، پنجاب کی حکمران حکومت کے خلاف کس ہوشیاری سے موڑ دی گئی اور پھر دو تین سال میں خود نوٹ پھوٹ کر برابر ہو گئی۔ یہ غالب کی جہان کی زبان کے زمانے کا ان کی دلی لا ان کے طبقے کا اور ماحول کا اتنا زبردست پہاں انگیز واقعہ تھا جو کم و بیش دس برس دلی سے لگتے تک گونج رہا مگر ان کے ہاں اس سے نہ دلی نگلی ملتی ہے نہ تا بھگی۔ وہ راز کار چند اشارے ہیں "مثلاً

عزت قل کہ تل قنا مت پچہ

مید نظارہ ہے شمشیر کا عیاں ہونا

ان دونوں اپنے بیان کے مطابق "وہ پچاس ہزار کے مقروض ہیں مگر پچا زور پچا" اور کیا عجا کیسے قرض ادا کیا کیا بھی یا نہیں، ہمیں نہیں معلوم، صرف یہ معلوم ہے کہ ایک بار مقروض ہونے کی خاطر گرفتار ہوئے "دوسری بار خلاف قانون جہا کھینچے اور ہوا کھانے کی علت میں قید خانے پہنچے۔ اس حالت میں وہ ایک طرف اس دربار سے ہمار سے چلتے چلتے کہہ لچے لچنے کی فکر میں ہیں جہاں ان کے ذوق سخن کی بچی دلو دینے والا کوئی نہیں، دوسری طرف ہر ایک آئندہ دوندہ انگریز عہدہ دار سے رشتہ جوڑنے میں، جس کے متعلق کہہ سید ہے کہ اگر شاعری کی نہیں تو کم از کم رہنمائی شان کی ہی قدر کرے گا۔ قصیدے اور قلیے لکھ لکھ کر دونوں سطحوں میں دواں کرتے ہیں، اس خیال سے کہ ایک دربار دار شاعر کے پاس کلام معلوم کے علاوہ بزد کرنے کو اور ہے بھی کہا، اور وہ رسن تپتی گولا" کو قید حیات کی ایک مشقت اور دھواری کے اعداد کو محض ایک سلسلہ جہنمی شہر کرتے ہیں۔

یہاں تین برس ہیں (1870ء سے 1875ء تک) جب وہ تمام دلائل اور وقایعوں سے قطعی بدگمان اور اگلے پچھلے تمام بدحوالیوں سے بدعہ ہو کر محض اپنی عقل میں لگ جاتے ہیں "مگر گم صحت کدوم دور بد خلیل خدوم" میں پختگی

دوسرا واقعہ کسی خاموشی بخلاؤں کا ہے جن کی پوری تصویر، غلب کے ایسے اشعار میں ملتی ہے جنہیں محض تخلیقی تجربہ یا دور کا جلوہ نہیں کہا جاسکتا ہم سب کیسے طور پر جانتے ہیں کہ کسی بھی فنکار کا ہر ایک تعلق اس کے ذاتی تجربے کا نشانہ منہ نہیں ہوا کرتا لیکن ایسے اشعار نور اشعاروں سے کہیں تک نکلے جاتے ہیں جو صاف صاف چلتی پھرتی تصویریں دکھاتے اور غلب کی ذاتی کیفیت سمجھنے میں مدد کرتے ہیں۔ مثلاً "بیوی سے بے وفائی کا یہ دوسرا واقعہ جو سلیب دیوار میں ایک لہلہ تک چل رہا ہے۔"

کتیدہ چست، چھٹے نقوش، گورے رنگ، برقی چٹم، دراز کمر اور بڑک مزاج کوئی ہم قبیلہ نوجوان خاتون تھیں جنہیں ذوقِ خن بھی میر تقی میر کا غالب کو اپنا کلام بزمِ مہرِ صلاح سمجھا کرتی تھیں۔ عیدہ سلطان نے اپنی بیٹی کی زبانی اس خاتون کا ٹھکانہ ”ترک“ بتایا ہے۔ موصوف نے اس خاتون کو دیکھا بھی ہوگا اگر انہوں نے نہیں دیکھا صرف حاقم نے غالب کی زبانی سنا اور اس کے کلام میں ”ترم“ کو دیکھا بھی کہیں کہ ہم نے غالب کے دلم جگر کو دیکھا۔

”ترک“ نام یا ٹھکانے کی کسی شامہ کا کلام ترج تک دیکھنے میں نہیں آیا، مبین ممکن ہے یہ استادی شکر دی شامہ اور برائے بیت ہو اور اس پردے میں غالب خاتون کی کسی معزز خاتون سے ایسے ٹوٹ کر لے ہوں، ملے رہے ہوں کہ گھر والوں کو خبر ہوگئی۔ نہ صرف اس اشتباہ کی خبر، بلکہ اس کے نتیجے کی بھی۔ خود غالب کے دسے ہوئے اشعاروں سے ایک مدت بعد جب افواہ سرد ہو چکی، وہ غزل، جس میں واقعی شاعر نے پرے چلے کا ماتم کیا ہے، ”ہائے ہائے“ کی ردیف کے ساتھ الجھام بنا رہی ہے۔ اور وہ فارسی کے کوئی چودہ ہزار اشعار میں یہ واحد غزل ہے جس میں محبوبہ کی موت کا مضمون نے ایک Monument موقوفیت نصب کیا ہے اور وہ بھی اپنے مزاج کے خلاف ”ہائے ہائے“ کی صدا ہے۔

اس غزل اور اس سے رشتہ رکھنے والے چند فارسی اشعار کو غور سے پڑھنے والوں پر یہ بتانا کچھ ضرور نہیں کہ غالب سے اس خاتون کے تعلقات یہاں تک بڑھے کہ بلاخر وہ حاملہ ہو گئی اور چوں کہ معاملہ ایک معزز خاتون کی بیٹی کا تھا، اور غالب نے اپنی ذمہ داری میں مضائقہ قبول کرنے سے پہلو تھکی کی۔ اس نے خاموشی سے جان دے دی اور اس جواس مری پر معاملہ دب گیا۔ عیدہ سلطان کھنکھتی ہیں کہ جب اس شامہ کا انتقال ہوا، غالب بیمار پڑ گئے تھے۔ ہاں ایسا ہی ہو گا۔ غالب کو اہستہ اس بیماری سے ابھی شفا نہ ہوئی تھی کہ سالہا سال ان کے ضمیر میں اس کی دعا اور اپنی بے وفائی کا کٹھن کھٹک رہا، ورنہ ان اشعار کا کیا مطلب؟

شرم رسوائی سے جا چھٹا تھپ خاک میں

ختم ہے الفت کی تھہر پر ہمداداری ہائے ہائے

خاک میں بھوس بیان محبت تل گئی

اندر گئی دنیا سے راہ رسم یاری ہائے ہائے

بمعنی ہو گا کہ ہم وفا اور بے وفائی کے اصل مضمون کی جڑ تک پہنچنے یا اپنے طوط پر اس کو Define کرنے میں کسی قدر غالب کے اشعار سے بھی کام لیتے چلیں۔

ان کی ایک فارسی غزل ہے جسے قریب کے لوگ بھی پوری طرح نہ سمجھ پائے تھے اور خود شاعر کو مطلع کا مضمون بیان کرنا پڑا۔

من یوفا مودم و رقیب ہمداد

نہد بھل انجمن و نہد تمیز

وفا اور رقیب کے ساتھ شد اور مصری کے ملازمت یہاں بھی دہرائے گئے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ شاعر نے وفا میں جان دینا اپنے لئے اور مصری کی ذلی جگہ کرنا دینا رقیب کے لئے فرض کر لیا ہے۔ یہ بات انہوں نے دوسرے طریقے سے ایک

خوشم کہ دست خود آن پایے ہے وفا باشد
کہ درمیں دھلم امید کج کسب
مرد ہوگی کہ ایک قول میں "خطا بود خطا" کی تردید رکھ کر وفا کے ہر ایک تصور کو اس تار میں پرو دیا ہے۔

کھجے ہر صد زبان تو خطا بود خطا
کایں خود از طرز بیان تو خطا بود خطا
دل سا دن بہ پیام تو خطا بود خطا
کام یمن زبان تو خطا بود خطا
آخر اے ہر قلموں جلو کھائی؟ کاہنجا
ہرچہ دلوں خطاں تو خطا بود خطا

وفا کا مقررہ مندرجہ غالب کے لئے زندگی کے ہر حال 'ہر مرحلے' ہر ماحول میں جگہ چھوڑنا چلا جاتا ہے۔ حسن محبوب کی وفا سے بھی فن کی تسلی نہیں ہوتی کیونکہ وہ ان کا مقصود نہیں۔

جمہوری وفا سے کیا ہو تسلی کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پہ ہزاروں حتم ہوئے اہست سے؟
اور خود اپنی وفا سے دست بردار ہوتے ہیں۔

وفا کیسی 'کلیں کا عشق' جب سر پہوڑنا ضرور
تو میراے تنگ دل تیرا ہی تنگ آستان کیوں ہوا
یہ ان کا اصلی نقطہ نظر ہے 'زندگی اور فن کے بارے میں ایک سوچا سمجھا' نیا علامہ دین۔ ایک مستحکم 'عالم بلاذات'
مجمودی و دعوائے گرفتاری الفت
دست و تنگ آمد بیان وفا ہے

میں ممکن ہے کہ یہاں 'ہمارے خیال کو رد کرنے کے لئے غالب کا کوئی پرستار اس قسم کے اشعار یاد دلانے پر پہلے سے
کلی مشغور ہیں اور وفا کی عظمت جانتے ہیں' مثلاً۔

وفا داری بشرہ استواری اصل ایلیں ہے
موت بت خانے میں تو کہے میں گاندہ برہمن کو

————— یا —————

نصیب کچھ سو و زناہ کے پھندے میں گھیرائی
وفا داری میں شیخ و برہمن کی آغوش ہے

نور کہتے تو یہاں بھی انہوں نے وفا کے اس تصور کو 'اس کے اختلاے کل کو شیخ و برہمن کے سپرد کر کے اپنی ہاں پھڑپائی
ہے۔ برہمن اگر اپنی وفا میں استوار ہے تو اسے صلہ دیجئے لول تو برہمن کا زان نصیب' چھڑا جاتا ہے 'پھر کہے میں کسی کو

رفی نہیں کرتے۔ برہمن کو دہاں دفن کیجئے کیونکہ وہ اپنی آزمائش میں ”زہر کے پھندے کی گرفتاری“ میں سارا جیون تباہ کیا ہے یعنی وہ عمل اس سے سزا ہوا ہے جسے لوگ دہا کی استغاری کا آڑ لے لیتے ہیں۔ جو لوگ دہا کی عقلمندی کے ایسے ہی قائل ہیں اب وہ برہمن کی ارحم چٹا کے لئے نہیں دھننے کے لئے تیار کریں۔ اور وہ بھی کہیں؟ تو پھر غالب اپنے لئے کیا پسند کرتے ہیں؟ بے وقافتی؟ بد عہدی؟ مصری کی کھس بن کر لذت بکھتا اور اڑ جاتا؟ نہیں۔۔۔۔۔ وہ زندگی کو اس سے زیادہ گہرائی کے ساتھ ”جدیداتی“ تجزیہ کے ساتھ دیکھتے ہیں اور رنگارنگ تھنوں کی فلک میں دیکھتے ہیں۔ ہم یہاں دہا کے اس پہلو کو اشارۂ عرض کریں گے۔

(صاحبوہ) سینار کے معزز حاضرین! آپ جو فلسفے اور عمرانیات کا شعرا دہا دیکھتے ہیں، آپ کے سامنے خیال اور عمل کے درمیان اور باہمی تعلق پر روشنی ڈالنا کچھ ضرور نہیں) خیال اور عمل میں کون اول ہے؟ یہ وہی مسئلہ ہے کہ Beina (دور) اور Thinking (شعور) میں کون فیصلہ کن ہے۔ سائنس بلونت کا نظریہ سامنے والے عمل کو ”خارجی“ حالت (بیرونی طرز و تعلقات) یا ماحول کے عمل کو انسان کے ذہن و شعور پر حاوی بلکہ ان کا راجہا سامنے ہیں۔ اسی سبب سے ہم نے غالب اور دہا کے قصود میں خارجی حالت کو ہی مطلق کے طور پر پیش کیا۔ اب خود خیال اور عمل کے رشتے سے دانشور فکار کا دلچسپو بھی دیکھئے۔

اول یہ کہ ”رہا“ اور Riffal میں دونوں دست و گریب ہیں۔ ”رہا“ یا خیال، بلکہ دستور نیکی کے طرز فکری نظام میں Idea ہے جو کسی شخص اور مروج کی روح میں رواں رہتا ہے۔ آئیڈیا اپنی صلاحت کے ساتھ عملی رسوم کی شناخت طلب کرتا ہے اور اسے جنم دیتا ہے۔ جب کوئی ”رہا“ بڑھ کر ”ری چوگل“ میں نمودار پاتا ہے تو نظریہ سازی عمل بن جاتا ہے اب سنئے کہ خیال دہا بزار ہے اور انکسین دہا طلب۔ خیال یا آئیڈیا کو انکسین میں ”انٹرویو اور اجتماعی عمل میں ڈھلنے“ فرو اور عداوت کو ہم آہنگ کرنے اور ہموار رکھنے کے لئے دہا پر زور دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ دہا کے مشروط تصور کے بغیر کوئی ”رہا“ بچل کر ”رہ چوگل“ نہیں بنتا، نہیں بن سکتا اور جو نظریے کسی سلسلے نظام کو جنم دے کر یہ اصرار کرتے ہیں کہ ہادی یا سوسائٹی ان کا مقصود ہے، وہ فرد کو ثانوی حقیقت دے دیتے ہیں، جو اقبال کے لفظوں میں:

فرد قائم رہا ملت سے ہے، تھا کچھ نہیں

موج ہے دنیا میں اور جیون دنیا کچھ نہیں

آپ نے دیکھا یا برتا ہو گا کہ خیال کی چلک یا عقیدے کی توارگی سے بے موافقی رہتے دے سلسلے نظام مرتد کو سنگار اور Dissenter کو Exoell کر دیتے ہیں۔ عمل کی اجتماعی نوعیت کی خاطر انہیں اصرار ہوتا ہے کہ خیال کے سوتے سے پورا ہوا اور نالے بھر کی کلائشیں پیٹے ہوئے جو عقیدے طے شدہ ہے اسے جوں کا توں قبول یا تامل نہ کر دیا جائے۔ اسے وہ ”دوگامی بشرط استغاری“ یعنی غیر مشروط دہا قرار دیتے ہیں۔ جب کہ خیال بھلے خود غیر مشروط ہے اور بے وقافتی کی مدح کے لئے بغیر دہا اور گندہ دم نہیں رہتا۔

اب ذرا غالب کا وہ مشہور نثر شعریہ کر سوچئے کہ وہ کیا کہ رہا ہے۔

ہم موسم ہیں، طارا کیش ہے ترک رسوم
بتیں جب مٹ گئیں اجڑے اہل ہو گئیں

"ترک رسوم" دراصل ایک معنی میں ترک وفاق ہے کہیں کہ رسوم ہی تو ہیں جو عمل میں وفاق کا اظہار کرتی ہیں یہ "رہا"
نہیں "ری چو کل" کا مجموعہ ہیں۔ فنکار اور دلقار نظریہ ساز اور نظریہ پرست میں نہیں آکے اتر پڑتا ہے۔ فنکار اپنے
مرد اور ماحول میں سانس لے کر "ہر رنگ میں ہمارے لہت" پر نور دیتا ہے۔ وہ ایسا دانش ور ہے جو پوری دیانت
داری کے باوجود، بلکہ دیانت داری کے ساتھ کسی بھی مسئلہ عقیدے، طے شدہ سلفی، یا حلقہ فریب روا سے، وقت
کے عام جان سے، یا بجلی رسم و رسم عام سے جڑی یا کلی، عارضی یا مستقل بے وفائی کرنے پر مجبور ہے۔ وہ خود اپنے
سود و فزاں سے غافل یا بے نیاز بلکہ ذاتی مفاد کا کھلا دشمن ہو کر بھی وفاق کے معمول سے بگڑ چلتا ہے اور راجہ صواب کے
بھائے بھگتے اور تلاش کرتے دہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ خود کو بلاخر اپنا غیر فرض کر لیتا ہے۔ جیسا کہ غالب نے اپنے
بارے میں ایک آؤ پیٹر لیکل (سوانحی) بے تکلف خط میں لکھا ہے۔ وہ جب کہتا ہے۔

میش و غم دہل نمی استد خوشا آزادی
باد و طوبہ یکسانست در غریب ما
اہل بہ غیب تقوت ا رفت از خمیر
زما گزشتہ ایم و مسی نوشتہ ایم

تو اس "آزادی" کے خد و خال اہماتا ہے جو خیال کے بدلنے ہوئے بعد () کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ وہ "Rituals" کی پوچھی دیا کھارے پھوڑ کر خیال کے گرداب میں اترتا ہے اور مسی کی تلاش جاری رکھتا ہے۔ اس کی وفاق
صرف اپنی فکر کے تقاضوں سے ہوتی ہے۔ جو گلوب کی طرح گردش کرتی اور روشنی و تاریکی کے عالم میں جھلا رہتی
ہے۔

فکار اپنی مصری سطح سے بلند بھی ہو گا جب وہ دانش وری میں قدم رکھے گا اور اپنے وقت کے دانش ور وہ
ہوتے ہیں جن کی وفاق اپنی دانش کے تقاضوں سے برقرار ہے۔ ان تقاضوں سے جو ہر مرد، ہر ایک دور اور ہر ملکی ارتقاء
کے ہر ایک مرحلے میں تغیر پسند اور "بے وفاق" رہے ہیں۔ جسے غالب کے حلقے اس طے میں کچھ کلام ہو وہ ان کے
تقصیدوں کی تشبیہیں دیکھے، بعض شکاریاں دیکھے جہاں اس دانش ور فکار نے اپنا سوچا سمجھا مذہب یا ایک تسلسل
کے ساتھ جان کر دیا ہے، "تیند" کی مدح و تادیب (تقصید، نمبر ۳۹)

دل نہ بھلا نہ خیرنگ و درمی دیے دو رنگ
ہرچہ تیند بہ عنوان لاشا ملیند

خود تصوف کا نظریہ، جس میں غالب نے قیصوں کی بٹا بٹا سے نچنے کے لئے پتلا لی قصبی، ان کے ہاں ایک عمل عقیدہ
یا اعتقادی نظام نہیں، بلکہ ایک اخلاقی برتاؤ ہے۔ اپنے فطلوں میں یہ راجہ لاشا بھی کر دیا ہے کسی کو بھی مٹو نہ دیا کہ تم
تصوف اختیار کرو، نکل کر کہہ دیا کہ تصوف و نجوم، انہوں نے بس یوں ہی لگا رکھا ہے، "وہ ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔"

”بے دھائی“ کے اس برکت میں طرہ دانشور فنکار اس مقام کو پہنچ جاتا ہے جہاں فرانس کے دو سو لاکھ ہزار اک چھوٹے انسان ٹیکویٹسٹ اپنے دھنوں میں پہنچے تھے۔ وہ صرف کافی بجائی کی خاطر نہیں کہتا کہ
 ہاں سما دین اے پدر‘ فرزند آزاد راگر
 ہر کس کہ شد صاحب نظر‘ دین ہر مہاں خوش کنو
 یہاں پدر جی کا پدر نہیں بلکہ رسوم اور سکے بند علاقہ کے پاساں یا کو قتل ہیں جو پہلے دسی مذہب کی تقدیر میں تھتے تھے اب ”ازمیں“ کے حصے میں آ رہے ہیں۔

کفر و دین پیست‘ جز آکاش پندار وجود
 پاک شد پاک کہ ہم کفر تو دین تو شود
 غالب کے اس ”بے دھائی“ تصور اور برکت میں کنہودی کے تمام مروجہ تصورات کی دیواریں دھنس گئی ہیں اور بطور پدر آزاد انسانی فکر سر بلند ہو جاتا ہے۔

محققین برہم کرے ہے مجھ پر ہاں خیال
 ہیں دہان گرائی نیرنگ یک بت خانہ ہم



گوئے اور غالب

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

علامہ اقبال مرزا غالب کے مرید میں گناتے ہیں۔

آؤ تو اجڑی ہوئی ہل میں آرا میدہ ہے

گھٹن ہنر میں تیرا ہم قوا خوابیدہ ہے

آج ہم گوئے اور غالب کی ہمنوائی کے بارے میں کچھ عرض کریں گے۔ گوئے کا سال پیدائش ۱۸۳۸ء اور سن وفات ۱۸۸۳ء ہے۔ وہ جرمن قہار اور جرمن ادب کی روح دہاں مشہور ہوا ہے۔ اگر اسے جرمن ادب کا درخشندہ ترین کارنامہ سمجھیں تو چاہا نہ ہو گا۔

انفرادی صدی تک یہ سائنس کے اثرات کی گرفت عوام پر مست داخل ہو چکی تھی۔ صنعتی انقلاب کے باعث قدیم عقائد میں الجھل بچ گئی تھی۔ ان کی بنیادوں میں زلزلہ و قہر پذیر ہو چکا تھا۔ مزبور اور سرمایہ دار کی کوریج کی ابتدا ہو گئی تھی اور اسی صدی کے آخر میں فرانسیسی خرمین انقلاب سے دو چار ہوا جس کی بنیادیں دوسو، ڈیڑھ سو و فیو نے رکھی تھیں۔ اور نئے پندلیں نے پہنچنے کا سوتھ دیا۔ الفرض مذہب کا عمل دخل ختم ہو رہا تھا اور انسانی ضمیر کھلا جا رہا تھا۔ انسانیت پس رہی تھی۔ لیکن اوپر کا طبقہ اقتدار "ایچالوات سائنس" ڈراموڈی اور بے ضمیری کے نئے میں آہٹوں پر کند ڈال رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے گروہ پیش میں انسان کے مستقبل پر تھکھور گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ اس وقت گوئے نے اپنی ڈرامائی نظم "فلاؤسٹ" تحریر کی۔ فلاؤسٹ ایک جرمن قہار جو "علم کل" کا حتمی قہار جس کے باعث وہ زندگی کے لیوں کو پس کر رکھ دے اور نئے حیات کی تلخمت بھی نہ رہنے دے۔ گیا وہ میٹرفٹ کے بلکہ ترین مادی کو اپنے بقدر اختیار میں لانا چاہتا تھا۔ اسی کوریج کی خاطر وہ بحر علم میں غوطہ زن ہوا۔ بی بھر کر مطالعہ کیا۔ لیکن اطمینان قلب نصیب نہ ہو سکا۔ اس لئے اس نے اپنے دماغ کی باگیں جلدی کی جانب موڑیں۔ اس کی سوچ کی پرواز نے اسے اسی میں تسکین قلب تلاش کرنے کا سمجھایا۔ چنانچہ اس نے مفسوقہ (MEPHISTOPHALES) یعنی شیطان کو سترے بلایا اور اس کے ساتھ ایک معاہدہ کیا کہ اگر مفسوقہ فلاؤسٹ کی ہر آرزو کو جھیل تک پہنچا دے اور اس مطمئن کر دے تو فلاؤسٹ اس کے بدلے میں اپنی روح اس کے حوالے کر دے گا۔ مفسوقہ نے اس کی خواہشات کو کامرانی سے ہمکنار کر دیا اور اس کی روح بے لی۔ لیکن فلاؤسٹ کو اطمینان نصیب نہ ہوا اور وہ اس امر سے آگاہ نہ ہو سکا کہ لڑائز حیات میں حقیقی طرایت پنہاں نہیں۔ وہ دلوں اسی تذبذب اور تاہی کے عالم میں رہا۔ حتی کہ وہ اس ارادے کے امتحانی مقام سے دو چار ہوا جس کے مد نظر دوسروں کا قاتلہ ہے۔ اس کی حاصل کردہ اتفاقی بلندی نے آسمانی طاقتوں کو اس کی مدد پر اکسایا اور ان طاقتوں نے فلاؤسٹ کو جواب انسان کال تھا مفسوقہ کے چنگل سے نجات دلائی۔

اگر ہم ڈائے (دور حیات ۱۸۶۵ء سے ۱۸۸۳ء) اور یٹن (۱۸۶۸ء سے ۱۸۸۸ء) سے گوئے کا تھیل کریں تو ہم کہیں

کے کہ وہ دونوں شاعران باطنی ہیں؛ لیکن گوئے شاعر مستحق ہے۔ ڈائمنے کی "اصلی طریقہ" (DEVINE COMEDY) اور ملن کی "فردوس گمشدہ" (PARADISE LOST) کے مطالعہ سے ان دونوں کے کردار انجیلی، سماوی اور غیر ارضی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر گوئے کے کردار حقیقی انسان ہیں گوئے کے نزدیک موجد انسان کی بہت علم کل یا سائنس یا ایجادات نہیں ہیں بلکہ شمس کئی خدمت دیکراں اور زندہ خمیری میں مضر ہے۔

گوئے نہ صرف اس بلند تخیل کا علمبردار اور تبلیغ کنندہ تھا بلکہ اس کی اپنی زندگی بھی اسی تخیل کے بنانے پر ناہی جاسکتی تھی۔ اس نے بھی اپنی خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا۔ اس نے بھی خمیری کی آواز کو نہ ٹھکرایا۔ وہ بھی کسی انسان کا قیاس نہیں ہوا اور اس نے بیٹھ انسان کو انسان سمجھ کر اس کی مدد کی۔ وہ دکن میں ہوا خمیر میں ہر جگہ آواز دہا۔ جسمانی کے علاوہ دیکر کا نواب یعنی ایک تک دیکر اس کا دوست تھا اور اس نے اسے کو نظر آف ایلٹ مقرر کیا ہوا تھا لیکن نہ بھی دیکر نے اپنے آپ کو گوئے کا مہل یا امر خیال کیا اور نہ گوئے نے بھی اپنے آپ کو اس کا بہت چاہا۔ ظاہر ہے کہ ایسے آدمی اور فن کار کا اثر آج تک موجود ہے۔ اور اسی لئے علامہ اقبال نے "پیام عشق" اس کے جواب میں لکھی۔ ہم اس امر کو بھی صرف نظر میں کر سکتے کہ گوئے کے ذہن کی تربیت میں یورپی اثرات کے پہلو بہ پہلو حافظہ اور ایمان کے دوسرے عظیم شعرا نے بھی شرکت فرمائی جسے گوئے نے بیٹھ تسلیم کیا۔

اب ہم چھان بین کر سکتے ہیں کہ اقبال کے نزدیک غالب اور گوئے ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت کیوں رکھتے

ہیں۔

اولاً۔۔۔ ان دونوں کا دور قریباً قریباً ایک ہے۔ اگرچہ غالب کی پیدائش بعد میں ہوئی اور بعد میں ہی اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔

ثانیاً۔۔۔ جب گوئے کے سامنے زمین کی خفیاں، نغماؤں کی تارکیاں اور موت کی ہولناکیاں اٹھتی "ذراتی اور شتر جھوٹی تھیں تب بھی وہ ہمیں نہیں ہوتا تھا بلکہ اسے خوش آہر مستحق کاچین تھا۔ بالکل ایسے ہی غالب کو تھا "میں صلیب کشن یا آلود ہوں"

دوسرے مقام پر لکھا ہوتا ہے:

تو دیکھم کہ سرست خن خواہد شدن
ایں ی از قہ غیری کہن خواہد شدن
کو کہم را دردم اون قیقلی بود است
شرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن
پھر غالب نے یہ چہ پکارا:

کف خاکم غبارے ی قسم
دگ علم شرارے ی قسم

مپ نہیں ہے بلکہ وہ حقت اسلامیہ کے گدوے ہوئے کارواں کی غبار راہ کو اگر ایک طرف محفوظ کر رہا تھا تو دوسری طرف وہ شیطان صمد اور یزید دہر کے عقب میں کچھ شراروں سے حملہ بھی کرنا تھا۔ یہ شعر اس کا سارا فنی ہے اور اس کا فنی نظریہ بھی۔۔۔ اس کے فنی کے وہ پہلو تھے۔۔۔ باطنی کو محفوظ کرنا اور مستقبل کے لئے کچھ شرارے

پیدا کرنا اور یہی وہ چیزیں یا اثراتِ اقبال میں نقطہء خروج تک پہنچے۔ ڈاکٹر عبداللہ نے کہا تھا ”مگر غالب اور حالی نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے۔“

تھی کسی دیکھو دیکھو کی صدائے درد ناک جس کو آواز رحیل کا دواں سمجھا تھا میں

اور

دگر رنگے ازین خوشتر ندیم بخون خورشید تصویرش کشیدم

وہی غالب کے نظریے۔۔۔ وہی فہار و شرارہ۔۔۔ وہی باطنی و مستقبل کا اعلاہ ہے!

سنہری مستقبل پر ایمان ہی تھا جس نے غالب کو اپنی زندگی کے بڑے قہقہے یعنی بچپن کے بھڑکے سے ناامید نہ ہونے دیا۔ انہوں نے کبھی حیات سے انکار نہ کیا بلکہ زندہ رہنے اور سیلابِ حواث، طوفانِ اشک، ہنگامہء کلفت اور وہ سب کچھ جو لوازمِ حیات ہے اس سے مدد نہ مولا۔

حالؔ۔۔۔ گونگے آوازوں، ضمیر کا طہوار تھا وہ بلوی کامیابی کو روحانی مسرت کے تابع رکھتا تھا۔ اور اپنی ذات کو ہٹا کر دوسروں کی خاطر زندہ رہنا چاہتا تھا۔ یہی حال غالب کا تھا۔ بہتر مثال دوسری دلائے

”میرے فن کا وہ بھی ہوتے ہیں جو صرف اپنی ترجمانی کرتے ہیں“ لیکن سب سے بڑے وہ ہیں جن کے دل سب انسانوں کے لئے دھڑکتے ہیں۔“

معمولی سی بات پر غالب نے خوابوں کو ٹھکرا دیا۔ اس کے کلام میں ہر جگہ سرشاری آواز دہی اور زندہ ضمیری پائی جاتی ہے یہی بلند خیالات ہمیں اقبال کے ہاں بھی ملتے ہیں۔

بادجو اس کے کہ ایک جگہ غالب نے فرمایا تھا ”حیف کر دمنہء مرع و ناخیزوا“۔۔۔ پھر بھی انہوں نے قصیدے لکھے۔ ان کی کلیات فارسی کا ایک تہائی حصہ قصائد پر مبنی ہے اور اردو زبان کا تقریباً چوتھائی حصہ قصائد پر مشتمل ہے۔ ان کے قصائد میں جہاں قصیدے کے لوازمات (شوکتِ الفاظ، ندرتِ تصنیف، بلند پروازی، طویل جملے، بہت ترکیب اور مبالغہ) موجود ہیں وہاں وہ اپنی انفرادیت کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اسی لئے ایک خط میں لکھتے ہیں ”فارسی شاعروں کی دھڑکی مجھ سے نہیں ہو سکتی“۔ ان کے قصائد میں فنی اختراعات کے علاوہ فلسفیانہ مسائل کا بیان ملتا ہے۔ اکثر جگہ مرع کے مقابلے میں تقییب کا لہجہ ہماری دکانی دیتا ہے۔ بالعموم وہ تقییب میں زندگی کے مختلف مسائل پر افسار خیال فرماتے ہیں۔ ان کی خودداری انہیں اکساتی ہے اور وہ اپنی تصنیف اور موضوع کی تعریف کو ہم آہنگ کرتے ہیں جیسے:

مرابہ شیوہء جاہلوی بدل حال مرابہ پایہء شائستگی بھرل عدم

انہوں نے فارسی کا آخری قصیدہ جس کا مطلع ہے ”خود اپنی تعریف میں کہا“

از کونکے نقوش کی خواہم خورشید را بدگر کی خواہم

ایک قصیدہ (۱۱) میں اس مضمون کو کہ حرم کے بجائے موضوع کی خاک پر سجدہ کرتا ہوں، اچھوتے طریقے سے بیان فرماتے ہیں:

خاک کوئیں خود پسند اللہ درجذب نکود
بھد از ہر حرم نگداشت دریمائے من
یعنی گل کی خاک کتنی مغرور اور خود پسند ہے کہ میرے ہاتھ پر حرم کے لئے ایک بھد بھی رہنے نہیں دیا۔
ایک اور شعر میں کہتے ہیں میں ممدوح کی تعریف کرنے میں عاجز ہوں۔ لہذا رنگ سے کیا حاصل۔ میں اس کام کو
چھوڑتا ہوں تاکہ عطار جو آسمان کا فقی ہے وہ آئے اور اس کام کو پورا کرے۔

عاجز چوں در شائے دست ہا رنگم چہ کار
ممدوح از غزل آئیکو عطار ہائے من
اردو کا وہ قصیدہ جو بلور شد غنیر کی حنائیں میں میرا غنیر کے سوچ پر گھسا گیا سر کے کا ہے۔ اس میں بلور شدہ
کی تعریف کے ساتھ ساتھ شاعر کے دل کی کیفیت حقیقی رنگ روپ میں اباگر ہوتی ہے اور ہمارے وجدان کو سوچتے پر
ابھارتی ہے۔ چند شعر ملاحظہ فرمائیے (۱۹)

ہاں م توئیں ہم اس کا نام جس کو تو جنگ کے کر دیا ہے سلام
وہ دن آیا ہے تو غنیر دم صبح کی انداز اور کی اندام
طرز میں تین دن نہ آنے کے لے کے آیا ہے عید کا عیام
اس کو بھولا نہ چاہئے کتنا صبح جو جاوے اور کوئے شام
ہے مجھے آرزوئے بخشش خاص کر تجھے ہے امید رحمت عام
مرزا غالب کے ایک ممدوح قصیدہ 'نعتیہ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے (۲۵)

کن بلبل کہ در چمنستان بجا خار
نور آتشین من چمن طرہ بہار
اس میں ایک جانب شاعر نے ظلمت کے ساتھ رسول اکرمؐ سے اپنی والدہ حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ ان
شعروں میں فنی عناصر کے مقابلے میں سادگی کا مضبوطی نواہ ہے۔ اور دوز جان میں فکر کی گمراہی کے برعکس جو
شاعری کے افکار کا خام ہے جذبات کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ دوسری جانب شاعر کے انفرادی تاثرات اور اس
کا احساس برتری، احوال کی پیمائش گاری، سیاسی اور معاشرتی حالات کی زوال پذیری اور ان کا رد عمل ملتا ہے۔
شاعری شخصی عظمت دیکھئے:

کن ممدوح کہ ساز نوای خیال من
غیر از کند چاقہ دل تراشت تار
کن کو کیم کو در تب و تاب نور شرق
اوج من از دیدن ی یاقی بقرار
غالب فرزند انسان تھے اور ان کی طبیعت کا اصل رنگ غم ہی تھا وہ تو بہار کو بھی "حائے پائے خزاں" ہی سمجھتے
تھے۔ اکثر تاری شاعروں نے غم کو عشق کے مقابلے میں حرف بے معنی سمجھ کر ٹھکرا دیا ہے۔ لیکن مرزا غالب جگر
خون کرنے کی لذت سے بھی آنکھ ہیں۔ مثنوی "مثنیٰ ہمد" میں ان کا وہ غم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ جسے وہ بہت
دستخ مثنیٰ پہناتے ہیں۔ وہ دل کے داغ کو صلا جتوں کے اباگر کرنے اور شخصیت کے ستارے کا سبب گردانتے ہیں۔
یہ داغ سرمایہ حیات ہے اور یہی ان کی شاعری کی مدح ہے۔ ان کی زبان سے نکلے (۲۶)

بدلتی غم آموز کار من است فزون عزیزوں بہار من است
 حق کر ازل در سرشت من است بود دواغ امانت من است
 بدی چلو کا عیشہ خورو است ظم غنر راہ حقن بود است
 من از خوشن بابل درد مند لوان غزل پر کشیدہ بلند
 خود از درد چناب و خود چاہہ بڑی خود آشفہ مغز و خود افسانہ گوئی
 کسم در حق کار قربانی نیست چہ بختدگی است المزای نیست
 روز دامن غم کہ دل افروز من چراغ شب و اختر روز من
 دلم بچو غالب چہ غم شاد باد بدی صبح ویرانہ آباد باد

جس طرح آسمان کے ستارے سورج کی آمد پر دم بڑھ جاتے ہیں، کھم جاتے ہیں، لو بجھل ہو جاتے ہیں، لیکن سورج کا مقدمہ ہمارے ان کی جان قبض نہیں کر سکتا اسی طرح غم و اندوہ کی بنا میں غالب کو بڑھ جانے کی بجائے ایک نیا کوروش بخشتی ہیں۔ وہ ایک ایسی روشنی جاتے ہیں جو صبح کے درجوں سے خود بخود بھڑکتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک ایسے نور کا سیلاب بکھٹے بکھٹے گنتے ہیں جو تاریک، سیاہ پوش رات کے چمن میں بھی وحشتناک ہوا مل پیدا کر دیتا ہے اور ان کی سوانحی 'خود داری' ملحق ہوتی بلند نظری اور فانی مصلحت کی راہ دیکھتے بغیر نہیں رہا جاسکتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

بدلی میں بھی وہ آزاد و خود ہیں کہ ہم اگلے بھر آئے در کعب اگر دانہ ہوا
 ہنگامہ زبانی است ہے اقبال حاصل نہ کیجئے دہر سے جہت ہی کیوں نہ ہو
 ی ستیزم یا قضا از دیہ باز طویش را بر قلع حواں ی زلم
 لب ہاشیر و فنجری کسم ہوسہ بر ساطور و پیکان ی زلم (8)
 برادی کہ دریاں غنر راعصا خضشت سیمہ ی ہرم راہ گرچہ پا خضشت (9)
 آنچہ خواں داو جز دوست محبوبان دل ست و آنچہ خواں ریزت جز دیوانی خواں آمیزت
 تاہر شوق بدان رہہ بچارت نمود کہ وہ انجیل و سہایہ بشارت نمود
 غالب شہ کوی تورچن تہنچ است کہ چہ شای فطہد چہ وزارت نمود (10)

مرزا غالب کی بذلہ سنجی اور تشنگی کے گل کھلائی ہے جب وہ شہر کے کوڑاں سے دشمنی کی بنا پر ایک مقدمہ میں ملوث ہوئے تو طبیعت عرافت کو ہاتھ سے جاتے نہ دیا۔ اسی سلسلہ میں وہ درد و کرب کے بیان کے بعد اپنی حالت کا یوں خاقی الماتہ ہیں۔

پاسپانان بچم آنجیہ کہ من ی اکیم در زخاں بکھاتہ کہ من ی اکیم
 ہر کہ دیدے چہ در فویش سپام گھٹے خیر مقدم ہر آنجیہ کہ من ی اکیم
 دوسروں کو دلتا، دوسروں پر ہنسا ہر انسان کا خاصہ ہے، لیکن اپنے اوپر خود ہنسا ہواں سبوں کا ہی فیض ہے۔

اور پھر طردِ عزافت کا کرشمہ یہ ہے کہ اس کے قاتلہ درہنگ پہ نظر نہ پڑے۔۔۔ مگر جائے کام اپنا لیکن نظرت آئے۔

اردو کے مصلح سے پتہ چل رہا ہے کہ مرزا نے قیامت کے موقع پر بھی قرطاب انداز اپنایا اور اعتبارِ ربیع اور تلقینِ مبر کے بجائے قیامت ناموں میں بھی دل کو لہوائے واسے لپٹنے لگے۔ عارف کے مروجہ میں کیا ہیں تم کوٹنے تھے ایسے کھرے دلو دستہ کے کرنا ملک الموت کاٹنا کوئی دن اور اپنے عزیز شاگرد و ہر گہاں قتلہ کو یوں ترک دنیا سے باز رکھتے ہیں "تہیں ترک لباس کرتے ہو۔ پٹنے کو قصاصے پاس کیا ہے جس کو اتار کر پھینک دو گے۔ ترک لباس سے قید اسٹی مٹ نہ جائے گی۔ بغیر کھانے پے گزارا نہ ہو گا۔ سخی و سستی و ربیع و آرام کو ہمارا کردہ جس طرح ہو اسی صورت ہر صورت گزرنے دو۔"

ایک اور خط میں یوں اپنی ذمہ داری کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں "میرا حال مجھ سے کیا پوچھتے ہو وہ ایک دن میں مسابوں سے پوچھنا۔" قتلہ کو تاکہ گولے اور غالب کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ مختلف ہے۔ گولے کی عظمت کا احساس جرمن قوم کی دماغی اور انگوروں کی عقیدت کا ہے لیکن پھر غالب جو گولے کی صلاحیت، تخیل اور قیامت کے حامل تھے ساری عمر اقتصادی لحاظ سے بھی پریشان رہے اور ذاتی طور پر بھی۔ ان کی قوم کو بھی ان کی عظمت کا وہ احساس نہ ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ تاہم غالب شاعری کے سلسلے میں مولانا حالی، ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری، شیخ محمد اکرام اور مولانا غلام رسول مرد فیروزے گرانقدر کام کیا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں ان کی صد سالہ برسی منانے کا قدر والی کا ثبوت بہم پہنچانے کی جو کاوشیں ہو رہی ہیں وہ یقیناً قابلِ قدر اور قابلِ ترمیم ہیں۔ اقبال کیا خوب فرما گئے

تھا سراپا مدح تو ہم خن کیلے ترا نصب محفل بھی رہا محفل سے پنہاں بھی رہا
دن کی مضر ہے تیری شرفیہ تحریر میں ناب گویاں سے جنہیں ہے لب قصور میں

حوالہ جات

- 1۔ گوگے (ای سنواری تک اسے میں) جلد اول و دوم۔ ڈوگ لیوینٹون (LUDWIG LEWISOM) نیویارک ۱۹۴۹ء گریٹ بکس تک ای وی ویٹری وورلڈ (گوگے جلد نمبر ۴۷) لندن ۱۹۵۲ء
- 2۔ گلیاتِ غالب گھنٹہ ۱۹۷۵ء صفحات ۳۲۷ تا ۳۲۹ کل اشعار ۵۷
- 3۔ گلیاتِ غالب ص ۳۲۱
- 4۔ دیوانِ غالب۔ لاہور ۱۹۷۵ء صفحات ۱۱۱ تا ۱۲۱
- 5۔ گلیاتِ غالب۔ ص ۳۲۱
- 6۔ گلیاتِ غالب ص ۱۵۱ تا ۱۵۳
- 7۔ گلیاتِ غالب صفحات ۳۲۱ تا ۳۲۳

ڈاکٹر وحید قریشی

خوف زدہ غالب اور عصری صورت حال

غالب کی ذاتی زندگی اور حقیقی زندگی کے درمیان واسطے تھے۔ ان کا مضمحل ماحول ایک امیرزادے کا تھا۔ ابتدائی ناز و نعمت کے ساتھ ساتھ احساسِ قیاس اور چھپاؤ کا خوف دونوں اوسنے سروں میں بات کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ان حالات میں وہ ایک بہت اونچا کنیز پیل تراشنے پر مجبور ہیں۔ اس کنیز پیل کا ظاہری خاکر جاگیردار طبقے کے میاںوں کے مطابق ہے۔ غالب دینا اسی جاگیردار طبقے کے فرد تھے۔ ان کی آرزوؤں نے ایک مثالی دنیا بنائی تھی جسے اپنی ذات کے گرد سمائے رکھنے کا شوق انہیں طرح طرح کے نقوش بنانے پر مجبور کرتا تھا۔ انہیں کسی جہن کرنے پڑتے تھے۔ اپنے اہل و عیال کی مالی بے بسی کے بار بار ذکر سے دراصل وہ اپنے آپ کو یہ بارو کرانے کی سعی کرتے تھے کہ وہ حاکم نسل سے ہیں۔ برتری کے خیال سے جو فی لاصل احساس کمتری ہی ہے وہ اپنی روزمرہ کی زندگی کو حقیقت میں بدلنے کے لئے مظاہر شان و شوکت کو گھر پر جاری کرنے کے لئے قرض کا سارا لینے۔ قطع نظر اس کے کہ غالب کے گھریلو اخراجات اس میاشی کے مقفل نہیں ہو سکتے تھے، مگر بحرِ خوف نے ان کا چہرہ نہیں چھوڑا۔ سب شاید یہ تھا کہ ابتدا میں غالب کو نسل کے خالی دم و دم پر پلٹا پڑا اور دیگر افراد خاندان کے مقابلے میں کم حیثیتی کا آسیب ان کو دہستا رہا۔ اور غالب کا اپنے بارے میں وہ یہ زیادہ اہم ہو گیا۔ وہ معنی کی طرح اپنی شاعری میں بار بار اپنا ذکر کرتے گئے۔ ابتدا میں ہیل لیکن بعد میں معنی غالب کا پسندیدہ شاعر تھا۔ شاعری میں محبوب کی بجائے اپنی ذات اہم ہو گئی۔ مولانا حالی کا کہنا ہے کہ غالب عام راستے سے ہٹ کر چلے تھے۔ انہوں نے وہ شعری اسلوب وضع کیا جس کا اثر قوی بظاہر ذاتی نا اہلی کو سمجھا جاسکتا ہے۔ غالب کا شعری سرمایہ اسی ذاتی نا اہلی کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے۔ خود حس غالب کے ہاں یہ حالت زیادہ محدود تھی، ہو جاتی ہے۔ جذباتی زندگی کا مسلسل مددگار غالب کو بے قرار رکھتا ہے۔ اس کی شدید ترین شکل وہ ہے جب وہ اپنی ناقصیت کے خلاف ہر سطح کی منتقلی کرتے ہیں۔ معرکہ ٹکٹ سے لے کر بہانہ قاطع کی بحث تک ایک جذباتی رد عمل چھلپا ہوا ہے۔

ذاتی عموماً کس حد تک اس آتشِ بیانی کا باعث ہیں؟ نا اہلی کا یہ حقیقی اعداد غالب کی جذباتی اور جنسی عموماً کا ہے تو سمجھا جائے تو زندگی کو عصری حوالے سے دیکھنا ضروری ہوگا۔ کلام غالب میں سیاہ اور سرخ رنگوں کا بکثرت استعمال ان کی جنسی نا اہلی کا بالواسطہ اعداد ہی تو ہے۔ بچپن کی شادی یودی کے اعزہ کا عموماً طرز عمل "اولاد سے عروسی کے پے در پے صدقات اور گھر دامادی سے فرار کی جذباتی نوعیت واضح ہے۔ یہ حالات کس حد تک حقیقی تھے؟ اور کہاں تک غالب کی ذاتی اضطراب کا رنگ اس میں شامل تھا جو انہیں مہاتوں کی حدود تک لے گیا؟ اس

کی نشاندہی ممکن نہیں۔ خود طلب بات بھی ہے کہ غالب کی داخلی الجھن جب خارج میں آئی تو میانے کا عنصر ذاتی رد عمل کے طور پر رواں چا گیا۔ انہیں عمر بھر یہ حال رہا کہ زندگی میں ان کی مناسب قدم و حرکت نہیں ہوئی۔ ان کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد ان کی شہرت کی نسبت آئے گی حالانکہ غالب کا شمار اپنے عہد کے اہم شعرا میں ہوتا تھا۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ شہرت کا معیار وہ نہ تھا جس کے غالب خواہش مند تھے۔ انہوں نے اپنے طرز عمل سے یہی ثابت کیا کہ وہ مظلوم ہیں اور ان کی خدمات کا اعتراف نہیں کیا گیا۔ نا آسودگی کا مرکزی نقطہ بھی احساس ہے جس نے انہیں داخلی اضطراب میں لا رکھا۔ ان کی سوچ کا یہ دھارا باخول سے بھی منسلک ہے۔ محلِ قلعہ میوڑی سے رو بہ زوال تھا۔ بارود شہ قشری شان و شوکت جو شعرا نے بیان کی ہے اور وہ جو تاریخ بتاتی ہے دونوں میں عین فرق ہے۔ اصل زندگی اور زندگی کے بارے میں آئینہ دل پسندی کے مابین فاصلوں کا احساس خوب اور تاریخ کو آئے سامنے رکھ کر ہی ممکن ہے۔ لال قلعے کی سابقہ شان اور عصری حالت میں فرق تھا۔ خلعتوں کی تقویض بجا لیکن معیار خلعت گر گیا تھا۔ غل اٹھی کا اقتدار، اندلی تپالم، انگریز جسے وعید خواہ کہتے تھے۔ شہنشاہ کی نظر میں وہ خراج تھا۔ یہ دیکھ کر تو قدرت کی ستم عریفی کا قائل ہونا ہی پڑتا ہے۔ شعرائے عصر سابقہ حتمی زندگی اور حالیہ اصل زندگی کے درمیان تحلیل کی حد سے محسوس نظر آتے ہیں۔ غالب اپنی معاصرین کی نسبت زیادہ حساس تھے اس لئے ان کے ہاں شطوری کا یہ مظاہرہ زیادہ بلند ہے جس میں غم کی لہر بھی ہے۔ غالب خواب تو نہ تھے لیکن اپنے آپ کو عمر بھر خواب ہی سمجھتے رہے ان کا کمرانا معمولی تھا لیکن آئینہ دل سرسالی تھا۔ غالب کے باہر انرا بات ان کے وسائل سے زیادہ تھے۔ اب اس دہے کی توجیسہ بظاہر یہی ہو سکتی ہے کہ غالب کے اصل حقائق اور آئینہ دل کے درمیان بہت فاصلہ ہے۔

۱۸۵۷ء سے قبل جدید مغربی اثرات ظاہر ہونے لگے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی جہازیں پالیسی کے سبب ابھی بڑی بڑی تبدیلیاں تو نہیں آئی تھیں اور نہ ایک فصل جلتے کے طور پر درمیانی جلتے کا الگ سے تصور ہی ہوا تھا۔ حتمی سطح پر تبدیلی کا احساس غلی غالب کو تھا۔ انہوں نے مغربی تمدن کی برتری کو یہ فکر استہسان دیکھا اگرچہ اس طرح نہیں جس طرح سرسید امرو خان اور ان کے رفقاء نے دیکھا۔ شعر و ادب میں وسعت کی خواہش تو غالب میں ہے لیکن موضوعات میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ملتی۔ دوسرے یہ ان کی زندگی کا آخری دور تھا جب ذاتی غم و الم میں وہ ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔ غالب کا انتقال (عصری شادیوں کے مطابق) حرکتِ قلب بند ہونے سے ہوا جس کا بنیادی سبب نیا بیض کا مرض تھا۔ وہ بد پرہیز بھی تھے۔ آسوں کے بکھرتے استہلال نے ان کے ہاں شکر اور نصیحتہ فکار خون کا درجہ بلند کر رکھا تھا۔ ان کی قوتِ مدالعت اوجیز عمر کے آخر ہی میں ختم ہو چکی تھی اس لئے غالب کی زندگی کے آخری ایام کی امراض کی بنا پر جیونی زندگی سے بہت حد تک کنارہ کشی اور ذاتی افکار میں گم ہو جانے پر مبنی تھی۔ اپنی بے بسی اور بے چارگی پر غالب کڑھتے تھے اور بعض اوقات ان کی جھلاہٹ طرزِ رمی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اب وہ اپنی مصنوعی امارت پر استہزائی جملے جاری بھی کرتے تھے۔ اس اعصابی انحطاط میں ممکن ہے جگر کی خرابی کا بھی حصہ ہو لیکن اس کے جیونی شواہد نہیں ملتے۔ وہ اپنی ذات کے خول میں سمٹ کر رہ گئے تھے۔ غصے کا دھماکا حریف ہے۔

جب برطانوی اقتدار کی آنکھیں کھل رہی تھیں غالب کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ تاجِ برطانیہ کو اقتدار کی منتقلی

ان کی زندگی کے آخری ایام میں ہوئی لیکن پوری زندگی تو قیوں و سخی ہی میں بسر ہوئی۔ غالب کا شعور جدیدیت کا احساس غلی رکھتا تھا لیکن نئے طرز احساس کے بلوجود غالب قیوں و سخی کے تمدنی افکار کے نمائندے تھے۔ ان کی شاعری قدیم تمدنی زندگی کی عکاس ہے۔ انسان کا جو دیگر غالب کے ہاں ملتا ہے اس میں اس کے دو عمل کی وجہ سے ایک نزاع ہے۔ ایک احتجاج ہے 'آزادی ہے' حرارت ہے۔ غالب نے زندگی کی موسم حق کے دنوں سروں کو جلا کر رکھا اس لئے ان کا لہر رواں چلا اور دلی نہیں بلکہ اس میں تجربے کی تہہ داری ہے۔

غالب نے شعری روایت کو مقامیت سے نکال کر دوبارہ وسط ایشیائی تمدنی شعور سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کی۔ ان کا شعری انسان تمدنی لحاظ سے ایران اور وسط ایشیا کا باشندہ ہے 'ماضی قریب کی بجائے ماضی بعید میں لٹکی گئی یہ جست اصل عورت اعتماد میں' یہ اپنے آپ کو زمانی لحاظ سے 'دوسری دنیا میں لے جانے کا عمل بھی ہے' یہ ایک تخلیقی زندگی ہے۔ مادی زندگی سے نکل کر تخیل کی دنیا میں بس جانے کا عمل ہے۔ نفس مادی حقائق سے گرنے کی صورت یہ بھی تو ہے کہ انسان ذہنی زندگی بسر کرنے لگے۔ اسی دنیا میں غالب کے لئے اپنی انا کی بہتر طور پر پروا نہ تھی مگر یہ تو بالائی زیادہ صحت مند سے سرگرم سفر نہ تھی تھی۔ ماضی قریب سے ماضی بعید کا جو ذہنی سفر غالب کے لئے آزادی کا پیغام لایا اس شعور آگہی میں یہ احساس بھی نمایاں ہے وہ ایران کی زبان میں یعنی اپنے 'ہاکی زبان میں شاعری کر رہے ہیں اور گردہ پیش کے تمدنی اور تمدنی اثرات سے آزاد ہیں۔ غالب ہندی فارسی شعری روایت کے مخالف تھے' یہ 'دوسری بات ہے کہ وہ مہاجر اس سے دامن بھی نہ بچا سکے۔ وہ ہندی فارسی گو شعرا کو حقیر جانتے تھے۔ تخلیقی سطح پر ایرانی بھی قرض لیتے ہیں۔ ان کی تھریں و ساجرہ خاص فارسی مثری نمائندہ کتاب ہے لیکن خود غالب کی تزیینات و تزیینات کے تیزی اسلوب سے الگ نہیں۔ لسانی امتیاز سے غالب ان سب خرابیوں کے پیچھا کرتے جو ہندی نزاع اور ہاکی فارسی میں پائی جاتی تھیں۔ انہیں اپنا شخص اردو شاعری میں نہیں فارسی شاعری ہی میں ملتا ہے اور وہ اسی پر باز کرتے ہیں۔۔۔۔۔ حالات سے گریز کی یہ صورت غالب کو زندگی کے بعض پہلوؤں سے الگ نہیں کرتی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ کو دیکھ کر وہ دلی کی چابی کا نوحہ کرتے ہیں۔ اور اس صورت حال میں خوف اور وحشت ان کے ہاں بڑی نمایاں ہے۔ خوف نوحہ غالب جب زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہے تو خوف کی ایک لہر اس کے سارے وجود کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ یہی خوف غالب کو بار بار تخیل کی جگہ بھرنے پر مجبور کرتا رہا اور آخری زندگی میں اس میں خوف و ہراس کے ساتھ ساتھ بالائی اور ذہنی کا احساس بھی شامل ہو گیا۔ زندگی سے بیزاری اور ماحول سے اطمینان میں ان کی گرتی ہوئی صحت کا دخل بھی ہو گیا غالب کی زندگی کی تہیوں میں اضافہ ہو گیا اور وہ اپنی بالائی پر بعض اوقات جھلانے بھی لگے۔

ذہنی وقایع و بچار کی کمزوری کا احساس انہیں بار بار تلخ لڑائی پر مجبور کرتا ہے ایسے میں عصری صورت حال کا نوحہ کچھ زیادہ ہی بلند ہوتا چلا گیا۔ جس کے حصار میں وہ مہاجر عاقبت ڈھونڈتے اور حاصل کرتے رہے آخر میں یہ کوشش عاقبت بھی غالب کو سکون اور اطمینان عطا نہ کر سکا۔ غالب بھر کر رہ سکے۔ مالی مشکلات نے انہیں بے دم کر دیا اور وہ حصول در کے لئے اولیٰ سے اولیٰ انداز اختیار کرنے پر بھی مجبور ہوئے۔ غالب نے تخیل کے جو تہی محل بنائے آخری

ایام میں مسار ہو کر رہ گئے اس کا اکتھار غلطو میں ہوا ہے۔

اندو سے لوٹ کر وہ جانے کا یہ عمل غالب کی زندگی کا آخری اندوہناک باب ہے۔ وہ کرب کے اسیر ہیں اور احساس گناہ بندھ گیا ہے۔ اس کو توجہ غالب کی شخصیت کے بنیادی عناصر کے حوالے ہی سے ممکن ہے جس میں انا کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔ باقی بڑا ٹک وقت انگریز کی توصیف اور دلی کی جہی الفوس ——— عقلی طور پر وہ انگریز کے حامی اور جذباتی طور پر قدیم معاشقہ افکار کے نام لیا تھا۔ یہ عقلی اور جذباتی آویزش ان کے دہرے دھڑکے کا سبب ہے جس میں انگریز کا ڈر اور خوف بھی تھا اور صدق دل سے وہ ابو ظہر مبارک کے ٹاٹوں بھی تھے اس سے ان کے ہاں غم کا عنصر زیادہ شدید ہو گیا جس سے شخصیت کی لوٹ پھوٹ بھی شدت اختیار کر گئی۔ کسی حد تک یہ سکون دہے صرف مذہبی واردات کے حوالے سے غالب کے ہاں آئے ہیں لیکن ان کا دائمی شخصیت کا صرف محدود حصہ ہے۔ ان کی ذات کرب سے زیادہ حنا ہے۔



ڈاکٹر آفتاب احمد

غالب کے زمانہء اسیری کی یادگار نظم

ادب کی تخلیق میں جیل خانوں کا بھی حصہ رہا ہے اور سوچنے تو دنیا میں کتنے اپنی شکاروں نے جیل خانوں کے گوشہ ہائے تنہائی میں جنم لیا ہے۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ ہو کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں ادیب اور شاعر کو کار جہاں سے وہ نکل فراغت نصیب ہو سکتی ہے کہ جہاں اس کے فطری تقاضے یعنی صبر آورد ہرچہ اندر سینہ وادی کے لئے صبر کا کام رہتی ہے۔

قید و بند کے سلسلے میں اردو کے شاعروں اور ادیبوں کا ذکر ہو تو ابوالکلام آزاد، محمد علی جوہر، ظفر علی خان، حسرت موہانی اور فیض احمد فیض کے نام اور ان کی اسیری کے زمانے کی تحریروں کے نام تو اکثر لوگوں کو فوراً یاد آ جائیں گے۔ مگر ان سب لوگوں کو شاید فوراً یاد نہ آئے کہ غالب بھی اس دمرے میں شامل ہیں۔ اگرچہ جیسا کہ ابھی بیان ہو گا ان کی قید کی وجہ بالکل مختلف تھی اور اسی لئے اس اصطلاح غالب کے دل و دماغ پر بالکل مختلف قسم کے نقوش چھوڑے تھے۔ نیز یہ کہ اس زمانے کی یادگار غالب کا ایک قاری ترکیب بند ہے۔ صرف غالب کے کلام ہی میں نہیں بلکہ شاید دنیا بھر کی جہالت میں ایک منفرد اور بلند پایہ نظم کی حیثیت رکھتا ہے۔

اب تک غالب کی اس نظم کا جسے "حبیبہ" بھی کہا گیا ہے کوئی تفصیلی اپنی جائزہ نہیں لیا کیا یا کم سے کم میری نظر سے نہیں گزرا۔ حالی نے اسے غالب کی "عمود ترین عالیہ نظموں" میں شمار کرتے ہوئے سب سے پہلے "یادگار غالب" میں اس نظم کا تعارف کرایا اور اس کے مختلف بندوں میں سے کچھ کچھ اشعار بھی نقل کئے۔ غلام رسول مرصاحب نے بھی اسے "ایک بزمین نظم" کہا ہے اور چونکہ یہ عام طور پر دستیاب نہیں تھی اس لئے اپنی کتاب "غالب" میں اسے مکمل صورت میں درج کر دیا ہے۔ شیخ محمد اکرام صاحب نے "غالب نامہ" میں "عارفہ اشیری" کے باب میں اس نظم کا ذکر کرتے ہوئے متعدد اشعار کا حوالہ دیا ہے مگر مجموعی حیثیت سے نظم پر کسی خاص تنقیدی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ بالکل راجح صاحب نے "ذکر غالب" میں اسے "شکاری نظم" کے سہائے میں پیش کیا اضافہ قرار دیا ہے اور طعنائی کے خیال میں یہ "جان و تن کی آزادی طلب کرنے والے شاعر کا ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال دنیا کی بڑی بڑی نہاؤں میں مشکل سے ملے گی۔" مگر ان میں سے کسی نقاد نے بھی محلولہ بلا توصیفی جملوں کے سوا اور کچھ نہیں لکھا۔ سید وزیر الحسن عابدی صاحب نے اپنے مرتب کردہ نسخہ "مسجد مبین" میں اس ترکیب بند پر حاشیہ لکھتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ "غالب کی شخصیت اور لغزوں کے مطالعے کے لئے ان کی اس شعری تخلیق کا موطا تنقیدی جائزہ مست مفید ہو سکتا ہے اور غالب کی شاعری میں ایک نئے موز کا سراغ لگانے میں مدد

دے سکتا ہے کہ کسی طرح یہ حادثہ "خافہ روئے ہنر" ثابت ہوا۔

اس سے پہلے کہ میں اس ترکیب بند کے بارے میں کچھ عرض کروں۔ صاحب معلوم ہوتا ہے کہ میں غالب کی امیری اور اورو کے دوسرے انہیوں اور شاعروں کی امیری کے بنیادی اور امتیازی فرق کی وضاحت کرتا چلوں۔ غالب کی قید اس قسم کی قید سے بالکل مختلف تھی جو ہمارے دوسرے شاعروں اور انہیوں کے حصہ میں آئی۔ یہ شاعر اور ادیب اپنی ایسی کارگزاریوں کی وجہ سے محبوس ہوئے جو حکومت وقت کی نظر میں تو تکلفی تھیں اور واجب سزا تھیں مگر ادیب وطن کی نظروں میں بڑی قدر و منزلت رکھتی تھیں۔ ان کارگزاریوں میں خواہ ان کی نوعیت ادبی ہو یا سیاسی، ایک شائبہ بغاوت ایک شیوہ حسرت پسندی پایا جاتا تھا۔ اس لئے ان کی سزا باعث تک و عار ہونے کی بجائے سرمایہ ناز و افتخار سمجھی جاتی تھی۔ امیری ان انہیوں اور شاعروں کے لئے یکسوئی اور فرصت کا نفاذ بن کر آتی تھی جسے وہ اپنے پسندیدہ وطنی و ادبی مشغلوں میں صرف کرتے تھے اور جب وہ جیل خانے سے رہا ہوتے تھے تو ایک آدھ کتاب کا سہارا اپنے ساتھ لاتے تھے ضروری نہ تھا کہ اس سہارے کا جیل خانے کی زندگی سے کوئی علاقہ بھی ہو، اس لئے کہ ان انہیوں اور شاعروں نے اپنی قید و بند میں نگہیں ہوئی تحریروں میں کبھی قید و بند کے تجربے کو منصفہ موضوع نہیں بنایا اور اس کا ذکر عموماً "مصلح سرسری طور پر کیا" سوائے فیض کے کہ جن کا ناز و امیری کا کام واقعی زندگی بسر ہے اور جس میں جیل خانے کی فضاء شاعر کی اپنی جذباتی فضاء یعنی تھائی اور اس قسم کی دوسری کیفیتوں کے اعتبار کے ساتھ ساتھ اپنے عزم و حوصلہ اور اپنے مسلک پر یقین و اعتقاد کا ثبوت لیا ہوا ہے لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا، غالب کی امیری کا معاملہ بالکل مختلف تھا۔ ان کو کسی سیاسی وجہ سے نہیں بلکہ ایک انتظامی جرم کی پاداش میں سزا سمجھتی پڑی تھی۔ حلی نے اس عاقبت کی تفصیلات کچھ اس طرح بیان کی ہیں کہ ۱۸۸۳ء میں چو سر کے ساتھ کچھ بدکر کھینچنے پر قمار بازی کے الزام میں غالب پر دہلی کی انگریزی عدالت میں فوجداری مقدمہ چلایا گیا۔ بعض معاصران شہادتیں کی بناء پر اور خود مرزا کے اپنے قول کے مطابق دشمنوں اور حاسدوں کی فتنہ پردازوں کے باعث ان پر یہ اعتلاء آئی۔ بادشاہ تک نے سفارش کی مگر کارگر نہ ہوئی اور غالب کو چھ مہینے کی قید با مشقت اور دو سو روپے جرمانے کی سزا ہو گئی۔ یہ امیری ان کے لئے جسمانی اذیت بھی تھی اور مدد ملی کو فتنہ بھی۔ تین مہینے گزرے تھے کہ رہائی کا حکم صادر ہو گیا۔ اپنی گرفتاری اور رہائی کا سارا حال مرزا نے اپنے ایک فارسی خط میں لکھا ہے۔ حلی نے "یادگار غالب" میں اس خط کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے جو درج ذیل ہے:

"کوئٹل دشمن تھا اور مجھ کو باغی فتنہ گشت میں تھا اور سزا مردہ میں" بادشاہ نے کہ مجھ کو قاتل کا حاکم ہے، میرے باپ میں وہ کوئٹل کا حاکم بن گیا اور میری قید کا حکم صادر کر دیا۔ عیش و عشرت جی ہاں جو یہ کہ میرا دوست تھا اور بیش مجھ سے دوستی اور مہمانی کے برتاؤ برتا تھا اور اکثر صحبتوں میں بے تکلف ملتا تھا، اس نے بھی افاض اور تھاقص اختیار کیا۔ حدود میں اڑی کیا گیا، مگر کسی نے نہ سنا اور وہی حکم بحال رہا۔ پھر معلوم نہیں کہ کیا باعث ہوا کہ جب آدھی سزا گزر گئی تو مجھ کو رہا کر دیا اور صدر میں میری رہائی کی رپورٹ کی اور وہاں سے حکم رہائی کا آگیا اور حکام صدر نے ایسی رپورٹ بھیجی کہ اس کی بہت تعریف

کی" سنا ہے کہ دم دل جانوں نے مجھٹھ کو بہت غریب کی اور میری خاکساری اور آزارہ دہی سے اس کو مطلع کیا" یہاں تک کہ اس نے خود بخود میری رہائی کی درخواست بھیج دی۔ اگرچہ میں اس وجہ سے کہ ہر کام خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور خدا سے لڑا نہیں جاسکتا" ہر کچھ گزرا اس کے تنگ سے آزارہ اور ہر کچھ گزرنے والا ہے اس پر راضی ہوں" مگر آرزو کرنا آئیں عیون کے خلاف نہیں ہے۔ میری یہ آرزو ہے کہ اب دنیا میں نہ رہوں" دوم ہے" صبر ہے" امیران ہے" بدوا ہے" یہ بھی جانے دو" خود کب آزاروں کی جانے پناہ اور استاذہ رحمت اللعالمین وراہوں کی تکلیف گاہ ہے۔ دیکھئے وہ وقت کب آئے گا کہ وراثت کی قید سے زیادہ جان فرسا ہے" نہایت پاؤں اور بغیر اس کے کہ کوئی ضعیف مقصود قرار دوں" مرصعہ انگل جانوں۔ یہ ہے ہر کچھ کہ مجھ پر گزرا اور یہ ہے جس کا میں آرزو مند ہوں۔"

یہاں یہ ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ غالب کا یہ خط جو ایک تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے فارسی خطوط کے مجموعے میں شامل نہیں۔ اس کی اشاعت میں بھی غالب کے وہی مزاج اور دوست حاکم ہونے ہوں گے جنہوں نے حال کے بیان کے مطابق "جسبہ" کو ان کی کلیت فارسی میں چھپنے نہیں دیا تا آنکہ اس مو آزارہ رو یعنی غالب نے کہ جس کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب تھی مرنے سے کسی قدر پہلے اسے اپنے مجموعے "سبدچین" میں شامل کر دیا اور یوں وہ تنگ ہونے سے بچ گیا۔ ظاہر ہے کہ ان میں اور دوستوں نے "جسبہ" اور قید کے بارے میں غالب کے خدا کی اشاعت کو اسی خیال سے روکا کہ غالب کی اپنی کسی تحریر کی غیر موجودگی میں آخر کو یہ واقعہ غیر صدقہ سمجھ کر فراموش کر دیا جائے گا اور غالب کے سوانح کا حصہ نہ بنے پائے گا۔

بہر حال اب تو اس واقعہ کے متعلق غالب کے اپنے بیان کے علاوہ کئی ایک اور بیان بھی ملاحظہ ہر آچکے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اگرچہ نقادین نے غالب کے "جسبہ" کا کوئی اہل جائزہ پیش نہیں کیا مگر محققین نے غالب کی گرفتاری اور اسیری کے بارے میں خوب خوب وار تحقیق دی ہے اور معاصرانہ اور دوسری شہادتوں سے جملہ تفصیلات مہیا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مرصعہ نے تو اس ضمن میں مولانا ابوالکلام آزارہ کا ایک خصوصی قوت بھی درج کیا ہے جس میں ایک جگہ مولانا لکھتے ہیں:

"خواجہ صاحب (عالی) نے اس معاملے کو اس رنگ میں ظاہر کیا ہے کہ گویا کوئی بہت نہ تھی۔ محض جو سر اور شہرے کا شوق تھا اس شوق کی تحویل کے لئے برائے نام کچھ بازی بھی بد لیا کرتے تھے۔ کو قاتل چونکہ دشمن تھا اس لئے قمار بازی کا مقدمہ بنا دیا۔ حالانکہ اصلیت بالکل اس کے خلاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ پورا قمار بازی کا معاملہ تھا اور نواب امیر الدین مرحوم (والیہ لہارہ) کے لشکروں میں مرزا نے اپنے مکان کو ہوا بازی کا اڈا بنا رکھا تھا۔"

اس کے بعد مولانا نے غالب کی گرفتاری کے متعلق ذاتی محسوس کے دوران سر امیر الدین کی بتائی ہوئی تفصیلات بیان کی ہیں اور آخر میں اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے:

"اس سلسلے میں واقعہ کا ایک پہلو ضابطہ عبرت انگیز ہے جس کی تفصیلات مجھے خواجہ حالی مرحوم سے معلوم

کپڑوں میں جو نہیں بننے کے ٹانگوں سے سوا ہیں

ای وقت ڈاکٹر صاحب نے گورنمنٹ کو چھٹی لکھ کر دیا کہ دیا۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اپنے مضمون "غالب اور حلیہ امیری" (نقشہ۔ سال ۸۳ اگست ۱۹۶۷ء) میں اس معاملے کو نئے سرے سے کھنگالا ہے۔ انہوں نے ایک اور معاصرانہ شہادت "دلی اردو اخبار" کی حد سے یہ ثابت کیا ہے کہ غالب ۱۸۳۷ء سے پہلے ۱۸۳۱ء میں بھی قمار بازی کے الزام میں گرفتار ہوئے تھے مگر قید سے بچ گئے تھے۔ ڈاکٹر نارنگ عاصی دہلوی کے بیان اور دوسری معاصرانہ شہادتوں کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ غالب قمار بازی کے مرتکب تو ہوئے تھے مگر گرفتاری کی تمام توجہ یہ نہیں تھی جیسا کہ مولانا آزاد کے بیان سے صریح ہوتا ہے۔ خصوصاً ان حالات میں کہ جب خود مولانا آزاد ہی کے قول کے مطابق شر کے رنکس دانوں کے دماغ خانوں میں یہ دم عام تھی۔ کو قتل کا فظ غالب کو نثار عتاب پہناتا، غالب سے ذاتی عداوت ہی کی بناء پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اس امر کی تصدیق غالب اور عاصی دونوں کے بیانات سے ہوتی ہے۔ حالانکہ عاصی سے غالب کے ساتھ کسی رعایت یا ہمدردی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس واقعہ سے متعلق اس کی نثر اور قطعہ تاریخ کے انداز اور لب و لہجہ سے توصیف ظاہر ہے کہ وہ غالب کی راست و رسوائی سے بہت لطف اندوز ہو رہا ہے۔ حیرت ہے کہ اس بین ثبوت کے بعد بھی ڈاکٹر نارنگ کے نزدیک عاصی کو غالب کا مخالف یا بدخواہ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے اکرام صاحب پر جو لے دے کی ہے وہ بہت دلچسپ ہے:

"شیخ محمد اکرام نے "غالب نامہ" میں عاصی کی عبارت کو "قید" کے ذیل میں درج کیا ہے لیکن قطعہ تاریخ نہیں میں کیا۔ اس سے متعلق ان کی رائے یہ ہے:

"شاید عاصی، غالب کا دل سے قدردان اور یہی طواغیت تھا۔ چنانچہ جو قطعہ تاریخ اس نے لکھا ہے، اس سے غالب کی صریح توہین ہوتی ہے۔"

"میں سو تک "غالب نامہ" غالب پرستی کا نشانہ ہو گئے ہیں۔ یہ منطقی خوب ہے۔ چونکہ عاصی کے قطعہ تاریخ سے "غالب کی صریح توہین ہوتی ہے۔" اس لئے ان کے بیان کو ناقابلِ اقتنا قرار دے دیا جائے۔ صداقت ہمیشہ سچا ہوتی ہے اور اگر ایک شخص نے غالب کے واقعہ قید سے متعلق جی باتوں کو صاف صاف بیان کر دیا تو اسے غالب کے قدردانوں اور یہی خواہوں کے ذمے سے خارج کرتے ہوئے اس کے بیان کی اہمیت کو کم کرنا کہاں کا ادبی انصاف ہے۔"

سوال یہ ہے کہ اگر اکرام صاحب نے عاصی کی عبارت نقل کی ہے تو پھر یہ کہا کہاں تک بجا ہے کہ انہوں نے عاصی کے بیان کو "ناقابلِ اقتنا" قرار دے دیا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اکرام صاحب نے اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے صراحتاً یہ لکھا ہے کہ اس سے "گرفتاری کے واقعہ پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے۔"

بہر حال یہ واقعہ اتنا خلت تھا کہ اس نے غالب جیسے مضبوط اعصاب کے آدمی کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ اپنی ہے آمدنی اور رسوائی کا احساس تو غالب کے اس غلے کے آخری حصے سے عیاں ہے جو اوپر نقل ہوا ہے یا مختصر طور پر لکھتے

کے نام ایک خط کے ان الفاظ سے کہ ”سرکار انگریزی میں بڑا پایہ رکھتا تھا۔ رئیس زانو میں گنا جاتا تھا۔ پورا خلعت پاتا تھا۔ اب بدنام ہو گیا ہوں اور ایک بڑا دھبہ لگ گیا ہے۔“

مگر یہ وہ تاثرات ہیں جو ذاتی سطح پر غالب کی سلبی حیثیت اور رچے کے کسی بھی شخص کے ہو سکتے ہیں۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ اس حادثے کے دوران تحقیقی سطح پر شاعر غالب کے دل و دماغ پر کیا گزری اور اس نے اسے کس رنگ میں محسوس کیا۔ اس نظم کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا پورا متن نکلنے سامنے رہے۔ لہذا میں اسے ذیل میں درج کر رہا ہوں۔ یوں بھی ”سہدھن“ کہ جس میں یہ متن پہلی بار چھپا تھا بہت کم باب ہے اور مرصع صاحب کی ”غالب“ کہ جس میں اسے نقل کیا گیا تھا اب ٹایپ۔

ترکیب بند

(۱)

- ۱۔ خوام از بند بہ زناں غنی آواز کنم
غم دل پرودہ روی کرد' فغان ساز کنم
- ۲۔ توائے کہ دمخواب چکاندہ غریب
خوشن راب غنی دوسرہ پرداز کنم
- ۳۔ در غرائی بہ جہاں سیکدہ بنیاد نیم
در اینری بہ غنی دعویٰ و اجاز کنم
- ۴۔ بے مشتت نہ و قیہ بہ شعر گویم
درد کے چند دمن آہیہ آواز کنم
- ۵۔ چون سراپم غنی' انصاف زجرم خوام
چون توہم غریب' اندیشہ دفااز کنم
- ۶۔ آچہ افسون بہ خود از بیت صیاد دم
آچہ غنم در بگر از صرت پرداز کنم
- ۷۔ بار دیرند قدم رنجہ ملہا کا منجا
کن مگجہ کہ تو در کوی دمن باز کنم

- ۸- ایست نامازی طالع که به من مگردان
با خود شکوه گر از طالع ناماز کنم
- ۹- اهل زندان به سر و چشم خورم جاداند
آپیدی صدر نشینی چه قدر ناز کنم
- ۱۰- بله دزدان گرفتار، وفا نیست به شر
ظیفین را به شا ادم و هراز کنم
- ۱۱- من گرفتارم و این دانه دانه، تن زن
در خن پیروی، شیوه انجاز کنم
- ۱۲- هرچه توقع گرفتاری، جادیم نیست
لیکن از دهر دگر خوشی امیدم نیست

(۲)

- ۱- شیخ هر چند به هر ذلوت آسان سوزد
خوشر است که بر نفع در ایمان سوزد
- ۲- خود من هرزه میسوزد، دگر سوزنی ست
بگفتاری که در مجرم سلطان سوزد
- ۳- خانه ام ز آتش بیدار شد و سوخت و ریغ
سوزن داشت نضعیکه شبستان سوزد
- ۴- منم آن خسته که گر زخم بگر بضم
بر من از مر دل گهر و سلطان سوزد
- ۵- منم آن سوخته خرمن که از انباده من
نفس دایره رانین و دهقان سوزد
- ۶- منم آن قیس که گر سوی من آید لیلی
همل از شعله آواز پدی طوان سوزد

- ۷۔ تاجنامہ گزرو روز پہ شمشاد دریا
از چراغی کہ عین بر در زنداں سوزد
- ۸۔ تم از بند در اندر دقیقیاں لرزد
دل از درد بر اندر اسیران سوزد

- ۶۔ ماضی خاک پہ پاشیوں خون تازہ سمید
دلق خاند فرانیہ کہ من ی اکیم
- ۷۔ چون من اکیم شمشاد شکر گردان نہ دوست
زین پس واژہ فانیہ کہ من ی اکیم
- ۸۔ بان عزمان کہ درین کلب اکست دارد
بخت خود را بتانیہ کہ من ی اکیم
- ۹۔ تپہ دوزخ زنداں ہی آلودن من
قدسہ دلہ فانیہ کہ من ی اکیم
- ۱۰۔ چن خن منی و فراخی آئین من است
بہو اوس برانیہ کہ من ی اکیم
- ۱۱۔ بہ خود از شوق بیاید کہ خود ہار دود
بہ من از سر گرانیہ کہ من ی اکیم
- ۱۲۔ بسکہ خوشن شدہ بیگد و بدنامی من
غیر شکست خود کر نم ناکامی من

(۴)

- ۱۳۔ مصطفیٰ خان کہ درین واقعہ نم خود من است
کہ موصوم "چہ غم از مرگ" عطا دار من است

- ۱۔ آنچہ فردا است ہم امروز در آمد گوئی
آفتاب از جنت قبلہ برآمد گوئی
- ۲۔ دل و دست کہ مرا بود فرمانہ زکار
شب و روزی کہ مرا بود سرآمد گوئی
- ۳۔ سرگزشتہ ہمہ رنج و الم آمد صفحہ
سرگزشتہ ہمہ خوف و خطر آمد گوئی
- ۴۔ ہر اہل جہان چون زجہاں درد و غم است
ہر اہل من زجہاں بیشتر آمد گوئی
- ۵۔ غصن و یسین من عد عسی نیست
بر من اینہا زلفا و قدو آمد گوئی
- ۶۔ ہرم راخوان کہ چہ غصن ضائع
صغلی ' نازہ ہدی ہنر آمد گوئی
- ۷۔ غم دل دافتم ایک غم جانم دادند
زلم را زلم دگر ہر اثر آمد گوئی
- ۸۔ چرخ یک سو گرانایہ بہ تندان خواہد
یوسف از قید زلفا بد آمد گوئی
- ۹۔ مژہ اشپ زکبا اہمہ خواب خورد
انجمن گرم ز دلم بگر آمد گوئی
- ۱۰۔ خود چرا خون خورم از غم کہ ہنطواری من
دست حق بہ لباس ہنر آمد گوئی
- ۱۱۔ خواہد ہست درین شہر کہ از پیش دی
پایہ غمخیزم در نظر آمد گوئی

(۵)

- ۱۔ خواجہ دامن کہ ہے روز نما نم در بند
لیک دانی کہ شب اندوختہ نام در بند
- ۲۔ ہندم کہ کسی آید خواہم کہ دم
جانب درجہ چہ حسرت گرامم در بند
- ۳۔ خست ام خست من و دعوئی و حلقین عاشا
بند سخت است ' چہینا توام در بند
- ۴۔ شلوم از بند کہ از بند معاش آزادم
از کف شمع رسد جامہ و نامم در بند
- ۵۔ آمد و خار بیاوید و کل بخوبید
خواب از بخت ہی دام ستانم در بند
- ۶۔ یارب اینا گوهر معنی کہ نظام زکا ست
بند بر دل بود و نیست زمانم در بند
- ۷۔ ہر کسی از بند گران تلہ و نامس کہ ہم
نام از غولش کہ بر طویش گرامم در بند
- ۸۔ غری خوش ہر معیت زہ رنجہ دگر است
رنجہ از دیدن رنج و گرامم در بند
- ۹۔ رفتہ دیدار من حکم کہ باددہ درخ
خش مہ از عمر گرای گزراہم در بند
- ۱۰۔ اگر این است ' خود آہست کہ عید اخن
گزرد نیز چہ عید رمضانم در بند
- ۱۱۔ دت قہ اگر در نقرم نیست چرا
خون دل از حہ ہے صرف چکانم در بند

۴- نستم غفل که درین دهائی باشم
هم نالودن است که در سلسله غالی باشم

۵- (۶)

۱- من نه آیم که ازین سلسله بشکیم نبود
چه کنم چنان به تقاضا زهره بشکیم نبود

۲- دین نه رنگ آمده صد رنگ فریادی بظهور
نگاه نیست که از بهجت نه رنگم نبود

۳- راز دانا غم رسوائی جلایه بلاست
بهر آزار غم از قید فرغم نبود

۴- رزم از خوف درین جزوه که ادعشت و گل است
درد نه دل خطر از کام نهنگم نبود

۵- دین نه سرنگ که پیچیده بهم می ترم
صحنه از شیر و هر است نهنگم نبود

۶- صم آئینه د این حادثه رنگ است و نه
کام پنهانی آلائش زخم نبود

۷- آه از آن دم که سرایند زودمان آمد
امردین دانه گیرم که در غم نبود

۸- بصلان ' دادم امید دهائی درین
دامن از بند دهائی نه شکم نبود

۹- جور اعدا بود از دل به دهائی ' لیکن
طنین امیاب کم از زخم حلقم نبود

۱۰- به خلاف قلم از سینه به دکان می ریخت
بکه سحرآبی غم در دل تنگم نبود

- ۱۔ عاشق تھے کہ درین سلسلہ ہاشم خوشنود
چہ کسم چونکہ سر این دشت بہ چنگم نود
- ۲۔ بہ صری قلم غریب بود مستیء من
اندوین بند گران چین و بیکدستیء من

(۷)

- ۱۔ اصدان' و دلم از دیدہ نشانید ہم
غالب فخرہ را روح دروانید ہم
- ۲۔ تھے الحمد کہ در پیش و تخطیہ ہم
تھے افکار کہ با شرکت و شہید ہم
- ۳۔ ہم در آئین فکر سر طرازیہ ہم
ہم در اہلیم خن شاہ نظامید ہم
- ۴۔ چشم بد دور کہ فرخندہ نظامید ہم
شاہ باشید کہ فرخ گمرانید ہم
- ۵۔ سو ہند' وفا دیدہ و نورید ہم
نعدہ بانید ' صفا قالب و جالید ہم
- ۶۔ من بہ طوان فخر و ہنم' ہم ہند ہم
من بگر خستہ دوام' ہم دانید ہم
- ۷۔ در میان ضابطہ سر و رقائے ہدایت
من برشم کہ ہر آئینہ بر آئید ہم
- ۸۔ دولے از سر تکفید لسانی چون است
بارے از لطف گنجینہ' چہانید ہم
- ۹۔ گر ہاشم بہ جہان' غار و حصے کم گمید
اے کہ سو و من بارخ جہانید ہم

۱۔ چارۂ گر خونِ کردۂ دماغِ کافی ست
دل اگر نیست خداوندِ نہانید ہمہ

۲۔ بہت بند است کہ در بند رقمِ سائست ام
بوسید و بہ بند و بخوانید ہمہ

۳۔ آن ہاشم کہ ہر یوم زمن یاد آید
دارم امید کہ در یوم خلق یاد آید

نظم کے پہلے بند ہی سے شاعر نے اس جذبے کی ترجمانی کر دی ہے جو پوری نظم کے تکرار و تکرار میں سمویا ہوا ہے پہلے دو شعروں میں "نظم دل" کی "حیرت وری" کرنے "فغان" کو "ساز" بنانے اور اپنی "حیرت وری" میں مغرب سے "مغرب" بنانے کا ذکر ہے۔ چوتھے شعر میں نیل خانے کی عام مشقت "رسی بٹے کی رعایت سے اپنی زمزمہ پر داری کو اپنے خاص رنگ میں "رسن تلیہ آواز" کی انتہائی خوبصورت ترکیب سے یاد کیا ہے۔ پانچویں "پچھے اور ساتویں شعر میں چند اشاروں کے ذریعے ایسی مختلف ذہنی کیفیتوں کو بیان کیا ہے جو شاید اہل زمانہ کی نفسیات کا حصہ بن جاتی ہیں۔ "مرا اہل انصاف" بھی ہے اور "مرا عیشہ غلام" بھی۔ "نصیحت سادہ" بھی ہے اور "حسرت پرواز" بھی اور اس کے ساتھ دوست محبوب اور روزمرہ زندگی کے معمولات کی یاد۔ یہاں غالب نے آنے والے دوست کی دھک اپنے دردانہ کھولنے کے جذبہ اشتیاق اور نیل خانے میں زندگی کے اس معمول سے اپنی عمری کو کس حسرت سے یاد کیا ہے اور اس میں کتنی حسرت بھری ہے! آٹھویں شعر میں اس عمری کا وقت دار اپنے طالع ساز کو ٹھہرایا ہے۔ نویں شعر میں بدست ناز افکار سے ذکر کیا ہے کہ کس طرح زمانہ میں اہل زمانہ نے انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا۔ اور ان کی عزت افزائی کی۔ شاید اسی سے متاثر ہو کر دسویں شعر میں غالب نے "وزدان گرفتار" سے شعر سے رسم و رواج اٹھ جانے کا شکوہ کرتے ہوئے ان کا "ہرم و ہرام" بننے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔

دوسرے بند کے پہلے تین شعروں میں ذاتی اہمیت کا احساس نمایاں ہے۔ غالب دراصل یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر میری قسمت میں جلا اور ریاد ہوتا ہی کھسا تھا تو اس کے لئے مجھے حیرت منجانب حال مقام تو میسر آیا ہو گا۔ قید خانے کا کلبہ احسن تو میری شایاں شکن نہیں ہے۔ اس ذہنی کیفیت کے زیر اثر چوتھے پانچویں اور چھٹے شعروں میں اپنی عقلی اور سوانحی اور تاریخی کا ذکر ایسے زور دار الفاظ میں کیا ہے کہ قہقہے کا رنگ پیدا ہو گیا ہے یہی رنگ نویں اور بند کے آخری شعروں میں پھر ابھر گیا ہے کہ جہاں اپنے "نظم دیدہ" اور "تف ناز" اور دل کے دانوں کا بیان ہے۔

اس بند کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ساتویں، دسویں اور گیارہویں شعروں میں شاعر نے پہلی دفعہ اپنے کرد و پیش یعنی نیل خانے کی فغا کے بارے میں اپنے واضح تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ اس بند کا آٹھواں شعر خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ یہاں نفسیات نظم کے ایک نازک پہلو کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کہ انسان اپنے دکہ درد کے زمانے میں "ہر دہی اور ہر درد مند سے ایک تعلق محسوس کرتا ہے۔ اس کی ہمدردیوں کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ اسے دوسروں

کے دیکھ دو کہ ابھی احساس ہونے لگا ہے۔ چنانچہ اب غالب کا دل باقی امیروں کے اعداد پر چلا ہے۔ جن کا ہجوم "ہزاروں" بننے کے عزم کا اظہار وہ پہلے بند میں کر چکے ہیں۔

تیسرے بند کے پہلے سلت شعروں میں ذراؤں کے پاسباؤں سے خطاب کرتے ہوئے غالب انہیں اپنے کہنے کی نوید دے رہے ہیں۔ "سن ی اکیم" کی دہائی ہی سے اپنی اہمیت کا بے پناہ احساس نمایاں ہے جو ہر حال غالب کی شخصیت کا ایک جزو ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے آپ کو "رہو و چلو سلیم" بھی کہا ہے۔ گویا وہ اپنی زندگی کی اس تازہ ابتلاء کو قبول کرنے کے بعد اس میں ہر قسم کا رنگ اٹھانے کو تیار ہیں۔ انہوں نے "نویں" اور "گیارہویں" شعر میں غالب نیل خانے کے "دندانِ گردآر" کو "ہنِ عریض" کہہ کر خطاب کرتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی قسمت پر ناز کریں کہ میں آ رہا ہوں میرے استقبال کے لئے آگے بڑھیں اور مجھ سے مردِ محبت کا اظہار کریں۔ دسواں شعر اس لئے توجہ کے قابل ہے کہ اس میں غالب نے اپنی کسی اور خصوصیت کو نہیں صرف غنی مسیحی و فرزانگی کو اپنا امتیاز بنایا ہے اور اپنے نیل کے ساتھیوں کو اس سے فیض اٹھانے کی دعوت دی ہے۔ آخری شعر میں ان عریضوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے غالب کے بدنامی اور رسوائی کی وجہ سے ان سے بیکانگی اختیار کر لی تھی اور جن کا ذکر گردآری کے مصطفیٰ مولانا ابوالکلام آزاد کے نوٹ کے اقتباس میں آچکا ہے۔

چوتھے بند میں غالب نے ایک بار پھر اپنے جملہ رنج و الم کو یاد کیا ہے اور پہلے ہی شعر میں قید کو اپنے اور ایک قیامت گزرنے سے تعبیر کیا ہے۔ چوتھے شعر میں یہ حلیم کرتے ہوئے کہ دردِ فم اٹھاتا اہل جہاں کا مقدر ہے یہ شکوہ کیا ہے کہ اس میں میرا حصہ دو رسواں سے کہیں زیادہ رہا ہے۔ چنانچہ پانچویں شعر میں قید کی ابتلاء کو بھی تقاضا قدر ہی سے منسوب کیا ہے۔ چھٹا شعر پھر خاص غالب کے دنگ میں ہے۔ کہ ناز سے کہا ہے کہ میری زندگی کی مصطفیٰ میرے ہنر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی۔ بلکہ یوں کہتے کہ میری مصطفیٰ "مائدہ دوئے ہنر" بن گئی ہے۔ یعنی اس نے میرے فن کو ضمیمہ تر بنا دیا ہے۔ انہوں نے شعر میں غالب نے اپنے آپ کو یہ کہہ کے قہقہہ دیا ہے کہ آسمان ایک نہ ایک "سرو گردانے" کو قید خانے میں دیکھتا پسند کرتا ہے۔ کل حضرت یوسفؑ تھے تو آج میں ہوں۔ بند کے آخری تین شعروں میں نواب مصطفیٰ خان شیخو کا ذکر ہے کہ جنہوں نے نذام امیری میں غالب سے انتہا درجہ کا خلوص برتاؤ اور بقتل مالی "تین سینے تک برادران کی فم غوامی اور ہر طرح کی خبر گیری میں مصروف رہے۔"

پانچویں بند میں غالب نے قید کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ پہلے ہی شعر میں کہا ہے کہ نیل خانے میں دن اور رات میں فرق باقی نہیں رہتا۔ دوسرے شعر میں بندے ٹاؤک احساس کی ترجمانی کی ہے۔ نیل خانے کی فضا میں دل اتنا بھگ گیا ہے کہ شاعر کو نہ کسی کا آنا پسند ہے اور نہ خود کہیں جانا۔ ایسی حالت میں دردِ اند کو حسرت بھری نظروں سے دیکھنا ہی باقی رہ جاتا ہے۔ تیسرا شعر گویا قید کی قہقہوں کے سامنے اپنی شکست کا کھلا اعتراف ہے۔ چوتھے شعر میں غالب کی مصروف شوقی محوِ کار کی ہے۔ اب وہ قید پر اس لئے خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ گھر معاش سے تو آزاد ہیں۔ پانچویں اور چھٹے شعر میں "گو ہر سخی" تکبیر نے کا ذکر ہے اور ساتویں شعر میں یہ افسوس ظاہر کیا ہے کہ میں قید خود اپنے لئے ایک بوج بن گیا ہوں۔ انہوں نے شعر میں پھر وہی عام انسانی ہمدردی کی بات دہرائی ہے۔ وہ اس طرح کہ مصیبت میں

میری "مغزے خوش" ایک اور مصیبت بن گئی ہے۔ اس لئے کہ مجھ سے دوسروں کا غم دیکھا نہیں جاتا۔ چھپے بند کے ابتدائی اشعار میں غالب نے اپنی حالیہ مصیبت کے بارے میں نقطہ نظر کی صاف صاف وضاحت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قضاء و قدر سے تو کوئی چارہ نہیں مگر میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اس قید کو باعث لگ و مار نہیں سمجھتے۔ میرے لئے یہ قید "مرد رنگ فرانی" لائی ہے۔ اس میں میری "رسمانی ہلویہ" ہے، جس کا غم "تہذیب فرنگ" کے غم سے کچھ کم نہیں۔ چوتھے اور پانچویں شعر میں غالب کو اس غم کی مزاحمت کتنے ہوئے کتنے ہیں کہ یہی وہ ہلا ہے جس کے زیر اثر میں جو کبھی کام رنگ سے نہیں ڈرتا تھا، اب بیل کی کوٹھڑی سے ڈرنے لگا ہوں۔ میں جو کبھی شیر و چنگ سے ہراساں نہیں ہوتا تھا، اب پسو دار سپاہیوں سے ہراساں ہو جاتا ہوں۔ اس عقل سے غالب کو یہ جتنا مقصود ہے کہ بظاہر تو بر بیل کی کوٹھڑی کام رنگ سے اور پسو دار سپاہی شیر و چنگ سے زیادہ خوفناک نہیں۔ ان کے خوف کا تصور دراصل اسی "رسمانی ہلویہ" کے غم سے وابستہ ہے جو اس قید کی بدولت غالب کے جیسے میں آیا ہے۔ چھپے شعر میں یہی بات اس انداز میں کہی ہے کہ میں تو آئینے کی طرح صاف شفاف تھا۔ اس حادثہ امیری کی وجہ سے میرے آئینے کو بدنامی کا رنگ لگ گیا ہے جو میری برداشت سے باہر ہے۔ انھوں نے شعر میں غالب نے اس کی مزید وضاحت یوں کی ہے کہ رہائی کے بعد دشمنوں کے ظلم تو بھول جائیں گے مگر دوستوں کے طعنے دل پر تھریں کر لگیں گے۔ بند کے آخری تین شعروں میں انہوں نے اپنے آپ کو ایک ایسے اہل قلم کے روپ میں دیکھا ہے کہ جس کا غم اس کے دل سے چمک کر لب اس کے "مخالف قلم" سے چھپنے لگا ہے اور جس کے لئے اس کی "سری قلم" ہی وہ نوا بن گئی ہے جو قید و بند کی حالت میں اس کو "مستی و سبک دستی" کی ضمانت ہے۔

ساتویں اور آخری بند میں غالب نے بزم سخن کے ان اصحاب سے خطاب کیا ہے کہ جن کو یہ نظم بیل خانے سے لکھ کر بھیجی ہے اور جو اگرچہ غالب کی آنکھوں سے نہاں ہیں، مگر ان کے دل میں جگہ رکھتے ہیں۔ اس خطاب کا طریقہ بڑا ہی ایک ایسی خصوصیت رکھتا ہے کہ خود غالب کے کلام میں بھی اس کی کوئی اور مثال شاید مشکل ہی سے مل سکے۔ بند کے آخری شعر میں غالب نے ایک دفتر بھرا اپنی "سخن سنچلی" ہی کو اپنی پہچان بتایا ہے اور کسی دوسری بزم میں "میں" صرف "بزم سخن" ہی میں یاد رکھ جانے کی امید ظاہر کی ہے۔

غالب کی اس نظم کے اس بند وار مطالعے سے جو نچے نلیاں طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ نظم صحیح معنوں میں "حبسہ" ہے۔ یعنی اس میں قید و بند کی فضا میں غالب کی جذباتی اور نفسیاتی فضا کا ذکر ہی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ طویل نظم اسی ایک محو کے گرد گھومتی ہے اور اس لحاظ سے یہ غالب کی زندگی کے ایک انتہائی ناگوار زمانے میں ان کی شعری شخصیت کے تاثرات اور تجربات کا ایک ایسا نادر موقع پیش کرتی ہے کہ جس کے مقابلے میں غالب کے کلام کا کوئی اور نمونہ پیش نہیں کیا جاسکتا۔

یہ نظم جس طرح غالب کی جذباتی اور نفسیاتی فضا کی عکاسی کرتی ہے اس کے بارے میں کچھ کہنے سے پیشتر یہ بھی عرض کرنا چاہوں کہ اس نظم میں کسی انسان کے خلاف کسی قسم کے شے یا نفرت کا اظہار نہیں۔ اس بند کے خلاف بھی نہیں جس کی عداوت نے ان کے اپنے قول اور غیر جانبدار مشاہدوں کے مطابق غالب کو بیل خانے بھجوا دیا

فقط غالب کو "جور احمد" کی کوئی پدا نہیں، وہ تو رہائی کے بعد دل سے مٹ ہی جائے گا۔ فکر ہے تو صرف "طعن احباب" کی۔

جور احمد دو از دل بہ رہائی، یقین
طعن احباب کم از ظلم خدا گم نبود
چنانچہ غالب نے اپنے فارسی خط میں تو "کوثر ال دشمن قہ" کا ذکر کیا ہے مگر اپنی نظم میں اس کو قاتل کو کوئی دوش نہیں دیا۔ اپنی تقدیر ہی کو اس اثناء کا بھی ذمہ دار ٹھہرایا ہے:

عسین دسین من حد عسی نیست، ہر
برمن اینہا ز قضا و قدر آمد گوئی
وہی تقدیر کہ جس کے ہارے میں ان کا کتا ہے:

گدہ نیست کہ از بخت دور غم نبود
لیکن مشکل یہ ہے:

چہ کنم چوں بہ قضا زہرہ جنگم ہر

یہاں شاید انگریزی ادیب اور شاعر اسکروائلز کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اس نے بھی انتہائی جرم کی پاداش میں قید کئی تھی۔ اس کی ایک تحریر (DE PROFUNDIS) ڈی پروفنڈس اس زمانے کی یادگار ہے جو شروع تو ہوتی ہے غم احمد کے موضوع پر ضایت اثر انگیز تصریحات سے لیکن چند ہی صفحات کے بعد اپنے محبوب اور اس کے والد کے خلاف اسکروائلز کے بے پناہ طعن و تشنیع اور سچ و سحر الزامات کا طوفان مین جاتی ہے، اس لئے کہ وہ اسے جیل بگوانے کے ذمہ دار تھے۔ مگر غالب نے اپنی نظم میں نہ کسی کو اپنا دشمن گردانا ہے اور نہ کسی کے خلاف کہہ سکا۔ اپنے عزیز و اقارب کی بیگاری کی طرف اشارہ کیا تو قصور دار اپنی ہی "بدنامی" کو قرار دیا۔

بلکہ خبیثان شدہ بیگانہ زندہ نام من
غیر ننگھت خود مگر نم ناکام من

ہاں جیسا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ذکر ہوا ہے۔ غالب نے اپنے بزم سخن کے احباب سے خطاب میں ایک خاص قسم کی سنجی کا اعہار ضرور کیا ہے، مگر اس سنجی کی حقیقت اور نوعیت دوسری ہے۔ اس میں غصہ اور نفرت نہیں، آزدگی اور باپری پائی جاتی ہے جس کی بنا ہی محبت، مروت اور انسانی ہمدردی کی طلب ہے۔

غالب کی اس نظم کا کسی قسم کے غصے اور نفرت کے جذبات سے پاک ہونا جب کہ نفس مضنون اور حالات و واقعات کے سیاق و سباق میں ان کی گنجائش موجود ہو، شاعر کے مزاج کی ایک خاص صلاحیت کا پتہ دیتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے یہاں غالب کی زندگی کے ایک اور اہم واقعے کا حوالہ ضروری ہے یعنی جتن کے معاملے میں اپنا حق منوانے کے لئے غالب کی طویل اور اٹھک تک دو دور اس کا انہام ۱۸۸۳ء میں جب غالب کی آخری اپیل ٹکے و کنویرس کے دوبار سے مسترد ہو گئی تو گویا غالب کی ان سب امیدوں پر پانی پھر گیا جن کے سارے انمول نے اب تک

زندگی گزار رہی تھی۔ اس ناکامی کے بعد کے زمانے کے کام سے (اور یہ زمانہ ان کی فارسی شاعری کا زمانہ ہے) اندازہ ہوتا ہے کہ اب غالب کے ہاں بنیادی انسانی اقدار پر اعتدال اور اس کے سارے زندگی کی مصیبتوں کو قبول کرنے اور زندگی سے مصافحہ کا رجحان ابھرنے لگا ہے۔ امیری کا عارضہ فتن کے فیصلے کے تین سال بعد یعنی ۷۷ھ میں پیش آیا۔ یہاں یہ یاد دلانا بھی غیر ضروری نہ ہو گا کہ اس وقت غالب عمر کے پچاسویں برس میں تھے یعنی عمر کی اس حد میں کہ جب آدمی دنیا میں بہت کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے بعد اپنے "حقیقے" سے "ظاہریوں سے کام" لینے کی صلاحیت پیدا کر چکا ہوتا ہے۔ بشرطیکہ ظاہریوں نے اسے اندر ہی سے ختم نہ کر دیا ہو۔ ہر حال کتنا میں یہ چاہتا ہوں کہ غالب کے زمانہ امیری کی یادگار اس نظم میں وہ رجحان کہ جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے نمایاں ہے اگرچہ اس کے ساتھ ساتھ تضادِ قدر سے شکایت بھی برقرار ہے۔

اس نظم کا سب سے نمایاں پہلو تو اہلِ دُعا کے بارے میں غالب کا رویہ ہے مگر پہلے غالب کے بارے میں اہلِ دُعا کا رویہ یعنی دُعا میں ان کی طرف سے غالب کی پذیرائی کہ جس کا ذکر غالب نے نظم کی ابتداء ہی میں بدستِ فقر و انساب سے کیا ہے۔

اہلِ دُعا ہے سر و چشمِ خود ہا داد
نہدی صدور نشانی چہ قدر باز کسم

شاید اسی کے زیر اثر ہے اعتقاد ہو کہ غالب نے اگلے ہی شعر میں کس و اللہ انداز سے "دندان گرفتار" کی طرف اپنی مددنی کا ہاتھ بڑھایا ہے:

بہر دندان گرفتار وفا نیست بہ شعر
خلعتین دلہ شادوم و ہرگز کسم

اس شعر میں احساس کی شدت اور سچائی کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ نہ بھولنے کہ قید کا زمانہ غالب کے لئے کبھی کا زمانہ تھا۔ سوائے نوابِ معطیٰ خاں شیفتہ کے کہ جنہوں نے حق دوستی نبھایا، غالب کے دوست اصحابِ حق کہ عزیز و اقارب بھی ان سے کنارہ کشی اور بے تعلقی ہو گئے تھے۔ اسی لئے تو یہ شعر ان مصیبت زدہ انسانوں کے لئے جو اس زمانے میں نا آشنا ہوتے ہوئے بھی آشنا بن گئے۔ غالب کے پر غلوس اور پر ہوش جذبہ رفاقت سے لبریز ہے۔

یہاں مجھے ٹیکسٹر کی عظیم تخلیق کنگ لیئر (KING LEAR) کا وہ خوفناک سین یاد آتا ہے کہ جب کنگ لیئر اپنا سب کچھ لانے کے بعد مظلومِ اللہ کے عالم میں رات کے وقت ہادہ داروں کے سخت طوفان کے درمیان پھاڑی پر ایک جھونپڑی میں پناہ لیتا ہے تو پہلے خود اندر جانے کی بجائے اپنے ہمراہ قول ہے:

"IN, BOY, GOT I RST, YOU HOUSLESS POVERTY" کہتے ہوئے اسے اندر بھجواتا ہے اور پھر ان تمام بھوکے بچے اور بے گھر لوگوں کو کہ جو ان سے رحمِ طوفان کی زد میں ہیں یاد کر کے ان کے لئے اپنی دعا ان الفاظ سے شروع کرتا ہے۔

"POOR NAKED WRETCHES WHERE SO EVER YOU ARE

لیٹر کے دیکھنے اور اس دعا پر ٹیکسپٹر کے مشہور شارح اور ناقد بیٹے نے گویا وجد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہی وہ مقامات ہیں جہاں ٹیکسپٹر کی پرستش کرنے کوئی پاتا ہے۔ غالب کا جو شعر اوپر نقل ہوا ہے، کچھ اسی قبیل کا ہے۔

نظم کے دوسرے بند میں غالب نے "اندوہ امیراں" پر اپنا دھک بیان کیا ہے۔

نظم از بند در اندوہ و قیاس مرزد

دل اندوہ ہے اندوہ امیراں سوزد

اس سے اگلے بند میں بھی اہل زنداں سے "دستی اور اپناہت کا انداز قائم ہے۔ یہاں پہلے تو افسیں یہ کہا ہے کہ زنداں میں میری آمد پر میرا غیر مقدم کہہ اور پھر اپنی "خن سنجی و فرزاگی" سے بہرہ ور ہونے کی دعوت دلی ہے۔

ہاں عزیزان کہ دریں کلب اقامت دارید

بخت خود را بتائید کہ من می آیم

تاب دروازہ زنداں پئی آوردن من

قد سے دلچہ فرماید کہ من می آیم

چوں خن سنجی و فرزاگی آئین من است

بہو از من بر ہائید کہ من می آیم

ہے خود از شوق ہے ہائید کہ خود باز دید

ہے من از سر گرائید کہ من می آیم

اور پانچویں بند میں اپنی "ٹوٹے خوش" کو اس لئے ایک مصیبت قرار دیا ہے کہ اس کی وجہ سے "دوسروں کو رنج و غم میں دیکھنا بھی باعث تکلیف بن جاتا ہے۔

ٹوٹے خوش ہر مصیبت زدہ رنج و گرامت

دلچہ از دیدن رنج و گرامت در بند

مختصر یہ کہ اس نظم میں غالب نے ہار ہار مصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ انسانی سلج پر موصفت اور پناہت کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اس دیکھنے کو "ٹوٹے خوش" کی دلیل کہنے یا اس جذباتی اور روحانی صحت و توازن کی کہ جس کے ماتحت غالب کی طبیعت نے غم و اندوہ اور مصیبت کے وقت ایک نئی نرمی و دمت اور ہائیدگی پائی ورنہ ایسے موقعوں پر یہ بھی تو ممکن ہے کہ آدمی اپنے گھر کو "خانہ الوردی" اور اپنی مصیبت کو دنیا بھر سے الگ سمجھنے لگے اور اس پر کڑھنے اور آنسو بہانے کے لئے اپنے ہی اندر سکڑا سمٹ کر رہ جائے۔

اس نظم کی ایک اور خصوصیت بھی توجہ کے قابل ہے۔ غالب کو اپنی عالی نہیں اور خانہ دانی و جاہت پر جو ناز تھا اس کا اظہار انہوں نے اپنی نظم و نثر میں بار بار کیا ہے۔ اس نظم میں بھی یہ امکان موجود تھا کہ وہ اپنی موجودہ "زلت" کا اپنی "گندھو عزت" سے مقابلہ کرتے مگر جیسا کہ میں عرض کرتا چلا آیا ہوں کہ اس نظم میں غالب نے ہر

جگہ انسانی اقدار ہی کا پاس کیا ہے۔ چنانچہ یہاں انہوں نے اپنے شاعر ہونے ہی کو اپنا اختیار گردانا ہے۔ تیسرے بند کا وہ شعر کہ جس میں ”خُنِ سنجی و فرزاگی“ کو اپنا ”آئین“ قرار دیا ہے، ہم دیکھ گئے ہیں۔ چوتھے بند میں اپنی ”صحتگی“ کو ”تازہ روئے ہنر“ کہہ کر اپنے ہنر پر اس طرح تار کیا ہے۔

ہنرم را عیوں کہ بہ عشقِ خُلقِ

صحتگی تازہ روئے ہنر آید گوئی

پچھلے بند میں اعمارِ ظم کے اس وسیلے یعنی شعر گوئی کو قید کی ختیں کے دوران ایک سارا اور اپنی ”مستی و سبک دہشی“ کا ضامن قرار دیا ہے:

بے شک ظم از سجدِ بدلتا کی ریزد

بسکہ مہتائی ظم در دلِ شکم نبرد

بہ صرہ ظم خویش بود حق و من

اندویش بند گراں ہیں و سبک دہشی و من

اور آخر میں یہ ”حبیبہ“ بزمِ خُن میں یاد کئے جانے کی امید پر ظم بھی ہوتا ہے:

اُن عالم کہ بہ ہر بزمِ دُشمن یاد آید

دارم امید کہ در بزمِ خُن یاد آید

اس ظم کے جن مقامات کا اور ذکر آیا ہے ان سے گزرتے ہوئے یہ خیال پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ یہ ظم غالب کی زندگی کے ایک ایسے زمانے میں لکھی گئی کہ جب وہ بے آمدنی ”بدلتا“ ”رسوائی“ بے وفائی اور کسمپرسی کے ظم و اندوہ سے بے اختیار ہو کر پکار اٹھتے تھے:

خست ام خست من و دعوئی حسینِ حاشا

بند خست است تپیدنِ نوازم در بند

اور خود اپنے درد کو اپنے لئے ایک بوجھ سمجھنے لگے تھے۔

ہر کس از بند گراں تاند و ناکس کہ ظم

نالم از خویش کہ ہر خویش گراںم در بند

جس ماحول میں انہوں نے یہ نازک گزارا اس کا عالم یہ تھا:

آہ ازیں خانہ کہ روشن نشود در شب تار

بجز ابدانِ خواب کہ در چشمِ گھمبایں سوزد

آہ ازیں خانہ کہ دودھے عیوں یافت ہوا

بجز سوسے کہ غش و خارِ جاپایں سوزد

اور جو کچھ وہ سوچتے اور محسوس کرتے رہے وہ اس سے ظاہر ہے:

آنچہ فردا است ہم امروز در آمد گوئی
 آفتاب از جہت قبلہ بر آمد گوئی
 دل و دستہ کہ مرا بود فردا ماندہ کار
 شب و روزے کہ مرا بود سر آمد گوئی
 سر گزشتہ ہمہ رنج و اہم آورد گوئی
 سر نوشتہ ہمہ خوف و خطر آمد گوئی
 ہر اہل جہاں چوں ز جہاں دور و غم است
 ہر مہم من ز جہاں بیشتر آمد گوئی

مگر اس کے باوجود غالب نے اس نظم میں اپنے درد و غم کا اظہار وقار اور ضبط کے ساتھ کیا نہ وہ جذباتیت کا شکار ہوئے نہ غصے اور نفرت کا 'ظلمت' کی تو صرف تقدیر کی اور دوستوں سے گلہ کیا تو مرد محبت کے نام پر 'انسانی' اقدار کو اپنایا اور اپنے دل کے دردازے تمام اہل زمانہ پر کھول دیئے اور وہ کمال جو نفرت نے انہیں دہیٹ کیا تھا اسی کو اپنا اعزاز و امتیاز سمجھا۔ نتیجہ یہ کہ غالب کی زندگی کے تاریک ترین دنوں کی یادگار نظم ان کی شخصیت کے روشن ترین پہلوؤں کی آئینہ دار بن گئی۔ اسی لئے تو میں نے عرض کیا تھا کہ یہ نظم غالب ہی کی نہیں شاید دنیا بھر کی جہسالت میں ایک منفرد اور بلند حیثیت رکھتی ہے۔



پروفیسر غازی احمد

دستیو اور دساتیر

تاؤ راج اتم کہ نرست خن خواہ شدن
ایں سے از قلد عہداری کہیں خواہ شدن
کو کیم را ذر عدم اوج قعلی بود است
شربت شعرم بگیتی بعد من خواہ شدن

غالب کی پیش گوئی تھی کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا، ان کی شاعری کی شہرت بڑھتی جائے گی اور سارے عالم میں پھیل جائے گی۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح نکل، اب ان کے کلام کی شہرت ایشیائی ممالک سے بڑھ کر یورپ اور امریکہ تک پہنچ چکی ہے۔ اور غالب نے جس دل فطین اور شاعرانہ انداز میں یہ پیشین گوئی کی تھی وہ بھی داؤد طلب ہے، ان کی شعر و شاعری شراب ہے جو اپنے زمانہ میں خریدار نہ پیدا کر سکی، یہ شراب پڑی دے، پرانی ہو گئی تو اس کے دام بڑھ گئے۔

غالب وہ فوش انجیب شاعر ہیں جن کے کلام کا بڑا مطالعہ ہوا ہے (سوائے اقبال کے) شاید ہی کسی اور شاعر یا ادیب کا اتنا مطالعہ ہوا ہو، اور حق تو یہ ہے کہ اس اعتبار سے فارسی، اردو، عربی یا ترکی کا کوئی شاعر ان کا سیم و شریک نہیں۔ لیکن باوجود کثیر مطالعے کے ان کی زندگی کے بعض پہلو دانشوروں کی توجہ کے حلقہ میں۔ یہ بات عام ہے کہ ان کے کلام میں جو عروج ہے وہ کسی شاعر یا ادیب کے کلام میں نہیں ملتا۔ وہ محض شاعر و ادیب نہ تھے، زبان و ادب و تاریخ کے عالم تھے۔ ان کے اردو خطوط ایک طرف تو اردو ادب کے بحیرن لٹریچر و ادبی طرف علم و فن کے قابل وصف منظر، انہوں نے اپنے مکاتیب میں نیکوئیوں، علی، اہلی، شعری، فنی، تاریخی، سیاسی امور پر بحث کی ہے اور میرے خیال میں ان کے کلام کا یہ رخ جو درحقیقت ایک دانشور و معارف کی وسعت اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے، بالکل ابھرتا ہے۔ ان کی اکثر تصانیف میں ان کا سیاسی شعور کافی بیدار نظر آتا ہے، وہ تاریخ و تہذیب کے محرکات سے آشنا معلوم ہوتے ہیں، ان کا کلام اس دور کی سیاسی و تہذیبی امور کا آئینہ دار نظر آتا ہے۔ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی انہوں نے خوب خوب طبع آزمائی کی ہے، نظم و نثر دونوں میں ان کے ضخیم کلیات موجود ہیں وہ سبھی سیر حاصل مطالعے کا تقاضا دیکھتے ہیں، بلاشبہ ان کے اردو شعر کا غلاماقتی مطالعہ ہو چکا ہے، لیکن ان میں بھی ان کی وہ دار شخصیت کے بعض پہلو ایسے ہیں جو مطالعے کی دعوت دیتے ہیں:

گمان مبرکہ بہ پایاں رسید کارمناں
بزار بادۂ ناخوردہ در درگ ناگ است

غالب کے یہاں بعض تحریکوں کی طرف اشارے ملتے ہیں، انہیں میں ایک دوسری تحریک ہے، اس سے وہ غائبے حائر نظر آتے ہیں، لیکن بلکہ وہ اس تحریک کی طرف واضح اشارے کے، یہ امر غالب کتابوں کی توجہ کا مرکز نہ بن سکا۔ یہ تحریک بڑی پر فریب تھی، دوسرے ایک مجموعہ صحائف کی شکل میں منظر وجود پر آئی جس کے مطالب کا سراغ کسی نہیں ملتا اور جس کی زبان کا رشتہ دنیا کی کسی زبان سے نہیں قائم ہوتا، یہ ہر زبان سے الگ، جس کو نہ کسی نے سنا اور نہ جانتا، لیکن نیکوئی ایرانی اور ہندوستانی شاعروں کے فریب میں آئے اور اس کے مطالب اور اس کی زبان کا اثر قبول کیا، دوسرے کی زبان عربی اثرات سے بھرپاک تھی، اس کے اکثر و بیش تر الفاظ فارسی سوا کے چڑھے ہیں اس وجہ سے فارسی طالب کے شیدائوں کے لئے اس کتاب میں بڑی کشش تھی، غالب فارسی سوا کے چڑھے تھے، اس عام پر ان کا دوسرے حائر ہونا قدرتی امر تھا۔

غالب کے کام نظم و نثر (اردو و فارسی) پر دوسرے کا خاصا اثر موجود ہے، کسی پر کم کسی پر زیادہ، راقم نے ان کے بعض کام میں دوسری الفاظ کی نکلتی کی ہے، آج کی محبت میں دوسرے کے مختصر تحائف کے بعد ان کی فارسی تصنیف ”دختر“ میں دوسری الفاظ کی نکلتی کی جائے گی۔

غالب نے دختر کے خاتمے پر یہ دہائی لکھی ہے:

نہیں کہ عیش و در دہائی مانیم سرچشمہ راز آسمانی مانیم
لعلی دوسرے پورے مانا سامان ششم یہ کاروانی مانیم
”ہم راز آسمانی کے سرچشمہ ہیں“ اسی وجہ سے ہم عیش و در دہائی ہیں، ہماری یہ کتاب دوسرے کا ایک جز ہے،
اور کاروانی کے اعتبار سے گویا ہم سامان ششم ہیں۔

دختر مرزا غالب کی فارسی نثر میں ایک کتاب ہے جو پندرہ ماہ کے واقعات پر (یعنی 1857ء تا جولائی 1858ء) مشتمل ہے، جیسا کہ خود غالب نے اپنے کئی خط میں لکھا ہے:

”میں نے آغاز یازدہم مئی 1857ء سے ہی دیکھ جولائی 1857ء تک دو ماہ و شریعتی پندرہ مہینے کا حال نثر میں لکھا ہے۔“

(تقدیر، 17/ اگست 1858ء)

”مئی کی گیارہویں 1857ء سے جولائی کی اکیسویں 1857ء تک پندرہ مہینے کا حال میں نے لکھا ہے۔“

(یوسف علی خاں عزیز، 1859ء)

دختر کی زبان کے بارے میں غالب نے کئی جگہ لکھا ہے:

”فارسی ہے آمیزش لفظ عربی لکھی ہے اور فارسی وہ بھی وہ فارسی قدیم جس کا اب پارس کے بلاد میں نکلن نہیں رہا، اب ہندوستان چر رہا۔“

(18/ جولائی 1858ء)

”مختصر یہ اس کا کیا ہے کہ دوسرے کی عبارت یعنی پاری قدیم لکھی جائے اور کوئی لفظ عربی نہ آئے، جو نظم (17)

- 1- چانگم بہ پروان ' از عشق و غوی بدوزشت گمراکنده و براہ غلوط برلہ ریختہ آواز رسانند۔
 - 2- خام اچہ بختاچہ و بختاچیش گر۔
 - 3- خام پروان۔
 - 4- بن بود ابرو حواصن دانست چنانکہ ہست جزا کو کہ یاد۔
 - 5- ہستی و یکمائی و کسی سراسر فرودیا اردند گہراوست دانند پروان نیست۔
 - 6- جز آفتاب و انہام و نیاز و دشمن و مانند یاد و پدر و مادر دژن و فرزند و جانی دوسی و تن و تن آسلا چنانی و رنگ و بو است۔
 - 7- زندہ و توانا و بی نیاز و داگر و بر خشتوں و دیان و بودن آکاہ است۔
 - 8- و ہستی نزد دانش او یکبار بی دمان و ہنگام پیدا است و ہند چچ جز پوشیدہ نیست۔
- نامہء شت جی افرام: 88 ہجریاس پر مشتمل ہے ' تین ابتدائی مشترک جملوں کو چھوڑ کر چند جملے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:
- 4- سپاس ندای را کہ غلست اند گیتی پدید آورد و پس ستان را۔
 - 5- مگر دین ای بی افرام بود آہل آواز کہ بچونہ بہ پیمان پروان۔ تن ملار و جہنہ و جافق و حسی و قشع کہ صحن ہر بخ ہشد ہم خان داد و دودہ گرفت پوشہ میگرد۔
 - 17- مکتوم کہ غلشن آباد را کہ پندیم و پس اندہ یزدہ غنیر آباد نام بی ہم فرستادم ' مکی بی دگری ظہیری آراشد۔
 - 18- ہاچن چارہ غنیر جان آراست و آرام باب شد۔
 - 20- چون 150 صد زانو سال در پادشاهی ایشان دارفت آباد آزلو بادشاہ ہمانہ دای گذاشت پروان پرست شد۔

نامہء سوم شت شای کلیو 80 ہجریاس

- 4- ای شای کلیو پور تی آکاہ چون آب و پیمان روانی بیان یک اسپار (7) سال کلید موبدان یزدہ کار شدند ' بی آکاہ از ایشان پروان رفت۔
- 5- اکوم ترا گزیدم و بہ ظہیری فرستادم محتاج کن مرا زمین
- 6- خام ایزد دیندہ دوزی امر زندہ۔

نامہء شت و خشور یا سان 63 ہجریاس

- 4- بدان ای یا سان پور شانی مہل چون یک شمار سال از خسروی و پیمان دی شایان گزیدہ پور تو کہ شانی مہل ہشتادہ کاری موبدان دید و از میان سوم پروان شد۔
- 5- اکوم ترا گزیدم بہ ظہیری ' بخیرد کش بزرگ آباد را شدہ و محتاج کن مرا۔

- 4- ای فرزندیار پر دیا سنان اہام چنان فودند سلام از خداوندی یا سانیان رفت مویان بدکا شدند یا سنان اہام از میان انسان کہ موم باشد کنار گرفت۔
- 6- ترا بہ خطیری و پشای گزیدم آنچین خطیر خطیران بزرگ آہورا رند ساز۔
- 9- ترا پاس و دیش و بر تو دود آفری۔

نامہء شست و خشت سیاک 49 (ص 84 - 83)

- 4- ای سیاک پر مکتہ تو خطیر نو یک منی شای ہر موزا افتخ۔
- 8- ای شرف بزرگ ستودہ بر جی پسر۔

نامہء شست و خشت ہوشک 37 (ص 84 - 86)

- 4- ای ہوشک پر سیاک گزیدہ خطیر منی و ترا دانش و فرزانگی دلوں
- 5- تو آموزگار خطیرانی کہ آید۔
- 6- آنچین بزرگ آہورا تانہ دار۔
- 7- دلشای ہرام را کہ چادر تست این گونہ۔

نامہء و خشت قہورس 54 (ص 86 - 92)

- 4- ای و خشت من قہورس پر ہوشک آنچین بزرگ آہورا استوار کن۔
- 5- آلتاب یادو تست اورا کہ خود شید باشد پر موم کہ ترا ہرنید و دیک منای اورا این گونہ۔

نامہء شست و خشت جمشید 93 (ص 92 - 104)

- 4- ای جمشید پر قہورس ترا بگنیدم "آنچین بزرگ آہورا استوار و پایدار کن۔
- 5- تو خطیر ہستی بسیار بزرگ۔
- 6- شید من بردی تست۔

نامہء شست و خشت قریطون 48 (ص 104 - 107)

- 4- ای قریطون ہر مردمان و جانورن بی ازار عقیدم و از مکتہ ایچن گز شتم و ترا کہ دوست منی بہ خطیری گزیدم و جہان را بہ ستند تو گزیدم کہ ہر مردمان تو نکلند و خسروی ترا بر خود گزیدند۔
- 5- آنچین بزرگ آہورا راندہ کن۔
- 6- سہار را کہ جہان کس ندانند ترا آموز شتم۔

نامهء و خشور کبکسور 28 (109 - 112)

- 4- ای و خشور من کبکسور پودشیا و غش تو نزد من گرای هستی.
- 5- بهشکل دل تو از من جدا نیست.
- 6- بدان فرشته است و پدر فرشته است و چنین سودشی گرای و بزرگ بتو خود نام دارم.

نامهء شت و خشور زر تشت 164 (ص 212 - 136)

- 4- ای زر تشت پدر را سخنان ترا به خشوری گزیده ام.
- 5- دسه گشته سخن خود را بتو دارم.
- 6- یکی در خواب و آن دشتند است.
- 7- دوم در میان خواب و بیداری و آن فرنگش است.
- 8- سوم در بیداری که از تن سبکی و با فرشته از آسمانها گزیده شد.

چند نامهء اسکندر 16 (ص 136 - 138)

- 4- ای سکندر پدر داراب یزدان ترا بهاد شای و جماعتگیری برداشت ' آئین بزرگ آبا دراک بزرگ ترین و بزرگواران است بسیار و انشوری آنگاه کنی.
- 5- من از چند کار امر اینان که بد شد ترا بدم بدم.
- 6- بیگانه بر این گمار.
- 7- اگر از فکر تو یزدان ایران آزادی رسید تبت کنی.

نامهء شت ساسان نخست 93 (ص 138 - 191)

- 4- یادوری بگویم از یزدان آمدند گوهر شکسته کار کن فروزه بایم بگوهر.
- 5- گفته است بایست هستی شایسته هستی را.
- 6- یزدان نایب جایی بود.
- 7- نایب شایسته است یزدان.

نامهء شت پنجم ساسان 41 (ص 191 - 194)

- 4- ای پنجم ساسان.
- 5- اکنون ترا به و بفری گزیده ام.
- 6- تو دوست منی و راه راست به نشان.

18- دیہی بدکاری ایرانیان را کہ پرہیز را کشید۔

19- آنکس را کہ سخن برکشیدم اینہا برانداخت۔

23- ایک از تازیان پاداش یافت۔

39- در قعر قوچخیری پیش ماند۔

40- اندوہ داد کہ انجام یزدان عشت۔

41- وانہام از ہم وہ شاد و روان گرہند چون موشی از سوراخی بہ سوراخی۔

اس سلسلے میں چند امور کا ذکر ناگزیر سا ہے :

1- دراصل جو عبادتیں مختلف کتابوں کے ضمن میں درج ہوئی ہیں وہ نہ دساتیر کے ترجمہ کی ہیں اور جیسا کہ عرض ہو چکا ہے ہجتم سامان نے حکم خدائی کے مطابق اسے اپنے عہد کی زبان میں ترجمہ کیا تھا یہ زبان فارسی ہے جس میں جا بجا خود ساختہ و مصل لفظ داخل کر دیے گئے ہیں۔

2- ہجتم سامان خسرو پرویز کے زمانے میں تیار کیا ہے خسرو پرویز سامانی خاندان کا جلیل القدر فرما نوا تھا جس نے 591ء سے 628ء تک حکومت کی 668ء میں قید کر کے قتل کر دیا گیا گویا عربوں کی شکست سے سال پہلے (ہنگ قادیسہ میں یزید کو نے 635ء میں حضرت عتر کے سرداروں کے ہاتھ شکست کھائی اور 651ء میں ایک آسیا ہان نے مرقاب کے قریب اسے قتل کیا) اور دساتیر کا ترجمہ اسلامی فارسی میں ہے جو سامان ہجتم کے زمانے تقریباً 250 سال بعد ایران میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

3- دساتیر کی زبان نمونہ یہ ہے :

عشا شن، ہعشا، ہعشا شن، ہعشا، ہعشا شن، ہعشا، واسلا س، پاسلا س، واسار اس، تاسا تاس —
ہاشتنی، راشتنی، شاشتنی، راشتنی، شاشتنی، راشتنی، شاشتنی، راشتنی، شاشتنی، راشتنی، شاشتنی، راشتنی۔

سامان ہجتم نے شاشتنی کو شاشتنی مصدر (معنی دانستن) سے مشتق بتایا ہے۔ دانستا، دانستن، دانستن، دانستن یعنی دنیا میں جانے والی چیزیں ہست ہیں۔

4- دساتیر سکھوں سال کی مدت کو عادی ہے، مہ آباد کی بادشاہی کی مدت صد ہزار سال بتائی گئی ہے جو سامان ہجتم کی تفسیر کے اعتبار سے اچھی ہوتی ہے۔

3- یعنی تین پر انھیں مغرب و ہارے ہارے باہر ہے۔ اس سے اس کتاب کے گزرتے والوں کا جمل واضح ہے۔

6- اس زبان کا رشتہ دنیا کی کسی زبان سے نہیں ملتا۔

7- زرقت کی کتاب لوستا ہے جس کا کافی حصہ قح بھی موجود ہے دساتیر میں ایک نامہ زرقت کا ہے اس کا لوستا سے کوئی تعلق نہیں یہ امور دساتیر گزرتے والوں کے جمل کا ناقص رد ثبوت ہے۔

اس طرح اور بہت سے قرائن ہیں جن سے ثابت ہے کہ دساتیر کی زبان اس کے مندرجات سارے جعلی ہیں۔ یہ جعل سازوں نے قح کر مڑ لیا ہے تاکہ لوگوں کو اپنے جعل میں پھنسانیں۔

چنانچہ بڑے دانش مند، مفکر، ادیب، شاعر و نثر و دساتیری جنرل میں پھنے اور وہ اس کے مطالب اور اسی کی زبان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ اس پر مبنی یہ ہوا کہ دساتیر کی معنوی زبان کا ترجمہ خسرو پرویز کے دور کے سامان چٹم نے اسلامی فارسی میں کیا۔ اس میں بھی صمدی الفاظ جملی اور خود ساختہ ہیں، انہیں خود ساختہ و معنوی الفاظ سے صاحب زبان قاطع اور بہان کے سب سے بڑے مخالف دونوں نے دھوکہ کا کھایا۔ بہان میں سینکڑوں دساتیری لفظ موجود ہیں اور غالب کی کوئی بھی تحریر اس سقم سے پاک نہیں۔

قائل ذکر بات یہ ہے کہ غالب کے ایک معاصر و شناسا مولوی نجف علی خاں (متوفی 1298ھ) تھے، انہوں نے غالب کے دفاع میں واقع بہان نام کی ایک کتاب 1280ھ / 1864ء میں مرزا صاحب دہلوی کی فرائض طبع سرائی میں باہتمام حمایت علی خاں طبع ہوئی۔ مرزا قربان علی بیگ شخص سالک نے جو غالب کے علاوہ میں تھے، تاریخ پر 16 شعر کا ایک قطع لکھا جس کے آخری اشعار یہ ہیں:

مکتبہ ام این قطع را سالک بغرض و قریب	نامکرم شرح مضمونش نیا بی اختیار
گھر از ہر مصرعہ اول تو حرف اولین	گرہی نام مصنف راتو باشی خواستار
حرف آخر ہم ازان گویو بین اعدا او	بیکجہاد و دود و بیکجہ بھری در شمار
اولین حتی گیکر از آخرین ہر مصرعی	نام این مجموعہ بی مثل را آسمان برادر
در تو میجوئی نشان از عیسوی تاریخ ہم	آخر از مصرعہ آخر گیکر دیار دار
چون حساب آن کنی دغدہ نینسی ساحل	جان نہ قسم در حق خود از کی شصت و چار
گردد در گاہ خدا جانی عطا گردد مرا	الحکم در طویش و در تاریخ ہم آرم بکار
مصنف کا نام "نجف علی خاں" کتاب کا نام "شرح دساتیر" سنہ بھری 1280ھ اور سنہ عیسوی 1864ء اس قطع سے برآمد ہوتا ہے۔	

سفرنگ دساتیر پر غالب کی تقریب ہے، یہ تقریب میں الفاظ موجود ہیں، جاہجا دساتیری الفاظ کی آمیزش بھی نظر آتی ہے، اس میں خلاف سفرنگ کا ذکر اس طرح آتا ہے:

"الافاق دانامتای بدل زور آورد و زبان را فموش نگذاشت، بدل گفتم چہ بہ ازان کہ ہانم غنی درود گفت باہم، دیدہ دری کو نامکو کہ اسود قریش رخ یح سنی دلاور مصر سنی بیازاد آوردہ اند کہ زیبای جمال پاکبازش سولایہ نازش دوزگار است، بی بی پیلوی زبان پیلوای را در کار گاہ خن بردوی کار آوردہ اند کہ استخوان استخوان را گزین اسود گدار است، چاہا سپ ملیہ، سامان قنایہ آورد کیوان پایہ متکلف نجف علی خان ہمایوی غری حاسایہ کن کہ مدان گویا چہ یکیش پیش ازان نازد کہ یکجہ پای دیگر چہ روان گویا کن کہ لیبرای فردغ ہرای دساتیر را بد ستیاری غلام کملی ہاشمہ چنان آراست کہ لیلائی سنی در سید شہرہ الفاظ بدیدار فرستب بدیداران ہمدہ نمود از روشنی چشم چشم روشنی خواست:

نادر خانہ چکن شد دوئم ازین ارغک لطافت قلم نقشبند را اصرم
ہم کن دیر مدائن تانہ ساز را بازم ہم این سواو سوادا سپند اصرم
اس تحریر سے اس بات پر بخوبی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ غالب نجف علی خاں دسبک کی تالیف سے قبل سے
بخوبی جانتے تھے۔ دونوں کی ملاقات پر بھی استدلال ہو سکتا ہے اس صورت میں غالب کے ایک خط (نام حبیب اللہ
(کا) میں جو 1284ء کے بعد کا ہو گا اس بیان کی تصدیق مشکل معلوم ہوتی ہے:

"ہاں صاحب خط دیروندہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی صاحب کے نام مع اس علم کے کہ میں اس کو
مولوی صاحب کے پاس پہنچاؤں میں نے پایا حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری ملاقات نہیں صرف
اعمال محوی کے اقصائے انہوں نے داغ بیاں لکھ کر فن خاں میں مجھ کو دے دی۔ مثنی گو بند سگہ دہلوی
ایک ان کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں ان کو وہ خط بھجوا بھیج دیا تھا میں نے وہ مولوی نجف علی کو بھجوا
دیے گئے اس کی اعتبار سے دریافت ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرشد آباد بنگالے میں ہیں نواب ناظم نے
ان کو نوکر رکھ لیا ہے۔" (ج 4، 1537)۔

"شخصیات ہلا سے واضح ہے کہ دساتیر غالب کو بہت پسند تھی لیکن ان کے پیش نظر صرف دساتیر کا ترجمہ تھا
دساتیر کی اصل سے زیادہ واقف نہیں ہوں گے ترجمہ دساتیر سامانِ ہنرم کا کیا ہوا ہے جس کا ذکر خود دساتیر میں ہے
سامانِ ہنرم دساتیری بخیر اور صاحب کتاب ہے اس لئے اس کے ترجمے کی غیر معمولی اہمیت ہے دساتیری پر دیکھنے والے
میں ہزاروں آئے لیکن کسی نے یہ نہ سوچا کہ سامانِ ہنرم جو خسرو پر دہ کے زمانے کا کوئی ہو وہ فارسی زبان دستاویز کیوں
کر پیدا کر سکتا ہے جو اس کے کسی صدی بعد وجود میں آئی ہے معتقدات کی دنیا میں کوئی کی فکر کی قوت سلب ہو جاتی
ہے یہ کتاب توڑ کیوانی سطح کی تخلیق ہے جس نے ایران اور ہندوستان میں کئی صدی تک اپنی صداقت کا سکہ بٹھا
رکھا تھا غالب جیسے فنکار پسندِ رائے مند کا ایسے جمل میں پھنس جانا واقعی بڑی حیرت کی بات لیکن وہ اس جمل میں
پھنسے اور بری طرح پھنسے۔ میرا خیال ہے کہ غالب کی اردو فارسی تحریروں میں جس تحریک کا سب سے زیادہ اثر ہے وہ
یہی دساتیری کا اثر کیوانی تحریک ہے ان کی طرزِ نگارش بھی حائر اور ان کی فکر بھی دساتیری پیچیدگیوں کی صداقت پر
وہ مراہبت مثبت کر چکے ہیں مجھے ذاتی طور پر اس پر سخت حیرت ہے کہ غالب جیسے ذہین کوئی اس پتھر میں آئے کیوں
کر بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ ان کی نظر ہو یا قلم فارسی ہو یا اردو کوئی تحریر دساتیری اثر سے پاک نہیں یہ تو تصویر
کا ایک رخ ہے دوسرا رخ یہ ہے کہ سوائے قاضی عبدالودود کے کسی غالب شناس نے اس کی شخصیت کے اس نمایاں
پہلو کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا اس پر مجھے بڑا استحباب ہے اور اس سے بڑی حیرت کی بات کیا ہو گی کہ باوجود اس
کے کہ میں نے اپنی بار بار کی تحریروں اور تحریروں میں غالب کی شخصیت کے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور تقریریں
غالب الفنی ٹوٹ کے پلٹے فارم پر ہوتی اور تقریریں غالب الفنی ٹوٹ کے ٹپے میں شائع ہوئیں اور ہر اسی الفنی
نوٹ میں 1985ء میں ایک کتاب "نقد قاطع برہان" شائع ہوئی اس کا ایک باب دساتیر پر ہے۔ اور دوسرے دساتیر کے
اثرات کا نام غالب پر ہے مگر ستم تو یہ ہے کہ غالب الفنی ٹوٹ سے ایک کتاب "غالب اور سند متلون" کے نام سے

1988ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا سب سے اہم ماخذ دخیوہ ہے جس میں دساتیر کا سب سے زیادہ اثر ہے مگر مرتب کتاب پر نہ دساتیر کی حقیقت کھلی اور نہ دخیوہ پر اس کے اثرات کی "اس پر مشترک" کہ غالب اپنے کو "سامان ششم" کہتے ہیں اور یہ تحریر مرتب "غالب اور سہ ستاروں" نے نقل بھی کی ہے لیکن مرتب پر یہ راز آشکار نہ ہوا کہ سامان ششم کے پیچھے کون سی حقیقت پوشیدہ ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بے موقع نہ ہو گا کہ سامان ششم کو خدا کی طرف سے یہ عطا کیا گیا تھا کہ اس کے خاندان میں نبوت کا سلسلہ جاری رہے گا، اسی مناسبت سے غالب اپنے کو سامان ششم کہتے ہیں یعنی مراد نبوی خاندان میں سامان ششم کے بعد کا وزیر دساتیر کے مطالب کے جمل پر یہ جی دیکھ لیں کہ اس کے بعد (سوائے غالب کے) نہ کسی وزیر کا نام ہے اور کسی آسمانی کتاب کا۔

"شمار شہرہ میں ہو چکا ہے اور خود غالب نے اس کا اقرار کیا ہے کہ دخیوہ دساتیر کا ایک جڑ ہے" لیکن یہ بات دساتیری مطلب سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ صرف اس کی طرزِ تحریر سے متعلق ہے، دساتیر (ترجمہ) کی زبان خالص فارسی ہے، غالب خالص فارسی کے دلدلہ تھے جیسا کہ ان کی ساری نثری تحریروں سے واضح ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دساتیر میں کچھ ایسے طرزِ ساختہ لفظ ہیں جن میں نیا پن ہے، وہ غالب کو حائر کے بغیر نہ رہ سکے۔ ذیل میں دخیوہ کے کچھ الفاظ کا تجزیہ پیش خدمت ہے :

در آسجی فرداغ ہر فرداغ بہ نعتی زیم بخندہ ہستی است، ص 159 اور حقیقت نعتی میں ہر صفت کا فرداغ محض ہستی کا بخندہ ہے۔ اس جملے میں تین لفظ دساتیری نہیں۔

آسجی، اس کی زبان قاطع ص 63 میں اس طرح تشریح ملتی ہے :

آسجی معنی حقیقت بود کہ در مقلد ہماز است۔ و آسجی و آمیزش دو چیز باشند باہم۔ فارسی میں مرکب کلمات میں اس طرح آیا ہے : زہر آسجی، نوش آسجی مگر ہر آسجی دخیوہ لیکن ہماز کے مقلد حقیقت کے معنی یہ لفظ دساتیری جیسا کہ فرہنگ دساتیر ص 231 سے ظاہر ہے۔ فرہنگ ایران ہستان، پیموہ اور ج 1، تھران 1326۔

فرداغہ : زبان قاطع 3 : 1477ء میں "فرداغ" ششم اول، جمع فرداغ است کہ معنی روشنی یا شاد و فروغ یا شاد۔ و جمع صفت ہم است کہ مستجاب باشد۔ "فرداگان" معنی مستجاب و صفات باشد کہ جمع صفت است۔ "فروز" معنی تابش و روشنی و فرداغ آفتاب دخیوہ۔ و معنی صفت ہم آہ است۔ و راصل صرف لفظ فروز اصلی ہے۔ اور اس کے معنی تابش، روشنی کے ہیں، صفت کے معنی میں اس کا استعمال دساتیری ہے، "فرداغ" اس کی جمع ہے اور صفات کے معنی میں اس کا استعمال دساتیری ہے، "فرداغ" اس کی جمع ہے اور فرداغ فارسی میں نہیں، لفظ دساتیر میں معنی صفت آیا ہے۔ جیسا کہ فرہنگ دساتیر ص 258 (ص 258) "فرداگان" فرداغ کی دوسری جمع ہے، یہ کلمہ فرداغہ معنی روشن شدہ۔ و معنی موصوف ہم آہ۔ معنی آخر کے اعتبار سے دساتیری، دیکھیے فرہنگ دساتیر ص 258۔ یہ کلمہ لفظاً فارسی میں نہیں آیا، صرف دساتیری ہے یا گوار کیانی۔

نویس: 'منہج اول ہمدان قدیم' نقلی است کہ آرزاور عربی محض یکنوید، چنانکہ گوید علوم دیدان شایست معنی محض دیدان شایست (بہان 4 : 2210) فارسی میں یہ لفظ نہیں آیا، لفظاً و معناً، دساتیری ہے، دیکھئے فرہنگ دساتیر ص 271۔ دختیہ ص 159۔

دہد اشیاں خوب و زشت و کم و بیش پندار و سرار است۔
خوب و زشت اور کم و بیش کے دو میان امتیاز محض خیال و ہم ہے۔
ہد اشیاں اچھا مرکب ہے، مگر فارسی میں مستقل نہیں، بہان قاطع میں بھی درج نہیں ہے، بہان قاطع 1163:2
سرار ہمدان قریاد معنی وہم فکر و خیال باشد یہ لفظ فارسی میں نہیں آیا، دساتیری ہے، دیکھئے دساتیر 252، فرہنگ ایران
پاکستان ص 47۔ داستان الغائب ص 64 میں اس کا استعمال ہوا ہے۔

دختیہ 163

ہاں ای دانندگان فرزند بود و شایستگان زبان و سود
فرزند کی تخریج بہان قاطع 1450:3
'منہج اول ہمدان گرم سود' معنی حکمت باشد کہ کن دریا فن افضل معلومت است بالفعل علم۔
فرزند دساتیری ہے، دیکھئے فرہنگ دساتیر 256، فرہنگ ایران پاکستان ص 47۔
دختیہ ایضاً

کار گزاری ہمدان داد و دہد
ہمدان جمع ہے، برہقی معنی طوی، یہ لفظ فارسی میں ہے، ساتھ ہے، برہق اصل فارسی ہے اور جس پری کے اضافے
سے برہقی نکلا گیا، یہ دونوں دساتیری لفظ ہیں، فارسی سے کوئی حلق نہیں۔

دختیہ 163، یزیدک ص 178

ہاں کنوند اشکوں چشم دارم

کنوند فارسی میں نہیں آیا، دساتیری معنی حال ہے۔ بہان میں یہ لفظ شامل نہیں۔

دختیہ 161

درنگ و نیرنگ نہاد آست

لایہ فارسی میں نہیں آیا، بہان قاطع میں نہیں ہے، دساتیری ہے، معنی نمونہ (دیکھئے دختیہ 171، سراپہ نمانہای نویسی
یعنی سراپہ، خود نمائی

نمانا فارسی میں ہے، ساتھ ہے۔ بہان میں بھی نہیں، دساتیری معلوم ہوتا ہے (دیکھئے دختیہ 182)

ہن معنی لیکن، دیکھئے بہان 418، دساتیری ہے (دیکھئے 202 / ص 180)

برش وہ

برش دید فارسی میں نہیں آیا، دساتیری ہے، بہان قاطع میں درج نہیں ہے (دیکھئے مگر قطع نظر کا کیا دلچسپ ترجمہ ہے۔

234 / 181 فراتب معنی کرامت

فراتب یہاں میں شامل نہیں، لیکن دساتیری ہے (دیکھئے

202 جاور

یہاں 12: جاور معنی حال باشد چنانکہ اگر گوید: جاور داری مراد آن باشد کہ چہ حال داری؟

حاشیہ یہاں لانا میں کلمہ دوساتیر معنی حال و خداوند مکان استعمال شدہ رنگ دساتیر میں 241۔

181 جاور گردش: غریبہ زائد پیشہ جاور گردش

برچرخ نشینی کہ چہاں ی کرود

جاور گردش معنی تھیرہ خال۔ یہاں کا شیخ 5612

جاور گردش معنی تھیرہ و تبدیل دان' یہ فرہنگ دساتیر میں 241 میں ہے۔

185 جاور فراتب

یہاں 211:4 جاور معنی ممکن کہ در برابر واجب باشد۔ دساتیری (فرہنگ دساتیر میں 269)

یہاں 145:3 فراتب معنی وجود است در برابر عدم آؤد کیوانی' دساتیری لفظ ہے'

یہاں

یہاں 211:4 جاور فراتب معنی ممکن الوجود است چہ جاور معنی ممکن و فراتب معنی وجود ہے دساتیری مرکب ہے'

دیکھئے یہاں 211:4 حاشیہ' نیز فرہنگ دساتیر 269۔

212 / 185 قرانان

یہاں 144:63 قرانان حکم و فرمان را کہد'

حاشیہ: برسانند دساتیر فرہنگ ایران پاستان 47 فرہنگ دساتیر 256 تصنی در فرمان۔

189 سومہ پاس

یہاں 192:2 سومہ استخوان و حد و طرف باشد

یہ لفظ دساتیری ہے اور فرہنگ دساتیر 254 میں موجود ہے۔

234 / 189 فرگفت

فرمان 146:73 فرگفت معنی فرمان و حکم باشد

یہ لفظ دساتیری ہے' رک فرہنگ دساتیر میں 257۔

196 وحیدہ (8) کا یہ جملہ ملاحظہ فرمائیں:

انا پانچواں مرخوان و سرایا در تازی گفتار خطاب و خلعت و جم بان ریحہ در (8) انگریزی زبان ہنسن خواند بود

گویا مرخوان اور سرایا کا ترجمہ عربی زبان میں خطاب و خلعت ہے۔ اور ہنسن پانچواں انگریزی ہنسن ہے۔

اس میں کئی لفظ نئے اور غور طلب ہیں:

پانچواں یہاں قاطع 363 میں اس طرح آیا ہے: "معنی ترجمہ باشندہ آن معنی نئی است از زہلی بزبان دیگر۔
یہ لفظ اسمیل فارسی نہیں ہے، "وسائیری ہے چنانچہ فرہنگ و سائیر میں 238 میں دیکھا جا سکتا ہے۔

میرخوان: یہ لفظ یہاں قاطع 20654 میں آیا ہے:

میرخوان معنی خطاب باشد چنان کہ در ہندوستان شعارف است مانند آصف خاں و اسلام خاں و لشکر خاں و
امثال تین۔

مولف سراج اللغۃ مثل فرہنگ نظام ج 5 میں ماہ امین ترکیب از برسانتہ ہای فرقہ آور کیاں است "وہ
فرہنگ و سائیر میں 266 آمد "میرخوان معنی خطاب باشد کہ از سلاطین ہامراو اراکین دولت حمایت شود مثل
آصف جاہ و آصف الدولہ و غیر ذلک" و آن مرکب است از مر (محبت لطف) + خوان (از خواندہاں) "ہمراہ
لقب و عزاست۔

اس سلسلے میں چند چیزیں قابل توجہ ہیں:

- 1- آصف جاہ و آصف الدولہ کے خطاب سے ہیں "زبان قدیم نہیں۔
- 2- میرخوان کے بجائے میرخان لقب کے لئے زیادہ مناسب تھا لیکن آؤر کیاؤں نے توجہ ہٹانے کے
لئے خان کو خوان میں تبدیل کر دیا۔

سرہا کے معنی "ہمو و جہام" یہاں 1112:2 میں درج ہیں "در اصل یہ کلمہ سرہا" سرہا ہے "یعنی سر سے ہر تک"
پورے کا پورا۔ مگر غالب نے "خلعت کا ترجمہ سرہا کیا ہے۔ بخوبی ممکن ہے کہ یہ لفظ آؤر کیوں سلسلے کا ہو۔

"چیم" فارسی کا بہت قندائل لفظ ہے اور مختلف معنی (10) میں آتا ہے۔ یہاں قاطع 657:2 میں اس لفظ کے یہ
معنی درج ہیں:

1- خرام و درقاری ہار

2- امرا و خراسیدین، غلام

3- خوار و فقار

4- امر ہمیت یعنی گرد برا

5- معنی "لفظ جسم" معنی بدع "مثیل امین خن چم ندارد و فیہ۔

لغت فرس میں 350 میں چم کے معنی "معنی اور بدعتی وسیلہ ہیں اور حسب ذیل آیات بطور شاہد نقل ہیں:

دعوتی کنی کہ شاعر و ہرم و یک نیست و در شعر تو نہ حکمت و نہ لذت و نہ چم
صید

مددینہ	چہمی	لحم	ماند	چراغی	من
	کہ	نیز	نہ	میں	کارمن
	چہ	جوئی	کن	اہلی	کان
				اوب	ندار
				دنام	

چ گئی آن فنی کن فنی عمارت

پادشہ اس کے کہ "چم" ملاوس سا لگا ہے لیکن اصل فارسی لفظ ہے "دستچر" سے کوئی تعلق نہیں۔

دستچہرہ ص 201 بہت دیک لوای ہوش قرار اشہر پیست

(21) ہوش رہا آوازوں (21) توپ کی سلائی) کا سبب کیا ہے

یہاں 1312-23 شہر ہانغای ہا معنی سبب و باعث و بخارہ باشد

یہ دستچہری لفظ فرہنگ دستچہرہ ص 255 اور فرہنگ ایران پستان ج 1 ص 47 میں موجود ہے۔

دستچہرہ 203 این کہ فرجام کار پادشاہ و پادشاہزادگان کہ مدعاہ داستان کشایش ہر با سنی' نسبت کا شہرہ ام

نیز کاہ برین است۔

معلوم یہ بھی کہ پادشاہ اور شہزادوں کا انجام جو شرعی فتح کا مقدمہ ہونا چاہئے' میں نے پہلے نہیں لکھا ہے' اس امر پر مختصر ہے۔"

لفظ مدعاہ یہاں قاطع (ص 978) کے علاوہ مجھے اب تک کسی فرہنگ میں نظر نہیں آیا' اس کے تین معنی اس فرہنگ میں دیے ہیں:

1- کتابہ از دیباچہ و کتاب

2- دست ہادی ہامہ

3- پیشوائے قوم

بقا پر یہ لفظ دستچہری ہے۔

معلوم "معنی بنیاد اصل فارسی کا لفظ ہے" یہاں 1875-3 میں اس کے متعدد معنی لکھے ہیں: دیوار' بنیاد و بنای دیوار' انحصار' حامی۔۔۔۔۔۔

آرٹش: دستچہرہ ص 206 "آرٹش خن رسان راہ آرٹش این نگارش رسائی پارت" (خن شناسوں کی رسائی مگر اس تحریر کے معنی تک ہو) یہاں ص 31 آرٹش بکسر جالت معنی معنی معنی معنی در مقابل لفظ است۔

اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ دستچہری ہے' دیکھیے فرہنگ دستچہرہ ص 230۔

ارزائش: دستچہرہ 216 ارزائش طواران از ہا خن واران۔

یہاں 102 ارزائش بکسر لون دوزن بخشایش معنی خیر و خیرات و چیزی در راہ خدا بہرہ واران۔

یہ دستچہری لفظ فرہنگ دستچہرہ ص 232 میں موجود ہے۔

دستچہرہ 213 ہر دین ہا فرور فردزی کہ ازین فرہنگ آفرور دین۔

فرور: یہاں 1484-3 میں اس کی تشریح اس طرح ہے:

فرور معنی راست و درست باشد چنانکہ گوید: فلانی فرور دین و فرور کیش است' یعنی راست کیش

و درست مذہب۔

برہن قاطع سے تقریباً نصف صدی قبل فرہنگ جماعتگیری (1092:1) میں فروغِ رواج ہے :

وہ معنی دارد اول معنی راست و درست آید چنانچہ اگر گویند فلاں فروغِ دین است یا فروغِ ریش است ' مراد آن باشد کہ راست و درست ریش است و در کتابی از کتب فرہنگ قدیم نوشتہ دیدم کہ فروغی ' معنی معنی نوشتہ دیدم۔

برہن میں فروغ کے ساتھ 'فروغی' 'فروغ دین' بھی آئے ہیں ' یہ دساتیری صورتیں ہیں۔

برہن قاطع 1150:3 'فروغ' معنی راست و درست باشند چہ فروغِ ریش و فروغِ دین کسی را گویند کہ در ریش و ملت و مذہب خود راست و درست باشد۔

فروغی مختلف فروغ دین و آن کسی باشد کہ در دین و ملت خود راست و درست باشد۔

جماعتگیری 1060:1 فروغی کسی را گویند کہ براہ راست باشند در دین چنانکہ گویند فروغِ کشتی و فروغِ دین و آنرا فروغی نیز خوانند فلانج فروغیست۔

فروغ و فروغی : معنی راست و درست مذہب و دساتیری ہے ' فارسی میں یہ معنی نہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ برہن قاطع کے مصنف نے ٹیکڑوں و دساتیری لفظ اپنی فرہنگ میں شامل کر لیا ہے ' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرہنگ جماعتگیری کی تالیف کے وقت آذر کیائی سلطے کی کتابیں دہرہ میں آ رہی تھیں اور ان کی فرہنگیں بھی تیار ہو رہی تھیں۔ جماعتگیری کے مولف نے ان کی کتابوں سے متاثر ہو کر یہ لفظ اپنی فرہنگ میں شامل کر لیا ہے۔ غیر آذر کیائی ادب میں جماعتگیری کے یہ اندراج شاید قدیم ترین اندراج ہو۔ اس لئے اس اندراج کی تاریخی اہمیت بھی مسلم ہو جاتی ہے۔

فرہنگرخ : برہن قاطع 1483:3 'معنی میانہ و وسط۔

یہ لفظ دساتیری ہے ' چنانچہ فرہنگ دساتیر ص 259 میں آیا ہے ' اور فرہنگ ایرانستان ج ۱ ص 47 میں اس کو دساتیری قرار دیا گیا ہے۔

شاو خواست : دختیہ 218 : دربارہ ' نخستین شاو خواست فرہان رسید۔

برہن قاطع 1223:3 میں شاو خواست 'معنی شوق و اشتیاق' لیکن دختیہ کے نسخے میں خواہش کے معنی میں ہے ' اس لفظ کا شمار دساتیری الفاظ کی فہرست میں ملتا ہے ' دیکھئے "کتاب پر چند مقالے" ص 30۔

ہودل بند۔ دختیہ 220

برہن 2389:4 میں ہو دل کے یہ معنی درج ہیں :

ہو دل بکر حالت ہودلن موصول معنی رصد باشند چہ ہو دل بند رصد بند را گویند و رصد گاہ جایی است کہ حرکات الافاک و کواکب را در انجا ضبط می کنند۔

یہ دساتیری لفظ ہے چنانچہ فرہنگ دساتیر ص 276 میں ہو دل و ہو دل بند دونوں مذکور ہیں۔

ہریتز: دجنہ ص 220 وچھ جڑہ ہریتز گردشی کہ اور است از لاورہ نہ لورہ۔
(اور آلمان نے سالے گردشی کے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے ہرگز دہائے نہ کی)۔

برہان 2327.4 میں اس طرح ہریتز کی تصریح ملتی ہے
معنی قصین و چتری نمود بہرہاں باشد چہ ہریتز مند صاحب قصین را گوید ملت ذندہاوند۔ و معنی قصین و قرار
واہن ہم است چنانکہ گوید: مواجب فلان را ہریتز کردیم' یعنی قصین کردیم و قرار دادیم۔
ازلاو: دجنہ، معنی ہرگز آیا ہے، مگر یہ لفظ کسی فرہنگ میں نظر سے نہیں گزرا۔

فرگاہ: دجنہ 232: از فرگاہ ششہا، فیوز بخت ارج

فرگاہ کے معنی برہان 14683 میں اس طرح بیان ہوئے ہیں:

بہرہاں فرگاہ لفظی است کہ آرا، حیل، حضرت ی گوید

یہ وساتھری لفظ ہے اور فرہنگ و سائمر ص 257 میں درج ہے۔ لیکن یہ لفظ فارسی میں مستعمل ہونے کے لائق ہے،
فر معنی شان و شکوہ، گیا فرگاہ، معنی شد و شوکت کی جگہ، بادشاہ کی بارگاہ، حضرت — غنایہ بات تھیل ذکر ہے کہ
فرگاہ کا وزن فرگاہ۔ اگرچہ ہرگاہ پڑے غیبے کو کہتے ہیں، لیکن اس میں "فر" کی وجہ سے سقم ہے، اس کو یہاں نہ لکھنا
چاہیے۔

لکھ دکنواریہ کی مدح جو نظم ہے، اس کی ایک بیت یہ ہے:

ہریتز بختش خود در نواز ہرآپ دانش خود نہ ساز

اس میں فرہنگ معنی علم اور فرآپ معنی کرامت و وساتھری الفاظ ہیں، ان کا ذکر قبل ہو چکا ہے۔

تراج معنی "آئین" و وساتھری استعمال ہے۔ اس معنی میں کہیں نظر نہیں آیا۔

یہ مختصری گزارش ان وساتھری الفاظ کی ہے جو غالب نے عمداً "دجنہ میں داخل کیا ہے، ان کے نزدیک وہ
اصیل فارسی کے الفاظ ہیں جو فارسی شاعروں اور لوگوں کی فطرت کی وجہ سے فارسی زبان کا جز نہ بن سکے۔ ان لفظوں
کے علاوہ اور بھی وساتھری الفاظ دجنہ میں ہوں گے جن کی شناخت و تحقیق مطالعے کی محتاجی ہے۔

غالب کی دوسری اور تصانیف میں وساتھری عنصر موجود ہے، کسی میں کم، کسی میں زیادہ، ضرورت اس بات کی ہے
کہ ان کی تمام کتابوں میں وساتھری الفاظ کی تلاش کی جائے اور اس کی شناخت کو عام کیا جائے۔ غالب کے اردو کلام
کا کافی مطالعہ ہوا، شاید سب اوپوں اور شاعروں کے کلام سے کہیں زیادہ، مگر غالب کے کلام میں اس عنصر کی تلاش
قرار واقعی نہیں ہوئی، یہ بڑی دکھ کی بات ہے۔

۱۶ غالب حسن میں، علم ہے وہ فارسی "مہر" میں ہے اس میں کوئی خطا عمل کا نہیں، انہی اس کے ساتھ جو قبیلہ، لکھ دکنواریہ کی قریب میں معلوم ہوا
اس میں عملی الفاظ و فقرات کافی پائے جاتے ہیں۔ عنوان قبیلہ میں لکھ، جملہ، انگلیں کے لئے مفہومانہ کلام، اصل واد معنی "بے شک کے بنا
سے ملکہا ہوا چاہئے۔

غالب کی شاعری میں جنس

غالب کی شاعری میں جنس 'جنسی عناصر اور اشارات کے معاملہ سے پیشتر ان اہم امور کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے جو غزل کی روایات کی صورت میں مختلف نسلوں کے لئے سلیان تسبیح بزم پہنچاتے رہے۔ گھسٹو میں رہنمائی اور واسطت ایسی اشک اور غزل میں معاملہ بندی وغیرہ دراصل جنسیت ہی کی مہربان منت تھیں۔ گھسٹوی شعراء بدنام سہی لیکن غزل میں جنس نگاری صرف انہیں سے مخصوص قرار نہیں دی جا سکتی، کیونکہ دلی کے علاوہ بھی بعض اور دکنی شعراء کے ہاں اس رجحان کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ دکن کا شاعر کیونکہ نشن اور اس کی بوہاس سے شکل بند کے شعراء کی مانند دور نہیں تھا اس لئے اس کے ہاں جذبہ جسم کی نگار کے حروف ہے۔ شاید اسی لئے دکن میں جنس نگاری نسبتاً معتدل اور صحت مند نظر آتی ہے جبکہ تھنی چھید کیوں اور انخطاط پذیر تہذیب کے طبع کی بنا پر گھسٹو میں یہ جنس نگاری کچھودی کی حدود میں جا داخل ہوتی ہے۔ اسی لئے تو دکن میں عورت کے عاشق بننے سے غزل میں وہی کو مٹا اور جذبات کی گھسٹ پیدا ہوئی جو بندی گیت کی عظیم ترین خصوصیات میں سے ہے۔ اس کے برعکس گھسٹو میں عورت کا عاشق بننا رہنمائی کو جنم دیتا ہے۔

صرف اکثر شعراء کے لئے برائے شعر گفتی ہی سہی، لیکن اس کے زیر اثر لاجس شاعری کا جو سلسلہ اردو غزل کی ابتداء ہی سے ملتا ہے اس نے ایک ایسے دھارے کی صورت اختیار کر لی جس میں مختلف عمرانی اور سیاسی حالات کے دو عمل کے ہامٹ کی بیش تو ہوتی رہی، لیکن جو کلیتہً فہم نہ ہو سکا۔ صرف کے زیر اثر عشق کے جس تصور نے فروغ پایا اس سے اگر ایک طرف محبوب میں بلورائیت پیدا ہوئی تو دوسری طرف اس عاشقانہ طرد سہروگی نے جنم لیا جس کی منطقی فکری التعلق اور جس کا حصول

عشرت قلند ہے دریا میں ڈبا ہوا جانا

— قرار دیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں تصوف سے افادات کے جن تصورات کا اکتساب عمل میں لایا گیا ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم۔ کیوں کہ ان کی بدولت عاشق کے مکمل کیچھے پر پابندی عائد رہی۔ یوں دیکھیں تو غریب شاعری دو قوی ترین تہذیبوں کے درمیان لرزاں عشق کی ترجمان نظر آئے گی۔ اگر عشق کا جسمانی سطح پر جنسی جبلت کی ترجمان زبان میں اظہار کیا گیا تو تصوف کی صورت میں واردات اور تزکیہ کی اصطلاحات بدولت کار لائی گئیں۔

ہم جنسیت پر جتنی شاعری بھی اہمیت میں کم نہیں بلکہ اسے تو دو دریاؤں کے درمیان "دو تپہ" سے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے اور "ہم جنسی" کو حقیقت اور "جہاز" دونوں ہی سے وابستہ کیفیات کا مرکز بنا کر عشق کے جسمانی اور روحانی مظاہر کے لئے وسیلہ اظہار بنایا جاتا رہا۔ اس پر مستزاد کہ محبوب کی جنس واضح نہ کرنے کی روایت کی موجودگی میں تو ہم جنسیت پر جتنی شاعری کو قطعی اور دو ٹوک قسم کی متفقہ شاعری قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اپنی غیر ملاوٹ شدہ صورت میں تصوف کی بلورائیت اور جذبات کی شہیدہ سری سے معزایہ دو اور دو چار قسم کی جنسی شاعری قرار پاتی ہے۔

غالب کے تخلیقی شعور کی پختگی تک فحول نئی کے کئی ادوار مکمل کر چکی تھی۔ دلی 'میر' درد اور کھٹوری شعراء کی صورت میں فحول کے انفرادی رجحانات و ادایات کی صورت میں انھیں حاصل کر چکے تھے۔ جسمانی اور روحانی سطح پر عشق نے وہ دھاروں کی صورت اختیار کر کے ایک طرف درد اور دوسری طرف بعض کھٹوری شعراء (مثلاً جرات' انشاء وغیرہ) کے ہاں روحانیت اور جنسیت کی وہ امتلاؤں کو جنم دیا جبکہ وہ جنسیت (BI SEXUALITY) میر تقی میر کی نمایاں خصوصیت قرار دی جا سکتی ہے۔ ہم جنسیت اور مخالف جنسیت (HETERO SEXUALITY) قرار دے کے وہ پڑے ہیں جن میں اقل کر ہی میر کی شاعری کی قدردانی و منزلت سمجھیں کی جا سکتی ہے۔

خود غالب کے ہم عصر مومن کی شاعری میں بھی جنس کا واضح شعور ملتا ہے جب کہ مومن کو تو اس بنا پر غالب پر فوقیت بھی دی جا سکتی ہے کہ غالب نے اگر ایک عشق کیا تو مومن نے کوئی نصف درجن کے قریب (ان کے ہر عشق کی یادگار ایک ایک شکاری بھی ہے) کہنے کا مطلب یہ ہے کہ غالب کے ہاں بھی اگر ایسے اشعار ملیں جن کی جنس کی روشنی میں تخریج و توضیح کی جا سکتی ہو تو یہ نہ تو کوئی ایسا باطنیاد فعل ہے اور نہ ہی چونکا دینے والا اقدام (جیسا کہ مضمون کے عنوان سے قاری کو احتمال ہو سکتا ہے)۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی غلط رہے کہ غالب کا ناند سیاسی اجڑی اور اس کے ذہن اثر قدروں کی فکست کا ناند تھا۔ غالب اپنی فنی زندگی میں حسن پرست اور ایک جذباتی سو بھی ہو گا۔ وہ آرام و آسائش کا دلدادہ اور ہر قیمت پر اپنا بھرم قائم رکھنے والا مجاز رکھ بھی تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ اجڑی اور اشتکار سے بھی آنکھیں بند نہ کر سکا۔ اسی لئے تو ایسے اشعار بھی ہیں۔

فم اگرچہ ہلی حاصل ہے پچھیں کہلی کہ دل ہے
فم عشق مگر نہ ہوا فم ہوا نگار ہوا

دل ڈھونڈا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بٹنے دیں قصود پائل کئے ہوئے

فم ناند نے جھاڑی نکلا عشق کی مستی
دگر نہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے

غالب نے ایک ذکی الحس شاعر کی مانند اپنے ماحول کے تضادات اور ان سے جنم لینے والے رد عمل کو کئی جہات پر محسوس کرتے ہوئے موضوع فنی قرار دیا۔ اس کی شاعری کے مجموعی تاثر کو "تلفیات" قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے ہاں اقبال کی مانند ہائابلہ لھم مگر تو نہیں، لیکن غالب نے اپنے عصری مسائل اور اس میں لینے والے افروا کی تفہیم میں اپنے مشاہدے اور تجربات سے حاصل کردہ بصیرت ہی کو اپنا حلفہ قرار دیا۔ لیکن عقلی محض ذہن ہی تو نہیں بلکہ جسم بھی رکھتا ہے۔ غالب مر بھی تھا۔ اس لئے اس کے کلام میں ذہنی پیچیدگیوں کے سراغ بھی ملتے ہیں۔ یہ وہ نفسی کیفیات ہیں جو جنسی ترقیب اور اختلاعات (INHIBITIONS) سے جنم لینے والے گریز کے درمیان توازن

سے احوال کا ایک انداز مرتب کرتے ہوئے غالب (یا کسی بھی مرتب) کے جنسی مزاج اور مردانہ افراستہ کو اہاگر کرنے کا باعث بن گئی ہیں۔

خطوط اور شاعری کے مواد سے غالب کی جو تصویر ابھرتی ہے وہ زندگی اور اس کی دلچسپیوں سے پیار کرنے والے فرد (۱۸) کی ہے کیونکہ اپنی ذات (۱۹) سے پیار ہے اس لئے وہ اس کے حوالے سے افراد و اشیاء کو پہچانتا ہے یہ نکتہ اہم ہے کیونکہ اسی سے غالب کی طبع اور جنس کا رنگ "چمکنا" ہوتا ہے۔

غالب کی شاعری میں جنس کی رنگ آمیزی کے تجزیہ کے لئے درست قسم کے سوانحی حالات اور لفظی مواد کے فقدان کی صورت میں "جب خطوط کی طرف رجوع کیا جائے تو ایک خط سے غالب کے عشق کا حال بھی معلوم ہوتا ہے

"بہن! مثل بیچ بھی غضب کے ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں" مار دیکھتے ہیں۔ میں بھی مثل بیچ ہوں، عمر بھر میں ایک ہی ستم پیش ڈونسی کو مار دکھا تھا۔ پالیس بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے یا آئندہ یہ کوچہ بھٹ گیا۔ اس فن سے بھی بیکار محض ہو گیا ہوں، لیکن اب بھی کبھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اس کا مردانہ زندگی بھر نہ بھولوں گا۔"

"اعتراف" کی بناء پر یہ خط تاریک ماضی کو ٹٹولنے کے لئے روشنی کی ایک کرن ایسی اہمیت حاصل کر لیتا ہے کہ اس سے جوانی کے اس ہڈائی حادثے پر بھل سی روشنی پڑتی ہے لیکن کسی ایسے حادثے کی وقوع پذیری کا علم بذات خود بھی تو بہت اہم ہے۔ اس عشق کو جوانی میں چاہئے اور چاہے جانے کی خواہش کا والہانہ اظہار بھی سمجھ سکتے ہیں اور اسے شاعر کا اپنے تعلیمی بیانی کی محبوب کے دیکر میں صورت پذیری بھی قرار دیا جاسکتا ہے حقیقت خواد کچھ ہی ہو۔ لیکن جوانی کے اس واقعہ نے غالب پر جو شدید اثر کیا وہ اس قصہ سے عیاں ہے کہ "اس کا مردانہ زندگی بھر نہ بھولوں گا۔" غالب کیونکہ اپنی تخلیقی قوتوں کا حامل تھا اس لئے شاعری کی صورت میں جذبے کا ترشح کر لیا اور یوں "زلم مرگ دوست" تخلیقی تسبیح بن جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خواہشات جن کی چھین کی نفسیاتی الجھنوں کا باعث بن کر شخصیت کی صحت مند نشوونما کے لئے رکاوٹ بن سکتی تھی ان سب کا اظہار بلکہ تزکیہ جب غزل میں ہوا تو — آہیکہ جلدی و صہا سے بکھڑا جائے۔ ایسی حالت ہو گئی۔ غالب کے ہاں روانی مضامین سے قطع نظر عشق اور محبوب کا جنس پر استوار جو تصور ملتا ہے، کہیں وہ اس ناکام عشق کا علیہ تو نہیں؟

"مرا مثل" کو احتوں نے پر عشق دیا قرار

کیا پوچھا ہوں اس بت سے دلو گر کو میں

مانگے ہے بھر کسی کو لب بام "ہر ہوں"

دلف سیاہ رخ پہ پڑاں کئے ہوئے

چاہے ہے بھر کسی کو مقابل میں "آرند"

سرے سے تیز دشتہ حزمیں کئے ہوئے

اک نو بہار تاز کو تاکے ہے بھر نکاد

چو لہریں لے سے گشتیں کئے ہوئے

میں اور "خط وصل" خدا ساز بات ہے

غالب مجھے ہے اس سے "ہم آغوشیہ آورد"

"فرائض" — "موس" — "تاکے ہے بھر نکاد" — "خط وصل" — "ہم آغوشیہ آورد" محض الفاظ نہیں بلکہ حناؤں کے انکسار اور کیفیات کی تقسیم کے لئے اشاریوں کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ یہ اور اس نوع کے دیگر اشعار کے مطالعہ سے غالب کے جذبات کے بارے میں جو خاکہ ذہن میں ابھرتا ہے "وہ یک رنگ نہیں بلکہ اسے MOSAIC سے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے" جب کہ اس مشہور شعر میں تو اس نے اپنے حوالے سے ہر موجد کی فرائض کا انکسار کیا ہے۔

نہیہ اس کی ہے 'بارغ اس کا ہے' راتیں اس کی ہیں

تیری دھنیں جس کے ہاتھ پر پریشان ہو گئیں

اس ضمن میں غالب کے تصور محبوب کا چہرہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ کچھ شعراء نے عشق (عشق یا محازی کی تفصیل نہیں) سے وابستہ جذبات و احساسات کی عکاسی کو مرکز توجہ بنا کر ان رنگ بدلتی کیفیات کے انکسار ہی کو کمال فن ٹایا۔ جب کہ بعض نے محبوب کی ذات کے گرد تصورات کا "جہان نو" تعمیر کیا۔ محبوب کا پیکر ایک مشہور (PRISM) کی صورت اختیار کر لیتا ہے "عشق یک رنگ شعاع ہے جبکہ محبوب کی ذات اس میں توں قرع ایسی رنگا رنگی پیدا کرتی ہے" بظاہر عشق اور محبوب میں فرق نہیں معلوم ہوتا اور انہیں بالعموم حروف سمجھا جاتا ہے "لیکن ان میں باریک سا فرق ہے" "عشق لطیف اور دائمی قومیت کا جذبہ نہیں بلکہ "موجس" سے نگاہ کی اپنی ترین صورت بلکہ ابتدا "محبوب ہی اس کا محرک بننا ہے لیکن اختتامی صورتوں میں محبوب سے بھی بے نیاز ہو کر اور اس کے بعض تصورات سے بلوراء ہو کر جب ثنائی المعنی کی منزل آتی ہے تو شاعر اس نفسی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے "جس لطرت اور اپنی ذات دونوں ہی میں اسے کسی اور جہل جہاں آرام کا ٹکس نظر آتا ہے اور یوں اس کا دل اور نہیں لاکھات ایک ہی تل پر رقص کرائیں ملتے ہیں" لیکن محبوب کے وجود سے پھوٹنے والے تصورات اپنی بلند پروازی کی اجازت نہیں دے سکتے ان کی اساس کیونکہ جنس پر استوار ہوتی ہے اور مقصود وصل سے حسیل ذات ہے" اس لئے بلورائیت اور بلند پروازی کی بجائے زمین کے پودوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف جھکے اور پھٹنے کا رجحان لہریاں نظر آتا ہے۔ غالب نے عشق کا تذکرہ بھی کیا مگر وہ دود کی مانند اس میں ڈوب کر نہیں رہ جاتا "وہ طبعاً صوفی نہیں اس لئے" "یہ مسائل صوف" یہ تیرا بیان غالب "کہہ کر ساتھ ہی یہ بھی احساس کرا دیتا ہے "تجھے ہم دلی بگھتے جوتہ باد خوار ہو گئے"

غالب کی شاعری میں SACRED اور PROFANE کا مجیب فن کا اراذہ اخراج ملتا ہے چنانچہ یہ اور اس نوع کے دیگر اشعاروں کا ہی اہمیت حاصل کر لیتے ہیں کہ اس کے عشق اور محبت کے تصور میں کسی حد تک اس کی کارفرمائی دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی غلط رہے کہ انفرادیت پسندی کے باوجود غالب کے ہاں بہت سے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو ان کی قصی کینایت کے غماز یا نکاس نہیں بلکہ محض قافیہ کی رعایت یا غزل کی رعایت کی پیروی ان کا باعث ہے۔ اس لئے غالب کے تصور محبوب کا جائز لینے کے لئے صرف انہی اشعار پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہوگی جو اس کے مخصوص رنگ کے منظر اور قصی طبع کے غماز ہوں:

میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں
کس دعوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم (۱) حور نہیں

خدا کی ہے اور بات مگر خوری نہیں!
بہولے سے اس نے سچکوں دوسے دفا کئے

غیر کو یا رب وہ کہیں کر منع مکتافی کہے
مگر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شوا جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری مرغ اور نازک بھی گیا
رنگ کہتا جائے ہے پتلا کہ اوتا جائے ہے

اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا!
ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بچے (۲)

محبوب کی یہ تصویر یک دہی نہیں بلکہ متغیر خصائص اہاگر کرتی ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ "ہم حور نہیں" اسے ماورائیت سے سزا کر کے زمین پر لے آنے کے مترادف ہے۔ وہ خدی سی لگیں "خوری نہیں" اور پھر حیا دار انکا شرم کی بنا پر وہ غیر کو منع مکتافی بھی نہیں کر سکتا اور شاید اسی لئے عاشق ہو کر اس پری مرغ کا رنگ کہتا جائے ہے۔ "غالب کے ہاں SACRED اور PROFANE کے جس اخراج کا اشارہ آ" ذکر کیا گیا ہے اس کا اراذہ محبوب کے تصور کے ضمن میں بھی ہو جاتا ہے۔ متعدد جہاں اشعار سے ایک کوئل شخصیت کا تصور ابھرتا ہے۔ اب ذرا یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔ یہ اس "حیا دار پری مرغ" کا وہ سرا مرغ ہے:

تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز

میں اور دکھ تری مژدہ ہائے دراز کا

بہل میں غیر کی آنکھ سوسے ہیں کہیں دہ

سب کیا ہے غلب میں آکر مجھ ہائے پنہاں کا
 سے وہ کیوں بہت پختہ بزمِ غیر میں یا دب
 گنجِ حق ہوا منظور ان کو امتحاں اپنا
 میں انہیں چیزوں اور کچھ نہ کہیں
 چل نکلے ہوئے ہے ہوتے
 کیا غلب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
 بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے
 صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ غر
 دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کے

سوال یہ ہے کہ ان مخلوقِ خلوت سے مراد وہی محبوب کی یہ تصویر حقیقی ہے یا غالب کی اپنی
 PROJECTION یہ ایک ایسا دلچسپ اور اہم سوال ہے جس کا صحیح جواب نہ ملنے کے باوجود سوال کی نفسیاتی اہمیت
 کم نہ ہوگی۔
 غالب کا ایک مشہور شعر ہے:

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
 رہنے دو ابھی سائل و مینا میرے آگے

نفسیاتی لحاظ سے اس شعر کی تحلیل کریں تو غالب کے تحت الشعور میں دو رجحانات کی کارفرمائی کا مطالعہ کیا جا
 سکتا ہے: ایک کنزروی کا احساس اور دوسرے نظارے سے تسکین۔ یہ دونوں رجحانات بہت قوی ہیں۔ ظاہر تو یوں
 معلوم ہوتا ہے گویا نظارہ پرستی کنزروی کی وجہ سے ہے۔ لیکن اشعار کے تفصیلی مطالعہ کے بعد ایسا نہیں معلوم ہوتا
 کہیں کہ اپنی ہر لگانہ حیثیت میں بھی ایسے اشعار کی کہ انہیں کنزروی کا احساس اشعار کے علاوہ خلوت سے بھی حشر
 ہے۔ خلوت میں مختلف بیماریوں کے حوالے سے جسمانی کنزروی کا تذکرہ ملتا ہے بلکہ کافی سے زیادہ تذکرہ ہے۔ ظاہر ہے
 اشعار میں معدہ کی خرابی اور پاؤں کے درم اور ان سے پیدا ہونے والی جسمانی کنزروی کی تصویر کشی نہ ہو سکتی تھی
 لیکن پھر بھی کنزروی کی بات کی گئی ہے۔ یہ اعصابی کنزروی بھی ہو سکتی ہے اور اس سے بچھ کر جنسی کنزروی بھی۔

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگِ اختلاط کا
 ہے دل پہ ہر نقشِ صحبت ہی کیوں نہ ہو
 کر لیا ضعف نے نازِ غالب

لگ جی ہے ہوائی میری

مارا نالے نے اسد اٹھ ناں تمہیں

وہ دلوںے کہاں وہ ہوائی کدھر گئی

کم از کم یہ اشعار محض اور بے معنی کنوڑی کے غماز تو نہیں ہو سکتے۔ اس موقع پر اعتراض کرتے ہوئے اسے محض توجیہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ توجیہ ہی ٹھہرے تو توجیہ صحت کے عمل کی طرح بے بنیاد تو نہیں ہوتی یا اگر اب تک اور کسی نثر کا اس مضمون کی طرف دھیان نہیں گیا تو ان اشعار سے ہر ایک خاص نوع کا مضمون بالکل واضح طور سے حرج ہے۔ اسے غارت تو نہیں کیا جا سکتا؟ غالب کو اس کنوڑی کا "مراق" مضمون ہوتا ہے۔ کیوں کہ شوق اشعار کے ساتھ ایک مسلسل غزل بھی کہی ہے۔ آٹھ اشعار کی اس غزل میں صرف نصف شعر وہ اشعار مرکزی سوز سے ہٹ کر ہیں۔ دوسرے باقی سب کا مضمون کنوڑی اور اس سے وابستہ کیفیات ہی ہیں:

وہ فراق اور وہ وصل کہاں

وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں؟

فرست کا دروازہ شوق کے

لذوق نظارۂ بھلا کہاں؟

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا

شود سووائے خط و خال کہاں؟

ایسا آسماں نہیں ہو رہا

دل میں طاقے جگر میں حال کہاں؟

ہم سے پہلو؟ قرار غائبہ شوق

داں ہر جائیں کہ میں ہی کہاں؟

مخمل ہو مجھے توئی غالب

وہ عناصر میں اعتدال کہاں؟

مسلسل غزل نفسیاتی لحاظ سے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ غزل کے تکنیکی لوازم جس ابتکار فکر کے متقاضی ہیں۔ اس کی بنا پر جذبہ پچھل کر نہیں بلکہ سٹ کر اعتبار پاتا ہے۔ اگلے احساسات کیوں کہ گھٹاؤں کی طرح کھل کر نہیں بہتے۔ اس لئے وہ معرووں میں۔۔۔ بجلی کی لٹائی چمک کی مانند غزل گو کو سب کچھ دکھانا ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ تخلیق کی صورت میں جو ارتقا طر ہوتا ہے اور اس سے شاعر جو لاشعوری تکنیک حاصل کرتا ہے وہ

اسے ایک شعر تک محدود نہیں رہنے دیتی اور یہاں وہ ایک خاص نفسی کیفیت کے تحت مسلسل کہے جاتا ہے۔ غالب کے ہاں مسلسل غزلیں کم ہیں۔ لیکن جو ہیں وہ کسی نہ کسی نفسی کیفیت کے لئے کلید کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ غالب کے ہاں نگاہ پرستی کو دوسرا قوی و جہان قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیا اس کی وجہ ہمراہ میں جنش نہیں ہے یا کوئی اور نفسیاتی باعث؟ اس کے بارے میں حقیقی طور سے کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن اتنا ہے کہ اشعار اور مصرعوں کے علاوہ غالب کے ہاں ان تراکیب کی بھی کمی نہیں جن کا تعلق ”وید“ یا ”ویدہ“ سے ہے۔

”ویدہ“ نم — ”مہید نگاہ“ — ”ہلوة گل“ — ”گلہ شوق“ — ”ویدہ یکتوب“ — ”ہلوة غار“ — ”مہار نگاہ“ — ”چشم مسودہ“ — ”گلہ آفتاب“ — ”سورج نگہ“ — ”ہنق نگاہ سوز“ وغیرہ ایسی ترکیبوں کی فصل چند مثالیں ہیں۔

مصدقہ ذیل مصرعوں میں بھی یہی مضمون اظہار ہے:

ع	شیدان نگہ کا خوں بہا کیا؟
ع	کون لا سکتا ہے تپ ہلوة دیدار دوست؟
ع	تکلیف کو ہم نہ دیکھی جو لائق نظر ملے
ع	لیکن آنکھیں دوزخ دیدار دوزاں ہو گئیں
ع	موتے موتے دیکھنے کی آلودہ جائے کی

نگاہ پرستی سے لے کر جنسی نگاہ پرستی (VOYERISM) تک دیکھنے کے جو مراحل ہیں، غالب کے ہاں ان کے نشانات ملتے ہیں۔ کچھ تو اس روایت کے باعث کہ اس حد کی معاشرت میں عورت سے چونکہ ملتی سطح پر میل ملاپ کے مواقع کا فقدان تھا، اس لئے جو کچھ بھی تھا، ”میدہ نگاہ“ ہی تھا۔ شاید اسی لئے ہمارے ہاں لیس پر مبنی اشعار کی کمی ہے اور حواسِ فسد میں سے بھی زیادہ تر آنکھوں سے کام لیا گیا (مثلاً اویس تصوف میں ”ویدہ ویدہ“ کو اساسی اہمیت حاصل ہے) مگر غالب کے ہاں روایت کے ساتھ ساتھ کچھ اور روایتی نگاہوں کا بھی سراغ لگایا جاسکتا ہے۔ روایتی شعرِ غزلیت کے حسنِ ترتیب کے باوجود اس والہانہ پن سے عاری ہوتا ہے، جو ہنڈ کی آمیزش سے شعر کو بلند کر دیتا ہے اور اس لحاظ سے شعروں کا انتخاب واقعی دل کا معاملہ سمجھ لیا جاسکتا ہے۔ بہت سے اشعار میں سے چند مثالیں پیش ہیں:

پختے ہے ہلوة گل لائقِ تماشہ غالب
چشم کو چاہئے ہر رنگ میں وا ہو جانا
ہوئی ہے کسی قدر ارد زلف سے ہلوة
کہ مست ہے تیرے کوچہ میں ہر درد و دوا

کہیں بل گیا نہ تپ رخ یار دیکھ کر
 جن ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
 تو ہوا جلو کر مبارک ہوا
 ریش بھدہ جبین نیاز
 تہشا کرائے کو آئینہ داری
 تجھے کس تنہا سے ہم دیکھتے ہیں
 دل کو نیاز صرف دیدار کر چکے
 دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
 صد سے دل اگر اسود ہے گرم تلاش ہو
 کہ چشم نگ شاید کثرت نگار سے دا ہو
 آنکھ کی تصویر مرہٹہ پہ کھینچی ہے کہ نا
 تجھ پہ کھل جلدے کہ اس کو حسرت دیدار ہے
 نگارے نے بھی کام کیا داں غلب کا
 مستی سے ہر نگہ تیرے رخ پہ کمر مچی
 ہنوز عمری و حسن کو ترستا ہوں
 کہ ہے ہیزن سو ہم چشم دنا کا

اس مقالوں سے غلب کی دیدار پرستی کے مارج کا انکوائن لگانا دشوار نہیں رہتا اب سوال یہ ہے کہ غلب نے اس نگارہ پرستی سے کیا کام لیا؟ اس ضمن میں یہ اساسی حقیقت غور رہے کہ ایک عورت کو یا عاشق اپنے محبوب کو جب جنسی نگار سے دیکھتا ہے تو تمام جسم سے یکے وقت جنسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا جاتا بلکہ اپنی نفسیاتی ساخت اور جنسی مزاج کی بنا پر ایک کومہ عضو سے اس کشش کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس طرح جنسی نگارہ حواسِ ظہر کا تو مردوں میں مت ہوتا ہی ہے لیکن اس میں بھی اپنی مخصوص جنسی ائلڈ کے باعث کسی ایک حس سے وابستہ تہجیات کو بغیر پر فوقیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ عام زندگی کی بارہ شعراء نے بھی اپنی مخصوص جنسی افعال کی وجہ سے کسی ایک حس سے وابستہ تہجیات کو اپنے لئے باعث تحسین محسوس کرتے ہوئے ان سے وابستہ کیفیات کی ترجمانی میں خصوصی دلچسپی غلب اور والمان ہیں کا اظہار کیا۔ مثلاً سیر (5) کے ہاں محبوب کے پاؤں سے اتنی زیادہ دلچسپی ملتی ہے کہ بعض اوقات تو اس پر پاؤں سے FOOT FETISHIST کا گمان ہونے لگتا ہے۔ — صفحہ (8) اور حسرت (7) نے طبیعت کے اور رنگوں سے خصوصی غلب ظاہر کیا ہے۔ مزید برآں حسرت کے ہاں تو یہی بھی جنسی اہمیت ہے۔ کھستری شعراء کے

ہاں معاملہ بندی کے نام پر اس حیاتی شاعری نے خوب فروغ پایا۔ اس نقطہ نظر سے جب غالب کا جائزہ لیں تو اس کے ہاں راجان دید کے تحت قد اور رفتار سے زیادہ اور پائوسی و بوسہ بازی کے تذکرہ میں اس سے قدرے کم لمس سے دلچسپی ملتی ہے یوں تو قد اور رفتار کا تذکرہ بھی غزل کی مسلمہ روایات میں سے ہے اور دید کے نفسی راجان سے عاری ہونے کی بنا پر بھی بہت سے شعراء نے یہ مضمون اسی لئے ادا کیا ہو گا کہ پردہ کی بناء پر صرف قد اور رفتار ہی حسن دنیا بن سکتے تھے۔ لیکن غالب کا والہانہ بین ہی اس کے دل کا معاملہ کھل دیتا ہے:

جب تک نہ دیکھا تھا قد یار کا عالم
میں مستند فتنہ محشر نہ ہوا تھا
ترے سوا قامت سے اک قد تو م
قیامت کے نکلنے کو کم دیکھتے ہیں
سایہ کی طرح ساتھ ہماری سرد صنوبر
تو اس قد و کمال سے جو گزار میں آوے

قد کے بعد اب رفتار پر اشعار ملاحظہ ہوں:

جاہت ہوا ہے گردن بیتا پہ خون غلج
لوڑے ہے موج سے تری رفتار دیکھ کر
جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں طلیاں ادم دیکھتے ہیں
چل جیسے کڑی کلن کا تھر
دل میں ایسے کہ جا کہے کوئی

قد اور رفتار کا ایک ہی شعر میں حسین استخراج دیکھئے:

اگر وہ سود قد گرم خرام ناز آ جاوے
کف سر خاک گلشن شکل قمری تار فرما ہو

غالب کے ہاں SACRED اور PROFANE کی جس خصوصیت کی طرف سطور بالا میں اشارہ کیا گیا۔ اس کی کارفرمائی یہاں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ قد اور رفتار پر بحالیاات کے اعلیٰ ترین معیار پر پورے اترنے والے ایسے اشعار کے ساتھ جب وہ بوسہ بازی پہ اشعار کہتا ہے تو اس میں جنسی خواہش اپنی CRUDE صورت میں اظہار پاتی ہیں۔ نہ بوسہ برا نہ اس کی خواہش بری لیکن غالب نے بعض اوقات جس صنف آمیز لہجے میں اس خواہش کا اظہار کیا، اسے

صرف ہنسیت کی شدت کو کیوں فلاح کرنے کی سعی ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسے کیوں فلاح نہ کرنا ہی اسے PROFANE بنانا ہے۔" ورنہ اگر صحت مندانہ انداز سے اس کا بیان ہو تو اس میں کوئی قیامت نہیں۔ چند مثالوں سے یہ نکتہ حشر ہو جائے گا۔

بوسہ نہیں نہ دیجئے دشنام ہی سعی
آخر وہاں تو رکھتے ہو تم گروہاں نہیں
جاں ہے ہوائے بوسہ دے لیں کے ابھی
غالب کو جاننا ہے کہ وہ ختم جاں نہیں
فہم نہ ناگفت کو دود سے مت دکھا کے ہوں
بوسہ کو پہچتا ہوں میں منہ سے مجھے تاکہ ہوں
کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو تاکہ بھی منہ میں زبان ہے
صحت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خرا
دینے کا ہے بوسہ بغیر الفا کے
بوسہ دیتے نہیں اور دل پر ہے ہر لکھ لکھ
جی میں کہتے ہیں کہ صفت آئے تو مال اچھا ہے
دکھا کے جنش لب میں قائم کر ہم کو
نہ دے ہو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

بوسہ کی صورت میں لمسی صیلت کو غالب نے PROFANE تو بنایا ہی تھا مگر اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اس نے پاپوسی کی صورت میں اسے جنسی انحراف—DEVATION—کی صورت بھی دے دی۔ میں کجروی (PERVERSION) کی اصطلاح ہوں نہیں استعمال کر رہا کہ "انحراف" نسبتاً بے ضرر ہے، بلکہ کجروی سے ذہن میں مریضانہ اور عکبرانہ تصورات کے ساتھ ساتھ گھڑنے پین کا احساس بھی ابھرتا ہے۔ غالب کے ہاں پاپوسی کی خواہش تو ہے لیکن اس کا اعتبار جس انداز سے ہوا "اس کی وجہ سے قاری کے ذہن میں اگر کوئی اعلیٰ عدلیاتی تصورات نہیں ابھرتے تو کم از کم گندمی و فہمی کا بھی احساس نہیں ہوتا۔ میر خود غالب کی کئی مشابہتیں و دریافت کی گئی ہیں لیکن اب تک اس طرف کسی کی نگاہ نہ گئی کہ دونوں کے ہاں پاپوسی کا دھماکا بھی ہے۔ البتہ یہ ہے کہ میر کے اشعار میں اس خواہش نے اچھی خاصی OBSESSION کی صورت اختیار کر لی ہے بلکہ غالب کے ہاں اتنی شدت اور بے چینی نہیں

ملتی۔ اس نے اپنے مخصوص انداز میں یہاں بھی جنسیت کو بعض اوقات مزاح سے یکو لٹاج کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں اس کا بہت ہی مشہور شعر ہے:

اسد خوشی سے میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کما جو اس نے لدا میرے پاؤں داب تو دے

یہ اظہار پر مزاح بات ہوتی ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں 'پاؤں سے ہنسی دلچسپی رکھنے والے کے لئے پاؤں واجبہ کی فراغت و صحت وصل سے کم نہیں (بلکہ اتنا پسندانہ یا کھردرانہ صورتوں میں تو یہی وصل ہے) ہاتھ پاؤں پھولنا عمارہ سخی اور یہاں غالب نے اسے ہاتھ کر بظاہر اس سے گفتگو پیدا کیا ہے لیکن درحقیقت یہ اس جنسی اضطراب کے لئے اشارہ ہے، جو ایسے ہی مواقع سے مخصوص ہوتا ہے۔ غالب نے کئی اشعار میں اسی کیفیت کے تحت وصل کا مضمون بھی پانڈھا ہے:

میں اور خط وصل خدا ملا پات ہے
جاں نہ رہی بھول گیا اضطراب میں
ترے وعدہ پر جتنے ہم تو یہ جان بھوت ہانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

اسی نوع کے بعض اور اشعار سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ غالب کے "ذہنی اضطراب" اور "خوشی سے مرے" کی جو کیفیت وصل سے وابستہ ہے، اس کا اظہار اس نے غیر شعوری طور پر ہاتھ پاؤں پھولنے کا عمارہ ہاتھ کر کیا۔ میر اور غالب کے پاوی کے اشعار کے تقابلی مطالعہ سے کم از کم یہ تو بآسانی واضح ہو جاتا ہے کہ میر کے ہاں غالب کے مقابلے میں ایسے اشعار میں زیادہ شدت اور بے چینی پائی جاتی ہے اور یہ شدت ہی ان کی نفسیاتی اہمیت تھیں کہتے ہوئے انہیں جنسی مزاح کی تنصیب کے لئے اہم اشاریہ کی حیثیت دے دیتی ہے۔

غالب کے ہاں رفتار سے جس شینگلی کا اعتبار ملتا ہے گو اسے بھی نظرائے از نہیں کیا جاسکتا کہ رفتار سے پاؤں کا بھی تعلق ہے، لیکن ان اشعار سے جو مہر ہمارے سامنے ابھرتا ہے وہ ساکت پاؤں کا ہے، جب کہ آٹھ اشعار کی جس غزل کی مدلیف میں پاؤں ہے، اس میں ایک بھی شعر ایسا نہیں، جس میں محبوب کی رفتار کے حوالے سے اس کے پاؤں کا تذکرہ ہو بلکہ "جتنے ہیں خود بخود میرے اندر کن کے پاؤں" کہہ کر اپنے پاؤں کا تذکرہ کر بھی دیا۔

اس امر کی اعتراض کی طرف ہوں اشارہ کر دیا کہ غالب کے یہ اشعار میری دانست میں کیونکہ اس کی جنسیت کے ایک اہم زاویہ پر مدنی ڈالتے ہیں (وہ ناگہانی ہی سہی) اس لئے اس ضمن میں پیدا ہونے والی غلط فہمی کی وضاحت بھی لازمی تھی۔

اب اشعار ملاحظہ ہوں:

لے تو لوں سوتے میں اس کے پاؤں کا بوسہ مگر

مستحق ہوں کی مراد یہ ہے کہ جس عالم دین کو دیکھ کر میری "اقداس" چاہت میں ایک مرتبہ کامل ہونے کی محبت کی کہ تم کو ایک وسیع حضور میں، ہم باوجود
مخلوق و مخلوق میں، "اقداس" اور حیرت افزا "اقداس" کے، یاد رہے کہ مصیبت کی محبت کی شہ کی محبت، اس میں اس محبت، اس میں ایک لمحہ کی محبت کے لئے کام ہے۔
کہتے ہیں کہ "تپ نہ ہوتے" کہیں ایک لفظ کی اور کہیں کی مراد غلطی، غلطی کا شکر ہے اور "اقداس" کا شکر ہے۔
اس خط کے ساتھ ہی، "اقداس" بھی شامل ہے:

ماہنامہ علمی و ادبی "مشرقِ اوسط" کی قیادت
پروفیسر آغا محمد علی خان کی ہے۔

2014

جی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک بندوق تھی۔

۱۰۔ طالب کو یہ تصور دے کہ وہ ایک عظیم ہوتا ہے ایک اور فطرت بھی اس میں عظمیٰ کا ہے :

انہی پر ہی انہوں نے لکھی گئی عبارتیں ہم انہیں
تقریباً آج سے پچاس برسوں کے بعد دیکھیں

— 200 —

انسانی حق میں ہے کہ جس نے آپ سے اس کی سزا دی ہے اس کی سزا دی ہے۔

۱۰۔ اہل حق کے لیے سوائے عقل میں کسی اور اعتبار کے نہیں:

[illegible]

مقامی سطح پر ایسے ایسے ادارے ہیں جن کی مدد سے تعلیم کے شعبے میں بہتری لائی جاسکے۔

ایسے غلام ہی تھے کہ ہم ان کو دیکھ کر ان کے رگ سے ہلکے سے جھنجھکاؤ ہوتا تھا۔

ہماری ساری باتیں اور ہر بات کے لیے ہمیں سچے دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سچے دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات کو

وہی شخص جس نے اسے (توڑ کر) کھانے کے لئے کھینچ لیا ہے۔

وہ بھی خوش ہو گیا۔

وہاں کی ایک بڑی عورت نے میرے
 ہاتھ کو تھام لیا اور میں نے کہا

ہفت روزہ کی طرف سے

تم تک نہ ہوا کہ جو گود پر ما کا
 کلج لے لے طے نہ کہ ہم خوب بار
 دلچسپ دلی لگی ہو اس جی میں جی

صرف سوائی

اب اشعار ملا دیکھ ہوں:

لے تو ہوں سوتے میں اس کے پاؤں کا پوسہ مگر
 ایسی پاؤں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا

دھوٹا ہوں جب میں چپے کو اس بھٹسی کے پاؤں
 دکھتا ہے خند سے کھینچ کے باہر لگی کے پاؤں
 اس کے برنگس میر کے ہاں زیادہ المیہ ہیں ملتا ہے۔

آنکھیں لٹک سے اس کی لگا کر خاک برابر ہم بھی ہوئے
 مندی کے رنگ ان پاؤں نے تو بشتوں کو پامال کیا

اس کی پاہی کی توقع پر
 اپنے تئیں خاک میں ملائے گا



عندلب گلشن نا آفریدہ

امیر ہمدانی

عالم پہلا شاعر ہے جس نے ہماری شاعری کو جدید فکر اور نئے طرز احساس سے روشناس کرایا۔ غالب سے پہلے ہمارے ہاں طرز احساس کی تشکیل مسطر اقدار کے تأثر میں کی جاتی تھی جس کا لازمی نتیجہ وہ چند مضامین تھے جنہیں ہمارے شعراء اپنے اپنے طور پر دہراتے رہتے تھے اور کوشش کیا کرتے تھے کہ بابا برتے ہوئے مضامین کو نئے ڈھنگ سے بانٹ دیں۔ مسطر اقدار کے تحت عاشق کا ہر وقت پر پورا ہونا اور محبوب کا زیادہ سے زیادہ تعاقب کیش اور ہلکا ہونا بہت ضروری تھا لیکن تجربہ سے اس طرح کی وہاں حقیقت اور جہاں آگاہی کی تصدیق نہیں ہوئی۔ انسان اپنی زندگی اقدار کی نہیں بلکہ احوال کی مطابقت میں بسر کرتا اور اطراف کے حالات بدلنے کی صورت میں اقدار کے بدلنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ غالب نے بھی یہ ضرورت محسوس کی اور مسطر اقدار پر ذاتی تجربہ کو فطرت دیتے ہوئے کہا۔

اپنی ہستی ہی سے ہو ہو ہو کہ ہو
آہنی کر نہیں غفلت ہی سہی

ذاتی تجربہ کی یہ اہمیت و فطرت ہی جدید فکر اور نئے طرز احساس کی اتنا ہی ضروری ہے۔ یوں بھی ہمارا امیر سائنسی فروغ و ترقی کا عہد ہے اور سائنس کے تمام تر عمل کی بنیاد تجربہ ہے۔ سائنسی عہد نے مخصوص سائنسی مزاج اور سائنسی مدد کو جنم دیا جو بالآخر ذاتی تجربہ پر استوار فکرات پر طرز احساس پر منتج ہوا۔ اسی طرز احساس کو جدید حیثیت (Modern Sensibility) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اردو شاعری میں غالب بلاشبہ جدید حیثیت سے آراستہ پہلا شاعر ہے۔ ہماری روایتی فکر پر حیثیت پرستی Idealism کا طلبہ تھا جس کی وجہ سے ہم خیال مطلق IDEA ABSOLUTE کو حقیقت مطلق کے مظاہر سمجھتے تھے ظاہر ہے کہ جو چیز غیر حقیقی ہوگی تو اس سے منسوب تمام عقائد بھی غیر حقیقی ہوں گی مثلاً اشعار و مناظر اصول حرکت کے تحت ہر لمحہ بدلتے رہے ہیں لیکن غیبت پرست نظریں حرکت اور حرکت کے نتیجہ میں آنے والی تمام تبدیلیوں کو غیر حقیقی تصور کر کے ناقابل اشتکار قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اصول اول حرکت نہیں بلکہ سکون ہے کیونکہ مطلق میں کسی طرح کی تبدیلی ممکن نہیں اور تبدیلی و اتھ ہونے کے لئے سکون یا بے حرکتی لازمی شرط ہے۔ اس سکونی نظریہ کے تحت اقدار ناقابل تغیر ہیں جبکہ سائنسی فکر کے مطابق اقدار کا تعلق حالات سے ہوتا ہے لہذا حالات میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ اقدار میں تبدیلی فطری عمل ہے مثال کے طور پر بخاری کے دوبارہ کو لے لیتے ایک زمانہ تھا جب بخاری کو معاشرہ کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں اجرت پر کام کرنے کا رواج نہیں تھا چنانچہ مختلف جگہوں میں کھلتے کھاتے ہوئے لوگوں کو قید کر کے نظام بنالیا جاتا تھا یا پھر قرض و قیود ادا نہ کرنے کی صورت میں مقروض کو بخاری قبول کرنی پڑتی تھی۔ غلاموں کی خرید و فروخت کو جائز تسلیم کیا جاتا تھا۔ لیکن آج کل جب اجرت پر کام کرنے والے مزدور کثرت سے ملتے ہیں تو غلاموں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی لہذا اس دوبارہ کو انسانیہ کے معانی قرار دے دیا گیا ہے۔ اس طرح اور بہت سی باتیں

تجربہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب بھی حالات کی مطابقت میں تشکیل دی گئی تھیں "وفا" کے تصور ہی کو سنے لیجئے۔ ذری معاشرہ میں زمین ذریعہ پیداوار تھی اور اس سے چنے رہنے کی حد تک وابستگی معاشرہ کے لئے نہایت ضروری تھی اور زمین سے وابستگی کے ساتھ زمیندار تھے "وفا" ایک اعلیٰ قدر تھی۔ یہی اعلیٰ قدر معاملات عشق میں عاشق کے لئے نہ صرف لازمی قرار پائی بلکہ اس کی شہادت بن گئی لیکن جب صنعتی معاشرہ وجود میں آیا تو زمین سے وابستگی کی بنیاد اور زمیندار سے وفاداری کے تصورات میں تبدیلی کے قبائلی معاملات عشق میں تصور وفا میں بھی تبدیلیاں آئیں اب وفا اور جفا افراد کے عمل و رد عمل کی صورتیں تصور کی جاتی ہیں نہ کے مطلق اقدار۔

نئے طرز احساس کو اپنانے کے لئے صحت مند شعور کے ساتھ پہلی شریہ جدید فکر ہے بلکہ یاد اللہ یا کم از کم نئی فکر کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی برکتوں پر نظریں جمائے رکھنا ہے ہمیں اس کا تو کچھ سراغ نہیں ملتا کہ غالب کی نئی فکر سے کس حد تک یاد اللہ تھی البتہ تاریخ کے بارے میں اس کا صحت مند شعور اور سائنسی انکشافات کے ذریعہ سب سے پہلے پیش رفت پر اس کا نظریں جمائے رکھنا کچھ دشمنی نہیں حقیقتیں نہیں ہیں بھلپ کی کشتیوں کا سمندر دلوں کے سینے پر دوڑتا شعور میں دلوں کے چل بچھا اور دم پ میں طرح طرح کے کارخانے کھل جاتا کوئی تکمیل نہیں تھا۔ ان سب چیزوں کے پیچھے فطرت کی تسخیر کرنے کا انسانی عمل کار فرما تھا۔ یہ سب چیزیں انسان کی فطرت اور فطرت پر اس کے غالب آنے کے انسان تھیں غالب نے اس انسان کو جسے خود سے خا لود بڑی گرم جوشی سے اس کی تسخیر کی وہ تسخیر فطرت کے اس عمل اور تکنیکی پیش رفت کو نوع انسانی کے حق تک ٹھکانہ تصور کرتا تھا۔ وہ صنعتی انقلاب کی راہیں ہموار کرنے والی اس تکنیکی پیش رفت کا دل کی گمراہیوں سے استقبال کرتا نظر آتا ہے۔

اس تکنیکی پیش رفت نے ہنرمندی کو شرف و وقار سے ہمکنار کیا اور ہماری سوچ میں انقلابی تبدیلی پیدا کی تاریخ کے بارے میں غالب کے صحت مند شعور کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ وہ قیصر کے لئے تحریب کو ضروری تصور کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب تک موجودہ فرسودہ صورت کو مستحکم نہیں کیا جائے گا اس وقت تک جہاں تازہ کی تعمیر ممکن نہیں۔ قیصر میں خرابی کی صورت کا مضر ہونا ضروری ہے۔ خرابی یا تحریب کا ہر عمل خواہ وہ قیصر ہی کے لئے کیوں نہ ہو لوگوں کو جذباتی طور پر پریشان خاطر ضرور کرتا ہے تاریخی شعور سے محروم لوگ تحریب کے اس عمل کو سخت نا پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے اور گمراہیوں کے حلقہ میں جتا ہو جاتے ہیں برصغیر میں انگریزوں کی آمد کے بعد جو نوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہوا وہ دوائی طرز حیات کے حوالوں کے لئے حدود درج تکلیف و تھا جبکہ غالب جیسے بالغ فکر دانشور نے اس نوٹ پھوٹ کے نتیجہ میں ہونے والے کار آنے والی تعمیر کو محسوس کیا اور اس کی پذیرائی کی۔ اس سلسلے میں اس کا رویہ جرمنی کے مشہور شاعر گوٹے کے خیال سے بہت بڑی حد تک ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ گوٹے لکھتا ہے کہ "کیا اس تکلیف پر ہمیں رنج کرنا چاہئے جو ہماری آسمانوں میں اضافہ کرتی ہے" گوٹے کے اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہو گا۔ غالب بھی انگریزوں کی آمد کے بعد برصغیر کے دیکھی معاشرہ کی نوٹ پھوٹ سے پیدا ہونے والی جذباتی پریشان حالی کو مستقبل کے حق میں مبارک تصور کرتا تھا اس کی نظریں حال کے دکھوں کی چادر میں چھپی ہوئی مسرتوں کا نظارہ واضح طور پر کر دی تھیں۔ جس کا اس نے طرح طرح سے اظہار کیا ہے۔ مستقبل کے اس واضح نظارہ

کے تحت ہم اسے ”بہا طوطہ“ ”غالب گلشنِ آفرود“ کہہ سکتے ہیں۔

شعر گوئی کی صلاحیتیں اسے مہداء فیاض نے بڑی فراوانی سے عطا کی تھیں فارسی زبان سے اس کو بہت کمزور شغف تھا لہذا خود اس کے قول کے مطابق اس نے اپنے ایک شعر میں ”کہہ چہ“ کے بجائے ”یعنی چہ“ استعمال کیا تو اس کے استاد شیخ معظم نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔ ”کہہ دن بعد اسے ملاحظہ کی کہ کلام میں ایک شعر نظر نہ گیا جس میں لفظ ”کہہ چہ“ ”یعنی چہ“ کا معنی بھی استعمال ہوا تھا وہ کتاب لے کر استاد کے پاس دوڑا اور ان کو وہ شعر دکھایا۔ شیخ معظم اس کو دیکھ کر حیران ہو گئے اور مرزا سے کہا کہ تم کو فارسی زبان سے خدا داد مناسب ہے (بادگار غالب ص ۳۶) غالب کو مدوش عام پر چلتا بھیجن ہی سے ٹاپند تھا۔ وہ اپنا راستہ سب سے الگ اختیار کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کا ابتدائی کلام حوام میں تو کیا ادبی حلقوں میں بھی مقبول نہ ہو سکا البتہ مدوش عام سے الگ راستہ تلاش کرنے میں انہوں نے قوتِ فیصلہ سے بہت زیادہ کام لیا تھا جس کی وجہ سے آگے چل کر ان کے کلام میں جو بدورت ”مودت“ ملاحت و نزاکت اور بلند پروازی ملتی ہے اس کی مثال اردو شاعری میں مشکل ہی سے نظر آئے گی۔ اس کے ابتدائی انداز کلام کو دیکھ کر میر تقی میر نے کہا تھا کہ ”اگر اس لڑکے کو کوئی استاد مل گیا اور اس نے اسے سیدھے راستے پر ڈال دیا تو یہ لاہور اب شاعرین جیسے گا وہ نہ مہمل کہنے لگے گا۔ ہرچند اسے کوئی استاد تو نہیں ملا لیکن اس کی مشق اور اس کے تجربے نے خود اسے سیدھے راستے پر ڈال دیا اور میر کی بات سچ ثابت ہوئی۔

غالب کو یہ انہی طرح معلوم تھا کہ شاعری نہ تو اشیاء و مناظر کی ہو ہو تصویر کشی کا کام ہے اور نہ خیالات و تصورات کی وضاحت کو شاعری سے تعبیر کیا جاسکتا ہے البتہ خیالات و تصورات اشیاء و مناظر اور حالات و واقعات سے جو جذبات و احساسات ابھرے ہیں ان کو وہ سہول تک پہنچ کرنے کا عمل شاعری کہلاتا ہے لیکن اس عمل کی انجام دہی میں بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ جذبات و احساسات کی کوئی صورت نہیں ہوتی جس کے مطابق صورت خارجی اشیاء میں تلاش کر کے لوگوں کو دکھا دی جائے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے شاعر ایک ایسی فضا ابھارتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں شاعر کے جذبات و احساسات سے ملنے پہنچنے تاثرات پیدا کر سکے۔ ایسی فضا ابھارنے کے لئے شاعر ”تشوئوں“ ”استعدادوں اور ترکیب کے علاوہ مصرعوں کے مجموعی آہنگ سے کام لیتا ہے۔ غالب کو جذبات و احساسات کو اپنے خیالات اور الفاظ کو جذبات و احساسات میں ڈھالنے کا ہر بھر کمال آتا تھا یہی وجہ ہے کہ وہ جذبات و احساسات کو جس دلچسپی و انداز سے دوسروں تک پہنچا رہتا ہے۔ اس کی مثالیں اردو کے شاعروں میں خللِ خل ہی ملتی ہے ڈاکٹر ذہیر ”تہ“ نے غالب کی اس خوبی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے ”غالب کا کلام ایک ایسا آئینہ ہے جس میں اس کی اپنی باری زندگی چوری طرح عکس ہوتی ہے تاہم یہ عکس اصل سے کہیں زیادہ خوبصورت اور دلنواز دیکر بھی ابھارتا ہے۔ ارتقا کی تعریف بھی یہی ہے کہ کیفیت ”عزّان“ ”رنگین اپنی بنیادی خصوصیات ترک کے بغیر ارفع“ ”لطیف“ یا ”حسین“ نظر آنے لگے (تحقید اور تضاد ص ۱۵۵)

غالب کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت اس کی انفرادیت ہے۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہمارے روایتی شعراء خیر گئے بعد ہیں مضامین اپنے اپنے ذہن کے قائل تھے۔ جبکہ غالب اہموتے مضامین کو انفرادی انداز

سے جیسی کہنے پر نود دیتے تھے۔ ان کی شاعری میں وہ فضاء بھی نظر آتی ہے جو ان کے جذبات و احساسات سے ملنے
 جلتے تاثرات پیدا کرکے اور اسلوب کی وہ انفرادیت بھی جو نادر ترکیبوں اور استعاروں سے قطع نظر معصوموں کے
 مجموعی آہنگ سے۔ ایسے تاثرات ابھار دے جو دوسروں کو اس کے احساسات میں شرکت کو ممکن بنا دیں۔ مثلاً ان کا
 یہ مطلع دیکھئے۔

نورِ امن ہے پیدا دوستِ ہاں کے لئے وہ ہے نہ طرزِ ستم کوئی آسمن کے لئے
 اس مطلع میں پورے بیان تو بالکل زوالا نظر آتا رہا ہے لیکن ذرا الفاظ کے احاطہ اور مجموعی آہنگ کو بھی
 دیکھیں۔ پہلے مصرعے میں صرف "و" چار مرتبہ آیا ہے جس سے مصرعے میں ایک ٹھنڈائی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔
 ٹھنڈائی کی یہ کیفیت احساسِ امن کی آئینہ دار ہے جبکہ دوسرے مصرعے کی روانی سے اس خوشی کا احساس پیدا ہوتا ہے
 اور جو غم زمانے کے پرچہ سے نہایت پائے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح اس شعر میں لفظوں کی صوتیات اور
 معصوموں کے مجموعی آہنگ نے نہایت خوبصورتی سے شاعر کے جذبات و احساسات کو دوسروں تک منتقل کیا ہے۔ چند
 اشعار اور نئے جن سے غالب کے مفرد اسلوب اور اچھوتے مضامین کا بخوبی اعجاز ہو سکتا ہے

بلکہ مشکل ہے ہر اک کام کا آسان ہونا

آوی کو بھی سیر نہیں انسان ہونا

عرض نیازِ عشق کے کمال نہیں رہا

جس۔ دل پہ تار تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے

جراں ہوں بحرِ مشاہدہ ہے کس حساب میں

ہوس کو ہے نکلا کار کیا کیا کیا

نہ ہو مڑا تو پیچیدہ کا مڑا کیا

نہ تھا کہ تو خدا تھا کہ نہ ہوتا تو خدا ہوتا

اٹھو ابھ کو ہونے کے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

آتا ہے دارغِ حسرتِ دل کا شمار یاد

مجھ سے مرے گز کا حساب لے خدا نہ مانگ

ہے طیب طیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود

ہیں خواب میں بخود ہو جاگے ہیں خواب میں

ہزاروں حسرتیں الٹی کہ ہر حسرت پہ دم کھلے

بہت لگے مرے امان لیکن پھر بھی کم لگے
 لگنا غلہ سے آدم کا سینے آئے تھے لیکن
 بہت ہے آہود ہو کر ترے کوچہ سے ہم لگے
 طاعت میں تار ہے نہ مرہ واہمیں کی راگ
 دورغ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو
 محض مرنے پہ ہو جس کی امید
 تا امید کی اس کی دیکھا چاہئے
 میں ہوں مطلق چنا مجھ پہ چنا اور کسی
 تم ہو پیداو سے خوش اس کے سوا اور کسی
 ہم ہیں مطلق اور وہ ہے زار
 ڈا الٹی یہ ماہرا کیا ہے

اب کہاں تک احتجاج کیا جائے اس کا تو پورا دیا ان ہی مغزو اسلوب "اچھوتے مضامین" اور تشبیہات اور استعارات کا ایک دلاویز مجموعہ ہے۔

غالب کے مغزو اسلوب اور اس کی اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ہم یہ بات فراموش سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ بین الاقوامی سطح پر ناخدا و روزگار کہلانے کا دریا کے کسی بھی بڑے سے بڑے شاعر سے کم مستحق نہیں پڑا ہوئے کے ساتھ اسے اپنی پیدائی کا ٹود بھی پوری طرح احساس تھا چنانچہ ناز کی تائید دہی کو دیکھتے ہوئے اس نے یہ بات فراموش نہیں کی کہ ساتھ کسی تھی کہ "شہرت شعرم" یہ کہتی بہت سن خواہ شدن اور دنیا نے دیکھا کہ اس کا یہ دعویٰ بالکل درست تھا۔ بلاشبہ وہ ان چند لوگوں میں سے ایک تھا جنہیں "پیدا کرنے کے لئے فلک کو برسوں گردش میں رہنا پڑتا ہے۔"



غالب کا تصورِ جنت و دوزخ

مولانا غلام رسول مر

اس مضمون کے حقیقی بات چیت شروع کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا چاہئے کہ جن شاعروں کو ایک فلسفے کا مالک سمجھا جاتا ہے یا جن کے بارے میں عام عقیدہ ہے کہ وہ ایک خاص تعلیم یا پیغام لے کر دنیا میں آئے تھے اور انہوں نے اپنی پوری زندگیوں اسی تعلیم یا پیغام کی اشاعت میں گزار دیں، ان کے کلام میں بھی ایسے اشعار مل جاتے ہیں جنہیں ان کے فلسفے یا پیغام کے تحت نہیں لایا جاسکے۔ اگرچہ تعلیمات کے سطحوں میں کتنا ہی پھیلا دیا جائے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہیں خاص حالات پیش آئے، جن سے شاعر کے دل پر گہرا اثر پڑا اور وہ اثر بے اختیار شعریں کر زبان پر آگیا، یا شوق طبع کے رباب پر مضرب لگی اور ترانہ پیدا ہو گیا۔ غالب کے اردو اور فارسی کلام میں بھی ایسے کئی اشعار ملتے ہیں جنہیں جڑ و سزا آخرت کے مطلق غالب کے مستقل فلسفے سے کوئی مناسبت نہیں اور ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ یا تو وہ خاص اثرات کے ماتحت کے گئے یا وہ شاعری کی شوق طبع کے کرشمے تھے مثلاً:

داعی نہ تم سے نہ کسی کو بلا سکے	کیا بات ہے تمہاری شرابِ طور کی
خاہر ہے کہ گہرا کے نہ بھائیں گے کھیریں	ہاں، مند سے گھر بادۂ دو شہد کی بو آئے
وہ چیز جس کے لئے ہم کو ہو ہشت و مزہ	سوائے بادۂ کلام و شکوہ کیا ہے
خوش است کوثر و پاک است باد کہ دوست	ازان رجحی مقدس دریں خارچہ خط

آخری شعر جن حالات میں کہا گیا ہو گا، ذرا غور فرمائیں گے تو ان کا نقشہ کچھ اس طرح کا ہو گا کہ زندگی کی تکلیفیں حد برداشت سے بڑھ گئیں، حالات کی نامانگاری نے جتنا وہ بھر کر دیا۔ کسی ہمدرد و خزار نے دلداری اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ ان پر صبر کیجئے، آخرت میں ان تکلیفوں کا گراں بھارا اجر ملے گا، جنت نصیب ہو گی اور وہاں پینے کو کوثر کا دھل ہو گا۔ شاعر کو آخرت کے اجر سے انکار نہیں۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ اب کوثر نہایت پاکیزہ اور خوشگوار مشروب ہے، لیکن ساتھ ہی خیال آتا ہے کہ خدا نے تو اب جسم و روح کو خطاب کے فوری فلسفے میں بجز رکھا ہے اور کسی پہلو کی نہیں پڑی۔ اس معیبت سے نجات حاصل کرنے کی فوری تدبیر ہونی چاہئے کوثر کی بشارت آج کیا نامہ پہنچا سکتی ہے۔

یا مثلاً زندگی بھر اسی معیبتوں سے سہا پڑا کہ دل یاس و افسردگی کا بیکریں گیا، امید و آرزو کے سارے گل ڈسے گئے، ہر سمت دیرانی ہی دیرانی نظر آنے لگی شاعر سوچتا ہے کہ بعد جنت عطا ہو گی تو بے شک اس میں سراسر راحتیں اور آسائشیں ہوں گی لیکن یہ راحتیں اور آسائشیں ان رنجوں، غموں، تکلیفوں اور آرزو شکنیوں کی حلائی کیوں کر کر سکیں گی جن سے ہر بھر سہا پڑا رہا؟ لہذا بے اختیار ہو کر کہتا ہے:

جنت نہ کہد چارۂ افسردگی دل خیر پہ اندازۂ دیرانی باجست

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ہم پر غلوں کے ایسے میل گزرے کہ جنت بھی مل جائے تو ان کی خلق نہ کر سکے گی۔ شرفی طبع کی مثال میں یہ شعر بھی خوش کیا جاسکتا ہے:

ان پر جہانوں سے لیس گئے غلوں میں ہم انتقام
قدوت حق سے بھی عورتیں اگر دلی ہو گئیں

واقعی حالات سے متاثر ہونے کی کیفیت میں مثال میں لکھنے غالب کی طبیعت کا رنگ دھنگ شاہانہ تھا وہ امیر گھرانے میں پیدا ہوئے امیری کی فضا میں ابتدائی پرورش پائی وقت کے امیر زادوں کی سی عادتیں پختہ ہو گئیں۔ اس کے مقابلے میں دلی حالات گہڑے گہڑے تھے اس درستی پر پہنچ گئے کہ معمولی زندگی کے سامان بھی پیر نہ رہے امیرانہ لحاظ کو قائم رکھنے کے لئے قرض لینا شروع کیا۔ قرض پوچھنا کیا نہ طبیعت کا طور بدلا نہ دلی حالت بہتر ہوئی۔ قرض خواہوں کے تقاضوں نے ناک میں دم کر دیا آدھنی میں سے ان کو کچھ دے دلا کر مطمئن کرنا چاہا۔ تو گھر کا چراغ جلانے کی کوئی صورت نہ رہی۔ شاعر فطرتاً حساس ہوتا ہے اور غالب کی ذکاوت میں تو درجہ کمال پر پہنچی ہوئی تھی اس وجہ سے زندگی اس کے لئے نذاب و دغ سے سوا ہو گئی۔ اسی حالت میں کہتا ہے کہ قرض کر لے لےجے وہ قرض میں ڈال کر غضب باری تعالیٰ کے اس خود کا منہ سرپوش سے بند کر دیا گیا۔ اس پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ:

دلی کہ نہ باشد درد گل و دینی مصیبت در طلب پاسد و نال شکست از ذل
دلی کہ نہ باشد درد گل و مقام صعوبت شور و آوازے ٹھکانے مساجن
یعنی یقین رکھ مصیبت کی اس تنگنائی میں جوئی کی طرف سے دینی کپڑے کے لئے شکست نہیں ہوگی اور یقین رکھ کہ صعوبت کے اس مقام میں مساجن اپنا رویہ مانگتے نہیں پہنچے گا اور اس کی بیوقوفی شور سے طبیعت بد مزہ نہیں ہوگی۔

پھر شاعر بعض اوقات ایسا باتیں بھی کہہ جاتا ہے جن کی حقیقت تک عام لوگوں کی نظریں نہیں پہنچیں الفاظ سے سرسری طور پر جو معنی پیدا ہوتے ہیں انہیں کو صحیح مان کر وہ قیامت کر لیتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ معنی دلوں اور دماغوں میں اس طرح بے ست ہو جاتے ہیں کہ کسی کو مزید غور و فکر اور تحقیق و کاوش کا خیال ہی نہیں آتا۔ غالب کو اس قسم کی سہل انگاریوں اور خوش فہمیوں سے بھی سہاوت پڑتا رہا۔ میں اس سلسلے میں صرف ایک مثال پیش کروں گا اس کا مشہور شعر ہے۔

ہم کو مظلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے
عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس شعر میں غالب نے جنت کو بے حقیقت اور محض ایک خیالی سراپ قرار دیا ہے جو دل کو خوش رکھنے یا قریب مسرت دینے کے لئے ایجاد کی گئی ہے۔

میں جانتا ہوں کہ معنوروں کا ہر شعر مذہب شریعت کی میزان میں نہیں قرا جاسکتا۔ جو لوگ ایسے اشعار کے حقیقی حسن و فن کے مسلک پر چلتے ہیں وہ یہ کہہ کر گزر جاتے ہیں کہ یہ "مردانہ" بات ہے اور زندگی کے معنی کی درست تھانہ تشریح نہیں لیکن اگر غور و تحقیق کا قدم آگے بڑھایا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس شعر کے اور معنی بھی ہو

سکتے ہیں جنہیں غالب بلند نظری اور لدق حوصل سے زیادہ مناسب ہے۔ جنت کے حلقے لڑھی کتابوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے حکمت و معرفت کا مذاق رکھنے والے اصحاب اسے محض عازلی رنگ میں قبول کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدائے رحیم و کریم اپنے فرما ہوا اور اطاعت گزار بندوں کو نیک عمل کے بدلے میں سرور و راحت ابدی کی جو نعمتیں عطا کرے گا انکی حقیقت ہمارے تصور سے بہت اونچی ہے۔ مذہبی کتابوں میں اس سرور و راحت کو بیان کرنے کے لئے جو تصویریں اختیار کی گئیں وہی قصے جو انسانوں کی سمجھ میں آسکتی تھیں۔ مثلاً شاداب بارگ ہوں گے، ان میں سرس جادری ہوں گی۔ ایسی عورتیں ہوں گی جن کا دامن جن و انس میں سے کسی کے مس سے میل نہیں ہوا، سدا بہار میوے ہوں گے میرے خیال میں ان بات کا مقصد یہ ہے کہ ان نادرہ اور ناشیدہ نعمتوں کی ایک سرسری جھلک سامنے آجائے حقیقت اس سے بہت بلند اور انسانی فہم کی گرفت سے بہت بالا ہے۔ کہیں اس شعر کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ غالب اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہے کہ جنت اصلاً جو کچھ ہے اسے صرف عارف ہی جان سکتے ہیں عوام نے اظہار و بیان کے مجازی ذرائع کو حقیقت سمجھ لیا اور اسی کو دلوں کی مسرت و شادمانی کا سراپہ سمجھ کر تافح ہو گئے۔

لیکن جنت و دوزخ کے بارے میں غالب کا ایک خاص اور مستقل فلسفہ بھی ہے اس نے محض جزا و سزا کی حقیقت ہی بیان نہیں کی بلکہ عاصیہ اعمال کے حلقے میں جاہلانہ اظہار خیال کیا ہے۔ اگرچہ فیض شری نقطہ نگاہ سے اس کے باپ میں کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی اور ظاہر ہے کہ عاصیہ اعمال کے بغیر جزا و سزا کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً وہ کہتا ہے۔

بکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے گھسے پر تاج
آوی کوئی ہمارا دم خور بھی تھا
یعنی فرشتے ہمارے اعمال کے حلقے میں کچھ کہتے رہے وہی صاحب کتاب کے وقت ہمارے خلاف دستاویز بن گئی۔ ہمیں کیا معلوم ہو کیا کہتے رہے ہمارا کوئی وکیل یا مختار تو سب پر موجود نہ تھا تو ان کے کہنے ہوئے پر اعتراض کر سکتا اس ایک طرف غور کو کس بنا پر قبول کیا جائے۔ یہ شعور حقیقت تکلیت اعمال کے حلقے عام تصور پر ہی ہے ورنہ بارگاہ باری تعالیٰ میں کسی کو اس قسم کی بات کہنے کی کب جہل ہے جہاں انسان مجھے اپنے اعضاء و جوارح اس کی نیک یا بد اعمال کے گواہ ہوں گے۔

پس اعمال کے سلسلے میں دو راہیں ہیں ایک مردہ انسان کو مجبور ماننا ہے دوسرا اسے مختار تسلیم کرنا ہے۔ غالب کے ہاں دونوں مردہ ہوں گے انکار و خیالات کا ثبوت موجود ہے مثلاً

نکی دست از تو نثار اہم موزاکار
وہ خود بدیم کار تو اہم، انعام چیست؟
یعنی اسے خدا! تو نے جیسا ہمیں بنا دیا ویسے ہی اعمال ہم سے سرزد ہوتے رہے۔ جو صلاحیتیں وجود میں رکھ دیں وہ بدلے کار آئی رہیں۔ اگر ہم سے کوئی نیک عمل بن آیا تو وہ میری رحمت کا کرشمہ تھا اس کے لئے ہم کوئی اجر اور کوئی انعام ملتے تھے کہ ہمارے قصے میں اس لئے کہ اس میں ہمارا ہاتھ نہ تھا۔ اسی طرح اگر ہم برے ہیں اور ہم سے برائیاں سرزد ہوتی رہیں تو ہمیں بدلے ہوئے تھے ہر سزا کیل دی جاتی ہے۔

اس شعر میں انسان کو بخار نہیں بخورنا مانا گیا ہے اگر اسے ایک خاص دائرے میں بٹھا مانا جائے تو غالب کتا ہے کہ بے شک مجھ سے ایسے اعمال سرزد ہوتے رہے جن کا ارتقاب گناہ تھا اور ان کے لئے ضروری سزا ملنی چاہئے لیکن اس سلسلے میں بعض افعال کی حسرت بھی رہ گئی۔ اس لئے کہ بقدر آرزو اسباب بصر نہ آئے اب اگر گناہوں کا جائزہ لے کر مجھے سزا کے قتل نصرا یا جانا ہے تو میری حرقوں اور ناکامیوں کو چٹی نظر رکھتے ہوئے ان کا صلہ بھی دیا جائے۔ گناہوں کی سزا اور ناکام گناہوں کی حرقوں کو بالقابل دکھا جائے گا تو معاملہ برابر ہو جائے گا۔

ناگہ گناہوں کی بھی حسرت کی طے دار یا رب اگر ان گناہوں کی سزا ہے
آتا ہے دلخ حسرت دل کا شمار یاد مجھ سے مرے گنہ کا حساب اسے خدا نہ مانگ
اندھوں ہڈوں کے پرستش رو داؤد ہرچہ گذشت کاش باا خن از حسرت مانور کشت
مٹوئی سیر گمراہ کی مناجات میں اس مضمون کو غفلت پر ناخبر انداز میں پھیلا کر پیش کیا ہے اور اپنی حالت کا نقش ایسے رنگ میں کھینچا ہے کہ ہر حساس آدمی چہرہ کر پکار اٹھے گا۔ یہ غصی واقعی لائق بخشش ہے۔

دو ذوق کو غالب مذہب نہیں بلکہ ذریعہ اصلاح اور تہذیب ماننا ہے۔ کتا ہے اس زندگی میں انسان سے اچھے برے دونوں قسم کے افعال سرزد ہوتے ہیں طبعیتوں میں میل نکیل کے اجزا پائی رہ جاتے ہیں اور نیک عمل سے ان کا تضاد یہاں نہیں ہو سکتا۔ خدا نے پاک نے ان اجزاء کو دامن طبعیت سے چھڑانے کے لئے ایک گہا پہ تیار کر دیا۔ دو ذوق ہے۔ اس گہا پہ کا مقصد یہ نہیں کہ ہمیں دکھ اور انتہا پہنچائے بلکہ ہماری طبعیتوں سے میل نکیل دور ہو جائے اور ہم پاک و صاف ہو کر اس کی رضا و خوشنودی کے مستحق بنیں۔

کاشیدہ خدا ساز و خ گفت گہا پہ ساز از دو ذوق
غالب کا نظریہ یہ ہے کہ جس چیز میں نہایت احتیاط نہیں اور بدلتی رہتی ہے وہ آرزو کے لائق نہیں حسرت و شرمنا کی راہ دکھ جائے گا اور دل کو ہر لمحہ پریشان رکھتا ہے۔ یاس و ناامیدی اگر مستقل ہو تو اس پر تلکبج ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

گردش رنگ طرب سے دور ہے خم عمودی جلوہ نہیں
اسی نظریے کی بناء پر دو ذوق کے حلقے لکھتا ہے:

لنہار از شب دو ذوق جلوہ حرس خوش ہمارست گزہ ہم خواں برخیزو

یعنی دو ذوق کے دائمی عذاب سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے یہ تو ایک ایسی ہمار ہے جس پر کبھی غصہ نہیں آئے گی۔ جس بار کو خواں کا کوئی خوف باقی نہ رہے عدا سے کون پسندیدہ اور مرغوب نہیں کہے گا؟ پھر وہ صرف رضائے خدا یا محض خدا کا طلب گار ہے۔ جنت کو اپنا نصب العین نہیں بنانا چاہتا اس کے نزدیک جنت کی آرزو وہ حقیقت اپنے احساس لذت کی تسکین کی آرزو ہے اس میں لہبت نہیں۔ عمل وہی قابل قدر ہے جس میں لہبت ہو جو خالصتہ خدا کے لئے ہو اپنی کوئی غرض اس میں شامل نہ رہے۔

طاقت میں نہ رہے نہ سے دانگبیں کی لاگ دو ذوق میں ڈال د کوئی لے کر بشت کو

اس نے اپنے دل کو تمام آرزوں سے پاک کر لیا تھا صرف ایک آرزو اور طلب باقی رہ گئی تھی اور وہ یہ کہ خدا کی رضا کیا ہے؟ وہ خوش ہو کر اپنے بندے کو کیا دیتا ہے؟ غالب کہتا ہے کہ جن لوگوں کو اپنے اچھے اعمال پر ناز ہے اور ان کے فتنے میں مست ہیں یعنی ان کی جزا کے طلب گار ہیں ان کی خواہش یقیناً یہی ہوتی ہے کہ دوزخ سے بچ جائیں اور بہشت میں جگہ پائیں میری نظر بالکل الکل کی عطا ہے اس کی بارگاہ لطف سے شطہ ملے یا پہول دوزخ کی آگ ملے یا بہشت کی بہار اس کو تمام آرزوں کا حاصل اور تمام ترسوں کو نچوڑ سکتا ہوں۔ اگر اپنی خواہش کو اس کی عطا پر مقدم رکھوں تو یہ بات تمام رضا میں ثبات کے خلاف ہوگی۔

ظہور منکلات بہ غلظہ و ستر کو یسنت

مطلق عطا شطہ ز گل باز نہانت

یہی مقام ہے جہاں پہنچ کر اس نے کہا:

مناقص گر ہے ذابہ اس قدر جس بارغ رضواں کا

وہ آگ گدست ہے ہم سے خودوں کا طاق لہیاں کا

جس بارغ رضواں کی مناقص میں ذابہ اس قدر سرگرم ہے ہم بے خود ان عشق حق نے اسے طاق لہیاں کا ایک گدست سمجھ رکھا ہے۔ یعنی بالکل بھلا دیا ہے اور ہمارے ذہن اور دماغ میں اس کے تصور کی بجلی سی جھلک بھی نہیں گزری اس مضمون کو فارسی کی ایک روایت میں بیان کیا ہے:

آن را کہ علیہ ازل در نظر است ہر چند بلا پیش طرب بیشتر است

فرق است میان من و صفای در کفر بخشش و گداز عبادت دگر است

ایک جگہ کہتے ہیں کہ اسے محبوب ازل یا ہم تو میرے دیدار کے پاسے ہیں۔ ہمیں بہشت کی آرزو کیوں ہو؟ وہ تو ہماری نظر میں ایک سراب ہے جس سے پاس نہیں بچھ سکتی بلکہ تھوڑے ہی وقت میں گدھ دھارے کی طرح مر جاتا ہے۔ پھر عارفوں کے اعجاز میں فرماتا ہے کہ بندے اور باری تعالیٰ کے درمیان ایک راستہ ہے جسے ملے کے بغیر بندہ ضروری کا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ بہشت کی خاص چیزیں کہاں ہیں؟ کوثر اور طوبیٰ عارفوں کے نزدیک ضروری کے راستے میں کوثر ایک چشمہ ہے اور طوبیٰ ایک سایہ دار درخت یعنی وہ خطی مقصود نہیں ہیں۔

راہست زعبدا حضور اللہ خدای تو دواز گیز خدای کو تہا

ایں کوثر و طوبی کہ نکلتے داد سرچشمہ و سایہ ایست درنہدہ راہ

بخشش کا کون طلب گار نہیں، لیکن غالب کے نزدیک محض صیغی اور رعایت کی بنا پر بخشا جانا باعث شرمساری ہے اور شرمساری اس درجہ اذیت پہنچاتی ہے کہ سات دوزخوں کی آگ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

بغت دوزخ در نہاد شرمساری مضراست انعام است ایں کہ باہرم عاردار کرد

خدا نے لطف و نوازش سے ہمیں بخش دیا۔ ہم شرمندگی سے پانی پانی ہو گئے۔ عزت کا تقاضا یہی تھا۔ اس شرمندگی نے ہمارے دل کو جو دکھ پہنچایا اس میں سات دوزخوں کے برابر عذاب تھا۔ بلاشبہ ہم پر صیغی ہوتی اور

ہمارے ساتھ رعایت دیتی تھی۔ لیکن بد عملی کا عذاب اس سے بدرجہا بڑھتا دیکھئے اس شعر میں حسن و عمل کا کتنا پاکیزہ
سبق موجود ہے اس بات پر حیرت کو میں غالب کی نین دیاں ہوں پر غم کرتا ہوں جن سے ایمانہ ہو سکے گا کہ اس کے
بدن کا ہر قطر خونِ عشق کی حرارت سے کس درجے گرم تھا۔

یا رب نفس شرارہ بخشد	یا رب مژدہ ہائے دجلہ ریخ
بے سود فہم عشق مہلدا زخار	جانے کہ ہے روز مستحضر بخشد
اور است اگر ہزار جزم بخشد	اور است اگر ہشت نیزم بخشد
مردست فرا کھم ہے سو گوند نشاط	جانے کہ ہے روز مستحضر بخشد
قانع نیم ہشت نیزم بخشد	از بخش غاص تپہ جزم بخشد
امید کہ صرف رونائے تو شود	جانے کہ ہے روز مستحضر بخشد



ڈاکٹر سہیل بخاری

مرزا غالب کی ایک الجھن

اوحار کون نہیں لیتا رہتا ہے اوحار کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور جب اوحار حد سے بڑھ جائے تو لوگ چونک اٹھتے ہیں اور انہیں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوئی چاہے غالب کو اوحار لینے کا ایک روگ سا لگ گیا تھا کہ جب تک جیتے رہے اوحار ہی میں ڈوبے رہے اور مرے تو بھی آٹھ سو روپے کے دین دار لگے جو ان کی بیوی نے رام پور کے نواب سے مانگ کر پکاتف۔ مرزا کو شروع سے ۱۸۵۷ء تک انگریزی سرکار سے ساڑھے پانچ سو روپے صید کی پیشین گوئی رہی ہے پر ایسا لگا ہے کہ اس میں ان کا گزارا نہیں ہو پاتا تھا کیونکہ ۱۸۵۵ء میں وہ حکیم احسن اللہ خان کی سفارش سے بہادر شاہ ظفر کی سرکار میں تھوری خاندان کی تاریخ لکھنے پر نوکر ہو گئے تھے اور پچاس روپے صید محض ہانے لگے تھے۔ اس پر انہوں نے ایک شعر بھی کہا ہے:

غالب و عقیقہ خواہ ہو وہ شاہ کو دعا

وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

۱ جون ۱۸۵۵ء کو انہوں نے مرزا قتل کو ایک خط میں لکھا:

"یہ قصداً دعاگو اگرچہ اور امور میں پایہ عالی نہیں رکھتا مگر احتجاج میں اس کا پایہ بہت عالی ہے یعنی بہت محتاج ہوں۔ سو سو میں میری پچاس نہیں سمجھتی۔ قصداً ہی بہت پر سو ہزار آفریں۔ سب پور سے مجھ کو اگر دو ہزار ہاتھ آجائے تو میرا قرض دفع ہو جاتا اور پھر اگر دو چار برس کی زندگی ہوتی تو اتنا ہی قرض اور مل جاتا۔ یہ پان سو تو بھائی قصداً ہی جان کی قسم حفرات میں جا کر سو ڈیڑھ سو بیچ دیں گے سو وہ میرے صرف میں کریں گے۔ مباحثوں کا سودی ہو قرض ہے وہ بھر دو چار سو کے باقی رہے گا اور وہ جو سو باجو صاحب سے منگوائے تھے وہ صرف انگریزی سوداگر کے دیئے تھے۔"

۲۳ جون کو پھر انہیں لکھتے ہیں:

"بھائی جس دن تم کو خط لکھا تیسرے دن صوبہ گلگت کی عرض اور پنجیس روپے کی رسید اور پان سو کی حطوی پہنچی۔ تم کہے۔ باجو صاحب نے پنجیس روپے صوبہ گلگت کے لئے اور مجھ سے مجوزانہ لئے۔ بہر حال حطوی ۳ دن کی سیاحتی تھی۔ ۶ دن گزر گئے تھے ۶ دن باقی تھے۔ حتیٰ کثرت کہ روپے لے لئے۔ قرض حفرتی سب کا ادا ہوا۔ بہت سبک دوش ہو گیا۔ آج میرے پاس ۴۷ روپے نقد بکس میں اور ۳ بونٹل شراب اور ۳ پیسے گلاب کے خوش خالصے میں موجود ہیں۔"

۱۸۵۵ء میں رام پور کے نواب یوسف علی خان ان کے شاکر ہوئے تو وہاں سے بھی انہیں کچھ مدد ملے گی۔ شش

غلام غوث ہے خبر کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"نواب یوسف علی خان بہادر، والدہ رام پور کے میرے آٹھائے قدیم ہیں، اس سال ۱۸۵۵ء میں میرے شاگرد ہوئے۔ تاہم ان کو تھکس دیا گیا۔ میں کچھ غزلیں اصلاح دے کر بھیج دتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ ادھر سے آتا رہتا۔ بھلے کی محکومہ جاری، انگریزی فیشن کھاتا ہوا، ان کے عطایا توجہ منے جاتے تھے۔"

اس زمانے میں بھی جب کہ تین تین جگہ سے آگئی ہوتی تھی، مرزا کے دن شاید ہی اتنے گزرے ہوں کیونکہ ساڑھے ہاتھ اور پچاس روپے سب لاکر ایک سو بارہ روپے آٹھ آنے میں نہ ہوتے تھے اور نواب صاحب کی رقم گاہ گاہ ہی ملتی تھی۔ مرزا جیسا بیچارہ تو پانتے ہی نہیں تھے، ہر ملتا تھا وہ خرچ کر دیتے تھے، پھر اس کے آگے وہ ہی برس بچھے آزادی کی لڑائی ہو گئی تو بہادر شاہ تخت سے اتر گئے۔ دہلی کی محکومہ جاتی رہی اور انگریزی سرکار سے ہر فیشن ملتی تھی وہ بہادر شاہ کا ساتھ دینے کے شبہ میں روک لی گئی۔ اس کے بعد ان کے ہندو دوست اور شاگرد ان کی خدمت کرتے رہے، یہاں تک کہ جولائی ۱۸۵۸ء میں رام پور کے نواب نے ان کی سو روپے میں نہایت محکومہ کردی، ہر انصاف ہر مہینے ملنے لگی۔ اس میں ان کی کیا گزر ہو سکتی تھی۔

مئی ۱۸۶۰ء میں پٹنن کھلی اور تین سال کا لکھا روپیہ ملا۔ اس کا حساب ۶ مئی ۱۸۶۱ء کے خط میں مرزا قند کو لکھتے ہیں، جس سے اس سچ کے زمانے کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے:

"زور سر سالہ مجتہدہ ہزاروں کہاں سے ہوئے۔ سات سو پچاس روپے مل پاتا ہوں۔ تین برس کے ۱۰ ہزار اور ۱۰ سو پچاس روپے ہوئے۔ سو روپے مجھے ہر خرچ ملے تھے وہ کت گئے۔ ذبحہ سو روپے مفرقات میں گئے۔ دسے ۱۰ ہزار روپے۔ میرا فکر کار ایک بنایا ہے اور میں اس کا قرض دار قدیم ہوں۔ اب ہر ۱۰ ۱۰ ہزار لایا اس نے اپنے پاس رکھ لئے اور مجھ سے کہا کہ میرا حساب کچھ سات کم چودہ سو اس کے سو سال کے ہوئے۔ قرض حققی کا اسی سے حساب کر لیا۔ گیارہ سو گئی روپے ۱۰ ٹکے، چودہ اور گیارہ ۳۶ سو ہوئے۔ اصل میں یعنی ۱۰ ہزار میں چھ سو کا گھٹا۔ وہ کتا ہے چودہ سو میرے دے ۱۰۔ پانی سو سات روپے باقی کے تم لے لو۔ میں کتا ہوں مفرقات گیارہ سو چکا دے، تو سو باقی رہے، کدھے تو لے، کدھے مجھ کو دے۔"

اسی روپے کا حساب مرزا علاؤ الدین خاں کو بھی لکھا ہے:

"فیشن ہے کم و کثرت جاری ہوا۔ زور مجتہدہ سر سالہ یک مہنت مل گیا۔ بعد اوائے حقوق چار سو روپے دینے باقی رہے اور ستاسی روپے گیارہ آنے مجھے بچے۔"

اس کے بعد مرزا کو سرکاری فیشن اور رام پور کی محکومہ ملا کر ایک سو ہاتھ روپے آٹھ آنے ملے گئے تھے اور رام پور سے انعام الگ۔ مرزا کی گزر بھر بھی نہیں ہوتی تھی۔ ملاحوں سے سو پڑ روپیہ ادھار لینے رہتے تھے، یہاں تک کہ آخر میں آکر ان لوگوں نے بہت کڑے قاضیہ کئے تو مرزا نے، ہر رام پور کے نواب سے اپنے پوتے حسین علی خاں کی شادی کے لئے روپیہ مانگنے کو کئی خط بھیج چکے تھے، گھبرا کر انصاف لکھا کہ مجھے آٹھ سو روپے ہی بھیج دو، جس

سے میرا احوال چک جائے اور عزت بچ جائے۔ میں حسین علی خاں کے بیاد کے لئے بھر دے یہ نہیں مانگوں گا۔

مرزا کی اس پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ ان کی آمدنی ان کا خرچہ ہوا نہیں کر پاتی تھی اور خرچہ اس حالت بات کا تھا جو وہ رکھتے تھے اور رکھنا چاہتے تھے۔ وہ گھر سے باہر بیس میں ٹٹکتے تھے اور گھر میں کتے ہی ذکر چاکر رکھتے تھے جن کا ذکر اپنی کئی چٹھیوں میں کرتے رہے ہیں۔ وہ یوسف مرزا کو لکھتے ہیں:

"اب خاص اپنا دوتا دوتا ہوں۔ ایک بڑی دو بچے تین چار آدمی گھر کے۔ گھر 'کیاں' ایاز بہ ہمارے مداری کے جو وہ بچے گویا مداری موجود ہے۔ میاں گھن گئے گئے مینہ بھر سے آگئے کہ بھوکا مرنا ہوں۔ اچھا بھائی تم بھی رہو۔ ایک پیسے کی آمدنی نہیں۔ میں آدمی دوتی کھانے والے موجود۔"

ایک اور خط میں طائی کو لکھتے ہیں:

"اگم نکس ہوا" چہ کیا ہوا "سو ہوا" مول ہوا "بی بی ہوا" بچے ہوا "شاگرد پیشہ ہوا" آمدنی ایک سو باسٹھ تنگ آگیا "گزارا مشکل ہو گیا۔"

یہ حالت رکھنے کے لئے مرزا کو احوال سے کام چلانا پڑتا تھا۔ پر سوال یہ ہے کہ وہ آمدنی سے اپنا خرچہ کیوں نہیں نکالتے تھے اس کا حال ان کے اس خط میں لکھا ہے جو انہوں نے مرزا قربان بیگ کو لکھا ہے:

"میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کیا ہے۔ جو وہ مجھے پہنچتا ہے 'کتابا ہوں' لو غالب کے ایک اور بھائی 'گلی' بہت اترا تھا کہ میں بڑا شاعر اور قاری دان ہوں 'تج دور دور تک میرا جواب نہیں۔ لے اب تو قرض داروں کو جواب دے۔ کچ تو یوں ہے کہ غالب کیا مرا' طہ مرا' بڑا کافر مرا۔ ہم نے از روہ تعلیم جیسا باز شاہوں کو بعد ان کے جنت آرام گھر و عرش نشین خطاب دیتے ہیں 'چونکہ یہ اپنے کو شاہ قلم رو خن جانتا تھا' مگر مقرر اور حلیوے زاویہ خطاب تجویز کر رکھا ہے۔ آئیے نظم اللہوہ ہلور 'ایک قرض دار کا گریبان بھی ہاتھ' ایک قرض دار بھوکتا رہا ہے 'میں ان سے پوچھ رہا ہوں 'ابھی حضرت نواب صاحب 'نواب صاحب اور خاں صاحب آپ سلطنتی اور افریباتی ہیں' یہ کیا ہے حتمی ہو رہی ہے۔ کچ تو اکسو' کچ تو یوں۔ بولے کیا خاک۔ بے حیا' بے فیہر۔ کوٹھی سے شراب بگدھی سے لکھاب' بڑا ز سے کپڑا' سیدہ فروش سے آم' صرف سے دام قرض لئے جاتا ہے۔ یہ بھی سوچا ہوتا کہاں سے ہوں گا۔"

یہی بات انہوں نے اپنے ایک شعر میں بھی کہی ہے:

قرض کی پیتے تھے سے لیکن کھتے تھے کہ ہاں

دک لائے گی ہمارے ذات سستی ایک دن

مرزا کی ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ احوال کی ان پریشانیوں میں انہیں اپنے بڑے آدمی ہونے کا برابر دھیان رہتا تھا اور دھیان کیوں نہ ہوتا جب کہ اپنا بڑا پن اور بڑے پن کا بھرم رکھنے ہی کے لئے وہ یہ سب ٹھیکیں اٹھاتے تھے اور ہمیں اس سوال کا بھی جواب مل جاتا ہے کہ وہ اپنا خرچہ کیوں نہیں نکالتے تھے جس سے اپنی آمدنی ہی میں ہمارے پڑتی رہتی۔ مرزا کی پوری زندگی کٹ گئی اور وہ اپنے اپنے گھر لے کر راست اور نامور ہی کے گیت گاتے رہے ان

دہریں میں بھی جب کہ مل میں سب کو اپنی اپنی جانوں کی چڑی ہوئی تھی، مرزا ایک ہی راگ الاپتہ رہے۔ مولانا مانی نے "یارگار غالب" میں جو لکھا ہے کہ مرزا کے دروازے پر لوٹے لنگڑے اور لالچ فقیروں کا ایک جھگڑا لگا رہتا تھا، اس کا رن بھی یہی تھا کہ وہ ایسے لوگوں کی مدد کر کے ہی اپنے بے چین کا بھرم دکھ سکتے تھے۔

جب دہلی کالج میں فارسی پڑھانے والے کی جگہ بدعنوانی گئی تو حکومت ہند کے سیکرٹری مسٹر ہامن نے مرزا غالب کو بلایا۔ یہ پاگلی پر ان کے ہاں پچھلے پر پاگلی سے اس لئے نہیں اترے کہ ہامن صاحب آپ انہیں لینے آئیں۔ جب ہامن صاحب کو پتا چلا تو وہ باہر آئے اور مرزا سے کہا کہ "جب آپ گورنر کے دربار میں آئیں تو آپ کی کو بھگت اسی طرح کی جائے گی۔ اس گھڑی آپ فکری کے لئے آئے ہیں، اس لیے دنیا ہی پر تکی نہیں ہو سکتا۔" مرزا نے جواب دیا کہ "گورنمنٹ کی ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا ہے کہ اعزاز بہک زیادہ ہو؟" نہ اس لئے کہ مہذبہ اعزاز میں بھی فرقی آئے۔" صاحب نے جواب دیا کہ "ہم قاعدے سے مجبور ہیں۔" اس پر غالب یہ کہہ کر بچے آئے کہ مجھ کو اس ملازمت سے معاف رکھا جائے۔

بکہ لوگ! اسے مرزا کی خودداری کہتے ہیں جیسا کہ ان کے شعروں سے بھی ظاہر ہوتا ہے:

ہندگی میں بھی وہ آزاد و خود بھی ہیں کہ ہم

اٹلے پھر آئے در کعبہ اگر دانہ ہوا

ہم پکاریں اور کھلے، یوں کون جائے

یار کا دروازہ پائیں مگر کھلا

یہ شکایت غالب پڑھ کر اس خودداری کا کہیں کھوج تک نہیں ملتا۔ انہوں نے رام پور کے قواب سے روپے مانگنے میں ذرا سی بھی جھجھکی نہیں دکھائی، نہ روپے مانگنے کا کوئی ذہب ہی مجھڑا۔ یہ بھی لکھتے ہیں کہ مانگتے شرم آتی ہے اور پھر مانگتے بھی جانتے ہیں۔ کبھی قصیدے کے بدلے اور کبھی کسی اور ہمالے سے انعام مانگتے ہیں اور کبھی دیتے ہیں کہ تحفہ میں سے یہ رقم کافی نہ جائے۔ اپنے چوتے حسین علی خاں کے بیاد کے لئے روپیہ مانگنے کو نکاتار چہ چٹیاں نکلیں، آخر جب احوال مانگنے والے غالب کی جان کھانے لگے تو گھبرا کے کھسا کہ بلا سے آٹھ سو روپے ہی بھیج دو جس سے میری لاج تو رہ جائے۔ میں اب حسین علی خاں کے بیاد کے لئے روپیہ نہیں مانگوں گا۔

اس کے لئے ان کے کچھ خطوں سے کچھ مثالیں لکھتا ہوں، ذرا مرزا کا لہجہ دیکھئے:

"آپ کے اس نکلے دار، دوزخہ خوار فقیر نے آپ کی دعا میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ (نظ ۱۲/۵۳)۔

"مکاتیب غالب"

"کہ پیام میں سلاطین و امرا خیرات کرتے ہیں۔ اگر حسین علی خاں حقیق کی شادی اس صبح میں ہو

جائے اور اس بڑے لالچ فقیر کو روپیہ مل جائے تو اس مینے میں تیاری ہو رہے۔" (نظ ۱۲/۵۶)۔

"مکاتیب غالب"

"دوسری بات یہ ہے کہ سو روپے آپ کی سرکار سے بطریق خیرات اور ۳ روپے ۸ آنے سینہ انگریزی سرکار سے بہ عوض جاگیر پاتا ہوں۔ عالم انصیب جانتا ہے کہ اس میں میرا بڑی مشکل سے گزارا ہوتا ہے۔" (نکاح ۵۳/۹۶ - "مکتوبہ غالب")

آخری خط سب سے زیادہ مزے دار ہے جس کے ایک ہی خطے میں اپنے آپ کو فقیر بھی بتایا ہے اور جاگیر دار بھی بتایا ہے اور یہی مرزا کی الجھن تھی۔ مرزا کو اپنے اپنے گھرانے پر بہت گھمز تھا۔ فشی حبیب اللہ خاں ڈاکا کو ایک بار یوں کہتے ہیں۔

"میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں۔ دادا میرا ملوڑا انتر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان آیا۔ ۱۸۳۰ء میں گئے تھے کیا۔ نواب گورنر سے ملنے کی درخواست کی۔ دفتر دیکھا گیا۔ میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات یا دہیسے اور جیلہ "سرچ" لائے موارید پر تین رقم خلعت ملا۔ زان بعد دب دلی میں دوبار ہوا مجھ کو بھی خلعت ملا رہا۔ بعد طرد بہ جرم مصاحبت ہمارے شاہ دوبار و خلعت دونوں بند ہو گئے۔ میری بہت کی درخواست گزری۔ تحقیقات ہوئی رہی۔ تین برس کے بعد بند چلا۔ اب خلعت معمولی ملا۔ فریڈک یہ خلعت ریاست کا ہے 'عرض خدمت نہیں' انہی نہیں۔"

ایک چٹھی میں اپنی کتاب پچوانے کے سلسلے میں فشی شیونرائین کو یہ ہدایت لکھی ہے:

"سنو میری ہاں۔ ذوالی کا مجھ کو خطاب ہے نظم اللہ اور اطراف و عوالم کے امرا سب مجھ کو نواب کہتے ہیں بلکہ بعض انگریز بھی 'چنانچہ صاحب کشتربہادر دلی نے جو ان دنوں میں دوبکاری بھیجی ہے تو لٹانے پر نواب اسد اللہ خاں لکھا' لیکن یاد رہے کہ نواب کے لفظ کے ساتھ میرزا یا میر نہیں کہتے 'خلاف دستور' ہے 'یا نواب اسد اللہ خاں لکھو یا میرزا اسد اللہ خاں لکھو اور بہادر کا لفظ تو دونوں حال میں واجب اور لازم ہے۔"

ایک چٹھی میں سید حکام حسین قادر بکراہی کو اپنے ہاں مت کے لئے یوں کہتے ہیں:

"میر صاحب ماجرا یہ ہے کہ میں پیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دوبار میں سیدھی صف میں دوسواں نمبر اور سات پارچے اور تین رقم جو اہر خلعت پاتا تھا۔ قدر کے بعد فائن جاری ہوگی لیکن دوبار اور خلعت بند۔"

وہ بار بار لوگوں کو کہتے ہیں کہ خط پر میرا نام اور دلی لکھ کر بھیج دیا کرو" مجھ تک پہنچ جانے کا۔ خط جس ڈاک خانے سے چلتا ہے وہیں وہ جانے تو رہ جانے دلی کے ڈاک خانے میں نہیں کو سکتا انہوں نے جگہ جگہ یہ بتایا ہے کہ فارسی نور انگریزی کے خط بھی جو انگلستان کے میرے ہاں آتے ہیں "دلی کے پتہ پر مل جاتے ہیں۔ جب کہ ان پر ملنے ملی ماروں کا نام بھی نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ نامور آدمیوں کے خط میں لمبے چوڑے پتے کی ضرورت نہیں ہوتی جس کا مطلب یہ ہے کہ میں بھی نامور آدمی ہوں۔ وہ ایک خط میں مرزا تقی کو کہتے ہیں:

بات یہ ہے کہ نامور آدمی کے واسطے ملے کا پتا ضروری نہیں۔ میں غریب آدمی ہوں مگر فارسی 'انگریزی

خط جو میرے نام کے آتے ہیں تلف نہیں ہوتے۔

مرزا علاء الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

”حتم شرعی کہا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اس کی عزت اور نام کوادی جسور کے نزدیک ثابت اور مطلق ہے اور تم صاحب بھی جانتے ہو مگر جب تک اس سے قطع نظر نہ کرو اس مسئلے کو گناہ و ذلیل نہ سمجھ لو تم کو یقین نہ آئے گا۔ پچاس برس سے دہلی میں رہتا ہوں۔ ہزار خط اطراف و جواب سے آتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ خط نہیں لکھتے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ خط سابق کا نام لکھ دیتے ہیں۔ حکام کے خطوط عاری و انگریزی یہاں تک کہ ولایت کے آئے ہوئے صرف شر کا نام اور میرا نام یہ سب مراتب تم جانتے ہو اور خطوط کو دیکھ چکے ہو اور پھر مجھ سے پوچھتے ہو کہ ممکن تھا۔ اگر میں تمہارے نزدیک امیر نہیں نہ کسی اہل حرفہ میں سے بھی نہیں ہوں کہ جب تک خط اور قلم نہ لکھا جائے برکار میرا پتا نہ پاسے۔ آپ صرف دہلی لکھ کر میرا نام لکھ دیا کیجئے خط کے پہنچنے کا میں خاص۔“

ان کی یہ سب باتیں ہوتی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا آدمی سمجھتے ہی نہیں تھے۔ دوسروں کو بتانا بھی چاہتے تھے۔ ان کی اس الجھن کا کوئی نہ کوئی کارن ہونا چاہئے کیونکہ لوگ لوگ گھرانوں کے لوگ بھی کبھی کبھی مت جانتے ہیں اور پھر نہانے سے سمجھنا کہ ان کے اپنی روکی سوچی پر ہی دن کاٹتے لگتے ہیں۔ نہ وہ اپنا پتا بھی کسی کو جانتے ہیں نہ مرزا کی سی شاہ غریبی کر کے اوصار کے دھوکوں ہی میں بھستے ہیں۔ ان لوگوں کی زبان پر اپنے ”بڑے ہیں“ کی بات صرف اس گھڑی آتی ہے جب ان کی مائتہ اور آئندہ پر چوٹ پڑتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا جاکچ مرزا پر بھی کوئی ایسی گھڑی آتی تھی اور کوئی ایسی چٹا پڑی تھی جس نے ان کی غائبانی عزت میں یتا لگایا ہو۔ ان کا ایک شعر ہے:

ہا ہے شاہ کا مصاحب پھرے ہے راتراتا

وگرنہ شر میں غالب کی آئندہ کیا ہے

کہنے کو تو یہ ایک غزل کا مطلع ہے اور اس میں کسی ہوتی ہے آئندہ کی بات تقریبی لکھی جا سکتی ہے۔ پر ہمیں جاکچ ہے آئندہ کی بات کا ذکر ان کے ایک خط میں بھی ملتا ہے۔ ۱۸۵۲ء میں مرزا کا قتل ہے پر اسے قائم ہوا تو مرزا قتل نے اس کی تحصیل پر بھی اور لکھا کہ وہاں میرا بھی خیال رہے۔ اس کے جواب میں ۱۴ دسمبر ۱۸۵۳ء کو وہ قتلہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

”بے پردہ کا امر محض اتفاق ہے۔ بے قصد و بے ذکر در پیش آیا ہے۔ ہوس ناگاہ اور حجب ہوا ہوں“

پروضا ہو گیا ہوں“ ہوا ہو گیا ہوں“ سرکار انگریزی میں پتا پایہ دکھاتا تھا“ ریکی زادوں میں کتا جاتا تھا“ پورا خلعت پاتا تھا“ اب بدنام ہو گیا ہوں اور ایک بہت بڑا دھما لگ گیا ہے“ کسی ریاست میں داخل نہیں کر سکتا تھا مگر وہاں استو یا پھر پیر یا عراج بن کر راہ و رسم پیدا کروں“ کچھ قانکہ الفلاس“ کچھ اپنے کسی عزیز کو وہاں داخل کرا دوں۔ دیکھو کیا صورت پیدا ہوتی ہے۔“

مرزا کی اس بدنامی کے اس واقعے کا حال مولانا عرقی نے ”مکاتیب غالب“ میں لکھا ہے کہ ”۱۸۵۳ء میں فیض

الحسن خاں کوتوال دہلی کے ہاتھوں قدار ہازی کے الزام میں گرفتار ہوئے اور چھ مہینے کی ماضقت قید اور دو سو روپے جرمانے کی سزا پائی۔ اس واقعے کی جزئیات ہے حدافسوس ناک تھیں۔ کوتوال نے گرفتاری کے وقت اور جھڑپت نے سزا کی تجویز میں ان کی وہابیت و شرافت کا قطعاً لحاظ نہ کیا۔ پولیس اور عدالت کے اس نامناسب سلوک سے ان کی حسن فیرت سخت مجروح ہوئی، خود اپنی نظر میں شرافت خاندان پر دھما آگیا اور اپنے کو دوسرے ہندوستان سے نکلنے چلنے کے قہرل شار کرنے میں پس و پیش کرنے لگے۔

اس واقعے سے متعلق مولانا عرش نے ماحصلے میں اخبار ”نوائے الانا عربین“ جلد دوم نمبر ۱۵ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۵۵ء کے صفحہ ۸۰ پر لکھی ہوئی عبارت نقل کی ہے۔ ”۱۹۵۵ء مئی کو پچ مکان بناب مرزا نوشہ اسد اللہ خاں صاحب کے قدار ہازی ہو رہی تھی، پتانیچے کوتوال صاحب یہ خبر پڑا کہ وہاں مجھے اور بناب میرزا صاحب کو مع اور قدار ہازوں کے گرفتار کر کے کوتوال میں لے آئے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ صاحب جھڑپت ان کے حق میں کیا حکم دیتے ہیں“ اور شاہ نصیر کے ایک شاگرد گشتیام لال حاصی دہلوی کی عبارت بھی دہرائی ہے:

”مرزا نوشہ“ شاعر ہے بدل دہلی، رہن مشرب، انتھلے پہ اسد و غالب سے فیض الحسن خاں کوتوال کو
ناحق کی عداوت پیدا ہو گئی اور اس نے بھلت قدار ہازی ان کو قید کر دیا جس کی حدود چہ ذیل تاریخ نکالی گئی:

سر اجد سے فصل میں تو سب اظہار طوقاں ہے

اور اظہار سو سٹالیں میں قید غریباں ہے

تلق غالب، نہ کہ مکر موش اور مگرے کے دل پر ہو

دہلی ملی کٹائی کان چہوں سے بدناں ہے

دہائی مدد بد سے میرزا نوشہ کی کیوں کر ہو

”ان فم خواہ“ دس دن کر گیا فیض الحسن خاں ہے

سر ہارو پکڑ کر شہنہ تقدیر نے حاصی

اسد کو جوتوں سے گھیر کر ڈالا پہ انداں ہے

بروقت گرفتاری کوتوال صاحب رتھ میں بیٹھ کر موقع پر گئے اور ظاہر کیا کہ سواہیاں ڈھائی آئی ہیں۔ اس دھوکے میں اندر داخل ہو گئے اور اندر مکان سے ضربات ہوتی باہم اس قدر ہوئیں کہ باہر تک آواز آتی تھی، مکر دینے کے اندر جھپٹت ہست تھی اور کچھ ادراوی برتاؤ از بھیج گئے گرفتار کر کے قید کر دیا۔ ہست سے دیکھی اور شرفا اس حرکت سے بدراض ہوئے اور عدالت میں برات کے ساتھ ہوئے مگر قید ہو ہی گئے۔

اس بے آبروئی کا مرزا کو جو دکھ پہنچا اور بدنامی کا ان کے دل پر جو گہرا اثر پڑا، اس نے ان کے ذہن میں عمر بھر کے لئے ایک الجھن پیدا کر دی۔ وہ اپنے من کو یہ نہیں سمجھا سکے کہ یہ ایک انتقامی بات تھی جو ہو گئی کہ کوتوال نے ان سے اپنا جزیوں نکالا اور اپنا کیڑہ پن دکھایا۔ اس اخلاقی دھبے کو دھونے کے لئے مرزا نے یہ کوشش کی کہ کسی

ریاست میں استاد یا جریڈ ایچ بن کر پہنچیں اور یہ طریقہ بہت مناسب تھا۔ سچے پور کی ریاست میں تعلق پیدا ہونے کا جو موقع آیا، وہ اس کوشش کا نتیجہ تھا اور جب وہاں نئی منزل سے نہیں چڑھی تو انہوں نے رام پور کی ریاست میں استاد بن کر داخل کیا۔ پر ایسا لگتا ہے کہ اس سے بھی مرزا کے دل کو تسلی نہیں ہوئی، اس لئے انہوں نے آپ ہی اپنے اونچے گھرانے، اپنی ریاست اور ناموری کا دھڑلہ دیکھنا شروع کر دیا اور یہ طریقہ نکلنا تھا کیونکہ اس کے لئے انہیں امیرانہ اخراجات دیکھنا ضروری ہو گیا اور جب ان کی آمدنی نے اس کا ساتھ نہیں دیا تو انہوں نے اوجھار لے لے کر کام چلایا اور مرتے دم تک اس کی پریشانیاں سمجھتے رہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بے عزتی کا یہ نامراد واقعہ ان کے دھیان سے کبھی نہیں نکلا اور ایک دو گ بن کر ان کے دھن سے آخر تک چلتا رہا۔



غالب کے ادبی معرکے

مالک رام

غالب دسمبر ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے اور فروری ۱۸۶۹ء میں انہوں نے رحلت کی۔ اگر اس لڑکھیل سے کچھ اوپر عربی کے واقعات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کی پوری زندگی معرکوں کی ایک مسلسل داستان ہے۔ ان میں ہر طرح کے معرکے تھے۔ خانہ دانی معرکے، مالی معرکے، جذباتی معرکے، اور ان سب سے اہم تر ادبی معرکے۔ یہاں انہیں آخری قسم کے معرکوں کا کچھ بیان مقصود ہے۔ بیشتر دوسرے معرکے محدود مدت کے تھے یا ان کے اثرات عارضی تھے، لیکن ادبی معرکے ان کی پوری زندگی کو محیط ہیں۔

۱:- مولوی محمد معظم سے چپقلش

ان کا سب سے پہلا ادبی معرکہ اپنے مکتب کے استاد مولوی محمد معظم سے اُٹھے میں پیش آیا۔ جب ان کی عمر دس گیارہ برس سے زیادہ نہیں تھی۔

غالب کے زمانے میں مکتبوں کے نصاب میں فارسی اور عربی کا دور دورہ تھا، عربی پر کم اور فارسی پر زیادہ توجہ تھی۔ عربی میں باصوم قرآن، بلاغت اور صرف و نحو کی تعلیم لازم تھی۔ اس کے مقابلے میں فارسی کا نصاب وسیع تر تھا۔ اگر غالب علم و ادب پر پختہ نہ ہوتا تو یقین تھا اور اس کا ذہن اخلا ہو تا تو پانچ سات برس میں وہ فارسی کے کلاسیکی ادب کا بیشتر حصہ پڑھا لیتا تھا۔ غالب کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی۔ عربی میں وہ بمشکل ماہانہ مال ہی تک پہنچے۔ لیکن انہیں فارسی ادب سے فی الجملہ مزاولت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ اس ابتدائی زمانے میں ان کی ایک فارسی غزل کا پتا ملتا ہے جس میں انہوں نے دویف میں ”مکہ چہ“ کی جگہ یحییٰ چہ لکھا تھا۔ پورا واقعہ حالی کی زبان سے سنئے: لکھتے ہیں: (۱)

نہ طلب نے جیسا کہ اپنے فارسی دیوان کے خاتمے میں تصریح کی ہے ”گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اسی زمانے میں انہوں نے فارسی میں کچھ اشعار بطور غزل کے موزوں کئے تھے“ جن کی دویف میں ”مکہ چہ“ بجائے ”یحییٰ چہ“ کے استعمال کیا گیا تھا۔ جب انہوں نے وہ اشعار اپنے استاد شیخ معظم کو سنائے تو انہوں نے کہا کہ یہ کیا فصل دویف اختیار کی ہے۔ ایسے بے معنی شعر کہنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ مرزا یحییٰ کر خاں شہسوار ہو رہے۔ ایک روز طاہروردی کے کلام میں ایک شعر نظر پڑ گیا جس کے آخر میں ”مکہ چہ“ ”یحییٰ چہ“ کے معنی میں کیا تھا۔ وہ کتاب لے کر دوڑے ہوئے استاد کے پاس گئے اور وہ شعر دکھایا۔ شیخ معظم اس کو دیکھ کر حیران ہوئے اور مرزا سے کہا: تم کو فارسی زبان سے خداوند مناسب ہے، تم ضرور فکر شعر کیا کہہ اور کسی کے اعتراض کی پروا نہ کرو۔

طاہروردی کے دیوان میں دو غزلیں ایسی ہیں جن کی دویف ”مکہ چہ“ ہے۔ (۲) اس بھی چپقلش میں غالب کا سیاق

رہے۔ ہونہار ہوا کے پچھے پچھے پات۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ آنکھ کیا پیش آنے والا ہے اور اس سے کس نتیجے کی توقع ہو سکتی ہے۔

2:- شعرائے دلی سے چھیڑ چھاڑ

غالب ۱۸۲۸ء (۱۲۴۳-۱۲۴۴) میں طاہرہ امجد کو ساتھ لے کر آگرے سے دلی آئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۵-۲۶ برس کی تھی۔ شاعری وہ قیامِ آگرہ کے زمانے ہی میں شروع کر چکے تھے اور آگرہ جیسا کہ آپ نے دیکھا اس زمانے کی کم از کم ایک فارسی غزل کا ضرور پتا چلتا ہے 'انہوں نے ممتاز امجد ہی سے کیا قلم جو نگہ تعلیم کے دوران میں فارسی ادب کا مطالعہ بڑے دستِ بخار سے کیا تھا' اس لئے ان کا فارسی شعراء سے متاثر ہونا قدرتی امر تھا۔ جیسا کہ انہوں نے طو ایک خط میں لکھا ہے (۱) وہ جب شعر کہنے لگے تو پیرل اور شوکت اور امیران کے محبوب شاعر تھے۔ اسی زمانے کا شعر ہے:

طرزِ بیدل میں رنقتہ لکھتا اسد اللہ خاں قیامت ہے

ان استاد کے نتیجے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی شاعری مضمون افزائی کی دھن میں گوہ کنکاز و دکوہ بر کوہوں کا نمونہ بن گئی۔ قدرتی بات تھی 'ستے والے اس سے بڑے اور انہوں نے ان پر مہمل کوئی کی قسمت لگا دی۔ ان کی غلط روی کے اور تو اور میر بھی قائل تھے۔ حالی نے خود میرزا کی زبانی یہ روایت درج کی ہے (۲)۔

"خود میرزا کی زبانی جاگیا ہے کہ میر تقی میر نے 'جو مرزا کے ہم وطن تھے' ان کے لڑکپن کے اشعار سن کر یہ کہا تھا کہ 'اگر اس لڑکے کو کوئی کامل استاد مل گیا' اور اس نے اس کو سیدھے راستے پر ڈال دیا تو لاجواب شاعر بن جائے گا' ورنہ مہمل کہنے لگے گا۔"

میر کا انتقال ۱۸۴۵ء (۱۲۶۰) میں ہوا اور میرزا ۱۸۴۳-۱۸۴۴ء میں آگرے سے دلی آئے۔ گویا ہدایتِ حالی (۳) میرزا کا کلام خوابِ حسام الدین حیدر خان نے میرزا کے قیامِ آگرہ کے زمانے میں گھنٹوں لے جا کر میر کو دکھایا، جس پر انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا۔ اگر میر کی یہ رائے تھی کہ انہیں 'سیدھے راستے' پر ڈالنے کی ضرورت ہے 'تو خیال کیا جاسکتا ہے کہ عوام کی کیا رائے ہو گی!

میرزا آگرے سے اپنی شاعری اور طرزِ سخن ساتھ لے کر آئے۔ یہاں دلی میں بھی مخالفت کم ہونے کا کیا امکان تھا! مضامین کی بھری مجلس میں تنقید اتنا جان پیش نے اپنی غزل میں یہ قطعہ داخل کیا اور ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پڑھا (۴):

زبانِ میر جگے اور کلامِ میرزا جگے مگر لون کی زبان وہ آپ سمجھیں 'یا خدا جگے
اگر اپنا کسا تم آپ ہی جگے تو کیا جگے مزا کہنے کا جب ہے 'تم کو اور دوسرا جگے

خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس پر غالب کے مخالفین نے ان کا کیسا مذاق اڑایا ہو گا اور کیسے انہیں خفیف کرنے کی کوشش کی ہو گی! مگر ان کی زبان یہ آپ سمجھیں 'یا خدا جگے میرزا کی پریشانی بجا تھی۔

حالی کی روایت ہے (۵):

نکایا ہے کہ اہل دہلی مشاعروں میں جہاں مرزا بھی ہوتے تھے "تقریباً" ایسی فزلیں لکھ کر لاتے تھے "جو الفاظ اور ترکیبوں کے لحاظ سے تو بہت پر شوکت و شادمانہ معلوم ہوتی تھیں مگر معنی بے ارادہ، گویا مرزا پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ آپ کا کلام ایسا ہوتا ہے۔

حالی نے اسی طرح کا ایک واقعہ مولوی عبدالقادر رامپوری کا لکھا ہے (8)۔ موصوف نہایت عریف الطبع تھے۔ چند روز کے لئے ان کا تعلق قلعہء دہلی سے بھی رہا۔ ایک دن انہوں نے غالب سے کہا کہ آپ کا ایک اردو شعر کچھ میں نہیں آتا، اس کے معنی بتا دیجئے اور جھٹ سے دو مصرعے موزوں کر کے پڑھ دیجئے:

پہلے تو روغن گل، بھینس کے اڑے سے نکال

پھر دوا بھتی ہے، کل بھینس کے اڑے سے نکال

میرزا نے احتجاج کیا اور کہا کہ حاشاً! یہ شعر میرا نہیں، لیکن مولوی صاحب موصوف نے اصرار کیا اور فرمایا کہ میں نے خود آپ کی فزلیں میں یہ شعر دیکھا ہے۔ میرزا کچھ گئے کہ ان کا مقصود وہ ہے وہ یہ بتاتا ہے کہ تم اس طرح کے بے معنی شعر کہتے ہو۔ مشاعروں میں خاصیت ان سے کیوں کر پڑی آتے تھے، اور وہ کیسی کیسی چارواں کر کے آتے تھے، خود ان میں کس طرح کی گفتگو اور چہ می گوئیاں ہوتی تھیں۔ میرزا کا اپنا ایک شعر بھی اس صورت حال کا غماز ہے:

حقی خبر کرم کہ غالب کے اڑیں گے پردے

دیکھنے ہم بھی گئے تھے، چہ تمنا نہ ہوا

اور جب معترضوں کی چہ بیگوئیاں کسی طرح کم نہ ہوئیں، تو انہوں نے جل کر سب کو جواب دے دیا۔

نہ متاعش کی تمنا، نہ صلہ کی پروا

گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی، نہ سعی

لیکن ابھی تک انہیں کسی وسیع پیمانے پر مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ جو کچھ ہوا مقامی طور پر، اور اس کے اثرات بھی ایک محدود پیمانے سے محدود نہیں ہوئے۔

گلگتے کا ادبی معرکہ:-

ان کی زندگی کا سب سے پہلا اہم ادبی معرکہ گلگتے کا ہوا۔

میرزا ۱۸۸۵ء کے اواخر میں اپنی خانہ داری فاش کے سلسلے میں گلگتے کے لئے روانہ ہوئے تاکہ وہاں گورنر جنرل کی کونسل کے سامنے سارے کوائف رکھ کر دادر خواہی کریں۔ وہ رستے میں مختلف مقامات پر رکتے ہوئے فیووری ۱۸۸۸ء میں گلگتے پہنچے تھے (9)۔

گلگتے کا مدرسہ عالیہ علم و ادب کا محصور مرکز تھا۔ یہاں ان دنوں ہر میٹھ کے پہلے افراد کو یوم سخن آراستہ ہوتی، جس میں شعر کے اہل علم جمع ہوتے، شاعر حضرات اپنا کلام سناتے، اور اصحابِ قلم سے داور وصول کرتے۔ میرزا بھی اسی طرح کے ایک مشاعرے میں شریک ہوئے اور انہوں نے اپنی فزلیں پیش کی:

تاکم دو شکست نمایاں بر فخر
ہزار آفتاب کی شبنم زمیں بر فخر
اس غزل میں ایک شعر ہے:

جز دے از عالم دوازہ عالم مسلم
چھ سوئے کہ تان راز سماں بر فخر
اس پر حاضرین میں سے کسی نے اعتراض کیا کہ مصرع اولیٰ میں ہمہ عالم کی ترکیب غلط ہے۔۔۔ ہمہ جمع اور
عالم واحد بحسب اصطلاح قلیل یہ ابتاع جائز نہیں۔ ایک اور صاحب نے کہا کہ "عالم" کی جگہ تفصیل بعض "میشترم"
چاہئے تھا۔ کسی اور نے کہا کہ "سومئے زمیں" کی ترکیب غلط ہے۔ فرض کہ پورا شعری غلط ہے۔

جیسا کہ غالب نے عبدالرزاق شاکر کے نام خط میں لکھا ہے (۱۸) "اس زمانے میں شاہزادہ کامران درانی کا شعر
گورنمنٹ میں آیا تھا کلمات خان اس کا نام تھا اس تک یہ قصہ نہ پچھا۔ اس نے اساتذہ کے اشعار پان سات ایسے
پڑھے جن میں "ہمہ عالم" دہر روز "ہمہ جا" مرقوم تھا اور وہ اشعار "قاطع برہان" میں مندرج ہیں۔"
"قاطع برہان" میں لکھتے ہیں۔ (۱۹)

یکے از پردوش یا فنگان قلیل نو مسلم در نکلت یمن گشت : اوستو دو بارہ مکہ و "ہمہ" کہ آن مرادف غات و
ایں تریمہ تمام است "ازدوی اجنادی کہ بدانت بچوں خلیل دامد" بڑا ہی چند کہ شمار کن از بیج یا شش
نکزدو" ما گیل کدہ آوردن و اسم مفرد ما بعد لفظ ہمہ صیغہ جائز نہی شمارد" پانچ گز ادم کہ بچراں ہنگہ چوں
نودی کار برخود نگ کیبرد" آگہاں داں راچہ اللہ کہ توفیق بادا را پریرد! چہ مکہ و غلست کدہ (دو مکہ کدہ) و
شلفکدہ و خرکدہ و امثال ایں ہا در نظم و نثر اہل علم ہیبار است۔ فقر المتاخرین فرمایہ "شعر:

خاموش! حرمیہ کز شش سید خراشت

نشر کدہ گردید بکر مرغ حرم را

بچش ہمہ روز و ہمہ شب و ہمہ عالم و ہمہ ہا در کلام گرانایگان ہزار جلیوہ ایم۔ حافظ علیہ الرحمۃ راست
شعر

گر من آلودہ دامنم چہ لب لباب
ہمہ عالم گوارہ عصمت اوست
سعدی رحمت اللہ علیہ راست "شعر:

بچش خرم از اتم کہ جہاں خرم از دست

عالم ہمہ عالم کہ ہمہ عالم از دست

محمد حسین نظیری نیشاپوری کہ میونسپلٹیس پانوی سرایہ "شعر:

چو سگان ازان بکویت ہمہ شب تلاء غایم

کہ ہوا سے صید دارم نہ خیال پاسانی

دیگر سے گویہ "مصرع: ہمہ جا خانہ عشقت" چہ مسجد چہ کشت یا رب! چگونہ روا باشد کہ ہندوئی پرستہائی
ہاں سیاں را یکم بزدل دواز پیش خویش و رفتی گفتار تہیے آواز انجیز!

یہی وجہ تھی کہ جب مشاعرہ گاہ میں لوگوں نے مسند قیاس ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے ذات کر کہا کہ قیاس کون قیاس! وہ فرد آباد کا سگری چڑا! اساتذہ ایران کے مقابلے میں اس کی حیثیت ہی کیا ہے کہ میں اس فرمایہ کی مسند قبول کر لوں!

غالب کی ایک اور غزل ہے جس کا مطلع ہے:

ی دور خندہ بلبان بہاراں زود
خون مغل رنقت دے بنگلستان زود
معلوم نہیں! یہ غزل انہوں نے اسی مشاعرے میں پڑھی تھی! یا کسی دوسرے مشاعرے میں۔ بہر حال اس کے متعدد چوتھی شعر:

شور اشکے بلبلان بن مڑیاں دارم
طعن بر ہے سر و سلامتی طوقان زود
پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس میں روایت زود بہتر کا استعمال لفظ ہے۔

اس زمانے میں نکلنے میں قیاس کے شاگردوں اور مداحوں کی اچھی بڑی تعداد مقیم تھی اور شعر کے طبعی اور ادبی حلقوں میں ان کا خاصا اثر تھا۔ غالب پر جو اعتراضات ہوئے! ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس مشاعرے میں بھی یہ اصحاب کچھ کم نہیں تھے۔ غالب نے جب قیاس کی مسند ماننے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف تحقیر آمیز الفاظ استعمال کئے تو اس پر ہنگامہ چا ہو گیا۔ غالب کی طرف سے جن دوستوں نے اعتراضات کے جواب دیئے ان میں نواب سید علی اکبر خان ملتانوی (محمی نام یافتہ ہو گئی) مولوی محمد حسن، میرزا حسین علی خان (سیر میرزا کامران درانی والی ہرات) المصطفیٰ بہ کفایت خان اور مولوی محمد عبدالغفر (سیر قشقی و قفر قادی گور نرجزل) کے نام ہمیں معلوم ہیں (12)۔ لیکن مخالفت کسی طرح فرو نہ ہوئی۔ مولانا مشاعرہ گاہ سے نکل کر کوچہ و بازار تک پہنچ گیا، مخالفوں نے ان کے کلام پر اعتراض کچھ لئے اور غالباً انہیں شاخ کر دیا تھا۔ (13)

یہاں ایک لفظ قیاس کا ازالہ ہے مغل نہیں ہو گا۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے مولانا غلام رسول مرحوم کی کتاب ”غالب“ پر جو تعلیقات قلمبند کی تھیں، ان میں لکھتے ہیں (14) کہ جن لوگوں نے غالب کے خلاف یہ ہنگامہ بپا کیا تھا! ان میں تین اصحاب کے نام معلوم ہو سکے (1) احمد علی گہاٹوی۔ (2) مولوی احمد علی مدرس مدرسہ عالیہ اور (3) مولوی وہاب علی کھنوی۔

(1) اور (3) کے بارے میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں، لیکن مولوی احمد علی مدرس مدرسہ عالیہ کا نام اس سلسلے میں لینا یقیناً درست نہیں۔ ان کی تاریخ ولادت ۱۲۸۳ھ یا دسمبر ۱۸۶۶ء ہے (15)۔ جب کہ غالب کو یہ ہنگامہ ۱۸۶۸ء میں پیش آیا تھا۔

بہر حال جب مخالفت کسی طرح نہ ہوئی اور لوگ ان پر ہانڈیوں میں آوازے کسے گئے تو نواب اکبر علی خان ملتانوی اور مولوی محمد حسن کے مشورے پر (16) انہوں نے اپنی مشہور شہرہ گیس جو اب ”بلو خائف“ کے عنوان سے ان کے کلمات نظم قادی میں شامل ہے، پہلے اس کا نام ”آشتی باد“ تھا۔

اس شہرہ میں پہلے انہوں نے کچھ تعلق اور چالچی سے کام لیا ہے۔ نکلنے کے صاحبان عالم و فضل کی تعریف

کی ہے اور بھراہی محنتی اور نیکی کا بیان کر کے ان سے ہمدردی اور مہمان نوازی کی درخواست کی ہے۔ پھر کہتے ہیں :
(۱۲)

یہ لڑکیاں کہا ہو است حق
دروگو نیک باجرائی رفت
صیباں خداے را انصاف
نک اند سوسے سے کہ لکند
ذلف مختار را کہ درم کہ
”ہمہ عالم“ نلا کہ گفت تخت!
”ہیش“ را ”ہیشتر“ کہ گفت کہ گفت
”سوسے را برگر“ کہ گفت نلا!
چوں بد یزد کا اعتراض خطابت
رشتہ باز پرس تپ کہ داد
چوں بد یزد بگفتاں من
ہر کہ دیدم“ وہ خوشی رفت
از چہ بود آں ہوسہ دم نوزاد
نکشودن ہے یاد ہم
از غم دل ستو گردیدم
کہ معذرتہ گفتگو کراوم
چوں شنیدم کہ نکہ پروازاں
از من آردہ اندازاں پانچ
فلت آوردم و ہنواں گدم
پند شعروں کے بعد دوسری غزل کی مدح ”نور“ پر اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

رم اگر نیست خود چراست حق
از تو در گفتگو خطائی رفت
تأملت از کہ بود رم خلاف
ہجمن دستخیز دے کہ لکند
ہم اشعار را کہ برہم کہ
پارہ نہیں نط کہ گفت تخت!
بد زمین پشتر کہ گفت کہ گفت!
شعر را سر بسر کہ گفت نلا!
ہرچ غالب نوشتہ است بہاست
معترض را زمین جواب کہ داد
نک نہ شستہ دو سیاہی من
بود لازم براں گرفت گرفت!
در وہ آگہی قدم نوزاد
خبرہ بگزر لفتن ہا دریم!
چرا ہایک گروہ گردیدیم!
پارہ در غن نلو داوم!
قدر داہن و اہمن سازاں
چہ نیایش بجاک سوم رخ
وطنن آب و دہہ خوں کرم

پند شعروں کے بعد دوسری غزل کی مدح ”نور“ پر اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

زادہ 'رانی زادہ' چہ انصاف
 شعلہ در نظر استخوان زادہ است
 پای وحدت بود 'انصاف' نیست
 در خود سرزنش ہمیں نہ منم
 گوہر داز سلفہ اند چہیں
 ہم ہمیں چاہہ رفتہ اند
 کہہ انداز نکلا عہدہ ہا
 سے زادہ 'غم زادہ' شراب زادہ
 بخل فقیر تقلب مست
 زادہ 'غم زادہ' موعظ
 حق بود حق' نہ باطلست کہ بہت
 قلم فیض میرا نہ بیدل
 کہ ہدایاں ہدایت دادہ
 قدم عاشق بخون زادہ
 لیک انہوں قہقہہ ٹارواں نیست
 مر ورا زہن نہ کلاہے بود
 راست گویم در آشکار و نہت
 شعر بیدل بجز تفسیر نیست

پادشہ کے شعر میں صافست
 اعتراض آنتہم بجل زادہ است
 زادہ را کہو از عرفان نیست
 واضح طرز ہیں زہن نہ منم
 دیگران نیز کہتے اند چہیں
 شورش کلاہ رفتہ اند
 در خود گزارش زادہ ہا
 اکثر از عالم شتاب زادہ
 سے زادہ 'غیرہ' کہ ترکیب ست!
 چوں برآید انکھیں موعظ
 دین خوداز شان قاعدت کہ بہت
 بچوں کی مہم ہے ساعل
 از محبت حکایت دادہ
 "عاشق بیدل" بخون زادہ
 کہچہ بیدل زائل ایراں نیست
 صاحب چاہہ و دستگاہے بود
 نہ غلط کہتے است در خود گفت
 دعویٰ بندہ شعر وین نیست

اس کے بعد کہتے ہیں کہ میں چند دن کے لئے ایک کام سے یہاں آیا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے جانے کے بعد اہل نکلتے مجھے اس طرح یاد رکھیں کہ وہی سے ایک یہ قوف آیا تھا جس نے بزرگوں سے پیار کا جھڑا کھڑا کیا۔ واسے برسن کہ میں اپنے وطن کی بدنامی کا باعث بنوں اور جب کوئی مجھے یاد کرے 'تو کہے: خں کم جہاں پاک

میرا دل! دل است "خارا نیست
 پہ زبا نا لکھ است زمن
 گھر طوان تخت اونیت
 ہارز کس کہ ہارز گوید
 رنگ بر شہر قتلیم نیست
 در میان است پائے بطحے
 دامن ہم از پیش خود نمی گویم
 ہم بریں قول و وعدہ چاند
 ہرگز از اصغیان نہد قہقہ
 قل دے استا روا نسود
 سہکل ما دسل ایران است
 دلی و کشتو ز ایران نیست

ناب ہنگامہ ام خدارا نیست
 دہی کہ در پیش گاہ بزم غن
 کہ فلاں باقیں تہہ نیست
 خود کسے ہارز چہا گوید
 بطحے از صہبت قتلیم نیست
 نہ ہوا فراہیے نہ دہمنے
 ماش نہ کہ بہ نمی گویم
 مگر آہاں کہ پاری دانند
 کہ ز اہل زبان نہد قہقہ
 لاجرم اہل را نسود
 کایں زبان خاص اہل ایران است
 غن است آنگارہ پنہاں نیست

اس کے باوجود اگر احباب کو یہ شکست ہے کہ میں کیوں قہقہ کی جڑی نہیں کرتا اور اسے اپنا دیکل راہ حلیم میں کرتا تو جتہ "نہ فرماہیے:

آں پہ جادو دی بدیر سر
 دامن تو آہن صلہ ہر گدوم
 صائب و عقی و نظیری را
 طالب و سحر و قحالی را
 آں تلودی بہان معنی را

کہ چہاں از حزیں بہ ہجم سر
 دل دہدکز امیر پہ گدوم
 دامن از کف کلم پیکر نہ ہا
 پہنہ سنہان ہاستانی را
 خاصہ مدح و مدائن معنی را

ظاہر ہے کہ ان مسلم البصوت استاد اہل زبان کے مقابلے میں قہقہ اور اس کے خواجہ تاجوں کی کیا حیثیت ہے، لیکن اس کے باوجود یہ اضافہ کر کے شگوری فتح کر دیتے ہیں:

کے ہیں۔ جہاں بھی موقع ملتا ہے وہ اسے نہیں بچھتے بلکہ ان کے خیال میں ہندوستان میں فارسی کو سب سے زیادہ نقصان قہیل ی نے پہنچایا۔ اس مخالفت کی بنیاد ہمیں لگتے میں پڑی۔ چونکہ ان پر اعتراض قہیل کی سند سے کیا گیا تھا اس لئے وہ خاص طور پر اس کے خلاف ہو گئے۔ انھیں قہیل اس پر حاکم جب نظری و نظریہ اسلام کا گم کے کام سے اسلام پیش کی جا رہی ہوں تو ان کے مقابلے میں قہیل کی رائے کو وقعت ہی کیوں دی جائے۔ ان کا ایک شعر بھی ہے۔

غالب سوختہ جاں را چہ بنگشتار آری

ہوا سے کہ نہ اندھ نظیری راز قہیل

4:- قاطع بہان کا معرکہ

غالب کی زندگی کا سب سے اہم اور طویل معرکہ ۱۸۶۳ء میں اس وقت شروع ہوا جب انہوں نے اپنی کتاب "قاطع بہان" شائع کی۔ اس کتاب کی داغ بیل پانچ سال پہلے ۱۸۵۷ء میں پڑی تھی۔

۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاؤنی میں ہندوستانی فوج نے اپنے غیر ملکی انگریز افسروں کے خلاف بغاوت کر دی۔ پہلے افسروں کو موت کے گھاٹ اتارا پھر جیل کے دروازے کھول کر بندوں کو آزاد کر دیا۔ یہ گویا ملک گیر بغاوت کا اعلان تھا۔ اسی کو انگریزی مورخوں نے "مرد" کا نام دیا ہے۔

اس باغی سپاہ کے سر رہنے خوب جانتے تھے کہ جب تک دلی کے صاحب اثر لوگ ان کے ساتھ شامل نہیں ہوتے ان کا یہ اختیاتی اقدام مقامی حالات میں کر رہ جائے گا اور وہ با آسانی کچل کے رکھ دیئے جائیں گے۔ لہذا ان میں سے کچھ لوگ راتوں رات ۶۵-۷۰ کلومیٹر کی مسافت طے کر کے اگلی صبح ۸ مئی ۱۸۵۷ء کو لال قلعہ دلی کے دروازے پر پہنچ گئے۔ انہوں نے ہمارے شاہ ظفر کو مجبور کیا کہ وہ ان کی کمان اپنے ہاتھ میں لیں اور انگریزوں سے مقابلے میں ان کی قیادت کریں۔ ہمارے شاہ جیسا کہ ظہیر دہلوی نے لکھا ہے (۱۸) اس تکلیف میں پڑنا نہیں چاہتے تھے اور اسے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے چاہا کہ ان اقدام خیال کرتے تھے۔ لیکن وہ مجبور ہو گئے اور انہوں نے باغیوں کی حمایت کی باغی بھر لی۔ پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تاریخ کا حصہ ہے اور ہمارے موضوع سے خارج۔

۸ مئی ۱۸۵۷ء سے دلی پر دہلی سپاہ کا قبضہ ہو گیا۔ شہر میں جو انگریز مقیم تھے ان میں سے جو باغیوں کے ہتھے چڑھا نہ بچ کر دیا گیا۔ بقیہ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے جہاں جگہ لی اس نے وہاں پناہ لی۔ جن مقامی باشندوں سے متعلق شبہ ہوا کہ یہ انگریزوں کا دوست اور بھائی خواہ ہے وہ خاص طور پر باغیوں کا مورد عتاب ہوا۔ نہ اس کے جان و مال محفوظ تھے نہ حرمت و ناموس۔ غالب چونکہ نصف صدی سے انگریزوں کے وکیلہ طراز رہے تھے اس لئے انھیں بجا طور پر اندیشہ تھا کہ کہیں ان کا بھی گھر بار نہ لٹ جائے یا بیوی بچے نکال دیئے ستم نہیں۔ لہذا انہوں نے آگے لو بھل ہٹاؤ بھل کی کلمات پر عمل کیا۔ گھر کی چار دیواری میں محصور ہو کر بیٹھ رہے احمد ضرورت کے سوائے گھر سے باہر نہ جانا آتا تھا کہ نہ کوئی انھیں دیکھے نہ یہ کسی کی آنکھ میں ٹھکسے۔

لیکن گھر نشین ہو جانا جتنا آسان ہے بیکار وقت کا اتنا ہی مشکل ہے۔ ہمارے ان کی سوانح کی عادت ان کے آگے آئی۔ جس شخص سے وہ چاہتے کو کتابیں کرائے پر لیا کرتے تھے۔ وہ تو ان تک پہنچ نہیں سکتا تھا۔ گھر کے لئے

دے کے صرف دو کتابیں تھیں۔ دساحیر اور فارسی لغت کی مشہور کتاب ”مہربان قانع“ مولف محمد حسین تہجدی۔ فرصت کے اوقات میں وہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے تھے۔ بغور دیکھتے یہ وہ اس میں قدم قدم پر مختلف قسم کے اغلاط سے دوچار ہوئے۔ وہ کتاب کے حلیے میں اشارات قہنہ کرتے رہتے، کہیں تنبیہ کی سے سنی کی صحیح کر دیتے، کہیں اس کی لغت پر کوئی لطیفہ یا چٹکا لکھ دیتے۔ جب وسط جمادی الثانی ۱۸۷۵ء میں شہر میں امن کی صورت قائم ہوئی، دوبارہ رابطہ قائم ہوا، تو کسی نے ان سے فرمائش کی کہ ان حواشی کو نکالنا کھوا لیا جائے تو یہ فارسی کے طلبہ کے لئے مفید ہوں گے۔ چنانچہ تمام حواشی میں الدفن کھوا لئے گئے اور ان کے مختلف دوستوں نے اس سلسلے کو بغرض استفادہ دیکھا۔ شروع میں انہیں اسے شائع کرنے کا ارادہ نہیں تھا، لیکن بعد کو انہیں خیال ہوا کہ اگر یہ شائع کر دیا جائے۔ پھر میرا پرانا دعویٰ کہ ہندوستان کے فارسی گو، لفظ فہم اور لفظ نویس ہیں، پورا ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ کتاب ”قانع بہان“ کے عنوان سے ۱۸۷۳ء میں مطبع نوکلشور، لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ اس میں صرف ۷۵ صفحات ہیں، آخر میں ایک صفحہ کا غلط شمار ۹۸ پر ہے اس کی قیمت ایک روپیہ مقرر ہوئی تھی۔ بعد کو انہوں نے اس میں اضافہ کر کے اسے دوسری مرتبہ ”درفش کلادیانی“ کے نام سے ۱۸۷۵ء میں چھپوایا۔ یہ ایڈیشن اکمل الطالع دہلی میں چھپا تھا، اس میں متن کا غلط شمار ۱۳۳ صفحات ہیں۔ کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ”معتقدان بہان قانع“ برصغیر اور گواہیں پڑ پڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، کہ ہیں، یہ کون ہوتا ہے، ایک مشہور و معروف مولف لغت پر اعتراض کرنے والا! مولانا حالی لکھتے ہیں: (۱۸)

حافظت کی وجہ ظاہر ہے، تقلید نہ صرف امور مذہبی میں، بلکہ ہر چیز، ہر کام اور ہر علم اور ہر فن میں ایسی ضروری شے ہو گئی ہے کہ تحقیق کا خیال نہ خود کسی کے دل میں ظہور کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے کو اس قائل سمجھا جاتا ہے کہ سلف کے خلاف کوئی بات زبان پر لائے۔ جو کتاب سو دو سو برس پہلے لکھی جاتی ہے وہ وہی منزل کی طرح واجب التسلم سمجھی جاتی ہے۔ پس مرزا کے اعتراضات بہان قانع پر کیسے ہی صحیح اور واجب ہوتے ممکن نہ تھا کہ ان کی سختی کے ساتھ مخالفت نہ کی جاتی۔

بحر حال بڑا گھمسان کا دن چلا۔ سب سے پہلی جو کتاب ”قانع بہان“ کے جواب میں شائع ہوئی، وہ سید سعادت علی کے ”عرق قانع بہان“ ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ اس میں ۹۱ صفحات ہیں اور یہ ۱۳۸۰ھ (۱۸۷۳ء) میں مولوی امجد علی کے مطبع امجدی، دہلی، شہرہ میں چھپی تھی۔

”عرق قانع بہان“ کے جواب میں غالب کی حمایت میں تین چیزیں شائع ہوئیں:

1:- ”دافع بہان“ از سید محمد نجف علی خان۔ ۲۸ صفحات کا مختصر رسالہ ہے۔ یہ ۱۳۸۱ھ (۱۸۷۵ء) میں اکمل الطالع دہلی میں چھپا۔

2:- ”طائفہ نجفی“ از میاں داد خان سیار۔ ۳۱ صفحات کا یہ مختصر رسالہ اردو میں ہے۔ یہ بھی ۱۳۸۱ھ (۱۸۷۵ء) میں اکمل الطالع دہلی میں چھپا تھا۔ اس میں ۳۰ لطیفے ہیں۔ ہر ایک لطیفہ عرق قانع بہان کی کسی عبارت پر مبنی ہے۔ جس میں سید سعادت علی کی عبارت کی بے ربطی، قطعی یا کج فہمی کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

3:- ”مرآات عبدالکریم“ آخر صفحہ کا یہ اردو رسالہ بھی اکمل الطالع دہلی میں ۱۳۸۱ھ (۱۸۷۵ء) میں چھپا تھا۔ اس میں

مید سعادت علی مصطفیٰ مرقی قاطع برہان سے ۲۹ سوالات پر مجھے گئے ہیں۔ ان کے بعد آخر میں دو سوالوں پر مشتمل ایک فٹنی ہے: (۱) قواعد مقررہ فارسی کے مطابق صیغہ امر کے بعد بحرف الف افتادہ معنی قاضیت کرتا ہے اور اسم جامد کے آگے الف لون مفید معنی جمع ہے۔ الف لون سے معنی قائل کے لینے کا قصد کرنا ناشی غفلت سے ہے یا نہیں؟ (۲) روسی رواں "اقان و خیراں" یعنی صیغہ ہائے امر کے آگے الف لون جو آتا ہے وہ حالیہ کلاتا ہے۔ الف لون حالیہ کے وجود کا منکر مسلمات جسور کا منکر ہے یا نہیں؟ فتوے کے ساتھ محمد سعادت علی "خدا بخش" محمد نصیر الدین "محمد لطیف حسین" محمد فضل اللہ اور نجف علی کے تائیدی جواب ہیں۔ دوسرے سوال کے جواب میں غالب کی تائید بھی شامل فٹنی ہے (۱۸۵۰)۔

"قاطع برہان" کے جواب میں دوسری کتاب "سالمع برہان" تھی۔ اس کے مولف میرزا رحیم بیگ میرٹھی تھے جو اپنے آپ کو امام بخش صہبائی کا شاگرد کہتے تھے۔ رحیم پڑھے لکھے آدمی تھے، اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ میرٹھ میں مکتب پڑھاتے تھے۔ اخیر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے۔ انہوں نے سالمع برہان اسی زمانے میں لکھی تھی۔ وہ اٹکا کراتے تھے اور کوئی اور شخص اسے لکھتا رہا اس سے ان کے حاشیے کی قوت اور دستِ مخالفہ کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ یہ کتاب "سالمع باطنی" میرٹھ میں ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۵ء) میں چھپی۔ ۱۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس کے جواب میں خود غالب نے ایک خط (اردو میں) مرزا رحیم بیگ کے نام لکھا اور اسے الگ سے چھاپ کر دوستوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ "مبدعہ غالب" کے عنوان سے ۲۹ صفحات پر ۱۸۹۵ء میں "سالمع محمدی" (محمد میرزا خان) دہلی میں چھپا تھا۔ اس کے بعد یہ "مورد ہندی" میں شامل ہوا اور اب تمام مجموعوں میں ملتا ہے۔

حاشیوں کی اسی تکنیک میں ہوئی تھی۔ ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۷ء) میں امین الدین امین دہلوی نے "قاطع القاطع" شائع کی۔ یہ "سالمع مصطفائی" دہلی میں چھپی، پوری کتاب میں ۳۶۸ صفحات ہیں۔ دراصل "قاطع برہان" کے جواب میں سب سے پہلے یہی کتاب لکھی گئی، اگرچہ یہ شائع بعد کو ہوئی۔ اس کا مادہ "آدب" "قراغ" ہے جس سے (۳۸) برآمد ہوئے ہیں اور قواعد مید سعادت علی نے اپنی کتاب "مرقی قاطع برہان" میں اس کا ذکر کیا ہے (ص ۳) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کا مسودہ دیکھا تھا۔ کسی وجہ سے یہ کتاب جلد شائع نہ ہو سکی اور مید سعادت علی نے اپنی کتاب پہلے شائع کرا دی۔

اس کتاب (قاطع القاطع) کی زبان اتنی پچ اور فصیح ہے کہ غالب نے اسے نظر انداز کر دیا۔ غالب کے جواب میں سب سے وسیع کتاب آغا احمد علی احمد برائے محمدی نے بنوائی، "موسود برہان" شائع کی۔ یہ کتاب ۳۶۸ صفحات پر مشتمل ہے اور غائب کے حروف میں "سالمع منظر المعجبات" ٹکٹہ میں ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں چھپی۔ انہی کتاب دلی نہیں پہنچی تھی کہ دوستوں نے کچھ لکھے سے غالب کو اس کے بارے میں اطلاع دی، اس پر انہوں نے ۳۱ شعر پر مشتمل ایک قطعہ فارسی زبان میں لکھا۔ یہ بعد کو "مید سخن" میں شامل کیا گیا۔ "موسود برہان" کا جواب غالب نے خود دیا۔ انہوں نے ۳۲ صفحات کا مختصر رسالہ "تجیح تہذیب" کے نام سے لکھا تھا، ۱۸۹۷ء میں اکمل المطالع دہلی میں چھپا۔ اس میں ۷۱ فصلیں ہیں۔ پہلی ۲۱ میں "موسود برہان" کے اعتراضوں کے جواب اور ان پر اپنے اعتراض ہیں۔ آخری ستر سو

فصل میں ”بہانِ قاطع“ پر مزید اعتراض ہیں۔

”چٹخیز“ کے آخر میں ۲۱ اپنی سوالات کا ایک انتخاب ہے۔ ان کے جواب لوہا محمد مصطفیٰ خاں شیخ نے دیے ہیں؟ اور ان کی تائید مولانا حالیؒ، محمد سادات علی خاں اور لوہا خیاہ الدین احمد خاں نیر نیشکی نے کی ہے۔

مولوی احمد علی احمد جہانگیر گہری نے جواب میں ”شمشیر تیز تر“ شائع کی۔ اس دوران میں میرزا غالب نے ”قاطع بہان“ کا دوسرا ایڈیشن ”درفش کاویانی“ شائع کر دیا تھا۔ اس میں مزید فوائد اور اعتراضات شامل کئے گئے تھے۔ احمد نے ان اعتراضات کے اور ”چٹخیز“ کے مشمولہ نکات کے جواب دیے۔ کتاب کا نام تبدیل ہے جس سے (۱۸۹۷ء) برآمد ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کہ کتاب پر تاریخ طباعت ۱۸۹۸ء چھپی ہے، یہ شائع ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی، جیسا کہ اس کی تاریخ طباعت ”ترکی داہہ جواب ترکی“ سے ظاہر ہے۔ غالب اس کی اشاعت سے پہلے ذی القعدہ ۱۳۸۵ء میں اپنے خالق حقیقی کے حضور حاضر ہو چکے تھے۔

اس سرے کے دو شاعر نے نکلے۔ غالب نے جب احمد جہانگیر گہری کو خطبہ کر کے اپنا مشار الہ قطعہ لکھا۔ جس کا مطلع تھا:

مولوی احمد علی احمد جہانگیر گہری در خصوص گفتگوے پارس اشعار است

تراس کے جواب میں احمد نے ایک قطعہ لکھا اور اپنے ایک شاگرد عبدالصمد فدا سلسلی کے نام سے شائع کر دیا۔ اس کا عنوان: ”ہنگامہ دل آشوب (۱)“ میں ہے: ”وہ میں قطعہ کہ مولوی احمد علی صاحب بھواب قطعہ حضرت غالب نگاشتہ از ہام عبدالصمد فدا سلسلی شاگرد خود حضرت دلو“ فدا کے جواب میں غالب کے دو شاگردوں محمد باقر علی باقر آردی اور سید محمد الدین حسین خن نے ایک ایک قطعہ لکھا۔ ان چاروں قطعوں کا مجموعہ ”ہنگامہ دل آشوب“ کے نام سے مثنوی سنہ ۱۳۸۳ء (شعبہ شہاد آباد بازار) میں ذی القعدہ ۱۳۸۳ء (اپریل ۱۸۹۷ء) میں چھپا۔

اس کے بعد عبدالصمد فدا نے (یا خود احمد جہانگیر گہری نے) باقر اور خن کے قطعوں کا جواب لکھا اور اسے پہلے چاروں قطعوں کے ساتھ شامل کر کے ”چٹخیز ۲“ کے نام سے ۱۳۸۳ء (۱۸۹۷ء) میں غلام نبی خاں کے مطبع نبوی میں چھپ کر شائع کیا۔ اب جو اہر تلخ جوہر گھنٹوی (۱۳۸۱ء) (شاگرد باقی کرانی) میدان میں اترے۔ انہوں نے ایک قطعہ لکھا، جو دراصل احمد جہانگیر گہری کی حمایت اور غالب کی مخالفت میں تھا لیکن اس کا اظہار انہوں نے صاف لفظوں میں بر ملا نہیں کیا، البتہ بین السطور سے ان کا مقصد عیاں ہے۔ فدا کے قطعے (شعور چٹخیز ۲) اور جوہر کے اس قطعے کے جواب میں پھر باقر اور خن نے ایک ایک قطعہ لکھا۔ اسی دوران میں میر تقی علی خن گھنٹوی نے ایک تہذیبی مضمون میں غالب کے بعض اشعار پر اعتراض کیے، جو اوّلہ اخبار (۲۵ جون ۱۸۹۷ء) میں چھپا۔ خن نے اس کا جواب اردو نثر میں لکھا اور باقر نے فارسی نثر میں۔ ایک اور صاحب محمد امیر امر گھنٹوی نے غالب کی حمایت میں ایک اردو قطعہ اوّلہ اخبار میں چھپوایا ان پانچوں قطعوں اور دونوں نثری مضامین کا مجموعہ بھی ہنگامہ دل آشوب حصہ دوم کے عنوان سے مولوی الاول ۱۳۸۳ء (دسمبر ۱۸۹۷ء) میں مثنوی سنہ پر شاہی کے مطبع سے شائع ہوا۔

یہ تمام مضامین (محمد امیرا میر گھنٹوی کے قطعے کے علاوہ) فارسی میں ہیں اور ان سب کی زمین دی ہے، جو

غالب کے پہلے قلمی کی تھی ' انکار کہ است ' قضا کہ است۔

دوسرا شاہخانہ ۱۱ مقدمہ ازالہ حیثیت معنی تھا ' ہر غالب نے قاطع القاطع کے مصنف امین الدین امین دہلوی کے خلاف دائر کیا۔ وہ بنیائے میں ریاست کے مدرسے میں مدرس تھے۔ سب سے پہلے انہیں نے غالب کا جواب لکھنے کا خیال کیا تھا۔ ان کی کتب ۱۳۸۱ء میں مکمل ہو گئی تھی ' لیکن یہ شائع ۱۳۸۵ء میں ہوئی۔

بد قسمتی سے انہوں نے اپنی کتب میں جو زبان استعمال کی ' وہ کسی سنجیدہ منطوق یا علمی موضوع کے شاہین شاہن نہیں تھی۔ اسی لئے غالب نے اسے درخور اعتناء نہ خیال کیا۔ کسی نے ان سے پوچھا: حضرت! آپ نے سب کتابوں کا جواب دیا ' لیکن مولوی امین الدین کا جواب نہیں لکھا ' تو فرمایا: "اگر کوئی کدو کا قصارے لات مارے ' تو کیا تم بھی اس کے لات مارو گے!"

لیکن بعد کو دو ہفتوں کے کسے سے پا خود بخود ان کے دل میں خیال آیا کہ مولوی امین الدین کی نصیحت کو بالکل نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ۲ دسمبر ۱۸۹۷ء کو ڈپٹی کمشنر دہلی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اس مقدمے میں مفتی عزیز الدین بدایونی ان کے وکیل تھے۔ ہمارے مقدمہ "قاطع القاطع" کی متعدد ذیل عبارتیں عرضی دہلوی میں پیش کی گئی تھیں:

ص ۳ (کتاب) : ہاں! تھوڑا چہ حرکت ناگہانی کر کہ است

ایضاً : پیش حاکم وقت ولقد زلم نملانی خویش و انما یہ

ص ۳۳ : این خر بیانی بعد ازین را بر پشت خود نہاد

ایضاً : بہ دشنام پردازم

ص ۳۸ : میان خون جنس غوطہ خورد

ص ۳۴ : گلاں اکبر آبادی دوسری جا تھڑپہ کاورد

ص ۳۸ ' ۳۹ : سبکی و گردنی ہار ابرائے او بنیاد نہد

ص ۵۵ : قصد پایہ کشلوتا جوش بازورد

ص ۱۸ ' ۶ : امیں غلبی

ص ۳۰ ' ۳۱ : از غراب اکبر آبادیوسے بہ دہلی رسید

ص ۷۰ : معترض ازین عطفہ صحتے دیدہ است

۲۰ فروری ۱۸۹۸ء کی درخواست میں وکیل نے ان پر متعدد ذیل عبارتوں کا اضافہ کیا:

ص ۷ : اگر امیں جنس صفت بی دید ' یعنی چہ گویم ' گو خوشی بی دید

ص ۷۱ : بدعت خواہ ہمیں ازاد است ' ہر کسی را شکنان بی دید

ص ۷۲ : معترض خلیہ را چہ اگر رفت۔ گر برائے ترکیب بنان خوردش گرفتہ باشد

ص ۷۳ : جستن خوس را یاد کر کہ است و رقص یوزنہ دابہ الکمار آورد است

۱۷۲ : گوش و بچی چہ اکرم دست خواہ ہمہ ' و زبان چہ قضا خواہ کشید
۳۸ : گوش اواز ہا گوش بر کنند یا چہ سور اطل معلی زہد

عدالت نے فریقین کو اپنے اپنے گواہوں کی فرست پیش کرنے کی ہدایت کی۔ اس پر دعا علیہ مولوی امین الدین کے وکیل ابہ سائے نے مندرجہ ذیل اصحاب کی فرست داخل کی:

- ۱۔ مولوی ضیاء الدین صاحب ' پروفیسر عربی مدرسہ سرکاری
- ۲۔ مولوی سعید الدین خان صاحب ' استادمیر صاحب سیکرٹری اعظم
- ۳۔ حکیم شمس اللہ خان صاحب

۴۔ محمد حمید الدین خان صاحب عرف عبدالعظیم صاحب

۵۔ مولوی ابراہیم صاحب

۶۔ مولوی محمد حسین صاحب

۷۔ مولوی قمر الدین صاحب

غالب کی طرف سے پیش کردہ فرست میں ان اصحاب کے نام تھے۔

۱۔ مولوی ختمی سعادت علی خان صاحب ' مدرس کالج دہلی۔

۲۔ اختریار سے لال صاحب ' سیکرٹری

۳۔ مولوی نصیر الدین صاحب ' مدرس مدرسہ دہلی۔

۴۔ مولوی لطیف حسین صاحب مدرس

۵۔ مفتی نعم چند صاحب مدرس کالج دہلی۔

دونوں فرستوں پر سرسری نظر فرماوے گی کہ دعا علیہ کی فرست کے پہلے دونوں نام ہی غالب کی پوری فرست پر بھاری ہیں۔ اس کا جو اثر عدالت پر ہوا ہو گا وہ ظاہر ہے کیونکہ یہ اصحاب علمی حلقوں میں بہت معروف تھے۔ اس پر حتم یہ ہوا کہ مقدمے کے دوران میں جب مولوی ضیاء الدین صاحب شہادت کے لئے حاضر ہوئے تو کسی نے حاکم عدالت کے کان میں کہا کہ مولوی صاحب بڑے معزز تھوڑی ہیں ' انھیں پیش کرنے کو کرسی ملنا چاہیئے۔ عدالت نے یہ مشورہ منظور کر لیا۔ اس کا حاضرین اور فریقین مقدمہ پر کیا اثر ہوا ہو گا اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس وقت کے انگریزی اخبار مصلحتاً میں کسی نے اسکا بیان یہ خط پیچھا لیا :

میں سخت حیران و پریشان ہوں کہ اسسٹنٹ کسٹمر نے مولوی ضیاء الدین کو کس بنا پر کرسی دی۔ اس رعایت

سے غالب کے ساتھ نا انصافی ہوئی۔ وہ سوسائٹی میں شہرت معزز ہیں۔ لفٹنٹ گورنر کے دربار میں انھیں

مولوی ضیاء الدین سے اونچے درجے پر خطایا گیا تھا۔

فریقین کے گواہوں کے بیانات کو تفصیل سے درج کرنا طوالت سے خالی نہیں۔ بلکہ نمونہ صرف مولوی ضیاء الدین کا بیان جو انہوں نے دعا علیہ کی صفائی میں دیا ' درج کرتا ہوں۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ دوسرے اصحاب نے کیا کیا

محل انشاء کی ہوں گی۔ میں نے سابق اس کتاب کو دیکھا ہے :

ص ۳۳ میں جو عبارت لکھی ہے وہ ”حرکت نام کوئی“ ہے الفاظ کو خاص حرکت پر خصوصیت نہیں رکھتے۔ اس کے معنی ہیں کہ ”وہ جو حرکت لائق کرنے کو نہ ہو“ لفظ ”ضرورت ہا“ جو لکھا ہے اس کے معنی صرف مارنے کے ہیں خصوصیت کسی دوسرے معنی پر نہیں رکھتا۔

”زخم دہانی“ کے معنی ہیں ”زخم ابھرنی“ یا مدد مل۔ احتمال معنی اس کے لوطیان میں چاہے جو کچھ لے لے طرز عبارت سے جو کوئی دیکھے گا وہ معنی اس لفظ کے اور معنی خیال نہیں کر سکتا ہے۔ یہ عبارت بھی نہ قش ہے نہ ہزار کوئی ہے۔

(سوال دیکھ دی ۱۱) جواب: ”زخم“ موصوف اور ”ہناں“ اس کی صفت ہے۔ ”ہناں“ کے معنی کسی نے قطع کے نہیں لئے۔

ص ۲۳ میں لکھا ہے: ”طرعیسی“ خر کے معنی یہ توقف ہیں اور لفظ یحییٰ سے عظمت اور بزرگی ہوتی ہے۔ جیسے کہ فریدر صاحب کشنر دہلی یہاں مارے گئے ہیں۔ ان کی تاریخ وفات میں ایک قطع یہ ہے :

چراں فریدر کشنر دہلی گفت متعل از تنگ باز
از شک چار میں ندا کہ خر یحییٰ نمود . دایۃ (۲۲)

”خر یحییٰ“ ایسا ہے جیسا کہ کلب حسین اور کلب علی۔ چنانچہ دلی رامپور کا نام کلب علی خان ہے معنی کتب علی کے سوال دیکھ دی: اس عبارت سے کیا مراد ہے؟
جواب: میرے نزدیک کوئی امر تحقیک کا نہیں ہے۔

ص ۲۸ میں جو لکھا ہے کہ ”میان خون حیض غوط خورد“ یہ صنعت ابہام ہے۔ یہ لفظ حقیقی معنی کے کسی طرح عبارت نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کام یہ قوتی سے کرتا اور وہ کام جو نہیں کرتا ہے یعنی خون حیض کا چونا نہایت یہ قوتی ہے۔ دوسرے معنی یہ کہ خون حیض کو یہ لفظ رنگ، تپاک، مشامت شراب سے گویا کثرت شراب۔

سوال دیکھ دی: اگر آپ کتاب کو دیکھیں کیا کیا کہیں گے؟

جواب: لطیف عبارت ہے۔ اس واسطے ہم نہیں گے۔ مگر تحقیک کسی طرح کی اس میں نہیں ہے۔ معنی کا قول ہے ع
خون حیض دختر زچہ خدا ز ہائے من

خون حیض عورتوں کو تپا کرتا ہے۔ اگر عورت کی نسبت کہا جاوے تو معنی یہ قوتی کے ہیں جیسا کہ حیض الرہیل مراد نہیں ہے حیض کے واسطے۔ اس کے معنی عیب اور بد گوئی کے ہیں۔

ص ۳۸ میں لکھا ہے کہ

گوشی او از بنا گوش برکنده با ہ سوراخش منحنی دند

سوراخش کے شین کی خمیر بہ موجب قاعدے کے قریب کی طرف ہوتی ہے یعنی یہ طرف کان مطلب یہ ہے کہ ”کان“ کو لے جاویں مگر صرف لواطت والے اور معنی بھی کچھ سکتے ہیں۔

ص ۳۲ میں لکھا ہے: "کمال اکبر آبادی" یہ معنی سے فروش۔ مگر اس شخص کے واسطے جو دائم الخمر ہو، عجیب نہیں ہے بلکہ مرزا نوشہ کا شاگرد شخص مسکنی (23) ہے۔ جو شراب نہ پیے، اس کے نزدیک عجیب ہے۔ مگر مدی دائم الخمر ہے۔ اس واسطے اس کی نسبت کچھ تعجب نہیں ہے۔

دوسری جگہ لکھا ہے: "بلی و گردنی ہار ایرائے لوبکار برند" یعنی بنیں ان کے اوپر اور اصل یہی ہے۔ ص ۵۵ میں لکھا ہے کہ "نصہ باید کشاد" یہ محاورہ روز مرہ کا ہے کچھ نئی کلام نہیں ہے۔ ص ۶۶ میں ہے "قبلی" تہری معنی اس کے یہ ہیں: ۱) پٹنا۔

ص ۶۶ میں لکھا ہے: "از خراب اکبر آبادیوے یہ دہلی رسیدہ است" یہ صنعت صنعت ایہام ہے۔ مگر اس جگہ معنی زمین کے بھی اچھی طرح ہو سکتے ہیں۔

ص ۷۷ میں لکھا ہے لفظ "اوی" عضو اس اوی عضو کی طیر یہ طرف قریب پارتی ہے۔ عضو کامل کی طرف مگر کوئی؟ (تہید) کافی نہیں ہے۔

ص ۷۷ میں جو لکھا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خوب اس کو سزا دینا۔ ص ۸۱ میں لکھا ہے لفظ "ازار" اس کے معنی عی میں چاور کے ہیں۔ مگر ہندی میں پانچاوس کو کہتے ہیں۔ یہ کتاب فارسی اگر یہ لفظ دیکھا جاوے تو یہ معنی چاور سمجھا جاوے گا۔

ص ۸۲ میں لفظ "خایہ" کا لکھا ہے۔ یہ بھی صنعت ایہام ہے۔ مگر اس مقام پر معنی پتھر مرغ کے ہیں۔ ص ۸۳ میں جو لکھا ہے اس کے معنی یہ ہیں (۶) اور ایسے مقام پر یہ عبارت لکھی جاتی ہے کہ جو حرکت لکھا ظہور میں آئی ہو جیسا کہ رقم چلا۔

ص ۸۴ میں جو عبارت لکھی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ حاکم خوب سزا دے گا۔ ص (۳۸) عبارت تنازعہ کو تو ہم لطافت اور خوبی جان کرتے ہیں اور ایسی تحریر میں دشنام یا جگہ نہیں سمجھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ مولوی ضیاء الدین نے یہ بیان دعا علیہ کے وکیل کے مشورے اور ہدایت پر دیا ہو گا۔ وہ سرے گواہوں نے بھی انہیں کی تائید کی۔ مقدمہ بننے والا اگرچہ اسے کیا معلوم کہ جو کچھ یہ مولوی صاحبان کہہ رہے ہیں۔ کہاں تک صحیح اور درست ہے اور کس حد تک حیل اور فریب۔ لیکن غالب فورا "کچھ گئے کہ وہ ان شہادتوں کی موجودگی میں اپنا دعویٰ ثابت کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ اور ہر شے کے بعض عناصر فریقین سے کہہ دیے گئے کہ وہ یہ مقدمہ ختم کریں اور صلہ صفائی کر لیں۔ اب جب مقدمے میں کامیابی کی توقع نہ رہی تو انہوں نے ان معذرت کے بیچارے کو قیمت ہانا اور مقدمہ واپس لے لیا۔ چنانچہ ان کے وکیل مفتی عزیز الدین نے عدالت میں یہ درخواست پیش کر دی:

جناب عالی

جو کہ مجھ مدعی کا مقدمہ بنام مولوی امین الدین بابت ازالہ عی حسب منشاء دفعہ ۳۹۹ تعزیرات ہند عدالت ہے۔ چنانچہ یہ فرما کر اسی دسارے شر پام رضا مندی ہوئی۔ اب مجھ کو کچھ دعویٰ بابت

مقدمہ ہائی ضمیمہ 'مقدمہ داخل دفتر ہو چلا۔

مرضی

مرضی الدین وکیل مدعی ۲۳ مارچ ۱۸۹۸ء

اس پر حکم ہوا:

از پیش گاہ اورینٹ صاحب ہمارو

مقدمہ خارج اور کاغذات داخل دفتر (24)۔ نقطہ

مولوی امین الدین کے تمام گواہوں سے میرزا غالب کا بھی ملنا جتنا تھا، لیکن انہوں نے ملزم کو پہلانے کی خاطر قابل اعتراض فقروں کے ایسے معنی کئے، جن سے اس پر کوئی التزام ناکہ نہ ہو اور اس طرح قلبیس سے کام لیا، حالانکہ عبارتیں بھی صاف تھیں اور سیاق و سباق سے ملزم کا دعائے بالکل واضح اور عیاں تھا۔ جب مقدمہ ختم ہو گیا تو کسی نے میرزا غالب سے پوچھا: حضرت انہوں نے آپ کے برخلاف شہادت کیوں دی؟ اس پر میرزا نے اپنا فارسی کا یہ شعر دیا:

ہر چہ در گہری جز بحسب ماکل نیست

عیار بیکسی من شرائط نسبی است

(یعنی میری بیکسی کی وجہ شرائط نسبی ہے کیونکہ ہر شخص اپنی جنس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ چونکہ

شرائط نسبی میں میرا کوئی ہم جنس نہیں، اس لئے کوئی میرا ساتھ نہیں دیتا (25)۔

لیکن ازالہ حیثیت عدلی کے مقدمے میں کامیابی اور ناکامی تو ثانوی بات تھی۔ اصلی مسئلہ یہ تھا کہ کیا میرزا نے جو قاطع یہاں میں لکھا تھا اور یہاں قاطع پر جو اعتراض کئے تھے، 'حق پر مبنی تھے یا نہیں؟ تو یہ بعد کی مشابہتوں سے ثابت ہو گیا کہ ان کے بیشتر اعتراض درست تھے، 'بے شک' بعض مطالبات پر ان سے بھی تسامح ہوا اور انہوں نے بعد کو ان سے رجوع بھی کر لیا لیکن جیسا کہ مالی نے لکھا ہے (26)۔ (فرہنگ نامری (مروجہ رضا نقلی خان ہدایت) نے جو میرزا کی وفات کے بعد ایمان میں چھپی، 'چا بجا ان کی تائید کی ہے۔ ابھی چند سال ہوئے' یہاں قاطع کا ایک انجیلیشن حیران سے شائع ہوا تھا، اس کے مرتب محمد مصین نے بھی بہت جگہ پر میرزا کی تائید کی ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ قاطع یہاں کا بنیادی مواد محض میرزا کی یادداشت پر مبنی تھا، جب نہ کوئی کتاب ان کے پاس تھی نہ لغت ہی کا کوئی مجموعہ، تو اس سے ان کی فارسی زبان سے لغوی مناسبت کا یہ ثبوت ملتا ہے، وہ ناقابل تردید ہے۔

5:- نواب کلب علی خان سے چپقلش

میرزا صاحب دہلہء راجپور نواب یوسف علی خان کے استاد تھے۔ نواب صاحب مہسول کا شخص ناظم تھا اور یہ بھی غالب کا تجویز کردہ تھا۔ جب تک ناظم زندہ رہے، میرزا صاحب کی ان سے گاڑھی چھنی۔ نواب صاحب نے ان کا ایک سو روپے ملانہ وکیلہ مقرر کر دیا تھا۔ ہوا نہیں باقاعدہ ہر مہینے ملتا رہا۔ اس کے علاوہ بھی وہ سلوک کرتے رہے۔

عدا ضرورت غالب بھی مطالبہ کرنے سے گریز نہ کرتے۔ نواب صاحب نے جیسے ان کی مدد کی۔ غرض دونوں کے بہت یکجہمت کے تعلقات تھے۔

نواب یوسف علی خان فردوس مکان کا اپریل ۱۸۶۵ء میں بھارہء سرطان انگلہ ہو گیا۔ ان کی جگہ ان کے فرزند اکبر نواب کلب علی خان سررائے سند رامپور ہوئے۔ نواب کلب علی خان بہت تعلیم یافتہ اور فاضل آدمی تھے۔ اردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ اردو میں منشی امیر بیگانی سے تلمذ تھا اور فارسی میں مرزا محمد تقی خان ہسپر مولف تاریخ التواریخ سے۔

جب نواب فردوس مکان کا انگلہ ہوا تو قدرۃً غالب کے دل میں اندیشہ مگزا کہ اب مجھے والیہ عہد سے استادی کا تعلق تو رہا نہیں، خدا معلوم، میری سو روپے ماہانہ کی تحفہ جاری رہتی ہے یا نہیں! ہارسے، جب انہوں نے نواب فردوس مکان کی تحریر کا خط لکھا، تو نواب کلب علی خان نے اس کے جواب میں انہیں یہ اطلاع دی کہ ”جو مشاہیر آپ کا حضرت نواب صاحب قبلہ کے عہد سے مشرور ہے وہ انشاء اللہ بدستور جاری رہے گا۔“ اس پر غالب نے اطمینان کی سانس لی۔

اگست ۱۸۸۳ء میں نواب کلب علی خان نے اپنے ویرید مصاحب اور دوست مولوی محمد عثمان خان بھلور دارالہمام ریاست کی شرح قصاکہ بدھ پانچ پر تقریظ لکھی۔ چونکہ یہ تحریر فارسی میں تھی، انہوں نے اسے لغرض اصلاح غالب کے پاس بھیجا۔

غالب کا بعد سہیلی فارسی نویسوں کے ہارسے میں ہر رویہ تھا اور وہ ان کی فارسی کو جس نظر سے دیکھتے تھے، اس سے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ مثلاً ”ایک جگہ انہوں نے ”ارنگ اورنگ ہانی“ لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے ”ارنگ“ کی جگہ ”ارنگ“ بنا دیا۔ ایک اور جگہ محاورہ ”آشیاں چیدن“ استعمال ہوا تھا۔ میرزا صاحب نے کہا کہ یہ غلط ہے، اس کی جگہ ”آشیاں بستن“ یا ”آشیاں سامعین“ چاہیئے۔ جب یہ تحریر نواب صاحب موصوف کے پاس واپس پہنچی تو انہوں نے میرزا کو لکھا (۱۸۸۳ء) کہ

نہیں غامد کہ در تحریر معانی شعر عربی دہم بتحقق لفظ ارنگ و اورنگ گوہر باد گردید، بر خاطر اطلاع فروش ہر آئینہ حق و محتجب مہاو کہ اکثر ایک رقیان علم تحت ارنگ و اورنگ را بمعنی واحد چداشت احد و عامہ مفران کلام شیرازی مشاہد ”آشیاں چیدن“ را مرادف ”آشیاں بستن“ نکاشت، چنانچہ نظیر ہر یکے لطوف حمیری ہارسے ہذاست، بمطالعہ خواہد رسید۔ مع ہذا اگر طبع آں استاد ذیل بہ ترقیم الفاظ ہادی اللہ لغوی داشت، بتحقیق حوالہ قلم نمائی کہ مبعوث عنہ را از تقریظ اصلاح شدہ چہ نصیحت خود کو سازم، زیرا کہ مرا ازاں مشتق واسطہ تلمذ بودہ است، نہ از عربی و دیگران، اما نظیرے بطور گزشتہ است، صرف برائے اطلاع بہ تصدیق ہذا متدرج گردید۔

نواب صاحب نے یہ خط بہت قتل اور ضبط سے لکھا ہے۔ لیکن اس میں ہر انہوں نے لکھا کہ ”مرا ازاں مشتق واسطہ تلمذ بودہ است“ چونکہ یہ بات خلاف واقع تھی، اس سے میرزا کو دھوکا ہوا اور انہوں نے حسب عادت

ہندوستانی فارسی دانوں کے ناقابل اعتبار ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: (28)۔

اس عبارت سے اس میں ایک فقرہ نظر پڑا کہ جس سے میں کاپی اٹھا: مرا ازاں عشق واسطہ کلمہ ہووے است" یہ دلیل کو عزت دینی اور دکان ہے مدنی کی خریداری کئی ہے۔ میں تو حضرت کو اپنا استاد اور اپنا مرشد اور اپنا آقا جانتا ہوں۔

"بدفطرت سے میری طبیعت کو زبان فارسی سے ایک لگاؤ تھا۔ بارے۔ اکابر ہارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا۔ اور میں نے اس سے حقائق و دقائق زبان پارسی کے معلوم کئے۔ اب مجھے اس امر خاص میں نفس مطمئنہ حاصل ہے۔ دعویٰ اجتہاد نہیں ہے۔ بحث کا طریق یاد نہیں۔۔۔

فقیر اشعار قدس کا معتقد" ان لوگوں کے کلام کا عاشق مگر غلط ان کے کلام میں ہیں" ان کے معنی تو اہل ہند نے اپنے قیاس سے نکالے ہیں۔ میں کیونکر ان کے قیاس پر نکلیں کہوں! اب جو جو مرشد نے لکھا کہ "ارنگ اردنگ" خدہ المعنی اور "آشیل ساتھن و بستن و چوٹن" گھوسلا خانے کے معنی ہے" تو میں نے بے تکلف مان لیا" لیکن نہ ان صاحبوں کے قیاس کے بموجب" بلکہ اپنے خداوند نعمت کے حکم کے مطابق۔

غالب کا یہ خط انگریزی کماؤت کے مطابق وہ آخری نکاح ثابت ہوا" جس سے اونٹ کی کمرہ پری ہو کر ٹوٹ گئی۔ پہلے تو نواب صاحب نے "میں تو حضرت کو اپنا استاد اور اپنا مرشد اور اپنا آقا جانتا ہوں" کو قبول نہیں پر معمول کیا" حالانکہ اس سے غالب بے چارے کو صرف چالپوری اور خوشامد مقصود تھی۔ میرزا نے لکھا تھا: "بحث کا طریق یاد نہیں۔" نواب صاحب نے خیال کیا کہ میرزا مجھ سے بات نہیں کرنا اور انعام و تعظیم کا طریقہ اختیار کرنے سے انکار کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں بے چاروں و چڑاؤں کی بات مان لوں" وہ میری دلیل سننے کو تیار نہیں۔ اس کے برعکس میرزا کا مقصود صرف اتنا تھا کہ میں اپنے فارسی علم پر مطمئن اور قانع ہوں اور ہندوستان کے فارسی نویسوں نے جو کچھ لکھا ہے" اس سے مجھے سود کار نہیں ہے۔ واقعی اگر غالب کا وہی مقصود ہوتا" جیسا نواب صاحب نے خیال کیا تو یہ نامناسب ہی نہیں" سخت گستاخی کی بات ہوئی۔ اس پر نواب صاحب نے غالب کو جو جواب لکھا" اگرچہ وہ بیوفاری اور خیال کا ثور نمونہ ہے" بالخصوص اس لئے کہ لکھنے والا ایک ریاست کا مطلق سلطان حکمران ہے" لیکن اس کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ راقم کے دل میں کتنا رنج اور غصہ ہے۔ پورا خط ملاحظہ ہو (29)۔

مکتوب حیرت اسلوب مشعر اختراع معنی لفظ نسبت ہندی تئران چشمن و دیگر اعتراضات داس کہ راقم را طریقہ بحث یاد نیست" موصول مستند محبت" باعث استغراب عظیم گردید" ازاں جا کہ تعامل و رائے تحقیق و تنطیع امور علمہ کہ معاذ اللہ" از مناہد و مناقشہ چشم حق ہیں یہاں ہی غایب" امرے دیگر ملاحظہ و یادہ و کل چہ حال خرطوم یوسے (ہے) ریب و رنج حوالہ قلم و دقائق سنج گردید۔" لیکن مازم ہذا میں موشگاف آن فرید زباں کہ نوشہ ام را بر بحث و اجتہاد محمول نمود۔ امثال میں کتابیہ ہائے "و" مثل نسبت احمدی بجانب راقم و لفظ بحث کہ ہر دو خلاف واقع و مورث رنج و منا است" شکستہ ہیں اگر اس عشق

راہمچس منظور باشندہ اشارتے سازند کہ واسطہ ترسیل رسائل از فی باہین برداشت شود ورنہ بیان خامہ را باہور خارج المجت تکلیف ندادہ باشند کہ نتیجہ اش سوائے صواعق الراس امرے بظاہر نہی رسد۔ و راقم پایہ اعتبار محققان کہ صاحب تصانیف مقبولہ انام بودہ اند از خود زیادہ دانستہ بحوالہ کلام شہل پرداختہ۔ اگر نزد ان محکم جاہلہ آئنا قائل قبول نہیہ پالینے کہ ہم بر آن نقطہ تحریری ساختہ مصلحت ایسی قدر اعجاب سخن از قلم بچوسنی بیرون۔ زیادہ ازیں توضیح حکمت بظہان آموختن است۔

جب غالب کو یہ عتاب ہندوستان کے دل و دماغ کی ہر کیفیت ہوتی ہو گی وہ تصور کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے طعنا لکھا کہ :

انکار بحث سے مراد یہ تھی کہ شعرائے ہند کے کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں یا ہندی فرہنگ کتنے دالوں کے بیان میں جو تاور حتی اور پایم جو ان کی محفل میں اشتغال ہیں ان میں کلام نہیں کرتے اپنی تحقیق کو سامنے ہوتے ہوں اور ان سے نیچے بحث نہیں۔

اس پر ثواب صاحب نے لکھا : (37)

سابق ازیں بلا حذو مضمون مفادہ سابقہ امرے کہ متعلیل شدہ بود ہے شائبہ تکلف حوالہ خاندہ گردیدہ حالانکہ ان صریح چوبلیسی پرداختہ از اس دفع شکوک کماحقہ گردید۔ خاطر لطف مشاعر مقبولہ جمیت باشند۔

لیکن اس کے بعد انہوں نے نہ کبھی کوئی تحریر بغرض اصلاح غالب کے پاس بھیجی نہ کوئی اپنی سوالات ہی ان سے کیا۔ گویا وہ زبان حال سے اپنی ناراضی اور غلطی کا اظہار کرتے رہے۔ (38)

یہ ہے مختصر داستان غالب کے اپنی معرکوں کی۔ آپ دیکھیں گے کہ ان تمام کی بنیاد ان کے اس مفروضے پر ہے کہ ہندوستان کے قاری گو اور لغت نگار غلط نویس اور غیر مستند ہیں۔ اگر قاری کلام کی صحت و راستی معرض بحث میں ہے تو ان کی سند پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور اس کے لئے ہمیں لازماً اہل زبان کے کلام سے سند اور شواہد تلاش کرنا پڑے گی۔



- 1 - یادگار غالب (عجل) (مربع) رنگ رام، ۱۹۱۱ (کتبہ جامعہ دہلی) ۱۹۱۱ء
- 2 - ذکر غالب (رنگ رام)، (عجل) (کتبہ جامعہ دہلی) ۱۹۱۱ء
- 3 - خطوط غالب (۱۸۸۸-۱۸۹۸) (۱۸۸۸ تا ۱۸۹۸) (مربع) (مربع) (مربع)
- 4 - یادگار غالب (مربع)
- 5 - یادگار غالب (عجل)
- 6 - دو مضمون خزانہ نے یہ شعر ہیں لکھا ہے

ہا کے کا جب ہے ایک کے اور دوا کے
گر ان کا کلام ہے آپ سمجھیں یا خدا کے
(آپ عزت)

اگر اپنا کلام آپ ہی کے تو کیا ہے
کلام میر کے اور دوا میرا ہے

[illegible]

- 7۔ - زادگار: غالب ۱۰۳۵
8۔ - زادگار: غالب ۱۰۳۶
9۔ - زادگار: غالب ۱۰۳۷
10۔ - خطوط: غالب (تکامل: رسول مراد) ۱۰۳۸ - (شیخ: اول: "کتب: حشری" ۱۰۳۹)
11۔ - (شیخ: بریل: و: رسائی: مختلف: (مترجم: قاضی: مولانا: محمد: ۱۰۴۰) (۱۰۴۱: اول: ۱۰۴۲)
12۔ - کلیات: قادری: (غز: غالب: ۱۰۴۳) (۱۰۴۴: تمام: کمر: اعلیٰ: غازی: خطوط: غالب: ۱۰۴۵) (۱۰۴۶: ایضاً: ۱۰۴۷)
13۔ - (۱۰۴۸: غالب: ۱۰۴۹)
14۔ - غالب: ۱۰۵۰: (۱۰۵۱: غز: غزلی: آزاد: ۱۰۵۲)
15۔ - (۱۰۵۳: اہل: آج: (۱۰۵۴: (۱۰۵۵: (۱۰۵۶: (۱۰۵۷: (۱۰۵۸: (۱۰۵۹: (۱۰۶۰: (۱۰۶۱: (۱۰۶۲: (۱۰۶۳: (۱۰۶۴: (۱۰۶۵: (۱۰۶۶: (۱۰۶۷: (۱۰۶۸: (۱۰۶۹: (۱۰۷۰: (۱۰۷۱: (۱۰۷۲: (۱۰۷۳: (۱۰۷۴: (۱۰۷۵: (۱۰۷۶: (۱۰۷۷: (۱۰۷۸: (۱۰۷۹: (۱۰۸۰: (۱۰۸۱: (۱۰۸۲: (۱۰۸۳: (۱۰۸۴: (۱۰۸۵: (۱۰۸۶: (۱۰۸۷: (۱۰۸۸: (۱۰۸۹: (۱۰۹۰: (۱۰۹۱: (۱۰۹۲: (۱۰۹۳: (۱۰۹۴: (۱۰۹۵: (۱۰۹۶: (۱۰۹۷: (۱۰۹۸: (۱۰۹۹: (۱۱۰۰: (۱۱۰۱: (۱۱۰۲: (۱۱۰۳: (۱۱۰۴: (۱۱۰۵: (۱۱۰۶: (۱۱۰۷: (۱۱۰۸: (۱۱۰۹: (۱۱۱۰: (۱۱۱۱: (۱۱۱۲: (۱۱۱۳: (۱۱۱۴: (۱۱۱۵: (۱۱۱۶: (۱۱۱۷: (۱۱۱۸: (۱۱۱۹: (۱۱۲۰: (۱۱۲۱: (۱۱۲۲: (۱۱۲۳: (۱۱۲۴: (۱۱۲۵: (۱۱۲۶: (۱۱۲۷: (۱۱۲۸: (۱۱۲۹: (۱۱۳۰: (۱۱۳۱: (۱۱۳۲: (۱۱۳۳: (۱۱۳۴: (۱۱۳۵: (۱۱۳۶: (۱۱۳۷: (۱۱۳۸: (۱۱۳۹: (۱۱۴۰: (۱۱۴۱: (۱۱۴۲: (۱۱۴۳: (۱۱۴۴: (۱۱۴۵: (۱۱۴۶: (۱۱۴۷: (۱۱۴۸: (۱۱۴۹: (۱۱۵۰: (۱۱۵۱: (۱۱۵۲: (۱۱۵۳: (۱۱۵۴: (۱۱۵۵: (۱۱۵۶: (۱۱۵۷: (۱۱۵۸: (۱۱۵۹: (۱۱۶۰: (۱۱۶۱: (۱۱۶۲: (۱۱۶۳: (۱۱۶۴: (۱۱۶۵: (۱۱۶۶: (۱۱۶۷: (۱۱۶۸: (۱۱۶۹: (۱۱۷۰: (۱۱۷۱: (۱۱۷۲: (۱۱۷۳: (۱۱۷۴: (۱۱۷۵: (۱۱۷۶: (۱۱۷۷: (۱۱۷۸: (۱۱۷۹: (۱۱۸۰: (۱۱۸۱: (۱۱۸۲: (۱۱۸۳: (۱۱۸۴: (۱۱۸۵: (۱۱۸۶: (۱۱۸۷: (۱۱۸۸: (۱۱۸۹: (۱۱۹۰: (۱۱۹۱: (۱۱۹۲: (۱۱۹۳: (۱۱۹۴: (۱۱۹۵: (۱۱۹۶: (۱۱۹۷: (۱۱۹۸: (۱۱۹۹: (۱۲۰۰: (۱۲۰۱: (۱۲۰۲: (۱۲۰۳: (۱۲۰۴: (۱۲۰۵: (۱۲۰۶: (۱۲۰۷: (۱۲۰۸: (۱۲۰۹: (۱۲۱۰: (۱۲۱۱: (۱۲۱۲: (۱۲۱۳: (۱۲۱۴: (۱۲۱۵: (۱۲۱۶: (۱۲۱۷: (۱۲۱۸: (۱۲۱۹: (۱۲۲۰: (۱۲۲۱: (۱۲۲۲: (۱۲۲۳: (۱۲۲۴: (۱۲۲۵: (۱۲۲۶: (۱۲۲۷: (۱۲۲۸: (۱۲۲۹: (۱۲۳۰: (۱۲۳۱: (۱۲۳۲: (۱۲۳۳: (۱۲۳۴: (۱۲۳۵: (۱۲۳۶: (۱۲۳۷: (۱۲۳۸: (۱۲۳۹: (۱۲۴۰: (۱۲۴۱: (۱۲۴۲: (۱۲۴۳: (۱۲۴۴: (۱۲۴۵: (۱۲۴۶: (۱۲۴۷: (۱۲۴۸: (۱۲۴۹: (۱۲۵۰: (۱۲۵۱: (۱۲۵۲: (۱۲۵۳: (۱۲۵۴: (۱۲۵۵: (۱۲۵۶: (۱۲۵۷: (۱۲۵۸: (۱۲۵۹: (۱۲۶۰: (۱۲۶۱: (۱۲۶۲: (۱۲۶۳: (۱۲۶۴: (۱۲۶۵: (۱۲۶۶: (۱۲۶۷: (۱۲۶۸: (۱۲۶۹: (۱۲۷۰: (۱۲۷۱: (۱۲۷۲: (۱۲۷۳: (۱۲۷۴: (۱۲۷۵: (۱۲۷۶: (۱۲۷۷: (۱۲۷۸: (۱۲۷۹: (۱۲۸۰: (۱۲۸۱: (۱۲۸۲: (۱۲۸۳: (۱۲۸۴: (۱۲۸۵: (۱۲۸۶: (۱۲۸۷: (۱۲۸۸: (۱۲۸۹: (۱۲۹۰: (۱۲۹۱: (۱۲۹۲: (۱۲۹۳: (۱۲۹۴: (۱۲۹۵: (۱۲۹۶: (۱۲۹۷: (۱۲۹۸: (۱۲۹۹: (۱۳۰۰: (۱۳۰۱: (۱۳۰۲: (۱۳۰۳: (۱۳۰۴: (۱۳۰۵: (۱۳۰۶: (۱۳۰۷: (۱۳۰۸: (۱۳۰۹: (۱۳۱۰: (۱۳۱۱: (۱۳۱۲: (۱۳۱۳: (۱۳۱۴: (۱۳۱۵: (۱۳۱۶: (۱۳۱۷: (۱۳۱۸: (۱۳۱۹: (۱۳۲۰: (۱۳۲۱: (۱۳۲۲: (۱۳۲۳: (۱۳۲۴: (۱۳۲۵: (۱۳۲۶: (۱۳۲۷: (۱۳۲۸: (۱۳۲۹: (۱۳۳۰: (۱۳۳۱: (۱۳۳۲: (۱۳۳۳: (۱۳۳۴: (۱۳۳۵: (۱۳۳۶: (۱۳۳۷: (۱۳۳۸: (۱۳۳۹: (۱۳۴۰: (۱۳۴۱: (۱۳۴۲: (۱۳۴۳: (۱۳۴۴: (۱۳۴۵: (۱۳۴۶: (۱۳۴۷: (۱۳۴۸: (۱۳۴۹: (۱۳۵۰: (۱۳۵۱: (۱۳۵۲: (۱۳۵۳: (۱۳۵۴: (۱۳۵۵: (۱۳۵۶: (۱۳۵۷: (۱۳۵۸: (۱۳۵۹: (۱۳۶۰: (۱۳۶۱: (۱۳۶۲: (۱۳۶۳: (۱۳۶۴: (۱۳۶۵: (۱۳۶۶: (۱۳۶۷: (۱۳۶۸: (۱۳۶۹: (۱۳۷۰: (۱۳۷۱: (۱۳۷۲: (۱۳۷۳: (۱۳۷۴: (۱۳۷۵: (۱۳۷۶: (۱۳۷۷: (۱۳۷۸: (۱۳۷۹: (۱۳۸۰: (۱۳۸۱: (۱۳۸۲: (۱۳۸۳: (۱۳۸۴: (۱۳۸۵: (۱۳۸۶: (۱۳۸۷: (۱۳۸۸: (۱۳۸۹: (۱۳۹۰: (۱۳۹۱: (۱۳۹۲: (۱۳۹۳: (۱۳۹۴: (۱۳۹۵: (۱۳۹۶: (۱۳۹۷: (۱۳۹۸: (۱۳۹۹: (۱۴۰۰: (۱۴۰۱: (۱۴۰۲: (۱۴۰۳: (۱۴۰۴: (۱۴۰۵: (۱۴۰۶: (۱۴۰۷: (۱۴۰۸: (۱۴۰۹: (۱۴۱۰: (۱۴۱۱: (۱۴۱۲: (۱۴۱۳: (۱۴۱۴: (۱۴۱۵: (۱۴۱۶: (۱۴۱۷: (۱۴۱۸: (۱۴۱۹: (۱۴۲۰: (۱۴۲۱: (۱۴۲۲: (۱۴۲۳: (۱۴۲۴: (۱۴۲۵: (۱۴۲۶: (۱۴۲





شہابِ پائے

قدرت اللہ شہاب کے غیر مطبوعہ خطوط کا مجموعہ

ترجمہ:
تسلیم احمد تصدور

سُورج پبلیکیشنز، لاہور

کلامِ غالب کے تراجم

پروفیسر گل احمد سرور

غالب کی اردو شاعری کے انگریزی تراجم

اب تک غالب کی اردو شاعری کے جن تراجم تک میری دھڑکن ہوتی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔ یہ سب آزادی کے بعد کے ہیں اور زیادہ تر غالب صدی کے موقع پر سامنے آئے۔ میری حلاق جاری ہے۔ اس لئے اس مختصر مقالے میں صرف انہیں تراجم پر بات ہوگی، مکمل جائزہ بعد میں ہو سکے گا۔

پہلا ترجمہ بیالال کول کا ہے یہ کشمیر کے ایک ممتاز ادیب ہیں اور انگریزی کے استاد رہے ہیں۔ اردو سے انہیں

طرح واقف ہیں۔ ان کی کتاب کا نام معنی خیز ہے "معنی غالب کی ترجمانیان OF GHALIB INTERPRETATIONS" مولانا آزاد کا مختصر پیش لفظ ہے اور یہ ۱۹۵۷ء میں چھپی ہے۔ دراصل یہ ترجمے

نہیں ہیں۔ کول نے یہ محسوس کیا کہ صرف ترجمے سے اصل کی روح تک رسائی نہ ہو سکے گی۔ اس لئے انہوں نے خیال کو واضح کرنے کے لئے اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ مگر آخر میں اصل شعر کا ترجمہ بھی ضرور کیا ہے۔

ترجمے کی زبان صاف اور رواں ہے اس لئے غالب کے خیال اور اس کے سیاق و سباق تک رسائی ہو جاتی ہے۔ مولانا آزاد کے مختصر پیش لفظ میں کئی اہم اشارے ہیں۔ مولانا نے مشرقی زبان کی شاعری کو ایک مغربی زبان کا بدلہ پنانے کی

تفصیل کی طرف توجہ دلائی ہے۔ پھر فرمایا ہے "ہر زبان کی شاعری اپنے شاعرانہ تخیل کی ایک مخصوص دنیا رکھتی ہے۔ لفظوں کا ترجمہ کر دیا جاسکتا ہے۔ لیکن وہ دنیا ترجمہ کی پکڑ میں نہیں آسکتی۔ لیکن مادہ ان مشکلات کے پڑت ہی

اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں۔ انہوں نے مرزا غالب کے تین سو چھپیس شعر ترجمے کے لئے منتخب کیے تھے" ان سب کو انہوں نے انگریزی کا لباس پہنا دیا ہے اور اس طرح پنانا ہے کہ اس نئی وضع میں کسی طرح کی

اجنبیت اور غیر مانوسیت محسوس نہیں ہوتی اور ترجمے کی بڑی سے بڑی کامیابی یہی ہے۔ "کتاب میں ایک حمید کے علاوہ سوال "فن" زندگی "محبت" ناچ ہی اور افسردگی اور حکیم سوالات کے تحت اشعار کا ترجمہ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ

غالب کے چارے خیال کی وضاحت ہو گئی ہے۔ لفظی ترجمے پر اصرار کرنے والوں کے نزدیک یہ کوشش ترجمے کے زمرے میں آتی ہی نہیں مگر میرے نزدیک غالب کے فکر و فن کی ترجمانی کی یہ کوشش بالکل قابل قدر ہے۔ کول نے

ترجمے کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ تخیل کی شاعری قلم کی شاعری کے مقابلے میں ترجمے کے لئے زیادہ سوزوں ہے۔ جہاں انہوں نے منظوم ترجمے کیے ہیں وہاں قافیے کا احترام بھی رکھا ہے۔ وہ ان کے پہلے شعر کے ترجمے

کے لئے پہلے انہوں نے اعداد مطلوب میں انسان کے سوال کرنے کی عادت کا ذکر کیا ہے اور پھر شعر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

TO ME ALL CREATION IS AN INTERROGATION ALL OBJECTS QUERY MARKS, SYMBOLS OF
WAILING AND CAMELANTATION, QUESTIONING THE WISDOM OF THE CREATION.

ایک اور شعر۔

میں کو ہے نکلا کر کیا کیا
نہ ہو موتا تو پیسے کا موتا کیا
کے ترے میں پہلے پانچ سطریں مسئلے کی وضاحت کے لئے ہیں باریہ آزاد ترجمہ ہے۔

HOW MANY HOPES AND DESIRES JUTLE IN MANS BREAST AND CROWD WITHIN THE
BREAIF OF HIS LIFE;

ایک اور نمائندہ شعر کے ترے میں میرے نزدیک غالب کے غزلوں کی ابھی ترجمانی ہے۔ شعر یہ ہے۔

شوق ہے سلمان طراز نازش ادب اب
زور صرا دست گاہ و فکر و دریا آشنا
اس کا ترجمہ صرف چار سطروں میں ہے اور مضمون ہے۔ قلمیے کا التزام بھی ہے۔

DESIRE INSPIRES THE EDWARD HEART WITH VALIANT ASPIRATION;
DESIRE DRIVES THE LITTLE DROP OF WATER; TOWARDS THE OCEAN,
DESIRE NERVES THE HUMBLE MAN TO SHOOT HIGH AT A STAR.
DESIRE BLDWS A SPECK OF DUST TO DESERT SANDS APAR

جو قصی مثل ایک مشہور قصیدے کے ایک مطلع کی ہے جس کے ترے میں پچھے چار سطروں کا مقدمہ ہے بابر
آزار ترجمہ۔

دور سے جہاں کھائی مشرق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودی

HEDEST THOU NOT WIHED TOSEE THE SELF IN THE CREATIONS MAGIC MIRROR
HELD NOT BE HERE TO WONDE AT IT " IT IS THE BEAUTY SEEN BY THEE "
AND YET NDT KNOWN FOR THINE

کمال کی ترجمانی کو غوراً ترجمہ کیا جائے یا نہیں یہ واقعی ایک مشکل قدر کو شش ہے۔ کول اکثر غالب کی فکر و فن
کی مدح تک پہنچ گئے ہیں۔ اشعار کی درجہ بندی میں بھی ایک ہوش مندی ملتی ہے۔ ان کی انگریزی کچھ قدامت رکھتی
ہے مگر اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔

دوسری اہم کو شش جس کا ذکر خود ہی ہے 'اسم علی کے ہے جو اسماء میں روی کے مشرق طوم کے ادارے کی
طرف مقرر عام پر آئی۔ اس کا نام "غالب کی منتخب نظمیں" ترجمہ مع قید

GHALIB SELECTED POEMS, TRANSLATED WITH AN INTRODUCTION BY AHMAO ALI.

امیر علی انگریزی کے بہت ممتاز معلم رہے ہیں۔ ترجمے میں ان کی مہارت مسلم ہے۔ انہوں نے پانچ جلدوں میں اردو اشعار کا اردو، اٹالوی، لاطینی انڈیشن، بھیل اور گلاب کے نام سے اردو شعراء کے انتخاب کا ترجمہ اور ارض آتھیں کے نام سے انڈونیشی شاعری کا ترجمہ اس سے پہلے شائع کیا تھا۔ غالب کا انتخاب نسخہ جدید سے کیا گیا ہے صرف دو شعر نسخہ عرشی سے لئے گئے ہیں۔ انتخاب میں ابتدائی شاعری کی خاصی فراہم کی ہے۔ ۳۳ غزلوں کے پانچ یا اس سے زیادہ اشعار ہیں۔ ایک مشہور قصیدے کی تنقیب پوری لے لی ہے۔ کل اشعار کی تعداد ۲۸۸ ہے۔ میں سننے کی قصید میں غالب کے فکر و فن کی خصوصیات کا بہت خوبی سے جائزہ لیا گیا ہے اور جا بجا اشعار کے تراجم سے اپنی بات کو واضح کیا گیا ہے۔ ان کی زبان کو ان کی زبان سے زیادہ جدید اور جاندار ہے۔ بلاشبہ اسے غالب کا بہت کامیاب ترجمہ کہا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اس کا بھی التزام کیا ہے کہ ترجمہ فکر و فن دونوں کی ترجمانی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نقلی اور مطابق اصل ہو۔ چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔ دیکھیں ان کے پہلے شعر کا ترجمہ یہ ہے۔

OF WHOSE GAY WORK MANSHP DOES THE PAINTING COMPLAIN THAT EVERY PORTRAIT WEARS A PAPER DRESS

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا کا ترجمہ اس طرح ہے۔

AMBITION IS BUSY WEAVING DREAMS OF HAPPINESS YET THERE IS DEATH WITHOUT WHICH LIFE WOULD BE DULL IT SELF

دہر پر بھوکا بیکاری مشوق نہیں کا ترجمہ یوں ہے۔

THE WORLD IS FULL OF THE EFFULGENCE OF THE ONE-NESS OF THE WILL, BELOVED; WHERE WOULD WE BE IF BEAUTY DID NOT POSSESS SELF LOVE,

اس ترجمے میں مجھے خود بخوبی کے ترجمے کے لئے POSSESS SELF-LOVE کچھ مضموم ہوتا ہے اس کی بجائے شاید SELF REGARDING بہتر ہوگا۔ ان دو اشعار کے ترجمے میں امیر علی بہت کامیاب ہیں۔

نہ کل نغمہ ہوں نہ پردہ ساز میں ہوں اپنی فکر کی آواز
تو اور آرائش غم کا کل میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

I AM NEITHER SOUND WITHIN THE SOUND NOR TUNE WITHIN THE MELODY; THE VOICE OF MY OWN DEFEAT AM WHILE YOU ARE BUSY ARRANGING THE CURLS AND LOCKS OF YOUR HAIR I AM LOST IN FAR AWAY THOUGHTS AND OTHER CARES

غالب کے شعر میں اندیشہ خیال کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے لایا گیا ہے اس لئے امیر علی کا FAR AWAY THOUGHTS کے بعد لا سمجھ میں آتا ہے بھر بھی شاید FAR AWAY CARES کافی تھا۔

ایک شعر کا ترجمہ بھی قتلِ توبہ ہے۔

دم و حرم آئینہ عکاسِ قننا
وامانگی شوق تراشے ہے پناہیں

WEARIED, DESIRE INVENTS AND SEEKS REFUGE IN TEMPLE AND MOSQUE,
MERE REFLECTIONS IN THE MIRROR, HOPES, IMAGES MULTIPLIED
ایک مثل اور عکس فرمایا ہے۔ شعر ہے۔

میری قہیر میں سفر ہے اک صورتِ غرابی کی
تولا ہنقِ لوس کا ہے خونِ گرم
ترجمہ نقلی ہوتے ہوئے شعریت رکھتا ہے۔

IN MY CONSTRUCTION LIES CONCEALED A FORM OF RUIN THE LIGHTNINGS,
FLASH THAT STRIKES THE GRAIN- FILLED GRANARY IS THE BURNING BLOOD
OF THE PEASANTARY

مجھے یہاں صرف لفظ CONSTRUCTION پر اعتراض ہے۔ MAKE-UP یا MAKING شاید بہتر ہو۔
میں نے ترجموں کے ہر انتخاب دیکھے ہیں ان میں سے کسی میں سوائے امر علی کے انتخاب کے میر کی زمین میں وہ خون
نہیں لی گئی جس کا مطلع یہ ہے۔

دشمنی میں صیاد نے ہم دم خودوں کو کیا رام کیا
رشوہ چاک جیب دہدہ صرف قتالِ دام کیا

انگریزی ترجمہ یہ ہے۔

NOW THE WANTON HUNTER TAMED US THE AFFLICTED,
ASSUMING THE FORM OF A WILD BEAUTY,
USING THE THRED FROM THE LOVERS RENT
TATTERED HEART TH WENVE THE SNARES . MESH

۱۹۶۱ء میں ایک اور اہم ترجمہ سامنے آیا۔ یہ پروفیسر مجیب کا ہے۔ جو ساویتہ اکوئی نے ہندوستانی ادب کے
معارفوں کے سلسلے میں شائع کیا ہے۔ اسی صفحے کی اس کتاب میں ۳۸ صفحات کا تعارف ہے جس میں مختصراً ادبی
روایت اور غالب پر مشیت شاعر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک صفحہ تراجم کی توصیف پر ہے۔ ۲۸ صفحے تراجم کے لئے
دقت ہیں باقی دو صفحے حوالوں اور منتخب، جلا کرانی کے لئے ہیں اشعار کی تعداد ۳۳۰ ہے ترجمے کے لئے اشعار کے
انتخاب کے سلسلے میں مجیب کا کہنا یہ ہے کہ غالب کے ہر اشعار زیادہ مشہور ہیں ان میں ۱۰ تو زبان کا حسن ہے ۱۰ روایتی
جذبات کا ایک چونکا دینے والے انداز میں بیان ہے۔ اس لئے انہیں یہ زیادہ مناسب معلوم ہوا کہ زیادہ مشہور اشعار

کے بجائے ایسے اشعار کا ترجمہ کیا جائے جن میں فکر اور ایجری کی زیادہ اہمیت ہے۔ چنانچہ بیشتر غزلیں اور اشعار ابتدائی دور سے لئے گئے ہیں۔ عجب نے اشعار موضوع کیفیت اور چکر کے لحاظ سے انتخاب کئے ہیں اس انتخاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ غلبہ کی ابتدائی دور کی ایک غزل سے شروع ہوتا ہے جسے عجب نے یہ کہا ہے اور اس کے متعلق یہ رائے بھی ظاہر کی ہے کہ "اس کا جواب مجھے کسی اور زبان میں نہیں ملا ہے۔" اس کے پہلے اور آخری شعر کے ترجمے سے بات واضح ہو جائے گی۔ مطلع یہ ہے۔

گدائے طاقت تفرق ہے زبانِ تھ سے کہ غامضی کو ہے چراغِ جاں تھ سے
مقطعِ اسد ظلمِ قفس میں رہے قیامت ہے غرامِ تھ سے 'مبا تھ سے' ٹھکانِ تھ سے

THE TONGUE MUST BEO THEE FOR THE OF SPEECH

FOR SILENCE HAS ITH WAY TO CATCH THY EAR.

SAD AND BEYOND BELIFE.

AGAD SHOULD BE AS IN A MAGIC CAGE CONFINED

WHEN GRACE OF MOVEMENT , GARDEN MORING BREEZE

ARE THINE TO GIVE

AND BEYOND BELIFE کے لئے "قیامت ہے" کے لئے

SAD کے بجائے IT IS TERRIBLE شاید بہتر ہو۔

ابتدائی دور کے ایک اور شعر کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ شعر ہے۔

اسد! کے سوائے سرسبز سے ہے حلیم و رکھیں تر
کہ گفتِ خشک اس کا ابر ہے پدا اغرام اس کا

ترجمہ۔

MORE THRILLING THAN WILD DREAMS OF

PASTURES GREEN IS RESIGNATION TO THE WILL

OF GOD HIS ARE THE FIELDS THIRSTING FOR

RAIN AND HIS

THE CAREFREE RAIN-CLOUDS FULLY AWAY

غلبہ کے اسی شعر کا خیالِ کول کا ترجمہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ عجب کی کوشش بھی دیکھئے۔ شعر۔

شوق ہے سالن طرازِ نازشِ اربابِ مجز
درا صحرِ رشکار و قطروِ دریا آشنا

LOVES PASSION TO THE LOVELY GIVES

MEANS TO HALT THEMSELVES

نہ کل نغمہ ہوں نہ پردہ ساز

میں ہوں اپنی شکست کی آواز

کا یہ ترجمہ بھی میرے نزدیک قتلِ قدر ہے مگر اسے لفظی نہیں کہا جا سکتا۔

I AM NOT MELODY BURSTING LIKE A FLOWER FOR A STRING WITH

TUNES REplete I AM A CHORD THAT HAS JUST SNAPPED SOUND OF

MYOWN DEFEAT.

غالب کے اس شعر کا ترجمہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ گو اس میں شعری کیفیت نہیں آ پائی۔

ہے کہاں تنہا کا دوسرا قدم پا رہا

ہم نے رشتہ امکاں کو ایک نقش پا چھوڑا

WHERE IS SOARING DESIRE TO SET ITS OTHER FOOT, O GOD

THE IMPRINT OF ONE FOOT HAS COVERED THIS DESERT OF A WORLD

میب نے اپنے انتخاب میں غالب کی پہلی نزل کا صرف یہ شعر رکھا ہے۔ جیٹس کمرال نے غالب کی تصویر کھینچتے وقت اس شعر کو اپنے پسندیدہ اشعار میں شمار کیا تھا۔

ہندو ہے اختیارِ شوق دیکھا چاہئے

ہندو شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

میب کا ترجمہ واقعی قتلِ تعریف ہے۔

BEHOLD HOW PASSIONS UPSURGE MAKES ALL CREATION REEL

THE KEENNESS OF THE SWORD BURSTS FROM ITS BREAST OF STEEL

کیس کیس میب نے ترجمے میں اپنی طرف سے الفاظ بڑھائے بھی ہیں۔ اس طرح مطلب تو اور واضح ہو گیا مگر ترجمہ قریح ہو گیا۔ یہ شعر دیکھئے۔

گر تھ کو ہے تھیں اہلیت دعا نہ مانگ

یعنی بھیریک دل ہے دعا نہ مانگ

ترجمہ۔

IF YOU HAVE FAITH THAT GOD WILL

GRANT YOUR PRAYER

THEN DO NOT ASK FOR ANY THING AT ALL,

AND IF YOU DO, ASK ONLY FOR A HEART

THAT HAS NO FEAR, NO AIM AND NO DESIRE

یہاں THAT HAS NO DESIRE کا نئی قلم۔

چوتھا ترجمہ پہلے تین ترجموں سے زیادہ جامع ہے۔ یہ ڈاکٹر محمد یوسف حسین نے کیا ہے اور غالب انسانی ٹیوٹ جی دہلی کی طرف سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ غزلوں کی ترتیب نسخہ عربی تفسیر حانی کے مطابق ہے۔ نیز نسخہ صیدیہ کے منتخب کاشعار اردوئے معلیٰ کے خطوط اور بیاض طائی کے چند منتخب اشعار کا بھی ترجمہ ہے 'بقول دیکم عابدہ امیر اس میں مترہ سو سے زیادہ اشعار کا ترجمہ ہے۔ ترجمے کے سلسلے میں یوسف صاحب کا کہنا یہ ہے کہ "میں نے غالب کے الفاظ کا صحیح ترجمہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے" نہ کچھ چھوڑا ہے نہ کچھ بڑھایا ہے۔ سوائے ایسے مقامات کے جہاں قابل فہم ہونے کے لئے اس کی ضرورت تھی۔" اس کے بعد انہوں نے تئرا نظم کے ترجمے کی بات پھینچی ہے۔ ان کے نزدیک غزل میں شاعری کا فکری مواد تو باقی رہ جائے گا مگر اصل کا جامدو بیشتر غالب ہو جائے گا۔ یوسف صاحب نے قافیے RHYME کو چھوڑ کر آہنگ RHYTAM کو برسنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ آہنگ کے ذریعے سے ہی جذبہ کی ترجمانی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے سولت کے لئے دو مصرعوں کا چار سطروں میں ترجمہ کیا ہے۔ کوئی خاص بکر اختیار نہیں کی ہے۔ لیکن فطری ہماؤ کا التزام رکھا ہے۔ چوبیس سٹے کی قہید پیش لفظ کے بعد ہے "بس میں غالب کی شاعری کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ آخر میں وہ تمام اشعار دیئے گئے ہیں جن کا ترجمہ ہوا ہے۔ ترجمے کی طوئی یا خالی کا انداز حسب ذیل مثالوں سے ہو گا۔

دو ان کے پہلے شعر کا ترجمہ یہ ہے۔

AGAINST WHOSE COQUESTTISH ART

IS THE PICTURE A COMPLAINANT

EACH IMAGE ROBED IN PAPER

LAYS CHARGE TO ITS CREATOR

ترجمہ لفظی ضرور ہے 'مگر COQUESTTISH شوقی قہر کا اچھا ترجمہ نہیں۔ اسی طرح آخری سطر کی زبان کنزور ہے۔ لیکن ایک اور مشہور شعر۔ جذبہ بے اختیار شوق کا ترجمہ مجھے بہت بہتر معلوم ہوا۔

THE INTENSITY OF PASSION BEYOND CONTROL

IS A SIGHT WORTH SEEING

THE SWORDS, HARD CUSTRE

SHINES SWORDS, HARD LUSTRE

SHINES BEYOND THE SWORD

مگر یہ عیب کے ترجمے کو نہیں پہنچتا۔

شوق ہے سلاہن طراز

LOVE PROVIDES THE NECESSARY MEANS

FOR THE EXALTATION OF THE HUMBLE
EACH PARTICLE IS A POTENTIAL DESERT
EACH DROP OF WATER TO THE SEA IS FRIEND

یہاں بھی ترہم لفظی ہے، مگر آخری سطر تکلفی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ صرف لفظی ترشے میں اکثر
شعریہ غائب ہو جاتی ہے اس لئے یہاں چڑے دگر کی بھی ضرورت مسلم ہے۔
ایک اور مشہور غزل کے ان دو اشعار کا ترہم دیکھئے۔

نہ گل نقشہ نہ ہوا ساز میں ہوں اپنی فکست کی آواز
نہ اور نہ آرائش غم کامل میں اور اندیشہ ہائے دور وراز

NEITHER THE BLOSSOMING OF SONG

THOU ART BUSY

NOR THE NOTE OF MELODY, AM I

EMBELLISHING THY CURIS

I AM NOTHING BUT THE SOUND

I AM FILLED WITH APPREHENSIONS

OF MY OWN HEARTS BREAKING

OF THE FAR AND NEAR

پہلے شعر کا ترہم ہیں تو مناسب ہے مگر فکست کے لئے ایک لفظ لانا چاہئے تھا
کی ضرورت نہ تھی۔ دل کا تو شعر میں کہیں ذکر ہی نہیں ہے۔ ہاں دوسرے شعر کا ترہم ہے عیب ہے۔ اگرچہ اندیشہ
ہائے دور وراز کی پہلو داری پوری طرح بھٹل نہیں ہوئی۔
یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عیب کے علاوہ ہر صفت حسین خاں نے بھی گدائے طاقت تحریر ہے۔ وہاں تم سے
احتساب کیا ہے۔ اس کا ترہم دیکھئے۔

THE TONGUE IS BEGGING

THE POWER OF SPEECH FROM THEE

AND SILENCE HAS ITS OWN WAY

OF COMMUNICATION FROM THEE

مقطع کا ترہم بھی دیکھئے۔

HOW SAD THAT IN THE SPRING SEASON

ASAO IS CONFINED IN ONE CORNER

OF AN ENCHANTED CAGE

WHEN THE GRACE FULL WALK, THE FLOWER GARDEN

AND THE GENTLE BREEZE ARE ALL FROM THEE

یہاں بھی قیامت کا ترجمہ HOW SAD قیامت کی قامت پر موزوں نہیں ہے۔

یوسف حسین نے صرف غالب کے اردو اشعار کا ترجمہ ہی نہیں کیا، انہوں نے غالب کے منتخب فارسی اشعار کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ ان کا یہ اقتیاد بہر حال لائق ستائش ہے۔

WRITERS WORKSHOP میں چودھری محمد فیض نے غالب کے منتخب اشعار کا ترجمہ

CALCUTTA سے شائع کیا۔ اس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اشٹلی پرنس شاکر مشہور کتاب SELF

THE POEM IT کا متبع کیا گیا ہے۔ شہدائے چودھری محمد فیض نے کہا ہے کہ ان کا مقصد صرف ترجمہ نہیں بلکہ ان اشعار کو اس طرح اور ایسی تشبیحات کے ساتھ پیش کرنا ہے کہ پڑھنے والا اصل شعر کی طرف متوجہ ہو جو دو من رسم خط میں دیا گیا ہے اور دیکھے کہ شاعر کے غرور و فن تک اس کی کتنی رسائی ہوئی ہے۔ یہ مقصد ہر لحاظ سے قابل قدر ہے۔ وہ مثالوں سے ان کے ترجمے کی خصوصیت کچھ واضح ہو گئی۔

ہیں ندال آئناہ اجزا آفرین کے تمام
سر گزشتہاں ہے چراغ و نگار بادیاں

ALL THE ELEMENTS OF CREATION

ARE INCLINED TOWARDS DECAY

THE SUN IN THE HEAVEN IS A CAMP

IN THE PATH OF WIND

دیر و حرم آئینہ نگار آئینہ
دلالتی شوق تراشے ہے پناہیں

THE CHURCH AND THE MOSQUE REFLECT A REPETITION OF DESIRE

THE TIRED IS CARVING OUT SHELTERS FOR ITSELF

دیر کے لئے CHURCH کا استعمال میرے نزدیک عجیب نہیں، غالب کی مراد یہاں مندر سے ہے۔

فیض نے مشکل الفاظ کے معنی بھی دیئے ہیں اور آخر میں شعر کی تخریج بھی کی ہے۔ اس کی وجہ سے ترجمہ غیر اردو دامن لوگوں کے لئے زیادہ مفید ہو گیا ہے۔

اس نصاب میں نوائے سوادش WHISPERS OF ANGLE کے نام سے غالب کے چودہ انگریزی ترجموں کا انتخاب، غالب انڈی کی طرف سے شائع ہوا۔ اس میں ہاشم امیر علی، سید اوصاف علی، محمد فرحت اللہ، قرۃ العین حیدر، پرنسٹن یونیورسٹی، انڈیا، بیت لال، انڈیا، بیت لال، ریفلی جگور، بانک رام، اختر مرزا، محمد حبیب، شاپ الدین رحمت اللہ،

اچھی سی سرسوت اور عرزنوں کے قراچم کے نمونے دیکھ گئے ہیں۔ کول اور عجب کے قراچم کے نمونے لوہے دیکھے جا چکے ہیں۔ اندر بیت لال، سرسوت، پرچا ہوہری اور عرزنوں کے قراچم کے نمونے درج ذیل ہیں۔

یاد تھیں ہم کو بھی رنگ رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار خالق نسیاں ہو گئیں

BEAUTEOUS AND COLOURFUL REVELRIES FOR LONG THEY GLOWED FRESH
OF THEIR KING AH, TO MERE PICTURE IMAGES THEY ARE REDUCHO NOW
IN THE REMOTE RECLSES OF MY MIND (INDER)

SINS LIFS PAGEANT I TWO KNEW

OF BEAUTY RARE, OF GLORIOUS THE

NOW LIKE PICTURES ON A PAINTED ALCOVE.

LIFE LIES STILL

دلوں محکوم ترے ہیں، مگر میرے نزدیک پرچا ہوہری کا ترنہ بہتر ہے۔
حائے پائے، فرائے ہے ہمارا اگر ہے بھی
دوام کلفت خاطر ہے پیش دنیا کا

ITS DEAD IMAGES, THE ALCOVESOP MYU MEMORY

FELT WHAT IS THE SPRING (PREMA JAUHAR)

IN ALL ITS SHORH-LIVED FLOWERDY GUISE

THE LASTING SERMONS IN, DISGUISE (HCSARASWAT)

بادشاہی کے اصرام کے، اس ترنہ میں اصل کے ساتھ انصاف ہوا ہے۔
نقش عمر کے ترنوں میں ہے با حقیقت ہے، مگر جہاں انہوں نے انصاف سے کام لیا ہے۔ ترنہ میں اصل کی کیفیت آگئی ہے۔

نور ہائے غم کو بھی اے دل نصیحت جائے
ہے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

نوائے سروش کی شامت کے بعد ہی کلام غالب کے انگریزی ترنہ کے نام سے محمد خاں، سابق چیئرمین میسور یونیورسٹی نے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں اے سنے ہیں۔ فراق، خواجہ احمد عباس، رالف رسل، دی فکر، اندر بیت لال، کھن پال، عجب، آمد خاتون، قرۃ العین حیدر، بیبا لال کول، صوفی اے، کیو، نیاز، اور نقوش عمر کے بعض ترنوں

کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دراصل یہ کتابچہ ڈاکٹر آمنہ خاتون نے غالب کے اردو اور فارسی کے ایک سو پانچ اشعار کے ترجموں کے تعارف کے لئے لکھا گیا ہے۔ محمد علی نے یہ دوست کہا ہے کہ پہلے ترجمہ 'بیر شرح' ہی اصول غالب کی شاعری کو دوسری زبانوں میں منتقل ہو کر مرکب جانے سے بچا سکتا ہے۔ دہن غالب کی یہ پیشین گوئی پوری ہو جائے گی کہ مجھ کو دیار غیر میں مادا وطن سے دور۔ فراق اور آمنہ خاتون دونوں کے غالب کے اس شعر کے ترانے کا موازنہ کر کے انہوں نے آمنہ خاتون کے ترانے کو بہتر قرار دیا ہے۔

ہے پرے سرحد اوراک سے اپنا مکتوب
تجھے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

HE WHOM I WORSHIP LIVES BEYOND THE

BOUNDS OF COMPRE HEANSION

TO THE SEEING BYE THE TEMPLE OF WORSHIP

IS ONLY A SYMBOL OF THE REAL TEMPLE (FIRAQ)

آگے ہمار قبلہ اور قبلہ نما کی تشریح ہے۔ محمد علی نے فراق کے پہلے مصرعے کے ترانے کو دوست قرار دیتے ہوئے دوسرے مصرعے کے ترانے پر جو اعتراض کیا ہے وہ صحیح ہے مگر فراق کا ترجمہ 'بیر شرح' رواں اور گفتہ ہے۔
نکسن پال اور قرۃ العین کے غالب کے اس شعر کے ترانے کا موازنہ قابل توجہ ہے۔

قادراب میں خیال کو تھم سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زباں قادراب سو تھا

ASLEEP, I WAS ALL JOY WITH YOU AWAKE,

HAVE NON TO LOOK TO.

DREAMING MY THOUGHTS HAD AFFAIRS WITH THEE AWAKE, THERE WAS

NO GAIN NOR LOSS.

قرۃ العین کا ترجمہ مختصر اور مکمل ہے۔

محمد علی کے نزدیک عجیب اگر اپنے خیالات کو غالب کے الفاظ میں قلمبند نہ کیا جاسکے تو غالب کے اشعار کا بہترین اور بے عیب ترجمہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ نکسن پال کے بعض ترانے اصل سے بہت مطابقت ہیں۔ نکسن پال اور عجیب کے غالب کے اس شعر کے ترانے سے ان کی بات واضح ہو جاتی ہے۔

آہ ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد
مجھ سے میرے گنہ کا حساب اسے خدا نہ مانگ

O GOD CALL ME NOT FOR MY SINS TO ACCOUNT

FOR HEART BURNS OF DESIRES UNFULFILLED

I DO RECOUNT (LAKHAN PAL)

I THINK OF ALL THE SCARS LEFT BY SMOTHERED

DESIRES, AND TEMPTATIONS RESISTED

ASK ME NOT, O GOD

FOR AN ACCOUNT OF SINS I HAVE COMMITTED (MUJIB)

عمر خاں نے رسل کے غالب کے اس شعر کے ترانے کی داد دی ہے اور اسے قاتل دھک کہا ہے۔
 پتا ہوں تمہاری دور ہر اک تیرا راہ کے ساتھ
 بچاتا نہیں ہوں ابھی راہ ہر کو میں

I GO SOME WAY WITH EVERY MAN I SEE ADVANCING SWEETLY

SO FAR I SEE NO MAN WHOM I CAN TAKE TO BE MY GUIDE.

لیکن رسل اور خورشید الاسلام کا غالب کی تیرا کا ترانہ تو منظر عام پر عرصہ ہوا آگیا تھا لیکن ان کی منتخب اردو اور فارسی اشعار کا ترانہ ابھی شائع نہیں ہوا۔ رسل لفظی ترانے کے قائل ہیں۔ اس لئے ان کی کتاب کی اشاعت کا انتقاد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترانہ قریب قریب مکمل ہو گیا ہے۔

۱۹۷۷ء میں عمر زاہر کا غالب کے ۱۳۲ اشعار کا ترانہ DISTRACTING WORDS کے نام سے دہلی سے شائع ہوا۔ عمر زاہر نے کہا ہے کہ جو اصل متن کو جانتا ہے یا اس کا شیدائی ہے وہ لفظی ترانے کو پسند نہیں کرے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ ترجمانیاں ہیں لیکن انہیں ترانہ کہوں گا۔ انہوں نے انگریزی میں مقابل محاورے کی تلاش کی ہے مگر اصل متن سے وفاداری کی کوشش بھی کی ہے۔

محب نے جن اشعار کا ترانہ کیا ہے ان میں سے دو کا ذکر کا ترانہ دیکھئے۔

گوانے طاقت تقرر ہے زبانی تھ سے
 کہ خاموشی کو ہے جیویدہ جانی تھ سے
 فریادی میں ہے قریا ہے دلاں تھ سے
 چراغ صبح و گل موسم خزاں تھ سے

THE TUNGE BEGS THEE THE POWER TO SPEAK

FOR BY THY GRACE ALONE

SILENCE SOUNDS THE DISTRESSED CRY TO THEE

FOR THINE IS THE LAMP FAINTING IN MORN

AND THINE THE FLOWER.

WHICH IN AUTUMN BOTH LANGUISH

یہ ترے قاتل قدر کے ہاتھ ہیں۔ اس طرح غالب کے اک مشہور شعر کا ترجمہ

سادگی و پرکاری ہے خود و پھیاری

حسن کو قحط میں جرات آئی پایا

ART LESS ART FULL CARELESS CAREFULL

BEAUTY IN A FEIGNED ABANDON

IS A CHALLENGE FOR US INDEED.

مگر بے خودی کا ترجمہ CARELESS کنز ہے۔

آخر میں ایک خاص گوشہ کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو اعجاز احمد نے ۱۹۳۸ء میں کی تھی۔ انہوں نے کچھ ممتاز امریکن نوجوان شعراء کو غالب کی دس غزلوں کے ترجمے 'مشکل الفاظ کی شرح کے ساتھ یکے اور ان سے درخواست کی کہ ان کو اپنی زبان میں پیش کریں۔ انہوں نے کچھ امریکن شعراء کے ساتھ چند امریکن یونیورسٹیوں کا دورہ بھی کیا تھا۔ انہوں نے غالب کے اشعار پڑھے اور امریکن شعراء نے ان اشعار پر اپنی اپنی تعلیقات خاکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمے نہ تھے TRANS CREATIONS یا ایک اور تخلیق تھے۔ بلکہ ریچی ADRIENE RICH ایڈریئن ریچ اور دابرت ہائی کی تعلیقات قاتل قدر تھیں۔ ہائی نے "مدت ہوئی ہے بار کو صبا کے ہونے" کو ایک نظم کی صورت دے دی تھی ہوائی بگہ خوب تھی۔ ایڈریئن ریچ کے یہاں غالب کے فرد فن دونوں کا اثر جھلکتا تھا۔ شاکو یونیورسٹی کے اس جلسے میں میں نے غالب اور جدید زبان پر اپنے مقالے میں غالب کے اس شعر کا ترجمہ کیا تھا۔

کوئی آگاہ نہیں باطن ہم دیکھ سے

ہے ہر اک فرد جہاں میں دہلی خانوانہ

NONE KNOWS THE INNER NATURE

OF THE OTHER

EVERY INDIVIDUAL IN THIS WORLD IS

AN UN CYPHERED LEAF

ایڈریئن ریچ کو یہ شعر اتنا پسند آیا کہ انہوں نے یہ ترجمہ لکھ لیا۔ اعجاز احمد کی گوشہ کی خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بعد ایڈریئن ریچ نے انگریزی میں غزلیں بھی لکھیں اور ایک غزل میں کہا "اے غالب تو کون ہے جو یہاں نیو یارک کی عمارتوں کے جنگل میں مجھے یاد آتا ہے۔" اعجاز احمد کی یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ میں نے عطاء اللہ درانی کی فرمائش پر ۱۹۹۹ء میں انہیں دیوان غالب اردو کا قلمی ترجمہ بھیج دیا تھا۔ اب نظر دانی

کے بعد اسے شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ مگر چونکہ ابھی یہ غیر مطلوبہ ہے۔ اس لئے صرف اس کی طرف اشارہ کافی سمجھتا ہوں۔

اور کے تراجم کی مثالیں نقل نہیں۔ لیکن ان کی روشنی میں ترجمے کے سلسلے میں کچھ باتیں فرمائی جاسکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک زبان کی شاعری کا دوسری زبان میں ترجمہ بہت مشکل ہے کچھ لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ شعر میں صرف خیال نہیں ہوتا، بلکہ الفاظ کا ایک خاص استعمال ہوتا ہے جس میں استعارہ، علامت، پیکر تراشی، پہلو داری، ابہام بھی کچھ ہوتا ہے۔ اسی سے اس کا جادو عبارت ہے۔ اس لئے ایلٹ نے یہاں تک کہہ دیا کہ شاعری کا ترجمہ نہیں ہو سکتا، مگر ترجمے کی کوشش برابر ہوتی رہی ہے اور یہ کوشش ضروری بھی ہے۔ طرح تو جس پر ایڈرا پاؤنڈ نے زور دیا تھا، تراجم سے بھی دھوکہ میں آئی ہے جیسا کہ مشرقی شاعری کے مغرب کے دوہائی شعراء پر اثرات اور چینی شاعری کے پاؤنڈ پر اثرات سے واضح ہے۔ اردو شاعری کے انگریزی تراجم میں مشکل اس وجہ سے بھی پڑتی ہے کہ ترجمے میں وزن اور بحر کا آہنگ، قافیے کی تکرار اور وقوع اور ادبی روایت سب مختلف ہیں۔ اس لئے خیال کے ساتھ وقار داری برتتے ہوئے، قافیے کی پابندی کے ساتھ معنوم ترجمہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں، انگریزی میں غالب کے اردو شاعری کے جو تراجم ملتے ہیں ان میں قافیے کی پابندی اکثر ایک ہفت خواں ثابت ہوئی ہے۔ صرف کہیں کہیں ہی اس میں کامیابی ہوئی ہے۔ نثر میں ترجمے کو عام طور پر پسند نہیں کیا گیا، حالانکہ اس میں اصل کی روح کو برقرار رکھنا آسان ہے، پس اس نثر میں ایک آہنگ ضرور ہو گا۔ لفظی ترجمے پر سب نے زور دیا ہے، مگر یہ بات بھی ہے کہ صرف لفظی ترجمہ جس میں کبھی پر کبھی ادبی جائے، یا تو پیکا اور بے کیف ہو جاتا ہے یا لفظوں کا گورکھ دھندا، اس لئے میرے نزدیک صرف عقلی ترجمہ ہی آئیڈیل نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہر ترجمہ ایک تخلیق کو ہونا چاہئے۔ اس کے لئے صرف اردو زبان کے مزاج، اس کی ادبی روایت، اس کے اسلوب سے واقفیت کافی نہیں، انگریزی بھی سولہ دہائیوں پر بھی گہرا عبور ہونا چاہئے۔ ہم نے دیکھا کہ ان لوگوں کے ترجمے زیادہ کامیاب ہیں جنہیں انگریزی پر کول، پیب، احمد علی، کی طرح قدرت ہے۔ آج انگریزی میں بھی شاعری کی زبان بہت کچھ بدلتی گئی ہے۔ اس لئے انھوں نے صدی یا انیسویں صدی کے اسلوب کی پیروی سے ترجمہ معنوی اور بوجھل معلوم ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ شاعری جس میں زیادہ تر محاورے برتے گئے ہیں، دوسری زبان میں لفظی طور پر منتقل ہو کر مضحکہ خیز ہو جاتی ہے۔ بہت عرصہ ہوا اس مسودہ مرحوم نے سر جی ٹانڈو کی فرمائش پر مجھ سے غالب لکھنؤی کے منتخب اشعار کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کی فرمائش کی تھی میں نے غالب کے اس شعری مثال دے کر معذرت کر لی۔

ہاتھوں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے

جن پہ تکیہ تھا وہی چپے ہوا دینے لگے

لیکن 'جس فکر یا عقل کی کار فرمائی ہو' وہاں حرم کا کلمہ نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ اقبال کا ترجمہ غالب کے ترجمے سے آسان ہے۔ کیونکہ غالب کے یہاں صرف فکر ہی نہیں، اس کا مخصوص استعاراتی نظام اور پیکر تراشی ہے اور وہ اقبال سے زیادہ پہلو دار شاعر ہے۔ میرے خیال میں میر کا اردو ترجمہ اور مشکل ہو گا کیونکہ میر کی زبان پڑی پیچیدہ

زبان ہے اور اس کی سادگی بڑی پرکار۔ میرے نزدیک اس وقت تک سب سے اچھے ترے احمد علی کے ہیں، مگر وہ بھی ہر جگہ کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ غزل کے ترے میں ردیف کو تو نظر انداز کرنا ہی پڑتا ہے۔ صرف ابتداء یا آخر میں اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ قافیے کو انگریزی قافیے میں ڈھالنا بہت مشکل ہے اس لئے میرے نزدیک غالب کے اچھے انگریزی ترے ایک طرح کی تیزی نظم میں ہو سکتے ہیں جو جدید انگریزی زبان کے امرا و رموز پر نظر رکھنے کے بعد 'ابلاغ' کے مقاصد پر رے کر سکتی ہے۔ اشعار کے انتخاب میں موضوع کو ضرور دہنایا جاسکتا ہے۔ تجنیذہ معنی کے طلسم اور شمشیر کے باندے میں تیزی سے وعدہ برآ ہونا بہت بڑا کام ہے اور اپنے طور پر یہ بھی تخلیق ہے۔

نہ پچھ دست سے خارم ہوں غالب
یہاں ہے کاسم گردوں بھی ایک خاک انداز



کلام غالب کے جگہ تراجم

پروفیسر کلیم سسرای

عہد حاضر میں غالب اور اقبال دونوں شاعروں پر بحث کام ہوا ہے اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے تراجم بھی ہوئے ہیں۔ غالب کا تعارف بنگال میں انیسویں صدی عیسوی کے اوائلی ہی سے ہوا اور جب وہ نکلتے گئے تو اہل بنگال میں ان کی شخصیت اور کلام سے واقفیت میں اور بھی اضافہ ہوا، موافقین اور مخالفین کے دو گروپ ہو گئے یہی نہیں بنگال میں ان کے معقدوں کے علاوہ ان کے شاگرد بھی پائے جاتے ہیں، تشکیل پاکستان کے بعد، مشرقی پاکستان میں اقبال کے جگہ تراجم اکثر و بیشتر ہوئے اور کتابی صورت میں شائع کئے گئے، اس طرح اقبال کی مقبولیت خاص و عام ہر طبقے میں ہوئی، غالب کا کام نہ صرف اقبال کے مقابلے میں جگہ دیے بھی مشکل ہے، بظاہر اسی لئے اس کے تراجم عہد پاکستان اور اس کے بعد کم ہوئے، لیکن اس طبقے میں کوئی امتیازی صورت نہیں برتی گئی یعنی غالب کے کلام کے جگہ ترسے بعد اور سلطان دونوں ادیبوں اور شاعروں نے کہے، ان میں کچھ مضمون کی صورت میں اور کچھ کتابی شکل میں اشاعت پذیر ہوئے، ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ بنگالی اہل قلم نے منظور و منظوم تراجم کے ساتھ ساتھ غالب کے حالات زندگی اور کام پر تنقیدیں بھی لکھی ہیں اور ان کے فلسفیانہ خیالات اور عیسیت جذبات سے بحث بھی کی ہے، اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تنہیم غالب کے طبقے میں بنگالی ادیب، اردو اہل قلم سے کتنے قریب ہیں۔ اس لئے کلام غالب کے جگہ تراجم کے ساتھ ساتھ، غالب کے بنگالی مترجمین کے خیالات کا خلاصہ بھی پیش کرنا چاہئے ہوگا۔

سب سے پہلے میں رشید فاروقی کا تذکرہ کرتا ہوں جنہوں نے اپنا نام جگہ "ملفوظ" مطبوعہ اشعار اگست ۱۹۶۶ء میں "اردو ادب اور فلسفہ" کے عنوان سے ایک مقالہ شہرہ گرم کیا اور غالب کی زندگی اور شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بتایا کہ غالب ایک ادیب شاعر تھے، ان کی شاعری نے انہیں امر بنا دیا ہے۔ ان کے خیال میں غالب کی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

دور اول: ابتدا سے ۲۵ سال کی عمر تک، اس عہد کی شاعری میں جذبات و احساسات زیادہ ہیں، دیوان غالب سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ غالب جذبات میں اس دور کی شاعری میں فارسی زبان کا اثر زیادہ ہے، کیونکہ اس زمانے میں فارسی کا اس قدر چرچا تھا کہ غالب کیا کوئی بھی شاعر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، فارسی الفاظ و محاورات کا اچھا قلب تھا کہ اردو بالکل فارسی آمیز ہو گئی تھی۔

دوسرے دور میں فارسی کا اثر پہلے دور کے مقابلے میں کم ہو جاتا ہے، اس عہد کی زبان اور طرز بیان آسان اور سلیس ہو گیا تھا اور عام طور پر چھل فہم تھا۔

تیسرے دور میں غالب کی زبان اور اسلوب بیان اتنا سحر ہو گیا تھا کہ غالب کو اول درجے کا شاعر سمجھا جانے لگا تھا۔

غالب کے کلام کی خصوصیات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ انہوں نے بہت سے فارسی لہجہ عربی کے مشکل الفاظ استعمال کیے ہیں یہ طرز عمل ان کی صلاحیت سے بالاتر نہ تھا غالب جس طرح سوچتے تھے اسی طرح مکرانہ انداز میں شعر بھی کہتے تھے لیکن ان کے اشعار تقریباً ہونے کے بجائے تخلیق ہوتے تھے ان کی شاعری میں فلسفہ ہے انہوں نے کبھی عام انداز میں یا مختصر بیانے پر زندگی کا جائزہ لینے کی کوشش نہ کی وہ انسان کو جہاں تک انسانیت اور اس کی عظمت کا تعلق ہے دل سے پسند کرتے تھے رشید فاروقی کے جگہ قزاق اب پیش کئے جاتے ہیں انہیں سماعت فرماتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اصل معلوم سے کس قدر قریب ہیں زبان بہت سیدھی سادگی استعمال کی گئی ہے اور انداز بیان میں سادگی ہے جسے ہندی بھگت والا کم و بیش آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

(1) ہیں اور بھی دنیا میں مخلوق بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیان اور
Prigante Aro anan Bala Chupni Akhan

King Aro anan Bala Chupni Akhan
King Aro anan Bala Chupni Akhan
سچ کا ٹکر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے سچ
مشکلیں اٹھتی ہیں لہے ہر گز آسان نہ ہو گئیں

Manal Jai Dabhi Aro Chupni Akhan Aro Chupni Akhan
Manal Jai Dabhi Aro Chupni Akhan Aro Chupni Akhan
Manal Jai Dabhi Aro Chupni Akhan Aro Chupni Akhan
Manal Jai Dabhi Aro Chupni Akhan Aro Chupni Akhan

(2) ہوں کر محی نکلا تصور سے نورِ سنج
میں غولِ گلشن کا آئینہ ہوں

Uttapi Kallamar Anand Ani Gan Gape Chalechale
Uttapi Kallamar Anand Ani Gan Gape Chalechale
Uttapi Kallamar Anand Ani Gan Gape Chalechale
Uttapi Kallamar Anand Ani Gan Gape Chalechale

(۳) ہم ہیں عشق اور وہ بڑا
ہم اپنی س بڑا کیا ہے

Ami Tu Pri Arijakhi Kinde she Chhantushya

He Khoda Rakh Ni Baipar !

(۴) میں بھی نہ میں نہان رکھتا ہوں
کاش پہچو کہ دعا کیا ہے

Ami Hu Pri Rakhsakhi

Aha Jodi Ke Jigamha Karo ki Tu Akantak

(۵) عشق سے طبیعت نے رست کا سزا ہوا
درد کی دوا پائی' درد ہے دوا ہوا

Ami Hu Pri Rakhsakhi ' Tu Kare chhi Chhantushya

Ami Hu Pri Rakhsakhi ' Tu Kare chhi Chhantushya

(۶) آتا ہے داغ حسرت دل کا تیر ہاں
نہ سے مرے گز کا حساب لے دے نہ آگ

Ami Hu Pri Rakhsakhi ' Tu Kare chhi Chhantushya

He Khoda Rakh Ni Baipar !

Ami Hu Pri Rakhsakhi ' Tu Kare chhi Chhantushya

چنے شعر کے پہلے مصرع میں حرم نے "طبیعت" کا ترجمہ درست نہیں کیا۔ اس کا مقابل "مائی جنمے" (نکاح کشیدہ) کیا ہے جس سے صحیح مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ اسی طرح پانچویں شعر کے پہلے مصرع میں زبان کا ترجمہ نہ ہو سکا۔ مگر نکلا ہوا دیکھنے سے زبان کا مفہوم چررا نہیں ہوگا۔

دوسری کیفیت جناب ابوسعید ایوب کی ہے جنہوں نے غزلیات غالب کا انتخاب قطاری اور تنقیدی مقدمے کے ساتھ کتابی صورت میں ڈس پبلشنگ، گلگتہ سے جنوری ۱۹۷۶ء میں شائع کیا۔ جناب ابوسعید کی ماہری زبان اردو ہے لیکن بلکہ زبان میں انہوں نے رفتہ رفتہ دھنگہ حاصل کر لی کہ سرزنشیں بنگال میں قلم اور بلکہ ادب خصوصاً بیگم پر درجہء اعتدال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غالب کی طرف ان کی توجہ یقیناً ایک قائل نیک ہے کیونکہ عام بنگالی جلد اور ہائیں بازو کے ادیب ان کے ترجمے کی طرف خصوصیت سے متوجہ ہوتے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ غالب کے منتخب اشعار کا ترجمہ ہے "موضوعات کے لحاظ سے انتخاب کرنے کا اردو قارئین غزل میں یہ کام مشکل ہے کیونکہ شاعر کے مختلف رجحانات و میلانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اشعار کو ایک ہی لڑی میں پرونا دشوار ہے غزل چاہائی یا تنگد سے ملتی جلتی ہوتی ہے لیکن اس سے طویل 'غزل میں کم سے کم الفاظ کے وسیلے سے شاعر اپنے خیالات و احساسات کو بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ فنی خوبیوں کا لحاظ رکھتا ہے"۔ انہوں نے تنقیدی ترجمے سے احتراز کیا ہے تاکہ اصل مطلب واضح ہو سکے۔ حرم اگر قادر الکلام شاعر ہو تو شعر کا ترجمہ زیادہ بہتر طور پر کر سکتا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ مضمون ترجمے کو اصل مفہوم سے قریب تر لانے میں دشواری ہوتی ہے۔

بہر صورت 'منصور ترجمے میں انہوں نے کوشش کی ہے کہ بنگالی کو اردو شعری دل بخشی اور شاعری کی روح سے روشناس کیا جائے تاکہ غالب کے غزلوں اور شاعروں اہمیت کا اعزاز مل سکے۔ ابوسعید ایوب نے اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ بعض جگہ غالب کی مخصوص ترکیبوں اور دل کش استعاروں کے مقابل بلکہ الفاظ نہ ملنے کے باعث انہیں آزادو ترجمہ کرنا پڑا ہے تاکہ شاعر کے شعری احساسات، دل چہزبات اور نازک خیالات کو قاری کے ذہن تک صحیح طور پر منتقل کیا جاسکے۔ غالب اردو کے مشکل گو شاعر ہیں، انہوں نے بعض ایسے اشعار کئے ہیں جو کچھ میں نہیں آتے لیکن بہت سارے آسان شعر بھی کئے ہیں، بعض ایسے اشعار کئے ہیں جن کا مفہوم سمجھنے میں ذہن پر زور دینا پڑتا ہے لیکن غالب کے پر شکوہ الفاظ اور دل کش انداز بیان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا جاسکتا، غالب کی شاعری ان کی شخصیت کے ارد گرد گھومتی ہے یعنی اپنے مخصوص رنگ و خم کا اعتبار اپنی شاعری میں کرتے ہیں جسے ناقص اکتفا نہیں سمجھا جاسکتا، غالب نے جہاں اپنے غم و الم کا ذکر کیا ہے، ایسا مضمون ہوتا ہے کہ ہر شخص کا غم ان کے شعر میں جھلکتا نظر آتا ہے:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

نقدوں کا خیال ہے کہ اردو میں وہی بڑے شاعر گزرے ہیں، ایک غالب اور دوسرے اقبال، دونوں کا نقطہ نظر اور انداز فکر اگرچہ مختلف ہے لیکن بعض امور میں مماثلت ہے مثلاً دونوں کا بیشتر کام قاری میں ہے اور دونوں نے

پندیدہ مضامین فارسی ہی میں طبع کئے ہیں۔ غالب نے ۱۱/۱۵ سال کی عمر سے اردو میں شعر گوئی شروع کی اور ۳۰ سے یکاس سال کی عمر تک فارسی زبان میں شعر کے 'حب غالب' بھادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے تو انہیں شاعر الملک یعنی (راشد کوئی) کے خطاب سے نوازا گیا۔ غالب نے ابتدائی اور آخری دور میں جو شعر کے ان کی زبان 'جان اور لب و لہجہ میں خاصا فرق ہے لیکن فارسی الفاظ کا استعمال ان کے یہاں بدستور جاری رہا اور فارسی طرز کلام کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ اب ابو سعید ایوب کے بلکہ قزاقم سے مثالیں پیش ہیں:

(۱) ہم نے وحشت کہ یوم جہاں میں جوں شمع
شعلہ عشق کو اپنا سر و سلطان سمجھا

ہم نے وحشت کہ یوم جہاں میں جوں شمع
Shamshad aziz Akbar-mahd ujum Hajira Hindupara Noto Ami

ہم نے وحشت کہ یوم جہاں میں جوں شمع
Hamam Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar

(۲) یہ فتنہ آدمی کی خانہ دہانی کو کیا کم ہے؟
ہم نے تم دوست جس کے دشمن اس کا آہاں کیوں نہ

یہ فتنہ آدمی کی خانہ دہانی کو کیا کم ہے؟
Hamam Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar

یہ فتنہ آدمی کی خانہ دہانی کو کیا کم ہے؟
Hamam Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar

یہ فتنہ آدمی کی خانہ دہانی کو کیا کم ہے؟
Hamam Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar

(۳) خوشی کیا کہیت ہے میرے اگر سو بار اے آئے
کہتا ہوں کہ دھوئے ہے ابھی سے ہنسی غریب کو

خوشی کیا کہیت ہے میرے اگر سو بار اے آئے
Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar

خوشی کیا کہیت ہے میرے اگر سو بار اے آئے
Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar

خوشی کیا کہیت ہے میرے اگر سو بار اے آئے
Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar Shamsad aziz Akbar

(۴) ہم کہیں کے دلا ہے، کس ہنر میں بیکہا ہے
بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

Uttar Fir dawa dastgir, tala dastgir
Amir Ki E-man Faganis chhilam, km fanganis
or dast gir;
km dawa dastgir

dastgir, dastgir, dastgir dastgir dastgir dastgir
dastgir, dastgir, dastgir dastgir dastgir dastgir

(۵) بے دلو عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد
جس دل پہ ہزار قہار تھے وہ دل نہیں رہا

Uttar Fir dawa dastgir, tala dastgir
Amir Ki E-man Faganis chhilam, km fanganis
or dast gir;
km dawa dastgir

(۶) وہ فراق اور وہ وصل کہیں
وہ شب و روز و وہ وصل کہیں

Uttar Fir dawa dastgir, tala dastgir
Amir Ki E-man Faganis chhilam, km fanganis
or dast gir;
km dawa dastgir

کلام غالب کے تیسرے حشرم جناب میرالمرین یوسف ہیں جن کا خانوادہ خالص بنگالی ہے لیکن ان کے یہاں ابتدا سے اردو پڑھنے 'بولنے اور لکھنے کا چلن تھا' ان کے چچا جناب محمود العرب صدیقی خالد بنگالی کے نام سے خود (آگرہ) میں غزلیں اور نظمیں لکھا کرتے تھے اور نظام شاہ دہلوی سے ان کے تعلقات اور دوستانہ تعلقات تھے کیا اس طرح انہیں اردو دہشتے میں ٹی 'انگریزی کے علاوہ اردو' بلکہ اور فارسی پر یکساں قدرت رکھتے تھے 'انہوں نے بنگالی زبان میں تاریخ ادب اردو ۱۸۸۸ء میں مرتب کر کے بلکہ انڈی سے شائع کرائی اور غالب کی پچاس منتخب غزلوں کا منظوم ترجمہ دیوانہ غالب کے نام سے کیا جسے اسلامک فلائیٹیشن ڈھاکہ نے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا 'اس کا دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۸۰ء میرے پیش نظر ہے۔

وہ غالب کی شاعری پر اجماع خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غالب نے میر اور سودا کی شاعرانہ روایت میں

انتخاب ہوا کہ ان کا تعلق کلاسیک عہد شاعری سے تھا لیکن ان کی طبیعت میں جدت طرازی تھی، ان کی وفات پر ایک صدی گزر جانے کے بعد ان کی شاعرانہ عظمت پر قرار ہے، انیسویں صدی کے مسلم تہذیب اور معاشرے کی بدحالی کی عکاسی انہوں نے اپنے کلام میں پیش کی ہے، وہ اپنی آنکھوں سے ایک طرف مٹی ہوئی تہذیب کا نظارہ کر رہے تھے اور دوسری طرف آزادی کا سورج طلوع ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے، ان کا کلام اپنے دور کی تصویر بھی ہے اور مستقبل کی بشارت بھی اس لئے غالب کے دور کو اردو شاعری کا آغاز ماننا مناسب نہ ہو گا۔ بنگال میں غالب کے معاصر بہو سودن تھے لیکن انہوں نے طویل قلمیں کھیں ہیں اس لئے ان دونوں میں کوئی قدر مشترک نہیں، البتہ غالب اور بیگور دونوں برسات کے منظر کو پیش کرتے ہیں لیکن غالب نے برسات سے حائر ہو کر اپنے جذبات و آثارات کو شعری دیکر میں ڈھالا ہے، غالب کے یہاں بیگور کے مقابلے میں زیادہ گمراہی اور گھبراہٹ ہے، بیگور فطرت سے زیادہ قریب ہیں اور غالب اپنے جذبات میں غرق رہتے ہیں۔ زندگی کے ہارے میں ان کا فلسفیانہ انداز فکر بھی ان کی جدت پسندی کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہاں غالب کے شعر کا ترجمہ تڑپ میں دیا دل کش روپ پیش نہیں کرتا جیسا نظم میں۔ میرالدین یوسف نے کلام غالب کے حواجم نثر اور نظم دونوں میں کئے ہیں اور اصل مفہوم سے بہت قریب ہی نہیں، کامل فہم بھی ہیں، زبان میں سادگی اور صفائی ہے اس کے علاوہ انہوں نے شعر مشکل اشعار کے تراجم کئے ہیں۔

علم کیلئے کے سابق پروفیسر، اکنز مفیض احمد چودھری نے جگہ دیش میں اور مسٹر بیٹو پے عیا نے نکتہ میں غالب کے تراجم کئے ہیں لیکن وہاں تک میری رسائی نہ ہو سکی اس لئے ان کے بارے میں کوئی رائے دینا مشکل ہے۔ میرالدین یوسف کے تراجم کی مثالیں پیش ہیں:

(۱) تیر میں بھٹو پ نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں بھان دنار نہاں ہو گئیں

दिलो तूझा दफनो
Talia paqun Logni
دلہا تیرا دفن
Dilhar, Tala Tar
Akalata
ایکلاتا

तुझा दफनो
Talia paqun
दिलो तूझा
Dilhar, Tala Tar
Akalata
ایکلاتا
Dilhar, Tala Tar
Akalata

(۲) جوئے خوں آنکھوں سے لپٹے لا کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ تمہیں دو فروزاں ہو گئیں

दिलो तूझा दफनो
Dilhar, Tala Tar
Akalata
ایکلاتا
Dilhar, Tala Tar
Akalata
ایکلاتا
Dilhar, Tala Tar
Akalata

• ب کے یہاں جوئے خوں کی شرب کا ترجمہ آنکھیں جل دھارا کیا گیا ہے جو درست نہیں یعنی الٹک چٹن۔
یوں کہا جا سکتا تھا "آنکھیں ہوتے دو گھٹو دھار۔"

(۳) نیند اس کی ہے 'دماغ اس کا ہے' راتیں اس کی ہیں
تھری راتیں جس کے بازو پہ پریشاں ہو گئیں

Chumbi du Tan, Tani to Chapra, Ratris Tani Shan
Tan Babu Pate Tor Kala Ghul Elagashaba o ga Man
د

پہلے مصرع میں حرم نے غالب کے مہسوم کو دھولا کر دیا ہے یعنی دوسرے ٹکڑے میں دماغ کا ترجمہ خواب کیا
ہے اور ظاہر ہے کہ نیند کے بعد خواب ہی کی قیاس ہے۔ دوسرے مصرع میں اوگو سن یعنی اے دل قافیے کی ضرورت
کی وجہ سے قاضی لایا گیا ہے۔

(۴) جلوۂ گل نے کیا تھا 'واں چراغیں آب ہو
یاں رواں مژگن چٹن تر سے خوں تاب تھا

Rangin Kala Ha Ghul Ghul Tala Karsale Nadeh Tod Ghul
In Chhale Anar Koteh Ghara Karsale Eghara Karsale

(مشورہ تراجم)

(۵) پچھ مت وجہ صبح سستی ارباب چن
سایہ بگ میں بہتی ہے ہوا صبح شراب

Baner Binsalegha Enar Katal Kana Sappatha Kana Ma
Bajal Kanan Ghara Kapan Lalan Kana Chhanga Ghatale

(۶) ہے یہ رات ۱۱ موسم کہ جب کیا ہے اگر
صبح سستی کو کہے نہیں ہوا صبح شراب

محمد رفیع ہنگ

کلام غالب کے کشمیری ترجمے

مرزا غالب کا کشمیر سے تعلق صرف ایک سچ پر نہیں، وہ کشمیر کے قدردانی حسن، اس کے خوبصورتی کے جمال اور اس کی شہر کے خواص کے قدروں ہی نہیں، 'مناظر' میں بھی ہے۔ وہ کبھی کشمیر نہیں گئے، لیکن انہوں نے اپنے ایک ممدوح میر تقی میر کو ان الفاظ میں خراج ادا کر کے کشمیر کے ظاہری حسن کو معنوی سطح پر لے جا کے اپنی خلائی کا مظاہرہ کیا:

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب
جس کا دکان کم از گلشن کشمیر نہیں

چونکہ اس وقت میرا موضوع ذرا مختلف ہے، اس لئے زیادہ مثالیں پیش کرنا مناسب نہ ہو گا۔ لیکن غالب، کشمیر کی مٹی سے اٹھے ہوئے شاعر کا ظاہر فنی سے اکثراً جس طرح کبھی براہ راست اور کبھی پاوراٹھ کرتے ہیں، اس کی طرف اشارہ کرنے کی ترغیب سے دامن پھینکا مشکل ہے۔ اختصار کے لئے میں ان کے صرف ایک ایک شعر کو پیش کرنا چاہوں گا۔ جس سے ظاہر ہو گا کہ مرزا نے کس طرح فنی کے قادی شعر کو اردو میں ترجمہ کر کے پیش کیا ہے۔ فنی کا شعر ہے:

شد بد قسم از شمع کہ در بزم حریفان
خاموش شدن، مرگ بود اہل زبان را

اور غالب نے اسے تقریباً "اسی الفاظ میں اردو میں یوں کہا:

زبان اہل زبان میں ہے مرگ، خاموشی
یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع

برکلیف، کشمیری زبان میں غالب کا اثر اس صدی کی ابتدا ہی میں ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ جدید کشمیری شاعری کے پیش امام غلام احمد مجبور (۱۸۸۷ء - ۱۹۵۵ء) کے مختصر سے کلام میں غالب سے اقتداء استفادے کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ شفا انہوں نے غالب کے مشہور مطلع:

یہ مسائل قصوف، یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم دلی سمجھتے، ہو نہ بادِ طوار ہو

کو اپنی دواچی سلیقہ صدی کے ساتھ تقریباً "ہوں کا توں کشمیری میں منتقل کر دیا۔ البتہ اپنی ہمسازہ معاشرت کی رعایت میں غلط دیکھ کر یہ اعتلا کی کہ شراب نوشی کا ذکر کرنے کی بجائے اپنے پیٹے کو اپنی ولایت کی راہ میں حائل کر دیا:

چا نہ کچھ مجھ کو چادان عارفان آب حیات
ماند ہت ورویش کامل آسہ ہکچہ نے حلقہ دار
(مجھ کو! تمرا عارفانہ کلام عارفوں کے لئے آب حیات نوش کرنے کے برابر ہے۔ ہم تجھے ورویش کامل سمجھتے اگر تو پیش
ور پڑا ہی نہ ہوگا۔)

مجھ کو کے اس نوع کے اشعار تعداد میں بہت ہیں۔ میں صرف چند ایک ہی نقل کرنا چاہوں گا۔ جن میں غالب
کی چھاپ سچ پر ہی نمایاں ہے۔ غالب کا شعر ہے:

عشق سے طبیعت نے رست کا سزا پایا

دود کی دوا پائی دود لا دوا پایا

مجھ کو اس عالم آشوب کو اپنی ذات کی آری میں یوں محدود کر دیتے ہیں:

ٹپے جیون غم طراز ٹپے جیوان مستکار

ٹپے پھونک پتہ ڈی ملبخار وہ نو

یاد رہے کہ مجھ کو کے کلام میں یہ مثالیں کھری ہوئی صورت میں ملتی ہیں اور اس نے کہیں پر غالب کا حوالہ
نہیں دیا ہے۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ غالب کا کلام اسے ازرا قول اور اس کی آوازیں مجھ کو کے اختیار سے باہر ہو کر
شعیری اشعار میں داخل جاتی تھیں۔

ماہر زندہ گل مجھ کو کے ہم عصر نور ہم عصر تھے۔ وہ شعیری زبان میں سادہ انکادی لہار حاصل کرنے والے پہلے
شاعر ہیں۔ ان کا کلام کیفیت میں مجھ کو کے کلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا مگر غالب ان کے اعصاب پر بھی سوار تھے جس
کا اندازہ ان کے ایک شعیری شعر سے ہو سکے گا:

بندہ اثر کردہ غائبان اکہ خدوہ سہد باہ اثر

واعظیہ کما خبریں چند خبر وعا کر خائے

(واعظیہ خبر سے دعا کے ہزار جہر چلائے مگر غالب کے ایک شعری تاثر بھی پینا نہ کر پائے گا) عبداللہ خزانہ مجھ کو کے
کم عمر ہم عصر تھے۔ ان کے شعر کا مزاج غالب سے بہت دور ہے۔ وہ ہنگامے اور فضا بازی کا شاعر ہے مگر اس کے
باوجود غالب کے اثر کی طاقتور دلچسپی سے دور نہیں ہوا۔ اس نے غالب کے بعض اشعار کا ترجمہ کرنے کی کوشش
کی ہے، میں صرف ایسے دو اشعار پیش کروں گا غالب کا شعر ہے:

آج داں تچہ وکنن ہارے ہوئے جانا ہوں میں

میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا

آزاد نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ دور ترجمہ کیا ہے:

نہو بہ سینہ دارہ دارہ زندہ یہ پان مارہ مارہ

تھر کلن چارہ چارہ میر شکار کیا کہے

آزاد کی اسی غزل کا مطلع:

ہاں سر ہے جہہ ہے دھامیان لادتیں کیا کہے
سودہ دلش معیتیں نذر یہ زار کیا کہے
غالب کے اس مطلع کی صداۓ بازگشت ہے مگر ذرا کمزور قسم کی صداۓ بازگشت:
ٹلا جاتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
ترے بے مر کھنے سے وہ تھہرے صبا کیوں ہو

اس کے بعد موجودہ دور کے شعرا آتے ہیں، جو اس وقت بھی شعر گوئی میں مصروف ہیں۔ ان کے یہاں غالب سرائی کا دوسرہ کیفیت کے لحاظ سے نہ کسی کیفیت کے لحاظ سے غالب کے فنی کمال کے زیادہ نزدیک آتا ہے۔ ان کے یہاں اشعار غالب کے شعروں کا عکس تو پیش کرتے ہی ہیں لیکن اس سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کا طرز فکر اور انداز نگارش غالب کے بہت نزدیک ہے۔ اسی لئے بعض اوقات ان کے اشعار کے باقاعدہ براہ راست غالب کا شعر بھی رکھا جاسکتا ہے۔ مگر ان اشعار کو غور سے آٹا جائے تو ان میں غالب کا کوئی ٹکڑا، اس کی کوئی ترکیب جھلکتی ہوئی نظر آئے گی۔ یہ کیفیت کے اعتبار سے شخیری شعر کا بلند تر منزلوں کی طرح سزا کا طراز ہے اور غالب یہاں ایک خضر راہ کی طرح حاوی نظر آتے ہیں۔

رحمن راہی موجودہ شخیری شعرا میں بہت اونچا مقام رکھتا ہے۔ وہ غالب کا قاری ہی نہیں بلکہ فریفتہ بھی ہے۔ راہی کے مجموعہ کلام میں اس کی ایک پوری غزل غالب کی بے مثال غزل:

تو کو چاہئے اک عمر اتر ہوئے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہوئے تک

کی بازگشت ہے اور اس نے غزل کو "نذرانہ غالب" قرار دے کر شامل کیا ہے۔ اس غزل کو غالب کی اصل غزل کے بعض اشعار کے ساتھ رکھ کر دیکھ لیجئے:

ہاں صبریں راہی، دل دیوانہ تے
زندگی نارس اندر تو دانہ تے

اس شعر میں خیال تو غالب کے مندرجہ ذیل شعر کا ہے، لیکن اس کی تشبیل اور استدلال راہی کا اپنا ہے:

عاشقی صبر طلب اور تمنا ہے تب
دل کا کیا رنگ کہوں طعن بکر ہوئے تک

البتہ غالب کے اس شعر کا جواب راہی سے نہیں بن سکتا۔ اور شاید یہ ان اشعار کی فرست میں ہیں۔ جن کو ترنہ کی پھلتی چھاننے کی استدعا ہی نہیں رکھتی۔ یہ غالب کی عظمت کے وہ لمحے ہیں جو غزل کے کونوں کی طرح لپکتے ہیں اور صرف اس کی تخلیقی پہلی میں ہی پنپ سکتے ہیں۔ غالب کا ایک شعر ہے:

دہ دہم حرم آئینہ بھرا کرتا

تپ ہو سکتا ہے۔

جہاں کمال نے غالب سے لفظ، وقار و جہالت ہے وہاں جو صورت پیدا ہو گئی ہے اس کی مثال دینا غالب کے پہلے شعرو

فصل فریادی ہے کس کی شونی قحور کا

کافری ہے جہنم پر چکر قصور کا

سے دی جا سکتی ہے۔ جسے کمال نے یوں رس نچوڑ کے ایک چمکا مارا ہے:

فصل چہہ نامہاں کہندہ شرح تصویرک

چہہ بزمہ جابر ڈھستہہ پر تہہ دہو تصویرک

البتہ جہاں کمال نے تخلیق آزادی کا استعمال کیا ہے۔ وہاں اس نے غالب کے آثار کو مجموعہ ضعیف کیا ہے۔ مثلاً اس شعر کے ترے کو بچتے:

رات دن گردش میں ہیں سبک آسلیں

جو رہے گا بکھو نہ بکھو ' گھبراہٹیں کیا

کمال اس کو یوں لکھتے ہیں:

دن نہ گزرتک ' دن نہ گزرتک بدگماں

دن چہہ بھیراں ' دن چہہ بھیراں آسلیں

اس نمبر میں غلام نبی خیال ' غلام نبی فریق ' مفضل سلطان پوری ' چمن لال بجن ' دوسل پونہو ' غلام نبی ثانی کے غالب کے تراجم بھی ہیں اور کہیں کہیں ان میں غالب کے فن کا اچھا خاصہ پارہ بھی نظر آتا ہے۔

لیکن کشمیری میں ترجمہ غالب کا سب سے اہم اور شاندار کام سال ۱۸۷۸ء ہوا اور اس کا سرا اسی انسانی ٹوٹ کو حاصل ہے جس کے اہتمام سے آج میں اور آپ اس مقام پر ٹوٹ گئے ہیں۔ کلام غالب کا ردیف دار اور ترمیم دار کشمیری ترجمہ اس سال جاری کر دیا گیا۔ غالب انسانی ٹوٹ کے شاخ کوہ اس ترے کے حیرم کشمیری زبان کے ذوق نویس مگر سلیقہ مند شاعر غلام نبی ناعری ہیں۔ کشمیری جیسی پراسا زبان کے کچے کوزے میں کلام غالب کی آتشیں شراب اٹھلا خطرات سے بے قاعدہ نگہ بر سرے پر یہ اندیشہ در پیش تھا کہ:

آگیدہ تندی صبا سے بگھلا جائے ہے

لیکن یہ کارنامہ انجام پذیر ہوا۔ راقم الحروف نے اس ترے کے پیش گفتار میں رائے ظاہر کی تھی کہ یہ دینا غالب کا کشمیری زبان کا پہلا مکمل ترجمہ ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ یہ آخری اور سب سے اعلیٰ ترجمہ بھی ہو۔ میں نے اس وقت لکھا تھا کہ دراصل اہمیت اس بات کی ہے کہ کشمیری ادب میں اتنا اعتماد اور اعتبار پیدا ہو گیا ہے کہ اس کا کوئی کوہ بیا ہندوستانی ادبیات کی اس ابرو مست چوٹی کو تسخیر کرنے کے لئے کمر باندھ لے جس کو دنیا مرزا غالب کے نام سے چاہتی ہے۔ میں نے اس وقت لکھا تھا کہ کشمیری زبان کی سرحد کی کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اس میں دینا غالب کا ایک

نکل ترہم ہے۔ میں نے اپنے صوفے کو واضح کرنے کے لئے اقبال کا یہ شعر استعمال کیا تھا:

جو کھوتر پہ بچھنے میں عزا ہے اسے ہر
وہ عزا شاید کھوتر کے لو میں بھی نہیں

اور کہا تھا کہ فرق یہ ہے کہ غالب کوئی تن آساں کھوتر نہیں بلکہ ایک تیز پرواز شاہین۔ جس کے شہر کی بھپٹ سے بڑے بڑے عقاربوں کے پٹھے لگ سکتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ناظر کا ترجمہ اپنی غویوں کی وجہ سے ممتاز نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت سے مقامات پر اس نے غالب کو کشمیری میں غفلت کرتے ہوئے کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ مثلاً غالب کے اس شعر کو لکھو:

دیکھو اسے ساکنان خطہ خاک
اس کو کہتے ہیں عالم اکرائی

ناظر جیسے غالب کی آنکھوں میں آنکھیں داخل کر رہا ہے:

دیکھو ہر او ہند پر ساکنو
ملاس پاراؤ سہلن اتھی دہان

غالب کا ایک سلی منتخب شعر ہے:

خطا کہیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

ناظر نے اس میں کبھی سی ٹوٹی پیدا کر کے کشمیری میں اس کا لطف دہلا کر دیا ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں:

خطا لکھو مطلب کہہو حصہ اسر تن
اسر چہہ عاشق چاند خاک ٹود چھا

یہ درست ہے کہ ایسے مقامات بہت زیادہ نہیں ہیں اور کہیں کہیں ناظر اصل کا بوجھ سار نہیں نکالے ہیں مگر ترجمے کی دنیا میں اور وہ بھی غالب کے ترجمے میں ایسا کتنی بار ہوا ہے۔ میرے خیال میں ناظر کا ترجمہ دہان کشمیری زبان کا ایک تاریخ ساز واقعہ ہے اور اس کی حرارت اور تابش سے کشمیری شعر میں آنے والے برسوں میں تخلیقِ سخن پر بہت سے دھماکے سنائی دیں گے اور بہت سے گونے لگیں گے اس دہان کے حوالے سے کشمیری شاعر غالب کی زبان میں عجاظ طور پر کہہ سکتا ہے کہ:

دکھاؤں گا کشا دی اگر فرصت نہانے نے
میرا ہر دماغ دل اک حتم ہے سو چراغوں کا



کلام غالب کے پنجابی تراجم (پاکستان میں)

ترجمہ کیوں؟

اس موضوع پر قلم اٹھاتے وقت میرے ذہن میں چار سوالات اٹھے: پہلا سوال یہ کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی کیا ضرورت ہوتی ہے؟ دوم یہ کہ شاعری کا ترجمہ کیوں ضروری ہے؟ تیسرے یہ کہ اردو زبان کے شعرا میں غالب کا ترجمہ کیوں ضروری ہے؟ اور چوتھی یہ کہ کلام غالب کا پنجابی میں ترجمہ کرنے کی اہمیت کیا ہے؟

پہلا سوال کہ ترجمے کی کیوں ضرورت ہوتی ہے؟ تو اس کے بارے میں میں یہ کہوں گا کہ زبانوں پر انسان کی قدرت بہت محدود ہوتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ دنیا بھر کی زبانیں بول یا سمجھ سکے۔ اس مختصر عمر میں یہ ایک ناممکن عمل ہے۔ انسان کو حشش کے علاوہ مادری زبان کے علاوہ صرف چند زبانیں سمجھ سکتا ہے۔ اس معاملے میں اس کی صلاحیتیں بہت محدود ہیں۔ لہذا اپنی زبان کے علاوہ دنیا کی دوسری زبانوں کے علم و ادب اور ان کی فکر تک رسائی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ترجمہ ہے۔

یہ ذریعہ کامیاب ہے یا کمزور؟ اچھا ہے یا برا؟ جو بھی ہے، دنیا تک پہنچنے اور اسے سمجھنے کا اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ ایجاد نہیں ہو پایا۔ اگر ہم اس ذریعے کو ناقص مانتے ہوئے اسے مسترد کرتے ہیں تو پھر ہمارے پاس بے خبری اور آگاہی کے درمیان اور کوئی راستہ نہیں۔ اگر ایک لسانی قومیت اپنی زبان کے اندر دوسری زبانوں کے خیالات کے در کرنے کے راستے نہیں کھولتی تو وہ نہ صرف جہالت کا افکار ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ وہ باقی تمام دنیا سے کٹ کر کتوں کا میڈنک بن جاتی ہے اور گہری ترقی کے تمام راستے اس پر مسدود ہو جاتے ہیں۔ جہالت اور آگاہی کے درمیان ناقصے کو پاخانے کے لئے ترچے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ ترجمہ لسانی قومیتوں کے درمیان رابطے کے پہلے کام ہی نہیں کرتا بلکہ اس زبان کو بھی وسعت بخشتا ہے جس میں ترجمے کے راستے دوسری زبان کے خیالات اور افکار سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ یورپ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ یورپ کی لسانی قومیتوں نے اپنے لسانی تفوق کے جذبے کو قصب میں تبدیل نہیں ہونے دیا۔ اور ایک یورپی زبان میں دوسری زبانوں کے مشاہیر علم و فن کے تراجم اس کثرت سے ہوئے کہ یورپ کے فکر و فن کے دنیا بھر میں چرچے ہوئے اور یوں یورپ نے دنیا میں ایک اعلیٰ تہذیبی مقام حاصل کر لیا۔

شاعری کا ترجمہ کیوں؟

دوسرا سوال یہ کہ شاعری کا ترجمہ آخر کیوں ضروری ہے جبکہ ناقدین ادب کی اکثریت کم و بیش اس بات پر متفق ہے کہ شاعری کا ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا۔ زیادہ سے زیادہ ایک زبان کی شاعری کا معلوم دوسری زبان تک پہنچایا جاسکتا ہے مگر شاعری جیسے نازک فن کی نزاکتیں 'اس کے لیے' اس کے انداز اس کی چاشنی ترے میں منتقل نہیں ہو سکتی۔ شاعری انسان کے نازک جذبات کا اظہار ہے اور ان جذبات کے حسن کو بچانے کے لئے اس زبان کا چاہنا ضروری ہے جس میں وہ شاعری کی گئی ہے۔ ناقدین ادب کی اس رائے میں بہت حد تک صداقت موجود ہے۔ فن ترجمہ اس معراج پر تو نہیں پہنچ سکا کہ ایک زبان کی شاعری کو زبان و بیان کے تمام حسن اور باریکیوں کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل کر دے اور ایسا ممکن بھی نہیں کہ ترجمہ محض الفاظ کو بدل دینے کا کام نہیں ہوتا۔ یہ ایک مخصوص تہذیب کو ایک دوسری تہذیب میں منتقل کرنے کا کام ہے۔ ہر تہذیب کے اپنے مخصوص سانچے ہوتے ہیں جو ایک قوم کے اندر صدیوں کی باہمی معاشرت سے وجود میں آتے ہیں۔ ان سانچوں کو جب دوسرے مختلف سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس کوشش میں صرف بیان ہی نہیں، نیت بھی بدل جاتی ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ جس قدر اختلاف دو قوموں کی تہذیب میں ہوتا ہے اسی قدر بیان و نیت کے سانچے مختلف ہوتے ہیں اور بعض اوقات تو ترجمہ اصل سے اس قدر مختلف ہوتا ہے کہ اس میں اصل کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آ پاتی۔ ان مشکلات کے باوجود شاعری کا ترجمہ اہل فن اس لئے کرتے آ رہے ہیں کہ فن ادب کی امتداد میں سے شاعری ایک ایسی صنف ہے جو کسی زبان کے ابتدائی ہندو مکمل کے امکانات کا سب سے اعلیٰ قادم ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ کسی زبان کی شاعری محض طوط پر لطف اندوز ہونے اور اس کے مکمل فن کو بچانے کے لئے اس زبان کو چاہنا اور سمجھنا ضروری ہے جس میں شاعری کی گئی ہے، مگر جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ یہ ممکن نہیں۔ دنیا کے کسی بڑے شاعر کو لے لیجئے اس کی شاعری کے محاسن فن اور ان کی حوصلوں میں اتارنے کے لئے پوری محروم کار ہے۔ یہ صرف ترے سے ممکن ہوا کہ ہوسر 'دانے' ملنے اور گھٹے جیسے عظیم شعرا کو فن اور ان کے فکر کی بلندی دوسروں تک پہنچی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جن زبانوں میں ان رو قامت شعرا نے شاعری کی، اس زبان کی وسعتوں کا اس کے استعمال اور اس کے فنی امکانات کا اندازہ بھی پہلی مرتبہ ہوا کہ جس میں اتنی بڑی شاعری ممکن ہو سکی۔ لہذا نثر کے ترے کی نسبت شاعری ہی کے ترے سے دوسری زبان کے اثر اور فنی کمالات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یوں بھی زبان ادب کو اس کی شاعری پڑھے بغیر جاننے کا دعویٰ ایسا ہی ہے جیسے محبوب کے بغیر عورت ذات کو جاننے کا دعویٰ۔ اس کی مثال اس شخص کی ہی ہے جو یہاں سے فرانس گیا اور وہیں ایک فرانسیسی عورت سے شادی کر لی۔ پہلی نہایت خدمت نگار اور خوبیاں والی تھی۔ میں برس کی رفاقت کے بعد جب اس شخص سے اس کی بیوی کو تعریف کی گئی تو اس نے جواب میں کہا کہ میں یوں گتا ہے کہ میں برس سے میں محبت نہیں، محبت کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر دیا ہوں۔ تو شادی کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ یہ نازک جذبات کی زبان ہے اور نازک جذبات کے اظہار کا بہترین سانچا صرف شاعری ہے۔

غالب کا ترجمہ کیوں؟

تیسرا سوال جو میرے ذہن میں اٹھا یہ تھا کہ اردو شعرا میں غالب کا ترجمہ کیوں ضروری ہے؟ اس سوال کا

جواب خاصا تفصیل طلب ہے مگر یہاں اختصار کے پیش نظر میں یہ کہوں گا کہ اردو زبان اور اس کی شاعری کے حقیقی کمال کو جاننے کے لئے غالب کی شاعری کا جاننا لازماً لازم ہے۔ غالب دنیا کے ان دس بارہ عظیم شعرا کی صف کار کن ہے کہ دنیا کا کوئی ادب اسے جلتے پھرتے شعری فکر کی بلندیوں اور عظمتوں کا اور ادا حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ غالب کا اردو کلام اور اس کے فارسی کلام کے مقابلے میں غالب کی اپنی نظر میں "بے رنگ من است" تھا مگر غالب اردو شاعری کی معراج ہے اور اردو زبان کی تصنیف کی اعلیٰ ترین صورت۔ اردو زبان کے استعمال میں جو SOPHISTICATION غالب کے یہاں ہے وہ اس کے ہم عصر اور شاہ کے استاذ ذوق کی زبان میں نہیں ملتی۔ غالب اردو زبان کی تصنیف کی سب سے عمدہ مثال ہے اور اس کے استعمال پر اسے ایسی قدرت تھی کہ وہ اس زبان کے کسی اور شاعر کے حصے میں نہیں آئی۔ لہذا غالب سے آشنائی اردو زبان کی تصنیف کی اعلیٰ ترین صورت سے آشنائی ہے اور غالب سے محرومی نہ صرف اردو شاعری سے محرومی ہے بلکہ دنیا کی اعلیٰ ترین شاعری سے محرومی ہے اور شاید اسی لئے غالب ترجمہ کرنے والوں کے لئے ایک بہت بڑا پیچھے ہے اور اس پیچھے سے نچوڑنا ہوتا جان جو کھوں کا کام ہے۔ اس کے ہم عصر اور ہم زبان شعرا اور سخن شناس شاکر تھے کہ وہ ایک مشکل پسند شاعر ہے اور کچھ میں آنے والا نہیں ہے۔ اہل فن جانتے ہیں کہ یہ شکایت ادب، فطرت اور علوم کی تاریخ میں ہر اس شخص کے بارے میں کی گئی جس نے کسی میدان میں اجتہاد کی نئی راہیں نکالیں۔ غالب صاحب اپنا شاعر تھا اور فکر کی بلندیوں کے ساتھ ساتھ زبان کے فنی استعمال پر اسے طاقت نہ قدرت حاصل تھی۔ پس غالب کی شاعری کو دنیا کی دوسری زبانوں میں منتقل کرنا دراصل شاعری کے کلمات کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی اسکاٹنی وسعتوں اور عظمتوں سے دنیا والوں کو روشناس کرانا ہے۔

غالب کا پنجابی میں ترجمہ کیوں؟

چوتھا اور آخری سوال یہ ہے کہ کلام غالب کا پنجابی زبان میں ترجمہ کرنے کی کیا اہمیت ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ اردو شاعری یا نثر کا پنجابی میں ترجمہ کرنا مترجمین کے نزدیک اس لئے اہم ہے کہ اردو زبان بہ نسبت دوسری زبانوں کے پنجابی زبان کے بہت قریب ہے۔ ڈاکٹر گوہر نو شاہی "ترجہ کا فن اور پنجابی شاعر" کے عنوان کے تحت اس نکتے کو یوں بیان کرتے ہیں۔ "اردو زبان کا وجود جن عناصر امرتسر سے تیار ہوا، پنجابی زبان ان میں سے ایک ہے۔ پنجابی زبان کا مزاج، لب و لہجہ اور سخن گنج سب اردو زبان میں موجود ہے اور اردو زبان کی تمام باریکیاں اور اعتبار و بیان کے تمام اسلوب پنجابی زبان کی وسعتوں میں ہیں۔" (۱۹۷۰ء اور پنجابی شاعری کے باہمی رشتے کی شہادت اردو زبان کے قدیم تذکروں میں سید انشاء اللہ حاکم انشا کے اس شعر سے بھی ملتی ہے۔

نالا رات کو قصہ ہو پیر راجھے کا تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا
حافظ محمود شیرانی کا حقیقی مقالہ "مہتاب میں اردو" اردو اور پنجابی کے باہمی رشتے پر علمی سطح پر روشنی ڈالتا ہے۔ جسے علامہ شیرانی نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان دونوں زبانوں کی یہی باہمی قربت ہی پہلی سطح پر مترجمین کی تحریک کا سبب بنی ہے اور وہ اردو سے پنجابی اور پنجابی سے اردو میں تراجم کا بیڑا اٹھا لیتے ہیں۔ کلام

غالب کا پنجابی پورے اور پڑھنے والے ایسے طبقے میں جو اردو زبان و ادب سے نا آشنا ہے۔ حصارف ہوگا اور غالب کی شاعری جب پنجابی زبان کی دھڑن میں آئے گی تو اس سے خود پنجابی زبان الفاظ و بیان کے ساتھ ساتھ نئے لہجوں اور مزاج سے روشناس ہوگی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ غالب کے پنجابی ترانے سے پنجابی زبان، اعلیٰ درجہ کی ایک نئی جہت سے آباد ہوگئی دو سری جانب پنجابی زبان کے ادب میں دنیا کے ایک عظیم شاعری فکر بھی شامل ہو جائے گی اور یوں پنجابی ادب کے سرمائے میں بے بہا اضافہ ہوگا۔

دوسرے ہیں تو پنجابیوں کی دو زبانیں ہیں۔ ان کی بول چال کی زبان تو پنجابی ہے مگر ان کی تہذیب اور قومی زبان اردو ہے۔ وصلت کے رہنے والے جو زیادہ تر پنجابی نوک ادب کے قہے سنتے اور پڑھتے تھے، وہاں اب قسیم مجازی پہنچ گیا ہے۔ لہذا ایسے کثیر آبادی والے طبقے کے لوگوں کے لئے غالب کو ان کی زبان میں پیش کرنا، پنجابی زبان ہی پر احسان نہیں بلکہ وصلت کے رہنے والوں میں اعلیٰ اور معیاری ادب سے روشناس کرانے کے حروف ہے۔

اچھا ترجمہ کسے کہتے ہیں؟

اس بحث کے بعد ذہن قدرتی طور پر چند اور سوالوں کی طرف جاتا ہے کہ اچھے ترانے کا معیار کیا ہے اور اسے کیسے پرکھا جاسکتا ہے؟ کیا ترجمہ ایک تخلیقی عمل ہے یا خالصتاً "تکنیکی" اچھے ترانے اور اچھے حریم میں کس قسم کی خصوصیات کا ہونا ضروری ہے؟ کیا ترجمہ "استقامت اور تکرار میں کوئی حد قائم کی جاسکتی ہے؟ یہ اور اس قسم کے سوالات پر ناقدین ادب کی طویل بحثیں ہو چکی ہیں۔ بعض ناقدین کی رائے میں ترجمہ اصل کے الفاظ کی بجائے مفہوم کی طرف زیادہ جھکا ہوا ہے۔ ان انصاری لکھتے ہیں: "ترجمہ اگر کامیاب ہو جائے خود تخلیق ادب کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس کے احتساب کا کوئی اصول وضع نہیں کیا گیا۔" [2] ڈاکٹر گوہر شاہی کا کہنا ہے کہ "ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ یا مفہوم کو منتقل کرتے ہوئے جو دقیقہ پیش آتی ہیں ان کو مد نظر رکھا جائے تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ترجمہ ایک خاص شعوری اور اکتسابی عمل ہے۔ جس کو انجام دینے کے لئے باقاعدہ ریاضت اور محاہدے کی ضرورت ہے۔"

(3)

فمن ترجمہ اور اس کی پرکھ کے تمام مباحث کو پڑھنے کے بعد مختصر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس زبان میں جو کوئی ادب پارہ ترجمہ ہوا تو اسے اس کے خالق سے الگ ہٹ کر دیکھنا چاہئے یعنی جس زبان میں ترجمہ ہوا ہے اس میں کیا وہ ایک مستقل اور حساس تحریر بنی ہے یا نہیں دوسرے لفظوں میں ہمیں یہ عمل دیکھنا چاہئے کہ غالب کا پنجابی ترجمہ غالب سے الگ ہٹ کے پنجابی زبان میں بجائے خود ایک ایسی نظم یا غزل ہے جو اس کے پڑھنے والے کو اسی طرح MOVE کرتی ہے جس طرح غالب کے ایک حساس اردو قاری کو۔ اگر ترانے کی صورت میں ظاہر ہونے والی تحریر اپنے پڑھنے والے پر کوئی تاثر نہیں چھوڑ سکتی تو وہ ترجمہ اپنے بنیادی مقصد یعنی شعری المذاق میں ناکام رہا ہے۔ میرا خیال ہے ترانے کی پرکھ کا یہ معیار ترانے کی کامیابی یا ناکامی کو جاننے کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل ہے اور اسی معیار کو سامنے رکھتے ہوئے ہم گلام غالب کے پنجابی ترجموں کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔

غالب کے پنجابی تراجم

پاکستان میں غالب کی اردو غزلوں اور نغموں کے مضمون ترقیاتی صورت میں ابھی تک صرف دو ہی ہیں۔ البتہ کئی ایک شعرا نے ان کی چیدہ چیدہ غزلیات یا ایک آدھ غزل کے کچھ ترے کہے ہوئے مستشرقین کو خوشوں سے زیادہ نہیں۔ پاکستان میں اس کا باقاعدہ آغاز صوفی غلام مصطفیٰ مجسم مرحوم نے غالب کے فارسی کلام کے پنجابی تراجم سے کیا۔ ان کے یہ تراجم پنجابی زبان میں پہلی کامیاب کوشش تھی جاسکتی ہے۔ لیکن صوفی صاحب نے غالب کے ترے کو صرف ان کی فارسی شاعری تک محدود رکھا اور کسی اردو غزل کا ترجمہ ہمیں ان کے ہاں نہیں ملتا۔ صوفی صاحب کے علاوہ ماہر صدیقی، مفتی لطیف گجراتی، سر حسین اور دہلیز شاہ نے ایک دو غزلوں کے ترے کہے لیکن اردو غزلیات کا پہلا ترجمہ ۱۹۶۶ء میں پروفیسر رشاد کاناچوی نے کیا جسے مکتبہ میری لاہوری نے لاہور سے شائع کیا۔ یہ مجموعہ غالب کی ۲۳ غزلیات کے مضمون ترے پر مشتمل ہے اور ”غالب دیاں غزلاں“ کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ رشاد کاناچوی ۱۹۶۶ء میں بمبائل پور میں پیدا ہوئے اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم سے منسلک ہو گئے۔ ”غالب دیاں غزلاں“ کا ترجمہ سرائیکی زبان میں کیا گیا ہے جو پنجابی زبان ہی کا ایک لہجہ ہے اور یہ زبان مکتان ”بہاولپور“ خیر پور، رحیم یار خاں، سندھ اور بلوچستان کے سرحدی اضلاع میں بولی جاتی ہے۔ مشہور صوفی شاعر جگر مرست اور خواجہ فرید کا کلام سرائیکی ہی میں ہے۔ مسعود حسن شلب اس ترے کے دیباچے میں ترے کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”غالب کی اردو غزلوں کو بہاولپوری مکتانی زبان میں منتقل کرنے کی سب سے بڑی تحریک یہی ہے کہ وہ (حجرم) اردو غزل کی اعلیٰ اقدار سے ان لوگوں کو محفوظ و مستفید کرنا چاہتے ہیں۔ جن کے لئے اردو زبان اجنبی نہیں تو اپنے نکات و معارف کے اعتبار سے سرجے اعظم بھی نہیں ہے۔“

رشاد کاناچوی نے فارم کے لئے جو ”تقریبات“ رکھے ہیں۔ ان میں اصل غزلیات کے لوزان و بحر اور ردیف و قوافی کو بھول کا توں برقرار رکھا ہے۔ فارسی اور عربی الفاظ جو مشترک طور پر دونوں زبانوں میں مستعمل ہیں، انہیں بھی مکتانی بمبائل پوری میں منتقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ صرف اسلئے افعال اور صفات وغیرہ میں رد و بدل کیا ہے مثلاً ”ہو“ کی بجائے ”دا“ کی، ”بھائے“ ”دی“ ”بھو“ ”آ“ کی بجائے ”بھو“ ”آ“ کے کی بجائے ”آگوں“ اور بہت کی بجائے ”بھوں“ وغیرہ وغیرہ (۱)

واقعہ یہ ہے کہ حجرم نے اس ترجمے میں ”کھا“ ”کے“ ”کی“ بدلنے کے علاوہ کوئی اور کابل ذکر کام کیا ہی نہیں۔ غالب کے اشعار کو بھول کا توں اٹھا کر رکھ دیا ہے اور جہاں کہیں ایک آدھ ترجمے کی کوشش کی ہے وہاں مضمون اصل سے دور ہو گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حجرم میں شاعری کے ترے کی صلاحیت ہی نہ تھی۔ غزلیات کے ان تراجم میں نہ تو وہ غالب کی فکر کو پنجابی زبان میں منتقل کر سکے ہیں اور نہ ہی ترجمے میں سرائیکی زبان کا جسے وہ مکتانی بہاولپوری کہتے ہیں۔ کوئی روپ یا لہجہ پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں غالب کے ان تراجم کی اہمیت اس سے زیادہ نہیں کہ ان میں ترے کے دعوے اور اعلان کے باوجود ترے کے فن کو سرے سے استعمال ہی نہیں کیا گیا۔ لہذا ترے کے اس پہلے مجموعے کی اہمیت محض ایک ریفرنس سے زیادہ نہیں۔ آپ صرف چند مثالوں سے ملاحظہ فرما لیجئے کہ اصل اور ترے میں کتنا فرق ہے۔

مقل فریادی ہے کس کی شوقی قمر کا
کافری ہے جہاں ہر جگہ تصویر کا
ترجمہ

مقل فریادی ہے کھنڈی شوقی قمر دا
بس کہ ہوں غالب امیری میں بھی آتش زہر پا
اجی ہے غالب امیری دج دی بھاڑ اس کے
واں سڑے دانگ ہے کڑا میٹھی زنجیر دا

یا

مقل مجھ کو میں وحشت ی سی
میری وحشت تیری شہرت ی سی
ہم بھی دشمن تو میں ہیں اپنے
غیر کو تھ سے محبت ی سی
ترجمہ

مقل میگوں نہیں تکی وحشت ی سی
اسل دشمن تے نے ہیں ہنڈے
میںڈی وحشت' عظمی شہرت ی سی
غیر کون قلعی محبت ی سی

آپ نے دیکھ لیا کہ ترے کے نام پر حرم نے صرف 'سا' افعال اور صفات کو بدلنے کی زحمت کی ہے اور روایت' قافیے اور بحر کو بھی جوں کا توں رکھا ہے۔ ایسے ترے کو دیکھ کر صرف ایک ہی خیال بار ذہن میں آتا ہے کہ اگر یہ ترجمہ ہے تو پھر اس سے بڑھ کر اصل ہی کو پتہ لیا جائے۔

کلام غالب کے پنجابی ترے کا دوسرا منظوم ترجمہ دج ان غالب کے عنوان سے امیر عابد نے بارہ برس کی محنت کے بعد مکمل کیا اور جسے مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۸۷ء میں شائع کیا۔ امیر عابد معلی کے چپے سے چھپ سکتے ہیں اور ترے کی اشاعت کے وقت وہ گورنمنٹ اسلامیہ کالج (جو پہلے خلعہ کالج تھا) گورنمنٹ میں شعبہ اردو میں استاد تھے۔ حرم کے بقول ترے کا خیال انہیں غالب کی شاعری کی تدریس کے دوران آیا، جب انہوں نے محسوس کیا کہ "پڑھی پڑھائی تھیں اور گھڑے گھڑائے جلتے بول کے غالب معلی کو بظاہر مطمئن کر دیتا تھا مگر میرا دل کہتا تھا کہ غالب ان نوجوانوں تک نہیں پہنچے گا۔" اس البتہ جب بھی اپنی مادری زبان پنجابی کا سارا لے کے غالب کے شعر پر تنقید کی تو یہیں لگا کہ آج مجھے بھی اس شعر کی کچھ آگئی اور پڑھنے والوں کو بھی۔ چنانچہ امیر عابد نے جون ۱۹۸۷ء کی ایک رات غالب کی مشہور غزل "یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا" دیکھ کر سن کے ترجمہ کر ڈالی اور جب دوستوں کو سنائی تو انہوں نے اس کو خوش پہ بے حاشا داد دی اور یہیں شوق کا یہ قافلہ رواں ہوا۔ امیر عابد کے اس ترے کے بارے میں احمد عظیم قاسمی دہاچے میں لکھتے ہیں:

"امیر عابد کے اس طرح کے سچے اور اچھے تراجم سے میں مسحور ہو کر رہ گیا۔ میں سوچنے لگا کہ جس طرح شعر کتنا قدرت کی طرف سے ودیعت کی ہوئی قوتوں کا اظہار ہے، اسی طرح اچھے شعر کا اچھا ترجمہ بھی قدرت کی اس ودیعت خاص کے بغیر ممکن نہیں اور امیر عابد اس سے پوری طرح آراستہ ہے۔"

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

”امیر عابد کا ترجمہ دیکھئے تو یہیں محسوس ہوتا ہے جیسے اس نے غالب کو اپنی کی طرح پی لیا ہے اور اسے اپنے طون میں دھال کر لیا ہے۔“

احمد ندیم قاسمی کے بقول امیر عابد غالب کی مجلس اور بظاہر سادہ اشعار کی سادگی و سادگاری کو بھی اپنے حقیقی ترے کی گرفت میں لے لیا ہے اور یہ کہ

”امیر عابد کے اس ترے نے روز روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے کہ وہ اردو کی انتہائی گہری اور کبیر شامی کی تفہیم و حسیں پر بھی حاوی ہے۔ اور پنجابی تو جیسے اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ ترے کا یہ مجروح اسی لئے نمودار پتیر ہوا ہے۔“

پنجابی زبان کے نامور شاعر اور نقاد شریف کنہیاں نے امیر عابد کے تراجم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔
”پہاڑ کاٹ کر دودھ کی سر ٹھالا ہر تھپے والے کے بس کی بات نہیں ہوئی مگر غالب کے کلام کو پنجابی میں وصال کر امیر عابد نے یہ کام کر دکھایا ہے۔“

پتھری کی یہ آراء امیر عابد کے تراجم کے بارے میں مبالغے سے پاک ہیں۔ بلاشبہ امیر عابد نے کلام غالب کو پنجابی زبان کی گھاسی میں وصال کر غالب کو پنجابی زبان کا شاعر بنا دیا ہے۔ ایسا شاعر جس کا اصل دھپ مسخ نہیں ہونے پایا۔ جیسا کہ میں نے اس مضمون کے آغاز میں کہا تھا کہ غالب ایک بہت بڑا پنجابی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی بھی زبان کا حصرم اس پر ہاتھ ڈالنے والے وقت کاٹ جاتا ہے، مگر امیر عابد نے ہمارے جس جس گن اور غلوں کے ساتھ غالب کے ساتھ دن رات بسر کئے، وہ بلا خرہ غالب کو اردو کے کوسے سے نکال کر پنجابی زبان کے کوسے میں اس طرح لے آئے کہ وہی کے مڑا نوٹ: ”غالب کے ہاں گئے گئے ہیں۔ میرے نزدیک امیر عابد کے ترے کی یہی سب سے بڑی کامیابی ہے کہ پنجابی زبان کا چلا پن کر غالب کی شامی سر زمین، غالب کی چڑ گئے گئی ہے اور اردو سے ٹالید پنجابی اسے چڑ کر بہت حد تک غالب کے گہری گہرائیوں، خیال کی نراکتوں، اور زبان و بیان کے حسن کا تجربہ کر سکتا ہے۔“

امیر عابد کا ترجمہ نہایت با محاورہ ہے۔ پنجابی زبان پر ان کے عبور اور دھڑس کا ثبوت انہوں نے اپنے ترے میں دے دیا ہے۔ ایسے ایسے خوب صورت محاورے اور لفظی بدھشیں انہوں نے استعمال کی ہیں کہ اس سے خود پنجابی زبان کے حسن اور اس کی وسعت پر حیرت ہونے لگی ہے۔

اس ترے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ حصرم نے ترے کو محض لفظوں کو تبدیلی نہیں سمجھا بلکہ ایک تہذیب سے جنم لینے والے حقیقی عمل کو ایک دوسری تہذیب کے اندر یوں بدل کے رکھ دیا ہے کہ غالب کے تراجم اپنی الگ حیثیت میں ایک حقیقی عمل کا حصر معلوم ہوتے ہیں۔

علامہ انیس امیر عابد نے غالب کے اشعار کے مضمون کو نہایت دقت آوری سے ترے میں منتقل کیا ہے اور یہ الزام برقرار رکھا ہے کہ مضمون کی ترسیل میں لہجہ اور طرز بیان بکھوڑ نہ ہو۔ میرے نزدیک یہی وہ نازک اور مشکل مرحلہ ہے جہاں حصرم کی صلاحیت کا کڑا امتحان ہوتا ہے۔ امیر عابد اس امتحان میں سرفراز ہوئے ہیں اور کلام غالب کے ان تراجم میں لہجہ اور طرز بیان کو اس سے پنجابی لہجے میں بدلا ہے کہ پنجابی آہنگ کے اندر سمونے جانے کے بعد

اس میں اصل لہجے کی روح باقاعدہ جھلکتی ہے۔

اسیر عابد نے ترسے میں بیشتر اوقات 'قلعے' اور 'بھوں' کو بدل دیا ہے مگر اس کے باوجود یہ ترسے اصل کے ساتھ ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ بعض مقامات پر حرم نے لفظی اضافے بھی کئے ہیں۔ مگر اس طور پر کہ ان سے شعر کے صحن میں اضافے کے ساتھ مضمون کی صحت برقرار رہی ہے۔ بلکہ ان الفاظ کے اضافے سے مطالب کی تقسیم میں آسانی پیدا ہوئی ہے۔ باغیابی ہونے کے ثلثے سے اسیر عابد کے ترسے نے میری غالب فنی میں بڑی حد کی ہے اور ایسے ایسے مشکل مقامات مجھ پر آسان کر دیئے جن کو میں نے بھاری پتھر جان کر چوم کے چھوڑ دیا تھا۔ بحیثیت مجموعی اسیر عابد کے اس ترسے میں غالب کی شاعری کا حسن بھی دکھائی دیتا ہے اور باغیابی دیوان افغراوی حیثیت میں اپنی اکائی کو برقرار رکھ پایا ہے۔

بائیں حصہ اس کامیاب کو مشعل کے باوجود حرم کہیں کہیں اصل میں سے اس قدم دور ہو گیا ہے کہ اگر چڑھنے والے کو اصل صحن کا پتہ نہ ہو تو وہ محض اس ترسے سے شعر کے صحن اور مضمون دونوں تک نہیں پہنچ پاتا۔ اسے بڑے ترسے میں اس طرح کی غلطیوں کا احتمال قابل فہم ہے اور ایسی غلطیوں میں اس وقت سرزد ہوتی ہیں جب حرم ایک خاص طرح کی بے بسی اور لاہاری کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر اس مجاہدے میں جس ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے اس سے احتیاب کرنے لگتا ہے۔ ہر حال دوسرے ایڈیٹرز میں ایسے تمام اشعار جو غالب کے طرز شاعری اور طرز بیان سے دور ہو گئے ہیں ان پر نظر ثانی کی جاسکتی ہے اور انہیں اصل کے قریب لا کر ترسے میں پیدا ہونے والے ابہام کو دور کیا جاسکتا ہے۔

میری ان آراء کی وضاحت کے لئے اسیر عابد کے تراجم سے کچھ مثالیں ضروری ہیں جن سے آپ کو اندازہ ہو سکے گا کہ وہ اس کو مشعل میں کس حد تک کامیاب ہوا ہے اور کہاں کہاں اس کے قدم کمزور پڑے ہیں۔

دیوان کی اولین غزل ی کو لہجے "دلشاد کھانچوی نے:

مقتل فریادی ہے کس کی شرفی تحریر کا کاندھی ہے ہر اک ہر جگر تصویر کا
کا ترسہ یہ کیا قند

مقتل فریادی ہے کاندھی شرفی تحریر کا کاندھی چولے دے دھج کیوں تن ہی ہر تصویر کا
اسیر عابد کا ترسہ دیکھئے:

چتر جیکھا اے' چتر کار کھڑے کھنکھن کھنکا دھج قعر سائیں
چولے کاندھی ساریاں سورتیں دے بے دسیاں بے تصویر سائیں

پس کہ ہوں غالب اسیر میں بھی آتش زبیا موسے آتش دیدہ ہے عقد مری زنجیر کا
دلشاد کھانچوی

ایسی دج دی بھا جیوں تھے وال سزے دانگ ہے کڑا میٹھی زنجیر دا
اسیر عابد:

غالب ہینکھڑاں (کا) دج نہ دیوں تھلایا جیوں پتلاں پھیاں نہیں
کٹھن سکھا وال ہے سنگلی دا جھڑی سنگلی آساں اسیر ساہیں

عشق مجھ کو نہیں محضت ہی سی میری وحشت جیری شہرت ہی سی
اس شعر کا دیکھو کاجیری کا عقلی ترجمہ تو آپ ملاحظہ کریں گے ہیں "اب اسیر عابد کو دیکھئے:
میںوں عشق نہ ہویا" جمل کھارا سی میرا جمل کھلا را جیری چچا سی
قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے" کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سی
سلائے تلوں لگ لگاتے توڑیں نہ کچھ دی نہیں بھلیا ات کڑا سی

یہ مثالیں تو دونوں حریصین کے قاتل کے لئے تھیں "اب ذرا وہ تراجم دیکھئے جہاں اسیر عابد کا ہزار پنے کمال پر ہے:
تم سے ہے جا ہے مجھے اپنی جانی کا گھر اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا
ترجمہ

گھر میرے اتے میرا پھرا لہیں" خا قوں نہیں لمحہ برہاواں دا
میرے دلیں دلاں دے دویاں دج" میرے اپنے لیکھاں دی بار دی سی

غالب

بجلی اک کوئے مکی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کہتے کہ میں لب گھنڈہ تھری بھی تھا

اسیر عابد:

ہویا کہہ جے چم کے اکھیاں" لکھاں مار کے ہوئی اوار بجلی
چنگی گل ہے سی جے کوئی گل کوئے" میرے ہلھل دی ترجمہ گھٹا دی سی

غالب

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے ہ پانچ
کوئی کوئی ہمارا دم تھری بھی تھا

اسیر عابد:

پھڑے جاتے تھ اسی نعلی بندے ہسی تھلاں تے جتھ فرشتیاں دے

کھسے گئے سن جہوں اہلایں تھے کول ساڑا دیکھل ہتار دی سی

غالب:

پٹے میں عیب نہیں دیکھئے نہ فریاد کو نام ہم ہی آشفقہ سرواں میں وہ جواں صبر بھی تھا

ایسر عابد:

کسے کا دربار توں نہیں مٹا کا ہنوں تھکے ہے فریاد تھیں

جنوں چڑھی ہوائی سر موت آئی اسل مالتھان وچ سروار دی سی

غالب کی ایک مجلس غزل کے چند اشعار کا ترجمہ دیکھئے۔ جس کے ہر دوسرے مصرعے میں ایک لفظ کا اضافہ حرجم نے کیا ہے اور اس اضافے سے معنی کا حسن بڑھ گیا ہے:

موت کا ایک دن صبحیں ہے غنہ کہیں رات بھر نہیں آتی

ترجمہ

بکی گل اے! مٹا اک دن مٹھا اے غنہ کاہوں رات بھر آؤندی نہیں

آگے آتی تھی حال دل پہ نہیں اب کسی بات پر نہیں آتی

ترجمہ

آگے دل دے حالوں ہمز آؤندی سی ہوں کسے دی گلوں بھیڑی آؤندی نہیں

جاتا ہوں ثواب طاعت و زہد اب طبیعت اور نہیں آتی

ترجمہ

لیا جسے ٹھیکیں اجر دوسرے نہیں ایسے پاسے طبع کھنٹی آؤندی نہیں

ان ترجموں میں غنہ کے لئے 'جلی'، ہنسی کے لئے 'بھیڑی'، طبیعت کے لئے 'کھنٹی' کی معانی کے اضافے کی داد کوئی پنجابی ہی دے سکتا ہے۔

ایک اور مشہور غزل کا ترجمہ بھی ایسر عابد کے اس کمال کا نمونہ ہے کہ وہ اردو لکھے اور بیان کو کس خوبصورتی

سے اسی انداز میں ترجمہ کرتا ہے اور پنجابی محاورے کو کس چابک دستی اور ہوشیاری سے استعمال کرتا ہے:

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے تمہی کو کہ یہ انداز مکتو کیا ہے

ترجمہ

گل گل تے کہتا ایں کھدہ ایں؟ ساغوں تیرا کھدہ اے

آپے دیں خالی تیرا اہمہ بولن دا چلا کھدہ اے

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا کہید تے ہو جواب راکھ! جتجو کیا ہے

ترجمہ

جتنے سارا چہ بلیا دل کھتے چٹا ی سواہ لوں دار ہاروں بیٹا بچو لہندا کبہ اے
ہوا ہے شہ کا مصائب بھرے ہے اتراتا وگرنہ شہر میں غالب کی آمد کیا ہے
ترجمہ

شلہ دی ہنسی پہنداے تے اڑی غنم سوگدی
لہنیں تے دسو شراندو غالب دی داہ داہ کبہ اے

ان مثالوں میں انداز محنگو کے لئے یوں دا چالا اور اترانے کے لئے اڑی نہ گنا کا محاورہ حترج کے صحن احتباب اور پنجابی زبان پر دسترس کی عموماً مثالیں ہیں۔ جہاں جہاں انسانے ایسے نہیں گئے اور وہ صحن کو پھانگ گئے ہیں اس کی ایک مثال یہ مقطع ہے:

جو یہ کہے کہ رنختہ کیوں کے ہو رنختہ قادری
مکتہ غالب ایک چار پڑھ کے اسے خاکہ یوں
ترجمہ

کیوں رنختہ ڈنکھا قادری نوں ہے کوئی چچے امیر پچلیاں نوں
اک وار بٹھا کے کول لہنوں غالب خاں دے بول خاکہ انج

اس ترجمے میں "بے کوئی چچے امیر پچلیاں نوں" ایک ایسا اضافہ ہے جس کا شعر کے اصل متن میں کوئی وجود نہیں اور اس پر مزید حتم یہ کہ حترج نے ترجمے میں اپنا شخص بھی ڈال دیا ہے اور "پچلیوں" کو بھی خواہ مخواہ جج میں لے آئے ہیں اور پھر غالب کو غالب خاں بنا دیا ہے۔ یقیناً یہ ترجمہ کنوڑی ی نہیں متن کو مسخ کر کے اسے مسم ہا دیا گیا ہے ایسی اور بھی کئی مثالیں ترجمے میں موجود ہیں۔ بہر حال امیر شاہد کی یہ کوشش پنجابی زبان میں غالب کا ایک عموماً تعارف ی نہیں بلکہ غالب کی شاعری کے تراجم میں اسے ایک کلیدی حیثیت حاصل رہے گی۔





مطالعائی انٹرویوز

تسلیم احمد قصور نے معروف ادبی شخصیات
کے انٹرویوز کا ایک نیا انداز اپنایا۔

سورج پبلشنگ یورفر لاہور



نوادراتِ غالبؔ

جائے ولادت مرزا غالب آگرہ





اس مکان کا دالان جہاں مرزا غالب پیدا ہوئے



جائے رہائش مرزا غالب بیماران دہلی



قیام گاہ مرزا غالب، محلہ دلچ دوارہ، رام پور





مورخ کی یہ رنگینی منبری تصویر ہو مغل مصوری کا شاہکار ہے ۱۵۸۲ ہجری کی بنی ہوئی ہے۔ اصل تصویر دس انچ لمبی اور سات انچ چوڑی ہے۔ اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیرانی مروجہ کے کتب خانے حبیب گنج ضلع علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ یہ تصویر نواب مرحوم نے ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۱۵ ہجری کو دہلی میں خریدی تھی۔ اس کا فوٹو سب سے پہلے ۱۹۳۸ء میں مالک رام صاحب نے ”سہدائین“ اور ”ذکر قلاب“ میں چھپوایا تھا۔ اسی تصویر کا ٹکس بھارت میں ۱۹۵۴ء میں ساڑھے چار آنے والے ٹکٹوں پر شائع ہوا تھا۔ یہ تصویر حقیقی طور پر صدقہ ہے۔



یہ تصویر سب سے پہلے "بادشاہ غالب" مطبوعہ نئی دہلی کا پتھر ۱۸۸۷ء میں لیتھو سے چھپی تھی جو غالب کی اصل تصویر نہیں ہے۔ مولانا غلام رسول مرے اپنی کتاب "غالب" میں مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالے سے لکھا ہے۔

ایک فوٹو اور دو تصویریں حالی مرحوم نے فتنی رحمت اللہ رحمہ کے پاس اس غرض سے بھیجی تھیں کہ ان میں جو تصویر بہترین ہو اس کی نقل "بادشاہ" کے لئے تیار کر لی جائے۔ فتنی رحمت اللہ مرحوم نے بنیادی طور پر آخری فوٹو کو سامنے رکھا لیکن تحلیل کا رخ اس طرف رہا کہ اس عالم سے چند برس پہلے ناک نشہ کیا رہا ہو گا۔ اس طرح ایک ناپچوکتا تیار ہو گیا۔"



مولف کی یہ رعین تصویر مرزا غالب نے کسی باکمال مصور سے ہوا کر محمودی خاندان کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کو پیش کی تھی جو لال قلعہ دہلی کے غائب خانے میں محفوظ ہے۔ اصل تصویر سازھے سات انچ لمبی اور پنے چھ انچ چوڑی اور تصویر کے نیچے ”شیبہ حضرت غالب دہلی“ لکھا ہوا ہے۔ اس کا فوٹو سب سے پہلے پاپائے اردو مولوی مہد الحسن نے رسالہ اردو اپریل ۱۹۳۹ء میں حیدر آباد سے شائع کیا تھا جس پر انھوں نے لکھا تھا۔

”اس وقت تک جتنی تصویریں مرزا صاحب کی شائع ہوئی ہیں ان میں یہ تصویر سب سے زیادہ قابل اکتاد ہے۔“



یہ تصویر سب سے پہلے ۳ اگست ۱۹۹۹ء کے "بڑے اخبار" لاہور کے صفحے میں شائع ہوئی تھی جو خادمِ احکیم پریس لاہور میں لیتھو سے بھیجی تھی اس کے بارے میں چنڑت موہن داتا نے یہ کہلی کا کہنا ہے۔

"لالہ مری رام نے جنہیں تصویروں کے طبع کرنے کا بڑا شوق تھا ایک قلمی تصویر دہلی کے مصوروں کے خانہ انا سے خریدی تھی" یہ تصویر اس کی نقل ہے۔"



مرزا غالب کی آخری نقی تصویر بد توپ مرزا علاء الدین خان پندرہ سالہ مرحوم نے کلمہ اعلیٰ قلمی اور اسی تصویر کا اسٹامپ ۲۸ مئی ۱۸۹۸ء کے مکمل الاطبار میں شائع ہوا۔ اس تصویر کے لئے جانے کے چھ ماہ بعد مرزا صاحب کا انتقال ہوا۔



یہ تصویر سب سے پہلے ۱۸۵۱ء میں راجا راجا صاحب ہند المعروف بہ نسطور مہیدیا میں شائع ہوئی تھی۔ یہ اس تصویر کا چرچہ ہے جو کلیات فارسی طبع دوم ۱۸۶۳ء میں بھیجی گئی۔ چرچہ بنانے والے نے ظیف سی تہریلی کردی لیکن بنیادی طور پر تصویر وہی ہے اور ناک نقشے میں کوئی فرق نہیں ہے۔



یہ تصویر سب سے پہلے نکلیات غالب طبع دوم میں لیٹھو سے چھپی تھی جو HAT ۱۱۳ میں طبع ہو
 تو کٹھور نے مرزا صاحب کی زندگی میں شائع کیا تھا۔ یہ تصویر اصلی ہے اور مرزا صاحب کی
 فکر سے گزر چکی ہے۔ اسی تصویر کا اعلان ۳۱۲ HAT کے "گورڈ انڈیا" میں شائع ہوا



رام چدر بھارت کے معروف فنکار طاہر ایم سید کا تخلیق کردہ غالب کا ایک خوبصورت نکل مجسمہ

[illegible]



دوران غالب ناری کا ایک نمونہ کتابت موصوفہ کتب کا نام اصل ہے لیکن بقول مالک رام یہ چنبل ہے جو غالب کا شاگرد اور ۲۰۰ قلم حاشیہ پر غالب کی تحریر ہے

سند غالب بنام ذکی معہ دستخط

سید احمد سادات فلک کے کہنی کا کشتہ میں اتفاق
 ہوا ہے کہ میں نیم چاند کا پہاڑ ہو مہیا بہرے
 غذا بالکل مفقود صرف گوشت کی پانی پر مدار ہے
 اوٹھنا دشوار اگر اوٹھوں تو ہر دن سر سے گرنے
 ۲ سید محمد زکریا خان نسب بن سید امیر زادہ عالی
 ۵ دامن انکی بزرگ فزارت کا منصب پا چکی ہیں
 جاگیر ایک تھی پھر عہد میں جاگیر نہیں مقرر ہو آئندہ
 یہ شخص ذات خود نیک اور صاحب علم اور متواضع
 اور دشمن اور نیک طبیعت اور رنگین طبع معنی
 طبیعت کو علاقہ اچھا ہے شعر کہتی ہیں اور خوب
 کہتی ہیں اس فرخ میں میر شاہ گوی رشید ہیں —
 اسد خان غالب

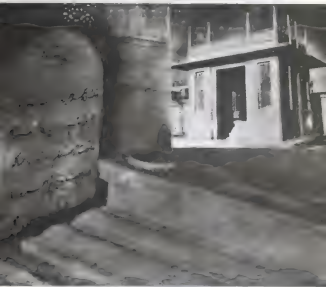




غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی کے میوزیم میں اسد اللہ خاں غالب اور چودھویں کے خواہصورت جیسے



مرزا اسد اللہ خاں غالب کی مہر



دارائے سخن مرزا اسد اللہ خان غالب کا دہلی میں مزار کا ایک منظر

پردہ اٹھنا ہے

ممتاز ماہر غالبیات، آنجمنی پر تقویٰ چند کی مایہ ناز کاوش ”جاگیر غالب“ ایک عرصہ سے نایاب تھی کہ لاہور میں ”جاگیر غالب“ شائع کر دی گئی۔ اب غالب دوست حیران پریشان ————— آنجمنی پر تقویٰ چند سے ہمدردی کریں یا ناشر کو مبارکباد دیں۔ چلئے چھوڑیے اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔ مگر —————

محترم پروفیسر لطیف الزمان خان نے ملتان سے ”جاگیر غالب“ کا اصل نسخہ بھجوا دیا۔ جو پاکستان میں پہلی بار ادارہ سورج شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر رہا ہے —————

————— پروفیسر صاحب بے حد شکریہ

جاگیر غالب، ڈاکٹر سید معین الرحمان اور پروفیسر لطیف الزمان خال

یک شنبہ ۱۶/ اکتوبر ۱۹۹۳ء

تصور صاحب کرم، ضمیمہ

اپنی بدلتی ہوئی پر پردہ ڈالنا، جرم میں شریک ہونے کے حروف ہے۔ آپ اسے پسند کرتے ہیں نہ ہیں۔ اسی لئے ”جاگیر غالب“ مرتبہ پر تقویٰ چندر کا ٹکس میں آپ کو گزشتہ شنبہ ۱۳/ اکتوبر کو روانہ کر چکا ہوں۔ کتاب کے بارے میں ”احوال واقعی“ درج کرتا ہوں۔ اصل کتاب میں تاخیر چنچ کے بعد ایک تصویر ہے جس میں پر تقویٰ چندر مرحوم ڈاکٹر حسین خاں صاحب کو مسودہ دکھا رہے ہیں۔ ڈاکٹر سید معین الرحمان نے اس تصویر کو اپنی مرتبہ کتاب ”جاگیر غالب“ میں شامل نہیں کیا ہے۔ شاید کسی اور موقع پر وہ قبیحی کا کام دکھائیں گے۔ پر تقویٰ چندر کے ساتھ یا ڈاکٹر حسین خاں صاحب کے ساتھ اپنی تصویر چکالیں گے ٹھیک اسی طرح جس طرح پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب کی تصویر کے ساتھ معین صاحب نے اپنی تصویر بنائی اور جدید اردو فزکس کے بیک پیج پر شائع کی ہے۔

”وہ صلو بھی معین الرحمان صاحب نے غالب کر دیا ہے جس پر کتاب کے نکلنے کے تین چار روز ہیں۔ اشاعت اول کی تعداد گیارہ سو ہے، کلکشی پر ٹھیک در کس“ دہلی میں شائع ہوئی ہے اور قیمت انیس روپے ہے۔

معین الرحمان صاحب نے مئی ۱۹۸۶ء کے ”پردہ کو دو لخت کر دیا ہے اور لاٹو لیک کی تصویر کو الگ شائع کیا ہے۔“

معین الرحمان اپنے مقدمہ کے ساتھ (تعارف انہوں نے نہیں پر تقویٰ چندر مرحوم نے لکھا ہے) جو کتاب مکتبہ کارواں پبلی کیشنز لاہور سے شائع کرائی ہے اس کے کواٹک یہ ہیں۔

جاگیر غالب

تعارف، مقدمہ

ڈاکٹر سید معین الرحمان

پہلی دہائی کوئی یہ کی گئی ہے کہ بحیثیت مرتبہ پر قہوی چند مرحوم کا نام نہیں دیا گیا ہے۔
دوسرا بحث یہ ہے کہ قادی کو دعو کا دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ لفظ "معارف" استعمال کیا گیا
ہے لیکن معارف مصمم الرحمان نے نہیں لکھا ہے۔ مقدمہ میں مصمم صاحب نے لکھا کہ
بحث یہ ہے اس کے بارے میں چند باتیں عرض کرتا ہوں۔
مصمم صاحب کہتے ہیں:

"جاگیر غالب" کے نام سے یہ کتاب غالب دوستوں کی غرض کی جا رہی ہے لیکن موجودہ اس
سے پہلے عام نہیں ہوئی۔"

یہ بات صحیح ہے کیونکہ حسب معمول اور حسب عادت مصمم صاحب نے اس کا طبع بگاڑ
دیا ہے اور بگڑی ہوئی شکل میں یہ کتاب پہلی بار شائع ہوئی ہے، لیکن اصل کتاب کب شائع
ہوئی، پر قہوی چند بتاتے ہیں نہ مصمم الرحمان۔ اندازہ ہے کہ یہ کتاب ۱۸۶۸ یا ۱۸۶۹ء میں غالب
صدی کے موقع و مناسبت سے شائع ہوئی ہوگی۔

مصمم الرحمان نے کتاب جمیل الدین مالی صاحب کے نام معنون کی ہے اور ایسا کرتے
ہوئے انہیں قطعی شرم نہیں آتی۔ کتاب مرحوم پر قہوی چند صاحب نے اپنے بیٹے وید پرکاش
کے نام معنون کی ہے۔ اس اقتساب کو مصمم الرحمان نے ص ۵۲ پر شائع کیا ہے۔

تادمہ ہے کہ جس شخص کے نام کتاب معنون کی جاتی ہے اس سے اجازت بھی لی جاتی
ہے۔ مالی صاحب نے اپنے ایک خط میں مجھے لکھا ہے کہ ان سے اجازت نہیں لی گئی۔ اس بے
حیائی اور ہندوستانی کو کیا کہنے کہ سید مصمم الرحمان (پروفیسر صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج
لاہور) نے پر قہوی چند کی کتاب کو اپنے نام سے شائع کر کے مرحوم کی روح کو تکلیف پہنچائی
اور اقتساب 'مالی صاحب' کے نام بغیر اجازت شائع کر کے جس طرف کا مظاہرہ کیا ہے وہ کسی طرح
دل آزادی سے کم نہیں ہے۔ کسی مرحوم کے نام کا ادارہ کے نام اقتساب ہو تو اور بات ہے جو
شخص حیات ہے اظہاراً کتاب معنون کرنے کے لئے اجازت ضروری سمجھی گئی ہے۔

جناب شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے ایک کتاب "حق جاگیر غالب" کا ذکر کیا ہے۔ مختلف
طریقوں سے مصمم صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے جیسے یہ کتاب شائع نہ ہوئی ہو۔
ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے ۱۰/ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو خود مجھ سے کہا کہ "حق جاگیر غالب" ان کے کتب
خانے میں موجود ہے۔ ڈاکٹر انصار اللہ (شعبہ اردو، ملی گزٹ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے
غالب دہلو گرانی میں "حق جاگیر غالب" کا ذکر کیا ہے تو یقیناً کتب انہوں نے دیکھی ہی ہوگی۔
مصمم صاحب کو اگر اعتدال تھا تو براہ راست ان سے معلوم کر سکتے تھے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کو مصمم صاحب نے "معروف غالب شناس" کا لقب دیا ہے۔

عقار صاحب نے علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۱۹۳۹ء اس وقت مرتب کیا تھا جب وہ شعبہ عربی میں طالب علم تھے۔ اسی نمبر کو احوال غالب اور نقد غالب کے نام سے انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ نے شائع کیا لیکن غالب پر عقار الدین احمد صاحب کا کوئی دقیقہ کام آج تک نظر سے نہیں گذرا۔ ان کی تو اس ایک ہی غلطی ہے کہ طبعاً "بے حد بخیل ہیں۔" مصین الرحمان صاحب اکثر غالب پر کتابیں حاصل کرنے کے لئے پاکستان ہی کے ضمیمہ عثمان کے ادیبوں کو بھی لکھتے رہتے ہیں ایک مرتبہ مصین صاحب نے عقار الدین صاحب کو "غالب معصوم" مرتبہ نور الدین آزاد کے لئے لکھا۔ اس خوبصورت کتاب کے عام ایڈیشن کی قیمت پانچ سو روپے اور ڈی کس ایڈیشن کی قیمت ایک ہزار روپے ہے۔ عقار الدین صاحب ایسا گراں نشو کیوں سمجھتے۔ انہوں نے مصین الرحمان کو اسی طرح بتایا جس طرح "حق جاگیر غالب" کے بارے میں بتایا مجھے اس کتاب کا علم نہیں۔۔۔" وغیرہ۔ یہ خوبصورت کتاب ڈاکٹر طاہر انصاری مرحوم کے دیباچہ کے ساتھ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ عام ضمیمہ ہے لہذا مصین الرحمان صاحب کو چاہئے کہ ترتیب نو "تعارف" مقدمہ کے ساتھ اپنے نام سے شائع کریں۔

چونکہ محمد اسماعیل پانی پتی، ڈاکٹر محمد انصار اللہ، نظیر، ڈاکٹر طیفیق انجم اور عقار الدین احمد کے علاوہ "مصین صاحب کو" "حق جاگیر غالب" کا تذکرہ نہیں ملا اس لئے اس کتاب کا وجود مشکوک ہے۔

"جاگیر غالب" مرتبہ پر تقوی چندر کے مطبوعہ نسخے ہندوستان اور پاکستان میں عام نہیں ہیں اس لئے مصین الرحمان صاحب کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ یہ تقوی چندر مرحوم کی کتاب کو اپنے نام سے شائع کر لیں۔ ہندوستان میں یہ کتاب ہر اس شخص کے پاس اور ادارے میں موجود ہے جو غالب کو عزیز رکھتے ہیں۔ پاکستان میں بھی ان حضرات کے پاس کتاب موجود ہے جو غالبیات پر کتابیں جمع کرتے ہیں۔ یہ نادر کتاب معدوم ہرگز نہیں ہے۔ میرے (خیر) غالبیات میں اس کے دو نسخے ہیں۔ پہلے نسخہ پر قیمت انیس روپے ہے اور دوسرے نسخہ پر کتب فروش نے اس رقم کو کٹ کر ساتھ روپے کر دیا ہے۔

غالب پر لکھی گئی درجنوں ایسی کتابیں ہیں جو عام نہیں ہیں بلکہ مصین الرحمان صاحب کو تو ان کے نام بھی معلوم نہیں ہیں تو کیا اس کے یہ سنی ہوں گے کہ سید صاحب اب سب کتابیں کو اپنے مقدمہ اور دو سوں کے تعارف کے ساتھ اپنے نام سے شائع کر لیں۔ کچھ اور کتابیں بھی عام نہیں ہیں۔

ماضی قریب میں صرف تین کتابوں کے نام لکھتا ہوں :-
۱۔ میر تقی میر، حیات اور شاعری از ڈاکٹر خواجہ احمد قادری (جولائی ۱۹۵۳ء)

۲: مرزا محمد رفیع سودا از ڈاکٹر خلیق انجم (جنوری ۱۹۳۱ء)

۳: مسکن، شخصیت اور فن از ڈاکٹر علیر احمد صدیقی (فروری ۱۹۷۶ء)

یہ کتابیں قطعاً ”عام“ نہیں ہیں۔ کیا معین الرحمان کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ ”ترتیب نو“ تعارف ”مقدمہ“ کے ساتھ اپنے نام سے شائع کر لیں۔

(سر) سید احمد غلام صاحب کی کتاب آثار الصلویہ کو تین جلدوں میں ڈاکٹر خلیق انجم نے ۱۹۹۰ء میں اردو انکروی دہلی سے شائع کرایا۔ یہ نہ عام ہے نہ عوامی تو کیا معین الرحمان اسے اپنے نام سے شائع کریں گے؟

ایک صاحب نے غالب کے خطوط سے جملے نکالے عبارت ”ترتیب دی اور اپنے دارا کے نام غالب سے خط لکھوا گئے۔ یہ جعل پکڑا گیا لیکن نام تو رہ گیا۔ مولانا آسی جیسا عالم غالب کے رنگ میں فزائیں کہ کر شرح لکھ گیا۔ آج تک یہ کتاب چھپ رہی ہے۔ چڑھے لکھے لوگوں کے علم میں ہے کہ یہ جعلی کام ہے لیکن نام تو رہ گیا۔ معین الرحمان صاحب بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ فحشی کا کام کریں ”دوسروں کی تقریریں اپنے نام سے شائع کریں غالب کے حوالے سے ان کا نام تو رہے گی۔

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا

مرحوم ڈاکٹر ملک حسن اختر بڑے محقق انسان تھے۔ جب وہ ”حیات غالب کا ایک باب“ پر کام کر رہے تھے ”انہیں معلوم ہوا کہ ایک صاحب غالب کے فائن کے کاغذات جمع کر رہے ہیں اور پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنا چاہتے ہیں۔ مرحوم جو کچھ حاصل کر سکے اسے کتاب کا حصہ بنا دیا لیکن مقالہ پی ایچ ڈی کا اب تک نہیں لکھا جاسکا ہے۔ میں نہیں کے ساتھ نہیں کہہ سکا کہ حسن اختر صاحب کو معلوم تھا یا نہیں کہ ”جاگیر غالب“ کا ایک نسخہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی لاہوری میں موجود ہے۔ وہ لاہور میں مقیم ہیں اور یہ بات ہر شخص کے علم میں ہے کہ جو کتاب ”غلاب پبلک لاہوری میں نہ ملے وہ وحید صاحب کے پاس مل جائے گی۔

حسن اختر رشید حسن غلام صاحب کو برصغیر کا موجودہ زمانے کا سب سے بڑا محقق طیال کرتے تھے میرا بھی یہی طیال ہے کہ آج غلام صاحب سے بڑا محقق نہیں ہے حقیق کا معاملہ ہو تو رشید حسن غلام صاحب کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی لیکن اگر کوئی صاحب یہ توقع کریں کہ وہ دہلی کے کتب فروشوں کے پاس تلاش جاگیر غالب کے لئے مارے مارے پھریں گے تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔

رشید حسن غلام صاحب بڑے عالم، بڑے شریف اور انتہائی سادہ انسان ہیں۔ معین الرحمان نے انہیں بھی دھوکا دیا۔ اپنی کتاب ”غلاب اور انقلاب ستادوں“ کو ۱۹۸۸ء میں غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی سے غلام صاحب ہی کی سفارش اور پیش لفظ کے ساتھ شائع کرایا۔ واضح

رہے کہ یہ کتاب رشید حسن خاں صاحب کی درخواست پر غالب انٹلی ٹیوٹ نے شائع کی تھی۔ جب میں نے رشید حسن خاں صاحب کو معین الرحمن کا اصل چہرہ دکھایا تو انہوں نے اپنا سر جھٹ لیا۔ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ بشرط زندگی اس پر آئندہ روشنی ڈالوں گا۔ یہ چند سطور اس لئے لکھی ہیں کہ معین الرحمن قاری پڑھنا تک نہیں جانتے چہ جائے کہ وہ مسجھو کا ترجمہ کریں۔

کہا گیا ہے کہ ”قانونی موٹگیالیاں“ تھیں۔ مرحوم پر قہوی چند نے اپنے دیباچہ (صفحہ ۹) پر واضح الفاظ میں لکھا ہے :-

”میں جناب کے سڈی بھادگو“ ڈائریکٹر اسے سائے تھڈی (سید اکبر علی تھڈی) کا منگھو ہوں جن کی نوازش سے میری رسائی جاگیر غالب سے متعلق ریکارڈ تک ہوئی ہے۔“ اگر ”قانونی موٹگیالیاں“ ہوتیں تو سید اکبر علی تھڈی ”نامہ ہائے قاری غالب“ کیوں کر مرتب کر پاتے۔ غالب کے قاری خطوط کا یہ ذخیرہ بھی تھڈی آریکوز آف انڈیا دہلی سے تھڈی صاحب تلاش کر کے نکالا اور شائع کیا ہے۔ اپریل ۱۹۵۴ء کے وسط میں ڈاکر بارغ جی دہلی میں تھڈی صاحب کے فلیٹ پر دسائی سال قبل نیاز حاصل کرنے گیا تاکہ نامہ ہائے قاری غالب کے ترجمہ کی اشاعت کی اجازت حاصل کروں۔ جاگیر غالب کے بارے میں بھی منگھو ہوئی۔ سید اکبر علی تھڈی صاحب نے مرحوم پر قہوی چند کی محنت کی داد دی اگر ”قانونی موٹگیالیاں“ ہوتیں تو وہ ذکر ضرور کرتے۔

آج بھی اکبر علی تھڈی صاحب سے حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے لیکن معین الرحمن ایسا کیوں کریں انہیں تو ہر صورت تاج اپنے ماتھے پر سہانا ہے۔ معین الرحمن بغیر کسی ثبوت کے دعویٰ کر رہے ہیں ”جاگیر غالب“ کے چھپے ہوئے سارے فرسے ضائع کرا دیئے (صفحہ ۲۲) دوسری طرح میں لکھتے ہیں :-

”ضائع کئے ہوئے کٹھنوں — کے ڈمیر سے ایک ایک کاغذ جن کو انہوں نے ”جاگیر غالب“ کی جگہ بدلوائی۔“

لورہ معین الرحمن کو بھجوا دی۔ کیا محبوب مرحوم کو ایسا ہوا ہو کہ ان کا بیٹا مر جائے گا لورہ وہ خود بھی ”سورگ باش“ ہو جائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ جب سارے فرسے ضائع کر دیئے گئے تو کٹھنات کیسے بچ گئے اور ڈمیر کو کیا تلاش کے لئے گھر میں سجا رکھا تھا۔ ایک جانب وہ پر قہوی چند اور ان کے بچے کی غلاست طبع اور معیار حسن کا ذکر کرتے ہیں اور دوسری جانب کٹھنات کے ڈمیر کا ذکر۔ کیا محبوب پر قہوی چند صاحب کو خیال آیا ہو کہ معین صاحب کا قاصد آئے گا تو وہ ”ڈمیر سے ایک ایک کاغذ جن کو“ ”جاگیر غالب“ کی جگہ بدلوا کر غالب کے وارث کو بھیج دیں گے۔

اس کو کہتے ہیں عالم آدمائی۔

ہر قصویٰ چندر صاحب نے اقتساب میں لکھا ہے "مجموعہ ہذا موصوفی کی محنت اور جدید فوٹو گرافی کا شاہکار ہے۔"

کیا کوئی شخص بخائی ہوش و حواس اپنے بیٹے کی "محنت اور جدید فوٹو گرافی" کے "شاہکار" کو ضائع کر سکتا ہے۔

اصل کتاب میں صفحہ ۲ پر لارڈ لیک کی تصویر کے ساتھ وہ "پروانہ" (صفحہ ۱۸۰۶ء) شائع ہوا ہے جو تمام خرائط کا باعث بنا۔ مبین صاحب نے لارڈ لیک کی تصویر کو الگ شائع کیا ہے اور "پروانہ" کو دو تخت کر دیا ہے۔

جب نصر اللہ لیک کا انتقال ہوا تو نہ ان کے بیٹے تھے نہ درجاء غالب ان کے بھائی مرزا یوسف نصر اللہ لیک کی والدہ اور تین بہنیں سی وارث تھیں۔ ان خواتین میں سے کوئی بھی لارڈ لیک کے پاس نہ جاسکتی تھیں۔ غالب کی عمر اس وقت صرف نو سال تھی۔ اس صورت حال سے خواجہ حانی نے قاعدہ اٹھایا اور احمد بخش خاں سے مل گیا۔

خواجہ حانی کو جاگیر سپرد کر کے احمد بخش خاں کا پتہ لگے۔ لارڈ لیک نے احمد بخش کی درخواست پر رپورٹ کلکتہ بھیجی تاکہ ایکٹنگ گورنر جنرل چارج بلارو دارلو سے رضامندی حاصل کرے۔ ۳۴ مئی ۱۸۵۶ء مطابق ۳ مئی ۱۸۵۶ء کو "پروانہ" جاری کیا گیا۔ بمشکل ایک ماہ گزرا ہو گا کہ ۷ جون ۱۸۵۶ء کو احمد بخش خاں نے لارڈ لیک سے ایک اور "پروانہ" حاصل کر لیا جس کی رو سے ملے پایا کہ جشن مندرجہ ذیل طریقے سے ملے گی۔

۲۰۰۰

خواجہ حانی

۱۵۰۰

نصر اللہ لیک کی والدہ اور بہنیں

۱۵۰۰

مرزا غالب اور مرزا یوسف

۵۰۰۰

جب غالب جوان ہوئے تو انھیں اندازہ ہوا کہ احمد بخش نے ان سے اور ان کے خاندان سے زیادتی کی ہے۔ خواجہ حانی تو خاندان کا فرد ہی نہیں تھا۔ غالب احمد بخش خاں کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے ہوئے جھجکتے تھے کیونکہ وہ مرزا آٹلی بخش کے پھوٹے بھائی تھے۔ احمد بخش خاں نے غالب کو یقین دلایا تھا کہ خواجہ حانی کے انتقال کے بعد جشن کی رقم اس کے درجاء کو نہ دی جائے گی۔ ۱۸۵۵ء میں خواجہ حانی کا انتقال ہو گیا اور رقم اس کے بیٹوں کو منتقل ہو گئی۔

یہ عقدہ آج تک حل نہیں ہو سکا کہ احمد بخش نے لارڈ لیک سے "پروانہ" کیسے حاصل کیا۔ سید اکبر علی قندری صاحب نے عامر ہائے قاری کا تعارف بے مثل لکھا ہے مگر ہے وہ انگریزی میں۔ مبین الرحمن صاحب انگریزی سے بھی باخبر ہیں ورنہ اب تک اس اہم کتب کو جو نہ معدوم ہے نہ عام، اب تک اپنے نام سے شائع کر چکے ہوتے۔

میرے ایک دوست غلام احمد صاحب نے بتایا ہے کہ اس سلسلہ کے کچھ کثافات ایڈیٹرز

میں پڑے ہوئے ہیں اور کچھ کافزات پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنے والے صاحب کے پاس ہیں۔ مطلب یہ کہ ابھی معین الرحمن صاحب کو گورنمنٹ کالج لاہور کا نام روشن کرنے کے اور مواقع ملیں گے۔

اکبر علی خاں، مرثی صاحب کے صاحبزادے نے تو اتنا ہی کیا کہ غالب سے اپنا نام نکھوا لیا۔ مگر یہ قہقہی کا کام بہت چھوٹا تھا۔ قہقہی کا جیسا بہترین کام معین الرحمن کرتے ہیں اس کی دوسری مثال آج کے دور میں نہیں ہے۔ معین صاحب نے جاگیر غالب کو سر کے بل کھڑا کر دیا۔ پرتوی چند مرحوم نے انگریزی کتاب کی مانند کلیاں جزوائی تھیں۔ معین صاحب نے اس کو "دائیں سے بائیں" کر دیا ہے اور ستم یہ کہ "کچھ نصیح" بھی کر دی ہے۔ جو شخص پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب مرحوم کی تحریروں کو اپنے نام سے شائع کر لے اور ان کی تحریروں میں "صحیح" بھی کر دے وہ کیا نہیں کر سکتا۔ رشید صاحب ہی کے الفاظ میں یہ "غزوہ لٹری کا بھونڈا اٹھارہ" اعلان ہے۔"

ایک ستم اور ملاحظہ کیجئے۔ معین صاحب نے صفحہ ۳ پر یہ اعلان کیا ہے "یہ کتاب 'غالب' (دقائق ۱۸۶۹ء) کی ایک سو پچیسویں برسی کی مناسبت سے شائع کی جا رہی ہے" جیسے کہہ رہے ہوں۔

آتش کھسی یہ تو نے غزل عاشقانہ کیا!

اپریل ۱۹۹۳ء کے تیسرے ہفتہ کی بات ہے اور ڈاکٹر محمد علی صدیقی دلی میں تھے۔ ذہن جدید کے ایڈیٹر ذہیر رضوی سے ملنے گئے وہاں ڈاکٹر حلیم خنی پہلے سے موجود تھے۔ ذہیر صاحب بتا رہے تھے کہ امروہہ کہنے کو تو قصبہ ہے لیکن بڑے باکمال لوگ وہاں پائے جاتے ہیں۔ آپ کو دو سو سال پرانا کافز چاہئے مل جائے گا اتنا ہی پرانا ونڈ رائٹنگ لکھنے والا مل جائے گا وغیرہ۔ میں نے عرض کیا اگر امروہہ میں ایسے باکمال لوگ نہ ہوتے تو وہ ان غالب بھٹ صاحب کیسے وجود میں آتے۔ لیکن اب کوئی صاحب یہ اٹھائیں کیا امروہہ میں کوئی سید معین الرحمن جیسا بزم پیدا ہوا ہے؟

بخدمت گرامی جناب حلیم احمد تصور صاحب

آپ کا مخلص
لطیف الزماں خاں

Can be had from:

1. Makhtaba Jania, Jania Nagar
New Delhi.
2. " " Urdu Bazar,
Delhi
3. Ved Mansoon, 72, Janpath
New Delhi

۱۔ مکتبہ جامعہ۔ پاسنگر نئی دہلی

۲۔ مکتبہ جامعہ۔ اردو بازار دہلی

۳۔ ۷۲ جمن پتھ۔ ویڈ منسون نئی دہلی

First Edition 1100

اشاعت پہلی بار ۱۱۰۰

Printed by:

Lahori Printing Works,
Delhi

مطبوعہ:

کشمکش پرنٹنگ ورکس۔ دہلی

Price Rs. 24.00 ۵۰

قیمت: اکیس روپے ۵۰

حیاتِ غالب کے اہم واقعات

- ۱۷۹۹ء ہمدرد میر، غالب کی پیدائش — سکاں محل آگرہ۔
- ۱۸۰۲ء غالب کے والد عبدالرشید گیک کا انتقال۔
- ۱۸۰۵ء نصر اللہ گیک خاں مرزا کے چچا کا انتقال۔
- ۱۸۱۰ء ارگنست، غالب کی شادی امراؤ بیگم و خیر نواب الہی بخش خاں معروت
- ۱۸۱۵ء عبدالصمد کا درووا آگرہ۔ جن کو مرزا غالب نے دو برس اپنے پاس رکھا اور علمی محافاتی و دو قافی زبان فارسی کے بہری طریق سے حاصل کئے۔
- ۱۸۲۰ء شکستہ کے لئے روانہ ہوئے بلوچستان۔ کھنڈر، بانہہ بنارس پٹنہ اور مرشد آباد۔
- ۱۸۲۱ء غالب کے شہر نواب الہی بخش خاں کا انتقال۔ غالب کے برادر خورد مرزا یوسف کی دیوانگی۔
- ۱۸۲۲ء مقدسہ پنشن وائر کر دیا اور مکنت میں ایٹ انڈیا کمپنی کے دربار میں شمولیت۔
- ۱۸۲۵ء ایفینٹ گورنمنٹ خاں مغربی صوبہ نے مقدسہ کا فیصلہ غالب کے خلاف صادر کر دیا۔
- ۱۸۲۷ء زمر، غالب نے غرضداشت پیش کی کہ انھوں نے پنشن ایٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹران کو ان کے سوا نہ کر کے جائیں۔
- ۱۸۲۸ء دلی کالج کی مدد سے انکار۔
- ۱۸۳۲ء برد و آفت ڈائریکٹران نے لندن میں اضافہ پنشن کے خلاف فیصلہ دیدیا۔
- ۱۸۳۵ء عارضہ اسیری اور مرزا اس کے بعد سولہ مہینے کی ریوٹ پر دہلی پہنچ گئی۔
- ۱۸۳۷ء مولوی بہادر شاہ ظفر کی مدد سے، چچاں و دیگر ماہانہ نخواستہ بارہ سو نو سو سلیسہ تیرہ سو۔
- ۱۸۴۰ء شاعری میں مرزا تقی علی بہادر شاہ ظفر کے استاد اور پھر بہادر شاہ ظفر سلطان کے استاد اور نواب دہلی کی طرف سے پانچ سو روپیہ سالانہ بطور وظیفہ۔
- ۱۸۵۰ء خدیر خضر سلطان کو پٹنہ لے گئے ان کا نشانہ بنادیا۔ بہادر شاہ ظفر سے بیعت کا الزام اور سزوی، ہمدرد خورد مرزا یوسف کا انتقال۔
- ۱۸۵۱ء نواب یوسف علی خاں دہلی دہسیر کے شاعری میں استاد۔
- ۱۸۵۲ء نواب رام پور کے سورجیہ اہل وظیفہ مقرر کیا۔
- ۱۸۵۳ء رام پور کا پہلا سطر۔ اوسکی میں پنشن کا دوبارہ اجراء مع سابقہ بقایا۔
- ۱۸۵۴ء بدایہ انگریزی میں منقاس، خلعت و اعزاز کی بھائی۔
- ۱۸۵۵ء غالب کا درووا سفر رام پور اور نواب علی خاں کے جتنی آجپہر میں شرکت۔
- ۱۸۵۶ء چارویں کی ابتدا، انجلاہ اور سامنت میں کمزوری۔
- ۱۸۵۷ء خدیر خدیر، انتقال غالب و درووا خدیر علی خاں بخش خاں تحریک نظام الدین اولیاء دہلی و دہلی۔
- ۱۸۵۸ء قزوینی، غالب کی بیہ مرزا بیگم کا انتقال۔

CHRONOLOGY OF EVENTS IN GHALIB'S LIFE

- Dec. 1797 : (8 Rajab 1212 A.H.) - Birth at Kalan Mahal, Agra.
 1802 : Father (Abdullah Beg) died;
 1806 : Uncle (Nasrullah Beg) died;
 vy. 1810 : Married Umrao Begum daughter of Nawab Elahi Bux Khan Maroof.
 1811 : (1226 A.H.) Humayun (Abdus Samad) arrived in Agra to whom Ghalib went with him for two years and got mastery over Persian language.
 1826 : Left Delhi for Calcutta via Lahore, Kanpur, Lucknow, Banda and Murshidabad. Ghalib's father-in-law died - Ghalib's brother Yusuf became mad.
 1828 : In Calcutta, Ghalib filed a suit for restoration of full pension and was given a place in the Durbars of East India Company.
 1836 : Lt. Governor of the North West Province decided that Ghalib could get only Rs. 750 as pension - Appeal rejected.
 1836 : Ghalib applied pension papers should be sent to the Board of Directors, East India Co. at London.
 1840 : Ghalib refused a job in Delhi College.
 1842 : Board of Directors at London decided against increase in Ghalib's pension.
 1847 : Ghalib arrested, sentenced, imprisoned, released after the report of Civil Surgeon.
 1850 : Became an employee of Bahadur Shah Zafar at Rs. 50 per month to write the history of the Taimur Dynasty.
 1854 : Became poetic tutor to Bahadur Shah Zafar's heir-apparent Mirza Farrukh, then to Bahadur Shah Zafar himself and to his son, Prince Khizr Sultan. Ghalib was granted Rs. 500 per year as stipend by Nawab Najid Ali Shah.
 1857 : The Revolt; Khizr Sultan was shot dead by Hudson, Zafar impeached and dethroned; Ghalib's brother Mirza Yusuf died; Ghalib became poetic tutor of Nawab of Rampur.
 1859 : Nawab of Rampur granted a stipend of Rs. 100 per month.
 1860 : Ghalib's first trip to Rampur, May 1860; pension restored by the English with all arrears.
 1863 : Place in English Durbars and Nobes of Honour resumed.
 1865 : Second trip to Rampur to attend Coronation of Kalbe Ali Khan -.
 1866 : Started ailing; sight and hearing began to fail.
 1869 : 15th Feb. Ghalib died - Buried at Nizamuddin near the grave of Nawab Elahi Bux Khan.
 1870 : 4th Feb. Umrao Begum, Ghalib's wife died.

Fort William
Foreign Dept.
17th December, 1856

No. 6147
Office Memorandum

Recd. a letter from Assudvolla Khan,
dated 8th Instant, with its enclosures:

Ordered that the despatch from Sir
Geo. Clerk received with the above
letter be returned to Assudvolla
Khan with an intimation that the
Hon'ble the Court of Directors
have not as yet replied to the
despatch forwarding his Memorial
to the address of H. M. the Queen
and that when a reply is received,
it will be communicated to him.

Secretary

دفتری یادداشت نمبر ۶۱۴۷

فکروں میں فکروں کا مورخہ

۱۷ دسمبر ۱۸۵۶ء

اسد اللہ خان کا مرسلہ مورخہ ۸ ماہ مال بعد ہر ششہ کا خدات موصول ہوا۔ حکم دیا گیا کہ
سر جان کلارک کا مرسلہ منگورہ خط کے ساتھ ملا سنا اور اسد اللہ خان کو دلیں بھیج دیا جائے اور
الملاح دی جائے کہ اس مرسلہ کا جواب جس کے ہمراہ ایک یادداشت بخطاب ملے نظر ارسال کی گئی تھی
ابھی تک وزارت ڈائرکٹریاں سے موصول نہیں ہوا ہے۔ چل ہی کوئی جواب آیا اس رسالہ کو الملاح
دی جائے گی۔

سیکرٹری

نورث لیس

For F. Williams
Foreign Dept
17 December 1887

1. π^2

No. 6747
A. L. C. - Birmingham

Each letter was marked
with initials, E. G. T. and
with the number.

Extend that the duties of a
to be left unaided with the
the household. I mean
a. When, with an intention
that the House of Commons should be
some such as yet, yet with better
troubled, according as I have
with the address of the House
of Commons - and that there is a
in the world, and that the
of the House of Commons.

Leave to submit it for your Lordship's perusal,
and to solicit respectfully according to the
Directions contained therein, intimation on
the subject.

And your Lordship
Memorialist will
remain duty bound
ever pray

Delhi
the 8th December
1856

سائل جناب والا کی خدمت میں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہے اور نہایت غرضیادوں
سے ملتی ہے کہ مسالہ کے مشقن جو کہ ہدایت برقی ہوا اس سے مطلق فرمایا جائے۔

دادرس ہمیشہ پابند فرض رہا گو
رہے گا۔

دہلی
۸ دسمبر ۱۸۵۶ء

Have to submit it for Your Lordship's
approval, & to which respectfully re-
-cursing to the decision contained
therein, submission on that subject.

Delhi
The 8th
Decemr
1856.

To
The
Honble
Secy to Govt
of India
Calcutta

My dear Sir:-

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 2nd inst. in relation to the above subject.

I am, Sir, very respectfully,
Yours truly,
J. D. B. S.

To,

The Right Honourable
Charles John Viscount Canning
Governor General of India
in Council,
Fort William.

The Hon'ble Memorial of Asudovlla Khan,
Nephew of Nussuravlla Beg Khan, the late
Jagheerdar of Sonk Sonso

Most humbly Sheweth:

That in conformity with the direction contained in the Letter from T.N. Redington Esquire, Memorialist had the honor to submit to your Lordship his Petition addressed to Her Majesty the Queen, for transmission to England. In reply to which, Memorialist may be informed through a Letter from G.F. Edmonstone Esquire, Secretary to the Government of India (dated 19th May 1856) that Memorialists Papers were forwarded to England on the 17th May 1856.

On the 11th August Memorialist had the honor to submit another application addressed to T.N. Redington Esqr., stating simply that occurring to instructions received from him, Memorialist had submitted his Papers through the Government of India, and had received intimation that they were forwarded.

Having received a Letter now from Sir George Clerk, Memorialist begs

خدمت جناب عزت آپ پارلیمانی رکنان کیلئے گورنر جنرل ہندوستان کو نقل قلم و لیم

عاجز و ادوار داشت منجناب اصلاحات کے بارے میں درخواست کی گئی تھی اس کے جواب میں

منہایت خاکساری سے عرض ہے

کہ جناب فی این ریڈنگٹن صاحب مہار کے کتب میں درج شدہ جہیز کے مطابق ندوی نے جناب والا کی خدمت میں ایک عرضداشت بخطاب مکمل منظر اس عرض سے پیش کی تھی کہ اس کو انگلستان روانہ فرما دیا جائے۔ اس کے جواب میں جناب جی۔ ایف۔ ایڈمنسٹن سکریٹری حکومت ہند نے اپنے کتب مورخہ ایسی مشق کے ذریعہ سائن کو اطلاع دی کہ اس کے کاغذات و دستخطات کی انگلستان روانہ کر دئے گئے ہیں۔

مورخہ اصلاحات کو سائن نے ایک دوسری درخواست جناب فی۔ این ریڈنگٹن صاحب کی خدمت میں پیش کی تھی۔ جس میں مذکور تھا کہ سائن نے مورخہ کے جہیز کے مطابق اپنے کاغذات حکومت ہند کی خدمت میں پیش کر دیئے تھے۔ اصلاحاتی تھی کہ ان کاغذات کو انگلستان روانہ کر دیئے گئے۔ اب مراد یہ کہ اس کاغذات کو وصول کر لیں۔

No. 1 The Right Honourable

Charles John Stansfeld, M.P.
 Secretary to the
 Government of India
 in Council
 Fort St. George

My dear Sir,
 I have the honour to acknowledge the receipt of your letter of the 11th inst. in relation to the late Government of South India.

Very respectfully,
 Yours,
 C. J. Stansfeld.

I had in conformity with the instructions of the Government of India, forwarded to the Secretary to the Government of India, a copy of the letter of the 11th inst. in relation to the late Government of South India. I have also forwarded to the Secretary to the Government of India, a copy of the letter of the 11th inst. in relation to the late Government of South India. I have also forwarded to the Secretary to the Government of India, a copy of the letter of the 11th inst. in relation to the late Government of South India.

On the 11th inst. I received from the Secretary to the Government of India, a copy of the letter of the 11th inst. in relation to the late Government of South India. I have also forwarded to the Secretary to the Government of India, a copy of the letter of the 11th inst. in relation to the late Government of South India. I have also forwarded to the Secretary to the Government of India, a copy of the letter of the 11th inst. in relation to the late Government of South India.

Having received a letter from Sir George Clerk, Secretary to the Government of India, in relation to the late Government of South India, I have forwarded to the Secretary to the Government of India, a copy of the letter of the 11th inst. in relation to the late Government of South India.

To,

G. F. Edmonstone Esquire,
Secretary to the Government of
India in Council,
Fort William.

Respected Sir,

In submitting the enclosed Memorial together with its enclosure, I have the honor to solicit respectfully, your laying the same, for the consideration of His Lordship's and kindly obtaining for me the solicited intimation.

I have the honor to be
Respected Sir,
Your most obedient and
humble servant.

Delhy
the 6th December
1856

Sd/ Asadullah Khan
Nephew of Mussurghul Khan
Khan, the Late Siyarwan
of Jank Sansah

خدمت جناب جی۔ ایف۔ اے۔ منشی صاحب بہادر

سکرٹری مکرمست ہندو کوئل فریٹ ولیم

جناب عالی

میرزا باخاناس ہے کہ ہم رشتہ یارداشت بہرہ منسلکہ کاغذات ارسال کرنا میرے لئے باعث عزت ہے۔ بلکہ کرم اس کو عالی جناب کی خدمت میں ملنے التفات پیش فرمادی اور مسائل کو مطلع فرمائیں۔

انتہائی تاحیدہ آپ کا خادم

دستخط اسد اللہ خان بھتیجہ نصر اللہ بیگ خان

دلی

سابقہ ناگیر دار سرنگ دوسرے

مورخہ روسیہ شہزادہ

۱۰۱

۵

۲۰

J. P. Brown Esq.
Secretary to the Government of
India in Council
Rathburi

Respectable,

I am writing to you in the
most respectful manner. I have the
honour to acknowledge the receipt of
your letter of the 10th inst.,
and in reply to inform you that
it has been forwarded to the
proper authorities for their consideration.

I am, Sir, very respectfully,

Yours faithfully,
J. P. Brown
1854.

I have the honour to
acknowledge the receipt of
your letter of the 10th inst.,
and in reply to inform you that
it has been forwarded to the
proper authorities for their consideration.

I am, Sir, very respectfully,

For William
Foreign Department
9th November 1844

To
Assudoolah Khan

Sir,

I have received and laid
before the Governor
General in Council your
letter of the 23rd ultimo
with its enclosed Petition,
and am directed to inform
you in reply that, no an-
swer has as yet been re-
ceived from the Hon'ble the
Court of Directors on the
subject of your claim to
an increase of pension,
but that, a copy of your
present petition will be
forwarded to that authority.

I am etc.,

Sd/

از محکمہ امور خارجہ تعلقہ ولیمہ ۹ نومبر ۱۸۴۴ء

بخدمت اسد اللہ خاں

جناب عالی

آپ کا خط مورخہ ۲۳ آگست ۱۸۴۴ء بمقام محکمہ امور خارجہ وصول ہوا اور نہ بھٹو رگوریز جنرل
بکونسل پیش کر دیا گیا تھا۔ مجھے سے کہا گیا ہے کہ اس کے جواب میں آپ کو اطلاع دیں کہ ابھی تک آپ کی
پیشن میں اضافہ کی بابت عدالت ڈائریکٹران سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تاہم آپ کی موجودہ درخواست
کی ایک نقل محکمہ امور خارجہ کو بھیج دی جائے گی۔

میں بہت دلچسپی سے

دیکھتا

[Faint handwritten notes, possibly bleed-through from the reverse side.]

I have received, and had before the 11th instant your letter of the 23^d ultimo with its enclosed Petition, and am directed to inform you in reply that, no answer has as yet been received from the Honble. Secy of the Board on the subject of your claim to an increase of pay but that a copy of your present petition will be forwarded to the Honble Secy.

— 22 —



made acquainted with such orders as may have been received in his case.

And your Lordship's
Petitioner will as in duty
bound ever pray.

Dehlee

the 23rd October
1844

اس کو مطلع کیا جائے ان احکام سے جو اس کے مقدمہ سے متعلق مرصوم ہوئے ہوں۔
آپ کا یہ دادخواہ ہمیشہ پابند و عاگور رہے گا۔

درستخط

دہلی
۲۳ اکتوبر ۱۲۶۳ھ

may have been revised in the
 1920's.

And your beautiful
 Persian poetry
 the only one I have
 of the kind
 I have kept it for a long time
 and I have not yet given it to anyone

Directors to be dealt with Hon'ble Court may think fit on the 26th of January that Petitioner addressed a Petition to the Government soliciting to know the result of his humble prayers contained in the Petition forwarded to England. In reply thereto, your Lordship's Petitioner was informed through a letter from the Secretary to the Government that no answer until then was received from the Home authorities.

As more than 2 years however have elapsed now since the dispatch of the memorial to Europe. Petitioner has the honor to solicit information on the subject of his Claims, and implores humbly to be

ڈیڑ کروڑوں کو روپے چندی کو روپے مناسب اور دانی حضور کے اس داد خواہ نے ایک درخواست حکومت کو کی جس پر غلوس اسسٹنڈنٹ ڈاکٹر گئی تھی کہ اس کو اس درخواست کے نتیجے سے اسکا کیا جائے جو انگلستان کو روانہ کی گئی تھی اس کے جواب میں حکومت کے سیکرٹری کی جانب سے ایک خط کے ذریعہ اطلاع دی گئی کہ اس وقت تک حکام وطن رانگلستان کی طرف سے کوئی جواب بوسوں نہیں ہوا۔ اس درخواست کو یورپ روانہ کئے ہوئے دو سال کا عرصہ گزر چکا ہے یہ داد خواہ بڑے غلوس سے اپنے حقوق کے متعلق مطلع ہونا چاہتا ہے اور انتہائی عاجزی سے ۔

Secretary, to be dealt with with
Honourable, that may still do.

On the 23rd of January 1881,
Mr. Pittman presented a petition to the
Government, relating to the
Grant of the British Provinces
in the petition, forwarded to B. G.
Pittman to reply that, your letter
of 18th Pittman was forwarded. The
Letter from the day to the fact;
the law answer sent to them was
received from the House of Commons
- five -

who more than 2 years have
been. Since 1878, we have the
disposal of his personal, to the
petitioner has the house of commons
information on the subject of his
(Pittman, I suppose, having been
280

To,

Lieutenant General.

The Right Honorable

Lord Sir Henry Hardinge Bart

G. C. B. Etc. Etc. Etc.

Governor General of India,
Fort William

The Humble petition of Assudoullah Khan

Most respectfully Sheweth :

That your Lordship's Petitioner had the honor to submit to your Lordship's predecessor on the 29th July 1842, a Memorial of his claims, for transmission to His most Gracious Majesty the Queen of England and it was intimated to Petitioner on the 5th August through a Letter from Sir T. H. Maddock, then Secy to the Government of India that the memorial in question was forwarded to the Hon'ble Court of

بخدمت لائینٹ جنرل والی جناب لارڈ سر ہنری ہارڈنگ برٹش۔ جی۔ سی۔ بی۔ ایف۔ ڈی۔ ویرو دیو
گورنر جنرل ہندوستان تشریف

اسد اللہ خاں کی عاجزانہ درخواست

نہایت مؤثر یادگذازش ہے کہ حضور کے اس دادخواہ نے آپ کے پیش کردہ کی خدمت میں،
۲۹ جولائی ۱۸۴۲ء کو اپنے حقوق کے بارے میں ایک یادداشت کریم انفس مکہ معظمہ کو انجکستان
ارسال کرنے کے لئے پیش کی تھی۔ اس کے متعلق ۵ اگست کو مشرفی۔ ایچ میڈوک نے جو اس
وقت حکومت ہندوستان کے سکرٹری تھے۔ ایک خط کے ذریعے وارڈنس کو مطلع کیا کہ ریکارڈ
یادداشت رداد کر دی گئی تھی غرضت آپ عدالت

1. *Ant. and Grunt*

The Right Honourable
Lord Cairn, Secretary, Privy Council
of Scotland, Edinburgh
Glasgow - 4th June 1874

Paul Wilson

The American people of the United States

And the princely B. is all -

Put your Love to the Test.

And the house transmitted to your Lordships
 a copy on the 29th July 1842, a memorial
 of his Highness, for transmission to the most
 Gracious Majesty the Queen of England:
 and there intimated to Parliament on the
 5th August there a letter from Sir T. M.
 Mackintosh, then Secy to the Government
 of India, that the memorial in question
 was forwarded to the Hon^{ble} Board of
 Directors

To,

J. Currie Esquire,
Secretary to the Govt.
of India, Etc., Etc., Etc.,
Fort William

Respected Sir,

I have the honor to submit the favor of your having the enclosed Memorial before the Right Hon'ble the Governor General of India, and to acquaint me, with your usual kindness with such orders as may be passed thereupon and for this act of kindness, I shall feel highly grateful to you.

I have the honor to be
Sir,

Dehlee
the 25th Oct.,
1844

Your most obedient and
humble servant,
Sd/ Asad Oollah Khan

خدمت جناب سے کیوری سکریٹری حکومت ہندوستان قلعہ ولیم

جناب عالی

میرے لئے آپ سے یہ عرض کرنا باعث عزت ہے کہ منسلک یادداشت
آپ بحضور گورنر جنرل ہندوستان پیش کر دیں اور جب کہ آپ پیشہ مہربانی فرماتے
رہے ہیں ان احکام سے جو اس پر صادر ہوں مجھے آئینہ کرائیں۔ میں اس کام کہیتے
آپ کا بڑا شکر گزار ہوں۔

میں ہوں آپ کا انتہائی

تاجدار عاجز خادم

دستخط اسد اللہ خان

دہلی ۲۵ اکتوبر ۱۸۴۴ء

My dear Sir,

Thanking you for
of the 10th inst.
and return.

Dear Sir,

I have the honor to acknowledge
the favor of your letter of the 10th inst.
and to inform you that the Right Honorable
Member of Council of India, and the Government
are, with you, much surprised, with
such orders as may be proper thereon.
and for this act of kindness, I am, Sir, highly
grateful to you.

I have the honor to
acknowledge the
favor of your letter of the 10th inst.
and to inform you that the Right Honorable
Member of Council of India, and the Government
are, with you, much surprised, with
such orders as may be proper thereon.
and for this act of kindness, I am, Sir, highly
grateful to you.

Yours faithfully,
The Secretary to the Government of India

Extract of a letter from the Honorable the
Court of Directors No. 30 dated 4th October 1843.

Answer to Pol. Dept. from G. G. dt. 12th August
No. 10 - 1842

Transmitting Memorial from Asudvallah Khan to H. Majesty praying for an increase of his pension.	' ' ' ' ' '	106. This Memorial has been forwarded to the Commissioner for the Affairs of India.
--	----------------------------	--

مرزا آب کوٹا آنداز کمران کے خط کا اقتباس
ہے

مورخہ ۴ اکتوبر ۱۲۶۴ء

محکمہ امور سیاست - جواب پنجاب گورنر جنرل مورخہ ۲۷ اگست ۱۲۶۴ء

یادداشت اسد اللغات

رواگی علیا حضرت مکر مکر کو

برائے ترمانہ امتداد پیش

یہ یادداشت گھر

برائے امور ہندوستان

کرواد کر دیا ہے

Abstract of a letter from the Honorable Member
of Directors No. 10 dated 4th October 1862

Answer to No. 10 p. 47. 12 August. 1862

Transmitting Memorial No. 10. This Memorial
from Miraballah Khan has been forwarded to the
to H. H. by paying Commissioners for the affairs
for an increase of his salary.
Enclosure.

Copy /

No. 233

From : F. Currie Esquire,
Secy to the Government of India
with the Governor General

To

Asaf-ud-Dah Khan
Muziri Camp Dera 5th February 1844

Foreign Dept.

Sir,

I have received your letter of the 25th Ultimo,
with its enclosed Petition to the Governor General
and am directed in reply to inform you that no answer
has yet been received from the Home Authorities.

I am etc.
Signed / F. Currie
Secy to the Govt. of India
with the Governor General

I have Copy /
Signed / F. Currie
Secy to the Govt. of India
with the Governor General

معلقہ

۲۳۲

از جناب ایف۔ کیوری صاحب سکریٹری حکومت ہندوستان گورنر جنرل
خدمت اساتذہ عالیہ کیمپ اور اس کے مورخہ راجپوتی سکھتہ

جناب عالی

آپ کا خط مورخہ ۲۵۔ لاگہ شدہ بمباریک درخواست، جام گورنر، لوصول ہوا۔
مجھے سے کہا گیا ہے کہ اس کے جواب میں آپ کو مطلع کروں۔ میں اس حکام وطن (انگلستان)
کے کوئی جواب موصول نہیں ہوا ہے۔

دستخط ایف۔ کیوری

سیکریٹری حکومت ہندوستان، دہلی گورنر جنرل

کیمپ ۲ فروری ۱۸۴۴ء

(نقل مطابق اصل) 289 دستخط ایف۔ کیوری، سیکریٹری حکومت ہند

1. Copy 1

1. Copy 1
 To the
 at British Consulate

at the port of India
 with the Government
 To

Agadallah H. Lewis

(Date Camp near 5th February 1866)

Foreign Dept Sir

I have received your letter of the
 25th ultimo with its enclosed petition to the
 Governor General and am directed to inform
 you that no answer has yet been
 received from the same authorities.

Enclosed herewith
 The 5th Feb: 1866

Yours faithfully
 Agadallah H. Lewis

at the port of India
 with the Government

(True Copy)

Agadallah H. Lewis

at the port of India
 with the Government

1 Copy /

No. 630

From: The Secy. to the Govt. of India,
with the Governor General

To : Asadullah Khan
Dt. Allahabad 5th August, 1842

Sir,

The Governor General directs me to inform you that the Memorial forwarded in your letter of the 29th July will be transmitted to the Hon'ble Court of Directors by the present mail to be dealt with as the Hon'ble Court may think fit.

I am etc.

(Signed) F. H. Maddock
Secy. to the Govt. of India
with the Governor General

Allahabad

5th August 1842

منقول

مستند

از مسکری حکومت ہندوستان گورنر جنرل
بخدمت اسد اللہ خان الہ آباد مورخہ ۵ اگست ۱۸۴۲ء

جناباں

جناب گورنر جنرل کی ہدایت کے مطابق آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ آپ کی یادداشت جو آپ نے اپنے خط مورخہ ۲۹ جولائی کے ساتھ بھیجی تھی وہ مورخہ ۵ اگست کو اب عدالت ڈائریکٹران کو بھیج دی جائے گی تاکہ وہ جیسی کارروائی مناسب سمجھے کرے۔
الہ آباد ۵ اگست ۱۸۴۲ء

میں ہوں وغیرہ وغیرہ

دستخط۔ ایف۔ ایچ۔ میڈوک

مسکری گورنمنٹ ہندوستان گورنر جنرل

Lordship's Petitioner does not know the result of his humble prayer - he is therefore now labouring under great anxieties and he has the honour to implore humbly that he may be made acquainted with such orders which may have been received by your Lordship from Europe.

And your Lordship's Petitioner
will at duty bound, ever
pasy

Dahly
the 25th Jan. 1844

اور حضور کے اس دادخواہ کو اس کی التجا کے متعلق کوئی علم نہیں۔ اس وجہ سے ایک
انتظار ہے۔ لہذا مہنایت عاجزی سے التجا کرتا ہے کہ اُن احکام سے اسے مطلع کیا جائے جو
جناب کو روپ سے موصول ہوتے ہوں۔
آپ کا دادخواہ آپ کے لئے دعا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

دہلی

آپ کا دادخواہ ہمیشہ پابندِ فرض
رعابہ بھلا۔

۲۵ جنوری ۱۸۴۴ء

Gracious Majesty the Queen of England:

That your Lordship's Petitioner was favoured then with a reply from Mr. Secretary G. H. Maddock under date the 5th of August (a copy of which Petitioner begs leave to annex humbly) signifying that your Lordship was pleased to order that the memorial in question be forwarded to England: Petitioner presumes humbly that his papers must have been sent off either by the end of August, or commencement of September 1842. But this being the 18th month, Your

عالیٰ کرامت کے انگلستان پریش کی تھی۔ جناب کے اس دادخواہ کو اس کے جواب میں سکریٹری جے۔ ایچ۔ میڈوک کا ایک خط مورخہ دو اگست ۱۸۴۲ء میں کی نقل اس کے ساتھ ضام کرنے کی اجازت چاہتا ہوں، موصصل ہوا جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ حضور صاحب نے بحالہ گزارش یہ حکم فرمایا کہ زینت بخت یادداشت انگلستان روانہ کروں جائے اس لئے یہ دادخواہ عاجزانہ طور پر خیال کرتا ہے کہ اس کے کاغذات اگست کے آخر میں یا ستمبر کے شروع میں بھیج دئے گئے ہوں گے۔ لیکن اب یہ اشعار ہوائی مہینہ ہے۔

To :

The Right Honorable,
Edward Lord Ellenborough,
Etc., Etc., Etc.,
Governor General of India

The very humble Petition of Asadullah Khan

Most respectfully Sheweth :

That on your Lordship's visiting Allahabad in 1842, Your humble Petitioner was informed on making enquiries, that the Hon'ble the Court of Directors had confirmed the decision passed in his case by the Government of India. Petitioner then appealed from their award and submitted a Memorial for transmission to Her Most

بخدمت عزت آپ ایڈورڈ لارڈ الین بورو۔ وغیرہ وغیرہ

گورنر جنرل، ہندوستان

اسد اللہ خاں کی عاجزانہ درخواست

منابت ادب سے عرض ہے کہ لارڈ صاحب نے جس میں جب الہ آباد تشریف لائے تھے تو اس عاجزانہ درخواست کے دریافت کرنے پر اُس کو بتایا گیا تھا کہ عزت آپ عدالت ٹرانسگارٹ نے اس کے مقدمے کا فیصلہ جو حکومت ہندوستان نے کیا تھا تسلیم کر لیا ہے۔ جب درخواست نے اُن کے فیصلے کے خلاف اپیل کی تو اورد ایک بارداشت بغیر ارسالِ خدمت

The Right Honorable
Governor of the Punjab

Lahore

My dear Sir,
I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 10th inst. in relation to the proposed amendment of the Punjab Land Revenue Act, 1862.

I have the honor to inform you that the same has been forwarded to the Secretary to the Government of India, for their consideration. I have also the honor to inform you that the same has been forwarded to the Secretary to the Government of the Punjab, for their consideration. I have the honor to inform you that the same has been forwarded to the Secretary to the Government of the Punjab, for their consideration. I have the honor to inform you that the same has been forwarded to the Secretary to the Government of the Punjab, for their consideration.

I have the honor to be

Sir,

Your most obedient

Servant

Sd/ Asadullah Khan

Dehlee

the 25th Jan. 1844

میں ہوں آپ کا وغیرہ وغیرہ -

میں ہوں جناب کا انتہائی مخلص خادم

درست

اسد اللہ خان

دہلی

۲۵ جنوری ۱۸۴۴ء

To :

Carrie Esquire,
Secretary to the Govt. of India

Sir,

I have the honor to solicit respectfully that you will have the kindness to lay the enclosed Petition for the liberal and humane consideration of the Right Hon'ble the Governor General of India.

I hope from your high, and your eminent character, that I will experience the same kindness from you, as was always shown to me by your Predecessors. Viz. Messrs G. Swinton, Prinsep, Sterling W. H. Macnaughton and F. H. Maddock etc.

خدمت کیورٹ صاحب
سیکرٹری حکومت ہند

جناب عالی

میں نہایت ادب سے اس بات کا منتفی ہوں کہ آپ براؤن میری شکستہ خواست
عزت مآب گورنر جنرل ہندوستان کی خدمت میں اُن کی فیاضانہ اور ہمدردانہ توجہ
کے لئے پیش کر رہا ہوں۔

آپ کے اعلیٰ اور ممتاز قدر سے مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھ پر اسی
طرح نوازش کریں گے جس طرح آپ کے پیش رو کرتے رہے ہیں۔ مثلاً جی، سونمن،
پرنسپ، اسٹرنگ، ڈبلیو، ایچ، میکنٹوشن، لارڈ لین، راج، ڈیوڈ صاحبان رفیو وغیرہ۔

[illegible]

I had the honor to receive
your letter of the 10th inst. and
in reply to inform you that the
same has been forwarded to the
proper authorities for their
consideration. I am, Sir,
Very respectfully,
Your obedient servant,
J. M. Smith

[illegible]

To,

Edwards Esqr.,
Secretary to the Govt. of India

Sir,

The kindness and compliance I had the honor to experience favor your Honor when I took the liberty of waiting on you in Delhi is deeply impressed upon my mind. I now beg leave to address these lines to you for the purpose of enquiring after your Health and which I hope sincerely, you respectfully enjoy.

A reply to this letting me know how you continue, will be deemed as a great favor and honor to me. I have by this date addressed a Petition to His Lordship in my case.

I have the honor to be
with
Respect, Sir, Your most
obedient & very humble
Servant,

Dellee

the 25th Jany. 1844

Sd/ Asad Oullah Khan

خدمت جناب ایڈمس صاحب

سکرٹری حکومت ہندوستان

جناب عالی

دہلی میں جب میں نے آپ کے حضور میں آنے کی جاسمت کی تھی تو اس وقت ہرزادش
وکریم آپ نے مجھ پر فرمائے تھے ان کا ایک گہرا نقش میرے ذہن پر پڑا۔ مجھے اجازت
دیکھ کر کہ ان چند سطحوں میں آپ کی صحبت کے بارے میں دریافت کروں جس کے متعلق
مجھے غلط فہمی ہے کہ وہ پُر لطف ہوگی۔ اس کے جواب میں اگر آپ نے خود مجھے آگاہ
فرمایا تو مجھ پر بھی اکرم چچا اور عورت افزائی ہوگی، میں نے اپنے مقدمے کے سلسلے میں آئی ہیں
ایک درخواست جناب لاڈ صاحب کو ارسال کی ہے۔

میں آپ کا وفیو و وفیو

اسد اللہ خان

دہلی

۲۵ جنوری ۱۸۴۴ء

Edwards
New York
Ireland

Sir

The change of circumstances
has the honor to inform you that
I had the duty of writing you. I
imagine you are engaged. I have
to say that I have to you. I
of looking after you. I have to
say that you are engaged.

I have to say that you are engaged.
I have to say that you are engaged.
I have to say that you are engaged.

Yours

The 25th June

Yours

I have to say that you are engaged.
I have to say that you are engaged.
I have to say that you are engaged.

receipt of your kind favor now under acknowledgement respecting my case will, I hope plead my humble apology.

I have the honor to enclose in the Original a Persian Letter from Mr. Secy Thoreason dated 16th April, 1844 from which you will perceive that no orders upto the date were received from the Hon'ble the Court of Directors respecting my appeal to that Tribunal: After perusal I beg humbly that you will have the kindness to return this, together with the 3 enclosures of the enclosed memorial.

With the highest esteem and
deepest respect:

I have the honor to be

Sir,

Your most obedient & devoted
very humble servant

Sd/ Asadoolah Khan

Dahli
the 5th June, 1842

آپ کا نوازش نامہ وصول ہونے پر اپنے مقدمے کے بارے میں سب امید ہے کہ عاجز و مساکین بعض باتیں
میں اصل فارسی مراسلہ میں نمبر ۱۶ پر پیل مستندہ منجانبہ سیکرٹری جناب تھامسن
منسک کرنے کی عزت پاتا ہوں۔ اس سے آپ کو معلوم ہو گا کہ اس تاریخ تک عدالت ڈاکٹر ٹران
سے میری اپیل سے متعلق کوئی حکم وصول نہیں ہوا تھا۔
عاجز اور درخواست ہے کہ بعد ملاحظہ مہربانی فرما کر اس کو درخواست سے عین منسک کاغذ
کیساتھ واپس فرما دیجئے

انتہائی گرم جوش اور گہرے ادب کیساتھ

دلی

۵ جمادی الثانی ۱۲۶۲ھ

میں ہوں آپ کا انتہائی

تاہیدار اور عاجز خادم

استغاثہ اسد اللہ خان

Receipt of \$100.00 from the ...
 Receipt of \$100.00 from the ...
 Receipt of \$100.00 from the ...

I have Mr. Green to be read in the
 "English Edition" from the very Introduction
 states Mr. Geo. Allen Green which you will
 perceive that is more explicit. As to some
 remarks from the "Monthly The Herald" &c.
 I direct Mr. W. speaking my dissent to that.

Individuals. After present, 1843
sincerely, that we would have the privilege
to return this, together with the returns
of the enclosed individuals.

With kindest regards to you - I remain your obedient

[illegible]

1849

You must be a member
 of the Society of
 Friends of the
 American Revolution

۱۰۰

To :

F.H. Madduck Esquire,
Secretary to Government of India,
Allahabad

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your favor of the 30th Ultimo : and beg to solicit respectfully, that you will have the kindness to lay the enclosed Memorial for the most liberal and humane consideration of the Right Hon'ble the Governor General of India and to acquaint me duly with such orders as may be passed thereupon and for this act of kindness, I shall ever feel most unfelignedly grateful to you.

I hope you will pardon the trouble I am giving you : and the concerns and anxiety. I have naturally felt, from the

ہندوستان ایف۔ ایچ۔ میڈیکل صاحب

سکرٹری حکومت ہند

الہ آباد

جناب عالی

جناب کے خط مورخہ ۲۵ گزشتہ کے وصول ہونے کا شرف حاصل ہوا میری یہ تحریر
اے متوجہ عرض ہے کہ آپ جی کو کم خشک یادداشت عالی جناب گورنر جنرل ہندوستان کی
خدمت میں ان کی نہایت فیاضانہ اندکدیم انفس توجہ کے لئے پیش کر دی اور مناسب عرصہ
میں جو بھی احکام صادر ہوں ان سے مجھے آسنا کیجئے۔ اس کرم کے لئے میں ہمیشہ آپ کا فکر گزار
رہوں گا۔

امید ہے کہ آپ مجھے اس تکلیف دہی کے لئے معاف فرمائیں گے اور وہ فکر و تشویش
جو مجھے قدرتی طور پر غورس ہوئی

1 Copy /
No. 344 of 1842

From: The Secretary to Govt. of India
with the Governor General,

To: Asudvallah Khan

Poll. Dept. Dated: Allahabad 15th June 1842

Extract of a letter from
The Hon'ble Court of
Directors dt. 7th Feb. No.
10 of 1842.

(Claim of Asudvallah
Khan to .. of the
provisions assigned
him from the revenue
of Ferropure
grounds previously to the Sequest-
nation of the Jagheer.

Para 89:
This claim
has been
provided &
on good

Sir,
In reply to your
letter of the
5th instant, I
am directed to
enclose a copy
of the orders
of the Hon'ble
the Court of
Directors on
your case.

Allahabad
15th June 1842

I have etc. etc.

Sd/-
Secy. to Govt. of India
with the Governor General

1 True Copy /

Sd/-
Secy. to Govt. of India
with the Governor General

نقل

۲۲۲۷۱۸۲۲ سیکرٹری حکومت ہندوستان گورنر جنرل

خدمت سرالذرفاں

مرفہ ۱۵ جون ۱۸۴۲ء الہ آباد

جناب عالی

آپ کے خط مرفہ ۵ ماہ حال کے جواب میں مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ آپ کے مقدمے متعلق
عزت اکب اجلاس ڈائریکٹران کے حکم کی نقل آپ کو بھیجوں۔

میں ہوں وغیرہ وغیرہ

سیکرٹری حکومت ہند

پیر ۱۹

برہمنی گورنر جنرل

یہ دھوئی جائے گا کہ ضلع

سے قبل منظور بنیادوں پر تیار نقل مطابق اصل

کہا گیا ہے۔

حکمران برہمنی

غزوہ آب عدالت ڈائریکٹران کے خط

مرفہ ۱۵ جون ۱۸۴۲ء کے

لٹا کا امتیاز

اسدالذرفاں گورنر جنرل۔ اس خط کا

موزونہ پر کے مالیت اس کو دیا گیا۔

سیکرٹری حکومت ہند

مختصری گورنر جنرل

الہ آباد ۱۵ جون ۱۸۴۲ء

1 (44)
C. 1. 1880-1881.

to be sent to the Librarian
with the first parcel.

to the Librarian

1880-1881

1880-1881
1880-1881

1880-1881
1880-1881
1880-1881

1880-1881

1880-1881

1880-1881

1880-1881

1880-1881

1880-1881

1880-1881

1880-1881

1880-1881

1880-1881

1880-1881

1880-1881

1880-1881

1880-1881

from the enclosed Government replies in original that upto the month of November 1839 no orders were received from the Hon'ble the Court of Directors respecting his appeal to that Tribunal. But the present communication from Mr. Secretary Maddock stating that the decision of the former Governments have been confirmed by the Hon'ble the Court of Directors has alarmed the poor Petitioner greatly he apprehending that it perhaps refers to his Appeal. He therefore has the Honor to implore himself that he may be made acquainted if any order has been received in this case of appeal, and if so, that a copy of it with its note, may be granted to him - and for which act of kindness; the Petitioner will feel most unfeignedly grateful.

The Petitioner has the Honor to solicit respectfully, that the enclosures in original may be returned to him, after perusal.

And your Lordship's Petitioner
will as in duty bound ever
pray.

Dehly

Sd/

The 5th June, 1842

ان بصورت اصل مسئلہ سرکاری جوابات سے کہ ماہ نومبر
۱۸۳۹ تک عدالت ڈائرکٹران سے کوئی جواب واپس کی اپیل کے متعلق موصول نہیں
ہوا لیکن جناب سیکرٹری میڈوک کے تازہ مراسلہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت ڈائرکٹران نے سابقہ
حکومت کے فیصلہ ہی کی تصدیق کرنی ہے جس سے عاجز وائرخواہ کو ٹرا صد مہینہ آ کر میا دایا کی
اپیل کی طرف اشارہ ہو۔ لہذا ان اٹکالٹ سے روشتہ کی عزت جانتا ہے اگر اس کی اپیل
کے مسئلہ میں موصول ہوتے ہوں۔ اگر واقعی یہ بات ہے تو ان کی نقل ضایت کی جائے۔
خود کو اس نواز شاہ سلوک کا انتہائی مشکور رہا۔

نزدیکی مقدمات اس کے لئے کہ مسئلہ اصل اہل اخذات جہد ملاحظہ واپس فرمائے جائیں۔

آپ کا روادخواہ پابند فرض
دعا گو رہے گا

دینی
دعوت مستعد

The facts connected with his case are as follows viz. that being dissatisfied with the decision passed in his case by former Governments, the Petitioner applied to your Lordship's Government, the Petitioner applied to your Lordship's Predecessor that a reference may be made in his case to the Hon'ble the Court of Directors and his prayers were granted as will be perceived from the enclosed letter (in the original) from Mr. Secy. W.H. Macnaghten, under date 5th December 1836 No. 1. The Petitioner having made enquiries in 1838 respecting the dispatch of his case of Europe, received a reply from Mr. Secretary Prinsep (Enclosed in the Original No. 2) dated 14th March 1838, stating that the papers connected with the case were forwarded to the Hon'ble the Court of Directors in a letter from the Government dated the 10th April 1837. The Petitioner again afterwards wrote to the Government to know the result of his appeal, when he received a reply from Mr. Secy. Prinsep (enclosed in the Original No. 3) dated 27th November 1839 informing him that the case was dispatched on the 10th May 1837 per "La Belle Alliance" and the Hon'ble the President in Council has yet received no orders from the Hon'ble Court on the subject.

That your Lordship will perceive

اس مقدمہ سے متعلق واقعات حسب ذیل میں ساہتہ حکومت کے فیصلے سے تعلق نہ ہونے پر داد
خواہ نے لارڈ صاحب کے پیش قدمی سے درخواست کی تھی کہ اس کا مقدمہ عدالت ٹرانسپان میں سمجھایا
جاسکے اور یہاں سے منظور کیا گئی تھی مگر مگر ٹری میکناٹن کے منسک خط مورخہ ۵ دسمبر ۱۸۳۶ء
سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سائل نے مشنری میں ان کا مذاق کے جواب بھیجے جانے کے لئے استغفر
کیا تھا جس کے جواب میں مگر ٹری پرنسپ کا خط اصل جوٹ پر منسک ہے (مورخہ مورخہ ۱۴ ستمبر
۱۸۳۷ء میں بیان کیا گیا ہے کہ اس مقدمہ سے متعلق تمام کاغذات حکومت کے خط مورخہ ۱۴ اپریل
۱۸۳۷ء کے مورخہ عدالت ٹرانسپان کو ارسال کر دیئے گئے ہیں اس مورخہ میں نے دوبارہ حکومت کو لکھا
کہ وہ اپیل کا نتیجہ جانا چاہتا ہے جب اس کو موصول ہوا مگر ٹری پرنسپ کا خط مورخہ ۲۰ نومبر ۱۸۳۹ء
منسک خبر میں اس کو اطلاع دی گئی ہے کہ اس کا مقدمہ ۱۴ مئی ۱۸۳۷ء کو کیے گئے تھے اور عدالت
آب مقدمہ کو ٹری کو جنوز عدالت عالیہ کے اس معاملہ کے متعلق ایک موصول نہیں ہوئے۔ چاہے نا
محسوس کریں گے

The paper connected with the case was as
 follows, viz. that being inscribed with the
 number 1000 in the margin of the Government
 the Police applied again to the Government
 the law reference was to be made in 1857 to the
 British the Board of Directors the Attorney General
 was to be provided from the Government
 letter (in the original) from 27th July 1857
 - August, under date 1st Dec 1857 the
 Resolution having been approved in 1857
 being the dispatch of the Government
 in reply from the Secretary to the Government
 (original at 2) dated 1st March 1857, stating that
 the paper connected with the case was provided
 to the Board. The Secretary to the Board in a letter to
 the Board dated 1st 14th Dec 1857 - The Police
 again applied to the Government to
 the Board of his appeal, when he received a
 reply from the Secretary to the Board in the original
 at 2) dated 1st 14th Dec 1857 - The Police
 the case was dispatched on the 10th May 1857 per
 the Police to the Board the Resolution dated
 1st 14th Dec 1857 has not arrived as yet
 from the Board. (From the Secretary)

That your Lordship will be
 pleased to

To,

The Right Honorable,
Lord Edward Ellenborough,
H.C.B. etc.,
Governor General of India
Allahabad.

The humble petition of Asudoolah Khan,
son of Mussuroollah Beg Khan, late
Jagheerdar of Sank and Sonsah.

Most humbly Sheweth :

That your Lordship's Petitioner had ventured to submit a Memorial for the consideration of your Lordship, on the subject of his appeal to the hon'ble the Court of Directors: Upon his memorial your Lordship has been pleased to pass the following order as communicated to him through a letter from Mr. Secretary Maddock, under date the 30th Ultimo. That this question having been already decided by former Governments, and the decision confirmed by the Hon'ble the Court of Directors, His Lordship cannot admit the further agitation on the subject.

طالعہ جناب لارڈ ایڈمز سٹائونہد۔ ایچ۔ سی۔ بی۔ وغیرہ

گورنر جنرل ہندوستان

الہ آباد

اساتذہ خاں ولد نصرائے بیگ خاں مرحوم جاگیردار سونک و سونک کی جائیداد
درخواست ہے کہ واد خواہ نے حضور کو تومہ کے لئے ایک یادداشت۔ عزت آپ والیہذا لکھ کر
میں ہلے پہل پہنچا کہ تمہیں اس کی یادداشت پر جناب لارڈ ایڈمز نے ذیل کے احکام جاری کئے
جو جو راجست سیکرٹری میڈیک کے خط مورخہ ۳۰ مارچ ۱۸۷۸ء کے تحت اس کو پہنچا دئے گئے حکم ہوا کہ اس
سوال کا سابقہ حکومہ فیصلہ کر چکی ہے اور اس فیصلہ کو عدالت ہائے انکوائری نے بھی بحال رکھا ہے
اور لارڈ ایڈمز اس معاملہ پر مزید بحث کن منظور فرماتے ہیں۔

۱۰

The High Court

... Lord ...

... H. B. ...

... given ...

Metakood

The ...

... of ...

... of ...

... with

... and ...

... to ...

you ... on the ...

The ... of ...

has been ...

the ...

... to the ...

... the ...

... by the ...

... of ...

...

/ Copy /

No. 335

Office Memorandum

Allahabad,
Pol. Department
13th June 1842

The Secretary to Government in the Political Department, with the Governor General has the honor to request that the Secretary to Government in the Military Department with the Governor General will take the necessary steps for obtaining the orders of the Hon'ble the President in Council to the Commissary General being instructed to move to Kurnool early in July next.

Sd/ T. H. Maddock
Secretary to Govt. of India
with the Governor General

/ True Copy /

Sd/ T. H. Maddock
Secretary to Govt. of India
with the Governor General

دفتري یادداشت ۳۳۵ "نقل"

الآباد

پوٹیکل نمبر ۳۳۵ جون ۱۳ ۱۸۴۲ء

سیکرٹری اسسٹنٹ گورنر جنرل - عرض کیا ہے کہ سیکرٹری سرکار مسک
افواج - پوٹیکل نمبر ۳۳۵ جون ۱۸۴۲ء، از غرض آب مند بہ کونسل ضروری قدیم اٹھائے
چونکہ نمبر ۳۳۵ کے اٹھائے عہدہ دار کو ضرورت جراتی میں کمال جانے کا حکم جاری ہو چکا ہے۔

دستخط - ٹی. ایچ. میڈوک

سیکرٹری سرکار ہند بمبئی گورنر جنرل

مسند نقل

دستخط - ٹی. ایچ. میڈوک

سیکرٹری سرکار ہند بمبئی گورنر جنرل

1854
 25th Nov
 Office of the Secretary

Respected Sir,
 With reference to
 the letter of the 18th inst.

I have the honor to acknowledge
 the receipt of your letter of the 18th inst.
 in relation to the proposed
 alterations in the regulations of the
 Government of India, and to inform you
 that the same have been forwarded to the
 proper authorities for their consideration.
 I am, Sir, very respectfully,
 Your obedient servant,
 J. H. M. Esq.

Yours faithfully,
 J. H. M.

1854
 25th Nov
 Office of the Secretary

Yours faithfully,
 J. H. M.

To,

Assudallah Khan
Delhi

Sir,

On reply to your letter dated the 16th
Ultimo soliciting the decision of Government
on your Petition of the 9th August last, I am
desired to refer you to my letter dated the
28th of the last mentioned month.

I have etc.

Sd/ W. H. M.

Despatched 9th October
Fort William
2nd October 1837

بخدمت اسد اللہ خان۔ دہلی

جناب عالی

جناب آپ کے خط مورخہ ۱۰ آگست سنہ ۱۲۵۷ میں میں آپ نے اپنی درخواست مورخہ
۹ آگست سنہ ۱۲۵۷ حکومت کے فیصلہ کی درخواست کی ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے
کتوب مورخہ ۲۸ آگست سنہ ۱۲۵۷ کو ملاحظہ فرمادیں۔

مرسلہ ۱۰ اکتوبر

میں ہوں
دستخط ڈاکٹر۔ ایچ ایم
سکریٹری سرکار

فریڈ ولیم
۱۰ اکتوبر سنہ ۱۲۵۷

To :

W. H. Macnaghten Esq.
Secretary to the Government,
Fort William.

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your favor of the 28th Ultimo and beg leave to state for your information, that I have dispatched by Dak, a duplicate of the Petition I had submitted to the address of the Right Hon'ble the Governor General in Council under date the 9th Ultimo to His Honor the Lieutt. Governor and have solicited His Honor to submit the same through His Channel, for the consideration and orders of His Lordship: The Petition in question being in appeal against the decision of His Honor and His Honor forwards it to Fort William. His Lordship will be pleased to pass his orders thereupon, otherwise I have the honor to solicit the decision of His Lordship on the Petition I have already submitted on the 9th Ultimo.

I have the honor to be

Sir,

Your most obedient servant

Sd/Asadullah Khan

Dehli

the 16th Sept., 1857

خدمت جناب و طبر۔ اچھے میکناٹر صاحب

مکرم شری حکومت

قلندریہ

جناب عالی

جناب کا فرایت نامہ مرد نمبر ۲۸۰ راہ گذشتہ موصول ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ مجھے اجازت دیکھ کر میں جناب کی اطلاع کے لئے عرض کروں کہ میں نے اپنی عرضداشت بذریعہ ڈاک عزت آب گوذر جنرل کو ارسال کی خدمت میں ۳۰ راہ گذشتہ کہ پیش کی تھی اس کی ایک نقل نقابینت گذر صاحب کو لکھ پیش کر دی ہے اور موصوف سے اسد علی ہے کہ وہ اس کو اپنے ذریعے سے وٹو صاحب کی خدمت میں ان کی توفہ اور احکام کے لئے بھیج دیں چونکہ یہ بکثت اپیل ان ہی کے فیصلہ کے خلاف ہے۔ اس لئے اگر فیصلہ اس کو قلعہ میں ہوا دکر وہی تو حضور اس پر بھی اپنے احکام صادر فرمائیں۔ مگر میری یہ عرض ہے کہ لاٹو صاحب اس پر بھی اپنا فیصلہ فرمائیں جو میں نے ۱۰ راہ گذشتہ کہ ان کی خدمت میں پہلے ہی سے پیش کر دی ہے۔

آپ کا انتہائی مخلص و مخلص

H. H. Macgregor Esq

Secretary to the Government
Fort William

Sir -

I have the honor to acknowledge
the receipt of your favor of the 20th ultimo: My
leave to state for your information, that I
have dispatched by Bell, a duplicate of the
Petition ^{presented} submitted to the House of the Right
Honorable the Governor General in Council under
Order the 9th ultimo, to His Honor the Chief
Governor, & have solicited His Honor to submit
the same thro' His Channel for the Consideration
of His Excellency: The Petition in
question being in appeal against the decision
of His Honor & if His Honor forwards it to Fort William
His Excellency will be bound to take his orders
thereupon, otherwise should the same be sent
to the Council of His Excellency on the Petition
I have already submitted under 9th ultimo.

I have the honor to be

Yours most Obedt & devoted
Servant

Spence

29th
10th Feb, 1804 }
نور محمد علی خان



To:

Asadullah Khan,
Delhi

Sir,

Your letter to me under date the 9th Inst., enclosing a Petition to the address of the Right Hon'ble the Governor General of India in Council, has been received and I am directed in reply to inform you that any representation you may have to make to the Supreme Government, it should be submitted through the Channel of His Honor the Lt. Governor of Agra N.W. Provinces.

I am etc.

Sd/ W. H. M.

Despatched
1st September

F.W. 28th August, 1837

بخدمت اسد اللہ خاں، دہلی

جناب عالی

آپ کا ایک خط ۹ ماہ حال ہوا ایک درخواست بنام عزت آپ گورنر جنرل
ہندوستان پر کونسل وصول ہوا اس کے جواب میں مجھے اطلاع دینے کا حکم ہوا ہے کہ
اگر آپ کو کوئی بھی اپنی عرضداشت پیش کرنا ہو تو کمیشنٹ گورنر اگر شالی مغربی صوبے
کی وساطت سے ہونا چاہئے۔

مرسلہ یکم ستمبر

فدٹ ولیم

۲۸ اگست ۱۸۳۷ء

میں ہوں آپ کا
دستخط ڈبلیو۔ ایچ۔ ایم

To Speedy Relief When
- Sickli.

Your letter to me
under date the 9th
inst, enclosing a Ple-
ture to the effect of
the Right Honourable the
Gov: Genl of India in
Council, has been re-
ceived & I am directed
in reply to inform you
that any representation
you may have to make
to the Supreme Govern-
ment, it should be sub-
mitted through the Chan-
cel of the Honourable the
Governor of Bengal &c.
Provinces.

Love
P.H.H.

T. W. 28 August
1837}

Sept: 1st - 1st September.

*Abstract translation of a Letter from Lund Lake to
Ahmed Buksh Khan Bahadour.*

It is the earnest wish of the Servants of the
Honorable Company to support the family of the late
Mirza Nussurvallah Beg Khan and a Summed was formerly
granted to you, which also was obscurely written, it
is therefore, within that the Five thousand Rupees of
money current in that pargunnah which has been granted
to your Highness, shall be delivered every month and
every year according to the account to each of the
undermentioned connexions of the late Mirza that main-
taining themselves thereby they may pray for the long
life and prosperity of the Hon'ble Company's Servants.

Khaja Hajee)	Mother and Sister)	Mirza Houshah and
2000 Rupees)	of the late Mirza)	Mirza Yusuph nep-
	1,500 Rupees)	heirs of the late
		Mirza 1,500 Rupees

Written on the 7th June, 1806 A.D. (Corresponding to the
19th Rebyulaboul 1221 A.H.)

لارڈ ٹیک کے خط نام احمد بخش خان سے اذکر در ترجمہ
عزت باب کہیں بہاؤ کے ملازمت کی سرگرم خواہش ہے کہ نضر اللہ بیگ خان کے خاندان کی
کفالت کی جائے۔ اس کے لئے ایک سند پہلے ہی مزایت ہو چکی ہے جو واضح طور پر نہیں لکھی گئی۔
اس لئے اس کے اندر ہی طے لگائی وقت میں پانچ ہزار روپے اڑھتہ ہر چار سالہ میں دیا گیا ہے اور ہر
ماہ و ہر سال نضر اللہ خان کے مندرجہ ذیل متعلقین کو حساب کے مطابق ادا کر دیا جائے تاکہ یہ لوگ اپنا
گھڑا کر سکیں اور کہیں بہاؤ کی ملازمتی عمر اور خوش حالی کی دعا کرتے رہیں۔

خواجہ حاجی مبلغ نقد ہزار روپے سالانہ
والدہ اور شیوہ و زامروم پندرہ سو روپے

مزا فروش اور مزا ایر مسافہ بلوچانگان مزارعہ پندرہ سو روپے

محرمہ ہجری سن ۱۲۰۶

مطابق تقویم ۱۲۰۶ اور مسیحی اول سن ۱۸۰۶ء

objectionable. His Lordship thought the best mode was to allow Ahmad Buksh Khan a deduction for their support and with this view he fixed his payment at 15,000 Rupees per Annum.

/ True Extract /

Signed/ W.H. Macnoughton
Officiating Chief Secy.
to the Govt.

/ True Copy /

Signed/ M.B. Lake
Dist Asst. A.E.G.

جس پر کہے کہ اعتراض ہو، لارڈ ایک صاحب نے اس کو مالک خیل کیا کہ
امین کش خاں کو اس رقم میں سے کچھ جھوڑ دیا جائے تاکہ وہ اُن کے کیش ہو سکیں۔ اس غلطی
سے انہوں نے چند ہزار روپیہ سالانہ کی دوائیگی کی تجویز کی۔

دستخط ڈپٹی ایچ میکناؤٹن
تائیم مقام چیف سکرٹری حکومت

انتباس مطابق اصل

نقل مطابق اصل

دستخط ایم۔ بی۔ لیک

فرسٹ اسٹینڈ اسے۔ ای۔ جی

Extract from a Letter from Lieutenant Colonel
Malcolm dated 4th May, 1806.

At the period when Ahmad Bakhsh gave up
Rohltuck and Musalanah. The Right Hon^{ble} Lord
Lake promised to give him the district he held
in Mount in Jaisamir for the term of his life
for payment of 25,000 Rupees per annum. Soon
after this on the sudden Death of Mussurwallah
Beg Khan a near relation of Ahmad Bakhsh Khan
the districts of Sorh and Jonsah which had
been given to that Chief were resumed, but His
Lordship deemed it necessary to provide in some
manner for his Brother and family, and this
became more urgent from the necessity of dis-
banding the Corps of Jasegular Cavalry in which
most of them were employed and in which there
were also one or two officers who had come over
from the enemy on a promise of favour and pro-
tection. To affect these objects in a manner
the least

نہایت فکری و حکیم کے خط و تہذیب و سلیقہ سے اختتام

میں وقت احمد بخش دو چنگ اور سر باز سے دست بردار ہو گئے۔ اس وقت
حضرت آپ لارڈ لیک نے وہ ضلع جو ان کے پاس میوات میں تھا اسے سمران میں پر
تازہ نگ ۲۵ ہزار روپیہ سالانہ کی ادائیگی کے عوض دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے فوراً بعد
نصر اللہ بیگ خاں جو احمد بخش خاں کے قریبی رشتہ دار تھے اچانک فوت ہو گئے تو
سربک دوسو سو کے اضلاع والے ملے لئے گئے۔ اس پر لارڈ لیک صاحب نے یہ ضروری
سمجھا کہ کسی طرح ان کے سہائی لارڈ لیک کے خاندان کے لئے کوئی نہایت ہونا چاہیئے یہ اور بھی ضروری
ہو گیا جبکہ بے مضابطہ سواروں کا رسالہ کرشمہ لایا جس میں سے اس خاندان کے کافی سے زیادہ لوگ
لاہور رکھ گئے اور میں ایک دوا سے جو دشمن کی فوج سے نواز میں اور حفاظت کے واسطے ہر آدمی
رکھے تھے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک طریقہ۔

Governor has granted to Khaja Hajee's sons may
be suspended until the receipt of the orders of
the Hon'ble the Court of Directors, in your
Petitioner's case.

And your Lordship's petitioner will, as in
duty bound, ever pray.

Dahlee
the 9th Asut,
1837

گزر نے خراجہ حاجی کے فرزندوں کو ملنا کی ہے۔ اس کی اونٹنی اس وقت تک التوا میں
رکھیں جائے جب تک کہ سائل کے مقدمہ کا فیصلہ عزت مآب عدالت ڈائریکٹرز سے موصول نہ ہو جائے۔
جناب کا داد خواہ پابند فرض آپ کے لئے ہمیشہ دعا کرے گا۔

دہلی
۹ اگست ۱۸۳۷ء
میر ہوں آپ کا بیٹا تاجدار اور عاجز خادم
اسد اللہ خاں

Governor has granted to Khy. Mysnad,
(may be suspended, until the receipt
of the orders of the Honble the Govt
of Directors, in your Petitioner's
Case. -

And you Lordships
Petitioner will, as in duty
bound, ever pray -
1837. ()



Solicit most respectfully, that your Lordship will be pleased to order, as a measure of justice, that the amount (viz. 2,000 Rupees per Annum), which His Honour the Lieutenant Governor has ordered or sanctioned to be paid to Khaja Hajee's sons, may be paid from the 15,000 Rupees of the Sowars, and not from the Pension of Mussuroullah Beg Khan's family : but if your Lordship will not deem expedient to grant this order, your Petitioner trusts humbly, that your Lordship will, in justice, be most graciously pleased to order that the payment of the 2,000 Rupees which the Lieutenant

نور باد در خواست کرتا ہے کہ جناب باوجود اس میں اور از روئے انصاف یہ حکم صادر فرمائیں کہ مبلغ دو ہزار روپیہ کی رقم جو عزت آب العیثیت گزشتہ خراجہ عاقل کے فسرزموں کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ رقم اُن پندرو ہزار روپیہ میں سے ادا کی جائے جو سواروں کے لئے رکھے گئے تھے تاکہ اس پیش سے جو ضرورتیں جنگ خاں کے خاندان کے لئے مقور ہوئی۔ اگر جناب ایسا حکم صادر فرماتا ہے تب خیال ذکر میں توبہ داد خواہ خاکساری سے معافی ہے کہ آپ از روئے انصاف جیسی مہربانی فرما کر یہ حکم دینا کہ جو دو ہزار کی رقم العیثیت

which most respectfully. The Court
will be pleased to order, for a measure
of justice, that the amount (viz. 2000
Rupiahs for Annam), which the His
Majesty the Lieutenant Governor
has ordered a deduction to be
made, & delay & delay, say
the day, for the 1000 Rupiahs
of the today, which is the
Pension of the family of
the family. But if you
will not deem proper
to grant this order, you
Petitioner must humbly
be most graciously pleased to
order that the payment of the
2000 Rupiahs, which the His
Majesty the Lieutenant Governor

as the lawful due of Mussurwallah Beg Khan's family.

12th. Lieutenant Governor has ordered that Khaja Hajee's sons should receive 2000 Rupees per Annum : in that case, His Honour has granted them this pension from the money which was intended exclusively for the support of Mussurwallah Beg Khan's family. But on the receipt of the orders of the Hon'ble the Court of Directors, in either case as described above, the claims of Khaja Hajee's sons must be considered null and void, or in other words only imaginary, your Petitioner feels confused, from what sum or from where then, the amount paid to them, will be deducted or realised.

13th. In conclusion, your Lordship's Petitioner has the honour to

کیونکہ یہی لوگ نعرائے بیگ خاں کے قانونی وارث ہیں۔

۱۲۔ لفٹیننٹ گورنر نے حکم دیا ہے کہ خواجہ حاجی کے لاکھوں کو مبلغ دو چار سو روپیہ سالانہ ملنا چاہیے۔ اس حالت میں حضور نے یہ پیش اس رقم ہے منظور فرمائی ہے جبکہ مرث نعرائے بیگ خاں کے خاندان کے گراؤ ہیں کے لئے مخصوص رکھی گئی ہے۔ مگر جب عزت مآب قاضی کٹران کے احکامات مندرجہ بالا بنیادوں پر مبنی ہو کر صادر ہوں گے تو خواجہ حاجی کے فرزندوں کے حقوق خلاف قانون قرار پائیں گے۔ دوسرے لفظوں میں محض خیر الی قصور کے ہاتھیں گے۔ یہ سائنس حیران ہے کہ اس وقت کوئی رقم ہوتی ہو جس سے یہ رقم ہوائی کو روکی جائیں ہے دین ہو سکے گی یا ان سے واپس لے جا سکے گی۔

۱۳۔ آخر میں جناب کا دار خواہ

as a support is directed to be given to Mussurwallah Beg Khan's family, whereas in the detail of names below 2000 Rupees is intended for Khaja Hajee. However, that Individual during his life time received and enjoyed 3000 Rupees, per annum, but since his death his interest with support has ceased. But the entire amount in 5000 Rupees, as specified in the body of the Shroqna and directed distinctly this sum as a support exclusively for the family of Mussurwallah Beg Khan, must be considered fully and entirely due. It may not be superfluous to add here that Khaja Hajee's sons have no connexion with Mussurwallah Beg Khan's family, and the mention of their names is not made any where. Hence, it is met, your Petitioner believes that he and his family should be considered entitled to this amount

نصرا اللہ بیگ خاں کے خاندان کو گزارہ کے لئے دئے گئے ہیں جس کی تفصیلات میں مبلغ دو ہزار روپیہ خواجہ حاجی کے لئے مقصود ہیں یہ شخص اپنی زندگی میں مبلغ تین ہزار روپیہ وصول کرتا رہا ہے لیکن اس کی وفات سے اس میں سے اس کا حق ختم ہو گیا اگر یہ پانچ ہزار روپیہ جو اس شہد میں دئے ہیں اس میں صاف طہر یہ یہ واضح کیا گیا کہ وہ مرت نصرا اللہ بیگ خاں کے خاندان کے گزارہ کے لئے ہیں اور یہ جناب کی توجہ کے لائق ہے کہ وہ سارا ہی ان کو پہنچے ہے۔ یہ بیان کن ابھی فضول نہیں ہو گا کہ خواجہ حاجی کے لڑکوں کا نصرا اللہ بیگ کے خاندان سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ان کا ذکر کہیں آیا ہے۔ اس لئے یہ درخواستیں رکتا ہے کہ اس کو اس کے خاندان کو اس رقم کا حق وارث ہونا چاہیئے۔

submitted) and your Lordship's Petitioner begs leave most humbly to offer some explanation respecting these Documents severally in separate paragraphs.

10th. If the decision of the Hon'ble the Court of Directors be passed on the basis of the English Report, Mussuroollah Beg Khan's family will there be entitled to 10,000 Rupees per annum (Mussuroollah Beg Khan's family consists now of 5 persons. Your Lordship's Petitioner his Brother and his 3 Aunts) If Khaja Hajee were alive now, he would be entitled to nothing, much less his sons.

11th. But, if the Decision of the Hon'ble the Court of Directors is based on the contents of the Persian Shooqua (a Translation of which accompanies this); Your Petitioner beg leave to state for your Lordship's kind notice, that in the body of the Shooqua, 5000 Rupees

بیشتر کتابوں کے مسائل نہایت مؤید اہل علم پرانے دستاویزوں کی ایک ایک پیروی میں وضاحت کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔

۱۰۔ اگر عزت آگ عالت ڈاکٹر ٹران نے انگریزی رپورٹ کے مطابق فیصلہ فرمایا تو ضرور یہی گناہ کے خاندان (جو اس وقت پانچ افراد پر مشتمل ہے جن میں سے ایک سائل، اس کا بھائی اور تین بہن بھیاں) میں اگر مبلغ دس ہزار روپیہ سالانہ کا حق پہنچے گا اور اگر اس وقت خواہ ماہی زندہ ہوتے تو ان کا کوئی حق نہ ہوتا چاہئے کہ ان کی اولاد۔

۱۱۔ لیکن اگر عزت آگ عالت ڈاکٹر ٹران نے اپنا فیصلہ فارسی شعر (میں کا ترجمہ شامل ہے) کے مطابق کیا تو اس کے متعلق سائل جناب کی گزارشات و توجہ کے لئے یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ اس شعر میں مبلغ پانچ ہزار روپیہ

Lordship's petitioner most humbly presumes, that as they were servants of 30 years, His Honor the Lieutenant Governor ought to have ordered them to apply to pensionary support, when they would present a petition to this effect, a Pension would of course be assigned to them according to the prescribed Regulations. They would be then provided, as a measure of justice.

8th. Your Lordship has been pleased to the earnest solicitation of your Petitioner, to submit His case for the decision of the Hon'ble the Court of Directors and it is evident, that they will either decide according to the spirit of Lord Lake's Report under date the 4th May 1806, or with reference to the Persian Shoogra (Copy of the former and translation of the latter are herewith

اور مجاہد کا یہ درخواست ہے کہ چونکہ انہوں نے بیس سال کی خدمت کی ہے۔
اس لئے ان کو اب ان کی عمر کے لحاظ سے ان کی درخواست کے لئے اور پیش کریں
اور جب وہ ایسی درخواست دیتے تو ضابطہ کے تحت ان کی پیشکش دے دی جاتی اور جب یہ
ان کو جیتا ہو جائے تو یہ منصفانہ طور پر دینی ہوگی۔

۹۔ حضور نے کمال فرائض سے اس درخواست کی پُر غور اس سہ ماہی پر اس کا مقدمہ فرماتے ہیں
عدالت ڈاکٹر ان کی خدمت میں اس کے تصدیق بھیج دیا ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کا
فیصلہ لائیک کی رپورٹ اور خود رسی سے ملنے کے نفسی مضمون کے مطابق یا فارسی شہدے
کے مطابق کریں گے۔ دوسری کی نقل اور دوسری کا ترجمہ ساتھ ہی

Lordships petitioners insisting, however, that as they were under 20 years, the House the Government would be obliged to them to apply to the Commission of Enquiry, when they would present a petition to the effect, a petition would of course, be obliged to the necessity to the proposed legislation. They would be thus provided as a precedent for future cases.

9th. - Your Lordships have no doubt, that the earnest solicitation of your petitioners to obtain redress for the decision of the House the Court of Directors, has induced, that they will either decide according to the spirit of Lord Lister's Report issued at the 4th May 1866, or with reference to the Russian Shogun (Copy of the present resolution of the latter one has with

is worthy of consideration, that Khaja Hajee was neither a Relative of Mussurpallah Beg Khan nor a Pensioner to the British Government, but was only a servant, as and head officer of the Sowars, after him his sons continued in his situation.

7th. As the Jagheer of Nawab Ahmad Buksh Khan, has reverted to Government and the 50 Sowars disbanded, the situation of the Head Officer of those Sowars must of course, be considered abolished: But Lieutt. Governor having allowed Khaja Hajee's sons to retain the situation in question - it will appear strange to your Lordship to find that the Sowars are disbanded, but their head officers are allowed to hold the situation.

8th. Khaja Hajee's sons were servants as head officers of Mussurpallah Beg Khan's 50 Sowars, and with them they were also considered dismissed: But your

امروا کا جواب ہے کہ غلام حاجی ذوق نواز شیخ خاں کے رشتہ دار تھے اور وہی حکومت انگلشیہ کے پیش خراب۔ بلکہ ایک لازم تھے اور سواروں کے اعلیٰ افسر تھے اور اس کے بعد ان کے لڑکے ان کی جگہ پر کام کرتے رہے۔

۷۔ اب چونکہ نواب احمد بخش خاں کی جاگیر حکومت کو واپس ہو گئی ہے اور سوار بھی ختم کر دیئے گئے ہیں تو ان کی سالاری حیثیت بھی ساتھ ہی ختم ہو جانا چاہئے تھی۔ لیکن مفیدہ گرو نے ان کو زیر رکھتے حیثیت قائم رکھنے کی اجازت دیدی ہے۔ جناب یہ دیکھ کر ضرور حیران ہوں گے کہ سہاس سوار تو ختم ہو گئے ہیں لیکن ان کے افسران اعلیٰ کو اپنی جگہ پر قائم رکھنے کی اجازت دیدی گئی ہے۔

۸۔ پہلا جواب حاجی ذوق نواز شیخ خاں کے سہاس سواروں کے افسران اعلیٰ کی حیثیت سے ملازم تھے اور انہیں کے ساتھ ان کو ملحق۔ بڑے محکمہ کیا۔ لیکن

Mussuravollah Beg Khan, and his Father and Uncle were servants of Mussuravollah Beg Khan's father and on the account, when the Risalah of 400 Sowars was disbanded and 50 Sowars were selected out of them and made over to Nawab Ahmed Bughsh Khan, by General the Hon'ble Lord Lake, preference was given to Khaja Hajee, and he was retained as the head of the 50 Sowars.

6th. That when the 50 Sowars were made over to Nawab Ahmed Bughsh Khan, and a deduction was made of 15000 Rupees from that Istamrar Money and this sum was appointed for the maintenance of the 50 Sowars, Nawab Ahmed Bughsh Khan assigned 2000 Rupees out of that sum for Khaja Hajee yearly, and when in 1824 or 25 Khaja Hajee died - Shumsuudeen and Dudroudeen were reinstated in the situation of their Father by Nawab Ahmed Bughsh Khan, and they received 2000 Rupees yearly. It

نصرت شریک خاں کے منتھے۔ اور ان کا چچا اور والد نصرت شریک خاں کے والد کے ملازم تھے جب یہ چار سو سواروں کا رسالہ قائم ہو گیا اور ان میں سے صرف پچاس منتخب سوار رکھے گئے اور ان کو جزا عزت، آب و لاد و ایک نئے فراب حیدر کنٹن خاں کو دیدار تو فرامہ حاجی کو ان کی استیاری حیثیت کی وجہ سے ان پچاس سواروں کا افسر بنادیا گیا جس وقت یہ پچاس سوار فراب احمد کنٹن خاں کو دئے گئے تو اس وقت مبلغ پندرہ ہزار روپیہ کی رقم استیاری لشکران سے عطا کر دی گئی اور اس رقم کو ان پچاس سواروں کے اخراجات کے لئے مختصر کر دیا گیا۔ فراب احمد کنٹن خاں نے اس رقم میں سے مبلغ دو ہزار روپیہ سالانہ فرامہ حاجی کو دئے۔ اور جب یہ مبلغ یا سٹیم میں فرامہ حاجی کا انتقال ہو گیا تو فرامہ شمس الدین اور فرامہ الدین کو اپنے والد کو جگر پر بحال رکھا گیا اور ان کو مبلغ دو ہزار روپیہ سالانہ مختصر دئے۔ یہ

Stephanus de Ray Khan, the Father & Single was
Served of Stephanus de Ray Khan Father
in the second, when the Republic of 100
Sovereigns was destroyed. It then was
abolished altogether. I made over to Nizam
Ahmed Bakh Khan, by Letter under the
Honor, and later, his person was given
to Khajir Begum, she was retained as
the head of the 50 Towns -

60 That when the 50 Towns
were made over to Nizam Ahmed Khan
Khan, & a deduction was made of 15000
Rupies from the Sultan's money. & the
Sum was appointed for the maintenance
of the 50 Towns. Nizam Ahmed
Bakh Khan assigned 2000 Rupies
out of that Sum for Khajir Begum yearly -
to whom in 1000 or 25 Khajir Begum died -
Ibnushodhan & Ibnushodhan were re-
-instated in the Situation of their
Father. By Nizam Ahmed Bakh Khan.
Khajir received 3000 Rupies a year, & 4

been retained on the Government Records): But as your Petitioner now appeals against such points as are connected with Khaja Hajee, it is incumbent on him to give a short detail respecting that individual and his sons.

4th. Hussurwallah Beg Khan, your petitioner's Uncle had a Rissalah of 400 Sowars under him, in which there were 3 Officers, and one of them was Khaja Hajee. The mention of his name will be found among Hussurwallah Beg Khan's Rissalah; it is inserted in the Book of Rissalah of General Lord Lake's time - and which is on the Records of Government in Calcutta :- and, with reference to that Book, your Lordship's Petitioner solicits the Decision of this point.

5th. Khaja Hajee had one supervising over the other 2 Officers in the Rissalah viz. that they were now servants, and had only served in that Rissalah - Whereas Khaja Hajee was an old servant of

حکومت کے ریکارڈ میں محفوظ رکھی گئی ہوں گی۔ لیکن چونکہ وادرس ان خاص امور کے خلاف اپیل کر رہا ہے جن کا تعلق خواجہ حاجی سے ہے۔ اس لئے ضروری خیال کرتا ہے کہ ان کے نزدیکوں کے بارے میں مختصر بیان کر دے۔

۴۔ سائل کے چچا اندازہ جنگ خاں کے تحت چار سو سواروں کا رسالہ تھا جس میں تین افسران تھے۔ ان میں ایک خواجہ حاجی تھا جس کا نام اندازہ جنگ خاں کے رسالہ کے ذکر میں آئے گا اور یہاں اردنیک سکریٹوں کی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ جو سکڑ میں حکومت کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ سائل کہ یہ درخواست ہے کہ اس کتاب سے ان امور کا فیصلہ کیا جائے۔

۵۔ خواجہ حاجی کو اور افسران پر فوقیت حاصل تھی کہ نہ کہ وہ صرف ملازم تھے اور رسالہ میں نہ آتے کرتے تھے۔ اس کے برعکس خواجہ حاجی دیرینہ ملازم۔

of the final orders of the Hon'ble the Court of Directors in his case.

2nd. Lieutenant Governor having ordered in conjunction with your Lordship's Petitioner and his family (consisting of 5 persons), that Khaja Shamsudeen and Khaja Uddudeen sons of the late Khaja Hajeer should continue to receive the sum of 2,000 Rupees, per annum, which Nawab Ahmed Buxsh allowed to Khaja Hajeer, and which he afterwards continued on his sons, your Petitioner begs leave respectfully to appeal against his Decision, to your Lordship's Tribunal.

3rd. Particulars and facts respecting Khaja Hajeer, have been explicitly detailed in the papers connected with your Petitioner's case and which your Lordship has been pleased to transmit for the decision of the Hon'ble the Court of Directors (Copies of which must have

عزتِ آبِ عدالتِ خاثر کرثران کا قطعی فیصلہ اس مقدمہ میں

۲۔ لنٹیننٹ گورنر نے ایک حکم جاری کیا ہے۔ کہ میں حصص کے سائل اور پانچ افراد پر مشتمل اُس کے خاندان کیساتھ خواجہ شمس الدین و خواجہ بدر الدین پسرانِ خواجہ حاجی مبلغ دو ہزار روپیہ سالانہ پر جمعہ پانے رہیں جو ثواب احمد بخش خاں نے خواجہ حاجی کو دیے تھے اور ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزندوں کو دینے لگے تھے۔ آپ کا سائل اس حکم کے خلاف مؤیدانہ طور پر آپ کی عدالت سے اپیل کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔

۳۔ خواجہ حاجی کے متعلق تفصیلات اور واقعات ان کا تذات میں درج ہیں جو میں نے اپنے مقدمہ کے سلسلے میں پیش کئے ہیں اور جو چاہئے براہِ کرم قریب آبِ عدالتِ خاثر کرثران کی خدمت میں فیصلہ کے لئے بھیجے ہیں اور جن کی کاپیاں ضرور

To,

The Right Honorable,
Lord George Auckland,
K.E.B. etc., etc., etc.,
Governor General of India in Council,
Fort William.

The humble Petition of Assadullah Khan
the Nephew of the late Nussurullah Beg Khan

Humbly Sheweth:

That the Hon'ble the Lieutenant Governor of Agra has passed an order, that your Lordships Petitioner, his Brother and his 3 Nephews should continue to receive the sum of 3,000 Rupees per annum what they have all along received as their (out of the 10,000 Rupees), from Nawab Ahmed Bahsh Khan's Jagheers Your Petitioner humbly presumes that it was necessary to adopt this measure, till the receipt

خدمت جناب قوت آپ درٹو حاکم اکلیڈ کے۔ اے۔ بی۔ رفیو وغیرہ

گورنر جنرل ہندوستان کے فضل

فورٹ ولیم

مہربانہ اور محنت ازماں اشرفاں پڑوہ نادرہ نصر الشریک خان مرحوم

مور بادشاہی ہے کہ

عزت آپ فیضیت گورنر شاہ نے یہ احکام جاری کئے ہیں کہ حضور کا سائق سسر کا

بہادر اور تین پھر پھیاں ملنے تین پڑوہ روپیہ سالانہ حسب حاجت (دوس جزا میں سے) قریب

اصولت خان کی جاگیر سے وصول کرتے رہیں۔ تاخیر کا خیال ہے کہ ایسا کرنا اس وقت تک واجب

نہ تھا جب تک موصول ہو۔

To

The Right Honourable

Lord George Auckland

H. O. B. 32nd St. 3rd

General General of India in Council

Fort William

The humble Petition of

Shamsher Khan

of the Province of

Shamsher Khan

That the Petitioner the late

General of the Army has been in the

service of the British Government for

many years and should continue to receive the

allowance of Rs. 2000 per month for

his services and has all along been in the

service of the British Government for

many years and should continue to receive the

allowance of Rs. 2000 per month for

his services and has all along been in the

To,

W. H. Macnaghten Esqr.
Secretary to the Government,
Fort William,

Sir,

I have the honor to request, that you will with your usual kindness be so obliging as to beg the enclosed Petition with its enclosure, for the most liberal and impartial consideration and orders, of the Right Hon'ble the Governor General in Council: I submit these papers with reference to my case already pending the decision of the Hon'ble the Court of Directors.

I have the honor to be
Sir,

Dehli
the 9th August,
1837.

Your most obedient, devoted
and humble servant,
Sd/ Nasrullah Khan

بخدمت جناب ڈیور۔ ایک نیکناش صاحب

سیکرٹری حکومت ہند

فورٹ ولیم

جناب عالی

میرے لئے جناب سے یہ عرض کرنا باعث افتخار ہے کہ آپ اپنی روایتی مہربانی سے مجھ پر
فرارش فرمائیں اور میری طوفانہ درخواست اور مشکوکہ اخذات گورنر جنرل بہ کفیل کے سامنے
برائے فیاضانہ اور فیہر جناب وزارت توجہ اور احکامات کیلئے پیش فرمائیں۔ میں محاکمات پیش کردہ امیں
یہ اُس مقدمہ سے متعلق ہیں جس کے لئے قوت آب و حالت ڈاکٹر کوٹوان کے فیصلہ کا انتظار ہے۔

میں ہوں آپ کا بیعتا بدار اور عاجز خادم

دستخط: اسد اللہ خاں

دلی
راگست ۱۸۳۷ء

H. H. Macgregor Esq.
Secretary to the Government
Fort William.

Sir!

I have the honor to request
that you will, with your usual kindness
and obliging, as to the inclosures,
take them without Enclosure, for the most
liberal & impartial consideration of the
Right Honble the Governor General
in Council: - Submit the Papers
with reference being made to the
decision of the Honble the Chief
Director. -

I have the honor to be
Sir

Yours most obedient, devoted
& honorable servant
A. J. Doolittle Khan

Orhei
The 4th Aug 1857.

روزنامه پارس
تاریخ ۱۳۰۵



Pol. Dept.

To,

Asadullah Khan,
Delhi

In reply to your letter dated 1st instant, I am desired to refer you to mine of the 5th of December last, and to state that His Lordship in Council has been pleased to express his gratification at the mark of attention which you have shown in sending him a copy of your Persian verses.

I am etc.

Sd/ W. H. Macnaghten

Secy to Govt. of India

Despatched 24th
April

Fort William,
17th April 1837

پرنسپل ڈپارٹمنٹ

بخدمت اسد اللہ خان، دہلی

بکواب آپ کے خط مورخہ یکم ماہ حال مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں آپ کی توجہ اپنے مراسلہ مورخہ گزشتہ ۵ دسمبر کی طرف مبذول کراؤں اور بتاؤں کہ حضور لارڈ صاحب پیکر نسل نے اپنی خوشنودی مزاج کا اظہار کیا ہے۔ آپ نے ان فارسی اشعار میں صاحب موصوفت کو اس قدر قابلِ توجہ سمجھا ہے اور جس کی ایک نقل آپ نے ان کو بھیجی تھی۔

میں ہوں وغیرہ وغیرہ
دستخط ڈیپٹی سیکرٹری
سیکرٹری حکومت ہند

مرسلہ ۲۲ اپریل
نورث ویم ہمارا پرنسپل

H. B. P. 5

To, Abdulrah Khan.

Bilhi.

Handwritten signature/initials.

In reply to your
letter dated 1st instant,
I am desired to inform
you of the 5th of
December last, and to
state that His Lordship
in Council has been
pleased to express his
gratification at the
mark of attention which
you have shown in
sending him a copy
of your Persian notes.

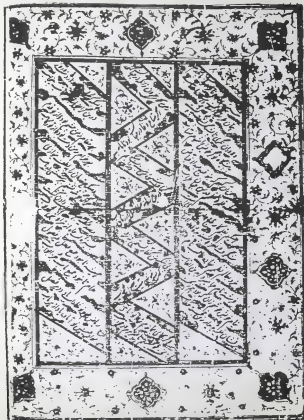
Yours &c.

Handwritten signature/initials.

Despatched to the Amir

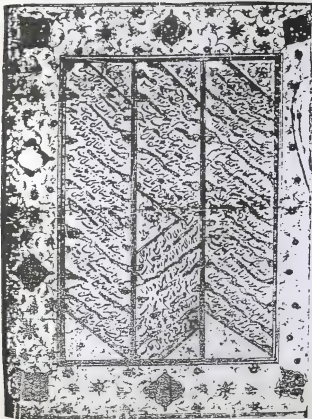
For Mr. Wilson
17 April 1837

بیرا غازی مسافر سیاب سے ملتا ہے اور اس وقت سے لیکر میرے والد کے عہد تک شاہی سپاہ سے تعلق رہا ہے اور یہی طریقہ ان کی اولاد کا بھی تھا۔ انگریز پشت در پشت اپنا نسب نامہ شتر خیاند انداز میں بیان کر رہے تو آپ سب کو مہیا اور ہی پائیں گے۔ میں ہی وہ ہوں جس کو خود اعتمادی ہے کہ اس اثری دنیا میں پروردگار عالم کے فضل سے شاعری کی دنیا کا بادشاہ ہوں۔ اور قلم ہی سے تلوار کا کام لیتا ہوں۔ بیرا چہ کام صاحب نظر لوگوں کو نہایت عمدہ اور خوب خاطر ہے۔ عقل کے نقائصوں نے مجھے دنیا کے شعریں غالب کا نام دیا اور اسی نام سے فرشتوں کے یہاں بھی مشہور ہوں۔ مجھے خوشی و اطمینان ہے کہ اس مبارک خطاب میں آپ کے غلبہ کی نشاندہی کا بھی سرغفتہ ہے۔ و ناداری دنیا میں نایاب ہے مگر میرے پاس زیادہ سے زیادہ مل جائے گی کیونکہ اگر سارے عالم سے دفاتر جائے تو محض میری و ناداری پر سارے عالم پر چھا جانے کے لئے کافی ہے فضول باتیں بنانا بیرا طریقہ نہیں رہا ہے۔ میں جو کچھ کہتا ہوں شکیک کہتا ہوں۔ یہ و ناداری کی خصوصیت جو آج مجھ میں موجود ہے ابتدائی جوانی میں بھی اسی طرح تھی۔ نافرمانی اور کافر طبقہ کو دوبانے کے لئے میں نے لڑائی میں حصولِ ثواب کی نیت سے بزمِ شریعت کمر بستہ کیا تھا اور اگر اب میں اپنی کمزوری کے باعث عاجز رہ جاؤں تو میں بھی کھوں کھا کر میری قسمت موت تک کبھی نہیں بچے گی اور کبھی سادہ گانہیں بولے گی۔ میں شب و روز آہنگی فوق کشتی کے وقت سے یہی دعا کر رہا ہوں کہ خدا کرے جہاں بھی آپ کے قدم چڑیں وہاں میری آنکھیں ہوں اور آپ کے ہر سفر میں میرے ہاتھ رکاب کا کام دینے کی صلاحیت رکھیں۔ اپنے ہم سفر کو فواز تے وقت اپنے اس عقیدت مند کو جو گوشہ نشینِ فراخوش نہ فرمائیں بلکہ اس کے حال پر تو میرا نایاب تاہم پر عاکبات ہے کہ جب پانی کنوئیں سے نکال کر گھیت کو دیا جاتا ہے تو ٹٹوں کے ٹپکتے ہوئے پانی سے کنارہ کے سبز کو کئی گنا زیادہ پانی مل جاتا ہے۔ میری ہمیشہ کے لئے یہ دعائیں ہیں کہ جب تک فصل کی جمعِ فضول اور باب کی جمعِ ارباب میں کوئی تبدیلی نہ آئے اس وقت تک آپ کی طبیعت کا باغ سرسبز و شاداب اور پر مہار رہے اور عیش و عشرت کے ذرائع دن و رات چمکنی ترن کی کرتے رہیں۔



اب غالب شراب مسرت و انسلام میں مست ہو جانے کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے گوگرا تمہیں اپنی قسم ہے کہ اپنی ملازموں اور غمتوں کے فقر و فاقہ بھرنے و اداس مشرت بھری مجلس میں چٹھلی ہوئی شراب کے جام بھرو اور مستی میں اگر اس زمین پر اتنی شراب چھڑک دو کہ جس کے اثر سے قیامت تک اس میں سے لالہ کے ترو تازہ پھول اُگتے رہیں۔ بس مجھے تو لالہ کی رنگ کی شراب ہی دینے رہو۔ اگر میں سدا اکھن کروں تو مجھے ساغر ہی تنہا ہوا کر دہی میرے سگ کا جواب ہوگا۔ ہاتھوں میں روشن چراغوں کے پیالے چھوڑ دین و اداس بجائے ان کے کرے کی جھت سے زہر و اور مہتاب کی روشنی کا فغاڑ چکاؤ۔ جب شراب اندھیلے وقت پیالے میں چیلے اسٹھیں تو اس وقت سرخ آنکھوں کے اشاروں کیساتھ شراب دیتے جاؤ۔ ہاں ذرا میٹھی شراب کے دو جام تو مجھے دید و کر کہ یہ کسی صورت میں اچھا نہ ہوگا کہ میں نارا صلی کے زیر اثر ایسی کی تلوی کی کا شکار ہو جاؤں یہ درد جام اس لئے درد کار میں کہ ایک تو میرا ہر پر قبضہ ہونے کی خوشی میں اور دوسرا نواب علاؤ کی مبارک کامیابی پر۔ ملک گیری کی جوس کو علی جا رہا ہنسنے کے بعد سلطنت واپس کر دینے والے لارڈ آئرلینڈ کے کیا کہنے ہیں کہ اس کے ہاتھ میں مشابہ شاقب نیزے کا کام دیتا ہے۔ آسمان گھوڑے کا اور ہلال اس کے گھوڑے کی زین سے لگی ہوئی رہا ہے۔ یہی وہ فاتح ہے جو اسید کی کیتھ پر دریا و دریا بارش برسانے والا ہے اور اس کی زات مشرق سے طلوع ہونے والے سورج کی بخششیں اپنے اندر رکھتی ہے۔

اسے مدوح آئیرے ستارے جیسے روشن چہرہ کو من کی مجلس کا چراغ کہا گیا ہے اور تجربے تدبر کو سیدے دست پر لگانے والے خضرے قیرو کی ہے تیری بلند شان و شوکت کے سامنے ایران کے بادشاہ دارا و ہمیں تیرے بلند عظمت پر حسد کرتے ہیں اور تیری کند کی جگہ میں رستم و سہراب کی حیثیت خدیروں کی سی ہے۔ مٹن کی سوار میں جس طرح پرند بھی اضافہ کا باعث ہوتا ہے اسی طرح تیرے دست کی گرد ملک پر اچھائی کی چادر ڈال دینے والی ہے۔ تیری نظر غایت عیش کو بڑھانے والی ہے جیسے سرور و سرخوشی میں اسانہ کا ذرہ شراب خیال کی جاتی ہے۔ بادلوں کو تیری سخاوت سے ہلنے نام نسبت ہے کیونکہ تو دریا بہا تا ہے اور بادل قطرہ قطرہ شاہین کے چھپنے پر تیری ہی جیسی طاقت و کھائی دیتی ہے لیکن یہ نسبت خاک با عالم پاک کیونکہ تو شہروں اور نکاوں پر حملہ کرتا ہے اور وہ انسانوں اور چکوروں کا شکار کرتا ہے۔ ایک شمشاد قامت سفر و باقی نے تم پر کہ تیری سیدھی نظر کے سامنے ایک عمارت کی طرح اپنے آپ کو پیش کیا۔ تیرے جلال کے آگے آسمان تو آداب سب لالائے کی خاطر سہم کر رک گیا ہے اور تیرے فکر کو مستطر ہے۔ لہذا تو حکم دے نا کہ یہ جغہ جائے اور جیش کے لئے حجام بن جائے۔ اسے مدوح! میں اپنا قمارت کی کرؤں۔ ہوں تو میں شاعر کی فتن رکھتا ہوں لیکن میرے ہاں جیش ملی دنیا میں تھا۔



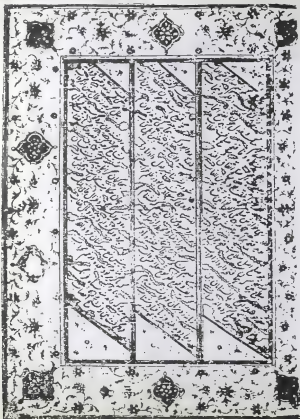
یہاں سے غالب اپنے ہم درج کی قوت و جبروت کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور فطرتی کا جشن منانے کی ترغیب دیتے ہوئے اس طرح اظہار خیال فرماتے ہیں کہ اسے لوگوں کی خدمت نے نہیں دیکھا کہ تو پہلی گرجا اور نور کی آواز بلند ہونے ہی آسمان میں پارے کی مانند لرزش پیدا ہو گئی اور اس سرزمین پر عروں کے دوزخ و جہنمی ہونے کے گویاں تو غالب کو سات دریاؤں کا غلط کہنا چاہئے۔ گھوڑوں کے سونے سے زمین کی درمیں سطح پر جو خاص قسم کے نقش و نگار بن گئے ہیں وہ حقیقت میں نظروں میں انگریزوں کے فتنہ لشکر کے اس غلام قدیم و غلام شاہ وقت کی میشت سے بظہر تخفہ پیش کرنے کے لئے ہیں دوسری طرف دشمن کا حال اس شریک کی طرح ہے جو رونے پٹنے کے بعد سو گیا ہو اور دایہ کے داغ سے اس کے رونے کا اثر کا برعکس سرزد چکا ہو گا فتنہ بذات خود زمانے کی گود میں سرگیا ہے لہذا یقیناً آسودگی کا دور شروع ہونے والا ہے۔ اب جبکہ یہ ملک میرے مدد و تحریک کے زیر فرمان آ چکا ہے اور نئے اصلاحی اقدامات کے لئے راستہ ہمارا ہر جگہ ہے تو میری طرف سے جاگے فروزشوں سے کہہ دو کہ خالص شراب حاکم کریں کیونکہ ہندوستان کی میٹھی خراب نے میرے داغ کو مسکن بنا کر اپنے کی ہمت کے انتشار کا شکار بنا دیا ہے اور جلا دیا ہے اب شاید اس صلیب کو کھیر کے میخانہ سے لائی ہوئی شراب ہی ٹھنڈا کر سکتی ہے۔ لہذا میرے لئے وہی لائی جائے۔ گرم مٹی کو تو ٹھنڈا کرنے کے لئے پانی ڈالا جاتا ہے لیکن یہ پانی جڑیں اپنے جلے ہوئے خاکرات کے لئے ناگرم رہا جن اس سے میرے اندر کی آگ باہر آ جاتی ہے چونکہ غالب کو مظلوم سدا ب ن گئی ہے اور ان کی عقلیں طبیعت کے چہرے پر سے نقاب اٹھ گئی ہے تو مزید ہوش و ولولہ کیا نودوسرا مطلق اس طرح پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بات بعد سے مست ہو چو کہ میں جس خراب کا ذکر کر رہا ہوں اس کا شروع و ختم پر کیا ہوتا ہے بس یوں کہہ دو کہ اس کا خدو دیا ہی ہے جو سرخ رنگ کے تیرنے و بود و کے کچھ پر کیا تھا یعنی تڑپ پیدا کرنی تھی۔ میرے دل کی بھی وہی کیفیت ہے کیونکہ اس میں نفع کی خوشی میں مغل آرائی کا شروع کیا جا رہا ہے۔ لہذا اب کچھ ایسے ساتھیوں کی ضرورت ہے جو اس سے خوشی کے شغل میں میرے شریک ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اور وہ بھی ایسے ساتھی کہ جب ان کے چہرے پر خراب ناب کی لانی ابھرے تو ایک ہی نظر میں ماسدوں کے دلوں کو مس کی آگ میں جلا کر کباب بنادے۔ ان تو میرے ساتھی خود جلا کر شراب پھا کا شروع کر دے ورنہ مغرب و زرباب کے تاروں کو چھیر کر خوشی کا غلام اپ اور اے میرے محبوب ادا کچھ خراب کا پالو تو پھر اسے تو کیا ہے۔ اے شخص و سرور کے صدمہ کو کہہ رہے اپنے مغرب کو حرکت میں تو لا۔ اسے صدمہ رکھنے والا اور شہر کا تمام کو چاہئے و اٹھ بھی سنا اور اس موقع پر ہندو دوازہ کھولنے والے مہو کی گرم ترانی کا شکر یہ سچا ادا اور اس طرح کے مہو کی گرجا میں چند بھولوں کے ہاتھ لگاؤ۔



۱۸۳۸ء

تصیّدِ درخِ لارڈ پارٹنگ کے وقت فتحِ پنجابِ لاہور وغیرہ

ابتداءً شرمیں غالب نے فتحِ پنجاب کی خوشخبری پکراپنے جذبات و احساسات کا اظہار کیا ہے لیکن پھر تھو شناسی اور نزاکتِ حالات کو بھی مد نظر رکھا ہے۔ بجائے اس کے کہ اور مراد مرکی باتیں کہ باتیں انہوں نے فاتح کے اوصاف کو اپنے مخصوص انداز میں مختلف علمی صنعتوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اب جبکہ جنگ و جلالِ فتحندی کی صورت میں ختم ہو گئی ہے اور صلح کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں تو اس طرح فاتح کی طرف سے میل دلاپ کی طرف ہاتھ بڑھانا علی گڑھی اور بلند اعلیٰ کاٹنا ہی ہے۔ میرا ممدوح اس انسانیت سے بھرپور نظریہ کا حامل ہے۔ لہذا قابلِ ستائش ہے۔ اس بلند طرزِ عمل سے نہ صرف اس کی عظمت کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس سے خوشیوں کے ایسے نئے پیرا پڑتے ہیں جو دلوں کو حیرت لیتے ہیں۔ جنگ میں فتح پانا تو اہم بات ہے ہی لیکن حقیقی فتح دونوں کے حیرت لیتے ہیں۔ تاکہ فاتح و مغلوب میں انتقام کی گرمی ٹھنڈی پڑ جائے اور اب ہم میل و ملاپ میں ترقی ہو۔ اب چونکہ ایسا ہو رہا ہے لہذا میرے ممدوح نے دل حیرت لئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ مینا ہوا ملازمت سمجھو کہ کیا ختم پھر مغلوب کو واپس کر دے۔ جبکہ فاتح میں ایسے اعلیٰ صفات موجود ہیں تو پھر کیوں فتحندی اس کے قدم نہ چومے۔ برخلاف اس کے جو تو م اپنے مقابل سے گرجا ہے تو پھر اس کو ایسا ہی دن دیکھنا چاہیے۔ اب یہ نظام آگیا ہے نجات "بہبودگی" امیدی پیدا ہو گئیں ہیں۔ چنانچہ ناپسندیدہ قدریں دم توڑ چکی ہیں۔ اس نئے آئین سے اگر جلتے والے جلتے ہیں تو جلتے دو کیونکہ ان میں حقیقتِ مشناسی نہیں ہے۔ وہ سرابِ دورِ بایں تیر نہیں کر سکتے ہیں۔ اصل میں اس فتحندی کے اسباب ہیں۔ کیونکہ غالب و مغلوب کے اوصاف میں بڑا فرق ہے اگر ایک طرف آسمان کی بلندی ہے تو دوسری طرف گرد و غبار کا ڈھیر اگر ایک طرف دریا کا تیز بہاؤ ہے تو دوسری طرف گھاس پھوس کی جنگاری۔ بس یہ بناوت کی اصولی سی چنگاری چکی اور فوراً بجو گئی۔ اسی طرح گھاس کی دیوار بھی باوجود کوشش کے پائیدار نہیں ہو سکتی ہے اور درقرانی کا بجرا اپنے سیٹھوں کے بل بوتے پر تصاب سے ٹکرائے سکتا ہے۔ یہ انا کہ ہرین و ڈرنے میں تیز ہے لیکن وہ چٹا نہیں بن سکتا ہے۔ چکھو کھن آسمانوں میں اڑا کرنا لیکن وہ خاموش ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ میرے ممدوح میں اعلیٰ صفات و کردار ہیں اس لئے دشمنوں کے سر اس کے سامنے جھک گئے۔



Poetry have met with the approbation and favorable attention of His Lordship a line may be granted to me as a mark of favor.

If the correspondence connected with my case, has been forwarded for the consideration of the Hon'ble the Court of Directors, I solicit most earnestly, that should be made known to me.

I have the honor to be

Sir,

Your most obedient

and humble servant

Dehli

the 1st April

1887

Asadullah Khan

اگر میری نظر لاڈ صاحب نے پسند کی ہو اور اسے قابلِ توجہ سمجھا ہو تو اس کے لئے
ادراہ کرم ایک سطر مجھے لکھ دیں۔ اگر میرے مقدمے سے متعلق خط و کتابت بہت عزت آپ
عدالت ڈائریکٹر ان کی خدمت میں ارسال کر دی گئی ہو تو نہایت خلوص سے ملتی ہوں کہ مجھے
اس سے مطلع کیا جائے۔

آپ کا سچا و باہد راہد عاجز خادم
اسد اللہ خان

دہلی
یکم اپریل
۱۳۰۶ھ

Party have not with the appreciation
 & possible attention of the London,
 a line may be printed to the same
 mark of power...

If the correspondence cannot
 with my Case, has been forwarded for
 the consideration of the Honble the
 Board of Directors & solicit much
 earnestly, that it should be made
 known to me...

Dhili
 the 1st April
 1887 } Have the honor to be
 Sir,
 From most obedient
 Khushkumari
 Appl. Obed. Khush

Seal
 محمد رفیع الدین
 خیر محمد

may be paid to us regularly, till the final decision of the Hon'ble the Court of Directors in my case, may be passed, and on the 17th January, I ventured to submit a few lines in Poetry, for the Kind acceptance of His Lordship.

But not having received an answer to the above communications, I labour under great anxieties of mind.

I beg Leave however, to attract your kind attention to my entreaties, and implore, that the necessary orders may be passed upon the points I have presented for the consideration of His Lordship, and that the same may be communicated to me through the Agent at Delhi :- and, should my

ہیں اس وقت تک باقاعدہ لٹا پاتے جب تک کہ عدالت ڈائریکٹران میرے مقدمے کا فیصلہ کرے اور اجنبی کو جو منظم کلام حضور لاہور صاحب کی شرف قبولیت حاصل کرنے کے لئے پیش کیا تھا۔ ان مراسلات کا جواب نہ ملنے پر مجھے بڑا زہنی انتشار برداشت کرنا پڑا۔

تاہم مجھے اس بات کی اجازت دیجئے کہ آپ کی مشفقانہ و اپنی معروضات کی طرف کراؤں۔ میری التجا ہے کہ ان امور پر ضروری احکام صادر فرمائے تاہم میں نے حضور لاہور صاحب کی ترجمہ کے لئے پیش کئے تھے اور ان احکامات سے مجھے برسات دی اینٹ مطلق کیا جاتے۔

may be paid to us regularly, till the final decision of the British Government of Directors in my Case. may be passed. It, on the 17th January, I wrote to submit a few lines in reply, for the kind acceptance of the Society:-

But, not having received an answer to the above communications, I labor under great anxieties of mind. -

My dear Sir, to attract your kind attention to my Entreaties, I explain, that the necessary address may be fixed upon the point then presented for the consideration of the Society, & that the same may be communicated to me from the agents at Delhi:- And should any

W.H. Macnaghten Esquire,
Secretary to the Government of India,
Fort William.

Sir,

On the 20th of December last, I had the honor of addressing you a public letter, wherein I urged 3 points and solicited the orders of the Right Hon'ble the Governor General in Council upon them, viz. 1st that the balance 2,03,000 Rupees due to me, may be deducted out of the 2,60,000 Rupees of the late Shumshodeen Khan, in the hands of Government, and held in suspense - 2nd that the arrears due to me at 3000 Rupees annually, up to April 1835 may be paid to us from the amount sale of Shumshodeen Khan's Property and 3rdly that on Pension at 3000 Rs. per annum

برائے پشیکل ڈیپارٹمنٹ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۲۵۷ھ

بخدمت جناب ڈیپو، ایچ میکناٹن

سرکاری حکومت ہند کلکولیم

جناب عالی

مجھے گزشتہ ۲۰ دسمبر کو جناب کی خدمت میں ایک غیر مخصوص مراسلہ لکھنے کا شرف حاصل ہوا جس میں تین باتوں پر اصرار کیا گیا ہے اور عرض کیا تھا کہ عزت آماب گورنر جنرل کے احکامات مائل کئے جائیں۔ اولاً دو لاکھ تین ہزار کی رقم جو مجھے واجب الادا ہے وہ شمس الدین مرحوم کے ان دو لاکھ ساٹھ ہزار روپہ جو حکومت کے پاس ہیں اور جن کی ادائیگی التوا میں ہے، میں سے کاٹ لئے جائیں۔ ثانیاً میرا بقایا بشرح تین ہزار روپہ سالانہ اپریل ۱۲۵۷ھ تک نواب شمس الدین کی فروخت شدہ جائداد سے ادا کیا جائے اور تیسرے یک سو بیس تین ہزار روپہ سالانہ پنشن

H. H. Macneay Esq.

Secretary of the

Trustees

Sir,

On the 20th of December last,

I had the honor of receiving your letter,

wherein you request, relative

to the 20th of the Right Honorable the

General Government, upon them, viz. the

the balance of 2,000 Rs. due to me, may

be deducted out of the 2,000 Rs. of the

the 20th of the Right Honorable the

Government, & held in England. &c.

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter

announcing, up to April 1875, may be

paid to me from the Government of

the 20th of the Right Honorable the

the 20th of the Right Honorable the

20/12

Governor General in India in Council.

In urging the above points, I have the honor to request humbly, that you will if you deem proper be so kind, as to present the Paper before the Right Hon'ble the Governor General, in Council and obtain necessary orders from His Lordship.

*I have the honor to be
Sir,
Most obedient servant
Sd/- Asadullah Khan*

*Dehlee
the 26th December
1836*

گورنر جنرل ہندوستان کا اطوار کے لئے یہ عرض کرنا چاہتا
ان امور پر درودیتے ہوئے میری یہ درخواست ہے کہ اگر جناب مناسب
عیاں کریں تو یہ کا قذات عزت آپ گورنر جنرل یہ کونسل کی خدمت میں پیش کر کے
مضور لارڈ صاحب سے ان کے متعلق احکام حاصل کر لیں۔
دہلی ۲۶ دسمبر ۱۸۳۶ء

سید امجد علی بناب کا
انتہائی تاج
دستخط : اسد اللہ خان

Dear Mother
 I have just received your letter
 and am glad to hear from you.
 I am well and hope this finds
 you the same. I have not much
 news to write at present.
 I am, dear Mother, ever
 affectionately,
 Your son,
 John Smith

The Right Honble the Governor General
in Council, I obtain the necessary
order for this to be paid.

22nd
 20th Dec 1846
 3rd

مجلس شورای اسلامی
تاسیس شده است



That the sum of 20,3000 Rupees due to me may be deducted out of the 2,60,000 Rupees left by the Jagheerdar of Ferozepore in the hands of Government and which sum should remain till the orders of the Hon'ble the Court of Directors are received in my case. 2ndly That the arrear of our annual Pension of 3,000 Rs. due us, up to April 1835 may be paid to us from the amount of the Property left by the late Jagheerdar of Ferozepore and 3rdly, Till any orders are received from the Court of Directors our annual pension of 3,000 should be paid to us regularly. The 2 latter points I would refrain from submitting, but I regret to say, that want of attention on the part of the agent at Delhi and the intrigues of the pension Amalah have involved upon me the necessity of bringing them to the notice of the Right Hon'ble the

کر مبلغ ۲۰۳۰۰۰ روپیہ کی رقم جو مجھے واجب الادا ہے۔ وہ ان ۲۶۰۰۰۰ روپیہ میں سے کاٹ لی جائے جو جاگیر دار فیروپور نے سرکار کے پاس رکھ چھوڑی ہے اور اس کی ادائیگی اس وقت تک التوا میں رہے جب تک عزت اکب عدالت ڈائریکٹران کا فیصلہ میرے مقدمے کے بارے میں موصول ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ ہماری پنشن مبلغ ۳ ہزار روپے سالانہ جمادی الاول ۱۲۳۵ تک واجب الادا ہے ہمیں اس پائلت سے ادائیگی جتنے جو فیروپور کے مروج جاگیردار نے چھوڑی ہے۔ تیسرے یہ کہ جب تک عدالت ڈائریکٹران سے احکام موصول ہوں ہماری سالانہ پنشن مبلغ تین ہزار روپے ہمیں باقاً ۱۵ مئی ۱۸۳۵ء کے علاوہ دواور باتیں ہیں جنہیں بیان کرنے میں مجھے گریز تھا مگر اب افسوس کے ساتھ اظہار کر رہا ہوں کہ ایجنٹ دہلی نے میری دستد ماکو قلمی طور پر نہیں سمجھا اور فارسی ملا کی سازشوں سے تنگ ہو کر حضور عزت آب

To

W. H. Macnaghten Esqr.,
(Chief Secretary to Govt.,
Political Department,
Fort William.

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 5th instant acquainting me that the correspondence connected with my case will be forwarded in due course for the consideration of the Hon'ble the Court of Directors, and for which act of kindness and justice, I beg to express my humble gratitude.

I have now the honor to solicit that His Lordship will be graciously pleased to pass under the following points viz. etc.

بخدمت جناب ڈپٹی سیکٹری صاحب
چیف سکرٹری گورنمنٹ پرنسپل ڈپارٹمنٹ
تخلو دیم

جناب عالی

مجھے آپ کا واسطہ سرفردہ براہ حال موصول کرنے کی عزت مائل ہوئی اس میں
مجھے آپ نے آگاہ کیا ہے کہ میرے مقدمے سے متعلق خط و کتابت مناسب وقت پر
عزت آب عدالت ڈائریکٹر ان کی خدمت میں ان کی توجہ کے لئے روانہ کر دی جائے گی۔ میں
اس انصاف چاہنے عاجز و مشکریہ کی اعانت چاہتا ہوں۔

اب اتنی اور التجا کرنے کا متمنی ہوں کہ لارڈ صاحب براہ کرم حسب ذیل امور پر بھی
اپنے اعلیٰ مصاد فرمائیں۔

111. H. A. ...

[illegible]

To the Hon. Secy. the House of Reps.
 Washington D.C.
 Sir, I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 10th inst. & accordingly we the undersigned have decided with much regret to be present at the same in view of the consideration of the matter at hand of December 14th for which our constituents expect us. I am a deeply indebted gentleman.

I have since the 15th in-
structed that Mr. Wright will be
your confidential friend & correspondent.
He tells very few secrets. 19-10

To,

Asadullah Khan

Sir,

In reply to your letter of the 14th Ultimo, I am desired to acquaint you that the correspondence connected with your case will be forwarded in due course for the consideration of the Honorable the Court of Directors.

I have etc.

Sd/- W. H. Managhten

Fort Mill:- Secy to Governor General

5th December, 1836

بخیرمت اسدا اللہ خان

جناب عالی

برائے آپ کے خطِ مورخہ ۱۴ گزشتہ۔ مجھے ہدایت ہوئی ہے آپ کو اطلاع دینے کی تمام مراسلات آپ کے مقدمہ سے متعلق مناسب وقت میں عدالتِ ثوار کو روانہ کر دیا جائے گا۔

قلند و لیم ۵ دسمبر ۱۲۵۴ھ

میں ہوں آپ کا

مستحق و لیم، ایک میکاش

سکرٹری گورنر جنرل

My dear Sir

I am sorry to hear that

you are to go to the
the Correspondence
can be sent if
as will be for
in due season for
consideration of the
Honorable the Com
of Christ.

Yours

J. W. H.
by

6.10.1876

Dep 8th Dec

For William
5th Dec 1876

List of Papers connected with Asadollah Khan's case and which have been submitted from time to time to the Right Hon'ble the Governor General in Council.

A Petition to His Lordship address dated 22nd March 1836, with copy of a Petition under date the 30th June 1835, to the address of the Hon'ble W. Blunt Esqr. (the then Governor of Agra). Lieut. Secretary W. H. Macnaghten's Letter to Asadollah Khan's address under date the 13th June, 1836, and his reply thereto dated the 14th July and a statement of Asadollah Khan's case, of the same date submitted in a Letter to Mr. R. Colwins His Lordship's Private Secretary. A Petition to His Lordship's address submitted in Mr. Secy Macnaghten's Letter under date the 1st October 1836 and the Secy Macnaghten's Letter of the 17th October to Asadollah Khan's address.

Dehlee
the 14th Nov.
1836

اسد اللہ خاں کے مقدمے متعلق کاغذات کی فہرست جو کہ عزت آپ گورنر جنرل
ہاؤس کے حضور میں وقف اوقات پر پیش کئے گئے۔

ایک دفعہ استحضور لاؤ صاحب مقدمہ ۲۲ جون ۱۲۵۷ھ

اور ایک نفل در خواست مورخہ ۲۲ جون ۱۲۵۷ھ بنام عزت آپ و لیو، پلٹ صاحب
اس وقت کے گورنر آگرہ اور لفٹیننٹ سکریٹری ٹریسٹری سیکٹاٹن کا خط بنام اسد اللہ خاں ۱۳ جون
۱۲۵۷ھ اور اس کا جواب مورخہ ۱۳ جولائی اور اسد اللہ خاں کے مقدمہ کے درمیان واسطی تاہیک کی
فہرست ایک خط مقدمہ مشورہ ٹریسٹری سیکٹاٹن کے پرائیویٹ سکریٹری۔ ایک عرضداشت
محضو جناب والا جو مشر سیکٹاٹن کے خط مقدمہ بمحکمہ اکٹوبر ۱۲۵۷ھ میں پیش کی گئی اور سکریٹری
مشر سیکٹاٹن کا خط مورخہ ۱۷ اکتوبر

بنام اسد اللہ خاں و پلٹ

۱۳ فروری ۱۲۵۷ھ

List of Papers connected with important
Hibernian Case, published. Have been submitted from
the author to the Right Hon. the Hon. Sir James
Guthrie & Co. & Co.

A petition to the Lord's address dated 22nd March
1836, for publication under the 30th June 1836 the
copy of the Hon. Mr. Clerk's (the Hon. Sir James)
writing Mr. Macneil's letter to the Lord's address
dated 10th June 1836, the 22nd March
dated the 16th July & a statement of the facts of the
Case, of the same date submitted in relation to the
Hon. Mr. Clerk's private copy. A letter
to the Lord's address submitted in writing.
Macneil's letter under the 10th Oct. 1836
Mr. Macneil's letter of the 17th Oct.
to the Lord's address.

Delivered
the 11th Nov
1836

Governor of Agra, in your Petitioner case, just and equitable, they should explain to your Petitioner, the ground on which they may confirm the order of the Lieut. Governor of Agra through a regular Kumbakany.

5th. That your Petitioner begs humbly to state, that should your Lordship deny compliance with the above supplication, i. e. of transferring his case for decision to the Sudder Oovernee Adawlut in (Calcutta), he must be under the necessity of entreating most humbly, that your Lordship will be graciously pleased to forward his case with all the papers therewith connected to England, in order, that it should be tried before King in Council.

And your Lordship petitioner will, as in duty bound, ever pray for your Lordship's long life and prosperity.

Dahlee,
the 24th November,
1836.

Further: The Papers connected with the the case, are noted down with accompanying list.

گورنر آگرہ کے احکام کو حق و انصاف پر مبنی خیال کریں تو مسائل کو چند ہی سوچا کر ان وجوہات سے اٹکھ کریں جن کی بنا پر ان احکامات کی تصدیق کرتے ہوں۔

۵۔ آپ سے یہ درخواست نہایت مؤثر باد عرض کرتا ہے کہ اگر حضور جندہ کی یہ درخواست کہ (میرا مقدمہ صدر عدالت دیوانی محکمہ میں منتقل کیا جائے) قابل قبول نہ سمجھیں تو یہ ناچیز حالات سے مجبور ہو کر عرض کرنا چاہتا ہے کہ حضور کا بیڑا کرم ہو چکا اگر میرا مقدمہ سب سے متعلقہ کا فذات انگلستان کو بھیج دیا جائے تاکہ اس کی بادشاہ سلامت بدوئل سے درجہ تحقیقات کیجئے۔ اب اس وارنٹی کا فرض ہے کہ وہ حضور کی دراز تہی قرار دیجی دی کے لئے دعا کرے۔

دہلی

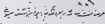

سید محمد سید جٹن

ملاحظہ فرمائیے کہ فذات متعلقہ مقدمہ صاحب ذیل صحت میں اور ساتھ ہی کہ ان کی تہمت بجز

Person of Age: 20-25 years (approx. 1850 and 1860). They should express sympathy to you and that they may assist the cause of the Government of the Punjab.

54 That your petition has been
to state, that should you have been
compliance with the above application of
the Government, that you have been
disappointed in the result, that you
be under the necessity of submitting
that you have been with the Government
and the Government with all the other
concerned to England, on order, that should
be that you have been informed -

I have } That your petition has been
the 14th of the } as in the case of the
1836 } Government of the Punjab.

Yours faithfully,



Particular. The Punjab Government will be
in the case of the Punjab Government.

the ground on which your Lordship was pleased to admit them but, if your Lordship did not demand replies from the Lieutenant Governor of Agra, to the seven Queries, your petitioner begs leave with every deference to state, that your Lordship ought to have satisfied your petitioner in respect to them.

4th. That your petitioner has the honour to solicit now, that your Lordship will be pleased to transfer his case with all the papers therewith connected (which your Petitioner has had the honour of submitting, from time to time, since your Lordship's ingress into India) to the Sudder Dewannee Adawlut in Calcutta with injunctions, that your petitioner's case be investigated in that Court by a regular procedure. Should your petitioner's claims prove valid on the decision of that Court, the Authorities presiding as judges over that Court will, make due intimation to your Lordship, that your Lordship, may grant Petitioner his just and lawful one; but should they consider the orders of the Lieutenant

جن کی بنا پر ان کو قبول کر لیا گیا اور اگر ٹیسٹ گورنر سے کوئی استفسار نہیں کیا گیا تو یہ راول
نہایت ادب سے عرض کیا ہے کہ خاکسار کی اس سلسلہ میں تسلی کرنی چاہیے تھی۔

۴۔ آپ کا دوا خواہ اب یہ استدعا کرتا ہے کہ جناب لاڈ صاحب میلہ پر مقدمہ واراد متعلقہ
کا عدالت جو سائل نے وقتاً فوقتاً حضور کی خدمت میں اس وقت سے پیش کئے ہیں جس وقت
سے حضور چند دستان میں تشریف لائے ہیں مدد دلوانی ممکنہ کو منتقل کر دئے جائیں
اور حکم فرمایا جائے کہ سائل کے مقدمہ کی تحقیقات ضابطہ کے تحت کی جائے اور اگر دوا خواہ کا
و مولیٰ اس عدالت میں صحیح ثابت ہو تو حکام اس عدالت میں بحیثیت منصف مقرر کر دیں
اس سے اچھا کریں تاکہ حضور سائل کا مائت حق عدالت فرمائیں۔ لیکن اگر وہ ٹیسٹ

the ground on which you stand -- means
to acknowledge them. But if you wish to do what
I demand I shall permit the same to be done
by you, to the young Quakers. Your petition has
been sent with very respectful notice, that your
Lordship ought to have met for your petition
in respect to the same.

4th That your petition has the
honour to solicit now, that you should with
blessed will transfer his case with all the
themselves concerned (which your petition has
had the honor of submitting, from him to you,
and your Lordship's reply with him) to the
Society of Friends attended with all the
information, that your petition has been
sent with him by a representative. That
your petition shall pass and with the opinion
of the Society. The Committee passing on
perhaps over that point with, make a resolution
to your Lordship, that your Lordship may
pass your petition his just claims on, but
should they consider the value of the same

from the orders of the Lieutenant Governor of Agra appealed against the decision of that Authority to your Lordship in Council and afterwards submitted an illustrative statement of his case, under date the 14th of July last, and ventured to offer seven points or Queries, to which he implored, that replies may be obtained from the Lieutenant Governor of Agra, and that your Lordship bestowing due consideration upon the Queries and His Honor the Lieutt. Governor of Agra's replies thereto, should decide your petitioner's case; and this procedure and petition by most respectfully to observe was worth of your Lordship's consideration.

3rd That your petitioner begs humbly to state, that if your Lordship had obtained replies from the Lieutt. Governor of Agra, to the 7 points, and had admitted them, your petitioner begs permission humbly to state, that he should have been favored with a copy of them, and made acquainted with

نفینٹ گورنار کے حکم سے ہدیٰ

اُس کے غلام سائن نے لائڈ صاحب کو نسل کے حضور میں اپیل کی تھی۔ بعد ازاں ایک تمثیل در خواست مورخہ ۱۱ جانی کو پیش کی جس میں سات اہم امور پر استدعا کرنے کی جرأت کی گئی ہے اور ان کے متعلق یہ عرض کیا گیا ہے کہ ان کے جوابات حضرت نفینٹ گورنر سے طلب کئے جائیں۔ سوالات اور نفینٹ گورنر کے جوابات کی روشنی میں حضور سے درخواست کی گئی کہ اس سائن کی عرضداشت کا فیصلہ فرمائیں۔ حضور ملاحظہ فرمائیں کہ یہ کارروائی اور میری عرضداشت جناب کی توجہ کے مستحق ہیں۔ حضرت سائن نہایت عاجزی سے عرض کرتے ہیں کہ اگر عالی جاو نے ان سات سوالوں کے جوابات نفینٹ گورنر سے حاصل کر لئے ہیں اور ان کو قابل قبول سمجھا ہے تو یہ درخواست عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ ان کی ایک نقل اس کو مرحمت فرمائی جائے تھی اور ان درخواست سے آسٹا کاہ پاسیئے تھا۔

from the order of the Lieutenant Governor of Upper
appeals against the decision of that authority to
your Lordship in Council: & afterwards submitted
an illustration of the grounds of his appeal, on the 20th
the 18th of July last, & continued to offer amendments
to the original, to which he proposed, that replies
may be obtained from the Lieutenant Governor
of Upper Canada, that your Lordship having due
consideration of the merits of his Memorial
& reasons of appeal, might think, that some
provisional order, and the provisions referred
to, and respectfully to observe, are worthy
of your Lordship's consideration.

3^d Had your petition by Henry
to Mr. H. that approval. His return refers
from the Court of Session of Aug. 18 to 7 points.
Edw. admits them, your petition by Henry
Henry took, that he should have been
with a copy of them, I was acquainted with

The Right Honorable
Lord G. Auckland
K.C.B. etc., etc., etc.,
Governor General of India in Council,
Fort William.

The humble petition of Asadollah Khan
the Nephew of the late Nassuroollah
Beg Khan.

Most respectfully Sheweth,

That your Lordship's petitioner has received
through the Agent at Delhi, Mr. Secretary
Machaghton's letter of the 17th ultimo, signifying
that your Lordship in Council sees no sufficient
ground for a reconsideration of your Petitioner's
claims, which appear to have been finally disposed
of by the order of the Lieutenant Governor of the
North Western Provinces passed on the 18th of
June last.

2nd That your petitioner beg respectfully to
state, that having suffered manifest injustice

بمخبرہ مال جناب لارڈ جی۔ انگلینڈ کے۔ سن۔ بی۔ و فریو و فریو

گورنر جنرل ہندوستان بہ کونسل

قلم و قلم

اسد اللہ خان بہادر زادہ نضر اللہ خان مرحوم کی متوہدہ درخواست

گزارش ہے کہ دادرس کو جو ساطعت، ایکٹ، و بی، مشر سکرٹری میکانٹن کا خط موصولہ، ابراہ
گورنر موصول ہوا جس میں واضح کیا گیا ہے کہ حضور عالی کو کوئی معقول وجہ نظر نہیں آئی جس کی بنا
پر مسائل کے حقوق پر نظر ثانی کی جا سکتی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھاپن حکم مؤرخہ ۱۸ جون
آرڈیننسٹ گورنر ثانی مغربی صوبہ پر قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔

۲۔ جناب سے دادرس متوہدہ عرض کرتا ہے کہ جو نمایاں انصافی مسائل کے ساتھ

The Right Honorable

Sd. G. Aickland

HCB & Co.

Second General of India - Post

J. H. P.

The Small portion of the old lake
the mouth of the lake - Capital
Bay Lake

W. J. G. & Co.

That your love life follows—

has received the the agent of Dr. J. S. Loring
a congratulatory letter of the 17th ultimo, signifying
that your conduct in former cases was sufficient
ground for a recommendation of your petition which
in kind appears to have been fully disposed of
by the order of the directors (members of the
North Western Pioneer paper) in the 18th of June
last.

His Lordship may be pleased to transfer my Case, for decision, to the Sudder Dewannee Adawlut in Calcutta - or, to submit to England for a trial before King in Council. In either case His Lordship granting compliance, I trust humbly that you will be so kind as to let me know in due time.

I have the honor to be
Sir

Dehlee
the 14th Nov,
1836.

Your most obedient
Servant
Asquod Dollah Khan

جناب میرے مقدمہ کو ہائے تعلیم مسجد و لیا انی عدالت انجمنستان میں بحضور پادشاہ
مقامت منتقل فرادی۔ ان عدلوں میں سے جو جناب کو پسند ہو مجھے یقین ہے کہ آپ
مناسب وقت میں اپنی کارروائی سے آگاہ فرادیں گے۔

وہ

سارا زبیر شاہ

میں ہوں جناب کا
انتہائی مابعد رغبتاً
اسد اللہ خاں

The Secretary of the Indian Affairs
 Dept. of Indian, the Indian
 Division, the Indian Affairs, etc.
 about the Indian Affairs, etc.
 King in Council. - I am
 the Secretary of the Indian Affairs, etc.
 the Secretary of the Indian Affairs, etc.
 the Secretary of the Indian Affairs, etc.
 the Secretary of the Indian Affairs, etc.

I am the Secretary of the

the 14th Nov. 1886.



Do not let me

To,

W. H. Macnaghten Esquire,
Secretary to the Government,
Fort William.

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 17th Ultimo and with deep sorrow I have learnt that the Right Hon'ble the Governor General in Council has bestowed no consideration upon my case having confirmed the orders of the Lt. Governor of Agra prepared on the 18th of June, 1836, without reconsidering my case.

I have the honor to solicit, that you will have the goodness to present the accompanying Petition in the consideration and orders of His Lordship in Council. You will be pleased to observe, that I have supplicated in the petition, that

خدمت جناب وٹیر۔ ایچ میکناٹن
سکریٹری گورنمنٹ فورٹ ولیم

جناب عالی

مجھے آپ کا خط سونہارا، ارادہ گذشتہ موصول ہونے کا فخر حاصل ہے اور میں نہایت حال سے مطلع ہوا ہوں کہ عزت آپ گورنر جنرل بیکر فیل نے میرے مقدمے کو قابلِ توجہ نہیں سمجھا اور فیائنٹ گورنر آگرہ کے حکم موافقہ، چونکہ مسئلہ کو یہی بحال رکھا اور میرے مقدمے پہ نظر ثانی نہیں کی۔

متمود ادا تھا ہے کہ جناب بلو کریم میری ہر شے درخواست بمغورہ ملے صاحب بہ کونسل بلانے موصول احکامات و توجہ پیش کروں۔ آپ بخوشی ملاحظہ فرمائیں گے۔ میں نے اس درخواست میں عرض کیا کہ

4. My humble wish is that the amount of Istimrar Revenue, should always be paid by the Jageendar of Feerozepore to Government annually, and those individuals that are lineal Heirs and relatives of Hussa Dallah Begh Khan, their Pensions be paid from the Treasury of the Government. This is not the first time, I have made this request but from the time, I have instituted my claim.

I have the honor to be

Darlee

29th March

1831

Sir,

Your most obedient servant

Ussud Dallah Khan

Nephew to Hussa Dallah Begh Khan, the late Jageendar of Soun's Sounsa.

میرے بلاشبہ حق کو

۴۔ میری عاجزانہ خواہش ہے کہ ہندوستان استعماری کی رقم جاگیردار فیروز پور حکومت کو
 ہیشہ سالانہ ادا کرے اور معاشی خاص سبب جو جاگیردار کے وارث ہیں اور نصرا شریک کے
 رشتہ داروں کی پنشن حکومت کے خزانے سے ادا ہو۔ یہ درخواست میں نے روز بروز
 نہیں کی ہے۔ بلکہ اس وقت سے عرض کر رہا ہوں۔ جب سے میں نے اپنے حقوق کا مطالبہ
 کیا ہے۔

میں ہوں جناب کا انتہائی تابع

اسد اللہ خاں

دہلی

۲۶ مارچ ۱۸۳۱ء

بڑا دروازہ نصرا شریک خاں مرحوم

جاگیردار سونک و سونہ

My bank will be, that the amount of the thin-
 100 Rupees should be paid by the payment of
 100 Rupees to the government annually, and then the national
 bank will be the national bank of the state of the
 state, this is the bank of the state of the
 government. This is not the bank of the state of the
 government, but from the bank. I am not the bank of the
 state of the state of the state.

29. 100 Rupees
 100 Rupees
 100 Rupees

100 Rupees

100 Rupees

100 Rupees
 100 Rupees
 100 Rupees

100 Rupees

2. Copy of an English Petition which the Petitioner being aggressive with the decision passed by Mr. Hawkins, submitted to the Supreme Government.

3. Copies of Summs Granted by General Lord Lake to Nawab Ahmed Bukhs Khan.

4. Copy of an English Petition when the Petitioner has forwarded by Dak to the Supreme Government during the time of Mr. Hawkins the Resident at Delhi.

۲۔ اس انگریزی درخواست کی نقل جو دادخواہ نے مشن آفیس کے فیصلے سے
تجذیبہ ہو کر عدالت عالیہ کو پیش کی

۳۔ جرنل لارڈ لیک نے ہر اسناد و لواب امجد شہنشاہ کو عطا کیں ان کی نقل۔

۴۔ اس انگریزی درخواست کی نقل جو دادخواہ نے بذریعہ ڈاک حکومت عالیہ کو
اس وقت روانہ کی جب مشن آفیس دہلی کے ریڈیٹنگ تھے۔

- 2 Copy of an English Petition
which the Petitioner being aggrieved
with the decision passed by
Mr. Hawkins, submitted to
the Supreme Court. -
- 3 Copies of Summat printed in Pers.
Sari Lake to Nawab Khans
Bukhar Khan. -
- 4 Copy of an English Petition in
the Petitioner has forwarded
by Dak. to the Supreme Court
during the time of Mr. Hawkins
at Lucknow. -

verified from the records of the Political Office in attendance on your Lordship.

Being now greatly involved in embarrassment and entirely destitute of the means of subsistence I entertain a confident hope that Your Lordship will be kindly pleased to take my hard case into consideration, and award me justice by referring to the undermentioned documents as well as to the Report of His Excellency General Lord Lake dated 4th May 1806 and by issuing such an order as may secure my rights to me.

/ True Translation /

Sd/-

Documents referred to enclosed in the above:-

1. Copy of a Report of Sir B. Colebrooke with a copy of its reply.

ان ریکارڈس کی طرف رجوع کرنے سے جو حضور کے ٹکڑے ٹکڑے میں ہیں، اس وقت میں بڑا پریشان حال ہوں اور گزارے کے لئے بالکل تنگست ہوں۔ مجھے ٹھکانا اُمید ہے کہ حضور لارڈ صاحب میری اس دگرگوں حالت کی طرف توجہ دیں گے اور میرے ساتھ انصاف کرنے کے لئے مندرجہ ذیل دستاویزات کو ملاحظہ فرمائیں گے اور لارڈ ایک جواب کی رپورٹ مورخہ ہر مئی سنہ ۱۸۰۶ء کو دیکھ کر ایسا حکم فرمائیں گے جس سے میرے حقوق مجھے مل جائیں۔

صحیح ترجمہ

دستخط۔

منفک دستاویزات جن کا حوالہ دیا گیا ہے
اسرائیل کرل۔ بیوک کی رپورٹ کی نقس۔ ساتھ ہی اس کے جواب کی نقس۔

verified from the record of the P. O.
Office in attendance on your
address.

Being now greatly
embarrassed in my circumstances and
entirely destitute of the means of
subsistence I entertain a confi-
dent hope that your Excellency
will be kindly pleased to take
my hard case into consideration.
And always in justice by referring
to the undersigned and Committee
as well as to the Report of the
Speaking General for Lake dated
4th May 1866 and by giving such
an order as may secure my right
to one.

Yours Respectfully.

Ch. F. F. F.

Documents referred to.
1. Report of a Report of the C. F. F. F.
with a Copy of its reply.

put up with the requisite Papers and also to say that an order would be immediately issued on the subject, of which a copy would be furnished to me.

My claim is in every respect just and rightful. In consequence of the non-settlement of the question the British Government is sustaining a loss in regard to the Istumrar Revenue due to it while I myself am losing my own right. I therefore request that the fixed Istumrar Revenue may be received into the Humble Company's Treasury and the means assigned for my support may be continued to me. The real facts of my case will I humbly presume, be clear by a reference to the documents mentioned below the authenticity of which can be satisfactorily

دیا تھا کہ متعلقہ کا لذات پیش ہیں اور فرمایا تھا کہ اس کے مفروض کے متعلق جلد ہی حکم جاری کیا جائے گا اور جس کی ایک نقل مجھے دی جائے گی۔ میرا دعویٰ برپا تھا کہ اسے انصاف پر مبنی اور جائز ہے۔ اس معاملے کا فیصلہ نہ ہونے کی وجہ سے حکومت برطانیہ استراری گنان میں نقصان اٹھا رہی ہے اور میں خود اپنے حقوق کو متاثر کر رہا ہوں اس لئے میری درخواست ہے کہ اس کا مقرر شدہ استراری گنان عزت آپ کہنی کے خزانے میں وصول کیا جائے۔ اور جو ذرائع میرے گنڈے کے لئے مقرر تھے وہ مجھے دئے جائیں میرے مقدمے سے متعلق اصل حقائق میرا عاجزاد خیال ہے کہ مندرجہ ذیل دستاویزات کے لحاظ سے حیاں ہر جائیں گے جن کی صحت کے متعلق تسلی کی جا سکتی ہے۔

put up with the requests of the
and also to say that an order
would be immediately issued
on the subject, of which a copy
would be furnished to me.

My claim is in every
respect just and rightful. In consequence of the non-attendance of the question the British Government is sustaining a loss in regard to the Abdullah Khan due to it - while I myself am losing my own rights. - I therefore request that the paper Abdullah Khan may be received into the British Company's Treasury and the means of payment for my debt may be continued to me.

The rest facts of my case will I humbly presume, be clear by a reference to the documents mentioned below. The author of which can do nothing

From :

Assudoullah Khan,
Nephew of Mussurwallah
Beg Khan Jageendar
of Suwah Seres -
to the Right Honourable
Governor General.

Delivered 1st April, 1872.

In the month of December last I had the honour of making a representation to your Lordship in person at the Durbar at Delhi and also of submitting an uzee through the medium of Mr. Secretary Painsop soliciting that the papers and documents connected with my case might be called for from the Presidency Office and referred to and a proper decision passed thereon. Your Lordship was graciously pleased to accept of my application, and under its being

مخایاب اسد اللہ خان

بھادر زادہ نصر اللہ بیگ خان

جاگیر دار سرنگ و سونہ

بخدمت جناب گورنر جنرل ہر کونسل جو حکیم اپنی مل مستطاد کو

پیش کی گئی۔

گذشتہ ماہ ستمبر میں مجھے یہ عزت بخشی گئی تھی کہ میں ذاتی خود دہلی دربار میں

حضور لارڈ صاحب کی خدمت میں اپنی عرضداشت پیش کروں ملاوہ ازیں ایک

عرضی مسٹر پرنسپ سکرٹری کی رسالت سے گزراؤں کہ یہ متبہام کا فداوت اور ستاؤ

جو میرے مقدمے سے متعلق ہیں پر نیٹیشن کے دفتر سے منگوائے جائیں اور اس کو دیکھ کر

مناسب فیصلہ کیا جائے۔ حضور لارڈ صاحب نے میری یہ درخواست قبول کر لی ہے

اور حکم

1837

Spudolack Khan

Minister of Agriculture

By Khan Jafar
of South Korea.

is the Right Honourable
the Gov. General.

Delivered to the

In the month of June
in last I had the honour of sending
a representation to your Excellency
on paper at the Bureau at Calcutta
and also of submitting an image
through the medium of Mr.
Secretary, kindly desiring that
the Papers and Documents coming
with my case might be sent
from you to the Presidency Office
as referred to, and a paper con-
cerning paper thereon. Your Excellency
and are ready pleased to accept of
my application, and in view of being

Yours

and with this opinion confirmed by the Vice President, in Council, His Lordship will not be disposed to interfere with the arrangement for the stipend of the family of Nussur Oollah Khan made by the deceased Chieftain of Ferrozepore.

I have etc.

Sd/-

اور جس کی تصدیق نائب صدر بہ کونسل نے کر دی ہے۔ لارڈ صاحب اس کے
مناسب خیال نہیں کرتے کہ اس اختتام میں مداخلت کی جائے جو فیروز پور کے
نواب مرحوم نے نصر اللہ بیگ خاں کے خاندان کے لئے کیا تھا۔

یہی ہیں

دختر و دختر

کمپ مہر
۴ مارچ ۱۸۸۱ء

and with the same in
 view by the Fine Arts
 Council, the Lord's
 will not be so, but
 to interfere with the
 arrangement for the
 support of the
 family of the late
 made by the Government
 of the Province.

Yours truly

K. J.

(signed) The
 27th Dec 1901

To,

G. Swinton Esq.,
Chief Secy to Govt.
Fort William.

Sir,

I am directed to acknowledge the receipt of your letter dated 30th Ultimo with its enclosures relative to the case of Nussud Dulla Khan, and to convey the thanks of the Governor General for the consideration shown in forwarding these papers.

2. No petition has yet been addressed to His Lordship by Nussud Dulla Khan under the opinion however of Sir John Malcolm as to the genuineness of the letter of Lord Lake produced by the Heir of the late Nawab Ahmed Bux Khan.

بخدمت جناب بی سونٹن صاحب .

چیف سکرٹری حکومت

قلندریہ

جناب عالی

مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں آپ کے خط مورخہ ۳۰ مارچ گذشتہ کے موصول ہونے کی آپ کو اطلاع دوں جس کے ساتھ وہ تمام کاغذات منسلک ہیں جو اسد اللہ خاں کے مقدمے سے متعلق ہیں۔ آپ کی اس توجہ کا جس کے تحت آپ نے ان کاغذات کو بھیجا ہے۔ محرمہ زنجلی کی طرف سے شکریہ ادا کروں۔

۲۔ ابجیکٹ اسد اللہ خاں کی کوئی درخواست لارڈ صاحب کے نام موصول نہیں ہوئی ہے۔ تاہم سرواں میکار کی رائے میں وہ خط جو نواب احمد بخش خاں کے وارث نے لارڈ ایکس کا پیش کیا ہے۔ اصلی ہے۔

My dear Sir
 J. B. P. P.
 Fort Mifflin

Sir,
 I am very glad to
 receive your letter of the 10th
 with its enclosure relative
 to the case of the British
ship, and to convey the
 thanks of the British
Government for the
 information therein
 in forwarding the British
ship. The British
Government has
 been advised by the British
Government that the
British
Government is the
 government of the
British
Government for
 sent by the British
Government
British
British

at the public Durbars, during my stay at Calcutta.

2. I am under the necessity of making this unusual request in consequence of my first visit at the Residency during the administration of Mr. Hawkins, on my return from Calcutta, being received in a manner totally unwitted to my Rank and standing in the scale of Asiatic Society and extremely ungratifying to my feelings when contrasted with the certainty and civility with which I was distinguished by the Right Honourable the Governor General in Council

I have etc.,

Delhi

27th November 1830

/ A True Copy /

Signed / G. Swinton
Chief Secy to the Govt.

نے میری عزت افزائی اپنے مدارعاً میں کی تھی جبکہ میں کلکتہ میں تھا۔

۲۔ مجھے یہ غیر معمولی درخواست کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ کلکتہ سے واپسی پر جب مجھے پہلی مرتبہ مسٹر کمکس کے دورِ نظام میں شرفِ ملاقات بخش گیا تو جس طریقے سے میرا استقبال ہوا وہ میری شان و شوکت کے قطعاً حسبِ مشیت نہیں تھا۔ اگر مجھے ایذا کی ساج میں حاصل ہے۔ اس سے میرے احساسات کو ٹھیس پہنچ کر کہ اس سلوک و تہذیب کے خلاف تھا جس کے باعث گورنر جنرل بکرنل نے مجھے مستاذ بنا دیا تھا۔

میں ہوں وغیرہ وغیرہ

دہلی

نقل مطابق اصل

۱۲ نومبر ۱۲۵۰ھ

دستخط جی سوینٹن

چیف سکریٹری گورنمنٹ

at the Sultan's Court, during my stay in
Constantinople.

I am under the necessity
of writing this somewhat regrettable
letter of my friend at the time, ex-
pressing the administration of his affairs,
on my return from Constantinople, being
in a manner, totally devoted to my
and standing in the scale of his affairs,
and I have only regretted to my friend,
in my contact with the urbanity and
civility with which I was distinguished
by the Right Honorable the Governor General
in Constantinople.

I have etc.

At the
of Constantinople 1850.



دوره ساد هجری قمری
فرماندهای عالی
محمد علی پاشا

I have etc.
I have etc.
I have etc.

/ copy /

To,

George Swinton Esquire,
Chief Secretary to Government,
Fort William

Sir,

As my case is under the consideration of the Honorable the Vice President in Council, and it is likely that my claims will shortly be referred to the Resident at Delhi, for deliberation and examination, I have the honor to solicit that you will have the kindness to submit my Prayer, for the consideration of Government, that I may be brought to the Notice of Mr. Martin, the Resident at Delhi in such manner, as will ensure to me, as the descendant of the late Mussow Dallah Beg Khan, Jagheerdar of Sounk, Sonnah, in the District of Agra, the same degree of attention and compliance with which I was honored by the Right Honorable the Governor General.

نقل

مخدمت جناب جارج سونٹن صاحب

چیف سکرٹری گورنمنٹ

فورت ولیم

جناب عالی

جو کہ میرا مقدمہ عزت اکاب نائب صدر ریہ کونسل کے زیر غور ہے اور غالباً جلد ہی
ہی میرے مطالبے ریڈیٹنٹ وہی کو غور و غرض کے لئے بھیجے جائے گا۔ لہذا
موزا بانہ التماس ہے کہ میری یہ استدعا حکومت کی توجہ کے لئے پیش کر دی جائے کہ مجھے
سٹراڈن ریڈیٹنٹ وہی کے حضور میں اس طرح پیش کیا جائے کہ جس سے یہ ظاہر
ہو کہ میں نصر اللہ بیگ خاں مرحوم جاگیر دار سونک و سونہ فلیٹ آگرہ کے خاندان سے ہوں
اور مجھے اس توجہ اور عنایت سے نوازا جائے، جس قدر عزت اکاب گورنر جنرل۔

Copy

To

George T. Smith, Esquire

Chief Secretary of Government

Fort Snelling, Minn.

Sir

It may be under the consi-

deration of the Honorable the Vice President

in Council, and it is likely that my claims

will shortly be referred to the Presidential Com-

mission for deliberation and recommendation, I have this

honor to inform that you will have the privilege

to be heard in my Prayer for the consideration

of my claim, that I may be brought to the

notice of the Honorable the Presidential Com-

mission, and will endeavor to do so

as the Honorable the late President Mr.

Jefferson, Secretary of State, Lincoln,

the Honorable the late Secretary of State,

and the Honorable the late Secretary of State,

by the Honorable the Governor,

will be pleased to state his opinion on the merits of Assud Oullah claim, and in the assertion of that individual that the Document is either a forgery or was fraudulently obtained.

2. The Honorable the Governor will observe, that the Persian letter does not bear any English counter signature on the back such as is usual when Persian Letters are issued from the Persian Secretary office.

3. I am directed to request that the Original Papers may be returned to me, and that special care be taken of the alleged original letter from Lord Lake that it may be returned to Nawab Shumsod deer.

I have etc.

Signed / G. Swinton
(Chief Secy to Govt.)

Fort William

22nd October 1830

/ A true copy /

Sd/ G. Swinton
(Chief Secy to Govt.)

برادر میرانی اسد اللہ کے حقوق کی نوعیت اور اس شخص کے اصرار پر کہ یہ یا تو جعل ہے یا درحقیقے حاصل کی گئی اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔

۲۔ عزت۔ آب گورنر صاحب ملاحظہ فرمائیں گے کہ فارسی کے خط کی پشت پر انگریزی میں کی تصدیق نہیں ہے جیسے کہ فارسی سکریٹری کے دفتر سے جاری شدہ خطوں پر ہوا ہو کرتا ہے۔

۳۔ مجھے یہ عرض کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ آپ اصل کا خدات مجھے واپس کر دیں اور اس بات کی خاص طور سے احتیاط کی جائے کہ وہ خط جس کو لارڈ لیک کا بتایا جاتا ہے نواب شمس الدین کو واپس کر دیا جائے۔

میں ہوں آپ کا
دستخط۔ جی سرمنٹن چیف سیکریٹری گورنمنٹ

فورٹ ولیم
۲۲ اکتوبر ۱۸۳۰ء

1 Copy 1

To,

C. Morris, Esq.,
Chief Secy to the Govt. of
Bombay
Pol. Dept.

Sir,

I am directed by the Honorable the Vice President in Council to transmit to you the enclosed Documents noted in the Margin, and to request that the Honorable

- | | |
|--|----------------|
| 1. Note by the Secretary on case of | the Governm, |
| Assud Oallah dated 19th August, 1830 | after examin- |
| 2. Officiating Resident at Delhi dated | ing the origi- |
| 8th October | nal Persian |
| 3. Summe enclosed in -do- | Document said |
| 4. Letter from Assud Oallah Khan | to be a letter |
| 5. Lieutt. Coll. Malcolm - dated 4th | from Lord Lake |
| May 1806 | by one party |
| 6. Translation of Summe in - do - | and pronounced |
| 7. To Lieutt. Coll. Malcolm dated | to be forgery |
| 16th May 1806 | by the other |
| 8. From Lieutt. Coll. Malcolm dated | |
| 10th June 1806. | |

نقل

محترم جناب سی۔ فورس چیف سکریٹری حکومت بھٹی

جناب عالی

مجھے عزت آپ جناب نائب صدر کونسل کی ہدایت ہے کہ آپ کو منسلک کاغذات جو ماضیہ پیش
ہیں بھیج رہی ہیں۔ اور مایہ جناب گورنر سے درخواست کروں کہ

- ۱۔ اسد اللہ کے مقدمہ پر سکریٹری کا نوٹ مورخہ ۱۹ اگست ۱۸۴۸ء
- ۲۔ قائم مقام ریڈیفکٹڈ رپل مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۸۴۸ء
- ۳۔ سند منسلک ایضاً
- ۴۔ اسد اللہ کا خط مورخہ ۲۶ ستمبر
- ۵۔ نقیضہ کزن ملکم سند مورخہ ۲۶ ستمبر
- ۶۔ سند کا ترجمہ ایضاً
- ۷۔ جامہ نقیضہ کزن ملکم مورخہ ۱۹ مئی ۱۸۴۸ء
- ۸۔ منہاجہ نقیضہ کزن ملکم مورخہ ۱۹ جون ۱۸۴۸ء

فارسی کی اصل دستاویز
کو دیکھنے کے بعد ایک
فریق اس کو لاؤٹیکس
فٹ کرتا ہے اور دوسرا
اس کو اصل قرار دیتا ہے

(copy.)

To

C Norris, Esq

Chief Secretary to the Government of
Bombay.

Dear Sir,

1. Sent to the Superintendent
of the Public Works
Office 17th August 1858.
2. Copying - Printed at
Public Works Office.
3. Forwarded to the
4. Letter from the Superintendent
of the Public Works
Office 18th September.
5. Letter from the Superintendent
of the Public Works
Office 18th September.
6. Translation of the document
in the
7. To the Superintendent
of the Public Works
Office 18th September.
8. From the Superintendent
of the Public Works
Office 18th September.

I am directed by the Honorable
the Vice President in Council
to transmit to you the enclosed
Document which is the original
and to request that the Hon.
the Governor, after exami-
ning the original Persian
Document, should be a letter
from a local table by one
early and forward it
be a forgery by the
author.

fixed by Lord Lake.

And your Petitioner, as in duty bound,
shall ever pray for the prosperity and statulity
of the British Government.

Delhi,

26th Sept. 1830

✓ / A True Copy /

Sd/- G. Swinton
Chief Secy to Govt.

لاڈ لیک نے اشتہار کیا تھا۔

آپ کا داد و نمراء اپنا فرض سمجھ کر حکومت برطانیہ کی خوشنحالی اور استواری
کے لئے ہمیشہ دعا گو رہے گا۔

دہلی

۲۶ ستمبر ۱۸۳۰ء

مصدقہ نقل

دستخط جی۔ سوینٹن

چیف سیکرٹری سرکار

poils by Lord Lath.

Delhi, }
15. Apr 1858 }

And your Petitioner; as in duty
bound; shall ever prize & defend
the Prosperity and Stability of the
British Government
in the most efficient manner ☐

(a true copy,

W. Hamilton
Secretary to Govt.

Government, and 10,000 Rupees annually fixed in Colonel Malcolm's Letter may be ordered to be paid, in future, from the General Treasury at Delhi for the support, as it was designed, of the late Mussur Oollah Beg Khan's family which at present, is composed, in reality of only 5, five persons, viz. Your Lordships, Petitioner and his Younger Brother, and three sisters of the late Mussur Oollah Beg Khan, who left no issue. Your humble petitioner being the son of the Uterine brother of the late Mussur Oollah Beg Khan, is legally considered the real successor, under whose Protection the family is left. The result of a strict investigation of the Public Records at the Presidency will exhibit the truth and nothing but the truth, whilst the unbiased award of your Lordship in Council establish and recognise the real Rights of the Posterity of the family of the late Mussur Oollah Beg Khan, according to the Provision

کرے اور کرنل میکم کے خط میں جو دس ہزار روپے سالانہ نصراشدیگ خاں کے خاندان جو پانچ افراد پر مشتمل ہے جن میں سے ایک آپ کا دارخواد - دوسرا اس کا برادر خورو، تین نصراشدیگ کی ہمیشہ میں کیوں کر وہ لا ولد تھا، کے لئے مقرر کئے گئے تھے وہ خزانہ عام وطن سے ادا کئے جائیں۔ آپ کا دارخواد نصراشدیگ خاں مرحوم کا والد کی طرف سے سوخیلہ بھائی کا لڑکا ہے اور ان کا قانونی وارث ہے جس کی نگہبانی میں سارا خاندان ہے۔ اگر سرکاری ریکارڈ کی اچھی طرح چھان بین کی جائے تو سچائی اور صرف سچائی کا اظہار ہو گا۔ لاڈ صاحب پکرنسل کا فیروانہ وارڈ فیصلہ نصراشدیگ مرحوم کی آئندہ نسلوں کے اصل حقوق کو ثابت اور ان کا اعتراف کرے گا جیسا کہ

Government, and the British Consul, and the
 Colonel Macleod's letter, may be read, like
 this, in future, from the General through
 at Delhi, for the support, as it was saying,
 the late Afghan. Colonel (By Khan's family,
~~and the late Afghan~~), and compared, in a letter
 only 5, from Persia, by your Lordship
 Robinson and the younger brother, and 3
 letters of the late Afghan. Colonel (By Khan),
 who left me after your American letter,
 being the son of the late brother of the
 late Afghan. Colonel (By Khan) is highly commended
 the real success under which Robinson's
 family is left - The Court of the Court on
 obligation of the Public. Records of the Court
 today will exhibit the truth and nothing
 but the truth, which the world of course
 of your Lordship in Council will exhibit
 and recognize the real right of the
 in view of the family of the late Afghan
 Colonel (By Khan) according to the Court
 joined

forged; on 2nd, that the late Nawab Ahmed Ushsh Khan after having caused this Surrued to be drawn up and written in his Private Residency in collusion with the Omlah of Lord Lake, through the agency of bribes - when the attention of that nobleman was engaged on other subjects of importance - obtained the signature of Lord Lake to a Document, the purport of which was unknown at the moment, among the mass of Persian Papers daily and hourly, brought for signature and that it species of fraud and forgery of the worst and most dangerous tendency.

9. Your Petitioner, in conclusion, most earnestly prays, that, according to the original compact under the guarantee of Lord Lake the Jagheerdar of Porewapore may be desired to remit annually 25,000 Rupees to the British Treasury, that 15,000 Rupees, in default, originally appropriated for the maintenance of a Body of 50 Horsemen, may be credited to the account of

جمل میں۔ یاد دہانے کے لئے اس مسئلہ کو اپنی رہنمائی گاہ پر تیار کروا کر لکھوایا۔ اور لارڈ لیک کے علی کردہ ثروت سے کہ جب وہ شریف آدمی دوسرے اہم امور میں مصروف تھا اس کے دستخط حاصل کر لئے، جس کا مفہوم اس وقت ان کو معلوم نہ تھا اور جبکہ فارسی کاغذات کا ایک انبار ہر روز اور ہر گھنٹہ ان کے دستخطوں کے لئے پیش ہوتا تھا۔ یہ ایک دھوکہ دہی اور جمل سازی کا نمونہ ہے جس سے بدترین قسم کی خطرناک ذہنیت کا اظہار ہوتا ہے۔

۹۔ آپ کا درخواست آخر میں نہایت غلو سے استہدوا کرتا ہے کہ اصل معاہدہ کے مطابق جس کے ضامن لارڈ لیک ہیں۔ فیروز پور کے جاگیردار سے کہا جائے کہ وہ ۲۵ ہزار روپے سالانہ انگریزی خزانے میں داخل کیا کرے اور پندرہ ہزار روپے جو بہ پاس سواروں کے لئے مقرر تھے ادا نہ کرنے کی وجہ سے بکن سرکار جمع

papers, viz. 1. That the late Hon. Adm. Sir
Khan, after having saved the Honourable
knowing and well as his Private Secretary,
in collusion with the Consul of India, who
the the Agency of India - when the interests
of that Government was engaged in a
subject of importance, - obtaining the signature
of Lord Lytton to a Government, the payment
of which was unknown at the morning
among the High of Council before the
document, brought for signature - and this was
a case of fraud and forgery of the most
most dangerous kind.

2. Your Petitioner in conclusion, most
earnestly prays that according to the original
contract under the guarantee of Lord Lytton
September of 1854, the Government may be desired to remit
annually 15,000 Rupees to the Postal Treasury
that 15,000 Rupees, in default, originally offered
for the maintenance of the Road of 50
Mile, may be added to the same
Government.

Government ever in the shape of intimation abrogating the former arrangement.

8. On these various grounds, your Petitioner does not hesitate to pronounce the Surmat in question to be fabricated that it was never written or drawn up in the Office of Lord Lake, under the sanction of that nobleman, who never authorised the reduction of the original Provision to a moiety and that no correspondence, your Petitioner is well assured is forthcoming in the Public Department, either at Delhi, or at the Presidency, which can directly or indirectly afford to this isolated document, the color of validity - or, abstractedly any inherent matter of consecutive application, give to it the slightest pretension to Legitimacy. There seem to be two points, therefore, to be considered, calculated to lead to a true conclusion:- 1st either that the Surmat, the Seal and the Signature, are all

اس شکل میں کہ سابقہ انتظام کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔

۸۔ ان مختلف وجوہات کی بنا پر زیر بحث سند کو آپ کا دادخواہ بناوٹی قرار دینے میں ذرا لگی بجکچا ہٹ محسوس نہیں کرتا۔ یہ لارڈ ٹریک کے دفتر میں نہ تیار ہوئی نہ لکھی گئی اور نہ اس شریف آدمی نے اس کی منظوری دی، انہوں نے ملے شدہ انتظام میں کبھی ایسی کن کا اختیار نہیں دیا اور داد میں کو اس بات کا یقین ہے کہ اس بارے میں کوئی خط و کتابت سرکاری دفتر دہلی یا پریذیڈنسی میں موجود نہیں ہے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس تہاوتادین کو جائز قرار دے اور اس کے اندر بھی کوئی ایسی چیز نہیں ملے جو اس کو جائز قرار دینے کے لئے مسمولی سے بھی اہمیت رکھتی ہو۔ اس لئے اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے دو باتوں کا خیال رکھنا لازمی ہے۔ اول اس سند پر جو منخط اور ہر میہ و سب

expedient, even in the shape of continuing
abrogating the former arrangement!

On these various grounds, your ob-
jection does not relate to procedure, the
ground in question to be submitted. That
it was never created or drawn up in the
Office of Lord Dalhousie, under the sanction of
His Excellency, who never authorized the
execution of the General Provision & a
decree - and that no correspondence from
the Office is ever abused, is involving in
the "Public Department" under at Delhi, or
in the "Residence" which can, directly or
indirectly, apply to the invaluable document,
the act of validity - on absolutely any
relevant matter of concurrent additions,
and at the highest provisions to be known,
there seems to be no, or very small,
to be undoubtedly invaluable to be a very
question - 1st that the document.
the fact - and the signature - are all.
Signed

Beg Khan and that he is not bound to maintain 50 Horsemen from his Jagheer, it is clear beyond any effort of sophistry, that he ought to remit, annually 20,000 Rs. to the Treasury of the British Government unless he can produce any document which absolves him from the Original compact.

7. When 10,000 Rs. was appropriated annually for the provision of the family of the late Nussur Dallah Beg Khan out of the 25,000 Rs. originally agreed by the Jagheerdar of Perzepore to be paid annually into the British Treasury, Lord Lake reported to, and, procured the sanction of Govt. to this measure of intermediate expediency. It will therefore seem extraordinary to your Lordship in Council, how Lord Lake could have injudiciously, departed at once, from a deliberate and sanctioned pledge, under the guarantee of his own signature, by reducing the Provision to a moiety of 5,000 Rs. without holding some correspondence with

اور وہ غور کر کے پچاس سو روپے سالانہ برقرار رکھنے کا پابند نہیں سمجھتا تو اس سے بغیر کسی مناسبت کے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو مبلغ بیس ہزار روپے سالانہ سرکار برطانیہ کے خزانے میں داخل کرنا چاہیے۔ مگر کوئی ایسی دستاویز پیش کرے جس کے بموجب اس کو اصل معاہدہ سے ہٹکارہ دی جائے۔

۷۔ جب مبلغ بیس ہزار روپے سالانہ نصر اللہ بیگ خاں مرحوم کے خاندانی گزارے کے لئے ان مبلغ ۲۵ ہزار روپے سالانہ میں سے جو جاگیر دار غیر ذی پورا ساگر نیزی خاندان میں جمع کرتا تھا، وضع کر کے اس درمیانی تغیر و تبدل کی اطلاع لاٹھ نے فوراً سرکار کو دی اور منظوری حاصل کر لی۔ اس سے حضور بہ کوشش کو تعجب ہوا کہ لاٹھ ایک نے یہ غیر منصفانہ قدم ایک سوچے بچے اور منظور شدہ فیصلہ کے خلاف کیسے اٹھایا جس پر ان کے اپنے دستخط بھی ہیں اور سابقہ انتظام میں سے مبلغ پانچ ہزار روپے کی تخفیف بغیر کسی خط و کتابت کے سرکار سے

by Miran. and that he is not bound to maintain the Government from his pocket. It is clear beyond any effort of Sophistry, that we ought to demand annually 25,000 Ropes to the Treasury of the British Government, and that we can produce any document which would prove from the original compact.

4. ~~How~~ ^{How} 25,000 Ropes was appointed annually for the provisions of the Family of the Shah. Which Ropes belong out of the 25,000 Ropes originally agreed by the signatories of the Treaty to be paid annually into the British Treasury, and which, up to the end of the year, the Government of the British Empire of intermediate expenditure. I will show some extraordinary to your Lordship, that in common with Lord Lake and his government, who at once, from a soldier to an Ambassador, made the guarantee of his own signature, - by so doing the Government to a quantity of 25,000 Ropes without having some correspondence with the Government.

resolutions of Government thereon. Your Petitioner here, would crave permission to attract the attention of your Lordship in Council to the facts which follow:- In the month of May 1806, however, Lord Lake deemed it expedient to make another arrangement for the appropriation of the sum of 25,000 Rupees stipulated; by the late Nawab to be paid annually into the Treasury of Government viz. 15,000 Rs. annually, for the maintenance and continued support of a Body of 50 Horsemen attached to Mussoon Oollah Beg Khan, on his demise - and 10,000 Rs. annually for the provision of his family. Lord Lake, at that period, reported to Government on this arrangement and its sanction was obtained, as the records at the Presidency will show. Under these circumstances, if the Jagheerdar of Ferozepore contends on the validity of the Sumud now brought forth, that 5000 Rupees annually was the provision fixed for the family of the late Mussoon Oollah

و قرار داد حکومت اس پر جناب کا یہ داد خواہ اس اجازت کا مستحق ہے کہ حضور لاٹو صاحب
بکونسل حقانیت مندرجہ ذیل کی طرف توجہ مبذول فرمائیں اور مئی سنہ ۱۸۰۶ء میں تاہم لاٹو
ویک نے اس کو سو منہ سمجھا کر ایک اور انتظام کے تحت لڑا بہ مرحوم مجوزہ ۲۵ ہزار روپے
سالانہ ہر سال کا خزانے میں داخل کیا ہے اور اسی طرح ۱۵ ہزار روپے سالانہ پچاس سو روپے
کی نگہداشت کے لئے جو نعرہ شہجگ خاں سے وابستہ تھے اور مبلغ دس ہزار روپے سالانہ
اُن کے ہیں ماند خان کے لئے مقرر کئے اس وقت لاٹو ویک نے اس کی اطلاع حکومت کو
دی اور منظوری حاصل کر لی، جیسا کہ پرنسپل ڈپٹی کارپورٹور کا حکم کرتا ہے۔ ایسے حالات میں اگر
فیروز پور کا جاگیردار پیش کر دے سند کی صحت پر کھڑا ہو سکتا ہے جس کی رو سے مبلغ پانچ ہزار
روپے سالانہ کا عین نعرہ شہجگ مرحوم کے خاندان کے لئے ہوتا ہے۔

which it should emanate. Independently of this want of concaturation of circumstances it exhibits no light on the pretended relationship of Khaja Haje, whether by blood or connexion by marriage or by any other tie of fraternity.

6. The country of the Mewats, was granted in Jagheer, to the Late Nawab Ahmed Dux Khan by Lord Lake and 25,000 Rs. annually it was stipulated, should be perpetually paid by the former into the Treasury of the British Govt. To this effect, 2 original Sunnuds, under the Seal and Signature of Lord Lake are now lodged in the office of the Jagheerdar of Faruzepore and copies of those 2 Sunnuds are recorded in the office of the Resident at Delhi; one dated the 22nd of December 1804 and the other, the 4th March 1806, and it is presumed that the report of Lord Lake, of these respective dates, must be recorded in the Political Department, with the orders and

ہے یہ ادا کی جائے گی۔ ان حالات کا سلسلہ نہ ملنے کے علاوہ یہ اس بات پر بھی روک تھام نہیں ڈال رہا ہے کہ اس کا بے جیاد و عمری رشتے داری کسی بدی یا ازدواجی تعلق کی وجہ سے ہے یا اور کسی قربت داری کی بندہ کش کی بنا پر ہے۔

۶۔ میوات کا علاقہ لاہور ٹولیک نے نواب احمد بخش خاں کو جاگیر میں اس شرط پر دیا تھا کہ وہ مبلغ پچیس ہزار روپے سالانہ برطانوی حکومت کے خزانے میں داخل کرتے رہیں گے۔ اس کے متعلق دو سند یہ ہیں پر لاہور ٹولیک کے دستخط ہیں۔ جاگیر دار فیروز پور کے دفتر میں ہیں اور ان دونوں اسناد کی نقلیں ریڈیٹ ڈپٹی کے دفتر میں موجود ہیں۔ ایک پر ۲۲ دسمبر ۱۸۰۴ء اور دوسری پر ۴ مارچ ۱۸۰۶ء درج ہے۔ یہ بھی اغلب ہے کہ تاریخوں کے متعلق سرکاری احکام حاصل کرنے کے لئے لاہور ٹولیک کی رپورٹ ٹھکر پوٹیشنل میں درج ہو چکی ہوگی۔ صد احکامات

which it should emanate. Independently
of this want of conciliation of circumstances,
it exhibits, in light on this, valuable in-
formation of Khyber Pass. whether by road,
or otherwise in marriage or by any other
mode of Fertility!

6. The donkey of the Private, was paid
in gold, to the late Grand Alim, For
him in Gold and Silver and other things
it was distributed. which is very valuable, and
in the time of the Government of the British
Government. To this effect, 2 Anglican Surveys,
under the seal and signature of Lord Lake,
are now deposited in the Office of the Secretary
of War. And copies of these 2 Surveys
are recorded in the Office of the Private
at Delhi - One is in the Office of the Private,
and the other, the Office of the Private, and it is
known that the Report of Lord Lake, on
the Delhi State, and in the Office of the Private,
in the Office of the Private, with the seal of the Private,
Description

by foisting on the Jagheerdar a Provision of 5,000 Rs. for the family of the Late Mussur Oollah Beg Khan. But the real state of the case is different, as will appear in the 6th para of this Memorial.

5. In the letter of (then) Coll. Malcolm, in 1806, a provision of 10,000 Rs., annually is fixed for the family of the Late Mussur Oollah Beg Khan, without any reference to the name of Khaje Haje or his posterity. Your Petitioner here respectfully begs to remark that it is extraordinary how, in the Persian Surrued, now brought forward a provision of Rs. 5,000 for the family is mentioned and the name of Khaje Haje introduced, without the slightest advertence or explicatory allusion to the former arrangement fixed in that letter of Colonel Malcolm. This surrued, besides, is totally devoid of the usual and customary detail of the services, on account on which a benevolent grant is founded, and of the source from

کر کے نصرائیجک خاں جاگیر دار کے خاندان کے لئے یہ مبلغ پانچ ہزار روپے مہیا کر دئے اس مقدمے کی اصلیت کچھ اور یہی ہے جو اس یادداشت کے چھپے پیرے سے ظاہر ہوگی۔

۵۔ جب کرنل میکلم کے خط مورخہ ۱۲۸۷ھ میں مبلغ دس ہزار روپے نصرائیجک خاں کے خاندان کے لئے مقرر میں جس میں خواجہ حاجی یا اس کی آئندہ نسلوں کا کوئی ذکر نہیں۔ آپ کا داد خواہ نہایت اوپ سے یہ عرض کرتا ہے کہ یہ خلاف معمول ہے جو اس فارسی سند میں مبلغ پانچ ہزار روپے کا ذکر موجود ہے اور اس میں خواجہ حاجی کا نام شامل کر دیا گیا ہے اور میکلم کے مراسلہ میں جو اضافہ کیا گیا ہے اس کی طرف کوئی مصرعہ سا اشارہ بھی نہیں ملتا جس سے یہ واضح ہو جائے۔ اس کے علاوہ یہ سند اس بات کو بھی بالکل بیان نہیں کرتی کہ کن خدمت کے عوض یا کن حالات کے تحت یہ نیا ضامہ عنایت کی گئی تھی اور کس نہ

in printing in the Journal a Review of
1881 for the family of the late Steph.
Steph. (But the real state of things
 is different, as will appear in the 6th issue
 of the Journal -

5. In this letter of (Lyon) still treating
 in 1881, as a review of 1881 (Lyon) annually; is
 kind for the family of the late Steph. (Lyon)
Steph. without any reference to the name
 of Steph. or the Journal. Your Editor
 has respectfully to remark that it is an
 extraordinary fact in the Journal which
 was brought forward; a Review of 1881
 for the family is mentioned, and the name
 of Steph. individuals, without the slightest
 advertisement or explanatory allusion to the name
 arrangement found in the Journal of Steph.
Steph. - The Journal does not, in fact,
 record of the usual and customary details
 of the Journal, or account on which a Review
 is first published, and of the Journal, from
 which.

Khan, or of its confirmation by the British Government forthcoming on the record of the public offices on these very important grounds, alone the instrument objected to, must appear in a very questionable light.

4. In this fabricated Sumud, no mention is made of the source from which 5000 Rs. annually were to be paid to the family of the late Mussur Ullah Beg Khan, nor can it be known, from its general purport, on what particular account, Lord Lake was pleased to make the grant. It is as worthy of observation, as it is true, that previously to the date which this fabricated instrument bears, the country of the Muzals was granted, in Jagheer, to the late Nawab Ahmad Dux Khan. The grant of this Territory in uninterrupted possession became beyond a doubt sacred. It therefore seems unaccountably either with Policy or good Faith, how Lord Lake should have interfered subsequently

حکومت برطانیہ سے تصدیق ہوئی ہے۔ اس دستاویز سے متعلق ایسی ضروری وجوہات کا اندراج کسی سرکاری دفتر میں نہیں۔ اس لئے یوں دکھائی دیتا ہے کہ یہ تمام مشکوک ہے۔

۳۔ اس بنادنی سند میں اس کا بھی ذکر نہیں کہ یہ مبلغ پانچ ہزار روپے سالانہ نھراٹہ جگہ خاں کو کہاں سے لیا جائے گا اور نہ ہی اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لارڈ لیک کی اس خوشنودی کی کیا وجہ تھی جس کی بنا پر یہ عنایت کی گئی۔

یہ قابل غور ہے جو صمیم محں ہے کہ اس دستاویز پر درج شدہ تاریخ سے پہلے میوات کا علاقہ لڑاب احمد بخش خاں مرحوم کو جاگیر میں دیا گیا تھا۔ اس علاقے کی ملکیت بغیر کسی دخل اندازی کے تھی۔ اس لئے یہ بیان نہیں کیا جاسکتا ہے کہ کس مصلحت یا قول و قرار کی بنا پر اس میں لارڈ لیک نے دخل اندازی۔

where, as of its confirmation by the United
 government, pertaining on the grounds of
 the 'Indian Affairs' on their very important
 grounds, since the instrument should be
 must appear on a very questionable right.
 is. The this fabric of history, as
 mention is made of the time from which
 1811 it is actually now to be put to the test
 of the late 'Indian Affairs' (By History), we
 can it be known from the general history
 on what particular account. And this was
 placed to make the point. It is a matter
 of observation, as it is true, that 'History'
 is the date which this fabricated history
 from the country of the present was, and
 on going to the late 'Indian Affairs' : see
 'History' - The grant of this territory, in con-
 sequent of the 'Indian Affairs', became beyond a doubt,
 'History' - It is therefore, some years ago, and
 either with 'History' or good faith, how a
 'History' should have entered into 'History'.

the Department of Pensions and a report of the circumstances connected with each Jageerdars case, was immediately made to, and the orders of Govt. obtained thereupon. It will appear extraordinary to your Lordship in Council that this essential precaution and prescribed usage, in the conduct of Public Business, have not been observed in respect to the Sumud in question, which seems perfectly isolated, from the want of any allusive connexion with any correspondence calculated to give it any formal or official validity for neither a copy of this Sumud can be traced either in the office of the Resident at Delhi, or in the Political Department of Government at the Presidency nor is any correspondence with Lord Lake and the Government relative to the Provision of 5,000 Rs. only for the family of the late Mussur Oulla Beg

پیشن کے چمکنے پر کئی عادی تھا اور ہر جاگیردار کے بارے میں فوراً نام حالات بیان کر کے احکام حاصل کرنے کی پابیت کی تھی۔ آپ کو یہ طریقہ معمول ہو گا کہ یہ ضروری احتیاط اور مرتبہ دستور اس سرکاری کارروائی کے لئے اس سند کے معاملہ میں ملحوظ نہیں رکھے گئے جو ایک تنہا مثال ہے۔ کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں جس سے اس کا فتنہ کسی سرکاری نقطہ کو تا سے مسلم ہوا اور جو اس کو رسمی یا دفتری لحاظ سے جائز قرار دے۔ اس سند کی نقل خورینڈینٹ دہلی کے دفتر میں ہے اور پرنسپل ڈپٹی میں حکومت کے پرنسپل محکمہ اور ڈائریکٹ اور محکمہ ایسی کوئی غذا کو ثابت ہے جس کے ذریعے صرف مبلغ پانچ ہزار روپے کی نصرانہ بیگ خاں مرحوم کے خاندان کے لئے

The Department of Revenue and a Black flag.
 The communication connected with each paper.
 And also was immediately made to and
 the order of Government obtained there
 where. It will appear extraordinary to
 give this type in document that this
 is a whole for a new and presented copy
 in the context of India. But, my, have
 not been revised in respect to this
 document in question, which seems to
 be a whole from the want of any
 document connected with any correspondence
 calculated to give it any formal or official
 validity; for neither a copy of the same
 is in the hands either in the Office of
 the President at Delhi or in the Office
 of Government at the Pan.
 And also as any correspondence with
 the Government and the Government relation
 to the Government of the Pan. only for the
 purpose of the same Indian Office. By
 the same

Petitioner had been set aside.

2. In that Petition, your Petitioner represented to your Lordship in council that the Surreed which was brought forth from the Jagheendar of Ferzepore, to invalidate his claims was fabricated, false, and nugatory and, as the document is to be laid before your Honorable Board, your Petitioner, has presumed, in respectfully, to obtrude reasons by the following explanation of the grounds on which he has pronounced that document to be a counterfeited instrument possessing no circumstantial unity or connexion.

3. It is well known that Lord La'ie established as an inviolable Rule that, when a Surreed was granted to a Jagheendar, a copy of it should be deposited, as a record; in the offices of Government. This Rule also regulated

مسند کر دیئے تھے۔

۲۔ اس درخواست میں آپ کے دادخواہ نے حضور لاٹو صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ وہ سند جو جاگیر فریروز پورہ نے میرے حقوق کو ناجائز قرار دینے کے لئے پیش کی تھی وہ بناوٹی اور بے مطلب ہے۔ چونکہ یہ سند آپ کے عزت مآب بورڈ میں پیش ہونے والی ہے اس لئے آپ کا دل و خواہ اس وقت کو نہایت مناسب سمجھتا ہے کہ وہ تمام وجوہات بیان کر دے جن کی بنا پر اس کو جھوٹا قرار دیا جاتا ہے اور اس کو بالکل غیر مشفق سمجھا جاتا ہے۔

۳۔ یہ بخوبی معلوم ہے کہ لاٹو لیک صاحب نے ایک ناقابلِ تنسیخ کاغذ بنایا تھا کہ وہ سب جاگیردار کو سند عطا کی جائے تو اس کی ایک نقل حکومت کے دفتر میں رکھ جائے۔ یہی قاعدہ

Peltine had been at hand. . .

2. In that Peltine, your state represented to your Senate, and to the Senate which was single for the the judgment of Peltine, to ensure his crime, was definitely calculated, and unjust. And as the Senate was to be held before your Honorable Court, your Peltine has, however, refused to obtain assurances. In following explanation of the grounds on which he has grounded his demand to be a constituted historian. Refusing uncircumstantial corroborating evidence.

3. It is well known that a state which is an inviolable state, when a demand was granted, a September, a day of it should be definitely as a Board, and the relation of government. This Rule also means

/ Copy /

To,

The Right Honorable
Lord William Bentinck K.E.B; etc. etc.,
Governor General in Council,
Fort William

The Petition of Usudollah Khan the Nephew
of the late Mussur Oollah Beg Khan, Jagheer-
dar of Jowak Samsah in the district of Agra,
residing at Delhi.

Humbly Sheweth,

That your Petitioner has learnt with
gratitude and elated hope, that your Lordship in
Council has been pleased, in consequence of a
Petition presented by him in the month of July
last, to your Honorable Board, to call on the
Acting Resident at Delhi for the original
Surud on which the claims of your

خدمت جناب عزت آپ لارڈ ولیم بنک کے ای۔ بی۔ وغیرہ وغیرہ

گورنر جنرل بہ کونسل

لورڈ ولیم

عرض اسد اللہ خاں برادر زار حضرت شہید خاں مرحوم

جاگیر دار سوگند سوسنہ ضلع آگرہ ساکن حال دہلی

موجود انکس ہے کہ

آپ کے وارخواہ نے نہایت ممنون اور شہامید ہو کر اس بات کو مناسبہ کر لارڈ
صاحب بہ کونسل لے کر اس درخواست پر خدمت آپ کو دی گئی تھی۔ نتیجتاً یہ لکھا ہے
کہ وہ اصل سند پیش کی جا کے میں کی ٹروسٹ قائم مقام ریڈیٹنٹ دہلی نے سائل کے حقوق

(۵۹)

To

The Right Honorable
Lord William Bentinck K.G. &c.
Governor General in Council
Fort William

The Prison of Madras at Kham
The Prison of this city Madras District
3rd Division, Department of Prisons,
Madras in the District of Madras
working at Delhi.

My dear Sir,

That your Honorable has received
with gratitude and stable hope, that your
Lordship in Council has been pleased
to approve of a Prison of Madras by
you in the month of July last, to your
Honorable. Prayers to care on the subject
Prison at Delhi go, the command
to be made in which the prison, to be
Bentinck

of my former representation, to obtain from the
Jagheendar of Ferozepore and forward for the
inspection and consideration of the Right
Honorable the Governor General in Council.

I have etc.,

Delhi

26th September 1830

/ A True Copy /

Sd/ Chief Secy to Govt.

میری سابقہ درخواست کے نتیجے میں کہ وہ جاگیردار فیروز پور سے
حاصل کی جائے، اور عزت مآب گورنر جنرل بہ کونسل کو برائے معائنہ اور
توثیق ارسال کر دی جائے۔

میں ہوں آپ کا

دہلی ۲۶ ستمبر ۱۸۳۰ء

نقل مطابق اصل

دستخط: چیف سیکریٹری سرکار

/ Copy /

To,

S. Fraser, Esqr.,
Deputy Secretary to Government,
Political Department,
Fort William.

Sir,

With reference to a Petition which I submitted through you, in the month of July last, for the consideration and orders of His Lordship in Council, I have the honour to transmit to you the enclosed memorial, which I respectfully solicit may be laid before the Honourable Council Board at the same time with the Original Summat, which the Acting Resident at Delhi has been desired, in consequence

نقل

بخدمت جناب ایس فریزر صاحب

ڈپٹی سیکریٹری گورنمنٹ

فکری پریس

فورت ولیم

جناب عالی

بھولا میری عرضداشت جو میں نے آپ کی وساطت سے گزشتہ ماہ جولائی میں حضور لاٹ صاحب کو رسل کی ترجمان اور احکامات کے لئے پیش کی تھی۔ یہ مسئلہ یادداشت بھی ارسال خدمت ہے اور توجہ باذ عرض ہے کہ یہ بھی اس اصل سند کے ہمراہ کو رسل پورٹ کے سامنے پیش کر دی جائے جس کو حاصل کرنے کے لئے قائم مقام ریڈیٹنٹ دہلی سے درخواست کی گئی ہے۔

(copy)

S^r Fraser, Esq

Deputy Secretary to Government

~~General Department~~

Fort William

Sir,

With reference to a Petition which
I submitted this year, on the 10th of
July last, for the consideration and
aid of His Lordship in Council, I
have the honor to transmit to you the
enclosed Memorial, - which I respectfully
submit may be laid before the Hon^{ble}
Council Board at the same time
with the original Memorial, which
the Acting President at Delhi
has been desired, in consequence

Y^{rs}

Jagheerdar of Ferozepore.

8. Your petitioner has presented two petitions to the Resd. at Delhi, one under date 6th March 1870 and the other of 20th of the same month and year and it is painful to your petitioner to think that the Resd. has neither taken these petitions into consideration nor submitted them to Govt. But has decided the Matter exparte.

9. Your petitioner pointed out in his petition to the Resident two Surnuds under the Seal of Lord Lake, the Original at Ferozepore, and the copy in the office of the Resident at Delhi. One in the name of the late Nawab Ahmed Buhsh Khan granting Ferozepore Jeerhhan our Sawakhs in Istannar 5,000 Rs. per annum dated 22nd December 1804. The other, in the same name, granting Poonah Hanah, Beehwa and Nugeena, and in Istannar 20000 Rs. per annum dated 4th March 1806 and it occurs to your petitioner that the Resident has not brought the subject of these Surnuds under the consideration of your Lordship.

جاگیردار فیروزپور

۸۔ آپ کے داروغہاء نے ریزیڈنٹ دہلی کی خدمت میں دو عرضداشتیں مرفوعہ ۴ مارچ ۱۸۷۰ء پیش کی ہیں لیکن اس خیال سے سائل کو تکلیف ہے کہ ریزیڈنٹ صاحب نے نہ تو ان پر غور فرمایا اور نہ ہی حکومت کو پیش کریں بلکہ معاملہ کو بیطرفانہ کر دیا۔

۹۔ اس سائل نے ریزیڈنٹ دہلی کو اپنی درخواست میں ترقی دہلی کے گورنر ایک کی مہر اور سند کیا تھی جو اسٹار اصل فیروزپور میں اور دہلی کے لایا جانے والی ریزیڈنٹ دہلی کے آفس میں ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس میں مرحوم احمد بخش خاں کو فیروزپور مقرر کر کے سکس کس کی جاگیر ۵۰۰ روپے سنہ ۱۸۰۴ء کو بطریق استمرار مبلغ پانچ ہزار روپے سالانہ عطا کی گئی تھی اور دوسری سند مہاراجہ مستندہ کی ہے جس کے ذریعہ نواب مرصوف کو جاگیر لوانا پڑی۔ پھر دار لگانے بطریق استمرار مبلغ بیس ہزار روپے سالانہ ہدی گئی تھیں لیکن حضور کے داروغہاء کو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ریزیڈنٹ دہلی ان اسناد کے معنوں کو جناب والا کے مافذ میں نہیں لائے۔

Lord William Cavendish Bentinck etc.,
Governor General of British
India in Council.

The Petition of Usuddollah Khan, the
Nephew of Nussurwollah Beg Khan; Jagheer-
dar of Sunk Sounah and Inhabitant of Delhi.

Humbly Sheweth:

That your Lordship in Council is aware that your
Petitioner in the first instance laid his grievances
before your Honble Board at Calcutta, when the Honble
W.B. Bayley Esqr. was acting Governor General, as the
Records of Govt. will shew; and the order passed there-
on was, that your petitioner should lay his statement
before the Rest. at Delhi.

2. On referring to the Petition presented to your
Honble Board, when your Petitioner was in Calcutta, it
will appear, that your petitioner was preferred two
complaints one that the Jagheerdar of Ferozepore has
diminished very considerably the annual allowance,
conferred on Nussurwollah Beg Khan family since his
death and the other that, from the limited allowance
allotted to the family, an interloper named Khaja Hajee
and been foisted to whom a portion is payable, by the
said Jagheerdar irregularly, unjustly and illegally.
In that petition your

خدمت جناب لاہور میں کراؤش بنگلہ وغیرہ

گورنر جنرل حکومت ہند بھائیہ بکرنل

اسد اللہ خاں پارسہ زائد نصرت علیگ خاں جاگیر دار سونک دسرفہ ساکن دہلی کی عاجزانہ

درخواست کہ

جناب والا بکرنل کو علم ہے کہ دواویس نے اپنی مرتبہ اپنی شکایات عزت آپ بورڈ کے سامنے
کھلتے میں پیش کی تھیں جبکہ جناب ڈیپوٹی۔ بی۔ جیے قائم مقام گورنر جنرل تھے جیسا کہ حکومت کے رجسٹرو سے
ظاہر ہو گا کہ اس پر حکم ہوا تھا کہ دواویس کو اپنا بیان ریڈیٹ نہ دے دے کہ اسے مکمل ہوا ہے۔

۲۔ بحوالہ بالا بورڈ کو بھی کر دہ درخواست ہے ظاہر ہو گا جبکہ ساکن شکایت میں تھا کہ دواویس نے وہ شکایات
کو ترجیح دی تھی۔ اسلئے کہ جاگیر دار فیروز پور نے نصرت علیگ خاں کے خاندان کو عطا کردہ گزرو میں قابل غور رشک
ان کے انتقال کے وقت سے کر دی ہے۔ وہ ہم پر کہہ سکتا ہے کہ اس مقروضہ رقم میں کسی ایک بالکل غیر متعلق شخص خواہ
عائلی کو حصہ ملے گا یا ہے جو بے جا ہو گا۔ بے انصافی اور غیر قانونی ہے۔ اس درخواست میں

For the same reason, it is not
 in the power of the British
 to do it.

The Petition of the British
 to the British
 to the British
 to the British
 to the British

And the same is:

The 1st your Lordship informs
 is now that your Petition in the first
 instance laid before the House of
 Commons at Calcutta, when the British
 to the British, as the result
 of your will show: And the other paper
 there on was, that your Petition lay before
 before the British.

2 — In referring to the Petition
 presented to the British House, which is
 in Calcutta, it will appear, that
 your Petition has before the British
 as that the Government of the British
 has diminished very considerably the
 annual allowance, proposed in the
 British House of Commons, to the
 British, that, from the British
 allotted to the British, and the British
 name of the British has been found
 to show a portion is payable, by the
 said Government, regularly, regularly
 & regularly. — In that Petition, your

Your Humble Petitioner, being the son of the Uterine brother of the late H.O.B.K. is legally considered the real successor, under whose protection the family is left. The result of a strict investigation of the public Records at the Presidency will exhibit the Truth - and nothing but truth : whilst the embarrassed award of your Lordship in Council will establish and recognise the real Rights of the Posterity of the family of the late H.O.B.K., according to the Provision fixed by Lord Lake. -

and Your Petitioner as in duty bound, shall ever pray.

Sd/

آپ کا دادخواہ نصر اللہ بیگ خاں مرحوم کا بھتیجا ہے اور تانائے ان کا ہاں نہیں قرار دیا گیا ہے۔ اس کی نگرانی میں یہ خاندان رہتا ہے۔ پرنسپل ٹیٹنسی سیکرٹری کے چیک ریسیڈو میں پوری توجہ کے ساتھ کلاش سے اس معاملہ کی صداقت بخوبی واضح ہو جائے گی۔ ایسی کہ جس میں سراسر صداقت ہیں ہرگز تب حتمہ والا ہو کہ نسل یقینی طور پر فیصلہ فرمائیں گے اور نصر اللہ بیگ خاں مرحوم کے وارثوں کے حق کو وارڈ ٹریک کی قرار داد کے بموجب برقرار رکھیں گے اور سائل ہمیشہ پابند فرض و عاگوں ہے۔

Your Grandfather, being the son of the
 uterine brother of the late N.O.B.K.,
 is legally considered, ~~after~~ ^{as} the real Successor
 under whose protection the Family is
 left. — The Result of a strict in-
 vestigation of the Public Records establish-
 ed at the Presidency, will exhibit the
 Truth — Nothing but the Truth. Whilst
 the award of Your Lordship in Council
 will establish & recognize the ^{only} Rights
 of the Posterity of the Family of the late
 N.O.B.K., according to the Provision
 fixed by Lord Lake. —

And Y. P. is in duty
 bound, shall ever pray —
 Sir

the color of validity as abstractedly, by any inherent matter of consecutive application give to it the slightest pretension to legitimacy - There seem to be 2 points therefore to be considered, calculated to lead to a true conclusion: 1st Either that the Sunnid, the Seal and Signature are all forged, or 2nd that the Late Nawab A. B. K., after having caused this Sunnid to be drawn up and written in his Private Residence, in collusion with the emlar of Lord Lake, through the Agency of Briber, when the attention of that Nobleman was engaged on other subjects of importance, obtained the signature of Lord Lake to a Document, the purport of which was unknown at the moment, among the Mass of Persian Papers daily and hourly brought for signature, and this is a species of Fraud and Forgery of the worst and most dangerous tendency.

9. Your Petitioner prays most earnestly in conclusion that, according to the Original Compact, under the guarantee of Lord Lake, the Jagh-e-eidar of Faropore may be desired to remit, annually, 25000 Rs. to the British Treasury that 15,000 Rs. in default, originally appropriated for the maintenance of a body of 50 Horsemen, may be credited to the account of Government, and 10,000 Rupees annually fixed in Colonel Malcolm's Letter, may be ordered to be paid in future, from the General Treasury at Delhi, for the support, as it was designed, of the late M.D.B.K. family, which, at present, is composed in reality of only 5 five Persons, viz: your Lordship's Petitioner and his younger Brother, and 3 sisters of the late M.D.B.K., who left no issue

کو اصل قرار دیا جاوے اور اس مسئلہ پر اختلاف ہی کوئی ایسی چیز نہیں جس سے ان کے جان کر ہونے کا عمل سامنے آجائے انھوں نے اس لئے
ظاہر کیا کہ ان کے فلسفہ پر کتنی ہیں جس میں اصل ترک وصال میں رہنا ہی ان کی تسکین تھی۔ ایک کو یہ کہہ سکتے تھے کہ وہ بہتر اور درجہ مختلف ہیں جیسا
دوسری صورت میں ہو سکتی ہے کہ قراب اس میں ان کا فیصلہ نہیں ہے اس لئے آپ ہی عرض کیا کہ ان کو اور اپنے ہی کمر پر کھڑا کر لائے لیکن
جو سے سناؤ ان کے دشمنوں کے لئے کو ایسے واقعات ہیں جب وہ نہایت اہم کاموں میں مصروف ہیں کہ تو ان سے اختلاف کرتے ہیں گے جبکہ
اس کا فیصلہ نہیں ہے۔ پس وہ ان کو ایسا کہہ کر کہہ دیں کہ ان کو ان کے دشمنوں کے لئے پیش ہونا چاہیے اور انھیں چاہئے
نظر رکھ کر اور بہتر ہی قسم کی جملہ سائنسی اور دھرم کو دیکھ رہے۔

[illegible]

the colour of O.G., or pen. abstracted by any
... and question of convenient application. viz: it is the
highest pretension of legitimacy. - Therefore, this
must be 2 Points, to be considered, calculated to lead
to a true conclusion: 1) Whether that the Seal and
the Seal & the Signature - are all forged; or 2) 3,
that the Late Nawab, A. B. K., after having caused
this Demand to be drawn up & written in his
Private Residence, & in collusion with the holder
of Lord Lake, this 'the Agency of Oude, - then the
attention of that Nobleman was engaged on the
subject of the portance, - obtained the Signature
of Lord Lake to a Document, the purport of
which was unknown to that Nobleman at the
moment, among the heap of Persian Papers
daily & hourly, brought for signature. - And
this is a species of Fraud & Forgery of the worst
& most dangerous tendency in evidence.

9 - That your Petitioner most earnestly
that, according to the Original & plain Contract
under the Signature of Lord Lake, the Sagirdar
of ... therefore may be desired to visit, on a scale
of 2,500 ... the British Treasury that ...
in default, originally appropriated for the
maintenance of a Body of 50 Horsemen, may
be credited to the account of Government;
& 10,000 Rupees annually paid in Cash.
That Lord Lake, may be ordered to be paid
in full, from the General Treasury at Delhi, for the
discharge, as it was designed, of the Late A. B. K.
Family, which, at present, is composed, in
reality, of only 5 fine Persons, viz: 5 your
Honour's Petitioner's younger Brothers, and 3
children of the Late A. B. K., who left no offspring.

For neither a copy of this sumud can be traced either in the office of the Resident at Delhi, or in the Political Department of Govt. at the Presidency - nor is any correspondence with Lord Lake and the Govt. relative to the Pannison of 5000 Rs. only, for the family of the late Musau Qullah Beg Khan, or of its confirmation by the British Govt. forthcoming in the records of the Public offices. On these very important grounds, alone, the Instrument objected to must appear in a very questionable light.

4. In this fabricated Sumud, no mention is made of the source from which 5000 Rs. annually were to be paid to the family of the late M.O.B.K. nor can it be known, from its general purport or what particular account, Lord Lake was pleased to raise the Grant. It is an anomaly of observation, as it is true that previously to the date which this fabricated instrument bears, the country of the Pethals was granted, in Jagheer, to the late Musau Abdul Buz Khan. The grant of this territory, in uninterrupted possession, became beyond a doubt, sacred. It therefore, seems unaccountable, either with policy or good faith how Lord Lake should have interfered subsequently, by forcing on the Jagheerdar a Provision of Rs. 5000 for the family of the late M.O.B.K. But the real state of the case is different as will appear in the 5th para of this Memorial.

5. In the letter of (then) Col. Palkota in 1826, a provision of 10,000 Rs. annually is fixed for the family of the late M.O.B.K., without any reference to the name of Khase, Major, or his posterity. Your Petitioner has respectfully begs to remark that it is extraordinary how, in the Pannison Sumud,

کہا کہ اس مسئلہ کی نقل دینی نہ دلی کے دفتر میں موجود ہے اور اگر مختلف کے پائلٹ ڈیپارٹمنٹ میں موجود ہے تو کسی مکتوب میں
 ہے اور دلائل ایک کی گورنمنٹ کے ساتھ کسی ایسے رابطہ کو موجود ہے میں میں پانچ ہزار روپیہ صرف ایک سال میں کم کے
 ناکارہ کر کے جانے کا کر رہا ہے، اس کی حوالہ دینے کی بجائے اس کے ساتھ اس کی کوئی تفسیق موجود ہے۔ ان کے نام و حوالہ کے چار
 مترقہ دستاویز ناقابل عقیدہ ہوتے ہیں۔

۳۔ اس بنیادی مسئلہ میں یہ نہیں بتایا گیا کہ پانچ ہزار روپیہ سالانہ خزانہ کی بجائے اس کے خاندان کے کس کو فراہم ہے اور اس کے
 لئے اور اس سے کہیں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس خاص خزانہ کی ایک بنیاد ایک نے اس کی منظوری دی۔ یہ میں قابل غور ہے کہ بنیادی
 مسئلہ میں جو نام لکھا ہوا ہے اس سے پہلے میراثیوں کی حوالہ دیا ہے کہ اس میں میراثیوں کو دیا گیا تھا اور اس میں پرانے کا قبضہ خانہ
 قابل اعتراض قرار دیا تھا اور پھر اس میں ایسی باتیں لکھی تھیں کہ وہ معلوم نہیں تھیں، جس کی مدد سے لکھ نے بعد میں ایسی بداعت کی کہ
 اس جاگہ میں سے پانچ ہزار روپیہ فراہم ایک خاص خزانہ کے لئے منظور کئے گئے۔ وہ اصل معاملہ کی حیثیت اور یہ ہے کہ اس
 غرضداشت کے پیچھے یہیے گرفت سے معلوم ہو گیا۔

۵۔ کرل مکتبہ کے طے میں جو مسئلہ لکھا کہ اس کے لئے اس کے خاندان کے لئے اس میں جو سالانہ منظور کئے گئے ہیں
 میں میں غلام حاجی کا کہیں نام نہیں ملتا ہے اس سے آئندہ متعلقہ سے کوئی شک ہے۔ لہذا اس کی بنیاد اس سے گرا کر اس ہے کہ یہ کوئی
 بات ہے اس مسئلہ میں

for another a Copy of the same can be traced
 either in the Office of the Resident at Delhi, or
 in the Political Department of Government at Calcutta - nor the any correspondence with Lord
 Lake & the Govt, relative to the Provision of
 5000 Rs. for the Family of the late Major
 David Bogle, or of its appropriation by the
 British Govt, forthcoming in the hands of the
 Public Officers! - In this very important
 grounds, alone, the documents referred to, will
 appear in a very questionable light -

4 - In this fabricated record, no mention
 is made of the source - whether the money
 from which 5000 Rs. annually was to be paid
 to the Family of the late Major Bogle, as can be
 known, from the prospect of the same, or
 on what particular account, Lord Lake was
 pleased to make the Grant. - It is an act
 of favoritism, as it is true, that, previously to
 the date when the Grant was made, the
 Family of the late Major Bogle was granted, in
 the County of the late Major Bogle, in
 the late record of the same. The
 Grant of this Territory, in an attempt to
 secure the same, was made. The
 same, was made in 1818, and was
 therefore, seems unnecessary, unless with
 policy or good-faith, the late Major Bogle
 had interfered to subsequently, by forcing
 on the Government a Provision of 5000 Rs.
 for the Family of the late Major Bogle & Co.
 the late Major Bogle, the late Major Bogle, in
 the late Major Bogle, the late Major Bogle, in
 the late Major Bogle, the late Major Bogle, in

5 - In the letter of (then) Col. Bogle,
 in 1818, on this case, a Provision of 5000 Rs.
 was made for the Family of the
 late Major Bogle, without any reference
 to the name of Major Bogle, or his Family.
 The name of Major Bogle, the late Major Bogle, in
 the late Major Bogle, the late Major Bogle, in
 the late Major Bogle, the late Major Bogle, in

submitted to my perusal, and informed him that the Governor General in Council desired to see it, in consequence of a Memorial from the said late Assud Oollah Khan in which the letter in question is asserted to be torn. The Nawab had just sent torn required written in persian or -- the great seal and signature of -- and in submitting it herewith -- that Government will, on inspecting it be as fully convinced of its genuineness as I was when in May -- I reported on Assud Oollah Khans claim and will not suffer the false assertion of that person who has given so much trouble to the Government to you and to -- so much offence to the -- to pass unpunished.

Assudoolah
Khan's assertion
that the
said letter is
a forgery
utterly false
and deserving
of punish-
ment.

I have etc.,

Delhy Resy.

Signed/ J.

Oct. 8th 1870

جس کیا تھا اور مطلع کیا کہ اگر زجرزل یہ کونسل اس کو دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ برہنہ کے ایک عرضداشت جو اسد اللہ خاں کی طرف سے ہے اور جس میں متعلقہ خط — ہونا بیان کیا گیا ہے۔ نواب صاحب موصوف نے ابھی ابھی وہ مظلوم — واسطہ سمجھا ہے جو فارسی میں لکھا ہوا ہے اس پر ٹھرا علی اور دستخط کجی ہیں۔ اس کو ساتھ ہی پیش کرتے ہوئے یقین ہے کہ حکومت اس کا سامنا کرنے پر اس کے اصل ہونے میں اس قدر یقین کرے گی جتنا میں نے کیا تھا۔ جب کہ میں نے ماہ میں برلرٹ دی تھی۔ اسد اللہ خاں کے دعوے کے متعلق اور اس کے جھوٹے بیان پر حکومت اس شخص کے زب میں نہ آئے گی۔ جس نے سرکار کو اتنا پریشان کیا اور آپ کو بھی اتنی گرفت دی اس کو بغیر سزا کے چلنے دیا۔

اسد اللہ خاں کا بیان کہ
ذکرہ و اسد صلی ہے
بالکل جھوٹا ہے اور
مستوجب سزا ہے۔

دہلی ریڈیٹنس
دہلی ریڈیٹنس

میں ہوں آپ کا
دستخط جی، سنوٹن

... and ...
... that the ...
... leaving to ...
... a ...
... which ...
... in question is ...
... has just ...
... in ...

...
...
...
...
...
...
...

... the ... and ...
... in ...
... that ...
... it is ...
... as ...
... on ...
... and ...
... of that ...
... it ...
... to you ...
... to ...
... .

...
...
...

/ Copy /

Geo: Swinton Esquire,
Chief Secy to the Government
Political Department
Fort William

Sir,

Immediately on receipt of your letter dated 20th of last August, viz. on the 13th Ultimo I addressed a letter to Nawab Shumsuddeen Ahmad Khad requesting him to send again to me the letter from Lord Lake to his Father Nawab Ahmad Buksh Khawn, dated 7th June, 1836, fixing the allowances to be paid to the Family of Mirza Musseer Oallah Khan deceased which on a former occasion, how the claim of Asad Oallah Khawn alligs Mirza Nowsha was under investigation, he (Laird) Nawwab had

نقل

بخدمتِ ہارج سونٹن صاحب چیف سکرٹری گورنمنٹ۔ پرنسپل ڈپارٹمنٹ

فریڈ ولیم

جناب عالی

آپ کا مکتوب مورخہ ۲۰ اگست گزشتہ جیسے ہی ملا یعنی ماہ گزشتہ ۱۳ ذی الحج کو میں نے فوراً ہی نواب شمس الدین احمد خاں کے نام ایک خط ارسال کیا اور اس میں ان کو لکھا کہ لارڈ لیک کا خط مورخہ ۷ جون ۱۸۳۶ء جو ان کے والد نواب احمد بخش خاں کے باپ ہے اس کو بھر سہجہ دیں۔ اٹاؤنوں کی تقرری کے بارے میں جو مرزا نصر اللہ بیگ مرحوم کے خاندان کو دیتے جاتے ہیں ان میں کہ اس خط کی موجودگی اسد اللہ خاں عرف مرزا انوش کے دعوے میں زیرِ تفتیش ہے۔ دو خط ایک سابق موقع پر میرے ملاحظہ کے لئے نواب موصوف نے



Mr. Swinton, Esq.
1157 Broadway, to the Government
Ethiopian Department
Fort William

Immediately on receipt of your letter
dated 20th of last August, say on the 13th inst.
I addressed a letter to Nawab, thanking
him for his kind request and
informing him that the letter from the
Nawab to his Father dated 18th of
August 1884, dated 14th of June 1885,
during the absence of his father to the
family of Mirza Asaf Khan Collection
of the Nawab, was in a secure position
and that the letter of the Nawab dated 18th of
August 1884 was under
investigation by the Government
authorities

within the line which it is the intention of the Honorable the Governor General to maintain, Malogheer the Jagheer of Behauder Khan as in the District of Goel as you will observe by reference to my dispatch under date the 24th Jay. 1806.

I have etc.,
Sd/ John Malcolm Rest.

Head Quarters

Cawnpore

10th June, 1806

/ A True Copy /

Sd/ G. Swinton

Chief Secy to Govt.

اُس حد کے اندر میں جو گورنر جنرل رکھنا چاہتے ہیں جیسے بہادر خاں کی جاگیر
الو گھیر ضلع کوئل میں ہے جس کو آپ میرے مراسلہ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۸۰۶ء
کے ملاحظہ سے سمجھ جائیں گے۔

میں ہوں آپ کا

دستخط : جان مالکم

تقل مطابق اصل

صدر دفتر

۵۲ نمبر

۱۰ جون ۱۸۰۶ء

دستخط : جی۔ سونٹن

چیف سیکریٹری گورنمنٹ

within the line which it is the initials of
of the Honorable the former President
President, Philip H. Hughes of R.
whereas then as in the Constitution
but as you will observe by reference
to my "draft" made with the 20th Sept.

Dear Sir
New York
16 June 1896

I have you
of the President
Respect
/ 12 June 1896 /

Respectfully
Chas. F. Smith

1896.
Chas. F. Smith

Chas. F. Smith -

When you have the
the President of the
the President of the
the President of the
the President of the
the President of the
the President of the
the President of the
the President of the
the President of the

cannot be estimated when it has recovered a little from the late Ravages to which it was exposed at less than a nett revenue of Two lacks of Rupees per annum, Lord Lake conceives that the Governor General might not have been aware of this great difference on point of value between these possessions and has therefore not mentioned the subject to Nejabat Ally Khan.

(Communications have been made in answer to the applications of Murteza Khan and other Chiefs under similar circumstances in favor of their relations informing them in a general way that Government would hereafter take the subject of providing for their support into its consideration and that they might rely that a liberal arrangement would be made.

The Possessions of all these chiefs are (His Lordship believes)

دولاکھ کے سالانہ نگان سے کم نہ ہو گا۔ جب کہ وہ گزشتہ بربادیوں کے اثرات سے قدرے سدھر جائے جو اس کو درپیش ہیں۔ لارڈ لیک کا خیال ہے کہ گدڑ جنرل دونوں مقبرہ خروں کی قیمت میں اتنے بڑے فرق سے آگاہ نہیں ہوں گے اور انہوں نے اس وجہ سے سجاہت علی خاں سے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ درخواستوں کے جواب میں مراسلے مرتضیٰ خاں اور ان جیسے دیگر امرا کو ان کے رشتہ داروں کی موافقت میں بھیج دئے گئے ہیں اور بطریق معمول مطلع کیا ہے کہ حکومت ان کی گذراؤفات کی ادراؤ کرنے کے معاملے پر بعد میں عمل کرے گی اور یہ کام قریب دلی سے کیا جائے گا۔

لارڈ صاحب یقین کرتے ہیں کہ ان سب امراؤ کے مقبرہ خرو

considered to be returned when it has arrived
 & is taken from the late Congress to which
 it was referred at last. There is a great
 number of Circulars of Papers for
 Congress, but the committee that the
 Governor General might not have been
 aware of this great difference in points
 & has been between this Congress &
 has therefore not mentioned the sub-
 ject. (Against All India).—

Communications have been
 made in answer to the applications of
 Durkha Khan and other Chiefs and
 similar persons in view of
 their relations informing them in ap-
 propriate way that Government would
 interfere to the best of its power
 to bring about in its (mediation)
 so that they might get the desired
 arrangement made & be satisfied.—

The objects of all
 these Chiefs are the same but the time of
 settlement.

arrival at Fort William to afford the Honourable the Governor General every information in my power that can assist his decision respecting the ultimate disposal of the advanced districts of Rewaree, Mob and Sonah.

The communication of the Governor General's eventual intention has been made to Ahmed Buhsh Khan who states that he is most grateful for the favours he has already received and will endeavour to prove himself worthy of any further mark of the confidence of Government.

The Jageer enjoyed by Nijabut Aly Khan in the Company's Dominions is not above Ten Thousand Rupees per Annum and not more than half as in the Doab the other is in Panniput. The province of Rewaree which is a settled country and not subject to internal disturbance

فرٹ ولیم سینچے پر عزت آگورڈ جنرل کو ہر ممکن اطلاع دینے کے لئے جس سے ریواڑی نوب اور سونا کے اضلاع کے متعلق آخری فیصلہ میں مدد مل سکے۔ گورڈ جنرل کے اسکا فی ارادہ سے بہر حال احمد بھٹن خاں کو مطلع کر دیا گیا ہے جس پر وہ عرض رشاں میں امدان مہربانیوں کا اذہا احسان مند اور بہر مند پہلے کہیں سوچے ہیں اور کوشش کریں گے کہ وہ اپنے آپ کو حکومت کے مزید غرضوں دا اعتماد کے قابل ثابت کریں۔

منہایت علی خاں کی جاگیر جو کہیں کے قلم رو میں ہے وہ دس ہزار روپے سالانہ سے زیادہ کی نہیں اور نہ اس کے نصف سے زیادہ ہو دو آب میں ہے اور نہ نگر جو پانی بہتا میں ہے۔ ریواڑی کا صوبہ جو پرا سن ہے اور اندرونی جیگروں میں مبتلا نہیں ہے۔

arrival of Lord Dalhousie to afford
the Honorable the Governor General
information in my power that I
afford his decision respecting the ab-
solute disposal of the revenues. The
lands of Panwar, Rind and Sindh.

The communication
of the Governor General's order that in
future the revenue of Rind and
Rind Khan will be paid to the
British Government and I am
most grateful for the favor he has
already shown and will endeavor
to prove himself worthy of any further
mark of the confidence of Government.

The Government (by)
Major General Khan in the Company's
Commission is not alone in Rind
Chapman for Panwar and not more
than half as in the case of the other
as in Panwar. The Province of Rind
which is a little Panwar and not
subject to the same & disturbed - p.

cannot

1 Copy /

To

M. B. Edmonstone Esq.,
Etc., Etc., Etc.,

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your Letter of the 16th Ultimo and am directed by the Right Honorable Lord Lake to state that the Summuds transmitted in your dispatch of the 18th Ultimo (which has also been received) have been given to Nefabut Aly Khan and Abdul Buksh who had attended his Lordship to Campore. That to Abdul Sumrud Khan has been delivered to his Vahiel.

I leave Campore in a few days and shall be prepared on my

نقل

بخدمت امیر، بی ایڈ منشن صاحب وغیرہ

جناب عالی

میں آپ کے مکتوب مورخہ ۱۶ گزشتہ کی وصولیابی کی اطلاع دینے میں اپنی عزت بکھتا ہوں یہ عرض کرنے کی مجھے ہدایت ہوئی ہے۔ عزت آپ لارڈ لیک کے کہ آپ کا مراسلہ مورخہ ۱۸ گزشتہ موصول ہوا۔ وہ جس کے ساتھ آپ نے اسناد بھی بھیجی ہیں اور وہ اسناد نہایت اعلیٰ خاں اور احمد بخش خاں کو دے دی گئی ہیں جو لارڈ صاحب کی خدمت میں کانپور تک حاضر رہے تھے، اور عبدالصمد خاں کے نام کی سند ان کے وکیل کو دے دی گئی ہے۔ میں کانپور سے چند ہی روز میں روانہ ہوں گا اور تیار رہوں گا۔

(Copy)

27

A. D. Cunningham Esq.
you you you

Mr.

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 14th ultimo and am directed by the Right Honourable Lord C. to state that the Government have no objection to the appointment of the 18th ultimo of which has also been received. I have been asked to refer to Mr. Khan and Ahmed Rukh who had attended the meeting at Calcutta. That the Ahmed Rukh has been referred to the Viceroy.

I have therefore in a few days and shall be prepared in my
answer

according to established usage to include Zemindars in Istimnary tenures. The Istimnary-dar in such case would stand in the place of the Government and would receive the revenue under the same rules by which Government itself collects it.

10. A report upon the several points above adverted to, will enable Government to pass a decision upon the reference contained in your despatch.

I have etc.,

Sd/ H. B. Edmonstone
Secy to Govt.

Fort William
16th May, 1806

1A True Copy/

Sd/ G. Swinton
Chief Secy to Govt.

گزینہ داروں کو شامل مکمل کیا۔ ان کے حق میں بطریق استمرار کی ایسی صورت میں استمرار و حکومت کا قائم مقام ہو گا اور مالگذا کی ان ہی قوانین کے تحت جن کے مطابق حکومت وصول کرتی ہے وصول کیے گا۔

۱۰۔ مذکورہ بالا مستورہ مشورہ طلب امور پر حکومت رپورٹ ملنے پر فیصلہ صادر کر گئی جو آپ نے مراسلہ میں تحریر فرمائے ہیں۔

آپ کا رفیعہ وغیرہ
دستخط امین بی۔ ایڈمنسٹ
سکریٹری گورنمنٹ عالیہ

نورث ویم
۱۶ مئی ۱۹۱۰

نقل مطابق اصل

دستخط: جی۔ سونٹن چیف سکریٹری گورنمنٹ

to granting the lands composing the Jaggeers of those persons to their descendants under the tenure of Zemindaries if a moderate quit rent to be now fixed, provided there are no Zemindars in the lands of those Jaggeendars, and their lands are situated within the proposed line of our frontier Hovaal and Puluul which have been granted in Istimars to Moorteza Khawn and Mahomed Khawn Affreodee respectively appear to be so situated. The situation of Mallaghur granted to Bahaudur Khawn is unknown not being laid down in any of our Maps.

8. If there are Zemindars within those Jaggeers the grants might be continued to the descendents of the Jaggeendars as Istimars subject to the payment of the proposed quit rent in the name of service.

9. There is no objection

یعنی مجھ کے ورثہ کو زمینوں کے دئے جانے میں جو جاگیروں پر مشتمل ہیں ضابطہ زمینداروں کے تحت بشرطیکہ ان جاگیروادوں کی آراضیات میں کوئی زمیندار نہ ہو اور ان کی آراضیات ہماری تقریر کی جانے والی حد کے اندر ہوں ہوٹل اور پول جو بطریق استمرار بالترتیب مرتضیٰ خاں اور محمد خاں آفریدی کو عطا کی گئی ہیں۔ وہ بظاہر ایسے ہی مواقع ہیں۔ مالاگرا جو بیادری خاں کو عطا ہوئی اس کی جائے وقوع معلوم نہیں کیوں کہ وہ ہمارے نقشوں میں درج نہیں۔

۸۔ ان جاگیروں میں زمیندار ہوں تو جاگیروادوں کے ورثہ حق دارانے جائیں۔ بطریق استمرار بعوض خدمت بشرط امانگی مجوزہ معافی نگان۔

۹۔ اس میں کوئی اعتراض نہیں۔

to grant; the lines enclosing the
 figures of these persons & their de-
 scriptions under the names of Gwandara
 etc, make it quite plain to be now
 paid, provided there are no persons
 in the lines of these figures, & the
 lines are situated within the
 proposed line of our frontier. Boud
 and Rahmat, which have been granted
 in return to Mouty & Khair and
 Mohammed Khan & Effendi. Rejected
 they appear to be so situated. The
 situation of Mulla Khan granted to
 Rahmat Khan is satisfactory, with
 being laid down in any of our maps.
 If there are persons
 within these figures the grant, right
 the contained to the documents of the
 figures as to their subject
 to the payment of the English grant
 sent in the name of Amir.
 There is no objection
 (according)

ground for passing a Judgement upon the case. It would be sufficient therefore for you to apprise Ahmed Bursk Khan that the Governor General in Council is disposed to accede to his wishes provided it should appear to be consistent with general arrangements which are now under the consideration of Government and that after your arrival at the Presidency the question will be finally decided.

7. With respect to the applications of Moorsteza Khawr Behaudur Khawr and Mohummud Khawr Affreedge, I am directed to state that the Governor General in Council concurs in the expediency of the general principle of giving to the families of the different Jagheerdars a permanent interest in the soil and with reference to that principle is not aware of any objection.

وجہدات کی بنا پر وہ اس بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں لہذا یہ کافی ہو گا کہ آپ احمد بخش خاں سے اتنا کہہ دیں کہ گورنر جنرل بہ کونسل ان کی درخواست منظور کرنے پر آمادہ ہیں۔ بشرطیکہ زیر غور تمام انتظامات کے لحاظ سے بھی مستحکم ہو۔ نیز یہ کہ اس کا قطعی فیصلہ آپ کی پرنسپلٹس میں تشریف آوری پر ہو گا۔

۷۔ مرتضیٰ خاں، بہادر خاں اور محمد خاں آفریدی کی درخواستوں کے بارے میں مجھ کو یہ کہنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ گورنر جنرل بہ کونسل اس عام اصول سے متفق ہیں کہ مختلف جاگیرداروں کے خاندانوں کی زمینوں میں مستقل دیکھیں جو اس اصول کے متعلق ان کو کسی اعتراض کا علم نہیں۔

grounds for passing a judgment upon
the case. It would be sufficient then
for you to express a view that the
Government General and
Council is disposed to consider the
matter provided it should appear to
be consistent with the general policy
of the Government and that
of the Government of the Province.
The question will be finally decided
by the Government.

In the result of the
applications of Mr. J. A. Khan
Khan and Mr. Khan and
Khan (Khan), I am directed to
state that the Government General and
Council concurs in the expression
of the general principle of giving
to the friends of the Government
a permanent interest in the
land and with reference to the
principle is not a matter of principle.

ultimately with regard to the disposal of the advanced Districts of Rawari Sunah and Nob. The Governor General in Council is however at present of opinion that it would be advisable to exclude those advanced Districts from the British Dominions and if that arrangement should be ultimately determined, it occurs to the Governor General in Council that Rawari might be granted to Nijabut Ali Khan in exchange for his Jaghira in the Doab and that there would be no objection to granting Sunah and Nob to Ahmed Buksh Khan on the terms proposed.

6. The Governor General in Council observes that the decision of the question may without inconvenience be suspended until your arrival at the Presidency when a personal communication with you may afford the Governor General in Council additional

آخر تکرتی یافتہ اضلاع ریواڑی، سونا اور نوب کی پیش کش کے بارے میں تاہم گورنر جنرل کو کونسل کی رائے میں فی الحال یہ مناسب ہو گا کہ یہ اضلاع برطانوی قلمرو سے الگ رکھے جائیں۔ بالآخر جب وہی فیصلہ قرار پائے جو گورنر جنرل ہر کونسل کا رہا ہے کہ ریواڑی پنجاب علی فاضل کو دو آب کی جاگیر کے بدلے میں دیا جائے اور سونا اور نوب احمد بخش خاں کو دئے جائیں تو کوئی مجوزہ شرائط کے ساتھ اعتراض نہ ہو گا۔

۶۔ گورنر جنرل ہر کونسل کا اس معاملہ میں خیال ہے کہ اس سوال کا تصفیہ ملتوی رکھنے میں کوئی ہرج نہیں۔ جب تک آپ کی خود تشریف آوری پریذیڈنسی میں ہو اور تب آپ سے بالمشاورت گفتگو کے بعد مزید

ultimately with regard to the disposal
of the advanced District of Plover
Track & Rock. The General in
Council is however at present of opinion
that it would be advisable to cede
these advanced Districts from the British
Commission and if that arrangement
then to be ultimately decided, it
seems to the General in
Council that Plover might be granted
to Captain Allen when in exchange
for his Tagger in the Desert, and
that there would be no objection to giving
Track and Rock to Captain Allen when
on the same proposed. - -

6 The General in
Council observes that the decision of
the question may without inconvenience
be deferred until your arrival at
the Presidency when a personal com-
munication with you may afford the
General in Council assistance

granted

of rendering the Jaidad of Ishmael Khan and Fyz Mohammed Khan dependant on their continuing to yield obedience to Najabut Alii Khan.

4. The Governor General in Council also entirely approved the grant to Ahmed Bursk Khan of the lands assigned to him on the same tenure as those held by Najabut Alii Khan and Abdul Sumud Khan and considers the relinquishment of the Annual Sum of 15,000 Rs. hitherto payable by Ahmed Bursk Khan to be amply compensated by the Political advantages of the present proposed arrangement a Sumud / or Perwarrah in favor of Ahmed Bursk Khan will accordingly be prepared and transmitted to you in conformity to the draft enclosed in your dispatch.

5. The Governor General in Council is not prepared to decide

کہ زمینیں خاں اور فیض محمد خاں کی مباداد پر قرار دینے دی جائے۔ جب تک وہ نہایت علیحدگی کی فرماں برداری کرتے رہیں۔

۴۔ گورنر جنرل ہیکوئل کو بھیجنا منظور ہے کہ وہ آراضی احمد بخش کو دی جائے جو ان کے نام کی گئی ہے۔ اس اختیار اور قبضہ کے ساتھ جیسے کہ نہایت علیحدگی اور ہذا الصدد خاں کے پاس تھیں، اور پندرہ ہزار روپے سالانہ کی معافی جس کی ادائیگی اب تک احمد بخش خاں کے ذمے تھی۔ اس کا خاطر خواہ معاوضہ سمجھتے ہیں۔ سیاسی مفاد کے منظر میں اگر مجوزہ اختلاف سے ظاہر ہے اور ایک سستی پر واز تیار کر کے بالکل اس سورد کے مطابق جو آپ کے مسئلہ کے ساتھ تھا آپ کو بھیجا جائے گا۔

۵۔ گورنر جنرل ہیکوئل کو فیصلہ کرنے پر آمادہ نہیں۔

of securing the friend of Ahmed
Khan and Fy. Mohammed Khan as
opposed to their continuing to yield
obedience to a tyrant like Akbar.

4. The former Amir of
in Council also kindly offered the
grant to Ahmed Bakht Khan of the
sums agreed to him on the same
terms as those held by a Tajikist
Ali. Khan and Ahmed Khan and
and promised the Government of
the Government of 18000 Rs. to be
payable by Ahmed Bakht Khan
to be amply compensated by the Political
advantages of the present proposed
arrangement a sum of 100000 Rs. to be
in favor of Ahmed Bakht Khan
with accordingly, he prepared to bring
in the same in conformity with the
draft enclosed in your despatch.

5. The former Amir of
in Council is not prepared to receive
the same.

/ copy /

Lieut. Colonel Malcolm,
Etc., Etc., Etc.,

Sir,

I am directed to acknowledge the receipt of your dispatch No. 192 dated the 4th Instant.

2. The drafts of Sunnuds in favor of Nejabut Ali Khan Abdool Sumud Khan transmitted in your dispatch, are entirely approved and Sunnuds (Perwannas) prepared in conformity to those drafts sealed with the Governor General in Council will be transmitted to you without delay.

3. The Governor General in Council approved the arrangement

نقل

خدمت فیضت کرنل میکم وغیرہ وغیرہ

مجھے ذرا تھوڑی سی کتاب کے مراسلہ ملا، مورد مہ راہ مال کی وصولیائی کی اطلاع

دوں۔

۲۔ مسودات اسناد بنام نہایت علی خاں و عبدالعظیم خاں جو آپ کے مراسلہ کے ساتھ بھیجے گئے ہیں، سلیتہ منظور ہیں اور اسناد ہلکے پر واز جات ان ہی مسودات کے مطابق تیار کی جہتی گورنر جنرل بہ کونسل کے ہر خط اور ہر آپ کو بیزا خیر بھیجے جائیں گے۔

۳۔ گورنر جنرل بہ کونسل نے اس انتظام کو منظور فرمایا۔

to September 1805). From that time the British Government will have no concern whatever with those Mahauls which will always remain in your possession and that of your descendants as those lands require the exercise of arbitrary power, no complaints will be received from the Inhabitants of them.

Entertaining a proper sense of gratitude for this distinguish favor, you will continue to manifest attachment to the British Government and your exertions to promote its interest.

In this consists your own advantages and welfare.

Dated 4th May 1806 answering to 14th of Saffer 1221 Hijree.

A true translation

Sd/ J. Monckton

Depy Persian Secy to Govt.

/ True Copies/

G. Swinton

Chief Secy to Govt.

ستمبر ۱۲۲۱ھ اس وقت سے گورنمنٹ برطانیہ کو ان محالات سے کوئی سروکار نہ ہوگا جو
جملہ ضروری اختیارات کے ساتھ آپ اور آپ کے وارثوں کے قبضہ میں رہیں گے اور
وہاں کے رہنے والوں کی کوئی شکایت نہیں سنی جائے گی۔ اس خصوصاً سلوک پر
آپ بجا اور پرامن منہی کا احساس رکھتے ہوئے اُمید کی جاتی ہے کہ آپ کی طرف سے گورنمنٹ
برطانیہ کے ساتھ وابستگی کا اظہار ہوتا رہے گا اور آپ کی جدوجہد اس کے مفاد کو ترقی دینے
میں جاری رہے گی۔ اس میں آپ کا ناتواں و بھلائی ہے۔

مورخہ ۴ مئی سنہ ۱۲۲۱ھ ۱۳ صفر ۱۲۲۱ھ

دستخط: جے میکناٹن

صمیم ترجمہ

ڈپٹی سیکریٹری سرکار عالیہ (قادیان)

نقل مطابق اصل

دستخط: جی بی منٹون چیف سیکریٹری سرکار عالیہ

6 September 1855. Ever that since
the British Government will have no
more relations with these States,
which will always remain in your
possession and that of your descendants
as these States require the services
of arbitrary power, no complaints will
be received from the British Government of them.

Accepting a proper
share of gratitude for the distinguished
favor, you will continue to manifest
attachment to the British Government
and your exertions to promote its
interests.

In this context, your own
advantages and welfare.

Dated 4th Dec 1855
6th of Sep 1855

After resolution

of the Directors

Ever Obedt

Exp. Secy. & Co.

For signature
C. P. D. D.

on occasions of exegercy, to the aid of the British Government a party of 50 Troopers and that you always remain steadfast in your attachment and good will to the British Government.

The British Government having become acquainted with your character and disposition, and with the merit of your services and attachment to its interests, from the communications of the Right Honorable the Commander in Chief has now been pleased to record those services by confirming to you and your Heirs in perpetuity from generation to generation the whole of the *Mehauls* above mentioned, including both Land Revenue and the *Saer Duties* with the deductions, and under the conditions however above specified from the beginning of the *Fuslee Rubbee* of 1213 *Fuslee* (answering

گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کے لئے پچاس سواروں کا سالہ دینا ہو گا اور آپ ہمیشہ گورنمنٹ برطانیہ سے وابستگی میں مستعد اور اس کے فیہر خواہ رہیں گے۔

نائب کمانڈر ان چیف کے مراسلوں سے سرکار برطانیہ کو آپ کے صفات اور خصائل معلوم ہوئے۔ آپ کی مخصوص خدمات اور اس کے مفاد سے آپ کی وابستگی کا علم ہوا۔ لہذا ان خدمات کے صلے میں آپ کے اور آپ کے وارثوں کے نام ہمیشہ کے لئے فصل و زرعیں تمام، کورہ بالا محالات معاہدہ کی نکان آراضیات و مسائرہ تنقیضات کے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ منظور کی جاتی ہیں۔

مشروع راجہ سلسلہ مطابقت

on occasions of exigency, with the aid
of the British Government a party
of 50 Troopers and that you always
remain satisfied in your distant
and good will to the British Govt.

The British Government
having become acquainted with your
character and disposition, and with
the merit of your services & devotion
to its interests, from the Communi-
cation of the Right Honable the
Governor in Chief has resolved
to send to demand from you
of conforming to your and your
in perpetuity from your devotion
to service the whole of the British
Army mentioned, including with
his Revenue and the Chief Justice
on the distribution, and as per the
provisions of the law above specified
from the business of the British
Army of 1813 in the (and in the)

your service and attachment to the British interests the Right Honorable Lord Lake (Commander in Chief conferred on you istemraanee (Perwannah) grant of the Mehals of Ferozepore Theekher and the Tuppah Saugais, Betahna Nujhwa and Nujheena including the customs as well as Land Revenue, of them (excepting such gardens and Legma Jagheer Pannathree and other rent free lands, as have been long disposed of, and other fixed and established daily allowances etc.) on condition that you require no aid from the British Government, and that you settle the affairs of the Mehals with your own troops, and that you be charged with the expense of providing for the maintenance and support of Khauja Hanjee and other dependents of the late Mirza Nussur Oulla Beg Khan, and provided also that you furnish

اور برطانوی مفاد سے وابستگی دیکھتے ہوئے عزت آف لارڈ لیک کا انڈر انچیف پروڈاخماری برائے محالات فیروز پور جیکر، ساگرس، جٹن، بجنور اور گینگنہ مومصولات و لگان آراضیات سوائے ایسے باغات اور مردوئی یا گیروں اور معافی کی زمینوں کے جن کا فیصلہ بہت پہلے ہو چکا ہے اور دیگر مقروضہ دستوروں کے مطابق یو میا الاؤنس (بجٹ) وغیرہ کے اس مسئلہ پر آپ کو برٹش برطانیہ سے کوئی مدد مانگیں گے اور اپنے محالات کے سارے معاملات اپنے سپاہیوں کے ذریعے پکائیں گے اور خواجہ حاجی و نصر اللہ بیگ خاں مرحوم کے خاندان کی گذر بسر کے اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے۔

نیز وقت ضرورت

your services and attachment to the
 British interests the Right Honorable
 Lord C. Curzon in (Chf. as far as
 on your extraordinary / services / you
 of the Duke of Devonshire, Marquis
 and the Suffolk, Angles, Petitioners,
 Hughes and (Hughes) including the
 Indians as well as land (Hindus)
 of them (excepting) such persons and
 others (as per Committee and other
 'and' (as per Committee, as per Committee)
 declared of, and also (as per Committee)
 and also (as per Committee) that
 the (as per Committee) no aid from the British
 Government, and that you will the
 efforts of the British to the (as per Committee)
 own (as per Committee), and that (as per Committee)
 on the (as per Committee) of (as per Committee) from
 the maintenance and support of (as per Committee)
 (as per Committee) and other (as per Committee) of (as per Committee)
 the (as per Committee) (as per Committee) (as per Committee)
 and (as per Committee) also that you (as per Committee)

within the companion's Dominions.

His Lordship merely promised to mention their wish but he directs me to state his opinion that it would be politic to make some arrangement by which the families of the different Jagheerdars should have a permanent Interest in the soil of as such would not only lead to the improvement of the country but reconcile and attach them to the British Government.

I have etc.,

Sd/ John Malcolm
Lieutt. Col.

Head Quarters
Campore 4th
May 1806

Enclosure in a despatch (No. 192) from
Colonel Malcolm dated 4th and Received 13th
May 1806.

Translation of a Draft of a Perwannah in
favour of Ahmed Buxah Khan Bahauder.
Adverting to the Merit of

کپٹن کے قلم روپہ لازم ہیں۔

لارڈ صاحب نے ان سے بعض یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کی خواہشات کا ذکر کریں گے، اور انکی یہ رائے لکھ دینے کی ہدایت فرمائی ہے کہ سیاسی حیثیت سے یہ مناسب ہو گا کہ متغیر اگریز کے مدعا کے لئے کوئی ایسا بندوبست کر دیا جائے جس کے مد نظر وہ اپنی زمینوں کی ساخت و نگہداشت میں مستقل دل چسپی لینے لگیں جس سے صرف علاقے کی ترقی ہوگی بلکہ وہ سرکار برطانیہ کے ساتھ دوستی اور وابستگی رکھیں گے۔

موجودہ مئی سنہ ۱۸۰۶ء

صدر دفتر لاہور

دستخط جان مالکم ایفٹن کرنل

کرنل مالکم کا مراسلہ ۱۹۲ نمبر مئی اور موجودہ مئی سنہ ۱۸۰۶ء منسلک
کاغذ پر وادہ کئی احمد بخش خاں کے مسودہ کا ترجمہ آپ کی خدمات کی فصوص میاں ۔

as he possesses great activity and intelligence had much influence in the country and (His Lordship is satisfied) most sincerely attached to the British Government.

The Right Honorable Lord Lake directs me to state that he had received applications from Murtiza Khan, Bahadour Khan and Mahomed Khan Affandee expressive of their anxiety that some arrangement should be made to secure some provision (however comparatively small) for their discordant. This they represent may be done by either giving their Heirs a small Jageer as has been granted to the sons of Bannu Sunkees (which may be taken from the lands they now hold) or in securing them the reversion of the whole grant on paying Government a fair Revenue, that it is to say giving them a Zamindary right in the said subject to the same rules and regulations as other possession.

کیوں کہ وہ ہر شیاء اور زمین ہونے کے ساتھ علاقہ میں بہت بااثر ہیں اور لارڈ لیک صاحب کو ان کی گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ خالصانہ وابستگی پر پورا بھروسہ ہے۔ عزت آپ لارڈ لیک صاحب نے مجھے پابیت فرمائی ہے کہ انہیں رضائی خاں بہادر خاں اور محمد خاں آفریدی سے درخواستیں موصول ہوئی ہیں جن سے ان کی تشریف کا اظہار ہوتا ہے کہ ان کے ورثہ کے لئے گذرہ کے وسیلہ کا کچھ انتظام ضرور ہونا چاہئے۔ خواہ مقابلہ تموز اسی ہوا اس لئے وہ کہتے ہیں کہ ان کے وارثوں کے نام جھوٹی سی باگ کر دی جائے جیسے بھوانی مشکر کے نام منظور کی گئی ہے۔ اس کے لئے ان کے پاس جو زمینیں ہیں ان میں سے حاصل کر لی جائے یا یوں طے کر دیا جائے کہ ان کی آراضیات گورنمنٹ کو مناسب لگائیں اور اگر نہ پر ان کے حق میں منتقل کر دی جائیں یعنی ان کو حقوق زمینداری ان قاعدوں اور ضابطوں کے مطابق دئے جائیں جیسے

now rented to Taij Sing Choudraes of Rewarree for the Term of three years at an increasing Jummah.

His Lordship is not aware of the manner in which the Governor General in Council means ultimately to dispose of these Provinces and has therefore given Ahmed Buhsh Khan no reason to conclude his request will be complied with. His Lordship however directs me to state that if any ultimate arrangement should be made respecting these Provinces by which it should be desired to convert them into either a source of advantage or of strength to the British Government without making them immediately subject to our own administration that he knows no native Chief with whom an arrangement could be made with such a confident expectation of its answering every end as with Ahmed Buhsh Khan.

وہ اس وقت دیوالی کے تیج سنگم چودھری کو تین سال کے لئے زیادہ مشرح لگان پر دئے ہوئے ہیں۔ لارڈ صاحب نہیں جانتے کہ گورنر جنرل بہ کونسل بالآخر ان صوبوں کا کس طور پر بندوبست کرنا چاہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے احمد بخش خاں کو کسی طرح بھی یہ نتیجہ اخذ کرنے کا موقع نہیں دیا ہے کہ ان کی درخواست منظور ہو جائیگی۔ تاہم لارڈ صاحب نے مجھے یہ کہنے کی ہدایت فرمائی ہے کہ صوبوں کا بندوبست ان مفصلیہ گورنمنٹ برطانیہ کی تقریر کا لحاظ رکھتے ہوئے فی الفور خود دینا چاہیے تو ان کے طریق مقامی رگوں میں سے کوئی ایسا نہیں جو سمجھوتہ کرنے کے لئے اس قدر قابل اعتماد اور ہر لحاظ سے قابل اطمینان ہو جیسے احمد بخش خاں ہیں۔

now sent to Sir, Sir Chambers of
Rivers for the term of three years at
an increasing sum.

The last is not
in any of the manner in which the
former four is in Council and all things
to depend of these Powers and the
this for given that the last of them
no reason to be chosen to report with
to comply with. The last of them
needs not to state that if any other
arrangement than the one now respecting
these Powers be which it should be
desired to prevent them into this and
some of advantages or of strength to
the British Government within the
then immediately subject to our own
administration that it knows no
other Chief with whom an arrangement
might and be made with such a
constant separation of it and many
may and is with the last of them
as

amount he pays to Government combined with a consideration of his Services led his Lordship to make him an offer (if he would give up all claim to aid and promise to maintain the peace of his own possession and to furnish 50 horse if required) to grant them exempt from any payment whatever and to give him the lands he holds upon the same tenure as those held by Nijabut Ally Khan and Summed Khan. To this he most readily assented and I enclose by desire of Lord Lake a draft of Summed for him drawn out in the same manner as those granted to the two Chiefs above mentioned.

I am directed by the Right Honourable Lord Lake to enclose copy and translation of a representation which he has received from Ahmed Buksh Khan - The districts of Sarah and Hob which he is desirous to hold are

ترجمہ کریم پور کے لوگوں کو کہتے ہیں، اور ساتھ ہی ان کی خدمات کا لحاظ رکھتے ہوئے لاشعاً
کو آمادہ کیا کہ وہ آراضیات جن پر وہ قاضی ہیں ان کا اس لگان پر دے دی جائیں
جسٹا کر خراج بہت غلطی خاں اور صمد خاں کے لئے رکھا گیا تھا۔ بشمولیکہ وہ مدد طلب کرنے کے
حق سے بالکل دست بردار ہوں، اور اپنے مقبرہ خوات میں امن و امان رکھنے کا وعدہ کریں
اور برقی ضرورت پچاس سوار مہیا کریں۔ اس کو انہوں نے نہایت مستعدی سے کیا
میں لاشعاً ایک کی خواہش کے مطابق احمد بخش خاں کے لئے ایک مسد کا مسودہ ارسال
کر رہا ہوں جو اس طرح تیار کیا گیا ہے جس طرح ان دونوں رئیسوں کے لئے منظور کیا گیا
تھا۔

مجھ کو عزت آباد لارڈ ایک نے اس عرضداشت کی نقل اور ترجمہ بھیجنے کی ہدایت
فرمائی ہے جہاں میں احمد بخش خاں سے موصول ہوئی ہے کہ وہ جن اصلاح سونا اور نوب پر
قبضہ رکھنے کے خواہشمند ہیں۔

amount he pays to Government & then he is
with a consideration of his interests & to
be satisfied to make his own offer if
he would give up all claim to land and
premises to maintain the power of his
own subjects and to govern & so
soon if required to grant them except
from any payment whatever and to give
him the land he has taken the same
time as this to be by independent of the
other and summed them in this to
most recent offered and further by
desire of the State a simple of
summed for him drawn out in the
same manner as they granted to the
his Chief above mentioned.

I am directed by the Hon^{ble}
Hon^{ble} Secy to the Indian Office and
Translation of a representation which
to be received from Chief of the
District of South and
that which he is desirous to be

now

of Ahmed Buksh Khan the districts of Sonk and Sansah which had been given to that Chief were resumed but His Lordship deemed it necessary to provide in some manner for his Brother and family and this became more urgent from the necessity of disbanding the caps of Irregular Cavalry in which most of them were employed and in which there were also one or two Officers who had come over from the enemy on a promise of favour and protection. To effect these objects in a manner the least objectionable his Lordship thought the best mode was to allow Ahmed Buksh Khan a deduction for their support and with this view he fixed his payment at fifteen thousand Rupees per annum.

The situation of the districts held by Ahmed Buksh Khan their turbulent state and the smallness of the

امیر بخش خاں بکھن کو سوک اور سونا کے جو علاقے دیئے ہوئے تھے واپس لے لئے گئے لیکن ورڈ لیک نے یہ ضروری خیال کیا کہ ان کے بھائی اور دیگر متعلقین کی پرورش کا بندوبست کیا جائے اور یہ بیل بھی ضروری ہوا کہ بے ضابطہ سواروں کا رسا رکھی توڑ دیا جاتا جس میں ان کے خاندان کے اکثر لوگ لایم تھے اور ان میں ایک دامو افسر بھی تھے جو فوجاڑش اور حفاظت کے وعدوں پر دشمن کو چھوڑ کر اور ہارے تھے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے یہ طریقہ بہتر سمجھا جس پر کسی اعتراض کے بہت کم گنجائش ہو سکتی تھی کہ امیر بخش صاحب کی واجب الادا مالگذاڑی میں کمی کر دی جائے تاکہ اس سے دعوان کی پرورش کریں اور اس طریقے سے ان کے فتنے مالگذاڑی کی اینگی پندرہ ہزار سالانہ مقرر کر دی۔

امیر بخش خاں کے پاس جو اضلاع ہیں ان کی مالکے وقوع شریہ سرری اور قلیل

as above stated. When the District
of Chark and Chark which has been
given to that Chief were returned. But
the Saad of the said district was to
provide in some manner for his Bed
and family and the same were
from the supply of the said district.
Each of the said Chiefs in which
most of them were employed and in
which there were also one or two Officers
who had come over from the enemy on a
promise of peace and protection. In
effect these objects were required the
best objection to the Saad of the district
the best was to allow the said
Bed and Chark a reservation for their
support and with this view he paid
his payment at fifteen thousand Roubles
per annum.

The situation of the district
held by the said Bed and Chark was
which state the results of the
annual

on their continuing to yield obedience to that (chief. The former (Ismael Khan) has no doubt a distinct personal claim on the generosity of the British Government but that is perfectly satisfied by the grant of a Jagir which he holds independent of the Nabab and his holding the Jaidad originally assigned upon any terms but those of obedience to the head of his family might hereafter introduce divisions and weakness which would be injurious to the object of the whole arrangement.

At the period when Ahmed Buksh Khan gave up Rhatuck and Hurrianah the Right Honourable Lord Lake promised to give him the districts he held in Mowat in Istimrar for the term of his life for a payment of Twenty five thousand Rupees per annum. Soon after this on the sudden death of Nussurvallah Beg a near relation

کہ وہ دسوں کی فرائ برداری سہا لاتے رہیں گے۔ اول الذکر (اسمعیل خان) بیشک ذاتی طور پر حکومت برطانیہ کے قرائخ دلا دسلوک کے مستحق ہیں لیکن جاگیر کی منظوری سے جس پر وہ اب کی کسی بد غلت کے بغیر واد راست اپنا قبضہ رکھتے ہیں۔ ہاتھ دلوں پران کو قبضہ بغیر شرط کے دیا گیا ہے سوا کے اس کے کہ وہ اپنے خاندان کے سربراہ کی فرائ برداری کریں اس سے بعد میں ایسے اختلافات اور خامیاں پیدا ہو سکتی ہیں جو مارے انتفا کے لئے نقصان دہ ہوں گی۔

جس وقت احمد بخش خاں نے رچک اور میراڈ چھوڑ دیا تو عالی جناب لارڈ لیک نے وہ علاقہ جو میوات میں ان کے پاس تھا استمراری طور پر ان کو بھیجیں ہزار روپے سالانہ ان گزاری پر تاحیات دینے کا وعدہ کیا اس کے بعد جلد ہی نعرہ شاہ خاں کا چاکلہ انتقال ہو جانے پر شاہ خاں کی سرشت وار

as then on turning to give obedience to
that Chief the former, Samuel then
has no doubt a distinct personal claim
on the generosity of the British Government
but that is perfectly satisfied by the
grant of a pension which he holds more
dependent of the State and his relations
the land originally assigned upon his
terms but those of obedience to the
head of his family might therefore on a
strict construction and meaning which
would be injurious to the object of
the whole arrangement.

At the period when Edward
Parker then gave up the British and
American the British Government
promised to give him the district he
held on a lease in California for the
term of his life in a payment to be
paid by the Government of the United States
after this on the chosen death
of Stephen Smith by a near relation

/ Copies /
No. 192

To,

H.B. Edmonstone, Esqr.,
Etc., Etc., Etc.,

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your dispatch under date the 12th Ultimo.

I have the honor to enclose drafts of *Surruks* for *Nejabut Ally Khan* and *Abdool Samound Khan*. These are drawn out (as far as I can judge) in conformity to the intentions of the Honorable the Governor General and will I trust be honored with his application. In the *Surruks* of *Nejabut Ally Khan* the *Jaded* of *Ismael Khan* and *Fyze Mahomud Khan* are made dependent

نقول مثلاً

بخدمت جناب

ایجن وہی ایڈمانشن صاحب وغیرہ وغیرہ

جناب عالی

آپ کے مراسلہ مورخہ ۱۲ ماہ گذشتہ وصول ہونے کی اطلاع دینا میرے لئے باعث عزت ہے۔

نجات علی خاں اور عبدالقصد خاں کی اسناد کے مسودات منسلک کرنا میرے لئے باعث عزت ہے۔ جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں۔ یہ گورنر جنرل کی منشاء کے مطابق تیار کئے گئے ہیں اور یقین ہے کہ ان کی درخواست کے ساتھ منظور فرمائے جائیں گے۔ نجات علی خاں کی سند پر اسمعیل خاں اور فیاض محمد خاں کی مائتوں کا انحصار ہے۔

فصل

کتاب

جاء

Mr. P. (Simonson), Esq.

you you you

Sir

I have the honor to acknowledge
the receipt of your despatch under
date the 10th ultimo.

I have the honor to enclose
drafts of Rupees for Hajibully Khan
and Ghaut Saimeed Khan. These
are drawn on Hajibully Khan
in conformity to the intention of the
Honorable Mr. Governor General &c. &c.
I have the honor to acknowledge
the receipt of Hajibully Khan.
The said Hajibully Khan and Hajibully
Khan are now residing in
the city of Hajibully Khan.

the previous arrangement sanctioned by the Governor General in Council, and is it binding on Government? I should imagine, not, and whether it be genuine or fabricated, the family of Mussur Dulla Khan, appears to be entitled to the larger allowance.

All the papers referred to in this Note, accompany for reference.

Signed / G. Swinton
Chief Secy to the Govt.

19th August 1830.

/ True Copy /

(G. Swinton)
Chief Secy to the Govt.

بمذاخرام اس سے پہلے گورنر جنرل منظور کر چکے تھے کیا گورنمنٹ اس کی پابند ہے۔ میرے خیال میں نہیں۔ مسند اصل ہو یا جعل نصر اللہ خان کا خاندان زیا وہ گذارہ کا مستحق تھا۔

تمام کاغذات جن کا اس تقریر میں ذکر ہے برائے حوالہ شامل ہیں۔

19 اگست 1830ء

دستخط جی سوینٹن

چیف سکرٹری سرکار عالیہ

نقل مطابق اصل

دستخط جی سوینٹن چیف سکرٹری سرکار عالیہ

the previous arrangement sanctioned by
the Governor General in Council, and
is it binding on Government. I should
imagine, not, and whether it be genuine
or fabricated, the Society of Typists will
then, appear to be entitled to the larger
allowance.

All the papers referred
to in this Note, accompany for reference.

Signed, G. Johnston
19 August 1850. - Chief Secretary
[Truelove]

G. Johnston
Chief Secretary to the Govt.

of the Nabab Ahmed Buksh Khan (then in attendance on Lord Lake at (Campore) His Lordship had written the letter of the 7th June; would not (Colonel Malcolm when acknowledging a few days afterwards the 10th June the receipt of the orders of Government of the 16th of May, have reported that a letter had been addressed to Ahmed Buksh Khan, fixing a specific sum of 5,000 Rupees as the amount of provision to be granted to Mussur Dulla's family, and explaining the grounds on which the remaining 5,000 Rupees of the remitted quit rent had not been reannexed to the sum payable by the Nabab on account of his Jaggeer. But no such report is forthcoming. If the Document be genuine Ahmed Buksh Khan, it is not improbable, obtained it through some fraud, but even granting it to be an order willingly issued by Lord Lake, was His Lordship competent to disturb

جونا ب احمد بخش خاں نے بھڑوی لارڈ لیک (مقیم کانپور) دی تھی اور لارڈ صاحب نے، جون والی چٹھی لکھ دی تو کیا کر اٹل میکیم اس بارے میں اپنے خط ۱۲ جون میں تذکرہ کرتے جب کہ انہوں نے ۱۲ مئی کے سرکاری احکام کی وصول یا ان کی اطلاع دی تھی اور کیا وہ دیکھتے کہ ایک چٹھی احمد بخش کو لکھی گئی ہے، جس میں مبلغ پانچ ہزار روپے نصراً شریک خاں کے خاندان کے لئے مقرر کر دیے ہیں باقی پانچ ہزار روپے ومعافی مکان کی بھی تشریح کرتے کہ وہ اس رقم میں شریکوں کے جونا ب موصوف جاگیر رگھان، دیئے ہیں۔ لیکن ایسی کوئی وجہ نہیں ملتی۔ اگر دستاویز اصل ہی ہے تو یہ بات بس انا مکان نہیں کہ احمد بخش خاں نے اس کو دھوکے سے حاصل کر لیا ہو۔ بالفرض اگر لارڈ لیک نے رضامندی سے بھی وہ لکھی ہے تو کیا ان کو ایسا اختیار حاصل تھا۔

of the state Ahmed Baksh Khan, then
in attendance on Lord Lake at Calcutta,
His Lordship had written the letter of
the 9th June; and Mr. Richard Malcolm
when acknowledging a few days afterwards,
the 10th June, the receipt of his order of
Government of the 16th of May, has reported
that a letter had been addressed to Ahmed
Baksh Khan, giving a specification of
5000 Rupees as the amount of provision to
be granted to Asaph Ali's Family, and ex-
plaining the grounds on which this
sum of 5000 Rupees of the revenue was
not to be used but was reserved to the state
payable by the state on account of the
Daggar. But no such report is further
coming. If the Document be genuine,
Ahmed Baksh Khan it is not impos-
sible, obtained it through some
fraud; but even granting it to be
an order issued by Lord Lake, was
His Lordship competent to distribute
this

Oolla Beg Khan's family, though unfortunately from the loose manner in which the Sumud of the 4th May 1806 is worded the precise sum is not mentioned. It grants a reduction of quit rent from 25,000 to 15,000 for a specific purpose and that was the support and maintenance of Nussur Oolla Beg's family. It alludes to "deductions and conditions above specified", but the deductions and conditions are only expressed above in general terms. But Lord Lake having granted this Perwana on the 4th May, and having received an answer from Government on the 16th of the same month approving what had been done, is it likely that His Lordship, then at Cawnpore would again write to Ahmed Buksh Khan on the 7th June, regarding what was settled by the orders of the 16th of the preceding Month?

If, however, at the request

کے خاندان کے لئے تفویض ہوا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے سند مورخہ ۲۸ مئی ۱۸۰۶ء غیر واضح انداز میں لکھی ہوئی ہے اور رقم کے تعین کا ذکر نہیں ہے۔ اور لگان میں ۲۵ ہزار سے ۱۵ ہزار روپے کی تخفیف نصراً خاں کے خاندان کی پرورش اور کفالت کے خاص مقصد کے لئے ہے۔ یہ مذکورہ بالا تخفیفات اور شرائط کی طرف اشارہ کرتی ہے لیکن یہ تخفیفات اور شرائط غیر مخصوص انداز میں مذکور ہیں لارڈ لیک نے مورخہ ۲۸ مئی کو یہ پرواز عطا کیا اور حکومت سے اسی ماہ ۱۸۰۶ء کے لئے ایک کو منظوری حاصل کر لی اس کے بعد کیا یا غلب ہے کہ لارڈ مورف جواس وقت کانپور میں تھے اس معاملے کے متعلق میں کا فیصلہ ۱۸۰۶ء کے مستند کی ۱۸۰۶ء کے کوہ پکا تھا۔ احمد بخش خاں کے لئے، جو ان کو بارہ گرا لکھتے ہیں۔

۳۱ اگست ۱۸۰۶ء

with the Khan's family, the unfortunately
from the circumstances in which the
Sumud of the 4th May 1866, is awarded,
the process Sum is not indicated with
grant a valuation of just rent from
35,000 to 15,000, for a specific purpose
and that was the highest amount.
a tenancy of the Khan's Khan's Khan's.
It alludes to deductions and conditions
above specified, but the deductions and
conditions are only as helped above in
general terms. But Lord Lake being
grants this Perwana on the 1st May,
and having received an answer from
Government on the 16th of the same month
expressing what had been done, is it likely
that His Lordship then at Calcutta
would again write to the Khan's Khan's
Khan's Khan's Khan's, regarding what
was settled by the Order of the 16th of
the preceding month?

If however, at the request.

7

at Delhi, it should be sent to the Presidency.

If Shumsooddeen Khan should endeavour to evade this demand by saying the original is lost, there will be strong presumption against him.

Shumsooddeen Khan's reply as submitted in Mr. Hawkin's dispatch of the 5th May last, is written in a very flippant style and it meets Asuddulla's assertions by remarking that he is a poet, and avails himself of a poet's privilege to deal in romance.

But let the case be looked into seriously.

Let us examine the *Sunnud* to Ahmed Buhak of the 4th May 1806, which is genuine, and was ratified by the Governor General in Council. A copy of it will be found as an enclosure in Sir John Malcolm's dispatch of the same date. That grant virtually assigns 10,000 per annum for Nussur.

تو اس کو پرنسپل فیس دروازہ کر دیا جائے۔

اگر شمس الدین خان اس مطالبہ کو یہ کہہ کر ٹالے کی کہ شمس کریں کہ اصل چٹیں گم ہو گئی ہے، تو ان کے خلاف شدید شہادت پیش ہوں گے۔

شمس الدین خان کی جواب میں آئی ہوئی چٹیں جو مسٹر کنس نے اپنے مراسلہ مورخہ مئی ماہ گذشتہ کے ساتھ بھیجی ہے وہ بہت کم آہالیانہ میں نکلتی گئی ہے اور اسد شمس کے تمام معمول کو یہ کہہ کر ٹال دیا ہے کہ وہ دوران پید کر کے شاعرانہ مراعات سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

لیکن مقدمے پر تنقید کی جے غور ہونا چاہئے۔

احمد کنس کی سند مورخہ ۳۰ مئی مستندہ کو یہ کہنا چاہئے جو اصل ہے اور جس کی تصدیق گورنر جنرل پر کونسل سے ہو چکی ہے۔ اس کی ایک نقل اسکی تاریخ کے مراسلہ سر جان مالک کے ہمراہ لگی وہ علیہ یقیناً دس ہزار روپے سالانہ نضرانہ خاں

at Delhi, it should be with the Secretary.

If I should see him I should endeavour to read this demand by saying the original is lost, there will be strong presumption against him.

I have not seen the copy as mentioned in Mr. Lauchlin's Dispatch of the 5th May last, is written in a very flippant style, and it seems to afford rather sport to him by remarking that he is not, and avails himself of a poet's privilege to deal in romances.

But let the matter be decided decisively.

Let us remember, I am sure to Edward Buxton of the 1st May 1861, which is genuine, and was ratified by the Governor General in Council. A Copy of it will be found as an enclosure in Sir John Pakenham's Dispatch of the same date. That report is truly signed 1000 feet above the ground.

ceedings as evincing a partiality for the Nabab Shumsod-deen, and requests to be favored with a copy of the orders of Government. He also enclosed a letter to my address, a translation of which accompanies and this repeated and, direct appeal to myself, has induced me to look into all the papers, and to trouble Government with the foregoing narrative, more especially, as it appears to me that there are grounds to believe, that Asad Ulla's complaint is not without some foundation.

No letter from Lord Lake dated 7th June 1806, is forthcoming on the records of Government.

It does not appear that the Original has been submitted to Mr. Hawkins.

It appears to be desirable that the letter of the 7th June, should be produced and examined, and if doubts as to its real nature be entertained

کہ کہ کاہدوائی سے نواب شمس الدین کے ساتھ جانب داری کا ظاہر ہوتا ہے نیز درخواست کی کہ گورنمنٹ کے احکامات کی نقل سائل کو فراہم کی جائے۔ اس نے ایک خط مجھے بھی اس کے ساتھ بھی لکھا جس کا ترجمہ منسلک ہے اس کی بار بار اور براہ راست اپیل نے مجھے تمام کاغذات دیکھنے اور گورنمنٹ کو مذکورہ بالا بیان پر غور کرنے کی ترغیب دینے کی ترغیب دی۔ بیانات کی بنا پر جیسا کہ میں سمجھتا ہوں۔ اسدا شد کی خشک بات بالکل بے بنیاد نہیں ہیں۔

لارڈ لیک کے اسکا کوئی خط بھی موجود، مگر چونکہ مسئلہ "حکومت کے ریکارڈ میں موجود نہیں ہے۔" چہ نہیں چلا کہ اسل مشرق کانس کو پیش کی گئی ہو۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ، عربوں کی سرسہ حبش متیا کی جائے اور اس کو پرکھا جائے اگر اس کے اصن ہونے پر وہی میں شبہات پیدا ہوتے ہوں۔

ending as enclosing a portfolio for the
 Adol. Shumladze, and requests to
 be favored with a copy of the record
 of Government. He also inclosed a letter
 to my agent, a translation of which
 accompanies, and this repeated and
 direct appeal to myself, has induced me
 to look into all the papers, and to trouble
 Government with the foregoing narrative:
 more especially, as it appears to me that
 there are grounds to believe that Agin-
 Collair's complaint is not without some
 foundation.

The letter from Lord Col-
 lings to the Duke, 1866, is following on
 the records of Government.

It does not appear that the
 Original has been submitted to the Duke.

It appears to be desirable
 that the letter of the 7th June, should
 be produced and examined, and if
 doubt is to be not without foundation
 at

Lake's Letter dated 7th June 1806". Specifying the persons who were to receive the 5,000 Rupees a year, accompanied Mr. Hawkins's seal, and he stated as his opinion, that the complainant had no right to more than what was expressly provided by Lord Lake, for him and his Brother Mirza Yussuf viz. 1,500 per annum, which the Nabab Shumsoud-deen he observed, has all along been willing to pay.

In reply Government stated on the 28th May last, that it concurred in Mr. Hawkins's decision.

Assud Oolla on the 7th July forwarded an English Petition complaining against Mr. Hawkins's decision on the basis of a Surruud, which he asserts is a forgery, and requests that the records of Government may be searched in proof of this.

On the 28th July, he again complained against Mr. Hawkins's pro-

لیک کا واسطہ موردہ، جن میں مستندہ جس میں اس شخص کی وضاحت کی گئی ہے جن کو پانچ ہزار روپے سالانہ تھا۔ مشرک کنس کی رپورٹ کے ساتھ منسلک تھا اور انہوں نے خود اپنی رائے کا اظہار کیا کہ شکایت کنندہ (اسد اللہ) اس سے زیادہ کا باکل حق دار نہیں ہے۔ جو لارڈ لیک نے صاف خود پراس کے اور اس کے بھائی مرزا یوسف کے لئے نہیں کیا ہے۔ یعنی ایک ہزار پانچ سو روپے سالانہ جو نواب شمس الدین خاں جو وقت دینے پر تیار رہا ہے۔ جہاں پر کارنے گذشتہ زمانہ میں کی۔ مہارت کے کوکھا کہ وہ مشرک کنس کے فیصلہ کو منظور کرتے ہیں۔

جہاں کو اسد اللہ نے ایک وضاحت انگریزی میں بھیجی اور زور دیا کہ جس منسلک بنا پر انکنس نے فیصلہ کیا ہے وہ جعلی ہے اور درخواست کی کہ اس کے ثبوت میں گورنمنٹ کے دیکھا منسلک پتال کی جائے۔ پھر اس نے مہرجوئی کو مشرک کنس کے خلاف کر شکایت کی۔

Letter dated 7th June 1953, informing the persons who were to receive the Government Passes as per, as compared Mr. Hartine's report, and he stated as his opinion, that the complainant had no right to more than what was properly provided by Law, i.e. for him and his Brother Sayyid Jussuf Rs. 1500 per annum, which the total Rs. 3000. and, when he returned, has not done any work to pay.

In reply Government stated on the 28th May last that it concurred in Mr. Hartine's decision.

Spent Police on King's Lodge, forwarded an English Petition Complainant against Mr. Hartine's decision and the basis of a decision which he reports is a forgery, and requests that the records of Government may be searched in proof of this.

On the 20th July, he again complained against Mr. Hartine's proceedings.

on the complaint preferred by the Petitioner.

On the 5th December 1829, Mr. Hawkins, the officiating Resident at Delhi, solicited the attention of Government to Sir Edward Colebrooke's Letter of 24th February, to which he stated no answer had been returned. He was informed in reply, that an answer had been sent on the 13th March, since which time no report on the case had been received, and he was furnished with a copy lest the Original had been mislaid.

On the 5th May last, Mr. Hawkins submitted his report on Asud Oalla's case. It would appear, that he had referred Asud Oalla's Petition to the Nabab Shums-oo-deen-Khan (son and successor of the late Ahmed Buhah Khan) for his answer to the complaint. A translation of Shums-oo-deen's reply and what is called "Lard

عرض کنندہ کی شکایت کے بارے میں ۵ دسمبر ۱۸۲۹ء کو قائم مقام سرٹیفیکٹ دہلی نے سرائیو ڈوگول بروک کے واسطے مورخہ ۲۴ دھوری کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ اس کا جواب نہیں دیا گیا۔ جواباً ان کو اطلاع دی گئی کہ ۱۳ مارچ کو اس کا جواب بھیج دیا گیا تھا، لیکن مفاد کے متعلق کوئی رپورٹ اس وقت سے موصول نہیں ہوئی اور ان کو اس کی ایک نقل بھی بھیج گئی کہ مبادا اصل اور حراؤدھر چھوٹ گئی ہو۔

گزرشتہ ماہ مئی کی ۵ تاریخ کو مشرک کنس نے اسد اللہ کے مقدمے کی رپورٹ بھیجی۔ یہ ظاہر ہوا کہ انہوں نے اسد اللہ کی عرضداشت نواب شمس الدین خاں رپسور و جانشین نواب احمد بخش خاں مرحوم کو شکایت کا جواب دینے کے لئے بھیجی تھی۔

شمس الدین کے جواب کا ترجمہ اور میں کو کہا جاتا ہے کہ لاڈ

in the complaint referred by the petitioner.

On the 5th December 1894, Mr. Mackenzie, the officiating Magistrate at Delhi, solicited the attention of Government to the Edward Colver's letter of the 24th February, to which he stated his answer had been returned. He was informed in reply, that an answer had been sent on the 19th March, since on which time no report on the case had been received; and he was furnished with a copy, but the original had been mislaid.

On the 5th May last, Mr. Mackenzie submitted his report on Alfred Colver's case. It would appear, that he had referred Alfred Colver's petition to the Joint Commissioner, Khosroo and successor of the intervention, or Public Agent for his opinion to the complaint. A translation of Khosroo's reply, and what is called "Laid"

etc. from Government to Ahmed Bughra Khan under date the 4th May 1806, contains the following clause which is all I can trace relative to the subject. The support and maintenance of Khajeh Hafez, and the other dependents (Mustaulliguan) of Mirza Nussur Oolla Beg Khan deceased, are upon you, and you will on requisition in case of necessity have in readiness for the Sirhan fifty Horsemen".

In concluding his report, Sir Edward Colebrooke requested to be furnished with copies of any Documents on the records of Government which might appertain to the case.

In reply an extract from Lieutenant Colonel Malcolm's Dispatch of the 4th May 1806, regarding the settlement made with the Nawab Ahmed Bughra Khan was sent to the Resident at Delhi on the 13th March 1829, and he was called to investigate and report.

امیرکوش خاں کو منجانب سے سرکار میں مذکور منشی مستند سے متعلق صرف ایک ہی مندرجہ ذیل جملہ ملت ہے اور وہ یہ کہ خواجہ حاجی اور نصر اللہ مرحوم کے دوسرے متعلقین کی ہرورش اور کفالت تمہارے ذمہ ہے اور پچاس سواروں کا دستہ بوقت ضرورت سرکار کے لئے تیار ہے۔

سوائے درمذکورہ برک نے اپنی رپورٹ میں گزارش کی کہ اگر موضوع سے متعلق کچھ کاغذات حکومت کے رجب پور میں ہوں تو ان کی نقل بھیجا کر دی جا سکے۔

جواب میں فنانسٹ کرنل مالکیم کے مراسلہ مورخہ ۳۰ منشی مستند کا اقتباس چواحد بخش خاں کے ساتھ سمجھوتہ کے بارے میں تمہارا ۱۳ مارچ ۱۸۲۹ء کو گورنمنٹ ڈپٹی کو ارسال کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ تحقیق فرما کر رپورٹ روانہ کریں۔

and from Government to the Resident at
Rangoon under date the 4th May 1856, con-
tains the following clause, which is all
I can trace - relating to the subject. The
"support and maintenance of the King's
and the other dependent Chakraborty
of office, as per the order of the
Government, and you will be responsible
in case of any default in making for the
recovery of the same."

In concluding his report
Sir Edmund Denehy requested to be
furnished with Copies of any Documents
in the records of Government, which might
appertain to the case.

In reply on the 21st of June
Lieutenant Colonel - Macleod's Discharge
of the 4th May 1856, regarding the settle-
ment made with the said Chakraborty
Resident at Rangoon was sent to the Resident
at Delhi on the 13th March 1859 and
he was called to investigate and report

reported to Government, that Assud Dulla had presented a Petition to him, the purport of which was that on the death of Nussur Dulla Khan, who held in Maharsree for his life the Pergunna Sawah and Sena at a quit rent of 15,000 the quit rent of between 20,000 & 30,000 Rupees at which the late Ahmed Buhsh held the lands of Ferozepore etc. had been relinquished in consideration of Ahmed Buhsh Khan making himself responsible for the support of Nussur Dulla Beg Khan's family, and that for such support Ahmed Buhsh has never paid more than 5,000 Rupees annually, out of which he has paid 2,000 to one Khajeh Hajee, an alien to the family, 1,500 Rupees to the Petitioner, and 1,500 Rupees to one of the Petitioner's sisters, leaving a Brother and two other sisters of this Petitioner wholly unprovided for.

Sir Edward Colebrooke proceeds to state,
" The Sunnud of Ferozepore

سورج کو تحریر کیا گیا کہ اس نے ایک درخواست ابن کو پیش کی تھی جس کا مقصد تھا کہ سورج اور سورج کے چہ گئے نذر شاہ خاں کو بعض مبلغ پندرہ ہزار روپیہ سالانہ انگلذاری پر تاحیات ملے ہوئے تھے۔ نیز وزیر کی جاگیریں بھی جنکی سالانہ انگلذاری مبلغ ۲۰۰۰۰ روپیہ تا ۳۰۰۰۰ روپیہ تھیں۔ ان کی خاں مرحوم کے زیر انتظام تھیں جس کی انگلذاری مبلغ بیس ہزار روپیہ نذر شاہ بیگ خاں کی وفات کے بعد اس جاگیر معاف کر دی گئی کہ انہوں نے نذر شاہ بیگ خاں کے خاندان کی پرورش کی فرم داری اپنے ذمے لی تھی۔ لیکن اس کا کٹ خاں نے مبلغ پانچ ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ بھی ادا نہیں کئے اس میں سے بھی لڑ ہزار روپیہ خواہ حاجی کو جو خاندان میں غیر آدمی تھا۔ چند روپیہ روپیہ سالانہ کو اور مبلغ پندرہ سو سال کی ایک ہیشیرو کو دیتے رہے۔ باقی ایک بھائی اور دو بہنوں کو قطعاً محروم رکھا گیا۔

جناب ایڈووکیٹ کوئل ہدک نے مزید بیان کیا کہ وزیر کی سند

reported to Government, that Ghar Alla had
presented a Petition asking the payment of
which was that on the death of a Raja
Khan who held in Malabar for his life
the Pergunna land and houses at a joint
rent of Rs. 500; the joint rent of the Pergunna
and 3000 Rupees at which the late Ahmed
Rajah Khan held the lands of Seringpore
etc. had been relinquished in consideration
of Ahmed Rajah Khan making himself
responsible for the support of the Raja
Khan's Family, and that for such
support Ahmed Rajah had never paid more
than 3000 Rupees annually, and of which
he has paid 2000 to one Rajah. Rajah an-
d also to the Family, 1500 Rupees to the
Petitioner, and 1500 Rupees to one of the
Petitioner's sisters, having a Brother
and two other Sisters of the Petitioner
wholly unprotected for."

See Edward Colebrook's
process to state the claims of Seringpore.

It will be useful to inquire also whether as asserted by the Petitioner the Sunnud by Land Lake dated 6th June 1806 is a forgery, and whether the case has been fully investigated.

Without going through all the particulars stated by the Petitioner in his several Memorials, to which, however, I beg reference is containing much information which I shall take for granted is known to Government, I propose to submit merely an account of what has lately taken place.

Assud Oulla came to Calcutta in 1828 and presented a Memorial to the Persian Secretary - Vide Memorial received 28th April 1828, and recorded 2nd May No. 46.

The order passed on that Memorial was, "Ordered that the Petitioner be informed that the above Petition ought to be addressed to the Resident at Delhi".

On the 24th February 1829 the Resident at Delhi, Sir E. Colebrooke

یہ معلوم کرنا بھی ضرور مند ہو گا کہ آیا لارڈ لیک کی خطا کردہ وہ سند جو مندرجہ بالا ہے جیسا کہ عرض کنندہ بتلاتا ہے اور کیا اس کے متعلق پوری چھان بین ہوئی ہے۔

اس تمام تفصیلات میں جائے مزید عرض کنندہ نے اپنی مختلف عرضداشتوں میں بیان کیا ہے جن کا میں اس یقین کے ساتھ حوالہ دے رہا ہوں کہ حکومت کو وہ سب باتیں معلوم ہوں گی میں بعد میں پیش آنے والی حالات کو ہمیشہ کرنا چاہتا ہوں۔

اسد اللہ خان مستندہ میں لکھتے آئے اور فارسی سکریٹری کو عرضداشت پیش کی جو ہم اپریل کو وصول ہوئی اور اس کا سرکاری مستندہ کو نمبر ۳ پر اندراج ہوا۔

اس عرضداشت پر جو حکم ہوا یہ تھا "حکم شد کہ عرض کنندہ کو مطلع کیا جائے کہ مذکور بالا عرضداشت ریڈیٹڈ وہی کو رہی جائے تھی"

۳۴ فروری ۱۸۲۹ء کو سرکاری اکول برک ریڈیٹڈ وہی نے

It will be noted to enquire
whether as reported by the Prisoner the
sum of £2000 was paid to the Prisoner in
a foreign, and whether the case had been fully
investigated.

Without going into the matter
whether the Prisoner in his several
statements, to which I have referred, is
containing much information, which I
shall take for granted, is true, I propose
to submit merely an account of
what has been taken place.

After the case was taken
into the Court, and presented a Memorial to the
Prison Secretary - Vide Memorial received
24th April 1887, and recorded in the
Prison Register.

The Prisoner's paper on that occasion
was: "Ordered that the Prisoner be
informed that the above Petition ought to be
addressed to the President of Delhi."

On the 24th February 1887
the President of Delhi, Sir C. Colclough,
replied to

1500 settled on Asud Oallah was intended for the joint support of the two Brothers, as the other 1500 Rupees seem to have been intended for females, the three Aunts of the Petitioner,

It may be useless to inquire now whether Khajee Hajee was entitled to share with the Heirs of Nussur Oulla Khan, since he has been acknowledged as a Member of the family in the Perwanna of the 4th May, 1806 which Ahmed Buhsh Khan obtained under the Seal and Signature of the Governor General in Council. But it may be useful to inquire, whether Ahmed Buhsh Khan acted up to the condition of his Sunnet, when he allotted 5,000 per annum only for the maintenance of Nussur Oulla Khan's Family including Khajee Hajee, and whether his heir and Successor Shums-oo-deen-Khan is bound to make a larger provision for them.

پندرہ سو کی رقم جو اسلئے کے نام کی گئی تھی وہ دونوں بھائیوں کے لئے مشترک ہے جس طرح دوسری پندرہ سو کی رقم عرضی کنندہ کی پھوپھیوں کے لئے تھی۔
اب یہ تحقیق کرنا ہے کہ کار معلوم ہوتا ہے کہ نصر اللہ خاں کے ساتھ خواجہ حاجی کا محمد دار ہوتا ہے جو بجانب تھڑا یا منہیں کیونکہ احمد بخش خاں نے سہ ماہی مستثنیٰ کو گوہر زریں کی ہیرا اور دستخط کے ساتھ جو یہ دانا حاصل کیا تھا اس میں اس کو خواجہ حاجی (خاندان کا ایک فرد تسلیم کیا گیا ہے)۔ تاہم اس امر کی تفتیش مفید ہوگی کہ آیا احمد بخش خاں نے اپنی سند کی شرائط کو پورا کیا، جب کہ انہوں نے مبلغ پانچ ہزار روپے سالانہ خاندان نصر اللہ خاں کے لئے بشمول خواجہ حاجی مقرر کئے اور آیا ان کے واپس اور جائیں شخص الدین خاں مزید گزار دیئے گئے ہیں۔

1500 dollars in off-hand Gold was intended
for the joint support of the two Brothers,
as the other 1500 Dollars were to have been
intended for the Family, the three Sons of
the Deceased.

It may be well to enquire
now whether Major Hight is entitled to share
with the Sons of Syarifullah Khan? Since
he has been acknowledged as a Member of
the Family in the Presence of the 4th
May 1866, which Ahmed Bakht Khan
signed under the seal and signature of
the Governor General in Council. But
I may be well to enquire, whether or
Ahmed Bakht Khan acted up to
the condition of his bond, which he
stated 5000 per annum only for the
maintenance of Syarifullah Khan's
Family, including Khajit Hight and
whether his bond and receipts show
or don't show he is bound to make a large
provision for them.

of providing for Mussur Oolla Khan's family and the Petitioner asserts that the Naumb unjustly set up Khajee Hajee as the Principal Person of Mussur Oolla Khan's family and allotting 5,000 Rupees per annum for the general support of the family distributed it as follows:

To Khajee Hajee	.. 2,000
To Mussur Oolla Khan's mother	.. 1,500
To the Petitioner	.. 1,500

On Khajee Hajee's death, Ahmed Buksh Khan continued the portion of 2,000 to his children.

When the Mother died her portion went to her eldest Daughter (sister of Mussur Oallah Khan) who, out of it, supported her two younger sisters.

The Petitioner states, that out of his portion, he had supported his younger Brother who, he complains was left unprovided for by Ahmed Buksh Khan. It's probable, however, that the sum of

کہ وہ نصر اللہ خاں کے خاندان کی پرورش اس آمدنی سے کریں گے۔ عرضی کنندہ اس بات پر مستعد و تیار ہے کہ نواب (احمد بخش خاں) نے غیر منصفانہ طور پر خواجہ حاجی کو نصر اللہ خاں کے خاندان کا مستند فرو قرار دیدیا اور پانچ ہزار روپے سالانہ کی مال گذاری پر تفسیلی تحت منقسم کر دی۔

خواجہ حاجی	مبلغ دو ہزار روپے سالانہ
والدہ نصر اللہ بیگ خاں	مبلغ پندرہ سو روپے سالانہ
عرض کنندہ (اسد اللہ خاں)	مبلغ پندرہ سو روپے سالانہ

خواجہ حاجی کی وفات کے بعد احمد بخش خاں نے مبلغ دو ہزار روپے کا حصہ اس کے بچوں کے نام جاری رکھا۔

نصر اللہ خاں کی والدہ کے انتقال پر ان کے حصہ کی رقم ان کی سب سے بڑی بیٹی، عیشہ و نصر اللہ خاں کو پہنچی جس سے انہوں نے اپنی دو چھوٹی بہنوں کی بھی پرورش کی۔
 دائرہ خواہ کا بیان ہے کہ وہ اپنے حصے کی رقم میں سے اپنے چھوٹے بھائی کی بھی پرورش کرتا ہے جس کی اس کو شکایت ہے کہ احمد بخش خاں نے اس کو کچھ نہیں دیا۔ غالباً وہ

of providing for his own maintenance
and the Pollution of his, that the amount
of the share which he has as the principal
of the Estate of his father, with his family
and about 5000 Rs. per annum for
the general support of the family distributed
as follows:-

For Hajib Hajis	2000
For Hajib Hajis's wife	1500
For Pollution	1500

As Hajib Hajis died, on
Monday 20th, when continued, this
portion of 2000 Rs. continued.

When the matter died, his
portion went to his eldest daughter, who
of Hajib Hajis's wife, who, and of it, and
portion his two younger sisters.

The Pollution states, that
out of his portion, he has supported his young
brother, who, he, complained was often
provided for, by Hajib Hajis's wife.
It is possible, however, that this sum of

Buksh Khan Chief of Ferozepur etc.

When Nussur Oolla Khan died, he left a Mother, a Widow, three Sisters and two Sons viz. the Petitioner and his Younger Brother Yousuf Allee Khan (or Mirza Yousuf).

The Petitioner further states that there was another Person named Khajee Hajee, who was no relation of Nussur Oolla Khan, but was connected by marriage he being the son of a Niece of Nussur Oolla Khan's father's wife. This person however seems to have assumed the management of Nussur Oolla Khan's affairs, and on his death, is stated to have conspired with Ahmed Buksh Khan to defraud the Family of the deceased. Ahmed Buksh Khan as the father in law of Nussur Oolla Khan and the Natural Guardian of his family, obtained from Lord Lake a remission of the quit rent, payable by him for Ferozepore on the condition

خیر فرزند پر و غیرہ کے سردار تھے۔

جب نصر اللہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے مددگار میں اپنی ایک والدہ، ایک بیوہ، تین بہنیں اور دو بیٹے یعنی داد خواہ و اسد اللہ اور اس کے چھوٹے بھائی یوسف علی خاں عرف مرزا یوسف کو چھوڑا۔

سائل مزید بیان کرتا ہے کہ ایک اور شخص خواجہ حاجی جو نصر اللہ بیگ خاں کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا، تاہم اس کا ایک ازدواجی تعلق تھا اس بناء پر کہ وہ نصر اللہ خاں کے والد کی بیوی کی بھانجی بھالو کا تھا اور اس نے نصر اللہ خاں کے معاملات کا انتظام اپنے اختیار میں کر لیا تھا۔ اُن کے انتقال پر کہا جاتا ہے اس نے احمد بخش خاں سے سازش کر کے مرجم کے خاندان کے ساتھ دھوکہ کیا۔ احمد بخش خاں نصر اللہ خاں کے عہد تھے اور اُن کے خاندان کا قدرتی سرپرست بن کر لارڈ لیک سے فیروز پور کی واجب الادا مال گذاری اس شرط پر معاف کرائی۔

Bukht Khan, Chief of the Ferozepore tribe.

When Asaf-ud-Daula Khan died, he left a Mother, a widow, three daughters and two Sons, Viz. the 1st. Shikhar and his (Younger Brother) Ghousef Khan (or Muzaf Ghousef). The Petitioner further states

that there was another Person named Khan Major, who was no relation of Asaf-ud-Daula Khan, but was connected by marriage; he being the son of a Sister of Asaf-ud-Daula Khan's Father's wife. This Person however seems to have assumed the management of Asaf-ud-Daula Khan's Affairs, and on his death, is stated to have conspired with Ahmed Bukht Khan to deprive the Family of the deceased. Ahmed Bukht Khan is the Father in Law of Asaf-ud-Daula Khan and the natural Guardian of his Family, attended by some Sardars & a number of the great nobles, payable by him for Ferozepore, on the condition of

/ c o p y /

*Note by the Chief Secretary on the
Case of Assud Oulla,*

19th August 1830

Assud Oulla states himself to be the Nephew of late Nawab Nussur Oulla Beg Khan, who held the district of Agra under General Perron, and who came over to Lord Lake in the Marhatta War, when, for his good services he had certain Lands bestowed on him in the district of Agra, on an Istimaree tenure at a Jumma of Rupees 15,800. These were the Pergunnas of Sonk and Sonssa, the revenue of which, Assud Oulla in his petition represents amounted to more than a Lakh of Rupees.

Nussur Oulla Khan was the son in Law of the Late Nawab Ahmed

اسد اللہ کے مقدمے پر چیف سکرٹری کا نوٹ

مورہ ۱۹ اگست ۱۸۳۰ء

اسد اللہ اپنے آپ کو نواب نصر اللہ بیگ خاں مرحوم کا بھتیجا بیان کرتا ہے جو جرنل پیون کے تحت ضلع آگرہ کا افسر تھا اور مرہٹوں سے جنگ کے دوران لارڈ ٹیلیک سے آلا تھا۔ ان کی اعلیٰ خدمات کے صلہ میں ان کو ضلع آگرہ کے باگیر بن پندہ ہنزہ آٹھ سو روپے کی زمین پر برقی استرا عطا کی گئی تھیں۔ یہ دویر گئے سونک اور سونسا تھے جن کی آمدنی اسد اللہ اپنی عرض میں ایک لاکھ سے زائد بتاتا ہے۔

نصر اللہ خاں نواب احمد بخش خاں مرحوم کے داماد تھے۔

Copy

Notes by the Chief Secretary in the
Case of Afford Collage:

19th August 1881

Afford Collage stating
himself to be the nephew of the late Sir
Hugh Collage. By whom, whilst the
district of Afford under British Power,
and who came over to Lord Collage in the
Argentine Mar. when, for his good service
he had obtained Letters Patent on him in
the District of Afford, in an Antislavery
League at a Sum of Rs. 500.
There were the Pergamens of South and
North, the sum of which Afford Collage
in his petition represents amounted to more
than a Lack of Rupees.

Afford Collage Khan was
the son in Law of the late Nawab Ahmed
B. Khan

2. The Puswarah in question is returned herewith for the purpose of being restored to the Nizam Shamsood Deen Khan.

I have etc.

Signed / G. Swinton

Chief Secy to the Govt.

Fort William,
31st December 1830

/ True copy /

(G. Swinton)

Chief Secy to the Govt.

۲۔ زیر بحث پروادہ نواب شمس الدین خان کو واپس کر دینے کے لئے ارسال ہے۔

آپ کا نام

دستخط ا جی۔ سونٹن

چیف سکرٹری گورنمنٹ

فورٹ ولیم اس۔ دسمبر ۳۱ ۱۸۳۰ء

مصدقہ نقل

دستخط ا جی سونٹن چیف سکرٹری گورنمنٹ

2. The Punjab Legislature
was bound herewith for the purpose of
being restricted to the Punjab & Kashmir
and Ladakh.

Vol. II, No. 1,
31 December 1930

Shaw's
Signed by Sir John
Chapman to the Govt.

The two copies /

John Chapman
Chief Secy to the Govt.

1844

To,
Messrs. B. & C. in Madras
Resident at
Delhi.

Dear Sir,

I thank you for the late
offering of the Res. to the Res. of the
B. & C. last relative to the case of
A. & C. I am directed to transmit
to you, the accompanying copy of a
despatch from the Chief Secretary to the
Government of Bombay dated the 7th
Instant, from which you will observe
that the Court will order under the
Chancery Sign. of Lord A. B. & C.
by the Court to be a copy, is
considered by Sir John Malcolm to
be a genuine Document.

with him, and that was combined with such respect from the Natives and liberality of sentiment that his character may be pleaded in repititation of his having acted in the dishonourable manner supposed. If he had been guilty of such acts there must I think have had complaints from some of the parties engaged in it.

Signed / John Malcolm

/ True copy /

Signed / Citonnies

Chief Secretary

/ True copies /

(G. Swinton)

Chief Secy to the Govt.

اور یہ عزت مقامی باشندوں کے تراش و لاء احساسات سے بڑھتی اور ان کا جہل
اس بات کی تائید کرتا ہے کہ انہوں نے غیر شریفانہ کام نہ کیا ہوگا۔ بالفرض اگر وہ ایسے
کاموں کے مرتکب ہوتے تو یہ خیال ہے کہ بعض متعلقہ افسر اہل کی طرف سے مزید
تشکیات کی جائیں۔

دستخط : جان مالکم

نقل مطابق اصل

دستخط سربراہ

چیف سکرٹری

مصنفہ نقل

دستخط : جی۔ سوانٹن چیف سکرٹری گورنمنٹ

with him, and that no combination
such respect from the Nation and others
often enjoyed the French character may be
pleaded in reputation of his having
acted in the dishonorable manner
supposed. If he had been guilty of
such acts then must I think have
had complaints from some of the party
engaged in it.

Yours truly
L. M. M. M.

Your Copy

L. M. M. M.

Chief Secretary

Your Copy

L. M. M. M.

Chief Secy. to the Govt.

his sentiments on the question under consideration.

The original enclosures are herewith returned.

I have etc.

Signed / (TOPPERS)

Chief Secretary

Bombay Castle

7th December 1830

Minute by the Honorable the Governor

30th November 1830

According to my belief the Sunned bears Lord Lake's signature. The period at which it was obtained was one at which much business, that active operations had led to being on arrears, was settled. That superior Native Nobleman Ahmed Buxah Khan received and merited so much confidence from Lord Lake and all who were acquainted

اس میں صاحب موصوف کے تاثرات زیر قیود عالم پناہ ہر گئے ہیں منسک مصل کا لذات واپس کئے جاتے ہیں۔

میں چون

چیف سکرٹری

دستخط و شوریس

ممدوہ ۲۰ دسمبر ۱۸۳۰ء

بہشت کیل

۱۰ دسمبر ۱۸۳۰ء

دروازہ منہا نایب عزت مآب گورنر صاحب

میرے یقین کے مطابق سند لارڈ لیک کی دستخطی ہے۔

سند ہذا اس وقت حاصل کی گئی تھی جبکہ برسرِ پیکار رہنے کی وجہ سے التوا میں پڑے ہوئے معاملات کا تعصیب کرنے میں بہت معروریت تھی نیز یہ کہ احمد بخش خاں جیسے شریف اندہ اس علاقہ کی اعلیٰ مرتبہ شخصیت کو لارڈ لیک کا خصوصی اعتماد حاصل تھا اور تمام اہتمام و خرچوں سے واقف تھے وہ بھی ان کی عزت کرتے تھے۔

(copies No. 1834

Pol. Dept.

7.

The Chief Secretary
to the Supreme Government
at Fort William.

Sir,

I am directed to acknowledge the receipt of your letter dated the 26th October with its several enclosures regarding the claims of Assudolla Khan, and requesting the sentiments of the Honorable the Governor thereon.

In reply I am directed to transmit, for the purpose of being laid before the Honorable the Vice President in Council, the accompanying copy of the Minute by the Honorable the Government dated the 30th November expressing

پریسٹن ڈیپارٹمنٹ نفل ۲۳

خدمت چیف سکرٹری سرکار عالیہ

فرسٹ ولیم

جناب عالی

آپ کے مراسلہ مورخہ ۲۶ اکتوبر یکدم منسلک چند اخراجات بلسلہ مطالبات اسد اللہ خان اور جن میں عالی جناب گورنر جنرل کے تاثرات معلوم کرنے کی درخواست کی گئی ہے کہ وصول پا کر اطلاع دینے کی مجھے ہدایت ہوئی ہے۔

اس کے جواب میں مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ سرکار عالیہ کی روٹاد مورخہ ۳۰ فروری کی منسلک نفل جناب نائب صدر کو پیش کرنے کی غرض سے ارسال کروں۔

that as the sum to be laid out for that purpose; and he thinks it probable, that the document, subsequently limiting the amount to 5,000 Rs. was procured by Ahmed Buxah for the purpose of checking any demand that might arise out of the amount of the remission.

I have the honor to be

Sir,

Your most obedient,

humble servant,

(G. Swinton)

Chief Secy to the Govt.

Fort William,

17th December

1830

یہ مقصد ہذا کے لئے کتنی رقم مقرر ہوئی۔ ان کا اطلب خیال ہے کہ وہ دستاویز
جو احمد بخش خان نے بعد میں پانچ ہزار روپے کے قعیت کی حاصل کی تھی، اس غرض سے تھی کہ
مساوات شدہ رقم پر کسی آزمندہ مطالبہ کی روک تھام ہو جائے۔

آپ کا اہلدار

دستخط جی۔ سونٹن

چیف سکریٹری حکومت ہند

فورٹ ولیم

۱۷ دسمبر ۱۸۳۰ء

That as the sum to be laid out for
that purpose, and he thought it
probable, that the document, subse-
quently limiting the amount to be
was procured by Ahmed Khelisi for
the purpose of checking any demand
that might arise out of the amount
of the redemption.

I have the honor to be

Yours faithfully,

W. H. M.,

1850

I am,

Your most obedient
servant,

John H. M.
Chaplain of the Fort

Shumood Deen before the Governor General, I have been directed to transmit to you for eventual reference a copy of the Note drawn up in this Office, containing a Summary of the case, together with copies of the correspondence on the subject.

4. From S.C. Malcolm 4th May 1806
5. To-----do-----16th May 1806
6. From-----do-----10th June 1806
7. From Offg. Res. Delhi 8th Oct. 1830
with Sumud.
8. From Mohumud Asudvolla Khan
26th Sept. 1830
9. To Chief Secy at Bombay 22nd Oct. 1830
10. From Mohumud Asudvolla Khan 27th Nov. 1830

The Vice President in Council however, does not concur with the sentiment expressed in the conclusion of that Note to the effect that the family of Nusur Oolla Khan appears to be entitled to the larger allowance. He is disposed to believe, that the arrangement by which Ahmed Durrani became bound to provide for the family of Nusur Oolla by a remission of 10,000 Rs. in his own favor, was a very loose one by no means fixing

فیس الہی گورنمنٹ کے روبرو پیش کرے گا۔

مجھے ہدایت ملی ہے کہ دفتری رجسٹرار سے واقفاتی حوالوں کے لئے مرتب شدہ نوٹ کی نقل

اسان کوں جس میں مقدمہ کا خلاصہ اور متعلقہ مراسلات بھی شامل ہیں۔

۳۔ منجانب۔ ایس۔ بی۔ میککم مورخہ ۲۵ مئی ۱۸۰۶ء۔ ۴۔ منجانب۔ محمد اسد اللہ خاں مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۸۰۶ء

۵۔ بنام۔ ۔ ۔ ۔ مورخہ ۱۶ مئی ۱۸۰۶ء۔ ۶۔ بنام۔ ایف۔ سکرٹری میٹن مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۸۰۶ء

۷۔ منجانب۔ ۔ ۔ ۔ مورخہ ۱۰ جون ۱۸۳۰ء۔ ۸۔ منجانب۔ محمد اسد اللہ خاں مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۸۳۰ء

۹۔ قائم مقام ایڈمنٹریٹو وکیل مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۸۳۰ء

نائب صدر صاحب یہ کونسل نوٹ پڑھ کے اختتام پر اظہار شدہ احساسات کو قابل اتفاق

نہیں سمجھتے ہیں کہ انصاف کے سلسلہ کا خاتمہ ان مزید طریقہ کا مقدمہ معلوم ہوتا ہے۔ ان کا یقین اس طرف

مائل ہے کہ کسی انتظام کے تحت اس شخص خاں انصاف کے خاتمہ کے پرورش کے۔ اپنے حق میں

مصلحت اس ہزار کی معافی کے بعد پابند ہوئے تھے۔ ورنہ رقم کے قصہ میں واضح نہیں تھا۔

To,

Henry Thoby Prinsep Esqr.,
Secretary to the Governor General,
Pub. Dept.

Sir,

I am directed to transmit to you, for the information of the Right Honorable the Governor General the accompanying copies of a despatch from the Chief Secretary to the Government of Bombay dated the 7th instant, and of a letter which has been addressed to the Resident at Delhi under this Doh, relative to the case of Assudoulla.

As it is not improbable that the Petitioner will bring his complaints against the Nawab

جنرل جناب ہنری تھوبی پرنسپ

سکرٹری گورنر جنرل

پبلک ڈیپارٹمنٹ

جناب مال

مجھے دایت ہوئی ہے کہ آپ کو عالی جاہ گورنر جنرل کی اطلاع کیلئے چیف سیکریٹری
حکومت بمبئی سے موصولہ کاغذات مورخہ ۷ ماہ حال اور ایک خط جو اسی ڈاک سے ریٹینٹ
صاحب مہاراجہ کی کو بلسلہ مقدمہ اسدائے موصول ہوا ہے کی نقول ارسال
کروں۔

جو کہ یہ بات اسکاں سے باہر نہیں ہے کہ درخواست کنندہ اپنی شکایات و خلاف اوزاب

To,

Henry Meby, Junr, Esq, &c
Secretary to the Governor General

4 Sept

My Sir,

I am directed to transmit
to you, for the information of the
Right Honourable the Governor General
& his accompanying dispatch, a duplicate
from the Chief Secretary to the Governor
General of Bombay dated the 7th
instant of a Letter which has
been addressed to the President at
Bombay under this date, relative
to the case of the said Letter.

I am, Sir, very respectfully,
The Chief Secretary to the Governor General,
Bombay.

دہلی کی عدالت سے مقدمہ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد غالب غاموش نہیں بیٹھے اور گورنر جنرل کے پاس اپیل انہوں نے گورنر جنرل لارڈ جننگ کے پاس اپیل دائر کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گورنر صاحب نے تمام متعلقہ کالجزات طلب کر لئے مگر سابقہ فیصلہ ہی کو برقرار رکھا۔

لیکن انٹرس کی یہ قیام در خواستیں بے کار نکلیں اور جسٹس کے غور و مشاہدات سے بھی فیصلہ نکلیا کہ جو کچھ ہندوستان میں ملے ہو چکا ہے وہی درست ہے۔ مرزا صاحب نے یہ جواب موصول ہونے کے بعد بھی دلی نہیں چھوڑا اور ایک درخواست بطور اپیل ۱۸۷۲ء میں لارڈ کیمڈن کی خدمت میں ارسال کر دی لیکن اس کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ آخر کار جسٹس نے اس میں وہ ہاتھ پر ہاتھ دیکر بیٹھ گئے۔

عجیب بات ہے کہ تقریباً دس سال کے بعد خدا ہائے کس کے اشارہ پر مرزا غالب نے ایک قصیدہ کلہ و کلہ کی طرح میں لکھ کر جسٹس اس لارڈ انبرا کی سرپرست روانہ کر دیا۔ مرزا صاحب کے سچے تعلقات ان کی گورنر جنرل کے زمانہ سے قائم تھے اور بعد میں بھی جاری رہے۔ جب لارڈ موصوف نے وہ قصیدہ کلہ و کلہ نظر کی بجائے وہیں پیش کیا تو جواب آیا کہ شاعر کیسا چاہتا ہے غلام غوث خاں بے خبر کو کہتے ہیں، اور مرزا جسٹس کو لکھا ہوا حکم وزیرِ داخلہ کا رایت کی ڈاک میں بھجوا کر آیا ہے۔ اس قصیدہ کے صلے اور جائزے کے واسطے جرنل لارڈ انبرا سائیں نے بھجوا یا ہے۔ خطاب اور غصت اور پشیمانی کی توجہ منظور ہے۔ جو حکم صادر ہو چکا اس کی کوئی مصلحت گورنمنٹ اس کی اطلاع درجی ضروری ہے۔

اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالب کو اپنی جاگیر کے معاملہ میں انصاف حاصل ہو جانے کی پوری توقع ہو چکی تھی لیکن برصغیر کی ایسی فیصلہ نہ ہونے پر اچھا کہ ملک میں جسٹس لکھا ہوا حکم رہا ہو گیا جس کے نتیجے میں چند برسوں کی قسمت کا ستاؤ تو انگریزوں کے ہاتھ میں آچکی گیا مگر غالب کی امیدوں کا نتیجہ جراثیم جو تیس سال سے کبیر سن کے دماغ میں جل رہا تھا ہمیشہ کے لئے نکل ہو گیا۔

بھلی نغمہ جوں نہ پردہ ساز
میں ہوں اپنی سیرِ شکست کی آواز

APPEAL IN THE COURT OF THE GOVERNOR GENERAL

When the court of Delhi gave its decision Ghalib did not accept it quietly and preferred an appeal before the Governor General Lord Bentinck. The Governor General called for all the papers but upheld the previous judgment.

It is pitiable that all his applications proved ineffectual and in the year 1842 the directors gave their judgment that whatever had been decided in India was correct. Mirza did not loseheart on receiving such a reply and by another application preferred an appeal in 1842 before Queen Victoria, which also failed to produce any result. In 1842, he surrendered himself to his fate. It is surprising that after nearly ten years, Mirza improvised God alone knows on whose suggestion, a Qasida in praise of Queen Victoria and through Lord Ellenborough in the year 1854 sent it to Her Majesty. Mirza was on good terms with Lord Ellenborough when he was Governor General in India and their relations had not broken off ever afterwards. When the Lord Ellenborough presented the Qasida to Queen Victoria, Mirza received a reply in which he was asked to state what he actually wanted. Mirza wrote to Ghulam Chaus Bey Khabar : " On Nov. 17, 1856, I received an order of the Prime Minister through the English mail that in recognition of the Qasida and its appreciation received through Lord Ellenborough the suggestion for the title and robe of honour and pension is accepted and about the orders issued on this he will be duly informed through the Government."

This letter reveals that Ghalib was very hopeful of getting justice in the case of his jagir, but unfortunately when he was waiting for the final decision the mutiny of 1857 broke out and as a result the control of the destiny of India came into the hands of the British Government. But Mirza's lamp of hope which had been flickering in a desolate state for sixteen years was extinguished for good.

Na Gule Naghma Hun, Na Parda-e-Saaz
Main Hun A-ni Sitbast Ki Awaz

فالت کو حال ہوا کہ نواب احمد بخش خاں نے اپنے والد نصرت شاہ خاں مرحوم کے معصوم وارثوں کے ساتھ دیدہ و دانستہ بے انصافی کی ہے کہ سترہ سال سے منظور شاہ نگراہ کی قہر میں ہزار روپیہ سالانہ سے گفت کر صرف پانچ ہزار روپیہ سالانہ بھرا سکا ہے۔ بالکل ایک غیر متعلق شخص کو دو ہزار روپیہ کا حصہ دار قرار دیا ہے۔ جب اس بے انصافی کے خلاف نہانی دستبرد کی احتجاج بے سود رہا تو فالت نے مجبوراً اپنی جاگیر کے معادل کو طلب جن میں خانہ مالک پابلیٹ انڈیا کے ماتھے قانون انصاف کے لئے پیش کر دیا۔

نصرت شاہ بیگ خاں مریشوں کی طرف سے اکبر آباد کے واکم تھے۔ جب لارڈ ٹیک نے اس شہر پر قبضہ کرنا چاہا تو نصرت شاہ بیگ خاں نے فوج کی کشت و خون کے شہر کا اکثریتوں کے حوالہ کر دیا۔ نتیجہ میں لارڈ ٹیک نے خوش ہو کر ان کی اکثریتی فوج میں پارسی سواروں کا رسالہ بنادیا اور سترہ سو روپیہ مشاہدہ مقرر ہوا اس دوران میں نصرت شاہ بیگ نے سوگ و سوسہ نامی دو پرستاروں کی ریاست ہلکے جیسے جیسے قبضہ میں لے لئے۔ جب لارڈ ٹیک نے غیر متعلق تو خوشنودی کے طور پر یہ دونوں پرستار ہر شاہ کے حکم کی رو سے نصرت شاہ بیگ خاں کو جین حیات مقررہ جاگیر میں عطا کر کے لیکن جلد ہی اپنی انہی سے گہرا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے انھیں ہٹا دیا۔ نصرت شاہ بیگ خاں نے اپنے والد اس کے اصول و ضوابط کے تحت نے واپس لے لئے اور فوجی سارا سب توڑ دیا گیا۔

نصرت شاہ بیگ خاں نواب احمد بخش خاں والی فیروز پور بھکر کے والد تھے۔ جنرل ٹیک کو نصرت شاہ خاں کے وارثوں کی پرورش کا خیال ہوا اور اس انتظام کے لئے انھوں نے فوجی سارا سب اختیار کیا۔

نواب احمد بخش خاں کو ان کی خدمات کے صلہ میں سیکرٹری گورنری نے مستند اور مستند میں دو جاگیریں عطا فرمائی۔ ایک فیروز پور بھکر اور ساگر کی جاگیر۔ دوسری پونا۔ پانچویں اور گجرات وغیرہ ان دونوں جاگیروں کی سالانہ مال گورنری مبلغ پچیس ہزار روپیہ سالانہ سارا سب فیروز پور میں جمع کی جاتی تھی۔ مہر میں مستند کو یہ حکم جاری ہوا کہ وہ پچیس ہزار روپیہ جو نواب احمد بخش خاں کے وارثوں کو ان کے حصے میں ملے گا اس کے لئے بھکر نواب کو موصوف منظور کر لیں کہ وہ چند ہزار روپیہ سارا سب سواروں کے دست پر خرچ کریں گے اور باقی دس ہزار روپیہ نصرت شاہ بیگ خاں کے وارثوں کو بطور خیرین ادا کیا کریں گے۔ اس حکم کی تصدیق سارا سب ریکارڈ سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن بعد کو امر بخش خاں نے لارڈ ٹیک سے ایک اور مستند ورجن مستند کو کسی طرح سے حاصل کر لیا جس کی رو سے نصرت شاہ بیگ خاں کے وارثوں کو مبلغ پانچ ہزار روپیہ سالانہ پر تقسیم حقت عطا کئے گئے تھے۔

۱- خواجہ حاجی دہانہ

۲- والدہ چیمپلیر خان نصرت شاہ بیگ خاں

۳- مراد شاہ فالت اور مرزا یوسف

دو ہزار روپیہ سالانہ

پندرہ سو روپیہ سالانہ

پندرہ سو روپیہ سالانہ

It was very painful for him to realise that Nawab Ahmed Bux had played a trick on him and harmed the interests of the innocent dependents of Nasarullah Beg Khan by getting the 10,000 fixed by the Government reduced to Rs. 5,000 per annum and giving out of his Rs. 2,000 to persons who had no claim to the pension. When his protests, oral and written produced no result he was obliged to put his claims before the East India Company and ask for a fair treatment and legal justice.

Nasarullah Beg Khan was the Subedar of Akbarabad under the Marathas. When Lord Lake marched towards the city, Nasarullah Beg Khan surrendered it to the British without any resistance. Lord Lake was very pleased by this and he made him the Risaldar of 400 horses and men in the British army and fixed Rs. 17,000 as his remuneration. During these days Nasarullah Beg Khan captured two parganas of Holkar State. When Lord Lake heard about it he was very much pleased and by an order dated September 21, 1805 Nasarullah Beg Khan allowed to keep the Parganas as his jagir for his lifetime.

Soon after this in 1806, Nasarullah Beg Khan fell from an elephant and died. In accordance with the order, the two Parganas reverted to the Govt. Nasarullah Beg's Brigade was disbanded.

Nasarullah Beg Khan was the son-in-law of Ahmed Bux Nawab of Berar. General Lake was moved by the plight of the dependents of Nasarullah Beg Khan and in order to make some provision for them, the following orders were passed:

Nawab Ahmed Bux for his service was awarded two Jagirs in 1802 and 1804 on the basis of a permanent settlement.

For these two Jagirs Nawab Ahmed Bux was required to deposit Rs. 25,000 annually in the State Treasury as land Revenue. On May 4, 1806, an order was issued that Rs. 25,000 which Nawab Ahmed Bux used to pay to the Government be remitted, provided the said Nawab agreed to spend Rs. 15,000 on 50 horses and men and paid the remaining 10,000 to the dependents of Nasarullah Beg Khan as pension. This order is corroborated by the official records. But afterwards Nawab Ahmed Bux somehow managed to get another Shikha from Lord Lake by which the sum of Rs. 10,000 was reduced to Rs. 5,000. It was to be distributed as under:

- | | |
|---------------------------------------|-------------|
| 1. Khawaja Mirza Risaldar | - Rs. 2,000 |
| 2. Mother & sisters of Nasarullah Beg | - Rs. 1,500 |
| 3. Mirza Asadullah & Mirza Yusuf | - Rs. 1,500 |

مقرر امام باڑہ چکل سے حاصل کر کے غالب نے اپنے وکیل کو روانہ کر دئے نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور مشر کو لبرہدک نے ۴ ہزار روپیہ
مستحق کو غالب کے حق میں رپورٹ صدر گورنر دیکر دی۔ غالب نے لکھا "کولبرہدک کرنل ہنری اٹاک کے ذریعہ
بحیرہ عرب میں جوتا ہے اور ایس عمرہ رپورٹ جس سے بہتر سوچی گئی نہیں جاسکتی صدر دفتر کو بھیج دیتا ہے تاکہ وہ جواب
موصول کرے جس سے بہتر جواب متصور بھی نہیں ہو سکتا ہے۔"

خاصات اعمال کا ایڈورڈ کولبرہدک پر فوت غوری وغیرہ کے الزامات لگ گئے، جنگی پارامشس میں وہ اپنے
عہدہ سے معزول کر دئے گئے اور ان کی جگہ مشر اکنس رینڈیٹ وہی مقرر ہوئے جبکہ انواب شمس الدین خاں سے بہت
گہرا تعلق تھا۔ انہوں نے دوسری رپورٹ صدر کو روانہ کر دی جو سرسبز مرزا کے خلاف تھی اس میں بھی لکھا تھا کہ غالب ساڑھے
سات سو روپے سے نریاں کے مستحق نہیں ہیں۔ غالب نے لکھا "اچھی دہ جواب راستہ ہی میں تھا کہ کولبرہدک معزول ہو جاتا
ہے۔ کولبرہدک کی بجائے اکنس بیٹہ جاتا ہے اور جہر کو بھی قبضہ کے مخالف ہو سکتا ہے صدر دفتر کو لکھ دیتا ہے۔" مشر
اکنسن کی مخالفاۓ کارروائی کا جب غالب کو علم ہوا تو وہ پریٹان ہو گئے۔ اور مشر اکنسن کے پاس سفارش
پہنچانے کی تدبیر کرنے لگے مگر یہ قسمتی سے وہ راستہ بھی بند ہو گیا۔ لکھتے ہیں "مرزا ابوالقاسم خاں نے وعدہ کیا
کیا تھا کہ جس وقت کرنل ہنری اٹاک کے مزاج درست ہو جائیں گے وہ ان سے اکنسن کے نام سفارشی خط حاصل
کر لیں گے اور لکھ پہنچا دیں گے۔ اسی زمانے میں ایک بڑے انگریز افسر نے مجھے کہا کہ کرنل ہنری اس دنیا سے چلے گئے
اسے افسوس میں اس بے حاکم کے شہر میں پتھروں سے مراروں اور یارسی سے جان دیدوں۔"

اب مرزا نے خیال کیا کہ لکھتے میں دنیا مفید نہیں ہے وہی پہنچ کر ہی بہتر صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ لہذا انہوں نے
وادی افغانی کرنل اور برادر قوال ۲۱ فروری ۱۸۴۱ء کو قتل کئے۔

مشر اکنسن کی رپورٹ مشرانیدر ریاست شترنگ کی وفات سے ۱۹ دن یعنی سہ ماہی مستحق کو پہنچی۔

"میں حیرت میں ہوں کہ جوں دولت و جواں سال حاکم یعنی اندر دوا شترنگ کی موت کس لئے ہوئی اور اس
بڑے سالک سے قضا و قدر کے کارکنوں کے بد نظر کیا نتیجہ ہے، اب کھلا کہ بہ بہت غالب کی امیدوں کے قلعہ کو فنا کے
سیلاب میں بہا دیا ہے۔"

فرانسس اکنسن کی رپورٹ پر غالب کو بڑا اقلق ہوا میں کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا ہے۔ "ہائے
ہائے۔ کیا رپورٹ اور کیا مقدمہ۔ جیشیروں کے بالوں کی طسرت پیچ در پیچ گھول سے مارے ہوئے دل کی طرح ٹھوڑے
ٹھوڑے۔ رپورٹ کندہ کی ایک دنیا کے قتل کا نتیجہ۔ رپورٹ آبروریزی کا حکم۔"

Guardian of Imam Bara of Hugly and sent them to his Wabli. The result was very favourable. On the 24th of February, 1829, Sir Calcutt sent a favourable report to the headquarters. Ghalib has written : "Calcutt became very kind through the courtesy of Col. Henry Fala and submitted to the head office such an excellent report that a better report could not be imagined, and expected a reply that could not be improved upon."

Unfortunately, a charge of corruption was framed against Calcutt. In his place Mr. Hawkins was appointed Resident of Delhi. He was on very cordial terms with Nawab Shams-ud-Din. He submitted a report to the Headquarters which was wholly against Mirza. In his report he wrote that Ghalib was not entitled to more than Rs. 750 yearly. Ghalib has said : "The reply was on the way when Calcutt's services were dispensed with. Hawkins came in his place and whatever he could write against my case, he sent it to the Head Office." When Ghalib came to know about these hostile proceedings, he was very perplexed. He thought of ways and means to get a recommendation for Hawkins. Unfortunately this door was also closed to him. He writes : "Mirza Abdul Qasim had promised to get a letter of recommendation for Hawkins from Henry Amal as soon as he recovered from illness and send it on to me. During this period an important British Officer told me that Col. Henry had passed away. What a pity that I am now required to break my head with stones and give up my life in despair in this city without a Governor."

In such desperate circumstances Ghalib was no doubt confused but he did not start howling and become gloomy, because he relied upon the promises of Andrew Sterling. That is why he writes : "When I was informed about it, I did not feel heart-broken. Sterling believes in God and recognises just claims when he is setting matters right. He tries to find out a way of dealing with them. My destiny was laughing on me and before the report reached Head Office his wide aware eyes were closed for ever."

Now Mirza considered it useless to stay on in Calcutt and decided to go back to Delhi where alone any improvement in the situation could be thought of. Consequently he returned and reached Delhi on the 9th of November, 1829.

Hawkins' report was received 19 days before the death of Mr. Sterling May 1830. Ghalib wrote "I am surprised how this young and promising officer, Sterling, died and what the heavens had in view when it decreed such a tragedy. Now it has been revealed to me that by this boat of my hopes was to be swept away by the flood set forth by the Almighty."

The report given by Francis Hawkins made Ghalib utterly miserable. He expressed his feelings in these words : "Alas! what a report and what a case -- like the hairs of a negro full of curls within curls,"

نفرات دیگر غماں اور ایک بھینجیہ کو اتنی رشتہ داروں کو نظر انداز کر دیا گیا۔ لہذا یہ طریقہ تقسیم درست نہیں ہے۔ ”میں یہ ہر داشت نہیں کروں گا کہ میرے خاندان کا ایک ملازم میرے سامنے جہیز کا شریک ہو۔“

۳۔ حکومت ہندوستان نے اس معاملہ کی پوری تحقیقات کر کے اور لارڈ لیک کی مشقہ اور سندھ کی خط و کتابت اور سندات کا لحاظ فرمائی جائیں۔ ریکارڈ سے یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ احمد بخش خاں کو بہتین لاکھ کی جائیداد پر دی گئی تھی۔ یہی زمین ہندوستان کے ہندو کو بھی نہیں ملا۔

۳۔ خواجہ حاجی کے درہزارے ہمیں کوئی علاقہ نہیں۔ یہ رقم چارے خاندان کی رقم میں سے وضع نہیں ہونا چاہئے۔

۵۔ حکومت کو معلوم ہوا کہ سہاگس سواروں کی شکوہداشت کیلئے کوئی ملازم نہیں رکھا گیا ہوگا یا شرط پوری نہیں کی گئی۔ پھر معافی کس بات کی۔ لہذا رقم سرکاری خزانہ میں جمع ہونی چاہئے۔ یہی اسے کوئی واسطہ نہیں۔

۶۔ نعرہ ریگ قال کے واژوں کی تحقیق کی جائے اور ہر ایک کی حیثیت کے مطابق وظیفہ عطا کیا جائے۔
ہر وظیفہ غرار کو الگ الگ اسناد عطا کی جائیں اور وظیفہ پھر سے مقرر کئے جائیں۔

تمام دلیلوں کی اور ایسی غزائد سرکار سے ہونا چاہیے اور ان کا کوئی تعلق فیروز پورک جاگیر سے نہیں رہنا چاہیے۔

غالب کی عرضداشت کو نسل میں پیش ہوئی تو یہ حکم ہوا کہ قانون کے مطابق پہلے یہ معاملہ ریزولوشن ڈپٹی کی خدمت میں پیش ہونا چاہیے، مرنزا صاحب کہتے ہیں "اب اس امید سے غرضی ہوئی کہ میرا فریڈا نار قابل قبول اور نسل میں پیش ہونے کے لائق سمجھی گیا،" کو نسل میں عرضی گزری اور حکم ہوا کہ قوانین کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے فریڈا ریزولوشن ڈپٹی کے کالوں میں گونجے۔"

ایسی صورت میں غالب کا ردِ پس کا امکان نہ تھا۔ اتنے بھاری اخراجات کا بار برداشت کرنا ان کی طاقت سے باہر تھا لہذا خدا کیا۔ سمجھتے ہیں ہمیں نے کہا واپس کی طاقت اور اس باب نہیں ہیں۔ حکم ہوا غور و مباحثہ رہا اور کسی وکیل کے ذریعہ ریفرنس میں معاملہ پیش ہوا لہذا غالب نے لا رہی لال کو ردِ پس میں اپنا وکیل مقرر کر دیا۔ اس غلطی ان کو بھیج دئے اور غور و فکر میں قیام جاری رکھا۔

اس زمانے میں ولی کے رینڈ ٹینٹ سرایتھوہ کو گول ہو چکا تھا اور منشی القحط میں غلام ان کے پیچھا کرتے۔ اقول اللہ کے لئے کمرل ہنسری اٹھ چکا ہے اور مونا الذکر کے لئے نواب کبیر علی خاں

Nasrulla Beg Khan and the second his nephew. The other relatives did not get anything. This division was not correct and to consider a servant of the family as a member was adding insult to injury.

iii. The Government may kindly thoroughly investigate this affair with reference to Lord Lake's correspondence and the Sumads of 1805 and 1806. The records will establish conditions on which Nawab Ahmad Dux was given the Jagir of Rs. 3 Lakhs and we were given not more than three thousand rupees.

iv. We have nothing to do with Rs. 2,000 given to Khawja Haji and this sum should not be deducted from the sum meant for my family.

v. The Government must have come to know that nobody was employed to look after those 50 horses and men which means the conditions thus laid down were not respected. Therefore, this sum should be deposited in the Treasury and we have nothing to do with it.

vi. A thorough investigation should be instituted about the heirs of Nawab Nasrulla Beg Khan and according to status of each share in the stipend be fixed. Every stipendary should be given sumads individually, and his share fixed afresh. All stipends should be paid from the state Treasury and should have no concern with the Jagir of Ferozpur.

Ghalib's application was presented in the Council. On this an order was passed that according to the prescribed procedure the case should go to the Resident of Delhi. Mirza writes that "it has been very encouraging that my complaint was considered acceptable and good enough to be put before the Council, from where it was ordered that the legal procedure require that the complaint should be first presented before the Resident of Delhi.

Under the circumstances it was not possible for Mirza Ghalib to return to Delhi, because he could not afford such a heavy expenditure. He protested against it. He writes: "I explained my position that I have not got the means to return to Delhi." Then he was ordered to stay on and present his case in the residency through a Va'il. So Ghalib sent all his papers to Lala Hird Lal in Delhi and engaged him as his advocate.

In these days Sir Edward Colebrook was the resident at Delhi and Altaf Hussain was his court assistant. Ghalib secured letters for the former from Col. Henry and for the latter from Nawab Asaf Ali Khan.

کھترے رواد ہر کہ غالب نواب ذوالفقار علی خاں کے پاس اپنے پیچھے۔ نواب صاحب سے خیال کی طرف سے رشتہ داری بھی ہوتی تھی۔ وہاں غالب کا خاں خزاہ علاج و معالجہ ہوا وہ مصیبت ہر کہ کھتر رواد ہر ناما جتے تھے لیکن زاہر راہ منہر نے کی وجہ سے پریشان تھے۔ لیکن نواب ہاندہ کی وساطت سے امین چند ساہوکار نے مبلغ دو ہزار روپے کا انتظام کر دیا جو کھتر کے سفر میں کھا آئے۔ اور بلو قریح آباں۔ جلد اس۔ پٹنہ۔ مرشد آباد کھتر کیلئے رواد ہر گئے۔ اس سفر میں ان کے چہلہ تین لازم بھی تھے جب غالب مرشد آباد پہنچے تو نواب احمد بخش خاں کے (دکتر برہنہ) انتقال کی خبر ملی لیکن غالب نے اپنا لادہ نہیں بدلا اور قبائل کیلک میرا تعلق کسی کی ذات سے نہیں ہے بلکہ جاگیر ہے۔ لہذا اس فروری ۱۸۴۷ء کو کھتر پہنچ گئے اور ضلع بازار میں ایک عہدہ مکان دس روپیہ ماہوار کرایہ پر لیکر اس میں قیام کیا۔ وہاں بچے بھی بھیج کر نواب اکبر علی خاں۔ سے ملاقات کی۔ پھر مین فریڈر برادر ولیم فریڈر سے ملے۔ غالب کہتے ہیں: میں مین فریڈر اسسٹنٹ میجر ٹری سے ملا۔ معقول ملاقات ہوئی۔ استقبال اور رفعتی معائنہ ہوا۔ عطر اسد پاں بھی آیا۔ اس عہدہ اخلاق والے کی ملاقات نے مجھے خوش اور قوی دل کر دیا۔ گورنر جنرل کے نام کی درخواست اس عدالت کے قوانین کے مطابق میں نے سیکرٹری صاحب کے سپرد کر دی۔

غالب نے ۲۴ فروری کو اپنی جو عرضداشت گورنر جنرل کو کونسل کی خدمت میں پیش کی تھی اس کا متن مندرجہ ذیل مطالبات پر مشتمل تھا۔

۱- نواب احمد بخش خاں کو جائداد اس شرط پر دی گئی تھی کہ وہ پچیس ہزار روپیہ سالانہ حکومت کو ادا کرتے رہیں گے لیکن جب نصر اللہ جنگ کا انتقال ہوا تو یہ فیصلہ کیا گیا کہ صرف پچاس سو اوروں کی دیکھ سچاں کریں گے اور مرموم کے داروں کو گزارہ دیتے رہیں گے۔ اس کے بدلے میں میں ہزار روپیہ کی معافی دیدی گئی۔ لہذا اٹھس الہدی خاں سے بیس بائیس سال کا حساب طلب کیا جائے تاکہ چھ لاکھ نہویں تے ان دونوں مدد پر کفارہ ہو گیا۔

۲- احمد بخش خاں نے خود ہی بجائے دس ہزار کے پانچ ہزار دو سو کروڑے اور اس میں بھی خواہ حاجی کو دو ہزار کا حصہ دار بنا دیا گیا میں تین ہزار ہی ملے کیونکہ حاجی صاحب کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ وہی رقم میں ملنا چاہئے تھی۔ تین ہزار بھی صرف دو آدمیوں کو ملے یعنی والدہ

From Lucknow he went to Banda to meet Nawab Zulfikar Ali Khan. The Nawab was related to him from his mother's side. There he got proper medical treatment which restored him to health. He wanted to go to Calcutta from there but he could not afford to undertake the journey. Through the good offices of the Nawab of Banda a money lender Amirchand arranged Rs. 2,000 for him. With this he embarked on the journey to Calcutta and reached Calcutta via Furruckhabad, Benaras, Patna and Murshidabad. On his journey he had three servants with him. When he reached Murshidabad, 1828 he heard about the demise of Nawab Ahmed Bux. But Ghali did not change his mind to reach Calcutta and rightly concluded that he was not concerned with any individual and his main object was merely to assert his rights. In February, 1828 he reached Calcutta and on a monthly rent of Rs. 10 got a decent house to live in.

When Mirza reached Hugli he met Nawab Arbar Ali Khan and then he had an interview with Saimun Frazer brother of William Frazer. Mirza writes, "I met Saimun Frazer Assistant Secretary. This was a cordial meeting in which I was well received and he shook hand with me when I left. Scents and bottles were also brought in. This meeting with so highly cultured man pleased me and I was encouraged by this. The application addressed to the Governor General I handed over to the Secretary in accordance with the procedure of this court.

In the application which Ghali submitted to the Governor General in Council on February 28th, 1828, he claimed that:

i. Nawab Ahmed Bux was given the property for which he was required to pay Rs. 25,000 annually to the Government. When N.B. Khan died, he was directed to maintain fifty horses and men and provide for the dependents of the deceased and for this he was given the remission of Rs. 25,000. As such Shams-ud-din should be asked to submit accounts of this sum for the last twenty or twenty two years.

ii. Ahmed Bux himself reduced the sum from Rs. 10,000 to Rs. 5,000 and even in trismade Khwaja Naji, who was not one of us, a share of Rs. 2,000 and so we received only three thousand. The stipulated sum should have been given to us. These three thousand were also given to two persons one of them was the mother of

آؤں تو غالب طبعاً صلح کل مشرب کے دلدار تھے اور بھریہ کران کی نازک مڑلی اور آؤں روی کبریٰ
 عدالت کی الجھنوں میں پڑنے کے موافق دھن لہذا انہوں نے اپنے دوستوں کے مشورہ پر احمد بخش خاں سے مصالحت
 کو پیش کر لینا مناسب سمجھا، وہ خود معاملہ کو مصافحہ کرنے کی غرض سے نواب مرصوف کے پاس لوہار و پیچہ اور
 بات چیت کی۔ اب آپ کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے اور ہمارے دو کے وارثوں کو ان کا حق لینا چاہیے یا پھر کچھ اجازت
 دیجئے کہ میں اپنا مطالبہ حکومت کے سامنے پیش کروں۔ اس پر احمد بخش خاں ہچکیاں لے لے کر روئے لگے اور کہا
 ”تم میرے بچے ہو۔ نور نظر ہو دیکھتے ہو کہ مجھے کیسے زخم آئے ہیں اور کیسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔
 کچھ اور حق سے کام لو تمہارا حق تمہیں پورا ہوا ہے گا۔“ اسی مقصد کو مد نظر رکھتے ہوئے غالب، نواب احمد بخش خاں
 کیساتھ بھرت پور بھی چلے گئے۔ پھر فرید پور اس وقت گئے جبکہ نواب صاحب چار تھے اور جناب مشکاف ان کی عیادت
 کے لئے آئے ہوئے تھے۔ لیکن غالب کے بار بار گفتگوؤں کے باوجود احمد بخش خاں نے مشکاف صاحب سے ان کی
 ملاقات نہیں کرائی حالانکہ انہوں نے متعدد بار مصافحہ کیے تھے۔ چنانچہ غالب نے علی بخش خاں کو کہا: ”نواب سے
 وابستہ امیدوں کیساتھ میں نے بہت کچھ سنا کیا اور آتش افشار کی گرمی سے پھلتا رہا۔ ایسے عذاب میں مبتلا بیٹھا
 ہوں جیسے قیدی قید خانہ میں اور کچھ دیکھ رہا ہوں جو ایک سہنر جنم میں دیکھے تھے۔ فرید پور میں اس لئے آیا تھا کہ
 دہلی واپس لوٹوں۔ نواب نے زبانی گزارش سے مجھے فریب دیا۔ کینک صبر کروں اور کچھ دنوں کے پانچے دل کو غمش
 رکھوں شاید آباؤ کے درد و ہراسے بتائیں برقی ہیں دوست کہتے تھے کہ تم نواب صاحب کے پاس نہیں جاتے اور وہ
 دل ان سے نہیں کہتے ورنہ یہ کب ہو سکتا تھا کہ نواب صاحب کی طرف سے چار سازی نہ ہو۔ اب جو کچھ کر رہا ہوں اور ناشائستہ
 کی خاطر کر رہا ہوں۔ خدا کیلئے ایسی بنیاد قائم کرو کہ میرا اکملی جلد واپس آجائے تاکہ میں نصیحت کرنے والے دوستوں کو خیر باد کہوں
 اور بے سرو سامانی کیساتھ ٹکڑے روڈ ہو جاؤں؟“

اب غالب نے خیال کیا کہ میں خود ہی کہوں کہ مشکاف صاحب سے مل کر میرا معاملہ پیش کروں اور ان کو
 بتا دوں کہ میرے ساتھ کتنا ظلم ہو رہا ہے اور کتنی بڑی بے انصافی میرے ساتھ ہوئی ہے۔

اسی دور میں پتہ چلا کہ گورنر جنرل صاحب بہادر کا پسر تشریف لارہے ہیں غالب نے خیال کیا کہ یقیناً چارلس
 مشکاف بھی ان کی پذیرائی کے لئے وہاں جائیں گے لہذا واپس میں ان سے ملاقات کر کے مطالبہ انصاف
 مناسب رہے گا۔ لہذا اسی امید پر وہ کانپور پہنچے گئے لیکن صورۂ اتفاقی کہ جاتے ہی بیمار پڑ گئے اور
 ان کی یہ امید بھی بے آفتاب۔ بیماری کی حالت میں کھٹکتے پہنچے۔ وہاں لوگوں نے ان کی بڑی عزت کی۔

By nature Ghalib was peace loving. He was a man of tender feelings, sensitive and easy going. As such it was not possible for him to bear the burden of the formalities of the law and follow the complexities of the legal proceedings. Therefore, on the advice of his friends he entered into negotiations with Nawab Ahmed Bux and in order to get the issue settled amicably he went to Loharoo to meet him. Mirza asked Nawab Bux to fulfil his promises and get the heirs of the property their legitimate rights or to permit him to place the whole case before the competent authority. Nawab Ahmed Bux started weeping and in his lamentation said that "you are my child and don't you see how I have been wounded and stand surrounded by miseries and woes from all sides?" The Nawab asked Mirza to wait for more time patiently and all what was due to him would be paid to him. Believing all this Mirza accompanied him to Bharatpur. Then he went to Ferozpur while the Nawab was lying sick and Mr. Metcalf had come to enquire about his health. In spite of Ghalib's repeated requests the Nawab did not put him in touch with Mr. Metcalf, though many a time he assured him that he would do so. Consequently Ghalib wrote to Ali Bux that he was living on hopes held out by the Nawab. "The fire of waiting has consumed me and I have suffered terribly as a prisoner suffers in the prison and I am experiencing all that a non-believer suffers in the inferno. I did not come to Ferozpur to return ultimately to Delhi without getting anything. The Nawab by his lip sympathy deceived me. How long will I have to bear all this and as nothing is coming out how can I keep myself happy! In the end all are throwing miseries on me. My friends complain that I do not go to Nawab Sahib and relate my plight to him, and if I do so they believe that Nawab will surely do something for me. Now what I am doing is to satisfy those who do not understand this. For heaven's sake do something by which Mirza Asaf Ali may return immediately so that I may bid farewell to my friends who have been advising me all these days and proceed to Calcutta without bag and baggage."

Ghalib planned that he should meet Mr. Metcalf and explain to him the unfair treatment, tyranny and injustice meted out to him. During these days Ghalib came to know that Governor General would be visiting Cawnpur. From this he surmised that Metcalf would also be going there to receive the Governor General and on his return it would be possible to meet him and ask for justice. With these expectations he reached Cawnpur. But when he reached there he fell ill, and could not meet Metcalf and thus even this hope was dashed to the ground. In that state of ill health he reached Lucknow where he received a very warm welcome.

تعارف

غالب کے دلا تو قاتل بیگ اپنے والد شہزادہ ترسم خاں سے ناراض ہو کر سندھ کے گنگ بہنگ سر قند سے مور شاہ کے عہد میں ہندوستان آئے اور ایک معزز فوجی مہدم پر شاہ موصوف کے ملازم ہوئے۔ اہول لئے نہیں اور لاہ میں چھوڑی تھیں۔ ایک لڑکی دولاؤ کے عہد شریک خاں اور نصرت شریک خاں سے یہی عہد شریک خاں غالب کے والد بزرگوار میں۔ عہد شریک خاں نے پہلے کاکڑ میں نواب آصف الدولہ کے یہاں ملازمت کی پھر حیدر آباد میں علی خاں کی ملازمت میں چلے گئے۔ بعد ازاں لالہ لاکھ پتہ اور سنگھ والی لاکھ پتہ میں آگئے اور وہیں ایک گھر میں کے باغیچہ کی سرکوب میں مصروف تھے کہ کوئی کانٹا نہ بن کر سٹکڑ میں قوت ہو گئے اب نصرت شریک خاں نے معلوم نہیں کی پرورش اپنے زہم لے۔

غالب کہتے ہیں پانچ برس کا تھا ہر آپ مر گیا۔ آخر برس کا تھا درمیان مر گیا۔ لیکن اس کشتی کی تھی کے باوجود غالب اس فضا سے کسی حال میں بھی ہلکے درو کے جو راست و امانت لے کے خاندان میں پیدائش ہوئی۔ مرنے والے والد بزرگوار عہد شریک خاں کی وفات سے تھوڑے عرصے میں ہی تھیں اور چچا نصرت شریک خاں کا انتقال چند برس میں ہوا تھا جبکہ غالب صرف نو برس کے تھے لہذا ان کی پرورش انھیں والد میں ہوئے گی۔ مرنے والے ناخواہ لاکھ میں خاں کی یادیں اگر کے نہایت متحمل و دلالتے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اسکا شہر عامر شہر میں جوتا تھا۔ کوئی جائیداد کے ایک تھے۔ ہر طرح کی خوشحالی و ذلتاں یہاں تھیں لہذا غالب کی پرورش میں کسی قسم کی ضرورت کا سوال ہی نہیں تھا۔ غریب کے لئے ناز و نعم ہے ان کے در و شب گزارتے رہے تعلیم و تربیت کا مستقل انتظام کیا گیا۔ جس کی تہذیب مولوی منظر اکبر آبادی کی زیر نگرانی اور انتخاب عبدالعزیز لائی کی مشفقانہ رہنمائی میں ہوئی۔ انھیں زندگی کی تیرو بہاریں چھی گزاری تھیں کہ شادی ہو گئی۔ اولاد ہو گئی۔ دھرم گیم و خیر نواب الہی بخش خاں موصوف جلد و نواب احمد بخش خاں والی نو بار و شریک حیات بنیں۔ اگر کو چھوڑ دینی میں سکونت اختیار کی، خواجہ جات میں نہایت ہوتی۔ زندگی نے پہلو بدلا۔ حالات نے رخ بدلا۔ بھلائی میں کسی کا احساس ہوئے گا۔ لہذا غرض خدائی و سرخوشی میں گزارنے کی وجہ سے اس وقت میں غرض خاں طرے ہو گئے تھے۔ تھوڑے عرصے دولت و شرف کے جمع شدہ ذخیرہ کو اپنے مصداق بنے جانی تکمیل کے لئے کام میں لاتے رہے۔ جب یہ ذریعہ بھی ختم ہو گیا تو پھر بجائے اپنی روش بدلنے کے اور عرصے قرض لینا شروع کر دیا۔ انجام کار حالات نامساعد ہو رہے تھے۔ پریشانیاں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ چاروں اچار اور عرصے میں دوڑا تھیں تو بھٹن کی غلط تقسیم و مسائل و مانع میں ہو گیا۔

FOREWORD

Ghalib's grandfather, Kagan Beg, fell out with his father Tarasim Khan and about 1750 A.D. came to India from Sacarband during the rule of Mohammed Shah and got a decent job in his army. He left behind three children, one daughter (Abul Begum) and two sons Abdullah Beg and Nasarullah Beg Khan. Abdullah Beg, the revered father of Ghalib, first joined the service of Asaf-ud-Daula Nawab Wazir of Gadh and then went to Hyderabad and served under Nizam Ali Khan. Later on he joined the Army of Rao Raja Durratun-Nissa Singh and while engaged in suppressing a rebellion in one of the Garis he was hit by a bullet and died in 1802. Nasarullah Beg took upon himself the responsibility of looking after the young children left behind by Abdullah Beg Khan.

Ghalib writes that when he was only five years old his father died and that at about nine his uncle also passed away. In spite of the fact that Ghalib became an orphan at such a tender age, he could not disassociate himself from the mode of life that power and wealth had brought into his family. Ghalib's father Abdullah Beg died in 1802 A.D. and uncle Nasarullah Beg in 1804. This brought Ghalib in the care of mother's family. Mirza's maternal grandfather Khawja Ghulam Hussain Khuselan was a wealthy man of Agra and belonged to a noble family. He was held in high esteem as one of the nobles of the city and possessed much property. He had everything in abundance and could afford a decent and comfortable living. Mirza had all what one could wish for and, therefore, the belief that he suffered from deprivation is without any foundation. He passed his days in luxury. Good arrangements had been made for his education which began under Maulvi Musazam of Akbarabad and finished under the able and affectionate guidance of Abdul-Samad Inani. At the age of thirteen he was married to Annam Begum, daughter of Nawab Flishahi Bux, the younger brother of Nawab Ahmed Bux Khan, ruler of Loharwar. After his marriage he left Agra and settled down in Delhi which put a heavy strain on his scanty resources. This naturally affected the course of his life but as he was used to comfort and plenty it became impossible for him to restrain his extravagance. Consequently all that he possess was spent without any consideration for the rainy day. When left with nothing he resorted to borrowing instead of controlling his expenditure. This ultimately made him a destitute. Miseries surrounded him from all sides. With no possibility for any financial relief, his all attention was directed towards the treacherous diversion of his person.

ارباب ادب نے غالب کی غنائی نیشن پر خطوط غالب کی روشنی میں کافی لکھا گیا ہے لیکن اس تمام تر کوشش کی بیشعور محنت و ترقی ہے۔ لہذا میں نے جاگیر غالب نیشن کے اس باب کو پانچ عین تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

سنو ہڈا تمام کمال غالب کی غرض اشعار۔ جاگاہ ایٹ ایٹرا کینیٹ و نیز عدالت و انکسٹران کینیٹ کی کارروائیوں پر مشتمل ہے۔ مقدمہ نیشن سے متعلق مکمل مکمل نیشن آف ریکورڈز نئی دہلی میں محفوظ ہے اور بہت سے ایسے افشاں کی حامل ہے۔ ہر اکھن تک نظروں سے اوجھل تھے شاعرانہ شریک فال کو عموماً فراب احمد بخش خاں کا سہیڈی بتایا گیا ہے لیکن مسل فہام میں کئی نگہ دار لکھا ہوا ہے جس سے اس معاملہ میں مزید تحقیق کی گنجائش پیدا ہوتی ہے غالب نے کل سولہ درخواستیں پیش کی ہیں جن میں سے ہر ایک پر اپنے دستخط اور ہر شے کرنے سے قبل انہوں نے مختلف ایسے فقرے تحریر کئے ہیں جن سے ان کی پریشانی۔ بے چارگی اور ذہنی کشمکش کا اظہار ہوتا ہے اور جو قاری کے لئے پہلی سچہ پیش نظر ہیں۔ فائن میں غالب کی اپیلیں اور متعلقہ وقعی کارروائی گزری میں قلمبند اس کی یادگار اس وقت ثابت راہیڈ کی ایجاد نہ ہوتی تھی لہذا میں نے صفحہ صفحہ قلمی تحریروں کی عکسی کاپیاں ایک جانب اور اس کے عین مقابل انگریزی عبارت اور اس کے نیچے اردو ترجمہ و احوال جانب چس کر دیا ہے تاکہ اردو والی طبقہ بھی مستفید ہو سکے۔ میں جناب کے۔ قوی ہمارا گراڈ انکسٹرا سے۔ اے ترمذی نیشن اور گیز نئی دہلی کا نہایت مشکور ہوں جنگی نوازش سے میری رسائی جاگیر غالب سے متعلق ریکارڈ تک ہوتی ہے۔ چہرے کی دہلی ریڈیو نئی کارپورٹ و ستیاب نہ ہو سکا تاہم غالب کے ان خطوط سے استفادہ کر لیا ہے جو انہوں نے مقدمہ نیشن کے بارے میں اپنے دوستوں اور شاگردوں کو تحریر کئے تھے صرف اسی طور سے مقدمہ کی مکمل تاریخ مرتب ہو سکتی جو آپ کے پیش نظر ہے اور بقول غالب یہ حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے

میں جو ہم تا امید غاک میں مل جائے گی یہ ہر اک لذت جاری سہی بے حاصل میں ہے

پرتھوی چندر

Some valuable work has already been done on the subject Ghalib's pension, but its main basis has been the incidental reference found in the poet's letters to his numerous friends and disciples. The present publication carries this process forward by bringing to light a number of facts and incidents contained in official records and documents pertaining to those days, which are preserved in the National Archives in New Delhi.

My research into this material has among other things, revealed certain details which are at variance with those commonly accepted hitherto. To give only one example : Nasrullah Beg Khan is generally regarded as the brother-in-law of Nawab Ahmad Bahsh Khan ; but in the official files which I have studied he is referred to as his son-in-law.

Each of the sixteen petitions which Ghalib submitted to plead his case bears his signature and his seal. All of them express, in the poet's unique style an intense mental strain combined with a pathetic hope that justice will be done.

In compiling this book I have arranged, on one page, a photostat impression of the original hand-written petition in English, and, on the opposite page, a printed version of the text and its Urdu translation.

I am greatly indebted to Shri K.D. Bhargava, Director of the National Archives, and to Mr. A.A. Taimzi his distinguished colleague, for affording me every facility to consult this priceless material. Though, unfortunately, I have not been able to obtain any documents pertaining to the Delhi Residency, I have to my advantage of Ghalib's own letters to his friends and admirers, in dealing with facts relating to it.

That in brief, is how this book came to be written. In presenting it to the reader, however, I am underscored by the poet's note of despondency:

Was huzur-na-umeed khak mer mit jaaygi
Yeh jo ik lazzat hamari sayi-e-ben sir mer hai!

دیباچہ

پستہ حقیقت ہے کہ مرزا غالب دنیا کے ادب میں ایک امتیازی حیثیت کے مالک تھے ان کی غزلیات ریاضاتِ قصائد اور شطریات نے صراحتاً کہاں کو پہنچ کر مرزا غالب کو زندہ جاوید بنا دیا۔ شاعری اور شریکِ نگاری میں ان کا اپنا انداز بیان ہے اور اندازِ ادب میں ایک تنہا مثال ہے۔ میں فکرِ غالب اور موقعِ غالب میں مرزا غالب کی شاعری اور عظمت بے حدی فکر و لہجہ طبعی اور دوسرے ادبی کاموں پر کافی روشنی ڈال چکا ہوں اب یہاں جاگیرِ غالب کے متعلق ایسی مثالیں کو منظرِ عام پر لانا ہے جو اب تک پس پردہ چپے ہوئے تھے۔

مرزا کے چچا نصر اللہ بیگ خاں نے چار سو سواروں کی مرزا لاری اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ لنگرینوں سے آگے کو بغیر کسی ڈال کے حوالہ کر دینے کے صلے میں پایا تھا۔ جب نصر اللہ بیگ خاں کا انتقال ہوا تو مرزا کی عمر صرف نو سال کی تھی۔ جب جاگیر کا دوبارہ انتظام ہوا تو نصر اللہ بیگ خاں کے ورثہ میں سے غالب اور ان کے خاندان کو دس ہزار روپیہ سالانہ حصہ دیا گیا۔ لیکن نواب احمد بخش خاں نصر اللہ بیگ خاں نے چال بازی سے لالچ و لٹیک کے طور پر کیا تھا سادش کر کے ایک جملہ شدہ حاصل کر لیا جس میں مرزا غالب کے خاندان کو صرف پانچ ہزار روپیہ سالانہ حصہ لیکر غموری توڑوں کی بیلری کے بعد مرزا غالب کے زمین و شعور پر ایک ایسا گہرا نقش مرتب کر چکے تھے جسے وہ زندگی بھر نہ شاکے یہ واقعہ ہے کہ چھپنویں یا مقدمہ مرزا کی زندگی کا ایک اہم واقعہ تھا جس کی مدد و جد میں طلبِ حق کی خاطر کم و بیش سولہ سال گزر گئے مگر نتیجہ سب سے حاصل ہی ہوا۔ امید و بیم کا یہ طویل عرصہ مرزا غالب کے لئے انتہائی پریشانی اور ذہنی کشمکش کا دور تھا کیونکہ یہاں محض اصنافِ آمدنی کا معاملہ نہیں تھا بلکہ عزت و وقار کا سوال بھی تھا جو غالب کو بہر صورت عزیز تر تھا وہ اپنے خاندان کو دکھائیں کہس طرح کا فرق بھی گوارا نہ کر سکتے تھے جیسا کہ مرزا غالب نے اپنا انداز بیان واضح کیا ہے۔ میں اپنا اقتدار تک کیا کڑوں لیوں تو میں شاعری کا شغل رکھتا ہوں لیکن میرے آباؤ اجداد کا پیشہ عمل و دنیا میں تھا میرا ذاتی سلسلہ انفرادیت سے ملتا ہے اور اس وقت سے لے کر میرے والد کے عہد تک شاہی سیاست سے تعلق رہا ہے اور سب سے طریقہ ان کی اولاد کا بھی تھا اگر میں پشت در پشت اپنا نسب نامہ خونیادانہ انداز میں بیان کر دوں تو آپ سب کو سہارہ بن جائیں گے میں جی وہ ہوں جس کو خود اعتمادی ہے کہ اس اجڑی دنیا میں پھر وہ دنیا کا عالم کے فضل سے شاعری کی دنیا کا بادشاہ ہوں اور نظم ہی سے تلوار کا آئینہ ہیں۔ میرا حکام صاحبِ نظر و فکر کو رہنا ہے۔ عہد اور مروجہ خاطر ہے عقل کے نکاح منوں نے مجھے دنیا کے شعور میں غالب کا نام دیا ہے اور اسی نام سے فرشتوں کے یہاں بھی مشہور ہوں۔

PREFACE

Ghalib's place in the literary world is now universally acknowledged. His many-sided genius, his inimitable style in verse and prose, and the breadth of his vision in surveying man and the phenomena around him have made him truly immortal.

In my two earlier publications, Fikr-e-Ghalib and Khuragga-e-Ghalib, I sought to bring out his qualities as a poet and a man. My present contribution is a study of an aspect of Ghalib's life whose full details and implications have remained obscure so far, but whose impact on his personality and sensibility was permanent and profound.

Ghalib's uncle, Nasrullah Beg Khan, had been rewarded by the British with the command of a cavalry unit consisting of 400 horsemen, and a sum of Rs. 12 lakhs, for having surrendered to them the city of Agra without any resistance. When he died, Ghalib was barely 9 years old. After Nasrullah Beg Khan's death, the management of his estate was re-organised and, as a result Ghalib and his family received an annual settlement of Rs. 10,000. But Nasrullah's father-in-law, Nawab Ahmed Bahadur Khan, working in league with some members of Lord Lake's staff got the original award fraudulently reduced to Rs. 5,000 per annum.

While it is generally known that Ghalib made persistent but vain attempts to secure justice in the matter of his pension, the complete story of his struggle is yet to be told -- a struggle which lasted for sixteen long years, during which moments of faith in the authorities' sense of fairness alternated with agonizing spells of despair and frustration. Eventually the entire episode became for him a question of his personal honour and dignity, rather than one of monetary benefit.

Writing in an intimate vein, Ghalib once said: 'I write poetry, but the lives of all my ancestors were spent in active pursuits. I trace my descent from Afrasiab and since his time my forebears have always followed a military career ... In this dismal and desolate world, I am able to retain my faith in myself as a poet of unrivalled merit. My pen is my sword. My work receives high praise from discerning critics and scholars. My prowess in the field of poetry has brought me the name of Ghalib, and even the angels in heaven know me by this name.

DEDICATION

TO MY BELOVED SON, VED PRAKASH,
WHOSE UNTIRING EFFORTS AND UNIQUE
PHOTOGRAPHIC TECHNIQUE BROUGHT THIS
BOOK INTO BEING.

انتساب

عزیز القدر اقبال نشان نور بصر

وید پرکاش سلمہ کے

نام

معنون کرتا ہوں مجموعہ ہذا موصوف ہی کی محنت

اور جدید

نوڈگرانی کا شاہکار ہے



Mr. Fretwell Chandler showing the manuscript of Zoya-E-Iqbal to Dr. Lahir Hussain the President of India.

JAGIR - E - GHALIB

جاگیرِ غالب

بموجب سرکاری ریکارڈ

عرضداشتِ غالب بحقِ خاندانی منشن
بنام ایسٹ انڈیا کمپنی سرکار ہند

پرتھوی چندر



انتظاریه

غالب یونیورسٹی میں

غالب نے ٹائی کی ہٹ درست کرتے ہوئے آواز لگائی۔

"جیکم! ارے بھی دیکھ رہا ہوں کہ آج بھی میں لیٹ ہو جاؤں گا۔ غضب خدا کا تو جتنے دانے ہیں اور کچھ نہیں ہے کہ ابھی تک تیار بھی نہ ہو سکے۔"

جیکم نے جگن سے دیکھی اور کف میجر کے سرگم کی لے پر جواب دیا۔

"خدا کی پناہ! آپ تو ذرا میں سارا گھری سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ میں کیا یہاں اپنی کمر سیدھی کر رہی ہوں؟ یا کوئی

جاسوسی بالوں چھ رہی ہوں؟" اس کے بعد پس منظر کی موسیقی جھڑ ہو گئی

غالب نے ٹائی کی ہٹ درست کی۔ ہیل کریم لگا کر بالوں میں خشک کیا۔ اپنی فریج کٹ دائرہ میں چمک پیدا کرنے کے لئے اس پر ہاتھ پھیرا۔ اسے میں جیکم رے میں ہاتھ لے کرے میں داخل ہوئیں۔ غالب کو ابھی تیار نہ پا کر ان کی توجہ پر غل چڑھ گئے۔ گرج کر بولیں۔ "خود تو تیار نہیں ہوئے اور ہمارے لئے قربان چہ قربان چاہری کے جا رہے ہیں۔"

غالب نے سوچ کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے مصالحت آمیز لہجے میں جواب دیا۔ "بھئی مجھے تو بس تیار ہی سمجھئے۔ اصل مہینہ تو کینٹ ٹائی کی ہٹ ایڈجسٹ (ADJUST) کرنے میں ہوتی ہے" سو اس سے میں عہدہ برآ ہو چکا ہوں۔ کیا کہوں؟ ٹیرن کی قبض پر ٹاٹ اور لوہر سرگ ہی جاتی ہے۔ اگر زیادہ کس دلوں تو اپنے آپ کو منصور علیہ الرحمۃ سمجھنے لگتا ہوں۔"

جیکم آنکھیں کھل کر بولیں۔ "ابھی تو آپ نے ایک ہی ملت خزاں ملے کیا ہے۔ آپ کو ابھی یہ سوا چھڑی دار پتلون بھی تو چھٹا ہے۔ اتنی دیر میں تو میں ملوا بھی جالاتی۔"

ملوے کے نام پر غالب سوچ میں چڑھ گئے کہ ملت میں ایک نقصان ہوا چاہتا ہے۔ صلح ہو یا نہ انداز میں بولے۔ "پتلون پہننے میں تو کوئی دیر نہیں ہو گی۔ تب ملوا تیار ہی کر لیں۔ ہاں تب تک ہم اپنی سونچوں سے بھی بچنے لیتے ہیں۔"

جیکم کے چہرے پر پیار کا ایک رنگ پھیل گیا۔ مسکراتی ہوئی ٹاٹوں سے ان کو گھورتی ہوئی جگن کی طرف پلٹ گئیں۔ غالب نے اپنی دائیں پائپ (Drain Pipe) پتلون کو دیگر سے اکٹرا اور برش سے صاف کیا۔ پھر بڑے احترام سے آہستہ آہستہ اسے پہننے لگے۔ اس سلسلے میں ڈائن برقرار رکھنے کے لئے کئی بار سرگس کا کمال بھی کرتا چلا۔ خدا خدا کر کے پتلون چڑھائی۔ قبض کی ٹانگیں درست کیں۔ ٹائی کو دوبارہ ہلا ڈالا کر دیکھا۔ پتلی نوکے جوتے پر برش پھیرا

اور جگم کو آواز دی۔ "لیجئے ہم چار ہو گئے۔"

"ہم اٹھ لیجئے۔ طوا بھی بس آیا ہی چاہتا ہے۔" جگم کی آواز نکلی۔

ناشو بیوی تھا۔ اس سے فارغ ہوتے ہوتے فوج گئے۔ غالب نے دست و پاچ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج پھر میں یونیورسٹی لیت ہائیں گا۔ اور ناشو چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔"

جگم چلیں۔ "فوج کیا جلدی ہے؟ اگر وہ چار صف دیں سویرہ ہو بھی گئی تو کون سی آفت آ جائے گی۔ ناشو تو فحش سے کہتے۔"

غالب نے بڑی بے چارگی سے ان کی طرف دیکھا اور بولے۔ "جگم آپ نہیں سمجھیں گی کہ۔۔۔۔۔۔"

"جی ہاں، ہم بھلا کام کو سمجھیں گے۔ ہم تو ٹھہرے نرے ہاتھ۔۔۔۔۔۔"

جگم باقاعدہ اشارت لینے والی تھیں کہ غالب نے جلدی سے منہ ہلا اور بولے۔ "نہیں نہیں! خدا کے لئے غلط نہ لیجئے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ذرا سی بھی دیر میرے لئے کتنی ضرر رہاں ہے۔ اس کا آپ کو اندازہ نہیں۔ دراصل پہلا بیڑ لنگوئسٹک (Linguistic) کا ہوتا ہے، آپ سمجھتی ہیں نا لنگوئسٹک (Linguistic)۔"

"فوج میرے باپ دادا نے بھی یہ فرنگی زبان کبھی نہیں پڑھی تھی، میں کیا جانوں؟ یہ کیا بلا ہے؟" جگم منہ نہیں۔ غالب نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "لنگوئسٹک، لسانیات کہہ دیتے ہیں۔ لسانیات تو آپ سمجھتی ہوں گی۔ اس میں مختلف زبانوں کی پیدائش ان کے ارتقاء و نمو، تبدیلیوں وغیرہ کے بارے میں چھان بین کئی ہوتی ہے۔ میرے لئے مشکل یہ آ رہی ہے کہ اس میں نقل از تاریخ کی پابندی نہیں، اس کے علاوہ لندنا، پشاپہ وغیرہ بھی کون کون سی عرفات زبانوں کا ذکر ہوتا ہے، جن سے میرے فرشتے بھی واقف ہونا پسند نہیں کرتے اور ان زبانوں میں غزل کا ایک صاف شعر بھی نکالنا ناممکن ہے۔ ارے قاری، عربی یا ڈنڈ یا ڈنڈ وغیرہ کے بارے میں پڑھنا ہوتا تو میں خود استادیوں کو پڑھانے لگا۔ مگر قسمت کا کھیل ہے کہ آج یہ بھی دن دیکھنے پڑ رہے ہیں۔"

قسمت کا ذکر آیا تو جگم نے فطری سانس بھر کر کہا۔ "قسمت کی باتیں نہ کیجئے۔ اس کے ہاتھوں وہ بدر لٹھ کریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ کسی پل بھی نہیں۔"

غالب نے دیکھا کہ اب جگم کا پسندیدہ ٹاپک جھڑ گیا ہے۔ اس پر وہ ٹھنکوں کیا، ہنسنی بے ٹھکان بول گئی ہیں، اس لئے انہوں نے جلدی سے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "نواب امیر الدین کی ساگر میں آپ نے کون سا نئے ڈیزائن کا عکس دیکھا تھا۔ سوچتا ہوں اب کے "میرلا" کے ہال میں جو میں ان کے سڑھویں پتے کے لئے سرا لکھا تھا، وہاں سے چیک آ جائے تو آپ کے لئے بھی ویسا ہی عکس فریڈ دوں۔" جگم کی آنکھوں میں معاف چمک آ گئی۔ فرانسیسی لٹریچر کی طبعی غالب کی طرف پوچھتے ہوئے پیار سے بولیں۔ "آپ نے انڈے تو پائل کھائے تو نہیں۔ اتنی سخت محنت کر رہے ہیں۔ ضرورتی رہے گی کہ چائے کی۔ کوئی جنرل ٹاپک بھی نہیں لیجئے۔ "ہمدرد" والوں نے "نگار" کی تعریف میں ملت ہی قصیدہ لکھوا لیا، مگر اس کی ایک بول بھی نہیں بھجوائی۔" پھر غالب کی طرف انتہائی محبت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "نواب شمس الدین کی سالی ج کھانے گئی تھیں، تو کہہ سے وہ ہار لائی تھیں۔ بالکل جدید طرز کا بنا

ہے۔ سنا ہے پیرس کی کسی مشہور کھیتی کاٹا ہوا ہے، مگر اس کی قیمت بہت زیادہ ہے، ہماری اوقات سے باہر ہے۔" کہتے کہتے ان کا لہجہ بڑا ہی حسرت ناک ہو گیا۔ غالب تو صرف موضوع گفتگو بدلنا چاہتے تھے۔ مگر حکم تھیں کہ ہر بات کی تین اپنی منطقی پر توڑ دی تھیں۔

کافی کے پیالے میں شکر کھولتے ہوئے جیم نے یاد دلایا۔ "ہندوستان لیور آئس" کے لئے جہل بیہر کے لئے آپ نے جو مبارک بلا کہی تھی ابھی تک وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا۔"

کل اتوار تھا، اس لئے چیک اور پوسٹ آفس سب بند تھے۔ آج شاید چیک ڈرافٹ آجائے۔ اس رقم کا تو مجھے بھی شہد سے انتظار ہے۔ سوئی شروع ہونے والی ہے۔ کم از کم لمبری اول (Terry Wool) کا ایک سوٹ، ایک فل لور ایک ہاف سوئٹ، سوزے، دھاتے لور ایک جوڑا ہوتا تو ضرور خریدتا ہے لور اگر گھٹائش ہوتی تو ایک سطر اور اور کورٹ (Over Coat) بھی۔ اسی میں سے میں بھی جمع کرتی ہے۔" غالب نے ایک لمبی غرمت پیش کر دی۔

"ہا اور والیا کے یہاں سے؟"

"وہاں سے بھی اب تک چیک آ جانا چاہئے تھا۔ جانے کیوں دیر ہو رہی ہے۔"

"آل انڈیا ریڈیو سے جو آپ کو بجایا گیا تھا، ہر پختے ایک پروگرام دینے کے لئے" اس کا کیا ہوا؟"

"میری آواز ٹیسٹ کی گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ ریڈیو کے ہارک آلات اور باڈق مشینیں سامعین میری آواز کی کرختی اور لہجے کے سب جگہ پہن برداشت کرنے سے قاصر ہیں۔" غالب نے ایک دہرندہ کے ساتھ جواب دیا اور کافی کے پیسے پیسے کھوت لینے شروع کر دیے۔ جیم جلدی جلدی سانگیل صاف کرنے لگیں۔ کافی ختم کرنے کے بعد انہوں نے کتھیں لور قالین کپڑے میں دبائیں تو اوم آئے میں اپنا آخری پار جانچ لیا۔ ہاتھ پر ہاتھ پھیلا اور انگلیں دھن میں پھینک بجاتے ہوئے باہر نکلے۔ جیم دروازے پر کھڑی ہو گئیں۔ سانگیل پر سوار ہوتے ہوئے غالب نے ہاتھ بلا کر انہیں "گما اور رفتار تیز کر دی۔"

چوراسے پر پہنچ کر انہوں نے تیرا تھوڑی سے چار عدد ہماری پان لئے اور احتیاط سے منہ میں رکھ لئے۔ کپڑے سنکھٹ کی ایک ڈیس لے کر جیب میں رکھ لی۔ پھر سڑک پر جا بجا گلابی کرتے ہوئے پوندو دشی کی طرف روانہ ہو گئیں۔ اگلے سوڑ تک جاتے جاتے جب منہ میں تھوڑی گھٹائش ہو گئی تو انہوں نے بجلی کے پھل کے سارے سانگیل روکی اور اس پر پیٹھے ہی پیٹھے ایک سنکھٹ سلا کر بوتھوں میں دبائی۔ گھڑی میں دیکھا تو نو بج کر پچیس منٹ ہو رہے تھے۔ سنکھٹ کا ایک لباس لے کر انہوں نے سانگیل دوبارہ اشارت کی لور رفتار بتدریج بڑھاتے گئے۔ پانچ منٹ کے اندر وہ پوندو دشی کے کپڑے میں داخل ہو گئے اور اگلے دو منٹ میں اپنے کلاس میں۔

کلاس چل رہا تھا۔ غالب کچلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور پھر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر ہمہ واں جو ادب کے مختلف اصناف پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ ایک ایک موضوع پر کئی کئی کتابیں لگے پچھے تھے اور آخر سے پورے میں بھی ہو آئے تھے۔ ہندوستان کی قدیم زبانوں کی ساخت اور فن کی نشوونما پر دھماں دھماں پھر دے رہے تھے، جس میں جا بجا ریختن ماہرین تصانیف کے افکار و خیالات کا حوالہ دیتے جا رہے تھے۔ زبان کی طبعی ترقیوں اور فرض تصانیف کی دوراز کار دلیلیں

اور ممکن تبدیلیوں کی ہوائی باتیں کرتے جا رہے تھے۔ غالب حیرت سے ان کی مدلل اور فکر انگیز تقریریں سن رہے تھے اور دل میں گم رہے تھے۔

جب ”رہے ہیں“ جوں میں کیا کیا ”میں“ ”کہم نہ کہجے خدا کرے کوئی“ لسانیات کے بعد اردو ادب میں مدافوی تحریک کی بحث شروع ہو گئی۔ اردو ادب میں مدافوی اثرات کی تلاش میں مغربی ادب کے فنیوں کو کھنگالنے لگے۔ بات دوسرے کے اس مشہور قول سے شروع کی کہ ”انسان آزاد پیدا ہوا ہے“ مگر بعد میں دیکھو وہ ”پاب زنجیر ہے“ اور انتخاب فرانس سے ہوتے ہوئے انجیل کے صنعتی انتخاب اور یورپ کے ادب اور بدکردار شاعروں اور لوگوں کی زندگیوں میں مدافوی اثرات کی جلوہ آرائیاں تلاش کی جاتی رہیں۔ غالب زیر لب مسکراتے لگے۔ یکایک پروفیسر کی نظر ان پر پڑ گئی اور انہیں جیسے بریک لگ گیا۔ جھٹ کر بولے ”sense Mr. Ghalib.“

”What is this none

غالب نے محنت سے جواب دیا۔ ”دوسرے بہت پہلے کہتے ہی مشرقی نظریے نے ایسی صدا باتیں کہی اور کہیں ہیں پھر وہی کہیں سب سے پہلا مدافوی شخص؟ جب کہ ہمارے ادب کی روایات یورپ سے نہیں“ علی اور قاری سے مستعار ہیں ہمارے جن میں شیراز و بخارا اور بغداد و نیشاپور کے گلاب کھلتے ہیں“ لندن اور پیرس کے نہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ مدافیت کی جو تعریف انگریزی ادب میں کی گئی ہے“ اس کا اطلاق ہمارے ادب پر بھی ہو؟ ویسے بھی دلی کی مدافیت میں کیا شبہ ہے اس نے بھی تو اپنے عہد سے ہلاکت کی تھی۔ حسن کی سر مستیوں اور جلوہ آرائیوں میں وہ سر تکاپو فرق رہا اور والدہ انداز میں محبت کے نغمے گاتا رہا۔ میر کی الم پندی اور غم دوستی“ سودا کا شکوہ“ نظیر کی عوامیت اور زندگی سے قربت انہیں دیر کی ماضی پر حق“ عہد وسطی کے باغی الفطرت کرداروں سے ہے پتا لگاؤ“ رزم و بزم کے ہنگامے“ میر حسن کی عشقیہ اور بیانیہ شاعری“ ملو میری شاعری“ جو عاملہ سے جٹی ہوئی ہے اور غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ اس کے علاوہ میری شجر و احتمالی ادب سے بالکل ایک الگ شے ہے۔ کیا ہمارے یہاں ایک انتخاب نہیں ہوا رہا۔ کیا ہمارے ادب نے ارتقاء کے مختلف ادوار کو نہیں دیکھا ہے؟ کیا ہم ایسی تحریکیں سے دو چار نہیں ہوتے رہے ہیں“ پھر کیوں ہم بات بات میں مطرب سے سند و صویر کر لاتے ہیں اور اپنی ہر بات کا آغاز وہیں سے کرتے ہیں۔

غالب ابھی نہ جانے اور کتنی دیر تک بولے جاتے۔ کلاس میں سنا جھاکا تھا۔ پروفیسر کے چہرے پر پیسے کے بے شمار قطرے جھلکانے لگے۔ وہ گہرا سوت میں اپنی مختلف جیبوں میں دھال تلاش کرنے لگے۔ دھال اس کے سامنے ہی میز پر پڑا تھا۔ غالب نے میز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”چنباب دھال اومر ہے۔“ کلاس میں جیسے زلزلہ آگیا اور غالب کلاس کے باہر نکل آئے۔

غالب ایک خالی کلاس میں آکر بیٹھ گئے۔ اسے میں چچا جی اس روز کی آواز ڈاک لایا۔ ان کے نام کئی رسالے آئے تھے۔ انہیں علاوہ بے شمار خطوط بھی تھے۔ غالب نے رسالوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا“ پھر خطوط کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان میں دوستوں کے خطوط تھے“ کچھ شاگردوں کے۔ کچھ خطوط انیٹوں کے تھے“ جن میں جدید غزلوں اور جدید

تین ٹھکوں کی فرائض کی گئی تھی۔

غالب نے ان خطوط کو ایک طرف ڈال دیا۔ کچھ خطوط پر ستاروں کے تھے، جن میں مختلف طبقوں کے افراد تھے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے علماء و طالبات سے لے کر دفتر کے باپ اور قلم استاد سبھی قسم کے لوگ شامل تھے۔ غالب نے طالبات اور انیسٹریٹوں کے خطوط چھانت کر ایک طرف کر لے اور بقیہ ڈاک کو اپنے پلاسٹک کے بیگ میں ڈال دیا۔ پھر ایک سکرٹٹ سگا کر کرسی کی پشت سے ٹپک لگائی اور بڑے اطمینان سے ایک ایک خط کو کھولے گئے۔ کچھ لفاظوں میں دلفشیں تقریروں کے ساتھ ساتھ دگھل تصویریں بھی تھیں۔ غالب سکرٹٹ کے کش کے ساتھ ان کا بطور معاوضہ کرتے اور تصویریں کو مختلف انداز سے دیکھتے ہاتے۔ ان کے ہونٹوں پر یہ شعر لڑنے لگا۔

چند تصویریں تھیں چند حیثیوں کے خطوط بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساراں نکلا

ابھی غالب اپنی ڈاک سے فارغ بھی نہیں ہوتے تھے کہ دفعتاً ایک فنیڈی گرل، چمپاک سے ان کے کمرے میں داخل ہوئی، اور بڑے ہی سریلے انداز میں "ہیلو مائی پرنس" کہہ کر ان سے مصافحہ کیا، جس پر مصافحہ کا شک گزرا تھا۔ غالب نے مسکرا کر اسے بھی ایک کرسی پیش کی۔ ٹیکسٹس کی شہ فی پیکاری اور خوشبوؤں کی بے پناہ آمیزگی چلا کر کمرے کی محدود فضا میں اس نے بھان پیدا کر دیا۔ کرسی پر بیٹھتے ہی اس نے اپنا خوبصورت وغنی رنگ کھول کر ایک ننھا سا معطر دھواں نکلا اور اپنے پالے ہوئے "مغز رنگ" ٹافٹوں پر بھیرنے لگی۔ پھر ایک ننھا سا آتے ٹال کر اپنے ہونٹوں کے زاویے درست کرنے لگی۔ غالب نے جلدی جلدی تمام خطوط اور تصویروں کو بیگ میں رکھ کر ڈپ کھینچ دی، پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اور کہنے محترم راہبہ خاتون کپ بھر چیں؟"

اور! "وا"۔ اس نے ہونٹوں کو قد سے سکیڑ کر کہا۔ "دیکھئے مسٹر غالب، میں دہلی ہوں، صرف دہلی! اتنا بڑا اور پرانا نام مجھے ذرا بھی سوٹ نہیں کرتا۔"

"آئی ایم ویری ساری"۔ غالب نے مہذرت چاہی۔

"مے آر ٹائی مائی لو" ہر بار بھول جاتے ہیں۔" اس نے پیار سے شراب کا ڈرم اندھا دھتے ہوئے کہا۔ "میری کتاب کا نام "غالب سب سے بڑا انقلابی" (Ghalib The Greatest Revolutionist) ہے گا۔ پہلے انگریزی میں آئسٹورڈ سے جہلیں کراؤں گی۔ اس کے بعد اردو ورلڈ میں آپ سے ٹرانسلیٹ کراؤں گی۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے فحشہ انداز میں گردن کو قد سے کم کر کے پچھلا۔

غالب نے ٹالنے کی غرض سے جلدی کہا۔ "جو مزاج پیار میں آئے۔"

"آپ کی لائف کی نیچل عکاسی کرنے کے لئے آپ سے ذرا قریب رہنے کی ضرورت ہو گی تاکہ آپ کی صحیح صحیح تصویر پیش کر سکوں، ورنہ حلی کی "حیات غالب" اور "عبد العلیف کی "غالب" کی طرح اس پر بھی تحقیقی کا اہتمام آ جائے گا۔" کہتے کہتے وہ اور قریب کھٹک آئی۔

غالب کرسی پر دو سری طرف جھپٹتے ہوئے بولے۔ "جی ہاں، بھلا ارشاد ہے۔"

دہلی نے یک چنگ کر کہا۔ ”تپ اس گوشہ ویراں میں کیوں بیٹھے ہیں۔ چلے کشتیں چلتے ہیں۔“ بارہ ناگن کی طرح لہار کر کر رہی تھی۔ سطرنا ڈوبنے کو شاٹوں پر بھلایا اور جہر کے قطرہ دامن کو کھینچ کر گھٹنوں سے نیچے کیا اور غائب کو بازو سے پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ غائب نے اس برق بارہ کو نگاہ لباس میں مقید دیکھ کر سگراتے ہوئے کہا۔

دیکھا قسمت کہ تپ اپنے پرہنگ آجائے ہے میں ”تجھے تو دیکھوں بھلا کب تک سے دیکھا جائے ہے

کشتیں سے نکل کر غائب لاہوری کی طرف بڑھے تاکہ اخباروں کی سرخیاں دیکھ لیں۔ دہلی کو انہوں نے اس کی چہر سیلیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ ابھی وہ پور ٹیکو ہی میں تھی کہ علامہ سہیلانی مل گئے۔ ملکہ سلیم کے بعد غائب نے ان کا حال دریافت کیا۔ علامہ نے بتایا کہ ان کی دان رات کی ان تک صحت اور مسلسل دوڑ دھوپ سے وہ دوسرے لب خیر سے ڈگری کالج ہو گیا ہے۔ وہی اس کے کرتا دھرتا ہیں۔ بڑی مشغولیت رہتی ہے اس لئے کیس آتا جانا نہیں ہو پاتا ہے۔

غائب نے کہا ”اگر فارسی یا اردو میں کوئی نوٹن ہو تو مجھے دلاوا دیجئے۔“

علامہ نے جواب دیا۔ ”آج کل فارسی یا اردو میں کون نوٹن چھتا ہے۔ ہاں انگریزی ’سائنس‘ یا حساب میں کئے تو دلا دوں۔“

غائب نے ایسی سے لٹری سائنس لے کر کہا۔ ”ان مضامین میں تو مجھے خود ہی نوٹن لینے کی ضرورت ہے۔“

علامہ نے پھر پوچھا۔ ”آخر آپ کو یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟“

غائب نے دھال سے آنکھوں کے بھیکتے ہوئے گوشوں کو تنگ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”ایک زمانہ تھا مرحوم دلی کالج میں پروفیسر کے لئے بلایا گیا اور ذرا سی بات پر میں نے اس ’فڑ کو ٹھکرا دیا تھا۔ کج کبیرت احر کالہوں میں بھی معمولی نیچری کے لئے یونیورسٹی کی ڈگری مانگی جاتی ہے۔ کئی بھٹوں پر کوششیں کیں، کتنی ہی سفارشیں گزاریں، مگر کبھی Board Of Education کے سوتوا میں کی سوتی سوتی بے حس فاطمیں پیش کرتے ہیں ڈگری نہیں۔ آخر تک بار کر جو تھوڑے بہت زمین داری پائڑ تھے، انہیں کوچ کر یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ جامدہ اردو علی گڑھ والوں کو اللہ بیٹا رکھے کہ ان کی بدولت شادیت کٹ سے مجھے ایم اے میں داخلہ مل گیا“ ورنہ ”کون“ پھر بیٹا تری دلف کے سر ہونے تک۔“

علامہ صہنی بہت متاثر ہوئے۔ دلگیر کواڑ میں بولے۔ ”خدا جلد تپ کو اس کڑی آزمائش سے کامیاب و کامران نکالے۔“

غائب نے حسرت سے جواب دیا۔ ”ابھی دیکھتے جاہلے حالات کی گھٹنی اور ستم رانی کب تک اسی طرح برقرار رہتی ہے۔ ہمارے اور ساتھی کسی نہ کسی ٹھکانے لگ ہی گئی، ایک صرف ہم ہیں کہ۔“

وہ میں ہے رخش مر کہاں دیکھتے تھے نے ہاتھ جاگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

حکیم مومن خاں مومن کو دیکھتے کہ "بھورہ" کی سہلی انجینی لے لی ہے اور مزے میں دن کاٹ رہے ہیں۔ شیخ ابراہیم لدھی کو حکومت ہند نے "پدم بھوشن" کا خطاب اور پانچ ہزار سالانہ کی جشن باندھ دی ہے۔ اصفیوں کو انہوں نے سوڈا گیرکچ میں تبدیل کرا کے کرائے پر اٹھا دیا ہے۔ عبد الغفور سہروردی کو دیکھتے علی گڑھ میں چودھری بنے بیٹھے ہیں اور ہرم اردو کی مدق بیچا رہے ہیں۔ میرمدی بھوڑی قلمی دنیا کے "راجہ" بن گئے ہیں۔ اور تو اور نہ جانے کتنے ہی میرے بارے میں الٹی سیدھی باتیں لکھ کر محض اور اسکاڑ ہو گئے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ۔

قرض کی پینے تھے سے یقین سمجھتے تھے کہ ہاں رنگ لانے کی ہماری قاعدہ مستی ایکدن

غالب کے ہوشوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور طوطا صاحب اس کی تاب نہ لا کر جلدی سے مصافحہ کر کے آگے بڑھ گئے۔

اخباروں کی سرطیاں دیکھ کر غالب وائس چانسلر جیمز کی طرف روانہ ہوئے۔ عظیم کے مسئلے سے لے کر وٹ نام کی دودھ بھڑ بھڑتی ہوئی جنگ سے امن عالم کو لاحق خطرہ "شرق وسطیٰ میں اسرائیل اور عربوں کی تازہ محزب" ضرر سوز کا بھڑکا "سیکیرٹری کاؤنسل کا قتل" ہندوستان میں فیملی پلاننگ کی ناکامی "بھیاٹک قتل کے اکتار" کانگریس کے زوال کے اسباب وغیرہ صد ہا مسئلوں کی سرطیاں انہوں نے دیکھ ڈالیں "مگر ان کے دماغ میں اس وقت صرف ایک ہی مسئلہ بمبارش کی طرح لگا کر چٹکھڑا ہوا پکر کاٹ رہا تھا۔ وہ تقاضی کی ادائیگی کا اہم ترین اور نازک مسئلہ۔ تین مہینے لگا کر فیس نہ جمع کرنے کی صورت میں نام کٹ جانا یعنی تھا اور فی الحال فیس کی ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس مسئلے میں وائس چانسلر سے ملنا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے لئے کوئی مناسب وغیرہ بھی جاری کرانا تھا۔ ضروری سفارش کے خطوط ان کی جیب میں پڑے کڑکڑا رہے تھے۔

وائس چانسلر کے کمرے کے دروازے پر چڑھ اسی اسٹیل دیوار سے لگائے آرام سے سو رہا تھا۔ غالب نے قدم سے دور سے کھٹکا کہ اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا "مگر وہ اسی طرح غافل چڑا اوجھتا رہا۔ غالب نے چاہا کہ شانوں سے بکڑ کر بچائیں۔ مگر پھر خیال آگیا۔

گواہی کے وہ چپ قلمی ہوشیار آئے "بیچا" اور "بیچہ" کے قدم میں نہاں ہاں کے لئے

اس لئے کمال دور امنیٹی سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اپنے کمزور جوتے کو فرش پر ڈرتے ڈرتے پٹکا کہ اس کی دھنک ہی سے اس کی آنکھ کھل جائے، مگر اس گہیزب کے کانوں پر جوں تک نہ دھنکی۔ شاید بیچنے شو پکچر دیکھ کر آیا تھا اور رات کی بقیہ غنیمتیں پوری کر رہا تھا۔ غالب اس کے برابر سے کئی بار گزرے "دور دور سے کھٹکا" فرش پر جوتے سے کواڑ پیدا کی۔ مگر وہ خواب رامت کے مزے لیتا رہا۔ کافی دیر ہو گئی اور غالب اس کے جاگنے کا انتظار کرتے کرتے پور ہو گئے تو یہ شعر پڑھتے ہوئے باجوں لوٹ گئے۔



غالب بنام فکر

فکر تو نسوی

سر جنبہ کا دھبہ لگ گیا! ہم تو حمیں فکر رہا سمجھتے تھے لیکن تم موافق نکلے۔ ہماری سمجھ میں لفظی حقیقی تم میں نہیں عجز سمجھ کر حمیں خبر دے دی کہ ہم دہلی آ رہے ہیں تم لے اڑے اور اب جو دیکھتا ہوں ڈاک سے اخبار کے دو تراشے پلے آ رہے ہیں کہ مرزا قوش بہ قس نفیس اپنی صد سالہ برسی کی گرانئی کریں گے، سو دہلی تشریف لے چکے ہیں تراشے کی تحریر سے یوں حشر ہے جیسے حمیں پولیس کو اطلاع دینا مطلوب تھا کہ ایک سو سال سے جو فزاری تھا، اب خود زیر دام آگیا ہے پکڑ کر ہندی خانے لے چلو۔۔۔ غیر ہم بھی کہاں دینے والے تھے۔ افغانی خون اور شراب باب دونوں ایک وقت رگوں میں دوڑتے ہیں۔ سو ایک مراسلہ نکھا قاضی بہاؤ قسم کا اور ہر کارے کے ہاتھ اخبار کو روانہ کر دیا۔ کہ اسد اللہ خان ناٹی ایک شخص جھانسی سے دہلی آیا نام کا خان کام کا صاحب کھاری پاؤں سے چٹائی پتنگ خریدتا اور بھاڑ پونچھا پھرا۔ بھلا کہاں غالب اور کہاں بیگ؟ فکر میںاں گھبرے ایک محضرے عرفات کے بارے لکھ دیا کہ غالب آئے ہیں۔ بلبلاروں میں قیام رہے گا۔ اسے محضرے! تجھے یہ نہ سوجھا کہ اب پورے سو سال بعد تو وہ ایک اشعرا قرار پایا ہے، اب کیوں بلبلاروں میں رہے گا کسی امیر و وزیر کا پیش محل اس پر کیوں دانیں ہو گا۔ چنانچہ وہی ہوا لوگوں کے اکھم نے بلبلاروں پر بلر یوں دیا۔ سنتا ہوں لاٹھی چارج بھی ہوا اور کلون ایجوڈی بھی۔ مگر بلبلاروں کے ہر گھر سے کورا ہوا اب لاکھ ہم غالب صاحب کو نہیں جانتے۔ یہاں تو گھڑے کنار، کچھ ہزار قسم کے طیب اور کچھ بیاریں رہتی ہیں۔۔۔ سو میاں میاں کے اشیاء میں ہمارے مراسلے بھی پڑھ لیتا۔ اڑ خاطر خواہ ہو گا۔ اچھا ہمیں تین ہے سنا ہے جشن صد سالہ کتنی کتنی والے ہمارے سزا پر بھی بھینکتے بھرے کہ شاید گوہر مراد یعنی غالب حاصل ہو تو گرفتار کر کے کوٹوالی میں دے دیں۔ کہ غالب نہیں ہے بدوینا ہے جشن غالب فخر پر ہاتھ صاف کرنے کی نیت رکھتا ہے۔ مدعا ان کا یہ تھا کہ ہم خود کیوں نہ ہاتھ صاف کریں میاں فکر سنو بھانڑ مت، جو ہمارا لڑکا دہلی میں صرف حمیں مظلوم یا ایک سینہ بھاتی رام کہ جس سے ہماری صاحب سلامت تھی۔ فخر مستی میں اس کے سامنے پاؤ بھر شراب اور شور و جوش گوشت کی ایک پلینٹ پلٹی تھی۔ فخر کسی تیسرے کو ہمارے قیام کی خبر کیوں دو۔ چند دن کے لئے قماشائے اہل کرم دیکھئے دو۔ تمہاری صحت اور عقل دونوں کے لئے دغا کا غالب۔۔۔ غالب

ایضاً "بھٹہ بھٹہ بھٹہ بھٹہ"

مرزا غالب..... ایک قلمی انٹرویو میں

سفر فروری ۱۹۹۴ء کو مرزا غالب نے صبح کا اخبار مطالعے کے لئے اٹھایا، تو اس کے دوسرے ہی صفحہ پر اشتیاق نگر سے گزارش:

”پختی قمر کو اپنی آسودہ رنگین قلم کے لئے نئے فنکاروں کی تلاش ہے۔ جلد ہی شروع ہونے والی اس قلم میں یہودی بیرونی لود موہیتار کے ساتھ ساتھ مکالمہ نویس اور غم نگار بھی بنے ہوں گے۔ خواہش صد حضارت مندرجہ ذیل پتہ پر درخواستیں بھیجیں یا سفر فروری کو دس پہلے دن میں براہ راست انٹرویو میں شریک ہوں۔“

پختی قمر نمبر ۳۳ آرٹس بلڈنگ۔ لاہوری روڈ۔ بمبئی۔۱

غالب نے اخبار بند کر کے خود اپنے آپ سے کہا: ”چلو میاں غالب! اب قلم لائن میں بھی قسمت آزمائی کرو“ یعنی اشتیاق بنائی کرو۔ اچھے بھلے جنت میں مزے اڑا رہے تھے، شراب کوڑ کے جام پہ جام چڑھا رہے تھے، اور خود وطن سے دل لگا رہے تھے کہ یکایک نہ جانے بی بی میں کیا آئی جو یوں اپنی جان مصیبت میں پھنسائی۔ خدا کے حضور میں ایک عرضداشت بھجوائی کہ مجھے دوبارہ زندگی عطا کی جائے، اور میری مدد کو اسی پرانے قالب میں ایک بار پھر ہندوستان جانے کی اجازت دی جائے۔ میاں تم یا ہندوستان دیکھنا چاہتے تھے، آزادی کے بعد اپنے وطن کی ”انسان“ دیکھنا چاہتے تھے! پرے ہو گئے نا تمہارے املاں؟ خوب دیکھ لیا نا آزاد ہندوستان؟ اب بی بی بھر گیا ہو گا؟ سارا نشہ اتر گیا ہو گا؟ جس دلی میں تم سو سال پہلے وطن کے محبوب تھے، اور ہر فرد و بشر کے لئے جس مرغوب تھے، اسی دلی میں کبھی کسی جو چاں چٹائیں اور لاتیں اٹھائیں! کلی قاسم جان کہ جہاں کسی نے اپنے میں تمہاری اقامت تھی، جا کر دیکھا تو اس کی عجیب شکل و شہامت تھی۔ نہ وہ پہلے جیسے مکان، نہ وہ پرانی وضع قطع کے انسان، اور نہ وہ ان کی شستہ زبان! اللہ اللہ نہ وہ دلی دلی اور نہ وہ اہل دلی پہلے تو ہمیں دلی میں سرکاری فٹن مین سے بیٹے کو، اور قرض کی سہ بی بی بھر کے پینے کو مل جاتی تھی مگر اس بار تو کوئی ملازمت بھی نا پا سکے، کسی بھتی سے آتش بے دودھ لوحار بھی نہ لاسکے، نظم الدولہ دھیر الملک اور نظام جنگ کے خطابات بھی بیکار ہوئے، انہیں تو سن کر ہی سب بچڑا ہوئے۔ تم نے کہاں کہاں نہ عرضیاں دیں، اور کبھی کسی نہ کو ششیں کہیں، لیکن کسی گھمے کی افسری کا، کسی بد سے کی سٹلی بھی نہ مل سکی، آخر جب دلی میں ہر خیر بے سود، اور ہر براہ مسدود دیکھی تو اپنے آپ پر لعنت بھیجنے ہوئے اور اہل وطن کو آفریں کہتے ہوئے، دلی والوں سے منہ موڑ اور اہل بمبئی سے ٹٹو ہوا یہاں آنے سے قبل احباب سے بنا کر گئے تھے کہ بمبئی میں ظلمت کا اڈہ بام ہے اور روزگار عام ہے۔ مگر یہاں پہلے تو جانا کہ شنیہ کبھی مانند دیدہ نہیں ہوتا۔ خلقت کا اڈہ بام تو

حقیقت انا زیادہ ہے کہ ہر طرف کھراکھی ہے لیکن روزگار کے معاملے میں وہی دلی بھی نقسا نفسی ہے۔ "کار" رکھنے والے یہاں اہل اقتدار ہیں، لیکن وہ ہر فنکار ہیں، اس صنعتی مقام پر بھی بنیاد ہیں۔ بجز ان چند خوش نصیب شاعروں اور ادیبوں کے کہ جن کی قلمی دنیا تک رسائی ہے اور جنہوں نے عاصمانہ مکالمے اور غیر شاعرانہ نغے لکھ کر تھوڑی بہت دولت کئی ہے۔ تم یہاں فن شاعری کا طمہ اٹھائے ہوئے، اور خود کو ایک جنس تہارت بنائے ہوئے تھے، لیکن نہ تم کوئی یوسف تھے اور نہ بہمنی کوئی مصر تھا، یہاں قصداً کوئی عزیزِ املاں نہ تھا۔ یا حسن کلام کی بدولت کوئی روزگار مل جاتا۔ گذشتہ دور کنار یہاں تو بہت بھرنے کو دو تین، اور سرچھانے کو ایک مکان پانا بھی دشوار ہے۔ وہ دن سے لائے کر رہے ہو۔ صرف نصف پانی پی پی کر چیت بھر رہے ہو۔ آج قسمت سے یہ اشتہار نظر آیا ہے، سخت باجی کے عالم میں ایک سلسلہ روزگار نظر آیا ہے۔ چلو حصول معاش کے ہی واسطے کو بھی دیکھ لو، "دوڑی دہلی پانے کے اس حیلے کو بھی دیکھ لو۔ جنت میں سعادت حسن منٹو نے پایا تھا کہ کسی زمانے میں خود تسماری زندگی پر بھی ایک قسم بنی تھی، جس کی کہانی منٹو ہی نے لکھی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ قلم والوں کی یہ کہانی جنس سر آکھوں پر ٹھائے اور تم سے اپنی فی قلم کے گانے گھوڑائے۔"

مرزا نے پٹری غزل کے اندروں میں شریک ہونے کا ارادہ کر کے اہلدار ایک طرف ڈال دیا اور اٹھ کر اپنے رنگ آلود بکس میں سے اپنی وہ بوسیدہ مہاکال جو نہایت ہی قیمتی کپڑی کی بنی ہوئی تھی۔ اور جس پر "دوڑی" کا کام کیا ہوا تھا۔ پہلے تو یکم دیر مرزا جگہ جگہ سے مسکن ہوئی اور دھوکا ہوئی اس میں قیمت عمار کو بھرت سے دیکھتے رہے اور پھر ایک نصفی سانس بھر کر انہوں نے اسے زیب تن کر لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے وہ لمبی جھجے دار ٹوپی بھی سر پہ رکھ لی اور وہ سرخ فری کا نرم سلیم شادی جو آگاہی پاؤں میں ڈال لیا جسے بہن کرکھی زمانے میں وہ بڑے کدو فر کے ساتھ قلعے چلا کرتے تھے۔ پھر ساتھ "انہیں خیال آیا کہ کاش آج وہ ہوا دار بھی ہوتا جس میں سوار ہو کر وہ دلی کی سڑکوں پر نکلا کرتے تھے لیکن اس خیال کے آنے ہی وہ ہنس دینے اور خود سے مخاطب ہو کر بولے "تو اب بہمنی غالب تم بھی شیخ پیل کی طرح خیالی پلاؤ پکائے گئے، حقائق کو بھول کر تصورات کے گھوڑے دوڑائے گئے! اب اس زمانے میں ہوا دار کہاں؟ اور اگر ہوں بھی تو ان کا کرایہ ادا کرنے کے لئے تسمارے پاس درہم و دینار کہاں؟ اب تو ہر خاص و عام لکھیوں میں سڑکرتا ہے، پٹری کی گاڑی میں بیٹھ کر فرمائے بہرتا ہے۔ مگر تم تو اس میں بھی نہ بیٹھ پاؤ گے۔ چاروٹا چار پیدل ہی چلی مقصود تک جاؤ گے۔ چلو اب جلدی اس کھولی سے نظر دو نہ دقت نکل جائے گا اور پھر تاملادی کے سوا کچھ نہ ہاتھ آئے گا۔"

مرزا غالب اپنی در آ رہا سہرا لٹے ہوئے انتہائی جلالت کے عالم میں اپنے دوست کی کھولی سے باہر آئے اور ایک راہ گیر سے منہل مقصود کا پتہ پوچھ کر پیدل چل دیئے۔ راستے میں تیسویں افراد نے ان پر آوازے کئے اور فقرے چست کئے، لیکن وہ سب سے بے پردا پے تھے قدم رکھتے ہوئے آگے بڑھتے گئے اور کم و بیش وہ دیکھتے ہوئے پٹری غزل کے دفتر کے سامنے کچھ اس طرح بیٹھے میں شراب و ہانپتے کا پتہ ہو چکے تھے کوئی ٹیڈ کھینچنے والا دن بھر بار بھاری کرنے کے بعد شام کو اپنے مالک کی کوٹھی پر پہنچتا ہے۔ وہاں پچاس ساٹھ امیدوار پہلے ہی سے سنبھوتے تھے جن

میں تک سک سے درست حسین و جمیل وہ شیزائیں بھی تھیں اور چمکاتے ہوئے سوٹ بوٹ میں بیٹوس ٹوپرز ٹوٹوان بھی' لمبے لمبے ہاتھوں اور لمبے لمبے کپڑے پہنے کپڑے والے سازندے بھی تھے اور اپنی شیرازی والے شعراء اور ادبا بھی۔ اس مجمع میں کچھ اس قسم کا اجتماع خدیج نگر آ رہا تھا جیسے کسی سائنسی جلسے میں یو۔ پی کے مشرقی اضلاع کے دہقان اور شہلہ و نیلی کال کی شہری تہادی کے مہذب اہلاس نکلا ہوں' یا کسی سیاسی میٹنگ میں مزدور سہا کے کارندے اور زمیندار پارٹی کے خوش پوش شاہک و رضا آکٹھا ہوں۔ مرزا غالب جب اپنی درباری جاج گج میں وہاں پہنچے تو کچھ حضرات تو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے جیسے انھیں جڑیں کے کسی کینڈے میں کوئی الف لیلی شہزادہ نظر آ گیا ہو اور کچھ افراد اس طرح مسکراتے لگے جیسے انھوں نے پر تھوڑی راج کپور کو کوئی مزاحیہ پارٹ ادا کرتے دیکھ لیا ہو۔ فلم کہنی کے دفتر کے دو دروازے پر ایک درودی پوش چڑاسی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ پہلے تو کچھ دیر مرزا کو گھور گھور کر دیکھتا رہا اور پھر ان کے قریب آ کر انھیں نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا: کیوں بھائی تم شریف سے میدھا او مری چلا آیا ہے کس قسم میں کام کرتا ہے یا رہ؟ کوئی کاسٹیوم قسم معلوم ہوتا ہے۔ جیسی تو ایسا ناک ڈریس میں ہے۔ یو تو تم کو کیا کام ہے؟ سینہ سے ملتا مانگتا ہو تو ہم جا کر اسے ہول دے؟ مرزا نے حیران ہو کر چڑاسی کے حجرے کی طرف دیکھا لیکن جب اسے اس طرح سمجھ دیا تو کسی قدر ناراض ہو کر بولے۔ میاں یہ کس قسم کا لب و لہجہ ہے؟ ہنکڑائی کا یہ کونسا طریقہ ہے؟" یہ انداز گفتار تو اسے زیب دیتا ہے ہو لنگھوٹا یا ہو۔ تم سے تو میری صاحب۔۔۔ سلامت بھی نہیں ہے؟ کبھی کی کوئی واقعیت بھی نہیں ہے۔ یہ طرز خطاب تو ایک طرح کی بے ادبی ہے "بلکہ صریحاً بدتمیزی ہے" غ

حسین ناز یہ انداز گفتگو کیا ہے

چراہی کی سمجھ میں غالب کی پوری ہمت تو آئی نہیں ہے لیکن وہ ”بد قبری“ کا لفظ ضرور سمجھ گیا اور آپ سے باہر ہو کر ہو کر یوں ”تم ہم کو بد قبری یوں؟“ مانگ پھرنا ہے تمہارا؟ ہم اکٹھا بھی گیا ہے۔ تم ہم سے یوں مارتا ہے؟“ اور یہ کہنے لگئے اس نے آنکھیں چڑھائیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر ایک صاحب ”جو شکل و شہادت اور وضع قطع سے شاہو مطوم ہوتے تھے“ لپک کر ان دونوں کے قریب پہنچے اور انہوں نے پہلے چراہی کو سمجھاتے ہوئے کہا ”ارے بھائی یہ یہاں کے لئے بنے کوئی ہیں۔ انہیں مطوم نہیں کہ بھیجی والے کس طرح منگوا کرتے ہیں۔ تم بھی ذرا سی بات پر گرم ہو گئے۔“ اور پھر مرزا کی طرف مڑ کر بولے۔ ”حضرت آپ بھی عجیب آدمی ہیں انکا بھی نہیں سمجھتے کہ اس شہر میں رہنے والوں کا فکری انداز کام ہی یہی ہے اور خواہ مخواہ کیوں غلط ہو گئے۔ یہ جتنا ہے۔ سینہ کیم بھائی کا خاص مسخہ لگا ملازم“ جو پتھری غلڑے کے مالک ہیں۔ آپ غالباً غلڑے نگاروں کے اندراج میں شریک ہونے کے لئے تشریف لائے ہیں؟ تو جناب جتنا کہ اپنا نام بتا دیجئے۔ یہ اندر جا کر آپ کے نام کا اندراج کرا دیگا۔“ یہ سن کر غالب نے ایک لمبی سانس کھینچی اور فرمایا ”خیر صاحب اگر یہ بات ہے تو میں درگزر کرتا ہوں اور اس ملازم کی گستاخ گواہی سے قطع نظر کرتا ہوں۔ مجھ ناچز کو عوام مرزا احمد اللہ خاں کہہ کر بلاتے ہیں“ اور اہل فن غالب کہہ کر مسخہ علم و دانش پر بٹھاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ میں اس وقت ذلیل و خوار ہوں“ اور عوام و خواص دونوں کی نظروں میں ہیکار ہوں۔“

مرزا کا ارشاد سن کر پہلے تو وہ صاحب ٹوپ ہنسے جنہوں نے ہنسنے اور ان کے درمیان صلح مفاتیح کراچی تھی اور

نظروں جیسا نظر آتا تھا۔ سیاہ کھوڑا چہرہ، نگ جھکن آنکھیں پٹیلیں، ہموٹا ہے جوڑ سر اور موٹی بھری گردن۔ سیاہ رنگ کی اصلی وحالی پتلون ابھر گئی نیلے رنگ کی بٹل شریٹ میں لمبوس مٹنے میں دھنسا ہوا تھا۔ دو غم کھینچی کا ڈائریکٹر زخمیں شریا جو کسی بھروسے چوہے سے مشابہ تھا۔ سوکھا، قوی چہرہ جس میں جگہ جگہ ہڈیاں ابھری ہوئی اور تھوکتی جیسا منہ باہر کو نکلا ہوا، ہموٹے ہموٹے بھروسے رنگ کے بال، اندر کو دھنسی ہوئی مٹیلی دودھ آنکھیں، گہرے سوٹ پہنے اکڑا ہوا بیٹھا تھا۔ تیسرے فٹنی لیاقت علی تھے۔ پتلے دپٹے محض سے انسان جن کی سیاہ اپکن میں سے ابھرا ہوا کوڑا صاف نظر آ رہا تھا۔ مٹری فریم کی ٹینک ان کی ٹانگ کی پچھلی پر رکھی ہوئی تھی اور ٹینک کے اوپر پٹیلی کا سلسلہ کافی دور تک چلا گیا تھا کیونکہ ان کے سر پر بال بس اتنے ہی تھے جتنے کہ گودے کے سر پر چھٹکیں ہوتے ہیں۔

مرزا غالب جب کمرے میں داخل ہوئے تو سینہ کریم بھائی نے ذرا آگے بڑھا کر حیرت زدہ آنکھوں سے انہیں اس طرح دیکھا جیسے کوئی دیوانی طالب علم شمر کے ٹیڈی لڑکوں کو دیکھتا ہے اور پھر جب وہ میز کے قریب پہنچے تو گہرا کر پوچھا "تم کون ہے؟"

ڈائریکٹر زخمیں شریا نے سامنے رکھے ہوئے کافز پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا "یہ گیت کار کے چہرے کے لئے ایک کینڈیلٹ ہے۔"

سینہ کریم بھائی نے پھر سوال کیا "تمہارا نام کیا ہے؟"

مرزا کو یہ سوال سن کر ایک ہاد پھر غصہ آگیا اور وہ تیرہویں پر تل ڈال کر بولے "جناب آپ کا بھی وہی انداز مختار ہے جو آپ کے ملازم شعار ہے! وہ تو خیر شاگرد پیش ہونے کے سبب قاتل معافی ہے مگر آپ کا یہ طرز تحالب قلوب و شافلی کے ٹکڑے منٹائی ہے۔"

سینہ نے فٹنی لیاقت علی کی طرف نظریں سمٹا کر دریافت کیا "فٹنی جی! یہ گیت ہائے ولا بھلا کیا بولا؟ آپ تو کچھ نہیں سمجھا۔"

سینہ کریم بھائی نے اپنی اٹھی ہوئی گردن کو دوبارہ صوفے کی پشت پر رکھے ہوئے پر سکون کیے میں کہا "بھائیو! ٹانگ بات ہے! اب تو ہمارا تم ہی اس کا انٹرویو لو۔ آپ کے داگ میں تو اس کا کوئی بات نہیں سمجھیں گا۔"

فٹنی جی نے ٹینک سیدھی کی اور میز پر پڑے ہوئے کافز کو پڑھ کر پوچھا "آپ کا نام مرزا اسد اللہ خان غالب ہے؟ یہ تو ہو ہو وہی نام ہے جو بھلاو شہ ظفر کے استاد کا تھا۔"

غالب نے جواب دیا۔ "جی ہاں میں وہی شاعر دل گرفتہ ہوں وہی غالب خشت ہوں جو کبھی دوبار ظفر میں داو مٹھو دی دیا کرتا تھا۔ اور بھولیاں بھر بھر کر انعام لیا کرتا تھا۔ خدا سے دوسرا جہم مانگ کر دوبارہ دنیا میں آیا ہوں اور اس جہم میں گزشتہ جہم سے بھی زیادہ بد خلقی ساتھ لایا ہوں۔ دلی میں ہر روز سے ٹھکرایا گیا اور ہر گھر سے بھاگایا گیا۔ اب بمبئی میں ٹھوکریں کھا رہا ہوں اور جی سی جی میں اپنے کئے پر پچھتا رہا ہوں! وہ وقت کی روٹی کے لالے پڑ گئے ہیں دوڑتے دوڑتے پاؤں میں پھالے پڑ گئے ہیں۔ آج آپ کا اشتہار دیکھ کر یہاں آیا ہوں اور یہ التجا لایا ہوں کہ جناب مجھے اپنی قلم کے کمانے گھنے کا موقع عطا کریں اور میرے کرم فرما دیں۔"

منشی لیاقت علی نے سیٹھ کریم بھائی کو مخاطب کر کے فرمایا "ارے سیٹھ جی یہ تو بہت بڑے شاعر ہیں۔ ان کے ہارے میں ایک قلم بھی بن چکی ہے جس کا نام "مرزا غالب" تھا۔ آپ ہی اس قلم کے بیرو تھے۔" سیٹھ نے چونک کر کہا "کیا بولا؟ یہ مرزا غالب کا بیرو ہے؟ ارے منشی لیاقت علی تم اپنا کو بوت جانا؟ مرزا غالب کا بیرو تو بھارت، بھوشن تھا۔ اب اس کا مارکت کلاس ہو چکا ہے۔ کوئی پروجس سر اس کو اپنی قلم میں بیرو نہیں لیتا۔" اور پھر سیٹھ جی غالب کی طرف رخ کر کے ایک زور دار قلم لگاتے ہوئے بولے "ارے بھائی بھارت، بھوشن جی! تم اپنی پرانی قلم کا ڈسکس بن کر آیا ہے! بانی گڑ بہت اسارت لگتا ہے! مگر اپن تم کو بیرو نہیں لے سکتا! اپن ابھی بیرو کا انٹرکٹ کر چکا۔ اب اپن کو گیت بنانے والا مانگتا۔ تم گانے گیسے گا کیا؟"

منشی لیاقت علی نے گھبرا کر سیٹھ کریم بھائی کو فونکتے ہوئے کہا "نہیں نہیں سیٹھ جی یہ بھارت، بھوشن نہیں ہیں۔ یہ تو مشہور شاعر مرزا غالب ہیں۔ آپ کی ہی قلم میں گانے لکھنا چاہتے ہیں۔"

یہ سن کر سیٹھ جی مشتعل ہو گئے اور انہوں نے سر جیسے میں فرمایا "منشی لیاقت علی! تم یہ کیا نرے والہ بات بولا؟ ابھی کہا کہ یہ مرزا غالب قلم کا بیرو ہے۔ کیا اپن اتنا نہیں جانتا کہ اس قلم میں بیرو کا پارٹ بھارت، بھوشن نے کیا قدر اگر تم ایسا ہی گول مال کریں گے تو اپن تم کو ڈس کر دے گا۔"

ڈائریکٹر زنجی شربا جو اب تک چپ چاپ بیٹھے ہوئے تھے بچ بچاؤ کراتے ہوئے بولے "ارے نہیں نہیں سیٹھ جی آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ منشی جی کا مطلب دراصل کچھ اور تھا....." اور پھر انہوں نے بات کا رخ دوسری طرف گھمانے کے لئے مرزا غالب سے مخاطب ہو کر کہا "..... منٹر ہی تو مرزا صاحب آپ کو قلمی گیت لکھنے کا کچھ تجویز ہے؟ میرا مطلب نہ آپ نے کبھی ملحق کے طور پر کسی کہانی کی کوئی پوٹیشن ذہن میں رکھ کر کوئی گیت لکھا ہے؟" مرزا صاحب نے جواب دیا "صاحب آپ نے ہمیں کوئی داستان کو سمجھا ہے کہ کہانیوں سے ہمارا تعلق ہو اور قصوں سے واسطہ ہو؟ میں تو میدان شعرو فن کا موہوں اور طبقہ عہدوں کا ایک فرد ہوں۔"

منشی لیاقت علی نے بچ میں دخل دیتے ہوئے کہا "مگر مرزا صاحب قصوں میں تو آپ کو کہانیوں پر غور کرنا ہو گا اور پوٹیشن کے مطابق گیت لکھنا ہو گا۔"

غالب نے ایک تو سرود کہنے پر ہونے جواب دیا "ہاں صاحب آپ نے بجا فرمایا۔ جیسا میری شامت اعمال نے مجھ سے کیا کیا نہ کر دیا اب تو جیت بھرنے اور حق ڈھکنے کے لئے ہو آپ کہتے ہیں وہی کہوں گا۔ قلم و ادب سے گریز ہو کر قصے کہانیوں کا دم بھروں گا۔"

شربا جی نے کہا "اچھا تو اپنا لکھا ہوا کوئی دو پینک ڈویٹ بنائیے۔"

مرزا غالب نے استعجابی طور پر ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "یہ کس شے کا نام ہے؟ کیا یہ کوئی نئی صنف کا نام ہے؟"

منشی جی نے جلدی سے لقمہ دیا "یعنی کوئی مدافعی دو گانہ پیش کیجئے۔"

مرزا صاحب پھر بھی کچھ نہیں سمجھے اور انہوں نے باری باری دونوں کی طرف سوالیہ نگاہیں اٹھاتے ہوئے فرمایا "

قبل ملازمت "جنگل" سنی تھی کبھی کبھی جگمگاہ دل دیکھنے کو خود بھی پڑی تھی مگر قلمی دنیا میں دو کلمے کا کیا مسموم ہے یہ امر اس جگہ کے لئے قطعی لاسلطوم ہے۔

ڈائریکٹر صاحب نے کہا "جناب دو گانہ اس گیت کو کہتے ہیں جسے سیدہ اور سیدہ نئی مل کر گاتے ہیں۔" مرزا صاحب برا سا منہ بنا کر بولے "ستغفر اللہ! مجھے بھی آپ حضرات نے کوئی تو ٹنگی دلا سمجھا ہے" جو اس قسم کا ہے وہ گانا خانے کے لئے کہا ہے۔

سینو کریم بھائی نے صوفی کی پشت پر سے بھرا اپنی صوفی لود بھری گردن اٹھاتے ہوئے اظہار خیال فرمایا "مرا بی یہ ساعر بالکل کڈم ہے۔ یہ ڈیٹھ میں بنا سکتا تو اپن اس سے کنٹرلیٹ نہیں کرینگا۔ تم چٹھ سے دو سرا کیٹڈیٹےٹ بنائے کو بولو۔"

غشی لیاقت علی نے قدوسے تمبرا کر کہہ "سینو بی یہ بہت بڑے شاعر ہیں آپ انھیں یوں جواب نہ دیجئے۔" سینو بی بڑو کر بولے "تم کیا مانگ بات کرتا غشی بی؟ اپن بڑے بڑے گیت بناتے والوں سے کنٹرلیٹ کر چکا ہے۔ اپن نے بنجری غلڑی انھوں میں قسم میں ساحر کو لیا تھا جس کا ہر ساگ ہٹ ہو گیا۔ یہ پڑھا کیا ساحر سے پڑا ساگ راسخ ہے؟ تم اس کو ساڈا کیوں کرتا؟ کیا شمارا ناتے والا لگتا؟"

ڈائریکٹر شہنا نے پھر چچ پچا کر اتے ہوئے کہا "اے سینو بی یہ بات نہیں ہے!" لود پھر معاملے کو رفع دفع کرنے کے لئے دو دو بار مرزا صاحب سے ہلکام ہو گئے۔ "ہاں تو مرزا بی آپ تو ٹرینچڈی ساگ بنائیے۔" غالب نے جواب دیا۔ "حضرات آپ کی اصطلاحوں کو سمجھنے سے میں قلعی قاصر ہوں کیونکہ ایک صدی قبل شاعر ہوں۔ ذرا کرم یہ فرما دیجئے کہ اسے صراحت و وضاحت سے سمجھا دیجئے۔"

غشی بی بولے "یعنی کوئی غلین نظر جسے سن کر لوگوں کے دل بھر آئیں۔ گیت نہ سنی" آپ کوئی قریب غزل بنائیے۔"

مرزا صاحب نے اطمینان کی سانس لینے ہوئے کہا "ہاں یہ ممکن ہے لیکن میری ایک غزل سامت فرمائیے اور اسے سن کر مجھے ملازمت مرحمت فرمائیے۔"

دہتے اب ایسی جگہ مل کر جہاں کوئی نہ ہو

ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے درد و دیوار سا ایک گھر بنایا چاہئے

کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسہاں کوئی نہ ہو

چاہئے کہ ہمار تو کوئی نہ ہو حصار

اگر اگر مر چاہئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

مرزا غالب اشعار سناتے رہے اور غشی لیاقت علی اور ڈائریکٹر زرخشاں آکھیں بند کئے عالم خود لڑا غشی میں ان سے محفوظ ہوتے رہے مگر سینو کریم بھائی کا چو لٹھ بہ لٹھ فیسے سے سرخ ہو گیا اور آخر کار وہی ٹپک کر کڑے ہو گئے

اور بیچ کر بولے "بہنو! کہو! اپنا یہ گانا میں سنیں گا۔ تم بچا فراہ ہے تم اپنی کو مرزا صاحب قلم کا گانا سنا۔ اپنی اگر چاہیں ہوتا اور تم سے یہ گانا کھرید لیتا تو سراپا سودی اپنی قلم کہتی پر کورٹ کیس ٹھوٹک دیتا۔" یہ کہتے کہتے انہوں نے کھنکی بھائی جسے سن کر بیٹو اندر داخل ہو گیا۔ سیٹھ جی نے اس سے کہا اس گیت پانے والے کو یہاں سے چٹا کر۔ یہ چار سو ہیں ہے، اپنی کا کھاڑا کر دینا۔" اور اس سے قلم کی مٹی جی اور ڈائریکٹر صاحب کچھ کہہ سکیں، پھر نے مرزا صاحب کا ہاتھ پکڑ کر انہیں کمرے سے باہر کر دیا مرزا صاحب نے وہاں سے نکل کر اپنی علق آلو بیٹھانی سے پیسہ پر پھینکے ہوئے زیر لب یہ مصرعہ دہرایا۔

میت ہے آہو ہو کر قرے کہہ سے ہم نکلے

اور تجھے تجھے قدموں سے اپنے دوست کی کھولی کی طرف اس طرح روانہ ہو گئے جیسے کوئی نیا اور اناڑی وکیل شہم کو پھری سے رخصت ہوتا ہے۔



غالب اور اس کا ماحول

[1]

غالب کی "۱۱" شعری تصورات، 'مشقیہ' روایات اور عام زندگی کے مظاہر میں نمودار ہوتی ہے۔ ان کی اردو شاعری کا بیشتر سرمایہ ہمیں برس کی عمر تک عمل ہو چکا تھا اور اس کے بعد اس میں قلیل اضافہ ہوا۔ مرزا کی فارسی شاعری کا آثارِ حقیقی برس کی عمر کے قریب ہوا لیکن اس میں غالب حصہ قیامِ کلکتہ کے بعد کی یادگار ہے۔ اردو کلام کو عنوانِ شباب کا اور فارسی شاعری کو بعد کے ادوار کا حاصل سمجھنا چاہئے۔ فارسی شاعری میں ان کے مزاج کی ہمواری اور اتواری کے نشان زیادہ ملتے ہیں۔ ابتدائی اردو کلام میں ان کا ثفل اور استعارات و تشبیہات کی کثرت ہے جو بیدل اور صاحب، ناصر علی، جنرل اسیر و خیمو کا سرمایہ خاص ہیں۔ آئینہ، طوطی، آسیہ، سیلاب، پنہ، پروان، شمع، گلن، سرو، چراغ، شعلہ و آتش ان کی فکری متاع کے اعمار کے خارجی جزائے ہیں۔ غالب سے گل کا ادبی ماحول دراصل زندگی اور اس کے اعمار کے مخصوص سانچوں کا دور ہے۔ جب تحریک شعری ایک پیچیدہ فکری نظام سے متصادم اور مرتے ہوئے معاشرے کی افادہ سے خیر اور خارج اثرات دہی اور مٹی تھپہوں کے تار و پود کو جانے ستوارنے میں مصروف تھی۔ ایسے میں کہ خارجی زندگی مثبت عمل سے محروم ہو رہی تھی۔ عمل و حرکت کا واحد وسیلہ غیرت کا اور اک اور معاشرے کے تصوراتی اور مثالی نمونے کے بیان تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ بیدل کے باہد الطبعیاتی تصورات غنی کاخیری کے اخلاقی درس اور صاحب کی مقولہ سازی کی تہ میں خارجی زندگی کی بے پناہ برش سے بچ نکلنے کا رجحان قوی ہے۔ یہ اخلاقی درس و تدریس سنی و عمل کو یا تو فرد کی مدد ملی تھی پر صرف کرنے کے کام آ رہی تھی یا پھر زندگی کی خارجی بے عملی کو داخلی عمل کے واسطے سے پہچاننے کی مجبوری قرار دی جا سکتی ہے۔ ان شعرا میں بیدل زیادہ بیدار شعور کا مالک ہے، لیکن بیدل کا زندگی کے مجبور کو عمل اور حرکت کے پیمانوں میں پیش کرنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وہ دراصل ایک ایسے آدرشی معاشرے کی نشان دہی کر رہا ہے جس کا رشتہ خارج سے بہت کمزور ہو چکا ہے۔ معاشرتی زندگی کی یہ تصویر درحقیقت خارج میں اپنا وجود کھو چکی ہے۔ اس کا عمل اور اس کی قوت فرد کا دائرہ کار شخص و دوار کا تحریک اور اس کا اضطراب فقط سیلاب کا اضطراب ہے۔ سیلاب و آسیہ کے استعارے انسانی زندگی کو کائنات سے الگ کر کے انسان کو مجبوری و بے چارگی کے ساحل پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ طوطی و آئینہ زندگی کی خصوصیاتِ قویہ کے علاوہ حیرت و حیرانی کا استعارہ ہے۔ یہ حیرت، یہ حیرانی روحانی ارتقا کا اشارہ ہی نہیں خارجی زندگی کی حیرت و حیرانی کا ایک داخلی جواز بھی ہے۔ اس خوفناک صورت حال کو بیدل جیسے حساس اور بیدار شاعر نے جب اپنی گرفت میں لیا تو اس کی تصویر کاری حقیقی زندگی کا بدل ہو کر رہ گئی۔ انسان کی قوتِ تفسیر حقیقی زندگی میں کامل عمل نہ تھی۔ تحلیل زندگی میں اس کے لئے متحرک تصاویر و مقامات کا مرکز بن گئی۔ حیرت و حیرانی کی یہ حالت انسان کو گرد و پیش پر نگاہ ڈالنے پر مجبور کرتی ہے تو اس کے کام وہ ذخیرہ لفظ آتا ہے جس کا تعلق انسانی فکر کے ساتھ ہے۔ یہ وہ

نگاہ کی کافر سہانہوں کے وسیلے سے متحرک تصاویر (Motor Imagery) شاعر کی کار نگاہ خیال میں نمودار ہوتی ہیں۔ غالب کے ہاں بھی دید، عید، نقاد، جلوہ گل، دید، یعقوب، چشم حسود، نگاہ آفتاب، بہار نقاد کی کثرت اسی فطری سانچے میں طبع ہوئے ہیں۔ انسان اپنی ذات کو خارجی عوامل کے وسیلے سے پہچانتا ہے۔ غالب نے بھی جس مخصوص ماحول میں اپنی (Ego) کی تشکیل کی، اس میں ان شعری روایات کا حصہ بھی ہے جو غالب کے زمانے سے قبل کی ادبی فضا میں زندہ تھیں اور جن میں خود غالب نے پرورش پائی۔ غالب زندگی کی حرکت اور عمل کو پیدائش کی سطح سے دیکھتا ہے جس میں شعری تصانیلات (Images) کا تحرک خارجی زندگی کی بے غلی کی غلطی کرتا ہے۔ غالب کی یہ غلطی خارجی حالات کے خلاف شدید مقاومت کا داخلی بیان ہے :

بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر در و دیوار
نگاہ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار
وہ آ رہا میرے ہمسائے میں تو سائے سے
ہوئے نوا در و دیوار پر در و دیوار
نہ پوچھ بے خودی و پیش مقدم سیلاب
کہ ٹپکتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار
آد سیلاب طوفان صدائے کب ہے
لفظ پاؤں کلن میں رکھتا ہے اگلی جاہ ہے

عمل اور حرکت سے متعلق اخیراً الفاظ کی کثرت غالب کی انا کو مثبت راستوں پر بھی گامزن کرتی ہے۔

[2]

مرزا کی ابتدائی زندگی ایک ختم ہونے کی زندگی ہے جو کبھی چلا کے ہاں پرورش پاتا ہے، کبھی جانا کے دھڑکنا کا زلہ رہا ہے، کبھی سسرال کا دست گھر ہے۔ اپنی ذات کی حفاظت کے لئے نئے نئے حصہ فقیر کرنے کی ضرورت ہر حال ہر انسان کو پڑتی ہے۔ غالب کی "انا" اپنے حقیقی زمانے سے نکل کر ماضی کی طرف رجوع کرتی ہے تو اہلاد کی عظمت کا احساس اُمیں کچھ زیادہ ہی شدت پر مجبور کرتا ہے۔ وہ جس متوسط طبقے میں پیدا ہوئے اس کے لئے ان کی پیشین کافی تھی، لیکن وہ اس پر قانع نہیں ہوئے۔ ہر بحر اُمیں اپنے اہلاد و بچہ کی عظمت، خاندان کی قدیم دولت، رستے کی از دست رفتہ وقت اور شان و شوکت کا دست پاس رہا۔ اس دھندے میں ان کی اپنی مالی حالت ابتر ہوتی چلی گئی۔ آخر عمر تک وہ معاشرے میں اصلی حیثیت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ اس سے ان کی زندگی اور ان کی آرزو کے دو مابین فاصلہ بڑھ گیا۔ یہی ان کی ہنسی کا سبب بھی ہے اور اسی میں ان کی عظمت کا راز بھی چھپی ہے۔ آرزو کو بلند سے بلند تر مقام پر فائز کرتے ہوئے مثبت حالت میں غالب اپنی "انا" کے لئے اہلاد کی دولت، فخر

و مزاج کی چاشنی اور نکاحیہ کیفیات کی جلوہ گری کو نفسی توانائی کے لئے ایک حفاظتی والو (Safety valve) کے طور پر استعمال کرتے رہے۔ اس مثبت روش سے ان کی شاعری میں غلوص و احتجاء زندگی پر مہر کی نظر ڈالنے اور تجربات کی نوعیت متعین کرنے، سخن حالات میں زندگی کو برسر کرنے کا شعور، اپنے تجربات کو مسودہ مضی نقطہ نظر سے دیکھنے کی سکت آگئی:

دھنکی میں سر گیا جو نہ باب نہو تھا
 عشق نہو پیش طلب کار سو تھا
 حسن غزلے کی کشاکش سے چمٹا میرے بعد
 ہارے آرام سے ہیں اہل بجا میرے بعد
 منصب فیضی کے کوئی قاتل نہ رہا
 ہوتی مسلولیہ انداز و ادا میرے بعد
 دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
 دونوں کو اک لوا میں رضامند کر گئی
 لگا رہے نے بھی کام کیا داں غلاب کا
 مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر نگر گئی
 دیکھو تو دل فرجی انداز عشق پا
 موج خرام باز بھی کیا گل سکر گئی
 دوار و وصل چہ اگانہ لذتے داد
 ہزار بار بعد صد ہزار بار بیا

غالب کی شخصیت کی تشکیل میں ان کے حسب نسب نے بہت حصہ لیا ہے۔ ان کے اہلاد ترک تھے، بیدل کے اہلاد بھی ترک تھے، امیر خسرو بھی ترک تھے، ابو ظفر بہادر شاہ کے آبا و اہلاد بھی ترک۔ غالب کی اس پسند کے دوسرے عوامل بھی جیتنے ہوں گے لیکن غالب کو ان شخصیتوں سے ایک لگاؤ تھا۔ دیگر مضامین اور غیر مضامین عوامل کے علاوہ ان کی پسند کا رخ متعین کرنے میں اس مناسبت کو بھی دخل معلوم ہوتا ہے۔ وہ پاک و ہند کے فارسی شاعروں میں صرف خسرو کو خند مانتے ہیں۔ آخر کیوں؟ وہ بھڑی نژاد شاعروں میں سے بیدل کی طرز کو اپناتے ہیں اور اس پر غور بھی کرتے ہیں۔ آخر کس لئے؟ وہ بادشاہوں کی تریف کو بھینہ گری جانتے ہیں، لیکن ابو ظفر بہادر شاہ کی تاریخ فوسکی کی خدمت کو محض سرکاری نوکری کے طور پر نہیں سمجھتے بلکہ اس کے ویلے سے ترکوں کے نظریہ و تاریخ کو جان کرتے ہیں اور اپنے نسلی تعصب کے بھرپور اعتماد سے بھی باز نہیں آتے۔ مریم مدو صرف مظاہر تاریخ ہی نہیں ترکوں کے علم الانساب کی دستاویز اور غالب کے تعصب نسلی کی واضح شہادت بھی ہے۔ غالب کے ان اثرات کو قبول کرنے میں

دوسرے عناصر کو بھی دخل ہوگا، لیکن اپنے مزاج سے ہم آہنگی کے لئے انہوں نے ان اثرات کا ایک داخلی رشتہ اپنی ذات سے بھی استعار کیا۔ نئی برتری پر غرور ناز غالب کے مزاج کا حصہ ہے۔

محمد شاہی عہد میں غالب کے دوا دلی میں وارد ہوئے۔ وہ ترکی جانتے تھے لیکن اس کے بعد محمد شاہ قریں دوا سے عہد کی طرح اس خانہ ان پر بھی ترکی قلم ہو گئی۔ فارسی زبان اور مقامی روایات نے جاکو ان کی تربیت کی۔ غالب تک آتے آتے آبائی وراثت کا تھوڑا حصہ باقی رہا تھا۔ غالب کی تربیت جس معاشرے میں ہوئی وہ اگرے اور دلی کی فضا ہے۔ اس میں ابھی فارسی کی ساکھ باقی تھی۔ غالب نے اسی فضا میں آنکھ کھولی اور فارسی اور اردو کے علمی و ادبی سرمائے سے استفادہ کیا۔ اس زمانے میں فارسی ادب میں دو مکتبہ ہائے طیال موجود تھے۔ ہندی ایرانی نثر نے مقامی اور ایرانی کا امتیاز قائم کیا۔ غالب کے حلقہ احباب میں نواب حسام الدین حیدر کا گھڑا اثر انداز معلوم ہوتا ہے۔ شاید اسی خانہ کے زیر اثر غالب اپنے آبائی فرقے کو چھوڑ کر سمیت کی طرف راغب ہوئے۔ غالب مقامی سے زیادہ ایرانی عناصر کے والد و شیدا تھے۔ ان کے شعری نظموں پر اس نقطہ نظر کا نمایاں اثر ہے۔ ایران پر متنی لکھتے ہیں یا کر اور بھی تیز ہوئی۔ جب وہاں ہندی داستان کے شیدائی غالب کے فارسی کلام پر معترض ہو گئے۔ غالب کی آواز نے اس کا انتقام لیا اور انھوں نے اردو کو تقریباً ترک کر کے فارسی شاعری میں مرکا پیشتر زمانہ صرف کر دیا۔ وہ اردو کی بجائے فارسی پر ناز کرتے ہیں:

فارسی میں آہ بیتی نقش ہائے رنگ رنگ
بگور از محمود اردو کہ بے رنگ من است

انہیں فرزند کور کمانے پر بھی فخر ہے۔ اور دین بزرگوں سے گریز ان کے نزدیک ایک اعلیٰ قدر ہے:

با من میامیز اسے پسر فرزند کور را گر
ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگوں طوف نگر

ایران کی طرف رغبت کا یہ مسک صرف مذہبی عقاید کی حد تک نہیں۔ غالب نے اسے زندگی کے جملہ پہلوؤں پر جاری کر رکھا ہے۔ اردو اور فارسی کلام میں آگ اور اس کے متعلقات کی کثرت غالب کے فکری نظام میں بہت دور تک جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ 'شع'، 'شط'، 'زبان'، 'کلام'، 'خون'، 'ناخن'، 'خون'، 'میدان'، 'نسل'، 'دست'، 'حنا'، 'سرخ'، 'رنگ' سے یہ لکاو غالب کی زندگی کے بعض جذباتی پہلوؤں کی وضاحت کرتا ہے:

ہوائے سیر گل آئینہ ہے مری قاتل
کہ انداز ناز عظیمان نسل پند آقا
اسد نسل ہے کس انداز کا قاتل سے کتا ہے
کہ عشق ناز کر خون دہ عالم میری گردن پر

فہمیں سلوم کس کس کا لو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرگاہ آلودہ ہوتا تیری جڑگاں کا
رگ سگ سے چپکا وہ لو کہ پھر نہ تھتا
جسے فہم سمجھ رہے ہو وہ اگر شرار ہوتا
ذہم سلوانے سے مجھ پر چارہ بھئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت ذہم سوزن میں نہیں
ہوا جب فہم سے یوں ہے جس تو فہم کیا سرکے کھلے کا
نہ ہوتا کہ بیدا قن سے تو زانو پر دھرا ہوتا
ال تھہر کی دلائل گریں
آلوں میں بھی حنا ہانڈتے ہیں
حنائے پاسے خواں ہے بیمار اگر ہے بھی

.....
فہم نہیں ہوتا ہے آلودوں کو پیش از یک عس
ہلق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
مجھے اب دیکھ کر ابرہ شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری آفتل برستی تھی گھٹاں پر
بجز ہوا ز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے سحر ہے خاک شہیدوں پر
چپک رہا ہے ہن پر لو سے جہانم
تاری شب کو اب حاجت رفا کیا ہے
اچھا ہے سر انگشت تنائی کا تصور
دل میں نظر آئی تو ہے اک ہونہ لو کی
وہ جب عشق قننا ہے کہ ہر صورت شمع
شعلہ تا نہیں بجز ریشہ دوانی مانگے
فہم بہتی کا اسد کس سے ہو جز سرگ علاج

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہوتے تک
 دل نا بگر کہ سائل و دیائے خوں ہے اب
 اس رہ گزرد میں جلوۂ گل آگے گرد تھا
 عسرتِ قفل کہ اہلِ تنہا مت پرچ
 عیدِ نظارہ ہے ششیر کا عرواں ہوتا
 سونج خوں سر سے گزرد ہی کیوں نہ جائے
 آسماں بار سے اٹھ جائیں مہیا
 بزمِ ترا شمع و گلِ مشکلی پوزاب
 سارِ ترا زیرِ و بزمِ واقعہ کرلا
 ہے خود بوقتِ ذبحِ تپیدنِ گندہ من
 دانستہ دشمنِ تیرِ نکمہاں گندہ کیست
 جب نکلا سے جلاہ کے 'چلے ہیں ہم آگے
 کہ اپنے سائے سے سر پاؤں سے ہے وہ قدم آگے
 'دُھمِ قحِ نازِ نہیں دل میں آلود
 جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے

[3]

غالب کے ہاں بعض الفاظ بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ رنگوں میں ان کی Fixation سرخ سبز اور سیاہ رنگ کے ساتھ ہے۔ ان میں سرخ و سیاہ کو بہت اہمیت ہے۔ خون اور اس کے حسیات کا غالب کی جنسی زندگی سے کیا رشتہ ہے؟ ان کی جنسی زندگی کی حسیات معلوم نہیں اس لئے ان علامتی الفاظ کے جنسی سیاق و سباق سے قطع نظر شہدائے کرلا کی شہادت اور اپنی مظلومی کے درمیان معنوی رشتے کی تلاش و جستجو غالب کو سرخ رنگ سے وابستہ رکھتی ہے۔ غالب کی خود رمزی کی یہ ایک رفیع صورت ہے جس میں وہ اپنی زندگی کے معمولی واقعات کو واقعات کرلا سے مماثل کر دکھاتے ہیں۔ شہادت 'خون شہداء' نعل کے حقائق غالب کے ذاتی کرب کا وہ انعکاس ہے جس کی جھلکیاں ہمیں کھمتری داستان کے شعرا کی غزلوں میں ملتی ہیں۔ لیکن غالب کی سرخ رنگ سے چسپائی اس کے علاوہ بھی توجہ طلب نکات رکھتی ہے۔ ان کے ہاں سرخ رنگ کا ایک رشتہ سیاہ رنگ کے ساتھ بھی ہے۔ وہ سرخ کو سیاہ میں تبدیل ہوتے دیکھتے ہیں۔ سرفی کا انجام روشنی نہیں تاریکی ہے۔ لہذا شہادت تک 'نعل کا مرگ تک' سنا کا داغ تک 'گل لالہ کی چمک تک کا داغ لالہ سے 'روشنی کا عرصہ نہیں سے رہا اور خون کا تاریکی سے ایک سلسلہ قائم ہے :

بزاؤں دل دیے ہوش جنوں عشق نے مجھ کو
 سہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ طوں تن میں
 سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھاگے ہے اسد
 پاس مجھ آتش بھوں کے کس سے فزا جائے ہے
 یک ذرا زہن نہیں ہے کار بارغ کا
 پاں جاوہ بھی فیکہ ہے لالے کے دارغ کا

شع کی نو غالب کو اس لئے اچھی لگتی ہے کہ وہ بلاخر مجھ جاتی ہے یا جل جاتی ہے۔ نکھتا اور جل کر رہ جانا
 غالب کے نزدیک ہر زندہ کا مقصوم اور ہر التباب کا انجام ہے :

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
 دیکھ کر طرز تپاک اٹل دنیا جل گیا
 بے گل، غامدہ دل، دود چراغ مفضل
 ہو قری یوم سے نکلا سر پریش نکلا
 غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
 شع ہر رنگ میں بجلی ہے سحر ہوتے تک
 شع بھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹتا ہے
 شعلہ عشق سے پوش ہوا میرے بعد
 سائے کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
 تو اس قدر دھن سے ہو گھزار میں آوے
 جس قیس کہ ہے چشم و چراغ میرا
 مگر نہیں شع یہ غامدہ لیلیٰ نہ کس
 شعلہ سے نہ ہوتی ہوں شعلہ نے جو کی
 ہی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے
 قری کف خاکستر و بلبل جس رنگ
 اسے تارہ نکھن جگر سوختہ کیا ہے؟
 جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا

کہتے ہو وہ اب راکھ چٹو کیا ہے
 جی چلے لوتن کا کی پٹائی پر نہ کیوں؟
 ہم ضیں پٹنے لٹس پر چند آفتل پار ہے
 آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
 ہر کوئی دہانگی میں نالے سے ناچار ہے (2)

محبوب کے سراپے میں بھی انھیں رنگوں کی آمیزش غالب کے لئے دلچسپ کا سامان ہے۔ ان کی "۱۳" اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ وہ اپنے کام میں محبوب کے پیکر سے انسانی اور گوشت پرست کا تعلق رکھتے ہوئے بھی اس کی پوری تصویر قاری کو بھی نہیں دکھاتے۔ کبھی کبھی تو محبوب غالب کی ذات کی Projection کا روپ دھار لیتا ہے۔ یہ محبوب خارجی وجود رکھتا ہے اس کے جسمانی پہلو اور حرکات و سکنات غالب کو مغلوب ہیں۔ اس کے خرام ناز اس کے احسا اس کی نزاکت اور حیاداری اس کا چہرہ اس کے کمال اس کی دلچسپی اس کی آنکھیں غالب کو پسند ہیں۔ وہ اس کے شباب کی دل آویزی کے بھی قدردان ہیں۔ لیکن کام غالب کی مدد سے اگر آپ غالب کی محبوب کی تصویر بنانا چاہیں تو وہ از حد دھندلی اور محم ہے (3)۔ غالب عشق و محبت میں اپنی ذات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ محبوب کے سراپے سے زیادہ اس کے بارے میں تعمیری رویے کو اہم جانتے ہیں۔ محبوب کے اسامات کو جان کرنے کی بجائے محبوب کو محض اپنے داخلی کوائف کے منہج کے طور پر استعمل کرتے ہیں۔ ان کی "۱۱" آپ اپنی رقب بھی ہو جاتی ہے :

کیوں جل گیا نہ تب رخ یار دیکھ کر
 جتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
 وا کر دیے ہیں شوق نے بد قبلے صن
 غیر از نگاہ اب کوئی حاکم ضیں رہا
 ابھرا ہوا نقب میں ہے ان کے ایک تار
 مرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
 ہم دھک کو اپنے بھی گوارا ضیں کرتے
 مرتے ہیں دلے ان کی تنہا ضیں کرتے
 ہر بے خودی میں بھول گیا راہ کسے یار
 جانا دگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں

اسی سیاق کی وجہ سے غالب کو غلط (نامر) 'نامر بر' نامر وغیرہ سے بھی تعلق خاطر ہے :

سیاہی جیسے کہ چلوے دمِ قرقر کاغذ
مری قسمت میں یوں قصور ہے شبِ ہائے بھڑکی

غالب کا محبوب اس کے جذبات و بینات کا عکس ہے۔ اس عکس میں غالب اپنا چہرہ دیکھتے رہتے ہیں۔ ایسے میں وہ صرف اپنی تھکن اہمارتے ہیں جو ان کے ذاتی سیلابات سے ملاپت رکھتے ہیں۔ انہیں سرخ رنگ پسند ہے۔ یہ سرخ رنگ اپنی رو بہ تغیر صورت میں سیاہ رنگ میں تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

غالب محبوب میں بھی سرخ و سیاہ کی فراوانی تلاش کرتے ہیں۔ طون لیل، پتھر مرہاں، شرار و رنگ بھی ملاحتی حیثیت رکھتے ہیں۔ فرد کی جذباتی زندگی سے ایک سے زیادہ رشتے ملاحت کا بنیادی وصف ہے۔ یہاں بھی ان ملاحت کے کئی رخ ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان کا ایک غیر محسوس رشتہ مختلف رنگ یعنی سیاہی سے بھی ہے۔ طون لیل کا شہادت سے 'موت کا قبر سے' لالے کا داغ سے 'دل کا داغ دل اور سوئے اے دل سے' زمزم کا چشم سے موہک چشم کی مناسبت سے 'خوشی کا خم سے' نکلا کا رنگ سے ایک ایسا رابطہ ہے کہ غالب اکثر دونوں ماحولوں کا ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ غالب کی ایران پر حقِ تلویط کے جس جواک میں اسیر ہے اسی کا لازمی رشتہ خلیل اور تنہا کی اس دھوپ چھاؤں کے ساتھ ہے۔ غالب سرخ رنگ کو اس لئے عزیز رکھتے ہیں کہ اس میں سیاہ رنگ میں خفیل ہو جانے کی صلاحیت ہے۔ اس لحاظ سے سرخ و سیاہ کا یہ باہمی ربط جنسی زندگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مدھنی انہیں عزیز ہے کہ وہ تاریکی سے دست و گریبوں ہے۔ جنسی روابط کا مرکز مدھنی سے سیاہی کی طرف ایک ملاحتی سفر ہے اور غالب کا کام ان کی زندگی کے اس پہلو کا عکاس ہے :

رخسارِ یار کی جو کھلی جلو، عصری
زلفِ سیاہ بھی شبِ مستاب ہو گئی
موجِ مجسم لبِ آسودہ مسی
میرے لئے تو بیخِ یہ تاب ہو گئی

ان جنسی ماحولوں کا تعلق غالب کے تمدنی افق سے بھی ہے۔ ان کے ہاں یہ ملاحت اپنے تضاد کی وجہ سے بھی غالب کے لئے پرکشش ہیں۔ ایران دوستی ان کے تصورات کی مختلف کیفیتوں کو ایک لڑی میں پرو دیتی ہے۔ غالب کے تصورات حسنِ خلق بھی روانی راستوں سے بہت کر "کاما" کے داخلی مسائل سے ہم "ہنگ" ہیں۔ قاری اور اورد کے مروجہ تصورات حسن کو غیر بار کہہ کر غالب محبوب میں سرخ و سیاہ کے ڈانڈے یوں بھی ملاحت ہیں کہ ان کا محبوب روانی محبوب کی بجائے ایک "تم پیشہ ڈوہڑی" ہو جاتا ہے۔ کیا غالب کے ہاں محبوب کا رنگ ان کے شخصی رجحانات کا مرکزی نقطہ ہے؟ یقین سے تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن ملاحظہ حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے :

رہے تیرے جوشِ صفائے زلف کا امضا میں عکس

ہے نزاکت بلور، اسے ظالم یہ نالی تری

غالب کا تصور محبوب سیاہی اور تاریکی سے کسب حسن کرتا ہے۔ غالب کو محبوب کی زلفیں اس لئے عزیز ہیں کہ وہ سیاہ رنگ کی ہیں۔ مڑھکان بھی سیاہ ہیں، آنکھ کی پتلی سیاہ ہے، سایہ بھی سیاہ ہے، چٹم دہالہ وار بھی اپنی سیاہی کی وجہ سے پسندیدہ ہے۔ اس لئے محبوب کے سراپے کی جو معمولی سی جھلک کلام غالب میں ملتی ہے اس میں تاریکی اپنا رنگ جمائے ہوئے ہے: -

چٹم خرویاں خاموشی میں بھی نوا پرداز ہے
سرد تو کبوتے کہ وہ شطرنج آواز ہے
خوشیوں میں تاشا ادا نکلتی ہے
نگاہ دل سے ترے سرد ما نکلتی ہے

غالب کا تصور محبوب روایت سے نہیں اپنی غارتی زندگی اور داخلی نفسی کوانت سے حاصل کرتے ہیں۔ اس سے ان کی اپنا کو صحت مند راستہ مل گیا۔
غالب روایتی تصورات حسن و عشق کا مخالف ہے۔ وہ حقیقی تصورات کو بھی اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک ذاتی تجربے کی مدد سے اس کے حسن و قبح کا جائزہ نہیں لے لیتا کہ وہ بنے پائے شعری تصورات کا مخالف ہے۔ غالب کی قوت مقاومت کا میدان وسیع ہے:

کیا کیا فخر نے سکھارے
اب کے رہنا کہے کوئی
بندگی میں بھی وہ آزاد و خود ہیں کہ ہم
انے پھر آئے وہ کعب اگر وا نہ ہوا
قلوہ اپنا بھی حقیقت میں ہے طوقاں حکیم
ہم کو منظور تک غرق نہ منصور نہیں
کیا وہ نمود کی خدائی تھی؟
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
تشیہ ام کہ ہے آتش سوسفت ابراہیم
یہ ہیں کہ ہے شر و شطرنجی قائم سوسفت
ترشائے گلشن، تھنائے چین
ہمارا آئینہ حواریں ہیں ہم؟

حیف کہ من بھول چم و ز تو خن رود کہ تو
الک بدیدہ ہنسوری آہ پہ سید نگری
دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے
نشر پہ اندازہ غبارِ ضعی ہے

ماحول سے مسلسل برسرِ پیکار وہ کر غالب نے اپنی "۱۳۱۶" کو یوں مستحکم کر لیا کہ آرزوں اور امنگوں کی سطح گرد و
چش کی میسر شدہ آسائشوں سے بہت بلند اور ارفع ہو گئی:

حضر اک بلندی پہ رود ہم بٹا سکے
عرش سے اوھر ہوا کاش کے مکمل اپنا
نہ بندھے عقلیہ شوق کے مضموں غالب
گرچہ دل کھول کے دوا کو بھی سائل ہندھا
مری ہستی فضاے حسرت آباد قننا ہے
تھے کہتے ہیں تالہ وہ اسی عالم کا مٹکا ہے
نہ ہو گا یک خطاں ماندگی سے لوق کم میرا
حبابِ سوجھ و رفتار ہے عقلِ قدم میرا
تا کہد گناہوں کی بھی حسرت کی لئے داد
یا رب اگر ان کہد گناہوں کی سزا ہے
آتا ہے دافعِ حسرت دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گز کا صلب اے خدا نہ مانگ
ہر چند سبک دست ہوئے بہت فتنی میں
ہم ہیں تو ابھی دوا میں ہیں سگ گراں اور
ہنگامہ زردی بہت ہے افسل
حاصل نہ کیجئے دہر سے صحبت ی کیوں نہ ہو
ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم لگے
بہت لگے مرے امان لیکن پھر بھی کم لگے
دویدہ دانہ و پایدہ و آشیں گاہ شد
دردِ انتظار کا دام چیدہ نم بکتر

کو حکیم را در عدم اوج قبولے بودہ است
شہرت شعرم بگفتی بعد من خواہد شدن
یا و ہوش قتلے دیدم ہنگر
چہ افک از سر مژگان چہکدم ہنگر

اپنے ماحول سے کٹاؤ، جنگ رہنے کی وجہ سے غالب کی زندگی مسلسل تکلیف، مسلسل اضطراب اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرواں رہی۔ اس سے ان کی انگو (Eggs) کے ثبت اور متلی دونوں پیلوئس کی آب یاری ہوتی رہی۔ کچھ رجحان سقیم ہیں اور کچھ صحت مند (4)

(4)

غالب ۱۸۳۶ء میں نکلتے تھے۔ ان کی ابتدائی دہائی زندگی معاشی آسودگی میں بسر ہوئی تھی۔ جاگیرداری نظام کی سیاحت کردہ کسانتیں اور سودا گروں کے وہ سارے چلے ہو جستانی اور ذہنی تسکین کے لئے فرد کو اس کے معاشرے سے ہم کنار کرنے کا باعث ہو سکتے ہیں غالب کو بھی میر تھے۔ پیش و پشت میں جوانی کو بسر کر کے غالب نے اپنے لئے امارت اور فارغ التحصیلی کا جو نمونہ تراش لیا تھا وہ انہیں مریخ ایک آسیب کی طرح پریشان کرتا رہا۔ نواب احمد علی خاں کی گوشہ نشینی (۱۸۳۶) اور خانگی معاملات کی پیچیدگی نے غالب کو زندگی کی چہ و چہدہ کے دورا ہے پر لا کھڑا کیا۔ ان میں بے روز اپنا حق طلب کرنے کا احساس بیدار ہوا اور اس فعال قوت نے ان کے ہاں ذہنی اور عملی دونوں لحاظ سے ایک طوفانی سرگرمی کا آغاز کر دیا۔ وہ چاہتی چاہا ہوئی کے لئے نکلتے روانہ ہوئے۔ اس سے قبل وہ جذباتی آشوب سے دوچار ہو چکے تھے۔ ایسے میں کلام میں بے چارگی، بے بسی اور بے چارگی کا اعتراف اور ناکامیوں پر آنسو بہانے کا طریق زیادہ جاذب ہے۔

فلت کدے میں میرے شب غم کا ہوش ہے
اک شمع ہے دلیل سحر سو غموش ہے
دارغ فریق صحبت شب کی بلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی غموش ہے

غم کی تپلی کو اس انداز میں قبولنے کے لحاظ بھی غالب پر اپنا اثر چھوڑ گئے۔ وہ بغین کے مقدمے میں ناکام ہوئے اور انہیں قرض کے ایک مقدمے میں خانہ نشینی پر مجبور ہونا پڑا۔ اسی طرح کا شدید دور آخری عمر میں بھی آیا تھا جب انہیں ۱۸۵۷ء کے بعد طرح طرح کے مالی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ قاضی یہاں کے فلسفے میں الجھا پڑا اور قرض داروں کے ہاتھوں سخت غراب کا سامنا ہوا۔

ان تین ادوار میں غالب کی شخصیت انہیں بے بسی اور بے چارگی کے مصداق میں مقید کر رہی ہے اور وہ اپنے

کلام میں گریہ و شیون کا سا انداز اختیار کرتے ہیں لیکن عام طور پر ان کی "نہا" انہیں مثبت انداز میں مقبولیت کا حوصلہ بخشتی ہے۔ اپنی ذات سے اس طرح کی نظرت کا احساس صرف وقتی ہے :

اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں بھی غور کروں
غیر کیا خود مجھے نظرت مری اوقات سے ہے
سہہ ہمیں ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے
جہاں میں ہر کوئی فحش و ظفر کا طالب سے

ایسے میں بعض اوقات غالب اپنے فم کو دوسرے کا فم قرار دے کر مسکین کا موقع ڈھونڈتے ہیں :

خوش باطن سے یاں تک مجھ کو غفلت ہے کہ وہ
شیون دل یک سرود غلغلو ہمسایہ ہے

لیکن بالعموم غالب کی قوت ملاحظہ حالات سے نکلنے اور دیر سہیا کر ہونے ہی میں صرت محسوس کرتی ہے۔
"عمر" زندگی سے مفاہمت کی بجائے مقابلے کی خواہش رکھتے ہیں۔ "عمل" حرکت اور حرارت انہیں زندگی کا حاصل معلوم ہوتی ہے۔ "حیات" میں حرکت و تہوج کے خواہاں ہیں :

رگوں میں "ڈنڈن" پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آگہائی سے نہ بچے تو پھر سو کیا ہے
گرد بار وہ ہے تلی ہوں
مر مر شوق ہے پانی میری
اپنا نہیں وہ شیون کہ آرام سے نہیں
اس دور پہ نہیں بار تو کیسے ہی کو ہوئے

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا غالب کی "نہا" جمہوری اعتبار سے انہیں عزیز و پاس کے سمندر میں غرق کر دیتی ہے یا وہ زندگی کی ہر جہت قدر کی نفی کرتے ہوئے زندگی کے بارے میں ایک معاندانہ رویہ رکھتے ہیں؟ غالب کی زندگی سیدھے خط سے عبارت نہیں، اس میں مد و ہنر ہیں۔ غالب اپنے اردو اور فارسی اشعار میں عقلی سطح کو جذباتی سطح پر ذہنیت دیتے ہیں اس لئے ان کے ہاں زندگی کو قہقل کی مد سے دیکھنے کا شعور پایا جاتا ہے۔ یہ ہوش مندی غالب کو باپوسی کی اقدار گمرانی میں گم نہیں ہونے دیتی۔ وہ زندگی اور اس کے مسائل کو ایک باشعور شخص کی طرح دیکھتے ہیں اس سے ان کے تجربات میں گمرانی اور ان کے نقطہ نظر میں ہوش و خرد کا رنگ زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن میری دانست میں عقل کی یہ کارگزاری کسی شمس فلسفیانہ نقطہ نظر کا نتیجہ نہیں۔ غالب بنیادی طور پر جذباتی شخص

ہیں۔ ان کی عقلی سطح و مراحل ان کی زندگی کی جذباتی انتہائی کی ایک منطقی صورت ہے۔ میرا قیاس یہ ہے کہ غالب زندگی کو جذبات کے راستے سے دیکھتے ہیں اور اس کی فلسفیانہ تعبیر اور تشریح بعد میں کرتے ہیں اس لئے ان کے ہاں جذبات کے اثر چھانڈ کے ساتھ عقلی فیصلے بھی مختلف ادوار میں مختلف طرح بیان ہوئے ہیں۔ آپ اسے ان کے فکر کا تسلسلہ سمجھیے یا ان کی متحرک زندگی کا سیلاب پا لادو! وہ کسی منطقی فیصلے کو زندگی کا آخری فیصلہ نہیں جانتے۔ جب حالات کے دباؤ سے ان کی انا کو صدمہ پہنچتا ہے تو وہ بھی زندگی کو کئی و قابل ماننے لگتے ہیں اور اپنے فہم کو کبھی غفلت کے دوسرے سے 'کبھی فراہ سے کبھی' تسلیم و رضا سے 'کبھی نفرت و حقارت یا طغی و طغرافت سے' قاری پر چما جاتے ہیں۔ وہ دراصل کیفیات (Moods) کے شاعر ہیں۔ ان کی جذباتی زندگی برائی کی ابتدائی غزلوں میں جذبات کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوئی اور ان کے ابتدائی بے وزان کلام میں زندگی کو قبول کر کے اس سے کام لینے کا جذبہ قوی نظر آتا ہے لیکن یہ حالت پھر تھیر سے دوچار ہو گئی۔ اپنی برائی کے ایک حصے میں انہیں حالات سے مقابلہ بھی کرنا پڑا۔ اب "ایسا" کو صدمہ پہنچا۔ اس زمانے کی غزلوں میں فہم کی گرفت زیادہ مضبوط ہے۔ یہ دور ان کی مانی حالت کی آخری کے علاوہ ان کی جذباتی آخری کا دور بھی ہے۔ کچھ مدت کے لیے "ایسا" غیر صحت مند راستے پر ذرا دور تک چل نکلی۔ اب انہیں دلی کا ہر باشندہ دشمن نظر آنے لگا۔ ٹھٹھکتے سے واپسی کے بعد ۱۸۸۵ء تک ان کی انا مریضانہ راستوں پر پارہ پارہ رہی :

"مرد عرض ایسے سال رسم و راہ امپیان دلی برگشتہ و نام مرد و فادہ ز یادن نمائندہ — گریں
 لایکس و صاحب دلاں در دزدایانے قبول غنیمت و سلسلک و سلسلہاں دوقی عرصہ وار و گھر گردیدہ" (53)
 "چہ گویم از بخت خود چہلد تھک مہوم و از بھوم آمدہ چہ مایہ غریبم — خطلے سر آزار من دارد و حالے
 خندہ خون من است۔" (61)

"حقاک مرد آئرم در نملو مہوم دلی نیست" (71)

"دلہویان حسد پیشہ چوں مرا تخلص صادق اللہائے مولوی والستند رنگ آں دھتختہ لہ در ہر دوڑے
 دو بار سے بار پر آئندہ گویے خود من آید و آنچہ خواہ از پیش خود ہزار شد و بیان نماید" (81)
 "منست خدا کے را کہ نامرادی و ناگاہی بر من آسمان است اما ہرے از خندہ عوام و ملاحت عوام
 آزار می کشد۔" (91)

"مطل بدون از ٹھٹھکتے چہ غضب است۔ وائے کہ دلی شائستگی آں عداد کہ آزار دہ در دے خاک نصیب
 توامد بود۔ خاص و عام ایں جھہ بے سبب آزار و مہود دن ایں تھہ یوم مہوم خوار" بقا طر دارد کہ چوں ایں
 داور کی بیایان رسد چہ بیانہ ازیں شرمیرہ اکیم و ٹھٹھکتے را در یابم" (101)۔

"تا کجا ٹھٹھکت و دزم و خود را ہیچ شادمان وارم از در و دہار شادمان آہل طای بارہ" (111)۔

یہ خط ۱۸۸۹ء سے لے کر ۱۸۹۵ء کے درمیان مختلف اوقات میں لکھے گئے۔ اس دور میں غم کے مقدسے کا فیصلہ غالب کے خلاف ہوا 'قرض کے مقدسے میں گوشہ نشین ہوئے' ولیم فریڈر کا قتل ہوا اور غالب ایک غم سے محروم ہو گئے۔ غالب کے حالات میں سارے دلی والے لوٹ نہ تھے۔ ان کی نزگیت مریضانہ راستے پر مصروف سفر ہو

پہلی تھی لیکن اٹانے انہیں پھر سخی و کوشش کے راستے پر ڈال دیا اور ۱۸۵۵ء تک وہ اس مریضانہ صورت حال سے بچ سکے۔ یہی زمانہ ان کی فارسی شاعری اور تثر لکھی کے عروج کا ہے۔ اس دور میں غالب نے فارسی شاعری پر زیادہ توجہ کی اور یہ کلام ان کی شخصیت کو زیادہ مربوط اور ان کی جذباتی زندگی کو زیادہ استوار کر کے پیش کرتا ہے۔ غالب پھر صحت مند سے روشناس ہو گئے۔ اس مستحکم اور پر وقار جذباتی زندگی میں آخری طوفان ۱۸۵۵ء کی جنگ آزادی نے پیدا کیا۔

غالب کی نجی زندگی بھی کچھ زیادہ کامیاب معلوم نہیں ہوتی۔ بے اولادی کا احساس انہیں شدت سے رہا اور آخر عمر میں اس کا احساس زیادہ شدید ہو گیا تھا۔ لگھتے سے داہنی تک وہ اولاد کی طرف سے باپس ہو چکے تھے۔ اپنی اٹا کے استحکام سے وہ ان ذاتی محرومیوں کا مقابلہ ٹھہرے و مزاجیہ پیرائے سے کرتے رہے۔ ان کی شوقی اور شرع پرانی شعری سہارے کا تارود حصہ ہے۔ آرزو کی شدت، جد و جہد کی کثرت، مقاصد کی بلند آہنگی، غالب ان دسائل سے اپنی توانائی کو بحال کیے ہوئے تھے :

حریف مطلب مشکل نہیں نسوان نیاز
دعا قبول ہو یا رہ کہ عمر غنم دراز

۱۸۵۷ء میں ان پر گزرنے والے صدمات نے اٹا کو ایک بار پھر ستیم راستوں پر ڈال دیا۔ یہاں قاطع کے سلسلے میں غالب کی جوانی کا درد انہیں صحت مند انسان کے مزاج کو پیش نہیں کر رہی۔ اعصاب کی کمزوری کے ساتھ شخصیت کا تارود پور بھی بکھرا شروع ہو گیا۔ اس زمانے میں قرض خواہوں کے ہاتھوں بھی غالب پریشانی میں گرفتار رہے۔ قربان علی بیگ ساک کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

”یہاں خدا سے بھی قرض باقی نہیں، مخلوق کا کیا ذکر؟ کچھ بن نہیں آئی۔ تم اپنا ناشائی بن گیا ہوں۔ رنج و دلت سے خوش ہو گیا ہوں“ یعنی میں نے اپنے کو غیر تصور کیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچتا ہے کتا ہوں لو غالب کے ایک اور ہوتی گئی۔ بہت اترتا تھا کہ میں پیدا ہوا ہوں فارسی دان ہوں۔ آج دور دور تک میرا جواب نہیں۔ لے اب قرض داروں کو جواب دے۔ بچ تو یوں ہے غالب کیا مرا پیدا طہ مرا“ پیدا کافر مرا۔ ہم نے از راہ تقسیم جیسا بادشاہوں کو بعد ان کے ”جنت آرام گاہ“ ”عرش نشین“ خطاب دیتے ہیں“ چونکہ یہ اپنے آپ کو شاہ قہر و خنی چاہتا تھا ”ستر مقر“ اور ”پادشہ زاویہ“ خطاب تجویز کر رکھا ہے۔ کیسے نظم اللہ اللہ ہمارے ایک قرض دار کا گرجان میں ہاتھ“ ایک قرض دار بھوک خا رہا ہے۔ میں ان سے پوچھ رہا ہوں۔ اسی حضرت نواب صاحب۔ نواب صاحب کیسے“ اور نگران صاحب۔ آپ سلیق اور افراسیابی ہیں۔ یہ کیا ہے حتمی ہو رہی ہے؟ کچھ تو اسکو کچھ تو بولو۔ بولے کیا ہے حیا“ بے غیرت کو خنی سے شراب“ مگر مٹی سے گلاب“ بزاز سے کپڑا“ میرا فروش سے آم“ صرف سے دام قرض لیے بابا تھا۔ یہ بھی سوچا ہوتا کہاں سے دن کا (۱۲)۔“

ضمیں۔ اس کی شعری فضا وہی معاشرتی زندگی ہے جو ذوق اور شاہ نصیر کی زندگی تھی۔ پس اتنا ہے کہ غالب نے عقلی رجحانات کی آہستہ سے اپنی شاعری کا جن ضمیں سجایا۔ اس نے ذاتی تجربے کی اہمیت کو شدت سے محسوس کیا اور اپنے عقیدے پر عمل پیرا ہو کر اردو لوہ کو زندہ اور پائیدار طرز احساس عطا کیا۔ یہ طرز احساس آج بھی اردو شاعری کے لیے سرِ پایہ افکار ہے۔



حواشی

- ۱۔ اردو کے سنی 'غالب' نثری زندگی ۱۹۳۲ء صدر اول مطبعہ آغا جلال ہزاری 'غالب اور عقلی شاعری' دہلی کا تاریخی نثریہ "از چنگز ہو اشراف"۔
 - ۲۔ انفرادی طور پر تاریخی دہم بار کی علامت بھی ہے۔ عقل اور کمال کے تضادات بھی غالب کے ہاں زندگی اور زندگی کے اس خلق کا اظہار ہے۔
- فکار عقلی طرقت سے عقلی ضم
 مہا نے مجھے کے ہر دم میں جا لگی ہے
 چہ تیرا شک ہاں دیکھ کر ہے ہر کج خلق
 از سر نو زندگی ہو نام کر ہوا ہو جاسکے
- ۳۔ اس تاریخی کا رنگ غالب کی انفرادی جھپٹ (Pursuit) سے بھی ہے۔ کیا غالب کے ہاں یہ علامت محبوب کی دلف سے بھر مچھلی دیکھیں کا نتیجہ ہے؟
 - ۴۔ نثری ہی کی ایک جامع صورت سے نکل کر نتیجہ ہے؟ "محبوب کی جہاد رنگت سے؟" اس کے بارے میں طبیعت سے اس وقت تک کہ کہہ سکیں نہیں، جب تک غالب کی زندگی کے بارے میں کہہ کر یہ صورت حاصل نہ ہو جائیں۔ دہم بار "فنون" تاریخی کا باقی عقلی میں صورت حال کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔
 - ۵۔ حقیقت کے لیے دیکھیں غزل غالب "جنگ ہزاری" غالب کا قصہ حسن و خلق "مہر ابو جانی میں ۱۹۷۱ء کا ادب۔
 - ۶۔ اس نکتے کی مزید تحقیق کے لیے غلط ہو اس لیے کہ جنگ ہزاری "غالب اور انیسویں صیر" دو مجلد "غالب نثر حصہ دوم"۔
 - ۷۔ مکتوب عام مولوی سراج الدینی "آئینہ گریہ ۲۸ نومبر ۱۹۷۹ء حفرات غالب" میں۔
 - ۸۔ مکتوب عام مولوی سراج الدینی "حفرات غالب" میں۔
 - ۹۔ "اینا" میں۔
 - ۱۰۔ "اینا" میں۔
 - ۱۱۔ مکتوب عام مولوی سراج الدینی "اینا" میں۔
 - ۱۲۔ مکتوب عام مولوی سراج الدینی "اینا" میں۔

مکتبہ لال کپور

غالب کے اڑپس گے پرزے

بارہ ہشت میں مرزا غالب اپنے محل میں ایک ہر حلقہ مند پر جیسے وہ ان غالب کی درق گردانی کر رہے ہیں۔ اچانک باہر سے فحواں کی آواز آتی ہے۔ غالب کہہ اڑپس گے پرزے۔ غالب کہہ اڑپس گے پرزے مرزا گھبرا کر داخل ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں "یہ لوگ جنت میں بھی جہنم میں لینے دیں گے۔ پھر نہ نکال کو غم دیتے ہیں" باہر جا کر پتہ لگاؤ یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں وہ خبر لانا ہے کہ "غالب بھگتوں نے ایک جلوس نکالا ہے۔ جس کی رہنمائی یاس بکاتہ اور علیا علیا کر رہے ہیں اور یہ جلوس شہنشاہ سراج الدین ابو ظفر کے محل کی جانب رخ رہا ہے" اسنے میں وہ ان غالب کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں پرزے فضا میں اڑتے ہیں مرزا کے محل میں گرتے ہیں وہ ان کو اٹھاتے ہیں اور یہ دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں کہ ان پر ان کے اشعار کے علاوہ کچھ اور بھی لکھا ہے۔

کہتے ہو جواب داکہ جتو کیا ہے۔ خوب محبوب نہ ہوا مرنی ہوئی جو داکہ کو کہہ دی ہے۔ کہتے "اللفظ یہاں کتنا غیر مناسب ہے (معاذ اللہ) بوجہ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھانے نہ جیتا۔ وہ صاحب خدا کا شکر کیجئے کہ بوجہ سر سے گر پڑا ہے۔ اب اسے پھر اٹھا کر گردن کڑوانے کا ارادہ ہے کیا۔ پھر مجھے دیدہ زیاد آیا۔۔۔۔۔ اتنی صاحب! کس کا دیدہ تر؟ اپنا؟۔۔۔۔۔ رقیب کا؟۔۔۔۔۔ محبوب کا؟۔۔۔۔۔ سب اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا۔۔۔۔۔ یک نہ شدہ شدہ بھی کس کا سر یاد آیا۔۔۔۔۔ مجھوں کا؟ اپنا؟ یا شیخ ابراہیم ذوق کا؟ "دونوں جہاں دے کے وہ کہجے یہ خوش رہا۔۔۔۔۔ کس کو دونوں جہاں دے کے کون خوش رہا؟ یہ مسد ہے یا مصرع! شیخ بھگتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے۔۔۔۔۔ یہ بھی خوب دی بھگت شیخ دی ہے اور دھواں "میں" سے اٹھ رہا ہے (مجاز کھٹوٹی) ان کے باطن ہوتے محتاج تھا میرے بعد۔۔۔۔۔ کیوں صاحب اگر عہد محتاج میرے بعد تھ دیتے تو کیا حرج تھا۔ یہ مسائل تصوف یہ ترایمان غالب۔۔۔۔۔ خدا گفتی کئے اس غزل میں آپ نے تصوف کی کوئی دھڑیان کی ہے اور پھر آپ کو کیسے دلی کچھ لیں۔ کیا میری کش میں تصوف سمجھا گیا ہے یا مر کر دسا ہونے میں؟ کتنے شیریں ہیں میرے لب کہ رقیب۔ گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا۔۔۔۔۔ وہ رقیب ہی کیا۔ جس کے مقدر میں محبوب کی گالیاں ہوں۔ پھر آپ اور رقیب میں فرق ہی کیا رہا۔ میں اور اندیشہ ہائے دور دراز۔۔۔۔۔ یہ بھی بتا دیا ہوتا وہ اندیشہ ہائے دور دراز کیا ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنی نظمیں سنوارنے میں مصروف ہیں اور آپ انہیں نظر پھر کر دیکھ رہے ہیں آئینے میں سنی "ملا ترا اگر نہیں آسماں تو سل ہے"۔۔۔۔۔ یہ بات کیا تھی۔ اگر آسماں نہیں تو سل کیسے ہے؟ اپنے جی میں ہم نے فحواں اور ہے کیا فحواں ہے؟ کیا امراؤ حکم کو طلاق دینے کا ارادہ ہے؟ یا حکم پوش دوستی کا انکار کرنا چاہتے ہیں؟ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی۔ ظاہر ہے کہ شراب خوردی کی وجہ سے آپ کا اعصابی نظام

کنوڑ پڑ گیا ہے۔ نیند کیسے آئے؟ موت آئی ہے پر نہیں آئی۔۔۔ جب آئی ہے تو اسے روک کیوں نہیں لیجے؟ گھٹتے رہے جنوں کی شکایات فریادیں "ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے"۔۔۔ ہاتھ قلم ہو جانے کے بعد کیا پیر سے کہتے رہے (علیہ السلام) "بھنا رہا" اگرچہ اشارے ہو اسلئے "کون کس کو اشارے کرتا رہا؟ آپ؟ رقیب؟ یا محبوب؟

غالب ان مستان خانہ تبعوں کو پڑھ کر زہر لب مسکراتے ہیں "اب وہ چند اور پڑے ملاحظہ فرماتے ہیں" "غالب کے نزدیک شاعری ذہنی حیاتی کا بدل ہے انہوں نے جو کچھ لکھا اپنے لئے اور اپنے ہمارے میں کھل کر عمر بھر وہ غم عشق کا درد دوتے رہے۔ کاش انہیں معلوم ہوتا۔۔۔ "اور بھی قلم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔"

غالب نے ہی بھر کر عشق کیا۔ عموماً "خیالی مجیروں سے جس قدم سے لی" ہر شب پیچھے رہے۔ عموماً "قرض کی۔ پھر بھی انہیں شکایت رہی کہ ان کے ارمان بہت کم اٹکے اللہ اللہ کہتے ہے میرا اور تا شکرے تھے وہ"

غالب اس پڑے کو پڑھ کر خوب ہنستے ہیں اور اب ایک بہت بڑا پڑہ اٹھاتے ہیں۔

"وہ جسے ہم انگریزی میں سٹریم آف کنسنس (STREAM OF CONSCIOUSNESS) کہتے ہیں۔ مرزا

کی تمام غزلوں میں دوں دوں ہے مثال کے طور پر ان کی مشہور غزل لکھتے۔ جس کا مطلع ہے:

کوئی امید پر نہیں آئی

کوئی صورت نظر نہیں آئی

ظاہر ہے۔ ایام خود میں وہ چاندنی چوک سے گزر رہے ہیں اور انہیں محسوس ہوتا ہے کہ مظاہر سلطنت کے زوال کے بعد ان کی کسی امید کے بر آنے کا امکان نہیں۔ چاندنی چوک میں حنا ہے کہ کہیں کوئی اچھی صورت نظر نہیں آ رہی۔ یک لخت ان کا خیال گودوں کے ہاتھوں ہندوستانوں کی پکڑ دھکڑ کی طرف لے جاتا ہے "اور وہ پرہیز ہیں۔ جب مرزا برحق ہے تو پھر گودوں کے ڈر سے "نیند کیوں رات بھر نہیں آتی" گودوں سے ان کا تخیل اپنے شاکر و رشید مولانا الطاف حسین حالی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور وہ حالی کو دل ہی دل میں جھڑک کر کہتے ہیں۔ "جانا ہوں تو اب طامت و زہد۔ پر طبیعت ادھر نہیں آتی" پھر وہ سوچتے ہیں یہ حالی بہت بڑا دور ہے لیکن امراؤ بیگم نے مدت سے جان مذاہب میں داخل رکھی ہے کہیں نہ اسے ایک دن کھری کھری سنائی جائیں۔ پھر ڈرتے ہیں کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں "اس لئے فرماتے ہیں "بے کچھ ایسی ہی بات ہو چپ ہوں ورنہ کیا بات کہ نہیں آتی" چونکہ وہ نئے میں ہیں اس لئے انہیں مطلقاً "علم نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہیں اپنی مسکندہ خیر حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں "ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی" "معا" انہیں یاد آتا ہے کہ غفر نے انہیں جج پر ساتھ لے چلنے کی پیش کش کی تھی لیکن وہ دیر شاہد باز ہیں اس لئے ان کا جج قبول نہیں ہو گا۔ کف انہوں نے لئے ہوئے فرماتے ہیں:

کعب کس منہ سے جاؤ گے غالب

شرم تم کو گھر نہیں آتی

اپنی غزل کی یہ تاویل پڑھ کر مرزا ایک ٹھک ٹھاک قہقہہ لگاتے ہیں۔ لیکن اس سے الگا پڑہا پڑہا کر ان کی ہنسی مجیدگی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ غالب شاعر نہیں افسانہ نگار تھے انہیں مختصر ترین افسانے لکھنے میں مکمل حاصل تھا

ان کے کچھ افسانے تو اپنے اختصار اور اپنی افسانیت کے باعث شاہکار کہے جاسکتے ہیں مثلاً
کمالی بیٹانے کا دردانہ غالب اور کمالی واسطہ
پر اٹکا جاسکتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

(نوٹ) اس افسانے کا مرکزی خیال یہ ہے کہ غلامی ہندو پنج ابراہیم ذوق جن کے نپدی دہلی میں دھوم ہے کل
چوڑی مچے شراب پیتے پکڑے گئے ایک اور افسانے میں اسیوں نے پاسپل کے ہاتھوں اپنے پٹ جانے کے واقعہ کو یوں
بیان کیا ہے:

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شہامت آئی
انھا اور انھ کے قدم میں نے پاسپل کے لئے
اور مصدوج ذوق افسانہ تو ایک اچھے خاصے نفسیاتی ناول کا موضوع بن سکتا ہے:
کی مرے کل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس لود چیل کا چیل ہو:

اس سے اٹھا پرلہ اچھی سرچنے پر مجبور کھتا ہے ہندوستان کی ایسی کتابیں وہ ہیں "ایک وہ مقدس" دوسرا
دوران غالب مرزا غالب نے اپنے بحزن اشعار میں وہ مکتوب کی مست عمدہ تفسیر کی ہے۔ دگ وہ میں ایک منتر آتا
ہے جس کا مضمون ہے۔ انسان ہو۔

بکے دشوار ہے ہر کام کا تسلی ہو
آزی کو بھی میر نہیں انساں ہو
مگر وہ میں کہا گیا ہے "خدا کی ذات کے سوا تمام چیزیں نیچے اور معدوم ہیں مرزا اس نکتے کو یوں بیان کرتے ہیں:
بب کہ تھو ہی نہیں کوئی موجود
ہر یہ ہنگامہ اسے خدا کیا ہے
افروید کے ایک منتر میں تحقیق کی گئی ہے کہ یہ دنیا مایا ہے غالب نے اس خیال کا اظہار اس طرح کیا ہے
ہستی کے مست فریب میں آ جانے اسد
عالم تمام حلقہ داس خیال ہے

مرزا اپنا سر پکڑ کر رہ جاتے ہیں۔ وہ ایک منٹ کے سکوت کے بعد کہتے ہیں توبہ توبہ "غالب اور دیدوں کا منتر
سفید بھوٹ کی اس سے بڑی مثال مشکل سے ملے گی۔ یا خدا میں نے کیا کیا خواہ مخواہ بھیش کے آگے بین بھائی۔ یہ
پر اسے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرا دوران ایک گورو کہ دھنوا ہے۔ اسے بھی میاں مندی صہین بھوج
شیلتہ "ہر گہاں تھتہ" لدا اور مرآ اور اپنی آنکھوں سے دیکھو میرے دوران "کی کیا گت بائی جاری ہے
یک لخت درد اسے پر دنگ ہوتی ہے اور اندر آنے کی اجازت ملنے پر غشی ہر گہاں تھتہ داخل ہوتے ہیں۔

"آداب عرض ہو مرشد مبارک ہو مست مست مبارک"

مشتی برکھال قند! دیکھ نہیں رہے ہو کہ میرے ہر ذرے اڑائے گئے ہیں اور تم مبارکباد پیش کر رہے ہو۔ گویا میرے زخموں پر تلک چھڑک رہے ہو۔

”یہ مرشد! میں جانتا ہوں جن مستشرق باقموں نے آپ کے ہر ذرے اڑائے۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کا کیا مشرہو!“

”مشر کیا ہوتا تھا۔ سنا ہے وہ ششہ ظفر کے محل میں پیچھے۔ اور انہیں طعنہ دیا کہ انہوں نے مجھ ایسے لھوؤں کو کہیں نہ لگا رکھا تھا۔“

گستاخی صاف مرزا صاحب۔ آپ نے لٹا سنا جلوس کو ششہ کے محل تک پہنچنے ہی نہیں دیا کیل فرشتوں کی ایک خاص گارڈ نے اسے حراست میں لے لیا۔“

”حراست میں لے لیا، پھر اسے کہاں لے گئے؟“

”اور محض کی عدالت میں۔“

”پھر؟“

”باری تعالیٰ نے جلوس کے رہنماؤں کو سخت قرین مرزفٹ کرنے کے بعد فرمایا۔ وجہ بیان کر کہ غالب شہنشاہ کے جرم میں ابھی ابھی کہیں نہ تمہارے ہر ذرے اڑا دیے جائیں۔“

”تو ابھی کچھ کہا؟“

”ہاں انہوں نے مزید فرمایا، غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر جو عالم فانی میں منائی جا رہی ہے، ہم حکم دیتے ہیں کہ دارالبقا میں ”دیوان غالب“ کو سونے کے حروف میں شائع کیا جائے۔ اور ہماری ذاتی لائبریری میں اسے وہی مقام دیا جائے جو کلیات شکیبہ، کلیات کالی داس اور کلیات ڈانٹے کو حاصل ہے۔“

”غافل کون و مکان! تمہارا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔“

غالب جودے میں گر جاتے ہیں اور جب اٹھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ —

دیوان غالب کے ہر ذرے نے خوبصورت اور لائق کی صورت اختیار کر لی ہے جن پر ان کی غزلیں سونے کے حروف میں لکھی گئی ہیں۔



غالب کا بستر

ارشاد میر

میں نے اپنے لئے غالب کا بستر جیسا موضوع منتخب کیا ہے "جو بظاہر پیش پا دلہ ہے لیکن نہایت مخفی انگیز ہے۔ جس پر آج تک کسی غالب شناس کی شاید نظری نہیں مگنی یا شاید اپنی حدود بسلامت کے حدود میں مروجہ رہیں گے کرنے کے بعد بھی یہ معلوم نہ کر سکتے ہوں کہ غالب کے بستر کا حدود یا طول و عرض کیا تھا۔ بڑی چھان بین کی بہت سرکھپایا۔ غالب کی مشہور دو گرافیاں پڑھیں۔ ان میں غالب کے چنگ کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔ مگر اتنا ظلم نہ ہو سکا کہ مرحوم کس قسم کی رضائی اوڑھتے تھے۔ اپنی بازو مزاحی اور خلاصہ صبح کے پیش نظر غسل و کڑاب کی "ریشم و اطلس کی" یا دلی دلوں کی وہ بکلی پتنگی رضائیاں بنیں گدھوں پر ڈال کر سیر کے شوقین ہواگ دلی اعلان کرتے پھرتے تھے کہ آج دلی میں اتنی رضائیاں کی سڑی پڑی ہے۔ پھر یہ مسئلہ بھی جنوز متنازعہ یہ ہے کہ آیا فہریت اور کس پہری کے دور میں غالب نے کبھی کھدر کے لحاف بھی ڈھائے تھے۔ کبھی ایک استعمال کرتے تھے یا دو تھیں اور کیا کبھی کبھی سر کے علاوہ دائیں یا بائیں پہلوؤں میں بھی رکھتے کے شوقین تھے۔ پر رضائی اور نکلنے میں روٹی عام کپاس کی ہوتی تھی یا سنٹیل و ریشم کی۔ اسی طرح مرحوم سفید کھس استعمال کرتے تھے یا رنگدار چار خانہ بچھاتے تھے۔ یہ وہ اہم سوالات ہیں جن پر یا تو غالب کے خاندان کا کوئی ایسا فرد روشنی ڈالے جس کے پاس روایت سید بہ سید چلی آئی ہو۔ یا کوئی زب و داستان کے لئے غالب کا قریبی رشتہ دار ہی کر روایت گزریا۔ اگر یہ ممکن نہیں تھا تو غالب مرحوم کو سودا کے قہدان برادر فخر کی طرح نہ سہی۔ علامہ اقبال کے فی ملازم علی بخش ایسا خفیہ خدمت گزار میر آجاتا جو اندرون خانہ کے روزمرہ کے حالات پر گماشتہ سرچ لائٹ ڈال جاتا یا کم از کم ان کی شب بھری کی داستانیں ہی پنٹارے لے لے کر سنا جاتا یا کوئی مرزا حسین کے ملازم رضائی کی طرح ہوتا جن کی اکثر بات چیت شعروں میں ہی ہوتی تھی۔ مرزا حسین اگر کبھیوں سے شک اگر کہتے "رضائی نکسل ی آئند" تو رضائی فرما "دو مرا معربہ لگاتا" "تاکساں پیش کساں ی آئند" اگر جلم بھرائی ہوتی تو کہتے "یک انکرے چار دیندہ اچکم ما"۔ یہ دوسری بات ہے کہ جواب میں کہیں سے آواز آئی "لیکن یہ شرط آنک نہ سوزد ہمیں ما"۔ تاکہ آج قہرودان غالب اور لوب نواز طبقہ عشق و رنج میں جکلا نہ ہوتے۔ بخدا آج تو مولانا محمد حسین آزاد اور حضرت حالی پر بھی وہ کر طیش آتا ہے کہ اگر یہ بلند مرتبت تذکرہ نویس لگے ہاتھوں غالب کے تاریخی بستر پر بھی طبع آزمائی کر جاتے جبکہ انہیں ٹائم دیک گواہوں کی حیثیت سے بخوبی ظلم تھا کہ ان کی شاعری اور بستر کا چلی دامن کا ساتھ تھا۔ تو غالب کی زندگی کا یہ پہلو بھی اچاگر ہو جاتا لیکن محمد حسین آزاد کا ہم تو میں نے یوں ہی طیش میں ہے کھو ہو کر لے لیا روزہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ آزاد کو ذوق کی چھٹکوں کی وجہ سے تمام حق شاکردی غالب کو ہے بستر یعنی کھوڑے چنگ پر سونے کے علوی ہونے پر غم کرنا تھا۔ چاہے اب حیات میں

سختی ہی مٹتی آئے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ غالب کے اس شاگرد رشید علی نے کچھ نہ لکھا۔ جبکہ ممکن ہے کہ جناب ملال غالب کی غیر ماضی میں نظر پڑا کر بھی اس بستر استراحت بھی قریب تھے ہوں۔

شاعری ہی نہیں بلکہ غالب کی وہ سری اہلی کارستانوں کا وافر حصہ بھی بستر کامرواں منت ہے۔ سرسید نے لے دے کر غالب کو بچا کا مشکوک قسم کا خطاب دے کر خاموشی اختیار کر لی۔ غالب تو کج بھی بچا ہیں جبکہ ننانو قیامت کی چال چل کر ادب میں کئی "بابے" جنم دے چکا ہے۔ علی نے یادگار غالب کھنسی مگر استاد کا بستر گول کر رکھا۔ ان سے غالب کے بستر والا تباہک پہلو رہ جاتا اردو ادب کا ایک عظیم المیہ ہے جس کی عظمیٰ ناعلم ہے۔ حالی کو صرف ایک ہی واقعہ یاد ہے کہ ایک دفعہ مرزا چنگ پر دروازہ تھے۔ میر صمدی مجموعہ اگر ان کے پاؤں دابہ لگے۔ مرزا نے کہا "سید زاوے ہو پاؤں دیا کر گشتکار نہ کرو"۔ میر صاحب نے کہا "پاؤں دہانے کی اجرت دے دیجئے گا"۔ مرزا اس پر راضی ہو گئے جب میر صاحب پاؤں دبا چکے تو اجرت کا مقابلہ کیا۔ مرزا صاحب نے کہا "آپ نے میرے پاؤں دابہ میں نے آپ کے دام دابہ حساب برابر ہو گیا" اس غور سوچ پر بھی حالی بڑے آرام سے غالب کے بستر پر دوشنی ڈال سکتے تھے جب وہ اس حد تک آشکاف کر دیتے ہیں کہ مرزا رات کو چنگ پر لیٹ کر اشعار لکھا کرتے تھے اور فی شعر ازار بند کو ایک کاغذ دیتے جاتے تھے۔ صبح کانٹوں سے اشعار کی قدلو معلوم ہو جاتی تھی ازار بند کی کانٹوں تک پہنچ جاتا باہمی اعتماد کی انتہائی اور ذاتی مطلوبات کی آخری منزل ہے تو پھر اتنی زحمت کو ادا کر لینے میں کیا مضائقہ تھا کہ حضرت غالب فزل بستر پر اوندھے منہ یا سیدھے لیٹ کر لکھتے تھے قافیاں تھیں شاید ان تذکرہ نویسوں کی نظر میں اب میات میں نقل شدہ یہ لطیفہ ہو گا کہ جب ایک استاد کے لئے کہا گیا کہ وہ صرف گاؤں پر لیٹ کر شعر کہتے ہیں تو کہنے والے نے بچتی کسی کو یہ تو شعر کہنا نہیں شعر جتنا ہوا۔ بحر مال اور کچھ نہیں تو کم از کم یہ بتا دیجئے کہ غالب قصیدہ مرصع یا سرا لکھتے وقت کلیہ آنکھوں پر رکھتے تھے یا کونٹیں بدل بدل کر اضطرابی کیفیت پیدا کر کے لکھتا پڑتا تھا۔ پھر شاگردوں کے کلام میں اصلاح دیتے وقت ان کی طبیعت کس انداز میں سوزوں ہوتی تھی یہی نہیں کیا دیا دایمہ سے بے خبر ہو کر غالب پر بھی ایسی کیفیت بھی طاری ہوتی کہ شعر لکھتے وقت بستر سے بے اختیار فرش پر آگئے ہیں۔ گرمیوں میں بستر پر بھر دانی لگانے کے شوقین تھے یا بھجروں سے سمجھوتہ کر کے ان سے دست چھڑ رکھتے تھے یا چادروں خانے چٹ ہو کر ان کی جھنجھٹ سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ بھر دانی کا پیرا کس طرز کا تھا۔ کیا وہ دھماکا کی مثل تھی جو اسیں تھقہ میں ملی تھی یا ٹکٹے سے خود لائے تھے جہاں کی یاد کو بستر پر کرپنے میں بیش پوسٹ رکھتے تھے چونکہ حالی سے غالب کے بستر پر (دیر و دانست یا کسی صفت کے پیش نظر جس کو بوجہ شاگرد خاص ہونے کے صرف وہی جان سکتے ہیں قلم فرمائی میں اس قدر کو تاہ قلمی ہوئی ہے کہ اس معمولی سی فرد گذشت سے اب ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی حارہ نہیں ہے کہ غالب کے کلام بلاغت نظام سے اشعار جن کر ان کے بستر کا مانا جانا جا سکتے۔ شاید اس طرح اس بستر کی نری یا گرمی ہمارے قارئین بھی محسوس کر سکیں۔ دیوان غالب سے یہ حقیقت تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ غالب کو ایک عاشق صادق کی طرح اپنے محبوب سے وابستہ عشق ہے۔ عاشق روایتی عشق کی طرح کی کھڑا ہے لیکن غالب بھی کبھی گولیاں نہ کھیلے تھے۔ قلم مر پروری دلچسپی سے تندی سے محبوب کو موم کرنے کے لئے مختلف اقسام کے پاپڑ

بیٹے رہے۔ جن میں سے ایک صدوی نسو اس کے کچھ کا طواف تھا۔ جہاں خوش قسمتی سے کافی تک واد کے بعد ایک سری سوتج پر حضرت غالب کی ملاقات اپنے محبوب سے ہو جاتی ہے۔ حضرت غالب اس سوتج سے فائدہ اٹھا کر محبوب کے مکان کے باہر اپنا ہنر بچانے کی براہ راست محبوب سے ہی اجازت طلب کرتے ہیں کیونکہ اس وقت پاساں شاید حق پہنچے یا کسی دوسرے ہنوارہ عاشق کو گلی سے باہر ٹکائے کے لئے کیا ہوا ہے جسے محبوب بخوشی قبول کر لیتا ہے لیکن ابھی غالب چنگیاں بچا کر ہنر بچا کر فنی خوشی لینے کی چاریاں کرنے لگتے ہیں کہ محبوب اپنا اصلی دوا لیتا ہے اور فوراً اجازت واپس لے لیتا ہے جس کا ان پر فوری رد عمل ہوا رنگ زرد پڑ گیا قدم لڑکھڑائے گئے۔ کیونکہ کناروں کے کناروں پر پاکی میں بیٹھے والے غالب آخر اپنی آقا کو مٹی میں لٹا کر ہنر سر پر رکھے کہچہ محبوب میں پہنچے تھے جہاں ان کا یہ مہرت ناک مضر ہوا۔ لیکن اس کہچہ سے بے اہم ہو کر نکلنے وقت بھی غم لٹا کرنے کے لئے اب ہی آپ بیڑا تے رہے۔

دو پہ رہنے کو کیا اور کہہ کے کیا پھر گیا
جتنے عرصہ میں مرا لینا ہوا ہنر کھلا

یہ دو ٹون سے تو نہیں کہا جاسکتا البتہ قیاس یہی ہے کہ ہنر معمولی درجے کا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک تھیں ایک رضائی اور نیچے پر مشتمل ہے جسے غالب نے محبوب کے حکم پر جلد از جلد کھولا یا کم از کم محبوب کے دواؤں سے پر بچانے والا ہنر نہایت ہی مختصر سنی حکم کا ہوگا جیسا لوگوں نے شاید حسرت موہانی کو بغل میں دبائے ہوئے ضرور دیکھا ہوگا۔ لیکن آگے جھپکتے ہی آواز دہلی ہوئے پر ہر فنی ہنر پسند کر بے نیل مرام دہلی ٹوٹے گئے تو ہمارے محبوب نے وحاشاں ہنر صافی کہ مکان کی دواؤں سے دوسرے ہنریوں سے مشتکہ ہے جن سے اجازت یعنی ضروری تھی مزید براں صدوی جہاں پر ہے جس میں دواؤں سے لینے سے "غالب خند" کو ذلیل فرموی ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے فی الحال تشریف لے جائیں محبوب بہ نفس نفیس ان کے گھر پہنچ جائے گا اس ان ہوئی خوش شمس پر غالب کی باہمی کھل گئیں اور وہ شادیں و فرحیں گھروں سے اور گئے انتظار کرنے ہمسایوں نے پوچھا چلا یہ آپ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں کیا بھائی محبوب نے وعدہ کیا تھا وہ تو خیر کیا آئے گا البتہ حامد کا انتظار ہے کہ وہ کم از کم یہی پیغام لے آئے کہ "آج آتے نہیں ہم آج ہم کو کام ہے" (حضرت کا مصرعہ ہے) اس لئے ہم "بہی قضا کو بھی تامل نہ کر دیکھتے ہیں" آخر نگ آکر کہنے لگے۔

وعدہ آنے کا دوا کیجئے یہ کیا انداز ہے
تم نے کیوں سونی ہے میرے گھر کی دہائی مجھے

لیکن آخر محبوب بات کا پکا لٹکا اور شام کو جب وضع وار محبوب نے اپنا وعدہ پورا کیا یعنی آیا تو غالب کو مشکل سے یقین آیا کہ آیا واقعی وہ خود آیا ہے اور کیا واقعی یہ میرا گھر ہے یا میں محبوب کے دواؤں پر پڑا ہوں۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
بہی ہم ان کو بھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

اور جب محبوب بچی چڑی باتیں بنا کر اور ٹھیک دکھا کر پتا بنا۔ تو رات بستر پر دواز ہو کر محبوب کی یاد میں پسے
بوسیدہ چھت کی کڑیاں اور پھر انتظار کی کئی گھڑیاں گئیں۔ سینکڑوں کوٹھیں لپٹے رہے

جو جمل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو ہوتے ہیں

جس پر غالب نے فی البدیہہ کبھی مدغم لے اور کبھی اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا جب صبر کا دامن بالکل ہاتھ
سے چھوٹ گیا تو دھڑکیں مار مار کر رونے لگے غالب کے رونے کا ”انداز بیاں“ بھی جدا تھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ بڑی
بے جگری اور غلصہ سے رونا کرتے تھے۔ ان کے اس طرح زار زار رونے کا یہ فیضان ہوا کہ ٹھپے کی روٹی تک ہلک
گئی اسی دورانِ محبوب نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور حسبِ روایت وعدہ فلفلی کا ارطاب کرتے ہوئے ہارش کا ہمانہ
کر کے نہ آنے کا پیغام بھیجا اور انہوں نے آنکھیں بند کیں اور فرمایا۔

واں کرم کو نذر پارش تھا حناں گمیر غرام

گر یہ سے یاں پیوہ پالش کف سیلاب تھا

جب اس شعر کو چنہ کر بھی دل کی بھڑاس نہ نکلی اور تسکین نہ ہوئی تو محبوب سے بیزار اور زندگی سے تنگ ”دہ
غالب سر جوڑنے کے لئے دیوار کی حشا میں لٹھے۔ لیکن دار فکلی کے عالم میں چوک یہ ہو گئی کہ کوچہ دیوار کی بجائے
صحرائی طرف نکل گئے اور وہاں پہنچ کر چادروں طرف دیکھا تو میدان صاف تھا پریشان ہو کر کہنے لگے۔ صحرا میں اسے
خدا کوئی دیوار بھی نہیں۔ اسی لڑائی میں دھوم مچا ہوا نامہ بر بھی اڑھ آ نکلا جب نظریں پیغامِ رساں سے دوچار ہوئیں تو
بڑی بے بسی کے عالم میں محبوب کا حال استفسار کیا معلوم ہوا کہ محبوب پیغام دینے کے بعد کم خواب کے نکلنے پر
استراحت میں مصروف ہو گیا تھا یہ سن کر غالب کے سینے میں ایک تیر مارا کہ جو ”پر افلاں ہو کر پار نکل گیا اور دشت کو
دیکھ کر گھریا تو آیا“ سو چلاؤ اپنے گھر کی دیوار سے ہی سر جوڑیں“

یاں سر پر شور ہے خوابی سے تھا دیوار ہوا!

واں وہ فرق باز نحو پالش کم خواب تھا

غالبا“ اس کے بعد قصود کے سمجھانے بھانسنے سے خود کشی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ پہلے بیڑ دوم کے پتھر کاٹنے رہے
پھر زمین پر الٹی پالٹی مار کر چنہ گئے محبوب کو بھلانے کے لئے لاکھ جتن کئے کہ وہ برابر یاد آتا رہا۔ پھر سوچا لاؤ سوچا نہیں
شاید وہ خواب میں آجائے لیکن اضطراب نے سونے نہ دیا۔

وہ آئے خواب میں تسکین اضطراب تو دے

دلے مجھے تیش دل بھال خواب تو دے

خود خاکستر نہیں تھے اور قصود محبوب کے بستر کی طرف منتقل ہو چکا تھا جو کم خواب کے نکلنے پر سر رکھے منہی نیند
سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس قصود سے غالب کی آنکھوں میں غلن اتر آیا۔ نیند حرام ہو گئی بد قسمتی سے اس زمانے
میں خواب ”گورگیاں یا مارغا“ کے انجکشن بھی دستیاب نہ ہوتے تھے لہذا انہوں نے خود کشی سے باز رہ کر وقت کشی
کے لئے شعرو شاعری کا سہارا لیا اور بے سوسملتی کے عالم میں معشوق کے بستر کا قصود پانچوہ لیا۔

نازش آگام غاسٹر نشینی کیا کموں

پہلوئے اندیشہ وقت ہنر منجاب تھا

اس تصور سے طبیعت قدرے بگنی ہوئی تو خاک نشینی ترک کی اپنے ہنر کی طرف رجوع کیا لیکن ہنر دروازے پر تھے ہی حالت پھر خیر ہو گئی محبوب کی بے وفائی وعدہ شکنی اور عہد شکنی سب کچھ بھریا دے گا اس سٹل سکھ اور اضطراب میں دھیان اپنے ہدم و ہمزاد مونس عثمانی ہنر کی طرف منتقل ہوا جسے وہ اپنے ہنر کے لئے بوجہ ثابت ہو رہے ہیں اور سر سے نکلے اور دھڑ سے ہنر کو رنج مل رہا ہے چنانچہ ہنر سے فرما "ہمدی کا احساس پیدا ہونے لگا۔

نیش سے میری وقت سکھ سکھ ہر تار ہنر ہے

مرا سر رنج ہائیں ہے مرا حق بار ہنر ہے

یہ طوفان گاہ ہوش اضطراب شام تھالی

شعلہ آفتاب صبح عشرت تار ہنر ہے

یہ اشعار نہیں بلکہ ایک دستاویز ہے جن سے یہ واضح کیا جاسکتا ہے اور ثابت بھی ہوتا ہے کہ غالب طبعاً شریف النفس حساس طبع ہیں اور اپنے ہنر تک سے وابستہ عشق و محبت رکھتے ہیں گویا غالب کا جسم پانی گرم کرنے کی "لیکڑ کا راز" ہے۔ دھڑ میں ہزاروں بجلیاں چھپی ہوئی ہیں جن کی تاثیر سے "پوشیدہ اس ہنر میں ہیں آتش کدے ہزار" اس لئے غالب کا ہنر کوئی معمولی ہنر نہیں بلکہ اپنی ذات خواص میں لاثانی ہے جسے خراج عقیدت پیش کرنے کے بعد خون کے آئسہ بہا جائز بلکہ واجب ہو جاتا ہے اور بڑی مایوسی کے عالم میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ میرے طبع میں ایک سحر کے لئے ثابت موقوف ہیں لیکن کیا کہوں میرا بے حس و حرکت دل ہنر دروازے چنانچہ اس حقیقت میں کمال افسوس اس انداز سے کہتے ہیں کہ رقیب رویہ ابھی استادی کا لوبا ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

سر شک سر بھرا دلوں نورالمن دامن ہے

دل بے دست و پا اللہ پر خوار ہنر ہے

اس دل کو ہنر کا بطور وار قرار دینا جسے صوفیائے عرش الٰہی کہا۔ غالب کا ہی کمال ہے اس وقت غالب کے دل پر انتہائی شفقت کا دورہ ہے ورنہ جب وہ اس ناچار کی ناانقبوں سے ایسے ہی تنگ آجاتا ہے جیسے ایک پرہیزگار باپ اپنے ناچار اور بد قماش لڑکے کی حرکتوں سے تو پھر چرخ الٹتا ہے۔

میں نور اک آفت کا ٹکڑا یہ دل وحشی کہ ہے

عاقبت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

ابھی بھریار کی بے چینی لاحق ہے اور بے قرار دل مایوسی ہے آپ کی طرح محبوب کے وصال کے لئے تڑپ رہا ہے تو جیسے بیمار لڑکے کا باپ لڑکے کا مصل و اکثر سے بیان کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں

کوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہر یاد میں غالب

کہ بے تابی سے ہر اک تار بستر خار بستر ہے

آخر غالب دل برداشتہ اور قدردانے و مظلّم تقیّین ہو جاتے ہی کیونکہ ان کا بستر محبوب کے بغیر کافروں کی بیچ بن جاتا ہے بلاخر کافی سوچ بچار کے بعد وصال کے لئے میں نسخہ کیا تجویز کرتے ہیں کہ ہسپتال میں داخل ہو جائیں یعنی وہاں سے راہ و رسم پر حاکم محبوب کے در پر ہی جا پڑیں۔

پھر جی میں ہے کہ دردِ کسی کے پڑے رہیں

سر زبیر ہار منت دریاں کئے ہوئے

ان کی یہ تقریر ایک حد تک کارگر ثابت ہوئی ہے اور وہ بلاخر وہاں کو اپنے پیشے میں اتار لیے ہیں کامیاب ہو کر خاکِ وہ کا بستر بنا کر در محبوب پر دھونی مار لیے ہیں لیکن ہر وقت کی خدشہ رہتا ہے کہ کسی وقت ہاسپل کوچہ بد کرنے کا نادری غم جاری نہ کر دے۔

یاو ایسے کہ در کویش زبیم پاسہاں

بستر از خاکِ وہ و پائلِ دہستہ واقفم

غالب کے محبوب کا وہاں کوئی خانہ اتنی اور خدا ترس انسان معلوم ہوتا ہے جس نے غالب کو کھلی چھوٹ دے دی تھی۔ البتہ محبوب کو جب وہاں کی اس کارستانی کا علم ہوا کہ غالب اس کی شہ پر خاکِ وہ کا بستر بنا کر کوچہ میں ڈالا ہوا ہے تو اس نے وہاں کو پھینک دے دی۔ چنانچہ غالب کا بعد وہ چلا گیا تو اسد اللہ خاں کس پہری کے عالم میں کوچہ محبوب سے گھر لوٹ آئے جہاں اہلکار میں فضاہت اور کنواری بندہ کر عالم نزع طاری ہو گیا چنانچہ اسی عالم میں بندے درد سے محبوب کو خدا کا واسطہ دے کر آخری دیدار کے لئے جاتے ہیں۔

اسد ہے نزع میں چل بے وفا برائے خدا

مقام ترکِ حجابِ دواعِ حقیقین ہے!

دعا مستجاب ہوئی محبوب کو مستقرِ راحۃ سے غالب کی حالت نزع کا علم ہوا تو پہلے خط لکھا۔ لیکن پھر خدا ترسی اور پیچک کے شدید اصرار پر یہ غصہ نہیں تیار داری کے لئے چل پڑا بدنی غالب نے محبوب کو غریب خانہ واقع محلّہ ملی ماراں میں روٹی افروز ہوتے دیکھا تو اس کا دل ٹپوں اچھلنے لگا اگرچہ اب افات ہو چکا تھا۔ لیکن محبوب کو آدیکہ کر پھر چہرے پر فضاہت طاری کر لی اور تیار بن کر لیٹ گیا محبوب کا شکریہ ادا کیا مگر اپنی فطرت سے مجبور ہو کر طر پھر بھی نہ چھوڑی اور محبوب کے آنے کا احسان محبوب پر نہیں بلکہ اپنی تیاری پر دیکھا ہے خود ستائی غالب سے کسی حال میں نہ چھوٹی اس لئے زندگی ایسے برے حالوں کی۔

طوشا اقبال رنجوری عیادت کو تم آئے ہو

فروغِ شمعِ پائیں طالعِ بیدار بستر ہے

لیکن محبوب بھی غالب کا محبوب ہے ضرور خنِ فہم ہو گا اس لئے جب اس نے جیھی نظروں سے دیکھا یعنی گویا زبانِ حال سے یہ کہا کہ غالب ہم تو چل کر اپنی مرضی سے آئے اور تم دوا اپنی تیاری کو دے رہے ہو تو پھر غالب

سنیٹیلے اور گئے خوشامد کرنے کے اسے جان غالب میں قصداً اس قدر اعلان مدد ہوں کہ اس آخری وقت سہانے پہنچ کر جو ہے کس نوازی فرمائی ہے اس کے میلے میں عمر عزیز کے بھائی وہ ایک لمحے بھی حضور کے قدموں پر ٹھکانہ کرنا چاہتا ہوں۔

ہائیم رسیدتی زہے ہے کس نوازی ہا
فدایت یک وہ دم عمر گرامی را رسیدن ہم
آخر محبوب رخصت ہوا۔ جاتے ہوئے تنگ کر غالب کو غور سے دیکھا کہ واقعی تیار ہے یا مکر تائے پردہ ہے تو
دھنیں نیچے سے نکرائیں اور اپنی طوشہ نیچے پر چھوڑ گئیں شاید کوئی تیز قسم کا جنت ہو گا جو انگلستان کی زمیں مسجد
کی شام کو "آف ڈیوٹی ہو کر لگائی تھیں ہر حال اور غالب کی طبیعت حاضر تھی یوں فرمایا۔"
ابھی آتی ہے یو بالٹس سے اس کی زلف مٹکیں کی
تاری دید کو طواب زلفا تار بستہ ہے

ابھی ان خیالات میں محو تھے کہ نامہ بر محبوب کا خط لے آیا جسے آنکھوں سے لگا کر کئی بار چمکا۔ اچھی خوش بختی پر
بازوں ہوئے کہ کج چھپر چھاؤں کرم بخشی ہو رہی ہے فرض خط ہاتھ میں لے کر بستر پر لیٹے جیسے ذرا سیانا شیر نوار اپنی
دودھ کی بوتلی طور ہی ہاتھوں میں لے کر لیٹ جاتا ہے اور دودھ پیتا ہے خط کھولا اور پڑھا اور اس کے بعد یہ واقعہ
الہاموں کی خبر کا عنوان بن گیا کہ ہارت فعل ہو گیا کیونکہ پولیس کی شہادت میں یہ شعر غالب کی چھاتی پر خط کے ساتھ
لا۔

تار کے ساتھ آگیا عظام مرگ
وہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا

غالب اور انکم ٹیکس

اعظم حسن صدیقی

جلی اور اسلامی تاریخ پڑھتے وقت اور ان دونوں مضامین میں اہم اسے کرتے وقت یہ بات کبھی ہمارے دماغ و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کبھی ہمارا واسطہ انکم ٹیکس سے بھی پڑے گا۔ یہ کیا پتہ تھا کہ ہماری روزی اسی کے ذریعہ کسپی ہوگی۔ ہاں یہ بات ضروری تھی کہ پشت با پشت سے پیشہ آیا تو کوری تھا اس لئے یہ ہی خیال تھا کہ کاتب ہند نے ^{پیشہ} لئے بھی ضرور کوئی نہ کوئی نوکری ہی کسپی ہوگی۔ اب وہ نوکری کس قسم کی ہوگی یہ ہماری قسمت اور حالات پر منحصر ہو گا۔ سینٹرل سپرے سروسز کے مقابلے کے امتحان کے فارم بھرتے وقت ضرور اس بات پر بھی نظر پڑی تھی کہ ایک سو اس انکم ٹیکس کی بھی ہے دینے سے جب بات ہے اور ناقابل تہمین بھی کہ ہمارا سب سے پہلے انکم ٹیکس سے تعلق مرزا غالب کے ذریعہ ہی ہوا تھا۔ تفصیل اس اجمل کی یہ ہے کہ غلطو غالب پڑھتے ہوئے ہم نے مرزا کا علاء الدین خانی کے نام یہ خط بھی چڑھا اور چند کر بڑی حیرت بھی ہوئی۔

"صبح یکشنبہ ۲۸ جولائی ۱۸۷۳ء۔"

اب میں اور ہاشمہ روپیہ آٹھ آنے کلکری کے "سو روپیہ رام پور کے قرض دینے والا ایک میرا بھائی ہمارے سو روپہ ہمارا لیا چاہئے مول میں قضا اس کو دینی چاہئے" "انکم ٹیکس" "جدا" "چوکیدار" "جدا" "مول جدا" "بی بی جدا" "شاگرد پیشہ جدا" آمد وہی ایک سو ہاشمہ" "نگ" "آگیا گزارا مشکل ہو گیا" "روزانہ کام بند رہنے لگا سوچا کیا کروں؟ کہاں سے محجراتی نکالوں؟ "قرودیش بھان درویش"

اب جب بھی ہم سے کوئی انکم ٹیکس کی شکایت کرتا ہے اور اس کا رونا دوتا ہے تو ہم اس کو تسلی دینے کے لئے مرزا غالب کی چٹا ضرور خاویہ ہیں کہ انہیں شاید یہ سن کر کچھ صبر آجائے کہ وہ اکیلے ہی انکم ٹیکس کے بارے ہوئے اور متاثر ہوئے نہیں ہیں۔ غالب ہمارے کو تو ایک سو ہاشمہ روپیہ آٹھ آنے ہمارے پر بھی انکم ٹیکس دینا پڑتا تھا جب کہ اب تو انکم ٹیکس سے پھوٹ کی حد میں چالیس ہزار روپیہ سالانہ تک پہنچی گئی ہے۔

حکمہ میں آنے کے بعد ایک جتنو ہمیں ضرور ہوئی اور وہ یہ کہ یہ پتہ کیا جائے کہ برصغیر میں انکم ٹیکس کب سے لگنا شروع ہوا اور اس کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی اور وہ کون سا والا انکم ٹیکس تھا جس نے مرزا غالب جیسے شاعر کو بھی متاثر سے نہیں چھوڑا اور ان غریب کی ایک سو ہاشمہ روپیہ آٹھ آنے ہمارے کی آمدنی بھی انکم ٹیکس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکی۔ کہنے ہیں ہر جہہ یا بندہ چنانچہ اس تلاش نے ہمیں ہمارے پرانے کرم فرما جناب رحمان حسن نقوی صدر پاکستان انکم ٹیکس بار ایسوسی ایشن تک پہنچا دیا جنہوں نے اس سلسلہ میں ہماری نہ صرف بوری مدد کرنے کا وعدہ فرمایا بلکہ ۱۸۶۰ء ایکٹ بھی تلاش کر کے ہمارے حوالے کر دیا جو برصغیر میں انکم ٹیکس کی ابتدا تھی حالانکہ اس ایکٹ کے نام میں انکم ٹیکس کے نام کا کہیں بھی ذکر نہیں تھا بلکہ یہ ایکٹ ۱۸۶۰ء ایکٹ نمبر ۳۲ کہلاتا جو دفاتر چاندوا اور مختلف پیشوں وغیرہ سے ہونے والی آمدنی پر "ٹوٹی" لگانے کے لئے وضع کیا گیا تھا اور جس کی تاریخ نفاذ ۳۱ جولائی ۱۸۶۰ء تھی

یہ ایکٹ پانچ سال کے لئے نافذ العمل تھا اور اس کے ذریعہ رواں سال کی آمدنی پر ڈیوٹی لگانے جاتی تھی اور اس رواں سال کی ابتدا پہلی اگست ۱۸۶۰ء سے ہوتی تھی یہ ایکٹ خاصہ مختصر تھا۔ اس کی غامض باتیں یہ تھیں

قاتل ٹیکس آمدنی کی حد اور ٹیکس کی شرح۔

اس ایکٹ کی سب سے اہم یہ دو باتیں تھیں جو خاص کر آج کے حالات اور ٹیکس کی موجودہ شرح اور قاتل ٹیکس آمدنی کی حد کے تناظر میں قطعی ناقابل یقین اور خراب و فحاش کی باتیں معلوم ہوتی ہیں مثلاً "مرزا غالب کی ماہانہ ایک سو باسٹھ روپیہ آٹھ آنے ماہوار کی آمدنی پر اٹھ ٹیکس لگنا" لیکن کیونکہ قاتل ٹیکس آمدنی کی حد اس ایکٹ کے مطابق صرف دو سو روپیہ سالانہ سے شروع ہوتی تھی اس لئے مرزا چارے بھی پکڑے گئے۔

شرح ٹیکس۔

ٹیکس کی شرح صرف ۳ فی صد تھی جب کہ پبلک ورک کے کاموں کی آمدنی پر یہ شرح صرف ایک فیصد تھی۔ ٹیکس کی شرح بلا لحاظ آمدنی یکساں اور ایک ہی تھی جو آج کل کے نظام سے قطعی مختلف تھی۔ موجودہ نظام میں آمدنی بڑھنے کے ساتھ ساتھ ٹیکس کی شرح میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

سال تشخیص۔

اس ایکٹ کے مطابق سال تشخیص پہلی اگست ۱۸۶۰ء سے شروع ہوا اور ڈیوٹی یا ٹیکس کا نفاذ رواں سال کی آمدنی پر ہوا۔ حکام۔

اس ایکٹ کے غلط کی ذمہ داری قطعی کلکٹر حضرات کے سپرد کی گئی جو اپنی مدد کے لئے اپنے ماتحتوں اور ڈپٹی کلکٹروں کو مقرر کر سکتے تھے پرنسپل انسپکٹر کے مشوروں کے لئے تین کسٹمر مقرر کئے گئے جن کے تقرر کی مہلہ ایک سال ہوتی تھی ان میں سے ایک کا فہرہ سرکاری ہونا بھی ضروری تھا۔

ٹیکس اکٹھا کرنے اور اس کی تشخیص کے لئے ایسے مقرر کئے گئے جو ڈپٹی کلکٹر بھی ہو سکتے تھے اور ان کو کلکٹر کے اختیارات بھی تفویض کئے جاسکتے تھے۔ ٹیکس گزار کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ وہ اپنے کسی کی تشخیص کے لئے مخصوص حالات میں احتجاج کسٹمر یا کلکٹر بھی مقرر کروا سکتا تھا۔ بلحاظ عدد سرکاری آؤٹروڈیو کو بھی محکوم وار ٹیکس دینا گان کی آمدنی اور سرکاری شکایت سود دنیو کی آمدنی کی تشخیص کے لئے مقرر کیا جاتا تھا اور ان کو بھی وہی اختیار حاصل ہوتے تھے جو کلکٹروں کو تھے۔

تشخیص پذیر۔ پچاسیت۔

اس ایکٹ کی ایک خاص اور اہم بات یہ تھی کہ ٹیکس کی تفصیلات بذریعہ پمپلیٹ بھی ہو سکتی تھیں۔ پمپلیٹ کے ذریعہ تفصیلات کے لئے یہ لازمی تھا کہ اس کے فیصلے کو ٹیکسوں کی منظوری حاصل ہو۔ اس فیصلے کی اپیل بھی ٹیکس کے پاس ہو سکتی تھی اور اگر وہ مناسب سمجھے تو پمپلیٹ سے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کو بھی کہہ سکتا تھا۔ زمینوں اور مکانوں کے مالکان جو ان میں قیام پذیر ہیں ان کے لئے Rack Rent کا طریقہ کار وضع کیا گیا تھا جس کے مطابق ان کی آمدنی وہ تصور کی جاتی تھی جس پر وہ بجلیس کرایہ پر درآمد کی جاسکتی تھیں۔ ٹیکس کے خزانہ کا یکساں طریقہ۔

تمام کمپنیوں، سوسائٹیوں اور دیگر اداروں پر بھی ٹیکس کے خزانہ کا یکساں طریقہ کار مقرر کیا گیا تھا جو اس وقت کے طریقہ کار سے قطعی مختلف تھا۔

ٹیکس دہندگان کو نظر ثانی کا حق بھی حاصل تھا جو اب بھی ہے مگر اس وقت یہ ضروری تھا کہ ٹیکس واجب الادا پر ارجح کر دیا ہو۔ اس کے بغیر نظر ثانی کی درخواست کی سماعت نہیں ہوتی تھی۔

اس ایکٹ میں ایک بات آئین کے مقابلے میں بہت اچھی تھی اور وہ یہ ہے کہ بے مقصد اور فضول یا چھوٹی چھوٹی بے کار محض باتوں پر تکلیف دہ مقدمہ بازی کے خلاف جرمائے کی سزا بھی رکھی گئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ ٹیکس کی چھوٹی موٹی خلاف ورزیوں پر جیل کی رضا مندی سے مصالحت کی گنجائش بھی موجود تھی۔

اس قانون میں ایک بہت اچھی حق یہ بھی تھی کہ ٹیکس اکٹھا کرنے والے عوام کے لئے ان کی بد نظمی یا بد اعمالی کے لئے اگر وہ اپنی سرکاری پوزیشن میں اس کے مرتکب ہوں تو اس کے لئے جرمائے اور قید دونوں کی سزا رکھی گئی تھی۔ ان کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ صرف رازداری اٹھائیں اور تفصیلات کے درمیان جو باتیں ان کے علم میں آئیں انھیں دوسروں کو نہ بتائیں۔

ٹیکس گزاروں کے لئے یہ آسانی بھی دی گئی تھی کہ وہ واجب الادا چار برابر اقساط کے ذریعہ لوا کر سکتے ہیں اس رقم کی پہلی قسط پہلی نومبر کو واجب الادا تھی جب کہ بقیہ تین قسطیں بالترتیب پہلی فروری، پہلی مئی اور پہلی اگست سے پہلے جمع کرانی ہوتی تھیں۔

۱۸۶۸ء کا ایکٹ نمبر ۱۰ پہلی مئی ۱۹۶۸ء سے نافذ العمل :-

ٹیکس لگانے کا اٹکا مرحلہ ۱۸۶۸ء میں پیش آیا جب ایکٹ نمبر ۱۰ نافذ العمل ہوا۔ اس سے پہلے ایکٹ میں یعنی ۱۸۶۰ء کے ایکٹ نمبر ۳۴ میں آمدنی پر ٹیکس 'ڈیوٹی' کے نام سے لگایا گیا تھا۔ اس وقت اسے ٹیکس کا نام دیا گیا جو تجارت اور پیشوں کی آمدنی پر مانعہ کیا گیا تھا۔ اس قانون کے مطابق ہر تاجر اور پیشہ ور کے لئے جس کی سالانہ آمدنی پانچ سو روپیہ سے زائد ہو یہ لازمی قرار دیا گیا تھا کہ وہ اپنا رجسٹریشن کرائے اور سرٹیفکیٹ حاصل کرے جس کا اجرا پہلی مئی ۱۸۶۸ء سے شروع ہوا۔ تمام کمپنیوں کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ وہ پانچ سو روپیہ ڈیوٹی لوائ کریں اور اس کے علاوہ ہر شاخ کے لئے بھی پانچ سو روپیہ ڈیوٹی جمع کرنا ضروری تھا۔ یہ ڈیوٹی ٹیکس جمع کرائے کے ابتدا تھی۔ اسی طرح کمپنی کے منافع

کی تقسیم پر بھی ایک فیصد دہائی ٹیکس کا نفاذ ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ سمیٹی کے ان ملازمین کی تنخواہ سے ایک فیصد ٹیکس کاٹنے کا قانون بھی بنا۔ یہ ان لوگوں کے لئے تھا جن کی سالانہ تنخواہ ایک ہزار روپیہ سالانہ سے زائد ہو۔ یہ اقدام ماخذ سے دہائی ٹیکس وصول کرنے کی ابتدا تھی ورنہ اب تک عام طور پر دیوبندی یا ٹیکس سال گزارنے کے بعد ہی وصول کے جاتے تھے۔ ساتھ ہی یہ قانون بھی بنا کہ اگر ٹیکس چالیس روپیہ سے زائد ہے تو وہ دو سطحوں میں وصول کیا جائے گا۔ ٹیکس کے سطحوں کا یہ پہلا ایکٹ تھا جس میں باقاعدہ ٹیکس تھے۔

ایسے کاشت کار جن کے پاس اپنی زمینوں کی پیداوار کو بیچنے کے لئے زمینوں پر نہ تو کوئی دکان ہو اور نہ کوئی ٹیکری ہو ان پر اس ایکٹ کا اطلاق نہیں ہوا تھا۔

Indian Income Tax Act 1869

انکم ٹیکس کے نام سے پہلا ایکٹ ۱۸۶۹ء کا ایکٹ نمبر ۵۱ تھا جس کا نام ہی انڈین انکم ٹیکس ایکٹ تھا۔ یہ ایکٹ پہلی اپریل ۱۸۶۹ء سے نافذ العمل ہوا۔ پہلی بات یہ اس قانون کے ذریعہ کی گئی وہ پچھلے ایکٹ کے تحت رجسٹریشن حاصل کرنے کی پابندی کے قانون کی منسوخی تھی۔ رجسٹریشن کو ایک قلم منسوخ کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ اس ایکٹ کی خاص خاص باتیں یہ تھیں۔

- ۱۔ قابل ٹیکس آمدنی کی حد آٹاالیس روپیہ دس آنے اور آٹھ ہائی ماہوار سے زائد مقرر کی گئی۔ اس حد تک ماہوار آمدنی حاصل کرنے والوں پر ٹیکس نہیں لگایا گیا۔
- ۲۔ ہر فرم ٹیکس ادا کر دی تھی اس کے حصہ دار ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔
- ۳۔ پانچ سو روپیہ ماہوار تک تنخواہ پانے والے فزکی بھی ٹیکس سے مستثنیٰ قرار پاتے۔
- ۴۔ کمپنی کے ہر آفس پر آمدنی کا ایک فیصد ٹیکس ماخذ پر سے ہی اکٹھا کیا جاتا ہے ہوا۔
- ۵۔ تنطیص کے خلاف ٹیکس کے پاس نظر ثانی کی درخواست کی ٹیکس صرف آٹھ آنے مقرر ہوئی جو کامیابی کی صورت میں مع ضبط قابل واپسی تھی۔
- ۶۔ ٹیکس کے فیصلے کے خلاف کمشنر کے پاس درخواست دی جاسکتی تھی۔ اس اپیل کے لئے درخواست کی ٹیکس ایک روپیہ مقرر ہوئی یہ ٹیکس بھی کامیابی کی صورت میں ضبط کے ساتھ قابل واپسی تھی۔
- ۷۔ اگر ٹیکس چوبیس روپیہ سے زائد ہو تو ٹیکس دہندہ اسے دو سطحوں میں ادا کر سکتا تھا۔
- ۸۔ ٹیکس اور کمشنر کو یہ اختیارات حاصل تھے کہ وہ اپنے اختیارات اپنے ماتحت دوسرے افسران کو بھی تفویض کر سکتے تھے۔

۹۔ اس ایکٹ کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ پہلی دفعہ ٹیکس کی مختلف شرحیں آمدنی کے حساب سے مقرر ہوئیں۔ ورنہ اب تک ایک ہی شرح سے تمام قابل ٹیکس آمدنی پر ٹیکس عائد ہوتا تھا۔ ہی مقرر کردہ شرح آمدنی بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی تھی۔ پہلی دفعہ ایکٹ کے ساتھ ٹیکس کی مختلف شرحوں کا شیڈول لگایا گیا جو شیڈول اسے کہلایا اس کے مطابق بڑھتی ہوئی آمدنی پر ٹیکس کی شرح بھی بڑھتی جاتی تھی جس کی تحصیل اس شیڈول میں درج تھی۔

نام بیٹا پوری

غالب کے متعلق چند غیر معتبر روایات

غالب اپنی زندگی میں طویل رہے ہوں یا ناقابل۔ لیکن ان کی مشیت پہلو شخصیت اپنے عہد ہی میں مرکز توجہ بن چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ”داسن شرت“ میں گلوں کے ساتھ کچھ غار بھی سمٹ آئے ہیں۔ جنہیں اگر روایت نگاروں کی طرف سے الگ کر کے روایت و درایت کے اصولوں پر چکما جائے تو یہ روایتیں اس میزان پر پوری نہیں اترتیں۔ میں صاحب ’کب حیات‘ کے کمال فن تذکرہ نویس کا بھی معترف ہوں اور ان کی ٹیک نیچ کا احترام بھی کرتا ہوں مگر اس کے باوجود ”آپ حیات“ کے ان کزورہ پہلوؤں کو حوازن تنقیدی پانچوں سے محروم نہیں کیا جاسکتا جن کی زد سے شاید ہی کوئی تذکرہ نگار بچا ہو۔ اس سلسلے میں ”کب حیات“ کا یہ مشہور لطیفہ ”روایت ہائے منی“ کے اعتبار نے اس کے سیاق و سباق کی یقیناً کوئی چھان بین نہیں کی اور اس عہد میں جس طرح سنا تھا ’من و من نقل کر دیا۔

مولوی فضل حق صاحب مرزا (غالب) کے بڑے دوست تھے۔ ایک دن میرزا ان کی ملاقات کو گئے۔ ان (مولانا فضل حق) کی عادت تھی کہ جب کوئی بے تکلف دوست آیا کرتا تو خالق باری کا مصرع پڑھا کرتے تھے :

یا برادر کو دے بھائی

چنانچہ میرزا صاحب کی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے اور یہی مصرع کہہ کر بھایا۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ مولوی صاحب (فضل حق) کی ”رہڑی“ بھی دوسرے دالان سے اٹھ کر پاس آن بیٹھی۔ مرزا نے فرمایا : ہاں صاحب ”اب وہ دوسرا مصرع بھی فرما دیجئے۔

یہ تھیں مولوی دینہ دی بائی“ (۱)

جہاں تک غالب کی بدعہ گوئی کا تعلق ہے ’یہ لطیفہ ان کے کمال فن کا عکاس ہے‘ مگر اس کے ساتھ ہی مولانا فضل حق کی رہڑی کا تذکرہ یقیناً درست نہیں ہے ’کیونکہ اس عہد کے سب سے بڑے ’منکر حقائق‘ مرزا حیرت دہلی نے اس واقعے کی تفصیلات میں مولانا فضل حق کی ”رہڑی کا ذکر نہیں کیا ہے“ حالانکہ یہ مرزا حیرت دہلی وہی ہیں جنہوں نے حضرت شاہ اسماعیل شہید سے ”تلو حقیقت“ کی دعا پر انبیا کے اس بڑے مطلق خاندان کی علمی عظمت سے انکار کر دیا تھا۔ اگر انہیں مولانا فضل حق کی اس کزوری کا پتا چل جاتا تو وہ ”آپ حیات“ سے فرما دیتا چھا کر اسے پیش کرتے۔ مرزا حیرت نے اس لطیفے کو اس طرح نقل کیا ہے :

”مسیحوں کا بیچ ہو رہا تھا اور میرزا نوشہ (غالب) تشریف لائے۔ ان کے ایک بھائی نے ہر ایک چھوٹی

روایت کے جواب تھے 'امیر خسرو کی "خالق باری" کا میرزا نوٹھ کو دیکھ کے مصرع چڑھا:

بیا برادر آؤ رہے بھائی

میرزا نوٹھ نے بے ساختہ جواب دیا کہ دو سرا مصرع بھائی تم نے کس کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ لی صاحب (یعنی طوائف) کی طرف خطاب کر کے چند دو۔ اس پر مجلس میں چڑا قہقہہ ہوا۔ اور دو سرا مصرع یہ ہے:

بہ نصیب ملار بیٹھ رہی مائی

(چراغ دہلی، صفحہ ۳۳)

مجھ دانش کس طرح پر قفا اور کیا تھا۔؟ اس سلسلے میں تقریباً اس صد کی ایک روایت اور بھی ملتی ہے جو اس لحاظ سے قہب ترکش جانتی ہے کہ اس کے نقل کرنے والے غالب کی حقیقی بہن چھوٹی خاتم کے ہوتے سرور جنگ (۲) آغا مرزا بیگ ہیں جنہوں نے کچھ زمانہ اپنے دادا (غالب) کا بھی پایا تھا اور پھر اپنی خاندانی روایات سے انہیں ایک خاص لگاؤ بھی تھا۔ سرور جنگ نے لکھا ہے:

"مرزا غالب کی مولانا فضل حق (فخر آبادی) سے کمال دوستی تھی۔ ہر شب کو مولانا "مرزا غالب مولانا فضل حق) کے پاس جلا کرتے تھے۔ ایک شب کو مولانا جو سرور شدہ دار درپیشہ نہ تھے 'باہر گھر میں تخت پر بیٹھے ہوئے کچھ سسلیں دیکھ رہے تھے۔ ایک "مریدی" بھی اس امر کی منتظر کہ مولانا دیکھ لیں تو سلام کر کے بیٹھ جاؤں کمزری ہوئی تھی۔

"اس مرتبہ میں مرزا (غالب) لائین لے آئے آگے پیچھے۔ مولانا فضل حق) نے سراٹھا کر کہا:

بیا برادر آؤ رہے بھائی

مرزا (غالب) نے کہا۔ دو سرا مصرع بھی چند دہیجے کہ دہ سے (یہ) منتظر کمزری ہے۔ دو سرا مصرع یہ ہے:

بہ نصیب ملار بیٹھ رہی مائی" (۳)

یہ مختصر روایات اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ غالب کی زندگی میں ان کا فنی ی نہیں شخصیت بھی ایک ایسی شہرت سے دو چار ہو چکی تھی جس کے یہی مظهر میں مشقہ اور مشکوک روایات کا ختم پا جانا کچھ زیادہ آہستہ خیر نہیں ہے۔ پھر ان کے مرنے کے بعد تو تعریف سے تحقیق اور مدح سے قہقہ کے ایسے پہلو نکالے گئے جس کی مکمل قضیات بھی آج نہیں ملتیں۔ غالب کی وفات کے تیس سال بعد جب مجدد السنہ مشرق مولانا سید احمد حسین شوکت میرٹھی کی شرح دیوان غالب بھیجی تو اس میں نہ محض غالب کے فنی کو شوکت میرٹھی کی تحریفات کا سامنا پڑا بلکہ شوکت نے بعض جگہ بغیر کسی حوالے کے نہایت ہی جہل و اقلت کو غالب سے منسوب کر دیا۔ مندرجہ ذیل مر

:

میں منظر ہوں وصل میں طوف رقیب سے

والا ہے تم کو وہم نے کس سچ و کذب میں

کی شرح کرتے ہوئے شوکت میرعلی تحریر فرماتے ہیں: (4)

"ہم کو معلوم ہوا ہے کہ جب مرزا غالب نے یہ شعر مشاعرے میں پڑھا تو فتح مشاعرہ کے بعد مولوی امام بخش صہبائی مرحوم نے جو ایک مقدس اور متوجہ بزرگ تھے مرزا صاحب سے پوچھا کہ آپ نے اس شعر میں کیا معنی پتا دیے ہیں۔ مرزا صاحب نے کہا کہ مولانا! آپ اس شعر کے معنی کیا سمجھیں گے؟ آپ نے دہڑی بازی کی؟ نہ غائی بازی؟ نہ اموا بازی کی؟ نہ قائل بننے نہ مفلول؟ میں نے تو اپنا ایک واقعہ لکھا ہے۔ یعنی جس "مصافحہ" پر میں فریفتہ تھا، بڑی توجہوں اور چالوں سے اس کو کسی کو نہ کدوے میں ڈھب پڑ چکایا۔ مگر اس خوف سے کہ کوئی آنکڑا ہو گا، رجحیت چوبے کے تل میں گھس گئی، مصافحہ کھلی کہ غالب شخص نامور اور عظیم ہے۔ میں نے عذرت میں یہ شعر پڑھا۔"

ایسے مبتدل اور غیر ادبی جھوٹ کی مثال شاید شوکت میرعلی کے بعد مرزا واحد حسین یا اس عظیم آبادی (پکا نہ ہنگاری) ہی کے یہاں ملے تو ملے، دوسری جگہ ممکن نہیں۔ مرزا یا اس (وفات 1898ء) نے اپنے رسالہ، موضوع و قوافی (چراغِ خورشید) میں بلا کسی حوالے کے ایک ایسی ہی من گڑ مت حکایت تحریر فرمائی ہے:

"غالب پہ کیا؟ کہتے ہی ہونمار شاعر اس وقت متقلد کی آزادی اور مطلق العنانی کی بدولت گمراہ ہو گئے اور بھٹے جو گمراہ ہوئے وہ اس وقت تک راہ پر نہیں آئے جب تک قوتِ تمیز کو تحلیل پر حاکم نہ بنالیا۔ ہائے میر تقی میر! کیا جو حری و غن تھا، مرزا غالب کے شعر میں کر صاف کہہ دیا کہ اس لڑکے کو اگر کوئی استاد کامل مل گیا اور سیدھے راستے پر لگا دیا تو لاہواب شاعر بن جائے گا ورنہ سہل بکنے لگے گا۔ وہی ہوا کہ غالب نے کسی کو استاد نہ بنایا اور نہ راہِ راست پر آئے۔ پتا چھو غالب کے کسی بے ثقافت دوست نے یہ مطلع پڑھ کر از راہِ حسن خان کی بہت تفریہیں کیں۔

پہلے تو دو غن گل بھیجنے کے اڑے سے نکال

بعد اس کے باز گل بھیجنے کے اڑے سے نکال

غالب نہایت آزرہ ہوئے اور کہا۔ نہ معلوم کس سطرے نے یہ مطلع میری طرف منسوب کر دیا ہے۔ اس پر

ان کے صہبان نے فرمایا کہ بھی برا کہیں مانتے ہو، قصارے شعر تو ایسے ہوتے ہی ہیں۔" (5)

غالب کے فنی اور شخصیت کے سلسلے میں اس قسم کی فرضی حکایتوں اور جھوٹی روایتوں کو خاصی اہمیت حاصل ہے، جنہیں احتیاط و وقار کے ساتھ اگر جانچا اور پکھا نہ گیا تو غالیات کے بہت سے گوشے تاریکی میں چھپ جائیں گے۔

شوکت میرعلی لود یا اس عظیم آبادی کے بعد اس ضمن میں انتظام اللہ شاہی مرحوم (وفات ستمبر 1918ء) کا تا۔ لا شعوری طور پر سامنے آ جاتا ہے۔ انہوں نے ایسی ہی خطبہ، مظلوک اور لفظ روایات کا ایک ذخیرہ بے پایاں چھوڑا ہے۔ ایک کثیرا تصانیف مصنف کی حیثیت سے جو اہم ذمہ داریاں ان پر عاید ہوتی تھیں، انہوں نے وہ کبھی ان کو پورا نہ کر سکے۔ "لائف الشعراء" ملحق صاحب مرحوم کی ایک مشہور تصنیف ہے جس میں شخص غالب ہی کے متعلق نہیں،

بلکہ دیگر مشاہیر کے بارے میں بھی جا بجا ایسی فرضی حکایتیں شامل کر دی گئی ہیں جن کا سرچر نہیں۔ بعض جگہ فرضی کتابوں کے حوالے بھی ہیں لیکن فوادِ قریب و روایات ایسی ہیں جن کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ غالب کے حلقہ جو لطائف اس کتاب میں نقل کئے گئے ہیں ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اس سے پہلے قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ چند لطیفے ایسے بھی ہیں جو بہر قیاس غلط یا مشکوک اور مشتبہ ہیں۔ چند لطیفے ملاحظہ ہوں:

”مرزا غالب نے مولانا غلام امام شہید سے اپنے خاص قرطبانہ انداز میں دریافت کیا: آپ شہید کب سے ہوئے اور کیوں کر ہوئے؟ غلام امام نے فرمایا کہ جب سے ”کافر غالب ہوئے“۔ اور مرزا کا یہ شعر لکھ کر بھیج دیا:

ہا من میاویں اسے پدر فرزند قادر را مگر
ہر کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگن خوش نہ کرد
مرزا مسکرا کر رہ گئے۔“ (8)

اسی طرح ایک دوسرے لطیفے (دلی کی ادبی صحبت) میں تحریر فرمایا ہے:

”حکیم موسیٰ خان موسیٰ کے یہاں احباب کا مجمع تھا۔ مرزا غالب ’ذاب شفیق‘، مفتی صدر الدین ’آزاد‘، حکیم آغا جان میثی سے حضرات شریکِ صحبت تھے۔ قاضی غلام الدین برقی تہادی بھی حکیم صاحب (موسیٰ) سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ ناخ گھنٹوی کے کلام پر بحث تھی ’میر تقی میر کا ذکر کیا‘ مرزا غالب فی الہدسہ فرماتے ہیں:

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقل ناخ
آپ ہے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں
میش کہنے لگے ’استاد ناخ نے کیا خوب شعر کہا ہے:
یوں نزاکت سے گراں سرسہ ہے چشم یار پر
جس طرح ہو رات بھاری موم تیار پر

ہر ایک نے توجہ سے سنا اور داد دی۔ برقی سکندر آبادی نے دست بستہ عرض کی کہ حضرت ناخ نے سرسہ چشم یار پر لکھ کر جدت کا ثبوت دیا ہے اور ہم سے نو آموزوں کے لئے آپ تو سفہ ہو گئی اور ادھر استادوں نے ترقی بھی کر دی۔ حکیم صاحب بولے یہاں برقی خوب بات پیدا کی اور معقول گرفت ہے۔“ (7)

یہ تیسرا لطیفہ (ذوق و غالب) بھی اسی رنگ میں ترتیب دیا گیا ہے:

”حضرت ذوق اور مرزا غالب میں شاعرانہ چٹک تھی۔ ذوق کا قلعہ ’سل میں طوطی پرل رہا تھا‘ بادشاہ کے استاد کیا تھے نکت استاد بنے ہوئے تھے۔ اکثر شرابے مرزا غالب سے مانوس تھے ’مرزا بلانے پر قلعہ

چلایا کرتے، حضرت ذوق کی کوشش رہتی تھی کہ مرزا اسد اللہ خان کا کہیں قلعہ میں پالا نہ جم جائے تو اس کی مدد کوئی چہ حرف گیری کیا کرتے۔ خضر سلطان کو مرزا سے تلمذ تھا، انہوں نے قلعہ والوں کی باتیں جانتیں۔ مرزا قہارے ہیں:

فادری میں آتا ہے بنی نقل ہائے رنگ رنگ
بگڑے از مجموعہ ادو کہ ہے رنگ من است

داست می گویم من و از داست سرخوان کشید
ہرچہ در مختار نظر تست آتہ رنگ من است (۸)

اس قسم کا ایک اور لطیفہ (آئینہ نعل) بھی غالب کے ایک شعر سے گڑھا گیا ہے۔

”مرزا غالب قلعہ منلی میں رہتے تھے تو حضرت سلطان (۹) آپ کی بڑی خاطر مدارات کرتا اور جس مرزا بیٹے اور اپنے والد ماجد بہادر شاہ سے جا کر کہا، مرزا صاحب آئے ہیں۔ حضور بادشاہ سلامت ہند بارہالی کا موقع عطا فرما دیئے“ ورنہ حضرت ذوق کے متعلق میں کسی کی دال گھنے والی نہ تھی۔ ایک دن بادشاہ سے مرزا صاحب (غالب) نے خضر سلطان کے لئے کہا:

خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز
شاہ کے بارغ میں یہ آواز نال اچھا ہے (۱۰)

اور یہ لطیفہ بھی غالب پہلی بار مفتی نظام اللہ شاہی مرحوم کی وساطت سے اہل ادب تک پہنچا ہے:

”مرزا غالب رام پور گئے ہوئے تھے۔ حضرت جلال (عظیم خاں علی) مرزا صاحب سے ملنے آئے۔ شراب نوشی میں مصروف تھے، ایک جام سے جام سے بھر کر جلال کے سامنے پیش کیا، انہوں نے کہا میں نہیں پیتا ہوں۔ مرزا نے آئین کی طرف دیکھ کر کہا توجہ تو ابر ہے۔ جلال نے کہا، حضرت مجھے اس سے رغبت نہیں ہے۔ غالب بولے، ابھی حضرت ابر بھی ہے، سوئی بھی ہے۔ آخر جلال جھلا سے گئے اور کہنے لگے، حضرت میں عوام جانتا ہوں۔ اس پر مرزا مسکرائے اور کہنے لگے، پھر شعر آپ نے کیوں کر کہا:

دات سے خوب سی پی صبح کو توبہ کر لی
دند کے دند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی (۱۱)

”ان لائق کے سلسلے میں مفتی نظام اللہ شاہی مرحوم نے کسی راوی کے حوالے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی اور ان لطیفوں کے سیاق و سباق سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ غالب کے مختلف اشعار کو واقعات کا جامہ پہنا کر لائق کے قالب میں ڈھال دیا گیا ہے۔ اول تو یہ روایات لطیفوں کے انداز میں کہیں دوسری جگہ نظر بھی نہیں آئیں، اور اگر فرض کر لیا جائے کہ جس انجمن کے ساتھ جلال کھستروی اور غالب کی ملاقات کو قلم بند کیا گیا ہے، کسی حد تک سچ بھی ہو تب بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ غالب نے جلال کا شعر نہ کہ انہیں لا جواب کر دیا ہو۔

مفتی صاحب مرحوم نے کچھ لطیفوں کے ساتھ مولوی اکرام اللہ گوباسری کی تصنیف ”الشعر“ کا حوالہ بھی دیا ہے مگر

یہ مزید نہیں فرمایا ہے کہ یہ کتاب کب لکھی گئی۔ اور کہاں ہے 'یا غلطی کی شکل میں کسی کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اور نہ اس کتاب (ظانک الشعرا) میں مولوی اکرام اللہ کپاسوی کے اس تعلق کو ظاہر فرمایا ہے جو مرزا غالب سے ظاہر کیا گیا ہے۔ "مولوی سید مد علی تپش" کے عنوان سے "ظانک الشعرا" میں اس شعر:

زیرِ جود پر بھی تو ہے مطلع و مطلع غالب

غالب آسمان نہیں صاحبِ دِوان ہوتا

کو بھی غالب سے منسوب کر دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت تپش مرزا صاحب (غالب) کے شاکر تھے۔ مراسلت سے شاکر ہوئے تھے۔ دہلی مرزا صاحب سے ملے آئے۔ گھبراہٹ میں دِوان کا صاف شدہ مسودہ بھول آئے۔ ایک دوسرا مجموعہ تھا وہ بھرا چلا آیا۔ مرزا صاحب سے اپنے دِوان کا ذکر کیا اور اس مجموعے کو ملاحظہ سے گزارا اس میں بہت تھوڑا کلام ان کا تھا۔ باقی دوسروں کا کلام تھا۔ پوری پوری غزلیں بھی نہ تھیں۔ مرزا صاحب (غالب) نے دیکھ کر کہا:

زیرِ جود پر بھی تو ہے مطلع و مطلع غالب

غالب آسمان نہیں صاحبِ دِوان ہوتا

تپش صاحب نے اس مجموعے کو واپس لے کر دیکھا تو دِوان ان نہ تھا 'دوسرا نسخہ تھا' جلد ایک سی بی تھی اس سے دھوکا ہوا۔ مرزا صاحب سے بھی معذرت کی اور دوبارہ دِوان لے جا کر دکھایا اور اصلاح لی۔ یہ دِوان ان کے پاس تھی عبداللطیف کجج علی کے یہاں بطور تبرک محفوظ ہے۔" (132)

یہ شعر نہ تو غالب کا ہے نہ سید مد علی تپش اکبر آبادی کے دِوان سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ بلکہ اس غلط انتساب سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے مصرع ثانی میں "غالب" کے تھکس کو دیکھ کر ایک فرضی حکایت گڑھ دی گئی ہے۔ یہ شعر حقیقتاً "عبداللہ خان اوج کا ہے۔ جس کا ذکر "آپ حیات" میں موجود ہے۔

"اوج تھکس" عبداللہ خان نام۔ ۳۰۰ برس کے مطلق تھے۔ ایسے بلند مضمون اور بزرگ خیال پیدا کرتے تھے کہ قابو میں نہ لاسکتے تھے اور انہیں عمدہ الفاظ میں ایسی باتیں و درستی سے باندھتے تھے کہ وہ مضمون سنا بھی نہ سکتا تھا۔ اس لئے بھی تو مطلب بکرا کا بکرا ہو جاتا تھا اور بھی بکرا بھی نہ رہتا تھا۔ سنگار اور مشکل زمینوں میں غزل کہتے تھے 'تھر مضامین اور تلاش الفاظ میں تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ غور کے ساتھ کاوش کرتے تھے اور آپ ہی آپ مزے لیتے تھے۔ ہونٹ چپاتے چپاتے ایک طرف سے سفید ہو گیا تھا۔ بعض دھڑ دھڑ کر کہتے تھے کہ آنکھوں سے لو تھک پڑا تھا' جب یہ شعر کا تھا۔ بیٹے (شعر) پر کہتے تھے کہ چھ بیٹے تک برابر پڑتا رہا۔ پڑھتے اس زور شور سے تھے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا' مضمون میں غزل سناتے تھے تو صف بکس سے آگے نکل جاتے تھے۔ بعض اشخاص شہر میں اور قلعے میں اکثر مرشد زادے (شہزادے) شاکر تھے 'مگر استاد سب کہتے تھے۔ شعرائے ہاکمال کو جا کر سناتے تھے اور وہ وہاں کی

جنگیں اور قریبوں کی فغان و فزادے کو بھڑکتے تھے، کیونکہ اسے اپنا حق سمجھتے تھے۔ ذوقِ مرحوم بارہود اسمٰعیلی اور عادتِ خاموشی کے ”غوب غوب۔۔۔ بہت خوب“ کہتے اور کمرِ پڑھاتے تھے۔ منکراتے اور پھرے پر سرورِ ظاہر کرتے گویا شعر کی کیفیت میں بیٹھے ہیں۔ اور میرزا (غالب) تو ایسی دل کھلی کے مصالحتی و صوفیانہ پھرتے ہیں کہ: ”لطفتِ خدا دے“ شعر سننے اور کہنے تھے کہ یہ سب کافر ہیں جو تمہیں استاذ کہتے ہیں۔ شعر کے خدا ہو خدا! مجھ سے کا اشارہ کرتے اور کہتے سبحان اللہ! سبحان اللہ۔ میں ان دونوں میں جتنی شوقین تھا۔ اپنا مشکل سمجھ کر مجھ سے بہت خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ بس تم ہمارے کلام کو سمجھتے ہو۔ رستے میں مل جاتے تو دس قدم دور سے دیکھ کر کھڑے ہو جاتے اور جو نیا شعر کہتا ہوتا اسے وہیں سے اُتار کر پڑھتے۔ پھر شعر سننے سنانے چلتے، قلم کے نیچے میدان میں گھنٹوں ٹپکتے اور شعر پڑھتے رہتے تھے۔ قریب خانے پر بھی تحریف لاتے اور پھر پھر سے کم نہ بیٹھتے۔ ایک دن رستے میں ملے، دیکھتے ہی کہنے لگے: ”آج کیا تھا؟“ انھیں (غالب کی طرف اشارہ ہے) بھی سنا تھا۔ میں نے کہا کیا؟ کوک کر کہا:

دیرِ جزد ہ بھی تو ہے مطلع و مطلع غالب

غالب آسان نہیں صاحبِ دماغ ہوتا“ (13)

غالب سے ایک ”نئے شعر“ کا اقتباس کرتے ہوئے مفتی انتظام اللہ شاہلی مرحوم نے ایک واقعے کو دو جگہ کہانے کی کوشش کی ہے۔ مولانا عرشی رام پوری نے اس کی تفصیل ان الفاظ میں تحریر فرمائی ہے:

”یہ شعر مفتی انتظام اللہ شاہلی نے ”نکلتے بے خبر“ کے دیباچے میں اس قصیدے کے ساتھ لکھا ہے:

”ایک بار مرزا صاحب دہلی سے آکرے گئے تو ”نیل کے کترے“ میں مجلسِ احباب منعقد ہوئی۔ مرزا حسام الدین بیگ، خواجہ نظام فوٹ پیچر و فیوہ خن، سچا شریک مجلس تھے۔ شعر و شاعری کا چرچا تھا۔ اس زمانے میں فرقہ اہل نظام سے ایک رقاصہ ”منم“ تھی جس کا شو بہت تھا اور وہ خود بھی فکر خن کرتی تھی۔ وہ بھی شریک مجلس ہوئی، مرزا صاحب (غالب) نے فی البدیہہ (یہ شعر) (14) ارشاد فرمایا۔“

”اس کے بعد مفتی صاحب (انتظام اللہ شاہلی) نے اخبار قومی زبان کراچی پست کم و سیرے ص ۱۵۱ (15) میں ”غالب اور ساحر“ کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا، اس میں لکھا ہے کہ:

”مرزا غالب آخری مرتبہ دہلی سے سنہ ۱۳۳۳ھ یا ۱۳۳۴ھ میں (اپنے) وطن (آگرہ) آئے، مرزا حسام الدین بیگ ظلف مرزا مثل بیگ، رئیس برادر کے یہاں چند روز مقیم رہے۔ انھیال میں کوئی نہ دبا تھا، ماسوی ہاتھ سے چا پکے تھے۔ مرزا صاحب کی تحریف تو دہلی پر صحبتِ احباب منعقد کی گئی۔ صحبت میں سر (مرزا) حاتم علی بیگ، راجہ (راجہ بلوان سنگھ) بے خبر (نظام فوٹ خان بے خبر) بیگ امیر علی شیون، میرزین الصابین شورش و فیوہ شریک ہوئے۔ تمام اصحاب جمع ہو گئے تو ”منم“ ذوقِ برق لباس میں آئی، اس پر غضب یہ تھا کہ سبز و شاد اور دھواں دھواں پر قلم لگا ہوا۔ داخل محفل ہوئی، ہر ایک کی نگاہ اس پر پڑے پھیرا رہی۔ مرزا غالب بے ساختہ کہتے ہیں:

یہ چلی زرافشاں مانگ سبز اس پر دوشلا ہے
 دشا ہے پر ملاس میں کالے کو پالا ہے" (۱۸)

بلشہ یہ شعر غالب کا نہیں ہے، لیکن اگر یہ واقعہ "انشائے بے خبر" کی روایت تک محدود رہتا تو شاید "من حیث الواقعہ" ایسی مضبوط گرفت میں نہ آسکتا جتنا "قوی زبان" (کراچی) کی تحصیلات کے بعد واضح ہو گیا ہے، کیوں کہ اس "دسری روایت میں صرف مرزا حاتم علی بیگ مرکا نام ہی اس کے بے بنیاد ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے مرزا حاتم علی بیگ مرکا کوئی حقیقی بھی آکرے سے نہیں رہا۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے تھے، ان کا آبائی مکان آج بھی گڑھ پور قریب خان میں موجود ہے۔ شیخ امام بخش طبع کے شاعر تھے، غدر کے بعد جب انگریزوں نے فتح پور بیکری کے پاس دو گاؤں جاگیر میں دیے تو پہلی بار آکرے سے ان کا حقیقی قائم ہوا۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ۱۸۵۷ء کے بعد مرزا غالب بھی آکرے گئے ہوں۔ خواجہ عبدالرزاق عشرت لکھنؤ میں مرحوم قزیر فرماتے ہیں:

۱۸۵۷ء کے غدر میں سات انگریزوں کو اپنے گھر میں پھنسا، اس خدمت میں مرزا حیات علی بیگ اور مر (مرزا حاتم علی بیگ) کے ماہوں شریک تھے۔ پھر لکھنؤ سے ان کو آکرے لے گئے، گورنمنٹ سے اس خدمت کے صلے میں بائیس پارچہ کا صلعت مع بالائے عوارض اور گھوڑا اور اسلحہ عطا ہوئے اور جاگیر میں دو موضع قریب فتح پور (بیکری) مرحمت ہوئے۔ اب (میرنے) اپنا قیام آکرے میں کر لیا اور وہیں ہائی کورٹ میں وکالت کرنے لگے۔" (۱۹)

جناب مانگ رام نے اسی شعر کے صلے میں لکھا ہے:

"شرح غالب (ص ۳۴۳) میں جناب مرثی صاحب نے اس شعر سے حقیقی صاحب موصوف (حقیقی انتظام افد شامی) کے دو مختلف مضمونوں کے اقتباس دیے ہیں۔ دونوں کا مضمون ایک ہی ہے کہ جب مرزا غالب "سحر مرتبہ" آکرے گئے تو وہاں محفل اصحاب میں ایک دفعی "مستم" غالی کو ذوق برق لباس میں لباس "ہیزو دشا" اوڑھے دیکھا تو (غالب نے) فی الہد سے یہ شعر جاری کیا۔

حقیقی صاحب موصوف نے خلاف معمول اس روایت کے لئے حوالہ نہیں دیا۔ بہرحال اگر وہ ایسا کرتے جب بھی قابل قبول نہ ہو۔ ہم میں افسوس کے ساتھ یہ ظاہر کرنے پر مجبور ہوں کہ شاید بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ حقیقی صاحب روایتیں "وضع" کرنے میں بہت مشتاق ہیں۔ وہ بالعموم کسی قلمی کتاب کا نام اجڑا کر کے اس کی حمد دیں گے کہ یہ کتاب "مفتیان گویاں" (شیخ ہمدانی) کے کتاب خانے میں ہے یا آرکائٹ (غدر اس) کے شاہی کتاب خانے کی زینت ہے یا کسی اور جگہ ہے۔ حالانکہ اس کا کہیں وجہ نہیں ہو۔ گویا میں نے غبر سے کوئی کتاب خانہ ہے ہی نہیں۔ اور جن کتابوں سے حقیقی انہوں نے بعض مضامین میں "آرکائٹ" کا نام لیا ہے، حقیقی سے وہ بھی غلط ثابت ہوا ہے۔ وہ (حقیقی صاحب) پہلے ۳۵-۳۰ برس سے اس "مجل" کے مرکب ہو رہے ہیں اور بہت لوگ اس سے گمراہ ہوئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کو اس پر متنبہ کیا جائے اور ان کی کوئی روایت اس وقت تک تسلیم نہ کی جائے جب تک کہ یہ کسی "دسری" صدق شہادت سے درست نہ ہو۔ فی الحال اسے اشارے پر اکتفا کرتا ہوں۔ میں اس شعر کو

محض مفتی صاحب کی مدد پر غالب کا حلیم کرنے سے انکاری ہوں۔" (۱۸)

غیر مستزاد و نظیر مستزاد روایات کے سلسلے میں جناب مالک رام مفتی انتظام اللہ شہابی مرحوم کا تذکرہ جن الفاظ میں کیا ہے، انہیں الفاظ کی مستحق اسی حد کی ایک اور خصوصیت بھی ہے جسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا عبدالباری اسی الدینی مرحوم (وفات ۱۹۳۶ء) اپنے دور کے ان بالکلوں میں تھے جنہیں اگر زمانہ جہن سے سمجھنے کی سہولت دیتا تو آج اردو ادب کی تاریخ میں وہ ایک ممتاز مقام حاصل کر چکے ہوتے۔ گردش ایام کی پیاسہ سیرت نے انہیں پل بھر کی سہولت نہیں دی۔ وہ بچپن ہی تو اس دور میں جب "عمر و داس" کی اپنی پچھلے آرائیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ "محرک یکسویت و شر" کا غبار بھی فضاؤں میں موجود تھا۔ کھسٹری اور غیر کھسٹری کی تکیوں بھی باقی تھیں۔ اس "پیشی دوار" میں زندہ رہنے کے لئے انہیں "نو کھسٹور" کا سہارا لینا پڑا۔ اردو اور فارسی کتبوں کی تلاش و اشاعت کا شعبہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ قاتل اشاعت کتبوں کا انتخاب ان کی ترتیب و تدوین، تخریج نگاری اور حاشی نویسی، سب کچھ انہیں سے متعلق تھا۔ ان کے زمانے میں انتشار نئی اور پرانی کتبوں کا قتل قدر اضافہ ہوا اور نو کھسٹور پریس کو نشاۃ ثانیہ نصیب ہوئی۔ اسی زمانے میں نیاز فتح پوری مرحوم "نگار" کو لے کر بھوپال سے کھسٹور پہنچ چکے تھے اور مقبول و وصل بکراہی بھی کھسٹور کی بھلاہ ادب پر جلوہ نما ہو چکے تھے۔ وصل مرحوم کے یہاں روزانہ نشستوں کا سلسلہ شروع ہوا اور اسی کے ساتھ غالب کے دیوان میں "نیا اضافہ" ہونے لگا۔ کلام غالب میں کئی سوئے اشعار شامل کر کے مولانا اسی نے "مکمل شرح دیوان غالب" تصنیف فرمائی جسے صدیقی کثرت کھسٹور نے ۱۹۳۱ء میں شائع کیا۔

"مکمل شرح دیوان غالب" میں نہ محض غالب کے نام سے جعلی کلام کا (۱۹) الفاظ کیا گیا بلکہ کچھ ایسے نئے انکشافات بھی کئے گئے جن سے اہل علم و ادب اس وقت سے بے خبر تھے۔ مکمل شرح کے طویل مقدمے میں وہ ایسی مباحثوں کی نشان دہی کی گئی جن میں غالب کا "غیر مطلوبہ" کلام سمجھا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس قاضی مقدمے میں بعض ایسی باتیں بھی کہی گئیں جن کا کوئی ثبوت نہیں دیا گیا۔ چنانچہ جناب مالک رام جیسے محقق نے بلا کسی تحقیق کے تذکرہ "مختصر غالب" میں صرف مولانا اسی کے بیان کا سہارا لے کر مفتی ظیفہ حسام الدین احمد الدینی کو غالب کے شاگرد و تلمذ دیا جو قطعاً ایک مشکوک و مشہور روایت ہے اور روایت وہ بہ روایت کے جن اصولوں پر پرکھنے کے بعد جناب مالک رام نے مفتی انتظام اللہ شہابی کی روایت ماننے سے انکار کیا ہے، مولانا اسی بھی اس میزان پر پرے نہیں اترتے۔

"مکمل شرح دیوان غالب" کے اسی مقدمے میں مولانا اسی نے کتب حیات کی اس روایت کی تکذیب کرتے ہوئے طرہ غالب کا مروجہ دیوان "مولانا فضل حق خیر آبادی اور مرزا غلامی خان کا انتخاب کیا ہوا ہے" ایک سخت تنقید کی ہے اور ایک ایسی روایت تحریر فرمادی ہے جس کا کوئی ذکر کہیں نہیں ملتا۔ مولانا اسی نے تحریر فرمایا ہے:

"مرزا غلامی (خان) ہوں یا مولانا فضل حق (خیر آبادی)" میرا ہرگز یہ خیال نہیں ہے کہ مرزا (غالب) ایسے فیور طبع نے اپنے جگر بادلوں کو ان کے حوالے کر کے ان کی زندگی اور موت کو ان کے دم و دم پر چھوڑ دیا ہو گا، غلط ہے اور بالکل غلط ہے، یہ اور بات ہے کہ ان دونوں نے صلاحیں دی ہوں اور مرزا نے ان کی دوستانہ صلاح کو مانا بھی

ہو۔ مگر یہ انتخاب مرزا ہی نے کیا ہے۔ خود میرے والد (خلیفہ حسام الدین احمد الدینی) مرزا غالب کے دیکھنے والوں میں تھے، ان کے کمال فن کے پورے راز دان تھے۔ وہ جب آزاد کا یہ ”آبِ حیات“ والا لفظ دیکھتے تھے کہ مرزا نے مولوی فضل حق سے انتخاب کرایا تو فحشے کے بارے میں سوچ ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ کیا بہتان باندھا ہے۔

”والہ صاحب بیان کرتے تھے کہ مرزا اصلاح دے کر بعض شاعروں سے ایک ہندو قبیلے کی نسبت تو ضرور یہ کہتے تھے کہ ذرا اس کو بھی سنا لیتا اور پانی کسی کو دیا کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ صہبائی (امام بخش) کو ملائے مکیسی، آزاد (مفتی صدر الدین) کو ایک حکمران، لدن کو بادشاہ کا استلا، مہمن کو لڑاکو جانتے تھے اور ذرا بھی فن کی پروا نہ تھی۔“ (20)

قلعِ نظر اس سے کہ سوجھ بوجھ ان غالب کے انتخاب کی لزیمت کیا تھی، مولانا آسی اپنے والد مفتی خلیفہ حسام الدین احمد کے بارے میں کوئی ثبوت اس کا پیش نہیں کر سکتے کہ وہ غالب کے ”کمالِ فن“ کے پورے راز دار تھے۔ غالب کا کوئی ایسا خط آج تک سامنے نہیں آ سکا جس میں خلیفہ حسام الدین احمد کا ذکر کسی سلسلے میں آیا ہو۔ جناب مالک رام نے محض مولانا آسی کے خود نوشت حالات (مطبوعہ ماہنامہ نگار لکھنؤ، بابت جنوری فروری 1369ھ) کو دیکھا۔ کہ خلیفہ حسام الدین احمد کو غالب کا شاگرد اور ”کمالِ فن“ کا پورا راز دان تصور کر لیا۔ حالانکہ انہیں خود نوشت حالات کے جس ٹکڑے پر جناب مالک رام نے یہ عظیم غمارت خیر فرمائی ہے اگر اس کے صرف اسی حصے پر توجہ فرما لیتے تو پوری بات کچھ میں آجاتی ہے جناب مالک رام نے مولانا آسی کے خود نوشت حالات کا جو حصہ نقل کیا ہے اس کی ابتدائی سطور یہ ہیں :

”سہام“ خلیفہ حسام الدین احمد الدینی۔

”سہام“ (مطبع میرٹھ) کے فراع میں ”معدن“ ایک قصبہ ہے، وہیں کے ایک شریف خانہ دہن کے چشمہ چراغ تھے۔ شاعری کیا ورثے میں پائی تھی۔ ان کے دھند مولوی شیخ خدا بخش بھی شاعر تھے، عاجز تھیں تھا۔ عاجز کے والد شیخ عبد الحکیم عرف میاں تنہن عاشق تھیں کرتے تھے۔ یہ میر تقی میر کے ہم عصر اور بھلیں تھے، انہیں میں خوب سمجھتیں رہتی تھیں اور ایک ساتھ شعر و شاعری سے شوق کرتے تھے۔“ (21)

جس طرح غالب کے ”کمالِ فن“ کے راز دان ”خلیفہ حسام الدین احمد کا نام یا کوئی شعر آپ کو کسی تذکرے میں نہ ملے گا“ اسی طرح تمام جدید تذکرے میر تقی میر کے ان ”ہم عصر اور بھلیں“ سے غلط نظر آئیں گے۔ اگر جناب مالک رام ”تکلیاتِ میر“ مرتبہ مولانا آسی کے طویل مقدمے میں میر کے ان ”ہم عصر اور بھلیں“ کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے تو شاید بلا تھدیق خلیفہ حسام الدین احمد کو غالب کا شاگرد تسلیم نہ کرتے۔

مفتی انتظام اللہ شاہی مرحوم کی طرح مولانا آسی مرحوم کا ذہن بھی ہمیشہ احساسِ ذمہ داری سے غلج رہا اور ایسی ایسی دواہتیں ان کے قلم سے برساتتے نکل گئی ہیں جنہیں کوئی غیر تحقیقی ذہن و شعور بھی مشکل سے قبول کرے گا۔ ”ہندو قبیلے“ کا ذکر مولانا آسی نے ٹانگوں پر ہلا دواہت میں کیا ہے۔ اس کا ذکر آپ کو آزاد کے یہاں ملے گا نہ حلی کے یہاں۔ غالب کے کسی ہم عصر نے ایسے خنہ فہم قبیلے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا حالانکہ اگر ایسی کوئی بلاتوق شخصیت اس

وقت دلی میں ہوئی تو آزاد و حلی نہ سہی ' خواجہ حسن نظامی ' مولانا راشد الخیری اور ناصر تذہیر فرائی جیسے روایت نگار تو اسے بھی فراموش نہ کرتے۔

مولانا آسی نے غالب کے اردو کلام میں الحاقی کام تو شامل ہی کیا تھا ' سب سے بڑا سہم یہ کیا کہ ۱۸۸۵ء میں دہان غالب (۱۸۸۵ء) ایک نیا ایڈیشن نو کثور پریس لکھنؤ سے ایسا شائع کرایا جس میں ایک طرف تو نسخہ حیدرہ (مکتوبہ ۱۸۸۱ء مطبوعہ ۱۸۸۱ء) کا ایک انتخاب بھی "۳۳" منتخب غزلیات غیر مطبوعہ مرزا غالب مرحوم " کے عنوان سے شامل کر دیا اور نسخہ حیدرہ کے حوالے کے بغیر تحریر فرمایا :

"چونکہ مرزا غالب کی غیر مطبوعہ غزلیں یا وہ کلام جسے غالب نے خود قلم طبع نہ سمجھا تھا ' اکثر بدل اور شرکت ' امیر دہلیو کے رنگ میں ہیں اور اس وجہ سے وہ بیحد الجھی ہوئی اور بیحد القلم ہیں ' لہذا ان غزلوں میں سے وہ اشعار انتخاب کئے گئے جو اس رنگ میں بیحد سہل اور آسان ہیں۔ اہل اراکہ تھا کہ ان اشعار کو ان کے موجد دہان کی غزلوں میں شامل کر دیا جائے مگر چونکہ خود مرزا نے ان کو علاحدہ کر دیا ہے لہذا ہم نے بھی مصنف مرحوم کا اچراغ کیا۔" (22)

دوسری طرف اس دہان میں حاشے پر بعض اشعار کی شرح بھی کی گئی ہے ' اور بے سربا روایات یا کسی حوالے کے کلمہ دی گئی ہیں۔ ۱۸۸۵ء کے ایڈیشن کا یہ نسخہ میرے سامنے ہے اس پر ملاحظہ نہیں ہے اس لئے یہ کہنا دشوار ہے کہ اس پر بحیثیت مرتب مولانا آسی کا نام ہے یا نہیں ؟ لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ یہ دہان مولانا آسی ہی کا ترتیب دیا ہوا ہے اور شرح کے پیرائے میں جن اشعار پر غیر مطبوعہ روایات کے حواشی لکھے ہوئے ہیں ' وہ سب مولانا آسی کی ہمت طبع سے قلم لکھے ہیں۔ مولانا آسی مرحوم کے ایک قریبی دوست میرزا محمد عسکری بی۔ اے نے اپنے خود نوشت حالات "من کیستہ" میں مولانا آسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

"شاعر و باقہ و شاعر ' مشہور نو کثور پریس میں بعدہ سگد شائع ملازم ہیں ' خوشا نصیب اریس کے کہ ایسا گھر بے ہما کوڑوں کے مول مل گیا اور وہ اس کی قدر نہیں کرتا۔" (23)

اس ایڈیشن میں شرح کے پردے میں جو "روایت سازی" کی گئی ہے وہ دلچسپ بھی ہے اور المہرناک بھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے ان اشعار کے "پہلی نظر" میں جہانک کرچکے تصور اتی خالکے بنا ڈالے ہیں جو اس دہان کے حاشیوں کے سوا شاید کہیں بھی نظر نہ آئیں گے۔ اب تب ان اشعار کے آیتے میں وہ روایات ملاحظہ فرمائیں جنہیں بڑا کسی نسخہ حوالے کے اس دہان غالب میں لکھا گیا ہے :

یہ مسائل قصوف یہ قرا بیان غالب
تھے ہم دلی سمجھتے ہیں جو نہ چارہ خوار ہوا

حاج ہے کہ غالب مرحوم نے یہ غزل قلم میں پڑھی تھی۔ ہمارا شاہ ظفر مرحوم نے جب یہ مقطع سنا تو فرمایا کہ ہم تو اس وقت بھی تب کو ایسا نہ سمجھتے۔ مرزا نے اذراہ شوخی عرض کیا کہ حضور تو اب بھی ایسا ہی کہتے ہیں مگر یہ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ میں اپنی حالت پر مغرور نہ ہو جاؤں۔ (صفحہ ۲۱)

دوائے سحاسی نکل آئی سے ہوا نکل

میرا سر دامن بھی ابھی تو نہ ہوا تھا

ذوقِ مرحوم اس شعر کو پسند کر پھول سر دھنتے تھے اور غالب کی تعریف ان الفاظ میں کرتے تھے کہ غالب کو اپنے اچھے شعروں کی طود بھی خبر نہیں ہوتی۔ (صفحہ ۲۹)

لہجی ہے طوئے یار سے نازِ انتخاب میں

کافر ہوں مگر نہ لہجی ہو راحتِ عذاب میں

مولانا آزاد بھی غالب کے کسی شعری تعریف نہیں کرتے تھے 'اس لئے کہ وہ خود نہایت صاف شعر کہتے تھے اور شعر میں مغالئی کو پسند کرتے تھے۔ ایک دن کسی نے اچانک یہ شعر پڑھا 'بھڑک گئے اور پوچھا یہ کس کا شعر ہے؟ کسی نے کہا۔ غالب کا شعر ہے۔ جواب دیا کہ پھر اس میں مرزا کی کیا تعریف ہے؟ یہ تو ہماری روشِ خاص ہے اور اس کے مستحقِ ستائش ہمیں نصرت ہے۔ (صفحہ ۵۵)

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے

ذوقِ مرحوم کہیں پاکی میں بیٹھے جا رہے تھے غالب کی تفریحی 'چونکہ ان سے ہم عصرانہ چٹکت تھی' انہوں نے یہ مصرع فی البدیہہ کہہ کر پڑھا۔ ذوقِ مرحوم نے سن لیا اور بادشاہ سے شکایت کی۔ بادشاہ نے غالب کو بلوایا اور پوچھا کہ آج آپ نے کوئی غزل کہی ہے۔ انہوں نے پوری غزل سنائی۔ آخر میں مقطع میں یہ مصرع شامل کر کے ختم کیا۔ (صفحہ ۹)

اس قسم کی متعدد روایات (24) اس زمانہ کے حاشیوں پر لکھ دی گئی ہیں جن کے بارے میں کوئی قابلِ اعتبار ثبوت یا حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ جو مشکلات ان روایات میں درج کئے گئے ہیں جیتنا بے بنیاد اور من گھڑت ہیں۔

مولانا آسی کے مرتبہ دیوانِ غالب اور کا ایک ہی ایڈیشن جون ۱۹۳۵ء میں نو کثرت پریس لکھنؤ نے شائع کیا تھا کہ ۱۹۳۲ء میں مولانا کا انتقال ہو گیا ان کی وفات کے بعد مولوی امیر حسن نورانی (رکن شعبہ طباعت دہلی یونیورسٹی) ان کے قائم مقام کی حیثیت سے نو کثرت پریس کی راجہ رام کمار برادری میں پہنچ گئے۔ ان کے زمانے میں اس دیوانِ غالب کے دو ایڈیشن ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئے جن کے مولود پر مولوی امیر حسن نورانی کا نام اس التزام کے ساتھ چھپا ہوا ہے کہ 'صحیح تصحیح و اضافہ حالات زندگی' لیکن سوائے اس کے کہ مولانا آسی کے لکھے ہوئے حالات میں رد و بدل کیا گیا ہے ہاتی ان ایڈیشنوں میں سب کچھ وہی موجود ہے جو مولانا آسی نے لکھا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء کے ایڈیشن میں صفحہ ۵۵ پر 'تھپ غزلیانِ غیر ملبوسہ غالب مرحوم' کی خوش خبری ۱۹۶۰ء کے ایڈیشن میں بھی موجود ہے اور صفحات ۳۳ و ۳۵ پر غالب کا مشہور 'سرا' شائع کرنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ:

"یہاں تک 'غزلیں' دیوانِ غالب کی تمام ہوئیں۔ اب آگے تصانیف اور قصائد ہیں۔"

مولانا نورانی کے صحیح کئے ہوئے ایڈیشنوں میں بھی یہ تمام فرضی حکایات بدستور موجود ہیں 'کہیں ایک نپٹے کا فرق نہیں۔ نسیم حیدر کو چھپے ہوئے نصف صدی سے زیادہ ناز ہو گیا۔ اس کے نہ جانے کتنے احتیاط شائع ہو چکے مگر مولانا نورانی کے نزدیک یہ آج بھی ایسا نادر و نخبہ ہے جس کی دریافت کا سرا اُنہیں کے سر ہے۔

حواشی

- 1- آتب حیات: سلاطین اعلیٰ عثمانیہ (۱۵۱۸ء تا ۱۵۶۶ء)۔
- 2- مآتب کی تخلیق پھولی بس: پہلی عالم، دہلی کے مسٹر پولی "خانہاں میں مرزا اکبر جنگ و امن کی راہی تھیں۔ مرزا غلام جنگ (امرف مرزا مغل) امن کے سب سے چھوٹے ساروڑ سے تھے اور سرور جنگ مرزا غلام جنگ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ مآتب کی انھیں بس پہلی عالم سے امن کے میں بھائی اور ایک بھائی اعلیٰ عالم تھیں وہ لوگ مغل امن خانہ کوسلاطین کو راہی تھی۔ امن کی پالی سکھو زبانی تھم سرور جنگ کی ایسے تھیں" اس کے علاوہ سرور جنگ کی ماں عزیٰ النساء مرزا مآتب کی تخلیق تھیں" اعلیٰ مرزا حسن کی انکولی ساروڑاوی۔ اس لحاظ سے مآتب اور سرور جنگ میں قری رشتہ داراوی تھیں۔ سرور جنگ کے والد اپنے چارے خانہاں کو لے کر ۱۵۵۵ء میں بیتامڑ چلے آئے تھے۔ یہاں امن کے بڑے بھائی مرزا عباس جنگ مستقل طور پر رہا جس کے تھے۔ سرور جنگ کی انکولی تھم بیتامڑ، دور گھنٹا میں دہلی، پھر اس خانہاں کا بڑا حصہ دکن چلا گیا۔ سرور جنگ تمام دکنی اصفہان چلا سندس کے استاد تھے۔ زبکی کے آخری ایام میں غی گڑھ آگئے تھے۔ یہیں اردو ۱۵۵۳ء میں وفات پائی۔ دہلی لے جاتی تھی۔ اپنے خانہاں قندھار مسند پر۔ میں آسودہ خواب ہیں۔
- 3- کارنامہ سروری: سلطوہ طبع مسلم پندہ علی علی گڑھ: حاشیہ ص ۷۳۔
- 4- اصل گیات اردو: مآتب دہلی "شرکت الطباع بریلو" (اکتوبر ۱۹۶۹ء) صفحہ ۱۰۷۔
- 5- چراغ علی: صفحہ ۷۳، طبع مغل نڈ، کٹھور گھنٹا، دسمبر ۱۹۶۹ء۔
- 6- خاکسار اشکوار: سلطوہ فاروقی پبلش، دہلی، صفحہ ۲۳۔
- 7- خاکسار اشکوار ص ۳۰۔
- 8- اہیلا ص ۱۰۷۔
- 9- "مختصر سلطان" نام کتابت کی تھیں ہے۔ مختصر سلطان ہوا چاہئے۔
- 10- خاکسار اشکوار ص ۱۰۷۔
- 11- اہیلا ص ۱۰۷۔
- 12- خاکسار اشکوار ص ۱۰۷۔
- 13- آتب حیات: سلطوہ طبع عام دہلی: حاشیہ صفحات ۱۵۶، ۱۵۷۔
- 14- سیر چالی: زندگیاں رنگ، سیر اس کی دولت ہے۔ لکھا ہے یہ طاس میں کالے گہرا ہے۔
- 15- یہ مآتب کی تھیں ہے ۱۵۵۷ء چاہئے۔
- 16- دہلی مآتب: نسخہ مغل ص ۳۳۔
- 17- آتب عالم: اول کشور گھنٹا ص ۷۷۔
- 18- سر راہی "مکر و مکر" علی گڑھ: بخاری ۱۹۶۹ء ص ۱۰۷۔
- 19- خاکسار: "مآتب کے کام میں اعلیٰ عالم" شاخ کرد، قندھار اردو: گھنٹا۔
- 20- مغل شرح دہلی مآتب: سلطوہ اشاعت اعظم گھنٹا۔
- 21- مختصر مآتب ص ۱۰۷۔
- 22- دہلی مآتب: اعلیٰ عالم ۱۹۶۹ء ص ۱۰۷۔
- 23- میں "مختصر" دہلی پبلش گھنٹا: ۱۹۶۹ء ص ۱۰۷۔
- 24- مہتاب آئی کی زبان کرد دہلیات میں سے تھیں "یادگار مآتب" میں بھی سرور ہے۔ (یادگار)

انور سدید

عہد غالب کے چند مسائل

دہلی اختیار سے غالب کا تصور ایک ایسے دور میں ہوا جب ہندوستان کی پرانی تہذیب و م توڑ دی تھی اور مغرب کی یلغار سے نہ صرف نئے علوم کا درکشادہ ہو رہا تھا بلکہ پرانے معاشرے نے حقیر کے نئے خطوط کو قبول کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ اس لحاظ سے غالب کے عہد میں جہاں ایک طرف شکست و ریخت ہو رہی تھی وہاں ایک نئی حقیر کا عمل بھی جاری تھا۔

غالب کا الیہ یہ تھا کہ وہ مظفر نوال کے دور آخر میں ۱۷۸۷ء میں پیدا ہوا۔ اس وقت بنگال خراجہ عالیہ "مسلمانوں کا محفل درجہ ثالثہ کو پہنچ چکا تھا اور ان کی دولت، عزت اور حکومت کے ساتھ علم و فضل اور کمالات بھی رخصت ہو چکے تھے۔"

لیکن یہ نوال "آقا" نہیں آیا تھا۔ اس کے آثار تو اورنگ زیب کی وفات کے فوراً بعد نمایاں ہونے شروع ہو گئے تھے۔ راجپوت، جاٹ اور مرہٹے ہندوستان کے مختلف حصوں میں سر اٹھا رہے تھے اور غلبہ نے جن مرحلوں کا مشیرانہ ہوا کے اڑتے ہوئے ڈھول کی طرح بکھیر دیا تھا وہی اس کے جانشینوں کے لئے درد سر بن گئے تھے۔ بیشتر مثل شہزادے ذاتی جاہ و مشقت کے لئے انہیں کے اکہ کار بن جاتے تھے، چنانچہ جس اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے باہر نے شہادت، اکبر نے دہلواوی، جمالیگر نے قادیان، شاہجہان نے حلاوت اور اورنگزیب نے قوت و خیر استعمال کیا تھا جب ان کی اولاد کی ملک گیری کی ہوس کی خد ہوا تو منقطع بھی قریح بن گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجروں نے عسکروں کے روپ میں ہندوؤں کو تخت و تاج سے محروم کر دیا۔ غالب پیدا ہوا تو قلعہ مثل کی حفاظت اور عکسپاتی کے فرائض مرہٹے سرانجام دیتے تھے لیکن ۱۷۸۳ء میں سندھیا کو شکست ہوئی اور لاہور ایک کی فوجیں دلی میں داخل ہو گئیں تو قلعہ نے شہنشاہ مظفر کا تاج انگریزوں کے قدموں میں ڈال دیا۔ جہاں ایک نے اس صحیح کرانلیہ کو ہمہ کرنے میں دیر نہ کی اور فتح دہلی کے بعد شاہ عالم کو کھٹاک۔

"میں اس موقع کو اپنے لئے غیر معمولی اعزاز و اکرام کا باعث سمجھتا ہوں" اس لئے کہ پنجاب والا کے احکام نافذ کرنے کا فرض عزت و تحکیم کا حامل ہے۔"

آہستہ آہستہ مثل انعطاف کے اس درجے پر پہنچ گئے جہاں حکومت اور تہجداری کی آواز تک ختم ہو جاتی ہے۔ آخری مثل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے بارے میں ظہیر دہلوی نے جو ان کے داد و قدم باقی مراتب تھے "داستان نادر" میں لکھا ہے کہ

"انہاں جملہ ایک یہ بھی تکیہ کلام حضرت کا تھا میری اولاد باقی آرزو سلطنت کی رکھتی ہے۔ یہ

کارخانہ آگے چلنے والا نہیں ہے۔ مجھ پر ہی فتنہ ہے از خود ناخوش

ہر چند بادشاہ بدود تھا اور دماغ جان مار تھی، قلندہ مثل میں مثل دیدار پرے شان و شکوہ سے قائم تھا لیکن یہ سب خلیج کا آخری اہل تھا اور خلیج کے لئے دو فتنہ بھی باہم کر لانا پڑا تھا۔ مولانا الطاف حسین حالی نے نوال کی اس تاریکی سے روشنی کی ایک کرن پکڑی ہے اور لکھا ہے کہ

”حسن الحق سے دارالخلافت دہلی میں چند اہل کمال ایسے جمع ہو گئے تھے جن کی صحبتیں اور پلے عمد

انگریز کے جلسوں اور صحبتوں کی یاد دلاتے تھے۔“

اہل اہل کمال میں غالب بھی تھا جس کا ہم سر خلیج ہر اکرام کے بھول شاہجہان اور جماعتگیر کو بھی نصیب نہ ہوا ہو گا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سلطنتِ تیمور کے نوال کا آخری خوں پناہ دیکھا اور ان میں سے بعض نے صریح غصہ سے نواسے سوش سننے کے بجائے انک دواں سے اس سلطنت کی بربادی کا نوحہ کیا۔ غالب کی رگوں میں سلجوقی ترکوں کا خون دوڑ رہا تھا، ہر چند اس دور میں ترکوں کی تلوار پیام میں چلی گئی تھی لیکن سلجوقی خون ابھی سرد نہیں ہوا تھا اور غالب نے اس متحرک خون سے کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دینے کی کوشش کی جو اسے اور اس کے عمد کو چاندوں اور مظلوم کے باطن کو زندہ کر دے اور ان کے نوال گدارہ شخص کی عظمت بھال ہو جائے۔

سلاطین، سیاسی اور تمدنی نوال کے اس دور میں غالب کا ایک اہم مسئلہ اپنے شخص کو برقرار رکھنے کا تھا۔ مظلوم کے زمانے میں مسلمان معاشرے میں سید، پھلان، خلیج اور مثل کی تقسیم دواں پانچویں تھی، ہندوستانی معاشرے میں طویل عرصے تک بدود باش اختیار کرنے کے باوجود بیشتر امراء اور شہزادے اپنے اس نسلی امتیاز کو برقرار رکھنے کی کوشش کی، اس واسطے سے دیکھنے توہیں لگتا ہے کہ ظلم و فضل اور کمالات فنِ بدود نوال تھے، ”قدیم تمدنی قدروں تخلیقی کی نو میں تھیں اور شاہ وقت کی حیثیت شاہِ خلیج سے زیادہ نہیں تھی، قبیلے کی عظمت بھی ایک بے حقیقت سارا تھی۔ تاہم اس دور کے لوگوں کو اپنے موروثی شخص کو قائم رکھنے میں تسکین ملتی تھی۔ ان کے لئے یہ حقیقت بھی فعالیت کا نشان تھی کہ ان کے آباؤ اجداد بدود ہند سے آئے تھے۔ اس لئے یہ کتنا درست ہے کہ شخص کا مسئلہ اس دور کا ایک عمومی مسئلہ تھا۔ غالب کو اپنی خانہ دانی عظمت کا احساس زیادہ تھا۔ غالب کو غرور تھا کہ ان کا سلسلہ نسب توہیں ایک اور قریب خان سے جاتا ہے اور ان کی زبان ترکی اور فارسی تھی، غالب نے اپنے شخص کے تحفظ کے لئے ایسے دماغ بھی تلاش کئے جن پر وہ عمل کر سکتے تھے۔ انہوں نے ایسی شاعری تخلیق کی کہ ناقدین ادب نے غالب کو منظرِ تہذیب و تمدن کا بحرینِ شریعت تسلیم کیا۔

مولانا الطاف حسین حالی کے خیال میں ”مرزا کی قلم لائف میں کوئی بڑا کام ان کی شاعری اور انشاء پردازی کے سوا نظر نہیں آتا۔“ لیکن وہ اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں

”صرف اس کام نے ان کی لائف کو دارالخلافت کے اخیر دور کا اہم محکمہ پائش واقعہ بنا دیا ہے اور میرا

خیال ہے کہ اس ملک میں مرزا پر فارسی ظلم و نثر کا خاتمہ ہو گیا ہے۔“

مولانا حالی کو ملال تھا کہ غالب شاید غلط زمانے میں پیدا ہو گیا تھا۔ انہوں نے لکھا:

”مذہب کی قدر بھی کر چاہئے، اکبر کرتا، جماعتیں، شاہان“

خود غلبہ کو یہ احساس قائم

”میں تو آپ فکشن کا آفریڈ ہوں“

لیکن وہ تمام عمر گرمی بخلا تصور سے غفلت نہ کیا بلکہ اس دور کی دواجی شاعری سے انحراف کر کے اپنی راہ اس طرح الگ تراشی کہ اب یہ دور غالب ہی سے منسوب ہوتا ہے، انیسویں صدی اس کے نام معنون ہو چکی ہے۔

تیسویں صدی میں عبدالرحمن بنجوری نے غالب کے تخلص کا انہماک کیا تو ”دیوان غالب“ کو مقدس دید کے برابر قرار دے دیا۔ رشید احمد صدیقی نے غالب ’اردو اور آج‘ محل کو مغلیہ سلطنت کی عطا قرار دیا۔ اس توشیح میں شیخ محمد اکرام نے لکھا کہ

مشاہدات کا تکیع محل اور طالب کی شاعری فری کی دو مختلف اسٹیف کے شاہکار ہیں لیکن دونوں کی حصہ

میں ایک طرح دکھایا ہے۔"

غالب کا عہد مغلوں کے زوال کا مگر اردو کے عروج کا دور تھا۔ چنانچہ غالب کو اگر اکبر اور شاہجہان کے عہد کی مٹی سمجھیں نہیں ہوتیں تو اس کا دایاں غالب کو اور اس کے شاگرد و شاگرد حالی کو تو ہو سکتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ غالب کے اس ذاتی تریاں میں اردو کا گراں قدر انتخابی فائدہ مضمر تھا۔ غالب اگر اکبر کے عہد میں پیدا ہوتا تو وہ ایضاً اور ابوالفضل کی مجالس میں قاری شاعری تخلیق کرتا لیکن اردو شاعری اور وہ خطوط معرض وجود میں نہ آتے جن میں دلی کا روزِ موناہلی شان سے جلوہ گر ہے۔ چنانچہ اول الذکر صورت میں اس کی عظمت بیسویں صدی کی طرف پیش قدمی نہ کرتی اور دلی کی آخری شمع کے بجھنے ہوئے اہالے تک محدود ہو کر تاریخ کا حصہ بن جاتی۔

غالب کے دور میں اردو فکر، ثقافت اور بازار کی زبان ہی نہیں تھی، اسے فارسی کے باکمال شاعروں نے قبول کر لیا تھا اور یہ قلمی سلی تک پہنچ گئی تھی، یہاں تو شاہ غفر خود شاعر، شاعروں کا قدردان اور شعر کا عاشق و شیدا تھا۔ قلمی میں محفل مشاعرہ کی تو اس میں تو شاہ نصیر، عظیم صفت، قاسم، قزاق، کلیبا اور مننون جیسے شعراء شریک ہوئے۔ غفر پہلے شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے، پھر اس کے دست پر استاد ذوق سامور ہوئے آخری عمر میں یہ سلوک مرزا غالب کو نصیب ہوئی تو اس کی خوشی کا لنگانہ نہیں تھا۔ یہ شعراء ہی واقعے کی یادگار ہے۔

عالم و خلیفہ خواجہ شاہ کو دعا

”وہ دن آئے جو کہتے تھے“ ذکر نہیں ہوں میں

لال قلعے تک اہل کمال کو درستی حاصل تھی لیکن قلعے سے باہر بھی اہل کمال جمع تھے، ان میں شاہ ولی اللہ کے فرزند ان کو سب سے زیادہ اہمیت تھی۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی ان کے فرزند تھے، اس خانہ ان نے ہندوستانی مسلمانوں کے عقائد اور مذہبی میلانات کی اصلاح و ترویج میں قابل قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔ الابرچن لوب میں کلیم موسیٰ خان موسیٰ، نواب مصطفیٰ خان شیخ تھے، اہل علم میں مفتی صدر الدین آزاد، امام بخش صہبائی، اور مولوی ملک علی جیسے فضلا موجود تھے، یہ اس عہد کی علمی شکشاں تھی جس میں غالب ایک روشن ستارہ تھا، جو دور سے نظر آ جاتا تھا۔

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ غالب انہیں ستاروں سے دلو کا طالب ہوتا تھا، انہیں کی راستے پر نکلیے کرنا تھا کہ یہ غنّی سچا نور غنّی قسم تھے۔ مشاعروں میں غالب انہیں تلاش کرتا، نظر آجاتے تو اطمینان سے مشاعرہ چڑھتا۔ موجود نہ ہوتے تو پریشان ہو جاتا۔ غلام رسول سر نے اس دور کے چند مشاعروں کا احوال غالب کے قاری مکتاہب سے لگایا ہے۔ ایک خط میں غالب نے لکھا ہے:

’ نظام الدین، مننون اور مولوی امام بخش صہبائی پر سبب علالت نہ آئے، حضرت آذرہ کی خدمت میں آوری بھیجا گیا وہ اگرچہ دیر سے آئے مگر آگئے۔ میں نے طرعی زمین میں ایک قصیدہ لکھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اسے ’ہرات باقیہ‘ کی طرح باخراہہ دلوں کے چلاؤں اور اردو کے شعراء کو دور سر نہ دوں لیکن حضرت آذرہ کی تشریف آوری سے دل مطمئن ہو گیا اور میں نے قصیدہ پڑھنا ضروری سمجھا۔‘

ایک اور مشاعرے کا ذکر یہاں کیا ہے۔

’اس مشاعرے میں میری ’شاگ زمین گیر‘ رشتہ گریوں کی آنکھوں کا غبار نہ بنی‘ میں نے ایک ہفتہ پہلے غزل کہی تھی‘ جسے حضرت آذرہ کی خدمت میں بھیج دیا۔‘

آذرہ غالب کے زیادہ قائل نہیں تھے، شاید غالب بھی اس بات سے آشنا تھے، ایک محفل میں غزل پڑھی تو یہ شعر آذرہ کو غامض طور پر غالب کے چڑھا۔

تو اے کہ غم غنّی معشراں عشقین
مہاش سحر غالب کہ اور نازت

حالی نے لکھا ہے کہ حاضرین میں سے کوئی بھی حائر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اس دور میں اگرچہ انگریزی طرز کے مد سے قائم ہو چکے تھے، فورٹ ولیم کالج میں قریبے کا کام قابل قدر امتلاز میں ہو رہا تھا، اور دلی کالج قائم ہوا تو اس نے علوم نو کی روشنی پکھیلنے میں عمدہ خدمت سرانجام دی، لیکن علم و ادب کی دولت استاد کے وسیلے سے بھی شاگردوں میں تقسیم ہوتی تھی اور اس تقسیم میں ذہب اور عقیدے کی کوئی قید نہیں تھی، غالب اس لحاظ سے بھی خوش قسمت ہے کہ اسے غرض شاگردوں کا وسیع حلقہ نصیب ہوا جو اس کے نام کا سکہ پورے ہندوستان میں چلا رہا تھا۔ ان میں غلام غوث ہے، خیر، ہر گھال نقد، ’مبد الغوث ندع‘، بی بخش حقیر، ’انوار الدولہ شفیق‘، ’محبب اللہ دکن‘، قاضی عبدالخلیل جنوں تھے جن کی علمی استعداد اور مہرتے کا خود غالب معترف تھا، شاگردان غالب کی حقیقی ہنگام صاحب نے کی ہے، ’ان کی کتاب کو دیکھنے کے کیسے کیسے لوگوں پر غالب کا ابر کرم برس رہا تھا اس کے دوستوں میں ایک مصطفیٰ خان شینو تھے جنوں نے حالی کی تربیت کی اور وحشت تھے جن سے مرثیہ لکھوانے کی خواہش میں غالب نے مرثیہ بھی قبول کیا تھا‘ یہ شعر اسی آذرہ کی یادگار ہے۔

وحشت و شینو اب مرثیہ کہیں شاید
مر گیا غالب آٹھ سو سا کہتے ہیں

غالب کا فن اس کی شخصیت کا عکاس بھی ہے اور مغلیہ تہذیب و ثقافت کا تکیہ دار بھی ہے۔ لیکن غالب کے

نہانے میں ہی رنگ آہٹیں تھریں ہو چکا تھا، جی تھکے کی ہوا چل پڑی تھی، انگریزوں نے اپنے قدم اس سرزمین پر مضبوطی سے جمائے تھے، چھاپے خانے کا نظام، سستی ڈاک کا نظام، امریکی کی تھکے کی تھکے، تھکے کی تھکے کے لئے شہروں کی کھدائی اور ریل کی آمد نے نہ صرف ہندوستان کی معاشرتی زندگی پر اپنا اثر ڈالا بلکہ غزوہ عمل کی بیج بھی بدل دیں، امداد شعرو اوپ کی زبان میں بجلی تھی لیکن لاوارڈ میکانے نے انگریزی کو فروغ دے کر ایسے ہندوستانی تلاش کر لئے جو انجیت انگریزوں کی رکھی۔ میکانے کے اس اقدام نے ہندوستان کا قدیم تہذیبی ڈھانچہ بدلنے اور ایک وسیع و عریض ملک کی کامیابی میں بڑی مدد دی۔

غالب کے دور میں اگر یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ مشرق کی تہذیبی اقدار کا تحفظ کس طرح کیا جائے تو اسی دور میں ایک اہم مسئلہ یہ بھی تھا کہ نئے علوم کی ضرورت اور اہمیت سے کیا انکار کیا جاسکتا ہے؟ سائنس علوم کی اشاعت نے مشرقی احساس شعور کو ایک جی کوٹ دی تھی، روحانیت پسندوں کو اس سے صدور پہنچا۔ لیکن ان علوم کی اہمیت کا احساس بھی دوز افروز ترقی پر تھا، اس کی ایک روشن مثال راجہ رام موہن رائے ہیں جنہوں نے ایک ایسے کالج کی تشکیل پر زور دیا جس میں یورپ کے تعلیم یافتہ اور کامل اہل مغربی علوم مثلاً طبیعیات، کیمیا اور انٹروی وغیرہ کی تعلیم دیں۔ اسی دور میں شاہ ولی اللہ کے خاندان کے روشن خیال بزرگ شاہ عبدالعزیز نے مسلمانوں کو ٹھکانے کالج میں نئے علوم حاصل کرنے کی عام اجازت دی اور انگریزوں کی ملازمت کو اس صورت میں جائز قرار دیا کہ تعویض شدہ فرائض معاشرے کے لئے مفید ہوں۔

غالب اس دور کی ان شخصیات میں سے تھا جس نے نئے خیالات کو قبول کرنے اور کشادہ نظری کو فروغ دینے کی کوشش کی، صدر میں جب یہ غم غافل کیا گیا کہ آئندہ ہندوستان انگریزوں کے لئے ہو گا تو غالب کی عمر سترہ برس تھی، اس وقت لاوارڈ وٹمنل کے سب سٹیڈی امریکی مسلم اور لاوارڈ وٹمنل کی المانی کی پالیسی پر عمل ور گد کیا جا رہا تھا، انگریزوں کی کماریں ہندوستان کے شہنشاہوں اور راہبوں کے جیسوں سے نکرا کر طون کا آخری تعلقہ تک فوجی بجلی تھیں۔ یہ انگریزی استحصال کا بدترین دور تھا لیکن یہ کئی اعتبارات سے ذہنی آزادی اور علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کا دور بھی تھا اور غالب نے اسے شہد مدنی سے خوش گدہ کیا۔

اقتدار کی جن دو مختلف سمتوں نے مجموعی طور پر اس دور کے فرد کو ذہنی سطح پر شدید عقائد کا شمار مار دیا تھا ان میں سے ایک تن اور دوسرا لال قیے میں خزاں رسیدہ ہو چکا تھا۔ دوسرا بے بڑ بھدا تھا جو باہر سے آیا تھا اور اب آلاس تلی کی طرح پورے ملک پر غالب اگر اس کا دس چوس دیا تھا۔ ہندوستانی واپس گئے کے ساتھ تھی لیکن ذرا رخ پیر لوار انگریز کے قبضے میں تھے، چنانچہ ایک ایسی فضا پیدا ہو گئی جس میں وقاداری کے محور محروم ہونے لگے تھے، اس صورت حال نے فرد کو ذہنی افسردگی کا شمار دیا، اس دور کا ہر شخص ایک الجھن میں گرفتار دکھائی دیتا ہے۔ اس الجھن کا ایک ذوقیہ نظیر اکبر آبادی ہے جس نے دنیا کی بے ثباتی کو موضوع شعر بنایا اور کہا۔

نے خاص نہ دیا میں کوئی عام رہے گا

نے صاحب حضور نہ ظلم رہے گا

زوردار نہ ہے اور نہ پانچام رہے گا
شادی نہ ختم گردش ایام رہے گا
لے بیٹھ نہ دیکھ دو نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

دوسرا زاہد خلاب نے پیش کیا "اس نے فنی قدروں کو اور بدلتے ہوئے زمانہ کو نئے انداز میں دیکھا۔ اس نے
ذوال ہند پر اپنے آئسو ہائے کہ اس کی آنکھوں کی بچیاں دیران ہو گئیں۔ خلاب چونکہ اس دور کا ایک باہمہ غرور
خیال تھا۔ اس لئے اس کا آشوب آگہی میں زیادہ گہرا ہے "اس کے تجربات مستحق ہیں" اس کا المیہ درد انگیز ہے۔ وہ
کہہ رہا ہے۔

دارغ فراق محبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع نہ مکی تھی سو وہ بھی خاموش ہے
ہوا ہوں عشق کی قدرت مری سے شرمندہ
سوائے حسرت قہیر مگر میں خاک نہیں

اس افسر کی نے اجتماعی طور پر جس فضا کو جنم دیا تھا اس نے بالآخر ۱۹۵۸ء کے ہنگامہ رزم کی صورت اختیار کر لی
برسوں کا سنگت ہوا آتش فشاں ابھانک پھٹ چلا۔ ٹکڑے ٹکڑے ملے لاکھوں ہندو اپنے آپ کو دودھیل گوشہ نشین تصور کرتا
تھا "تجربہ یہ ہوا کہ ۱۹۵۸ء کی یہ تحریک ناکام ہو گئی "انگریزوں نے اس کا انتظام جمہوری طور پر ہندوستانی باشندوں سے اور
خصوصی طور پر مسلمانوں سے پوری سٹاک سے لیا "چنانچہ اس دور میں ایک اہم مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ نئے حالات میں
عوام الناس کو کس طرح بحال کیا جائے۔ سر سید احمد خان نے "اسباب بغاوت ہند" لکھ کر مسلمانوں کی وکالت کی۔
مسلمانوں کے خلاف جو عام رویہ پیدا ہو گیا تھا اس کے عدم جواز کی دلیلیں دیں۔ سر سید کی علی گڑھ تحریک مسلمانوں کو
نئے معاشرے میں آہل کرنے کی کاوش ہے۔

اس اہم مسئلہ کو خلاب نے اپنے انداز میں یوں حل کیا کہ انگریز قوم کے برسر اقتدار افراد کو اپنی امید گاہ بنالیا۔
ایک نثر کا قول تو یہ ہے کہ

"خلاب کو جب ماحول کی تبدیلی کا یقین ہو گیا تو اس نے پرانے فریم میں سے مظلوم کی باقی تصویریں
نکل دیں اور ان کی جگہ ملکہ اور انگریز افسروں کی تصویریں سجادیں۔"

اس بیان میں ممکن ہے کہ مبالغہ ہو لیکن یہ بات واضح ہے کہ ۱۹۵۸ء کی شکست نے خلاب کو ادھ مٹا کر دیا تھا
اس شکست کی ایک کواڑ خلاب بھی تھا جس نے ۱۹۵۸ء میں یہ شعر لکھ کر اپنی بھارتی کا اعتراف کر لیا تھا۔
لیکن دوسری طرف بھارتی کے ہار برس گزارنے کے بعد ۱۹۶۳ء میں خلاب نے یہ شعر بھی کہا۔

تنب لائے ہی بنے کی خلاب
واقعہ سخت ہے اور جان مرزا

غالب کے نزدیک تحریک آزادی "رہنمائی ہے" تھی، اس نے اپنے انگریز دوستوں کے مرنے کا ماتم کیا اور ملکِ مظلوم کو "مردانہ دوش زمین ساریہ وہاں آفریں" کہہ کر قصیدہ لکھا۔ "دوستو" میں لکھا۔
 اس کتاب کے پڑھنے والے یہ سمجھ گئے کہ میں نے — جس کے قلم کی جھلک سے کائنات پر موتی
 بکھر جاتے ہیں — انگریزی حکومت کے بدن و تنک سے پردوش پائی ہے اور مجھ سے کوئی فاجیہ کا درجہ
 جتن ہوں۔"

اس سب کے باوجود حقیقت یہ بھی ہے کہ "مستقلہ دلی" کے بعد وہ لوگ جنہوں نے "تقدیر" میں حصہ نہیں لیا تھا
 انعام و اکرام سے نوازے گئے، لیکن غالب اپنے گھر سے نہ نکلا، نہ مل جل کر رہی تھی، نہ چھین چھین کر خطاب دلیوں کے
 لیا کیا اور بقتل ابو الکلام آزاد عام بائیسویں کی طرح شہر ہولے ملکِ غالب نے اس قسم کے ذاتی اور اجتماعی مسائل سے
 فیو آنا ہونے کی سہی کی، دلی کے سقوط پر صابر، داغ، ظہیر اور عظمیٰ جیسے شعراء نے دلدرد کیفیات کو بڑے اثر انگیز
 انداز میں نظم کیا ہے۔ غالب کی چٹوں پر بھی آنسوؤں کے چراغ روشن تھے لیکن اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی، "وہ
 داغ فراق صحتِ شب ماتم کر رہا تھا لیکن اسے شکست و ریخت میں ہی قہر کے آثار بھی نظر آ رہے تھے۔" ۱۸۶۲ء
 سے کہہ رہا تھا۔

۱۰ بارہ شائد کی سر مستیاں کہاں
 اچھے کہ اب وہ لذتِ خواب سحر مکی

غالب اپنی زندگی کے ہر مرحلے پر اپنے صدمہ کے مسائل سے دوچار رہے۔ مسائل کچھ تو اس کے اپنے پیدا کردہ تھے اور
 کچھ اجتماعی تھے۔ غالب نے ان سب کا مقابلہ کیا اور بڑی پامروسی سے کیا۔ یہاں اس کی کامیابی یا ناکامی کا ذکر مختصراً
 نہیں لیکن دیکھنے والے مسائل سے فیو آنا ہونے کے لئے اس نے جوانی کے عالم میں جب اس کی عمر ۲۳ برس کے لگ
 بھگ تھی کیا مفید نسخہ تجویز کیا تھا۔

کھنے کے جلوہ گل رزقِ تماشائی غالب
 چشم کو چاہئے ہر رنگ میں دایرہ جانا

سو غالب نے اپنی پر چشم تماشاکو ہر وقت دیکھا اور منگلے کو "ملوہ گل" سے نوازا، اہمیت نہ دی، اس صحت مند رویے
 سے جو شاعری پیدا ہوئی کمالِ حد و زمان و مکان اس کے آگے دکانٹ نہیں بن سکی۔

نواب اور غالب

۱۔ قصید:

مرزا غالب اپنی معاشی ضرورت سے والیان ریاست کے درباروں میں رسائی کے لئے برابر کوشش کرتے رہے تھے اور ان کے جو احباب متحرک پارکھ ہوتے تھے ان کے توسط سے اپنے محرومات اور مدحیہ اشعار پہنچتے رہے تھے۔ انہوں نے راجستھان کی ریاست ٹونک سے بھی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ تقریباً ۱۸۸۰ء میل میں پہلی ہوئی چھوٹی سی ریاست جو پانچ متعلق قصبوں میں غلی ہوئی تھی۔ ۱۸۸۶ء میں نواب امیر خاں نے ہزار شہسیر قائم کی تھی اور اسے ۱۸۸۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک معاہدے کی رو سے تسلیم بھی کر لیا تھا۔ نواب امیر خاں سے تو غالب کا کوئی ربط قائم نہیں ہو سکا کیوں کہ وہ یرم کے ضلع رزم کے آدمی تھے اور غالب بھی اس وقت تک شاعر کی حیثیت سے زیادہ نمایاں نہیں ہوتے تھے۔ البتہ ان کے انتقال کے بعد ۱۸۸۳ء میں نواب محمد وزیر خاں مسند نشین ہوئے اور ان کو محل بادشاہ اکبر شاہ جانی ۱۸۸۶ء-۱۸۸۳ء نے بھی ایک شاہی فرمان کی رو سے نواب وزیر الدولہ خطاب عطا کیا تو غالب نے ان سے ربط پیدا کرنا چاہا۔ یہ ایک علم دوست فرمان دوا تھے۔ مومن خاں مومن نے بھی ان کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔

غالب نے ۱۸۸۶ء / ۱۳۰۴ھ سے پہلے کسی وقت میر حسن حسین خاں کی معرفت سحرہ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ جنیت عرفی شیرازی کی زمین میں کہہ کر بھیجا تھا۔ (قصیدہ 566) کلیات نظم فارسی ص ۳۲) جس کا مطلع ہے:

اے ذات تو جامع صفت عدل و کرم را

اے بر شرف ذات تو انواع ام را

یہ قصیدہ کلیات (مطلع ۱۸۳۵ء) میں موجود ہے لیکن بعد کو اسے غالب نے نواب حسن الامراء (حیدر آباد) کے پاس بھی بھیجا ہو گا تو بعض اشعار کا اضافہ کر دیا تھا۔ نسخہ خدائش میں یہ اضافہ شدہ دو شعر موجود ہیں۔ وزیر الدولہ سے غالب نے اپنا ربط ہائی رکھا اور عید الاغنے کے موقع پر سلازہ قصیدہ جنیت بھیجے گئے۔ عید الاغنے ۱۳۵۵ھ (۶ اکتوبر ۱۸۷۱ء) کے موقع پر مبارک باد دیتے ہوئے انہوں نے ۲۵ شعروں کا جو قصیدہ (غبر ۵۵ کلیات نظم فارسی ص ۳۵) بھیجا جس کا مطلع تھا:

عید اچھے ہر کھار دستار تہ

دلت آراستن جزو و ایوان تہ

اس قصیدے ۱۔ سر پہلے میں آخر ہوئی تو ایک قطعہ (۲ اشعار) تقاضے کا بھیجا گیا:

آغا چہ بود کہ میر نواب خوش جواب نامہ ام بان
 آن گونہ عریضہ کہ دہلی درویش نوشتہ سوے سلطان
 آن گونہ قصیدہ کہ گوی از منو و سیدہ شہنشاہ
 ان ہر دو رسیدہ نیست پیدا زان سو اثرے بہ بیچ عنوان
 (بارگودور قلعہ ۴۲)

اس میں آگے چل کر یہ کہا کہ یہ دراصل نواب صاحب نے دہلی سے دہلیا دوم سے قتل 'عراق سے گھوڑے' دکن سے ہاتھی، میٹھا پور سے فیلوڈے' اور بدخشاں سے یا قوت در کہہ کرنے کا حکم دیا ہو گا اور ان چیزوں کے دہاں سے آنے میں دیر ہو رہی ہے' یہ آجائیں تو مجھے حکایت فرمائی جائیں گی۔ مولانا حالی نے اسے بھٹیچ کی مثال میں پیش کیا ہے یہ قلعہ سہ پھن میں بھی شامل ہے۔ بہر حال اس خاکشے کے تیر بہ نواب کر نواب وزیر الدولہ نے حکم دیا کہ پانسو روپے (۳۵۰) سکہ بادشاہی مرزا کو بطور صلہ بھیج دیے جائیں۔ یہ روپے مرزا کو ۱۳/ صفر ۱۲۶۸ھ (۹/ دسمبر ۱۸۵۱ء) کو وصول ہوئے اور غالب نے اپنے خط کے ساتھ اس کی رسید بھیجی۔ سید حضور الحسن برکاتی کا مضمون "غالب کی ایک فیصلہ کن یاد قرعہ" (آج کل فروری ۱۳۵۸ء) اسی سے متعلق ہے اور اس کا ٹکس رسالہ "غالب نما" (بے پر) (۱۹۷۰ء) میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ نواب وزیر الدولہ محمد وزیر خاں نے ۱۸/ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ میں انتقال کیا اور ان کے بیٹے نواب محمد علی خاں مسند آرا ہوئے۔ غالب نے ان کی مسند نشینی پر بھی نو (۹) شعروں کی ایک منظوم بطور تہنیت بھیجی (نکیات فارسی ص ۳۳ طبع نول کشور ۱۳۶۸ء) جس کا پہلا شعر یہ تھا:

درین سال نواب عالی جناب
 ہوسے زمین غیرت آفتاب

اور آخری شعر میں بارہا تلمیح نظم ہوا تھا:

کہ چون اختر نیک آمد بقل
 ہم از "اختر نیک" پیداست سال

۱۲۶۸ھ

نواب محمد علی خاں بہت اولوالعزم اور جیالے قرباں رہا تھے 'انگریزوں کو خوف ہوا کہ نواب امیر خاں کی طرح یہ بھی میدان کارزار گرم نہ کر دیں' اس لئے انھیں ایک قتل کے مقدمے میں لوٹ کر کے معزول کر دیا۔ (۲۰/ جنوری ۱۸۸۶ء) ریاست ان کے بیٹے نواب ابراہیم علی خاں (۱۸۶۷-۱۸۸۳ء) کو دے دی اور انھیں جہا وطن کر کے بنارس بھیج دیا۔ یہ بقی مرد ہیں رہے اور علمی مضامین میں زندگی بسر کی 'چنانچہ بخاری شریف کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا۔ ۱۸۸۵ء میں وہیں انتقال ہوا۔ کتب خانہ سیدہ لونگ جواب تین صوں میں بٹ چکا ہے (مخطوطات کا ایک حصہ نیشنل یونیورسٹی دہلی میں 'اور دوسرا لونگ کے مرید ایڈر ہشمن درسیہ انجمنی نوٹ میں 'اور مطبوعات کا ذخیرہ 'مسجدہ' سٹرکٹ لائبریری' (لونگ میں پلایا جاتا ہے) یہ زیادہ تر نواب محمد علی خاں ہی نے بنارس میں اپنے قیام کے دوران جمع کیا تھا۔ سید نجف علی

بھجوری جنہوں نے سرسوت طالع بہان کے سلسلے میں اور قلاب کی حمایت میں کتاب "دائع بیدان" (اکمل الطالع دلی ۱۸۸۸ء) لکھی تھی، مدارس میں نواب محمد علی خاں کے ساتھ تھے۔

۱۸۸۵ء/۱۳۰۵ھ میں مرزا قلاب نے طالع یار خاں کے توسط سے اپنی کتاب "موسمہود" کا ایک نسخہ نواب وزیر الدولہ کی خدمت میں بھیجا تھا جو ۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ء) کو کتب خانے میں داخل کیا گیا تھا۔ اس نسخے کی تفصیلات سید جمیل الدین نے (نوائے ادب (پہلی جلد) ۱۸۸۸ء - جنوری ۱۸۸۹ء) میں شائع کر دی تھیں۔ اس طرح قلاب نے ۱۸۸۸ء میں اپنی تصنیف دخیو کا ایک نسخہ نواب وزیر الدولہ کی خدمت میں بھیجا اور اس پر اپنے قلم سے یہ اشعار لکھے:

نذر نواب وزیر الدولہ کن عیاد کرم و دانش و داد
ہم بدین حیلہ مگر یاد آید قلاب خستہ کہ رقت ز یاد

اس نسخے کا تعلق بھی سید جمیل الدین شائع کرا چکے ہیں (نوائے ادب جولائی - اکتوبر ۱۸۸۹ء)

پہلی مرزا قلاب کے تین غیر مطبوعہ فارسی خطوط کا متن اور متن کے کس نسخہ کیا جا رہا ہے۔ یہ تینوں خطوط نواب وزیر الدولہ کے نام ہیں۔ ایک قصہ تہذیب فارسی میں بھی ہے جو انہوں نے عید الاضحیٰ کی مبارک باد کے طور پر بھیجا تھا۔ یہ سب روایات ٹونک کے "مفتی خانے" میں محفوظ تھے جو اب راجستھان اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ہو چکا ہے۔
لکھے ان خطوط کے کس مولانا محمد عمران خاں صاحب ٹونکی کی خدمات سے دست یاب ہوئے۔ ان کا تعلق سے شکر ادا کرتا ہوں۔

۳۔ خطوط کا فارسی متن

(۱)

علاء و سلیا

یہ موقف عرض ہار دانشگان برہم حضور مہور افسرد نواب قدسی القاب، عظیم الشان، رفیع المکان، دلی نعمت، آید رحمت، قبلہ دنیا و دین، حضرت امیر المومنین دام اقبال، و زاد افشار، میر سادہ کہ عیض نگار اگرچہ بحسب صورت از دور ہار گمان نظر گا، قیمت است اما از دوسے معنی وابستہ دلائل کن دولت ابد مدت است۔
اہل چاشتری واکہ در کن حضرت شرف قبول یافتہ و منظور نظر کیا اثر امانہ درجہ روحانی کی افکار۔ مانا بدوی گاہ انتہا حق رافت و ارزش مطوفت دست آویزے شرف کیمت داد۔ درین ہنگام کہ خان صاحب مشفق و مہربان طالع یار خان و مطبوعہ و اقبال نشان امیر یار خان از اسلام آباد ٹونک بدین یاد آید "سودہ بیدان افسرد عین نمود" و فرمودہ کہ خاطر آسمان پیچہ والا خداوند بدین گرائش داد کہ این عبارت از بدی بہ فارسی نقل کردہ شود تا اہل عقین نسخہ سرانجام یافتہ باشد۔ اذان جا کہ حق پرستی و حق گزارائی آئیں، در عبادت حقوق خداوندان نعمت از ضروریات دین است، پیوستہ در بندہ کن بودے کہ اگر تہیے دست ہم دہد خدمتے بجا آرم، تا فرازش و بخشش کن حضرت را بہ اندازہ طاقت خوشن خلقی کرد، ہائے چوں از میاں

حسن اتفاق این بحث تقریب پیدا آمد. به سرانجام کار و تراش گلزار هست گما شتم و دعا و شایسته که اکنون میر
بود در حسن کن نگارش به تقدیم رساندم. هر چند محتاج اندک است و بدیه فقر، لیکن چون می شوم که غلبه
از امرانی آب شور به ارمغان پذیرفت و سلیمان پاسبان از سور - دل راجه نویذ قبول شادی کتب آفرید کار
زبان مرا از گرفتار نگه دارد و از حق امید دارم که جز حق در خیر من نگردد - حق نیست که هم به استخوان
مکده که از مشعل طالع یار خان مخصوصاً و از دیگران عموماً می شوم و بهم عشاء القلعه که دربار من
نمورد آمد است. حیف می خورم که در حد قبول روانی لادالین برا بملود سولو شروعلی عظیم سرائی جلود
جلال شد و این سوغه آخر قبولی قدم بس یافت - اکنون برکن سرم که اگر مرگ لادن دهد و تاب و طاقت
میری کند، ازین شریعت بجز نقل کرده، مشت استخوان خود را بدین درگاه که کعبه آمل درویشان پیر ستگاه
است، رسانم و بقیه عمر در خدمت حضرت امیر المومنین بسر برم. نیز دولت اقبال سر چشمه فروغ جلودانی
بلد - عرض داشت امده الله - معروفه چارم ذی الحجه ۳۳۳ هجری -

محمد اسد

الله خالق

(۲)

عرض داشت بوا خواہ امده الله بخنور فیض مجبور جناب مستطاب تاجران القاب، قید و دنیا و دین حضرت امیر
المومنین دام اقبال، منی بر این مایه نیایش که میدان بجا تواند آورد و شخصی آن قدر متالیف که مختوران را
در اندیشه تواند گزشت، املا خود را از دیه باز بدامن آن دولت جلود طراز بست، از آنها که بکار دیگر نیایم و
خدا سخته شایسته سرانجام بخوانم دلو، بر ثا خوالی و دعا گوئی نعمت و درجده، پا خود آن قرار داد ام که بر سال
بموجب قضیت میداختی سولو ستایش از جانب من رویشا که القات می شده باشد، چنانکه سال گزشت
قصیده که بیت اسم در آن نگارش اینست:

صورت معنی اسلام و ازیم الدوله

که دلش آید صورت ایمان آمد

ردان داشت ام و اسام این قطعه ردان میدارم. زیاده حد اوب نیز اقبال در درخشگی با مر جبال تاب
نوام بلد -

معروفه بیستم ذی القعدة ۳۳۴ هجری

مر

علم ابدی ترا چرخ مراد داشت
 آن دقایق که بود در کسب الیب
 تو زلفی و جام تو خداوند کیم
 کاتب دهر بر مایه عمر تو خورد
 باد فرشته و فرخ تو میدادنی

رویه غلام ترا هر شب وایح نوشت
 قلم حیر تو بر صله کمال نوشت
 رقم کافه سلاهی جهان نوشت
 هر چه در دلکده خضره میگلج نوشت
 دانگ این قصه که این بدایع نوشت

عزم شد که از طبع ابدی مال عارض
 در وقت بختور گزارش نموده شود فقط
 قرین تاریخ است و چشم باد سفره همه

تو زلفی و جام تو خداوند کیم
 کاتب دهر بر مایه عمر تو خورد
 باد فرشته و فرخ تو میدادنی

رویه غلام ترا هر شب وایح نوشت
 قلم حیر تو بر صله کمال نوشت
 رقم کافه سلاهی جهان نوشت
 هر چه در دلکده خضره میگلج نوشت
 دانگ این قصه که این بدایع نوشت

تو زلفی و جام تو خداوند کیم
 کاتب دهر بر مایه عمر تو خورد
 باد فرشته و فرخ تو میدادنی

(۴) بکھور کمرست حضور جناب مستطاب نواب صاحب قلعہ و کعبہ دو جہاں قہر و فیض و ایمان احسان و ام اقبال۔

عرض داشت ہوا خواہ اسد اللہ

انا مقصود مریض نگار از ہر گونہ نظر و عجز پرستش و نیایش نیست یارب کی روزی دل افروز فراز آید کہ دیدہ بدان کف پائے عرض بجائے روشناس گردد و کار خام از زبان گرفتہ شود اگر روزگار مساجدت اسباب دریغ نہ داشت دین و مستان احرام طواف کعبہ مقصود خواہم بہست یعنی زمت آستان نشین خواہم دار۔ مرحوم میر محفل حسین خان را از کجا آدم کہ ہم نیایش نامہ مرا نیایش نظر انور گزارا و ہم منظور کرامت و توفیق خوشنودی خداوند من باز رساند۔ و اتم کہ آلودہ ایمان نہ شدہ ترسم کار من چنانکہ من ہی خواہم دولتی خواہد پذیرفت۔ وری بار لکھی بزبان مجموعہ و دانش و داد شیخ الہ واد حالت رفتہ است امید کہ صبح رضا اسما فرمودہ آید۔ زیادہ حد ادب بہار دولت و اقبال ہادیان و بہارستان ہادی و جلال بے خزان ہا۔

۲

خجہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اسد اللہ خان بہادر
تکلم جنگ

اللہ تعالیٰ ہر شے کو بہ طور کمال و کمال

فراہم فرمائی ہے

سید کرم اللہ وجہہ الکریم

صاحب خانہ

بہا خداوند روح نگار از ہر گونہ نظر و عجز پرستش و نیایش نیست ایستادہ دل افروز آید کہ دیدہ بدان کف پائے عرض بجائے روشناس گردد و کار خام از زبان گرفتہ شود اگر روزگار مساجدت اسباب دریغ نہ داشت دین و مستان احرام طواف کعبہ مقصود خواہم بہست یعنی زمت آستان نشین خواہم دار۔ مرحوم میر محفل حسین خان را از کجا آدم کہ ہم نیایش نامہ مرا نیایش نظر انور گزارا و ہم منظور کرامت و توفیق خوشنودی خداوند من باز رساند۔ و اتم کہ آلودہ ایمان نہ شدہ ترسم کار من چنانکہ من ہی خواہم دولتی خواہد پذیرفت۔ وری بار لکھی بزبان مجموعہ و دانش و داد شیخ الہ واد حالت رفتہ است امید کہ صبح رضا اسما فرمودہ آید۔ زیادہ حد ادب بہار دولت و اقبال ہادیان و بہارستان ہادی و جلال بے خزان ہا۔



۳۳ اللہ کی حمد اور رسولؐ پر درود کے بعد

نواب قادی القاب، عظیم الشان، رفیع الشان، ولی نعمت، ایہ رحمت، قبلہ دنیا و دین حضرت امیر المومنین دام القبالہ و زاد افضالہ کی (خوشیوں بھری بزم کے پارباہوں کی) خدمت میں عرض ہے کہ حلیہ نگار اگرچہ بظاہر نظر نہ کرے، قربت سے دور چلے ہوں میں سے ہے، لیکن باطن دامن دولت ابدیت سے وابستہ ہے، اور اس قصیدہ نگاری کو جو آج حضرت کی نعرے گزرتی ہے، اور شرف قبول پاتی ہے، اپنے تعارف کا ذریعہ اور آپ کی رافت و رحمت کے استحقاق کی وجوہ سمجھتا ہے۔

اس زمانے میں جب خان صاحب مشفق و مہمان طالع دار غل اور سعادت و اقبال نشان اصغر یار غل، اسلام آباد ٹونک سے اس شہر میں آئے تو انہوں نے اردو زبان میں ایک مسودہ مجھے دکھایا، اور فرمایا کہ خداوند کی خاطر آسمان پر سے اس طرف مائل ہے کہ اس عبارت کو ہندی سے فارسی میں ترجمہ کیا جائے، تاکہ دل نشیں عبارت میں ایک نقطہ تیار ہو جائے۔

چونکہ حق پرستی و حق گزاری میرا آئین، اور خداوند نعمت کے حقوق کی رعایت من ہلہ ضروریات دین ہے، مسلسل اس فکر میں تھا کہ کوئی تعریب ہاتھ آئے تو کچھ خدمت انجام دوں، تاکہ اس حضرت کی نوازش و بخشش کی اپنے مقدر بھر کچھ ملانی کر سکوں۔ چوں کہ حسن الحظ سے یہ تعریب نکل آئی ہے، میں نے عبارت آرائی کر کے اسے انجام دینے کی صحت کر لی اور جو دعا و دعا خیر میں پوشیدہ تھی اسے بھی اس نگارش کے ضمن میں بطور مقدمہ لکھ دیا۔ ہر چند یہ ایک متاع قلیل اور ہدیہ حقیر ہے، مگر جب سنا ہوں کہ خلیفہ نے ایک بدو سے کھاری پانی کا ہدیہ، اور سلیمان نے چوٹی سے ٹڈی کی ٹانگ کا تحفہ قبول کیا تھا، تو میں بھی اپنے دل کو نوید قبول سے شاد کر لیتا ہوں۔ خدا بھری زبان کو ڈینگ مارنے سے بچائے اور حق سے امیدوار ہوں کہ سوائے حق کے میرے خیر میں کچھ نہ گزرے۔ حق یہ ہے کہ آپ کے علاوہ مشفق طالع دار غل سے خصوصاً اور دوسروں سے عموماً سنا ہوں اور میرے حال پر آپ نے جو التفات فرمایا ہے اس کے مقابلے کے بعد یہ افسوس ہوتا ہے کہ لاڈلہ ابن برا کی قریاں روانی کے زمانے میں جب شہر دہلی آپ کے جاہ و جلال کا خیمہ گا، بنا تھا تو اس سوختہ اختر کو قدم بوسی کی توفیق کیوں نہ ہوئی۔ اب سوچتا ہوں کہ اگر موت نے صلت دی اور آپ و طاعت نے ساتھ دیا تو اس شہر سے بھرت کی نیت سے نکلوں اور اپنی مٹھی بھر ہڈیوں کو اس درگاہ میں جو بید شگاہ دردناکوں کی امیدوں کا کعبہ ہے پانچاویں اور ہجرتی عمر حضرت امیر المومنین کی خدمت میں بھر کر دوں۔ خدا کرے نیر دولت و اقبال سرچشمہ فروغ جلو دانی رہے۔

عرض داشت اسد اللہ۔ محرم ۱۲۸۵ھ ۱۲ جولائی ۱۸۶۸ء

مر

۳۴ عرض داشت ہوا خواہ اسد اللہ بخور نفعی مگر جناب مستطاب ہامون القاب قبلہ دنیا و دین حضرت امیر المومنین دام القبالہ۔

اس نیاز مندی کی بنا پر جو مرید بھلا سکتے ہیں اور اس متعلّق کے ضمن میں جو شاموں کے اندیشے میں گزر سکتی ہے، میں نے خود کو ایک مدت سے اس دولت چلوے طراز کے دامن سے وابستہ کر رکھا ہے۔ چوں کہ کسی اور مصرف کا نہیں ہوں، اور کوئی ذمہ داری کی خدمت انہماک نہیں دے سکتا، اس لئے ٹاٹوٹائی اور دغا گوئی پر قناعت کر کے اپنے لوہے پر لازم کر لیا ہے کہ ہر سال عید اشنی کے موقع پر مبارک باد کی ایک تحریر اس روٹھاس نگاہ التفات کی جانب سے ہوا کرے جیسا کہ سال گذشتہ ایک قصیدہ جس کی بیت اسم یہ ہے۔

صورت معنی اسلام وزیر العولہ کہ دلش جتنی صورت ایمان تہ

بیمہا ہے اور اس سال یہ قصیدہ روانہ کر دیا ہوں زیادہ حد ادب اتنی تیر اقبال مرجاں تک کی طرح چمکتا رہے۔

موضوعہ مستماری قصیدہ ۳۴۹ جری۔

م

۳:۳ حقیقت کے اشعار کا ترجمہ :

- ۱۔ اے وہ کہ جہید و قہر نے تجھے سو بار سو بار طرح سے اپنی درخواست کی تھی ہے کہ ان کے ہاتھ کی رقم کچھ کم کر دی جائے۔
- ۲۔ فیض تیرے ہاتھ میں قلم کو رخ کا ظلم سمجھتا ہے اور بخت تیری کلاہ کو کمریہ بیان لکھتا ہے۔
- ۳۔ آسمان تیرے ظلم ابد کے نہ تو جانتا ہے اور تیرے بدخواہ کے دن کو بھی نہانہ سیاہ رات لکھتا ہے۔
- ۴۔ وہ اسرار (حق) جو غیبی تھر میں پوشیدہ ہوتے ہیں انہیں تیرے قلم نے چاند ماری کے کھلے صفحے پر لکھ رکھا ہے۔
- ۵۔ اگرچہ تو کیا نہیں، مگر خداوند کریم نے قافلہ کجائی کی ادا ت تیرے نام میں لکھ دی ہے۔
- ۶۔ زمانے کے کاتب نے وہ سب تیرے سراپہ و عرش جوڑ دیا ہے جو شعر کے جنم پترے میں ان کی عمر کے بارے میں لکھا تھا۔
- ۷۔ تجھے عید سعید قربان مبارک ہو اور یہ قصیدہ حقیقت بھی جو اس بندۂ فکاح نے لکھا ہے۔

۳:۳ عرض داشت ہوا خواہ اسد اللہ بکھور کمرست حضور جناب مستطاب نواب صاحب قلعہ و کعبہ و دہلیان قلمزم فیض ایمان احسان و ام اقبال

چونکہ یہ عرض نگار ہر طرح کی قلم و نثر سے سوائے تعریف اور اہتمام نیاز مندی کے کچھ اور عرض نہیں رکھتا ہے۔ خدا کرے وہ دل افروز دن بھی نکلے جب یہ آنکھیں ان عرض پکا قدموں سے روٹھاس ہوں اور قلم کا کام زبان سے لیا جائے۔ اگر زمانے نے سعادت کے اسباب سے دریغ نہ کیا تو اب کی جائزوں میں اس کعبہ مقصود کے طواف کا احرام باندھوں گا یعنی آپ کے آسمانے پر پہنچوں گا۔

مروجی میر مختار حسین خاں کو کہاں سے لائیں جو میرے نیاز بندہ کو نظر انداز سے گزاریں اور خداوند کا فرمان و

پروردہ خوشنودی میرے پاس بھیجیں۔ جانتا ہوں کہ جب تک خود خدمت مبارک میں نہ پہنچوں گا۔ میرا کام حسبِ دل خواہ نہ ہو گا۔ اس بار مجموعہ دانش و ادبِ شمعِ الہِ دلو سے کچھ زیبائی عرض کیا ہے امید ہے کہ آپ شرفِ سامت بخشیں گے۔ زیادہ حدِ ادبِ الہی ہمارا دوست و اقبال جاویدان اور بہارِ ستانِ جاویدِ جلال ہے خزاں رہے۔

معروضہ کلمہ محترم لے ۴ جری

مر

ہر کسی میں چھوٹے چھوٹے دو انبار است اورانی
دیں صبح دیکھتے ہیں را کجیت افغانی

ایشی را سب کو ہزار آفرینی سے غالب کو شکست ملنے پاری بھی دیا تھا لوگوں کے قوس سے غالب نے ایک (نکدہ) اشعار کا قصہ، لکھ دکھایا گی۔ سچ میں لکھ کر انگلیوں بھی بچھا تھا وہ لکھ کے سامنے چلی بھی تو گی تھا۔ سن کا گورنر چلتی کا مور سے غصہ ہوا۔ جون ۱۸۵۳ء میں یہ انگلیوں دکھائی وہ لکھے تھے۔
۱۔ بیچ الہ۔ اور کے بارے میں سوچتے کہ معلوم نہیں وہ کیا۔ ظاہر یہ لوہا وزیر اورداد کے ملازمین میں سے تھے۔ لکھ لکھ ۳۰ سال کا نکاح
لوہا وزیر اورداد کے گھر سے بچے اور بچے لکھا ہے۔ "مجم شہر کہ از بیخ الہ دلو چل مار سن، موافق بکھور گوداری لکھور چور۔ لکھا۔" غور چارچ بے و
شعور کہ مقرر ہو چکا ہے۔

مراجع:

روایتِ ذیل سے مرزا غالب کے شہادت کے سلسلے میں مندرجہ ذیل مصنفین مدلل ہیں :

غالب سے قبل الدینی	:	سر بہروز کا ایک خاص نسخہ۔ نوے لوہا (مکتبہ)
		نورانی ۱۸۵۵ء۔ ۱۸۵۶ء۔
۱۔ نورانی	:	غالب اور نوک۔ کار (مکتبہ) شمیم ۱۸۵۵ء
۲۔ سطور الحسنی برکاتی	:	راہ غالب۔ آج کل (دہلی) فوری ۱۸۵۴ء
۳۔ سطور الحسنی برکاتی	:	غالب کی ایک بار لکھنے کے قلم۔ آج کل۔ جون ۱۸۵۵ء
۴۔ سید جمیل الدینی	:	دستور کا ایک خاص نسخہ۔ نوے لوہا (مکتبہ) اکتوبر ۱۸۵۶ء
۵۔ سید سید قاسم لکھوی	:	غالب اور نوک۔ لہ نو (کراچی) فوری ۱۸۵۸ء
۶۔ سطور الحسنی برکاتی	:	غالب کے دوست۔ آج کل (دہلی) فوری ۱۸۵۸ء
۷۔ سطور الحسنی برکاتی	:	غالب اور نوک۔ غالب لہا (بے چرا) ۱۸۵۸ء
۸۔ لکھ مرزا قاسم	:	غالب کا نوک سے لکھا۔ لکھ (دہلی) حرم ۱۸۵۸ء
۹۔ لکھ مرزا فیض عثمانی	:	راجستھان سے مرزا غالب کا نقل۔ گجستان (بے چرا) اکتوبر ۱۸۵۵ء
۱۰۔ سطور الحسنی برکاتی	:	غالب کا ایک پاکلی دوست۔ شام (مکتبہ) فوری۔ مارچ ۱۸۶۰ء
۱۱۔ سطور الحسنی عثمانی	:	کارچ ۱۸۵۵ء کی قریب میں لکھو غالب کی بیعت۔ بکارت (بے چرا)۔ کم و بیش ایک صدی
۱۲۔ سطور الحسنی برکاتی	:	غالب اور نوک۔ غالب لہا (بے چرا) ۱۸۵۸ء
۱۳۔ سطور الحسنی برکاتی	:	نوک میں غالب کے اہلباب۔ لکھ (دہلی) مئی ۱۸۵۸ء



مثنوی چراغِ دیر۔۔۔ ایک جائزہ

ڈاکٹر حسین قرانی

غالب نے ایک موقع پر کہا تھا کہ میرا تعلق بین میری قوت بیان ہی میرا سرمایہ ہے بالکل اسی طرح جس طرح کانِ تنک کا گوہر تنک ہی ہوتا ہے۔

خود تنک گوہرِ کانِ تنک است

قوت بیان کے اس سرمایہ نے علق مثنوی اور متحد شعری بینوں میں اظہار پایا ہے اور یہ اظہار امداد سے کہیں زیادہ اس زبان میں ہوا ہے جس کی آتشِ بے دود نے غالب کے وجودِ مثنوی کو سوخت کر دیا تھا۔ کلیات غالب (فارسی) کے دیباچے میں انہوں نے کسی قدر دوست لکھا تھا:

”مجھے فارسی کی آتشِ بے دود نے کہاب کر ڈالا اور میں ہانڈ پر زورِ معنی

کی جھکی سے آشنا ہوں۔ میں آنکھ ڈھنم کا سمندر ہوں۔ اپنے سود کا جواب میں

خود ہوں۔ میں گلِ بدشانِ ایران کے باغ کا بلبل ہوں۔ میرے نالہ و زاری کا

نشان میرے ہی وجود کے اندر ملے گا۔۔۔ سانسِ شرارے پوئی ہے اور زبان

فطوں کی فصل کاٹی ہے۔۔۔ میں اسی غیر معمولی صورتِ حال میں چلا ہوں۔“

ص ۱۵۷

اسی غیر معمولی صورتِ حال نے جب شعر کا پیکر اختیار کیا تو کہیں فارسی غزلیات و قصائد کا شطرنج و قصائدِ وجود میں آیا اور کہیں منقبت و مثنویات کے ذمہ مجھڑے غصوں میں آئے۔ ایسے کارنامے جن کی اہمیت کا احساس اب گلِ بدشانِ ایران کو بھی ہونے لگا ہے اور اس باب میں لطفِ علی صورتِ گر۔

محمد علی فرجاد اور محمد حسن عازمی کے نام لئے جاسکتے ہیں جنہوں نے غالب کے پیش کو مکمل کر فراج مصیبت پیش کیا ہے۔

غالب نے چھٹی بڑی چودہ مثنویات لکھیں، جن میں ”مثنوی چراغِ دیر“ اپنے فن اور اسلوب کے اعتبار سے بے مثال مثنوی جاسکتی ہے اور مگر غالب کا اہم ماخذ۔ غالب کی زندہ اور بیدار بیکر تراشی اور ان کا احساس جمل اس مثنوی میں ابھار کے حدود کو چھوٹا نظر آتا ہے۔ اور اس مثنوی میں ان کی تین حیات یعنی لامر، باصرہ اور سامع نے روشن اور متحرک قہقروں کی ایک جیتی جاگتی اور سانس لیتی ہوئی دنیا تعمیر کی ہے۔ ہمارے خوش قسمت ہے کہ اسے غالب جیسا قادر الکلام شاعر میسر کیا۔ وہی ہمارے جو شیخ علی حسینی کے دل میں اتر گیا تھا اور جس نے اس سے یہ زبانِ زوِ خاص و عام شعر کہلایا تھا:

از ہمارے قروم معبر عام است اینما

ہر برہمن پرے بھجن و رام است اینما

رشید احمد مصطفیٰ نے لکھا ہے کہ پیش اور پاسان دونوں نے غالب کی زندگی تلخ کر رکھی تھی، پیش کے قہجے سے ٹھنڈے کے لئے وہ ۱۸۳۶ء میں فیروز پور سے غلام نکلے ہوئے اور یوں متحدہ ہند دیکھنے کا افسوس موقع مل گیا جن میں نکلنے کے علاوہ کانپور۔ کھنویہ۔ الہ آباد، پٹنہ اور ہمارے قافل ذکر ہیں۔ ہمارے میں انہوں نے کئی مہینے قیام کیا اور یہیں وہ مثنوی معرضِ شہد میں لکھی جو میرا موضوع ہے۔ غالب نے اپنے اس طویل سفر کا احوال اور ذکر اپنے متحدہ فارسی اور اردو مکتاتب میں کیا ہے۔ انہوں نے دورانِ سفر میں جن اصحاب کو ملا لکھے ان میں ایک مولوی محمد علی خاں صدر امین پٹنہ بھی تھے۔ انہیں اپنی منازل سفر اور مراسم سے آگاہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اب ہر خط لکھ رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ نکلے کچھ تک آپ کو

مل جائے۔ میں نے تک آکر یہاں سے کشتی کرایہ پر لے لی ہے اور بم اللہ

بھر۔ ما و مر سنا پڑھ کر دریائے جنا کے راستے الہ آباد روانہ ہو رہا ہوں۔ وہاں

سے ہمارے جانے کا ارادہ ہے جہاں چند روز توقف کرنے کے بعد اسباب سفر

درست کر کے بھل روانہ ہو جاؤں گا اور مرشد آباد پہنچ کر ہی دم لوں گا۔“

غالب یہ ہزار غزالی الہ آباد پہنچے۔ یہ شہر انہیں ایک لمحے کے لئے پسند نہ آیا۔ انہوں نے اس شہر پر خدا کی لعنت بھیجی۔ انہیں یہ شہر مردِ محبت سے عاری نظر آیا۔ انہوں نے اس کو دواؤں ہولناک قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اسے شہرِ کتا ناامنی ہے۔ اس کے برعکس دسمبر ۱۸۳۷ء میں

بنارس پہنچے ہے فرحت، تمازی اور انتہاز کے عجیب و غریب احساس نے ان کے وجود کا احاطہ کر لیا۔
اسی لمحہ علی خاں کے نام اس شرکی فرحت آفرینی کا ذکر کرتے ہوئے کلیتہً سرسستی میں ڈوب کر لکھتے ہیں:

"اوپر بنارس میں وارد ہوا اوپر ہوائے ہانفرا اور نیم بھشت آسا مشرق کی جانب سے چلے گی۔ میرے جسم میں جان آئی۔ اس بھشت ہوا کے انجاز نے میرے غبار دل کو فتح کے جھنڈے کی طرح آزاد کر دیا اور اس نیم کے انتہاز نے میری تھکن دور کر دی۔ سو او بنارس کے کیا کہنے اگر میں اسے دلکشی کے حوالے سے دنیا کی آنکھ کی پتلی کہہ دوں تو مبالغہ نہ ہو گا۔ اس قریبے کے اطراف واو وا۔ ہنر و مہل کی کثرت سے یہ شہر دنیا پہ بھشت کی مانند ہے۔۔۔ دریائے گنگا اگر اپنا سرا اس کے پاؤں میں نہ دھرتا اور رگڑتا تو ہماری نگاہ میں استقر سبز نہ ہوتا اور طور شید اگر اس کے دیوار و در کو منور نہ کرتا تو اس قدر روشن اور تہنک نہ ہوتا۔"

واقعہ یہ ہے کہ دریائے گنگا کے شمالی کنارے پر آباد اس شہر کو ہندوستان کا ایجنٹر کہا جاتا تھا۔ روایت ہے کہ سب سے پہلے بدھ نے یہیں دعا کیا تھا۔ "کاشی رہے" میں اس شرکی پیدائش کی جو تعلیمات مرقوم ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ رشیوں کی گزارش پر دشمن نے اس کائنات میں سب سے پہلے اسی مقدس قریبے کی تخلیق کی۔ آتما میں یہ قریبہ باشت بھر کا تھا۔ پھر بدھ رنج پانچ کوس تک بدھ گیا۔ اس کا نام کاشی یعنی مدح کو منور کرنے والی ہستی پڑ گیا۔ اس وقت تمام دنیا پانی ہی پانی تھی۔ تب اس کی اطراف میں اور زمین پیدا کی گئی۔ اسی وجہ سے ہندو کاشی کو دنیا کا مرکز سمجھتے ہیں۔ مسکرت کی پرانی کتب میں یہ قریبہ کاشی اور بارہاٹی دو ناموں سے موسوم تھا۔ آج بھی یہ قریبہ علم مسکرت کا بڑا مرکز سمجھاتا ہے۔ ہندو مذاہنوں میں اس کے گھاٹ اور کنڈ بہت جبرک اور مقدس آفریں بتائے جاتے ہیں۔ ہزاروں ہندو دریائے گنگا میں اٹھان کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کو دھو کر نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ خود کیا جائے تو پانی سے پاکیزہ ہونے کا یہ تصور اور فضیل تو تمام مذاہب میں پائی جاتی ہے اور اس سے پرتر ہو کر حیات نماز اور اعادۂ شباب کا حاصل ہو جاتا بھی دراصل اسی فضیل کی توسیع ہے جس کی منظر افروز ہے۔ ہر حال الٰہ آباد سے تقریباً ۸۳ میل کے فاصلے پر آباد یہ شہر ہندوؤں کے نزدیک دی مشیت رکھتا ہے جو ہم اہل اسلام کے لئے کعبہ۔ بنارس کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ تسمی داس نکیر

داس اور حزیں اسی کی مٹی میں آسودہ خواب ہیں۔

قاضی عبدالودود نے ایک جگہ قیاس کیا ہے کہ غالب کی بنارس میں طویل اقامت کسی "بالا بلندے" مڑکاں درازے" سے حلقِ خاطر کی مرہون منت ہے۔ مالکِ رام نے تو ثبوت میں غالب کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے جس میں ایک بت کاشی کی جانب سے شرفِ قبولیت بخشے جانے کی حسرت صاف جھلکتی ہے:

کاش کاش بت کاشی جہیزِ دم غالب

"بندہ تو ام" گویم" گویم ز باز "آری"

یعنی: کاش وہ بنارس بت مجھے شرفِ قبولیت بخشے۔ میں کہوں کہ حضور کا غلام ہوں اور وہ باز فقرے سے کہے ہیں ہیں کیوں نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بنارس کا ذکر غالب نے جس دلہانہ پن، جس شاعرانہ ندرت، جن نادر تشبیہات و استعارات اور جس زندہ کمالی ہر ایسے میں کیا ہے اس کے عقب میں یقیناً کسی "بت کاشی" کے امتراز آفرین اور معجز آثارِ القات کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔

بلاروا مصار کی قریب و توصیف پر مشتمل شاعری کا تفصیلی و تحقیقی مطالعہ بذاتِ خود ایک دلچسپ اور معنی خیز موضوع ہو سکتا ہے۔ آفرادہ البرکات منیر لاہوری کی مشہور "درِ صفت بنگالہ" "بیدل کی "طور معرفت" "دی کی "درِ قریب سورت" اور خود غالب کی "چراغِ دیر" کو کیسے بھولا جا سکتا ہے۔

غالب کی اس مشہور پر بیدل کی "طور معرفت" کے اثرات بے حد گہرے ہیں اور اس کا ایک مفید اور چشم کشا جائزہ مرحوم ڈاکٹر عبدالغنی نے مرتب کیا تھا۔ میں اس باب میں صرف یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ "چراغِ دیر" پر "مشہور درِ صفت بنگالہ" اور قیمت کجای کی "تیرنگ عشق" کے اثرات بھی دیکھے جا سکتے ہیں اور یہ اثرات تفصیلی مطالعے کے متقاضی ہیں۔ درِ نظر اور فنی میں "تیرنگ عشق" کے "چراغِ دیر" پر اثرات کی تفصیلی اجمالاً کی جائے گی۔ "چراغِ دیر" پر "مشہور درِ صفت بنگالہ" کے اثرات کا تذکرہ پھر بھی سی!

"مشہور چراغِ دیر" ایک سو آٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ غالب نے اس کے لئے دی

بحرِ اختیار کی جو ان سے پہلے نقاشی (خسرو و شیریں)، "ہای (لاسنہ زلفا)، منیر لاہوری (درِ صفت بنگالہ)، قیمت کجای (تیرنگ عشق) اور بیدل (طور معرفت) اختیار کر چکے تھے۔ یعنی بحرِ ہزج مسدس مخدوف۔ غیاث میں لکھا ہے کہ ہزج باقرازم اور خوش کن آواز کو کہتے ہیں۔ چونکہ غالب کو ایک کیفیت سرخوشی، سرمستی اور دایمت کو بیان کرنا تھا اس لئے انہوں نے اس کے لئے موزوں ترین بحر کا انتخاب کیا۔ ان

کے بوش اور مستی کا یہ عالم ہے کہ ہذبات کا ایک محضرستان بنا ہے۔ شغوی کا آغاز ہی مضر خیر ہے شاعر اپنے احباب کی بے اتفاقی کا شاکہ ہے اور محسوس کرتا ہے گویا وہ اس بھری پری کائنات میں تنہا اور بے وطن ہے۔

نفس با صود دم ساز است امروز
خوشی محضر راز است امروز
دگر حکم شرارے ی تو - م
کلمہ ظالم غبارے ی تو - م
دل از شور شکستہ بے بوش است
حباب ہے تو طوفان خروش است
در آتش از نوائے ساز غریبم
کباب شعلہ آواز غریبم

نفس ابرہیم ساز نکاست
بانی نے جسم در استخوان است

لاحظہ فرمائیے کہ اس دردناک صورتِ ملال کی قیامت فیزیکی کو کس خوبی سے زبان دی ہے اور ’س‘ ش‘ م‘ کی متواتر سفیری گواہوں سے اپنے دل کی آتشِ شعلہ خیز کو آہستہ کر کے اپنی شدتِ ہذبات کو کس ہنرمندی سے بیان کیا ہے!

پھر دلی اور دہلی کے اپنے چند احباب کو یاد کرتے ہیں اور اپنے دل کو قتل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر دلی نہ ہو تو جانتے فہم نہیں۔ دنیا تو آباد رہے گی۔ تم کیا؟ بارغ میں کسی بھی شاعر گل پر آشیانہ بنایا جا سکتا ہے۔ کسی بھی لالہ زار میں نمودِ نمکدان بن سکتا ہے اور وطن یعنی دلی کی جدائی کا داغ دل سے دھویا جا سکتا ہے یہاں سے گریز کرتے ہوئے غالب اس گل زمیں کا ذکر کرتے ہیں جو اس شغوی کا مرکزی موضوع ہے۔ کہتے ہیں کہ دلی اس شر کا طواف کرنے کے لئے آتا ہے۔ اب بنارس کی توصیف و تشریف کا آغاز ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

سمان اللہ بنارس کے کیا کہنے۔ یہ بہشتِ خرم اور فردوسِ معصور ہے۔ کسی ناگھ نے بنارس کے حسن و جمال کو جہنم سے نسبت دی۔ اس پر دروائے گنگا اب تک جیسے رہے ہیں۔ بنارس کا طرزِ زیست اتنا پرکار ہے کہ دلی ہر دم اس

پر سلام بھیجا رہتا ہے۔ جناح کے ماننے والے ہندو جب لب کشا ہوتے ہیں تو اس شہرِ طوبیٰ کی تعریف میں جنت جاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس ابدیت کے حامل شہر میں جب کوئی مر جاتا ہے تو دوبارہ کسی مادی طالب میں نہیں آتا۔ گویا اس کی مدح و جودِ افتہاری و مادی سے نجاتِ ابدی حاصل کر لیتی ہے۔ اس کی آپ و ہوا کو دیکھیں تو یہ بات تعجب خیز نہیں کہ اس کی فضا میں صرف مدح ہی مدح ہے۔ اس کے پرچندوں کو دیکھو یہ اتنے نازک اور لطیف ہیں گویا سر تاپا مدح ہیں۔ ان پر ہی دیکھوں گا دھند پھول کی خوشبو کی طرح لطیف ہے۔ اس سر کے تو جس و خار بھی گویا باغ ہیں اور اس کا گرد و غبار بھی مدح کا جہیز (غبار) ہے۔ اس عجیب و غریب قدیم بت کدے کی ہمارا گردشِ زمانہ سے محفوظ ہے اور ابدیت رکھتی ہے۔ ہر موسم میں اس کی فضا جنتِ آباد ہے۔ اس جہن دار کی ہوا کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ہمارا موجِ گل کا زہارِ باندھ لیتی ہے۔ اگر آسمان کے ماننے پر اس کا قتلہ نہیں تو آخر پر رنجشِ شفق کی موج کیا ہے؟ ہمارا ناقوس بھانے والوں کا عبادت خانہ ہے گویا یہ ہندوستان کا کعبہ ہے۔

یہاں اس امر کی نشاندہی ضروری ہے کہ غالب چونکہ ایک مقدس ہندو امتحان کا ذکر کر رہے ہیں اس لئے ان کی لفظیات و تشبیہات بھی اسی فضا سے میل کھاتی ہیں مثلاً 'زہار' 'قتلہ' 'ناقوس' وغیرہ۔

اس کے بعد غالب ایک خاص کیفیت و سرسختی کے عالم میں اس کے حسینوں کا سراپا بیان کرتے ہیں۔ غالب نے اگرچہ اپنے قیامِ ہندس کے زمانے کو امتحائے جوانی کہا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ امتحانِ برس کی عمر امتحائے جوانی کی نہیں مین جوانی کی عمر تھی۔ ایسی ہی عمر میں ایسی قیامت خیز زندہ اور جوانی کی حرارت سے مملو چمکتی ہوئی شمع و شگ اور شعلہ و شمشیریں سمیٹنی چاہتی تھیں:

تالاف	را	جوتی	شعلہ	طور
سراپا	نور	ایرو	چشم	دور
سکانا	نازک	و	دلہا	توانا
ز	نادانی	بکام	طریق	دانا
جسم	بک	دور	بہا	است

دہن با رنگِ گل ہائے رنجی است
 و انگیزِ قدِ اندازِ خراس
 چائے گئے مستردہ داس
 ز رنگیں جلوہ با عادتِ مگر ہوش
 بارِ بستر و نو روزِ آغوش

ان حسینوں کے جلووں کی آتش افروزی برہمنوں تک کو خاک کر دینے والی ہے۔ ان کے چمکتے روشن شہابی چہرے کیا ہیں، گنگا کے کنارے چراغاں کا منظر ہیں۔ ان کے قد کیا ہیں قیامت ہیں۔ ان کی پلکیں گہنی اور لابی ہیں اور دلوں پر نیوہ بازی کرتی ہیں۔ ان کے جسم کیا ہیں، دلوں کی عمر اور بہت بڑھانے والے ہیں اور ان کی آسائش و راحت کی سراپا علامت ہیں۔ ان کی مستی مویوں کو مساکت و ساکن کر دینے والی ہے اور ان کے جمال بدن سے پانی جم ہو جاتا ہے۔ ان حسینوں نے اشکان کے لئے پانی میں اتر کر اس میں آفت بہا کر دی ہے۔ اور سینوں میں بیٹھکوں دل مچھلیوں کی طرح ڈرپے گئے ہیں۔ ان کے جلووں کی آب نہ لاکر سیسوں میں پڑے موتی پانی ہو گئے ہیں۔

حسینانِ عارِس کا ذکر کرنے کے بعد غالب بہرِ شہرِ عارِس کے جمال کی تصویر کھینچنے لگتے ہیں۔ غالب کے یہاں اس مثنوی میں حسینوں کے جمال اور شہر کے حسن کی تصویر اس خوبی سے آئینہ ہوئی ہے کہ ”من تو شدم تو من شدی“ من تو شدم تو جاں شدی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

غالب کے نزدیک عارِس شہر میں ”ایک بے مثل حید ہے اور گنگا کا پانی گویا وہ آئینہ ہے جو یہ حید صبح و شام اپنے ہاتھوں میں قہارے ہو جمال ہے۔ اللہ اللہ اس شہر کا کیا من و جمال ہے کہ اس کا عکس آئینے میں رقص کرتا ہے۔ جتن کتنا بڑا کارخانہ سی مگر عارِس جیسا کارخانہ اس میں کلاں۔ تمام دنیا میں اس جیسا شہرستان نہیں جس کے گرد آتے تھے اور کثرت سے باغ ہوں۔ اس کے لالہ زار اپنے اندر صحرائی و سستیں رکھتے ہیں اور اس کی بہاریں گلستان در گلستان ہیں۔

غالب شہرِ عارِس کے حسن و جمال سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ اس کی دلچسپی نے ان کے قلم سے غریب الوطنی کا تم نو کر دیا۔ اس کیفیت ہے خودی کا ذکر ان کے متحدہ اردو اور فارسی مکاتیب میں آیا ہے۔ اپنے دوست محمد علی خاں کے نام لکھتے ہیں:

"قوتی اقتدر سر مست ہارے تراشا گشت کہ ہے خودانہ دامن پر یاد وطن
افتادہ و کیفیت نگارہ ایں جانے دل را فرد گرفت کہ دلی را جز بر طاق نسیاں
جانہ نامہ" شہ

اسی خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں (اردو ترجمہ پیش ہے):
"میرا ج، چاہا کہ ترک مذہب کر کے قبیح توڑ ڈالوں اور قشتہ لگا لوں۔ زہار
پانچھ لوں اور اسی وضع میں گنگا کے کنارے بیٹھ کر اکائنش ہستی کی گرد سے خود
کو پاک کر لوں اور قطرے کی طرح سمندر میں مل جاؤں۔"
ایک مدت بعد جب عہد چری نے غالب کو مطلوب کر لیا تھا وہ اپنے قیام بنارس کی یاد بھر سے
تازہ کرتے ہیں اور اسی آرزو کا اعلان اظہار کرتے ہیں جس کا ذکر مذکورہ بالا مکتوب میں ہوا ہے۔ میاں
داو غل سیاح کے نام ۳ فروری ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:
"بنارس کا کیا کہنا ہے۔ ایسا شہر کہاں پیدا ہوتا ہے۔ انتخابے جوانی میں
میرا وہاں جانا ہوا۔ اگر اس موسم میں جوان ہوتا تو وہیں رہ جاتا اور ادھر کو نہ
آتا۔"

۔ عبادت خانہ و ناقبیاں ہست ... عفا کعبہ ہندوستان است" شہ
انہی میاں داو غل سیاح سے ایک سہ ماہہ خط میں بنارس سے اپنے عشق کا ذکر کرتے ہیں اور اس عشقوی
کا ذکر کرتے ہیں جو زیر نظر مضمون کا موضوع ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ غالب کے شعری کارناموں کا گہرائی سے جائزہ لیں تو وہ متحدہ مقامات پر ان کے
REAL SELF اور POETIC SELF کے باہمی پیکار کا منظر نظر آتے ہیں۔ بنارس سے ان کی
وابستگی بھی ان کے انہی دو پہلوؤں کے پیکار اور شہوت کی آئینہ دار ہے۔ چنانچہ بنارس کی اس کشش
کے ساتھ دل کی کشش بھی موجود رہی۔ کشش و گریز کا یہ جزیاء عشقوی کے آخر میں خارج سے باطن
تک رسائی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس کشش و گریز کا اظہار غالب کے ایک فارسی قطعہ میں بھی ہوا
ہے جو اسی زمانے میں لکھا گیا اور جو صنعت سوال و جواب سے مزین اور مرتب ہے۔

گفت جو و بجائے ال وطن! سزم غنیمت

مفت آنکوں کو کہ دلی پیست
مفت جانت دایں جہاں تن

مفتش پیست ایں ہارس مفت

شاہ سے مست عمر کل چین! ۛ

گویا غالب ہارس کو ایک ایسی حینہ کے روپ میں دیکھتے ہیں جو مست شباب و مست غرام ہے اور جو کل چینی ہے اور کیفیت شاید کچھ ایسی ہے جیسی اقبال کے ان شعروں میں دخل ہے:

وہ مست باز جو کفن میں جا نکلتی ہے

کلی کلی کی نہاں سے دعا نکلتی ہے

افنی پھولوں میں وہ اجنب مجھ کو کہے

کلی سے رنگ کل آفتاب مجھ کو کہے

اس زندہ اور متحرک کائنات کے بعد غالب اس شرکی عفت کا ایک اور پیرایہ تراشتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روشن ضمیر اور روشن بیان سے نہانے کی گردش کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ دیکھیں جہاں سے اچھائیاں رخصت ہو گئی ہیں، 'دقا' مر' محبت اور صلہ رحمی اٹھ گئیں، ایمان کا محض نام رہ گیا ہے اور یہ عیادی اور منکادی کے حروف ہو گیا ہے۔ باپ اولاد کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ بیٹے باپ کی جان کو لاگو ہیں، بھائی بھائی سے برسرِ پیکار ہے، شش جہات سے محبت اور اتفاق اٹھ گیا ہے۔ یہ سب تو قیامت کی علامتیں ہیں مگر اتنی واضح علامتوں کے باوجود آخر قیامت آئی کیوں نہیں؟ اس روشن ضمیر نے شر ہارس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اللہ نے قیامت محض اس خوبصورت شہر کی وجہ سے روک رکھی ہے۔ صانع بے مثال کو یہ گوارا نہیں کہ ایسا رنگیں شہر برباد ہو جائے۔

شر ہارس کی اس توصیف کے بعد غالب کے سے حکیم فرزاد کو سنا یہ خیال آتا ہے کہ اصل بہن خارج میں نہیں انسان کے باطن میں آباد ہے اور اس تک رسائی مہری ریاضت کے بغیر ممکن نہیں۔

اگر حیرا بخون کابل ہو تو کاشی سے کاشین تک تو مسے قدم کا فاصلہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ تو خرمیو کی طرح اپنے لباس اعتباری کاہر آ اور قید جسم سے باہر نکل۔ معرفت اور پہچان کا رستہ نہ چھوڑ اور ان چھ اطراف (ہمات ست) کا پکر لگ۔ صرف کاشی تک نہ جانا دلیل نارسائی ہے۔ خدا را سوچ یہ کیا کافر ماجرائی

ہے۔ کاشی میں ذرا اپنے کاشانے کو بھی تو یاد کر۔ اس جنت میں اس دیرانے کا بھی تصور کر۔ اپنے اہل و عیالہ عزیزوں کا تصور کر جن کے دل درد اور دکھ سے لو ہو گئے ہیں۔ ہو شرم میں ہیں مگر احساس ہے کسی سے یوں محسوس کرتے ہیں گویا صحرا میں پڑے ہیں۔ زمانے نے گویا انہیں ایسے پارے سے بٹایا ہے جسے آگ پر ڈال دیا گیا ہو۔ ان سے قحط نہ برت۔ ان کے داغوں کو نظر انداز کر کے پھول کی آرزو کرنا ناروا ہے۔ اسے بے خبر تجھے ابھی کتنے ہی کسار و بیاباں کا سامنا کرنا ہے۔ تجھے تو فہم و اندوہ کے ہاتھوں بھٹوں ہو جانا چاہیے تھا اور کہہ دھڑا کی خاک چھانا چاہیے تھی۔ تن آسانی ترک کر رنج کا سامنا کر۔ ہوس کو فنا کر اپنے دل کی آگ سے اپنے فہم کو بھگلا۔ دل کو مصائب اور امتحانوں سے خون کر عقل سے گریں نہیں نکلتیں اس لئے جنوں اختیار کر۔ جب تک حیرا سانس نہ اکٹرا جائے جاہ و پناہی ترک نہ کر۔ شرارے کی طرح فنا کا سامنا کرتے ہوئے اللہ "دامن بھاڑ اور آزاد ہو جا۔ الا کا دم بھر اور لا کے آگے پروا ل۔ اللہ اللہ کہہ اور ماسوا کو بھونک ڈال۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مشغی میں اہم چیز کیا ہے۔ کیا تان کاشی کے جمال اعصاب گیر کا مرصع اور خوابناک بیان یا لباس اقباری سے باہر آ کر قید جسم سے نکلنے کی تحقیق؟ حقیقت یہ ہے کہ مشغی کا آخری حصہ ایک ایسے سالک راہ طریقت کی یاد دلاتا ہے جو حالت قبض میں ہے اور شرح و بسط کا آرزو مند ہے۔ مشغی کا یہ آخری حصہ میرے خیال میں کہیں زیادہ سوز ہوتا اگر غالب خود کو جہات ست کا ہجر لگانے کی ترغیب دینے کے بجائے اس سے آذوقہ کی کمال کی تلقین کرتے۔ ہر حال انھیں انہیں برس کی عمر میں نفی و اثبات کے رموز سے یہ آگہی ایسی بھی نہیں کہ اسے محض طبعی آگہی کہہ کے ٹالا جاسکے۔ لا و لا کے یہ مضامین غالب کی شاعری میں کثرت سے وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں:

چاکر لا اندر گر بیان جہات انگنہ ایم

بے بہت جہوں غرام از پردہ پندار ما

اسی کو صوفیہ "بارہ پیر لا" سے تعبیر کرتے ہیں

ابن میری مثل غالب کی ذہن نظر مشغی کے آخری مصرعے "مگر اللہ و برق ماسوا شو" کا حوالہ دے

کہ ہر شخص دلی کو مٹا دینے اور ہاں اللہ سے قائل ہونے کے صوفیانہ تصور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

To destroy everything besides God, that is the quality of Prophetic spirit which has found its clearest expression in the Islamic creed, and likewise the ideal of the mystic who sees nothing but Him, marvelling at his unity and his manifestations in time and space which are real only so long as they depend on Him.⁹

مثنوی کا آغاز دیکھیں اور پھر اس کا انجام نگاہ میں لائیں۔ واقعی اس ضرب الفل کی صداقت پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ ہمارے حقیقت کا خزانہ ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی علامہ نقیست کجلی کی ”نیرنگ خلق“ کا ہے جس کے غالب کی زیر نظر مثنوی پر اثرات کا اجمالی بیان یہاں ہے مگر نہ ہو گا کہ غالب نے اس سے تاثر پذیری کا کہیں ذکر نہیں کیا۔

نقیست کی مثنوی ”نیرنگ خلق“ کی تاریخ تکمیل ۱۸۷۵ء ہے۔ گویا یہ مثنوی غالب کی زیر نظر مثنوی سے تقریباً ڈیڑھ سو برس قبل لکھی گئی۔ نقیست کی اس مثنوی کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ ان کی کسی اور تخلیق و تحریر کو حاصل نہ ہو سکا۔ بلکہ روایتی۔ تنقیدات کی بدولت۔ مضامین و معانی آفرینی کا کمال اس مثنوی کی چند اہم خصوصیات ہیں اور اس کے بعض شعر اور مصرعے تو ضرب الفل کا درجہ حاصل کر چکے ہیں مثلاً

نام	شاہرہ	نازک	غیاث
عزیز	خاطر	آشفق	حالاں

یا مثلاً

بستہ دم در گردیدہ راضی
نہ خود غلب نے ہم کا رضی

اس مثنوی کے اثرات کہیں کہیں محکم اقبال پر بھی دکھائی دے جاتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ اس مثنوی کے اثرات صرف غالب کی ”چراغ دہر“ ہی پر نہیں ان کے بعض اور اشعار پر بھی ہیں مثلاً ذیل کے اشعار دیکھئے

نقیست:

دشمن سید ہا جولاں مہر ہن
طہر ہر ذرہ در جوش انا الشریع
غالب :

دل ہر قطرہ ہے سائزِ انا البحر
مم اس کے ہیں تارا پہچنا کیا

د بانی کہ ریشہ نئی ہن ذرہ
سرا پہلہ جوش انا الشریع ذرہ
مشوئی ابر گمبار

غور فرمائیے کہ قیمت کے یہاں ذرہ و آفتاب کا وحدت الوجودی مضمون ہے اور غالب کے
یہاں قطرہ و دریا کا۔ قیمت نے "انا الشریع" کی ترکیب استعمال کی ہے اور غالب نے بھی انا الشریع اور
اس کے ساتھ انا البحر کی۔ قیمت کا یہ اسلوب خاص ہے مثلاً اسی مشوئی میں ایک جگہ کہتے ہیں:

ہمم مشوئی از پای تا فرق
صدائے میوہ اش ہانگ انا البقیع

دیکھا جائے تو انا الشریع، انا البحر اور انا البقیع ایک ہی حقیقت کے حصہ منظر ہیں۔
مثلاً قیمت کہتے ہیں:

تد او از قیامت یک قدم پیش
فراش شعرِ رابو رفیع از خلیق

اور غالب کہتے ہیں

ترے سو قامت سے اک قدم آدم
قیامت کے تھے کو کم دیکھتے ہیں

"خداوندوں نما" کی ترکیب غالب سے پہلے قیمت نے استعمال کی ہے۔ شاہد کے یہاں بے مثال کے
ذکر میں لکھتے ہیں:

اند در خداوندوں نما سین
ز لعلِ بے شکلا حاسن شین

غالب کا مشہور شعر کے یاد میں:

ہے آرمیدگی میں نگوہیں بجا مجھے
صبحِ وطن ہے خندہٴ دناں نما مجھے

غالب کی شاعری پر نقیثت کے ان اثرات کا اختصار کے ساتھ ذکر کرنا اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اہل نظر اندازہ لگائیں کہ غالب بھی صدی کی طرح "تبع ذہر کوٹ عیا نعمت" کے صداق ہیں۔ "چراغِ دیر" غالب نے تقریباً اسی برس کی عمر میں لکھی اور اس پر جا بجا "نیرنگ عشق" کے اثرات نظر آتے ہیں مگر تقریباً ۲۵ برس بعد غالب، نقیثت اور بعض دیگر اکابر کے بارے میں جس رائے کا اظہار کرتے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب غالب نقیثت کے بحر سے آزاد ہو چکے ہیں اور انانیت کے اس مقام پر فائز ہیں جہاں دوسروں کی نفی کر کے اپنے اثبات کا رستہ ہموار کیا جاتا ہے۔

صاحبِ غیاث اللغات کا ذکر کرتے ہوئے انور الدولہ عشق کے نام خط میں لود لکھنے والوں کے ساتھ نقیثت کا ذکر بھی کرتے ہیں مگر انہیں راہِ خن کا قول قرار دیتے ہیں۔ خط کا اقتباس ملاحظہ ہو (یہ خط ۱۸۸۳ء میں لکھا گیا تھا)

"آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ ایک معظم فردیہ، رامپور کا رہنے والا۔ فارسی سے نا آشنائے شخص اور صرف و نحو میں نا تمام۔ انتہائے ظلیفہ و غفلتِ بامعروض رام کا پڑھانے والا۔ چنانچہ ویسا ہے میں اپنا مانتا اس نے خلیفہ شاہ محمد و بامعروض رام و نقیثت و قلیل کے کلام کو لکھا ہے۔ یہ لوگ راہِ خن کے غول ہیں۔ یہ فارسی کیا جانیں۔ ہاں طبعِ موزوں رکھتے تھے۔"

۱۸۸۳ء میں یعنی وفات سے چھ برس پہلے چودھری عبدالمظہر سود کے نام خط میں عبدالحق بدایونی کے حوالے سے ناصر علی - بیدل اور نقیثت کی فارسی کی حقیر کرتے ہیں۔

خطوطِ غالب ہی کی دوسری جلد میں میرزا رحیم بیگ کے نام اپنے تاریخ و سنہ نزاشت خط میں لکھتے ہیں: محمد اکرم جہاںپا (یعنی نقیثت) کا شعر تو قابلِ التفات نہیں تھا۔

نقیثت کے شعر کو قابلِ التفات گردانے اور انہیں راہِ خن کا قول قرار دینے والا ہی غالب دیرِ نظر مشہور (چراغِ دیر) میں جا بجا نقیثت کی نیرنگ عشق سے استغناء کرتا نظر آتا ہے۔ مبالغہ نہ ہو گا اگر کہا جائے کہ اگر غالب کی مشہور "نیرنگ عشق" کے بعض اشعار شامل کر دے جائیں تو دونوں میں امتیاز کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ذیل میں "چراغِ دیر" اور "نیرنگ عشق" کے ماضی و حال کے

حاصل اشعار ملاحظہ فرمائیے:

غالبہ:

(۱) اوائے یک گشتاں جلوہ سرشار
خزائے صد قیامت کند دوبار

(۲) ز انگیز تہ انداز خزائے
پائے بھنے مستردہ دات

نہایت:

(۱) اوائے او ہزاراں جلوہ بدوش
نکار او دم آہو در آغوش

(۲) ز انگیز بدن پے گشتہ بکمر
ز ہر عضوئی عیاں رخسارِ دیگر

عز ز سوچ ہنواش در ہر طرف دام

(۳) ز حسن دلبرانِ عادت گر ہوش
قشاش داشت صد کھلاں در آغوش

نوروزاں شمع با حسن مگسوز
پے پردانِ ہائش صبح نو روز

دسانیدند عظم
بہارِ حسن و عیدِ شبنم

در آمد شمع رخسارِ جہا گوش
صفت پردانِ را غارِ ہوش

(۴) چہ بر بدوش و در کف چچ تازاں
چہ بزل ۶ اماں ہشیرِ تازاں

(۳) ز رنگیں جلوہ با عادت گر ہوش
بہارِ بستر و نوروزِ آغوش

(۴) قیامت قاحلِ مژگاں درازاں
ز مژگاں بر صبرِ دل نیزہ بازاں

(۵) تائیل راجپوتی شطہ طور (۵) کاش نور چشم شطہ طور

(۶) گھنٹے نیست از آب و ہوائیں (۶) فطائے نشاء مستی ہوائیں
کہ تما جاں شود اندر فطائیں دینے کاہنا خاک پائیں

(۷) فرد باندن بکاش تار ساریست (۷) چہ جور است میں چہ کافر ماجراست
خدا را میں چہ کافر ماجراست چہ علم است میں چہ جلد افراست

نہیت اور غالب کے مندرجہ بالا اشعار کے تھقل سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ غالب نے نہیت سے قولی، تراکیب اور اسالیب کی بنیاد پر کس قدر احتیاط کیا ہے۔ نہیت انگیز بدن کا ذکر کرتے ہیں تو غالب انگیز قد کا نہیت صبح نو روز، بہار گشتی اور عید شیدن کا ذکر کرتے ہیں اور غالب ان کے تہجیح میں بہار ہمز اور نو روز آغوش کا۔ نہیت کچھلی عارت گر ہوش، شطہ طور اور کافر ماجرائی کی تراکیب استعمال کرتے ہیں اور بینہ کی تراکیب مٹاٹھ میں غالب بھی استعمال کرتے ہیں۔ بحر شوی کے آخر میں جس طرح نہیت "الہماز تنقذۃ الخیث" کی صداقت نمایاں کرتے ہوئے عجز کی جھل پھرائی کا ذکر کر کے اسے "خلیل کب تک یقین" اور مقررہ اسب الالہیں" دکھاتے ہیں اسی طرح غالب بھی

ز لا دم دن و حلیم لا ش
گو اللہ و ہلق ما سوا ش

کی تلقین کر کے جھل اندوزی کا درس دیتے ہیں۔ ہاں یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ غالب نے شوی نیرنگ عشق ہے اس طور احتیاط کیا کہ نہیت کے بعض مضامین اور تراکیب کو زیادہ چمکا دیا۔ گویا یہ احتیاط ایک بالغ فکر اور مجتہد مزاج رکھنے والے شاعر کا احتیاط ہے کسی اندھے بہرے مقلد کا احتیاط نہیں۔

غالب کے طالب علم جانتے ہیں کہ ایک زمانے میں غالب بیدل کے مقلد تھے اور رنگ بہار بھلائی بیدل کے عاشق۔ مگر رفتہ رفتہ وہ بیدل کے اثرات سے آزاد ہوتے گئے۔ یہ درست ہے کہ نہیت سے ان کی لیڈان اندوزی بیدل کے مقابلے میں نسبتاً کم ہے مگر بیدل اور نہیت دونوں سے بعد ازاں برائت کا اعلان دراصل اپنے ان نقوش قدم کو مٹانے کے حراول ہے جو سیدھے ان دونوں حضرات کے قہر رنج تک جاتے ہیں۔

غالب نے ایک جگہ ناظم ہندی کا ایک مثنوی نما قطع نقل کیا ہے جس میں اس نے ممتاز مثنوی نگاروں کا ذکر کرتے ہوئے انکی تاریخی ترتیب قائم کی تھی۔ یہ ترتیب مثنوی، فردوسی، خاقانی اور نظامی سے ہوتی ہوئی سعدی، خسرو اور جہاں تک پہنچتی تھی۔ غالب نے اس میں ایک شعر کا اضافہ کیا جس میں ان کا اپنا نام شامل تھا:

ز جہاں پہ مثنوی و غالب رسید

ز مثنوی و غالب پہ غالب رسید

کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ اس مقد شیا میں غنیمت کا نام بھی شامل کرتے جن کا فیض ”چراغ دیر“ ہی پر ضیاء ابر گہر باد تک پہنچا ہوا نظر آتا ہے جو ان کی ہندو عمر کی مثنوی ہے۔ بہر حال غالب سے یہ روایت آگے چل کر مثنوی نگاری کی حد تک اقبال تک پہنچتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ اقبال کی مثنویات کا رنگ دوسرا ہے۔ رنگیں بیاں انکا مقصود نہیں تھا اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ بعد کی فارسی شاعری میں غالب کی ”چراغ دیر“ کا جواب نہیں مل سکتا۔ کہتے ہیں کہ صاحب کمال لا ولد وہ جاتا ہے۔ غالب کے صاحب کمال ہونے میں کیا شک ہے وہ لفظاً و معناً ”ہر دو لحاظ سے لا ولد ہیں۔“ نیز ”مک حلق“ اور ”چراغ دیر“ دونوں فارسی مثنویات میں بے مثال ہیں۔ غالب کی شاعری پر فارسی استاد کے اثرات کا جائزہ کسی مرموز طلب کا خطر ہے۔ غالب شناس کے حوالے سے ان اثرات کی نشاندہی نہایت درجہ ضروری ہے تاکہ غالب کی حقیقی دین کا صحیح صحیح قصین کیا جاسکے۔

۱۔ نیاز فتح پوری غالب کی مشنویات کے بڑے مداح تھے اور ان کی قاری غزلیات کو مشنویات کے مقابلے میں جٹوئی منیثیت دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر غالب مشنویات پر زیادہ وقت صرف کرتے تو دنیا اس کا جواب نہ پیش کر سکتی۔۔۔ دیکھیے مکتوبات نیاز جلد دوم ص ۴۳

۲۔ بیچ آہنگ (اردو ترجمہ از غلامرضا) ص ۸۱

۳۔ الہ آباد نے انہیں جس کرب میں جگا کیا اس کے مشور ذیل کے دو شعر ہیں جو رائے بیچ مل کھتری کے نام خط میں درج ہیں

مطلوبِ سلطنتِ فہمِ دل غالبِ حرمیں
کاندھِ تیش ز ضعفِ توانِ مکتِ جاں نمود
مکیند زندہ نا بہ ہمارے رسیدہ است
۱۔ را ازیں گیاور ضعیف ایی گماں نمود

۴۔ نامائے قاری غالب (ترجمہ) ص ۲۰، ۲۱

۵۔ ایضاً ص ۲۳

۶۔ ایضاً ص ۲۴: یہ مضمون ان کے مشہور شعر میں یوں وارد ہوتا ہے

قلہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے

۷۔ خطوط غالب (مرتبہ صرا) جلد دوم ص ۲۹۷، ۲۹۸

۸۔ کلیات غالب قاری (جلد اول مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل کشنوی) ص ۲۵

۹۔ A Dance of Sparks (Imagary of Fire in Ghalib's Poetry) p. 128

۱۰۔ خطوط غالب جلد اول (مرتبہ صرا) ص ۲۹۷

۱۱۔ خطوط غالب جلد دوم (مرتبہ صرا) ص ۲۹۸

۱۲۔ ایضاً ص ۲۰۴

ایک اور خط

ڈاکٹر مصین الرحمن، ڈاکٹر وحید قریشی اور پروفیسر لطیف الرحمن

حلیم صاحب، اسلام منیم!

جاگیر غالب مرحوم پر قہوی چند کے بارے میں اس سے قبل تین خطوط لکھ چکا ہوں۔ اس وقت میرے پیش نظر ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا مضمون ”جاگیر غالب“ — ایک مطالعہ — ہے۔

مضمون کی ابتدائی طور میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ ”اس برس کی دریافتوں میں ”جاگیر غالب“ سرفہرست ہے“ یہ بات تاریخی اور تحقیقی اعتبار سے غلط ہے۔ سید مصین الرحمن صاحب نے اپنی مزید کتاب ”جاگیر غالب“ کے صفحہ ۸ پر لکھا ہے۔

”یہ کتابیں جن پر ۳ جون ۱۹۷۰ء کی تاریخ ثبت ہے۔۔۔ میرے ذخیرہ غالبیات کا اقتیاد اور زبور ہیں۔۔۔ انہی میں ان کی نادر اور قابل قدر کتاب ”جاگیر غالب“ بھی شامل ہے۔“

پھر یہ ۱۹۹۵ء کی دریافت کیوں کر ہوئی؟

مقدمہ کے صفحہ ۵۵ پر سید صاحب لکھتے ہیں۔

”شیخ محمد الطویل پانی پتی نے ایک کتاب ”حق جاگیر غالب“ کو ضور ۱۹۶۹ء کی مطبوعہ بتایا ہے۔“ یعنی سید صاحب شیخ مرحوم کی بات پر یقین نہیں کر رہے ہیں۔ اس کتاب کا حوالہ ڈاکٹر انصار اللہ نظر کی غالب، بیلہ گرائی (۱۹۷۳ء) میں موجود ہے اور اس سے قبل ڈاکٹر خلیق انجم ۱۹۶۷ء میں تاچکے تھے کہ ”حق جاگیر غالب“ چھپ چکی ہے اور یہی سال ”حق جاگیر غالب“ کی اشاعت کا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کو کتاب کا ایک نسخہ ۱۹۷۳ء میں مل چکا تھا۔ اس کے باوجود سید مصین الرحمن صاحب اسے ”معدوم“ بتاتے ہیں۔ جب یہ کہ دریافت کا سرا اپنے سر باندھ رہے ہیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا یہ بھی خیال ہے کہ ”حق جاگیر غالب“ کی اشاعت کو روک دیا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو مرحوم پر قہوی چند ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی خدمت میں کیوں پیش کرتے۔ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ تکمیل پند انسان تھے کسی دوسرے درجہ کی چیز کا سوال ہی نہیں تھا۔ مرحوم کی اس لوا کو ہر لوب شناس اس وقت بھی جانتا تھا اور اس سے قبل بھی۔ اس لئے یہ بات حلیم نہیں کی جاسکتی کہ ”چھاپائی ہوئی کتاب کی فروخت روک دی گئی“۔

وحید قریشی صاحب کے مضمون سے میرے اس خیال کی تصدیق ہو گئی کہ ”حق جاگیر غالب“ اور ”جاگیر غالب“ کے مضامین کی تعداد برابر ہے۔ جب کہ میں گذشتہ کسی خط میں عرض کر چکا ہوں اصل کتاب ”حق جاگیر غالب“ ہے۔ جب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو اس کا نام

تبدیل ہو گیا لفظ "حق" ٹال دیا گیا اور کچھ نئی دستخطات بھی شامل کر دی گئیں اور چند درخواستوں کو جو غیر حلقہ قلمی ٹال دیا گیا۔

صمیم الرحمن نے اس بات کا جوت نہیں فرام کیا کہ "دوسری اشاعت کے فرسے بھی (میر/ضائع) کر دیئے" لفظ بھی سے وہ یہ بتا رہے ہیں کہ حق جاگیر غالب کے فرسے بھی ضائع کر دیئے گئے تھے۔ اب تو سید صاحب خود پوچھ رہے ہیں وہ کتابیں انہوں نے جن کتابوں کو ضائع کیا ہے کسی کتاب کے فرسے انہوں نے "میر" کر دیئے؟

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب لکھتے ہیں۔

مرحوم قوی چند کے متن میں ڈاکٹر صمیم الرحمن صاحب نے کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ کیا کسی متن میں تبدیلی جائز ہے؟ ڈاکٹر وحید صاحب اردو کے بڑے نامور محقق ہیں ان کے قلم سے ایسی بات قلم کا باعث ہے۔ کتاب کو بائیں سے دائیں مرغ کی بجائے اردو متن کے مطابق کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دستخطات کی ترتیب بھی بدل دی گئی ہے۔

میں تو یہ کہوں گا کہ سید صاحب نے ساری کتاب کو زیر و زبر کر دیا ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے مضمون کے آخر میں تحریر فرمایا ہے۔

"میری رائے میں ڈاکٹر صمیم الرحمن کا یہ کارنامہ انا اہم ہے کہ اس کی جس قدر پرمائی کی جائے کم ہے۔ انہوں نے ایک کم شدہ محتاج گراں ہوا کو پڑھنے والوں کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔"

وسا ہرائی نے یہ کیا کہ غالب کے خطوط سے کٹے اڑائے اور نئے خط غالب کے اپنے دلوں کے نام چھاپ دیئے اگر صمیم الرحمن صاحب کا پر قوی چند صاحب کی کتاب کو زیر و زبر کر دینا کارنامہ ہے تو پھر وسا صاحب نے بھی کارنامہ انجام دیا ہے وہ جعلی خطوط کیوں لکھائیں؟ (لاہور خطوط غالب از وسا ہرائی، ۱۹۳۹ء) کا شانہ ادب لکھتے۔

علامہ آئی الدینی نے غالب کے رنگ میں غزلیں کہیں اور ان کی شرح لکھ دی اسے الملتی کلام کہیں کہئے کارنامہ کیوں نہ کہئے (مکمل شرح کلام غالب از عبدالباری آسی (مدینہ یک وچہ ابن آباد پارک لکھتے)

صمیم الرحمن صاحب کے کارنامے میں بتاتا ہوں۔

۱۔ ایک طالب بشری ہاسٹ نے ادا جعفری کی شخصیت اور شاعری پر ایچ۔ اے کا تمصیص لکھا۔ ڈاکٹر سید صمیم الرحمن صاحب نے اس مقالے کے پانچ مضامین بنائے اور اپنے نام سے نقوش لاہور میں چھپوائے۔

۲۔ ڈاکٹر سید صمیم الرحمن صاحب نے غالب اور انتخاب متلون کے عنوان سے دستخط کا ترجمہ ضائع کیا وہ ترجمہ ان کا نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بڑا کمال یہ دکھایا کہ برصغیر پاک و ہند کے سب سے بڑے محقق سب سے معتبر نقاد رشید حسن خاں صاحب تک کو انہوں نے فہرے

دیا کہ خان صاحب کی ستارش پہ غالب انٹی ٹیوٹ دہلی نے بھی اس کتاب کو شائع کیا اور جب میں نے محترم رشید حسن خاں صاحب کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا تو وہ سر ہنسنے لگے۔

مرحوم رشید احمد صدیقی صاحب نے اپنے مرشد ڈاکٹر واکر حسین خان صاحب کے انتقال پر جن خطبات کا اظہار کیا تھا رشید صاحب کے انتقال پر ڈاکٹر سید صمیم الرحمن صاحب نے ان الفاظ کو رشید صاحب پر چسپاں کر دیا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے خطبات رشید احمد صدیقی مطبوعہ دنیال کراچی (۱۹۸۸ء) کا مقدمہ بعنوان ”آئینہ کیوں نہ دلاں!“

مرحوم محمد طفیل مدیر نقوش کے بارے بھی کتاب ”محمد نقوش“ مرتب میں نے کی صمیم الرحمن صاحب کے ہاتھوں میں مسودہ پہنچا انھوں نے اپنے نام سے شائع کیا۔ میرے پاس ان اشیاء کے خطوط موجود ہیں جنہیں میں نے اس سلسلہ میں خطوط لکھے تھے وہ تمام خطوط جلد ہی پیش کر دیئے جائیں گے۔

مرحوم رشید احمد صدیقی صاحب کی کتاب جدید اردو غزل کی بھی ڈاکٹر سید صمیم الرحمن نے جلیہ گری کی ہے۔ انھیں رشید صاحب کا نام پڑھتے ہی ”مقتاب“ لکھنے لگا ہے۔ موصوف کو اس لفظ کے معنی تک نہیں معلوم اور اسے رشید صاحب کے نام کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

سید صاحب کے یوں تو اور بھی بہت سے کارنامے ہیں لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا سید صاحب نے درود خود ایک اختراع قرار دیا اپنے ہاتھ ڈاکٹر اجمل یارزی کو حکم دیا کہ وہ اپنے نام سے شائع کریں۔ یہ اختراع پہلے روزنامہ ”پاکستان“ لاہور میں اور پھر ”قوی زبان“ کراچی میں شائع ہوا۔ اس اختراع کا فوٹو اسٹیٹ میرے پاس ہے۔ میں اس کا ٹکس بچھا کر جلد ہی ”مرزا جمیل الدین حالی“ صاحب کی خدمت اقدس میں پیش کروں گا۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے علم میں یہ بات ہے کہ جاگیر غالب کے علاوہ غالب کی پٹن کے سلسلہ میں اور دستاویزات بھی موجود ہیں۔ میرے عزیز دوست اور سابق رفیق کار پروفیسر نذیر احمد صاحب (پرائیٹ ٹیکسٹری اینڈ ڈی سی) نے

Official Record on Ghalib's Pursuit of Family Pension and Related

Matters 1805-1869

کو بھیجا گیا ہے۔

اس میں ۱۸۶۹ دستاویزات موجود ہیں۔ ان میں غالب کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی فارسی میں درخواستیں موجود ہیں جو کچھ تک کہیں شائع نہیں ہوئیں ان کا ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ تمام انگریزی

تحریروں کا بھی ترجمہ ہو گا اور جب یہ اپنی دنیا کے سامنے کتابی شکل میں پیش کیا جائے گا تو غالب کی چٹائی کے سلسلہ میں ص ب سے بڑا کارنامہ ہو گا۔ جس طرح اسے پروفیسر خیر احمد صاحب نے ترتیب دیا ہے اور دستاویزات کو مرتب کیا ہے وہ بھی کسی کارنامہ سے کم نہیں۔
میں نے خیر صاحب کو لکھا ہے کہ اگر انہوں نے جلد اس کام کو مکمل نہ کر لیا تو ڈاکٹر سید مصین الرحمن صاحب اسے لے اڑیں گے اور ان کی تمام حق ریزی کو اپنے سرے میں اٹھالیں گے۔

قصص

لطیف الزمان خان

چار شعبہ ۹ اگست ۱۹۹۵ء

ناشر حلیم احمد پٹر معراج دہلی نے ۱۶۔ عمر روڈ "اسلام پورہ لاہور سے بچھا کر

معراج پٹر روڈ اردو بازار لاہور سے شائع کیا

شاعری ہی شاعری

منظر و ادبی

○ اہلحد	30 روپے
○ نور اول	30 روپے
○ باب حرم	30 روپے
○ میرے اچھے رسول	30 روپے
○ کعبہ حقیق	100 روپے
○ دور سے درنی تک	70 روپے
○ عرف کی طا	60 روپے
○ لمحہ	70 روپے
○ مکے در پہ بند ہوا	120 روپے
○ راکھ کے ڈبیر میں پھول	150 روپے
○ لہو کی پہاڑی	70 روپے
○ حناؤں کی آنکھ	75 روپے
○ ظلم نہ سہا	75 روپے
○ حصار	100 روپے

حفظ کتاب

○ مک حراں دی	80 روپے
○ صلوا علیہ و آلہ	90 روپے
○ و صلوا علیہا	120 روپے
○ وہی نہیں وہی طا	روپے
○ منتقبت	روپے

اسلم کو لکری

○ چلی چلی	80 روپے
○ ویرانہ	100 روپے
○ چٹھی	80 روپے
○ نیند	100 روپے
○ صحنہ	100 روپے
○ کاش	80 روپے

بدلی راستہ روکے کڑی ہے فرحت مہاس شہ 180	
ہمیں تیری تمنا ہے	اتر شمار 100 روپے
قدیم و شیر	بشش محمد الیاس 180 روپے
مکتف	ضمیمہ انکس 100 روپے
سافر تک کیا ہے	سلطان سعید 75 روپے
کبھی تو چاہے نکلے گا	سیف اللہ خالد 100 روپے
اب میرا انتظار کر	شعین احمد 100 روپے
آس نکالے	عقلمی احمد 70 روپے
شہرے سلامت	عارف عبدالمتین 80 روپے
اچھے دنوں کی آس میں	روحی کبلی 100 روپے
اجمل	اکرم ناصر 80 روپے
میں نے خواب آڑو کے	حزیرین رفیق 70 روپے
چو گلاب سا	مرزا فیض کوثر 70 روپے
جریں دل	مرزا فیض کوثر 75 روپے
بچھی کے جانے کا سے	دلہندہ پاتھ ٹیگور 60 روپے
یادوں کا چراغ	ریاض قصور 100 روپے
چھایا	نہرو مدید 80 روپے
دع این غالب	اسد اللہ غالب 50 روپے
دع این علی	لطاف حسین علی 45 روپے
سانچے بندرے	رفیق کاشمیری 100 روپے
گوئیوں وکس کر لکڑاں	ظہور حسین قصور 99 روپے
غزلیں جو بچکان ہیں	مرتجہ سعد اللہ شہ 70 روپے
تھیں جو بچکان ہیں	*** 70 روپے



بزرگ صغیر پاک و ہند کی آبرو، شاعری کے آفتاب

مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب

کی ادبی عظمت کا آفتاب کبھی غروب نہ ہوگا

ماہ و سال کی گردش کے ساتھ اس کی روشنی اور تابندگی بڑھتی جئے گی

آج دو صد سالہ جشنِ غالب

— کے موقع پر —

صرف شعروادب کے دلدادہ ہی نہیں، ہر سخن فہم غالب کی عظمت شہرگئی کا مستحق ہے

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں

زرعی ترقیاتی بینک پاکستان

1997ء

پاکستان کا گولڈن جوبلی سال

اس تاریخی موقع پر

شو

کی ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے

جو

ہر اعتبار سے انفرادیت کی حامل ہوگی



دیوان غالب

_____ لہجہ شاعری کے بڑا حرم اور وقت کے لحاظ سے زندہ رہنے والے شاعر کا مجموعہ

_____ کلام غالب کے شائقین اور علم و ادب کے کارکنوں کے لئے یہ بیاضوں

_____ الفاظ سے پاک _____ جلد خوبصورت سرورق سے آراستہ قیمت صرف 90 روپے

غالب کا مقدمہ پیش حقائق : ڈاکٹر انیس بنگی

غالب کو دنیا سے پہلے کے ڈیڑھ صدی ہونے کو ہے۔ لیکن غالب کی زندگی و شخصیت میں تاریخی کی رنگینی اب بھی نہ صرف قائم ہے بلکہ بڑھتی چلی ہے۔

_____ ”غالب کا مقدمہ پیش“ غالب کی زندگی کا اہم مسئلہ تھا _____ غالب کو سب پر غالب کرنے میں اس مقدمے کا بڑا دخل تھا _____ اس کتاب میں وہ دستاوردات شامل کی گئی ہیں جو اس سے پہلے کبھی منظر عام پر نہیں آئیں۔ قیمت: 80 روپے

عقلمند غالب ڈاکٹر عبدالغنی

_____ کوئی شاعر غنی عظمت کے سہارے پر فائز نہیں ہو جاتا۔ اسکے میں منظر میں شاعری شخصیت ’اس کا مزاج اور اس کا ماحول بھی شامل ہوتے ہیں

_____ غالب کو عظمت سے ہٹکار کرنے والے عزیمت کا جہاز، لہذا ایک وقت طلب کام تھا لیکن مصنف انگریزی ادب کے استاد ہونے کے باوجود عظمت غالب کو حقیقی انداز سے آشکار کیا ہے۔

جلد ایٹم جیٹ قیمت 75 روپے

لہجہ زبان کے لیے بڑا شاعر
پاکیزہ گفتگو اور شائستگی ادب کے ترجمان
ماہر گفتگواری کی بدولت تصانیف
انہی کتابیں _____

○ جنہیں لوگ حاشی کرتے ہیں

○ جنہیں بار بار پڑھا جاتا ہے

○ جسے بطور تحفہ پیش کیا جاتا ہے

○ اب پہلی بار _____ یہ صدی کتابیں

_____ ایک ہی جگہ پر دستیاب

کلیات ماہر

_____ گفتگو _____ عمدہ عبارت _____ مضبوط جلد ○ قیمت 450 روپے
کم شدہ اعلیٰ ترین کار

خوش آغاک کی کہانی

حقائق: ناصر بشیر
خوش آغاک آزادی سے چند برس قبل اٹلانٹک کے تین پر شہاب
جانب کی طرح نمودار ہوا چند اٹلانٹک اور ایک نئی لکھا ہوا کہیں کم
ہو گیا

ناصر بشیر نے نہ صرف خوش آغاک کی شخصیت کی کرسیں جتن کیں
بلکہ اس کے حالات حیات بھی ہزاروں کے اور اس فنکار کا مٹی
جہاز، غیر جانبداری سے لہجہ قیمت: 75 روپے

اشفاق احمد

گدرونی کی دنیا کا نڈال ہم جن کے تحریر کردہ داراے

من چلے کا سودا

نے نہ صرف سوجھ بوجھ میں اہل چاندی۔

قیمت 225.00 روپے

القلم انٹرپرائزز غزنی سٹریٹ ’اندو بازار‘ لاہور

دینی لڑائی کی سب سے دلہپ کتاب

ہم کیوں مسلمان ہوئے؟

دنیا بھر کے مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے ۹۰ ہزار نو مسلم اپنے قبولِ اسلام کی سرگزشت بیان کرتے ہیں۔ جن میں سولہ خواتین کے تذکرے بھی شامل ہیں۔

☆ اسلام کی حقانیت اور مذہبِ باطن کے کھوکھلے پن کی روح پرور مثالیں

☆ عادل اور فاضلے سے بڑھ کر بے لطف

☆ بے حد ایمان غرور — بے حد یقین پرور

☆ سچیں، نروں اور غریبوں سے اتر آجیاں

☆ دھمکی، سردی، تسلیم، کھڑے، سنبھلے جلد

(کئی اضافہ شدہ ایڈیشن)

- / ۲۵۰ روپے

اقبالیات پر کتب

عمرِ اقبال	ڈاکٹر عبدالغنی	۱۲۰ روپے
انظر اقبال	حرمِ ڈاکٹر دماغ	۱۷۵ روپے
(اقبال کے ۱۷ مکالمے)		
تکذبات اقبال	پروفیسر زبیب احمد	۶۰ روپے
حیات اقبال کا سفر	باران الرشید مجسم	۶۰ روپے
اقبال جو اقبال ہے	باران الرشید مجسم	۱۰۰ روپے
اقبال و غیر طوطی	ڈاکٹر منظور مختار	۴۵ روپے
مدح اقبال	ڈاکٹر مسدق حسین خان	۱۸۰ روپے
اقبال کا تفسیرِ تعلیم	محمد حبیب الدین احمد	۱۸ روپے
مکالمات اقبال	سید عبدالواحد مصطفیٰ	۹۰ روپے
باقیات اقبال	سید عبدالواحد مصطفیٰ	زیر طبع
روزگارِ فقیر (اول)	لقیر وحید الدین	۱۵۰ روپے
روزگارِ فقیر (دوم)	لقیر وحید الدین	۱۸۰ روپے
تذکرہ قصوف	علامہ اقبال / عارف گوردی	۷۵ روپے
اقبال اور مولوی	ایچ دانش قادری	۲۱ روپے
عز و سحر	پروفیسر شریف شاہ	۴۵ روپے
(دو اور اقبال کا مکالمہ)		
علامہ اقبال اور اردو بازار	محمد حکیم اوانیس	۳۶ روپے
اقبال اور جدید دنیا کے اسلام	ڈاکٹر یحییٰ الدین عقیل	زیر طبع

○ حضور نبی کریم کی ولادت باسعادت کے موضوع پر جذب و شوق میں لکھی ہوئی اکیس ہزار منتخب شاہکار غزلیں قیمت ۱۵۰ روپے

سیرتِ رسول پر ایک نئی کتاب

جب حضور آئے

ترتیب و تحقیق محمد متین خلد

مکتبہ تعمیر انسانیت اردو بازار ○ لاہور